تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا

معارف القرآن



ترجمہ: حقیقت آگاہ معرفت پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما

تفسیر: شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ

موضح فرقان معروف بہ

تفسیر عثمانی

ترجمہ: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ

دوم

تفسیر
شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ
۱۲۶۸ھ - ۱۳۳۹ھ
(سورۃ الفاتحہ تا سورۃ النساء)

تفسیر
حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ
۱۳۰۵ھ - ۱۳۶۹ھ
(سورۃ المائدہ تا سورۃ الناس)

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ

بسم اللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ

نام کتاب ——— معارف القرآن وتفسیر عثمانی

جلد ——— دوم

سن اشاعت ——— محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق اکتوبر 2017ء

کمپوزنگ ———

ناشر ——— مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ (رجسٹرڈ)

باہتمام ——— انیس احمد مظاہری

اسٹاکسٹ ——— مکتبۃ المظاہر، جامعہ احسان القرآن لاہور
0332-4377501

کاوش اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا احسان عظیم ہے کہ ہم تشنگانِ علومِ نبویہ کی خدمت میں تفسیر قرآن کی عظیم کتاب معارف القرآن وتفسیر عثمانی پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ شب وروز کی محنتِ شاقہ اس کے ظہور پذیر ہونے میں کارفرما رہی اس عظیم کام کو بحسن وخوبی سرانجام دینے میں ہیئۃ العلماء کے معزز اراکین نے حتی المقدور سعی کی۔ اس نسخے کی تیاری زرِ کثیر خرچ کر کے کروائی گئی ہے اور بار بار پروف ریڈنگ کروائی گئی تا کہ اغلاط کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہو، بہر کیف انسان خطا کا پتلا ہے اس کے ہاتھوں غلطی کا صدور ہر لمحہ ممکن ہے، ہمیں امید ہے کہ آپ ہمیں حسب سابق اصلاح کی طرف گامزن کرتے رہیں گے۔

استدعا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہم نے اپنی طاقت اور بساط کے مطابق کتاب کی تصحیح میں حتی الامکان محنت وکوشش کی ہے اس کے باوجود اگر طالبانِ حدیثِ رسول وقرآن کو کسی مقام پر کوئی قابلِ تصحیح عبارت نظر آئے تو وہ ہمیں ضرور اطلاع فرمائیں، ہم ان کے شکر گزار ہوں گے اور اس غلطی کی درستگی کریں گے۔ آپ کے اس علمی تعاون کی بدولت ہی ہم اشاعتِ دین کے ساتھ ساتھ حفاظتِ دین کا فریضہ سرانجام دینے کے قابل ہوں گے۔

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ (رجسٹرڈ)

فہرست مضامین

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ

ہرگز نہ حاصل کرسکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز سے کچھ اور جو چیز خرچ کرو گے سو اللہ کو

ہرگز نہ پہنچو گے نیکی کی حد کو، جب تک نہ خرچ کرو کچھ ایک، جس سے محبت رکھتے ہو۔ اور جو چیز خرچ کرو گے، سو اللہ کو

عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

معلوم ہے ف۱

معلوم ہے۔

ترغیب انفاق مال درراہ خداوند ذوالجلال

قَالَ تَعَالٰی: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ ... الی ... فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ اگر قیامت کے دن کفار اپنی رہائی کے لیے روئے زمین کے برابر بھی سونا خرچ کریں تو ذرہ برابر مفید نہ ہوگا اب اس آیت میں مسلمانوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم خدا کی راہ میں کتنی ہی معمولی چیز کیوں نہ خرچ کرو وہ تمہارے لیے نافع اور مفید ہوگی مگر اتنا خیال رکھنا کہ جو چیز تمہارے نزدیک زیادہ محبوب اور مرغوب ہو اگر اس کو خدا کی راہ میں خرچ کرو گے تو تم ابرار اور اخیار میں سے ہو جاؤ گے اور اگر کوئی معمولی چیز بھی خدا کی راہ میں دو گے تو اجر اور ثواب تو اس کا بھی ضرور ملے گا لیکن درجہ ان ابرار کا حاصل نہ ہوگا جن کے متعلق حق تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے۔ ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا﴾ الآیۃ اس لیے کہ ابرار کا درجہ محبوب چیز کے خرچ کرنے سے حاصل ہوتا ہے نیز بخل کی عادت کے زائل ہونے کا طریقہ یہی ہے کہ محبوب اور پسندیدہ چیز خدا کی راہ میں خرچ کی جائے معمولی چیز کے خرچ کرنے سے نفس سے بخل کا ازالہ نہیں ہوتا اس لیے ﴿مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ کی قید لگائی۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو! تم خیر کثیر اور احسان عام کے مرتبہ اور مقام کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے یہاں تک کہ تم خدا کی راہ میں ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن کو تم محبوب رکھتے ہو محبوب حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ یہ ہے کہ کچھ تو محبوب مجازی کو محبوب حقیقی کی راہ میں خرچ کرو اور باقی خدا کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے اگرچہ وہ چیز تم کو محبوب نہ ہو۔ سو اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والے ہیں۔ تمہاری نیت اور عمل کے مطابق اس کا اجر عطا فرمائیں گے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر محبوب ہو یا غیر محبوب اجر سے کوئی صدقہ اور نفقہ خالی نہیں۔ چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

ف۱ یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ کیسی چیز خرچ کی، کہاں خرچ کی اور کس کے لئے خرچ کی۔ جتنی محبوب اور پیاری چیز جس طرح کے مصرف میں جس قدر اخلاص وحسن نیت سے خرچ کرو گے اسی کے موافق اللہ تعالیٰ کے یہاں سے بدلہ ملنے کی امید رکھو اعلیٰ درجہ کی نیکی حاصل کرنا چاہو تو اپنی محبوب وعزیز ترین چیزوں میں سے کچھ خدا کے راستہ میں نکالو۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی جس چیز سے دل بہت لگا ہو اسکے خرچ کرنے کا بڑا درجہ ہے، یوں ثواب ہر چیز میں ہے۔ شاید یہود ونصاریٰ کے ذکر میں یہ آیت اس واسطے نازل فرمائی کہ ان کو اپنی ریاست بہت عزیز تھی جسکے تھامنے کو نبی کے تابع نہ ہوتے تھے۔ تو جب تک وہ ہی اللہ کے راستہ میں نہ چھوڑیں درجہ ایمان نہ پائیں گے۔" پہلی آیت سے یہ مناسبت ہوئی کہ وہاں کافر کا مال خرچ کرنا بیکار بتلایا تھا، اب اس کے بالمقابل بتلا دیا کہ مومن جو خرچ کرے اس سے نیکی میں کمال حاصل ہوتا ہے۔

ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ اور مجھے تمام جائیداد میں سب سے زیادہ یہ باغ ''بیرحاء'' محبوب ہے اور مرغوب ہے آپ ﷺ گواہ رہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ ہے میں اللہ سے اس کی براور ذخیرہ کا امیدوار ہوں یارسول اللہ اس مال کو جہاں چاہیں خرچ کریں حضور پرنور ﷺ نے سن کر فرمایا واہ واہ یہ تو بڑے نفع والا مال ہے۔ جو تو نے کہا وہ میں نے سن لیا میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ اس کو تو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردے ابوطلحہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں ایسا ہی کروں گا۔ پھر ابوطلحہ نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچا کی اولاد میں تقسیم کردیا۔ (بخاری ومسلم)

فائدہ:...... غیر محبوب کے خرچ کرنے پر اجر وثواب ملتا ہے بشرطیکہ وہ قابل نفرت نہ ہو جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ﴾ یعنی قصد کرکے خراب اور ردی چیز خیرات مت کرو ہاں اگر کسی نے سارا مال خیرات کردیا اور اس میں کچھ ردی بھی تھا یا سارا ہی ردی تھا تو کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ قصد کرکے ردی نہیں دے رہا ہے بلکہ جو اس کے اس موجود ہے وہی دے رہا ہے ممانعت اس کی ہے کہ ایک شخص کے پاس عمدہ مال بھی ہے اور خراب بھی مگر وہ شخص صدقہ کے لیے خراب اور ردی مال کا انتخاب کرتا ہے۔

نکتہ:...... شاید یہود ونصاریٰ کے ذکر میں یہ آیت اس لیے نازل فرمائی کہ ان کو اپنی ریاست بہت محبوب تھی اس وجہ سے وہ نبی کریم ﷺ کے تابع نہ ہوتے تھے تو جب تک وہ اللہ کی راہ میں اپنی محبوب ریاست کو نہ چھوڑیں گے ایمان کی دولت حاصل نہ کرسکیں گے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ

سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کو مگر وہ جو حرام کرلی تھی اسرائیل نے اپنے اوپر توریت

سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں، بنی اسرائیل کو، مگر جو حرام کرلی تھی اسرائیل نے اپنی جان پر توریت

قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾

نازل ہونے سے پہلے ف۱ تو کہہ! لاؤ توریت اور پڑھو اگر سچے ہو ف۲

نازل ہونے سے پہلے۔ تو کہہ لاؤ توریت اور پڑھو اگر سچے ہو۔

ف۱ یہود، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم اپنے کو دین ابراہیم پر کیسے بتلاتے ہو جبکہ وہ چیزیں کھاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے پر حرام کی تھیں جیسے اونٹ کا گوشت اور دودھ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جتنی چیزیں اب لوگ کھاتے ہیں سب ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں حلال تھیں جب تک تورات نازل ہوئی، بیشک تورات میں خاص بنی اسرائیل پر بعض چیزیں حرام ہوئی ہیں۔ مگر ایک اونٹ تورات سے پہلے حضرت اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام نے اسکے کھانے سے قسم کھائی تھی، ان کی پیروی میں ان کی اولاد نے بھی چھوڑ دیا تھا۔ اور اس قسم کا سبب یہ تھا کہ یعقوب علیہ السلام کو ''عرق النساء'' کا درد تھا اس وقت نذر کی کہ اگر صحت پاؤں تو جو چیز میری رغبت کی ہے اسے چھوڑ دوں گا۔ ان کو یہی اونٹ کا گوشت اور دودھ بہت مرغوب تھا، سو نذر کے سبب چھوڑ دیا۔ اس قسم کی نذر جو تحریم حلال پر مشتمل ہو ہماری شریعت میں روا نہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ اگر کرلی تو توڑ دے اور کفارہ ادا کرے۔

(تنبیہ) پہلی آیت میں محبوب چیز کے خرچ کرنے کا ذکر تھا اس آیت میں یعقوب علیہ السلام کا ایک محبوب چیز کو چھوڑ دینا مذکور ہے۔ اس طرح =

فَمَنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۹۴﴾ قُلۡ

پھر جو کوئی جوڑے اللہ پر جھوٹ اس کے بعد تو وہی ہیں بڑے بے انصاف ف۱ تو کہہ

پھر جو کوئی باندھے اللہ پر جھوٹ اس کے بعد تو وہی ہیں بے انصاف۔ تو کہہ

صَدَقَ اللّٰہُ ۟ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۹۵﴾

سچ فرمایا اللہ نے اب تابع ہوجاؤ دین ابراہیم کے جو ایک ہی کا ہو رہا تھا اور نہ تھا شرک کرنے والا ف۲

سچ فرمایا اللہ نے، اب تابع ہوجاؤ دین ابراہیم کے، جو ایک طرف کا تھا۔ اور نہ تھا شرک کرنے والا۔

رجوع بخطاب اہل کتاب

قَالَ تَعَالٰی: ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ... الی... وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ﴾

دور سے سلسلۂ کلام اہلِ کتاب کے متعلق چلا آ رہا ہے افتراء کا ذکر درمیان میں استطراداً اور تبعاً ہوگیا تھا اب پھر اہلِ کتاب کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ شروع سورت سے لے کر یہاں تک کہ توحید الٰہی اور آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کے بارہ میں زیادہ تر نصاریٰ سے محاجہ اور مباحثہ اور مباہلہ کا ذکر ہوا اب یہاں سے حق تعالیٰ یہود کے دو شبہوں کا جواب دیتے ہیں جو وہ دین اسلام پر کرتے تھے۔

پہلا شبہ:...... یہ تھا کہ اے محمد (ﷺ) آپ ﷺ اپنے آپ کو دین ابراہیمی اور انبیاء سابقین کے طریقہ پر بتلاتے ہیں تو پھر آپ ﷺ ان چیزوں کو کیسے حلال بتلاتے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء پر حرام تھیں۔ مثلاً اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ ان پر حرام تھا اور آپ ﷺ اس کو حلال بتاتے ہیں اور اگر آپ ﷺ یہ کہیں کہ یہ چیزیں جو ان کے دین میں حرام تھیں اب ان کی حرمت میری شریعت میں منسوخ ہوگئی تو پھر آپ ﷺ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ آپ اُن کی تصدیق کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ کا دین ان کے دین کے موافق ہے۔

حق تعالیٰ ان کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اے یہود تمہارا یہ قول کہ اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ حضرت

= دونوں آیتوں میں لطیف مناسبت ہوگئی۔ نیز ان آیات میں متنبہ کیا گیا ہے کہ پہلی شرائع میں نسخ واقع ہوا ہے جو چیز ایک زمانہ میں حلال تھی بعد میں حرام ہوگئی۔ اگر اسی طرح اب شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شرائع سابقہ میں حلال وحرام کے اعتبار سے تفاوت ہو تو انکار واستبعاد کی کوئی وجہ نہیں۔

ف۲ یعنی اگر تم سچے ہو کہ یہ چیزیں ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے حرام تھیں تو لاؤ یہ مضمون خود اپنی مسلم کتاب تورات میں دکھلا دو۔ اگر اس میں بھی نہ نکلا تو تمہارے کاذب ومفتری ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ روایات میں ہے کہ یہود نے یہ زبردست چیلنج منظور نہ کیا۔ اور اس طرح نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک اور دلیل قائم ہوگئی۔

ف۱ یعنی بڑی بے انصافی ہوگی اگر اس کے بعد بھی وہی مرغے کی ایک ٹانگ گاتے رہو کہ نہیں، یہ چیزیں ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے حرام ہیں اور دین ابراہیم کے اصلی پیرو ہم ہیں۔

ف۲ یعنی خدا تعالیٰ نے حلال وحرام کے متعلق نیز اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں سچی سچی اور کھری کھری باتیں تم کو سنا دیں جن کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ اب چاہیے کہ تم بھی مسلمانوں کی طرح اصلی دین ابراہیم کی پیروی اور اس کے اصول کا اتباع کرنے لگو جن میں سب سے بڑی چیز توحید خالص تھی۔ چاہیے کہ تم بھی عزیر ومسیح اور احبار ورہبان کی پرستش چھوڑ کر پکے موحد مسلم بن جاؤ۔

ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر حرام تھا بالکل غلط ہے بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر توریت کے نازل ہونے تک یہ تمام چیزیں بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں البتہ یعقوب علیہ السلام نے توریت کے نازل ہونے سے پہلے اونٹ کا گوشت کسی وجہ سے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا وہ یہ کہ یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی بیماری تھی اس وقت اللہ سے نذر مانی کہ اگر صحت پاؤں تو جو چیز مجھے مرغوب ہے اس کو چھوڑ دوں گا اور ان کو اونٹ کا گوشت اور دودھ نہایت محبوب اور مرغوب تھا۔ سو اس نذر کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیا تھا جیسا کہ ہماری شریعت میں یہی ہے کہ نذر سے حلال چیز حرام ہوجاتی ہے، مگر اس کا کفارہ دینا پڑتا ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ حق تعالیٰ نے یہود کے جواب میں فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام کا اپنے اوپر یہ حرام کرنا توریت سے پہلے تھا اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے حرام تھیں تو اپنی مسلم کتاب توریت میں یہ مضمون دکھلاؤ تا کہ تمہاری صداقت ظاہر ہو اور اگر یہ مضمون تمہاری کتاب میں نہ نکلے تو سمجھ لو کہ کاذب اور مفتری ہو۔ ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ سے ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ تک اسی شبہ کے جواب میں نازل ہوئیں جیسا کہ آئندہ تفسیر سے ظاہر ہوگا۔

فائدہ:...... پہلی آیت میں محبوب چیز کے خرچ کرنے کا ذکر تھا اور اس آیت میں یعقوب علیہ السلام کا ایک محبوب چیز کو چھوڑنے کا ذکر ہے اس طرح دونوں آیتوں میں نہایت لطیف مناسبت ہوگئی۔

دوسرا شبہ:...... یہود کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام بیت المقدس کی تعظیم کرتے تھے اور بیت المقدس ہی ان کا قبلہ تھا اور تمام انبیاء علیہم السلام اسی مقدس سرزمین میں مبعوث ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصلی وطن عراق تھا۔ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھوڑ کر شام کی طرف ہجرت فرمائی اور وہیں رہے اور وہیں وفات پائی مگر اے مسلمانو! تم نے بیت المقدس کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کو قبلہ بنالیا ہے جو سرزمین شام سے بہت دور ہے پھر تمہارا یہ دعویٰ کیسے صحیح ہے کہ تم کو ابراہیم علیہ السلام اور ملت ابراہیمی سے زیادہ قرب اور مناسبت حاصل ہے حق تعالیٰ نے ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ﴾ الی آخر الآیات میں ان کے اس شبہ کا جواب دیا کہ خانہ کعبہ ہی اول عبادت خانہ ہے جو بیت المقدس سے صدہا سال قبل ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ سے تعمیر ہوا جس میں مقام ابراہیم کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے قدم یہاں آئے ہیں کیونکہ یہ امر تاریخ عرب کے مسلمات میں سے ہے کہ یہ وہی پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہوکر خانہ کعبہ تعمیر کرایا تھا اور خدا کی قدرت سے اس پتھر میں ابراہیم علیہ السلام کے قدم کے نشان پڑ گئے تھے اور وہ پتھر اب تک برابر محفوظ چلا آرہا ہے۔

پہلے شبہ کا جواب

﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ... الی ... وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾

ان آیات میں یہود کے پہلے شبہ کا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ اے یہود تمہارا یہ قول بالکل غلط ہے کہ اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام پر حرام تھا بلکہ کھانے کی سب چیزیں توریت کے نازل ہونے سے پہلے ہی بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں۔ جن کی حلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے برابر چلی آرہی تھی مگر وہ چیز

یعنی اونٹ کا گوشت جس کو ایک خاص وجہ سے یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر بطور نذر حرام کرلیا تھا اور پھر ان کی اولاد نے بھی ان کی پیروی کی اس کو چھوڑ دیا تھا جس کا سبب یہ تھا کہ یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کا درد تھا اس وقت اللہ تعالیٰ سے نذر کی اگر اللہ تعالیٰ نے اس مرض سے شفاء عطا فرمائی تو جو چیز مجھ کو زیادہ محبوب اور مرغوب ہے اس کو چھوڑ دوں گا اور ان کو سب سے زیادہ محبوب اونٹ کا گوشت اور دودھ تھا اس لیے اس کو چھوڑ دیا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر یہ چیز حرام نہ تھی لہٰذا یہود کا یہ دعوی کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے حرام چلی آرہی ہیں کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔

فائدہ:...... آیت مذکورہ میں ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ﴾ (یعنی نزول توریت سے قبل) کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ نزول توریت سے پہلے یہ سب چیزیں حلال تھیں۔ البتہ توریت نازل ہونے کے بعد بہت سی حلال چیزیں یہود پر ان کے ظلم اور شرارت کی وجہ سے توریت میں حرام کردی گئیں جن کی کچھ تفصیل سورۃ انعام میں ہے ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ﴾

اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ آپ ﷺ ان یہود سے کہہ دیجیے کہ اگر تم کو اس کا دعوی ہے کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے برابر حرام چلی آرہی ہیں تو توریت کو لے کر آؤ اور یہ مضمون توریت میں دکھلاؤ اور سب کے سامنے اس کو پڑھ کر سناؤ اگر تم اس دعوی میں سچے ہو کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیم کے وقت سے حرام تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ ان کی کتاب کے ساتھ مباحثہ کریں۔ یہود یہ دلیل قاطع اور برہان ساطع سن کر حیران رہ گئے اور توریت نہ لاسکے اس طرح نبی اکرم ﷺ کی صداقت پر ایک حجت قائم ہوگئی اور یہود کا کاذب اور مفتری ہونا ثابت ہوگیا پس جو شخص اللہ پر جھوٹ باندھے اور یہ کہنے لگے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حرام کی تھیں اس کے بعد یعنی توریت کی حجت لازم ہوجانے کے بعد تو یہ لوگ بڑے ہی ظالم اور بے انصاف ہیں کہ حق کی بات ظاہر ہوجانے کے بعد بھی ہٹ دھرمی کرتے ہیں اور حق کو تسلیم نہیں کرتے اور اللہ کے نبی پر جھوٹے الزام لگاتے ہیں۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اللہ نے سچ فرمایا اور مجھے سچی خبر دی کہ نزول توریت سے پہلے سب چیزیں بنی اسرائیل پر حلال تھیں پس اے یہود جب تم پر محمد ﷺ کی صداقت ظاہر ہوگئی تو مسلمانوں کی طرح تم بھی ملت ابراہیمی کی پیروی کرو۔ اور ابراہیم علیہ السلام کے دین پر آجاؤ جس کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں اور وہ ابراہیم علیہ السلام ایک طرف کا ہو رہا تھا سب کو چھوڑ کر خدا کی طرف مائل ہوگیا تھا۔ جس نے دنیا میں خالص توحید اور خدا کی فرمانبرداری کی اشاعت کی اور ابراہیم علیہ السلام مشرکوں میں سے نہ تھا اس جملہ میں یہود اور نصاریٰ پر الزام ہے کہ تم دین ابراہیمی پر ہونے کے مدعی ہو اور پھر شرک کرتے ہو۔

فائدہ:...... ملت مثل دین کے اس طریقہ کو کہتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ انبیاء کی زبانی اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمائے تاکہ قرب اور رضا کے مدارج اور صلاح اور فلاح دارین کو حاصل کریں ملت اور دین میں فرق یہ ہے کہ ملت کی نسبت نبی کی طرف ہوتی ہے کہ یہ فلاں نبی کی ملت ہے اور دین کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے کہ یہ اللہ کا دین ہے اور یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ

اللہ کی ملت ہے نیز ملت کا اطلاق مجموعۂ احکام شرعیہ پر ہوتا ہے ایک ایک حکم پر ملت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ مثلاً تنہا نماز اور زکوٰۃ کو ملت نہیں کہتے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝٩٦ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ

بیشک سب سے پہلا گھر جو مقرر ہوا لوگوں کے واسطے یہی ہے جو مکہ میں ہے ف۱ برکت والا اور ہدایت جہان کے لوگوں کو اس میں نشانیاں ہیں ظاہر

تحقیق پہلا گھر جو ٹھہرا لوگوں کے واسطے، یہی ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا اور نیک راہ جہان کے لوگوں کو۔ اس میں نشانیاں ظاہر ہیں،

مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ

جیسے مقام ابراہیم اور جو اس کے اندر آیا اس کو امن ملا ف۲ اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف

کھڑے ہونے کی جگہ ابراہیم کی۔ اور جو اس کے اندر آیا اس کو امن ملا۔ اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا، جو کوئی پاوے

اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝٩٧

راہ چلنے کی اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پروا نہیں رکھتا جہان کے لوگوں کی ف۳

اس تک راہ۔ اور جو کوئی منکر ہوا، تو اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہان کے لوگوں کی۔

ف۱ مسلمانوں کے اس دعوے پر کہ ہم سب سے زیادہ ابراہیم علیہ السلام سے اشبہ و اقرب ہیں، یہود کو یہ بھی اعتراض تھا کہ ابراہیم علیہ السلام نے وطن اصلی (عراق) چھوڑ کر شام کو ہجرت کی، وہیں رہے وہیں وفات پائی، بعدہ، ان کی اولاد شام میں رہی، کتنے انبیاء علیہم السلام اسی مقدس سرزمین میں مبعوث ہوئے سب کا قبلہ بیت المقدس رہا کیا، پھر تم حجاز کے رہنے والے جنہوں نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو اپنا قبلہ بنالیا ہے اور سرزمین شام سے دور ایک طرف پڑے ہو کس منہ سے دعویٰ کر سکتے ہو کہ ابراہیم علیہ السلام و ملت ابراہیم سے تم کو زیادہ قرب و مناسبت حاصل ہے۔ اس آیت میں معترضین کو بتلایا گیا کہ بیت المقدس وغیرہ مقامات مقدسہ تو بعد میں تعمیر ہوئے ہیں، دنیا میں سب سے پہلا متبرک گھر جو لوگوں کی توجہ الی اللہ کے لئے مقرر کیا گیا اور بطور ایک عبادت گاہ اور نشان ہدایت کے بنایا گیا، وہ یہی کعبہ شریف ہے جو اس مبارک شہر مکہ معظمہ میں واقع ہوا ہے۔

ف۲ حق تعالیٰ نے شروع سے اس گھر کو ظاہری و باطنی، حسی و معنوی برکات سے معمور کیا اور سارے جہان کی ہدایت کا سرچشمہ ٹھہرایا ہے۔ روئے زمین پر جس کسی مکان میں برکت و ہدایت پائی جاتی ہے اسے بیت مقدس کا ایک عکس اور پرتو سمجھنا چاہیئے۔ یہیں سے رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھایا، مناسک حج ادا کرنے کے لئے سارے جہان کو اسی کی طرف دعوت دی۔ عالمگیر مذہب اسلام کے پیروؤں کو مشرق و مغرب میں اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ اسکے طواف کرنے والوں پر عجیب و غریب برکات و انوار کا افاضہ فرمایا۔ انبیائے سابقین علیہم السلام بھی حج ادا کرنے کے لئے نہایت شوق و ذوق سے تلبیہ پکارتے ہوئے اسی شمع کے پروانے بنے اور طرح طرح کی ظاہر و باہر نشانیاں قدرت نے بیت اللہ کی برکت سے اس سرزمین میں رکھ دیں۔ اسی لئے ہر زمانہ میں مختلف مذاہب والے اسکی غیر معمولی تعظیم و احترام کرتے رہے اور ہمیشہ وہاں داخل ہونے والے کو مامون سمجھا گیا، اس کے پاس مقام ابراہیم کی موجودگی پتہ دے رہی ہے کہ یہاں ابراہیم کے قدم آئے ہیں اور اسکی تاریخ جو تمام عرب کے نزدیک بلانکیر مسلم چلی آ رہی ہے بتلاتی ہے کہ یہ وہی پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کیا تھا اور خدا کی قدرت سے اس پتھر میں ابراہیم علیہ السلام کے قدم کا نشان پڑ گیا تھا جو آج تک محفوظ چلا آتا ہے گویا علاوہ تاریخی روایات کے اس مقدس پتھر کا وجود ایک ٹھوس دلیل اس کی ہے کہ یہ گھر طوفان نوح کی تباہی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاک ہاتھوں سے تعمیر ہوا جن کی مدد کے لئے حضرت اسماعیل علیہ السلام شریک کار رہے جیسا کہ پارہ "الم" کے آخر میں گزر چکا۔

ف۳ اس پاک گھر میں جمال خداوندی کی کوئی خاص تجلی ہے جس کی وجہ سے ادائے حج کے لئے اسے مخصوص کیا گیا کیونکہ حج ایک ایسی عبادت ہے جس کی ہر ادا اس جمیل مطلق اور محبوب برحق کے عشق و محبت کے جذبہ کا اظہار کرتی ہے پس ضروری ہے کہ جسے اس کی محبت کا دعویٰ ہو اور بدنی و مالی حیثیت سے بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو کم از کم عمر میں ایک مرتبہ دیار محبوب میں حاضری دے اور دیوانہ وار وہاں کا چکر لگائے۔ (اس مضمون کو حضرت مولانا محمد قاسم قدس اللہ =

دوسرے شبہ کا جواب - بذکرِ فضائل بیت حرام

قال تعالیٰ: ﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ... الی... فَإِنَّ اللهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ﴾

اب ان آیات میں یہود کے دوسرے شبہ کا جواب ذکر فرماتے ہیں کہ بیت المقدس خانہ کعبہ سے افضل ہے اور وہی تمام انبیاء کا قبلہ ہے تو اے مسلمانو! تمہارے نبی ﷺ نے بیت المقدس کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کو کیوں اپنا قبلہ بنالیا ہے حق جل شانہ نے ان آیات میں یہ بتلایا کہ خانہ کعبہ، بیت المقدس سے افضل اور اشرف ہے لہٰذا اسی کو قبلہ بنانا بہتر ہے چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق پہلا گھر جو من جانب اللہ لوگوں کی عبادت کے لیے قبلہ مقرر کیا گیا وہ وہی مکان اور گھر ہے جو شہر مکہ میں ہے۔ جس کو خانہ کعبہ بیت اللہ کہتے ہیں۔ بڑی خیر و برکت والا جس میں ایک نماز ادا کرنے سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور جہان کے لوگوں کے لیے ہدایت اور رہنما ہے کیونکہ سارے جہان کا قبلہ ہے اسی کی طرف منہ کر کے سب نماز ادا کرتے ہیں اور خدا کی محبت میں اسی کا طواف کرتے ہیں اسی طرح یہ خانہ خدا۔ خانۂ ہدایت ہے جس سے قبلۂ عبادت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور بہشت کی راہ بھی یہیں سے نظر آتی ہے۔ خود اس گھر میں اس کی فضیلت اور اول معبد ہونے کی اور قبلۂ ابراہیمی ہونے کی روشن نشانیاں اور کھلی علامتیں موجود ہیں۔ از انجملہ مقام ابراہیم [1] ہے جو ایک محترم پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی تعمیر فرماتے تھے جس میں حق تعالیٰ کی قدرت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشان پڑ گئے تھے جو لوگوں [2] کے ہاتھوں سے چھونے کے باعث محو ہو گئے اور یہ بات تمام اہل عرب میں نقل متواتر کے ساتھ مشہور اور مسلم ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان تمام انبیاء کرام کے جدا کبر ہیں جن کے آثار روئے زمین پر پائے جاتے ہیں ان سے پہلے جتنے نبی گزرے ان میں سے کسی کی نشانی زمین پر باقی نہیں پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان نشان کا باقی رہنا اور دیگر انبیاء کے آثار کا باقی نہ رہنا اور پھر اس پتھر کا باوجود کثیر التعداد دشمنوں کے ہزاروں برس سے محفوظ چلا آنا یہ اس امر کی کھلی نشانی ہے کہ یہاں ابراہیم علیہ السلام کے قدم آئے ہیں اور یہی وہ پہلا گھر اور اول معبد ہے کہ جو طوفان نوح کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں تعمیر ہوا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کے شریک کار اور معین و مددگار رہے غرض یہ کہ منجملہ آیات بینات کے مقام ابراہیم ایک نشانی ہے۔ حق جل شانہ نے آیات بینات میں سے صرف دو نشانیوں کو ذکر کیا ایک یہ اور ایک نشانی وہ جو آئندہ آیت میں ذکر کو باقی کی پوشیدہ رکھا اور اشارہ اس طرف ہے کہ آیات بینات بہت ہیں جو شمار میں نہیں آسکتیں۔ ان میں سے صرف دو تین کا ذکر کیا اور من جملہ ان نشانیوں کے ایک نشانی یہ ہے کہ جو شخص اس مکان کی حدود متعلقہ میں بھی داخل

=سرہ، نے "قبلہ نما" میں بڑی شرح و بسط سے لکھا ہے) جو مدعی محبت اتنی تکلیف اٹھانے سے بھی انکار کرے سمجھ لو کہ جھوٹا عاشق ہے۔ اختیار ہے جہاں چاہے دھکے کھاتا پھرے خود محروم و مہجور رہے گا۔ اس محبوب حقیقی کو کسی کی کیا پرواہ ہے کوئی یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، اس کا کیا بگڑتا ہے۔) احکام حج کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھنی چاہیے)۔

[1] قال الخطيب الشربيني مقام ابراهيم الحجر الذی قام عليه ابراهيم عليه السلام وكان اثر قدميه فيه فاندرس من كثرة المسح بالايدی ولعل الذی اندرس بعضه فانی رأيت اثر القدمين فيه كذا فی السراج المنير: ۱/۱۹۲

[2] كذا فی حاشية الشيخ زاده علی البيضاوی ففيها فوضع ابراهيم قدمه عليه فاثرت قدمه فيه الا ان ذلك الاثر اندرس من كثرة المسح بالايدی۔ (۱/۶۵۳)

ہوگیا اس کو امن ملا دنیا میں قتل اور غارت گری سے مامون ہوگیا اور قیامت کے دن عذاب سے مامون ہوگیا یہ بھی خانہ کعبہ کی فضیلت کی کھلی نشانی ہے، عرب زمانہ جاہلیت میں ایک دوسرے کو قتل کر دیتے اور لوٹ لیتے مگر جو حرم میں آجاتا اس سے کوئی تعرض نہ کرتے خانہ کعبہ کے موجب امن ہونے پر دو اعتراض کیے گئے ہیں ایک یہ کہ خود جناب رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کو تلوار سے فتح کیا۔ دوم یہ کہ بہت سے حکام اور عمال نے مکہ میں ظالمانہ کارروائیاں کیں حتی کہ بعض نے خانہ کعبہ پر منجنیق بھی لگا دیا اور اس کی بے حرمتی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اور بہت سے بدوؤں نے حاجیوں کو طرح طرح سے اذیت پہنچائی پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض سرے ہی سے غلط ہے آنحضرت ﷺ نے ایک لمحہ کے لیے خانہ کعبہ کی حرمت کو نہیں توڑا آپ ﷺ نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ مکہ میں یہ منادی کرادی کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے اور جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اس کو بھی امن ہے حدیث میں ہے کہ جب ابوسفیان نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر لشکر انصار کے علمبردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا کہ آج کا دن لڑائی کا دن ہے اور آج کعبہ کی حرمت توڑی جائے گی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سعد رضی اللہ عنہ نے غلط کہا آج کا دن وہ دن ہے جس میں حق تعالیٰ خانہ کعبہ کی حرمت کو قائم کرے گا اور آج کا دن وہ دن ہے جس میں خانہ کعبہ پر نیا غلاف چڑھایا جائے گا اور بعض علماء نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ حق تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو شرک اور بت پرستی سے پاک کرنے کے لیے ایک ساعت کے لیے آنحضرت ﷺ کے لیے حلال کر دیا تھا آپ ﷺ سے پہلے اور آپ ﷺ کے بعد کسی اور کے لیے حلال نہیں کیا اور آپ ﷺ کے لیے بھی صرف ایک ساعت کے لیے حلال کیا ایک ساعت سے زیادہ آپ ﷺ کے لیے بھی حلال نہیں کیا اور کفر و شرک کی نجاست سے پاک کر دینے کے لیے حلال کر دینا غایت درجہ مستحسن ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب:...... یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں داخل ہونے والے شخص کے امن والا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ کسی شخص کو ایذاء پر قدرت نہیں رہتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس گھر کی تعظیم لوگوں کے اعتقاد اور دلوں میں اس درجہ راسخ ہے کہ کوئی شخص بھی اس میں ظلم اور تعدی کو روا نہیں سمجھتا پس جو ظالم اور بد واس میں کوئی کارروائی کرتے ہیں وہ اس کو جائز نہیں سمجھتے بلکہ اور گناہوں کی طرح اس کو گناہ سمجھتے ہیں اور اس گھر کی فضیلت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ لوگوں پر اللہ کے لیے اس گھر کا حج فرض ہے تمام لوگ برابر خانہ کعبہ کا ہی حج کرتے چلے آئے بیت المقدس کا حج کبھی فرض نہیں ہوا، مگر خانہ کعبہ کا حج ہر شخص پر فرض نہیں بلکہ صرف اس شخص پر فرض ہے جو اس گھر کی راہ پا سکے یعنی زاد اور راحلہ پر اس کو قدرت ہو۔ مطلب یہ ہے کہ استطاعت سبیل سے مراد خانہ کعبہ تک پہنچنے پر قدرت پانا ہے جس میں سواری اور سفر خرچ اور تندرستی اور راستہ کا امن سب کچھ آگیا اور اس گھر کے حج کا فرض ہونا یہ بھی اس گھر کی بزرگی اور شرافت کی کھلی نشانی ہے اور اس امر کی صریح دلیل ہے کہ اس گھر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خاص خصوصیت حاصل ہے کہ ان کے وقت سے لے کر اس وقت تک مشرق و مغرب اور شمال جنوب کے لوگ برابر حج کرتے چلے آئے اور برابر اس کو سنت ابراہیمی سمجھ کر ادا کرتے رہے اور جو شخص منکر ہوا کہ خانہ کعبہ اول معبد نہیں رہا یا اس کا حج فرض نہیں تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پروا نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو تمام جہان کے لوگوں سے بے نیاز بے پروا ہے تمام عالم بھی اگر اس کے حکم کا انکار کرے تو اس کا کوئی نقصان نہیں خانہ کعبہ خداوند ذو الجلال کے نور اور

جمال کی تجلی کا گھر ہے محبین اور عاشقین کا یہ فرض ہے کہ اس ﴿نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ اور جمیل مطلق اور محبوب برحق کے گھر پر عمر بھر میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور حاضری دیں اور اس کے درو دیوار کا دیوانہ وار چکر لگائیں اور اس کے آستانہ کو بوسہ دیں جو شخص خدا کی محبت کا دعوی کرے اور اس کے گھر کی حاضری کو فرض نہ سمجھے تو سمجھ لو کہ وہ جھوٹا عاشق ہے اور محبوب حقیقی کو کیا پروا ہے کہ ایسا شخص یہودی ہو کر مرے یا نصرانی۔ یہود اور نصاریٰ ہر ایک کو دعوی تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے امام اور پیشوا ہیں مگر جس گھر کو انہوں نے بحکم خداوندی حج اور زیارت کے لیے تعمیر کیا اور لوگوں کو اس کی زیارت اور حج کے لیے آواز دی اس کا حج نہیں کرتے۔

خلاصہ کلام: ...... یہ کہ خانہ کعبہ، بیت المقدس سے افضل ہے جس کی متعدد وجوہ ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں:

اول فضیلت: ...... یہ کہ خانہ کعبہ سب سے پہلا گھر ہے جو لوگوں کی عبادت کے لیے مقرر ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر کی اور ان کی اولاد میں جس قدر بھی نبی ہوئے وہ سب کے سب اسی کی طرف رخ کر کے عبادت کرتے چلے آئے اور حضرت شیث اور حضرت ادریس اور حضرت نوح علیہم السلام کا قبلہ عبادت اس کے سوا اور کوئی جگہ نہ تھی اس لیے کہ عبادت اور عبودیت حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے لازم ہے اور عبادت کے لیے قبلہ کا ہونا ضروری ہے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا قبلہ یہی خانہ کعبہ رہا۔ وقال تعالی: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنۡ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ وَّمِنۡ ذُرِّيَّةِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡرَآءِيۡلَ وَمِمَّنۡ هَدَيۡنَا وَاجۡتَبَيۡنَا اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُ الرَّحۡمٰنِ خَرُّوۡا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا﴾ الآیۃ.
اس آیت میں صاف ظاہر ہے کہ تمام انبیاء کرام سجدہ کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ سجدہ کے لیے قبلہ ہونا چاہیے سوان حضرات کا قبلہ وہی خانہ کعبہ تھا جو ہمارے معظم اور محترم باپ سیدنا آدم علیہ السلام نے بحکم خداوندی بنایا تھا اور مکہ مکرمہ کا نام "اُم القریٰ" ہونا یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ یہ شہر تمام بستیوں اور آبادیوں کی اصل اور جڑ یعنی مبدأ ہے اور اسی وجہ سے کہا گیا کہ وسط ارض میں ہے اور تمام روئے زمین کا مرکزی نقطہ ہے۔

دوسری فضیلت: ...... خانہ کعبہ کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ وہ مبارک ہے یعنی خیرات و برکات کا منبع اور سرچشمہ ہے آسمانی اور معنوی انوار و برکات کے علاوہ زمینی برکات کا بھی مخزن ہے۔ کما قال تعالی: ﴿يُّجۡبٰۤى اِلَيۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىۡءٍ رِّزۡقًا مِّنۡ لَّدُنَّا﴾ زمین جس کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے ﴿وَبٰرَكَ فِيۡهَا وَقَدَّرَ فِيۡهَاۤ اَقۡوَاتَهَا﴾ ان تمام اقوات وثمرات اور ارزاق وبرکات کا مرکزی نقطہ بھی خانہ کعبہ کی زمین ہے جس کو حق تعالی نے سب سے پہلے پیدا کیا اور باقی زمین یہیں سے بچھائی گئی اور ایک نیکی کا ثواب کم از کم ایک لاکھ گنا ملتا ہے اور جو نماز خانہ کعبہ کے سامنے باجماعت پڑھی جائے اس کا ثواب ستائیس لاکھ ملتا ہے کیونکہ جماعت کا اجر انفرادی نماز سے ستائیس گنا ہے۔

تیسری فضیلت: ...... خانہ کعبہ کی تیسری فضیلت یہ ہے کہ ﴿هُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ﴾ یعنی تمام جہانوں کا قبلہ ہے اسی سمت پر سب نماز ادا کرتے ہیں خانہ کعبہ بمنزلہ مرکزی نقطہ کے ہے اور روئے زمین پر نمازیوں کی صفوف بمنزلہ دوائر کے ہیں جو اس مرکز کو احاطہ کیے ہوئے ہیں اور ظاہر ہے کہ نمازیوں میں بہت سے اولیاء اور عباد مخلصین اور ہزاراں ہزار بلکہ لاکھوں آسمان اور زمین کے فرشتے بھی ہوتے ہیں جن کے انوار و برکات میں تعاکس اور توارد بھی ہوتا ہے اور انوار و تجلیات کا یہ توارد اور تعاکس

ہزاراں ہزار خیر و برکت اور ہزاراں ہزار ہدایت کا بھی سبب ہے خانہ کعبہ کے ذاتی انوار برکات ان کے علاوہ ہیں۔ جب روئے زمین کی تمام مسجدیں اور تمام صفوف سمت کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر نمازیں ادا کریں گے تو اس محاذات اور مسامتت کی وجہ سے خانہ کعبہ کے انوار وتجلیات روئے زمین کی مسجدوں اور نماز کی صفوں کو بجلی کی رو کی طرح یکدم منور اور روشن کریں گے۔

چوتھی فضیلت:...... یہ ہے کہ ﴿فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ﴾ یعنی خود اس گھر میں اس کی حرمت اور عظمت کی روشن نشانیاں موجود ہیں جس نے اس کی بے حرمتی کا ارادہ کیا وہ ہلاک ہوا جیسے اصحاب فیل اور جس نے اس جگہ جا کر بیماری وغیرہ کے لیے دعا مانگی اس کی دعا قبول ہوئی اور حجاج نے جو مکہ پر چڑھائی کی سو اس کا مقصد حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کو گرفتار کرنا تھا خانہ کعبہ کی بے حرمتی اور اہانت مقصود نہ تھی۔

پانچویں فضیلت:...... یہ ہے کہ اس میں مقام ابراہیم ہے مقام ابراہیم سے وہ پتھر مراد ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی اس پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشان تھے حق تعالیٰ نے اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے نرم کر دیا تھا۔

چھٹی فضیلت:...... یہ ہے کہ جو شخص خانہ کعبہ کے حدود یعنی حرم میں داخل ہوا تو دنیا میں قتل سے اور آخرت میں عذاب سے مامون رہا۔

ساتویں فضیلت:...... یہ ہے کہ اس گھر کا حج فرض ہے یہ بھی اس گھر کی شرافت اور بزرگی پر دلالت کرتا ہے تمام انبیاء سابقین علیہم السلام اسی کا حج کرتے چلے آئے ہیں اور نہایت ذوق شوق کے ساتھ تلبیہ پکارتے ہوئے اس کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے رہے بیت المقدس کا حج کبھی فرض نہیں ہوا۔

لطائف ومعارف

۱- ﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ﴾ میں علماء کا اختلاف ہے کہ اول سے کیا مراد ہے آیا باعتبار زمانہ کے اولیت مراد ہے یا باعتبار شرف اور فضیلت اور رتبہ کے اولیت مراد ہے۔

صحابہ ؓ اور تابعین کی ایک جماعت سے یہ منقول ہے کہ حق تعالیٰ نے زمین میں سب سے پہلے خانہ کعبہ کی جگہ کو پیدا کیا اور باقی تمام زمین اس کے نیچے سے بچھائی گئی۔ یعنی باعتبار زمانہ کے اولیت مراد ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ اولیت باعتبار شرف اور فضیلت کے ہے زمانہ کے لحاظ سے نہیں یعنی برکت اور ہدایت کے یہ پہلا گھر ہے جیسا کہ لفظ ﴿مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ﴾ اس پر دلالت کرتا ہے یعنی برکت اور ہدایت کے لحاظ سے سب سے اول اور سب سے افضل اور سب سے مقدم خانہ کعبہ ہے۔ تحقیق یہ کہ مقصود اصلی تو خانہ کعبہ کی افضلیت بیان کرنا ہے کہ خانہ کعبہ بیت المقدس سے افضل اور اشرف ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد جب حاصل ہوگا کہ جب اولیت سے شرف اور فضیلت کے اعتبار سے اولیت مراد ہو محض زمانہ کے اعتبار سے اولیت وشرف اور فضیلت کا مدار نہیں بن سکتی۔ البتہ زمانہ کی اولیت وشرف اور فضیلت کی اولیت کے لیے مؤید ضرور ہو سکتی ہے اس لیے کہ اولیت زمانیہ، اولیت رتبیہ کے منافی اور مباین نہیں خانہ کعبہ کی جگہ باعتبار زمانہ کے بھی اول ہے اور باعتبار

شرف اور فضیلت کے بھی اول ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ خانہ کعبہ بیت المقدس سے باعتبار زمانہ کے اول ہے اور باعتبار فضیلت کے بھی اول ہے۔

اسرار قبلہ

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی، بانی دار العلوم دیوبند قدس اللہ سرہ نے خاص اس موضوع پر قبلہ نما کے نام سے ایک مستقل تحریر لکھی ہے جو علم لدنی کے حقائق و معارف کا گنجینہ اور اسرار و لطائف کا ایک خزینہ ہے ہم اس مقام پر نہایت اختصار کے ساتھ اس کا خلاصہ مع اضافۂ شواہد ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ اصل مضمون حضرت مولانا قاسم ؒ کا ہے اور شواہد کا اضافہ اس ناچیز کی طرف سے ہے۔ ﴿وَمَا تَوْفِيقِىٓ إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾

حق جل شانہ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا اور عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے معبود کے سامنے اپنے عجز و نیاز کا اظہار کرے اور آداب عبودیت بجالائے اس لیے ضروری ہے کہ عابد اور معبود میں آمنا سامنا ہو اور آمنا سامنا ہونے کے لیے بظاہر مکان اور جہت درکار ہے اور اللہ تعالیٰ جہت اور مکان سے پاک اور منزہ ہے کیونکہ وہ تو خود جہت اور مکان اور زمان کا خالق ہے اور انسان جسم اور روح سے مرکب ہے سو عبادت روحانی کے لیے تو کسی جہت اور مکان کی ضرورت نہیں اس لیے کہ روح مکانی نہیں روح خداوند ذوالجلال کی بے چونی اور بے چگونی کا نمونہ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے "خلق اللہ آدم علی صورتہ" اس لیے روح کی عبادت کے لیے قلبی اور معنوی توجہ کافی ہے کسی قبلہ اور جہت کی ضرورت نہیں۔

البتہ عبادت جسمانی بدون تقابل جہت متصور نہیں اور انسان چونکہ مقید فی الجہۃ ہے اس لیے اس کو یہ حکم دینا کہ جہت سے علیحدہ ہو کر عبادت کیا کرو تو یہ تکلیف مالایطاق ہے اور فقط روحانی عبادت کافی نہیں بلکہ روح اور جسم دونوں ہی مکلف ہیں روحانی عبادت کی طرح جسمانی عبادت بھی فرض ہے اور لازم ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ روح تو عبادت کی مخاطب ہو اور جسم معطل رہے اور یہ بھی مناسب نہیں کہ ہر شخص جس طرف چاہے سجدہ کر لیا کرے۔ اور ہر ایک اپنا جدا قبلہ بنائے اس لیے خداوند کریم نے ایک جہت مقرر فرمادی تاکہ ایک سمت متعین ہو جائے اور ملت کے انتظام میں فرق نہ آئے۔ کیونکہ جو جہت اللہ کی طرف سے مقرر ہو گی اس میں کسی کو ردو بدل کی گنجائش نہ ہو گی باقی رہا یہ امر کہ اس خاص سمت کی تعین کی وجہ کیا ہے سو وہ اللہ ہی کو معلوم ہے اور اگر یہ اجازت ہوتی کہ جس طرف کو جس کا جی چاہے وہ سجدہ کر لیا کرے تو اس میں انتظام اور اتفاق کی کوئی صورت نہ تھی۔ اور ظاہر ہے کہ اتفاق ایک نہایت محمود اور پسندیدہ چیز ہے۔

حق جل شانہ کی ذات چونکہ بے چون و چگون ہے اس لیے وہ کسی حد میں محدود اور مقید نہیں۔ البتہ اس کی کوئی تجلی اور کوئی پرتو کسی محدود اور مقید پر پڑ سکتا ہے جیسے آفتاب کا عکس پرتو آئینہ پر پڑتا ہے ہر شخص جانتا ہے کہ آئینہ فقط ایک مظہر اور نمائش گاہ ہے محل قید نہیں آئینہ کا آفتاب کو اپنے آغوش میں لے لینا قطعاً محال ہے البتہ آفتاب آئینہ میں جلوہ گر ہو سکتا ہے جیسے آسمان کی پتلی میں جلوہ گر ہوتا ہے مگر انعکاس کی ایک شرط تو یہ ہے کہ آئینہ صاف و شفاف ہو دوسری شرط یہ ہے کہ آفتاب کے مقابل ہو بغیر تقابل کے انعکاس ممکن نہیں۔ اسی طرح حق جل شانہ کی ذات بے چون و چگون کو سمجھو کہ وہ حدود اور قیود

سے پاک اور منزہ ہے مگر کسی جہت اور مکان اور کسی محدود شیٔ میں اس کی تجلی ممکن ہے۔

کتاب وسنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرش اور پانی حق جل شانہ کی اول مخلوقات سے ہے کما قال تعالیٰ: ﴿وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾۔

اور اللہ جل شانہ کی سب سے بڑی تجلی عرش پر ہے اور ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ میں اسی تجلی کی طرف اشارہ ہے عرش کے معنی تخت اور بلند مقام کے ہیں اور استواء کے معنی استقرار اور تمکن کے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ آیت میں ظاہری معنی قطعاً مراد نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کوئی جسم نہیں جو تخت پر بیٹھے اور قرار پکڑے بلکہ استواء علی العرش سے اس کی شانِ احکم الحاکمین کو بیان کرنا ہے جیسا کہ تخت نشینی کا لفظ حکومت اور اقتدار کے لیے بطور کنایہ مستعمل ہوتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکم الحاکمین اور اس کے تسلط تام اور تدبیر عام کو استواء علی العرش کے لفظ سے تعبیر کیا گیا کہ اس کی احکم الحاکمینی اور شہنشاہی ایسی راست اور ہموار ہے کہ اس میں کسی قسم کی مزاحمت اور کسی قسم کی گڑبڑ کا امکان اور واہمہ بھی نہیں خلاصہ یہ کہ عرشِ عظیم اس ربِ عظیم کی شان احکم الحاکمینی کا ایک تجلی گاہ اور نمائش گاہ ہے۔ معاذ اللہ خدائے بے چون چگون کی جائے قرار اور محل استقرار نہیں غرض یہ کہ عرش عظیم اللہ کی اول مخلوق ہے۔

عرش کے بعد، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے زمین کو پیدا فرمایا اور اس کے آسمان کو پیدا کیا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ اور اسی طرح سورۂ حم سجدہ میں مصرح ہے ﴿ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ﴾ الآیۃ۔ سورۂ بقرہ اور سورۂ حم سجدہ کی ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے زمین کو پیدا کیا اور پھر آسمان کو اور قیاسِ عقل بھی اسی کو مقتضی ہے کہ پہلے زمین پیدا ہو اور آسمان بعد میں اس لیے کہ حق تعالیٰ نے زمین کو فرش اور آسمان کو سقف (چھت) فرمایا ہے اور ظاہر ہے تعمیر چھت کی جانب سے شروع نہیں ہوتی بلکہ فرش کی جانب سے ہوتی ہے۔ اور زمین میں حق جل شانہ نے سب سے پہلے خانہ کعبہ کی جگہ کو پیدا فرمایا اور پھر باقی زمین اسی جگہ سے بچھائی گئی اور پھیلائی گئی کعبہ زمین کا ٹکڑا کرۂ ارض کا مرکزی نقطہ ہے جو ٹھیک وسط ارض میں واقع ہے جیسا کہ ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا﴾ اس پر دال ہے وکما یدل علیہ قولہ تعالیٰ: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ اور ایک روایت میں ہے کہ اول پانی تھا اور اس پانی پر عرش کبریائی تھا پھر اس پانی میں سے جہاں اس جگہ خانہ کعبہ ہے ایک بلبلا اٹھا اور جھاگ نمودار ہوئی اس سے زمین کی بنا شروع ہوئی۔

یہ روایت بھی خانہ کعبہ کی اولیت پر دلالت کرتی ہے اور اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اس جگہ کا عرش اور عرش کے پانی سے خاص تعلق ہے۔

اور جس طرح خانہ کعبہ آبادی میں اول ہے اسی طرح ویرانی میں بھی اول ہے کہ قیامت کے وقت یہی ٹکڑا سب سے پہلے ویران ہوگا جیسا کہ یہ آیت ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ اس پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ﴿قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک یہ گھر قائم ہے جبھی تک بنی آدم کا بھی اس عالم میں قیام ہے اور جس دن یہ ویران ہوگا

تو تمام کارخانۂ عالم بھی ویران ہو جائے گا کیونکہ بدلالت آیت ﴿خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ الآیۃ یہ بات عیاں ہے کہ زمین وآسمان سب بنی آدم کے لیے ہیں جب بنی آدم نہ ہوں گے تو زمین وآسمان ہی کس کے لیے رہیں گے گھاس دانہ گھوڑوں تک رہتا ہے جب وہ نہیں رہتے تو اسے ہی کون رکھتا ہے۔ جب دار الخلافہ آباد کیا جاتا ہے تو اول مکانات شاہی کے لیے کوئی جگہ تجویز ہوتی ہے۔ اور اس کی بناڈالی جاتی ہے اس کے بعد امراء اور وزراء اور رعایا کے مکانات بنتے ہیں اور جب دار الخلافہ بحکم شاہی کسی مصلحت سے ویران کیا جاتا ہے تو اول بادشاہ اپنے مکانات کو چھوڑتا ہے اور اس کی اتباع میں پھر خواص اور عوام اپنے اپنے مکانات چھوڑ کر اُس کے پیچھے ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ محل سرائے جس طرح تعمیر میں اول ہے اسی طرح تخریب میں بھی اول ہے۔

پس اسی طرح خانہ کعبہ کو بمنزلہ قصر شاہی یا خیمہ شاہی خیال فرمایئے اور کیوں نہ ہو وہ تجلی گاہ ربانی اور آئینہ جمال یزدانی ہے اس لیے اس کو بنانے میں بھی اول رکھا اور ویرانی عالم کے وقت بھی اس کو اول رکھیں چنانچہ آیت ﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا﴾ اس کی اولیت تعمیر پر دلالت کرتی ہے اور آیت ﴿جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ﴾ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ گھر لوگوں کے قیام اور بقاء کا باعث ہے اس کی اولیت ویرانی پر دلالت کرتی ہے اس لیے حاصل اشارۂ قرآنی یہ ہوا کہ جب تک یہ گھر قائم ہے لوگ بھی اس عالم میں قائم ہیں اور جس روز یہ گھر ویران ہوگا اس روز عالم کا خراب اور ویران سمجھو۔

خانہ کعبہ عرش کی محاذات میں ہے:...... روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ عرشِ عظیم کی محاذات میں ہے۔

"ذکر عبد الرزاق عن ابن جریج عن عطاء وابن المسیب وغیرھما ان اللہ عزوجل اوحی الیٰ آدم اذا ھبطت ابن لی بیتا ثم احفف به کما رأیت الملائکه تحف بعرشی الذی فی السماء۔" (تفسیر قرطبی: ۱۲۰/۲)

"امام عبد الرزاق نے ابن جریج اور عطاء اور سعید بن المسیب وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے آدم جب تم زمین پر اترو تو میرے لیے ایک گھر بناؤ اور پھر اس کا طواف کرو جیسا کہ تم نے فرشتوں کو میرے عرش کا طواف کرتے دیکھا۔"

"وفی روایة عن ابن عباس قال لما اھبط آدم من الجنة الی الارض قال له یا أدم اذھب وابن لی بیتا فطف به واذکرنی عنده کما رأیت الملائکة تصنع بعرشی۔" (تفسیر قرطبی: ۱۲۱/۲)

"اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر اتارے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ فرمایا اے آدم تم جاؤ۔ اور زمین پر میرے لیے ایک گھر بناؤ اور اس کا طواف کرو اور اس کے سامنے میرا ذکر کرو جیسا کہ تم نے فرشتوں کو میرے عرش کا طواف کرتے دیکھا۔"

پس جبکہ خانہ کعبہ عرش عظیم کی محاذات میں ہے تو عرش عظیم کے انوار اور تجلیات خانہ کعبہ میں منعکس ہوں گے اور اگر

یہ کہا جائے کہ عرش عظیم اور خانہ کعبہ کے درمیان بیت المعمور واقع ہے (جو ساتویں آسمان پر فرشتوں کا قبلہ ہے) وہ درمیان میں حائل ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ اس کی حیلولت خانہ کعبہ پر عرش عظیم کی تجلی سے مانع نہیں اس لیے کہ بیت المعمور ایک صاف وشفاف آئینہ کی طرح ہے اور ٹھیک عرش عظیم کی محاذات میں واقع ہے تو تقابل میں کوئی فرق نہ آئے گا اور نہ تعاکس انوار میں کوئی خلل آئے گا اگر آفتاب کے سامنے یکے بعد دیگرے دو صاف وشفاف آئینے بالکل ایک دوسرے کی محاذات میں ہوں تو انعکاس میں کوئی فرق نہ آئے گا۔

مساجد خانہ کعبہ کی محاذات میں ہیں:...... جب یہ معلوم ہوگیا کہ خانہ کعبہ عرش عظیم کی محاذات میں ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ روئے زمین کی تمام مسجدیں خانہ کعبہ کی سمت پر واقع ہیں تو اس محاذات اور مسامتت کی وجہ سے خانہ کعبہ اور مساجد کے درمیان میں ایک معنوی تعلق اور ربط قائم ہوجائے گا جیسے بجلی کی تاروں کا کسی مرکز سے تعلق ہوتا ہے پس اس معنوی تعلق کی بنا پر خانہ کعبہ اور مساجد کے انوار وتجلیات میں توارد اور تعاکس ہوگا۔ ادھر کے انوار ادھر جائیں گے اور ادھر کے انوار ادھر آئیں گے اور انعکاس کے معنی لغت میں لوٹ کر آنے کے ہیں پس خانہ بمنزلہ مرکزی نقطہ کے ہوگا اور اقطار عالم میں مساجد کی صفوف بمنزلہ دوائر محیط یا بمنزلہ خطوط دائرہ ہوں گی جن کا منتہی وہی مرکزی نقطہ ہوگا جس کو خانہ کعبہ کہتے ہیں جیسے بجلی کے تار کسی مرکز سے متعلق ہوتے ہیں تو بیک وقت تمام قمقمے روشن ہوجاتے ہیں اس طرح عرش سے فرش تک اور فرش سے عرش تک آسمانوں اور روئے زمین کی تمام مسجدوں کے انوار وتجلیات میں عجیب قسم کا تجاذب اور تعاکس ہوگا۔

تعمیر بیت المقدس:...... حدیث میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بحکم خداوندی اول خانہ کعبہ تعمیر کیا اور پھر بحکم خداوندی چالیس سال بعد بیت المقدس کو تعمیر کیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ اور بیت المقدس میں چالیس سال کا تفاوت ہے بظاہر اس تفاوت کی وجہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ بمنزلہ ایوان شاہی کے ہے اور خداوند ذوالجلال کی شانِ احکم الحاکمین اور شانِ ارحم الراحمین اور شانِ محبوبی کا مظہر اور تجلی گاہ ہے۔

اور بیت المقدس بمنزلہ ایوان وزراء اور دیوان حکام اور بمنزلہ عدالت کے ہے جو اس کی شان عدل اور قہر کا مظہر اور تجلی گاہ ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ عدالت اور ایوان وزراء محل شاہی سے کچھ فاصلہ پر ہوتا ہے اس لیے قبلۂ ثانی (بیت المقدس) کی عمارت خانہ کعبہ کی عمارت سے کچھ فاصلے پر رکھی گئی۔ اہل نظر کا خیال ہے کہ شان عدل، شان ارحم الراحمینی سے چالیس درجہ فروتر ہے اس لیے خانہ کعبہ کی تعمیر کے چالس سال بعد بیت المقدس کی تعمیر ہوئی اور بیت المقدس خانہ کعبہ سے چالیس منزل کے فاصلہ پر شمال کی جانب میں واقع ہے۔ پس عجب نہیں کہ اس حدیث میں اسی تفاوت کی طرف اشارہ ہو اور غالباً یہی وجہ ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے دور میں بیت المقدس نماز کا تو قبلہ رہا مگر انبیاء سابقین، حج خانہ کعبہ ہی کا کرتے رہے کیونکہ خانہ کعبہ شان محبوبی کا مظہر اور تجلی گاہ ہے اور حج کے تمام افعال سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا عاشقانہ عمل کسی محبوب کی رضا جوئی کے لیے ہے اور ہر سال حج میں جو اجتماع ہوتا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کسی جمال بے مثال کا دیوانہ اور پروانہ بنا ہوا ہے نہ سر پر عمامہ اور ٹوپی ہے اور نہ پیر میں کوئی موزہ اور جراب ہے اور نہ بدن پر قمیص اور پاجامہ ہے اور

نہ کوئی سلا ہوا کپڑا بدن پر صرف ایک ازار اور ایک چادر ہے نہ کوئی خوشبو اور عطر ہے دم بہ دم خدا کو پکار رہا ہے نہ مرد کو عورت سے مطلب اور نہ عورت کو مرد سے مطلب بہر حال خانہ کعبہ خانہ محبوبیت ہے اور بمنزلہ محل سرائے شاہی کے ہے اور بیت المقدس بمنزلہ عدالت اور کچہری کے ہے جو فقط مظلومین کی دادرسی اور ظالمین کی سزا کے لیے ہوتی ہے۔

اور چونکہ خانہ کعبہ عرش عظیم کی محاذات میں ہے اس لیے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کی برکات اور تجلیات کبھی اس سے جدا نہیں ہوتیں اس لیے کہ خانہ کعبہ کی نسبت قرآن کریم میں لفظ مبارک آیا ہے کہ برکت خانہ کعبہ کی صفت ذاتیہ ہے اور بیت المقدس کے بارہ میں "بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ" آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی برکات عوارض کی طرح ممکن الانفصال ہیں خانہ کعبہ کی طرح لازم الاتصال نہیں یہی وجہ ہے کہ بیت المقدس چند بار مخالفوں اور بے دینوں کے ہاتھوں سے خراب اور برباد ہوا اور خانہ کعبہ پر باوجود مخالفین کی کثرت اور شوکت کے آج تک اس کی نوبت نہیں آئی اس کا ایک پتھر بھی مسمار کرنے کی نیت سے اکھاڑ سکے جیسا کہ اصحاب فیل کا قصہ اس کا شاہد ہے اس لیے کہ اس کی برکات ذاتی ہیں اور وہ بمنزلہ محل سرائے اور دیوان خاص کے ہے اس لیے اس کی نگہبانی ہمیشہ کے لیے ضروری ہے۔

خلاصہ:...... یہ کہ خانہ کعبہ جس طرح آبادی میں اول ہے اس طرح ویرانی اور بربادی میں بھی اس کا اول ہونا ضروری ہے کہ سارے عالم کی ویرانی اور بربادی کی ابتداء اسی سے ہو اور ایسی ہی جگہ قبلہ بنانے کے لیے لائق ہے جو ہر اعتبار سے اول ہو اور انوار تجلیات کا مبدأ بھی وہی ہو اور منتہی بھی وہی ہو اور ایسے قبلہ کے لیے اول ہی درجہ کا نبی اور اول ہی درجہ کی امت چاہیے کہ جو کمالات یزدانی اور عنایات ربانی کا مبدأ اور منتہی ہو اور ایسا نبی سوائے خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کے اور ایسی امت سوائے امت محمدیہ کے اور کوئی نہیں جو کمالات علمیہ یعنی علوم ومعارف میں اور کمالات عملیہ یعنی عبدیت اور عبودیت میں سب سے اول ہے اور کمالات عبودیت اس پر ختم ہیں لہٰذا ایسے نبی اور ایسی امت کا قبلہ بھی وہی جگہ ہونی چاہیے کہ جو انوار ربانی اور تجلیات یزدانی کا مبدأ اور منتہی اور مرکزی نقطہ ہو۔

۳- بیت اللہ شریف۔ اس خاص بیت اللہ کا نام اس وقت تک ہے جب تک وہ اس خاص مکان اور خاص جَو (خلاء) کے ساتھ مقید رہے چنانچہ اگر اس کے پتھروں کو اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیں تو وہ بیت اللہ نہیں ممکن ہے کہ کوئی یہ خیال کرے کہ بیت اللہ ایک کوٹھا ہے جب اس کو منہدم کر دیا جائے تو بس حج نہ ہوگا بلکہ اس زمین کا نام بھی نہیں چنانچہ اگر تحت الثریٰ تک وہاں کی مٹی اٹھا کر دوسری جگہ ڈال دی جائے تب بھی بیت اللہ موجود ہے پس بیت اللہ درحقیقت اس بُعدِ مجرّد کا نام ہے جو تحت الثریٰ سے عنان سما تک ہے نہ وہ کوٹھا بیت اللہ ہے۔ اور نہ وہ زمین بیت اللہ ہے چنانچہ اگر کوئی بیت اللہ شریف کے اوپر یا کسی مکان کے اوپر نماز پڑھے جو بیت اللہ سے بلند ہو تو اس کی نماز بلاشبہ درست ہے۔

۴- یہاں سے اس اعتراض کا جواب بھی ہو گیا جو بعض غیر قوموں نے کیا ہے کہ مسلمان بھی بت پرستی کرتے ہیں یعنی کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔

تقریر جواب:...... ہم خانہ کعبہ کی عبادت اور پرستش نہیں کرتے اور نہ ہم خانہ کعبہ کو معبود اور مسجود سمجھتے ہیں ہم عبادت صرف خدا کی کرتے ہیں اور البتہ منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں چنانچہ لفظ استقبال کعبہ اور لفظ بت پرستی خود اس پر شاہد ہے۔ استقبال

کے معنی صرف اس کی طرف منہ کرنے کے ہیں اور بت پرستی کے معنی یہ ہیں کہ بت معبود ہیں ہاں اگر اہل اسلام کعبہ پرستی کے قائل ہوتے تو اعتراض بجا تھا۔ دوم یہ کہ اہل اسلام کے نزدیک نماز کے صحیح ہونے کے لیے فقط کعبہ کی طرف منہ ہوجانا کافی ہے استقبال کی نیت کی بھی ضرورت نہیں۔ مقصود معبود ہے اس کی نیت ضروری ہے۔ جہت قبلہ اس کا وسیلہ ہے اور وسیلہ کی نیت ضروری نہیں۔ معاذ اللہ اگر خانہ کعبہ کی عبادت ہوتی تو معبود کی نیت ضروری ہوتی۔ سوم یہ کہ نماز کے شروع سے لے کے اخیر تک کوئی لفظ بھی ایسا نہیں جو خانہ کعبہ کی تعظیم پر دلالت کرے شروع سے اخیر ہر لفظ اور ہر فعل حق تعالیٰ کی تعظیم اور کبریائی اور اس کی حمد وثناء اور تسبیح وتقدیس پر ہی دلالت کرتا ہے اول سے آخر تک خانہ کعبہ کا نام تک نہیں آتا اور بت پرستی میں ان پتھروں اور مورتوں کی تعظیم ہوتی ہے جن کو آپ مہادیو اور شب وغیرہ بتاتے ہیں غرض یہ کہ بت پرستی کو نماز سے کیا نسبت۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

چہارم یہ کہ خانہ کعبہ ان اینٹوں اور پتھروں کا نام نہیں اور نہ انہدامِ کعبہ کے بعد نماز موقوف ہوجاتی ہے یہی وجہ ہے کہ جس زمانہ میں خانہ کعبہ اور اس کی دیواریں منہدم ہوئیں نماز بدستور قدیم جاری رہی اگر دیوار کعبہ مسجود ومعبود یا مقصود ہوتی تو اس زمانہ میں نماز موقوف رہتی بہت ہوتا تو یہ کہ بعد تعمیر ایام گزشتہ عبادت کی قضا کی جاتی اور بت پرستی میں ظاہر ہے کہ بت ہی معبود اور مسجود اور مقصود ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کسی شوالے یا مندر سے بتوں کو اٹھا کر کہیں اور رکھ دیں تو پھر سارے فرائض وہیں ادا ہوتے ہیں مکان اول کو کوئی نہیں پوچھتا۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص خانہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھے تو اس کی نماز درست ہے اگر کعبہ مسلمانوں کا معبود ہوتا تو اس کے اوپر چڑھ کر نماز درست نہ ہوتی اس لیے کہ خانہ کعبہ اب اس کے سامنے نہیں نیز معبود پر چڑھنا گستاخی ہے۔ معترضین نے اپنے اوپر قیاس کیا ہوگا کہ وہ گائے اور بیل کو دیوتا اور معبود بھی سمجھتے ہیں پھر ان پر سوار بھی ہوتے ہیں اور سامان بھی لادتے ہیں اور اگر دیوتا جلدی جلدی نہیں چلتا تو پیچھے سے اس کے ڈنڈے بھی مارتے ہیں۔

بریں عقل ودانش بباید گریست

پنجم۔ خانہ کعبہ کو اہل اسلام بیت اللہ کہتے ہیں۔ اللہ یا خدا نہیں کہتے اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مکان کی طرف جاتا ہے تو مکین مقصود ہوتا ہے اور وہاں جا کر جو آداب ونیاز بجالاتا ہے تو ہر شخص اس آداب ونیاز کو صاحب خانہ کے لیے سمجھتا ہے جیسے تخت کی طرف جھک کر سلام کرنا تو وہ سلام صاحب تخت کو ہوتا ہے خود تخت کو نہیں ہوتا اور بت پرستی اپنے بتوں کو خانۂ خدا یا تخت خدا نہیں سمجھتے بلکہ وہ بت خود مقصود اور معبود ہوتے ہیں اور ان کو مہادیو یا شب یا گنیش وغیرہ سمجھ کر ان کی عبادت کرتے ہیں حضرت مولانا محمد قاسم قدس اللہ سرہ کی تحریر کا خلاصہ ختم ہوا تفصیل کے لیے حضرات اہلِ علم قبلہ نما کی مراجعت فرمائیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ

تو کہہ اے اہل کتاب کیوں منکر ہوتے ہو اللہ کے کلام سے اور اللہ کے رو برو ہے جو تم کرتے ہو ف۱ تو کہہ اے اہل

تو کہہ اے اہل کتاب ! کیوں منکر ہوتے ہو اللہ کے کلام سے ؟ اور اللہ کے روبرو ہے جو کرتے ہو۔ تو کہہ اے اہل

الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا

کتاب کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے ایمان لانے والوں کو ڈھونڈھتے ہو اس میں عیب اور تم خود جانتے ہو اور

کتاب ! کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے ایمان لانے والے کو، ڈھونڈتے ہو اس میں عیب، اور تم خبر رکھتے ہو۔ اور

اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

اللہ بےخبر نہیں تمہارے کام سے ف۲

اللہ بےخبر نہیں تمہارے کام سے۔

ملامت اہل کتاب بر کفر واغواء

قال تعالیٰ: ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ ... الی ... وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں یہود کے شبہات کا جواب دے کر یہ ثابت کر دیا گیا کہ نبی کریم ﷺ دین ابراہیمی پر ہیں اور خانہ کعبہ ہی اول معبد اور بناء ابراہیمی ہے اب ان آیات میں اہل کتاب کو ملامت کی جاتی ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد تمہارا عجب حال ہے کہ خود بھی قبول حق سے محروم ہو اور دوسروں کو بھی راہ حق سے ہٹانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہو اسلام میں جھوٹے اور فرضی شکوک نکال نکال کر لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہو کہ اسلام سیدھا راستہ نہیں بلکہ ٹیڑھا ہے اللہ تعالیٰ تمہاری ان سازشوں سے غافل نہیں چنانچہ فرماتے ہیں آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب کیوں منکر ہوتے ہو اللہ کی نشانیوں کے جن سے خانہ کعبہ کا قبلہ ابراہیمی ہونا اور نبی اکرم ﷺ کا ملت ابراہیمی پر ہونا خوب واضح اور روشن ہے اور تم کو یقین ہے کہ دین محمدی بالکل سچ ہے اور کعبہ قبلہ ابراہیمی ہے اور اس کا حج فرض ہے پھر اس علم اور یقین کے بعد تم کیوں انکار کرتے ہو اور اللہ گواہ ہے اس چیز پر جو تم کر رہے ہو لہٰذا حق کا چھپانا تم کو مفید نہ ہوگا اور آپ ﷺ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کیوں کوشش کرتے ہو اللہ کی راہ یعنی دین اسلام سے روکنے اور ہٹانے کی اس شخص کو جو ایمان لانے کا ارادہ کر چکا ہے تم اس

ف۱ پہلے سے خطاب یہود و نصاریٰ کو کیا جا رہا تھا۔ درمیان میں ان کے بعض شبہات کا جواب دیا گیا۔ یہاں سے پھر ان کو تنبیہ و توبیخ کی گئی۔ یعنی حق و صداقت کے واضح دلائل اور قرآن کریم کی ایسی سچی اور پکی باتیں سننے کے بعد بھی تمہیں کیا ہوا کہ باوجود اہل کتاب کہلانے کے برابر کلام اللہ اور اسکے لانے والے کے انکار پر تلے ہوئے ہو۔ یاد رکھو تمہاری سب کاروائیاں خدا کے سامنے ہیں تمہاری نیتوں اور تدبیروں کو وہ خوب جانتا ہے، جس وقت پکڑے گا، رتی رتی کا حساب لے کر چھوڑے گا۔

ف۲ یعنی نہ صرف یہ کہ خود ایمانی سعادت حاصل کرنے سے محروم ہو، دوسروں کو بھی چاہتے ہو کہ اللہ کے راستہ سے روک دو اور جو سعید روحیں مشرف بایمان ہو چکی ہیں ان کو اسلام کے فرضی عیب بتلا کر دین اسلام سے واپس لے آؤ۔ پھر یہ حرکتیں محض جہل و بےخبری سے نہیں کر رہے، بلکہ سمجھ بوجھ کر سیدھی باتوں کو ٹیڑھا ثابت کرنے کی فکر میں رہتے ہو تمہارے اس ہیر پھیر سے خدا بےخبر نہیں، مناسب وقت پر اکٹھی سزا دے گا۔

راستہ میں کجی ڈھونڈتے ہو یعنی اس سیدھے راستے میں فرضی شبہے نکال کر یہ بتانا چاہتے ہو کہ یہ راستہ کج ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دین حق میں جھوٹ موٹ کے عیب نکالتے رہتے ہو تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں شکوک پیدا ہو جائیں اور یہ سمجھنے لگیں کہ یہ راستہ سیدھا نہیں حالانکہ تم خود گواہ ہو کہ دین اسلام اللہ تعالیٰ کی سیدھی راہ ہے پس اس میں عیب کہاں سے آیا۔ اور جو کام تم کرتے ہو۔ یعنی لوگوں کو خدا کی راہ سے روکنا اللہ اس سے غافل نہیں وہ ضرور تمہیں اس کی سزا دے گا پہلی آیت میں ان کا عمل کفر تھا جو ظاہر تھا اس لیے پہلی آیت کو ﴿وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ﴾ پر ختم فرمایا۔ اور دوسری آیت میں ان کا عمل مسلمانوں کو حیلہ اور مکر کے ذریعہ اسلام سے روکنا تھا جو مخفی اور پوشیدہ تھا اس لیے دوسری آیت میں ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ پر ختم فرمایا ہر آیت میں وہی الفاظ استعمال فرمائے جو ان کے عمل کے مناسب تھے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ

اے ایمان والو اگر تم کہا مانو گے بعضے اہل کتاب کا تو پھر کر دینگے وہ تم کو

اے ایمان والو ! اگر تم مانو گے بعضے اہل کتاب کی بات تو پھر کردیں گے تم کو

اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝۱۰۰ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ

ایمان لائے پیچھے کافر ف۱ اور تم کس طرح کافر ہوتے ہو اور تم پر پڑھی جاتی ہیں آیتیں اللہ کی اور تم میں

ایمان لائے پیچھے منکر۔ اور تم کس طرح منکر ہو ؟ اور تم پر پڑھی جاتی ہیں آیتیں اللہ کی، اور تم میں

ع رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۱۰۱

اس کا رسول ہے اور جو کوئی مضبوط پکڑے اللہ کو تو اس کو ہدایت ہوئی سیدھے راستہ کی ف۲

اس کا رسول ہے۔ اور جو کوئی مضبوط پکڑے اللہ کو، وہ پہنچا سیدھی راہ پر۔

ف۱ پہلے اہل کتاب کو ڈانٹا گیا تھا کہ جان بوجھ کر کیوں لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہو۔ یہاں مسلمانوں کو نصیحت کی گئی کہ تم ان مفسدین کے بھرے میں نہ آنا، اگر ان کے اشاروں پر چلو گے تو اندیشہ ہے کہ آہستہ آہستہ نور ایمان سے نکل کر کفر کے تاریک گڑھے میں دوبارہ نہ جا گرو۔

ف۲ یعنی بہت بعید ہے کہ وہ قوم ایمان لائے پیچھے کافر بن جائے یا کافروں جیسے کام کرنے لگے، جس کے درمیان خدا کا عظیم الشان پیغمبر جلوہ افروز ہو، جو شب و روز ان کو اللہ کا روح پرور کلام اور اسکی تازہ بتازہ آیتیں پڑھ کر سناتا رہتا ہے، سچ تو یہ ہے کہ جس نے ہر طرف سے قطع نظر کر کے ایک خدا کو مضبوط پکڑ لیا اور ر ہی پر دل سے اعتماد و توکل کیا اسے کوئی طاقت کامیابی کے سیدھے راستہ سے ادھر ادھر نہیں ہٹا سکتی۔

(تنبیہ) انصار مدینہ کے دو خاندانوں اوس و خزرج کے باہم اسلام سے قبل سخت عداوت اور دشمنی تھی، ذرا ذرا بات پر لڑائی اور خونریزی کا بازار گرم ہو جاتا تھا جو برسوں تک سرد نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ "بعاث" کی مشہور جنگ ایک سو بیس سال تک رہی آخر پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت پر ان کی قسمت کا ستارہ چمکا اور اسلام کی تعلیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت نے دونوں قبیلوں کو جو صدیوں سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے تھے، ملا کر شیر و شکر کر دیا اور نہایت مضبوط برادرانہ تعلقات قائم کر دیئے۔ یہود مدینہ کو ان دونوں حریف خاندانوں کا اس طرح مل بیٹھنا اور متفقہ طاقت سے اسلام کی خدمت و حمایت کرنا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ ایک اندھے یہودی شماس بن قیس نے کسی فتنہ پرداز شخص کو بھیجا کہ جس مجلس میں دونوں خاندان جمع ہوں وہاں کسی ترکیب سے بعاث کی لڑائی کا ذکر چھیڑ دے۔ چنانچہ اس نے مناسب موقع پا کر بعاث کی یاد تازہ کرنے والے اشعار سنانے شروع کر دیئے۔ اشعار کا سننا تھا کہ ایک مرتبہ بجھی ہوئی چنگاریاں پھر سلگ اٹھیں۔ زبانی جنگ سے گزر کر ہتھیاروں کی لڑائی شروع ہونے کو تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جماعت مہاجرین کو ہمراہ لئے =

مسلمانوں کو اہل کتاب کے دھوکہ میں نہ آنے کی نصیحت

قال تعالیٰ: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِیۡعُوۡا... الی... فَقَدۡ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں یہ بیان تھا کہ اہل کتاب طرح طرح کے حیلوں اور مکاریوں سے مسلمانوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اب ان آیات میں مسلمانوں کو اس امر کی تفہیم اور فہمائش کی جاتی ہے کہ اہل کتاب کے دھوکہ میں نہ آئیں اور ان کی بات نہ مانیں ورنہ تمہیں رفتہ رفتہ اسلام سے پھیر کر کافر بنا دیں گے۔

شان نزول

ان آیتوں کا شانِ نزول یہ ہے کہ شماس بن قیس یہودی جس کو مسلمانوں سے غایت درجہ حسد تھا ایک دن اس کا انصار کی ایک مجلس پر گزر ہوا جس میں انصار کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج کے لوگ شیر وشکر ہوئے بیٹھے تھے اور آپس میں محبت اور انس کے ساتھ باتیں کر رہے تھے حالانکہ اسلام سے پہلے ان دونوں قبیلوں میں غایت درجہ عداوت تھی اور ان دونوں قبیلوں میں جنگ عظیم ہوتی تھی۔ اسلام کی برکت سے وہ عداوت جاتی رہی تھی اور اب کوئی اس کا اثر باقی نہ رہا تھا اس یہودی کو مسلمانوں کا محبت اور اتفاق کے ساتھ ایک جگہ بیٹھنا سخت ناگوار گزرا آخر اس نے ان کے پاس بیٹھ کر وہ لڑائیاں یاد دلائیں جو زمانہ جاہلیت میں ان دونوں قبیلوں میں ہوئی تھیں۔ اور ان لڑائیوں کے متعلق شعراء نے جو اشعار کہے تھے وہ بھی انہیں کچھ پڑھ کر سنائے اس سے ان دونوں قبیلوں کو ایسا جوش آیا کہ تلواریں سونت کر کھڑے ہو گئے۔ یہ خبر آنحضرت ﷺ کو پہنچی آپ ﷺ اسی وقت مع ان مہاجرین وانصار کے جو اس وقت آپ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے ان کی مجلس میں تشریف لائے اور یہ فرمایا کہ کیا تم لوگ پھر جاہلیت کی باتوں کی طرف جاتے ہو حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور خدا تعالیٰ نے تم کو اسلام سے عزت عطا فرمائی اور تمہارے دلوں میں الفت عطا فرمائی آپ ﷺ کے اس ارشاد کے بعد سب اپنی حرکت پر نادم ہوئے اور فوراً ہتھیار ڈال دیئے اور ایک دوسرے سے گلے ملے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اے مسلمانو تم اہل کتاب کا کہنا نہ مانو اگر تم بعض اہل کتاب کی بات مانو گے تو یہ تم کو ایمان کے کافر بنا کر چھوڑیں گے کیونکہ حسد رکھتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ جیسے خود کافر ہیں ایسے ہی تم بھی کافر ہو جاؤ اور تم کیسے کفر کرو گے حالانکہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں خدا کا پیغمبر موجود ہے کہ جو تم کو وعظ ونصیحت کرتے رہتے ہیں اور تمہارے شبہوں کو زائل کرتے رہتے ہیں جس کے بعد یہ غلط فہمی کی کوئی گنجائش نہیں اور جو مضبوط پکڑے اللہ کو یعنی اللہ کی کتاب کو اور اس کے رسول کی تلقین اور ہدایت کو اور اس پر عمل کرے پس تحقیق رہنمائی کی گئی اس کی سیدھی راہ کی طرف کہ اب اس کو شبہات سیدھے راستہ سے نہ ہٹا سکیں گے۔

= ہوئے موقع پر پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے گروہ مسلمین! اللہ سے ڈرو، میں تم میں موجود ہوں۔ پھر یہ جاہلیت کی پکار کیسی؟ خدا نے تم کو ہدایت دی، اسلام سے مشرف کیا۔ جاہلیت کی تاریکیوں کو محو فرما دیا۔ کیا ان ہی کفریات کی طرف پھر الٹے پاؤں لوٹنا چاہتے ہو جن سے نکل کر آئے تھے۔ اس پیغمبرانہ آواز کا سننا تھا کہ شیطانی جال کے سب حلقے ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے۔ اوس وخزرج نے ہتھیار پھینک دیئے اور ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے لگے۔ سب نے سمجھ لیا کہ یہ سب ان کے دشمنوں کی فتنہ انگیزی تھی۔ جس سے آیندہ ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیئے۔ اسی واقعہ کے متعلق یہ کئی آیتیں نازل ہوئیں۔

فائدہ:...... آیت ﴿وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ﴾ میں کفر سے عام معنی مراد ہیں جو کفر اعتقادی اور کفر عملی دونوں کو شامل ہے اس لیے کہ مسلمانوں کی نااتفاقی اور باہمی قتال وجدال عملی کفر ہے کیونکہ نااتفاقی مسلمان کو کفر کے قریب پہنچا دیتی ہے اور قاعدہ عقلیہ ہے "القریب من الشئی یاخذ حکمه" کہ جو جس سے قریب ہو اسی کا حکم لے لیتا ہے قرآن کریم محاورات کے مطابق نازل ہوا اور محاورہ میں جو شخص جس قوم کے افعال کرتا ہے اس پر اسی قوم کا اطلاق کرتے ہیں جیسے کمینہ حرکت کرنے والے کو کہتے ہیں کہ تو چمار ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ تُو تو گدھا ہے یعنی تیری یہ حرکت چمار اور گدھے جیسی ہے تنفیر (یعنی نفرت) دلانے کے لیے یہ عنوان اختیار کیا گیا ہے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ شخص حقیقۃً چمار ہو گیا بلکہ مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ عملاً چمار اور گدھا ہو گیا اسی طرح یہاں مراد یہ ہے کہ قتال وجدال کرنے والا عملاً کافر ہے گو اعتقاداً مومن ہے پس جیسا کہ چمار اور حمار کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی چمار جس کی ذات ہی چمار ہو ایک عملی چمار جو چماروں جیسے کام کرے۔

اسی طرح کافر کی بھی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی کافر جو اعتقادی طور پر کفر کا مرتکب ہو دوسرے عملی کافر جو کافروں جیسا عمل کرتا ہو یہ تقسیم محاورات کے بالکل موافق ہے کوئی دقیق بات نہیں مگر معتزلہ اور خوارج نے اس محاورہ کو نہیں سمجھا اور کفر کو حقیقی معنی پر محمول کر کے حکم لگا دیا کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب حقیقۃً کفر ہے یا گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے حقیقۃً ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے جیسا چاہیے اس سے ڈرنا اور نہ مریو مگر مسلمان ف۱

اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے جیسا چاہئے اس سے ڈرنا۔ اور نہ مریو مگر مسلمان۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ

اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو ف۲ اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب کہ تھے تم

اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو۔ اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر، جب تھے تم

اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ

آپس میں دشمن پھر الفت دی تمہارے دلوں میں اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی ف۳ اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے

آپس میں دشمن۔ پھر الفت دی تمہارے دلوں میں، اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی۔ اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے

ف۱ یعنی ہر مسلمان کے دل میں پورا ڈر خدا کا ہونا چاہیے کہ اپنے مقدور بھر پرہیزگاری وتقویٰ کی راہ سے نہ ہٹے اور ہمیشہ اس سے استقامت کا طالب رہے۔ شیاطین چاہتے ہیں کہ تمہارا قدم اسلام کے راستہ سے ڈگمگا دیں۔ تم کو چاہیے کہ انہیں مایوس کر دو۔ اور مرتے دم تک کوئی حرکت مسلمانی کے خلاف نہ کرو۔ تمہارا جینا مرنا خالص اسلام پر ہونا چاہیے۔

ف۲ یعنی سب مل کر قرآن کو مضبوط تھامے رہو جو خدا کی مضبوط رسی ہے۔ یہ رسی ٹوٹ تو نہیں سکتی ہاں چھوٹ سکتی ہے۔ اگر سب مل کر اس کو پوری قوت سے پکڑے رہو گے کوئی شیطان شرانگیزی میں کامیاب نہ ہو سکے گا اور انفرادی زندگی کی طرح مسلم قوم کی اجتماعی قوت بھی غیر متزلزل اور ناقابل اختلال ہو جائے گی۔ قرآن کریم سے تمسک کرنا ہی وہ چیز ہے جس سے بکھری ہوئی قوتیں جمع ہوتی ہیں اور ایک مردہ قوم حیات تازہ حاصل کرتی ہے لیکن تمسک بالقرآن کا یہ مطلب نہیں کہ =

مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ

گڑھے کے پھر تم کو اس سے نجات دی ف۱ اسی طرح کھولتا ہے اللہ تم پر آیتیں تاکہ تم راہ پاؤ ف۲ اور چاہیے کہ

گڑھے کے، پھر تم کو اس سے خلاص کیا۔ اسی طرح کھولتا ہے اللہ تم پر نشانیاں اپنی، شاید تم راہ پاؤ۔ اور چاہیئے کہ

مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ

رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کریں برائی سے اور وہی

رہیں تم میں، ایک جماعت بلاتے نیک کام پر اور حکم کرتے پسند بات کو اور منع کرتے ناپسند کو۔ اور وہی

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ

پہنچے اپنی مراد کو ف۳ اور مت ہو ان کی طرح جو متفرق ہوگئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کو

پہنچے مراد کو۔ اور مت ہو ان کی طرح جو پھوٹ گئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کو

الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا

حکم صاف اور ان کو بڑا عذاب ہے ف۴ جس دن کہ سفید ہوں گے بعضے منہ ف۵ اور سیاہ ہوں گے بعضے منہ سو وہ

حکم صاف۔ اور ان کو بڑا عذاب ہے۔ جس دن سفید ہوں گے بعضے منہ اور سیاہ ہوں گے بعضے منہ، سو وہ

قرآن کو اپنی آراء واہواء کا تختۂ مشق بنالیا جائے، بلکہ قرآن کریم کا مطلب وہی معتبر ہوگا جو احادیث صحیحہ اور سلف صالحین کی متفقہ تصریحات کے خلاف نہ ہو۔

ف۳ یعنی صدیوں کی عداوتیں اور کینہ نکال کر خدا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے تم کو بھائی بھائی بنادیا۔ جس سے تمہارا دین اور دنیا دونوں درست ہوئے اور ایسی ساکھ قائم ہوگئی ہے جسے دیکھ کر تمہارے دشمن مرعوب ہوتے ہیں۔ یہ برادرانہ اتحاد خدا کی اتنی بڑی نعمت ہے جو روئے زمین کا خزانہ خرچ کرنے بھی میسر نہ آسکتی تھی۔

ف۱ یعنی کفر وعصیان کی بدولت دوزخ کے بالکل کنارے پر کھڑے تھے کہ موت آئی اور اس میں گرے۔ خدا نے تمہارا ہاتھ پکڑ کر اس سے بچالیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ایمان وایقان کی روشنی سینوں میں ڈالی۔ حق تعالیٰ کے ان عظیم الشان دینی و دنیاوی احسانات کو یاد رکھو گے تو کبھی گمراہی کی طرف واپس نہ جاؤ گے۔

ف۲ یعنی یہ باتیں اس قدر کھول کھول کر سنانے سے مقصود یہ ہے کہ ہمیشہ ٹھیک راستہ پر چلتے رہو۔ ایسی مہلک وخطرناک غلطی کا پھر اعادہ نہ کرو اور کسی شیدان کے اغوا سے استقامت کی راہ نہ چھوڑو۔

ف۳ یعنی تقویٰ، اعتصام بحبل اللہ، اتحاد واتفاق قومی زندگی، اسلامی مواخات، یہ سب چیزیں اس وقت باقی رہ سکتی ہیں جبکہ مسلمانوں میں ایک جماعت خاص دعوت وارشاد کے لئے قائم رہے۔ اس کا وظیفہ یہی ہو کہ اپنے قول وعمل سے دنیا کو قرآن وسنت کی طرف بلائے اور جب لوگوں کو اچھے کاموں میں سست یا برائیوں میں مبتلا دیکھے، اس وقت بھلائی کی طرف متوجہ کرنے اور برائی سے روکنے میں اپنے مقدور کے موافق کوتاہی نہ کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام وہی حضرات کرسکتے ہیں جو معروف ومنکر کا علم رکھنے اور قرآن وسنت سے باخبر ہونے کے ساتھ ذی ہوش اور موقع شناس ہوں، ورنہ بہت ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی معروف کو منکر یا منکر کو معروف خیال کرکے بجائے اصلاح کے سارا نظام ہی مختل کردے، یا ایک منکر کی اصلاح کا ایسا طریقہ اختیار کرے جو اس سے بھی زیادہ منکرات کے حدوث کا موجب ہوجائے۔ یا نرمی کی جگہ سختی اور سختی کے موقع میں نرمی برتنے لگے۔ شاید اسی لئے مسلمانوں میں سے ایک مخصوص جماعت کو اس منصب پر مامور کیا گیا جو ہر طرح دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہل ہو۔ حدیث میں ہے جب لوگ منکرات میں پھنس جائیں اور کوئی روکنے والا نہ ہو تو عام عذاب آنے کا اندیشہ ہے۔ باقی یہ کہ کن احوال واوقات میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ترک میں آدمی معذور سمجھا جاسکتا ہے اور کن مواقع =

الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۚ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

لوگ کہ سیاہ ہوئے منہ ان کے ان سے کہا جائے گا کیا تم کافر ہوگئے ایمان لا کر ف۱ اب چکھو عذاب بدلہ اس

جو سیاہ ہوئے منہ ان کے آیا تم کافر ہوگئے ایمان میں آ کر، اب چکھو عذاب بدلہ اس

تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَأَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

کفر کرنے کا اور وہ لوگ کہ سفید ہوئے منہ ان کے سو رحمت میں ہیں اللہ کی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ف۲

کفر کرنے کا۔ اور وہ جو سفید ہوئے منہ ان کے سو رحمت میں ہیں اللہ کی، وہ اس میں رہ پڑے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي

یہ حکم ہیں اللہ کے ہم سناتے ہیں تجھ کو ٹھیک ٹھیک اور اللہ ظلم کرنا نہیں چاہتا خلقت پر ف۳ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ ہے

یہ حکم ہیں اللہ کے، ہم سناتے ہیں تجھ کو تحقیق۔ اور اللہ ظلم نہیں چاہتا جہان والوں پر۔ اور اللہ کا مال ہے جو کچھ ہے

= میں واجب یا مستحب ہے اسکی تفصیل کا یہ موقع نہیں" ابوبکر رازی رحمہ اللہ نے" احکام القرآن میں اس پر نہایت مبسوط کلام کیا ہے۔ فلیراجع۔

ف۴ یعنی یہود ونصاریٰ کی طرح مت بنو جو خدا تعالیٰ کے صاف احکام پہنچنے کے بعد محض اوہام واہواء کی پیروی کر کے اصول شرع میں متفرق اور فروع میں مختلف ہوگئے۔ آخر فرقہ بندیوں نے انکے مذہب وقومیت کو تباہ کر ڈالا، اور سب کے سب عذاب الٰہی کے نیچے آ گئے۔

(تنبیہ) اس آیت سے ان اختلافات اور فرقہ بندیوں کا مذموم ومہلک ہونا معلوم ہوا جو شریعت کے صاف احکام پر مطلع ہونے کے بعد پیدا کئے جائیں۔ افسوس ہے کہ آج مسلمان کہلانے والوں میں بھی سینکڑوں فرقے شریعت اسلامیہ کے صاف وصریح اور مسلم ومحکم اصول سے الگ ہو کر اور ان میں اختلاف ڈال کر اس عذاب کے نیچے آئے ہوئے ہیں۔ تاہم اس طوفان بے تمیزی میں اللہ ورسول کے وعدہ کے موافق ایک عظیم الشان جماعت بحمد اللہ خدا کی رسی کو مضبوط تھامے ہوئے مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ کے مسلک پر قائم ہے اور تا قیام قیامت قائم رہے گی۔ باقی فروعی اختلافات جو صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین میں ہوئے ہیں، انکو آیت حاضرہ سے کوئی تعلق نہیں، اس فروعی اختلاف کے اسباب پر حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ، نے اپنی تصانیف میں کافی وشافی بحث کی ہے۔

ف۵ یعنی بعضوں کے چہرہ پر ایمان وتقویٰ کا نور چمکتا ہوگا اور عزت ووقار کے ساتھ شاداں وفرحاں نظر آئیں گے۔ انکے برخلاف بعضوں کے منہ کفر ونفاق یا فسق وفجور سے کالے ہوں گے، صورت سے ذلت ورسوائی ٹپک رہی ہوگی۔ گویا ہر ایک کا ظاہر باطن کا آئینہ بن جائے گا۔

ف۱ یہ الفاظ مرتدین، منافقین، اہل کتاب، عام کفار یا مبتدعین وفساق وفجار سب کو کہے جاسکتے ہیں۔ "مرتد" تو اسی کو کہتے ہیں جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے۔ "منافق" زبان سے اقرار کرنے کے بعد دل سے کافر رہتا ہے۔ "اہل کتاب" اپنے نبیوں اور کتابوں پر ایمان لانے کے مدعی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سب بشارتوں کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دی گئی تھیں تسلیم کریں اور ان کی ہدایات کے موافق حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں مگر وہ انکار میں سب سے آگے رہتے ہیں۔ گویا اپنے نبی اور کتاب پر ایمان لانے کے بعد کافر بن رہے ہیں۔ مبتدعین کا دعویٰ زبان سے یہ ہوتا ہے کہ ہم قرآن وسنت کے متبع ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے ہیں مگر اس کے بعد بہت سی بے اصل اور باطل چیزیں دین میں شامل کر کے یا بعض ضروریات دین کا انکار کر کے اصلی دین سے نکل جاتے ہیں اس طرح وہ بھی ایک درجہ میں اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ کے مخاطب ہوئے۔ رہے فساق جن کا عقیدہ صحیح ہو، اگر ان سے خطاب ہوا تو یہ مطلب ہوگا کہ ایمان لانے کے بعد کافروں جیسے عمل کیوں کئے۔ گویا کفر سے عملی کفر مراد ہوگا اور اگر عام کفار کے حق میں یہ خطاب مانا جائے تو یہ حاصل ہے کہ خدا تعالیٰ نے سب کو دین فطرت پر پیدا کیا۔ اس فطرت ایمانی کو ضائع کر کے کافر کیوں بنے۔ باقی سیاق آیات سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کفر سے کفر فعلی یعنی اختلاف وتفریق مذموم مراد ہو۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی جنت میں۔ کیونکہ جنت محض عمل سے نہیں ملتی۔ عمل کے بعد خدا کی رحمت سے ملتی ہے۔ اور وہی جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی رحمت کے سامان کئے ہیں۔

ع بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد

ف۳ حقیقی معنیٰ میں ظلم تو وہاں ممکن ہی نہیں لیکن ظاہری طور پر جسے تم ظلم کہہ سکتے ہو۔ اس کا صدور بھی خدا تعالیٰ سے نہیں ہوتا۔ مثلاً، ایسے سخت احکام بندوں کو بھیجے =

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ ع ۱۱

آسمانوں میں اور جو کچھ کہ ہے زمین میں اور اللہ کی طرف رجوع ہے ہر کام کا ف ۱

آسمان اور زمین میں۔ اور اللہ تک رجوع ہے ہر کام کی۔

مسلمانوں کو تقویٰ اور اتباع شریعت پر متفق رہنے کی تاکید اکید اور پچھلی امتوں کی طرح افتراق اور اختلاف کی ممانعت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ... الی... وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے باہمی قتال وشقاق کو ﴿تَكْفُرُوْنَ﴾ یعنی کفر سے تعبیر فرمایا اب آئندہ آیت میں تقویٰ اور اعتصام بحبل اللہ یعنی اتفاق اور اتحاد اور اسلامی مواخات کا حکم دیتے ہیں۔ اور اتفاق اور اتحاد کا ایک دستور العمل بتلاتے ہیں وہ یہ کہ اول تقویٰ اور اسلام پر مداومت اور استقامت کا حکم دیا اور پھر اعتصام بحبل اللہ کا حکم فرمایا کہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو پھر یہ ارشاد فرمایا ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ﴾ الخ جس میں حکم دیا کہ اتفاق اور اتحاد کی نعمت کو یاد کرو۔ اور اس نعمت کو اور اس کی برکات کو یاد کر کے موازنہ کرو کہ پہلے تمہاری کیا حالت تھی اور اب کیا حالت ہے اور باہمی شقاق اور قتال میں کیا کیا مصیبتیں اور ذلتیں اٹھائیں اور اسلام کی بدولت جو تم کو اتفاق کی نعمت ملی اس میں تم کیا کیا راحتیں اور عزتیں ملیں چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے جیسے چاہیے اس سے ڈرنا جتنا تم سے ممکن ہو اس میں کوتاہی نہ کرو اور دشمنوں کے ورغلانے سے حسد اور فخر میں مت پڑو اور حاسدوں کے یاد دلانے سے گزشتہ عداوتوں کا خیال کر کے اسلامی اخوت اور مودت اور ایمانی محبت والفت کو مکدر نہ کرو اور سوائے اسلام کے اور کسی حالت پر ہرگز جان نہ دینا یعنی مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنا۔ اور اسلام دین اور دنیا کی نعمتوں کا سرچشمہ ہے اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو۔ یعنی قرآن کریم اور دین اسلام اور شریعت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو جس طرح رسی کو پکڑ لینا اوپر سے گرنے سے بچاتا ہے اور نیچے سے اوپر تک پہنچنے کا ذریعہ بن جاتا ہے اسی طرح قرآن کریم اور دین اسلام کو مضبوط پکڑنا۔ بندہ کو خدا تک پہنچاتا ہے اور آگ میں گرنے سے بچاتا ہے اور خدا کی رسی اس قدر مضبوط ہے کہ ٹوٹ تو نہیں سکتی ﴿لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾۔ البتہ غفلت کی بنا پر ہاتھ سے چھوٹ سکتی ہے غرض یہ کہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو۔ اور متفرق اور پراگندہ مت ہو یعنی خدا کی رسی پکڑنے والوں سے کبھی جدا اور علیحدہ نہ ہونا بلکہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہنا تاکہ تم بھی ان کے ساتھ مل کر خدا تک پہنچ جاؤ جو شخص خدا کی رسی کو چھوڑ دے گا وہ اوپر سے نیچے گرے گا۔ اور خدا کی رسی پکڑنے والے اوپر پہنچ جائیں گے اور چھوڑنے والا ہلاکت اور ذلت اور حسرت کے گڑھے میں ہوگا اور یاد کرو تم اللہ کے اس انعام اور احسان کو جو تم پر مبذول ہوا کہ جب تم اسلام سے پہلے ایک

= جن سے غرض محض ستانا اور دق کرنا ہو، یا مستحق رحمت پر عذاب کرنے لگے یا تھوڑی سزا کی جگہ زائد سزا جاری کر دے، یا کسی کی ادنیٰ ترین نیکی کا صلہ نہ دے وغیرہ ذلک۔ خوب سمجھ لو، اس کا جو حکم ہے خالص بندوں کی تربیت کے لئے اور جو معاملہ کسی کے ساتھ ہے عین حکمت ومصلحت کے موافق ہے۔

ف ۱ جب ہر چیز اللہ کی مخلوق ومملوک اور ہر کام کا انجام اسی کے ہاتھ میں ہے تو ظلم کیونکر اور کس لئے کیا جائے گا۔

دوسرے کے دشمن تھے اور باہم برسرپیکار تھے پھر خدا نے تم کو اسلام کی توفیق دے کر تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پس ہو گئے تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی اور برسوں کی عداوت مبدل بالفت ہوگئی یہ تو دنیوی نعمت ہوئی اب آئندہ آیت میں اُخروی نعمت کا ذکر فرماتے ہیں اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارہ پر کھڑے تھے کہ جہنم میں جانے کے لیے صرف مرنے کی دیر تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو محمد ﷺ کے ذریعہ سے بچالیا یہ دینی اور اخروی نعمت ہوئی کہ تم شرک اور بت پرستی اور گندے عقائد اور اعمال کی وجہ سے دوزخ کے کنارہ پر آ لگے تھے اس میں گرنے کے لیے صرف مرنے کی دیر تھی اگر تم اس وقت مرجاتے تو سوائے دوزخ کے کوئی ٹھکانہ نہ تھا ایسے وقت اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی کہ تمہیں اسلام کی توفیق دے کر دوزخ کے گڑھے سے بچالیا پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کر کے ان کی قدر کرو اور شکر کرو اور شکر وہی ہے کہ جبل اللہ کو مضبوط پکڑے رہو اور یہود کے اغواء سے اسلام کو نہ چھوڑو جس کی برکت سے تم کو یہ نعمتیں ملی ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم سیدھے راستہ پر چلتے رہو اور گمراہی کے گڑھے میں نہ گرو۔ اور جس طرح تم خدا کی رحمت سے گمراہی کے گڑھے سے نکل گئے ہو اسی طرح تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے کہ جو اپنے بھائیوں کو آگ کے گڑھے سے نکالنے کی کوشش کرے جس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کو نیکی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کی ہدایت کریں اور برے کاموں سے منع کریں اور ایسے ہی لوگ جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں مراد کو پہنچنے والے ہیں اور جو ایسا نہ کرتے وہ سراسر نقصان اور خسارہ میں ہیں معروف وہ ہے جس کو شریعت اور کتاب وسنت پہچانتی ہو اور منکر وہ ہے جس کو شریعت کا علم نہ جانتا ہو کہ یہ کیا بلا ہے۔

ف:...... گزشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے دو عیب بیان فرمائے ﴿يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ﴾ اے اہل کتاب تم خود کیوں کفر کرتے ہو۔ دوم یہ کہ تم دوسروں کو کافر بنانے کی کوششیں کیوں کرتے ہو، کما قال تعالیٰ: ﴿يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ الخ اہل کتاب کے ان دونوں عیبوں کے بیان کرنے کے بعد اس کے بالمقابل حق تعالیٰ مسلمانوں کو دو باتوں کا حکم دیتے ہیں اول یہ کہ تم خود تقویٰ اور اسلام پر قائم رہو دوم یہ کہ دوسروں کو خیر اور نیکی کی دعوت دو اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرو اور ان لوگوں کے مشابہ اور مانند نہ بنو جو حق سے جدا ہو گئے اور اللہ کی رسی کو چھوڑ کر بہتر فرقے بن گئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ ان کے پاس اللہ کی طرف سے صریح اور واضح احکام آچکے تھے یعنی خدا کی صریح آیتیں اور واضح ہدایت آجانے کے بعد اپنی نفسانی خواہشوں سے دین میں اختلاف ڈالا اور مختلف فرقے بن گئے جاننا چاہیے کہ تفرق اور اختلاف وہ ممنوع اور منہی عنہ ہے جو شریعت کے ایسے صریح احکام میں جن میں کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو ان میں اختلاف کرنے لگو اور اس اختلاف کا منشا محض نفسانیت ہو ایسا اختلاف بلاشبہ ممنوع ہے البتہ جو امور اجتہادی ہوں اور شریعت میں ان کا حکم صاف اور صریح نہ ہو اور ادلۂ شرعیہ بظاہر باہم متعارض معلوم ہوتی ہوں تو ایسے امور میں تحقیق حق کے لیے اختلاف کرنا ممنوع اور منہی عنہ نہیں بلکہ عین رحمت ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پھر تابعین اور ائمہ مجتہدین کا کوئی اختلاف شریعت کے کسی صریح اور واضح احکام میں نہیں بلکہ وہ اجتہادی مسائل میں ہے جو ان میں سے صواب کو پہنچا اس کے لیے دو اجر ہیں اور جس سے کوئی اجتہادی خطا ہوئی اس کے لیے ایک اجر ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اختلاف صحابہ

وتابعین رحمہم اللہ پر مستقل کتاب لکھی ہے اس کو دیکھ لیا جائے اور ایسے لوگوں کے لیے جو آیات بینات اور احکام واضحات کے آجانے کے بعد تفریق اور اختلاف کریں بڑا عذاب ہے اس لیے کہ آیات بینات کے بعد اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ صریح اور واضح حکم پر اتفاق واجب اور لازم ہے تاویل کا محل آیات متشابہات ہیں یعنی جو آیات محتمل الدلالت ہیں ان میں تاویل اور توجیہ کی گنجائش ہے۔ اور جو آیات محکمات ہیں یعنی واضح الدلالۃ ہیں اور ان کی مراد واضح ہے ان میں تاویل نہیں چلتی اس روز یعنی قیامت کے دن بعضے چہرے سفید اور روشن ہوں گے جنہوں نے دنیا میں نور حق کا اتباع کیا ہوگا اور دلائل اور براہین کی روشنی میں چلے ہوں گے اور بعضے چہرے سیاہ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں باطل کی ظلمتوں اور نفسانی خواہشوں کا اتباع کیا ہوگا ہر ایک کو اس کے حال کے مناسب جزاء ملے گی پس جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے بطور ملامت یہ کہا جائے گا کیا تم لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا۔ یعنی آیات محکمات اور آیات بینات میں طرح طرح کی تاویلیں کیں اور دین میں تفرقہ برپا کیا۔ بدعت چونکہ مظلم اور تاریک ہے اور اس کا رنگ سیاہ ہے اس لیے اس ظلمت کے اتباع کرنے والوں کے چہرے سیاہ ہوں گے بدعت کی باطنی ظلمت اور سیاہی آنکھوں سے دکھلا دی جائے گی۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:...... شبہ یہ ہے کہ ایمان کے بعد کفر کرنے کا کیا مطلب ہے حالانکہ ان میں بعضے اصلی کافر بھی ہیں جو ایمان لانے کے بعد کافر نہیں ہوئے۔

جواب:...... علماء تفسیر نے اس شبہ کے مختلف جواب ذکر فرمائے ہیں بعض مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت منافقین کے بارہ میں نازل ہوئی اور معنی یہ ہیں کہ منہ سے کلمہ اسلام کا پڑھتے ہیں اور عقیدہ اسلام کے خلاف رکھتے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ دعوی تو ایمان کا ہے اور عمل اس کے خلاف ہے۔ دعوی تو اتباع سنت کا ہے مگر مبتلا بدعتوں میں ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ایمان سے وہ ایمان مراد ہے جو عہد الست کے وقت لوگوں سے ربوبیت کا اقرار لیا گیا۔ بعد میں بعض اس پر قائم رہے اور بعض منحرف ہو گئے لہٰذا جو شخص بھی دنیا میں کفر کرتا ہے وہ اس ایمان کے بعد ہی کرتا ہے۔ اور عکرمہ رضی اللہ عنہ اور زجاج رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارہ میں ہے کہ قبل از بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اقرار کرتے تھے مگر بعثت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے منکر ہو گئے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت مرتدین کے حق میں ہے کہ ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے اور حق یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے اور علی حسب المراتب سب کفر کرنے والوں کو شامل ہے۔ قیامت کے دن تمام کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے کسی خاص کافر کی تخصیص نہیں۔

کما قال تعالی: ﴿وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ﴾ وقال تعالی: ﴿وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ﴾۔

اس آیت میں معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن ان تمام لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے جنہوں نے اللہ پر جھوٹ بولا ہے سو جاننا چاہیے کہ سب کافر اللہ پر جھوٹ بولنے والے ہیں کوئی کافر ایسا نہیں جو اللہ پر جھوٹ نہ بولتا ہو اس لیے کہ ہر کافر اپنے دین باطل کو دین الٰہی جانتا ہے اور جو شخص سرے ہی سے خدا تعالیٰ کے وجود کا منکر ہے وہ بھی اللہ پر جھوٹ بولتا ہے کہ اس کے بارہ میں ایک غلط اور جھوٹا اعتقاد رکھتا ہے۔

اور اگر آیت میں کفر سے عام معنی مراد لیے جائیں کہ کفر اعتقادی ہو یا عملی تو پھر اس آیت کے عموم میں اہل بدعت اور اہل ہویٰ مثل خوارج اور روافض وغیرہ بھی داخل ہو جائیں گے جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ ﴿ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ﴾ سے اس امت کے اہل بدعت اور اہل اہواء مراد ہیں۔ (تفسیر کبیر: ۳/ ۲۳)

اور رافضی اور خارجی سب اس کے عموم میں داخل ہیں اور جو راہ سنت کو چھوڑ کر راہ بدعت پر ہوئے پس چکھو تم عذاب کو بسبب اس کے کہ تم کفر میں اعتقاداً یا عملاً مبتلا ہوا اور وہ لوگ جن کے چہرے قیامت کے دن سفید اور روشن ہوں گے یعنی اہل سنت والجماعت جنہوں نے اللہ کی رسی کو اس طرح مضبوطی کے ساتھ پکڑا جس طرح اللہ کے نبی نے بتلایا اور جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت نے اس رسی کو پکڑا تھا کیونکہ یہی راہ نور مبین اور مشعل ہدایت ہے اس لیے اس کے پیرووں کے چہرے قیامت کے دن سفید اور روشن ہوں گے ایسے لوگ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ رحمت یعنی جنت میں داخل ہونا یہ بھی نعمت ہے اور اس رحمت میں خلود اور دوام یہ دوسری نعمت ہے اس لیے دونوں نعمتوں کو الگ الگ ذکر کیا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ قیامت کے دن جن کے چہرے روشن اور سفید ہوں گے وہ اہل سنت والجماعت کے چہرے ہوں گے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "يوم القيامة حين تبيض وجوه اهل السنة والجماعة وتسود وجوه اهل البدعة والفرقة قاله ابن عباس رضي الله عنهما۔" (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۳۹۰)

جس درجہ شریعت کے متبع ہوں گے اسی درجہ کا چہرہ پرنور ہوگا یہ اللہ کی نشانیاں ہیں یعنی قرآن اور اسلام اور آپ ﷺ کی نبوت کی حقانیت کے دلائل ہیں جن کو ہم آپ ﷺ کے سامنے پڑھ کر سناتے ہیں حق کے ساتھ یعنی ان کا مضمون بالکل حق ہے جس میں کسی قسم کا شبہ نہیں اور اب جو ان دلائل کو نہ مانے اور آپ ﷺ کی نبوت کا قائل نہ ہو تو یہ اس کے فہم کا قصور ہے اور اللہ تعالیٰ جہان والوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا یعنی ہم نے کافروں اور حق سے تفرق اور اختلاف کرنے والوں کے لیے جو عذاب تیار کیا ہے وہ ظلم نہیں بلکہ وہ ان کے اعمال قبیحہ کی سزا ہے ہم تو ان پر رحمت ہی کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ ہماری رحمت میں داخل ہونا ہی نہیں چاہتے۔ اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔ یہ خدا تعالیٰ نے اپنے ظلم کے ارادہ نہ کرنے کی وجہ بیان فرمائی ہے مطلب یہ ہے کہ ظلم تو غیر کی ملک میں تصرف کرنے کا نام ہے اور عالم وجود میں کوئی شے ایسی نہیں جو اس کی مخلوق اور مملوک نہ ہو پھر خدا ظلم کا ارادہ کیسے کر سکتا۔ ہاں تمام چیزوں کا اس کی ملک ہونا اس امر کو مقتضی ہے کہ وہ اپنی مملوک چیز میں جو چاہے تصرف کرے وہ ظلم نہیں بلکہ عین عدل ہے اور بالآخر تمام امور اللہ ہی کی طرف رجوع ہوں گے یعنی مخلوق کی ابتداء بھی اسی سے ہوئی کہ ہر چیز اس کی پیدا کی ہوئی ہے اور اسی کی ملک ہے اور اسی پر سب کی انتہاء ہے کہ سب اس کی طرف لوٹائے جائیں گے اور بمقتضائے حکم و رحمت ہر کام کی جزاء اور اجر اس کے مناسب دے گا۔ معاذ اللہ۔ خدا تعالیٰ ظالم نہیں۔ حکیم مطلق ہے اس کا کوئی کام ظلم نہیں بلکہ عین حکمت اور عین عدل اور عین رحمت ہے۔

لطائف و معارف

۱- اسلام سے مقصود یہ ہے کہ حق جل شانہ کی خوشنودی حاصل ہو جائے اور اس کی ناراضی اور عذاب سے نجات مل جائے مگر آج کل کے عقل مند اسلام کی طرف محض قومیت کے خیال سے توجہ کرتے ہیں غرض صرف اس قدر ہے کہ ہماری ایک

قوم بن جائے اور ہمارے اندراس سے ایک اتفاق کی شان پیدا ہو جائے۔ دین مقصود نہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ ان میں دینی اور مذہبی رنگ نہیں ورنہ اگر یہ جذبہ مذہب کے لحاظ سے ہوتو مذہبی اور دینی رنگ بھی ان میں ضرور پیدا ہوتا۔ كذافي تسهيل المواعظ: ۲/ ۵۔ جیسے اس زمانہ کی دوسری قومیں اپنے مذہب کے ذریعہ اپنی جماعت تیار کر رہے ہیں یہ بھی انہی کے قدم بقدم چلتے ہیں اور اسلام کے نام پر قوم تیار کرنا چاہتے ہیں جس کی بڑی علامت یہ ہے کہ ان لوگوں کو احکام شریعت سے کوئی واسطہ نہیں اور نہ آخرت کی فکر ہے۔ كذافي تسهيل المواعظ: ۲/ ۶۔

۲- جاننا چاہیے کہ ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ﴾ میں جس اتفاق کا حکم دیا گیا ہے اس سے حق پر متفق ہونا مراد ہے اور ﴿لَا تَفَرَّقُوْا﴾ میں جس تفریق کی ممانعت کی گئی ہے اس سے تفرق عن الحق مراد ہے یعنی حق سے جدا مت ہونا چوروں اور اوباشوں میں بھی اتفاق ہوتا ہے۔ مگر وہ مطلوب نہیں حضرت انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کر آئے باطل پرست ان کی جان کے دشمن ہو گئے اور ہر جگہ دو دو مذہب اور دو دو فریق بن گئے کیا کوئی متنفس یہ کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ حضرات انبیاء کرام نے نا اتفاقی پھیلائی۔ حضرات انبیاء تو اتفاق ہی کی دعوت دینے کے لیے تشریف لائے مگر مقصود یہ تھا کہ باطل کو چھوڑ کر حق کے ساتھ متفق ہو جائیں مگر لوگوں نے معاملہ برعکس کیا ہر حکومت اتفاق کو فرض اور لازم سمجھتی ہے لیکن اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ قانون حکومت کے ساتھ اتفاق کرو۔ قانون کے خلاف نہ کرو عدالتوں کا قیام اسی لیے ہے کہ اہل حق کا حق دلایا جائے اور ظالموں کو سزا دی جائے تفرقہ کا مجرم وہ شخص ہے جو قانونِ حکومت کے خلاف کرے اور جو شخص قانون حکومت کے مطابق چل رہا ہو اس کو نا اتفاقی کا مرتکب نہیں کہا جا سکتا۔ عدالت میں اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ فلاں شخص نے میرے مال یا آبرو پر یہ زیادتی کی ہے تو جج کو یہ حق نہیں کہ ظالم اور مظلوم دونوں کو یہ کہہ کر عدالت سے باہر نکال دے کہ تم دونوں ملک میں تفرقہ پھیلاتے ہو یا دونوں کی زبان بندی کا حکم دے دے عدالت اگر ایسا حکم دیدے تو یہ عدل نہ ہوگا خیر سے اگر عدالت کا جج کوئی مصلح قوم اور لیڈر بھی ہو تو بحیثیت جج ہونے کے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تمہارا دعویٰ نہیں سنتا جاؤ اختلاف نہ کرو متفق ہو کر رہو۔ تم لوگ میرا دماغ پریشان کرنے آئے ہو اس لیے میں تمہارا مقدمہ خارج کرتا ہوں۔ اسی طرح علماء کو سمجھو کہ وہ وکلاء کی طرح قانون شریعت کی صحیح تشریح کرتے ہیں اور ملحدین اور بے دین قانون شریعت میں ایسی تاویلیں اور تحریفیں کرتے ہیں جس سے قانون شریعت ان کی خواہشوں اور غرضوں کے مطابق بن جائے۔ علماء دین جب ان ملحدین کے رد اور جواب کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت سے بے عقل یہ کہتے ہیں کہ علماء تفرقہ اور نا اتفاقی پھیلاتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ جو شخص قانون حکومت کے ایسے عجیب وغریب معنی بیان کرے جو اب تک وزراء اور حکام اور وکلاء نے نہ سمجھے ہوں ایسا شخص حکومت کی نظر میں چالاک اور عیار ہے اور مجرم ہے اور جو شخص قانون کا وہ مطلب بیان کرے جس معنی کی بناء پر عدالتوں کے ججوں نے فیصلے کیے ہیں وہ شخص نا اتفاقی اور تفرقہ کا مجرم نہیں بلکہ وہ حق کے ساتھ متفق ہے۔

۳- آیت میں جو تفرق اور اختلاف کی مذمت اور ممانعت ہے اس سے وہ اختلاف مراد ہے جو دین کے صریح اور واضح احکام میں محض نفسانیت کی بناء پر ہو اور اگر غیر منصوص اور ظنی مسائل میں محض تحقیق حق یعنی حق کی تلاش کرنے لیے ہو تو ایسا اختلاف مسلمانوں کے لیے رحمت ہے۔ حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل میں بہتر فرقے ہوئے اور میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے جو

سوائے ایک فرقہ کے سب کے سب جہنمی ہوں گے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون سا فرقہ ہوگا جو دوزخ سے محفوظ ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ما انا علیہ واصحابی"۔ وہ فرقہ ناجیہ وہ فرقہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ ؓ کے طریقہ پر ہوگا۔

اہل سنت والجماعت کو اہل سنت والجماعت اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ فرقہ نبی کریم ﷺ کی سنت اور طریقہ پر ہے اور جماعتِ صحابہ ؓ کے طریقہ پر بھی ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ کا راستہ اور طریقہ اللہ کے راستہ اور طریقہ سے جدا نہیں اسی طرح صحابہ کرام کا راستہ اور طریقہ نبی کریم ﷺ کے راستے اور طریقہ سے جدا نہیں صراط مستقیم وہ راستہ ہے جو اللہ نے قائم کیا اور اللہ کی ہدایت کے مطابق نبیین اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اس پر چلے۔

۴- فرقہ ناجیہ کے علاوہ مخالف فرقوں کی بڑی قسمیں یہ ہیں۔

خارج۔ روافض۔ قدریہ۔ جہمیہ۔ مرجیہ۔ جبریہ پھر ان میں سے ہر ایک فرقہ کی شاخیں ہیں۔ جو سب مل کر بہتر ہوتی ہیں اور یہ تمام فرقے اور ان کی شاخیں سب فرق باطلہ میں داخل ہیں امام قرطبی ؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: "قال ابوالفرج الجوزی فان قیل ھذہ الفرق معروفۃ (فالجواب) انا نعرف الافتراق واصول الفرق وان کل طائفۃ من الفرق انقسمت الی فرق وان لم نحط باسماء تلک الفرق ومذاھبھا فقد ظھر لنا من اصول الفرق، الحروریۃ القدریۃ والجھمیۃ والمرجیۃ والرافضیۃ والجبریۃ وقال بعض اھل العلم اصل الفرق الضالۃ ھذہ الفرق الست وقد انقسمت کل فرقۃ منھا اثنی عشرۃ فرقۃ فصارت اثنتین وسبعین فرقۃ۔" (تفسیر قرطبی: ۱۶۰/۴)

اس کے بعد امام قرطبی نے تمام بہتر فرقوں کی تفصیل فرمائی حضرات اہل علم تفسیر قرطبی کی مراجعت فرمائیں۔

۵- شاہ عبدالقادر صاحب ؒ فرماتے ہیں کہ ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ﴾ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں فرض ہے کہ ایک جماعت قائم رہے جہاد کرنے کو اور دین کی باتوں کا تقید رکھنے کو تاکہ دین کے خلاف کوئی نہ کرے اور جو اس کام پر قائم رہے وہی کامیاب ہیں اور یہ (طریقہ) کہ کوئی کسی سے تعرض نہ کرے "موسیٰ بدین خود عیسیٰ بدین خود" یہ راہ مسلمانی کی نہیں (منہ رحمہ اللہ تعالیٰ) کسی جمہوری اور متمدن حکومت میں یہ آزادی نہیں کہ لوگ قانون حکومت کے پابند اور مقید نہ رہیں اور جس کو جو چاہے وہ کر لیا کرے اسی طرح اللہ کے قانون میں یہ آزادی نہیں کہ جس حکم پر چاہے عمل کرو اور چاہے نہ کرو۔ عجیب بات ہے کہ مجازی حکومت کے احکام کی پابندی تو لازم ہو اور بندہ پر اپنے خدا کے احکام کی پابندی اور ان کی تبلیغ ضروری نہ ہو۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں ف۱ حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے ف۲

تم ہو بہتر سب امتوں سے جو پیدا ہوئے ہیں لوگوں میں، حکم کرتے ہو پسند بات پر، اور منع کرتے ہو ناپسند سے،

ف۱ گزشتہ رکوع کے شروع میں فرمایا تھا ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾۔ درمیان میں اسی کے مناسب کچھ اوامر و نواہی اور وعدہ وعید آ گئی۔ یہاں سے پھر اسی اول مضمون کی تکمیل کی جاتی ہے۔ یعنی اے مسلمانو! خدا تعالیٰ نے تم کو تمام امتوں میں بہترین =

وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ

اور ایمان لاتے ہو اللہ پر ف۱ اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو ان کے لئے بہتر تھا، کچھ تو ان میں سے ہیں ایمان پر

اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔ اور اگر ایمان میں آتے اہل کتاب تو ان کو بہتر تھا۔ کوئی نہیں ان میں ایمان پر،

وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ

اور اکثر ان میں نافرمان ہیں ف۲ وہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے تمہارا مگر ستانا زبان سے اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ دیں گے

اور اکثر وہ بے حکم ہیں۔ وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے، مگر ستانا۔ اور اگر تم سے لڑیں گے تو تم سے پیٹھ دیں گے۔

ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ

پھر ان کی مدد نہ ہوگی ف۳ ماری گئی ان پر ذلت جہاں دیکھے جائیں سوائے دستاویز اللہ کے اور دستاویز

پھر ان کو مدد نہ ہوگی۔ ماری گئی ہے ان پر ذلت، جہاں دیکھئے، سوائے دست آویز اللہ کے اور دست آویز

= امت قرار دیا ہے اس کے علم ازلی میں پہلے سے ہی یہ مقدر ہو چکا تھا جسکی خبر بعض انبیائے سابقین کو بھی دے دی گئی تھی کہ جس طرح نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے افضل ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بھی جملہ امم واقوام پر سبقت لے جائے گی کیونکہ اس کو سب سے اشرف واکرم پیغمبر نصیب ہوگا ادوم واکمل شریعت ملے گی، علوم ومعارف کے دروازے اس پر کھول دیئے جائیں گے، ایمان وعمل تقویٰ کی تمام شاخیں اسکی محنت اور قربانیوں سے سرسبز وشاداب ہوں گی، وہ کسی خاص قوم ونسب یا مخصوص ملک واقلیم میں محصور نہ ہوگی بلکہ اس کا دائرہ عمل سارے عالم کو اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہوگا۔ گویا اس کا وجود ہی اس لئے ہوگا کہ دوسروں کی خیر خواہی کرے اور جہاں تک ممکن ہو انہیں جنت کے دروازوں پر لا کر کھڑا کر دے۔ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

(تنبیہ) اس سورت کے نویں رکوع میں ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت وجامعیت کبریٰ کا بیان ہوا تھا۔ دسویں رکوع میں ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ سے اس امت کے قبلہ کی برتری دکھلائی گئی۔ گیارہویں رکوع میں ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا﴾ الخ سے اس امت کی کتاب و شریعت کی مضبوطی کا اظہار فرمایا۔ اب یہاں بارہویں رکوع کے آغاز سے خود امت مرحومہ کی فضیلت وعظمت کا اعلان کیا جا رہا ہے۔

ف۲ "منکر" (برے کاموں) میں کفر، شرک، بدعات، رسوم قبیحہ، فسق وفجور اور ہر قسم کی بداخلاقی اور نامعقول باتیں شامل ہیں۔ ان سے روکنا بھی کئی طرح ہوگا۔ کبھی زبان سے، کبھی ہاتھ سے، کبھی قلم سے، کبھی تلوار سے، غرض ہر قسم کا جہاد اس میں داخل ہوگیا۔ یہ صفت جس قدر عموم واہتمام سے امت محمدیہ میں پائی گئی، پہلی امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

ف۱ اللہ پر ایمان لانے میں، اسکی توحید پر، اسکے رسولوں پر اور کتابوں پر ایمان لانا بھی داخل ہے اور سچ تو یہ ہے کہ توحید خالص وکامل کا اتنا شیوع واہتمام کبھی کسی امت میں نہیں رہا۔ جو بحمد اللہ اس امت میں رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص تم میں سے چاہتا ہے کہ اس امت (خیر الامم) میں شامل ہو، چاہیئے کہ اللہ کی شرط پوری کرے یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور ایمان باللہ، جس کا حاصل ہے خود درست ہو کر دوسروں کو درست کرنا۔ جو شان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تھی۔

ف۲ یعنی اہل کتاب اگر اکثر ایمان لے آتے تو وہ بھی اس خیر الامم میں شامل ہو سکتے تھے۔ جس سے دنیا میں عزت بڑھتی اور آخرت میں دوہرا اجر ملتا۔ مگر افسوس ہے ان میں چند افراد کے سوا (مثلاً عبد اللہ بن سلام یا نجاشی وغیرہ) کسی نے حق کو قبول نہ کیا۔ باوجود وضوح حق کے نافرمانی ہی پر اڑے رہے۔

ف۳ یعنی اگر نافرمان ہیں تو ہونے دو تم کو ان کی اکثریت یا مادی ساز وسامان سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں (اے خیر الامم!) خدا کا وعدہ ہے کہ یہ شیطانی =

النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا

لوگوں کے ف۱ اور کمایا انہوں نے غصہ اللہ کا اور لازم کردی گئی ان کے اوپر حاجت مندی یہ اس واسطے کہ وہ انکار کرتے رہے ہیں

لوگوں کے، اور کما لائے غصہ اللہ کا اور ماری ہے ان پر محتاجی۔ یہ اس واسطے کہ وہ رہے ہیں

يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا

اللہ کی آیتوں سے اور قتل کرتے رہے ہیں پیغمبروں کو ناحق یہ اس واسطے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور

منکر اللہ کی آیتوں سے اور مارتے ہیں نبیوں کو ناحق۔ یہ اس سے کہ وہ بےحکم ہیں اور

يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ

حد سے نکل گئے ف۲ وہ سب برابر نہیں اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے سیدھی راہ پر پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی راتوں کے وقت

حد سے بڑھتے ہیں۔ وہ سب برابر نہیں، اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے سیدھی راہ پر، پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی راتوں کے وقت،

وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

اور وہ سجدے کرتے ہیں ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور حکم کرتے ہیں اچھی بات کا اور منع کرتے ہیں

اور وہ سجدہ کرتے ہیں۔ یقین لاتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر، اور حکم کرتے ہیں پسند بات کو اور منع کرتے ہیں

الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ

برے کاموں سے اور دوڑتے ہیں نیک کاموں پر اور وہی لوگ نیک بخت ہیں ف۳ اور جو کچھ کریں گے وہ لوگ نیک کام

ناپسند سے اور دوڑتے ہیں نیک کاموں پر۔ اور وہ لوگ نیک بختوں میں ہیں۔ اور جو کریں گے نیک کام،

= لشکر تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ (بشرطیکہ تم اپنے کو خیر الامم ثابت کرو) بس یہ اتنا ہی کرسکتے ہیں کہ زبان سے گالی دیں اور نامردوں کی طرح تم کو برا بھلا کہتے پھریں یا کوئی چھوٹی موٹی عارضی تکلیف پہنچائیں، باقی تم پر غالب و مسلط ہو جائیں، یا کوئی بڑا قومی نقصان پہنچا سکیں، یہ کبھی نہ ہوگا۔ اگر لڑائی میں تمہارے مقابلہ پر آئے تو پیٹھ دے کر بھاگیں گے اور کسی طرف سے انکو مدد نہ پہنچے گی جو ان کی ہزیمت کو روک سکے۔ یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں اہل کتاب کا یہی حشر ہوا۔ اسلام اور مسلمانوں کی تباہی کے لئے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور خرچ کر دیا مگر بال بیکا نہ کر سکے۔ جہاں مقابلہ ہوا حمر مستنفرہ کی طرح بھاگے۔ ہر موقع پر خدا کی نصرت و امداد خیر الامم کے شامل حال رہی اور دشمن بدحواسی اور بے کسی کی حالت میں مقہور و مخذول ہو کر بھاگے یا قید ہوئے یا رعیت بن کر رہے یا جہنم میں پہنچ گئے، فَلِلّٰهِ الحمد والمنۃ۔

ف۱ یہ آیتیں اہل کتاب میں سے خاص یہود کے متعلق معلوم ہوتی ہیں جیسا کہ سیاق کلام اور قرآن کی دوسری آیات سے ظاہر ہے یعنی یہود پر ہمیشہ کے لئے ذلت کی مہر کر دی گئی۔ یہ بدبخت جہاں کہیں پائے جائیں، ذلت کا نقش ان سے محو نہیں ہو سکتا۔ بڑے بڑے کروڑ پتی یہود بھی آزادی و خود مختاری سے اپنے جان و مال کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کی آزاد حکومت کسی جگہ نہیں" سوائے دستاویز اللہ کے" یعنی بعض بچی کچھی رسمیں تورات کی عمل میں لاتے ہیں اسکے طفیل سے بچ رہے ہیں اور "سوائے دستاویز لوگوں کے" یعنی کسی کی رعیت میں اسکی پناہ میں پڑے ہیں (کذافی الموضح) بعض مفسرین نے "حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ" و "حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ" سے اللہ کا ذمہ اور مسلمانوں کا عہد مراد لیا ہے یعنی بجز اس کے کہ مسلمانوں سے عہد کر کے خدا کے ذمہ میں آجائیں۔ بعض کہتے ہیں کہ "بحبل من اللہ" سے اسلام مراد ہے یعنی اسلام لا کر اس ذلت سے نکل سکتے ہیں یا معاہد بن کے، کیونکہ معاہد بھی جان و مال کی طرف سے مامون کر دیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی نافرمانی کرتے کرتے حد سے نکل گئے جس کا انتہائی اثر یہ تھا کہ اللہ کی صریح آیتوں کے انکار اور معصوم پیغمبروں کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ اسی =

فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ

اس کی ہرگز ناقدری نہ ہوگی ف۱ اور اللہ کو خبر ہے پرہیزگاروں کی ف۲ وہ لوگ جو کافر ہیں ہرگز کام نہ آدینگے ان کو ان کے مال

سو ناقبول نہ ہوگا۔ اور اللہ کو خبر ہے پرہیزگاروں کی۔ اور وہ لوگ جو منکر ہیں ان کو کام نہ آئیں گے ان کے مال

وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا

اور نہ اولاد اللہ کے آگے کچھ اور وہی لوگ رہنے والے ہیں آگ میں دوزخ کی وہ اس آگ میں ہمیشہ رہیں گے جو کچھ

اور نہ اولاد اللہ کے آگے کچھ۔ اور وہ دوزخ کے لوگ ہیں، وہ اس میں رہ پڑے۔ جو کچھ

يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْۤا

خرچ کرتے ہیں اس دنیا کی زندگی میں اس کی مثال جیسے ایک ہوا کہ اس میں ہو پالا جا لگی کھیتی کو اس قوم کی کہ

خرچ کرتے ہیں اس دنیا کی زندگی میں اس کی مثال جیسے ایک باؤ، اس میں پالا، وہ مار گئی کھیتی ایک لوگوں کی

اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

انہوں نے اپنے حق میں برا کیا تھا پھر اس کو نابود کرگئی ف۳ اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں ف۴

جنہوں نے اپنے حق میں برا کیا تھا، پھر اس کو نابود کرگئی، اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، پر اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

= مضمون کی آیت سورۃ بقرہ پارہ "الٓمٓ" میں گزر چکی ہے۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں۔

ف۳ یعنی سب اہل کتاب کا حال یکساں نہیں۔ اتنے بروں میں کچھ اچھے بھی ہیں۔ ان ہی ممسوخ اشقیاء کے درمیان چند سعید روحیں ہیں جن کو حق تعالیٰ نے قبول حق کی توفیق دی اور وہ اسلام کی آغوش میں آگئے اور جادہ حق پر ایسے مستقیم ہوگئے کہ کوئی طاقت ہلا نہیں سکتی۔ وہ رات کی تاریکی میں میٹھی نیند اور نرم بستر سے چھوڑ کر خدا کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ اپنے مالک کے سامنے خضوع و تذلل اختیار کرتے ہیں۔ جبین نیاز زمین پر رکھتے ہیں، نماز میں اس کا کلام پڑھتے ہیں۔ اللہ پر اور یوم آخرت پر ٹھیک ٹھیک ایمان لاتے ہیں، خالص توحید کے قائل ہیں، قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں اور جب کسی نیک کام کی طرف پکارا جائے دوڑ کر دوسروں سے آگے نکلنا چاہتے ہیں، پھر نہ صرف یہ کہ خود راہ راست پر ہیں، دوسروں کو بھی سیدھے راستے پر لانا چاہتے ہیں بلاشبہ ان یہود میں سے یہ لوگ ہیں جن کو خدا نے نیک بختی اور صلاح و رشد کا خاص حصہ عطا فرمایا ہے۔ یہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا ذکر ہوا۔

ف۱ بلکہ دگنا اجر ملے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ ﴿اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا﴾ اور حدیث صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمادی۔

ف۲ اسی لئے جب یہود کی برائیوں کا ذکر آتا ہے حق تعالیٰ ان پرہیزگاروں کو مستثنیٰ کر دیتا ہے اور پرہیزگاری کے موافق دنیا و آخرت میں ان کے ساتھ معاملہ بھی بالکل ممتاز کیا جائے گا۔

ف۳ صالحین و متقین کے بالمقابل یہاں کافروں کے حال و انجام کا ذکر فرماتے ہیں پہلے فرمایا تھا ﴿وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ﴾ کی ادنیٰ ترین نیکی بھی کام آئے گی۔ انکے کسی بھلے کام کی بے قدری نہیں کی جائے گی۔ اسکے برخلاف کافر جو کچھ مال و قوت دنیا میں خرچ کرے، خواہ اپنے نزدیک بڑا ثواب اور خیرات کا کام سمجھ کر کرتا ہو، آخرت میں اسکی کوئی قدر و قیمت اور پرسش نہیں۔ کیونکہ ایمان و معرفت صحیحہ کی روح نہ ہونے سے اس کا ہر ایک عمل بے جان اور مردہ ہے۔ اسکی جزاء بھی ایسی ہی فانی و زائل اس دار فانی میں مل رہی ہے گی۔ عمل کی ابدی حفاظت کرنے والی چیز ایمان و ایقان ہے اس کے بدون عمل کی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی شریر ظالم نے کھیتی یا باغ لگایا، اور اسکو برف پالے سے بچانے کا کوئی انتظام نہ کیا، چند روز اسکی سرسبزی و شادابی کو دیکھ کر خوش ہوتا اور بہت کچھ امیدیں باندھتا رہا۔ یکایک اسکی شرارت و بدبختی سے سرد ہوا چلی، برف پالا اس قدر گرا کہ ایک دم میں ساری لہلہاتی کھیتی جلا کر رکھ دی آخر اپنی کلی تباہی د =

بیان خیریت امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوۃ والف الف تحیۃ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ... الى... وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں مسلمانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ اسی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے یہ امت تمام امتوں سے بہتر ہے۔ اور قوت علمیہ اور قوت عملیہ میں کامل اور مکمل ہے چنانچہ ﴿تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ اور ﴿تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ میں قوت عملیہ میں کمال کی طرف اشارہ ہے اور ﴿تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ میں قوت نظریہ کے کمال کی طرف اشارہ ہے اور اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کا ہاتھ جماعت (کے سر) پر ہے اور حدیث میں ہے کہ میری امت کبھی گمراہی پر متفق نہ ہوگی اسی وجہ سے تمام امت کا اتفاق ہے کہ اس امت کے علماء کا اجماع حجت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے اجماع کو عصمت عن الخطا کا درجہ عطا فرمایا ہے علماء ربانیین فرداً فرداً تو معصوم نہیں۔ مگر ان کا اجماع معصوم عن الخطاء ہے ہر عالم ربانی علم میں انبیاء کرام علیہم السلام کا وارث ہے مگر عصمت نبوی کی وراثت اجماع کو ملی افراد کو اس میں میراث کا حصہ نہیں ملا۔ یا یوں کہو کہ شروع آل عمران میں نصرانیت کا ابطال اور اسلام کی حقانیت بیان فرمائی۔ اور پھر ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ﴾ الخ میں نبی اکرم ﷺ کا امام الانبیاء اور سید الرسل ہونا بیان کیا اور پھر ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ﴾ الخ میں اس امت کے قبلہ کی افضلیت اور برتری بیان کی گئی اور پھر ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا﴾ میں اس امت کی کتاب اور شریعت کی برتری اور مضبوطی بیان فرمائی کہ وہ اللہ کی غایت درجہ مضبوط رسی ہے جس میں ٹوٹنے کا امکان نہیں البتہ غفلت کی بناء پر ہاتھ سے چھوٹ جانے کا امکان ہے اب اخیر میں اس امت مرحومہ کی افضلیت اور برتری کا اعلان کیا جا رہا ہے کہ یہ امت تمام امتوں سے افضل اور اکمل ہے اور اگر اہل کتاب اس آخری کتاب اور آخری شریعت پر ایمان لے آئیں تو وہ بھی خیر الامم میں شامل ہو سکتے ہیں مگر افسوس کہ ان میں سے سوائے چند افراد کے اکثر نافرمان ہیں صرف عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور نجاشی رحمۃ اللہ علیہ شاہ حبشہ جیسے سلیم الطبع چند افراد نے حق کو قبول کیا اور خیر الامم میں داخل ہوئے اور باقی اپنے تمرد اور عناد پر قائم رہے چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو تم سب امتوں سے بہترین امت ہو جو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے عدم۔ سے وجود میں نکالی گئی ہے اور تمہارے بہترین امت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تم

= بربادی پر کف افسوس ملتا رہ گیا، نہ امیدیں پوری ہوئیں نہ احتیاج کے وقت اسکی پیداوار سے منتفع ہوا۔ اور چونکہ یہ تباہی ظلم و شرارت کی سزا تھی، اس لئے اس مصیبت پر کوئی اجر اخروی بھی نہ ملا، جیسا کہ مومنین کو ملتا ہے۔ بعینہ یہ مثال ان کفار کی ہے جو کفر و شرک پر قائم رہتے ہوئے اپنے خیال میں بہت پن خیرات کرتے ہیں، باقی وہ بدبخت جن کا زر و قوت اور پیسہ حق اور اہل حق کی دشمنی یا فسق و فجور میں خرچ ہوتا ہو ان کا تو پوچھنا ہی کیا ہے، وہ نہ صرف بیکار خرچ کر رہے ہیں، بلکہ روپیہ خرچ کر کے اپنے لئے اور زیادہ وبال خرید رہے ہیں ان سب کو یاد رکھنا چاہیے کہ مال ہو یا اولاد کوئی چیز عذاب الٰہی سے نہ بچا سکے گی اور نہ متقین کے مقابلہ پر وہ اپنی توقعات میں کامیاب ہوں گے۔

(تنبیہ) "ریح" کا لفظ مفرد قرآن میں عموماً عذاب کے موقع پر استعمال ہوا ہے۔ ﴿رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور ﴿وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا﴾ اور ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا﴾ اور رحمت کے موقع پر جمع کا لفظ "ریاح" لائے ہیں ﴿يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ﴾ ﴿وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ﴾ ﴿يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا﴾ کذا ذکرہ ابو حیان۔

ف۳ یہ نہ سمجھا جائے کہ کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں کی جاتی تو اس پر معاذ اللہ خدا کی طرف سے ظلم ہوا، نہیں یہ ظلم تو انہوں نے اپنی جانوں پر خود اپنے ہاتھوں سے کیا ہے۔ نہ کفر اختیار کرتے نہ یہ روز بد دیکھنا پڑتا۔

نیک کاموں کی ہدایت کرتے ہو جو شریعت کے نزدیک جانے پہچانے اور مستحسن ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہو جو شریعت میں منکر یعنی ناپسندیدہ ہیں اور شریعت ان سے بے گانہ ہے اور تم اللہ پر ٹھیک ٹھیک ایمان رکھتے ہو یعنی امت محمدیہ کو تمام امتوں پر جو شرف اور فضیلت حاصل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ امت اس صفت میں تمام امتوں سے ممتاز ہے توحید اور اخلاق فاضلہ کی تعلیم اور فواحش اور منکرات سے زجر وتوبیخ کا جو اہتمام بلیغ اس امت میں ہوا امم سابقہ میں اس کی نظیر تو کیا اس کا عشر عشیر بھی نہیں کفر کا فتنہ دفع کرنے کے لیے اس امت میں جہاد شروع ہوا اور فواحش اور منکرات کے سد باب کے لیے حدود اور تعزیرات جاری کی گئیں اور اسی طرح ایمان باللہ میں بھی یہ امت تمام امتوں سے ممتاز ہے کہ خدا کی ذات وصفات کے اعتقاد کے بارہ میں غایت درجہ متوسط اور معتدل ہے اس امت کا ایمان تشبیہ وتمثیل کے فرث (گوبر) اور دم تعطیل کے درمیان لبن خالص کی طرح ہے یہود ونصاری کا ایمان دنیا کے سامنے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا بیٹا مانتے ہیں مخلوق کی صفات خالق کے لیے ثابت کرتے ہیں۔ ﴿سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ﴾ اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور اس نبی برحق کی تصدیق کرتے جس کو توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں تو بلاشبہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اس لیے کہ مسلمان ہو جانے سے وہ بھی خیر الامم یعنی بہترین امت ہونے میں مسلمانوں کے شریک ہو جائے اور من جانب اللہ ان کو دہرا اجر ملتا۔ کما قال تعالی: ﴿اُولٰٓئِكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ﴾ لیکن ان کی تو کیفیت یہ ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ تو ایمان دار ہیں اور اکثر ان میں بدکار ہیں۔ اور اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ اور ہر وقت مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کی فکر میں ہیں اس لیے آئندہ آیت میں مسلمانوں کی تسلی کے لیے ایک پیش گوئی فرماتے ہیں۔ اے مسلمانو! یہ اہل کتاب تمہیں سوائے زبانی ایذاء رسانی کے اور کسی قسم کا تم کو ہرگز ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ کتنی بڑی کوششیں کریں۔ مگر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور اگر وہ زبان درازی سے زیادہ کچھ ہمت کر کے تم سے لڑیں گے تو تمہارے مقابلہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر شکست کے بعد کہیں سے بھی ان کی مدد نہ ہوگی یعنی مقابلہ میں ان کو کبھی فتح نہ ہوگی۔ یہ یہود کے مغلوب ہونے کی پیشین گوئی ہے جو بحمد اللہ حرف بحرف پوری ہوئی کہ جب کبھی یہود اور مسلمانوں میں لڑائی ہوئی یہود پشت پھیر کر بھاگے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کبھی ان کو فتح نصیب نہیں ہوئی جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان پر ذلت اور خواری کی مہر لگا دی گئی ہے جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے ذلیل وخوار ہوں گے مگر اللہ کے عہد وپیمان یا لوگوں کے عہد وپیمان کے ذریعے ذلت وخواری سے کچھ پناہ مل سکے گی لوگوں کے عہد وپیمان سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں سے کوئی معاہدہ یا صلح کریں یا مسلمانوں سے امن طلب کریں یا مسلمانوں کی رعیت بن کر رہیں اور جزیہ قبول کر کے مسلمانوں کی پناہ میں آ جائیں تو اس وقت ان کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہوگا بلکہ رعایا اور ذمی ہونے کی صورت میں ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوگا جو مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

فائدہ:...... یہ معنی تو ﴿حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ کے ہوئے اور ﴿حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ کے معنی بعض علماء کے نزدیک تو وہی ہیں جو ﴿حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ کے معنی بیان کیے گئے یعنی ﴿حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اور ﴿حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ دونوں سے ایک ہی شئ مراد ہے اور یہ عطف تفسیری ہے اور بعض علماء کے نزدیک ﴿حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اور ﴿حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ سے علیحدہ علیحدہ شئ مراد ہے بعض کہتے ہیں کہ ﴿حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ سے اسلام یعنی مسلمان ہو جانا مراد ہے یعنی ذلت سے بچنے کا ایک طریقہ یہ

ہے کہ اسلام لے آئیں اور اسلام لا کر اس ذلت سے بچ جائیں اگرچہ وہ اسلام ظاہری طور پر ہو اور دوسرا طریقہ ذلت سے نکلنے کا یہ ہے کہ مسلمانوں سے کوئی معاہدہ کر کے اپنی جان و مال کی حفاظت کر لیں اور بعض علماء کے نزدیک ﴿حَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ﴾ سے یہ مراد ہے کہ وہ کتابی راہب ہو کہ گرجائیں گوشہ نشین ہو اور اپنی عبادت میں مشغول ہو اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں نہ تو شریک ہوں اور نہ اعداء اسلام کو مشورہ دیتا ہو تو ایسے کتابی کے متعلق اللہ کا حکم یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ جہاد میں ایسے کتابی کو قتل نہ کریں جو راہب ہو اور اپنی عبادت میں مشغول ہو اور علیٰ ہذا، اہل کتاب کے بچوں اور عورتوں کے متعلق بھی اللہ کا حکم یہ ہے کہ مسلمان جہاد میں کافروں کے بچوں اور عورتوں کو ہرگز نہ قتل کریں صرف ان لوگوں کو قتل کریں جو مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہیں اور یہ عہد اور پیمان ان کو عند اللہ نافع اور مفید نہ ہوگا اس لیے کہ یہ لوگ اللہ کے غصہ کے مستحق ہیں اور محتاجی اور خواری ان کو لازم کر دی گئی اور یہ لوگ خدا کے غضب اور ذلت و مسکنت کے مورد اس لیے بنے کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ اور جان بوجھ کر نبیوں کو ناحق قتل کیا کرتے تھے اور اس کفر بآیات اللہ اور قتل انبیاء علیہم السلام کا باعث یہ ہوا کہ یہ لوگ اللہ کی نافرمانی کرتے رہے اور حد سے آگے بڑھتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دل سخت ہو گئے اور گناہوں کی کثرت سے نور ایمان بالکل جاتا رہا اس لیے اللہ کی آیتوں کے کفر اور پیغمبروں کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ گناہوں پر اصرار اور نافرمانی میں حد سے بڑھ جانا انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے اور اس قسم کے لوگ اہل کتاب میں اگرچہ کثیر ہیں مگر سب اہل کتاب برابر اور یکساں نہیں ان بروں میں سے کچھ اچھے بھی ہیں۔ اہل کتاب میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق پر قائم ہے جو اوقات شب میں اللہ کی آیتیں نماز میں پڑھتے رہتے ہیں اور وہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور دیر تک جبین نیاز زمین پر رکھتے ہیں تاکہ اللہ کا قرب حاصل ہو۔ اور قیام میں کلام خداوندی کے پڑھنے سے مناجات کی لذت حاصل ہو غرض یہ کہ ان کی نماز طول قیام اور طولِ سجود دونوں کی جامع ہوتی ہے اور اوقات شب میں عبادت کرنا دلیل اس امر کی ہے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ سے غافل نہیں۔ جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ پر ٹھیک ٹھیک ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ کی توحید اور تفرید ان کے دلوں میں راسخ ہے اور نیز روز آخرت پر یقین رکھتے ہیں آخرت کا تصور ان کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتا اس لیے وہ اللہ سے غافل نہیں ہوتے۔ اور پھر یہ کہ ان کے انوار و برکات ان کی ذات تک محدود نہیں رہتے بلکہ دوسروں کو بھی اچھے کاموں کی ہدایت اور برے کاموں سے ممانعت کرتے ہیں یعنی جس طرح وہ خود راہ راست پر ہیں اسی طرح یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی راہ راست پر آجائیں اور نہایت شوق و رغبت کے ساتھ نیک کاموں میں دوڑتے ہیں تاکہ سب سے سبقت لے جائیں اور یہی اور ایسے ہی لوگ نیک بختوں میں سے ہیں جو خدا کے غضب اور ذلت اور مسکنت سے محفوظ ہیں۔ یہ آیتیں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بارہ میں نازل ہوئیں اور ایسے لوگ جو بھی نیکی کریں گے خواہ وہ دوڑ کر کریں یا آہستہ رفتار سے سو ہرگز اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی بلکہ ایسے اہل کتاب کو دگنا اجر ملے گا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ اور احادیث نبویہ میں صراحۃً آیا ہے کہ جو اہل کتاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے ان کو دو اجر ملیں گے اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے پس جب پرہیزگار اس کی رحمت اور عنایت سے محروم نہیں تو خیرات میں مسارعت کرنے والے کیسے اس کی عنایات بے غایات سے محروم رہ سکتے ہیں تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے اموال اور اولاد پر نظر کر کے یہ نہ

سمجھیں کہ ہم تو اللہ کے محبوب ہیں۔ جن پر یہ انعامات ہوئے اور یہ فقراء مسلمین، اللہ کے معتوب ہیں اس لیے کہ قیامت کے دن اللہ کے قہر اور غضب کے دفع کرنے میں ان کے مال اور اولاد ذرہ برابر کام نہ آئیں گے غضب خداوندی سے انسان کو بچانے والا صرف ایمان اور تقوی ہے اور مالی صدقہ وخیرات۔ غضب خداوندی کو جب ہی بجھاتا ہے کہ جب وہ صدقہ ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر پر مبنی ہو اور اولاد بھی آخرت میں جب ہی کام آتی ہے کہ جب وہ خود بھی مؤمن ہو اور اپنے مسلمان ماں باپ کے لیے دعائے مغفرت کرے۔ کافر ماں باپ کے لیے مسلمان اولاد کی دعا مغفرت بھی بے کار ہے اور ایسے لوگ جنہوں نے کفر کیا اور کفر پر مرے یہ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے یہ لوگ کبھی دوزخ سے نہیں نکلیں گے البتہ جو گنہگار مسلمان گناہوں سے پاک کرنے کی غرض سے کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں ڈالیں جائیں گے وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے کچھ عرصہ کے بعد نکال لیے جائیں گے۔

ف:...... حق جل شانہ نے ان آیات میں امۃ قائمہ کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں وہ اوصاف یہود کے بالکل متضاد اور مخالف ہیں اس لیے کہ یہود حق سے منحرف تھے رات ودن غفلت میں مست تھے۔ شرک اور الحاد میں مبتلا تھے یوم آخرت پر بھی ان کا ایمان گڑبڑ تھا بری باتوں کا حکم کرتے تھے اور اچھی باتوں سے روکتے تھے اور بجائے خیرات اور حسنات کے شرور اور معاصی کی طرف سبقت کرنے والے تھے اور بجائے صالحین کے طالحین میں سے تھے۔

کفار کے نفقات اور صدقات کی مثال

اوپر کی آیتوں میں حق تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ قیامت کے دن کافروں کے مال ان کے کچھ کام نہ آئیں گے اس پر کسی کے دل میں یہ شبہ گزر سکتا تھا کہ بعض اوقات کافر اپنے مال سے نیک کاموں میں محتاجوں اور یتیموں اور مظلوموں کی مدد کرتے ہیں۔ صلہ رحمی کرتے ہیں پل اور سرائے کنواں بنواتے ہیں تو کیا اس قسم کے خرچوں سے کافروں کو قیامت کے دن کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا ہے تو آئندہ آیت میں اس شبہ کا ازالہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے خرچوں سے بھی کافروں کو قیامت کے دن کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا چنانچہ فرماتے ہیں کہ مثال اس چیز کی جس کو یہ کفار دنیا کی اس فانی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی ہے جس میں پالا یعنی ٹھہر ہو وہ جا لگی ہوا ان لوگوں کی کھیتی کو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو پس وہ اس کھیتی کو تباہ اور برباد کر گئی ہو اسی طرح کافروں کے صدقات اور خیرات بمنزلہ باغ یا کھیت کے ہیں اور ان کا کفر بمنزلہ پالے کے ہے پس جس طرح پالا کھیتی کو تباہ کر دیتا ہے اسی طرح ان کا کفر ان کے خیرات وصدقات کو برباد اور تباہ کرنے والا ہے قیامت کے دن ان کو اس کھیتی سے کچھ بھی پلے نہ پڑے گا اور اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کرتے ہیں کہ کفر اور شرک کے پالے سے اپنی آخرت کی کھیتی خراب کی اور ضرورت کے وقت کف افسوس ملتے رہ گئے۔

فائدہ:...... جاننا چاہیے کہ پالے سے ظاہراً ظالم اور غیر ظالم سب ہی کی کھیتی تباہ اور برباد ہوتی ہے لیکن آیت میں جو مثال ذکر کی گئی ہے اس میں ﴿حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا﴾ یعنی ظلم کی قید اس لیے بڑھائی کہ پالے سے دراصل کافر قوم ہی کی کھیتی تباہ اور برباد ہوتی ہے اور کامل نقصان کافر ہی کا ہوتا ہے بخلاف مسلمان کے کہ اگر اس کی کھیتی پالے سے تباہ ہوتی ہے تو اس کو اس

مصیبت پر اور پھر اس مصیبت کے صبر پر اجر ملتا ہے اور اللہ کی طرف سے مومن کو جو اجر ملے گا وہ اس کھیتی سے لاکھوں درجے افضل ہوگا پس حقیقی اور کامل نقصان وہ ہے کہ جس کا کوئی بدل اور عوض نہ ہو اور ظاہر ہے کہ مسلمان کسی مصیبت میں اجر اور ثواب سے محروم نہیں رہتا۔ خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ نے جو ان کے صدقات وخیرات کو قبول نہیں کیا وہ اللہ کی طرف سے کوئی ظلم نہیں بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ اپنی صدقات وخیرات کے ساتھ کفر وشرک کو ملالیا جس نے پالے کی طرح ان کی تمام کھیتی کو تباہ وبرباد کر ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بتلادیا تھا کہ کفر اور شرک سے تمام اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا

اے ایمان والو نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں کے سوا وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں ان کی خوشی ہے

اے ایمان والو! نہ ٹھہراؤ بھیدی اپنے غیر کو، وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں۔ ان کی خوشی ہے

عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا

تم جس قدر تکلیف میں رہو نکلی پڑتی ہے دشمنی ان کی زبان سے اور جو کچھ مخفی ہے ان کے جی میں وہ اس سے بہت زیادہ ہے ہم نے بتا دیئے

تم جس قدر تکلیف پاؤ، نکلی پڑتی ہے دشمنی ان کی زبان سے۔ اور جو چھپا ہے ان کے جی میں سو اس سے زیادہ، ہم نے جتا دیئے

لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞۱۱۸ ھٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ

تم کو پتے اگر تم کو عقل ہے ف۱ سن لو تم لوگ ان کے دوست ہو اور وہ تمہارے دوست نہیں اور تم سب

تم کو پتے، اگر تم کو عقل ہے۔ سنتے ہو؟ تم لوگ ان کے دوست ہو اور وہ تمہارے دوست نہیں، اور تم سب

بِالْكِتٰبِ كُلِّھٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ٻ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ

کتابوں کو مانتے ہو ف۲ اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں ف۳ اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو کاٹ کاٹ کھاتے ہیں تم پر انگلیاں

کتابوں کو مانتے ہو۔ اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں۔ اور جب اکیلے ہوتے ہیں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں تم پر انگلیاں

ف۱ یہ آیتیں بعض کہتے ہیں یہود کے متعلق نازل ہوئیں کیونکہ بعض مسلمان جوار (ہمسائگی) حلف (دوستانہ معاہدہ) وغیرہ کی بنا پر جو تعلقات قبل از اسلام ان سے رکھتے چلے آرہے تھے بعد از اسلام بھی بدستور ان پر قائم رہے اور دوستی پر اعتماد کر کے ان سے مسلمانوں کے بعض راز دارانہ مشوروں کے اخفاء کا بھی اہتمام نہ کیا۔ اور بعض کے نزدیک یہ آیتیں منافقین کے حق میں نازل ہوئیں، کیونکہ عام طور پر لوگ ظاہر میں مسلمان سمجھ کر ان سے پوری احتیاط نہ کرتے تھے جس سے سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ حق تعالیٰ نے یہاں صاف صاف آگاہ کر دیا کہ مسلمان اپنے اسلامی بھائیوں کے سوا کسی کو بھیدی اور راز دار نہ بنائیں۔ کیونکہ یہود ہوں یا نصاریٰ، منافقین ہوں یا مشرکین، ان میں کوئی جماعت تمہاری حقیقی خیر خواہ نہیں۔ بلکہ ہمیشہ یہ لوگ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ تمہیں پاگل بنا کر نقصان پہنچائیں اور دینی و دنیاوی خرابیوں میں مبتلا کریں، ان کی خواہش اسی میں ہے کہ تم تکلیف میں رہو اور کسی نہ کسی تدبیر سے تم کو دینی یا دنیاوی ضرر پہنچ جائے۔ جو دشمنی اور بغض انکے دلوں میں ہے وہ تو بہت ہی زیادہ ہے۔ لیکن بسا اوقات عداوت وغیظ کے جذبات سے مغلوب ہو کر کھلم کھلا ایسی باتیں کر گزرتے ہیں جو ان کی گہری دشمنی کا صاف پتہ دیتی ہیں۔ مارے دشمنی اور حسد کے ان کی زبان قابو میں نہیں رہتی۔ پس عقلمند آدمی کا کام نہیں کہ ایسے خبیث باطن دشمنوں کو اپنا راز دار بنائے۔ خدا تعالیٰ نے دوست و دشمن کے پتے اور موالات وغیرہ کے احکام کھول کر بتلا دیئے ہیں جس میں عقل ہوگی ان سے کام لے گا (موالات کفار کے متعلق کچھ تفصیل پہلے اسی سورت میں گزر چکی اور کچھ "مائدہ" وغیرہ میں آئے گی)۔

الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑪⑨ اِنْ تَمْسَسْكُمْ

غصہ سے ف۱ تو کہہ! مرو تم اپنے غصہ میں ف۲ اللہ کو خوب معلوم ہیں دلوں کی باتیں ف۳ اگر تم کو ملے کچھ

دشمنی سے۔ تو کہہ، مرو تم اپنی دشمنی میں۔ اللہ کو معلوم ہے جیوں کی بات۔ اگر تم کو ملے کچھ

حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا

بھلائی تو بری لگتی ہے ان کو اور اگر تم پر پہنچے کوئی برائی تو خوش ہوں اس سے ف۴ اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو کچھ نہ

بھلائی بری لگے ان کو اور اگر تم پر پہنچے برائی خوش ہوں اس سے۔ اور اگر تم ٹھہرے رہو اور بچتے رہو کچھ نہ

ع ۱۲
يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ⑫⓪

بگڑے گا تمہارا ان کے فریب سے بیشک جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے بس میں ہے ف۵

بگڑے گا تمہارا ان کے فریب سے، جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے بس میں ہے۔

تحذیر مومنین از اختصاص وارتباط با دشمنانِ دین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ... الی... بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ﴾

= ف۲ یعنی یہ کیسی بے موقع بات ہے کہ تم ان کی دوستی کا دم بھرتے ہو، اور وہ تمہارے دوست نہیں بلکہ جڑ کاٹنے والے دشمن ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ تم تمام آسمانی کتابوں کو مانتے ہو خواہ وہ کسی قوم کی ہوں اور کسی زمانہ میں کسی پیغمبر پر نازل ہوئی ہوں (جنکے خدا نے نام بتلا دیئے ان پر علی التعیین اور جنکے نام نہیں بتلائے ان پر بالاجمال ایمان رکھتے ہو) اس کے برخلاف یہ لوگ تمہاری کتاب اور پیغمبر کو نہیں مانتے، بلکہ خود اپنی کتابوں پر بھی انکا ایمان صحیح نہیں۔ اس لحاظ سے چاہیے تھا کہ وہ تم سے قدرے محبت کرتے اور تم ان سے سخت نفور و بیزار رہتے مگر یہاں معاملہ برعکس ہو رہا ہے۔

ف۳ منافقین تو کہتے ہی تھے، عام یہود و نصاریٰ بھی بحث و گفتگو میں "آمنا" (ہم مسلمان ہیں) کہہ کر یہ مطلب لے لیتے تھے کہ ہم اپنی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کو تسلیم کرتے ہیں۔

ف۱ یعنی اسلام کا عروج اور مسلمانوں کی باہمی الفت و محبت دیکھ کر یہ لوگ جلے مرتے ہیں۔ اور چونکہ اسکے خلاف کچھ بس نہیں چلتا، اس لئے فرط غیظ و غضب سے دانت پیستے اور اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔

ف۲ یعنی خدا تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو اور زیادہ ترقیات و فتوحات عنایت فرمائے گا۔ تم غیظ کھا کھا کر مرتے رہو۔ اگر ایڑیاں رگڑ کر مر جاؤ گے تب بھی تمہاری آرزوئیں پوری نہ ہوں گی، خدا اسلام کو غالب اور سربلند کر کے رہے گا۔

ف۳ اسی لئے مسلمانوں کو ان شریروں کے باطنی حالات اور قلبی جذبات پر مطلع کر دیا اور سزا بھی ان کو ایسی دیگا جو اندرونی شرارتوں اور خفیہ عداوتوں کے مناسب ہو۔

ف۴ اگر تمہاری ذرا سی بھلائی دیکھتے ہیں مثلاً مسلمانوں کا اتحاد و یکجہتی یا دشمنوں پر غلبہ تو حسد کی آگ میں جلنے لگتے ہیں۔ اور جہاں تم پر کوئی مصیبت نظر آئی خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے۔ بھلا ایسی کمینہ قوم سے ہمدردی اور خیر خواہی کی کیا توقع ہو سکتی ہے، جو دوستی کا ہاتھ ان کی طرف بڑھایا جائے۔

ف۵ ممکن تھا کسی کو یہ خیال گزرے کہ جب ہم ان سے دوستانہ تعلقات نہ رکھیں گے تو وہ زیادہ غیظ و غضب میں آ کر ہمارے خلاف تدبیریں کریں گے اور بیش از بیش نقصان پہنچانا چاہیں گے۔ اس کا جواب دیا کہ تم صبر و استقلال اور تقویٰ و طہارت پر ٹھیک ٹھیک قائم رہو گے تو ان کا کوئی داؤ فریب تم پر کارگر نہ ہوگا۔ جو کارروائیاں وہ کرتے ہیں سب خدا کے علم میں ہیں، اور اس کو ہر وقت قدرت حاصل ہے کہ ان کا تار پود بکھیر کر رکھ دے تم اپنا معاملہ خدا سے صاف رکھو، پھر تمہارے راستہ سے سب کانٹے صاف کر دیئے جائیں گے۔ آگے غزوہ احد کا واقعہ یاد دلاتے ہیں کہ اس میں بعض مسلمان منافقین کی مغویانہ حرکات سے کچھ اثر پذیر ہو گئے تھے اور قریب تھا کہ مسلمانوں کے دو قبیلے صبر و تقویٰ کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھیں جس سے منافقین کو خوش ہونے کا موقع ہاتھ آئے، مگر خدا نے دستگیری فرمائی اور ان قبیلوں کو سخت مہلک ٹھوکر سے بچا لیا۔

ربط:...... گزشتہ آیات میں مسلمانوں کے صفات اور کافروں کے ذمائم اور قبائح کا ذکر تھا اب ان آیات میں مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ کافروں کے ساتھ خلا ملا نہ رکھو اور نہ ان کو اپنا راز دار بناؤ کافر تمہارے دین اور دنیا دونوں کے دشمن ہیں۔

یا یوں کہو کہ جب گزشتہ آیات میں یہ بیان کیا کہ کفر اور ظلم کی سرد ہوا نے ظالموں کے اعمال کی کھیتیوں کو تباہ و برباد کیا تو اب آئندہ آیت میں اہل ایمان کو نصیحت فرماتے ہیں کہ تم ان ظالموں سے خلط ملط نہ رکھنا۔ مبادا ان کے کفر اور ظلم کی سرد ہوا کا اثر تمہارے اعمال کی کھیتیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اپنے غیروں کو اپنا راز دار اور بھیدی نہ بناؤ یعنی غیر مسلموں کو اپنا ہمدم اور رفیق اور راز دار نہ بناؤ اور اس ممانعت کی متعدد وجوہ ہیں۔ اول تو یہ کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی اور تمہارے تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے اور ہر وقت اسی کی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ مسلمانوں میں باہمی کوئی خرابی اور فساد پیدا ہو۔ دوم یہ کہ ہر وقت اس کی تمنا کرتے ہیں کہ تم کسی تکلیف اور ضرر میں مبتلا ہو جاؤ ہر وقت تمہاری مصیبت کے خواہش مند رہتے ہیں یہ خواہش کبھی ان کے دل سے زائل نہیں ہوتی۔ سوم یہ کہ ان کے دل تمہاری عداوت سے لبریز ہیں کہ بعض مرتبہ دلی بغض اور اندرونی عداوت بلا اختیار ان کے منہ سے ظاہر ہو جاتی ہے بغض اور عداوت اس درجہ پہنچا ہوا ہے کہ اس کو ضبط نہیں کر سکتے اور نہ وہ ان کے چھپانے سے چھپ سکتا ہے اندر سے اچھل کر اور ابل کر منہ پر آ گیا ہے اور کھل گیا ہے۔ چہارم یہ کہ وہ بغض اور عداوت جو ان کے سینوں نے اپنے اندر چھپا رکھا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے کہ جو عداوت ان سے ظاہر ہو جاتی ہے تمہیں معلوم نہیں کہ ان کے سینوں کے اندر عداوت کتنی چھپی ہوئی ہے۔ تحقیق ہم نے تمہارے لیے صاف صاف نشانیاں بیان کر دی ہیں اگر تم کو عقل ہے تو سمجھ جاؤ کہ یہ تمہارے خیر خواہ نہیں بلکہ سخت دشمن ہیں ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کو اپنا بطانہ یعنی دوست اور راز دار بناؤ۔ پنجم یہ کہ تم ایسے نادان اور غفلت شعار کیوں ہو کہ تم ان کو دوست رکھتے ہو اور وہ تمہیں دوست نہیں رکھتے پس اگر وہ تم سے بغض اور عداوت ہی نہ رکھتے تو فقط ان کا تم سے محبت نہ رکھنا یہ کافی تھا کہ ان کو بطانہ (راز دار) نہ بنایا جائے اس لیے کہ جس کو تم سے محبت نہ ہو اور نہ وہ تمہارا خیر خواہ تو اس کو اپنا راز دار بنانا نادانی ہے اور چھٹی وجہ یہ ہے کہ تم اللہ کی سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ تمہاری کتاب پر باوجود حقانیت کے ظاہر ہو جانے کے تمہاری ضد میں اس پر ایمان نہیں لاتے ان کو چاہیے تھا کہ وہ تم سے محبت رکھتے تم اللہ کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی کتاب کا انکار نہیں کرتے مگر معاملہ برعکس ہو گیا کہ وہ تم سے بغض اور عداوت رکھتے ہیں پس ایسے لوگوں کو کیا اپنا دوست اور راز دار بناتے ہو ضدی اور پیچ آدمی کو راز دار بنانا سخت غلطی ہے اور ساتویں وجہ یہ ہے کہ ان کا برتاؤ اور معاملہ تم سے منافقانہ ہے مخلصانہ نہیں اس لیے کہ یہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو غیظ و غضب سے تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب اپنے مجمع میں اکیلے ہوتے ہیں اور کوئی مسلمان وہاں نہیں ہوتا تو مسلمانوں کے جوش عداوت میں غصہ ہو کر دانتوں سے انگلیاں کاٹنے لگتے ہیں مسلمانوں کی دن دونی رات چوگنی قوت و شوکت اور باہمی اتحاد و الفت ان سے برداشت نہیں ہوتی اس لیے اپنے مجمع میں اس دلی عداوت کا اظہار کرتے ہیں۔ اے نبی کریم ﷺ آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے اس غصے میں گلا گھونٹ کر اسی طرح جلتے اور مرتے رہو اور یوں ہی عمر بسر کرتے رہو یہ غصہ مرتے دم تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ اور اس غیظ و غضب

سے تم اسلام اور مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں پر نعمتیں پوری کرے گا۔ تمہارا غصہ اور حسد بیکار ہے۔

بمیر اے از حسد پیوستہ غمگین که جز مرگت نخواہد داد تسکین

تحقیق اللہ تعالیٰ سینوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے اور دشمنوں کے دلوں کی پوشیدہ باتیں اپنے دوستوں کو بتلا دیتا ہے اور آٹھویں وجہ یہ ہے کہ ان کی عداوت اور حسد کا یہ حال ہے کہ اے مسلمانو اگر تم کو ذرا سی کوئی بھلائی چھو بھی جائے تو انہیں بہت ہی بری لگتی ہے سمجھ لو کہ ان کا حسد اس درجہ پہنچا ہوا ہے اور نویں وجہ یہ ہے کہ اگر تمہیں کوئی برائی یا تکلیف پہنچے تو اس سے وہ خوش ہوتے ہیں یہ ان کی شماتت کا حال ہے اور دسویں وجہ یہ ہے کہ وہ اندرونی طور پر تمہارے خلاف سازشوں میں سرگرم ہیں جس کا علاج یہ ہے کہ اگر تم صبر اور تقوی پر قائم رہو یعنی ان کی ایذاؤں پر صبر کرو اور ان کی موالاۃ اور بطانہ بنانے سے پرہیز کرو تو تم کو ان کا فریب کچھ نقصان نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ان کے مکر کا ضرر اور اثر تم تک پہنچنے نہیں دیں گے اور اگر کسی جگہ کافروں سے تم کو کوئی ضرر پہنچے تو سمجھ لو کہ یہ صبر اور تقوی کی کمی کی وجہ سے پہنچا ہے۔ خدا تعالیٰ سے معاملہ درست رکھو تو پھر کافروں نے جو راستہ میں کانٹے بچھائے ہیں وہ سب کے سب خود بخود صاف ہو جائیں گے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جس قوم کی عداوت کا یہ حال ہو اس سے کیا خیر خواہی کی توقع ہو سکتی ہے کہ جو اس سے دوستی کی جائے اور اس کو اپنا رازدار بنایا جائے۔

فائدہ:...... فقہاء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مسلمان حاکم کے لیے یہ جائز نہیں کہ اہل ذمہ میں سے کسی کافر کو اپنا منشی اور پیشہ کار بنائے اس لیے کہ وہ کافر مسلمانوں کا خیر خواہ نہ ہوگا اور اسلامی حکومت کے راز اور امور مملکت سے اپنی ہم قوم حکومت کو مطلع کرے گا۔ بلکہ جن مسلمان وزیروں اور امیروں نے کسی غیر مسلم عورت سے نکاح کر لیا یا اس کو اپنے گھر میں رکھ لیا تو پھر اسلامی حکومت کے راز غیر مسلموں پر ظاہر ہوئے اور اسلامی حکومت کو شدید نقصان پہنچا اور ان غیر مسلم عورتوں نے مسلمان شوہر سے زائد اپنے ہم مذہب کافروں کی مصلحت کا لحاظ رکھا جیسا کہ تجربہ اور تاریخ اس کی شاہد ہے۔ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مسلک تھا کہ وہ غیر مسلم منشی اور پیش کار بنانے کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور اسی آیت سے استدلال فرماتے تھے۔

تنبیہ:...... شریعت اسلامی کا یہ حکم کہ غیر مسلم کو اپنا دوست اور رازدار نہ بنایا جائے اور امور مملکت میں اس کو دخیل نہ بنایا جائے عین حق اور عین حقیقت ہے یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ غیر مذہب والا اپنے مذہب اور اپنے اہل مذہب ہی کی خیر خواہی کرتا ہے دوسرے اہل مذہب کی خیر خواہی نہیں کرتا۔ تمام مغربی ممالک کو دیکھ لیجئے کہ وہ کبھی بھی کسی مسلمان کو وزارت اور سفارت کا منصب سپرد نہیں کرتے مگر افسوس کہ آج کل کے نام نہاد مسلمان جب اس قسم کا حکم سنتے ہیں تو اس کو تعصب اور تنگ نظری سمجھتے ہیں حالانکہ اگر ان کو اپنے حقیقی بھائی کی خیر خواہی پر اطمینان نہ ہو تو اس کو بھی اپنا بطانہ (رازدار) بنانا گوارا نہیں کرتے مگر جب خدا یہ فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! جو شخص اسلام کا اور مسلمانوں کا خیر خواہ نہ ہو بلکہ ان کا دشمن اور حاسد ہو اس کو اسلامی حکومت میں کوئی عہدہ اور منصب نہ دو۔ تو یہی لوگ خدا تعالیٰ کے اس قانون پر نکتہ چینی کرنے لگتے ہیں۔

تمام دنیا کی حکومتوں کا یہ مسلم قانون ہے کہ حکومت میں۔ حکومت کے باغی کا کوئی عہدہ اور منصب نہیں دیا جا سکتا۔ باغی کو عہدہ دینا۔ سیاسیات ملکیہ میں بالا جماع حرام ہے پس اگر اسلام یہ کہتا کہ اسلامی حکومت میں ایسے شخص کو کہ جو اسلام سے باغی ہو یعنی کافر ہو اس کو کوئی عہدہ اور منصب نہ دو تو اس پر کیوں ناک منہ چڑھاتے ہو اپنے باغی کے لیے عہدہ دینا تو ناجائز اور حرام ہو۔ اور خدا تعالیٰ کے باغی اور سرکش کے لیے عہدہ دینا جائز ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا باغی تو مجرم ہے اور خدا کا باغی بے قصور ہے تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ معاذ اللہ آپ کی شان خداوند دو جہاں سے بڑھ کر ہے اگر کوئی شخص آپ کی فانی اور مجازی حکومت سے انحراف اور بغاوت کرے تو وہ قتل اور حبس دوام کا مستحق بنے اور احکم الحاکمین سے اگر کوئی بغاوت (کفر) کرے تو اس کو وزیر بنانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں یہ وسعت قلب نہیں بلکہ بے غیرتی ہے۔

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲۱﴾ إِذْ

اور جب صبح کو نکلا تو اپنے گھر سے بٹھلانے لگا مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر اور اللہ سب کچھ جانتا ہے جب

اور جب فجر کو نکلا تو اپنے گھر سے بٹھانے لگا مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر۔ اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ جب

هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۲۲﴾

قصد کیا دو فرقوں نے تم میں سے کہ نامردی کریں اور اللہ مددگار تھا ان کا اور اللہ ہی پر چاہیے بھروسہ کریں مسلمان

قصد کیا دو فرقوں نے تم میں کہ نامردی کریں، اور اللہ مددگار تھا ان کا۔ اور اللہ ہی پر چاہیے بھروسا کریں مسلمان۔

قصہ احد

قال تعالیٰ: ﴿وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ ... الی ... فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں یہ ارشاد فرمایا تھا ﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾ کہ اگر تم صبر کرو اور تقویٰ پر قائم رہو تو دشمنوں کا مکر تم کو ضرر نہ پہنچائے گا اب آئندہ میں قصۂ احد کو یاد دلاتے ہیں کہ اس میں تم نے صبر اور تقویٰ سے کام نہ لیا اس لیے تم کو شکست ہوئی بخلاف بدر کے کہ اس میں تم نے صبر اور تقویٰ کو اختیار کیا اس لیے باوجود بے سروسامانی کے تم کو فتح ہوئی۔ یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں کافروں اور منافقوں کو راز دار بنانے کی ممانعت تھی اب ان آیات میں جنگ احد کے واقعہ کو ذکر کر کے کافروں اور منافقوں کو راز دار اور شریک مشورہ بنانے کے مضر نتیجہ سے آگاہ فرماتے ہیں اس لیے کہ اس لڑائی کے مشورہ میں عبداللہ بن ابی ابن سلول بھی شامل تھا جس کے ہمراہ تین سو آدمی تھے اولاً آپ ﷺ کے ہمراہ نکلا اور پھر بعد میں اپنی جمعیت کو لے کر راستہ سے یہ کہہ کر واپس ہو گیا کہ یہ لڑائی نہیں بلکہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اگر ہم اس کو واقعی جنگ سمجھتے تو آپ ﷺ کے ساتھ شرکت کرتے ان کو دیکھا دیکھی انصار کے قبیلہ خزرج کے بنو سلمہ اور قبیلہ اوس کے بنی حارثہ نے بھی بھاگنے کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل مضبوط کر دیے اور وہ میدان جنگ میں قائم رہے ان کے بارہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب آپ ﷺ جہاد و قتال کے لیے اپنے اہل خانہ یعنی عائشہ صدیقہ ؓ کے حجرہ سے برآمد ہوئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لے آئے اور مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو لڑائی کے

ٹھکانوں پر بٹھلا دیں چنانچہ آپ ﷺ اسی ارادہ سے مسلمانوں کی جمعیت کو لے کر روانہ ہوئے۔ راستہ میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی، تقریباً تین سو آدمیوں کی جمعیت ساتھ لے کر راستہ سے یہ کہتا ہوا واپس ہوگیا کہ جب میرا مشورہ نہ مانا اور دوسروں کی رائے پر عمل کیا تو ہمیں لڑنے کی کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ اپنے کو کیوں ہلاکت میں ڈالیں اور یہ اس کی ایک چالاکی تھی کہ سن کر اور مسلمان بھی متزلزل ہو جائیں اور اللہ سن رہے تھے اس کے قول کو اور خوب جانتے تھے اس کے کید اور مکر کو کہ جس سے قریب تھا کہ بعض اہل ایمان بھی ہلاکت میں پڑ جائیں جس وقت کہ تم میں یعنی مسلمانوں کی دو جماعتوں نے یعنی بنوسلمہ اور بنوحارثہ نے یہ قصد کیا کہ ہمت ہار دیں اور ان کے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ عبداللہ بن ابی کی طرح وہ بھی راستہ سے واپس ہو جائیں مگر حق تعالیٰ نے ان کو اس جبن اور نامردی سے محفوظ رکھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کا کارساز اور مددگار تھا اسی کی عنایت اور کارسازی نے بنوسلمہ اور بنوحارثہ کو اس قصد سے محفوظ رکھا اور اللہ ہی پر تمام اہل ایمان کو بھروسہ کرنا چاہیے نہ تو اپنی قوت پر اعتماد کرو اور نہ دشمن کی قوت اور کثرت سے خوف زدہ ہو جاؤ۔ غزوہ بدر تم دیکھ چکے ہو کہ قریش کی قوت اور کثرت تین سو متوکلین کے مقابلہ میں کچھ بھی کارآمد نہ ہوئی۔

فائدہ جلیلہ:...... آیت مذکورہ ﴿وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ﴾ میں۔ اھل سے باجماع مفسرین ومحدثین وعلماء سیرت، حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کے حجرہ سے نکلنا مراد ہے جس سے حضرت عائشہ ؓ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہ ؓ طاہرہ اور مطہرہ اور سرتاپا عمل صالح تھیں اس لیے کہ خداوند علام الغیوب نے حضرت عائشہ ؓ کو نبی اکرم ﷺ کا اہل فرمایا اور اللہ کے رسول ﷺ کا اہل وہی ہوسکتا ہے جو سرتاپا عمل صالح ہو اور نوح علیہ السلام کے بیٹے کو نوح علیہ السلام کے اہل سے اسی لیے خارج کیا گیا کہ اس کے اعمال صالح نہ تھے۔

کما قال تعالیٰ: ﴿اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ

اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم کمزور تھے سو ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم احسان مانو ف ۲ جب تو کہنے لگا

اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی جنگ میں، اور تم بےمقدور تھے۔ سو ڈرتے رہو اللہ سے شاید تم احسان مانو۔ جب تو کہنے لگا

ف ۲ اس آیت میں جنگ احد کا واقعہ یاد دلایا ہے۔ صورت یہ ہوئی تھی کہ رمضان المبارک ۲ ہجری میں بدر کے مقام پر قریشی فوج اور مسلمان مجاہدین میں مڈھ بھیڑ ہوگئی۔ جس میں کفار مکہ کے ستر نامور اشخاص مارے گئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ اس تباہ کن اور ذلت آمیز شکست سے قریش کا شعلہ انتقام بھڑک اٹھا، جو سردار مارے گئے تھے انکے اقارب نے تمام عرب کو غیرت دلائی اور اہل مکہ سے اپیل کی کہ تجارتی قافلہ جو مال شام سے لایا ہے (کہ وہی باعث جنگ بدر کا ہوا تھا) سب اسی مہم کی نذر کر دیں تاکہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے اپنے مقتولین کا بدلہ لے سکیں سب نے منظور کیا اور ۳ ہجری میں قریش کے ساتھ بہت سے دوسرے قبائل بھی مدینہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے نکل پڑے حتیٰ کہ عورتیں بھی ساتھ آئیں تاکہ موقع پیش آنے پر مردوں کو غیرت دلا کر پسپائی سے روک سکیں۔ جس وقت یہ تین ہزار کا لشکر اسلحہ وغیرہ سے پوری طرح آراستہ ہو کر مدینہ سے تین چار میل ادھر جبل احد کے قریب خیمہ زن ہوا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ بہت آسانی اور کامیابی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے، اس کی تائید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خواب سے ہوئی تھی، یہ پہلا موقع تھا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سے بھی رائے لی گئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سے موافق تھی۔ مگر بعض پرجوش مسلمان جنہیں بدر کی شرکت نصیب نہ ہوئی تھی اور شوق شہادت بےچین کر رہا تھا مصر ہوئے کہ ہم کو باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے، تاکہ دشمن ہماری نسبت بزدلی اور کمزوری کا گمان نہ کرے، کثرت رائے اسی طرف ہوگئی۔ اسی حیص وبیص میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکان کے اندر تشریف لے گئے اور =

لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

مسلمانوں کو کیا تم کو کافی نہیں کہ تمہاری مدد کو بھیجے رب تمہارا تین ہزار فرشتے آسمان سے اترنے والے ف۱

مسلمانوں کو، کیا تم کو کفایت نہیں کہ تمہاری مدد بھیجے رب تمہارا، تین ہزار فرشتے آسمان سے اترے ہوئے۔

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ

البتہ اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو اور وہ آئیں تم پر اسی دم تو مدد بھیجے تمہارا رب پانچ ہزار

البتہ اگر تم ٹھہرے رہو اور پرہیزگاری کرو، اور وہ آئیں تم پاس اسی دم، تو مدد بھیجے تمہارا رب، پانچ ہزار

مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ

فرشتے نشان دار گھوڑوں پر ف۲ اور یہ تو اللہ نے تمہارے دل کی خوشی کی اور تاکہ تسکین ہو تمہارے دلوں کو

فرشتے، پلے ہوئے گھوڑوں پر۔ اور یہ تو اللہ نے تمہارے دل کی خوشی کی اور تا تسکین ہو تمہارے دلوں کو۔

= زرہ پہن کر باہر آئے اس وقت بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے خلاف مدینہ سے باہر لڑائی کرنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا نہ ہو تو یہیں تشریف رکھئے۔ فرمایا ایک پیغمبر کو سزاوار نہیں کہ جب وہ زرہ پہن لے اور ہتھیار لگا لے پھر بدون قتال کئے بدن سے اتارے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تقریباً ایک ہزار آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے مگر عبداللہ بن ابی تقریباً تین سو آدمیوں کو (جن میں بعض مسلمان بھی تھے) ساتھ لے کر راستہ سے یہ کہتا ہوا واپس ہوگیا کہ جب میرا مشورہ نہ مانا اور دوسروں کی رائے پر عمل کیا تو ہم کو لڑنے کی ضرورت نہیں، کیوں خواہ مخواہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں۔ بعض بزرگوں نے سمجھایا بھی مگر کچھ اثر نہیں ہوا۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کل سات سو سپاہیوں کی جمعیت لیکر میدان جنگ میں پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس فوجی قاعدہ سے صفیں ترتیب دیں۔ ہر ایک دستہ کو اسکے مناسب ٹھکانہ پر بٹھلایا۔ اور فرمایا جب تک میں حکم نہ دوں کوئی قتال نہ کرے۔ اسی اثناء میں عبداللہ بن ابی کی علیحدگی سے دو قبیلے بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے دلوں میں کچھ کمزوری پیدا ہوئی۔ مسلمانوں کی قلیل جمعیت پر نظر کر کے دل چھوڑنے لگے اور خیال آیا کہ میدان سے سرک جائیں مگر حق تعالیٰ نے ان کی مدد اور دستگیری فرمائی، دلوں کو مضبوط کر دیا اور سمجھا دیا کہ مسلمانوں کا بھروسہ تنہا خدائے واحد کی اعانت و نصرت پر ہونا چاہیے تعداد اور سامان وغیرہ کوئی چیز نہیں جب وہ مظفر و منصور کرنا چاہے تو سب سامان رکھے رہ جاتے ہیں اور غیبی تائید سے فتح مبین حاصل ہو جاتی ہے جیسے معرکہ بدر میں ہوا۔ پس مسلمانوں کو صرف اللہ سے ڈرنا چاہیے تاکہ اس کی طرف سے مزید انعام واحسان ہو اور مزید شکرگزاری کا موقع ملے۔ (غزوہ بدر کی پوری تفصیل سورۃ الانفال میں آئے گی۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں)

(تنبیہ)۔ دو فرقوں سے مراد وہی بنو سلمہ و بنو حارثہ ہیں۔ گو اس آیت میں ان پر چشمک کی گئی، لیکن ان میں بعض بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کا نازل نہ ہونا ہم کو پسند نہ تھا کیونکہ "وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا" کی بشارت عتاب سے بڑھ کر ہے۔

ف۱ یعنی جو آسمان سے خاص اسی کام کے لئے اتارے گئے ہوں۔ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بدر کا ہے جب کفار کی جمعیت اور تیاری دیکھ کر مسلمانوں کو تشویش ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی کے لئے ایسا فرمایا۔ چنانچہ فرشتوں کی کمک آسمان سے پہنچی۔ سورۃ الانفال میں اس کا مفصل بیان آئے گا۔ وہیں نزول ملائکہ کی حکمت اور عدد ملائکہ کے ظاہری تعارض پر کلام کیا جائے گا۔

ف۲ یعنی تین ہزار بیشک کافی ہیں تاہم اگر تم نے صبر و استقلال کا ثبوت دیا اور تقویٰ اختیار کر کے نافرمانی سے بچتے رہے، اور کفار کی فوج ایک دم تم پر ٹوٹ پڑی تو تین ہزار کے بجائے پانچ ہزار فرشتے بھیج دیئے جائیں گے جن کی خاص علامتیں ہونگی اور انکے گھوڑوں پر بھی خاص نشان ہوں گے۔ چونکہ بدر میں کفار کی تعداد ایک ہزار تھی اولاً اس کے مناسب ایک ہزار فرشتوں کا وعدہ فرمایا جیسا کہ سورۃ انفال میں آئے گا۔ پھر مسلمانوں کی گھبراہٹ دور فرمانے کے لئے تعداد تگنی کر دی گئی کیونکہ کفار کی تعداد مسلمانوں سے تگنی تھی۔ اس کے بعد شعبی کی روایت کے موافق جب مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ کرز بن جابر بڑی کمک لے کر مشرکین کی مدد کے لئے آ رہا ہے تو ایک جدید اضطراب پیدا ہو گیا۔ اس وقت مزید تسکین وتقویت کے لئے وعدہ فرمایا کہ اگر تم صبر وتقویٰ سے کام لو گے تو ہم پانچ ہزار فرشتے تمہاری مدد کو بھیج دیں گے۔ اگر مشرکین کی کمک بالکل ناگہانی طور پر آ پہنچے تب بھی فکر مت کرو۔ خدا تعالیٰ بروقت تمہاری مدد کرے گا۔ شاید پانچ ہزار کا عدد =

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ

اس سے اور مدد ہے صرف اللہ ہی کی طرف سے جو کہ زبردست ہے حکمت والا ف۱ تاکہ ہلاک کرے بعضے کافروں کو یا

اور مدد ہے نری اللہ کے پاس سے جو زبردست ہے حکمت والا۔ تا کاٹ ڈالے بعضے کافروں کو، یا

يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

ان کو ذلیل کرے تو پھر جاویں محروم ہو کر ف۲

ان کو ذلیل کرے کہ پھر جاویں نامراد۔

تذکیر بقصہ بدر برائے اظہار تاثیر توکل وتقویٰ وصبر

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ... الی... فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ﴾

اب قصۂ احد کے بعد کچھ قصۂ بدر کا ذکر کرتے ہیں اس غزوہ میں جو بے مثال فتح ونصرت ظہور میں آئی وہ ظاہر اسباب میں توکل اور تقویٰ اور صبر کی برکت تھی چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق مدد کی تمہاری اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں حالانکہ تم اس وقت بے سروسامان تھے اور دشمنوں کی نظر میں ذلیل اور خوار تھے اور ظاہر اسباب میں دشمنوں کے مقابلہ میں تمہارا ٹھہرنا اور ان پر فتح یاب ہونا ناممکن تھا مگر چونکہ اس بے سروسامانی میں تمہاری نظر خداوند ذوالجلال پر تھی اس لیے خدا نے تم کو عزت ورفعت دی۔

ہر کجا پستی است آب آنجا رود ہر کجا دردے دوا آنجا رود

پس تم اللہ سے ڈرو اور اس کی قوت اور قدرت پر نظر رکھو اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کو دیکھ کر مت گھبراؤ ہم نے

=اس لئے رکھا ہو کہ لشکر کے پانچ حصے ہوتے تھے۔ ہر ایک حصہ کو ایک ایک ہزار کی کمک پہنچا دی جائے گی۔ چونکہ کرز بن جابر کی مدد مشرکین کو نہ پہنچی۔ اس لئے بعض کہتے ہیں کہ پانچ ہزار کا وعدہ پورا نہیں کیا گیا۔ کیونکہ وہ ﴿وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا﴾ پر معلق تھا۔ اور بعض کا قول ہے کہ پانچ ہزار فرشتے نازل ہوئے۔ واللہ اعلم۔ اس کا مزید بیان "انفال" میں دیکھو۔

ف۱ یعنی یہ سب غیبی سامان غیر معمولی طور پر ظاہری اسباب کی صورت میں محض اس لئے مہیا کئے گئے کہ تمہارے دلوں سے اضطراب و ہراس دور ہو کر سکون و اطمینان نصیب ہو۔ ورنہ خدا کی مدد کچھ ان چیزوں پر محدود و مقصور نہیں، نہ اسباب کی پابند ہے وہ چاہے تو محض اپنی زبردست قدرت سے بدون فرشتوں کے تمہارا کام بنا دے۔ یا بدون تمہارے توسط کے کفار کو خائب و خاسر کر دے۔ یا ایک فرشتہ سے وہ کام لے لے جو پانچ ہزار سے لیا جاتا ہے۔ فرشتے بھی جو امداد پہنچاتے ہیں وہ اسی خداوند قدیر کی قدرت ومشیت سے پہنچا سکتے ہیں، مستقل طاقت و اختیار کسی میں نہیں۔ آگے یہ اسکی حکمت ہے کہ کس موقع پر کس قسم کے اسباب و وسائط سے کام لینا مناسب ہے، تکوینیات کے رازوں کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

ف۲ یعنی فرشتے بھیجنے سے مقصود تمہاری مدد کرنا تھا کہ تمہارے دل مضبوط ہوں اور خدا کی طرف سے بشارت وطمانینت پا کر پوری دلجمعی اور پامردی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرو۔ جس سے یہ غرض تھی کہ کافروں کا زور ٹوٹے۔ ان کا بازو کٹ جائے۔ بڑے نامور مشرک کچھ مارے جائیں، کچھ ذلیل وخوار ہوں، اور بقیۃ السیف بہ ہزار رسوائی وناکامی واپس ہو جائیں چنانچہ ایسا ہی واقعہ ہوا۔ ستر سردار جن میں اس امت کا فرعون ابو جہل بھی تھا، مارے گئے، ستر قید ہوئے۔ اور نہایت ذلیل ونامراد ہو کر مکہ واپس جانا پڑا۔

اپنی خاص امداد کی نعمت سے تم کو قوی کر دیا تا کہ تم اللہ کی اس تقویت اور نصرت اور اعانت کی نعمت کا شکر کرو کہ دم کے دم میں ضعیف کو قوی اور قوی کو ضعیف بنا دیا یاد کرو اس وقت کو کہ جب آپ ﷺ یعنی اے نبی کریم ﷺ اہل یمان کی تقویت قلوب کے لیے یہ کہہ رہے تھے کیا یہ کفایت نہیں کرے گا کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے تمہاری امداد کرے گا جو آسمان سے خاص تمہاری امداد کے لیے اتارے جائیں ہاں کیوں نہیں یہ مقدار ضروری کافی ہوگی پھر مزید تقویت کے لیے اور مزید امداد کا وعدہ فرمایا بشرطیکہ صبر اور تقوی پر قائم رہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر تم صبر اور پرہیزگاری پر قائم رہو اور تمہارے دشمن ایک دم تم پر آ پہنچیں تو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ تمہاری ایسے پانچ ہزار فرشتوں سے امداد کرے گا جو خاص نشان اور خاص علامت لگائے ہوئے ہوں گے۔ جس سے معلوم ہوگا کہ یہ اللہ کی خاص فوج ہے جو خاص بندوں کی امداد کے لیے بھیجی ہے لہٰذا تم دشمنوں کی ناگہانی فوج کو دیکھ کر ہرگز نہ گھبرانا ہماری خاص فوج تمہاری امداد کے لیے تیار ہے اور نہیں بنایا اللہ نے اس امداد کو مگر تمہاری خوش خبری کے لیے اور اس لیے کہ تمہارے دلوں کی تسکین ہو کہ دشمن کی قوت اور کثرت کو دیکھ کر گھبرا نہ جائیں ورنہ اس کی حاجت نہ تھی اس لیے کہ فتح اور نصرت حقیقت میں صرف اللہ کی جانب سے ہے جو غالب اور حکمت والا ہے وہ اگر چاہیں تو بلا اسباب اور بلا فرشتوں کے بھی فتح و نصرت عطا فرما سکتے ہیں حق تعالیٰ نے ایسا اس لیے فرمایا کہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک کرے چنانچہ ۷۰ کافر جنگ بدر میں مارے گئے یا کافروں کی ایک جماعت کو ذلیل اور خوار کرے پس وہ ناکام اور نامراد ہو کر اپنے شہروں کی طرف واپس جائیں چنانچہ ستر کافر قید ہوئے اور باقی خائب و خاسر اپنی اپنی جگہ واپس ہوئے۔

ف:..... کلمہ "او یکبتھم" میں تقسیم کے لیے ہے تردید کے لیے نہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمہاری مدد فرمائی تا کہ کافروں کا ایک گروہ ہلاک اور جہنم رسید ہو اور باقی ماندہ گروہ ذلیل و خوار اور ناکام اور نامراد واپس ہو۔

فائدہ:...... جنگ بدر میں حق جل شانہ نے تین وعدے فرمائے اول ایک ہزار فرشتوں کا وعدہ فرمایا جس کا ذکر سورۂ انفال میں ہے: ﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ﴾ چونکہ بدر میں کفار کی تعداد ایک ہزار تھی اس لیے اس کے مناسب ایک ہزار فرشتوں کا وعدہ فرمایا پھر مسلمانوں کی پریشانی دور کرنے کے لیے تعداد تگنی کر دی گئی یعنی چونکہ کفار کی تعداد مسلمانوں سے تگنی تھی اس لیے تین ہزار فرشتوں کی امداد کا وعدہ فرمایا یہ دوسرا وعدہ ہوا بعد ازاں جب مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ کرز بن جابر مشرکین کی امداد کے لیے ایک بڑی بھاری فوج لے کر آ رہا ہے تو مسلمانوں میں ایک جدید اضطراب پیدا ہو گیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسکین اور تقویت قلوب کے لیے یہ وعدہ فرمایا کہ اگر کافر تم پر ٹوٹ پڑیں تو ہم پانچ ہزار فرشتے تمہاری مدد کو بھیج دیں گے بشرطیکہ تم صبر اور تقویٰ پر قائم رہو اس لیے علماء کا اس تیسرے وعدہ کے بارہ میں اختلاف ہے کہ یہ پانچ ہزار کا وعدہ واقع ہوا یا نہیں شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ واقع نہیں ہوا اس لیے کہ یہ وعدہ ایک شرط کے ساتھ مشروط تھا وہ یہ کہ ﴿وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ﴾ کہ کافر تم پر ٹوٹ پڑیں اور چونکہ کرز بن جابر کا گروہ نہیں آیا اس لیے وہ شرط نہیں پائی گئی اس لیے وہ مشروط وعدہ شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے واقع نہیں آیا اور بعض علماء کا قول ہے کہ پانچ ہزار فرشتے نازل ہوئے۔ ﴿وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ﴾ سے مقصود تعلیق اور شرط نہ تھی بلکہ محض تاکید اور مبالغہ مقصود تھا۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي

تیرا اختیار کچھ نہیں یا ان کو توبہ دیوے خدا تعالیٰ یا ان کو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں ف۱ اور اللہ ہی کا مال ہے جو کچھ

تیرا اختیار کچھ نہیں، یا ان کو توبہ دے یا انکو عذاب کرے، کہ وہ ناحق پر ہیں۔ اور اللہ کا مال ہے جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے بخش دے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو چاہے اور اللہ بخشنے والا

آسمان اور زمین میں ہے۔ بخشے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو چاہے، اور اللہ بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع

مہربان ہے ف۲

مہربان ہے۔

رجوع بقصۂ احد

قَالَ تَعَالٰی: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ... الی... وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

غزوہ احد میں جب آپ ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ کیسے فلاح پا سکتے ہیں

ف۱ احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے تھے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، مشرکین نے نہایت وحشیانہ طور پر شہداء کا مثلہ کیا (ناک کان وغیرہ کاٹے) پیٹ چاک کئے حتیٰ کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر نکال کر ہندہ نے چبایا۔ مفصل واقعہ آگے آئے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس لڑائی میں چشم زخم پہنچا۔ سامنے کے چار دانتوں میں سے نیچے کا دایاں دانت شہید ہوا، خود کی کڑیاں ٹوٹ کر رخسار مبارک میں گھس گئیں، پیشانی زخمی ہوئی اور بدن مبارک لہولہان تھا اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاؤں لڑکھڑایا اور زمین پر گر کر بیہوش ہو گئے۔ کفار نے مشہور کر دیا۔ اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم مارے گئے) اس سے مجمع بدحواس ہو گیا تھوڑی دیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوش آیا۔ اس وقت زبان مبارک سے نکلا کہ "وہ قوم کیونکر فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کیا جو انکو خدا کی طرف بلاتا تھا"۔ مشرکین کے وحشیانہ شدائد و مظالم کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ رہا گیا اور ان میں سے چند نامور اشخاص کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعاء کا ارادہ کیا یا شروع کر دی جس میں ظاہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرح حق بجانب تھے مگر حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منصب جلیل کے موافق اس سے بھی بلند مقام پر کھڑے ہوں، وہ ظلم کرتے جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہیں۔ جتنی بات کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے (مثلاً دعوت و تبلیغ اور جہاد وغیرہ) اسے انجام دیتے رہیں۔ باقی انکا انجام خدا کے حوالے کریں [illegible] جو حکمت ہوگی کرے گا آپکی بددعا سے وہ ہلاک کر دیئے جائیں کیا اسکی جگہ یہ بہتر نہیں کہ ان ہی دشمنوں کو اسلام کا محافظ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] بنا دیا جائے؟ چنانچہ جن لوگوں کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بددعا کرتے تھے، چند روز کے بعد سب کو خدا تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] اور اسلام کا جانباز سپاہی بنا دیا۔ غرض لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو متنبہ فرمایا کہ بندہ کو اختیار نہیں [illegible] چاہے سو کرے۔ اگرچہ کافر تمہارے دشمن ہیں اور ظلم پر ہیں۔ لیکن چاہے وہ ان کو ہدایت دے چاہے عذاب کرے تم اپنی طرف سے [illegible] سے ان آیات کی شان نزول کچھ اور معلوم ہوتی ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں فتح الباری میں کسی جگہ اس پر شافی کلام کیا ہے۔ فلیراجع۔

ف۲ یعنی تمام زمین آسمان میں خدائے واحد کا اختیار چلتا ہے سب اسی کی مملوک و مخلوق ہے۔ وہ جس کو مناسب جانے [illegible] جسے چاہے کفر کی سزا میں پکڑ لے۔ شاید اخیر میں "وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" فرما کر اشارہ کر دیا کہ ان لوگوں کو [illegible] چاہتے تھے، ایمان دے کر مغفرت و رحمت کا مورد بنایا جائے گا۔

جنہوں نے اپنے پیغمبر کے چہرہ کو زخمی کیا ہو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے چند کفار کے لیے جنہوں نے مسلمانوں کو شہید کیا تھا نام بنام صبح کی نماز میں بددعا کی تھی اور لعنت شروع فرمائی اس پر آیت نازل ہوئی (اے محمد ﷺ) آپ ﷺ کو اس کام میں کچھ اختیار نہیں لعنت اور رحمت اور ہدایت اور ضلالت سب اسی کے اختیار میں ہے وہ جو چاہے کرے یا تو وہ ان پر توجہ فرمائے کہ ان کو توبہ کی توفیق دے اور جو لوگ آج آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے دین کے دشمن ہیں وہ کل کو خدا کی قدرت اور مشیت سے آپ ﷺ کے عاشق جانثار اور دین اسلام کے محافظ اور پاسبان بن جائیں یا ان کو اللہ تعالیٰ عذاب دے دنیا میں یا آخرت میں کہ دنیا میں قتل ہوں اور کفر پر جمے رہیں اور کفر ہی پر مریں اور دوزخ کا ایندھن بنیں کیونکہ تحقیق یہ لوگ بڑے ظالم ہیں ایسی ہی سزا کے مستحق ہیں لہٰذا آپ ﷺ ان پر بددعا نہ کریں چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ان میں اکثر افراد آئندہ چل کر مشرف باسلام ہوں گے اس لیے یہ آیت نازل ہوئی آپ ﷺ نے ان پر بددعا کرنی چھوڑ دی اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور مالک کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے معاف کرے اور جس کو چاہے عذاب دے کوئی شے اس پر واجب نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے لہٰذا تم بددعا میں عجلت نہ کرو چنانچہ اللہ کی رحمت اور مغفرت غالب آئی اور آپ ﷺ کے دشمنوں کو اسلام کی ہدایت ہوئی آنحضرت ﷺ پر حق جل شانہ کی محبت اور کفر وشرک کی عداوت کا غلبہ تھا اس لیے کہ آپ ﷺ دشمنانِ خدا پر لعنت فرماتے مگر پردہ قضاء وقدر میں کیا مستور ہے اس کا آپ ﷺ کو علم نہ تھا۔ اس لیے حکم نازل ہوا کہ آپ ﷺ ان پر لعنت نہ فرمائیں عنقریب یہ لوگ دین کے خدمت گار اور جان نثار بنیں گے۔

فائدہ ۱:...... اس آیت کے شان نزول میں مختلف روایتیں ہیں ایک روایت میں ہے کہ احد کی لڑائی میں جن لوگوں نے آپ ﷺ کو زخمی کیا آپ ﷺ نے ان کے حق میں بددعا کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ایک روایت میں ہے کہ جب قبیلۂ رعل اور ذکوان نے ستر صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہید کر ڈالا جس کو واقعہ بیر معونہ کہتے ہیں جب آپ ﷺ نے ان قبائل پر بددعا کی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور امام احمد رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ صبح کی نماز میں قومہ کے بعد دوسری رکعت میں یہ دعا کرتے اے اللہ لعنت کر صفوان بن امیہ پر اور لعنت کر سہیل بن عمرو پر اور لعنت کر حارث بن ہشام پر اور چند قریش کے سرداروں کے نام لے کر بددعا فرماتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حافظ عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ یہ واقعات اُحد ہی کے سال میں پیش آئے اور بیر معونہ کا واقعہ احد کے چار ماہ بعد صفر ۴ھ میں پیش آیا اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ اس آیت کا نزول ان تمام واقعات میں ہوا۔

فائدہ ۲:...... حق جل شانہ کے دو انتظام ہیں ایک تشریعی اور ایک تکوینی تشریعی انتظام کا تعلق انبیاء کرام سے ہے اور تکوینی انتظام کا تعلق ملائکہ سے ہے یعنی قضاء وقدر کے حکم کے مطابق انتظام ہوتا ہے اور خضر علیہ السلام کے انتظام کا تعلق بھی امور تکوینیہ سے ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے جو خضر علیہ السلام پر اعتراض فرمایا وہ اسباب شرعیہ کی بناء پر تھا ﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا﴾ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا خاص خاص دشمنان اسلام پر نام بنام بددعا کرنا اسباب شرعیہ کی بنا پر تھا کہ یہ دشمنان اسلام اسی قابل ہیں کہ ان پر بددعا کی جائے مگر چونکہ قضاء وقدر میں یہ طے پاچکا تھا کہ ان لوگوں میں سے اکثر مشرف باسلام ہوں گے اس لیے حق تعالیٰ

نے اس آیت کو نازل فرما کر آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کے حق میں بددعا کرنے سے منع فرمایا یہ تکوینی انتظام تھا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوا۟ ٱلرِّبَوٰٓا۟ أَضْعَٰفًا مُّضَٰعَفَةً ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾

اے ایمان والو مت کھاؤ سود ف۱ دونے پر دونا ف۲ اور ڈرو اللہ سے تاکہ تمہارا بھلا ہو ف۳

اے ایمان والو! مت کھاؤ سود، دونے پر دونا، اور ڈرو اللہ سے، شاید تمہارا بھلا ہو۔

وَٱتَّقُوا۟ ٱلنَّارَ ٱلَّتِىٓ أُعِدَّتْ لِلْكَٰفِرِينَ ﴿١٣١﴾ وَأَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾

اور بچو اس آگ سے جو تیار ہوئی کافروں کے واسطے ف۴ اور حکم مانو اللہ کا اور رسول کا تاکہ تم پر رحم ہو ف۵

اور بچو اس آگ سے جو تیار ہوئی کافروں کے واسطے۔ اور حکم مانو اللہ کا اور رسول کا شاید تم پر رحم ہو۔

وَسَارِعُوٓا۟ إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا ٱلسَّمَٰوَٰتُ وَٱلْأَرْضُ أُعِدَّتْ

اور دوڑو بخشش کی طرف اپنے رب کی اور جنت کی طرف ف۶ جس کا عرض ہے آسمان اور زمین ف۷ تیار ہوئی ہے

اور دوڑو بخشش پر اپنے رب کی اور جنت پر جس کا پھیلاؤ ہے آسمان اور زمین، تیار ہوئی ہے

ف۱ جنگ احد کے تذکرہ میں سود کی ممانعت کا ذکر بظاہر بے تعلق معلوم ہوتا ہے۔ مگر شاید یہ مناسبت ہو کہ اوپر ﴿إِذْ هَمَّت طَّآئِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا﴾ میں "جہاد" کے موقع پر نامردی دکھلانے کا ذکر ہوا تھا۔ اور سود کھانے سے نامردی پیدا ہوتی ہے۔ دو سبب سے۔ ایک یہ کہ مال حرام کھانے سے توفیق طاعت کم ہوتی ہے اور بڑی طاعت جہاد ہے، دوسرے یہ کہ سود لینا انتہائی بخل پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ سود خوار چاہتا ہے کہ اپنا مال جتنا دیا تھا لے لے اور بیچ میں کسی کا کام نکلا، یہ بھی مفت نہ چھوڑے۔ اس کا علیحدہ معاوضہ وصول کرے۔ تو جس کو مال میں اتنا بخل ہو کہ خدا کے لئے کسی کی ذرہ بھر ہمدردی نہ کر سکے وہ خدا کی راہ میں جان کب دے سکے گا۔ ابوحیان نے لکھا ہے کہ اس وقت یہود وغیرہ سے مسلمانوں کے سودی معاملات اکثر ہوتے رہتے تھے۔ اسی لئے ان سے تعلقات قطع کرنا مشکل تھا چونکہ پہلے لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً کا حکم ہو چکا ہے، اور احد کے قصہ میں بھی منافقین یہود کی حرکات کو بہت دخل تھا اس لئے متنبہ فرمایا کہ سودی لین دین ترک کرو ورنہ اس کی وجہ سے خواہی نخواہی ان ملعونوں کے ساتھ تعلقات قائم رہیں گے جو آیندہ نقصان اٹھانے کا موجب ہوں گے۔

ف۲ اس کا مطلب یہ نہیں کہ تھوڑا سود لے لیا کرو۔ دونے پر دونا مت لو۔ بات یہ ہے کہ جاہلیت میں سود اسی طرح لیا جاتا تھا جیسے ہمارے یہاں کے بنیے لیتے ہیں۔ سو روپے دیے اور سود در سود بڑھاتے چلے گئے یہاں تک کہ سو روپے میں ہزاروں روپیہ کی جائیدادوں کے مالک بن بیٹھے۔ اسی صورت کو یہاں أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً سے تعبیر فرمایا۔ یعنی اول تو سود مطلقاً حرام وقبیح اور یہ صورت تو بہت ہی زیادہ شنیع وقبیح ہے جیسے کوئی کہے میاں مسجد میں گالیاں مت بکو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسجد سے باہر بکنے کی اجازت ہے بلکہ مزید تقبیح وتشنیع کے موقع پر ایسے الفاظ بولتے ہیں۔

ف۳ یعنی سود کھانے میں بھلا نہیں، بلکہ تمہارا بھلا اس میں ہے کہ خدا سے ڈر کر سود کھانا چھوڑ دو۔

ف۴ یعنی سود کھانے والا دوزخ میں جاتا ہے جو اصل میں کافروں کے واسطے بنائی گئی تھی۔

ف۵ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننا بھی فی الحقیقت خدا ہی کا حکم ماننا ہے کیونکہ اس نے حکم دیا ہے کہ ہم پیغمبر کا حکم مانیں اور ان کی پوری اطاعت کریں۔ جن احمقوں کو اطاعت اور عبادت میں فرق نظر نہ آیا وہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شرک کہنے لگے۔ چونکہ جنگ احد میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی تھی (جیسا کہ آگے آتا ہے) اس لئے آیندہ کے لئے ہوشیار کیا جاتا ہے۔ کہ خدا کی رحمت اور فلاح وکامیابی کی امید اسی وقت ہو سکتی ہے جب اللہ ورسول کے کہنے پر چلو۔

ف۶ یعنی ان اعمال واخلاق کی طرف جھپٹو جو حسب وعدہ خداوندی اس کی بخشش اور جنت کا مستحق بناتے ہیں۔

ف۷ چونکہ آدمی کے دماغ میں آسمان وزمین کی وسعت سے زیادہ اور کوئی وسعت نہیں آ سکتی تھی اس لئے سمجھانے کے لئے جنت کے عرض کو اسی سے تشبیہ دی گئی۔ گویا بتلا دیا کہ جنت کا عرض زیادہ سے زیادہ سمجھو پھر جب عرض اتنا ہے تو طول کا حال خدا جانے کیا کچھ ہوگا۔

لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ

واسطے پرہیزگاروں کے جو خرچ کئے جاتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں ف۱ اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کرتے ہیں

واسطے پرہیزگاروں کے۔ جو خرچ کئے جاتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں، اور دبا لیتے ہیں غصہ، اور معاف کرتے ہیں

النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

لوگوں کو اور اللہ چاہتا ہے نیکی کرنے والوں کو ف۲ اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کچھ کھلا گناہ یا برا کام کریں اپنے حق میں ف۳

لوگوں کو، اور اللہ چاہتا ہے نیکی والوں کو۔ اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کچھ کھلا گناہ، یا برا کریں اپنے حق میں

ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى

تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی اور کون ہے گناہ بخشنے والا سوا اللہ کے اور اڑتے نہیں اپنے

تو یاد کریں اللہ کو، اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی۔ اور کون ہے گناہ بخشتا سوا اللہ کے؟ اور اَڑ نہ رہیں اپنے

مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ

کئے پر اور وہ جانتے ہیں انہی کی جزا ہے بخشش ان کے رب کی اور باغ جن کے نیچے نہریں

کئے پر جانتے۔ ان کی جزا ہے بخشش ان کے رب کی، اور باغ جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

بہتی ہیں ہمیشہ رہینگے وہ لوگ ان باغوں میں اور کیا خوب مزدوری ہے کام کرنیوالوں کی ف۴

بہتی نہریں، رہ پڑے ان میں، اور خوب مزدوری ہے کام کرنے والوں کی۔

ترہیب وتحذیر از نار آخرت وترغیب بر اعمال جنت

قَالَ تَعَالٰى: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا... الى ...نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ﴾

ربط: ...... ظاہر میں ان آیات کا ماقبل سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا ہے اس لیے بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ جداگانہ اور مستقل

ف۱ یعنی نہ عیش وخوشی میں خدا کو بھولتے ہیں نہ تنگی وتکلیف کے وقت خرچ کرنے سے جان چراتے ہیں۔ ہر موقع پر اور ہر حال میں حسب مقدرت خرچ کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ سود خوروں کی طرح بخیل اور پیسہ کے پجاری نہیں۔ گویا جانی جہاد کے ساتھ مالی جہاد بھی کرتے ہیں۔

ف۲ غصہ کو پی جانا ہی بڑا کمال ہے اس پر مزید یہ کہ لوگوں کی زیادتی یا غلطیوں کو بالکل معاف کر دیتے ہیں، اور نہ صرف معاف کرتے ہیں، بلکہ احسان اور نیکی سے پیش آتے ہیں۔ غالباً پہلے جن لوگوں کی نسبت بددعا کرنے سے روکا تھا، یہاں ان کے متعلق غصہ دبانے اور عفو ودرگزر سے کام لینے کی ترغیب دی گئی ہے۔ نیز جن بعض صحابہ نے جنگ احد میں عدول حکمی کی تھی، یا فرار اختیار کیا تھا، ان کی تقصیر معاف کرنے اور شان عفو واحسان اختیار کرنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

ف۳ یعنی کھلم کھلا کوئی بے حیائی کا کام کر گزریں جس کا اثر دوسروں تک متعدی ہو یا کسی اور بری حرکت کے مرتکب ہو جائیں جس کا ضرر ان ہی کی ذات تک محدود رہے۔

ف۴ یعنی خدا کی عظمت وجلال، اسکے عذاب وثواب، اسکے حقوق واحکام، اسکی عدالت کی پیشی اور وعدہ وعید کو دل سے یاد کر کے زبان سے بھی اسکی یاد شروع =

کلام ہے جس میں حق تعالیٰ نے امر و نہی اور ترغیب و ترہیب کو جمع کیا ہے اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کو بیان فرمایا ہے۔ اور بعض علماء نے ان آیات کا ماقبل کے ساتھ اتصال اور ربط بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ گزشتہ آیات میں صبر اور تقویٰ کا حکم تھا اور کفار کے ساتھ دوستی اور خلط ملط اور ان کو راز دار بنانے کی ممانعت تھی اب ان آیات میں پھر صبر اور تقویٰ کو بیان کرتے ہیں کہ صبر اور تقویٰ کیا چیز ہے اور صابر اور متقی کون لوگ ہیں اور ان کے کیا اوصاف ہیں جن میں سے سب سے پہلی سود کی ممانعت فرمائی کہ اکل حلال تقویٰ کی جڑ اور بنیاد ہے نیز کفار سودی کاروبار کرتے اور جو نفع حاصل ہوتا اسے لڑائیوں میں خرچ کرتے چنانچہ احد کی لڑائی میں جو مال خرچ کیا وہ وہی مال تھا جو اس قافلہ کی تجارت سے نفع حاصل ہوا جو بدر کے سال شام سے آیا تھا اب حق تعالیٰ مسلمانوں کو سود سے ڈراتے ہیں کہ تم کفار کی طرح یہ خیال نہ کرنا کہ ہم بھی سودی کاروبار سے جنگوں میں مدد لیں خوب سمجھ لو کہ جس طرح انفرادی ضرورت کی بنا پر قرض دے کر سود لینا حرام ہے اسی طرح اجتماعی تجارت میں بھی سودی کاروبار حرام ہے زمانۂ جاہلیت میں دونوں طرح کا سود مروج تھا۔ لوگ انفرادی طور پر بھی تجارت کرتے تھے اور اجتماعی طور پر بھی پورا قبیلہ مل کر تجارتی کاروبار کرتا تھا اس زمانہ میں اس کا نام کمپنی اور بنک ہو گیا۔ باقی حقیقت وہی ہے جو پہلے زمانہ میں تھی۔ نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی قرآن کریم میں نازل ہوا جس نے ہر قسم کے سود کو حرام قرار دیا خواہ وہ انفرادی تجارت پر ہو یا اجتماعی یعنی کمپنی کی تجارت پر ہو جیسا کہ کتب تفاسیر میں انفرادی اور قبائلی ربا کے واقعات بالتفصیل مذکور ہیں قرآن نے مطلق سود کو حرام قرار دیا ہے۔ خواہ وہ کسی صورت سے ہو کیونکہ ربا شریعت میں اس مالی زیادتی کا نام ہے جس کے عوض اور مقابلہ میں مال نہ ہو مثلاً ایک شخص کسی کو سو روپیہ قرض دیتا ہے اور یہ شرط لگاتا ہے کہ اگر چھ ماہ کے بعد ادا کرو گے تو اس پر ۵ روپیہ زائد لوں گا اور اگر ایک سال کے بعد ادا کرو گے تو دس روپیہ لوں گا پس جب اس شخص نے سو روپیہ کے بدلہ میں ایک سو دس روپیہ دیا تو سو روپیہ تو اصل رقم کے عوض اور مقابلہ میں ہو گئے اور یہ دس روپیہ کسی مال کے عوض اور مقابلہ میں نہیں۔ یہ سود ہوا کیونکہ یہ زیادتی کسی مال کے عوض اور بدلہ میں نہی رہی چھ مہینہ یا سال کی مدت سو وہ کوئی مال نہیں جس کے عوض میں مال لیا جاسکے بنک کے سود میں یہی ہوتا ہے اس لیے جس طرح زمانۂ جاہلیت اولیٰ کا سود حرام تھا اسی طرح اس جاہلیت ثانیہ یعنی اس متمدن اور مہذب جاہلیت کا سود بھی قطعاً حرام ہو گا لہٰذا کسی جدت پسند کا یہ کہنا کہ شخصی ضروریات کے لیے تو سودی کاروبار حرام ہے اور اجتماعی تجارت کے لیے حلال ہے یہ قرآن و حدیث میں تحریف ہے اور یہ کہنا کہ زمانۂ جاہلیت میں صرف انفرادی ضرورتوں کے لیے سود ہوتا تھا اور اجتماعی تجارت پر سود کا رواج نہ تھا اول تو یہ غلط ہے اس لیے کہ آیت کے شان نزول سے معلوم ہو چکا کہ زمانہ جاہلیت میں دونوں قسم کے سود رائج تھے اور اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس زمانہ میں اجتماعی تجارت پر سود رائج نہ تھا تو اس خاص صورت کا اس زمانہ میں موجود نہ ہونا ہمارے لیے مضر نہیں شریعت نے مطلق ربا کو حرام قرار دیا

= کردی۔ خوفزدہ اور مضطرب ہو کر اسے پکارا، اسکے سامنے سربسجود ہوئے (جیسا کہ "صلوٰۃ التوبہ" کی حدیث میں آیا ہے) پھر جو شرعی طریقہ گناہوں کے معاف کرانے کا ہے اس کے موافق معافی اور بخشش طلب کی۔ مثلاً اہل حقوق کے حقوق ادا کئے یا ان سے معاف کرائے اور خدا کے سامنے توبہ و استغفار کیا (کیونکہ اصل بخشنے والا تو وہی ہے) جو گناہ بمقتضائے بشریت ہو گیا تھا اس پر اڑے نہیں۔ بلکہ یہ جان کر کہ حق تعالیٰ بندوں کی سچی توبہ قبول کرتا ہے، ندامت و اقلاع کے ساتھ توبہ کرتے ہوئے اس کے حضور میں حاضر ہو گئے۔ یہ لوگ بھی دوسرے درجہ کے متقین میں ہیں جن کے لئے جنت تیار کی گئی ہے۔ حق تعالیٰ ان تائبین کے گناہ معاف کر کے اپنی جنت میں جگہ دے گا اور جو توبہ یا اور عمل نیک کئے ہوں گے ان کا بہترین معاوضہ ملے گا۔

ہے جس معاملہ پر ربوا کی تعریف صادق آئے گی وہ حرام ہوگا چوری اور زنا کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے اگر وہ گزشتہ زمانہ کے طرح غیر مہذب ہو یا موجودہ تہذیب اور تمدن کے طریقہ پر کسی بڑے ہوٹل میں ہو ہر حال میں حرام ہے حلت اور حرمت کا مدار اصل حقیقت پر ہے نہ کہ کسی خاص صورت پر۔

ربط دیگر:...... گزشتہ آیات میں ﴿اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا﴾ میں قبیلہ بنو حارثہ اور بنی سلمہ کی بزدلی کا ذکر ہے کہ جہاد کے موقع پر نامردی دکھائی اب اس آیت میں سود کی ممانعت بیان فرماتے ہیں اشارہ اس طرف ہے کہ سود کھانے یعنی حرام مال کھانے سے نامردی اور بزدلی پیدا ہوتی ہے۔

جاہلیت میں سود کا دستور ایسا تھا جس طرح ہندوستان کے بنیے اور لالہ لوگ لیتے ہیں کہ جب قرض دار مدت معینہ پر روپیہ ادا نہ کر سکا تو قرض خواہ سود کو اصل میں شامل کر کے قرض کی مدت بڑھا دیتا اور چند روز کے لیے اس کو مہلت دے دیتا پھر اگلی قسط پر سود اور بڑھ جاتا اور قرض دار وقت پر بوجہ مجبوری نہ ادا کر سکتا تو پھر سود خوار سود کو اصل میں جمع کر کے اس پر سود لگاتا اور اسی طرح بڑھاتا رہتا یہاں تک کہ سو روپیہ قرض کے بدلہ میں ایک ہزار کی جائداد کا مالک بن جاتا اس لیے ارشاد فرمایا اے ایمان والو مت کھاؤ سود دونے پر دونا تو برتو کہ اصل سے کئی گنا زیادہ ہو جائے مطلب یہ ہے کہ اصل قرض سے ایک پائی بھی زائد لینا حرام ہے اور صریح ظلم ہے اور کھلا ہوا بخل ہے کہ خدا کے لیے ذرہ برابر بلا معاوضہ کسی کی ہمدردی بھی گوارا نہیں اور اصل قرض سے کئی گنا زائد لے لینا اس کی قباحت اور شناعت کی تو کوئی حد نہیں اضعافاً مضاعفہ سود تو قساوت قلبی اور بے رحمی کی آخری منزل ہے۔

آیات قرآنیہ اور بے شمار احادیث نبویہ سے مطلق ربا کی کلیۃً ممانعت اور حرمت ثابت ہے اور اس آیت میں جو اضعافا مضاعفہ کا لفظ آیا وہ قید احترازی نہیں بلکہ توبیخ اور سرزنش کے لیے ہے جو اس زمانہ میں رائج تھی جیسے کوئی نیک دل اور دین دار حاکم کسی موقعہ پر اپنے عملہ کے ان لوگوں سے جو رشوت خوار ہوں یہ کہے کہ صاحبو زیادہ حرام نہ کھاؤ اور حد سے نہ بڑھو تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ تھوڑا حرام کھانا تو جائز ہے اور زیادہ حرام کھانا ناجائز ہے۔

ایسے الفاظ مزید تقبیح اور تشنیع کے لیے بولے جاتے ہیں جیسے ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾ فرمایا یعنی خدا کے لیے متعدد شریک نہ ٹھہراؤ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کے لیے ایک دو شریک ٹھہرانا جائز ہے اور تین چار شریک ٹھہرانا، ناجائز ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدائے برتر کا تو ایک بھی شریک نہیں مگر تم ایسے ظالم ہو کہ تم نے خدا کے لیے بہت سے شریک ٹھہرا رکھے ہیں کما قال تعالی: ﴿وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا﴾ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا﴾ ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ﴾ ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ﴾۔ ان سب آیات کا یہی مطلب ہے نزول قرآن کے وقت سود خواروں کی یہی عادت تھی کہ اضعافا مضاعفہ سود لیتے اس لیے ان کی عادت کی بنا پر اس آیت میں ان کی توبیخ اور سرزنش کے لیے اضعافا مضاعفہ کا لفظ بڑھا دیا گیا ورنہ ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ جیسی آیات سے بصراحت مطلق ربا کی حرمت ثابت ہے اگر کسی جھوٹے کو کوئی شخص یہ کہے کہ میاں پیٹ بھر کر جھوٹ نہ بولو تو اس کا مطلب نہیں کہ جھوٹ بقدر ذائقہ تو جائز ہے اور پیٹ بھر کرنا جائز ہے بلکہ جھوٹ کی قباحت اور شناعت کے واضح کرنے کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے ﴿لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ میری آیتوں کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو سو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آیات قرآنیہ میں تحریف کر کے زیادہ قیمت لینا تو جائز ہے اور کم قیمت لینا حرام اور ناجائز ہے آیات الٰہیہ کے مقابلہ میں ہفت اقلیم کی دولت بھی ہیچ ہے پس جس طرح اس آیت میں ثمن قلیل کی قید عار دلانے کے لیے ہے اسی طرح آیت ربوا میں اضعافا مضاعفہ کی قید عار دلانے کے لیے ہے۔ خوب سمجھ لو۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اضعافا مضاعفہ کی قید احترازی نہیں بلکہ اس زمانہ کے رسم ورواج کے مطابق جو ظالم اور بے رحم اضعافا مضاعفہ سود لیتے تھے ان کی توبیخ اور سرزنش کے لیے اور ان کو عار اور شرم دلانے کے لیے بڑھائی گئی ورنہ اگر یہ قید احترازی لی جائے تو مطلب آیت کا یہ ہوجائے گا کہ جب تک سود اصل رقم سے کم از کم سہ چند نہ ہوجائے اس وقت تک تو حلال ہے یعنی جب تک سو کا سود دو سو ننانوے تک رہے اس وقت تک تو وہ سود حلال ہے اور جب سود پورا تین سو ہوجائے تب حرام ہوگا غرض یہ کہ از روئے قرآن وحدیث ربا مطلقاً اور کلیۃً حرام ہے اور اضعافا مضاعفہ ہو یا غیر اضعافا مضاعفہ ہو قلیل ہو یا کثیر اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو اور کامیابی سود نہ لینے میں ہے اور ڈرو اس آگ سے جو خاص کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ سودخوار جہنم کے اس طبقہ میں رکھے جائیں گے جو خاص کافروں کے لیے تیار کیا گیا ہے اور فرمانبرداری کرو خدا کی اور پیغمبر کی جو تم کو سودخواری سے منع کرتے ہیں تاکہ تم پر رحم ہو یعنی اگر تم اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق حاجت مندوں کو بلاسود قرض دو گے تو اللہ تم پر رحم کرے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اے ایمان والو اس آگ سے تو بھاگو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور اپنے پروردگار کے سامان مغفرت کی طرف دوڑو اور بہشت کی طرف دوڑو جس کا عرض یعنی پھیلاؤ آسمان اور زمین ہے یعنی اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی طرف دوڑو جن سے حسب وعدۂ خداوندی جنت ملتی ہے۔ تیار کی گئی ہے یہ جنت متقی اور پرہیزگاروں کے لیے۔ حق تعالیٰ نے ﴿اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ بصیغۂ ماضی فرمایا یعنی جنت متقیوں کے لیے تیار ہوچکی ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ "تعد للمتقین" کہ جنت آئندہ زمانہ میں متقیوں کے لیے تیار کی جائے گی تاکہ معلوم ہوجائے کہ جنت تیار ہوچکی ہے انسان کی فطرت میں ہے کہ رغبت اور میلان موجود شئ کی طرف ہوتا ہے معدوم کی طرف نہیں ہوتا اس لیے ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا تاکہ جنت کی طرف کشش ہو اور تقویٰ اور پرہیزگاری کو دل چاہے۔

اب آئندہ آیت میں متقین کی دو قسمیں بیان فرماتے ہیں کہ ایک محسنین اور دوسرے تائبین۔

قسم اول:...... اعلیٰ درجہ کے متقی وہ لوگ ہیں کہ جو آسائش اور سختی خوشی اور تکلیف میں خدا کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں یعنی بڑے سخی اور کریم ہیں اور غصہ کے پی جانے والے یعنی صابر اور حلیم اور بردبار ہیں اور لوگوں کی تقصیر کو معاف کرنے والے بلکہ مزید برآں اور نیکی سے پیش آنے والے اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے کہ جنہوں نے اپنی قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کو قوت روحانیہ اور عقلیہ کے تابع کر دیا ہے۔

قسم دوم:...... اور دوسرے درجہ کے متقی وہ لوگ ہیں کہ جب کبھی وہ کوئی برا کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنی جانوں پر کوئی ظلم کر گزرتے ہیں تو فوراً اللہ کی عظمت وجلال کو یاد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی اور بخشش چاہتے ہیں کیونکہ ان کو خوب معلوم ہے کہ کون ہے جو اللہ کے سوا گناہوں کو معاف کر سکے اور جو گناہ ان سے صادر ہوجاتا ہے جان بوجھ کر اس

پر اصرار نہیں کرتے۔ بلکہ نادم اور شرمسار رہتے ہیں ایسے لوگوں کی جزاء بخشش اور معافی ہے ان کے پروردگار کی جانب سے اور باغات ہیں کہ جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور یہ لوگ ان میں ابدالآباد تک رہیں گے اور نیک کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر اور ثواب ہے یہ اجر اور بدلہ تائبین کا ہے قسم اول کے متقی یعنی محسنین کو مقام محبوبیت حاصل ہے اس لیے محسنین کے لیے کسی اجر اور ثواب کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ فقط ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ پر آیت کو ختم فرمایا مقام محبوبیت کے بعد اجر وثواب کا کیا ذکر۔

حکایت:...... بیان کیا جاتا ہے کہ کسی بادشاہ کے غلام سے کوئی نازیبا حرکت صادر ہوئی۔ جس پر بادشاہ کو غصہ آ گیا اور غلام کو سزا دینے کا ارادہ کیا تو غلام نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ متقین کی صفات میں فرماتا ہے ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ﴾ یعنی غصہ کو پی جانے والے۔ بادشاہ نے کہا کظمت غیظی۔ میں اپنے غصہ کو پی گیا۔ پھر غلام نے کہا اے امیر المومنین پھر اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے ﴿وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ یعنی لوگوں کی خطائیں معاف کرنے والے بادشاہ نے کہا عفوت عنك میں نے تیرا قصور معاف کیا۔ بعد ازاں غلام نے عرض کیا اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ اس کے بعد فرماتا ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے بادشاہ نے کہا احسنت الیك فاعتقتك۔ میں نے تیرے ساتھ احسان کیا اور تجھے آزاد کیا۔ جا تو اللہ کے لیے آزاد ہے۔

فائدہ ۱:...... علماء نے لکھا ہے کہ صغیرہ پر اصرار کرنے صغیرہ سے کبیرہ ہو جاتا ہے رفتہ رفتہ طبیعت گناہ سے مانوس ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے گناہوں پر دلیر ہو جاتا ہے۔ اللھم احفظنا من ذلك۔ آمین۔

فائدہ ۲:...... بمقتضائے بشریت اگر ۷۰ مرتبہ بھی گناہ سرزد ہو جائے مگر سرزد ہو جانے کے بعد اس سے بیزار اور شرمسار ہو جائے اور خدا سے استغفار کرے تو اللہ اس کو معاف کر دے گا اور اصرار یہ ہے کہ بے کھٹکے گناہ کرتا رہے اور خدا کی نافرمانی پر ایسا بے باک ہو جائے کہ معصیت سے اس کو ندامت اور خجالت بھی نہ ہو تو یہ حالت خطرناک ہے جس طرح اپنی عبادت اور زہد اور تقویٰ پر غرہ اور ناز تباہی کا سامان ہے اسی طرح گناہوں پر بے باکی اور دلیری بھی تباہی کا سامان ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

ہو چکے ہیں تم سے پہلے واقعات سو پھرو زمین میں اور دیکھو کہ کیا ہوا انجام

ہو چکے ہیں تم سے آگے دستور، سو پھرو زمین میں تو دیکھو کیسا ہوا آخر

الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا

جھٹلانے والوں کا ف۱ یہ بیان ہے لوگوں کے واسطے اور ہدایت اور نصیحت ہے ڈرنے والوں کو ف۲ اور سست نہ ہو اور نہ غم کھاؤ

جھٹلانے والوں کا۔ یہ بیان ہے لوگوں کے واسطے اور ہدایت اور نصیحت ڈر والوں کو۔ اور سست نہ ہو اور نہ غم کھاؤ،

ف۱ یعنی تم سے پہلے بہت قومیں اور ملتیں گزر چکیں۔ بڑے بڑے واقعات پیش آ چکے، خدا تعالیٰ کی عادت بھی بار بار معلوم کرادی گئی کہ ان میں سے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی عداوت اور حق کی تکذیب پر کمر باندھی اور خدا اور رسول کی تصدیق واطاعت سے منہ پھیر کر حرام خوری اور ظلم وعصیان پر اصرار کرتے رہے، انکا کیسا برا انجام ہوا۔ یقین نہ ہو تو زمین میں چل پھر کر ان کی تباہی کے آثار دیکھ لو جو آج بھی تمہارے ملک کے قریب موجود ہیں۔ ان واقعات میں غور کرنے =

وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنۡ يَّمۡسَسۡكُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ

اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو ف۱ اگر پہنچا تم کو زخم تو پہنچ چکا ہے ان کو بھی زخم

اور تم ہی غالب رہو گے، اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ اگر تم نے زخم پایا تو وہ لوگ بھی پا چکے ہیں زخم

مِّثۡلُهٗ ؕ وَتِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَيَتَّخِذَ

ایسا ہی اور یہ دن باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم ان کو لوگوں میں ف۲ اور اس لئے کہ معلوم کرے اللہ جن کو ایمان ہے ف۳ اور کرے

ایسا ہی۔ اور یہ دن بدلتے لاتے ہیں ہم لوگوں میں اور اس واسطے کہ معلوم کرے اللہ جن کو ایمان ہے، اور کرے

مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَيَمۡحَقَ

تم میں سے شہید اور اللہ کو محبت نہیں ظلم کرنیوالوں سے ف۴ اور اس واسطے کہ پاک صاف کرے اللہ ایمان والوں کو اور مٹا دیوے

بعضے تم میں شہید۔ اور اللہ چاہتا نہیں ناحق والوں کو۔ اور اس واسطے کہ نکھارے اللہ ایمان والوں کو اور مٹا دے

= سے معرکہ "احد" کے دونوں حریفوں کو سبق لینا چاہیئے۔ یعنی مشرکین جو پیغمبر خدا کی عداوت میں حق کو کچلنے کے لئے نکلے اپنی تھوڑی سے عارضی کامیابی پر مغرور نہ ہوں کہ انکا آخری انجام بجز ہلاکت و بربادی کے کچھ نہیں۔ اور مسلمان کفار کی سختیوں اور وحشیانہ دراز دستیوں یا اپنی ہنگامی پسپائی سے ملول و مایوس نہ ہوں کہ آخر حق غالب و منصور ہو کر رہے گا۔ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے جو ٹل نہیں سکتی۔

ف۲ یعنی عام لوگوں کے کان کھولنے کے لئے قرآن میں یہ مضامین بیان کئے جا رہے ہیں جن کو سن کر خدا سے ڈرنے والے ہدایت و نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ باقی جس کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو ناصحانہ تنبیہات سے کیا منتفع ہو سکتا ہے۔

ف۱ یہ آیات جنگ احد کے بارے میں نازل ہوئیں۔ جب مسلمان مجاہدین زخموں سے چور چور ہو رہے تھے، انکے بڑے بڑے بہادروں کی لاشیں آنکھوں کے سامنے مثلہ کی ہوئی پڑی تھیں۔ پیغمبر علیہ السلام کو بھی اشقیاء نے مجروح کر دیا تھا اور بظاہر کامل ہزیمت کے سامان نظر آ رہے تھے۔ اس ہجوم شدائد و یاس میں خداوند قدوس کی آواز سنائی دی۔ ﴿وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴾ دیکھنا! سختیوں سے گھبرا کر دشمنان خدا کے مقابلہ میں نامردی اور سستی پاس نہ آنے پائے، پیش آمدہ حوادث و مصائب پر غمگین ہو کر بیٹھ رہنا مومن کا شیوہ نہیں۔ یاد رکھو آج بھی تم ہی معزز و سربلند ہو کہ حق کی حمایت میں تکلیفیں اٹھا رہے ہو اور جانیں دے رہے ہو اور یقیناً آخری فتح بھی تمہاری ہے انجام کار تم ہی غالب ہو کر رہو گے۔ بشرطیکہ ایمان و ایقان کے راستہ پر مستقیم رہو۔ اور حق تعالیٰ کے وعدوں پر کامل وثوق رکھتے ہوئے اطاعت رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے قدم پیچھے نہ ہٹاؤ اس خدائی آواز نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا اور پژمردہ جسموں میں حیات تازہ پھونک دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کفار جو بظاہر غالب آ چکے تھے، زخم خوردہ مجاہدین کے جوابی حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ اور سر پر پاؤں رکھ کر میدان سے بھاگے۔

ف۲ مسلمانوں کو جنگ میں جو شدید نقصان اٹھانا پڑا تھا، اس سے سخت شکستہ خاطر تھے۔ مزید برآں منافقین اور دشمنوں کے طعنے سن کر اور زیادہ اذیت پہنچتی تھی۔ کیونکہ منافقین کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے پیغمبر ہوتے تو یہ نقصانات کیوں پہنچتے یا تھوڑی دیر کے لئے بھی عارضی ہزیمت کیوں پیش آتی۔ حق تعالیٰ نے ان آیات میں مسلمانوں کو تسلی دی کہ اگر اس لڑائی میں تم کو زخم پہنچا یا تکلیف اٹھانی پڑی تو اس طرح کے حوادث فریق مقابل کو پیش آ چکے ہیں۔ احد میں تمہارے پچھتر آدمی شہید اور بہت سے زخمی ہوئے، تو ایک سال پہلے بدر میں انکے ستر جہنم رسید اور بہت سے زخمی ہو چکے ہیں اور خود اس لڑائی میں بھی ابتداءً انکے بہت آدمی مقتول و مجروح ہوئے جیسا کہ ﴿وَلَقَدۡ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَهُمۡ بِاِذۡنِهٖ﴾ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ پھر بدر میں انکے ستر آدمی ذلت کے ساتھ قید ہوئے۔ تمہارے ایک فرد نے بھی یہ ذلت قبول نہ کی۔ بہرحال اپنے نقصان کا ان کے نقصان سے مقابلہ کرو تو غم و افسوس کا کوئی موقع نہیں۔ نہ انکے لئے کبر و غرور سے سر اٹھانے کی جگہ ہے۔ باقی ہماری عادت ہمیشہ یہ رہی ہے کہ سختی نرمی، دکھ سکھ تکلیف و راحت کے دنوں کو لوگوں میں ادل بدل کرتے رہتے ہیں جس میں بہت سی حکمتیں مضمر ہیں۔ پھر جب وہ دکھ اٹھا کر باطل کی حمایت میں ہمت نہیں ہارے، تو تم حق کی حمایت میں کیونکر ہمت ہار سکتے ہو۔

ف۳ یعنی سچے ایمان والوں کو منافقوں سے الگ کر دے۔ دونوں کا رنگ صاف صاف اور جدا جدا نظر آنے لگے۔

الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤١﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ

کافروں کو ف۱ کیا تم کو خیال ہے کہ داخل ہوجاؤ گے جنت میں اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں

منکروں کو۔ کیا تم کو خیال ہے کہ داخل ہوجاؤ گے جنت میں، اور ابھی معلوم نہیں کیے اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں،

وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٢﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ

اور معلوم نہیں کیا ثابت قدم رہنے والوں کو ف۲ اور تم تو آرزو کرتے تھے مرنے کی اس کی ملاقات سے پہلے سو اب دیکھ لیا تم نے

اور معلوم کرے ثابت رہنے والے۔ اور تم تو آرزو کرتے تھے مرنے کی، اس کی ملاقات سے پہلے۔ سو اب دیکھا تم نے

ع ١٤ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿١٤٣﴾ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ

اس کو آنکھوں کے سامنے ف۳ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک رسول ہے ہوچکے اس سے پہلے بہت رسول پھر کیا اگر وہ مرگیا

اس کو آنکھوں کے سامنے۔ اور محمد تو ایک رسول ہے، ہوچکے پہلے اس سے بہت رسول۔ پھر کیا اگر وہ مرگیا

اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ

یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں اور جو کوئی پھر جائے گا الٹے پاؤں تو ہرگز نہ بگاڑیگا اللہ کا کچھ

یا مارا گیا، تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں ؟ اور جو کوئی پھر جائے گا الٹے پاؤں، وہ نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ۔

وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٤﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ

اور اللہ ثواب دے گا شکر گزاروں کو ف۴ اور کوئی مر نہیں سکتا بغیر حکم اللہ کے لکھا ہوا ہے ایک وقت مقرر ف۵

اور اللہ ثواب دے گا بھلا ماننے والوں کو۔ اور کوئی جی مر نہیں سکتا بغیر حکم اللہ کے، لکھا ہوا وعدہ۔

= ف۴ "ظالمین" سے مراد اگر مشرکین ہیں جو "احد" میں فریق مقابل تھے تو یہ مطلب ہوگا کہ ان کی عارضی کامیابی کا سبب یہ نہیں کہ خدا ان سے محبت کرتا ہے۔ بلکہ دوسرے اسباب ہیں۔ اور منافقین مراد ہوں جو عین موقع پر مسلمانوں سے الگ ہوگئے تھے، تو یہ بتلا دیا کہ خدا کے نزدیک مبغوض تھے، اس لئے ایمان و شہادت کے مقام سے انہیں دور پھینک دیا گیا۔

ف۱ یعنی فتح اور شکست بدلتی چیز ہے اور مسلمانوں کو شہادت کا مقام بلند عطا فرمانا تھا۔ مومن و منافق کا پرکھنا، مسلمانوں کو سدھانا، یا ذنوب سے پاک کرنا اور کافروں کو آہستہ آہستہ مٹا دینا منظور تھا، کہ جب وہ اپنے عارضی غلبہ اور وقتی کامیابی پر مسرور و مغرور ہو کر کفر و طغیان میں بیش از بیش غلو کریں گے۔ خدا کے قہر و غضب کے اور زیادہ مستحق ہوں گے۔ اس واسطے یہ عارضی ہزیمت مسلمانوں کو ہوئی۔ نہیں تو اللہ کافروں سے راضی نہیں ہے۔

ف۲ یعنی جنت کے جن اعلیٰ مقامات اور بلند درجات پر خدا تم کو پہنچانا چاہتا ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ بس یونہی آرام سے وہاں جا پہنچیں گے اور خدا تمہارا امتحان لیکر یہ نہ دیکھے گا کہ تم میں کتنے خدا کی راہ میں لڑنے والے اور کتنے لڑائی کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہیں ایسا خیال نہ کرنا۔ مقامات عالیہ پر وہی لوگ فائز کئے جاتے ہیں جو خدا کے راستہ میں ہر طرح کی سختیاں جھیلنے اور قربانیاں پیش کرنے کے لئے تیار ہوں۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

ف۳ جو صحابہ رضی اللہ عنہم بدر کی شرکت سے محروم رہ گئے تھے شہدائے بدر کے فضائل سن سن کر تمنا کیا کرتے تھے کہ خدا پھر کوئی موقع لائے جو ہم بھی خدا کی راہ میں مارے جائیں اور شہادت کے مراتب حاصل کریں۔ انہی حضرات نے احد میں یہ مشورہ دیا تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنا چاہیے ان کو فرمایا کہ جس چیز کی پہلے تمنا رکھتے تھے وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آچکی اب آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹنا کیسا؟ حدیث میں ہے کہ لقاء عدو کی تمنا مت کرو اور جب ایسا موقع پیش آجائے =

= تو ثابت قدم رہو۔

ف ۲ واقعہ یہ ہے کہ احد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس نقشہ جنگ قائم کیا۔ تمام صفوف درست کرنے کے بعد پہاڑ کا ایک درہ باقی رہ گیا جہاں سے اندیشہ تھا کہ دشمن لشکر اسلام کے عقب پر حملہ آور ہو جائے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیراندازوں کو جن کے سردار حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ تھے، مامور فرما کر تاکید کر دی کہ ہم خواہ کسی حالت میں ہوں تم یہاں سے مت ٹلنا۔ مسلمان غالب ہوں یا مغلوب، حتیٰ کہ اگر تم دیکھو کہ پرندے ان کا گوشت نوچ کر کھا رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ مت چھوڑنا۔ وانا لن نزال غالبین ماثبتم مکانکم (بغوی) ہم برابر اسوقت تک غالب رہیں گے جب تک تم اپنی جگہ قائم رہو گے۔ الغرض فوج کو پوری ہدایت دینے کے بعد جنگ شروع کی گئی۔ میدان کارزار گرم تھا، غازیان اسلام بڑھ بڑھ کر جوہر شجاعت دکھا رہے تھے۔ ابو دجانہ، علی مرتضیٰ اور دوسرے مجاہدین کی بسالت و بے جگری کے سامنے مشرکین قریش کی کمریں ٹوٹ چکی تھیں۔ ان کو راہ فرار کے سوا اب کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا کہ حق تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔ کفار کو شکست فاش ہوئی وہ بدحواس ہو کر بھاگے ان کی عورتیں جو غیرت دلانے کو آئی تھیں، پائنچے چڑھا کر ادھر ادھر بھاگتی نظر آئیں۔ مجاہدین نے مال غنیمت پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ یہ منظر جب تیراندازوں نے دیکھا تو سمجھے کہ اب فتح کامل ہو چکی دشمن بھاگ رہا ہے۔ یہاں بیکار ٹھہرنا کیا ضروری ہے چل کر دشمن کا تعاقب کریں اور غنیمت میں حصہ لیں۔ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان کو یاد دلایا وہ سمجھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا اصلی منشا ہم پورا کر چکے ہیں۔ یہاں ٹھہرنے کی حاجت نہیں۔ یہ خیال کر کے سب غنیمت پر جا پڑے۔ صرف عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے گیارہ ساتھی درہ کی حفاظت پر باقی رہ گئے۔ مشرکین کے سواروں کا رسالہ خالد بن ولید کے زیر کمان تھا (جو اس وقت تک "حضرت" اور "رضی اللہ عنہ" نہیں بنے تھے) انہوں نے پلٹ کر درہ کی طرف سے حملہ کر دیا۔ دس بارہ تیرانداز ڈھائی سو سواروں کی یلغار کو کہاں روک سکتے تھے، تاہم عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور انکے رفقاء نے مدافعت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور اسی میں جان دیدی۔ مسلمان مجاہدین اپنے عقب سے مطمئن تھے کہ ناگہاں مشرکین کا رسالہ ان کے سروں پر جا پہنچا اور سامنے سے مشرکین کی فوج جو بھاگی جا رہی تھی، پیچھے پلٹ پڑی، مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے اور بہت زور کا رن پڑا، کتنے ہی مسلمان شہید اور زخمی ہوئے۔ اسی افراتفری میں ابن قمیہ نے ایک بھاری پتھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینکا جس سے دندان مبارک شہید اور چہرہ انور زخمی ہوا۔ ابن قمیہ نے چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرے، مگر مصعب بن عمیر نے (جن کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا تھا) مدافعت کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زخم کی شدت سے زمین پر گرے۔ کسی شیطان نے آواز لگا دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے، یہ سنتے ہی مسلمانوں کے ہوش خطا ہو گئے، اور پاؤں اکھڑ گئے۔ بعض مسلمان ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ رہے۔ بعض ضعفاء کو خیال ہوا کہ مشرکین کے سردار ابوسفیان سے امن حاصل کر لیں۔ بعض منافقین کہنے لگے کہ جب محمد قتل کر دیئے گئے تو اسلام چھوڑ کر اپنے قدیم مذہب میں واپس چلے جانا چاہیئے۔ اس وقت انس بن مالک کے چچا انس ابن النضر نے کہا کہ اگر محمد مقتول ہو گئے تو رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو مقتول نہیں ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمہارا زندہ رہنا کس کام کا ہے؟ جس چیز پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہوئے تم بھی اسی پر کٹ مرو، اور جس چیز پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دے دی ہے اسی پر تم بھی جان دے دو۔ یہ کہہ کر آگے بڑھے، حملہ کیا، لڑے اور مارے گئے - رضی اللہ عنہ - اسی اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ (اللہ کے بندو! ادھر آؤ! میں خدا کا پیغمبر ہوں) کعب بن مالک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان کر چلائے "یامعشر المسلمین" "مسلمانو! بشارت حاصل کرو! رسول اللہ یہاں موجود ہیں" آواز کا سننا تھا کہ مسلمان ادھر ہی سمٹنا شروع ہو گئے۔ تیس صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو کر مدافعت کی اور مشرکین کی فوج کو منتشر کر دیا۔ اس موقع پر سعد بن ابی وقاص، طلحہ، ابوطلحہ اور قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہم وغیرہ نے بڑی جانبازیاں دکھلائیں۔ آخر مشرکین میدان چھوڑ کر چلے جانے پر مجبور ہوئے اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ﴾ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی آخر خدا تو نہیں۔ ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے کتنے رسول گزر چکے، جن کے بعد ان کے متبعین نے دین کو سنبھالا اور جان و مال فدا کر کے قائم رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا سے گزرنا بھی کچھ اچنبھا نہیں۔ اس وقت نہ سہی، اگر کسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی، یا شہید کر دیئے گئے، تو کیا تم دین کی خدمت و حفاظت کے راستہ سے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دو گے (جیسے اس وقت محض خبر قتل سن کر بہت سے لوگ حوصلہ چھوڑ کر بیٹھنے لگے تھے) یا منافقین کے مشورہ کے موافق العیاذ باللہ سرے سے دین کو خیرباد کہہ دو گے۔ تم سے ایسی امید ہرگز نہیں۔ اور کسی نے ایسا کیا تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔ خدا کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ وہ تمہاری مدد کا محتاج نہیں بلکہ تم شکر کرو اگر اس نے اپنے دین کی خدمت میں لگا لیا

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنم منت شناس ازو کہ بخدمت گذاشتت

اور شکر یہی ہے کہ ہم بیش از بیش خدمت دین میں مضبوط و ثابت قدم ہوں۔ اس میں اشارہ نکلتا ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر بعضے لوگ =

وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَةِ نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ؕ وَسَنَجۡزِى

اور جو کوئی چاہے گا بدلہ دنیا کا دیویں گے ہم اس کو دنیا ہی سے ف۱ اور جو کوئی چاہے گا بدلہ آخرت کا اس میں سے دیویں گے ہم اس کو ف۲ اور ہم ثواب دینگے

اور جو کوئی چاہے گا بدلہ دنیا کا، اس میں سے دیں گے اس کو اور جو کوئی چاہے گا بدلہ آخرت کا، اس میں سے دیں گے اس کو، اور ہم ثواب دیں گے

الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۴۵﴾

احسان ماننے والوں کو ف۳

احسان ماننے والوں کو۔

رجوع بسوئے قصہ احد وتسلیہ اہل اسلام بہ گونہ گوں

قال تعالیٰ: ﴿قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ سُنَنٌ... الی... وَسَنَجۡزِى الشّٰكِرِيۡنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں واقعۂ احد کا بیان تھا۔ اب پھر قصہ احد کی طرف رجوع فرماتے ہیں۔ جس میں مسلمانوں کی ہزیمت کے اسباب کو بھی بیان فرمایا کہ صبر اور تقویٰ اور اطاعت رسول ﷺ میں تقصیر کی وجہ سے فتح کے بعد تم کو یہ ہزیمت پیش آئی مگر ساتھ ہی ساتھ بار بار تسلی بھی دی گئی کہ تم مت گھبراؤ فی الحال اگرچہ کفار کو غلبہ ہوا مگر انجام کار تم ہی غالب رہو گے اور بار

= دین سے پھر جائیں گے اور جو قائم رہیں گے ان کو بڑا ثواب ہے اسی طرح ہوا کہ بہت لوگ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہوئے۔ صدیق اکبر نے ان کو پھر مسلمان کیا اور بعض مارے گئے۔

(تنبیہ) "قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ" میں "خلت" "خلو" سے مشتق ہے جس کے معنیٰ "ہو چکنے" گزرنے اور چھوڑ کر چلے جانے کے ہیں۔ اس کے لئے موت لازم نہیں جیسے فرمایا ﴿وَاِذَا لَقُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ﴾ یعنی جب تمہیں چھوڑ کر علیحدہ ہوتے ہیں۔ نیز "الرُّسل" میں لام استغراق نہیں، لام جنس ہے، کیونکہ اثبات مدعا میں استغراق کو کوئی دخل نہیں۔ بعینہ اسی قسم کا جملہ حضرت مسیح کی نسبت فرمایا ﴿مَا الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ﴾ کیا لام استغراق لے کر اس کے یہ معنیٰ ہوں گے کہ تمام پیغمبر مسیح سے پہلے گزر چکے کوئی ان کے بعد آنیوالا نہ رہا۔ لامحالہ لام جنس لینا ہوگا۔ وہی یہاں لیا جائے اسکی تائید اس سے ہوتی ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے مصحف اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی قراءت میں "الرسل" نہیں "رسل" نکرہ ہے باقی "خلو" کی تفصیل میں صرف موت یا قتل کا ذکر اس لئے کیا کہ موت طبعی بہرحال آنے والی تھی اور قتل کی خبر اس وقت مشہور کی گئی تھی۔ اور چونکہ صورت موت کا وقوع میں آنا مقدر تھا اسلئے اس کو قتل پر مقدم کیا گیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب صحابہ کے مجمع میں یہ پوری آیہ "الشاکرین" تک بلکہ آیت ﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمۡ مَّيِّتُوۡنَ﴾ بھی پڑھی تو لوگ "قد خلت" اور "افائن مات" اور "انك میت" سے "خلو" اور "موت" کے جواز وعدم استبعاد پر متنبہ ہو گئے، جو صدیق اکبر کی غرض تھی۔ موت کے واقع ہو چکنے پر نہ صدیق اکبر نے اس سے استدلال کیا نہ کسی اور نے سمجھا۔ اگر یہ الفاظ موت واقع ہو چکنے کی خبر دیتے تو چاہیے تھا کہ نزول آیت کے وقت یعنی وفات کے سات برس پہلے ہی سمجھ لیا جاتا کہ آپکی وفات ہو چکی ہے۔ اس تقریر سے بعض محرفین کی سب تحریفات ھباء منثورا ہو جاتی ہیں۔ بخوف تطویل ہم زیادہ بسط نہیں کر سکتے۔ اہل علم کے لئے اشارے کر دیئے ہیں۔

ف۵ جب کوئی شخص بدون حکم الٰہی کے نہیں مر سکتا خواہ کتنے ہی اسباب موت کے جمع ہوں اور ہر ایک کی موت وقت مقرر پر آنی ضرور ہے خواہ بیماری یا قتل سے یا کسی اور سبب سے، تو خدا پر توکل کرنے والوں کو اس سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ اور نہ کسی بڑے یا چھوٹے کی موت کو سن کر مایوس و بددل ہو کر بیٹھ رہنا چاہیئے۔

ف۱ یعنی اگر چاہیں کما قال ﴿عَجَّلۡنَا لَهٗ فِيۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِيۡدُ﴾

ف۲ یعنی اس کو آخرت میں یقیناً بدلہ ملے گا۔ اس آیت کے پہلے جملہ میں ان لوگوں پر تعریض ہے جنہوں نے مال غنیمت کی طمع میں عدول حکمی کی۔ اور دوسرے میں انکا ذکر ہے جو برابر فرمانبرداری پر ثابت قدم رہے۔

ف۳ یعنی جو لوگ اس دین پر ثابت قدم رہیں گے ان کو دین بھی ملے گا اور دنیا بھی، لیکن جو کوئی اس نعمت کی قدر جانے (کذافی الموضح)

بار حضرات صحابہ ؓ کی اس لغزش کے عفو اور معافی کا اعلان فرمایا تا کہ حضرات صحابہ کرام ؓ کے ٹوٹے ہوئے دل دوبارہ جڑ جائیں اور محبین اور مخلصین کو جو بمقتضائے بشریت لغزش کی وجہ سے اضطراب اور بے چینی لاحق ہوئی ہے وہ مبدل بسکون و اطمینان ہو جائے اور قیامت تک ان محبین اور مخلصین (یعنی حضرات صحابہ ؓ) کے طاعنین (خوارج اور روافض) کی زبانوں پر مہر لگا دی جائے کہ خداوند ذوالجلال کے عفو اور اعلان رضاء کے بعد کسی کی مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے عاشقوں کی لغزش کو زبان پر لا سکے جس کی راہ میں لغزش ہوئی تھی، اس نے ﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ﴾ کا اعلان کر دیا۔ اب بھی اگر کوئی صحابہ کرام ؓ کو معاف نہیں کرتا تو صحابہ کرام ؓ کی بلا سے جو خدا تعالیٰ کی معافی کے بعد بھی معاف نہ کرے خدا تعالیٰ اسے معاف نہ کرے گا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ تحقیق گذر چکے ہیں تم سے پہلے بہت سے واقعات یعنی تم سے پہلے بھی مسلمانوں اور کافروں کے درمیان لڑائیاں ہوئیں۔ اور ان میں کبھی کبھی مسلمانوں کو تکلیفیں بھی پہنچی ہیں لیکن انجام بخیر ہمیشہ انہیں کا ہوا ہے پس زمین میں چل کر دیکھ لو کہ رسولوں کے جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا ان کی تباہی اور بربادی کے آثار اب بھی موجود ہیں کما قال تعالیٰ: ﴿فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً﴾ الخ ﴿فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ الخ ﴿وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ وغیرہ۔ اور یہ مضمون مذکور عام لوگوں کے لیے بیان شافی اور اظہار حقیقت ہے اور خاص خدا سے ڈرنے والے کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے جو خدا تعالیٰ کی ہدایتوں اور نصیحتوں پر عمل کرتے ہیں اور اے مسلمانو! تم اس وقت کی ہنگامی پسپائی سے ملول و مایوس ہو کر نہ ہمت ہارو اور نہ آئندہ جہاد میں سستی کرو اور جو شہید ہو گئے ہیں ان پر غمگین اور آزردہ خاطر نہ ہو اس وقت اگرچہ کافروں نے غلبہ پالیا ہے لیکن اخیر فتح تمہاری ہی ہو گی اور بالآخر باطل کے مقابلہ میں حق مظفر و منصور اور غالب ہو کر رہے گا اور تم ہی بلند اور غالب رہو گے اگر تم پورے مومن اور ٹھیک ایمان کے مقتضیٰ پر چلتے رہو اور اطاعت رسول ﷺ سے ذرہ برابر بھی انحراف نہ کرو اگر تم کو اس لڑائی میں یعنی معرکۂ احد میں کوئی زخم لگا ہے تو جماعت کفار کو بھی معرکۂ بدر میں ایسا ہی ایک زخم لگ چکا ہے باوجود اس کے وہ تم سے لڑنے میں ضعیف اور سست نہیں پڑے تو تم کیوں سست پڑتے ہو۔ تم سے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور ان سے کوئی وعدہ نہیں پھر تم کیوں حق کی حمایت میں ہمت ہارتے ہو اور علاوہ ازیں یہ دن لوگوں میں ہم باری باری سے پھیرتے رہتے ہیں۔ یعنی حق تعالیٰ بمقتضائے حکمت، فتح وشکست کے دنوں کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں کبھی اہل حق، اہل باطل پر فتح پاتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے جس میں اس علیم و حکیم کی بیشمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں اور اس غزوہ احد میں مسلمانوں کو کافروں کے ہاتھ سے تکلیف پہنچانے میں بھی چند مصلحتیں ہیں ایک تو یہ کہ سچے ایمان والوں کو منافقین سے ممتاز اور الگ کر دے۔ اہل اخلاص اور اہل نفاق دونوں کا رنگ صاف صاف اور جدا جدا نظر آنے لگے اور پکے اور سچے مسلمانوں کا جھوٹوں اور کچوں سے امتیاز ہو جائے اگر ہمیشہ اہل ایمان اور اہل حق ہی کو غلبہ اور فتح ہوا کرے تو لوگ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں گے اور ایمان لانا اختیاری نہ رہے گا اور دوسری مصلحت یہ ہے کہ تم میں سے بعض کو شہید بنائے یعنی تم میں سے بعض کو درجہ شہادت کا عطا کرے اگر ہمیشہ غلبہ اہل ایمان کو ہو تو پھر شہادت کا رتبہ کہاں سے ملے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو یعنی ناحق والوں کو دوست نہیں رکھتا پس اگر کسی وقت کافر تم پر غالب آ گئے تو اس سے نہ سمجھنا کہ خدا تعالیٰ کو ان سے محبت ہے تم مطمئن رہو۔ ہر حال میں محب اور محبوب تم ہی ہو اور تیسری مصلحت یہ ہے کہ اہل

ایمان کو نکھار دے یعنی گناہوں کا میل کچیل ان سے صاف کر دے اس لیے کہ مصائب و آلام سے اخلاص اور اعمال کا تزکیہ اور تجلیہ اور تصفیہ ہو جاتا ہے اور شہادت سے تو سوائے قرض کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور چوتھی مصلحت یہ ہے کہ کافروں کو مٹائے یہ دو طرح سے ہوگا ایک تو یہ کہ جب اہل حق اور خدا کے دوستوں پر ظلم اور تعدی ہوگا تو قہر خداوندی جوش میں آئے گا اور شدت کے ساتھ اپنے دوستوں کا اپنے دشمنوں سے انتقام لے گا دوسرے یہ کہ کافر اپنی اس عارضی فتح پر مغرور اور مسرور ہو کر ان کی جرات بڑھے گی اور دل کھول کر اور پوری تیاری اور پورے لاؤ لشکر کے ساتھ دوبارہ مسلمانوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے آئیں گے اس وقت حق تعالیٰ ان کو پوری شکست دیں گے جیسا کہ جنگ میں ایک فریق از خود اس لیے پسپا ہوتا ہے کہ پلٹ کر اور سنبھل کر اپنے دشمن پر اس طرح حملہ کردں کہ دشمن محاصرہ میں آ جائے اور کسی طرح ہمارے چنگل سے نکل نہ سکے پس یہ پسپائی صورۃً شکست ہوتی ہے مگر حقیقت میں عین فتح ہوتی ہے۔ اور غنیم ظاہر میں اگرچہ فتح یاب ہو رہا ہے لیکن درحقیقت موت کے منہ میں جا رہا ہے حق جل شانہ اپنے پیغمبروں کے دشمنوں کو اس طور سے ہلاک کرتے ہیں۔ ﴿وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حق تعالیٰ نے ان آیات میں ان مسلمانوں کو جو جنگ احد میں شریک تھے سستی اور کم ہمتی کی ممانعت فرمائی اور وقتی طور پر جو شکست پیش آئی تھی۔ تسلی کے لیے اس کی حکمتیں اور مصلحتیں بیان فرمائی اب آئندہ آیات میں اپنے محبین و مخلصین کی ایک شکایت ہے اور ایک ان کو نصیحت ہے شکایت تو یہ ہے کہ تم خود پہلے سے یہ تمنا کرتے تھے کہ کاش ہم کو بھی جنگ بدر کی طرح کوئی موقع ملے کہ ہم بھی اصحاب بدر کی طرح اللہ کی راہ میں مقتول اور شہید ہوں پس جب یہ موقع سامنے آیا پھر کیوں گھبرائے اور نصیحت یہ ہے کہ بغیر جہاد اور صبر کے سعادت اخروی نصیب نہیں ہوتی چنانچہ فرماتے ہیں کیا تم نے یہ خیال کر لیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ اور اس کے اعلیٰ مقامات اور بلند درجات پر فائز ہو جاؤ حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے ممتاز نہیں کیا ان لوگوں کو جو تم میں سے مجاہد ہیں اور نہ جدا کیا صابرین کو یعنی کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ محض مسلمان ہونے کی بنا پر بغیر جہاد کے اور بغیر تکلیف کے ہی جنت میں داخل ہو جاؤ خوب جان لو کہ جب تک حق تعالیٰ تمہارا امتحان لے کر مجاہدین کو غیر مجاہدین سے اور صابرین کو غیر صابرین سے لوگوں کی نظر میں واضح طور پر جدا اور ممتاز نہ کر دے اس وقت تک درجات عالیہ کی تمنا ایک خیال خام ہے اور شدائد و مصائب کو دیکھ کر تمہارے پائے استقامت میں کیوں تزلزل آیا حالانکہ تحقیق تم تو موت کے سامنے آنے سے پہلے ہی موت کی تمنا اور آرزو کرتے تھے تم ہی نے شوق شہادت میں جنگ احد کے وقت یہ مشورہ دیا تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنا چاہیے پس تم نے اپنی تمنا اور آرزو یعنی موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا پس جب تمہاری تمنا تمہارے سامنے آ گئی تو پھر پیچھے کیوں ہٹتے ہو اور کیوں کمزوری دکھلاتے ہو۔

اُحد کی لڑائی میں کافروں کے ناگہانی حملہ کی وجہ سے بعض مسلمانوں کے قدم ہٹ گئے اور عین اس ہنگامہ میں کسی شیطان نے پکار کر یہ کہہ دیا کہ محمد (ﷺ) مقتول ہو گئے اس خبر وحشت اثر سے مسلمانوں کے ہوش اڑ گئے اور پاؤں اکھڑ گئے اور ہمتیں ٹوٹ گئیں اس وقت بعض کمزور مسلمانوں کی زبانوں سے یہ نکلا کاش عبداللہ بن ابی ہمارے لیے ابوسفیان سے امان حاصل کر لے اور بعض منافقوں نے کہا اگر محمد ﷺ نبی ہوتے تو قتل نہ کیے جاتے اب تم اپنے بھائیوں میں شامل ہو جاؤ اور اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ جاؤ اس وقت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر

محمد ﷺ قتل ہو گئے تو کیا ہوا۔ رب محمد تو زندہ ہے اور اسے تو موت نہیں رسول اللہ ﷺ کے بعد تم زندگی کو لے کر کیا کرو گے جس چیز پر آپ ﷺ کافروں سے لڑے تم بھی اسی بات پر ان سے لڑو اور جس بات پر آپ ﷺ نے جان دے دی تم بھی اسی پر جان دے دو۔ یہ کہہ کر آگے بڑھے اور حملہ کیا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے رضی اللہ عنہ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور نہیں ہیں محمد ﷺ مگر ایک رسول یعنی پیغمبر خدا ہیں خدا نہیں جن پر موت اور فنا کا آنا محال ہو تحقیق آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے پس اگر محمد ﷺ مر جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر اپنے کفر کی طرف واپس ہو جاؤ گے پیغمبر کے قتل کی خبر سن کر پائے استقامت میں تزلزل آ جانا تمہاری شان رفیع کے لحاظ سے نمونہ ارتداد ہے۔ ابن الفارض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولوخطرت لی فی سواك ارادۃ   علی خاطری یوما حکمت برد تی

اے میرے محبوب اگر میرے دل میں تیرے سوا کا کسی وقت کوئی خیال اور خطرہ بھی آ جائے تو میں اسی وقت اپنے مرتد ہونے کا حکم لگاؤں گا۔

عاشق صادق کے دل میں محبوب کے سوا کا خطرہ آنا یہ ارتداد فی المحبت ہے اور جو شخص اپنے ایڑیوں کے بل اپنے گزشتہ دین کی طرف واپس ہو جائے گا تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا بلکہ اپنا ہی کچھ بگاڑے گا اور اللہ تعالیٰ ضرور انعام دیں گے شکر گزاروں کو شاکرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اسلام اور ایمان اور ہدایت کی نعمت کے شکر گزار ہیں۔

اور رسول ﷺ کی زندگی میں اور رسول ﷺ کی وفات کے بعد دین حق پر قائم ہیں اور خدا کے لیے اور دین کی حفاظت کے لیے کسی حال میں جہاد سے سستی نہیں کرتے کیونکہ ان کا عمل رسول ﷺ کے لیے نہیں ہے کہ اس کی وفات کے بعد وہ عمل جاتا رہے بلکہ خالص اللہ کے لیے ہے جس کو کبھی موت اور فنا نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ اس آیت میں شاکرین سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مراد ہیں جو دین پر قائم اور ثابت رہے اور ابوبکر صدیق امیر الشاکرین تھے۔ (روح المعانی: ۴/۶۷) اس آیت میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو محبانہ عتاب ہے کہ اصل معبود اور مقصود وہ حی لایموت ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں جو واسطہ فی العبودیت ہیں واسطہ کے اٹھ جانے سے پائے استقامت میں کیوں تزلزل آیا۔ امیر الشاکرین یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب خطبہ دیا تو سب کو تسلی ہو گئی اور وقتی طور پر جو اضطراب پیش آیا تھا وہ دور ہو گیا اور امیر الشاکرین (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) نے جب فتنہ ارتداد میں راہ استقامت اختیار کی اور مرتدین سے جہاد و قتال کیا تو اللہ نے ان کو اس کی جزا دی یعنی فتح دی۔

اب آگے فرماتے ہیں کہ موت ہر ایک کی مقدر ہے وقت سے پہلے کوئی مر ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا اسباب موت کے جمع ہو جانے سے جہاد و قتال میں کوئی کمزوری اور پستی نہ آنے پائے اور نہ کسی بڑے یا چھوٹے کی موت کی خبر سن کر مایوس اور بددل ہو کر بیٹھ رہنا چاہیے چنانچہ فرماتے ہیں کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں کہ بغیر حکم خداوندی مر جائے موت نوشتہ خداوندی ہے اور مقید بقید وقت ہے لہٰذا جہاد میں جی چرانے اور پرہیز کرنے سے کوئی فائدہ نہیں کوئی شخص اپنے مقررہ وقت سے پہلے نہیں مر سکتا اگرچہ وہ ساری عمر ہلاکت کے مقامات اور جنگ کے میدانوں میں گھسا رہے اور جو شخص دنیا کا نفع چاہے گا ہم اس

کو دنیا میں سے کچھ دیں گے اور جو شخص آخرت کا نفع چاہے گا ہم اس کو آخرت کے منافع میں سے دیں گے اور شکر گزاروں اور احسان ماننے والوں کو ضرور بالضرور انعام دیں گے شاکرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں اور جہاد جو کہ ایک نعمت الٰہی ہے اس میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ثابت قدم رہے اور دشمن کے مقابلہ سے نہیں ہٹے ایسے لوگوں کو خاص انعام ملے گا۔ یعنی دین بھی ملے گا اور دنیا بھی ملے گی۔ دین ان کے دل میں ہوگا اور دنیا ان کے قدموں میں ہوگی۔

ان آیات میں اشارہ اس طرف ہے کہ جہاد میں فقط دنیوی منفعت پر نظر نہ ہونی چاہیے۔ یہ کام منافق کا ہے کہ جس کا مطمح نظر فقط دنیاوی نفع ہو اور مؤمن مخلص وہ ہے کہ جس کا مطمح نظر خاص آخرت ہو اور اصلی مطمح نظر تو آخرت ہو اور تبعاً کچھ مال غنیمت بھی مطلوب ہو تو مضائقہ نہیں لیکن یہ مقام رخصت ہے مقام عزیمت نہیں عجب نہیں کہ اس آیت میں ان لوگوں پر تعریض ہو جو جناب رسول اللہ ﷺ کے خلاف حکم مورچہ چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے کے لیے پہاڑ سے نیچے اتر آئے تھے اور جو کوہ استقامت تھے وہ پہاڑ پر آپ ﷺ کے حکم کے مطابق ثابت قدم رہے یہ حضرات اصحاب عزیمت تھے اور جو لوگ پہاڑ سے اتر کر مجاہدین کے ساتھ مال غنیمت کے جمع کرنے میں آکر شریک ہوئے وہ اصحاب رخصت تھے اور یہ نیچے اترنے والے اگرچہ عزیمت کے لحاظ سے کم تھے مگر سارے عالم سے بالا اور برتر تھے۔

آسمان نسبت بہ عرش آمد فرود　　　لیک بس عالی است پیش خاک تود

فوائد ولطائف

۱- احد کی لڑائی میں ایک کافر نے پکار کر یہ کہا کہ میں محمد ﷺ کو مار آیا۔ اور آپ ﷺ کے بہت زخم آئے تھے جس سے بہت خون آیا تھا ضعف کی وجہ سے ایک گڑھے میں گر گئے۔ مسلمانوں نے آپ ﷺ کو نہ دیکھا اس لیے اُن کو آپ کی شہادت کا یقین ہو گیا محبین و عاشقین کے تو اس خبر سے ہوش اڑ گئے اور پاؤں اکھڑ گئے اور بعض منافقین یہ کہنے لگے کہ جب محمد (ﷺ) قتل ہو گئے تو ہمیں اسلام چھوڑ کر اپنے قدیم مذہب کی طرف واپس ہو جانا چاہیے۔ اور انس بن النضر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا اگر محمد (ﷺ) مقتول ہو گئے تو رب محمد ﷺ تو مقتول نہیں ہوا جس چیز پر آپ ﷺ نے جان دی اسی پر ہم کو جان دے دینی چاہیے۔

اسی اثناء میں جب آنحضرت ﷺ کو ضعف سے کچھ افاقہ ہوا اور ہشیار ہوئے تو آپ ﷺ نے آواز دی۔ الی عباد اللہ، انا رسول اللہ۔ میرے طرف آؤ اے اللہ کے بندو! میں اللہ کا رسول ہوں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو للکار کر آواز دی یا معشر المسلمین اے گروہ مسلمین تم کو بشارت ہو، رسول اللہ ﷺ یہاں موجود ہیں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سمٹ کر آپ ﷺ کے قریب جمع ہو گئے۔

۲- اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور جتلا دیا کہ اللہ کا رسول زندہ رہے یا نہ رہے دین اللہ کا ہے اس پر قائم رہنا اور اشارہ اس طرف ہے کہ آئندہ حضور پرنور ﷺ کی وفات کے بعد کچھ لوگ مرتد ہو جائیں گے اور جو قائم رہیں گے ان کو بڑا ثواب ہوگا چنانچہ اسی طرح ہوا کہ بہت سے لوگ حضرت ﷺ کے بعد مرتد ہوئے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو پھر مسلمان کیا اور بعضوں کو مارا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

۳- میدان احد میں نبی اکرم ﷺ نے بہ نفس نفیس خود مجاہدین کی صفوں کو مرتب فرمایا صفیں درست کرنے کے بعد پہاڑ کا ایک درہ باقی تھا جہاں سے اندیشہ تھا کہ دشمن لشکر اسلام پر عقب سے حملہ آور ہو جائے اس جگہ پر آپ ﷺ نے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ مقرر فرمایا جن پر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا اور یہ ہدایت فرمائی کہ تم اپنے اس مرکز کو کسی حال میں نہ چھوڑنا، مسلمان خواہ غالب ہوں یا مغلوب حتی کہ اگر تم یہ دیکھو کہ جانور ہم کو اچک کر لے جا رہے ہیں (یعنی کافر ہم پر غالب آ رہے ہیں) تو تم اپنی جگہ پر قائم رہنا یہاں تک کہ میں تمہارے پاس آدمی بھیجوں۔

اس ہدایت کے بعد جنگ شروع ہوگئی اور مجاہدینِ اسلام نے شجاعت کے جوہر دکھلائے اور اس بے جگری سے کافروں کا مقابلہ کیا کہ کافروں کو سوائے راہِ فرار کے کوئی راستہ نظر نہ آیا حق تعالیٰ نے جو فتح و نصرت کا وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا مشرکین شکست کھا کر بری طرح بھاگے۔ مجاہدین نے مالِ غنیمت پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔

پہاڑ سے جب ان پچاس تیر اندازوں نے یہ منظر دیکھا کہ کافر بھاگ چکے ہیں اور مسلمان مالِ غنیمت کے جمع کرنے میں مشغول ہیں تو سمجھے کہ فتح مکمل ہوگئی اب یہاں ٹھہرنا ضروری نہیں عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تم کو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک یاد نہیں رہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم کسی حال میں اپنی جگہ سے نہ ٹلنا انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ مطلب نہ تھا آنحضرت ﷺ کا اس حکم سے جو منشا تھا وہ پورا ہو گیا اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ خیال کر کے نیچے اتر آئے اور مالِ غنیمت جمع کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو گئے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے چند رفقاء نے کہا کہ تم کو اختیار ہے ہم نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے چنانچہ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے گیارہ ساتھی درہ کی حفاظت پر باقی رہ گئے۔

مشرکین کے سواروں کا رسالہ اس وقت خالد بن ولید کے زیر کمان تھا (جو ابھی مشرف باسلام نہ ہوئے تھے) انہوں نے دیکھا کہ درہ خالی ہے پلٹ کر درہ کی جانب سے حملہ کر دیا۔ دس بارہ تیر انداز ایک پورے رسالہ کے یلغار کی تاب نہ لا سکے تاہم عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء نے پورا مقابلہ کیا اور بالآخر جام شہادت نوش فرمایا۔

مسلمان مجاہدین، اپنے عقب سے مطمئن تھے ناگہاں مشرکین کا پورا رسالہ اور ایک فوجی دستہ ان کے سروں پر جا پہنچا اور سامنے سے مشرکین کی فوج بھاگی جا رہی تھی وہ یہ منظر دیکھ کر پلٹ پڑی۔ اب مسلمانوں کی جماعت دو طرف سے گھر گئی پیچھے سے سواروں کا دستہ آ گیا اور آگے سے پیادوں کی فوج واپس آ گئی اور خوب زور کے ساتھ مقابلہ ہوا جس میں بہت سے مسلمان شہید اور زخمی ہوئے اسی افراتفری میں عبداللہ بن قمیئہ نے ایک بھاری پتھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر پھینکا جس سے حضور ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوا اور چہرۂ انور زخمی ہوا ابن قمیئہ نے چاہا کہ آپ ﷺ کو قتل کر دے مگر مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جن کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا تھا انہوں نے حضور پر نور ﷺ کی حفاظت اور آپ ﷺ کی طرف سے مدافعت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا زخم کی شدت کی وجہ سے آپ ﷺ ایک گڑھے میں گر گئے اور صحابہ کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئے کسی شیطان نے یہ آواز لگا دی کہ محمد (ﷺ) قتل کر دیئے گئے الی آخر القصہ ناظرین اس واقعہ کو یاد رکھیں کیونکہ آئندہ آیات میں اس واقعہ کے اجزاء کی طرف بار بار اشارہ ہے ان آیات کا سمجھنا اس واقعہ کے جاننے پر موقوف ہے اس لیے اس واقعہ کا

استحضار ضروری ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا

اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں بہت خدا کے طالب پھر نہ ہارے ہیں کچھ تکلیف پہنچنے سے اللہ کی راہ میں اور نہ

اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں بہت خدا کے طالب۔ پھر نہ ہارے ہیں کچھ تکلیف پہنچنے سے اللہ کی راہ میں، اور نہ

ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا

سست ہوئے ہیں اور نہ دب گئے ہیں اور اللہ محبت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں سے ف۱ اور کچھ نہیں بولے مگر یہی کہا کہ اے رب ہمارے

سست ہوئے ہیں، نہ دب گئے ہیں۔ اور اللہ چاہتا ہے ثابت رہنے والوں کو۔ اور کچھ نہیں بولے مگر یہی کہا، کہ اے رب ہمارے!

اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ

بخش ہمارے گناہ اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمارے کام میں اور ثابت رکھ قدم ہمارے اور مدد دے ہم کو قوم کفار

بخش ہمارے گناہ اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمارے کام میں، اور ثابت رکھ قدم ہمارے اور مدد دے ہم کو منکر

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ

پر ف۲ پھر دیا اللہ نے ان کو ثواب دنیا کا اور خوب ثواب آخرت کا اور اللہ محبت رکھتا ہے

قوم پر۔ پھر دیا انکو اللہ نے ثواب دنیا کا بھی اور خوب ثواب آخرت کا۔ اور اللہ چاہتا ہے

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع

نیک کام کرنے والوں سے ف۳

نیکی والوں کو۔

ف۱ یعنی تم سے پہلے بہت اللہ والوں نے نبیوں کے ساتھ ہو کر کفار سے جنگ کی ہے۔ جس میں بہت تکلیفیں اور سختیاں اٹھائیں لیکن ان شدائد و مصائب سے نہ ان کے ارادوں میں سستی ہوئی نہ ہمت ہارے، نہ کمزوری دکھائی، نہ دشمن کے سامنے دبے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ثابت قدم رہنے والوں سے خاص محبت کرتا ہے۔ یہاں مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی اور غیرت دلائی جنہوں نے احد میں کمزوری دکھلائی تھی۔ حتیٰ کہ بعض نے یہ کہہ دیا تھا کہ کسی کو بیچ میں ڈال کر ابوسفیان سے امن حاصل کر لیا جائے مطلب یہ ہے کہ جب پہلی امتوں کے حق پرستوں نے مصائب و شدائد میں اس قدر صبر و استقلال کا ثبوت دیا اس امت کو (جو خیر الامم ہے) ان سے بڑھ کر صبر و استقامت کا ثبوت دینا چاہیے۔

ف۲ یعنی مصائب و شدائد کے ہجوم میں نہ گھبراہٹ کی کوئی بات کہی نہ مقابلہ سے ہٹ جانے اور دشمن کی اطاعت قبول کرنے کا ایک لفظ زبان سے نکالا۔ بولے تو یہی بولے کہ خداوندا! تو ہم سب کی تقصیرات اور زیادتیوں کو معاف فرما دے ہمارے دلوں کو مضبوط و مستقل رکھ، تا کہ ہمارا قدم جادۂ حق سے نہ لڑکھڑائے اور ہم کو کافروں کے مقابلہ میں مدد پہنچا، وہ سمجھے کہ بسا اوقات مصیبت کے آنے میں لوگوں کے گناہوں اور کوتاہیوں کو دخل ہوتا ہے اور ہم میں کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس سے کبھی کوئی تقصیر نہ ہوئی ہوگی۔ بہر حال بجائے اس کے کہ مصیبت سے گھبرا کر مخلوق کی طرف جھکتے اپنے خالق و مالک کی طرف جھکے۔

ف۳ یعنی دنیا میں ان کی فتح و ظفر کا سکہ بٹھا دیا، وجاہت و قبول عطا کیا اور آخرت کا جو بہترین ثواب ملا اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ دیکھو جو لوگ خدا تعالیٰ سے اپنا معاملہ ٹھیک رکھیں اور نیک کام کریں ان سے خدا ایسی محبت کرتا ہے اور ایسا پھل دیتا ہے۔

ذکر استقلال مجاہدین امم سابقہ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ...الی...وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں مسلمانوں کی کمزوری پر شکایت اور ملامت کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں بھی انبیاء سابقین کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے کافروں سے جہاد و قتال کیا اور امت کے سامنے ان کے نبی شہید ہوئے لیکن وہ لوگ ثابت قدم رہے اور خوف زدہ اور سست نہیں ہوئے تم کو بھی ایسا ہی چاہیے اور تم تو خیر الامم ہو تم کو تو ان سے بڑھ کر صبر اور استقامت کا ثبوت دینا چاہیے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کتنے ہی نبی گزرے ہیں کہ جن کے ساتھ ہو کر خدا پرستوں اور اللہ والوں نے کافروں کے ساتھ جہاد و قتال کیا مگر ان تکلیفوں کی وجہ سے جو ان کو خدا کی راہ میں پہنچیں ان سے گھبرا کر نہ تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ جہاد و قتال میں سست پڑے اور نہ دشمن کے سامنے جھکے اور نہ اس سے دبے اور نہ اس کے سامنے کوئی عاجزی ظاہر کی جیسے جنگ احد میں بعض منافقین کہنے لگے کہ کاش کوئی ہمارے لیے ابوسفیان سے امان حاصل کر لے اور اللہ تعالیٰ شدائد اور مصائب میں صبر کرنے والوں اور ثابت قدم رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ پس جس طرح ان لوگوں نے تکلیفوں کی وجہ سے ہمت نہیں ہاری اور باوجود نبی کے شہید ہو جانے کے اپنے دین کو نہیں چھوڑا جیسے نبی کی زندگی میں دین حق کی اشاعت میں کوشش کرتے رہے ویسے ہی ان کی شہادت کے بعد بھی کرتے رہے اس لیے وہ اللہ کے محبوب بنے پس تمہیں ان کے حال سے عبرت پکڑنی چاہیے اور ان اللہ والے مجاہدین کے صبر و استقامت کا یہ عالم تھا کہ ایسی مصیبت کے وقت قدم تو کیا لڑکھڑاتے، زبان میں بھی لغزش نہیں آئی اور ایسے نازک وقت میں بجائے مخلوق کی طرف جھکنے کے اپنے خالق اور مالک کی طرف جھکے۔ اور اس نازک وقت میں کچھ نہیں بولے مگر یہی کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہماری تمام تقصیرات کو اور اس کام میں ہماری تمام زیادتیوں کو معاف فرما اور دشمنوں کے مقابلہ میں ہم کو ثابت قدم رکھ، ہمارا صبر اور ہماری ثبات قدمی آپ کی تائید اور اعانت پر موقوف ہے بندہ عاجز اپنے حول و قوت سے جادہ صبر و استقامت پر قائم نہیں رہ سکتا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ پس اے پروردگار تو اپنی رحمت و عنایت سے ہم کو ثابت قدم رکھ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ تکالیف و مصائب کی وجہ سے قدم لڑکھڑا جائیں اور کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما اور ہمیں فتح دے پس اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کی بھی جزا دی یعنی دشمن کے مقابلہ میں ان کی مدد کی اور ان کو فتح دی اور ملک کی سرداری اور عزت عطا کی اور آخرت کا بھی ان کو اچھا بدلہ دیا کہ خدا تعالیٰ ان سے خوش ہوا اور انہیں اس کا قرب نصیب ہوا اور جنت کی وہ نعمتیں جو نہ کسی کی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خطرہ گزرا اور آخرت کے ثواب کو اچھا اس لیے فرمایا کہ آخرت کے ثواب میں کسی شر اور ضرر کی آمیزش نہیں پھر یہ کہ آخرت کا ثواب باقی ہے اور دنیا کا فانی عاقل کا کام یہ ہے کہ باقی کو فانی پر ترجیح دے اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں یعنی مخلصوں کو محبوب رکھتا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ مصائب و شدائد میں توبہ و استغفار میں لگ جائے بسا اوقات مصیبت کے آنے میں گناہوں کو کچھ دخل ہوتا ہے۔

غم چو آمد زود استغفار کن غم بامر خالق آمد کار کن

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا

اے ایمان والو اگر تم کہا مانو گے کافروں کا تو وہ تم کو پھیر دیں گے الٹے پاؤں پھر جا پڑو گے تم

اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے منکروں کا، تو تم کو پھیر دیں گے الٹے پاؤں، پھر جا پڑو گے

خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

نقصان میں ف۱ بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور اس کی مدد سب سے بہتر ہے ف۲ اب ڈالیں گے ہم کافروں کے دل میں

نقصان میں۔ بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور اس کی مدد سب سے بہتر۔ اب ڈالیں گے ہم کافروں کے دل میں

الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى

ہیبت اس واسطے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کا جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے

ہیبت، اس واسطے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کا جس کی اسنے سند نہیں اتاری۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور بری بستی

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ

ظالموں کا ف۳ اور اللہ تو سچا کر چکا تم سے اپنا وعدہ جب تم قتل کرنے لگے ان کو اس کے حکم سے ف۴ یہاں تک کہ جب تم نے نامردی کی

بےانصافوں کی۔ اور اللہ تو سچ کر چکا تم سے اپنا وعدہ جب تم لگے ان کو کاٹنے اس کے حکم سے۔ جب تک کہ تم نے نامردی کی،

ف۱ یعنی جنگ احد میں مسلمانوں کے دل ٹوٹے تو کافروں اور منافقوں نے موقع پایا۔ بعض الزام اور طعنے دینے لگے۔ بعض خیر خواہی کے پردہ میں سمجھانے لگے تا کہ آیندہ لڑائی پر دلیری نہ کریں۔ حق تعالیٰ خبردار کرتا ہے کہ دشمن کا فریب مت کھاؤ اگر خدا نکردہ انکے چکموں میں آ ؤ گے تو جس ظلمت سے خدا نے نکالا ہے پھر الٹے پاؤں اسی میں جا گرو گے اور رفتہ رفتہ دین حق کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔ جس کا نتیجہ دنیا و آخرت کے خسارے کے سوا کچھ نہیں۔ پہلے اللہ والوں کی راہ پر چلنے کی ترغیب دی تھی۔ یہاں بد باطن شریروں کا کہا ماننے سے منع کیا تا کہ مسلمان ہوشیار رہیں، اور اپنا نفع نقصان سمجھ سکیں۔

ف۲ لہٰذا اسی کا کہنا ماننا چاہیے اور اسی کی مدد پر بھروسہ رکھنا چاہیے جس کی مدد پر خدا ہو اس کو کیا حاجت ہے کہ دشمنان خدا کی مدد کا منتظر رہے یا ان کے سامنے گردن اطاعت خم کرے۔ حدیث میں ہے کہ احد سے واپسی کے وقت ابوسفیان نے "ہبل" کی جے پکاری اور کہا "لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جواب دو۔ "اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم"۔

ف۳ یعنی یہ تو تمہارا امتحان تھا۔ اب ہم کافروں کے دلوں میں ایسی ہیبت اور رعب ڈال دیں گے کہ وہ باوجود تمہارے زخمی اور کمزور ہونے اور نقصان اٹھانے کے تم پر پلٹ کر حملہ کرنے کی جرات نہ کر سکیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ ابوسفیان اپنی فوج لے کر بے نیل مرام میدان سے بھاگا۔ راستہ میں ایک مرتبہ خیال بھی آیا کہ ایک تھکی ماندہ زخم خوردہ فوج کو ہم یوں ہی آزاد چھوڑ کر چلے آئے۔ چلو پھر واپس ہو کر ان کا کام تمام کر دیں، مگر ہیبت حق اور رعب اسلام کے اثر سے ہمت نہ ہوئی کہ اس خیال کو عمل میں لا سکے۔ برخلاف اس کے مسلمان مجاہدین نے "حمراء الاسد" تک ان کا تعاقب کیا اور اس کے بعد کبھی موقع نہ دیا کہ احد کے واقعات کا اعادہ ہو سکے۔ (تنبیہ) مشرک خواہ کتنا ہی زور دکھلائے اس کا دل کمزور رہتا ہے کیونکہ وہ کمزور مخلوق کی عبادت کرتا ہے۔ بس جیسا معبود ویسے عابد ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ﴾ اور ویسے بھی اصلی زور و قوت تو فی الحقیقت خدا کی تائید و امداد سے ہے جس سے کفار مشرکین یقیناً محروم ہیں۔ اسی لئے جب تک مسلمان، مسلمان رہے، ہمیشہ کفار ان سے خائف و مرعوب رہے۔ بلکہ ہم آج تک مشاہدہ کرتے ہیں کہ باوجود مسلمانوں کے سخت انتشار و شکست اور ضعف و تنزل کے دنیا کی تمام کافر طاقتیں اس سوئے ہوئے زخمی شیر سے ڈرتی رہتی ہیں۔ اور ہمیشہ فکر رکھتی ہیں کہ یہ قوم بیدار ہونے نہ پائے۔ علمی اور مذہبی مناظروں میں بھی اسلام کا یہی رعب مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا رعب ایک مہینہ کی مسافت سے دشمنوں کے دل میں ڈال دیا جاتا ہے بیشک اسی کا اثر ہے جو امت مسلمہ کو ملا۔ فللّٰہ الحمد علیٰ ذلک ولہ المنۃ۔ ....=

وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَآ أَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۚ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ

اور کام میں جھگڑا ڈالا اور نافرمانی کی ف۱ بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی چیز کوئی تم میں سے چاہتا تھا

اور کام میں جھگڑا ڈالا، اور بے حکمی کی، بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی چیز۔ کوئی تم میں چاہتا تھا

الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا

دنیا اور کوئی تم میں سے چاہتا تھا آخرت ف۲ پھر تم کو الٹ دیا ان پر سے تاکہ تم کو آزماوے ف۳ اور وہ تو تم کو معاف کر چکا ف۴

دنیا، اور کوئی تم میں چاہتا تھا آخرت۔ پھر تم کو الٹ دیا ان پر سے، اس واسطے کہ تم کو آزمائے۔ اور وہ تم کو معاف کر چکا۔

عَنْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ إِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى أَحَدٍ

اور اللہ کا فضل ہے ایمان والوں پر ف۵ جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور پیچھے پھر کر نہ دیکھتے تھے کسی کو

اور اللہ فضل رکھتا ہے ایمان والوں پر۔ جب تم چڑھے جاتے تھے اور پیچھے نہ دیکھتے تھے کسی کو،

وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ أُخْرٰىكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا ۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ

اور رسول پکارتا تھا تم کو تمہارے پیچھے سے ف۶ پھر پہنچا تم کو غم عوض میں غم کے تاکہ تم غم نہ کیا کرو اس پر جو ہاتھ سے نکل جاوے

اور رسول پکارتا تھا تم کو پچھاڑی میں، پھر تم کو تنگ کیا بدلہ تمہارے تنگ کرنے کا، تو غم نہ کھایا کرو جو ہاتھ سے جاوے

=ف۱۴ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ اگر صبر و استقلال سے کام لو گے، حق تعالیٰ تم کو غالب کرے گا۔ چنانچہ خدا نے اپنا وعدہ ابتدائے جنگ میں سچا کر دکھایا، انہوں نے خدا کے حکم سے کفار کو مار مار کر ڈھیر کر دیا۔ سات یا نو آدمی جنکے ہاتھ میں مشرکین کا جھنڈا یکے بعد دیگرے دیا گیا تھا، سب وہیں کھیت ہوئے آخر بدحواس ہو کر بھاگے مسلمان فتح و کامرانی کا چہرہ صاف دیکھ رہے تھے اور اموال غنیمت ان کے سامنے پڑے تھے کہ تیر اندازوں کی غلطی سے خالد بن الولید نے فائدہ اٹھایا اور ریک بیک لڑائی کا نقشہ بدل دیا جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

ف۱ یعنی پیغمبر علیہ السلام نے جو حکم تیر اندازوں کو دیا تھا اس کا خلاف کیا اور آپس میں جھگڑنے لگے، کوئی کہتا تھا کہ ہم کو یہیں جمے رہنا چاہیے، اکثر نے کہا اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں چل کر غنیمت حاصل کرنی چاہیئے۔ آخر اکثر تیر انداز اپنی جگہ چھوڑ کر چلے گئے۔ مشرکین نے اسی راستہ سے دفعۃً حملہ کر دیا۔ دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبر مشہور ہو گئی۔ ان چیزوں نے قلوب میں کمزوری پیدا کر دی جس کا نتیجہ فشل و جبن کی صورت میں ظاہر ہوا گویا فشل کا سبب تنازع اور تنازع کا سبب عصیان تھا۔

ف۲ یعنی بعضے لوگ دنیاوی متاع (مال غنیمت) کی خوشی میں پھسل پڑے۔ جس کا خمیازہ سب کو بھگتنا پڑا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے پہلے میں نے کبھی محسوس نہ کیا تھا کہ ہم میں کوئی آدمی دنیا کا طالب بھی ہے۔

ف۳ یعنی یا تو وہ تمہارے سامنے سے بھاگ رہے تھے، اب تم ان کے آگے سے بھاگنے لگے۔ تمہاری غلطی اور کوتاہی سے معاملہ الٹا اور اس میں بھی تمہاری آزمائش تھی۔ تاکہ پکے اور کچے صاف ظاہر ہو جائیں۔

ف۴ یعنی جو غلطی ہوئی، خدا تعالیٰ اسے بالکل معاف کر چکا۔ اب کسی کو جائز نہیں کہ ان پر اس حرکت کی وجہ سے طعن و تشنیع کرے۔

ف۵ کہ ان کی کوتاہیوں کو معاف کر دیتا ہے اور عتاب میں بھی لطف و شفقت کا پہلو ملحوظ رکھتا ہے۔

ف۶ یعنی تم بھاگ کر پہاڑوں اور جنگلوں کو چڑھے جا رہے تھے اور گھبراہٹ میں پیچھے مڑ کر بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے۔ اس وقت خدا کا پیغمبر بدستور اپنی جگہ کھڑا ہوا تم کو اس قبیح حرکت سے روکتا تھا اور اپنی طرف بلا رہا تھا۔ مگر تم تشویش و اضطراب میں آواز کہاں سننے والے تھے۔ آخر جب کعب بن مالک رضی اللہ عنہ چلائے تب لوگوں نے سنا اور فوراً واپس آ کر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے۔

وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً

اور نہ اس پر کہ جو کچھ پیش آ جاوے ف۱ اور اللہ کو خبر ہے تمہارے کام کی ف۲ پھر تم پر اتارا تنگی کے بعد امن کو جو اونگھ تھی کہ ڈھانک لیا اس اونگھ نے

اور جو سامنے آوے۔ اور اللہ کو خبر ہے تمہارے کام کی۔ پھر تم پر اتاری تنگی کے بعد اونگھ، کہ گھیر رہی تھی

نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ

بعض کو تم میں سے ف۳ بعضوں کو فکر پڑ رہا تھا اپنی جان کا ف۴ خیال کرتے تھے اللہ پر جھوٹے

تم میں بعضوں کو، اور بعضوں کو فکر پڑا تھا اپنے جی کا، خیال کرتے تھے اللہ پر، جھوٹے

ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ

خیال جاہلوں جیسے ف۵ کہتے تھے کچھ بھی کام ہے ہمارے ہاتھ میں ف۶ تو کہہ سب کام ہے اللہ کے ہاتھ ف۷

خیال جاہلوں کے۔ کہتے تھے کچھ بھی کام ہے ہمارے ہاتھ ؟ تو کہہ سب کام ہے اللہ کے ہاتھ۔ اپنے

ف۱ یعنی تم نے رسول کا دل تنگ کیا اس کے بدلے تم پر تنگی آئی۔ غم کا بدلہ غم ملا۔ تاکہ آگے کو یاد رکھو کہ ہر حالت میں رسول کے حکم پر چلنا چاہیے خواہ کوئی نفع کی چیز مثلاً غنیمت وغیرہ ہاتھ سے جائے، یا کچھ بلا سامنے آئے۔

(تنبیہ) اکثر مفسرین نے ﴿فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ﴾ کے معنی یوں کئے ہیں کہ خدا نے تم کو غم پر غم دیا۔ یعنی ایک غم تو ابتدائی فتح و کامیابی کے فوت ہونے کا تھا۔ دوسرا اپنے آدمیوں کے مارے جانے اور زخمی ہونے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر شہادت مشہور ہونے سے پہنچا۔ بعض نے یہ مطلب لیا ہے کہ فتح و کامرانی کے فوت ہونے، غنیمت کے ہاتھ سے نکل جانے اور نقصان جانی و بدنی اٹھانے کا جو غم تھا، اس کے عوض میں ایک ایسا بڑا غم دیدیا گیا۔ جس نے پہلے سب غموں کو بھلا دیا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتول ہونے کی افواہ۔ اسی غم کی شدت میں آگے پیچھے کا کچھ ہوش نہ رہا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بھی نہ سنی، جیسا کہ ایک طرف ہمہ تن مشغول ہونے کے وقت دوسری طرف ذہول و غفلت پیش آ جاتی ہے۔

ف۲ یعنی تمہارے احوال اور نیتوں کو جانتا ہے اور اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے۔

ف۳ یعنی اس جنگ میں جن کو شہید ہونا تھا ہو چکے اور جن کو ہٹنا تھا، ہٹ گئے اور جو میدان میں باقی رہے ان میں سے مخلص مسلمانوں پر حق تعالیٰ نے ایک دم غنودگی طاری کر دی، لوگ کھڑے کھڑے اونگھنے لگے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کئی مرتبہ تلوار چھوٹ کر زمین پر گری، یہ ایک حسی اثر اس باطنی سکون و اطمینان کا تھا جو ایسے ہنگامہ رستخیز میں مومنین کے قلوب پر محض خدا کے فضل و رحمت سے وارد ہوا اس کے بعد دشمن کا خوف و ہراس سب کافور ہو گیا۔ یہ کیفیت عین اس وقت پیش آئی جب لشکر مجاہدین میں نظم و ضبط قائم نہ رہا تھا۔ بیسیوں لاشیں خاک و خون میں تڑپ رہی تھیں، سپاہی زخموں سے چور ہو رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی افواہ نے رہے سہے ہوش و حواس کھو دیئے تھے، گویا یہ سونا بیدار ہونے کا پیام تھا۔ غنودگی طاری کر کے ان کی ساری تھکن دور کر دی گئی اور متنبہ فرما دیا کہ خوف و ہراس اور تشویش و اضطراب کا وقت جا چکا۔ اب مامون و مطمئن ہو کر اپنا فرض انجام دو۔ فوراً صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو کر لڑائی کا محاذ قائم کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد مطلع صاف تھا۔ دشمن سامنے سے بھاگتا نظر آیا۔ (تنبیہ) ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عین لڑائی کے موقع پر نعاس (اونگھ) کا طاری ہونا اللہ کی طرف سے (فتح و ظفر کی علامت ہے) حضرت علی کی فوج کو "صفین" میں ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔

ف۴ یہ بزدل اور ڈرپوک منافقین ہیں جن کو نہ اسلام کی فکر تھی نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی، محض اپنی جان بچانے کی فکر میں ڈوبے ہوئے تھے کہ کہیں ابوسفیان کی فوج نے دوبارہ حملہ کر دیا تو ہمارا کیا حشر ہوگا۔ اس خوف و فکر میں اونگھ یا نیند کہاں۔

ف۵ یعنی وہ اللہ کے وعدے کہاں گئے، معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا قصہ ختم ہوا۔ اب پیغمبر اور مسلمان اپنے گھر واپس جانے والے نہیں سب یہیں کام آئیں گے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا۔ ﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا﴾

ف۶ یعنی کچھ بھی ہمارا کام بنا رہے گا یا بالکل بگڑ چکا۔ یا یہ کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے والوں کے ہاتھ میں کچھ بھی فتح و ظفر آئی۔ یا یہ معنی کہ اللہ نے جو چاہا سو کیا، ہمارا یا کسی کا کیا اختیار؟ یہ تو الفاظ کے ظاہری معنی تھے لیکن جو دل میں نیت تھی وہ آگے آتی ہے۔

فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ

وہ اپنے جی میں چھپاتے ہیں جو تجھ سے ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں اگر کچھ کام ہوتا ہمارے ہاتھ تو ہم مارے نہ جاتے اس جگہ ف۱

جی میں چھپاتے ہیں جو تجھ سے ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں اگر کچھ کام ہوتا ہمارے ہاتھ تو ہم مارے نہ جاتے اس جگہ۔

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ

تو کہہ اگر تم ہوتے اپنے گھروں میں البتہ باہر نکلتے جن پر لکھ دیا تھا مارا جانا اپنے پڑاؤ پر ف۲

تو کہہ اگر تم ہوتے اپنے گھروں میں البتہ باہر نکلتے جن پر لکھا تھا مارے جانا اپنے پڑاؤ پر۔

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

اور اللہ کو آزمانا تھا جو کچھ تمہارے جی میں ہے اور صاف کرنا تھا اس کا جو تمہارے دل میں ہے اور اللہ جانتا ہے

اور اللہ کو آزمانا تھا جو کچھ تمہارے جی میں ہے، اور نکھارنا تھا جو کچھ تمہارے دل میں ہے، اور اللہ کو معلوم ہے

الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ

دلوں کے بھید ف۳ جو لوگ تم میں سے ہٹ گئے جس دن لڑیں دو فوجیں سو ان کو بہکا دیا شیطان نے

جی کی بات۔ جو لوگ تم میں ہٹ گئے جسدن بھڑیں دو فوجیں، سو ان کو ڈگایا شیطان نے کچھ

=ف۷ یعنی منافقین کا یہ قول ﴿هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ﴾ کلمۃ حق ارید بہا الباطل ہے۔ بیشک یہ صحیح ہے کہ تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں، سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے، جس کو چاہے بنائے یا بگاڑے، غالب کرے یا مغلوب، آفت بھیجے یا راحت، کامیاب کرے یا ناکام۔ ایک ہی واقعہ کو ایک قوم کے حق میں رحمت اور دوسری کے لئے نقمت بنا دے، سب اس کے قبضہ میں ہے۔ مگر تم اس قول سے اپنے دل میں جو معنی لے رہے ہو خدا تمہارے دل کے چور سے واقف ہے، جسے آگے بیان کیا جائے گا۔

ف۱ اصل چور دل کا یہ تھا ﴿هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ﴾ کہہ کر دل میں یہ مطلب لیتے تھے اور پکے مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر آپس میں بھی کہتے ہونگے کہ میاں شروع میں ہماری رائے نہ مانی۔ چند جوشیلے ناتجربہ کاروں کے کہنے پر مدینہ سے باہر لڑنے چلے گئے، آخر منہ کی کھائی۔ اگر کچھ کام ہمارے اختیار میں ہوتا اور ہمارے مشورہ پر عمل کیا جاتا تو اس قدر نقصان کیوں اٹھانا پڑتا ہماری برادری کے اتنے آدمی مارے گئے، کیوں مارے جاتے اکثر منافقین نسباً انصار مدینہ کی برادری میں شامل تھے، اس لئے ماقتلنا ھٰھنا میں ان کے مارے جانے کو اپنا مارا جانا کہا) یا یہ مطلب ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کے موافق فتح وظفر اور غلبہ مسلمانوں کے لئے ہوتا تو یہ قتل وجرح کی مصیبت ہم پر کیوں ٹوٹتی۔ (تنبیہ) بظاہر یہ باتیں منافقین نے مدینہ میں کہیں۔ کیونکہ عبداللہ بن ابی، جنگ شروع ہونے سے پیشتر اپنی جمعیت کو ساتھ لیکر واپس ہو گیا تھا۔ اس صورت میں "ھٰھنا" کا اشارہ قرب کی وجہ سے احد کی طرف ہوگا۔ لیکن بعض روایات سے ایک منافق معتب بن قشیر کا میدان جنگ میں یہ کلمات کہنا ثابت ہوتا ہے۔ تو شاید بعض منافقین عبداللہ بن ابی کے ہمراہ کسی مصلحت سے واپس نہ ہوئے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی اس طعن وتشنیع یا حسرت وافسوس سے کچھ حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی جو اجل، موت کی جگہ سبب اور وقت لکھ دیا ہے کبھی ٹل نہیں سکتا۔ اگر تم گھروں میں گھسے بیٹھے رہتے اور فرض کرو تمہاری ہی رائے سنی جاتی تب بھی جن کی قسمت میں احد کے قریب جس جس پڑاؤ پر مارا جانا لکھا جا چکا تھا وہ کسی نہ کسی سبب سے ضرور ادھر نکلتے اور وہیں مارے جاتے، یہ خدا کا انعام ہے کہ جہاں مارا جانا مقدر تھا مارے گئے، مگر اللہ کے راستہ میں خوشی کے ساتھ بہادروں کی موت شہید ہوئے۔ پھر اس پر پچھتانے اور افسوس کرنے کا کیا موقع ہے؟ مردان خدا کو اپنے پر قیاس مت کرو۔

ف۳ یعنی اللہ تعالیٰ تو دلوں کے پوشیدہ بھید جانتا ہے، اس سے کسی کی کوئی حالت پوشیدہ نہیں۔ مقصود یہ تھا کہ تم سب کو ایک آزمائش میں ڈالا جائے۔ تاکہ جو کچھ=

ع بِبَعۡضِ مَا كَسَبُوۡا ۚ وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهُمۡ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ﴿۱۵۵﴾

ان کے گناہ کی شامت سے اور ان کو بخش چکا اللہ، اللہ بخشنے والا ہے تحمل کرنے والا ف۱

ان کے گناہ کی شامت سے۔ اور ان کو بخش چکا اللہ بیشک اللہ بخشنے والا ہے تحمل رکھتا۔

ترہیب مومنین از قبول مشورہ کفار ومنافقین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِيۡعُوا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ... الی ... اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں خدا پرستوں اور اللہ والوں کی راہ اور طریق پر چلنے کی ترغیب تھی۔ اب ان آیات میں اعداء اللہ بد باطنوں کے کہا ماننے سے منع فرماتے ہیں تاکہ مسلمان ہشیار رہیں اور ان کے دھوکہ میں نہ آئیں چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو اگر تم کافروں کا کہا مانو گے اور ان کے مشورہ پر عمل کرو گے تو یہ تم کو الٹے پاؤں کفر کی طرف پھیر دیں گے تو پھر تم دنیا اور آخرت کے خسارہ اور نقصان میں جا پڑو گے اگر تم کافروں کی پناہ میں آ گئے اور ان کی حکومت قبول کر لی جیسا کہ بعض منافقین تم کو مشورہ دیتے ہیں خوب سمجھ لو کہ اس میں دنیا اور آخرت کا خسارہ اور دونوں جہان کی ذلت ہے ان کو ہرگز اپنا دوست اور معین و مددگار نہ سمجھو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز اور مددگار ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب ابوسفیان احد سے واپس ہونے لگا اور "ھبل بت کی جے" پکاری اور یہ کہا کہ "لنا العزی ولا عزی لکم" تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ ؓ کو حکم دیا کہ یہ جواب دو "اللہ مولانا ولا مولی لکم" اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے پس اے مسلمانو تم اللہ کی مدد پر بھروسہ کرو۔ ابوسفیان اور عبداللہ بن ابی کی مدد کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔ یہ تو تمہارا امتحان تھا اب دیکھو کہ ہم کافروں کے دل میں تمہارا رعب اور تمہاری ہیبت ڈالتے ہیں جس سے تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ خیر الناصرین کس طرح بغیر قتال کے مدد کرنے پر قادر رہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ تم گھبراؤ نہیں اب ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں تمہاری ہیبت اور دہشت ڈالیں گے کہ ان کا ظاہری کروفر کچھ کام نہ آئے گا اور باوجود تمہارے کمزور اور زخمی ہونے کے پلٹ کر تم پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب ابوسفیان اور مشرکین، احد سے مکہ کی طرف واپس ہوئے تو راستہ میں خیال آیا کہ جب ہم نے مسلمانوں کو شکست دے دی تھی تو بلا کام تمام کیے ہم کیوں واپس ہوئے اب چل کر ان مسلمانوں کا بالکل کام تمام کر دینا چاہیے جب یہ ارادہ پختہ کر چکے تو یکایک اللہ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ دوبارہ حملہ کی ہمت نہ ہوئی آگے فرماتے ہیں کہ کافروں کی مرعوبیت کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک کیا جن کی

= تمہارے دلوں میں ہے وہ باہر نکل پڑے، امتحان کی بھٹی میں کھرا کھوٹا الگ ہو جائے مخلصین کامیابی کا صلہ پائیں اور ان کے قلوب آئندہ کے لئے وساوس اور کمزوریوں سے پاک وصاف ہوں۔ منافقین کا اندرونی نفاق کھل جائے اور لوگ صاف طور پر ان کے خبث باطن کو سمجھنے لگیں۔

ف۱ مخلصین سے بھی بعض اوقات کوئی چھوٹا بڑا گناہ سرزد ہو جاتا ہے اور جس طرح ایک طاعت سے دوسری طاعت کی توفیق بڑھتی ہے ایک گناہ کی نحوست سے شیطان کو موقع ملتا ہے کہ دوسری غلطیوں اور لغزشوں کی طرف آمادہ کرے۔ جنگ احد میں بھی جو مخلص مسلمان ہٹ گئے تھے، کسی پچھلے گناہ کی شامت سے شیطان نے بہکا کر ان کا قدم ڈگمگا دیا چنانچہ ایک گناہ تو یہی تھا کہ تیر اندازوں کی بڑی تعداد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پابندی نہ کی مگر خدا کا فضل دیکھو کہ اس کی سزا میں کوئی تباہ کن شکست نہیں دی بلکہ ان حضرات پر اب کوئی گناہ بھی نہیں رہا حق تعالیٰ کلیۃً ان کی تقصیر معاف کر چکا ہے۔ کسی کو طعن وملامت کا حق نہیں۔

شرکت پر کوئی دلیل اور حجت نہیں اور جو شخص اپنے دین پر بغیر دلیل کے اعتقاد رکھتا ہو اس کو کبھی سکون واطمینان نہیں نصیب ہوسکتا وہ ہمیشہ خلجان اور اضطراب میں رہتا ہے اور وہمیات کا اتباع کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہمیات کی اتباع سے قلب میں قوت نہیں آتی وہمیات کا اتباع کرنے والا ہر وقت وہمی خطرات سے ڈرتا رہتا ہے۔ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ چور ہیں اللہ کے اور چور کے دل میں ڈر ہوتا ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ ان کے دل میں ہیبت ڈالے گا۔ انتہی

یہ تو مشرکین کی دنیا کا حال ہے اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا ٹھکانہ بہت ہی برا ہے۔

فائدہ:...... جاننا چاہیے کہ یہ حکم غزوۂ احد کے ساتھ مخصوص نہیں مسلمان اگر حقیقی معنی میں مسلمان ہوں تو کافر ضرور ان سے مرعوب ہوں گے کافروں کا مرعوب ہونا ایمان اور اس کے آثار پر موقوف ہے لہٰذا آج کل جو مسلمانوں کی دہشت کافروں کے دل میں نہیں دیکھی جاسکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں لفظ اسلام کا موجود ہے اور معنی اسلام اور ایمان کے مفقود ہیں خاص کر مغرب زدہ ذہنیتیں اسلامی عقائد اور اعمال سے بالکل بے بہرہ ہیں اور ان کا ظاہر و باطن مغربیت کے رنگ میں رنگین ہے۔ یورپ ان کو اپنا عاشق متملق سمجھتا ہے اور ظاہر ہے کہ معشوق عاشق سے کیوں ڈرے گا۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اب آگے شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ جب اس خیر الناصرین نے احد میں امداد اور اعانت کا وعدہ فرمایا تھا تو پھر یہ ہزیمت اور شکست کیسے ہوئی اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے آئندہ آیت نازل فرمائی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جبکہ تم کافروں کو ابتدائی حملہ میں اس کے حکم سے گھانس کی طرح کاٹ رہے تھے یعنی حق تعالیٰ نے تم سے فتح ونصرت کا وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا ابتداء جنگ میں تم نے کافروں کو کھیت کی طرح کاٹ کے رکھ دیا۔ یہاں تک کہ جب تم نے بزدلی کی اور پیغمبر خدا نے جو تم کو حکم دیا تھا کہ اس مرکز پر جمے رہنا اس میں تم نے اختلاف کیا بعض نے کہا ہم کو یہیں جما رہنا چاہیے اور اکثر نے یہ کہا کہ اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں فتح مکمل ہوگئی اور کافر پشت پھیر کر بھاگ رہے ہیں اس لیے ہم کو چل کر مال غنیمت جمع کرنا چاہیے اور حکم رسول کی تم نے نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری محبوب چیز آنکھوں سے دکھلائی یعنی فتح ونصرت تم میں سے کوئی دنیا کا مال ومنال یعنی غنیمت کو چاہتا تھا اگرچہ وہ دنیا حلال ہی کیوں نہ ہو اور کوئی تم میں سے آخرت کا طلب گار تھا پس اکثر لوگ پہاڑ سے اتر آئے اور مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہوگئے۔ مشرکین نے اسی درہ کے راستہ سے فوراً مسلمانوں پر حملہ کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو ان کافروں سے پھیر دیا اور تم کو فتح کے بعد شکست دی تاکہ تمہارا امتحان کرے کہ ان شدائد اور مصائب میں کون اسلام پر قائم رہتا ہے اور کون اس کا ساتھ چھوڑتا ہے۔

ف:...... عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس آیت ﴿مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا﴾ کے نازل ہونے سے یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ہم میں کوئی آدمی دنیا کا طالب بھی ہے (تفسیر ابن کثیر ج ۱) اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری لغزش کو بالکل معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ ایمان اور اخلاص والوں پر بڑا فضل فرمانے والے ہیں اور حق تعالیٰ نے جب ان کی غلطی کو معاف

کر دیا تو کسی خارجی اور رافضی کو ان کی اس لغزش پر کسی قسم کی طعن وتشنیع جائز نہیں یاد کرو اس وقت کو جب تم خوف اور دہشت کی وجہ سے دور بھاگے جا رہے تھے اور پیچھے مڑ کر بھی کسی کو نہیں دیکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ تم کو پس پشت پکار رہے تھے الی عباد اللہ الی عباد اللہ میری طرف آؤ اے اللہ کے بندو۔ میری طرف آؤ اے اللہ کے بندو پس اللہ تعالیٰ نے اس کی پاداش میں تم کو غم پر غم دیا یعنی کئی طرح کے غموں میں مبتلا کیا ایک غم دشمن کے غالب آنے کا ایک غم اپنے مارے جانے اور زخمی ہونے کا اور ایک غم نبی اکرم ﷺ کے سر مبارک کے زخمی ہونے اور دندان مبارک کے شہید ہونے کا اور ایک غم رسول اللہ ﷺ کے قتل کی جھوٹی خبر کے مشہور ہو جانے کا اور ایک غم فتح کے بعد شکست ہو جانے کا اور ایک غم منافقین کی شماتت کا اور اس غم پر غم دینے کی حکمت اور مصلحت یہ تھی کہ آئندہ کے لیے تم میں پختگی پیدا ہو جائے اور یہ بات دلوں میں بیٹھ جائے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے کسی حال میں عدول نہ چاہیے حتی کہ تم کندن بن جاؤ اور صبر کے اس درجہ عادی ہو جاؤ کہ آئندہ ❶ کو غم نہ کیا کرو ان چیزوں پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہیں اور نہ غم کیا کرو ان تکلیفوں پر جو تم کو پہنچیں یعنی تمہارے دلوں سے دنیا کی محبت ایسی اٹھ جائے کہ نہ اقبال پر خوش ہوا کرو اور نہ ادبار پر غم کیا کرو۔ دنیاوی منافع اور مضرتوں کا وجود اور عدم تمہاری نظروں میں یکساں ہو جائے۔ ہر حال میں مشیت الٰہی پر راضی رہا کرو اور ایلام دوست بہ از انعام دوست کو پیش نظر رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے اس کو خوب معلوم ہے کہ تمہاری کیا نیت تھی، اس وقت کی شکست سے گھبراؤ مت۔ انجام تمہارا فتح ونصرت پر ہوگا اور پھر حق تعالیٰ نے اس غم کے بعد تمہارا غم دور کرنے کے لیے تم پر ایک امن نازل کیا یعنی ایک اونگھ اتاری جو تم میں سے ایک گروہ کو گھیر رہی تھی یہ مومنین مخلصین کا گروہ تھا۔ جن پر ایک دم حق تعالیٰ نے غنودگی طاری کر دی لوگ کھڑے کھڑے اونگھنے لگے یہاں تک کہ بعض صحابہ کی یہ حالت ہوئی کہ تلوار اٹھاتے تھے اور گر جاتی تھی اس نیند سے مسلمانوں کے دلوں سے کفار کا رعب نکل گیا۔ یہ غنودگی من جانب اللہ ایک نوع کی سکینت اور طمانینت تھی جو حق تعالیٰ کے محض فضل ورحمت سے اس ہنگامہ میں مومنین مخلصین کے قلوب پر نازل ہوئی یہ کیفیت عین اس وقت پیش آئی جب کہ مسلمانوں کی لاشیں خاک وخون میں تڑپ رہی تھیں اور حضور پرنور ﷺ کے قتل کی خبر سے رہے سہے ہوش وحواس بھی جاتے رہے تھے اس وقت کی یہ نیند، بیداری کا پیام تھا اور اس امر کی بشارت تھی کہ اضطراب اور پریشانی دور ہوئی اور سکون اور اطمینان کا وقت آ گیا اب مطمئن ہو کر راہِ خدا میں جہاد کرو قاعدہ ہے کہ انسان کو نیند اسی وقت آتی ہے کہ جب اس کو پورا امن اور اطمینان حاصل ہو خوف وہراس کے وقت نیند نہیں آتی پس دشمن کے مقابلہ پر میدان جنگ میں نیند کا آنا مسلمانوں کے حق میں ایک نعمت الٰہی تھا جس میں ان کی فتح کا راز مضمر تھا۔ کیونکہ ان کو اس اونگھ سے چند فائدے پہنچے ایک تو یہ کہ دشمن کا خوف وہراس اس دل سے دور ہوا۔ دوم یہ کہ رفقاء کے مقتول ومجروح ہونے کا جو قلق اور صدمہ تھا وہ ہلکا ہوا۔ سوم یہ کہ جنگ کا جو تعب اور تکان تھا وہ سب یک لخت دور ہو گیا۔ اور از سرِ نو تازہ دم ہو گئے اور دشمن کے مقابلہ میں دلیر ہو گئے یہ حال تو مومنین مخلصین کا تھا۔ اور بعضوں یعنی منافقوں کو اپنی جانیں بچانے کی فکر اور اسی کا غم لگا ہوا تھا وہ اطمینان اور امن کی نیند سے بالکل محروم تھے

❶ بعض علماء کا قول ہے کہ لکیلا میں لا زائدہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ ہم نے تم کو غم پر غم دیا تا کہ اس منفعت کے فوت کا تم کو رنج ہو جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہی اور اسی طرح اس تکلیف کا تم کو رنج ہو جو تم کو پہنچی کیونکہ یہ تمہاری نافرمانی کی سزا ہے جس سے مقصود محض تمہاری تنبیہ وتادیب ہے۔ واللہ اعلم

انہیں تو یہ فکر تھی کہ یہاں سے کس طرح جان بچا کر نکلیں۔حق تعالیٰ نے مسلمانوں پر تو اونگھ نازل کر کے ان کے دلوں سے دشمنوں کا خوف دور کر دیا۔منافقین پر نیند نہ طاری کی اس لیے کہ ان پر دشمنوں کا خوف مستولی رہا اور خوف کی وجہ سے منافقوں کو اپنی جانوں کی فکر پڑ گئی حق تعالیٰ کے ساتھ جاہلانہ اور احمقانہ ناحق بدگمانی کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے جو فتح ونصرت کے وعدے کیے تھے وہ کہاں گئے۔ظاہری حالت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کا قصہ ختم ہوا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا﴾ الآیۃ منافقین کو خدا تعالیٰ کے وعدوں پر وثوق نہ تھا صرف غنیمت کے لالچ سے جنگ میں شریک ہو گئے تھے کہتے یہ تھے کہ آیا ہمارا بھی اس کام میں کچھ اختیار ہے۔بظاہر تو مطلب یہ تھا کہ تقدیر کے سامنے تدبیر نہیں چلتی۔

سو حق تعالیٰ نے اس کی واقعیت بیان کر کے ارشاد فرمایا آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ بے شک سب اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے یہ جواب تو منافقین کے الفاظ کے ظاہری معنی کے اعتبار سے تھا اب آئندہ آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس قول سے منافقین کی دل میں کیا نیت تھی اور ان کا دلی مطلب کیا تھا اس قول سے انکاری مطلب یہ تھا کہ اگر ہماری رائے پر چلتے اور مدینہ سے باہر جا کر نہ لڑتے تو ہم مقتول نہ ہوتے آئندہ آیت میں اس قول سے ان کی نیت اور دلی مطلب مع جواب کے مذکور ہے چنانچہ فرماتے ہیں چھپاتے ہیں یہ منافقین اپنے دلوں میں وہ باتیں جو صراحتاً ظاہر نہیں کرتے ظاہر میں تو یوں کہتے ہیں کہ اگر اس کام میں ہمارا کچھ اختیار ہوتا تو ہم اس جگہ پر نہ مارے جاتے یہ کلام ظاہر کے لحاظ سے ٹھیک ہے کہ تقدیر کے سامنے تدبیر نہیں چلتی مگر دلی مطلب ان کا یہ تھا کہ اگر ہمارے مشورہ پر عمل کرتے اور مدینہ سے باہر نکل کر نہ لڑتے اور ہماری کچھ شنوائی ہوتی تو ہم کیوں مارے جاتے تو اے نبی آپ ﷺ ان کے دلی مطلب کے جواب میں کہہ دیجئے کہ اے مدعیان تدبیر واختیار اگر تم اپنے گھروں میں بھی مامون ومطمئن بیٹھے ہوئے ہوتے تو جن کی تقدیر میں قتل لکھا ہوا تھا تو وہ خود بخود اپنے قتل گاہوں کی طرف نکل پڑتے ان کا گمان یہ ہے کہ اگر مدینہ میں اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے اور میدان احد میں نہ نکلتے تو نہ مارے جاتے سو یہ گمان غلط ہے۔قضاء وقدر بند کوٹھریوں سے نکال کر قتل کے لیے میدان میں لا کر کھڑا کر دیتی ہے۔لہٰذا منافقین کا مسلمانوں کو یہ الزام دینا کہ انہوں نے ہم کو لا کر مروایا ہے غلط ہے موت تو کسی حال میں ٹلتی نہیں البتہ بہترین موت وہ ہے کہ جو خدا کی راہ میں آئے اور بڑا ہی خوش نصیب ہے کہ جو بہادروں کی موت مرے اور خدا کی راہ میں شہید ہو جائے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حق جل شانہ نے غزوہ احد میں مسلمانوں کے ساتھ جو معاملہ فرمایا اس میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں من جملہ ان کے یہ ہے کہ اللہ کی قضا وقدر ظاہر ہو اور جس کے لیے شہادت کی مبارک موت مقدر ہے اس کو شہادت کی کرامت وعزت حاصل ہو اور تا کہ تمہارے سینوں میں جو چیز پوشیدہ ہے اس کا امتحان لے کہ ان میں کس درجہ کا ایمان واخلاص ہے مصیبت کے وقت اخلاص اور نفاق ظاہر ہو جاتا ہے اور تا کہ اس شکست سے تمہارے دلوں میں جو کچھ کھوٹ ہے اس کو نکھار دے جیسے آگ سونے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے خدا تعالیٰ کے آزمانے کے معنی یہ ہیں کہ جو بات اس کے علم ازلی میں ہے وہ سب پر ظاہر ہو جائے اور نکھارنے کے معنی یہ ہیں کہ احد کے مصائب سے ان کو یہ علم ہو جائے کہ رسول

اللہ ﷺ کی نافرمانی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ یکدم فتح شکست سے بدل جاتی ہے تو ان کے دلوں میں جو نافرمانی کا کچھ کھوٹ ہے وہ بالکل جاتا رہے اور نظر بالکلیہ اسباب ظاہری سے اٹھ جائے اور دل توجہ الی غیر اللہ سے منزہ ہو جائے اور اس طرح خالص کندن بن جائیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو سینوں میں چھپا ہوا ہے مطلب یہ کہ اسے کسی آزمائش کی حاجت نہیں مگر آزمانے میں اس کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جن کا نہ اظہار ضروری ہے اور نہ جاننا ضروری ہے۔

شاہ عبدالقادر قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔ اس شکست میں جن کو شہید ہونا تھا ہو چکے اور جن کو ہٹنا تھا ہٹ گئے اور جو میدان میں باقی رہ گئے ان پر اونگھ آئی اس کے بعد رعب اور دہشت دفع ہو گیا۔ اور اتنی دیر میں حضرت ﷺ کو غشی رہی پھر جب ہوشیار ہوئے سب نے حضرت ﷺ کے پاس جمع ہو کر پھر لڑائی قائم کی اور ست ایمان والے کہنے لگے کچھ بھی کام ہمارے ہاتھ ہے ظاہر یہ معنی کہ اس شکست کے بعد کچھ بھی ہمارا کام بنا رہے گا یا بالکل بگڑ چکا یا یہ معنی کہ اللہ نے چاہا سو کیا ہمارا کیا اختیار اور نیت میں یہ معنی تھے کہ ہماری مشورت پر عمل نہ کیا جو اتنے لوگ مرے اللہ نے دونوں معنوں کا جواب فرما دیا اور بتایا کہ اللہ کو اس میں حکمت منظور تھی تا کہ صادق اور منافق معلوم ہو جائیں۔ (موضح القرآن)

تحقیق تم میں سے جن لوگوں نے پشت پھیری جس دن کہ مسلمانوں اور کافروں کی دو جماعتیں باہم مقابل ہوئیں۔ یعنی احد کے روز سو جز ایں نیست کہ ان کا یہ بھاگنا کفر و ارتداد کی بناء پر نہ تھا بلکہ ان کی ایک لغزش تھی کہ شیطان نے بعض اعمال کی نحوست اور شامت کی وجہ سے ان کا قدم پھسلا دیا مسلمانوں کا قدم تو ٹھیک ہی راہ پر جا رہا تھا مگر اس درمیان مورچہ کو چھوڑ کر غنیمت پر دوڑے تو اس معصیت کی نحوست سے شیطان کو موقع مل گیا اس لیے کہ شیطان کا داؤ اس وقت چلتا ہے جب انسان کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان کا بھاگنا بمقتضائے بشریت لغزش قدم تھی معاذ اللہ دیدہ و دانستہ کوئی نافرمانی نہ ہوئی تھی۔ شیطان ایسے ہی محبین و مخلصین کی تاک میں رہتا ہے کبھی کچھ داؤ چل بھی جاتا ہے۔ اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے ان محبین کی اس لغزش کو بالکل معاف کر دیا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے اور بردبار ہیں کہ نہ دنیا میں کوئی سزا ہے اور نہ آخرت میں کوئی مواخذہ اور نہ باز پرس ہے تمام عالم کو حق تعالیٰ نے سنا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا بالکلیہ معاف کر دی اب کسی کی یہ مجال نہیں کہ ان پر طعن یا ملامت کرے حق تعالیٰ کی معافی کے بعد جو ان پر طعن کرے گا وہ مجرم اور قصور وار ٹھہرے گا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي

اے ایمان والو تم نہ ہو ان کی طرح جو کافر ہوئے ف۱ اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو ف۲ جب وہ سفر کو نکلیں

اے ایمان والو! تم نہ ہو ان کی طرح جو منکر ہوئے، اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو جب سفر کو نکلیں

ف۱ یعنی تم ان کافر منافقوں کی طرح ایسے لغو خیالات کو زنہار دل میں جگہ نہ دینا کہ گھر میں بیٹھے رہتے تو نہ موت آتی، نہ مارے جاتے۔

ف۲ چونکہ منافقین ظاہر میں مسلمان بنے ہوئے تھے، اس لئے مسلمانوں کو اپنا بھائی کہا، یا اس لئے کہ نسبی طور پر وہ اور انصار مدینہ برادری کے بھائی بند تھے۔ اور چونکہ یہ بات خیر خواہی و ہمدردی کے پیرایہ میں کہتے تھے اس لئے لفظ اخوان سے تعبیر کیا گیا۔

الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً

ملک میں یا ہوں جہاد میں اگر رہتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ اللہ ڈالے اس گمان سے افسوس

ملک میں یا ہوں جہاد میں، کہ اگر رہتے ہم پاس نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ اور اللہ اس سے ڈالے افسوس

فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ

ان کے دلوں میں ف۱ اور اللہ ہی جلاتا ہے اور مارتا ہے ف۲ اور اللہ تمہارے سب کام دیکھتا ہے ف۳ اور اگر تم مارے گئے اللہ کی راہ

ان کے دل میں۔ اور اللہ ہے جلاتا اور مارتا۔ اور اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے۔ اور اگر تم مارے گئے اللہ کی راہ

اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى

میں یا مر گئے ف۴ تو بخشش اللہ کی اور مہربانی اس کی بہتر ہے اس چیز سے جو وہ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو البتہ

میں یا مر گئے تو بخشش اللہ کی اور مہربانی بہتر ہے اس سے جو جمع کرتے ہیں۔ اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے،

اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اللہ ہی کے آگے اکٹھے ہو گے تم سب ف۵

اللہ ہی پاس اکٹھے ہو گے۔

ف۱ یعنی خواہ مخواہ باہر نکل کر مرے۔ ہمارے پاس اپنے گھر پڑے رہتے تو کیوں مرتے یا کیوں مارے جاتے۔ یہ کہنا اس غرض سے تھا کہ سننے والے مسلمانوں کے دل میں حسرت و افسوس پیدا ہو کہ واقعی بے سوچے سمجھے نکل کھڑے ہونے اور لڑائی کی آگ میں کود پڑنے کا یہ نتیجہ ہوا۔ گھر رہتے تو یہ مصیبت کیوں دیکھنی پڑتی۔ مگر مسلمان ایسے کچے نہ تھے جو ان چکموں میں آ جاتے، ان باتوں سے الٹا منافقین کا بھرم کھل گیا بعض مفسرین نے ﴿لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ میں "لام عاقبت" لے کر یوں معنی کئے ہیں کہ منافقین کے زبان و دل پر یہ باتیں اس لئے جاری کی گئیں کہ خدا ان کو ہمیشہ اسی حسرت و افسوس کی آگ میں جلتا چھوڑ دے اور دوسری حسرت ان کو یہ رہے کہ مسلمان ہماری طرح نہ ہوئے اور ہماری باتوں پر کسی نے کان نہ دھرا، اس طرح لیجعل کا تعلق لاتکونوا الخ سے بھی ہو سکتا ہے۔

ف۲ یعنی مارنا جلانا اللہ کا کام ہے۔ بہتیرے آدمی عمر بھر سفر کرتے اور لڑائیوں میں جاتے ہیں، مگر موت گھر میں بستر پر آتی ہے اور کتنے ہی آدمی گھر کے کونے میں پڑے رہنے کے خوگر ہیں لیکن اخیر میں خدا کوئی سبب کھڑا کر دیتا ہے کہ وہ باہر نکلیں اور وہیں مریں یا مارے جائیں۔ بندہ کی روک تھام سے یہ چیز ٹلنے اور بدلنے والی نہیں۔ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت فرمایا کہ میرے بدن پر ایک بالشت جگہ تلوار یا نیزہ کے زخم سے خالی نہیں، مگر آج میں ایک اونٹ کی طرح (گھر میں) مر رہا ہوں فَلَا نَامَتْ اَعْيُنُ الْجُبَنَاءِ (خدا کرے یہ دیکھ کر نامردوں کی آنکھیں کھلیں)

ف۳ کہ منافقین و کفار کس راستہ پر جا رہے ہیں اور مسلمان کہاں تک انکے تشبہ اور پیروی سے علیحدہ رہتے ہیں۔ ہر ایک کو اس کی حالت کے مناسب بدلہ دیگا۔

ف۴ یعنی اسی کی راہ میں۔

ف۵ یعنی فرض کرو تم سفر یا جہاد میں نہ نکلے اور فی الحال موت سے بچ گئے مگر ضروری ہے کہ کبھی نہ کبھی مرو گے یا مارے جاؤ گے پھر بہر حال خدا کے سامنے سب کو جمع ہونا ہے۔ اس وقت پتہ چل جائے گا کہ جو خوش قسمت اللہ کی راہ میں نیک کام کرتے ہوئے مرے یا مارے گئے تھے ان کو خدا تعالیٰ کی بخشش و مہربانی سے کیسا وافر حصہ ملا، جس کے سامنے تمہاری دنیا کی کمائی اور جمع کی ہوئی دولت و ثروت سب ہیچ ہے۔ الحاصل اگر منافقین ہی کا قول تسلیم کر لیا جائے کہ گھر سے نہ نکلتے تو نہ مارے جاتے، تب بھی سراسر خسارہ تھا، کیونکہ اس صورت میں اس موت سے محروم رہ جاتے جس پر ایسی ایسی لاکھوں زندگیاں قربان کی جا سکتی ہیں، بلکہ جو حقیقت میں موت نہیں حیات ابدی ہے ۔

فنائی اللہ کی تہ میں بقاء کا راز مضمر ہے   جو جینا ہے تو مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ

ممانعت از مشابہت کفار

قال تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا... الی... لَإِلَى اللهِ تُحْشَرُونَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں منافقین کا یہ مقولہ نقل فرمایا تھا کہ ﴿لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا﴾ یہ مقولہ ان منافقین کا تھا جو جنگ احد میں شریک تھے جس کی تردید گزر چکی اب ان آیات میں اسی قسم کا ایک اور مقولہ منافقین کا ذکر کرتے ہیں وہ مقولہ یہ ہے ﴿لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا﴾ لیکن یہ مقولہ ان منافقین کا ہے کہ جو جنگ میں شریک نہ تھے چونکہ اس قسم کے اقوال سے کمزور مسلمانوں کے دلوں میں وساوس پیدا ہونے کا اندیشہ تھا اس لیے حق تعالیٰ آئندہ آیات میں مسلمانوں کو ایسے اقوال اور احوال میں کافروں کی مشابہت اور موافقت سے منع فرماتے ہیں کہ مبادا ایسی باتوں کے سننے سے ایمان والوں کا قدم نہ پھسل جائے۔ یا یوں کہو کہ پہلی آیت میں شیطان جنی کے بہکانے سے قدم کا ڈگمگانا اور پھسلنا مذکور تھا اور اس آیت میں شیاطین الانس کے بہکانے کا ذکر ہے کیوں کہ شیاطین الانس یعنی کفار اور منافقین شیاطین الجن کے اخوان اور بھائی ہی تو ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے ایمان والو تم ان لوگوں کے مشابہ اور مانند نہ بنو جو حقیقت میں کافر ہیں اگرچہ ظاہرا اپنے کو مسلمان کہتے ہیں یعنی منافق ہیں۔

اور حدیث میں ہے "من تشبہ بقوم فھو منھم" جو شخص جس قوم کے مشابہ بنے وہ اللہ کے نزدیک اسی قوم میں شمار ہوگا اور تشبہ میں درجات ہیں کبھی تشبہ کامل ہوتا ہے اور کبھی ناقص جس درجہ کا تشبہ ہوگا اسی درجہ کی وعید اس پر مرتب ہوگی اور اپنے بھائیوں کے حق میں جب کہ وہ ملک میں بغرض تجارت وغیرہ سفر میں نکلتے ہیں اور اتفاق سے وہاں مرجاتے ہیں یا جہاد میں ہوتے ہیں اور وہاں شہید ہوجاتے ہیں تو ان کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس ٹھہرے رہتے اور سفر اور جہاد میں نہ جاتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے اور بھائیوں سے مراد یا تو نسبی بھائی ہیں کیونکہ جنگ احد میں جو لوگ شہید ہوئے وہ کسی نہ کسی کافر کے رشتہ دار اور برادری ہی کے لوگ تھے یا میل ملاپ بھائی ہیں یا اس وجہ سے کہ منافقین ظاہر میں مسلمان بنے ہوئے تھے اس لیے مسلمانوں کو اپنا بھائی کہہ دیا یا ان کو باعتبار ہم جنس اور بنی آدم ہونے کے بھائی کہا۔

حق تعالیٰ کافروں کے اس قول کو بیان کر کے فرماتے ہیں کہ اس قسم کا قول ان کے لیے ذرہ برابر مفید نہیں بلکہ اس کا انجام[1] یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس سخن کو ان کے دلوں میں حسرت اور افسوس کا سبب بنائے گا۔ یعنی ان باتوں کا نتیجہ سوائے حسرت کے کچھ نہ ہوگا قتل اخوان کا صدمہ اپنی جگہ پر رہے گا اور اس قسم کی باتوں سے حسرت اور افسوس کے تکلیف کا اور اضافہ ہوجائے گا مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو تم ان منافقین کی باتوں پر کان نہ دھرنا اور اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے۔ سفر اور جہاد کو موت میں اور وطن میں رہنے اور جہاد میں نہ جانے کو حیات میں کوئی دخل نہیں بسا اوقات وطن میں رہنے والا مرجاتا ہے اور مسافر اور مجاہد خطرات اور ہلاکت کے میدانوں سے صحیح سالم واپس آجاتا ہے گھر تو کیا موت کو تو آہنی قلعہ بھی نہیں روک سکتا اور اے مومنو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے کہ کوئی لفظ تمہاری زبان سے کافروں کے مشابہ اور مانند تو نہیں نکلتا۔ آگے

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿لِيَجْعَلَ اللهُ﴾ میں لام عاقبت کے لیے ہے جیسے ﴿لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا﴾ میں۔ ۱۲

اشارہ فرماتے ہیں کہ خدا کی راہ میں مرجانے کو موجب حسرت نہ سمجھو بلکہ اس کو موجب فرح و مسرت سمجھو اور اے مسلمانو اگر تم اللہ کی راہ میں مارے گئے یا مر گئے تو بلاشبہ اللہ کی مغفرت اور اس کی رحمت اس مال و متاع سے کہیں بہتر ہے جسے یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔ اس آیت سے خدا تعالیٰ کا مقصود مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینا ہے اور یہ سمجھانا ہے کہ جہاد میں مارا جانا دنیا کی زندگی سے کہیں بہتر ہے اس لیے کہ زندگی کا فائدہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ انسان زندہ رہ کر اپنی محنت و مشقت سے کچھ مال و متاع جمع کرے اور چند روزہ زندگی میں اس سے فائدہ اٹھائے بخلاف راہ خدا میں مارے جانے سے خدا تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کا صلہ ملتا ہے وہ تمام دنیا کے مال و متاع سے کہیں بہتر ہے اس لیے کہ دنیا کی تمام لذتوں اور منفعتوں میں مضرتوں کی آمیزش ہے دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جس میں خالص نفع ہی ہو اور نقصان نہ ہو پھر یہ کہ یہ فانی اور چند روزہ ہیں اور اگر کچھ دیر پا بھی ہوں تو ان کا جمع کرنے والا دنیا میں مہمان ہے ممکن ہے کہ جن چیزوں کو کمال محنت اور جانفشانی سے جمع کیا ان سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور کل سے پہلے ہی مرجائے یا وہ مال و منال اس کے پاس سے جاتا رہے لہٰذا دنیاوی مال و متاع کے فوت ہوجانے کو موجب حسرت نہ سمجھو بلکہ ترک جہاد کو موجب حسرت سمجھو اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے خواہ خدا کی راہ میں یا کسی اور طریق سے تو ہر حالت میں تم اللہ ہی کی طرف اٹھائے جاؤ گے اور جب دونوں حالتوں میں خدا ہی کی طرف جانا ہے تو پھر خدا کی راہ میں جان دینا بہتر ہے تا کہ اس کی مغفرت اور رحمت حاصل ہو۔

ف:...... اوپر کی آیت میں اللہ کی راہ میں مارے جانے کا مرجانے کا حکم بیان فرمایا اب اس آیت میں عام موت اور عام قتل کا حکم بیان فرمایا کہ موت خواہ کسی طرح آئے بہر حال خدا ہی کے پاس جانا ہے تو پھر اللہ کی راہ میں کیوں نہ مرو کہ وہ تمہیں اس کا ثواب دے اور تمہاری جان رائیگاں نہ جائے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی ساری عمر جہاد میں گزاری اور شہادت کی تمنا میں رہے مگر شہید نہ ہوئے وفات کے وقت فرمایا کہ میرے بدن پر کوئی جگہ تیر و تلوار کے زخم سے خالی نہیں مگر افسوس آج اونٹ کی طرح گھر میں بستر پر مر رہا ہوں۔

"فلا نامت اعین الجنباء"۔ خدا کرے بزدلوں کی آنکھیں کبھی ٹھنڈی نہ ہوں۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

فنا فی اللہ کی تہ میں بقا کا راز مضمر ہے — جو جینا ہے تو مرنے کے لیے تیار ہوجاؤ

نکتہ:...... حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس دار العلوم دیوبند فرمایا کرتے تھے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ خواہ مخواہ شہادت کی تمنا میں پڑے ہوئے تھے ان کا شہید ہونا ناممکن تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ کا لقب دیا تھا۔ یعنی اللہ کی تلوار اور ظاہر ہے کہ اللہ کی تلوار کو کون توڑ سکتا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠

سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا ان کو اور اگر تو ہوتا تندخو سخت دل تو متفرق ہوجاتے تیرے پاس سے

سو کچھ اللہ کی مہر ہے، جو تو نرم دل ملا ان کو۔ اور اگر تو ہوتا سخت گو اور سخت دل تو منتشر ہوجاتے تیرے گرد سے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ

سو تو ان کو معاف کر اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے مشورہ لے کام میں پھر جب قصد کر چکا تو اس کام کا تو پھر بھروسہ کر

سو تو ان کو معاف کر، اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے مشورت لے کام میں۔ پھر جب ٹھہر چکا تو بھروسا کر اللہ پر

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾ إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا

اللہ پر اللہ کو محبت ہے توکل والوں سے ف۱ اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہ ہو سکے گا اور اگر مدد نہ کرے تمہاری تو پھر

اللہ چاہتا ہے توکل والوں کو۔ اگر اللہ تم کو مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہ ہوگا۔ اور جو وہ تم کو چھوڑ دے گا پھر

الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾

ایسا کون ہے جو مدد کر سکے تمہاری اس کے بعد اور اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے مسلمانوں کو ف۲

کون ہے کہ تمہاری مدد کرے گا اس کے بعد۔ اور اللہ پر بھروسا چاہیے مسلمانوں کو۔

خطاب خداوند عالم بسوئے نبی اکرم ﷺ برائے عفو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

قَالَ تَعَالٰى: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ... الى ... وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾

ف۱ مسلمانوں کو ان کی کوتاہیوں پر متنبہ فرمانے اور معافی کا اعلان سنانے کے بعد نصیحت کی تھی کہ آئندہ اس مار آستین جماعت کی باتوں سے فریب مت کھانا۔ اس آیت میں ان کے عفو تقصیر کی تکمیل کی گئی ہے چونکہ جنگ احد میں سخت خوفناک غلطی اور زبردست کوتاہی مسلمانوں سے ہوئی تھی، شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل خفا ہوا ہوگا اور چاہا ہوگا کہ آئندہ ان سے مشورہ لے کر کام نہ کیا جائے، اس لئے حق تعالیٰ نے نہایت عجیب وغریب پیرایہ میں ان کی سفارش کی اول اپنی طرف سے معافی کا اعلان کر دیا، کیونکہ خدا کو معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ اور رنج خالص اپنے پروردگار کے لئے ہوتا ہے، پھر فرمایا ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ﴾ یعنی اللہ کی کتنی بڑی رحمت آپ پر اور ان پر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر خوش اخلاق اور نرم خو بنا دیا۔ کوئی اور ہوتا تو خدا جانے ایسے سخت معاملہ میں کیا رویہ اختیار کرتا، یہ سب کچھ اللہ ہی کی مہربانی ہے کہ تجھ جیسا شفیق، نرم دل پیغمبر ان کو مل گیا۔ فرض کیجئے اگر خدا نہ کردہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل سخت ہوتا اور مزاج میں شدت ہوتی تو یہ قوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد کہاں جمع رہ سکتی تھی، ان سے کوئی غلطی ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت پکڑتے تو شرم و دہشت کے مارے پاس بھی نہ آسکتے اس طرح یہ لوگ بڑی خیر و سعادت سے محروم رہ جاتے اور جمعیت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا لیکن حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نرم دل اور نرم خو بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اصلاح کے ساتھ ان کی کوتاہیوں سے اغماض کرتے رہتے ہیں۔ سو یہ کوتاہی بھی جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کا تعلق ہے معاف کر دیجئے اور گو خدا اپنا حق معاف کر چکا ہے، تاہم ان کی مزید دلجوئی اور تطییب خاطر کے لئے ہم سے بھی ان کے لئے معافی طلب کریں تاکہ یہ شکستہ دل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور انبساط محسوس کر کے بالکل مطمئن و منشرح ہو جائیں اور صرف معاف کر دینا ہی نہیں آئندہ بدستور ان سے معاملات میں مشورہ لیا کریں، مشاورت کے بعد جب ایک بات طے ہو جائے اور پختہ ارادہ کر لیا جائے، پھر خدا پر توکل کر کے اس کو بلا پس وپیش کر گزرے۔ خدا تعالیٰ متوکلین کو پسند کرتا اور ان کے کام بنا دیتا ہے۔ (تنبیہ) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا۔ "عزم" کیا ہے؟ فرمایا مشاورۃ اھل الرائی ثم اتباعھم (ابن کثیر) اور مجمع الزوائد میں حضرت علی کی حدیث ہے یارسول اللہ جو بات ہم کتاب وسنت میں نہ پائیں اس میں کیا طریقہ استعمال کریں؟ فرمایا فقہاء عابدین (سمجھدار خدا پرستوں) سے مشورہ کرو ولا تمضوا فیہ رائی خاصۃ (اور کسی اکے دکے کی رائے مت جاری کرو)۔

ف۲ پہلے آپ کو فرمایا تھا "بھروسہ کر اللہ پر" یہاں بتلایا کہ بھروسہ کے لائق ایسی ہی ذات ہو سکتی ہے جو سب سے زبردست اور غالب ہو سب مسلمانوں کو اس کی امداد پر توکل کرنا چاہئے گویا مسلمانوں کی تقصیر خود معاف کرنے اور اپنے پیغمبر سے معاف کرا دینے کے بعد ان کو نصیحت کی جاتی ہے کہ کسی کے کہنے سننے میں نہ آئیں خالص خدا پر بھروسہ رکھیں، اس کی مدد ہوگی تو کوئی طاقت تم پر غالب نہیں آسکتی، جیسے "بدر" میں دیکھ چکے، اور کسی مصلحت سے وہ مدد نہ کرے تو پھر کوئی مدد نہیں کر سکتا جیسا کہ احد میں تجربہ ہو گیا۔

احد کے دن جو بعض مسلمانوں سے لغزش ہوئی تو اس سے آنحضرت ﷺ کا دل رنجیدہ ہوا تو اندیشہ تھا کہ آپ ﷺ ان کو ملامت کریں اور آئندہ ان سے مشورہ نہ لیا کریں۔ حق تعالیٰ نے صحابہ ﷺ کی سفارش فرمائی کہ آپ ﷺ ان کا قصور معاف فرمادیں اور حسب دستور ان سے معاملات میں مشورہ کیا کریں۔ ان کی ساتھ تلطف اور نرمی کا معاملہ فرمائیں چنانچہ حضور پرنور ﷺ نے جنگ احد سے واپسی کے بعد ان کے ساتھ نہایت نرمی کا معاملہ فرمایا اور لغزش پر کوئی ملامت نہیں کی اس بارہ میں یہ آئندہ کی آیتیں نازل ہوئیں پس اس لغزش اور عدول حکمی کے باوجود اللہ کی رحمت سے آپ ﷺ ان کے لیے نرم ہو گئے اور آپ ﷺ نے ان کو کوئی ملامت نہیں کی اور اگر بالفرض والتقدیر خدانخواستہ آپ ﷺ درشت خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس سے منتشر اور پراگندہ ہو جاتے اس لیے کہ سخت خو اور سخت دل کتنا ہی باکمال کیوں نہ ہو لوگ اس کے پاس جمع نہیں ہوتے اس صورت میں یہ لوگ آپ ﷺ کی ہدایت اور نصیحت سے محروم ہو جاتے اور تمہاری دعوت قبول نہ کرتے اور آپ ﷺ کا اجر بھی متبعین کی قلت کی وجہ سے کم ہو جاتا پس آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں ان سے جو کوتاہی ہوئی اس سے درگزر کیجئے اور اس پر کوئی مواخذہ نہ کیجئے اور حق تعالیٰ کے حکم میں جو کوتاہی ہوگئی اس میں آپ ان کے لیے دعاء مغفرت کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خطا اور کوتاہی کو معاف فرمائے اور حسب دستور آپ ﷺ ان سے ان کاموں میں مشورہ لیتے رہیے جن کے بارہ میں اللہ کی طرف سے کوئی قطعی حکم نازل نہیں ہوا تا کہ آپ ﷺ کے اس تلطف اور عنایت کو دیکھ کر یہ شکستہ خاطر مطمئن ہو جائیں کہ حضور پرنور ﷺ ہم سے راضی ہو گئے صرف معاف کر دینے سے دل مطمئن نہیں ہوتا جب تک کہ معاملہ شفقت وعنایت کا نہ کیا جائے پس مشورہ کے بعد جب کوئی بات طے ہو جائے اور آپ ﷺ اس پر پختہ ارادہ فرمالیں تو اللہ پر بھروسہ کیجئے نہ کہ مشورہ پر اپنے مشورہ اور تدبیر پر اعتماد نہ کرنا بلکہ اللہ کی امداد اور تائید پر نظر رکھنا تحقیق اللہ تعالیٰ توکل والوں کو محبوب رکھتا ہے عقل کے لحاظ سے اگرچہ صحابہ کا گروہ عقلاء کا گروہ ہے اور بلاشبہ قابل مشورہ ہے مگر اعتماد اور بھروسہ اللہ پر چاہیے نہ کہ عقلاء پر اس لیے کہ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہی چھوڑ دے تو پھر وہ کون ہے جو اس کی مدد چھوڑنے کے بعد تمہاری مدد کرے اور اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے ایمان والوں کو عقلاء کے مشورہ اور تدبیر پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے عقل اور عقلاء سب اس کے ہاتھ میں ہیں اسلام کی یہی تعلیم ہے کہ اسباب کو ترک نہ کریں بلکہ ان سے کام لیں مگر اسباب کو مؤثر حقیقی نہ سمجھیں۔ مؤثر حقیقی قادر مطلق کو سمجھیں اور نظر اسی پر رکھیں اور اسباب کو واسطہ سے زیادہ کچھ نہ سمجھیں۔

فائدہ ا:...... ﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا﴾ میں حق تعالیٰ مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ تشبہ اور مشابہت سے منع فرماتا ہے کہ اخلاق وعادات اور لباس اور معاشرت میں ان کے مشابہ نہ بنیں۔ حق تعالیٰ نے اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ تم کافر نہ بنو بلکہ یہ فرمایا کہ تم کافروں کے مشابہ نہ بنو کافر ہونا اور چیز ہے اور کافر کے مشابہ بننا اور چیز ہے اوباش بننا اور چیز ہے اور اوباشوں کے مشابہ اور ہم شکل اور ہم رنگ ہو جانا اور چیز ہے۔

حدیث میں ہے "من تشبه بقوم فهو منهم" راوہ ابوداؤد عن ابن عمر والطبرانی عن حذیفه رضی اللہ عنہم جو شخص کسی قوم کے مشابہ بنتا ہے پس وہ شخص انہی میں سے شمار ہوگا جیسے پاکستان کا کوئی فوجی سپاہی، بھارت کے فوجی سپاہی کی وردی پہن لے تو اگر مسلمان سپاہی اس کے گولی ماردے تو جرم نہ ہوگا۔ یا کوئی افسر سرکاری دفتر سے

پاکستانی جھنڈا اتار کر بھارت کا جھنڈا اس پر لہرا دے تو اسی وقت قابل معزولی ہوگا اور اگر وہ افسر یہ تقریر کرنے لگے کہ میں نے صرف ایک کپڑے کا ٹکڑا اور لکڑی کا ایک ڈنڈا ہی بدل دیا ہے اس کا کیا مضائقہ ہے اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ میں حکومت پاکستان کا مخالف ہوں تو کیا حکومت کے نزدیک اس افسر کی یہ تقریر دل پذیر ہوگی اور اس کو معزولی سے بچا سکے گی۔

اسی طرح سمجھو کہ احکم الحاکمین یہ حکم دیتا ہے کہ جن کو ہم نے اپنی کتاب (قرآن) میں مغضوب اور ملعون اور گمراہ قرار دیا ہے ان کے تشبہ سے پرہیز کرو حیرت ہے کہ مجازی اور فانی حکومت میں تو دشمنانِ حکومت کا تشبہ بالاتفاق قبیح اور ممنوع ہو اور احکم الحاکمین کے دشمنوں سے تشبہ کا جب ذکر آئے تو اس کو تنگ نظری سمجھیں۔ بلکہ دشمنوں کے ساتھ تشبہ کی ممانعت اور قباحت کا مسئلہ کافروں کے نزدیک بھی مسلم ہے بھارت کے کسی سپاہی یا فوجی افسر کی یہ مجال نہیں کہ وہ مسلمانوں کا سا لباس اختیار کرے اور علیٰ ہذا کسی یورپین حکومت کے وزیر یا افسر کی یہ مجال نہیں کہ وہ جبہ اور دستار پہن کر اجلاس کر سکے نہ معلوم ان مغرب زدہ ذہنیتوں کی غیرت کہاں چلی گئی خوب سمجھ لو کہ اپنے مذہبی اور قومی شعار اور امتیاز کو چھوڑ کر غیر قوم کے شعار اور امتیاز کو اختیار کرنا اول تو یہ غیرت کے خلاف ہے دوم یہ کہ غیروں کا تشبہ عملی طور اپنی کمتری اور دوسری قوم کی برتری کے اقرار اور اعتراف کے مرادف ہے دنیا کا طریق ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ کے اتباع کو اپنے لیے عزت و فخر سمجھتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اپنے مذہبی اور قومی لباس کو اور اس لباس کے پہننے والوں کو ذلت اور حقارت کی نظروں سے دیکھنے لگتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ مذہب اور اہل مذہب ہی سے متنفر اور بیزار ہو جاتا ہے۔ یہ فرنگی کے ہمرنگی کے عشق کی آخری منزل ہے اس منزل پر پہنچ کر دین اور اہل دین سے تعلق ختم ہو جاتا ہے دعوائے اسلام کا ہے اور دلدادہ ہیں مغربی تمدن اور معاشرہ کے۔

زاہد تسبیح میں زنار کا ڈورا نہ ڈال　　　یا برہمن کی طرف ہو یا مسلماں کی طرف

ف ۲:...... حق تعالیٰ نے حضرت ﷺ کو وہ عقل اور فراست عطا کی تھی جو تمام عالم کی عقل سے بالا اور اعلیٰ تھی اور آپ ﷺ کو کسی کے مشورہ کی حاجت نہ تھی اور پھر نزول وحی کی وجہ سے آپ ﷺ بالکلیہ مشورہ سے مستغنی تھے پس "وشاورھم فی الامر" کے حکم سے مقصود امت کی تعلیم ہے کہ امت میں مشورہ کا طریقہ جاری ہو کہ جو دینی اور دنیوی امر ایسا پیش آئے جس کے بارہ میں کوئی حکم خداوندی منصوص نہ ہو تو اس کے بارہ میں ایسے لوگوں سے مشورہ کیا جائے جو کہ مشورہ کے اہل ہوں اور جن کی رائے اور عقل عقلاء کے نزدیک قابل وثوق اور اعتماد ہو۔

"روی ابن مردویہ عن علی بن ابی طالب قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن العزم قال مشاورۃ اھل الرأی ثم اتباعھم۔" (تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۲۰)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ آیت مشورہ میں ﴿فَإِذَا عَزَمْتَ﴾ سے کیا مراد ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اہلِ رائے سے مشورہ کرنا اور پھر ان کا اتباع کرنا مراد ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت میں مشورہ کا حکم مذکور ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر کس و ناکس سے مشورہ کر لیا کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس امر کا حکم شریعت میں منصوص نہ ہو یا تعارض ادلہ کی وجہ سے اس میں کسی قسم کا اجمال اور خفاء پیدا ہو گیا ہو تو اہل الرای اور اصحاب الرای سے مشورہ کریں اور اس کا اتباع کریں۔

ف ۳:...... اصطلاح علماء میں اہل الرائ کا لفظ زیادہ تر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ عجب نہیں کہ اس تفسیر میں اسی طرف اشارہ ہو۔

مشورہ کی حقیقت:...... لفظ مشورہ اور لفظ شوریٰ عربی زبان میں "شرت العسل شورا" سے ماخوذ ہے جس کے معنی چھتہ میں سے شہد نکالنے کے ہیں گویا کہ مجلس شوریٰ بمنزلہ شہد کے چھتہ کے ہے جس سے مقصود ایسی عمدہ رائے کا معلوم کرنا ہے جو عمدگی اور شیرینی میں بمنزلہ شہد کے ہو اور جس طرح شہد شفاء امراض کا کام دیتا ہے اسی طرح یہ عمدہ رائے بھی مشکلات اور مہلکات میں شفاء کا کام دے اور ندامت اور حسرت اور پریشانی اور پشیمانی سے عافیت دے حدیث میں ہے:

"المشورة حصن من الندامة وامان من الملامة۔" (کتاب ادب الدنیا والدین، ص:۲۰۷)

''مشورہ ندامت سے محفوظ رہنے کا ایک قلعہ ہے اور ملامت سے امن ہے۔''

مشورہ کے فوائد:...... مشورہ کا فائدہ یہ ہے کہ مسئلہ کے تمام پہلو روشن ہو جائیں گے اور اطراف و جوانب کی چھوٹی اور بڑی چیزیں نمودار ہو جائیں گی مجلس مشاورت میں کوئی ذی رائے اور ہوشیار زیادہ ہوگا اور کوئی صاحب تدبیر اور تجربہ کار زیادہ ہوگا کوئی شخص کتنا ہی عاقل اور ہوشیار کیوں نہ ہو مگر میدان کارزار کا تجربہ کار نہ ہو تو جنگی امور میں تنہا اس کا مشورہ ناتمام ہوگا بہتر یہ ہوگا کہ عقل اور تجربہ دونوں ہی سے مشورہ کر کے جنگ شروع کی جائے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

الرای کاللیل مسود جو انبه　　　　والليل لاينجلی الاباصباح

رائے، مثل شب دیجور کے ہے جس کے تمام اطراف سیاہ اور تاریک ہیں اور رات کا اندھیرا بغیر صبح کی روشنی کے زائل نہیں ہوسکتا۔

فاضمم مصابیح آراء الرجال الی　　　　مصباح رایك تزدادضوء مصباح

پس لوگوں کے رایوں کے چراغوں کی روشنیوں کو اپنی رائے کے چراغ کی روشنی کے ساتھ ملالے تا کہ تیرے چراغ کی روشنی بڑھ جائے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک چراغ کی روشنی کم ہوتی ہے اور بہت سے چراغ مل کر روشنی خوب ہو جاتی ہے اور کوئی چیز تاریکی اور اشتباہ میں نہیں رہنے پاتی بہت سے چراغوں کی روشنی تیز بھی ہوگی اور دور تک بھی پہنچے گی مگر شرط یہ ہے کہ عقل کے چراغ کو اخلاص اور تقوی اور امانت اور دیانت کے تیل سے روشن کیا جائے لیکن اگر خدانخواستہ کسی چراغ میں خود غرضی اور حسد اور پارٹی بندی کے تیل کا کوئی قطرہ بھی شامل ہو گیا تو اس چراغ میں سے سوائے دھویں کے اور کیا نمودار ہوگا۔ دھوئیں کے تاریکی کے علاوہ اس کی بدبو علیحدہ تکلیف دہ ہوگی۔ کسی بلیغ کا قول ہے:

"من حق العاقل ان يضيف الى رايه آراء العقلاء ويجمع الى عقله عقول الحكماء فان الرأي الفذ ربما زل والعقل الضرور بماضل۔" (ادب الدنيا والدين، ص:۲۰۷)

''عاقل کا فرض یہ ہے کہ اپنی رائے کے ساتھ اور عقلاء کی رائے کو بھی ملالے اور اپنی عقل کے ساتھ حکماء کی

عقلوں کو جمع کر لے کیونکہ تنہا رائے بسا اوقات لغزش کھاتی ہے اور تنہا عقل بسا اوقات گمراہ ہوتی ہے۔''

اور حکمت کے بکھرے ہوئے موتیوں میں سے ایک موتی یہ ہے۔

''المشاورة راحة لك وَتَعَبٌ على غيرك۔'' (ادب الدنيا والدين، ص:۲۰۷)

''مشورہ تیرے لیے راحت ہے اور دوسرے پر بوجھ ہے۔''

کسی عاقل کا قول ہے:

''اذا اشكلت عليك الامور وتغير لك الجمهور فارجع الى رأى العقلاء وافزع الى استشارة العلماء ولا تأنف من الاسترشاد ولا تستنكف من الاستمداد فَلَاَنْ تسأل تسلم خير لك من ان تستبد وتندم۔'' (ادب الدنيا والدين، ص:۲۰۹)

''جب تجھ کو معاملات میں کوئی اشکال اور دشواری پیش آئے اور عام جمہور تجھ سے منحرف ہو جائیں تو تجھ کو عقلاء کی رائے کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور گھبرا کر علماء کے مشورہ کی پناہ لینی چاہیے لوگوں سے مشورہ اور امداد طلب کرنے میں حیاء اور عار نہ کرنی چاہیے۔ عقلاء سے پوچھ کر کوئی کام کر لینا اور آئندہ کی ندامت سے سالم و محفوظ ہو جانا یہ بہتر ہے کہ خود رائی سے کام کر کے شرمندہ اور پشیمان ہو۔''

''وصف رجل عضد الدولة فقال له وجه فيه الف عين وفم فيه الف لسان وصدر فيه الف قلب۔''

''ایک شخص نے عضد الدولہ کی تعریف میں یہ لکھا کہ اس کے لیے ایک چہرہ ہے جس میں ہزار آنکھیں ہیں اور اس کے لیے ایک منہ ہے جس میں ہزار زبانیں ہیں اور اس کے لیے ایک سینہ ہے جس میں ہزار دل ہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ عضد الدولہ باوجود دانشمند اور زیرک ہونے کے تنہا اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کرتا بلکہ ہزار عاقلوں کے مشورہ سے کام کرتا ہے گویا کہ ہزار دلوں اور ہزار آنکھوں اور ہزار زبانوں سے سوچتا اور دیکھتا اور بولتا ہے۔

کسی حکیم اور دانا کا قول ہے:

''كل شئ يحتاج الى العقل والعقل يحتاج الى التجارب ولذلك قيل الايام تهتك لك عن الاستار الكامنة۔'' (ادب الدنيا والدين، ص:۲۰۷)

''ہر چیز محتاج عقل ہے اور عقل محتاج ہے تجربوں کی اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ زمانہ کے تجربے پوشیدہ چیزوں کے پردے اٹھا دیتے ہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ عقلِ فطری کے ساتھ تجربہ کا شامل ہونا ضروری ہے اور اس لیے کہ تجربوں کی کوئی حد اور نہایت اور غایت نہیں عقل فقط ممکنات کا ادراک کر سکتی ہے واقعات کا احاطہ نہیں کر سکتی اس لیے مشورہ جب مکمل ہوگا جبکہ عقل کے ساتھ تجربہ بھی ہو۔

اہلیت مشورہ

یعنی کون لوگ مشورہ کے اہل ہیں جن سے مشورہ لیا جائے

قاضی ابوالحسن بصری ماردی رحمہ اللہ ادب الدنیا والدین، ص: ۲۰۷ میں فرماتے ہیں مشورہ کا اہل وہی شخص ہوسکتا ہے جس میں یہ پانچ خصلتیں اور پانچ صفتیں موجود ہوں:

۱۔ عقل کامل کے ساتھ تجربہ بھی رکھتا ہو۔ کثرت تجارت سے عقل اور فکر درست ہوجاتا ہے۔ حدیث میں ہے:

"استرشدوا العاقل ترشدوا ولا تعصوه فتندموا۔" رواه الخطيب عن ابی هريرة (فيض القدير: ۱/۴۸۹)

"رشد اور ہدایت اگر مطلوب ہے تو عاقل کامل سے مشورہ کرو۔ صواب کو پہنچو گے اور عاقل کی نافرمانی نہ کرنا کہ پچھتاؤ گے۔"

شیخ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت سے مشورہ نہ کرے اس لیے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ ہے کہ مشورہ کامل العاقل سے کرو اور حدیث میں ہے کہ عورتیں ناقصات العقل والدین ہیں یعنی عورتوں کی عقل بھی ناقص اور دین بھی ناقص ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

"خالفوا النساء فان فی خلا فهن البركة۔" (فيض القدير: ۱/۴۹۰)

"عورتوں کا خلاف کرو ان کے خلاف میں برکت ہے۔"

بلکہ حکماء کا قول ہے:

"لاتستشيروا القعود مع النساء۔"

"عورتوں کے پاس زیادہ بیٹھنے والے شخص سے بھی مشورہ مت کرو۔"

۲۔ دوسری خصلت میں جس کا مشیر میں ہونا ضروری ہے وہ یہ کہ مشیر دین دار اور متقی اور پرہیز گار ہو اس لیے کہ جو شخص دین دار اور پرہیز گار نہ ہو اس کے مشورہ کا کیا اعتبار۔

حدیث میں ہے:

"من اراد امرا فشاور فيه امرءا مسلما وفقه الله لا رشد اموره رواه الطبرانی عن ابن عباس۔" (فيض القدير: ۶/۵۰)

"جو کسی کام کا ارادہ کرے اور پھر وہ کسی سچے اور پکے مسلمان یعنی متقی اور پرہیز گار سے مشورہ کرے تو توفیق خداوندی اس کو بہترین امور کی طرف لے جائے گی۔"

۳۔ تیسری خصلت جو مشیر میں ہونی چاہیے وہ یہ کہ مشورہ دینے والا محب ناصح ہو یعنی خیر خواہ اور ہمدرد ہو اور اس کا دل حسد اور کینہ اور بغض اور عداوت سے پاک ہو محبت اور ہمدردی اور خیر خواہی ہی صحیح مشورہ کا باعث بن سکتی ہیں بخلاف

حاسد اور کینہ ور کے کہ اس کا مشورہ تو سم قاتل ہوگا اسی بنا پر بعض حکماء کا قول ہے:

"لا تشاور الا الحازم غیر الحسود واللبیب غیر الحقود وایاك ومشاورة النساء فان رأیهن الی الافن وعزمهن الی الوهن۔" ادب الدنیا والدین، ص:۲۰۸۔

"مت مشورہ کرنا مگر ایسے ذی رائے اور محتاط سے جو حاسد نہ ہو اور ایسے عاقل اور دانش مند سے جو کینہ ور نہ ہو اور عورتوں کے مشورہ سے پرہیز کرنا کیونکہ ان کی رائے کا میلان فساد کی طرف ہوتا ہے اور ان کا عزم سستی اور کمزوری کی جانب ہوتا ہے۔

اور علی ہذا، اگر مشیر متعدد ہوں (جیسا کہ آج کل کی اسمبلی) تو ان میں یہ ضروری ہوگا کہ اسمبلی کے افراد باہمی حسد اور تنافس سے خالی ہوں ورنہ اسمبلی، مجلس مشاورت نہ ہوگی بلکہ مجلس منازعت اور مخاصمت ہوگی۔ لوگ تماشہ دیکھ کر واپس ہو جائیں گے۔

۴- چوتھی خصلت یہ ہے کہ مشورہ دینے والا کسی فکر اور پریشانی میں مبتلا نہ ہو اس لیے کہ جو شخص ہموم و غموم کا شکار ہو اور پریشانیوں میں مبتلا ہو اس کا قلب اور دماغ صحیح نہ ہوگا۔ اس لیے وہ صحیح مشورہ نہیں دے سکتا۔

۵- پانچویں خصلت یہ ہے کہ جس امر میں مشورہ لیا جا رہا ہے اس سے مشیر کی کوئی نفسانی خواہش اور غرض مضمر متعلق نہ ہو خود غرض کا کوئی مشورہ قابل اعتبار نہیں "چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد"۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ماں باپ کی شہادت اولاد کے حق میں۔ اور زوجین کی شہادت ایک دوسرے کے حق میں۔ اور غلام کی شہادت آقا کے حق میں معتبر نہیں مانی گئی کیونکہ اغراض اور منافع باہم مشترک ہیں۔ یہ شہادت خود غرض کے شائبہ سے خالی نہیں اس لیے معتبر نہیں۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ

اور نبی کا کام نہیں کہ کچھ چھپا رکھے اور جو کوئی چھپاویگا وہ لائیگا اپنی چھپائی چیز دن قیامت کے پھر پورا پاویگا ہر کوئی

اور نبی کا کام نہیں کہ کچھ چھپا رکھے، اور جو کوئی چھپاوے گا وہ لاوے گا اپنا چھپایا دن قیامت کے۔ پھر پورا پاوے گا ہر کوئی اپنا

مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ

جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا ف۱ کیا ایک شخص جو تابع ہے اللہ کی مرضی کا برابر ہوسکتا ہے اس کے جس نے کمایا غصہ اللہ کا

کمایا، اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ کیا ایک شخص جو تابع ہے اللہ کی مرضی کا، برابر ہے اس کے جو کما لایا غصہ اللہ کا

ف۱ اس سے غرض یا تو مسلمانوں کی پوری طرح خاطر جمع کرنا ہے، تاکہ یہ وسوسہ نہ لائیں کہ شاید حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بظاہر معاف کر دیا اور دل میں خفا ہیں پھر کبھی خفگی نکالیں گے؟ یہ کام نبیوں کا نہیں کہ دل میں کچھ اور ظاہر میں کچھ، یا مسلمانوں کو سمجھانا ہے کہ حضرت کی عظمت اور عصمت و امانت کو پوری طرح مستحضر رکھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کبھی کوئی لغو اور بیہودہ خیال نہ لائیں۔ مثلاً یہ گمان نہ کریں کہ غنیمت کا کچھ مال چھپا رکھیں گے؟ (العیاذ باللہ) شاید یہ اس واسطے فرمایا کہ وہ تیر انداز غنیمت کے لئے مورچہ چھوڑ کر دوڑے تھے، کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حصہ نہ دیتے؟ یا بعضی چیزیں چھپا رکھتے؟ اور بعض روایات میں ہے کہ بدر کی لڑائی میں ایک چیز (چادر یا تلوار) غنیمت میں سے گم ہوگئی تھی، کسی نے کہا شاید حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے واسطے رکھی ہوگی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، بہرحال مسلمانوں کو سمجھانا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نرم خوئی اور خوش خلقی سے تمہاری غلطیوں کو معاف کرتے ہیں تو تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی =

وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۶۲ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا

اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا ہی بری جگہ پہنچا ف۱ لوگوں کے مختلف درجے ہیں اللہ کے ہاں اور اللہ دیکھتا ہے جو

اور اس کا ٹھکانا دوزخ۔ اور کیا بری جگہ پہنچا۔ لوگ کئی درجے ہیں اللہ کے ہاں۔ اور اللہ دیکھتا ہے جو

يَعْمَلُوْنَ ۝۱۶۳ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا

کچھ کرتے ہیں ف۲ اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہی میں کا ف۳ پڑھتا ہے

کرتے ہیں۔ اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر، جو بھیجا ان میں رسول انہی میں کا، پڑھتا ہے

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ

ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا ہے ان کو (یعنی شرک وغیرہ سے) اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور کام کی بات اور وہ تو پہلے سے صریح

ان پر آیتیں اس کی اور سنوارتا ہے ان کو، اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور کام کی بات۔ اور وہ تو پہلے سے صریح

مُّبِيْنٍ ۝۱۶۴

گمراہی میں تھے ف۴

گمراہ تھے۔

= عظمت شان اور عصمت ونزاہت کا بہت زیادہ پاس رکھنا چاہیے، کہ کسی قسم کا کمزور اور رکیک خیال مومنین کے پاس نہ آنے پائے۔ دوسری طرف چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ونرم دلی یاد دلا کر جنگ احد کے متعلق مسلمانوں کی کوتاہی کو معاف کرایا جا رہا تھا اسی ذیل میں ایک دوسری کوتاہی بھی یاد دلا دی جو بدر سے متعلق تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نرم خوئی سے اس پر بھی کچھ دھیان نہ کریں۔

(تنبیہ) "غلول" کے اصل معنی غنیمت میں خیانت کرنے کے ہیں لیکن کبھی مطلق خیانت کے معنی میں آتا ہے بلکہ بعض اوقات محض ایک چیز کے چھپا لینے پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا غلوا مصاحفکم۔

ف۱ یعنی پیغمبر جو ہر حال میں خدا کی مرضی کا تابع بلکہ دوسروں کو بھی اس کی مرضی کا تابع بنانا چاہتا ہے کیا ان لوگوں کے ایسے کام کر سکتا ہے جو خدا کے غضب کے نیچے اور دوزخ کے مستحق ہیں؟ ممکن نہیں۔

ف۲ یعنی نبی اور سب خلقت برابر نہیں، طمع وغیرہ کے پست اور ذلیل کام نبیوں سے نہیں ہو سکتے حق تعالیٰ سب کو جانتا ہے کہ کون کس درجہ کا ہے اور سب کے کام دیکھتا ہے کیا وہ ایسی پست طبیعت والوں کو منصب نبوت پر سرفراز فرمائیگا؟ العیاذ باللہ:

ف۳ یعنی انہی کی جنس اور قوم میں کا ایک آدمی رسول بنا کر بھیجا جس کے پاس بیٹھنا، بات چیت کرنا، زبان سمجھنا اور ہر قسم کے انوار و برکات کا استفادہ کرنا آسان ہے، اس کے احوال، اخلاق، سوانح زندگی، امانت و دیانت خدا ترسی اور پاکبازی سے وہ خوب طرح واقف ہیں اپنی ہی قوم اور کنبے کے آدمی سے جب معجزات ظاہر ہوتے دیکھتے ہیں تو یقین لانے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے، فرض کرو کوئی جن یا فرشتہ رسول بنا کر بھیجا جاتا تو معجزات دیکھ کر یہ خیال کر لینا ممکن تھا کہ چونکہ جنس بشر سے جداگانہ مخلوق ہے شاید یہ خوارق اس کی خاص صورت نوعیہ اور طبیعت ملکیہ وجنیہ کا نتیجہ ہوں، ہمارا اس سے عاجز رہ جانا دلیل نبوت نہیں بن سکتا، بہرحال مومنین کو خدا کا احسان ماننا چاہیے کہ اس نے ایسا رسول بھیجا جس سے بے تکلف فیض حاصل کر سکتے ہیں اور وہ باوجود معزز ترین اور بلند ترین منصب پر فائز ہونے کے ان ہی کے مجمع میں نہایت نرم خوئی اور ملاطفت کے ساتھ گھلا ملا رہتا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

ف۴ اس مضمون کی آیت سورۂ بقرہ میں دو جگہ گزر چکی ہے خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار شانیں بیان کی گئیں ۱- تلاوت آیات (اللہ کی آیات پڑھ کر سنانا) جن کے ظاہری معنی وہ لوگ اہل زبان ہونے کی وجہ سے سمجھ لیتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے ۲- "تزکیہ نفوس" (نفسانی آلائشوں اور تمام مراتب شرک =

بیان نزاہت منصب نبوت از شائبہ و واہمۂ خیانت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ... الى... وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

اس آیت میں حق جل شانہ نے یہ بیان فرمایا کہ نبی ﷺ کی یہ شان نہیں کہ وہ ذرہ برابر بھی خیانت کرے منصب نبوت کے ساتھ خیانت جمع نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ نبی ﷺ کی عظمت و حرمت اور عصمت و امانت کو مستحضر رکھیں اور کوئی لفظ زبان سے ایسا نہ نکالیں جو منصب نبوت کے خلاف ہو۔

اس آیت کے شان نزول میں مختلف روایتیں آئی ہیں:

۱- ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں ابن عباس ﷠ سے مروی ہے کہ بدر کے دن غنیمت میں سے ایک سرخ چادر گم ہوگئی اس پر کسی شخص نے کہا شاید رسول اللہ ﷺ نے لے لی ہوگی۔ یہ کہنے والا کوئی منافق تھا جیسا کہ بعض روایات میں خود ابن عباس ﷠ سے منقول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی ﷺ سے کسی قسم کی خیانت کا صدور ناممکن اور محال ہے کیونکہ نبوت کا دارومدار صدق اور امانت پر ہے۔

۲- بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات غزوۂ احد کے متعلق نازل ہوئیں۔ کلبی ﷫ اور مقاتل ﷫ کا قول ہے کہ احد کے دن جن تیر اندازوں کو گھاٹی پر متعین کیا تھا وہ اپنی متعینہ جگہ کو چھوڑ کر نیچے اتر آئے اور ان میں سے کسی کو اندیشہ یہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ فوج میں یہ حکم صادر فرمائیں کہ کفار سے جو شئ جس کے ہاتھ لگے وہ اسی کی ہے اور مال غنیمت کو آپ ﷺ تقسیم نہ فرمائیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی ﷺ کے لیے یہ لائق نہیں کہ وہ تقسیم غنیمت میں خیانت کرے کہ بعض کو دے اور بعض کو نہ دے۔

پس اس روایت کی بنا پر بعض مستحقین کو مال غنیمت کے حصہ سے محروم کرنے کو مبالغۃً غلول اور خیانت سے تعبیر کیا گیا ہے کہ مال غنیمت کو مستحقین پر برابر نہ تقسیم کرنا یہ بھی ایک قسم کی خیانت ہے جس سے اللہ کا نبی پاک اور منزہ ہوتا ہے۔

بعض علماء نے پہلی روایت کے مقابلہ میں اس روایت کو ترجیح دی ہے کہ ماقبل اور مابعد کی تمام آیتیں واقعۂ اُحد ہی کے متعلق ہیں لہٰذا اسیاق کلام کا مقتضی یہ ہے کہ یہ آیت بھی واقعہ احد ہی کے متعلق ہونی چاہیے۔

بہر حال آیت غزوۂ احد سے متعلق ہو یا غزوۂ بدر سے مقصود ایک بے عنوانی پر تنبیہ کرنا ہے گزشتہ آیات میں جنگ احد کی ایک کوتاہی کو بیان فرمایا۔ اب اس آیت میں جنگ بدر کی ایک کوتاہی کو یاد دلایا اور یہ بتلایا کہ منصب نبوت کے ساتھ

= معصیت سے ان کو پاک کرنا اور دلوں کو مانجھ کر صیقل بنانا) یہ چیز آیات اللہ کے عام مضامین پر عمل کرنے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور قلبی توجہ و تصرف سے باذن اللہ حاصل ہوتی تھی ۳- "تعلیم کتاب" (کتاب اللہ کی مراد بتلانا) اس کی ضرورت خاص خاص مواقع میں پیش آتی تھی۔ مثلاً ایک لفظ کے کچھ معنی عام تبادر اور محاورہ کے لحاظ سے سمجھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو کوئی اشکال پیش آیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ کی اصلی مراد جو قرائن مقام سے متعین ہوتی تھی بیان فرما کر شبہات کا ازالہ فرما دیتے تھے۔ جیسے ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ اور دوسرے مقامات میں ہوا ۴- "تعلیم حکمت" (حکمت کی گہری باتیں سکھلانا) اور قرآن کریم کے غامض اسرار و لطائف اور شریعت کی دقیق و حسین علل پر مطلع کرنا، خواہ تصریحاً یا اشارۃً۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی توفیق و اعانت سے علم و عمل کے ان اعلیٰ مراتب پر اس درماندہ قوم کو فائز کیا جو صدیوں سے انتہائی جہل و حیرت اور صریح گمراہی میں غرق تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند روزہ تعلیم و صحبت سے وہ ساری دنیا کے لئے ہادی و معلم بن گئی، لہٰذا انہیں چاہیے کہ اس نعمت عظمیٰ کی قدر پہچانیں اور کبھی بھولے سے ایسی حرکت نہ کریں جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل متألم ہو۔

خیانت جمع نہیں ہوسکتی نبی خدا کا امین ہوتا ہے اور اللہ کا محترم بندہ ہوتا ہے اور ہر حال میں اس کی مرضی کے تابع ہوتا ہے شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ لکھتے ہیں۔

''مترجم گوید چوں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم متصرف بودند در غنیمت ایں آیت نازل شد تا کسے گمان خیانت نکند۔''

''مترجم کہتا ہے کہ چونکہ مال غنیمت میں تصرف اور اس کا انتظام آنحضرت ﷺ کے سپرد تھا اس لیے من جانب اللہ یہ آیت نازل ہوئی تا کہ کوئی شخص آپ ﷺ کی نسبت خیانت کا شبہ اور گمان بھی نہ کر سکے۔''

نیز چونکہ سلسلۂ کلام جہاد سے متعلق ہے اس لیے درمیان میں مال غنیمت کے متعلق ایک حکم بیان فرمادیا چنانچہ فرماتے ہیں اور کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ کوئی چیز چھپا کر رکھے یا کسی قسم کی کوئی ادنی سے ادنی خیانت کرے۔ منصب نبوت کے ساتھ خیانت جمع نہیں ہوسکتی اور جس کو اللہ تعالیٰ نے بلند مرتبہ بنایا ہو اس سے ذلت اور فضیحت کے کام کا صدور اور ظہور ناممکن ہے کیونکہ جو شخص خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اس خیانت کو اپنے سر پر اٹھا کر لائے گا تا کہ میدان حشر میں ذلیل اور رسوا ہو۔ اور اللہ کا نبی ﷺ ہر قسم کی ذلت اور فضیحت سے پاک اور منزہ ہوتا ہے احادیث میں یہ مضمون بکثرت آیا ہے کہ جس نے جو چیز چھپائی ہوگی وہ قیامت کے دن میدان حشر میں اس حالت میں حاضر ہوگا کہ وہ چیز اس کی گردن پر سوار ہوگی کسی کی گردن پر اونٹ سوار ہوگا اور کسی کی گردن پر گھوڑا وغیرہ ذلک۔ ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر اس حدیث کے متعلق یہ اشکال پیش کیا کہ جس شخص نے سو یا دو سو اونٹوں کی خیانت کی وہ اتنے اونٹ اپنی گردن پر کیسے اٹھائے گا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جس شخص کی ایک ڈاڑھ جبل احد کے برابر ہوگی وہ اتنے سارے اونٹوں کو بھی اٹھا سکے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ جواب محض سائل کی تشفی اور اطمینان کے لیے تھا ورنہ اللہ کی قدرت کے لیے بدن کے بڑے ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ اس زمانہ میں چھوٹے سے جر ثقیل کے آلہ سے بڑے بڑے بحری جہاز اوپر اٹھا لیے جاتے ہیں یہ تو ایک ضعیف البنیان انسان کی قدرت کا حال ہے تو قادر مطلق اور توانائے برحق کی قدرت وطاقت کا کیا پوچھنا۔ پھر خائن کی اس ذلت وفضیحت پر معاملہ ختم نہ ہوجائے گا بلکہ اس کو خیانت کی پوری پوری سزا ملے گی اس لیے کہ قیامت کے دن ہر نفس کو اس چیز کی جو اس نے کیا ہے پوری پوری جزا دی جائے گی خاص کر حقوق العباد میں اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا مطلب یہ ہے کہ اول لوگوں کی بداعمالیوں اور خیانتوں کو ظاہر کریں گے اور اس کے بعد ان کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی غرض یہ کہ خائنین قیامت کے دن اللہ کے مغضوب اور معتوب ہوں گے اور ذلیل وخوار ہوں گے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام حق تعالیٰ کے من کل الوجوہ پسندیدہ اور برگزیدہ بندے ہیں اور مصطفین الاخیار اور مرتضین الابرار کے مصداق ہیں اور جن کا ظاہر وباطن ہر حال میں اللہ کی مرضی کے تابع ہے وہ قیامت کے دن سربلند ہوں گے اور ہر قسم کی ندامت وپشیمانی سے بالکلیہ مامون اور محفوظ ہوں گے جیسا کہ آگے ارشاد ہے کیا پس ایسا شخص جو اللہ کی خوشنودی اور رضامندی کا تابع اور پیرو ہو چکا ہو ایسا شخص معاذ اللہ کیا کسی قسم کی خیانت کرکے اس شخص کے مانند اور برابر ہوسکتا ہے جس نے خیانت کرکے اللہ کے غصہ کو کمایا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہو اور کیا ہی بری جگہ ہے جو ان لوگوں کے لیے بنائی گئی ہے جو خدا تعالیٰ کے مغضوب ہیں نہ ان لوگوں کے لیے جو رضا حق کے تابع ہوں لوگوں کے درجات اور مراتب مختلف ہیں کوئی ادنیٰ اور کوئی اعلیٰ، کوئی اعلیٰ علیین میں اور کوئی قعر سجین میں اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کو

دیکھنے والے ہیں۔ عمل کے مطابق جزاء اور سزا ملے گی۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ سے خیانت کا صدور اور ظہور اس وجہ سے بھی ناممکن ہے کہ خیانت تو ایک بلا اور مصیبت ہے اور نبی کا وجود حق تعالیٰ کی منت عظمیٰ اور نعمت کبریٰ ہے اس لیے حق تعالیٰ آئندہ آیت میں اپنے احسان کو جتاتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے اوصاف بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ اس نعمت کی قدر کریں اور آپ ﷺ کی عظمت و حرمت کا پورا پورا لحاظ رکھیں اور دل میں ایسی چیز کا وسوسہ بھی نہ آنے دیں جو حضور پرنور ﷺ کی شان رفیع کے شایان شان نہ ہو۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے بلا شبہ ایمان والوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی کی جنس سے ایک عظیم الشان رسول بھیجا جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے جن کے انوار و برکات سے دل کی ظلمات دور ہوتی ہیں اور پھر وہ رسول اپنے فیض صحبت اور باطنی توجہ سے ان کو کفر اور شرک کی نجاست اور نفسانی آلائشوں سے پاک اور صاف کرتا ہے اور دلوں کو مانجھ کر صیقل بنا دیتا ہے اور ان کو کتاب الٰہی کی تعلیم دیتا ہے یعنی قرآن کریم کے غوامض اور مشکلات کو حل کرتا ہے اور صحابہ کرام ؓ کو آیت کے متعلق اگر کوئی شبہ پیش آتا ہے تو اس کا ازالہ فرما دیتے ہیں، جیسا کہ ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ کے متعلق صحابہ ؓ کو جب شبہ پیش آیا تو اس کا ازالہ فرما دیا کہ آیت میں ظلم سے مطلق معصیت مراد نہیں بلکہ شرک مراد ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾۔ اور اس قسم کے لیے بے شمار نظائر احادیث نبویہ میں موجود ہیں اور حکمت اور دانائی کی باتوں کی ان کو تعلیم دیتا ہے اور اس تعلیم کا عجب حال ہے کہ جس سے عرب کے جاہل اور لٹھ ایسے حکیم اور دانا بنے کہ سارے عالم کے معلم بن گئے اور جن کی حکمت اور دانائی نے حکماء یونان اور فلاسفۂ عالم کو نیچا دکھا دیا اور تحقیق یہ لوگ جو آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت سے حکیم اور دانا بنے آپ کی کفش برداری سے پہلے صریح گمراہی میں مبتلا تھے پس کیا جس رسول کی تعلیم و تربیت نے جاہلوں کو حکیم بنا دیا ہو اور گندوں کو نفسانی آلائشوں سے پاک اور صاف کر دیا ہو کیا اس سے کسی قسم کی خیانت کا صدور ممکن ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

درفشانی نے تری قطروں کو دریا کردیا — دل کو روشن کردیا آنکھوں کو بینا کردیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی ہوگئے — کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

ف:...... اس آیت کے اکثر الفاظ پارۂ اول کے اخیر میں اور پارۂ دوم کے اول میں گزر چکے ہیں وہاں ان کی تفسیر دیکھ لی جائے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ نادانوں میں ایسا دانا پیدا کرنا جو ان کو دانائی سکھائے اور ان پڑھوں کو کتاب پڑھنا سکھائے اور ظاہری اور باطنی ناپاکی ان سے دور کرے اور گمراہوں کو ہدایت کرے یہ اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بڑا احسان ہے کہ اس نے اس امت کے لیے ایسے نبی کو مبعوث فرمایا:

آفتاب آمد دلیل آفتاب — گر دلیلے باید ازوے رومتاب

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ

کیا جس وقت پہنچی تم کو ایک تکلیف کہ تم پہنچا چکے ہو اس سے دو چند تو کہتے ہو یہ کہاں سے آئی ف۱ تو کہہ دے یہ تکلیف تم کو پہنچی تمہاری ہی

کیا جس وقت تم کو پہنچی ایک تکلیف، کہ تم پہنچا چکے ہو اس کے دو برابر، کہتے ہو یہ کہاں سے آئی؟ تو کہہ، یہ آئی تم کو اپنی

ف۱ پہلے سے احد کا قصہ چلا آتا تھا، درمیان میں جو کوتاہی ہوئی تھی اس کے عفو کا ذکر ہوا اور اسی کی مناسبت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و حقوق یاد =

اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَاۤ اَصَابَكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ

طرف سے ف۱ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جو کچھ تم کو پیش آیا اس دن کہ ملیں دو فوجیں سو

طرف سے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جو کچھ تم کو سامنے آیا جس دن بھڑیں دونوں فوجیں، سو

اللّٰهِ وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ

اللہ کے حکم سے اور اس واسطے کہ معلوم کرے ایمان والوں کو اور تاکہ معلوم کرے ان کو جو منافق تھے ف۲ اور کہا گیا ان کو کہ آؤ لڑو

اللہ کے حکم سے، اور اس واسطے کہ معلوم کرے ایمان والوں کو۔ اور تا معلوم کرے ان کو جو منافق تھے۔ اور کہا ان کو کہ آؤ لڑو

سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ یَوْمَىٕذٍ

اللہ کی راہ میں یا دفع کرو دشمن کو ف۳ بولے اگر ہم کو معلوم ہو لڑائی تو البتہ تمہارے ساتھ ہیں ف۴ وہ لوگ اس دن کفر کے

اللہ کی راہ میں یا دفع کرو دشمن، بولے، ہم کو معلوم ہو لڑائی تو تمہارا ساتھ کریں۔ وہ لوگ اس دن کفر کی طرف

= دلائے گئے۔ اب پھر احد کے قصہ کی طرف عود کیا جاتا ہے یعنی جنگ احد میں جو تکلیف اور نقصان اٹھانا پڑا کیا اس پر تم تعجب سے کہتے ہو کہ مصیبت کہاں آ گئی، ہم تو مسلمان مجاہد تھے جو خدا کے راستہ میں اس کے دشمنوں سے لڑنے کے لئے نکلے تھے۔ خدا تعالیٰ پیغمبر کی زبانی نصرت و امداد کا وعدہ فرما چکا، پھر یہ مصیبت ہم پر کیونکر اور کدھر سے نازل ہوئی۔ ایسا کہتے وقت سوچنا چاہیے کہ جس قدر تکلیف تم کو پہنچی اس سے دو چند تکلیف ان کو تم سے پہنچ چکی ہے احد میں تمہارے تقریباً ستر آدمی شہید ہوئے بدر میں ان کے ستر مارے جا چکے اور ستر تمہارے ہاتھ قید ہوئے جن پر تم کو پورا قابو حاصل تھا، چاہتے تو قتل کر ڈالتے۔ پھر احد میں بھی ابتداءً ان کے بیس سے زائد قتل ہو چکے ہیں۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے تم کو ہزیمت ہوئی تو "بدر" میں ان کو تباہ کن ہزیمت مل چکی اور احد میں بھی جب تم جم کر لڑے وہ منہزم ہوئے۔ پھر آخر میں میدان چھوڑ کر چلے گئے۔ ایسی صورت میں انصافاً تم کو اپنی تکلیف کا شکوہ کرنے اور زیادہ بد دل ہونے کا موقع نہیں۔

ف۱ اگر غور کرو تو تم خود ہی اس مصیبت کا سبب بنے ہو۔ تم نے جوش میں آ کر پیغمبر کی اور بہت سے تجربہ کاروں کی رائے قبول نہ کی، اپنی پسند اور اختیار سے مدینہ کے باہر محاذ جنگ قائم کیا، پھر باوجود نہی شدید کے تیراندازوں نے اہم مورچہ چھوڑ کر مرکز خالی کر دیا اور ایک سال پہلے جب اساراء بدر کے متعلق تم کو اختیار دیا گیا تھا کہ یا انہیں قتل کر دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو، اس شرط پر کہ آئندہ اتنے ہی آدمی تم سے لیے جائیں گے تو تم نے فدیہ کی صورت اختیار کی اور شرط کو قبول کر لیا۔ اب وہی شرط پوری کرائی گئی تو تعجب و انکار کا کیا موقع ہے یہ چیز تو خود اپنی طرف سے تم قبول کر چکے تھے (اساراء بدر کا پورا قصہ سورۂ انفال میں آئے گا)۔

ف۲ جس کو جب چاہے غالب اور جب چاہے مغلوب کر دے۔ مغلوب کرنا اس لئے نہیں کہ وہ اس وقت غالب کرنے پر قادر نہ تھا، بلکہ اس لئے ہے کہ تمہارے کسب و اختیار سے صورت حال ایسی پیدا ہو گئی کہ کلی غلبہ عطا کرنے میں مصلحت نہ تھی بہرحال جو کچھ ہوا اس کے حکم و مشیت سے ہوا جس کا سبب تم تھے اور حکمت یہ تھی کہ ایک طرف ہر مومن مخلص کے ایمان و اخلاص کا اور دوسری جانب ہر منافق کے نفاق کا درجہ ظاہر ہو جائے، کھرے کھوٹے اور کچے پکے میں کسی کو کچھ التباس نہ رہے۔

ف۳ جنگ شروع ہونے سے پہلے جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس جانے لگا، اس وقت کہا گیا تھا کہ عین موقع پر کہاں بھاگتے ہو، آؤ اگر دعوائے اسلام میں سچے ہو تو اللہ کی راہ میں لڑو۔ ورنہ کم از کم دشمن کو دفع کرنے میں حصہ لو یعنی مجمع میں شریک رہو تاکہ کثرت تعداد کا اثر دشمن پر پڑے، یا یہ کہ خدا کی راہ میں دین کی خاطر نہیں لڑتے تو حمیت وطنی و قومی یا اپنے اموال و اولاد کی حفاظت کے لئے دشمن کی مدافعت کرو۔ کیونکہ دشمن اگر کامیاب ہوا تو انتقام لینے میں مومنین و منافقین کی تمیز نہ کریگا۔ عام مسلمانوں کی طرح تم بھی نقصان اٹھاؤ گے، غرض ان پر ہر طرح ان کے مذاق کے موافق اتمام حجت کیا گیا۔ تاکہ جو کچھ دلوں میں ہے علانیہ ظاہر ہو جائے۔

ف۴ یعنی لڑائی ہوتی نظر نہیں آتی، خواہ مخواہ کا ڈھونگ ہے اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ واقعی لڑائی ہونے والی ہے تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے، جب لڑائی دیکھیں گے شامل ہو جائیں گے یا یہ مطلب تھا کہ کوئی ڈھنگ کا مقابلہ ہوتا تو ساتھ رہتے۔ بھلا یہ کوئی مقابلہ ہے کہ ایک طرف تین ہزار کا لشکر اور دوسری طرف صرف ایک ہزار بے سرو =

اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا

قریب ہیں بہ نسبت ایمان کے ف۱ کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں ان کے دل میں اور اللہ خوب جانتا ہے

نزدیک ہیں ایمان سے۔ کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں ان کے دل میں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو

يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۗ قُلْ فَادْرَءُوْا

جو کچھ چھپاتے ہیں ف۲ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو اور آپ بیٹھ رہے ہیں اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے ف۳ تو کہہ دے اب ہٹا دے

چھپاتے ہیں۔ وہ جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو اور آپ بیٹھ رہے ہیں، اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے، تو کہہ اب ہٹا دے جو

عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

جو اپنے اوپر سے موت کو اگر تم سچے ہو ف۴

اپنے اوپر سے موت، اگر تم سچے ہو۔

ازالۂ حسرتِ ہزیمت از دوستاں و جواب شبہ دشمناں

قال تعالیٰ: ﴿اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ... الى ... اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾

پہلے سے اُحد کا قصہ چلا آ رہا ہے درمیان میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو کوتاہی ہوئی اس پر تنبیہ فرمائی۔ اب پھر قصہ احد کی طرف عود فرماتے ہیں جس سے مقصود مسلمانوں کی ایک حسرت کو زائل کرنا ہے اور منافقوں کے ایک شبہ کا جواب دینا ہے بعض مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ دین اسلام دین حق ہے اور خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ ہے اور ہم دین حق کی حمایت میں جہاد کر رہے ہیں اور کفار کفر اور شرک کی حمایت میں لڑ رہے ہیں تو انہوں نے ہم پر کیسے فتح پائی۔

اور منافقوں نے یہ کہا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں تو احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست کیوں ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں۔

کیا جس وقت احد میں تم کو ایسی مصیبت پہنچی جو بدر میں اس سے پہلے تم اپنے دشمنوں کو اس کا دو چند پہنچا چکے ہو تو تم بطور تعجب

= سامان آدمی۔ یہ لڑائی کیا ہے محض اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے یا ﴿لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا﴾ سے یہ ظاہر کرتے تھے کہ صاحب اہم فنون جنگ اور لڑائی کے قاعدوں سے واقف ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے گویا دل میں طعنہ دیا کہ ہمارے مشورہ پر چلے نہیں اوروں کی رائے پر عمل کیا۔ تو ہم کو لڑائی کے قاعدوں سے ناواقف سمجھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم واقف بنے، پھر ہمیں ساتھ کیوں لیتے ہو؟ بہر حال جھوٹے حیلے حوالے کر کے چلے گئے۔

ف۱ منافقین دل سے کافر اور زبان سے ایمان کا اظہار کرتے تھے اور اسی زبانی اسلام کی بناء پر مسلمانوں میں ملے جلے رہتے تھے۔ اس روز عین موقع پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو چھوڑ کر چلے جانے اور جھوٹے حیلے تراشنے سے اچھی طرح نفاق کی قلعی کھل گئی۔ اب ظاہر میں بھی بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب ہو گئے اور اپنے فعل سے مسلمانوں کو نقصان اور کافروں کو تقویت پہنچائی۔

ف۲ یعنی زبان سے ﴿لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ﴾ کہتے ہیں اور جو دل میں ہے صاف نہیں کہتے۔ دل میں یہ تھا کہ اچھا ہے مسلمان مغلوب و ذلیل ہوں اور ہم خوشی سے بغلیں بجائیں۔

ف۳ یعنی خود نامرد بن کر بیٹھ رہے اور اپنی برادری کے بھائیوں (انصار مدینہ) کو کہتے ہیں کہ ہماری بات مان کر گھر میں بیٹھے رہتے تو مارے نہ جاتے۔

ف۴ یعنی اگر گھر میں بیٹھ رہنے سے جان بچ سکتی ہے تو دیکھیں موت کو گھر میں کس طرح نہ آنے دیں گے۔ اگر یہاں رہ کر بھی موت چھٹکارا نہیں چھوڑتی تو پھر بہادروں کی طرح میدان میں عزت کی موت کیوں نہ مریں۔

نہ بطور اعتراض یہ کہنے لگے کہ یہ مصیبت کہاں سے آئی یعنی جنگ احد میں اگر تمہارے ستر آدمی شہید ہو گئے تو جنگِ بدر میں ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر تمہارے ہاتھ قید ہوئے اور قید بھی مقتول کے برابر ہی ہوتا ہے تو ایسی حالت میں اپنی نصف مصیبت کا شکوہ کرنا اور بددل ہونا مناسب نہیں آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ یہ ساری مصیبت تمہاری طرف سے آئی یعنی تم خود ہی اس مصیبت کا سبب بنے ہو قصور تمہارا ہے کہ خلاف حکم اپنی معین جگہ کو چھوڑ کر درہ سے نیچے اترے یا قصور یہ ہے کہ تم نے بدر کے دن قیدیوں کو قتل کیوں نہ کیا۔ اور ان سے مال لے کر ان کو کیوں چھوڑ دیا آنحضرت ﷺ نے اسی وقت فرما دیا تھا کہ اگر تم کافروں کو فدیہ لے کر چھوڑتے ہو تو تم میں سے ستر آدمی آئندہ چل کر شہید ہوں گے لوگوں نے اس کو قبول کیا اور مال لے کر ان کو چھوڑا۔ لہٰذا اس وقت تم احد کی اس مصیبت کا کیوں شکوہ کرتے ہو یہ تمہاری قبول کردہ مصیبت ہے نیز یہ بھی احتمال ہے کہ احد کے دن ابتدائے جنگ میں مسلمانوں نے جتنے مشرکوں کو قتل کیا ہو ان کی تعداد اُحد کے مسلمان مقتولین سے دوچند ہو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس کو جب چاہے غالب اور جب چاہے مغلوب کرے۔ اور جو تکلیف تمہیں اس دن پہنچی یعنی احد کے دن جس دن دو فوجیں بھڑیں اور آپس میں لڑیں سو وہ تکلیف اللہ ہی کے حکم سے پہنچی۔ جس میں بیشمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں اور من جملہ بے شمار مصلحتوں کے ایک مصلحت یہ ہے تا کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو جان لے یعنی ان کے ایمان کو سب کے سامنے عیاں کر دے کہ ایمان والے ایسے ہوتے ہیں اور تا کہ معلوم کرے ان لوگوں کو جو منافق ہوئے یعنی ان کا نفاق لوگوں کو معلوم ہو جائے اور لوگ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں کہ منافق ایسے ہوتے ہیں۔

ف:...... منافق اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو ظاہر میں مسلمان اور دل میں کافر ہو۔ ابن انباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منافق نفق سے مشتق ہے جس کے معنی سرنگ کے ہیں جس طرح انسان دشمن سے سرنگ میں جا کر چھپ جاتا ہے اسی طرح منافق مسلمانوں کے قتل و غارت سے بچنے کے لیے اسلام کے پردہ میں چھپ جاتا ہے۔

ابو عبیدہ رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ منافق "نافقاء" سے مشتق ہے جنگلی چوہا اپنے بل کے دو دروازے رکھتا ہے ایک کا نام قاصعاء ہے اور دوسرے کا نام نافقاء ہے جب کوئی اسے پکڑنا چاہتا ہے تو ایک دروازہ سے داخل ہوتا ہے اور دوسرے دروازہ سے نکل بھاگتا ہے۔

اسی طرح منافق ایک طرف سے اسلام کے دروازہ میں داخل ہوتا ہے دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ اسی دروازہ میں داخل ہوا ہے اور در پردہ کفر کے دروازہ سے نکل کر بھاگ جاتا ہے۔ آگے ان منافقین کے نفاق کا حال بیان کرتے ہیں اور جب ان منافقین سے کہا گیا کہ اگر تم دعوائے اسلام میں سچے ہو تو آؤ اللہ کی راہ میں لڑو اور اس کی راہ میں دین کے دشمنوں سے جانبازی اور سرفروشی دکھلاؤ یا کم از کم قوم یا وطن یا شہر سے دشمن ● کی مدافعت کرو یعنی اگر دین کی خاطر دین کے دشمنوں سے نہیں لڑتے تو آؤ قوم اور وطن اور اہل و اعیال ہی کی خاطر دشمن کی مدافعت کرو کیونکہ اگر دشمن کامیاب ہوگا تو وہ پامال کرنے میں مؤمن اور کافر مخلص اور منافق کی کوئی تمیز نہ کرے گا سب کو ایک ہی گھاٹ اتارے گا۔ مقصود اس سے اتمام حجت ہے کہ اگر خدا کے دین کے لیے نہیں لڑتے تو قوم اور وطن اور مال و منال اور اہل و عیال ہی کے لیے دشمن کی مدافعت میں حصہ لو۔

● شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں یعنی از بلاد خویش۔ ۱۲

ف:...... معلوم ہوا کہ جہاد وہ ہے جو صرف اللہ کے لیے اور اُس کے دین کی حمایت اور حفاظت کے لیے ہو اور جو محض قوم اور وطن کے لیے ہو وہ جہاد نہیں منافق بولے کہ اگر ہم واقع میں اس کو لڑائی جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہوتے لیکن یہ تو کوئی لڑائی نہیں ایک طرف تو تین ہزار کا لشکرِ جرار ہے اور ایک طرف ایک ہزار بے سروسامان آدمی ہیں یہ کوئی جنگ نہیں بلکہ مفت میں اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالنا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر کے زیادہ قریب تھے کیونکہ منافقین زبان سے دعویٰ اسلام کا کرتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے لیکن آج کے دن اس جواب سے ان کے نفاق کی قلعی کھل گئی اس دن سے پہلے یہ لوگ اپنے کو مسلمان بتاتے تھے لیکن ظاہر میں ان سے کوئی ایسی علامت ظاہر نہیں ہوئی تھی جو ان کے کفر پر دلالت کرے آج کے دن ان کے اس جواب سے ان کا چھپایا ہوا کفر ظاہر ہو گیا یہ منافقین اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں یعنی ان کا ظاہر و باطن یکساں نہیں زبان سے اسلام کا اظہار کرتے ہیں اور دل میں کافر ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو دل میں چھپائے ہوئے ہیں یعنی ان کے اندرونی کفر اور نفاق سے خوب واقف ہے۔ یہ منافق وہ لوگ ہیں جو خود جہاد سے بیٹھے رہے اور اپنی برادری کے بھائیوں کی نسبت یعنی ان انصار مدینہ کے حق میں جو جنگِ احد میں شہید ہوئے یہ کہنے لگے اگر یہ لوگ ہمارا کہنا مانتے اور ہماری طرح گھروں میں بیٹھے رہتے تو نہ مارے جاتے جس طرح ہم قتل سے محفوظ رہے اس طرح یہ بھی قتل سے محفوظ رہتے اے نبی کریم ﷺ آپ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ تم اپنی ہی جانوں سے موت کو ہٹا دو اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو کہ پرہیز اور احتیاط سے انسان موت اور قتل سے بچ جاتا ہے موت ہو یا قتل ہو وقت مقدر سے کوئی چیز نہیں ٹلتی کتنے ہی پہرے بٹھلا دو موت کو کوئی نہیں ٹال سکتا اب تم کو اختیار ہے کہ جی چاہے گھر میں بیٹھے بزدلوں کی موت مر جاؤ یا میدان جہاد میں خدا کی راہ میں جانبازی و سرفروشی کرتے ہوئے عزت کی موت مرو۔ تاکہ دائمی حیات حاصل ہو جیسا کہ آئندہ میں ذکر آتا ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝۱۶۹

اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے

اور تو نہ سمجھ، جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں، مردے۔ بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ

خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک نہیں پہنچے ان کے پاس

خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے، اور خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی نہیں پہنچے ان میں

خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْھِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۱۷۰ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ

ان کے پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو غم خوش وقت ہوتے ہیں اللہ کی نعمت

پیچھے سے۔ اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر، نہ ان کو غم ہے۔ خوش وقت ہوتے ہیں اللہ کی نعمت

وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع ۱۶ ۸

اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا مزدوری ایمان والوں کی ف۱

اور فضل سے، اور اس سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا مزدوری ایمان والوں کی۔

بیان اعزاز واکرام شہداء احد، در بارگاہ خداوند احد

قال تعالیٰ: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا... الی... وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں منافقین کے اس قول کا جواب دیا تھا جو یہ کہتے تھے کہ ﴿لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا﴾۔ اس کے جواب میں ﴿فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ﴾ ارشاد فرمایا اب اس آیت میں ان کے ایک شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ جن کو تم مقتول اور مردہ کہتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ وہ دنیا سے ناکام اور محروم ہو گئے اور حیات اور لذات سے محروم ہو گئے کہ وہ مردہ نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور ان کو بجائے اس حیات فانی کے ایک خاص قسم کی حیات جاودانی عطا کر دی گئی ہے جو عیش و تنعیم میں اس دنیوی حیات سے کہیں بالا اور برتر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو ہرگز ہرگز مردہ گمان نہ کر بلکہ وہ زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات دنیوی حیات سے کہیں بہتر اور برتر ہے کیونکہ وہ اپنے پروردگار کے نزدیک ہیں۔ جس خدا کے لیے جہاد میں انہوں نے جانیں دی ہیں اس کا قرب ان کو حاصل ہے اور ظاہر ہے کہ مقربین خداوندی کے حیات کے ساتھ اس دنیاوی حیات کو کیا نسبت پھر یہ کہ خدا کے پاس سے ان کو زندوں کی طرح رزق اور روزی دی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ رزق ہی بقاء حیات کا ذریعہ ہے پس جب اس دنیائے فانی کا رزق آدمی کی حیات اور صحت اور قوت کا ایک سبب ہے تو اس عالم کا رزق کس درجہ حیات میں مد اور معاون ہوگا۔ رزق ملنا قیامت کے آنے پر موقوف نہیں ابھی سے ان کو رزق ملنا شروع ہو جاتا ہے پھر یہ کہ یہ شہداء نہایت خوش ہیں ان نعمتوں پر جو ان کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بلا واسطہ اور بلا محنت

ف۱ یعنی گھر میں بیٹھے رہنے سے موت تو رک نہیں سکتی، ہاں آدمی اس موت سے محروم رہتا ہے جس کو موت کے بجائے حیات جاودانی کہنا چاہئے۔ شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک خاص طرح کی زندگی ملتی ہے جو اور مردوں کو نہیں ملتی، ان کو حق تعالیٰ کا ممتاز قرب حاصل ہوتا ہے۔ بڑے عالی درجات و مقامات پر فائز ہوتے ہیں۔ جنت کا رزق آزادی سے پہنچتا ہے۔ جس طرح ہم اعلیٰ درجہ کے ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر ذرا سی دیر میں جہاں چاہیں اڑے چلے جاتے ہیں، شہداء کی ارواح "حواصل طیور خضر" میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی رہتی ہیں۔ ان "طیور خضر" کی کیفیت وکلانی کو اللہ ہی جانے، وہاں کی چیزیں ہمارے احاطہ خیال میں کہاں آسکتی ہیں۔ اس وقت شہداء بے حد مسرور و مبتہج ہوتے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے دولت شہادت عنایت فرمائی، اپنی عظیم نعمتوں سے نوازا اور اپنے فضل سے ہر آن مزید انعامات کا سلسلہ قائم کر دیا، جو وعدے شہیدوں کے لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی کئے گئے تھے انہیں آنکھوں سے مشاہدہ کر کے بے انتہا خوش ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی محنت ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ خیال و گمان سے بڑھ کر بدلہ دیتا ہے پھر نہ صرف یہ کہ اپنی حالت پر شاداں و فرحاں ہوتے ہیں بلکہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کا تصور کر کے بھی انہیں ایک خاص خوشی حاصل ہوتی ہے جن کو اپنے پیچھے جہاد فی سبیل اللہ اور دوسرے امور خیر میں مشغول چھوڑ آئے ہیں کہ وہ بھی اگر ہماری طرح اللہ کی راہ میں مارے گئے یا کم از کم ایمان پر مرے تو اپنی اپنی حیثیت کے موافق ایسی ہی پر لطف اور بے خوف زندگی کے مزے لوٹیں گے۔ نہ ان کو اپنے آگے کا ڈر ہوگا نہ پیچھے کا غم، مامون و مطمئن سیدھے خدا کی رحمت میں داخل ہو جائیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ شہدائے احد یا شہدائے بیر معونہ نے خدا کے ہاں پہنچ کر تمنا کی تھی کاش ہمارے اس عیش و تنعم کی خبر کوئی ہمارے بھائیوں کو پہنچا دے تا کہ وہ بھی اس زندگی کی طرف جھپٹیں اور جہاد سے جان نہ چرائیں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں پہنچاتا ہوں۔ اس پر یہ آیات نازل کیں اور ان کو مطلع کر دیا گیا کہ ہم نے تمہاری تمنا کے موافق خبر پہنچا دی اس پر وہ اور زیادہ خوش ہوئے۔

اور بلا مشقت اور بلا ان کے کسب واکتساب کے ان کو دی ہیں۔ دنیا کے رزق میں اول تو محنت اور مشقت ہے اور آخر میں ملنے کے بعد یہ غم ہوتا ہے کہ شاید یہ رزق کہیں چھن نہ جائے۔ اور شہداء کو اللہ کے پاس سے جو رزق ملتا ہے اول تو اس میں اسباب ووسائل کا واسطہ نہیں ہوتا اور پھر یہ کہ اس میں کسی قسم کی محنت ومشقت نہیں اور پھر یہ کہ اللہ کے فضل سے اس کے زوال کا اندیشہ نہیں "اتاهم الله من فضله" کے یہ معنی ہیں خوب سمجھ لو اور یہ بے مثال فرحت ومسرت بھی ان کی بے مثال حیات کی دلیل ہے۔ فرحت تو زندہ ہی کو ہوتی ہے شہداء ان نعمتوں کو دیکھ کر بے حد خوش ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدے شہیدوں کے لیے پیغمبروں کے زبانی کیے تھے آج اپنی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کر لیا یہ تو اس مسرت کا ذکر تھا جو ان کی ذات سے متعلق تھی۔ اب آئندہ شہداء کی اس مسرت اور خوشی کو بیان کرتے ہیں جو ان کو اپنے پسماندوں کے متعلق ہوتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں شہداء اپنے ان پسماندوں کے متعلق بھی جو کہ ابھی ان سے نہیں ملے اور دنیا میں ان کے پیچھے رہ گئے ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ یا اور امور خیر میں ان کو دنیا میں مشغول چھوڑ آئے ہیں کہ اگر یہ لوگ بھی ہماری طرح خدا کی راہ میں مارے گئے اور شہید ہو کر یہ لوگ بھی ہم سے آملے تو ہماری طرح ان پر بھی نہ آئندہ کا کوئی خوف وہراس ہوگا اور نہ گزشتہ پر یہ غمگین ہوں گے یعنی شہادت کے بعد نہ تو آخرت کی عقوبت کا کوئی خوف ہوگا اور شہادت کی وجہ سے جو دنیا کی لذتیں فوت ہو گئیں ان پر حزین وغمگین نہ ہوں گے اس لیے کہ یہاں کی لذتیں اور نعمتیں دنیا کی نعمتوں اور لذتوں سے ہزاراں ہزار درجہ بڑھ کر ہوں گی الغرض شہداء۔ اللہ کی نعمت اور فضل کو دیکھ دیکھ کر غایت درجہ خوش ہوتے رہیں گے اور کیسے اور کیوں خوش نہ ہوں تحقیق جب کہ وہ یہ مشاہدہ کر لیں گے کہ اللہ تعالیٰ تو عام اہل ایمان کے اجر کو بھی ضائع نہیں فرماتے۔ بلکہ وہم وگمان سے بڑھ کر دیتے ہیں تو شہداء (جان نثاروں) کے اجر کو کیسے ضائع فرمائیں گے جنہوں نے اس کی راہ میں اپنی جانیں قربان کر دی ہیں غرض یہ کہ شہداء اپنی نعمتوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور دوسروں کے متعلق بھی یہ معلوم کر کے خوش ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

سدی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ شہید کے پاس ایک رجسٹر لایا جاتا ہے جس میں ان لوگوں کے نام درج ہوتے ہیں جو اس کے مسلمان بھائیوں میں سے اس کے پاس آنے والے ہوتے ہیں پس وہ اس بشارت سے ایسا خوش ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں لوگ اپنے کسی غائب عزیز کی آمد کی بشارت سن کر خوش ہوتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۴۲۸)

اور بعض علماء کہتے ہیں کہ ﴿الَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ﴾ کا اشارہ تمام مومنین کی طرف ہے۔ جو دنیا میں ان سے پیچھے رہ گئے اگرچہ وہ شہید نہیں ہوئے۔ شہداء جب اس عالم میں پہنچ کر حق تعالیٰ کے ثواب اور انعام کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ان کو یقین کامل ہو جاتا ہے کہ اسلام دین حق ہے اور اس پر چلنے والوں کو اللہ تعالیٰ ضرور ثواب اور اجر عطا فرمائے گا پس شہداء اللہ کے ان افضال والطاف پر بھی خوش ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے خود ان کو عطا کیے اور اپنے ان بھائیوں کے متعلق بھی ان کو خوشی ہوتی ہے جو دنیا میں ان کے پیچھے رہ گئے اگرچہ ان کو شہادت کی فضیلت حاصل نہیں ہوئی۔ ان پر بھی کوئی خوف اور غم نہیں اس لیے کہ وہ ٹھیک راہ پر جا رہے ہیں اور آخر کار وہ ضرور جنت میں پہنچیں گے۔

زجاج رحمہ اللہ اور ابن فورک رحمہ اللہ نے یہی معنی اختیار کیے ہیں جیسا کہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے:

”وقیل ان الاشارۃ بالاستبشار للذین لم یلحقوا بھم الی جمیع المومنین وان لم یقتلوا ولکنھم لما عاینوا ثواب اللہ وقع الیقین بان دین الاسلام ھو الحق الذی یثیب اللہ علیھم فھم فرحون لانفسھم بما آتاھم اللہ من فضلہ مستبشرون للمومنین بان لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ ذھب الی ھذا المعنی الزجاج وابن فورك“ (تفسیر قرطبی: ۲۷۵/۴)

اطلاع:...... حیات شہداء کی تحقیق (پارہ سیقول) کے رکوع سوم میں گزر چکی ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا

جن لوگوں نے حکم مانا اللہ کا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد اس کے کہ پہنچ چکے تھے ان کو زخم جو ان میں نیک

جن لوگوں نے حکم مانا اللہ اور رسول کا، بعد اس کے کہ ان میں پڑ چکا تھا گھاؤ۔ جو ان میں نیک

مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ

ہیں اور پرہیزگار ان کو ثواب بڑا ہے جن کو کہا لوگوں نے کہ مکہ والے آدمیوں نے جمع کیا ہے سامان تمہارے

ہیں اور پرہیزگار ان کو ثواب بڑا ہے۔ جن کو کہا لوگوں نے کہ انہوں نے جمع کیا اسباب تمہارے

فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ

مقابلہ کو سو تم ان سے ڈرو تو اور زیادہ ہوا ان کا ایمان اور بولے کافی ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب کارساز ہے ف۱ پھر چلے آئے مسلمان اللہ کے

مقابلے کو، سو تم ان سے خطرہ کرو، پھر ان کو زیادہ آیا ایمان۔ اور بولے بس ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب کارساز ہے۔ پھر چلے آئے، اللہ کے

ف۱ ابوسفیان جب احد سے مکہ کو واپس گیا تو راستہ میں خیال آیا کہ ہم نے بڑی غلطی کی، ہزیمت یافتہ اور زخم خوردہ مسلمانوں کو یونہی چھوڑ کر چلے آئے، مشورے ہونے لگے کہ پھر مدینہ واپس چل کر ان کا قصہ تمام کر دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو اعلان فرما دیا کہ جو لوگ کل ہمارے ساتھ لڑائی میں حاضر تھے آج دشمن کا تعاقب کرنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ مسلمان مجاہدین باوجودیکہ تازہ زخم کھائے ہوئے تھے، اللہ اور رسول کی پکار پر نکل پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مجاہدین کی جمعیت لے کر مقام حمراء الاسد تک (جو مدینہ سے آٹھ میل ہے) پہنچے۔ ابوسفیان کے دل میں یہ سن کر کہ مسلمان اس کے تعاقب میں چلے آ رہے ہیں، سخت رعب و دہشت طاری ہوگئی، دوبارہ حملہ کا ارادہ فسخ کر کے مکہ کی طرف بھاگا۔ عبدالقیس کا ایک تجارتی قافلہ مدینہ آ رہا تھا۔ ابوسفیان نے ان لوگوں کو کچھ دے کر آمادہ کیا کہ وہ مدینہ پہنچ کر ایسی خبریں شائع کریں جن کو سن کر مسلمان ہماری طرف سے مرعوب و خوفزدہ ہو جائیں۔ انہوں نے مدینہ پہنچ کر کہنا شروع کیا کہ مکہ والوں نے بڑا بھاری لشکر اور سامان مسلمانوں کے استیصال کی غرض سے تیار کیا ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں کے دلوں میں خوف کی جگہ جوش ایمان بڑھ گیا اور کفار کی جمعیت کا حال سن کر کہنے لگے۔ ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ ساری دنیا کے مقابلہ میں اکیلا خدا ہم کو کافی ہے۔ اسی پر یہ آیات نازل ہوئیں، بعض کہتے ہیں کہ جنگ احد تمام ہونے پر ابوسفیان نے اعلان کیا تھا کہ اگلے سال بدر پر پھر لڑائی ہے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کر لیا۔ جب اگلا سال آیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ جہاد کیلئے چلو۔ اگر کوئی نہ جائے گا تب بھی اللہ کا رسول تنہا جائیگا۔ ادھر سے ابوسفیان فوج لیکر مکہ سے نکلا تھوڑی دور چل کر کمر ہمت ٹوٹ گئی، رعب چھا گیا، قحط سالی کا عذر کر کے چاہا مکہ واپس جائے، مگر صورت ایسی ہو کہ الزام مسلمانوں پر رہے، ایک شخص مدینہ جاتا تھا، اس کو کچھ دینا کیا کہ وہاں پہنچ کر اس طرف کی ایسی خبریں مشہور کرنا جن کو سن کر مسلمان خوف کھائیں اور جنگ کو نہ نکلیں وہ مدینہ پہنچ کر کہنے لگا کہ مکہ والوں نے بڑی بھاری جمعیت اکٹھی کی ہے تم کو لڑنا بہتر نہیں مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے استقلال دیا۔ انہوں نے یہی کہا کہ ہم کو اللہ کافی ہے۔ آخر مسلمان حسب وعدہ بدر پہنچے، وہاں بڑا بازار لگتا تھا، تین روز رہ کر تجارت کر کے خوب نفع کما کر مدینہ واپس آئے اس غزوہ کو بدر صغریٰ کہتے ہیں۔ اس وقت جن لوگوں نے رفاقت کی اور تیار ہوئے ان کو بشارت ہے کہ احد میں زخم کھا کر اور نقصان اٹھا کر پھر ایسی جرأت کی۔ مسلمانوں کی اس جرأت و مستعدی کی خبر سن کر مشرکین راستہ سے لوٹ گئے چنانچہ مکہ والوں نے اس مہم کا نام=

مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ

احسان اور فضل کے ساتھ کچھ نہ پہنچی ان کو برائی اور تابع ہوئے اللہ کی مرضی کے اور اللہ کا فضل

احسان سے اور فضل سے کچھ نہ پہنچی برائی، اور چلے اللہ کی رضا پر، اور اللہ کا فضل

عَظِيۡمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيۡطٰنُ يُخَوِّفُ اَوۡلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوۡهُمۡ وَخَافُوۡنِ اِنۡ كُنۡتُمۡ

بڑا ہے ف۱ یہ جو ہے سو شیطان ہے کہ ڈراتا ہے اپنے دوستوں سے سو تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر

بڑا ہے۔ یہ جو ہے سو شیطان ہے کہ ڈراتا ہے اپنے دوستوں سے، سو تم ان سے مت ڈرو، اور مجھ سے ڈرو اگر

مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۷۵﴾

ایمان رکھتے ہو ف۲

ایمان رکھتے ہو۔

قصۂ غزوہ حمراء الاسد

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَلَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ... الی... اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں غزوۂ اُحد کا قصہ بیان ہوا اب ان آیات میں غزوۂ احد ہی کے متعلق ایک دوسرے غزوے کا ذکر فرماتے ہیں جو غزوۂ حمراء الاسد کے نام سے مشہور ہے اور غزوہ احد سے متصل واقع ہوا ہے۔ یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں شہداء احد کا ذکر تھا اب ان آیات میں شہداء احد کے ان اخوان مخلصین کا ذکر فرماتے ہیں جو ﴿الَّذِيۡنَ لَمۡ يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ مِّنۡ خَلۡفِهِمۡ﴾ کا مصداق ہیں یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے فضل کی بشارت کا ذکر تھا اور اس آیت میں بھی غزوۂ حمراء الاسد کے مجاہدین کے لیے انقلاب ﴿بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ﴾ کی بشارت کا ذکر ہے اور اہل ایمان کی مدح فرماتے ہیں کہ وہ کسی کی دھمکی میں نہیں آتے بلکہ ان کو اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے وہ ڈرپوک اور بزدل نہیں۔

اس آیت کے شان نزول کے متعلق علماء کے دو قول ہیں۔

= "جیش السویق" رکھ دیا۔ یعنی وہ لشکر جو محض ستو پینے گیا تھا پی کر واپس آ گیا

(تنبیہ) یہ جو فرمایا ﴿لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡهُمۡ وَاتَّقَوۡا﴾ محض ان کی مدح سرائی اور تنویہ شان کیلئے ہے ورنہ وہ سب کے سب ایسے ہی تھے۔

ف۱ یعنی اللہ کا فضل دیکھو نہ کچھ لڑائی کرنی پڑی نہ کانٹا چبھا، مفت میں ثواب کمایا، تجارت میں نفع حاصل کر کے اور دشمنوں پر دھاک بٹھلا کر خدا تعالیٰ کی خوشنودی لئے ہوئے صحیح سلامت گھر واپس آ گئے۔ (تنبیہ) بدر صغریٰ کی طرح غزوہ حمراء الاسد میں بھی ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ سامان کی خرید و فروخت ہوئی تھی اور مسلمانوں نے بھاری نفع کمایا تھا غالباً فضل سے یہی مالی نفع مراد ہے۔

ف۲ یعنی جو ادھر سے آ کر مرعوب کن خبریں پھیلاتا ہے وہ شیطان ہے یا شیطان کے اغواء سے ایسا کر رہا ہے جس کی غرض یہ ہے کہ اپنے چیلے چانٹوں اور بھائی بندوں کا رعب تم پر بٹھلا کر خوفزدہ کر دے، سو تم اگر ایمان رکھتے ہو (اور ضرور رکھتے ہو جس کا ثبوت عملاً دے چکے) تو ان شیطانوں سے اصلا مت ڈرو صرف مجھ سے ڈرتے رہو کہ ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید ترسد ازوے جن و انس و ہر کہ دید

پہلا قول:...... یہ ہے کہ یہ آیت غزوۂ حمراء الاسد کے متعلق نازل ہوئی جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب ابوسفیان اور اس کا لشکر احد سے مکہ کو واپس ہوا تو راستہ میں خیال آیا کہ ہم نے بڑی غلطی کی کہ ایسی بڑی کامیابی کے بعد مسلمانوں کو زندہ چھوڑ کر کیوں چلے آئے ہم کو چاہیے کہ ہم مدینہ واپس چلیں اور جا کر مسلمانوں کی جڑ ہی اکھاڑ کر پھینک دیں۔ جب یہ خبر آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو یہ اعلان فرمایا کہ صرف وہ لوگ جو احد میں میرے ساتھ شریک تھے وہ دشمن کے تعاقب کے لیے تیار ہو جائیں۔ حاضرینِ اُحد کے علاوہ اور کسی کو میں اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہتا مسلمان مجاہدین باوجودیکہ تازہ زخم کھائے ہوئے تھے اور زخموں کی مرہم پٹی کا ارادہ کر رہے تھے آپ ﷺ کا اعلان سنتے ہی زخموں کو بھول گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ ہوئے حضور پرنور ﷺ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ جن کی تعداد ستر تھی روانہ ہوئے اور مقام حمراء الاسد پہنچے جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے ابوسفیان کو جب یہ خبر ملی کہ مسلمان اس کے تعاقب میں چلے آرہے ہیں تو اس پر من جانب اللہ ایسا رعب اور ایسی دہشت طاری ہوئی کہ مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کا ارادہ فسخ کیا اور مکہ کی طرف بھاگا اس سفر میں حضور پرنور ﷺ کے ہمراہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و طلحہ و زبیر و سعد و عبدالرحمن بن عوف اور عبداللہ بن مسعود و حذیفہ بن الیمان و ابوعبیدہ جراح رضی اللہ عنہم وغیرہ وغیرہ شامل تھے۔

دوسرا قول:...... اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق یہ ہے کہ یہ آیت غزوۂ بدر صغریٰ کے بارہ میں نازل ہوئی جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جنگِ احد سے فارغ ہو کر جب ابوسفیان نے مکہ کی واپسی کا ارادہ کیا تو یہ کہا اے محمد (ﷺ) اگر آپ ﷺ چاہیں تو ہماری اور تمہاری آئندہ سال موسم بدر میں پھر لڑائی ہو۔ ابوسفیان کا مقصد یہ تھا کہ مقام بدر میں ہمارے بڑے بڑے سردار مارے گئے تھے اب ابوسفیان یہ چاہتا تھا کہ سال آئندہ پھر اسی سال مقام بدر پر دوبارہ جنگ ہو اور ہم احد کی طرح وہاں بھی مسلمانوں کے بڑے بڑے سرداروں کو ماریں تاکہ بدر کا بدلہ ہو جائے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا منظور ہے جب سال پورا ہو گیا تو ابوسفیان دو ہزار کفار قریش کے ساتھ مکہ سے جنگ کے ارادہ سے نکلا پچاس گھوڑے ہمراہ تھے۔

ادھر آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ چلنے کا حکم دیا صحابہ رضی اللہ عنہم سنتے ہی رفاقت کے لیے تیار ہو گئے اور مقام بدر پر پہنچ گئے ابوسفیان مکہ سے نکل کر ابھی مقام مرالظہران ہی تک پہنچا تھا کہ یکایک دل میں مسلمانوں کا خوف پیدا ہو گیا چاہتا یہ تھا کہ حضور پرنور ﷺ وعدہ پر نہ آئیں تو الزام آپ ﷺ پر رہے۔ اور میں لڑائی سے بچ جاؤں اس لیے اس کو مناسب یہ معلوم ہوا کہ میں لشکر کو لے کر مکہ واپس جاؤں۔ اتفاق سے اسے نعیم بن مسعود اشجعی مل گیا جو مکہ سے عمرہ کر کے واپس آرہا تھا۔ ابوسفیان نے اس سے کہا میں محمد (ﷺ) اور اس کے اصحاب سے یہ وعدہ کر آیا تھا کہ بدر کے میلے کے ایام میں سال آئندہ ہماری اور تمہاری جنگ ہو گی لیکن یہ سال خشک سالی کا ہے ایسے وقت میں لڑنا مناسب نہیں اب مجھے یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ میں مکہ میں واپس چلا جاؤں لیکن میں اس بات کو بھی ناپسند کرتا ہوں کہ محمد (ﷺ) تو وعدے پر آ پہنچیں اور میں نہ پہنچوں اس سے مسلمانوں کو اور زیادہ جرأت ہو گی تو بہتر یہ ہے کہ ''اے نعیم تم مدینہ جا کر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور کرو کہ قریش مکہ نے تمہارے مقابلہ کے لیے ایک لشکر عظیم تیار کیا ہے جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکو گے لہٰذا تمہارا لڑائی کے لیے نکلنا بہتر نہیں ہے'' تاکہ

مسلمان اس قسم کی خبروں سے خوف زدہ ہو جائیں اور ان کی ہمتیں ٹوٹ جائیں اور ڈر کے مارے جنگ کے لیے نہ نکلیں اور ابوسفیان نے نعیم بن مسعود سے یہ کہا کہ اس کام کی اجرت میں تم کو دس اونٹ دوں گا جسے آج کل کی اصطلاح میں پروپیگنڈا کہتے ہیں جس کی حقیقت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ جھوٹ کو سچائی کے پیرایہ میں اس طرح پیش کرو کہ سننے والے کو اس کے جھوٹ ہونے کا شبہ بھی نہ ہو۔ ﴿لعنة الله علی الکاذبین﴾

یہ پروپیگنڈا یورپ کے ائمہ تہذیب وتمدن کی عجیب وغریب ایجاد ہے مگر اسلام جیسا پاک اور مقدس مذہب اپنے پیروؤں کو ایک لحہ کے لیے بھی اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے دشمنوں پر جھوٹ بولیں یا ان پر جھوٹی تہمت لگائیں۔ قرآن کریم پروپیگنڈا کرنے والے کو شیطان بتلاتا ہے جیسا کہ آئندہ آیت میں ہے: ﴿اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ﴾۔

نعیم انعام کالالچ پا کر مدینہ پہنچا دیکھا کہ مسلمان، ابوسفیان کے وعدہ پر جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ نعیم نے کہا کہ مکہ کے لوگوں نے تمہارے مقابلہ کے لیے بڑی جمعیت تیاری کی ہے تم کو لڑنا بہتر نہیں۔ نعیم نے کہا دیکھو! احد کے سال قریش تمہارے گھر پر چڑھ کر آئے اور تمہیں قتل کیا اور کوئی گھر قتل اور زخم سے خالی نہ رہا اور اس پر بھی اگر تم اپنے گھر سے نکل کر ان سے لڑنے جاتے ہو تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص بھی ان کے ہاتھ سے بچ کر مدینہ واپس نہ آئے گا۔ یہ سن کر مسلمانوں کے دلوں میں بجائے خوف کے جوش ایمانی بڑھ گیا اور کہنے لگے ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ اللہ ہمیں کافی ہے اور بہترین کارساز ہے اور خدا جس کا کارساز ہو تو بڑی سے بڑی جمعیت بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں ضرور ان کے مقابلہ کے لیے نکلوں گا خواہ مجھ کو تنہا ہی جانا پڑے پھر آپ ﷺ بدر کی طرف روانہ ہوئے اور ستر صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ہمراہ ہوئے جو ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ کہتے جاتے تھے آپ ﷺ بدر پر پہنچے اور وہاں آپ ﷺ نے ابوسفیان کا آٹھ روز تک انتظار فرمایا لیکن ابوسفیان نہ آیا اور لڑائی کچھ نہیں ہوئی ان دنوں بدر کا میلہ لگا ہوا تھا مسلمانوں نے اس میں خرید وفروخت کی اور خوب نفع کمایا اور خوب نفع کما کر خیریت کے ساتھ مدینہ واپس آئے اس واقعہ کو غزوۂ بدر صغریٰ کہتے ہیں اور احد سے پہلے جو بدر میں لڑائی ہوئی تھی اس کو غزوۂ بدر کبریٰ کہتے ہیں۔

اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت پہلے قول کے مطابق غزوۂ حمراء الاسد کے بارہ میں نازل ہوئی اور اسی کو ابن جریر رحمہ اللہ اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے راجح قرار دیا اور صحیح بخاری کی روایت کا سیاق بھی اسی کو مقتضی ہے کہ ان آیات کا نزول غزوۂ حمراء الاسد کے بارہ میں ہوا جو غزوۂ احد سے متصلاً واقع ہوا۔

اور اس آیت کا سیاق بھی اسی کو مقتضی ہے کیونکہ حق جل شانہ نے ﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ﴾ میں ان حضرات کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ یہ لوگ باوجود زخموں کی تکلیف پہنچنے کے رسول کی فرمانبرداری میں جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے جو ظاہراً اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ احد کے متصل اور فوراً بعد میں پیش آیا کہ غزوۂ احد کے زخموں کی تکلیف ابھی باقی تھی مگر پھر بھی جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے سو، یہ حالت غزوۂ حمراء الاسد میں پیش آئی جو غزوۂ احد کے متصل واقع ہوا اور غزوۂ بدر صغریٰ تو اُحد کے سال بھر بعد پیش آیا جس وقت مسلمان تندرست ہو چکے تھے

اس پر ﴿مِنۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ﴾ کا صادق آنا محتاج تاویل ہوگا۔

اس لیے امام فخر الدین رازی قدس اللہ سرہ نے یہ اختیار فرمایا کہ ﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ یہاں تک کی آیت غزوۂ حمراء الاسد کے بارہ میں نازل ہوئی اور آیت ﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ الی قولہ تعالیٰ ﴿وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ یہاں تک کی تمام آیتیں غزوۂ بدر صغریٰ کے بارہ میں نازل ہوئیں۔ غرض یہ کہ حق تعالیٰ نے دونوں آیتوں میں ان مسلمانوں کی مدح فرمائی جو ان دونوں غزوؤں میں شریک ہوئے پہلی آیت میں غزوۂ حمراء الاسد کا ذکر ہے اور دوسری آیت یعنی ﴿قَالَ لَهُمُ النَّاسُ﴾ الی آخرہ میں غزوۂ بدر صغریٰ کا ذکر ہے اور ان دونوں غزوؤں کے درمیان ایک سال کا فاصلہ ہے اور اس ناچیز کے نزدیک بھی یہی قول ظاہر آیت کے مطابق ہے کہ پہلی آیت یعنی ﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ﴾ غزوۂ حمراء الاسد کے بارہ میں نازل ہوئی اور دوسری آیت یعنی ﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ﴾ الخ غزوۂ بدر صغریٰ کے بارہ میں نازل ہوئی۔ اس تفصیل کے سمجھ لینے کے بعد اب آیات کی تفسیر سنیے۔ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں جن لوگوں نے احد میں زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا حضور پرنور ﷺ کے بلانے پر جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور زخموں کی تکلیف کی پرواہ نہ کی تو بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو ان میں سے نیکوکار اور پرہیزگار ہیں اجر عظیم ہے اس آیت میں یہ اشکال ہے کہ جن لوگوں نے احد میں زخم کھانے کے بعد حمراء الاسد میں جانے کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا تھا وہ سب ہی نیکوکار اور متقی اور پرہیزگار تھے پھر خدا تعالیٰ کے اس فرمانے کے کیا معنی کہ جو ان میں سے نیکوکار اور متقی ہیں ان کے لیے اجر عظیم ہے۔

جواب: ...... صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ اس جگہ "مِنْ" تبیین کے لیے ہے تبعیض کے لیے نہیں اور نیکوکاری اور تقویٰ کی صفت مدح اور تعلیل کے لیے ہے نہ کہ تقیید کے لیے مقصود ان کی مدح سرائی اور تنویہ شان ہے ورنہ وہ سب ایسے ہی تھے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جن لوگوں نے احد میں زخم کھانے کے بعد اللہ اور رسول کا حکم مانا چونکہ یہ سب لوگ نیکوکار اور پرہیزگار ہیں اس لیے ان کے لیے اجر عظیم ہے یعنی یہ لوگ اجر عظیم کے اس لیے مستحق ہوئے کہ یہ لوگ صفت احسان اور تقویٰ کے ساتھ موصوف ہیں۔

یا یوں کہو کہ منھم کی ضمیر عام مومنین کی طرف راجع ہے جیسا کہ گزشتہ آیت ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ میں عام مومنین کا ذکر ہے جن میں ضعیف الایمان بھی داخل ہیں۔ پس غزوۂ حمراء الاسد میں جو چند مسلمان باوجود تازہ زخم کھائے ہوئے ہونے کے آپ ﷺ کے ہمراہ کافروں کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے وہ عام مومنین میں کے بعض مخصوص افراد تھے اور اعلیٰ درجہ کے نیکوکار اور پرہیزگار تھے۔ اس تفسیر پر من تبعیضیہ بھی بے تکلف ہوسکتا ہے۔

اور یہی محسنین اور متقین ایسے مخلص ہیں کہ جب ان سے قبیلہ عبدالقیس کے لوگوں نے آ کر یہ کہا کہ تحقیق مکہ کے لوگوں نے تمہارے مقابلہ کے لیے لڑائی کا بڑا سامان جمع کیا ہے پس تم ان سے ڈرتے رہنا اور اندیشہ اور خطرہ کو پیش نظر رکھنا

بے دھڑک ان کے مقابلہ کے لیے نہ نکل کھڑے ہونا پس یہ بات ان کے ایمان میں اور زیادتی کا سبب بن گئی یعنی مشرکین کے خوف دلانے سے مسلمان سست نہ پڑے اور نہ ان کی بات کی طرف التفات کیا بلکہ جوش ایمانی میں اور اضافہ ہو گیا اور سمجھے کہ خدا کی راہ میں جس قدر بھی جانبازی اور سرفروشی دکھلائیں گے اسی قدر مدارج قرب سے بہرہ ور ہوں گے اور جوش میں آ کر یہ بولے کہ بس کافی ہے ہم کو اللہ اور بہترین کارساز ہے جو اپنے آپ کو خدا کے حوالے اور سپرد کر دے دشمن اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

گزشتہ آیات میں غزوۂ حمراء الاسد سے متعلق تھیں جو غزوۂ احد کے متصل واقع ہوا تھا اور یہ آیتیں غزوۂ بدر صغریٰ کے متعلق ہیں جو کہ غزوہ احد کے ایک سال بعد واقع ہوا پس یہ لوگ اللہ کے خاص نعمت اور اس کے خاص فضل کو لے کر اپنے گھر واپس ہوئے اور اس سفر میں ان کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی۔ نعمت سے سلامتی اور عافیت مراد ہے اور فضل سے وہ نفع مراد ہے جو اللہ کے ان برگزیدہ بندوں نے بدر میں آٹھ روز تک بذریعہ تجارت حاصل کیا اور ﴿لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوٓءٌ﴾ سے یہ مراد ہے کہ اس سفر میں نہ کوئی آدمی قتل ہوا اور نہ کسی کو کوئی زخم آیا اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی رضامندی اور خوشنودی کی پیروی کی یعنی سب سے بڑی چیز جو ان کو اس سفر میں ملی وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان سے راضی ہوا جو فلاح دارین کی کنجی ہے اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔ اس کا فضل وانعام وہم وگمان سے بڑھ کر ہوتا ہے جز این نیست کہ یہ خبر دینے والا کہ اہل مکہ نے تمہارے مقابلہ کے لیے بڑا اسامان جمع کیا ہے، شیطان ہے۔ تم کو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے پس اے مسلمانو تم ان سے نہ ڈرنا یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور صرف مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو اور ضرور رکھتے ہو جیسا کہ تمہاری جاں نثاری اس کی شاہد ہے تو پھر تم کیوں فکرمند ہوتے ہو۔

ہر کہ ترسید از حق وتقوی گزید ترسد از دے جن وانس وہر کہ دید

خلاصۂ کلام یہ کہ حق تعالیٰ نے ان آیات میں ان مومنین مخلصین کی مدح فرمائی کہ جو غزوہ حمراء الاسد اور غزوہ بدر صغریٰ میں رسول اللہ ﷺ کے ایک اشارہ پر نکل کھڑے ہوئے پہلی آیت یعنی ﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ﴾ الخ غزوہ حمراء الاسد کے بارہ میں نازل ہوئی اور جو غزوہ احد سے متصلاً واقع ہوا اور دوسری آیت یعنی ﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ﴾ الخ یہ آیت غزوہ بدر صغریٰ اور نعیم بن مسعود اشجعی کے قصہ کے بارہ میں نازل ہوئی۔

لطائف ومعارف

آیت مذکورہ بالا ﴿فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان میں زیادتی اور کمی ہو سکتی ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی ؒ فرماتے ہیں کہ ایمان کے کم وزیادہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام اعظم کوفی ؓ فرماتے ہیں کہ "الایمان لایزید ولاینقص" ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم اور امام شافعی ؒ فرماتے ہیں کہ "یزید وینقص" یعنی ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے اس میں شک نہیں کہ ایمان جس کے معنی تصدیق قلبی اور یقین دلی کے ہیں اس میں زیادت اور نقصان کی گنجائش نہیں اس لیے کہ جس چیز میں زیادتی کمی کا احتمال ہو وہ دائرہ ظن میں داخل ہے نہ دائرہ یقین میں ہاں اتنی بات

ضرور ہے کہ اعمال صالحہ کا بجالانا اس یقین کو منور اور روشن کر دیتا ہے اور برے اعمال کا ارتکاب اس یقین کو مکدر اور تاریک اور سیاہ کر دیتا ہے پس اعمال کی کمی اور زیادتی سے ایمان کی نورانیت اور روشنی میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے نہ کہ نفس ایمان اور نفس یقین میں لہٰذا بعض لوگوں نے یقین کی نورانیت اور انجلاء کی کمی اور زیادتی پر نظر کر کے نفس یقین کو زائد اور ناقص کہہ دیا اور جن حضرات کی نظر دقیق اور عمیق تھی انہوں نے جب یہ دیکھا کہ یہ زیادتی اور کمی صفات یقین کی طرف راجع ہے نہ کہ نفس یقین کی طرف اس بنا پر انہوں نے یقین کو غیر زائد اور غیر ناقص کہہ دیا جیسے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کہ نفس نبوت میں سب برابر ہیں جیسا کہ ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ﴾ اس کی طرف مشیر ہے کہ مگر مراتب اور درجات عالیہ میں متفاوت ہیں کما قال تعالیٰ: ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ اور جیسے تمام انسان کہ نفس انسانیت میں تو سب برابر اور حقیقت وذات میں متحد ہیں مگر کمالات انسانیت میں متفاضل ہیں اور بعض بعض سے افضل ہیں۔ پس جس طرح یہ تفاضل اور تفاوت صفات اور کمالات کے اعتبار سے ہے نفس ذات کے اعتبار سے نہیں۔ نفس حقیقت اور نفس ذات کے اعتبار سے نفس نبوت اور نفس انسانیت میں کوئی کمی اور زیادتی نہیں۔

اسی طرح حقیقت ایمان کو سمجھو کہ تمام مومنین میں نفس ایمان برابر مشترک ہے اور اسی قدر مشترک کی وجہ سے تمام مومنین اخوت ایمانیہ کی سلک میں منسلک ہیں کما قال تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾۔ اور اس قدر مشترک میں کوئی کمی اور زیادتی نہیں البتہ اعمال صالحہ کی کمی اور زیادتی کی وجہ سے ایمان کی صفت نورانیت اور انجلاء وصفاء اور روشنی میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے۔

جس طرح دو آئینے جو باہم برابر ہوں لیکن انجلاء اور نورانیت میں تفاوت رکھتے ہوں تو ایک شخص اس کو آئینہ کو جو دوسرے آئینہ سے زیادہ روشن ہے دیکھ کر یہ کہے کہ یہ آئینہ دوسرے آئینہ سے زائد ہے اور دوسرا شخص یہ کہے کہ دونوں آئینہ برابر ہیں اور ان میں کسی قسم کی زیادتی اور نقصان نہیں فرق صرف نورانیت اور انجلاء کا ہے جو آئینہ کی صفات ہیں پس دوسرے شخص کی نظر صائب اور ثاقب ہے اور حقیقت تک نافذ ہے اور شخص اول کی نظر کوتاہ ہے صفت سے بڑھ کر ذات تک نہیں پہنچی اور صفت اور ذات میں فرق نہیں کرتی۔ ﴿يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾۔

اس تحقیق سے مخالفین کا وہ اعتراض جو ایمان کے کم وبیش نہ ہونے پر کیا کرتے تھے ان شاء اللہ زائل ہو جائے گا اور عام مومنوں کا ایمان تمام وجوہ میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے ایمان کی طرح نہ ہوگا کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ایمان آفتاب اور ماہتاب کی طرح روشن ہوگا اور کامل طور پر منجلی اور نورانی ہوگا اور عام مومنوں کا ایمان کامل طور پر نورانی نہ ہوگا بلکہ اپنے اندر بہت سی ظلمتیں اور کدورتیں لیے ہوئے ہوگا۔ عوام مومنین کا ایمان، حضرات انبیاء علیہم السلام کے ایمان کے گرد کو بھی نہیں پہنچتا۔ گویا کہ عامۂ مومنین نفس انسانیت میں انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ شریک ہیں۔ مگر کمالات اور درجات عالیہ میں کوئی نسبت نہیں، "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" اسی طرح ایمان کی شرکت کو سمجھو۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کا ایمان کمال اطاعت خداوندی کے اقتران کی وجہ سے ذروہ علیا کو پہنچا ہوا ہے اور مومنین کا ایمان ایک ذرہ بے مقدار ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان جو وزن میں امت کے ایمان سے زیادہ ہے۔ اس کو بھی انجلاء اور نورانیت کے اعتبار سے سمجھنا چاہیے نفس

انسانیت میں زیادتی اور نقصان کا کوئی دخل نہیں اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسانیت زیادتی اور نقصان کے قابل ہے تمام افراد انسانی۔ حقیقت اور ذات کے اعتبار سے متحد اور برابر ہیں اور باقی تفاضل یعنی ایک کا دوسرے سے افضل ہونا وہ صفات کاملہ اور کمالات فاضلہ کے اعتبار سے ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ دیکھو مکتوب ۲۶۶ از دفتر اول مکتوبات امام ربانی۔ ومکتوب ۶۷ از دفتر دوم اور دیکھو حجۃ اللہ البالغہ۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا

اور غم میں نہ ڈالیں تجھ کو وہ لوگ جو دوڑتے ہیں کفر کی طرف وہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ اللہ چاہتا ہے کہ

اور تجھ کو غم نہ آئے ان لوگوں سے جو دوڑ کر لگتے ہیں کفر کرنے۔ وہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ۔ اللہ چاہتا ہے کہ

يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ

ان کو فائدہ نہ دے آخرت میں اور ان کے لئے عذاب ہے بڑا ف۱ جنہوں نے مول لیا کفر کو

ان کو فائدہ نہ دے آخرت میں۔ اور ان کو بڑی مار ہے۔ جنہوں نے خرید کیا کفر

بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

ایمان کے بدلے وہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک ف۲

ایمان کے بدلے، وہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ، اور ان کو دکھ کی مار ہے۔

دشمنان اسلام کی سرگرمیوں کی بابت نبی کریم ﷺ کو تسلی

قال تعالیٰ: ﴿وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ... الی... وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں۔ اسلام کے مقابلہ میں کافروں کی سازش کا ذکر تھا اب ان آیات میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ کافروں کی حرکات سے غمگین اور فکرمند نہ ہوں یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کا اور اس کے دین کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے محمد ﷺ نہ غم میں ڈالیں آپ ﷺ کو یہ لوگ جو کفر کی حمایت اور اعانت میں دوڑتے پھرتے ہیں اور آپ ﷺ سے لڑنے کے لیے لشکر فراہم کرتے پھرتے ہیں۔ اسلام کے مٹانے کے درپے ہیں آپ ﷺ ان کی پروانہ کیجئے اور نہ ان کی کاروائیوں سے غمگین ہوجیے تحقیق یہ لوگ اللہ کے دین کو کوئی نقصان اور گزند نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ ان دشمنانِ اسلام کو نقصان پہنچے بایں طور کہ انہیں آخرت

ف۱ یعنی شیطان کی دھمکیوں سے مومن نہیں ڈرتے ہاں منافق اس کی باتیں سن کر کفر کی طرف دوڑتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان ملعون منافقوں کی حرکات سے کچھ غمگین اور فکرمند نہ ہوں یہ اللہ کے دین اور اس کے پیغمبر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اپنا ہی نقصان کرتے ہیں ان کا حد سے زیادہ نفاق وشقاق پتہ دے رہا ہے کہ حق تعالیٰ انہیں انجام کار حقیقی کامیابی اور فوائد سے محروم رکھے گا اور بہت سخت سزا دیگا۔ جو لوگ ایسے معاند اور شریر کج رو ہوں اللہ کی عادت ان کے ساتھ یہی ہے۔ ایسوں کے غم میں اپنے کو زیادہ گھلانے کی ضرورت نہیں۔

ف۲ یعنی جنہوں نے ایمانی فطرت کو بدل کر کفر اختیار کیا، خواہ یہود ونصاریٰ ہوں یا مشرکین، یا منافقین، یا کوئی اور وہ سب مل کر بھی اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، ہاں اپنے پاؤں پر خود اپنے ہاتھ سے کلہاڑی مار رہے ہیں جس کا نتیجہ دردناک عذاب کی صورت میں بھگتنا پڑیگا۔

میں فائدہ اور نفع سے کوئی حصہ نہ دے پس جن کے لیے قضاوقدر میں محرومی اور ناکامی مقدر ہوچکی ہے ان سے اندیشہ کی ضرورت نہیں اور صرف یہی نہ ہوگا کہ آخرت میں منافع سے بالکلیہ محروم ہوں گے بلکہ حرمان کے ساتھ ان لوگوں کے لیے سخت عذاب بھی ہوگا تحقیق جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر کو مول لے لیا یعنی جنہوں نے ایمان کو چھوڑ کر کفر کو اختیار کیا۔ اور اپنے نفع اور نقصان کو بھی نہ سمجھا ایسے نادان اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے یہ لوگ کفر کر کے اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی مار رہے ہیں یہ لوگ خدا کا کیا بگاڑ سکتے ہیں لہٰذا آپ ﷺ ان کی حرکات سے غمگین اور فکرمند نہ ہوں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا

اور یہ نہ سمجھیں کافر کہ ہم جو مہلت دیتے ہیں ان کو کچھ بھلا ہے ان کے حق میں ہم تو مہلت دیتے ہیں ان کو تاکہ ترقی کریں

اور یہ نہ سمجھیں منکر کہ ہم جو فرصت دیتے ہیں ان کو، کچھ بھلا ہے ان کے حق میں۔ ہم تو فرصت دیتے ہیں ان کو تا بڑھتے جاویں

اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى

وہ گناہ میں اور ان کے لئے عذاب ہے خوار کرنیوالا ف۱ اللہ وہ نہیں کہ چھوڑ دے مسلمانوں کو اس حالت پر جس پر تم ہو جب تک

گناہ میں، اور ان کو ذلت کی مار ہے۔ اللہ وہ نہیں کہ چھوڑ دے گا مسلمانوں کو جس طرح پر تم ہو، جب تک

يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ

کہ جدا نہ کر دے ناپاک کو پاک سے اور اللہ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب کی لیکن اللہ چھانٹ لیتا ہے

جدا نہ کرے ناپاک کو پاک سے۔ اور اللہ یوں نہیں کہ تم کو خبر دے غیب کی، اور اللہ چھانٹ لیتا ہے

مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ

اپنے رسولوں میں جس کو چاہے ف۲ سو تم یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم یقین پر رہو اور پرہیزگاری پر تو تم کو بڑا

اپنے رسولوں میں جس کو چاہے۔ سو تم یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر، اور اگر تم یقین پر رہو اور پرہیزگاری پر تو تم کو بڑا

ف۱ یعنی ممکن ہے کافروں کو اپنی لمبی عمر میں خوشحالی اور دولت وثروت وغیرہ کی فراوانی دیکھ کر خیال گزرے کہ ایسے مغضوب ومطرود ہوتے تو ہم کو اتنی فراخی اور مہلت کیوں دی جاتی اور ایسی بھلی حالت میں کیوں رکھے جاتے؟ سو واضح رہے کہ یہ مہلت دینا ان کے حق میں کچھ بھلی بات نہیں مہلت دینے کا نتیجہ تو یہی ہوگا کہ جن کو گناہ سمیت کفر پر مرنا ہے وہ اپنے اختیار اور آزادی سے خوب جی بھر کر ارمان نکال لیں اور گناہوں کا ذخیرہ فراہم کرلیں۔ وہ سمجھتے رہیں کہ ہم بڑی عزت سے ہیں حالانکہ ذلیل وخوار کرنیوالا عذاب ان کے لئے تیار ہے اب سوچ لیں کہ مہلت دینا ان جیسوں کے حق میں بھلا ہوا یا برا۔ نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا۔

ف۲ یعنی جس طرح خوشحالی اور مہلت دینا کفار کے حق میں مقبولیت کی دلیل نہیں، اسی طرح اگر مخلص مسلمانوں کو مصائب اور ناخوشگوار حوادث پیش آئیں (جیسے جنگ احد میں آئے) یہ اس کی دلیل نہیں کہ وہ اللہ کے نزدیک مغضوب ہیں، بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس گول مول حالت پر چھوڑنا نہیں چاہتا جس پر اب تک رہے ہیں یعنی بہت سے کافر از راہ نفاق کلمہ پڑھ کر دھوکہ دینے کے لئے ان میں ملے جلے رہتے تھے جن کے ظاہر حال پر منافق کا لفظ کہنا مشکل تھا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ ایسے واقعات وحالات بروئے کار لائے جو کھرے کو کھوٹے سے اور پاک کو ناپاک سے کھلے طور پر جدا کر دیں۔ بیشک خدا کو آسان تھا کہ تمام مسلمانوں کو بدون امتحان میں ڈالے منافقوں کے ناموں اور کاموں سے مطلع کر دیتا لیکن اس کی حکمت ومصلحت مقتضی نہیں کہ سب لوگوں کو اس قسم کے =

عَظِيمٌ ﴿١٧٩﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم ۖ بَلْ

ثواب ہے ف۱ اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز پر جو اللہ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے کہ یہ بخل بہتر ہے ان کے حق میں بلکہ

ثواب ہے۔ اور نہ سمجھیں جو لوگ بخل کرتے ہیں ایک چیز پر کہ اللہ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے، کہ یہ بہتر ہے ان کے حق میں، بلکہ

هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ

یہ بہت برا ہے ان کے حق میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا ان کے گلوں میں وہ مال جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن ف۲ اور اللہ وارث ہے آسمان

یہ برا ہے ان کے واسطے، آگے طوق پڑے گا ان کے جس پر بخل کیا تھا، دن قیامت کے۔ اور اللہ وارث ہے آسمان

وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١٨٠﴾ ع ۱۸

اور زمین کا ف۳ اور اللہ جو کرتے ہو سو جانتا ہے ف۴

اور زمین کا، اور اللہ جو کرتے ہو، سو جانتا ہے۔

دشمنان اسلام کے چند مزعومات اور خیالات اور ان کے جوابات

قال تعالیٰ: ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا ... الى ... وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں کافروں کے لیے عذاب عظیم اور عذاب الیم کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں کافروں کے چند شبہات اور اوہام کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ کافروں کو اپنی عیش و عشرت پر ناز تھا اور ان کا گمان یہ تھا کہ ہماری یہ خوشحالی اس

= غیوب سے آگاہ کر دیا کرے۔ ہاں وہ اپنے رسولوں کا انتخاب کر کے جس قدر غیوب کی یقینی اطلاع دینا چاہے دے دیتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ عام لوگوں کو بلاواسطہ کسی غیب کی یقینی اطلاع نہیں دیجاتی انبیاء علیہم السلام کو دیجاتی ہے۔ مگر جس قدر خدا چاہے۔

ف۱ یعنی خدا کا جو خاص معاملہ پیغمبروں سے ہے اور پاک و ناپاک کو جدا کرنے کی نسبت جو عام عادت حق تعالیٰ کی رہی ہے، اس میں زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں، تمہارا کام یہ ہے کہ اللہ و رسول کی باتوں پر یقین رکھو اور تقویٰ و پرہیزگاری پر قائم رہو، یہ کر لیا تو سب کچھ کما لیا۔

ف۲ ابتدائے سورت کا بڑا حصہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے متعلق تھا۔ درمیان میں خاص مناسبات و وجوہ کی بنا پر غزوہ احد کی تفصیلات آ گئیں۔ انہیں بقدر کفایت تمام کر کے یہاں سے پھر اہل کتاب کی شنائع بیان کی جاتی ہیں، چونکہ ان میں سے یہود کا معاملہ بہت مضرت رساں اور تکلیف دہ تھا، منافقین بھی اکثر انہی میں کے تھے، اور اوپر کی آیت میں آگاہ کیا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ اب خبیث کو طیب سے جدا کر کے رہیگا۔ سو یہ جدائی جس طرح جانی و بدنی جہاد کے وقت ظاہر ہوتی تھی اسی طرح مالی جہاد کے وقت بھی کھرا کھوٹا اور کچا پکا صاف طور پر الگ ہو جاتا تھا اس لئے بتلا دیا کہ یہود و منافقین جیسے جہاد کے موقع سے بھاگتے ہیں، مال خرچ کرنے سے بھی جی چراتے ہیں لیکن جس طرح جہاد سے بچ کر دنیا میں چند روز کی مہلت حاصل کر لینا ان کے حق میں کچھ بہتر نہیں، ایسے ہی بخل کر کے بہت مال اکٹھا کر لینا بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اگر دنیا میں فرض کرو کوئی مصیبت پیش نہ بھی آئی تو قیامت کے دن یقیناً یہ جمع کیا ہوا مال عذاب کی صورت میں ان کے گلے کا ہار بن کر رہے گا۔ اس میں مسلمانوں کو بھی کھٹکھٹا دیا کہ زکوٰۃ دینے اور ضروری مصارف میں خرچ کرنے سے کبھی جی نہ چرائیں، ورنہ جو شخص بخل و حرص وغیرہ رذیل خصلتوں میں یہود و منافقین کی روش اختیار کریگا، اسے بھی اپنے درجہ کے موافق اسی طرح کی سزا کا منتظر رہنا چاہیئے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، کہ مانعین زکوٰۃ کا مال سخت زہریلے اژدہے کی صورت میں متشکل کر کے ان کے گلے میں ڈالا جائیگا۔ نعوذ باللہ منہ۔

ف۳ یعنی آخر تم مر جاؤ گے اور سب مال اسی کا ہو رہیگا۔ جس کا حقیقت میں پہلے سے تھا۔ انسان اپنے اختیار سے دے تو ثواب پائے۔

ف۴ یعنی بخل یا سخاوت جو کچھ کرو گے اور جیسی نیت کرو گے خدا تعالیٰ سب کی خبر رکھتا ہے اسی کے موافق بدلہ دیگا۔

امر کی دلیل ہے کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں اور کافر لوگ یہ گمان نہ کریں کہ ہمارا ان کو ڈھیل دینا اور کفر پر فی الحال نہ پکڑنا کچھ ان کے لیے بھلا ہے خوب سمجھ لیں کہ جزایں نیست ہم ان کو اس لیے مہلت دے رہے ہیں کہ گناہوں میں خوب ترقی اور زیادتی کرتے چلے جائیں اور خوب جی بھر کر دل کے ارمان نکال لیں اور نائ پوری بھر کر ایک ہی دفعہ ڈوب جائے اور ان کے لیے ذلیل اور خوار کرنے والا عذاب تیار ہے۔ جس کے بعد دنیا کی ساری عزتیں خاک میں مل جائیں گے۔ جیسے کوئی شخص حکومت سے باغی ہو جائے اور باوجود بار بار نصیحت اور تفہیم کے وہ مقابلہ سے باز نہ آئے تو حکومت اس کو مہلت اور ڈھیل دیتی ہے تاکہ دل کو بادشاہ کا مقابلہ کرے اور جو کہہ سکتا ہے اور کر سکتا ہے وہ کر گزرے تاکہ یکبارگی اس کو پکڑا جائے اور کوئی صورت اس کی براءت اور رہائی کی نہ رہے اور جب اس کے جرم اور سرکشی کا پیمانہ لبریز ہو جائے تو اس کو تختہ دار پر لٹکا یا جائے اور یہ نادان اس مہلت اور ڈھیل کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ حکومت میری اس بغاوت سے راضی ہے اس طرح بارگاہ خداوندی سے فرعون اور ہامان جیسے کافروں اور مجرموں کو مہلت ملنا اس لیے ہے کہ فرد جرم پوری طرح ان پر عائد ہو جائے اور ایسی سخت پکڑ ہو کہ کوئی مفسر باقی نہ رہے۔

ایک اور خیال باطل کا ابطال

جس طرح اہل کفر پر عذاب نہ آنے سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ یہ لوگ اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک مردود ہیں تو ضرور ان پر کوئی عذاب آتا اور اوپر کی آیت میں اس کا جواب دیا گیا کہ کافروں پر عذاب نہ آنا۔ مقبولیت کی دلیل نہیں من جانب اللہ یہ امہال اور استدراج ہے جیسا کہ بسا اوقات شدید مجرموں کی ڈھیل دی جاتی ہے۔

اسی طرح بعض مرتبہ مومنین مخلصین پر مصائب و شدائد کے آنے سے جیسا کہ احد میں پیش آیا تو یہ وسوسہ ہو سکتا ہے کہ اگر یہ لوگ خدا تعالیٰ کے مقبول اور محبوب بندے ہوتے تو ان پر یہ مصائب اور حوادث نہ آتے تو آئندہ آیت میں اہل ایمان پر مصائب اور شدائد کے آنے کی حکمتیں اور مصلحتیں بیان فرماتے ہیں تاکہ وسوسہ دور ہو جائے۔ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتے کہ مومنوں کو اسی حالت میں چھوڑے رکھے کہ جس حالت میں تم اب ہو کہ ظاہر میں مخلصین اور منافقین میں کوئی امتیاز نہیں سب ملے جلے ہیں یہاں تک کہ ناپاک (منافق) کو پاک (مومن مخلص) سے جدا اور ممتاز کر دے اور اس امتیاز کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایسے شدائد و مصائب نازل کرتا ہے جن سے کھرے اور کھوٹے اور پاک اور ناپاک کا کھلے طور پر فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بات حکمت کے خلاف ہے کہ مومن اور منافق ملے جلے رہیں اور کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ کون مومن مخلص ہے اور کون منافق پس جس طرح حق تعالیٰ نے غزوہ احد اور غزوہ حمراء الاسد اور غزوہ بدر صغریٰ میں مخلصین اور منافقین کا امتحان کر کے ایک کو دوسرے سے ممتاز کر دیا اسی طرح وہ آئندہ بھی کرے گا۔

اور رہا یہ سوال ہے کہ حق تعالیٰ ان کو نام بنام کیوں نہیں ظاہر کر دیتے اور لوگوں کو یہ کیوں نہیں بتلا دیتے کہ فلاں منافق ہے اور فلاں مومن ہے اس طریقہ سے مخلص اور منافق کا امتیاز بالکل سہل ہو جائے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا ایسا نہیں کہ تم غیب کی خبریں دے دے اور تم کو یہ بتلا کر کہ فلاں فلاں شخص منافق ہیں اور فلاں فلاں مومن ہیں غیب پر مطلع

کردے یہ امر خلاف سنت الٰہیہ ہے کہ عوام الناس کو غیب کی باتوں پر مطلع کرے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتاہے اس کو منتخب کرتا ہے۔ اور بذریعہ وحی ان کو بعض امور غیبیہ سے مطلع کرتا ہے اور تم پیغمبر نہیں کہ بذریعہ وحی تم کو امور غیبیہ کی اطلاع دی جائے بذریعہ وحی امور غیبیہ پر مطلع کرنا یہ صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے عوام الناس کو بذریعہ وحی امور غیب پر مطلع نہیں کیا جاسکتا۔ عوام الناس کی اطلاع کا ذریعہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ ایسے واقعات نازل فرماتا ہے جس سے مخلص اور منافق کا امتیاز ظاہر ہوجاتا ہے بصراحت یہ ظاہر کردینا کہ فلاں شخص مومن ہے اور فلاں شخص منافق ہے سوائے انبیاء کرام علیہم السلام کے کسی اور کو یہ علم اور اطلاع نہیں دی جاتی پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے پیغمبروں پر اخلاص کے ساتھ اور بے چون وچرا ان کی باتوں کو مانو تاکہ رسوا نہ ہو اور اگر تم اخلاص کے ساتھ ایمان لے آؤ اور پیغمبر خدا پر نکتہ چینی اور اس کی نافرمانی سے بالکلیہ پرہیز کرو تو تم کو بجائے عذاب عظیم اور عذاب الیم کے اجر عظیم ملے یہ کرلیا تو سب کچھ کمالیا ورنہ کچھ نہیں۔

ف:...... اس آیت کی نظیر سورۂ جن کی یہ آیت ﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾۔ اور مطلب یہ ہے کہ ہر کس وناکس اس کا اہل نہیں کہ اس کو بذریعہ وحی کسی امر غیبی پر مطلع کیا جائے صرف خدا کے برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ یعنی رسول کو بذریعہ وحی کسی امر غیبی پر مطلع کیا جاسکتا ہے کما قال تعالیٰ: ﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾۔ باقی ایسا علم غیب جو کلی ہو اور تمام کائنات اور ممکنات کو محیط ہو سو وہ خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کے لیے ممکن بھی نہیں جیسے قدرت کاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ ایسا ہی علم محیط بھی اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ آنحضرت ﷺ کو واقعۂ افک میں وحی کا انتظار کرنا پڑا جب آیات برأت نازل ہوئیں تب آپ کو حقیقت حال کا علم ہوا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے چاہ کنعان میں ہونے کی خبر نہ ہوئی اور مصر سے پیراہن یوسفی کی خوشبو سونگھ لی بہت سے واقعات ایسے پیش آئے کہ آنحضرت ﷺ کو ان کا علم نہیں تھا۔ نزول وحی سے ان کا علم ہوا۔

مذمت بخل

سلسلہ کلام چونکہ جہاد کے بارہ میں تھا جس سے منافقین جان چراتے تھے اسی طرح جہاد میں مالی امداد سے بھی جان چراتے تھے اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے تھے اس لیے آئندہ آیت میں بخل کی مذمت بیان فرماتے ہیں اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جو اس چیز میں بخل کرتے ہیں کہ جو اللہ نے انکو اپنے فضل سے عطا کی ہے کہ یہ بخل ان کے لیے بہتر ہوگا بلکہ یہ ان کے لیے بہت ہی برا ہے کہ خدا کی عطا کی ہوئی چیز میں سے کچھ تھوڑی سی چیز بھی اللہ کے نام پر دنیا ان کو گراں گزرتا ہے قیامت کے دن ان کے گلے میں اس مال کا طوق ڈالا جائے گا۔ جس پر انہوں نے بخل کیا تھا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جو شخص زکوٰۃ نہ دے گا اس کا مال اژدھا بن کر گلے میں پڑے گا اور اس کے کلے چیرے گا۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے میراث آسمانوں کی اور زمین کی یعنی تم سب فانی ہو بقاء صرف اسی کے لیے ہے تم سب مرجاؤ گے اور مال اور ملکیت سب یہیں چھوڑ جاؤ گے چاہے تم اس کی زکوٰۃ دو یا نہ دو سب مال اسی کا ہو کر رہے گا۔ بہتر ہے کہ تم اپنے ہاتھ سے کچھ دے جاؤ تاکہ تمہیں

ثواب مل جائے اپنی ملکیت کے غرہ میں نہ رہو۔ تم بھی فانی اور تمہاری ملکیت بھی فانی اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے وہ تمہارے بخل سے بھی باخبر ہے اس کی سزا سے تم بچ نہیں سکتے یہ مال جس کی زکوٰۃ دینے میں تم بخیل بن گئے ہو قیامت کے دن یہی مال و دولت ایک ایسے کالے اور زہریلے سانپ کی صورت میں ظاہر ہوگا کہ زہر کی شدت اور حدت کی وجہ سے اس کے سر پر بال نہ ہوں گے وہ تمہارے دونوں کلے پکڑ کر کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں اور میں تیرا خزانہ ہوں یعنی وہی مال جس پر تو فخر اور ناز کرتا تھا اور پھر اس کو ڈسے گا۔

گنج را از دل بروں کن مال خود بلگن زچشم ‏ مال تو مارست درمعنی دگنجت اژدہا

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا

بیشک اللہ نے سنی ان کی بات جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ف۱ اب لکھ رکھیں گے ہم ان کی بات

اور اللہ نے سنی ان کی بات جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار۔ اب لکھ رکھیں گے ہم ان کی بات،

وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ

اور جو خون کئے ہیں انہوں نے انبیاء کے ناحق اور کہیں گے چکھو عذاب جلتی آگ کا ف۲ یہ بدلہ اس کا ہے جو تم نے

اور جو خون کئے ہیں نبیوں کے ناحق، اور کہیں گے چکھو جلن کی مار۔ یہ بدلہ اس کا ہے جو تم نے

اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ

اپنے ہاتھوں آگے بھیجا اور اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر ف۳ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو کہہ رکھا ہے کہ یقین نہ کریں

اپنے ہاتھوں بھیجا، اور اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر۔ وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو کہہ رکھا ہے کہ ہم یقین نہ کریں

ف۱ یعنی محض اتنا ہی نہیں کہ یہود انتہائی بخل کی وجہ سے پیسہ خرچ کرنا نہیں جانتے، بلکہ جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم سنتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور حق تعالیٰ کی جناب میں گستاخانہ کلمات بکنے سے بھی نہیں شرماتے۔ چنانچہ جب آیت ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ نازل ہوئی، کہنے لگے اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے تو اللہ فقیر محتاج ہے اور ہم غنی مالدار ہیں، حالانکہ ایک غبی اور کوڑھ مغز بھی سمجھ سکتا ہے کہ انفاق فی وجوہ الخیر کو قرض سے تعبیر فرمانے میں انتہائی رحمت وشفقت کا اظہار تھا۔ ظاہر ہے کہ خدا اپنا دیا ہوا مال ہم سے ہماری مصالح میں ہمارے ہی دنیاوی و اخروی فائدہ کے لئے خرچ کراتا ہے، اس کو ہمارے خرچ سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا اور بفرض محال پہنچے بھی تو مال اور ہر چیز اسی کی مملوک ہے۔ پھر حقیقی معنی میں اس کو قرض کیسے کہہ سکتے ہیں۔ یہ اس کا کمال کرم و احسان ہے کہ اس خرچ کا بہترین معاوضہ دینا بھی اپنے ذمہ لازم کر لیا اور اس کو لفظ قرض سے ادا کر کے اس لزوم کو بھی بے حد مؤکد و مسجل کر دیا۔ مگر یہود اپنی کور چشمی اور خبث باطن سے احسان ماننے کے بجائے ان لفظوں کی ہنسی اڑانے لگے اور اللہ تعالیٰ کی جناب رفیع میں مسخرا پن کرنے سے باز نہ رہے، اس کو فرمایا کہ اللہ نے تمہاری یہ باتیں سن لیں۔ اس پر جو کارروائی ہوگی اس کے منتظر رہو۔

ف۲ یعنی عام ضابطہ کے موافق یہ ملعون اور ناپاک اقوال تمہارے دفتر سیئات میں درج کرائے دیتے ہیں۔ جہاں تمہاری قوم کے دوسرے ملعون اور ناپاک افعال درج ہیں۔ مثلاً معصوم نبیوں کا ناحق خون بہانا کیونکہ جس طرح یہ نالائق جملہ ایک نمونہ ہے تمہاری خدا شناسی کا، وہ نالائق کام نمونہ ہے تمہاری تعظیم انبیاء کا، جب یہ پوری مسل پیش ہوگی اس وقت کہا جائیگا کہ لو اپنی شرارتوں کا مزہ چکھو۔ اور جس طرح تم نے طعن و تمسخر سے اولیاء اللہ کے دل جلائے تھے، اب عذاب الٰہی کی بھٹی میں جلتے رہو۔

ف۳ یعنی جو کمایا تھا سامنے آیا۔ خدا کے یہاں ذرہ برابر ظلم نہیں۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ اگر بفرض محال ظلم کرنا خدا کی صفت ہوتی تو اس کی دوسری =

لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ

کسی رسول کا جب تک نہ لاوے ہمارے پاس قربانی کہ کھا جائے اس کو آگ ف۱ تو کہہ تم میں آچکے کتنے رسول مجھ سے پہلے نشانیاں لے کر

کسی رسول کو جب تک نہ لاوے ہم پاس ایک نیاز جس کو کھا جاوے آگ۔ تو کہہ تم میں آچکے کتنے رسول مجھ سے پہلے نشانیاں لے کر

وَبِالَّذِىْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ

اور یہ بھی جو تم نے کہا پھر ان کو کیوں قتل کیا تم نے اگر تم سچے ہو ف۲ پھر اگر یہ تجھ کو جھٹلاویں تو پہلے تجھ سے جھٹلائے گئے

اور یہ بھی جو تم نے کہا، پھر ان کو کیوں مارا تم نے اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر یہ تجھ کو جھٹلاویں تو آگے تجھ سے جھٹلائے گئے

رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ

بہت رسول جو لائے نشانیاں اور صحیفے اور کتاب روشن ف۳ ہر جی کو چکھنی ہے

بہت رسول، جو لائے نشانیاں اور ورق اور کتاب چمکتی۔ ہر جی کو چکھنی ہے

الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ

موت اور تم کو پورے بدلے ملیں گے قیامت کے دن ف۴ پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں

موت، اور تم کو پورے بدلے ملیں گے، دن قیامت کے۔ پھر جس کو سرکا دیا آگ سے، اور داخل کیا جنت میں،

فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ لَتُبْلَوُنَّ فِىْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ

اس کا کام تو بن گیا اور نہیں زندگانی دنیا کی مگر پونجی دھوکے کی ف۵ البتہ تمہاری آزمائش ہوگی مالوں میں اور جانوں میں

اس کا کام بنا۔ اور دنیا کی زندگی تو یہی ہے دغا کی جنس۔ البتہ تم آزمائے جاؤ گے مال سے اور جان سے،

▪ صفات کی طرح وہ بھی کامل ہی ہوتی اس لئے اگر معاذ اللہ خدا کو ظالم فرض کیا جائے تو پھر "ظالم" کیا "ظلام" ہی کہنا پڑیگا۔ اس کا ایک رتی ظلم بھی پہاڑوں سے کم نہیں ہو سکتا گویا "ظلام" کا صیغہ لا کر متنبہ کر دیا کہ اس کی بارگاہ میں ادنیٰ سے ادنیٰ ظلم تجویز کرنا، انتہائی ظالم قرار دینے کا مرادف ہے ﴿وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾.

ف۱ پہلے رسولوں سے یہ معجزہ ظاہر ہوا تھا کہ قربانی یا کوئی چیز اللہ نام کی نیاز کی تو آسمان سے آگ آ کر اس کو کھا گئی، یہ علامت تھی اس کے قبول ہونے کی، چنانچہ موجودہ "بائبل" میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ایسا واقعہ مذکور ہے۔ اب یہود بہانہ پکڑتے تھے کہ ہم کو یہ حکم ہے کہ جس سے یہ معجزہ نہ دیکھیں اس پر یقین نہ لائیں اور یہ محض جھوٹے بہانے تھے اس قسم کا کوئی حکم ان کی کتابوں میں موجود نہ تھا، نہ آج موجود ہے اور نہ ہر ایک نبی کی نسبت یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اس کو یہ معجزہ ملا تھا۔ ہر پیغمبر کو حق تعالیٰ نے اوقات و احوال کے مناسب معجزات دیئے ہیں۔ لازم نہیں کہ ہر نبی ایک ہی معجزہ دکھلائے تو سچا ثابت ہو۔

ف۲ یعنی اگر واقعی اپنے دعوے میں سچے ہو اور اسی خاص معجزہ کے دکھلانے پر تمہارا ایمان لانا موقوف ہے تو پہلے ایسے نبیوں کو تم نے کیوں قتل کیا جو اپنی صداقت کی کھلی نشانیوں کے ساتھ خاص یہ معجزہ بھی لیکر آئے تھے تمہارے اسلاف کا یہ فعل جس پر تم بھی آج تک راضی ہو، کیا اس کی دلیل نہیں کہ یہ سب تمہاری حیلہ سازی اور ہٹ دھرمی ہے کہ کوئی پیغمبر جب تک خاص یہی معجزہ نہ دکھلائے گا ہم نہ مانیں گے۔

ف۳ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے کہ ان ملعونوں کی کج بحثی اور ہٹ دھرمی سے ملول و دلگیر نہ ہوں اور نہ دوسرے مکذبین کی پروا کریں۔ آپ سے پہلے کتنے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں جو صاف نشانیاں (معجزات) چھوٹے صحیفے اور بڑی روشن کتابیں لے کر آئے تھے۔ انبیائے صادقین کی تکذیب معاندین کی قدیم عادت رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ انوکھی بات پیش نہیں آئی۔ =

وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا اَذًى كَثِيۡرًا ؕ

اور البتہ سنو گے تم اگلی کتاب والوں سے اور مشرکوں سے بدگوئی بہت

اور البتہ سنو گے اگلی کتاب والوں سے اور مشرکوں سے، بد گوئی بہت،

وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ۝ وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ الَّذِيۡنَ

اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو یہ ہمت کے کام ہیں ف۱ اور جب اللہ نے عہد لیا

اور اگر تم ٹھیرے رہو اور پرہیزگاری کرو تو یہ ہمت کے کام ہیں۔ اور جب اللہ نے اقرار لیا

اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكۡتُمُوۡنَهٗ فَنَبَذُوۡهُ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ وَاشۡتَرَوۡا

کتاب والوں سے کہ اس کو بیان کرو گے لوگوں سے اور نہ چھپاؤ گے پھر پھینک دیا انہوں نے وہ عہد اپنی پیٹھ کے پیچھے اور خرید لیا

کتاب والوں سے، کہ اس کو بیان کرو گے لوگوں پاس اور نہ چھپاؤ گے، پھر پھینک دیا وہ اقرار اپنی پیٹھ کے پیچھے، اور خرید کیا

بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَبِئۡسَ مَا يَشۡتَرُوۡنَ ۝

اس کے بدلے تھوڑا سا مول سو کیا برا ہے جو خریدتے ہیں ف۲

اس کے بدلے مول تھوڑا۔ سو کیا بری خرید کرتے ہیں۔

= ف۴ یعنی موت کا مزہ سب کو چکھنا ہے، اس کے بعد قیامت کے دن ہر جھوٹے سچے اور مصدق و مکذب کو اپنے اپنے کئے کا پورا بدلہ مل رہیگا" پورے کا یہ مطلب کہ کچھ تھوڑا سا ممکن ہے قیامت سے پہلے ہی مل جائے مثلاً دنیا میں یا قبر میں"۔

ف۵ یعنی دنیا کی عارضی بہار اور ظاہری ٹیپ ٹاپ بہت دھوکہ میں ڈالنے والی چیز ہے جس پر مفتون ہو کر اکثر بیوقوف آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ انسان کی اصلی کامیابی یہ ہے کہ یہاں رہ کر انجام کو سوچے اور وہ کام کرے جو عذاب الٰہی سے بچانے والا اور جنت تک پہنچانے والا ہو۔

(تنبیہ) آیت میں ان بعض متصوفین کا بھی رد ہو گیا جو دعوے کیا کرتے ہیں کہ ہمیں نہ جنت کی طلب، نہ دوزخ کا ڈر، معلوم ہوا کہ دوزخ سے دور رہنا اور جنت میں داخل ہو جانا ہی اصل کامیابی ہے۔ کوئی اعلیٰ ترین کامیابی جنت سے باہر رہ کر نصیب نہیں ہو سکتی۔ وفی الحدیث وَحَوۡلَهَا نُدَنۡدِن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے ہم کو بھی یہ کامیابی عنایت فرمائے۔

ف۱ یہ خطاب مسلمانوں کو ہے کہ آیندہ بھی جان و مال میں تمہاری آزمائش ہو گی اور ہر قسم کی قربانیاں کرنی پڑیں گی۔ قتل کیا جانا زخمی ہونا، قید و بند کی تکلیف اٹھانا، بیمار پڑنا، اموال کا تلف ہونا اقارب کا چھوٹنا، اس طرح کی سختیاں پیش آئیں گی، نیز اہل کتاب اور مشرکین کی زبانوں سے بہت جگر خراش اور دل آزار باتیں سننا پڑیں گی۔ ان سب کا علاج صبر و تقویٰ ہے۔ اگر صبر و استقلال اور پرہیزگاری سے ان سختیوں کا مقابلہ کرو گے تو یہ بڑی ہمت اور اولو العزمی کا کام ہو گا۔ جس کی تاکید حق تعالیٰ نے فرمائی ہے۔

(تنبیہ) بخاری کی ایک حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت بدر سے پہلے نازل ہوئی، قتال کا حکم اس کے بعد ہوا، تاہم صبر و تقویٰ کا حکم مشروعیت قتال کے باوجود بھی فی الجملہ باقی ہے جس پر اخیر تک عمل ہوتا رہا ہے۔ ہاں صبر و عفو اور تغلیظ و تشدید کے مواقع کا پہچاننا ضروری ہے۔ جو نصوص شرعیہ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ اس آیت کو یہاں رکھنے سے شاید یہ غرض ہے کہ تم ان کفار و منافقین کی گستاخیوں اور شرارتوں پر حد سے زیادہ طیش مت کھاؤ۔ ابھی بہت کچھ سننا پڑے گا۔ تکلیفیں اٹھانی پڑیں گی۔ صبر و استقلال سے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہو۔ نیز دنیا کی زندگانی میں پڑ کر جو محض دھوکہ کی ٹٹی ہے، اس بات سے غافل نہ ہونا کہ خدا تعالیٰ جان اور مال دونوں میں تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔

ف۲ یعنی علمائے اہل کتاب سے عہد لیا گیا تھا کہ جو احکام و بشارات کتاب اللہ میں ہیں انہیں صاف صاف لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور کوئی بات نہیں =

بیان شنائع یہود و تعلیم صبر بمسلماناں

قَالَ تَعَالٰی: ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا ... الی ... فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ﴾

ربط:...... ابتداء سورت کا بڑا حصہ اہل کتاب (یہود و نصاری) سے متعلق تھا درمیان میں خاص خاص مناسبات کے بنا پر غزوہ احد کی تفصیلات کا بیان ہوا اب اخیر سورۃ میں پھر اہل کتاب کی کچھ شنائع اور قبائح کو بیان فرماتے ہیں چونکہ اہل کتاب میں یہود کا معاملہ سخت تھا اور یہ گروہ مسلمانوں کا شدید ترین دشمن تھا اور منافقین بھی اکثر انہی میں کے تھے اس لیے یہود کی گستاخیوں کو خاص طور پر ذکر کرتے ہیں۔

شان نزول:...... ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً﴾ تو یہود یہ کہنے لگے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار فقیر ہو گیا ہے جو اپنے بندوں سے قرض مانگتا ہے تو اس کے جواب میں یہ آیت یعنی ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا﴾ الخ نازل ہوئی۔ محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ ایک روز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہود کے مدرسہ میں گئے وہاں فنحاص بن عازوراء جو یہودیوں کا بڑا عالم تھا درس دے رہا تھا اور اس کے پاس یہودیوں کا ہجوم تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فنحاص سے کہا۔ اے فنحاص اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کر۔ خدا کی قسم تجھ کو اس امر کا علم یقینی اور قطعی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اللہ کی طرف سے حق کو لے کر آئے ہیں اور تم ان کے اوصاف کو توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہو پس تجھ کو چاہیے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور خدا کو قرض حسن دے (یعنی اس کی راہ میں صدقہ اور خیرات کرے) اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل کرے گا اور دو چند ثواب دے گا فنحاص بولا اے ابوبکر تمہارا یہ گمان ہے کہ ہمارا پروردگار ہم سے قرض مانگتا ہے حالانکہ قرض تو فقیر غنی سے لیا کرتا ہے اگر خدا فقیر نہ ہوتا تو قرض نہ مانگتا۔ پس اگر تیرا یہ قول صحیح ہے تو بلاشبہ اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور زور سے ایک طمانچہ اس کے منہ پر رسید کیا اور کہا کہ دشمنِ خدا اگر ہمارے اور تیرے درمیان عہد نہ ہوتا تو بخدا میں تیری گردن مار دیتا۔ فنحاص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق نے میرے ساتھ یہ بری حرکت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا تم نے یہ حرکت کیوں کی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دشمن خدا نے بڑی سخت بات کہی اس نے کہا اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں۔ اس پر مجھے غصہ آیا اور میں نے اس کے منہ پر طمانچہ مارا فنحاص نے کہا میں نے یہ قول نہیں کہا تھا اپنے کہے سے پھر گیا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق کے لیے اور فنحاص کذیب کی تکذیب اور تردید کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ واقعی اس کذاب نے یہ ہرزہ سرائی کی تھی چنانچہ فرماتے ہیں البتہ تحقیق سن لیا اللہ تعالیٰ نے قول ان گستاخوں کا جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم

= چھپائیں گے نہ ہیر پھیر کر کے ان کے معنی بدلیں گے، مگر انہوں نے ذرہ برابر پروانہ کی اور دنیا کے تھوڑے سے نفع کی خاطر سب عہد و پیمان توڑ کر احکام شریعت بدل ڈالے آیات اللہ میں لفظی و معنوی تحریفات کیں جس چیز کا ظاہر کرنا سب سے زیادہ ضروری تھا یعنی پیغمبر آخر الزماں کی بشارت، اسی کو سب سے زیادہ چھپایا، جس قدر مال خرچ کرنے میں بخل کرتے اس سے بڑھ کر علم خرچ کرنے میں کنجوسی دکھائی۔ اور اس کنجوسی کا منشا بھی مال و جاہ اور متاع دنیا کی محبت کے سوا کچھ نہ تھا، یہاں ضمناً مسلمان اہل علم کو متنبہ فرما دیا کہ تم دنیا کی محبت میں پھنس کر ایسا نہ کرنا۔

مال دار ہیں اور دولت مند ہیں گزشتہ آیت میں حق تعالیٰ نے یہود کے بخل کو بیان فرمایا تھا کہ یہ ایسے بخیل ہیں کہ خدا کی راہ میں ایک پیسہ بھی خرچ کرنا نہیں چاہتے اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ اس درجہ بخیل ہیں کہ جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم سنتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ خدا فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں۔ جب ہی تو ہم سے قرض مانگتا ہے مگر یہ موڑھ مغز اور بیوقوف یہ نہیں سمجھتے کہ تمام دنیا کے اغنیاء اور دولت مندوں کی غناء اور دولت اس غنی مطلق کی غناء اور عطا کا ایک پرتو ہے مالک مطلق وہی ہے دولت مندوں کے پاس جو کچھ بھی وہ چندروزہ عاریت اور امانت ہے مالک حقیقی اپنی انتہائی رحمت وشفقت سے اپنے بندوں سے یہ فرماتا ہے کہ تم ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے کچھ مال ہماری راہ میں قرض دے دو ہم تم کو اس کا دس گنا معاوضہ دیں گے کیا کوئی نادان یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ حقیقتاً قرض مانگتا ہے۔

قرض کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ جو مال تم سے لیا جارہا ہے تم کو اس کا معاوضہ دیا جائے گا بلا معاوضہ تم سے کچھ نہیں لیا جارہا ہے احتیاج اور ضرورت، قرض کے مفہوم میں داخل نہیں ان نادان فقیروں نے قرض کے لفظ سے یہ سمجھ لیا کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ محتاج ہے اور یہ نہ سمجھا کہ یہ سب مال اسی کا مملوک ہے کمال ترحم سے لفظ قرض کا اس لیے استعمال فرمایا ہے کہ تمہارے نفسوں کو اطمینان ہوجائے کہ اس کا اضعافاً مضاعفہ معاوضہ ملے گا۔ تم سے مفت نہیں لیا جارہا ہے پھر یہ کہ خدا تعالیٰ جب کبھی بندوں کو خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اس میں بندوں ہی کے دنیوی اور اخروی فوائد اور منافع مضمر ہوتے ہیں۔ خرچ کرو یا نہ کرو خدا کا کوئی نفع نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ تم اور تمہاری ہر چیز اسی کی مملوک ہے اور تمہارے پاس چندروزہ عاریت ہے حقیقی معنی کے اعتبار سے بارگاہ خداوندی میں قرض ناممکن ہے تم اپنے مال و دولت کے تو کیا مالک ہوتے تم تو اپنے وجود کے بھی مالک نہیں تم تو اپنی صحت اور تندرستی اور حرکت وسکون کے بھی مالک نہیں۔

اس مالک حقیقی نے جب تم کو اپنے عطا کردہ دولت میں سے تمہارے ہی فائدے کے لیے کچھ خرچ کرنے کا حکم دیا تو کمال ترحم سے اس کو قرض سے تعبیر فرمایا تا کہ اس بات کی رجسٹری ہوجائے کہ بارگاہِ خداوندی سے اس کا اضعافاً مضاعفہ معاوضہ ملے گا جیسے قرض کی ادائیگی عقلاً ضروری ہوتی ہے اسی طرح اس غنی مطلق نے جو چیز قرض کے نام سے لی ہے ضرور بالضرور اس کا معاوضہ ملے گا تا کہ بخیل طبیعتیں گھبرائیں نہیں ان بدباطن بخیلوں نے جب اللہ کا حکم سنا تو بجائے احسان ماننے کے ہنسی اور مذاق اڑانے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری یہ گستاخانہ باتیں سن لی ہیں اس پر جو کارروائی ہوگی اس کے منتظر رہو ہم ابھی اس بات کو لکھ رکھیں گے جو انہوں نے کہی ہے۔ یعنی ان کے جرائم کے رجسٹر میں اس ناپاک اور ملعون قول کو بھی درج کرائے دیتے ہیں اور جیسا کہ ان کے اور ان کی قوم کے دوسرے ملعون اور ناپاک اقوال وافعال کو بھی درج کرائے دیتے ہیں اسی طرح انہوں نے جو نبیوں کے ناحق خون کیے ہیں ان کو بھی لکھ لیں گے اور قیامت کے دن ان سے کہیں گے کہ جلتی آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ اشارہ اس طرف ہے کہ تمہارا یہ گستاخانہ جملہ۔ قتل انبیاء علیہم السلام کے ہم پلہ ہے۔ ان کا یہ گستاخانہ قول قتل انبیاء علیہم السلام کے جرم سے کم نہیں۔

ف:...... جاننا چاہیے کہ اوپر جو قول مذکور ہوا وہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے یہودیوں کا تھا۔ اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنا۔

یہ فعل ان کے بزرگوں کا تھا لیکن چونکہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے یہودی اپنے بزرگوں کے اس فعل کو اچھا سمجھتے تھے اس لیے قتل انبیاء علیہم السلام کو ان کی طرف منسوب کیا گیا کسی فعل سے راضی ہونا اس فعل کے کرنے کے برابر ہے۔

امام شعبی رحمہ اللہ سے مروی ہے کسی شخص نے ان کے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اور ان کے قتل پر خوشنودی ظاہر کی تو امام شعبی رحمہ اللہ نے کہا تو بھی عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے گناہ میں شریک ہو گیا بعد ازاں امام شعبی رحمہ اللہ نے یہ آیت پڑھی ﴿قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ﴾ یہ عذاب تمہارے ان اعمال کی سزا اور بدلہ ہے کہ جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے یعنی جلانے والا عذاب تمہارے افعال کی سزا ہے کہ تم نے اللہ کو فقیر کہا اور انبیاء کو قتل کیا اور اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں بلکہ عادل ہے اور عدل کا مقتضی مجرمین کو سزا دینا ہے تم نے جو کمایا اور تمہارے ہاتھوں نے جو سمیٹا وہ تمہارے سامنے آ گیا خدا تعالیٰ نے تم پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا۔ یہ سزا اور بلا تمہارے ہی اعمال کی صورت ہے کوئی نئی چیز نہیں یہ عذاب الیم، معاذ اللہ ظلم عظیم نہیں بلکہ عدل عظیم ہے اور تمہارے جرم عظیم اور ظلم عظیم کی سزا ہے۔

نکتہ:...... ظلام مبالغہ کا صیغہ ہے اور ﴿لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ میں مبالغہ کی نفی مراد نہیں بلکہ مبالغہ فی النفی مراد ہے جیسا کہ بخاری کی روایت میں بار بار آتا ہے۔ حدثنی البراء وھو غیر کذوب کذوب مبالغہ کا صیغہ ہے اور غیر کذوب سے مبالغہ کی نفی مراد نہیں بلکہ مبالغہ فی النفی مراد ہے ہماری اس عبارت کا مطلب کسی ایسے عالم سے حل کر لیں جو مطول اور مختصر معانی پڑھا چکا ہو۔ اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ ظلام صیغہ نسبت ہے بمعنی ذی ظلم جیسے صباغ اور دباغ اور عطار اور معنی یہ ہیں کہ اللہ کو ظلم سے کوئی نسبت نہیں یا یہ کہ مقصودِ کلام تعریض ہے کہ اللہ تو ظلام نہیں البتہ بندوں میں بڑے ظلام یعنی بڑے بڑے ظالم ہیں اشارہ یہود کی طرف ہے کہ یہ بڑے ظالم ہیں۔

یہود کا ایک اور افتراء اور اس کی تردید

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام سے پہلے بعض انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ قربانی یا کوئی چیز اللہ کے نام کی نیاز کی تو آسمان سے ایک آگ آتی اور اس کو کھا جاتی تو یہ اس قربانی اور نیاز کے قبول ہونے کی علامت ہوتی اور اگر اس کے جلانے کے لیے آسمان سے آگ نہ آتی تو معلوم ہوتا کہ خدا کے یہاں وہ قربانی اور نیاز قبول نہیں ہوئی اب یہود نے ایک بہانہ پکڑا اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو توریت میں یہ حکم دیا ہے کہ جس نبی سے یہ معجزہ نہ دیکھو اس پر ایمان نہ لانا یہ یہود کا جھوٹا بہانہ تھا توریت میں کہیں نہیں لکھا کہ جو نبی آگ کا معجزہ نہ دکھلائے اس پر ایمان نہ لانا یہ معجزہ صرف بعض پیغمبروں کو ملا تھا ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے مناسب معجزات عطا کیے یہ ضروری اور لازم نہیں کہ ہر نبی ایک ہی معجزہ دکھلا دے چنانچہ فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے غیب سے آ کر آگ کھا جاوے یہود کا مطلب یہ تھا کہ حضور پرنور نے یہ معجزہ ظاہر نہیں فرمایا اس لیے ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ مجھ سے پہلے

کتنے ہی رسول تمہارے پاس اپنی نبوت ورسالت کے دلائل اور براہین اور صاف اور روشن معجزات لے کر آ چکے ہیں۔ اور وہ معجزہ بھی لا چکے ہیں جو تم مانگتے ہو۔ پھر تم نے ان کو کیوں مار ڈالا اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو توریت میں ایسا حکم دیا ہے مطلب یہ ہے کہ تم جھوٹے ہو خدا نے کہیں ایسا حکم نہیں دیا۔ اثبات نبوت کے لیے مطلق معجزہ کا ظہور ضروری ہے اس خاص معجزہ کا ظاہر ہونا ضروری نہیں اور اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ اسی خاص معجزہ کے دکھلانے پر ایمان لانا موقوف ہے تو یہ بتلاؤ کہ جن نبیوں نے اپنی صداقت کے کھلے کھلے نشان دکھلائے اور یہ قربانی کا معجزہ بھی دکھلایا تو تم ان پر کیوں ایمان نہیں لائے بلکہ ان کو قتل کیا معلوم ہوا کہ یہ سب تمہاری حیلہ سازی اور ہٹ دھرمی ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تسلی

چونکہ کفار کی تکذیب اور اس قسم کی معاندانہ باتوں سے حضور پرنور ﷺ کو رنج ہوتا تھا اس لیے آئندہ آیت میں آپ ﷺ کی تسلی فرماتے ہیں کہ پس اگر یہ معاند اور کج بحث لوگ آپ ﷺ کو جھٹلائیں اور آپ کی نبوت کو نہ مانیں تو اس سے رنجیدہ اور دل گیر نہ ہوں کیونکہ آپ ﷺ سے پہلے کتنے ہی رسول جھٹلائے جا چکے ہیں۔ جو اپنی صداقت کے کھلے کھلے ثبوت اور آسمانی صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے انبیاء صادقین کی تکذیب ان کی قدیم عادت ہے آپ ﷺ کو کوئی نئی بات پیش نہیں آئی۔

فائدہ:...... بینات سے انبیاء کرام کی صداقت کے روشن دلائل اور کھلے ثبوت مراد ہیں اور زبر لفظ زبور کی جمع ہے جو زَبر سے مشتق ہے جس کے معنی لغت میں جھڑکنے اور ڈانٹنے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں زبور اس کتاب کو کہتے ہیں جو مضامین حکمت اور نصیحت وموعظت پر مشتمل ہو۔ ایسی کتابوں کو زبور اس لیے کہتے ہیں کہ لوگوں کو باطل کی طرف جانے سے جھڑکا جاتا ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب کو بھی زبور اسی لیے کہتے ہیں اور یہاں "وَالزُّبُر" سے وہ آسمانی صحیفے مراد ہیں جو مضامین حکمت وموعظت پر مشتمل ہوں اور کتاب منیر (یعنی روشن کتاب) سے توریت اور انجیل مراد ہے۔ اگرچہ لفظ زُبُر ان کو بھی شامل تھا مگر ان کی فضیلت اور شرافت ظاہر کرنے کے لیے ان کو علیحدہ بیان فرمایا۔

وعید برائے مکذبین و وعد برائے مصدقین

اب آئندہ آیت میں مکذبین کے لیے وعید اور مصدقین کے لیے وعدہ اور بشارت کا ذکر فرماتے ہیں ہر نفس تم میں سے موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور جز ایں نیست کہ تم کو پورا پورا بدلہ قیامت کے دن دیا جائے گا دنیا میں یا قبر میں اگر سزا ملتی ہے تو وہ اعمال کا پورا بدلہ نہیں وہ تو سزا کا محض ایک نمونہ ہے پس جو شخص دوزخ سے محفوظ کر دیا گیا۔ جو تمام مصیبتوں کا معدن اور منبع ہے اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ جو تمام راحتوں اور نعمتوں اور لذتوں کا معدن اور مخزن ہے پس ایسا شخص ٹھیک مراد کو پہنچا اور کامیاب ہوا۔ اور دنیاوی زندگی اگرچہ وہ کتنی ہی عیش وعشرت کو ساتھ لیے ہوئے ہو وہ کچھ بھی نہیں مگر دھوکہ کا سامان ہے۔ جس پر بے وقوف عاشق ہو گئے ہیں اگر یہ لوگ دنیا کی حقیقت جان لیں تو سمجھ جائیں کہ یہ ساری دنیا غرور یعنی فریب اور دھوکہ ہے کوئی بھی اس کو مول لینے پر تیار نہ ہو۔

در رہگذر اجل سرا نیست   در دیدۂ اعتبار خوابیست

ایمن منشیں زگرم وسردش مشغول مشوبہ سرخ وزردش

کافروں کی تکذیب اور ہرزہ سرائیوں پر مسلمانوں کو صبر کی تعلیم

چونکہ کافروں کے معاندانہ اعتراضات اور ہرزہ سرائیوں سے مسلمانوں کو ایذاء پہنچی تھی اس لیے آئندہ آیت میں مسلمانوں کو صبر کی تلقین فرماتے ہیں (مسلمانو) البتہ تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں میں اور اپنی جانوں میں مطلب یہ ہے کہ جان و مال دونوں ہی سے آزمائش ہوگی خدا کی راہ میں تمہارے مال بھی طلب کیے جائیں گے اور جانیں بھی اور فقر و افلاس میں بھی مبتلا ہوگے اور خدا کی راہ میں کفار کے ہاتھ سے مقتول اور مجروح بھی ہوگے غرض یہ کہ اے مسلمانو! تمہاری جانی اور مالی تکالیف کے ذریعہ تمہاری آزمائش ہوگی لہٰذا تم اس آزمائش کے لیے مستعد رہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمت ہار دو اور البتہ تم ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور نیز مشرکین سے بہت دل آزار باتیں سنو گے اور اگر تم ایسے موقع پر صبر کرو اور تقویٰ پر قائم رہو تو بے شک یہ خصلت ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ صبر کے معنی ناگوار امر کو برداشت کرنے اور تقویٰ کے معنی نامناسب بات سے بچنے کے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس عظیم خصلت کے لیے ہمت مردانہ چاہیے اور بعض مفسرین نے من عزم الامور کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ یہ کام من جملہ ان کاموں کے ہے جو خدا کی طرف سے تم پر لازم کیے گئے ہیں۔

مذمت اہل کتاب بر کتمان حق

گزشتہ آیات میں یہود کے قبائح کو بیان فرمایا اب آئندہ آیت میں ان کی ایک اور خصلت قبیحہ کو بیان کرتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے علماء اہل کتاب سے عہد لیا تھا کہ ہمارے احکام جو توریت اور انجیل میں مذکور ہیں اور نبی آخر الزمان ﷺ کی جو صفتیں اور بشارتیں ان میں مسطور ہیں ان کو لوگوں سے ہرگز نہ چھپانا مگر ان لوگوں نے خدا تعالیٰ سے جو عہد لیا تھا اس کو پس پشت ڈال دیا اور اپنے امیروں سے رشوت لے کر پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی بشارتوں کو چھپالیا۔ اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی یہ عہد لیا کہ تم اس کتاب کے تمام مضامین کو خود بخود لوگوں کے سامنے بیان کرنا اگرچہ کوئی تم سے دریافت بھی نہ کرے تم پر ان مضامین کا بیان اور اعلان واجب ہے تم اس کے مضامین کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا اور پوشیدہ نہ رکھنا پس ان لوگوں نے اس عہد اور میثاق کو پس پشت پھینک دیا اور اس کے بدلہ میں بہت تھوڑا سا معاوضہ لے لیا یعنی دنیاوی لالچ میں آنحضرت ﷺ کی صفتوں اور بشارتوں کو چھپالیا۔ پس کیا ہی بری چیز ہے کہ جو وہ خرید رہے ہیں۔ یعنی تھوڑے سے نذرانوں کے لالچ میں کتاب الٰہی کا مطلب الٹا سلٹا کرتے ہیں اور حق بات کو ظاہر نہیں کرتے بہت ہی برا سودا ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا

تو نہ سمجھ کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور تعریف چاہتے ہیں بن کئے پر سو مت سمجھ ان کو کہ

تو نہ سمجھ کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور چاہتے ہیں تعریف بن کئے پر، سو نہ جان کہ وہ

تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

چھوٹ گئے عذاب سے اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک ف۱ اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی

خلاص ہیں عذاب سے۔ اور ان کو دکھ کی مار ہے۔ اور اللہ کو ہے سلطنت آسمان اور زمین کی،

ع ۱۹ / ۱۰

وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾

اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ف۲

اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

مذمت خود پسندی و مدح خواہی

قَالَ تَعَالٰی: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ... الی... وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

آنحضرت ﷺ جب علماء یہود سے کوئی بات دریافت کرتے تو وہ اصل بات کو تو چھپا لیتے اور خلاف واقع بات بیان کر کے چلے جاتے پھر اپنے اس چھپانے پر دل میں خوش ہوتے کہ ہماری چالاکیوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا اور امید رکھتے کہ لوگ ہماری تعریف کریں گے اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (اے نبی) آپ ﷺ ان لوگوں کو جو اپنی اس چالاکی پر خوش ہوتے ہیں جو انہوں نے کی ہے اور چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے اس کام پر جو انہوں نے کیا۔ یعنی جو بھلائی نہیں کی اس پر آفرین چاہتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ دیکھو کس طرح حیلہ اور بہانہ سے اپنی جان بچائی پس آپ ﷺ ان کی نسبت یہ گمان ہرگز نہ کرنا کہ وہ عذاب سے چھوٹ گئے اور ان لوگوں کے لیے تو بڑا ہی دردناک عذاب ہے جو کہ ان کی ساری خوشی اور خود پسندی اور مدح خواہی کو اچھی طرح خاک میں ملا دے گا اگرچہ یہ آیت خاص یہود کے بارہ میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کا حکم عام ہے جو شخص بھی اپنے برے افعال سے خوش ہوگا اور نا کردہ امور پر اپنی تعریف چاہے گا وہ اس وعید میں داخل ہوگا اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے پس ایسے قادر مطلق کے عذاب سے چھٹکارا پانے کی کوئی سبیل نہیں اور خصوصاً جو گستاخ آسمان و زمین کے مالک کو فقیر کہتا ہو ایسے گستاخ کی تو عذاب سے کسی طرح رہائی نہیں ہو سکتی اس لیے کہ جس کی سلطنت آسمان و زمین کو محیط ہو اس کا مجرم بھاگ کر آخر کہاں جائے گا۔

ف۱ یہود مسئلے غلط بتاتے، رشوتیں کھاتے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات و بشارات جان بوجھ کر چھپاتے تھے پھر خوش ہوتے کہ ہماری چالاکیوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا اور امید رکھتے کہ لوگ ہماری تعریف کریں کہ بڑے عالم اور دیندار حق پرست ہیں۔ دوسری طرف منافقین کا حال بھی ان کے مشابہ تھا۔ جب جہاد کا موقع آتا گھر میں چھپ کر بیٹھ رہتے اور اپنی اس حرکت پر خوش ہوتے کہ دیکھو کیسے جان بچائی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاد سے واپس تشریف لاتے تو غیر حاضری کے جھوٹے عذر پیش کر کے چاہتے کہ آپ سے اپنی تعریف کرائیں، ان سب کو بتلا دیا گیا کہ یہ باتیں دنیا و آخرت میں خدا کے عذاب سے نہیں چھڑا سکتیں۔ اول تو ایسے لوگ دنیا ہی میں فضیحت ہوتے ہیں اور کسی وجہ سے یہاں بچ گئے تو وہاں کسی تدبیر سے نہیں چھوٹ سکتے

(تنبیہ) آیت میں گو تذکرہ یہود یا منافقین کا ہے لیکن مسلمانوں کو بھی سناتا ہے کہ برا کام کر کے خوش نہ ہوں، بھلا کر کے اترائیں نہیں اور جو اچھا کام کیا نہیں اس پر تعریف کے امیدوار نہ رہیں۔ بلکہ کرنے کے بعد بھی مدح سرائی کی ہوس نہ رکھیں۔

ف۲ جب آسمان و زمین میں اسی کی سلطنت ہے تو مجرم بھاگ کر پناہ کہاں لے سکتا ہے اور جو ہر چیز پر قادر ہے اس کے نفوذ و اختیار سے کون باہر ہو سکتا ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾

بیشک آسمان اور زمین کا بنانا اور رات اور دن کا آنا جانا اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو ف۱

آسمان اور زمین کا بنانا، رات اور دن کا بدلتے آنا، اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو۔

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ

وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ف۲ اور فکر کرتے ہیں آسمان

وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے، اور دھیان کرتے ہیں آسمان

وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ إِنَّكَ مَنْ

اورزمین کی پیدائش میں کہتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ عبث نہیں بنایا تو پاک ہے سب عیبوں سے سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے ف۳ اے رب ہمارے

اورزمین کی پیدائش میں۔ اے رب ہمارے! تو نے یہ عبث نہیں بنایا۔ تو پاک ہے عیب سے، سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے۔ اے رب ہمارے! جس کو

تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا

جسکو تو نے دوزخ میں ڈالا سو اس کو رسوا کر دیا ف۴ اور نہیں کوئی گنہگاروں کا مددگار ف۵ اے رب ہمارے ہم نے سنا کہ ایک پکارنے والا

تو نے دوزخ میں ڈالا، سو اس کو رسوا کیا۔ اور گنہگاروں کا کوئی نہیں مددگار۔ اے رب ہمارے ہم نے سنا کہ ایک پکارنے والا

ف۱ یعنی عقلمند آدمی جب آسمان وزمین کی پیدائش اور ان کے عجیب وغریب احوال وروابط اور دن رات کے مضبوط ومحکم نظام میں غور کرتا ہے تو اس کو یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا مرتب ومنظم سلسلہ ضرور کسی ایک مختار کل اور قادر مطلق فرمانروا کے ہاتھ میں ہے جس نے اپنی عظیم قدرت واختیار سے ہر چھوٹی بڑی مخلوق کی حد بندی کر رکھی ہے۔ کسی چیز کی مجال نہیں کہ اپنے محدود وجود اور دائرہ عمل سے باہر قدم نکال سکے۔ اگر اس عظیم الشان مشین کا ایک پرزہ یا اس کارخانہ کا ایک مزدور بھی مالک علی الاطلاق کی قدرت واختیار سے باہر ہوتا تو مجموعہ عالم کا یہ مکمل ومحکم نظام ہرگز قائم نہ رہ سکتا۔

ف۲ یعنی کسی حال خدا سے غافل نہیں ہوتے۔ اس کی یاد ہمہ وقت ان کے دل میں اور زبان پر جاری رہتی ہے جیسے حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کان یَذْکُرُ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ اَحْیَانِہٖ نماز بھی خدا کی بہت بڑی یاد ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے بیٹھ کر اور جو بیٹھ نہ سکے لیٹ کر پڑھ لے۔ بعض روایات میں ہے کہ جس رات میں یہ آیات نازل ہوئیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے، بیٹھے، لیٹے، ہر حالت میں اللہ کو یاد کر کے روتے رہے۔

ف۳ یعنی ذکر وفکر کے بعد کہتے ہیں کہ خداوندا! یہ عظیم الشان کارخانہ آپ نے بیکار پیدا نہیں کیا، جس کا کوئی مقصد نہ ہو یقیناً ان عجیب وغریب حکیمانہ انتظامات کا سلسلہ کسی عظیم وجلیل نتیجہ پر منتہی ہونا چاہئے۔ گویا یہاں سے ان کا ذہن تصور آخرت کی طرف منتقل ہو گیا جو فی الحقیقت دنیا کی موجودہ زندگی کا آخری نتیجہ ہے اسی لئے آگے دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنے کی دعا کی، اور درمیان میں خدا تعالیٰ کی تسبیح وتنزیہ بیان کر کے اشارہ کر دیا کہ جو احمق قدرت کے ایسے صاف وصریح نشان دیکھتے ہوئے تجھ کو نہ پہچانیں یا تیری شان کو گھٹائیں یا کارخانہ عالم کو محض عبث ولعب سمجھیں، تیری بارگاہ ان سب کی ہزلیات وخرافات سے پاک ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان وزمین اور دیگر مصنوعات الٰہیہ میں غور وفکر کرنا وہی محمود ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ خدا کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ ہو باقی جو مادہ پرست ان مصنوعات کے تاروں میں الجھ کر رہ جائیں اور صانع کی صحیح معرفت تک نہ پہنچ سکیں، خواہ دنیا انہیں بڑا محقق اور سائنسداں کہا کرے، مگر قرآن کی زبان میں وہ اولو الالباب نہیں ہو سکتے، بلکہ پرلے درجہ کے جاہل واحمق ہیں۔

ف۴ جو شخص جتنی دیر دوزخ میں رہے گا اسی قدر رسوائی سمجھو۔ اس قاعدہ سے دائمی رسوائی صرف کفار کے لئے ہے جن آیات میں عام مومنین سے خزی (رسوائی) کی نفی کی گئی ہے وہاں یہ ہی معنی سمجھنے چاہئیں۔ .... =

يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا

پکارتا ہے ایمان لانے کو کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر ف۱ سو ہم ایمان لے آئے ف۲ اے رب ہمارے اب بخش دے گناہ ہمارے اور دور کردے

پکارتا ہے ایمان لانے کو، کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر، سو ہم ایمان لائے، اے رب ہمارے اب بخش گناہ ہمارے اور اتار

سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝۱۹۳ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ

ہم سے برائیاں ہماری اور موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ ف۳ اے رب ہمارے اور دے ہم کو جو وعدہ کیا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے واسطہ سے اور رسوا نہ کر

ہماری برائیاں اور موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ۔ اے رب ہمارے اور دے ہم کو جو وعدہ دیا تو نے اپنے رسولوں کے ہاتھ۔ اور رسوا نہ کر ہم کو

الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝۱۹۴ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ

ہم کو قیامت کے دن ف۴ بیشک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ف۵ پھر قبول کی ان کی دعا ان کے رب نے کہ میں ضائع نہیں کرتا محنت کسی محنت کرنے والے کی

قیامت کے دن۔ تحقیق تو خلاف نہیں کرتا وعدہ۔ پھر قبول کی ان کی دعا ان کے رب نے، کہ میں ضائع نہیں کرتا محنت کسی محنت کرنے والے کی،

مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ

تم میں سے مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک ہو ف۶ پھر وہ لوگ کہ ہجرت کی انہوں نے اور نکالے گئے

تم میں سے مرد یا عورت، تم آپس میں ایک ہو۔ پھر جو لوگ وطن سے چھوٹے اور نکالے گئے

دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ

اپنے گھروں سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور لڑے اور مارے گئے البتہ دور کرونگا میں ان سے برائیاں ان کی اور داخل کرونگا

اپنے گھروں سے اور ستائے گئے میری راہ میں، اور لڑے اور مارے گئے ہیں، اتاروں گا ان سے برائیاں ان کی اور داخل کروں گا

= ف۵ یعنی جس کو خدا دوزخ میں ڈالنا چاہے، کوئی حمایت کر کے بچا نہیں سکتا، ہاں جن کو ابتداء میں یا آخر میں چھوڑنا اور معاف کر دینا ہی منظور ہوگا (جیسے عصاۃ مومنین) ان کے لئے شفعاء کو اجازت دی جائیگی کہ سفارش کر کے بخشوائیں۔ وہ اس کے مخالف نہیں، بلکہ آیات و احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

ف۱ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے بڑی اونچی آواز سے دنیا کو پکارا۔ یا قرآن کریم جس کی آواز گھر گھر میں پہنچ گئی۔

ف۲ پہلے ایمان عقلی کا ذکر تھا، یہ ایمان سمعی ہوا جس میں ایمان بالرسول اور ایمان بالقرآن بھی درج ہوگیا۔

ف۳ یعنی ہمارے بڑے گناہ بخش دے، اور چھوٹی موٹی برائیوں پر پردہ ڈال دے اور جب اٹھانا ہو نیک بندوں کے زمرہ میں شامل کر کے دنیا سے اٹھالے۔

ف۴ یعنی پیغمبروں کی زبانی، ان کی تصدیق کرنے پر جو وعدے آپ نے کئے ہیں (مثلاً دنیا میں آخرکار اعداء اللہ پر غالب و منصور کرنا اور آخرت میں جنت و رضوان سے سرفراز فرمانا) ان سے ہم کو اس طرح بہرہ اندوز کیجئے کہ قیامت کے دن ہماری کسی قسم کی ادنیٰ سے ادنیٰ رسوائی بھی نہ ہو۔

ف۵ یعنی آپ کے ہاں تو وعدہ خلافی کا احتمال نہیں، ہم میں احتمال ہے کہ مبادا ایسی غلطی نہ کر بیٹھیں جو آپ کے وعدوں سے مستفید نہ ہو سکیں۔ اس لئے درخواست ہے کہ ہم کو ان اعمال پر مستقیم رہنے کی توفیق دیجئے جن کی آپ کے وعدوں سے متمتع ہونے کے لئے ضرورت ہے۔

ف۶ یعنی مرد ہو یا عورت ہمارے ہاں کسی کی محنت ضائع نہیں جاتی۔ جو کام کریگا اس کا پھل پائے گا، یہاں عمل شرط ہے۔ نیک عمل کر کے ایک عورت بھی اپنی استعداد کے موافق آخرت کے وہ درجات حاصل کر سکتی ہے جو مرد حاصل کر سکتے ہیں۔ جب تم مرد و عورت ایک نوع انسانی کے افراد ہو، ایک آدم سے پیدا ہوئے ہو، ایک رشتہ اسلامی میں منسلک ہو، ایک اجتماعی زندگی اور امور معاشرت میں شریک رہتے ہو تو اعمال اور ان کے ثمرات میں بھی اپنے کو ایک ہی سمجھو۔ روایت میں ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا تھا! یارسول اللہ! قرآن میں کہیں ہم عورتوں کی ہجرت وغیرہ اعمال حسنہ کا بالتخصیص ذکر نہیں آتا اس کا =

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا

ان کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ف۱ یہ بدلہ ہے اللہ کے ہاں سے اور اللہ کے ہاں ہے اچھا بدلہ ف۲ تجھ کو

باغوں میں جن کے نیچے بہتی ندیاں۔ بدلا اللہ کے ہاں سے۔ اور اللہ ہی کے ہاں ہے اچھا بدلہ۔

یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۟ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ

دھوکا نہ دے چلنا پھرنا کافروں کا شہروں میں یہ فائدہ ہے تھوڑا سا پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے

تو نہ بہک اس پر کہ آتے جاتے ہیں کافر شہروں میں۔ یہ فائدہ ہے تھوڑا سا، پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے،

وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے ف۳ لیکن جو لوگ ڈرتے رہے اپنے رب سے ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں

اور کیا بری تیاری ہے۔ لیکن جو لوگ ڈرتے رہے اپنے رب سے، ان کو باغ ہیں جن کے نیچے بہتی ندیاں،

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

ہمیشہ رہیں گے ان میں ف۴ مہمانی ہے اللہ کے ہاں سے ف۵ اور جو اللہ کے ہاں ہے سو بہتر ہے نیک بختوں کے واسطے اور کتاب والوں میں

رہ پڑے ان میں، مہمانی اللہ کے ہاں سے۔ اور جو اللہ کے ہاں ہے سو بہتر ہے نیک بختوں کو۔ اور کتاب والوں میں بعضے وہ بھی ہیں

لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ خٰشِعِیْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ

بعضے وہ بھی ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور جو اترا تمہاری طرف اور جو اترا ان کی طرف عاجزی کرتے ہیں

جو مانتے ہیں اللہ کو، اور جو اترا تمہاری طرف اور جو اترا ان کی طرف، ڈرتے ہیں اللہ کے آگے، نہیں خرید کرتے اللہ کی

= جواب اس آیت میں دیا گیا۔

ف۱ یعنی جب کسی عمل کرنیوالے کا چھوٹا موٹا عمل بھی ضائع نہیں ہوتا، پھر ان مردان خدا کا تو پوچھنا ہی کیا ہے جنہوں نے کفر و عصیان چھوڑنے کے ساتھ دار الکفر بھی چھوڑ دیا۔ وطن، خویش و اقارب، اہل و عیال اور مال و منال سب کو خیر باد کہہ کر دار الاسلام کی طرف نکل کھڑے ہوئے کفار نے ان پر وہ ظلم و ستم توڑے کہ گھروں میں ٹھہرنا محال ہوگیا۔ وطن چھوڑنے اور گھر بار ترک کرنے پر بھی دشمنوں نے چین نہ لینے دیا۔ طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے رہے اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ وہ میرا نام لیتے تھے اور میرا کلمہ پڑھتے تھے ﴿یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ﴾ ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ﴾ آخر وہ میرے راستہ میں لڑے اور لڑ کر جان دے دی۔ یہ بندے ہیں جن کی تمام تقصیرات معاف کر دی گئیں اور جنت انکا انتظار کر رہی ہے۔

ف۲ یعنی اچھا بدلہ تو خدا ہی کے پاس ہے اور کہیں سے نہیں مل سکتا۔ یا یہ مطلب ہو کہ اس بدلہ سے بھی اچھا بدلہ خدا کے پاس ہے۔ یعنی اس کا دیدار مبارک۔ رزقنا اللّٰہ وسائر المومنین۔

ف۳ یعنی کفار جو ادھر ادھر تجارت وغیرہ کر کے دولت کماتے اور اکڑتے پھرتے ہیں، مسلمان کو چاہیے کہ ان سے دھوکہ نہ کھائے یہ محض چند روز کی بہار ہے۔ اگر ایک شخص کو چار دن پلاؤ، قورمے کھلانے کے بعد پھانسی یا حبس دوام کی سزا دی جائے تو وہ کیا خوش عیش ہوا، خوش عیش وہ ہے جو تھوڑی سی محنت اور تکلیف اٹھا کر ہمیشہ کے لئے اعلیٰ درجہ کی راحت و آسائش کا سامان مہیا کر لے۔

ف۴ اب اس عیش و کامیابی کا اس چند روزہ بہار سے مقابلہ کرو کہ یہ بہتر ہے یا وہ؟

ف۵ مہمان اس لئے کہا کہ مہمان کو اپنے کھانے پینے کی کچھ فکر کرنی نہیں پڑتی۔ عزت اور آرام سے بیٹھے بٹھائے ہر چیز تیار ملتی ہے۔

اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يَا أَيُّهَا

اللہ کے آگے نہیں خریدتے اللہ کی آیتوں پر مول تھوڑا یہی ہیں جن کے لئے مزدوری ہے ان کے رب کے ہاں ف۱ بیشک اللہ جلد لیتا ہے حساب ف۲ اے

آیتوں پر مول تھوڑا۔ وہ جو ہیں، ان کو ان کی مزدوری ہے ان کے رب کے ہاں۔ بیشک اللہ شتاب لیتا ہے حساب۔ اے

الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۲۰۰﴾ ع ۱۱

ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور لگے رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو ف۳

ایمان والو! ثابت رہو، اور مقابلے میں مضبوطی کرو اور لگے رہو۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے، شاید تم مراد کو پہنچو۔

دلائل الوہیت ووحدانیت وکمال قدرت

وحکمت وبیان حال دانشمنداں ودعاہائے گوناگوں ایشاں

قال تعالیٰ: ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ... الی ... اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں یعنی ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ میں حق تعالیٰ شانہ کی بادشاہت اور کمال قدرت کو بیان فرمایا اب ان آیات میں حق جل شانہ کی الوہیت اور اس کی وحدانیت اور کمال قدرت اور کمال حکمت کے دلائل بیان فرماتے ہیں اور اہل عقل اور اہل دانش کی مدح فرماتے ہیں کہ جنہوں نے مخلوقات کو دیکھ کر خالق کا پتہ چلالیا اور مصنوعات کو دیکھ کر صانع کو پہچان لیا اور دن رات اپنے پروردگار کے ذکر اور فکر میں سرشار ہیں اور اسی کی تسبیح اور دعا اور استغفار میں مشغول ہیں قرآن کریم کی اصطلاح میں اولوا الالباب (عاقل کامل) وہی لوگ ہیں جو مصنوعات اور مخلوقات میں غور وفکر کر کے خالق اور صانع کی صحیح معرفت تک پہنچ گئے اور خدا کی یاد اور آخرت کی فکر میں لگ گئے اور سمجھ گئے کہ یہ دنیا فانی ہے اور اس کے بعد ایک اور عالم کی طرف کوچ ہونا ہے باقی جو مادہ پرست مخلوقات اور مصنوعات کی تحقیقات اور

ف۱ اوپر عام متقین کا حال بیان ہوا تھا۔ اب اہل کتاب میں جو متقی ہوں ان کا خصوصیت سے ذکر فرماتے ہیں۔ یعنی جو اہل کتاب اللہ پر ٹھیک ٹھیک ایمان لائے قرآن کو مانا اور چونکہ خود قرآن تورات وانجیل کی تصدیق کرتا ہے ان کو بھی مانا مگر اس طرح نہیں، جیسے دنیا پرست احبار مانتے تھے کہ تھوڑے سے دنیاوی فائدہ کی خاطر آیات اللہ کو چھپالیا یا بدل ڈالا، بلکہ خدا کے آگے عاجزی اور اخلاص سے گرے اور جس طرح اس نے کتابیں اتاری تھیں ٹھیک ٹھیک اسی اصلی رنگ میں ان کو تسلیم کیا۔ نہ بشارات کو چھپایا نہ احکام کو بدلا ایسے پاکباز حق پرست اہل کتاب کے لئے اللہ کے ہاں مخصوص اجر ہے۔ چنانچہ قرآن وحدیث کی تصریحات سے ثابت ہے کہ ایسے اہل کتاب کو دوہرا اجر ملے گا۔

ف۲ یعنی حساب کا دن کچھ دور نہیں، جلد آنے والا ہے اور جب حساب شروع ہوگا تمام دنیا کا پائی پائی حساب بہت جلد بے باق کر دیا جائیگا۔

ف۳ خاتمہ پر مسلمانوں کو ایک نہایت جامع ومانع نصیحت فرمادی، جو گویا ساری سورت کا ماحصل ہے۔ یعنی اگر کامیاب ہونا اور دنیا وآخرت میں مراد کو پہنچنا چاہتے ہو تو سختیاں اٹھا کر بھی طاعت پر جمے رہو، معصیت سے رکو، دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھلاؤ، اسلام اور سرحد اسلام کی حفاظت میں لگے رہو، جہاں سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ ہو وہاں آہنی دیوار کی طرح سینہ سپر ہو کر ڈٹ جاؤ۔ ﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ اور ہر وقت ہر کام میں خدا سے ڈرتے رہو۔ یہ کرلیا تو سمجھو کہ مراد کو پہنچ گئے۔ اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مُفْلِحِينَ وَفَائِزِينَ بِفَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ آمین۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لئے اٹھتے تو آسمان کی طرف نظر اٹھا کر یہ دس آیتیں ان فی خلق السموٰت والارض سے ختم سورۃ تک تلاوت کرتے تھے۔ تم سورۃ آل عمران بمنه وحسن توفيقه۔ فله الحمد والمنة وعلى رسوله الف الف سلام وتحية۔

تدقیقات کے تاروں اور زنجیروں میں الجھ کر رہ گئے اور صانع برحق کی معرفت تک ان کی رسائی نہیں ہوئی خواہ دنیا ان کو کتنا ہی بڑا محقق اور فلاسفر اور سائنس دان کہا کرے وہ قرآن کی زبان میں اولوا الالباب عاقل اور دانش مند نہیں بلکہ پرلے درجہ کے جاہل اور احمق ہیں۔ شاہی محل میں بادشاہ کا مہمان بھی داخل ہوتا ہے اور چور بھی مگر مہمان محل کے عجائب کو اس لیے دیکھتا ہے کہ وہ بادشاہ کی شان وشوکت اور اس کے جاہ جلال کا مظہر اور آئینہ ہیں اور چور شاہی محل کو نہایت غور سے دیکھتا ہے تا کہ اس کے خزینے اور دفینے چرانے میں اس کو مدد ملے۔ اور عمر بھی کی عیش وعشرت کا سامان اس کو مل جائے۔

پس خوب سمجھ لو کہ کائنات قدرت میں سائنس دانوں کی غور اور فکر اور تحقیقات سارقانہ نظر کا حکم رکھتی ہے کہ اپنے فوائد اور منافع کے لیے تحقیق میں سرگرداں اور حیران ہیں ان کو صانع اور خالق سے کوئی مطلب نہیں۔

اور اصحاب دانش وبینش کا حال ان کے بالکل برعکس ہے وہ آسمان اور زمین اور دیگر مصنوعات الہیہ میں غور وفکر کرتے ہیں تا کہ خالق کائنات کی صحیح معرفت تک پہنچ جائیں۔ سائنس دانوں کا مقصد صرف مخلوقات کے فوائد اور منافع کا معلوم کرنا ہے تا کہ ان سے دل خواہ مستفید اور متمتع ہو سکیں خالق سے ان کو کوئی سروکار نہیں کائنات قدرت میں سائنس دانوں کی نظر۔ سارقانہ نظر ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے وراثین کی نظر عاشقانہ اور والہانہ اور عاقلانہ اور دانش مندانہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ تحقیق آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں رات اور دن کے آنے جانے میں اللہ تعالیٰ کے وجود باجود اور اس کے کمال علم اور کمال قدرت اور کمال حکمت اور اس کی وحدت کی بہت سی نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے جن کی عقل وہم اور نفسانی اور شیطانی وسوسوں کی آمیزش سے پاک ہے اہل عقل آسمان اور زمین کی عجیب وغریب خلقت اور لیل ونہار کے عجیب وغریب چکر کو دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ یہ عجیب وغریب کارخانہ خود بخود نہیں چل رہا ہے بلکہ کسی علیم وحکیم اور قدیر بصیر کے ہاتھ میں اس کی باگ ہے۔ اور ان عقلاء کے عاقل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور بناوٹ میں غور وفکر کرتے ہیں۔ اور سمجھ جاتے ہیں کہ ان کو کسی بڑے علیم وحکیم اور قدرت والے نے بنایا ہے آسمان وزمین میں غور وفکر کرنے سے ان کا مقصود حق جل شانہ کی معرفت حاصل کرنا ہے اور جب مصنوعات میں غور فکر کرنے سے خالق کی معرفت ان کو حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی عظمت اور اس کی عظیم قدرت اور علم وحکمت معلوم ہو جاتی ہے اور اس کے عجائب قدرت کو دیکھ کر دل اس کی محبت اور عظمت سے لبریز ہو جاتا ہے تو اس خداوند قدوس کی تسبیح وتقدیس اور ایمان ودعا اور استغفار میں لگ جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو نے یہ کارخانہ عالم عبث اور بے کار نہیں بنایا عالم کا ہر ہر جز اور ہر ہر ذرہ حکمتوں اور مصلحتوں سے لبریز ہے تمام عالم کے عقلاء کی عقلیں جن کے ادراک سے قاصر اور درماندہ ہیں تو پاک ہے۔ اے میرے پروردگار ہر عیب اور نقص سے بے شک تو نے اس کارخانہ کو یونہی بے فائدہ نہیں بنایا اور اس کی ہر حرکت اور سکون سے تغیر اور زوال ٹپکتا ہوا نظر آتا ہے اور یوں دکھلائی دیتا ہے کہ جس طرح یہ سارا کارخانہ عدم سے وجود میں آیا ہے اسی طرح ایک دن پھر عدم کے گھاٹ اتار دیا جائے گا اور نمرود اور فرعون جیسے مجرم جنہوں نے دنیا میں اودھم مچا رکھا ہے اور تیرے سفراء اور وزراء یعنی انبیاء ومرسلین کی تذلیل وتوہین اور تیری نازل کردہ شریعت کے قوانین اور احکام کی پامالی پر تلے ہوئے ہیں۔ ایک دن یہ سب مجرم نہایت ذلت اور رسوائی کے ساتھ جیل خانہ (جہنم) میں

دھکیل دیے جائیں گے پس اے پروردگار تو ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔ مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار جب تو نے یہ کارخانہ بچوں کے کھیل کی طرح بے فائدہ نہیں بنایا بلکہ اسکے بنانے سے مقصود ایک اور زندگی ہے جسے آخرت کہتے ہیں اور جہاں اس کے بنانے کا نتیجہ ظاہر ہوگا تو ہمیں اس زندگی میں دوزخ کے عذاب سے بچانا بایں طور کہ ہم کو عمل صالح اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق دینا اے ہمارے پروردگار بلاشبہ جس کو تو نے دوزخ میں داخل کر دیا تو تحقیق تو نے اس کو خوب رسوا کیا اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں جو ان کو خدا کے عذاب سے بچا سکے۔ اے ہمارے پروردگار ہم نے ایک منادی کو سنا جو علانیہ طور پر بآواز بلند ایمان کی منادی کر رہا تھا کہ اے لوگو! اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ پس ہم دل وجان سے ایمان لے آئے ایمان کے منادی سے نبی اکرم ﷺ مراد ہیں جنہوں نے ساری دنیا کو پکارا اور للکارا اور ایمان کی دعوت دی اے ہمارے پروردگار ہم ایمان تو لے آئے اور اطاعت کے لیے کمربستہ بھی ہو گئے مگر ہم عاجز اور ناتواں ہیں کما حقہ اطاعت بہت مشکل ہے۔ ہمارا کوئی عمل بھی تقصیر سے خالی نہیں پس ہمارے گناہ بخش دیجئے اور ہماری برائیوں کو دور فرما دیجئے اور نیک بختوں کے ساتھ ہمیں موت دے یعنی نیکوں کے طریقہ پر ہم کو موت دے۔ جیسے محاورہ میں کہتے ہیں "انا مع فلاں" میں فلانے کے ساتھ ہوں۔ یعنی اس کے طریقہ اور مذہب اور اعتقاد پر ہوں اسی محاورہ کے مطابق "تَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ" کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کے طریقہ اور مذہب اور اعتقاد پر ہم کو موت دے۔ اے پروردگار ہمارا ایمان اور ہمارا عمل تو آخرت کی رسوائی سے بچانے کے لیے کافی نہیں لیکن ہم آپ کے نام لیوا نابکار آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہم کو وہ چیز عطا فرمائیں جو آپ نے اپنے پیغمبروں کی زبانی ہم سے وعدہ کیا ہے کہ ایمان لانے والوں کو یہ نعمتیں ملیں گی ہم آپ سے اپنے استحقاق کی بنا پر درخواست نہیں کرتے بلکہ آپ کے کریمانہ وعدہ کے ایفاء کی فقیرانہ اور گدایانہ اور شرمسارانہ درخواست کرتے ہیں کہ بیشک ہمارا ایمان اور عمل اس قابل نہیں کہ اس پر انعام دیا جا سکے لیکن آپ کریم مطلق ہیں بمقتضاء کرم اپنے وعدہ کو پورا فرما دیجئے مطلب یہ ہے کہ اپنی توفیق وعنایت اور لطف وکرم سے ہم کو اس وعدہ کا مستحق بنا اور ہم سے ایسی حرکات سرزد نہ ہوں۔ جن کی وجہ سے ان انعامات کے وعدہ کے مستحق نہ رہیں اور ہم ایمان لانے والوں کو قیامت کے دن ذلیل اور رسوا نہ کیجئے۔ تحقیق آپ تو بلاشبہ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ بے وفائی کا احتمال تو ہماری ہی طرف سے ہو سکتا ہے۔ آپ کی بارگاہ تو وعدہ خلافی سے پاک اور منزہ ہے۔ اے پروردگار ہم صد ہزار بار اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم تیرے پورے وفادار اور فرمانبردار اور اطاعت شعار نہیں بن سکے اور عہد الست کو ہم پورا نہیں کر سکے ہم اپنی اس وعدہ خلافی پر نادم اور شرمندہ ہیں۔ لیکن دل وجان سے ارادہ پوری ہی وفاداری کا ہے۔

نفس وشیطان زد کریما راہ من   رحمت باشد شفاعت خواہ من

وعدہ خلافی ہماری طرف سے ہے نہ کہ تیری طرف سے۔ ﴿اِنَّكَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ﴾

خلاصہ کلام یہ کہ اہل عقل وہ لوگ ہیں جو اہل ذکر اور اہل فکر ہیں اور مخلوقات میں غور وفکر کر کے خدا تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت اور قدرت اور حکمت کو پہچان لیتے ہیں اور خدا کی طرف عاجزی اور گریہ وزاری اور آخرت کی تیاری میں لگ جاتے ہیں عاقل اور دانا وہ ہے جو آسمان وزمین کی خلقت میں غور وفکر کر کے ان کے خالق تک پہنچ جائے اور ﴿رَبَّنَا مَا

﴿خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ میں مست ہو جائے۔ باقی وہ لوگ جو دن رات اجرام علوی اور سفلی کے تحقیقات میں سرگرداں ہیں مگر خالق کی معرفت اور اس کے ذکر اور فکر اور آخرت کی تیاری سے غافل ہیں اور اس دنیا کو محض کھیل تماشہ اور تفریح اور لذت کا ذریعہ سمجھے ہوئے ہیں۔ دنیا ایسے لوگوں کو اگرچہ بڑا محقق اور بڑا فلاسفر اور سائنس دان کہے مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اولوا الالباب میں سے نہیں ہو سکتے جس نے اپنے مالک کو نہ پہچانا وہ جانور سے بھی بدتر ہے جانور بھی پہچانتا ہے کہ مجھے گھاس دانہ کون ڈالتا ہے جب مالک سامنے آتا ہے تو یہ جانور اس کے سامنے گردن جھکا دیتا ہے مگر اس فلسفی اور سائنس دان کی گردن خدا کے سامنے نہیں جھکتی۔ ﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾

بشارت قبولیت دعا

گزشتہ آیات میں اہل ذکر و اہل فکر کی دعا مذکور ہوئی اب آئندہ آیت میں اس کی قبولیت کی بشارت دی جاتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں پس ان کے پروردگار نے ان کی تمام دعائیں قبول کیں اور بتلا دیا کہ میرا قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ میں تم میں سے کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا۔ مرد ہو یا عورت ہو تم آپس میں ایک ہو۔ اعمال کی جزاء میں دونوں برابر ہیں پس جب کسی عمل کرنے والے کا چھوٹا موٹا عمل بھی رائیگاں نہیں جاتا تو مردانِ خدا کا تو پوچھنا ہی کیا ہے جنہوں نے منادی پرحق کی نداء ایمان قبول کرنے کے بعد ہجرت کی اور خدا کے لیے خویش اور اقارب اور وطن چھوڑا اور مال ومنال کو خیرباد کہہ کر دارالاسلام کی راہ لی اور محض میرا کلمہ پڑھنے اور میرا نام لیوا ہونے کی وجہ سے طرح طرح سے ستا کر اپنے گھروں سے نکالے گئے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ﴾ (سورۂ ممتحنہ) اور ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ (سورۂ بروج) اور میری راہ میں ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں۔ اور پھر انہوں نے میری راہ میں جہاد و قتال کیا اور بہت سے ان میں سے شہید بھی ہوئے ان مردانِ خدا کا خدا کی راہ میں ان ہوش ربا تکلیفوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا ان کے کمالِ ایمان کی دلیل ہے۔ لہٰذا میں ایسے لوگوں کی برائیوں اور گناہوں کو ضرور ضرور معاف کروں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ بدلہ ملے گا ان کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہے نہایت عمدہ بدلہ جس پر سوائے اس کے کسی کو قدرت نہیں اور یہ عمدہ بدلہ انہیں عقلاء کو ملے گا جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اوپر کی آیت میں مومنین کا حال اور ان کے اخروی درجات کا بیان تھا اب اس آیت میں کافروں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ کوئی مسلمان دنیا میں کافروں کو خوش حال اور خوش وخرم دیکھ کر یہ خیال نہ کرے کہ یہ کمبخت خدا کے دشمن تو بظاہر عیش اڑاتے ہیں اور ہم مصیبت جھیلتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (اے ظاہر بین) جو لوگ کافر ہیں ان کا شہروں میں تجارت وغیرہ کے لیے چلنا پھرنا تجھ کو دھوکہ اور فریب میں نہ ڈال دے یہ دنیاوی عیش وعشرت بہت ہی تھوڑی پونجی ہے۔ ان کی اس چندروزہ بہار سے مسلمان کو دھوکہ نہ کھانا چاہیے یہ دولت وثروت قبولیت کی دلیل نہیں اگر کسی شخص کو چند

روز پلاؤ اور قورمہ کھلا کر حبس دوام کی سزا دی جائے تو وہ کیا خوش عیش اور خوش نصیب ہوگا۔ خوش عیش اور خوش نصیب تو وہ ہے کہ چند روزہ محنت اور تکلیف اٹھا کر اعلی درجہ کی دائمی عیش اور آسائش کا سامان مہیا کر لے۔ کافروں کی یہ عیش وعشرت محض چند روزہ ہے پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور بہت ہی برا ٹھکانہ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے لہٰذا مومنوں کو ان کی حالت سے دھوکہ میں نہ پڑنا چاہیے بلکہ ان کو حق تعالیٰ کے ثواب ابدی اور دائمی پر نظر رکھنی چاہیے۔

۱- دنیا کی کوئی نعمت ایسی نہیں جو پائیدار ہو بلکہ سب منقطع ہونے والی ہیں۔

۲- نیز دنیا کی کوئی نعمت ضرر اور الم سے خالی نہیں۔

۳- نیز آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کی تمام نعمتیں ہیچ اور محض بے حقیقت ہیں علاوہ ازیں انسان۔ دنیاوی نعمتوں میں پڑ کر خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ دائمی عذاب ہے لیکن ان میں سے بھی جو لوگ خدا سے ڈریں اور ایمان لا کر متقی اور پرہیزگار بن جائیں ان کے لیے بہشت کے باغات ہیں۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کی طرف سے ان کی مہمانی ہے اور جو چیزیں اللہ کے یہاں ہیں سو وہ اس متاع قلیل سے نیک بختوں کے لیے کہیں بہتر ہیں کیونکہ خدا کے پاس جو ہے وہ بے مثال ہے اور لازوال ہے۔

ف:...... جاننا چاہیے کہ متقین اور ابرار کے درمیان فرق ہے اور ابرار کا درجہ متقیوں سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ متقی اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی ناراضگی کے اسباب سے بچالے اور یہ بات صرف محرمات کو چھوڑ دینے اور فرائض اور واجبات کے بجالانے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور ابرار برٌ بمقابلہ بحر سے مشتق ہے جس کے مفہوم میں وسعت داخل ہے لہٰذا ابرار کے مفہوم میں تمام نیکیوں کا بجالانا داخل ہے خواہ فرائض ہوں یا نوافل پس مطلب یہ ہوا کہ ﴿جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ متقین کی مہمانی ہے اور ابرار کے لیے جو الطاف وعنایات ہوں گی وہ اس سے کہیں درجہ بہتر ہوں گی۔ لہٰذا تمہیں اس کی فکر کرنی چاہیے۔

مدح مومنین اہل کتاب

گزشتہ آیات میں اہل کتاب کی مذمت کا بیان تھا اب آئندہ آیات میں اہل کتاب کی ایک خاص جماعت کی مدح فرماتے ہیں کہ جو مشرف باسلام ہوئی۔

۱- اور بلاشبہ اہل کتاب میں سے بعضے لوگ ایسے ہیں جو اللہ پر صحیح ایمان رکھتے ہیں جس میں نفاق اور شرک کی آمیزش نہیں۔ ۲- اور اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ جو ہماری طرف سے نازل کی گئی یعنی قرآن کریم۔ ۳- اور ان کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ان کی طرف اتاری گئیں۔ یعنی توریت وانجیل۔ ۴- حالت ان کی یہ ہے کہ اللہ کے لیے عاجزی اور فروتنی کرنے والے ہیں خشوع اور خضوع اس اثر کا نام ہے جو دل میں خوف خدا پیدا ہونے کی وجہ سے تمام اعضاء اور جوارح پر پڑتا ہے۔ جس کے باعث نظر نیچی ہو جاتی ہے اور آواز دب جاتی ہے یہ خشوع مومنین اہل کتاب کا چوتھا وصف ہے جو ایمان کا صحیح ثمرہ ہے۔ ۵- اور پانچواں وصف ان کا یہ ہے کہ ان کے دل حب مال اور حب جاہ سے پاک ہیں۔ اس لیے

کہ وہ اللہ کی آیتوں کے بدلے میں تھوڑا مول نہیں خریدتے جیسا کہ دوسرے اہل کتاب مال وجاہ کی طمع میں خدا کی آیتوں میں تحریف کر کے تھوڑے داموں بیچ دیتے ہیں۔ ایسے اہل کتاب کے لیے جو قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہوں اور کتب سابقہ پر بھی ایمان رکھتے ہوں۔ خدا تعالیٰ کے یہاں ان کے لیے مخصوص اجر ہے یعنی ان اہل کتاب کا اجر اور ثواب اور لوگوں سے زیادہ ہے یعنی دگنا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے ﴿اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ایسے اہل کتاب کو دھرا اجر ملے گا اور بہت جلد ملے گا جس میں دیر نہ ہوگی اور اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ جلد حساب کرنے والا ہے سب کے اعمال کا حساب بے باق کر دیا جائے گا۔

خاتمہ سورت اور ایک جامع مانع نصیحت

ربط:...... اب اللہ جل شانہ اس سورت کو ایک جامع مانع نصیحت پر ختم فرماتے ہیں کہ جو کہ تمام سورت کا خلاصہ اور لب لباب ہے۔ اے ایمان والو تمہارے ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جب تم کو کوئی تکلیف پہنچے خواہ کافروں کی طرف سے ہو یا کسی اور طرف سے تو تم اس پر صبر کرو اور جب کافروں سے تمہارا مقابلہ آ پڑے اور تکلیف میں تم اور وہ مشترک ہوں تو تم ان کے مقابلہ میں مضبوطی دکھلاؤ اور کوشش کرو کہ صبر میں ان پر غالب رہو۔ مصابرت کے معنی صفت صبر میں غالب آنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جہاد میں تمہارا صبر کافروں کے صبر پر غالب رہنا چاہیے اور ظاہری اور باطنی دشمن کے بچاؤ کے لیے ہر وقت تیار اور آمادہ رہو۔ اور حق تعالیٰ کی رضا اور اطاعت اور استقامت سے قلب کو مربوط رکھو مبادا دشمن تمہیں غافل پا کر تم پر حملہ نہ کر دے مرابط کے لفظی معنی دشمن کے مقابلہ کے لیے سرحد پر گھوڑے باندھے رکھنا اور ہر وقت اپنے مورچہ پر دشمن کی مدافعت اور اس سے حفاظت کے لیے تیار اور آمادہ رہنے کے ہیں۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ ہر وقت ظاہری اور باطنی دشمن کی تاک میں رہو کہ مبادا تمہیں غافل پا کر کوئی کافر یا نفس یا شیطان تم پر کوئی وار نہ کر دے۔ حدیث میں ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لیے منتظر رہنا بھی رباط ہے۔ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد مبارک میں اشارہ اس طرف ہے کہ رابطہ کا حکم اعداء ظاہری کے ساتھ ہی مختص نہیں بلکہ جیسے اعداء ظاہری کے مقابلہ میں رباط ہے اسی طرح کبھی اعداء باطنی یعنی نفس شیطان کے مقابلہ میں بھی رابطہ ہوتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے مقابلہ میں جہاد کرے۔

اے شہا کشتیم ما خصمے بروں ماند خصمے زو تبر در اندروں

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ تم کامیاب ہو گے اور مراد کو پہنچو گے مطلب یہ کہ اگر دنیا اور آخرت کی فلاح اور کامیابی چاہتے ہو تو شدائد اور مصائب میں صبر کرو اور نفس کو معصیت سے ہٹا کر طاعت پر روکو۔ (یہ معنی "اَصْبِرُوْا" کے ہوئے) اور دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھلاؤ (یہ معنی "وَصَابِرُوْا" کے ہوئے) اور دشمن پر حملہ آور ہونے کے خطرہ سے ہر وقت ہوشیار اور چوکنے رہو مبادا کوئی ظاہری یا باطنی دشمن تمہارے حدودِ اسلام میں نہ گھس آئے (یہ معنی "ورابطوا" کے ہوئے) اور ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یہ معنی "واتقوا اللہ" کے ہوئے ایسا کیا تو ان شاء اللہ کامیابی ہی کامیابی ہے۔

اللھم اجعلنا من عبادك الصالحين واولياءك المتقين وحزبك المفلحين۔ امين يارب العالمين برحمتك يا ارحم الراحمين ويارب صل وسلم وبارك على سيدنا ومولانا محمد نبيك ورسولك الذى انزلت عليه هذا الكتاب المبين وعلى اله واصحابه وازواجه وذريته اجمعين وعلينا معهم يا ارحم الراحمين۔

الحمدللہ آج بروز شنبہ بوقت اشراق یکم صفر الخیر ۱۳۸۱ھ کو بمقام جامعہ اشرفیہ لاہور، تفسیر آل عمران سے فراغت ہوئی۔

فلله الحمد والمنة ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔

تفسیر سورۃ نساء

یہ سورت مدنی ہے مدینہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو ستتر آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں اور چونکہ اس سورت میں عورتوں کے متعلق اس قدر کثیر احکام مذکور ہیں جو کسی اور سورت میں نہیں اس لیے اس مناسبت سے اس سورت کا نام سورۃ النساء مشہور ہوگیا۔

حق جل شانہ نے اس سورت میں احکام قرابت کو خاص طور پر بیان فرمایا ہے اور قرابت کی پاسداری اور یتیموں اور وارثوں کے اموال کی نگہداری اور بدون تقوی اور پرہیز گاری کے بہت مشکل ہے اس لیے حق تعالیٰ نے اس سورت کو تقوی کے حکم سے شروع فرمایا اور سورۃ آل عمران بھی صبر اور تقوی کے حکم پر ختم ہوئی اس لیے سورۃ آل عمران کے خاتمہ اور سورۃ نساء کے آغاز اور ابتداء میں خاص مناسبت ہوگئی کہ حقوق قرابت کی رعایت میں تقوی کی بھی ضرورت ہے اور صبر اور مصابرہ بھی خاص طور پر درکار ہے۔

فائدہ

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا سورۃ نساء کی پانچ آیتیں مجھ کو دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں۔

(۱) ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ (۲) ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ الخ (۳) ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (۴) ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ﴾ الخ (۵) ﴿وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا﴾ یہ پانچ آیتیں ہوئیں۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ مجھے سورۂ نساء کی آٹھ آیتیں تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہیں پہلی آیت یہ ہے: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اور دوسری آیت یہ ہے ﴿وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا﴾ اور تیسری آیت یہ ہے ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾ پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق

بفضلہ تعالیٰ ۵ صفر الخیر ۱۳۸۱ھ بوقت ۷ ۲/۱ بجے صبح جامع اشرفیہ لاہور مسلم ٹاؤن میں اس سورت کی تفسیر کا آغاز ہوا۔

پانچ آیتیں بیان کیں یہ سب مل کر آٹھ آیتیں ہوئیں ۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۴ سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ ۹۲) بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ (ایاتہا ۱۷۷ رکوعاتہا ۲۴)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا

اے لوگو ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور اسی سے پیدا کیا اس کا جوڑا

لوگو ڈرتے رہو اپنے رب سے، جس نے بنایا تم کو ایک جان سے، اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا،

وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ

اور پھیلائے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں ف۱ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے واسطہ سے سوال کرتے ہو آپس میں اور خبردار رہو قرابت والوں سے ف۲

اور بکھیرے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کا واسطہ دیتے ہو آپس میں، اور خبردار ہو ناتوں سے۔

ف۱ یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے اول تو حضرت حوا کو ان کی بائیں پسلی سے نکالا، پھر ان دونوں سے تمام مرد اور عورتوں کو پیدا کیا، اور دنیا میں پھیلایا تو حقیقت میں تمام آدمی ایک جان اور ایک شخص سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے، مطلب یہ ہے کہ جب تم سب کو عدم سے وجود میں لانے والا اور پھر تم کو باقی اور قائم رکھنے والا وہی ہے تو اس سے ڈرنا اور اس کی فرمانبرداری ضروری بات ہے، اس سے اشارہ ہو گیا دو مضمونوں کی طرف اول یہ کہ اللہ تعالیٰ تم سب کا خالق اور موجد ہے، دوسرے یہ کہ تمام آدمیوں کے لئے سبب وجود کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے سب کو پیدا فرمایا، ایک ہی جان یعنی ابو البشر آدم علیہ السلام ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ ہمارا اصلی تعلق تو اللہ سے ہے کیونکہ علت تامہ اور اس کے معلول میں جس قدر تعلق اور قرب اور علاقہ احتیاج ہوتا ہے وہ کسی میں ممکن نہیں اس کے بعد وہ تعلق اور قرب ہے جو افراد انسانی میں باہم پایا جاتا ہے کیونکہ ان کا سبب وجود اور مخلوق منہ بالکل شے واحد ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ اول تو ہمارے ذمہ پر خدا تعالیٰ کی اطاعت لازم ہونی چاہیے کہ وہ ہمارا خالق ہے اس کے بعد تمام مخلوقات میں خاص اپنے بنی نوع کی رعایت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہم پر ضروری ہونا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کے لئے مخلوق منہ اور سبب وجود ایک چیز کو مقرر فرمایا تو جو قرب اور جو اتحاد افراد انسانی میں باہم موجود ہے وہ کسی دوسری چیز کے ساتھ حاصل نہیں، اسی وجہ سے شرعاً اور عقلاً آدمیوں میں باہم حسن سلوک ایسا ضروری اور بدسلوکی اس قدر مذموم ہے جو اوروں کے ساتھ نہیں، جس کی تفصیل نصوص اور احکام شرعیہ میں برابر موجود ہے۔ شیخ علیہ الرحمتہ نے اسی مضمون کو بیان کیا ہے۔

قطعہ بنی آدم اعضائے یک دیگر اند   کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

چو عضوے بدرد آورد روزگار   دگر عضوہا را نماند قرار

تو اس موقع میں حق تعالیٰ نے اپنی خالقیت ظاہر فرما کر اپنی اطاعت کا حکم دیا اور بنی آدم کے اتحاد اصلی کو جتلا کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ باہم ایک ہو کر رہو چنانچہ آیت کے آئندہ حصہ میں اس اشارہ کو ظاہر کر دیا۔

ف۲ خالق اور رب یعنی موجد اور مبقی ہونے کے علاوہ اللہ سے ڈرنے اور اس کی اطاعت کے وجوب کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ تم اس کا واسطہ دیکر آپس میں ایک دوسرے سے اپنے حقوق اور فوائد طلب کرتے ہو اور آپس میں اس کی قسمیں دیتے ہو اور ان پر اطمینان حاصل کرتے کراتے ہو یعنی اپنے باہمی معاملات اور حاجات عارضہ میں بھی اسی کا ذریعہ پکڑتے ہو مطلب یہ ہوا کہ وجود اور بقا ہی میں احتیاج منحصر نہیں، بلکہ تمام حاجتوں اور کاموں میں بھی اس کے محتاج ہو اس لئے اس کی اطاعت کا ضروری ہونا اور بھی محقق ہو گیا اس کے بعد تم کو یہ حکم ہے کہ قرابت سے بھی ڈرو یعنی اہل قرابت کے حقوق ادا کرتے رہو، اور قطع رحمی اور بدسلوکی سے بچو۔ بنی نوع یعنی تمام افراد انسانی کے ساتھ علی العموم سلوک کرنا تو آیت کے پہلے حصہ میں آ چکا تھا اہل قرابت کے ساتھ چونکہ قرب و اتحاد مخصوص اور بڑھا ہوا ہے اس لئے ان کی بدسلوکی سے اب خاص طور پر ڈرایا گیا، کیونکہ ان کے حقوق دیگر افراد انسانی سے بڑھے ہوئے ہیں، چنانچہ حدیث قدسی قال اللہ تبارک وتعالیٰ انا اللہ وانا الرحمن خلقت الرحم وشققت لها من اسمی فمن وصلها وصلته ومن قطعها قطعته اور حدیث خلق اللہ الخلق فلما فرغ منه قامت الرحم فاخذت بحقوی الرحمن فقال مه قالت هذا مقام العائذ منك من القطيعة قال الا ترضين ان اصل من وصلك واقطع من قطعك قالت بلى يا رب قال فذاك اور حدیث الرحم شجنة من الرحمن فقال اللہ من وصلك وصلته =

اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے ف ۱

اللہ ہے تم پر مطلع۔

تمہید احکام سورۃ دربارہ اداء حقوق قرابت حکم تقوی واطاعت ربانی وتذکیر اتحاد انسانی

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ ... الی ... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾

حق جل شانہ نے اس سورت کا تقوی اور پرہیز گاری کے حکم سے آغاز فرمایا جو آئندہ احکام قرابت کی تمہید ہے اور تقوی کے حکم کے ساتھ اپنی خاص شان خالقیت کو ذکر فرمایا کہ تم سب ایک آدم کی اولاد ہو لہٰذا تم پر حق قرابت کا لحاظ اور پاس داری ضروری اور لازمی ہے۔

بنی آدم اعضاء یکدیگر ند — کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوھا را نماند قرار

نیز تم پر اس پروردگار کی اطاعت اور فرمانبرداری اور تقوی اور پرہیز گاری نہایت ضروری ہے کہ جس نے تم کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا چونکہ اس سورت میں نکاح اور میراث اور احکام قرابت کا ذکر ہے اس لیے حق تعالیٰ نے ابتداء سورت میں مخاطبین کو یہ یاد دلایا کہ تم ایک ذات سے پیدا ہوئے ہو تا کہ دلوں میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ ہم سب لوگ ایک ہی شخص کی اولاد ہیں تو بے اختیار برادرانہ محبت دلوں میں جوش کرے گی اور ہر شخص یہ سمجھے گا کہ جب ہم سب ایک شخص کی نسل ہیں تو ہم میں ایک کا ایک پر حق ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو! ڈرتے رہو اپنے اس پروردگار سے جس نے تم کو ایک ذات سے پیدا کیا نفس واحدہ سے باتفاق مفسرین حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں اور بعد ازاں اسی نفس واحدہ سے اس کا جوڑا یعنی اس کی زوجہ حواء کو پیدا کیا زوجہا سے حضرت حواء مراد ہیں۔ جمہور مفسرین کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سو رہے تھے کہ سونے کی حالت میں خدا تعالیٰ نے ان کی بائیں پسلی سے حضرت حواء کو پیدا کیا جب بیدار ہو کر ان کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے یہی مضمون بعض حدیثوں میں بھی آیا ہے اور توریت سفر تکوین کی فصل ثانی میں بھی اس کی تصریح ہے اور پھر ان دونوں سے دنیا میں بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں یعنی پھر ان دونوں سے تمام بنی آدم کی نسل چلی حکماء حال اور دہریہ اور ہنود کے بعضے فرقے اس کے

= ومن قطعك قطعته اور حدیث الرحم معلقة بالعرش تقول من وصلني وصله اللّٰه ومن قطعني قطعه اللّٰه اس پر شاہد ہیں اور رحم کے اختصاص مذکور اور تعلق کی طرف مشیر ہیں تو اب نتیجہ یہ نکلا کہ معدن وجود اور منشائے وجود کے اتحاد کے باعث تو تمام بنی آدم میں رعایت حقوق اور حسن سلوک ضروری ہے۔ اس کے بعد اگر کسی موقع میں کسی خصوصیت کی وجہ سے اتحاد میں زیادتی ہو جائے گی جیسے اقارب میں یا کسی موقع میں شدت احتیاج پائی جائے گی، جیسے یتامیٰ اور مساکین وغیرہ تو وہاں رعایت حقوق میں بھی ترقی ہو جائے گی، ان کے علاوہ جب حکم خداوندی بھی صاف آ گیا کہ ارحام کے حقوق کی رعایت اور حفاظت رکھو تو اب تو اس کی تاکید انتہا کو پہنچ گئی۔ چنانچہ اس سورت میں اکثر احکام اسی تعلق عام اور دیگر تعلقات خاصہ کے متعلق مذکور ہیں۔ گویا وہ احکام اس امر کلی کی جو کہ یہاں مذکور ہوا تفصیل ہیں۔

ف ۱ یعنی تمہارے تمام احوال و اعمال سے واقف ہے اس کے حکم کی متابعت کرو گے تو ثواب پاؤ گے ورنہ مستحق عذاب ہو گے اور تمہارے تعلقات ارحام اور ان کے مراتب اور ہر ایک کے مناسب اس کے حقوق کو بھی خوب جانتا ہے اس لئے اس کے متعلق جو تم کو حکم دے اس کو حق سمجھو اور اس پر عمل کرو۔

منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ نوع انسانی قدیم ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی یہ مذہب عقلاً اور نقلاً سراسر باطل ہے اور مکرر تم کو تاکید کی جاتی ہے کہ اس خدا سے ڈرو جس کے واسطہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو تمام قوموں میں یہ دستور رہا ہے کہ جب کسی سے کام پڑتا ہے تو اسے اللہ کا واسطہ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ خدا کے لیے یا اللہ کے واسطے میرا یہ کام کر دو یا یوں کہتے ہیں کہ خدا سے ڈرو اور مجھ پر زیادتی نہ کرو پہلی آیت میں حکم تقوی کی یہ علت بیان کی تھی کہ وہ تمہارا رب اور خالق ہے اور اس آیت میں حکم تقوی کی یہ علت بیان کی کہ جس ذات کا تم واسطہ دے کر لوگوں سے حاجتوں کو مانگتے ہو تم کو چاہیے کہ عام طور پر تمام امور میں اس ذات پاک کے تقوی اور پرہیزگاری کو خاص طور پر ملحوظ رکھو اور خاص طور پر قرابتوں سے ڈرو یعنی رشتوں کے قطع کرنے اور ان کے حقوق ضائع کرنے سے ڈرو تحقیق اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے دیکھتا ہے کہ تم قطع رحمی کرتے ہو یا صلہ رحمی۔

فوائد

جمہور قراء نے ﴿وَالْاَرْحَامَ﴾ کو فتح میم کے ساتھ منصوب پڑھا ہے اس بنا پر اس کا عطف لفظ اللہ پر ہوگا جو ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ میں واقع ہے اور ترجمہ اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور قرابتوں سے ڈرو یعنی ان کے قطع کرنے سے ڈرو اور اس کے حقوق کو ادا کرتے رہو۔

گزشتہ تفسیر اسی قراءت پر مبنی ہے اور بعض قراء نے ﴿وَالْاَرْحَامِ﴾ کو بکسر المیم مجرور پڑھا ہے اس صورت میں ﴿وَالْاَرْحَامِ﴾ کا عطف بہ کی ضمیر مجرور پر ہوگا اور معنی یہ ہوں گے کہ اللہ سے ڈرو جس کے واسطہ سے تم سوال کرتے اور رحموں اور قرابتوں کے واسطہ سے بھی سوال کرتے ہو۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ جب اپنے کسی رشتہ دار کے پاس کوئی حاجت لے کر جاتے تو یوں سوال کرتے "اسالك بالله وبالرحم" میں تجھ سے اللہ کا اور رحم یعنی قرابت کا واسطہ دے کر یہ سوال کرتا ہوں یا یوں کہتے کہ میں تجھے اللہ کی قرابت کی قسم دیتا ہوں کہ تو میری یہ حاجت پوری کر دے اسی دستور کے مطابق حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی عظمت اور حقوق رحم و قرابت کو جانتے ہو اور اس کا واسطہ دے کر لوگوں سے سوال کرتے ہو تو پھر خود اس پر عمل کیوں نہیں کرتے خدا سے ڈرو اور اعزاء اور اقربا کے حقوق کو موافق شریعت کے ادا کیا کرو۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى

اور دے ڈالو یتیموں کو ان کا مال اور بدل نہ لو برے مال کو اچھے مال سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے

اور دے ڈالو یتیموں کو ان کے مال، اور بدل نہ لو گندا ستھرے سے، اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے

اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ②

مالوں کے ساتھ یہ ہے بڑا وبال ف۱

مالوں کے ساتھ، یہ ہے بڑا وبال۔

ف۱ یعنی یتیم بچے جن کا کہ باپ مرگیا ہو ان کے متعلق ان کے ولی اور سرپرست کو یہ حکم ہے کہ جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کا مال ان کے سپرد کر دے اور زمانہ =

حکم اول در بارہ اموال یتامی

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ... الی... اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا﴾

ربط: ...... آیت بالا میں تقوی اور حقوق قرابت اور اپنے بنی نوع کی رعایت اور ان کے ساتھ سلوک اور ہمدردی کا حکم تھا اب آئندہ ان حقوق اور احکام کی تفصیل ہے جن میں یتیموں کے حقوق کو شاید اس لیے سب سے مقدم بیان فرمایا کہ یتیم اپنی بے سروسامانی اور بے کسی اور کم عمری کی وجہ سے زیادہ مستحق شفقت ورعایت ہے اس لیے یتیموں کے اولیاء اور سرپرستوں کو حکم دیا کہ یتیموں کا مال جو تمہارے قبضہ میں ہے اس کو ان کے بالغ ہوجانے کے بعد ان کے حوالہ کردو اور زمانہ تولیت میں یتیموں کی اچھی چیز لے کر اس کے معاوضہ میں بری اور گھٹیا چیز ان کے مال میں شامل نہ کردو۔

شان نزول

قبیلۂ غطفان میں ایک شخص تھا اس کا چچا زاد یتیم ہوگیا وہ یتیم بھتیجا اور اس کا مال اس کی سرپرستی میں تھا جب وہ یتیم بالغ ہوگیا تو اس نے اپنے چچا سے اپنے مال طلب کیا اس نے مال دینے سے انکار کردیا آخر یہ مقدمہ آنحضرت ﷺ کے حضور پیش ہوا اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جب اس شخص نے اس آیت کو سنا تو کہا کہ ہم نے خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کی اور ہم بڑے گناہ سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں اور اس یتیم کا مال فوراً اس کے حوالہ کردیا (درمنثور) اور یتیموں کو (جب وہ بالغ ہوجائیں) ان کے اموال ان کے حوالہ کردو اور زمانہ تولیت میں خراب مال کو عمدہ اور اچھے مال کے ساتھ نہ بدلو جیسا کہ جاہلیت کا دستور تھا کہ یتیموں کے سرپرست اپنے یتیم کے مال میں سے عمدہ مال لے لیا کرتے اور اسکی جگہ اپنا ناقص مال رکھ دیتے اور ان کے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ یعنی یتیموں کا مال اپنے مال کے ساتھ تجارت وغیرہ میں لگا کر شرکت کے بہانہ سے ان کا مال کھا جاؤ تحقیق یہ بہت ہی بڑا گناہ اور وبال ہے صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا سات گناہ بہت بڑے ہیں جو آدمی کو ہلاک کر کے چھوڑتے ہیں یتیم کا مال کھا جانا، شرک کرنا، جادو کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا، جہاد سے بھاگنا، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا، سود کھانا۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ

اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کرسکو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کرلو اور جو عورتیں تم کو خوش آویں دو دو تین تین

اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کرو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں، تو نکاح کرو. جو تم کو خوش آویں عورتیں دو دو، تین تین،

=تولیت میں یتیموں کی کسی اچھی چیز کو لیکر اس کے معاوضہ میں۔ بری اور گھٹیا چیز ان کے مال میں شامل نہ کردے اور ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاوے، مثلاً ولی کو اجازت ہے کہ اپنا اور یتیم کا کھانا مشترک اور شامل رکھے مگر یہ ضرور رہے کہ یتیم کا نقصان نہ ہونے پائے یہ نہ ہو کہ اس شرکت کے بہانے سے یتیم کا مال کھا جاوے اور اپنا نفع کرلے کیونکہ یتیم کا مال کھانا سخت گناہ ہے۔ احکام متعلقہ ارحام میں یتیموں کے حکم کو شاید اس لئے مقدم بیان فرمایا کہ یتیم اپنی بے سروسامانی اور مجبوری اور بے چارگی اور بے کسی کے باعث رعایت وحفاظت اور شفقت کا نہایت محتاج ہے اور اسی اہتمام کی وجہ سے تبدیل اور شرکت کے نقصان کی بھی کھول کر ممانعت فرمادی اور آئندہ متعدد آیات میں بھی یتیموں کے متعلق چند احکام ارشاد ہوئے جن سے اہتمام مذکور ظاہر و باہر معلوم ہوتا ہے اور یہ تمام احکام اور تاکیدات جملہ یتیموں کے حق میں ہیں۔ البتہ وہ یتیم جو قرابت دار ہیں ان کے بارے میں تاکید میں زیادہ شدت ہوگی اور وہی شان نزول =

وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا

چار چار ف۱ پھر اگر ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی نکاح کرو یا لونڈی جو اپنا مال ہے ف۲ اس میں امید ہے کہ ایک طرف نہ

اور چار چار، پھر اگر ڈرو کہ برابر نہ رکھو گے تو ایک ہی، یا جو اپنے ہاتھ کا مال ہے۔ اس میں لگتا ہے کہ ایک طرف نہ

تَعُوْلُوْا ۝۳ۭ

جھک پڑو گے ف۳

جھک پڑو۔

حکم دوم درباره نکاح یتامی

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى ... الی ... اَلَّا تَعُوْلُوْا﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں یتیموں کے مالی ضرر پہنچانے کے متعلق ہدایت تھی اب اس آیت میں یتیم لڑکیوں کے نکاح کے متعلق ہدایت ہے اس لیے کہ کبھی ایسا ہوتا کہ یتیم لڑکیاں جس کی تربیت میں دی جاتی وہ لڑکی اس ولی کے مال میں بوجہ قرابت ایک

= اور سبب ربط بین الآیات ہیں اور عادت وعرف کے بھی موافق ہیں کیونکہ یتیم بچہ کا ولی اکثر اس کا کوئی قریب ہی ہوتا ہے۔

ف۱ احادیث صحیحہ میں منقول ہے کہ یتیم لڑکیاں جو اپنے ولی کی تربیت میں ہوتی تھیں اور وہ لڑکی اس ولی کے مال اور باغ میں بوجہ قرابت باہمی شریک ہوتی تو اب دو صورتیں پیش آتیں۔ کبھی تو یہ ہوتا کہ ولی کو گو اس کا جمال اور مال دونوں مرغوب ہوتے تو وہ ولی اس سے تھوڑے سے مہر پر نکاح کر لیتا کیونکہ دوسرا شخص اس لڑکی کا حق مانگنے والا تو کوئی ہے ہی نہیں اور کبھی یہ ہوتا کہ یتیم لڑکی کی صورت تو مرغوب نہ ہوتی مگر ولی یہ خیال کرتا کہ دوسرے سے نکاح کر دوں گا تو لڑکی کا مال میرے قبضہ سے نکل جائے گا اور میرے مال میں دوسرا شریک ہو جائے گا۔ اس مصلحت سے نکاح تو جوں توں کر لیتا مگر منکوحہ سے کچھ رغبت نہ رکھتا۔ اس پر یہ آیت اتری اور اولیاء کو ارشاد ہوا کہ اگر تم کو اس بات کا ڈر ہے کہ تم یتیم لڑکیوں کی بابت انصاف نہ کرسکو گے اور ان کے مہر اور ان کے ساتھ حسن معاشرت میں تم سے کوتاہی ہوگی تو تم ان سے نکاح مت کرو بلکہ اور عورتیں جو تم کو مرغوب ہوں ان سے ایک چھوڑ چار تک کی تم کو اجازت ہے، قاعدہ شریعت کے موافق ان سے نکاح کرلو تاکہ یتیم لڑکیوں کو بھی نقصان نہ پہنچے کیونکہ تم ان کے حقوق کے حامی رہو گے اور تم بھی کسی خرابی اور گناہ میں نہ پڑو۔ جاننا چاہئے کہ مسلمان آزاد کے لئے زیادہ سے زیادہ چار نکاح تک اور غلام کے لئے دو تک کی اجازت ہے، اور حدیثوں میں بھی اس کی تصریح ہے اور آئمہ دین کا بھی اسی پر اجماع ہے اور تمام امت کے لئے یہی حکم ہے صرف رسول اللہ کی خصوصیت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز ہے کہ اس سے زائد کی اجازت ہے۔

فائدہ: یتیم لڑکیوں کے نکاح کی تیسری صورت، یہ بھی ہے حدیث میں ہے کہ جس یتیم لڑکی کی طرف صورت اور مال دونوں وجہ سے بے رغبتی ہوتی تھی اس کا نکاح ولی دوسری جگہ کر دیتا تھا۔ مگر ظاہر ہے کہ اس آیت کو اس صورت سے تعلق نہیں۔

ف۲ یعنی اگر تم کو اس کا ڈر ہو کہ کئی عورتوں میں انصاف اور مساوات کے مطابق معاملہ نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی نکاح پر قناعت کرو یا صرف لونڈیوں پر ایک ہو یا زیادہ بس کرو یا ایک منکوحہ کے ساتھ ایک یا چند لونڈیوں کو جمع کرلو۔

ف۳ یعنی صرف ایک عورت سے نکاح کرنے میں یا فقط اپنی لونڈی یا اپنی لونڈیوں پر قناعت کرنے میں یا ایک نکاح کے ساتھ ایک لونڈی یا چند لونڈیوں کو جمع کرنے میں اس بات کی توقع ہے کہ تم بے انصافی اور خلاف عدل سے محفوظ رہو کیونکہ زوجات کے جو حقوق ہیں وہ اپنی مملوکہ لونڈی کے نہیں کہ ان میں عدل نہ ہونے سے تم پر مواخذہ ہو نہ ان کے لئے مہر ہے نہ معاشرت کے لئے کوئی حد مقرر ہے۔

فائدہ: جس کے کئی عورتیں ہوں تو اس پر واجب ہے کہ کھانے پینے اور لینے دینے میں انکو برابر رکھے اور رات کو ان کے پاس رہنے میں باری برابر باندھے اگر برابری نہ کرے گا تو قیامت کو وہ مفلوج ہوگا۔ ایک کروٹ گھسٹتی چلے گی اور کسی کے نکاح میں ایک حرہ اور ایک لونڈی ہو تو لونڈی کو حرہ سے نصف باری ملے گی اور جو لونڈی اپنی ملک میں ہو اس کا باری میں کوئی حق مقرر نہیں مالک کی خوشی پر ہے۔

دوسرے کے شریک ہوتے تو اب دو صورتیں پیش آتیں کبھی تو یہ ہوتا کہ ولی کو اس یتیمہ کا مال اور جمال دونوں مرغوب ہوتے اور اس مال اور جمال کے لالچ میں اس سے تھوڑے سے مہر پر نکاح کر لیتا چونکہ یتیم لڑکی کا کوئی سرپرست نہیں ہوتا جو اس کے حقوق کی حفاظت کرے اور اس کے حقوق کے لیے جھگڑے اس لیے یہ ولی اس کے مہر میں بھی کمی کر دیتا اور بوجہ اس کی کمزوری کے اس کے دیگر حقوق زوجیت بھی پورے طور پر ادا نہ کرتا اور کبھی یہ ہوتا کہ اس یتیم لڑکی کی صرت تو مرغوب نہ ہوئی مگر ولی یہ خیال کرتا کہ اگر دوسرے سے نکاح کر دوں گا تو لڑکی کا مال میرے قبضہ سے نکل جائے گا اور میرے مال میں دوسرا شریک ہو جائے گا اس مصلحت سے اس یتیمہ سے نکاح تو جوں توں کر لیتا مگر منکوحہ سے کچھ رغبت نہ رکھتا اس پر یہ آیت اتری اور اولیاء کو ارشاد ہوا اور اگر تم کو اس بات کا ذرہ احتمال بھی ہو اور اگر یقین ہو تو بدرجہ اولی کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارہ میں انصاف نہ کر سکو گے اور ان کے مہر اور حسن معاشرت میں تم سے کوتاہی ہو گی تو ایسی حالت میں تم کو ان یتیم لڑکیوں سے نکاح کی اجازت نہیں بلکہ ان کے علاوہ اور عورتوں سے نکاح کر لو جو تم کو مرغوب اور پسند ہوں ایک نہیں دو دو اور تین تین اور چار چار تک تم کو اجازت ہے مگر چار سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ یہ اجازت کی آخری حد ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے کی صورت میں ان کے ساتھ منصفانہ برتاؤ نہ کر سکو گے تو ان سے نکاح ہی نہ کرو ان کے سوا اور عورتوں سے نکاح کر لو جو تمہیں پسند ہوں عورتوں کی کمی نہیں اور اللہ کی طرف سے کوئی تنگی نہیں ایک سے لے کر چار تک تم کو اجازت ہے پس جب تم مجبور نہیں اور تمہاری ضرورت یتامی پر اٹکی اور لٹکی ہوئی نہیں تو پھر بے ضرورت کیوں کسی کے حق تلفی کے مرتکب ہوتے ہو کسی اور سے نکاح کر لو پس اگر تم کو ڈر ہو کہ کئی عورتوں میں عدل اور انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی نکاح پر قناعت کرو یا صرف کنیزوں پر بس کرو جو تمہارے ہاتھ کا مال ہیں کہ ان میں تمہیں سہولت ہے اس لیے کہ باندیوں کے حقوق آزاد عورتوں کے برابر نہیں یہ حکم اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ تم بے انصافی نہ کرو اور کسی کی حق تلفی نہ کرو کیونکہ اگر ایک ہی بیوی ہو گی تو تم اسی کی طرف متوجہ رہو گے اور اس کے حقوق کی ادائیگی تم پر سہل ہو گی اور اگر صرف لونڈیاں اور باندیاں ہوں گی تو ان کے حقوق آزاد عورتوں کے برابر نہیں لہٰذا ان سے نباہ کچھ مشکل نہیں۔

تمام علماء اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ مرد کو ایک وقت میں اپنے نکاح میں چار سے زیادہ عورتوں کو جمع کرنا درست نہیں زمانہ جاہلیت میں عورتوں کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی ایک آدمی کے پاس دس دس اور آٹھ آٹھ عورتیں ہوا کرتی تھیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کی حد مقرر کر دی کہ چار عورتوں سے زیادہ نکاح درست نہیں اور ایسا ہی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

عبداللہ بن عباس ؓ اور جمہور علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت مقام امتنان اور احسان کے بارہ میں ہے عورتوں سے نکاح کی اباحت اور اجازت حق تعالیٰ کی منت کبری ہے پس اگر چار سے زیادہ جمع کرنا جائز ہوتا تو حق تعالیٰ اس کو ضرور ذکر فرماتے امام شافعی ؒ فرماتے ہیں کہ سنت نبوی نے حق تعالیٰ کی مراد خوب واضح کر دی کہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی شخص کے لیے چار عورتوں سے زیادہ نکاح کرنا جائز نہیں۔

حافظ ابن کثیر ؒ، امام شافعی ؒ کے اس قول کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اسی پر تمام علماء کا اجماع ہے مگر شیعوں کے ایک گروہ سے یہ منقول ہے کہ چار سے نو تک بھی جمع کرنا درست ہے۔ تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۴۵۹۔

اور بعض شیعہ یہ کہتے ہیں کہ اباحت نکاح کے لیے کوئی حصر اور تعین نہیں اہل فہم ادنی تامل سے سمجھ سکتے ہیں کہ اگر عام اجازت مقصود ہوتی تو صرف ﴿مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ﴾ کہہ دینا کافی تھا چار تک کی تحدید کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں یعنی ﴿فَانْكِحُوْا﴾ میں تمام رجال عالم کو خطاب ہے اور ﴿مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ﴾ میں تمام عالم کی عورتیں مراد ہیں اور مقصود کلام یہ ہے کہ اے رجال عالم یہ تمام عورتیں ہم نے تمہارے لیے پیدا کی ہیں تم ان کو بطور نکاح وزوجیت آپس میں تقسیم کرلو مگر شرط اس اباحت اور اجازت کی یہ ہے کہ اس تقسیم میں مثنی اور ثلاث اور رباع کی قید کو ملحوظ رکھو کیونکہ مثنی وثلاث ورباع۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے ماطاب سے حال ہے اور حال، عامل کی قید ہوتا ہے اور یہاں عامل ﴿فَانْكِحُوْا﴾ ہے پس اباحتِ نکاح ان اقسام کے ساتھ مقید ہوگی چار کے اندر اندر اجازت ہوگی چار سے زائد ہونے کی صورت میں اجازت نہ رہے گی۔

جیسے کوئی امیر کسی جماعت سے یہ کہے کہ اقتسموا ھذہ البدرۃ درھمین وثلاثہ ثلاثہ واربعۃ اربعۃ یعنی اس تھیلی کے دراہم ودنانیر کو دو دو یا تین تین یا چار چار آپس میں تقسیم کرلو مطلب یہ ہوگا کہ تقسیم میں کسی شخص کو چار سے زیادہ لینے کی اجازت نہ ہوگی۔

اسی طرح حق تعالیٰ نے اس آیت میں عالم کے تمام مردوں کو یہ اجازت دی ہے کہ تم عالم کی تمام عورتوں کو دو دو اور تین تین اور چار چار کر کے بطور نکاح آپس میں تقسیم کرلو اس تقسیم میں تم کو چار عورتیں تک لینے کی اجازت ہے اس سے زائد کی اجازت نہیں۔ ھذا توضیح ماقالہ العلامہ الزمخشری فی الکشاف وابوحیان فی البحر المحیط۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

شبہ یہ ہے کہ جس طرح سورۂ فاطر کی آیت در بارۂ ملائکہ ﴿اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ میں مثنی ورباع کا ذکر تقیید اور تحدید کے لیے نہیں اسی طرح ممکن ہے کہ آیت نکاح میں بھی ﴿مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ کا ذکر تحدید کے لیے نہ ہو۔

جواب

سورۂ فاطر کی آیت میں ﴿مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ اجنحۃ کی صفت ہے کہ فرشتے ایسے ایسے پیدا کیے گئے ہیں کہ اس آیت میں ﴿مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ کا ذکر محض بطور خبر آیا ہے کسی حکم کی قید نہیں جو ماعدا کی نفی پر دلالت کرے جیسا کہ تمام بلغاء کے نزدیک مسلم ہے کہ بعض اوصاف ذکر کرنے سے دوسرے اوصاف کے نفی پر استدلال کرنا غلط ہے بخلاف اس صورت کے کہ جب کوئی عدد معین کسی حکم کے تقیید کے لیے ذکر کیا جائے تو وہ بلاشبہ تحدید پر دلالت کرے گا اور یہ آیت عورتوں کے نکاح کے حکم کے بارہ میں آئی ہے کہ تمہیں اس طرح کی اجازت ہے اور یہ اجازت چار چار تک ہے لہٰذا اس پر زیادتی جائز نہ ہوگی اور عورتوں سے نکاح کی اجازت اور اباحت کا حکم چار تک مقصود ہوگا۔

مسئلہ تعدد ازدواج

شریعت اسلامیہ غایت درجہ معتدل اور متوسط ہے افراط اور تفریط کے درمیان میں ہے نہ تو عیسائیوں کے راہبوں

اور ہندوؤں کے جوگیوں اور گسائیوں کی طرح ملنگ بننے کی اجازت دیتی ہے اور نہ صرف ایک عورت ہی پر قناعت کرنے کو لازم گردانتی ہے بلکہ حسب ضرورت ومصلحت ایک سے چار تک اجازت دیتی ہے۔

چنانچہ پادری لوگ بھی نظر عمیق کے بعد اسی کا فتوی دیتے ہیں جیسا کہ کتاب مسمی بہ اصلاح سہو، مطبوعہ امریکن مشن پریس ۱۸۷۱ء میں لکھتے ہیں کہ تعدد ازدواج بنی اسرائیل میں تھا اور خدا نے اس کو منع نہیں کیا بلکہ برکت کا وعدہ کیا اور مارٹین لوتھر نے فلپ کو دو جوروؤں کی اجازت دی تھی منقول از تفسیر حقانی: ۱۶۶/۳۔ تاریخ عالم کے مسلمات میں سے ہے کہ اسلام سے پہلے تمام دنیا میں یہ رواج تھا کہ ایک شخص کئی کئی عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھتا تھا اور یہ دستور تمام دنیا میں رائج تھا حتی کہ حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اس دستور سے مستثنیٰ نہ تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیبیاں تھیں حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام کے بھی متعدد بیویاں تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھی کئی بیویاں تھیں اور سلیمان علیہ السلام کے بیسوں بیویاں تھیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے سو بیویاں تھیں اور توریت وانجیل ودیگر صحف انبیاء علیہم السلام میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی متعدد ازواج کا ذکر ہے اور کہیں اس کی ممانعت کا ادنی اشارہ بھی نہیں پایا جاتا صرف حضرت یحیی اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ایسے نبی گزرے ہیں کہ جنہوں نے بالکل شادی نہیں فرمائی ان کے فعل کو اگر استدلال میں پیش کیا جائے تو ایک شادی بھی ممنوع ہو جائے گی احادیث میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے اور نزول کے بعد شادی فرمائیں گے اور ان کے اولاد بھی ہوگی۔

غرض یہ کہ علماء یہود اور علماء نصاری کو مذہبی حیثیت سے تعدد ازواج پر اعتراض کا کوئی حق نہیں صرف ایک ہی بیوی رکھنے کا حکم کسی مذہب اور ملت میں نہیں نہ ہندوں کے شاستروں میں نہ توریت میں اور نہ انجیل میں صرف یورپ کا رواج ہے نہ معلوم کس بنا پر یہ رواج رائج ہوا اور جب سے یورپ میں یہ رواج چلا اس وقت مغربی قوموں میں زنا کاری کی اس درجہ کثرت ہوئی کہ پچاس فیصد آبادی غیر ثابت النسب ہے اور جن قوموں نے تعدد ازدواج کو برا سمجھا ہے وہی قومیں اکثر زنا کاری میں مبتلا ہیں۔

اسلام سے پیشتر دنیا کے ہر ملک اور ہر خطہ میں کثرت ازدواج کی رسم خوب زور شور سے رائج تھی اور بعض اوقات ایک ایک شخص سو سو عمر تک عورتوں سے شادیاں کر لیتا تھا اسلام آیا اور اس نے اصل تعداد ازواج کو جائز قرار دیا مگر اس کی ایک حد مقرر کر دی اسلام نے تعدد ازدواج کو واجب اور لازم قرار نہیں دیا بلکہ بشرط عدل وانصاف اس کی اجازت دی کہ تم کو چار بیویوں کی حد تک نکاح کی اجازت ہے اور اس چار کی حد سے تجاوز کی اجازت نہیں اس لیے کہ نکاح سے مقصود عفت اور تحصین فرج ہے چار عورتوں میں جب ہر تین شب کے بعد ایک عورت کی طرف رجوع کرے گا تو اس کے حقوق زوجیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا شریعت اسلامیہ نے غایت درجہ اعتدال اور توسط کو ملحوظ رکھا کہ نہ تو جاہلیت کی طرح غیر محدود کثرت ازدواج کی اجازت دی کہ جس سے شہوت رانی کا دروازہ کھل جائے اور نہ اتنی تنگی کی کہ ایک عورت سے زائد کی اجازت ہی نہ دی جائے بلکہ بین بین حالت کو برقرار رکھا کہ چار تک اجازت دی

۱- تا کہ نکاح کی غرض وغایت (یعنی عفت اور حفاظت نظر اور تحصین فرج اور تناسل اور اولاد) بسہولت حاصل

ہوسکے اور زنا سے بالکلیہ محفوظ ہوجائے اس لیے کہ بعض قوی اور توانا اور تندرست اور فارغ البال اور خوش حال لوگوں کو ایک بیوی سے زیادہ کی ضرورت ہوتی ہے اور بوجہ قوت اور توانائی اور اوپر سے فارغ البالی اور خوش حالی کی وجہ سے چار بیویوں کے بلاتکلف حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔

بلکہ

ایسے قوی اور توانا جن کے پاس لاکھوں کی دولت بھی موجود ہے اگر وہ اپنے خاندان کی چار غریب عورتوں سے اس لیے نکاح کریں کہ ان کی تنگ دستی مبدل بفراخی ہوجائے اور غربت کے گھرانہ سے نکل کر ایک راحت اور دولت کے گھر میں داخل ہوں اور حق تعالیٰ کی نعمت کا شکر کریں تو امید ہے کہ ایسا نکاح اسلامی نقطہ نظر سے بلاشبہ عبادت اور عین عبادت ہوگا اور قومی نقطۂ نظر سے اعلیٰ ترین قومی ہمدردی ہوگی جس دولت منداور زمیندار اور سرمایہ دار کے خزانہ سے ہر مہینہ دس ہزار مزدوروں کو تنخواہیں ملتی ہوں اور دس ہزار خاندان اس کی اعانت اور امداد سے پرورش پاتے ہوں تو اگر اس کے خاندان کی چار عورتیں بھی اس کی حرم سرائے میں داخل ہوجائیں اور عیش وعشرت کے ساتھ ان کی عزت وناموس بھی محفوظ ہوجائے تو عقلاً وشرعاً اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔ بلکہ...... اگر کوئی بادشاہ یا صدر مملکت یا وزیر سلطنت یا کوئی صاحب ثروت ودولت بذریعہ اخبار یہ اعلان کرے کہ میں چار عورتوں سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور ہر عورت کو ایک ایک لاکھ مہر دوں گا اور ایک ایک بنگلہ کا ہر ایک کو مالک بنادوں گا جو عورت مجھ سے نکاح کرنا چاہے وہ میرے پاس درخواست بھیج دے۔

تو سب سے پہلے

انہی بیگمات کی درخواستیں پہنچیں گی جو آج تعدد ازدواج کے مسئلہ پر شور برپا کررہی ہیں یہی بیگمات سب سے پہلے اپنے آپ کو اور اپنی بیٹیوں اور بھتیجیوں اور بھانجیوں کو لے کر امراء اور وزراء کے بنگلوں پر خود حاضر ہوجائیں گی اور اگر کوئی امیر اور وزیر ان کے قبول کرنے میں کچھ تامل کرے گا تو یہی بیگمات دل آویز طریقہ سے ان کو تعدد ازدواج کے فوائد اور منافع سمجھائیں گی۔

(۲)

نیز بسا اوقات ایک عورت امراض کی وجہ سے یا حمل اور توالد وتناسل کی تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں رہتی کہ مرد اس سے متمتع ہوسکے تو ایسی صورت میں مرد کے زنا سے محفوظ رہنے کی عقلاً اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ اس کو دوسرے نکاح کی اجازت دی جائے۔

حکایت

ایک بزرگ کی بیوی نابینا ہوگئی تو انہوں نے دوسرا نکاح کیا تاکہ یہ دوسری بیوی پہلی بیوی نابینا کی خدمت کرسکے۔
اہل عقل فتویٰ دیں کہ اگر کسی کی پہلی بیوی معذور ہوجائے اور دوسرا نکاح اس لیے کرے تاکہ دوسری بیوی آ کر

پہلی بیوی کی خدمت کر سکے اور اس کے بچوں کی تربیت کر سکے کیا یہ دوسرا نکاح عین عبادت اور عینِ مروت اور عین انسانیت نہ ہوگا۔

(۳)

نیز بسا اوقات عورت امراض کی وجہ سے یا عقیم (بانجھ) ہونے کی وجہ سے توالد اور تناسل کے قابل نہیں رہتی اور مرد کو بقاء نسل کی طرف فطری رغبت ہے ایسی صورت میں عورت کو بے وجہ طلاق دے کر علیحدہ کر دینا یا اس پر کوئی الزام لگا کر طلاق دے دینا (جیسا کہ دن رات یورپ میں ہوتا رہتا ہے) یہ صورت بہتر ہے یا یہ صورت بہتر ہے کہ اس کی زوجیت اور اس کے حقوق کو محفوظ رکھ کر دوسرے نکاح کی اجازت دے دیں بتلاؤ کون سی صورت بہتر ہے۔

اگر کسی قوم کو اپنی تعداد بڑھانی منظور ہو یا عام طور پر بنی نوع کی افزائش نسل مدنظر ہو تو سب سے بہتر یہی تدبیر ہو سکتی ہے کہ ایک مرد کئی کئی شادیاں کرے تا کہ بہت سی اولاد پیدا ہو۔

(۴)

نیز عورتوں کی تعداد قدرتاً اور عادۃً مردوں سے زیادہ ہے مرد بہ نسبت عورتوں کے پیدا کم ہوتے ہیں اور مرتے زیادہ ہیں لاکھوں مرد لڑائیوں میں مارے جاتے ہیں اور ہزاروں مرد جہازوں میں ڈوب کر مر جاتے ہیں اور ہزاروں کانوں میں دب کر اور تعمیرات میں بلندیوں سے گر کر مر جاتے ہیں اور عورتیں پیدا زیادہ ہوتی ہیں اور مرتی کم ہیں پس اگر ایک مرد کو کئی شادیوں کی اجازت نہ دی جائے تو یہ فاضل عورتیں بالکل معطل اور بے کار رہیں۔ کون ان کی معاش کا کفیل اور ذمہ دار بنے اور کس طرح یہ عورتیں اپنے کو زنا سے محفوظ رکھیں پس تعدد ازدواج کا حکم بے بس عورتوں کا سہارا ہے اور ان کی عصمت اور ناموس کی حفاظت کا واحد ذریعہ ہے اور ان کی جان اور آبرو کا نگہبان اور پاسبان ہے عورتوں پر اسلام کے اس احسان کا شکر واجب ہے کہ تم کو تکلیف سے بچایا اور راحت پہنچائی اور ٹھکانا دیا اور لوگوں کی تہمت اور بدگمانی سے تم کو محفوظ کر دیا دنیا میں جب کبھی عظیم الشان لڑائیاں پیش آتی ہیں تو مرد ہی زیادہ مارے جاتے ہیں اور قوم میں بے کس عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے تو اس وقت ہمدردان قوم کی نگاہیں اس اسلامی اصول کی طرف اٹھ جاتی ہیں ابھی تیس سال قبل کی بات ہے کہ جنگ عظیم کے بعد جرمنی اور دوسرے یورپی ممالک جن کے مذہب میں تعدد ازدواج جائز نہیں عورتوں کی بے کسی کو دیکھ کر اندر ہی اندر تعدد ازدواج کے جواز کا فتویٰ تیار کر رہے تھے۔

جو لوگ تعدد ازدواج کو برا سمجھتے ہیں ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ جب ملک میں عورتیں لاکھوں کی تعداد میں مردوں سے زیادہ ہوں تو ان کی فطری اور طبعی جذبات اور ان کی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے آپ کے پاس کیا حل ہے اور آپ نے ان بے کس عورتوں کی مصیبت دور کرنے کے لیے کیا قانون بنایا ہے افسوس اور صد افسوس کہ اہل مغرب اسلام کے اس جائز تعدد پر عیش پسندی کا الزام لگائیں اور غیر محدود ناجائز تعلقات اور بلا نکاح کے لاتعداد آشنائی کو تہذیب اور تمدن سمجھیں زنا جو کہ تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی شریعتوں میں حرام اور تمام حکماء کی حکمتوں میں قبیح رہا مغرب کے مدعیان تہذیب کو

اس کا قبح نظر نہیں آتا اور تعدد ازدواج کہ جو تمام انبیاء ومرسلین علیہم السلام اور حکماء اور عقلاء کے نزدیک جائز اور مستحسن رہا وہ ان کو قبیح نظر آتا ہے ان مہذب قوموں کے نزدیک تعدد ازدواج تو جرم ہے اور زنا اور بدکاری جرم نہیں۔

(۵)

عورتیں، مرد سے عقل میں بھی نصف ہیں اور دین میں بھی نصف ہیں جس کا حاصل یہ نکلا کہ ایک عورت ایک مرد کا ربع یعنی چوتھائی ہے اور ظاہر ہے کہ چار ربع مل کر ایک بنتے ہیں معلوم ہوا کہ چار عورتیں ایک مرد کے برابر ہیں اس لیے شریعت نے ایک مرد کو چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دی۔

ایک عورت کے لیے متعدد خاوند ہونے کی ممانعت کی وجہ

۱- اگر ایک عورت چند مردوں میں مشترک ہو تو بوجہ استحقاق نکاح ہر ایک کو قضاء حاجت کا استحقاق ہوگا اور اس میں غالب اندیشہ فساد اور عناد کا ہے شاید ایک ہی وقت میں سب کو ضرورت ہو اور عجب نہیں کہ نوبت قتل تک پہنچے۔

ہندوؤں کے بعض فرقوں کے مذہب میں یہ جائز ہے کہ پانچ بھائی مل کر ایک عورت رکھ لیں بے غیرتوں کا مذہب بے غیرتی ہی کی باتیں بتلاتا ہے اسلام جیسا باغیرت مذہب ہرگز ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتا کہ عورت کبھی کسی سے ہم آغوش اور ہم کنار ہو اور کبھی کسی سے۔

۲- مرد فطرتاً حاکم ہے اور عورت محکوم ہے اس لیے کہ طلاق کا اختیار مرد کو ہے جب تک مرد عورت کو آزاد نہ کرے تو عورت دوسرے مرد سے نکاح نہیں کرسکتی جیسے باندی اور غلام باختیار خود قید سے نہیں نکل سکتے اسی طرح عورت باختیار خود قید نکاح سے نہیں نکل سکتی باندی اور غلاموں میں اگر اعتاق ہے تو عورتوں میں طلاق غرض یہ کہ جب مرد حاکم ہوا تو عقلاً یہ تو جائز ہے کہ ایک حاکم کے ماتحت متعدد محکوم ہوں اور متعدد اشخاص کا ایک حاکم کے ماتحت رہنا نہ موجب ذلت وحقارت ہے نہ موجب صعوبت۔ بخلاف اس کے کہ ایک شخص متعدد حاکموں کے ماتحت ہو تو ایسی صورت میں کہ جب محکوم ایک ہو اور حاکم متعدد ہوں تو محکوم کے لیے عجب مصیبت کا سامنا کہ کس کس کی اطاعت کرے اور ذلت بھی ہے جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اسی قدر محکوم میں ذلت بھی زیادہ ہوگی۔

اس لیے شریعت اسلامیہ نے ایک عورت کو دو یا چار خاوندوں سے نکاح کی اجازت نہیں دی اس لیے کہ اس صورت میں عورت کے حق میں تحقیر وتذلیل بھی بہت ہے اور مصیبت بھی نہایت سخت ہے۔

نیز متعدد شوہروں کی خدمت بجالانا اور سب کو خوش رکھنا ناقابل برداشت ہے اس لیے شریعت نے ایک عورت کو دو یا چار مردوں سے نکاح کی اجازت نہیں دی تاکہ عورت اس تذلیل وتحقیر اور ناقابل برداشت مشقت سے محفوظ رہے۔

(۳)

نیز اگر ایک عورت کے متعدد شوہر ہوں تو متعدد شوہروں کے تعلق سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ ان میں سے کس کی اولاد ہوگی اور ان کی تربیت کس طرح ہوگی اور ان کی وراثت کس طرح تقسیم ہوگی نیز وہ اولاد چاروں شوہروں کی مشترکہ ہوگی یا

منقسمہ اور تقسیم کس طرح ہوگی اگر ایک ہی فرزند ہوا تو چار باپوں میں کس طرح تقسیم ہوگا اور اگر متعدد اولاد ہوئی اور نوبت تقسیم کی آئی تو بوجہ اختلاف ذکورت وانوثت اور بوجہ تفاوت شکل وصورت اور بوجہ اختلاف قوت وصحت اور بوجہ تفاوت فہم وفراست موزانہ تو ممکن نہیں اس لیے کہ اس تفاوت کی وجہ سے تقسیم اولاد کا مسئلہ غایت درجہ پیچیدہ ہوگا اور نہ معلوم باہمی نزاع سے کیا کیا صورتیں اور فتنے رونما ہوں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا کلام ① معرفت الیتام

حق جل شانہ کا ارشاد ہے ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ یعنی تمہاری عورتیں تمہارے کھیت ہیں۔ اس سے صاف روشن ہے کہ نکاح سے مقصود اولاد ہے کیونکہ کھیت سے مطلوب پیداوار ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کھیت کی پیداوار یہی اولاد ہے گیہوں چنا وغیرہ نہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ شیعوں کے نزدیک جو سارے جہان کے خلاف اپنی بی بی سے اغلام درست ہے وہ کلام اللہ کے بھی مخالف ہے مگر اغلام سے تولد اولاد متصور نہیں مگر ہاں شاید شیعوں میں یہ کرامت ہو کہ نطفہ ادھر سے ادھر چلا جاتا ہو۔ باقی رہا جملہ ﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾ جس کا یہ مطلب ہے کہ اپنی زمین میں بیج ڈالنے کے لیے شرق کی طرف سے جاؤ یا غرب کی طرف سے بہر حال تم کو اختیار ہے اور اس سے ہر کوئی یہی سمجھتا ہے کہ مقصود اصلی بونا ہے وہ دونوں طرف سے جانے میں برابر حاصل ہے پیداوار دونوں میں ایک ہی طرح سے ہوگی ایسے ہی اس جملہ سے ہر عاقل یہی سمجھے گا کہ اپنی بیبیوں سے الٹے سیدھے جس طرح چاہو صحبت کرو تولد اولاد میں دونوں صورتیں برابر ہیں یہ نہیں کہ سیدھی صحبت کیجئے تو بچہ اچھا ہو اور الٹی کیجئے تو اُحول (بھینگا) پیدا ہو جیسا کہ یہودی کہا کرتے تھے چنانچہ اسی وہم فاسد کے ازالہ اور دفع کے لیے یہ ارشاد ہوا ﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾ مگر علماء شیعہ کی خوش فہمی دیکھئے کہ بات کیا تھی اور کیا مطلب سمجھ گئے مگر وہ بھی کیا کریں اگر متعہ اور اغلام نہ ہوتا تو خواص تو متنفر تھے ہی عوام کالانعام بھی اس مذہب کو پسند نہ کرتے۔

علاوہ بریں ولد صالح کا باقیات صالحات میں سے ہونا بھی اولاد کے مقصود ہونے پر شاہد ہے کیونکہ اگر شہوت رانی ہی مقصود ہوتی اور اولاد مقصود نہ ہوتی تو ان کے حساب سے اولاد کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہوتا اگر صالح ہوتی تو کیا اور فاسق ہوئی تو کیا اور علی ہذا القیاس۔ سقی ماء غیر یعنی عورت حاملہ من الغیر سے جماع حرام نہ ہوتا چنانچہ ظاہر ہے بہر حال مقصود اصلی نکاح سے اولاد ہے شہوت رانی مقصود اصلی نہیں جیسے اکل غذاء سے بدل ما یتحلل مقصود ہے اور بھوک مثل چپراسی سرکاری اس بیگار کے لیے متقاضی ہے ایسے ہی عورتوں سے اولاد مطلوب ہے اور شہوت جماع تقاضا جماع کے لیے ساتھ لگا دی گئی ہے مگر جب اولاد مقصود ٹھہری چنانچہ آیت مسطور اس پر شاہد ہے اور نیز عقل سلیم اس پر گواہ تو پھر ایک عورت کا زمانہ واحدہ میں دو یا زیادہ مردوں سے نکاح کی اجازت قرین عقل نہ ہوگی اس لیے کہ زمین کی پیداوار تو سب ایک سی ہوتی ہے اور اس کے سب دانے باہم متشابہ ہوتے ہیں خورش میں سب یکساں کسی کو کسی پر کچھ فوقیت نہیں اس لیے شرکت میں کوئی خرابی پیش نہیں آتی علی السویہ تقسیم ہو سکتی ہے پر اولاد میں اگر اشتراک تجویز کیا جائے تو ایک نزاع عظیم برپا ہو جائے اس لیے کہ اول تو یہی کچھ ضرور نہیں کہ ایک سے زیادہ

① دیکھو اجوبہ اربعین: ۲/۲۱۔ اور دیکھو انتصار الاسلام، ص: ۴۳

بچہ پیدا ہوا اور دو تین پیدا بھی ہوئے تو کچھ ضرور نہیں کہ سب لڑکے ہی ہوں یا سب لڑکیاں ہی ہوں اور پھر سب ایک ہی نمبر کے عاقل و فاضل ہوں بلکہ عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ جیسے پانچوں انگلیاں یکساں نہیں ہوتیں ایسی ہی تمام اولاد یکساں نہیں ہوتی تو پھر تقسیم اولاد کی کیا صورت ہوگی۔ خاص کر جب کہ بچہ ایک ہوا اور عورت کے خاوند متعدد ہوں یا خاوندوں کا عدد تو زوج ہو اور اولاد کا عدد طاق ہو تو اور بھی دشواری ہوگی ہاں اگر اولاد کاٹنے پھاٹنے کے قابل ہوتی تو مثل غلہ مشترک پاجامہ مشترک کاٹ پھانٹ کر برابر کر لیتے اور نزاع دفع کر لیتے یا مثل غلام عورت کا ہر وقت ایک حال رہتا اور یہ تفاوت احوال اور اختلاف کیفیات مزاجی نہ ہوتا تو ہفتہ وار یا ماہوار یا سال وار ایک خاوند کے پاس رہا کرتی مگر اول تو ہر دم اور ہر حال میں رحم زن نطفہ کو قبول نہیں کرتا دوسرے یہ کہ اختلاف احوال زن بسا اوقات اختلاف ذکورت و انوثت اور عقلی اور بے عقلی کا سبب بن جاتا ہے چنانچہ جو لوگ دقائق طبیہ اور حقائق موجبات اختلاف امزجۂ اولاد سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ وقت جماع جو کیفیت والدین اور خصوصاً والدہ پر غالب ہوتی ہے وہی کیفیت اولاد کے حق میں خلق اور طبیعت بن جاتی ہے والدین کی کیفیت مزاجی کو اولاد کے اخلاق اور عقل میں دخل تام ہے الغرض بوجہ تفاوت احوال معلومہ یہ ممکن نہیں کہ غلام کی طرح عورت نوبت بنوبت ہر خاوند کے پاس رہا کرے کیونکہ خدمت غلام کوئی امر معین نہیں جو اس کی مقدار تعین نوبت میں ملحوظ رہے اس لیے وہاں وہ زمانہ جس میں خدمت معتد بہ تمام شرکاء کے نزدیک ادا کر سکے معین ہو سکے گا اور عورت میں خدمت فراش یعنی جماع کی مقدار نوبت کی تعین نہایت دشوار ہے علاوہ ازیں مرد میں ہر لحظہ حاجت الی الجماع کا احتمال ہے اور یہ حاجت بدون عورت کے رفع ہونا محال ہے بخلاف غلام کے کہ اگر غلام موجود نہ ہو تو وہ اپنا کاروبار اپنے ہاتھ سے بھی انجام دے سکتا ہے اور جماع میں یہ متصور نہیں تو ان وجوہ سے زوجہ میں شرکت خلاف مصلحت ہوئی ملخص از اجوبہ اربعین از: ۲/۱۸ تا ص: ۲/۲۲)۔

الغرض شریعت نے ان فتنوں کا دروازہ بند کرنے کے لیے ایک عورت کے لیے متعدد مردوں سے نکاح کو ممنوع اور حرام قرار دیا۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔا

اور دے ڈالو عورتوں کو مہر ان کے خوشی سے ف۱ پھر اگر وہ اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تم کو اپنی خوشی سے تو اس کو کھاؤ رچتا

اور دے ڈالو عورتوں کو مہر ان کے خوشی سے۔ پھر اگر وہ اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تم کو دل کی خوشی سے تو وہ کھاؤ رچتا

مَّرِیْٓــًٔا ④

پچتا ف۲

پچتا۔

ف۱ یعنی جن عورتوں سے نکاح کرو ان کے مہر خوش دلی اور رغبت کے ساتھ خود ادا کرو ان کا کوئی حامی اور تم سے تقاضا کر کے وصول کرنے والا ہو یا نہ ہو۔ ایسا کرو تو پھر یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج ہی نہیں، حرج تو جب ہے کہ مہر دینے میں یا ان کے کسی حق کے ادا کرنے میں گرانی ہو۔

ف۲ یعنی اگر عورت اپنی خوشی سے مہر میں سے کوئی مقدار زوج کو معاف کر دے یا لے کر پھر زوج کو ہبہ کر دے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ زوج اس خوشی سے کھا لے جو کھانا لذیذ ہو اور طبیعت اس کو رغبت کے ساتھ قبول کرے اس کو ھنیء کہتے ہیں اور جو کھانا ہضم ہو کر بخوبی جزو بدن اور موجب صحت قوت ہو وہ مریء ہے۔

حکم سوم در بارہ تسلیم مہر

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ... الی... فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا﴾

ربط:...... اوپر نکاح کا بیان تھا اب اس آیت میں مہر کا بیان ہے جو نکاح کے لوازم میں سے ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور دے ڈالو عورتوں کو ان کا مہر خوش دلی کے ساتھ پھر وہ اگر اس میں سے خوش دلی کے ساتھ تمہیں کچھ چھوڑ دیں یا ہبہ کر دیں تو کھاؤ اس کو لذیذ اور مزہ دار اور خوشگوار سمجھ کر ھنی کے معنی لذیذ اور خوشگوار کے ہیں اور مری کے معنی یہ ہیں کہ جس کا انجام بخیر ہو اور ٹھیک ہضم ہو جائے اور کچھ نقصان نہ دے مقصود یہ ہے کہ عورتوں کے اس عطیہ کا کھانا بلاشبہ حلال ہے اور مردوں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ عورتوں کا مہر خوش دلی سے ادا کر دیں یہ ان کا حق ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا

اور مت پکڑا دو بے عقلوں کو اپنے وہ مال جن کو بنایا ہے اللہ نے تمہارے گزران کا سبب اور ان کو اس میں سے کھلاتے

اور مت پکڑوا دو بے عقلوں کو اپنے مال، جو بنائے اللہ نے تمہاری گذران، اور ان کو اس میں کھلاؤ

وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ

اور پہناتے رہو اور کہو ان سے بات معقول ف۱ اور سدھاتے رہو یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی عمر کو

اور پہناؤ، اور کہو ان سے بات معقول۔ اور سدھاتے رہو یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی عمر کو۔

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا

پھر اگر دیکھو ان میں ہوشیاری تو حوالہ کر دو ان کے مال ان کا ف۲ اور کھا نہ جاؤ یتیموں کا مال ضرورت سے زیادہ اور حاجت سے پہلے

پھر اگر دیکھو ان میں ہوشیاری تو حوالے کردو ان کو ان کے مال، اور کھا نہ جاؤ ان کو اڑا کر، اور گھبرا کر

اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ

کہ یہ بڑے نہ ہو جائیں ف۳ اور جس کو حاجت نہ ہو تو مال یتیم سے بچتا رہے اور جو کوئی محتاج ہو تو کھاوے موافق دستور کے ف۴

کہ یہ بڑے نہ ہوجاویں۔ اور جو کوئی محفوظ ہے تو چاہئے بچتا رہے۔ اور جو کوئی محتاج ہے، تو کھاوے موافق دستور کے،

ف۱ یعنی بے سمجھ لڑکوں کے ہاتھ میں ان کا وہ مال مت دے دو کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کے لئے سامان معیشت بنایا ہے، بلکہ اس کی پوری حفاظت رکھو اور اندیشہ ہلاکت سے بچاؤ اور جب تک ان کو نفع نقصان کا ہوش نہ آئے، اس وقت تک ان کو اس میں سے کھلاؤ پہناؤ اور تسلی کرتے رہو کہ یہ سب مال تمہارا ہی ہے، ہم تو تمہاری خیر خواہی کرتے ہیں۔ جب سمجھدار ہو جاؤ گے تم کو ہی دے دیں گے۔

ف۲ یعنی یتیموں کو سدھاتے اور آزماتے رہو، بلوغ کے وقت تک۔ پھر بلوغ کے بعد اگر ان میں اپنے نفع نقصان کی سمجھ اور حفاظت و انتظام مال کا سلیقہ پاؤ تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔ یتیموں کے سدھانے اور آزمانے کی عمدہ صورت یہی ہے کہ کم قیمت معمولی چیزوں کی ان سے خرید و فروخت کرائی جائے اور ان کا طریقہ ان کو بتایا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ کی بیع و شراء ولی کی اجازت سے جو ہوگی وہ درست ہوگی، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔ اور اگر بالغ ہو کر بھی اس میں ہشیاری نہ آئے تو امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ پچیس برس کی عمر تک انتظار کرو۔ اس درمیان میں جب اس کو سمجھ آ جائے مال اس کے حوالے کر دو، ورنہ پچیس سال پر ہر حال میں اس کا مال اس کو دے دو۔ پوری سمجھ آئے یا نہ آئے۔ =

فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ⑥

پھر جب ان کو حوالہ کرو ان کے مال تو گواہ کرلو اس پر اور اللہ کافی ہے حساب لینے کو ف۱

پھر جب ان کو حوالے کرو ان کے مال، تو شاہد کرلو اس پر۔ اور اللہ بس ہے حساب سمجھنے والا۔

حکم چہارم وپنجم دربارہ تفویض اموال بسوئے مبذرین ومسرفین وحفظ واموال یتامیٰ

قال تعالیٰ: ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ ... الی ... وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا﴾

ربط:...... اوپر کی آیتوں میں حق تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ یتیموں کے مال جو تمہارے تصرف میں ہیں وہ ان کے حوالہ کردو اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ وہ اموال ان کو کب سپرد کیے جائیں یعنی جب وہ عاقل وبالغ ہوجائیں اور اپنے مال کی حفاظت کرسکیں اور بیوقوف اور فضول خرچ نہ ہوں چنانچہ فرماتے ہیں اور مت دو بے وقوفوں اور بے عقلوں کو اپنے اموال جن کو حق تعالیٰ نے تمہارے گزران اور قیام معیشت کا ذریعہ بنایا ہے اور تمہاری دینی اور دنیوی مصلحتوں اور ضرورتوں کا بقاء مال پر رکھا ہے گزران معاش اور حج اور جہاد وغیرہ سب مال پر موقوف ہیں اس لیے اس قابل قدر نعمت کو ان بے وقوفوں اور فضول خرچوں کے حوالہ نہ کرو بلکہ اس کو اپنی حفاظت میں رکھو اس حکم سے خدا تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ یتیموں اور ضعیفوں اور عاجزوں کے مال محفوظ رہیں۔

مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس آیت میں سفہاء سے کون لوگ مراد ہیں بعض کہتے ہیں کہ اس سے یتیم اور عورتیں مراد ہیں اور ﴿أَمْوَالَكُمُ﴾ سے یتیموں کے اموال مراد ہیں چونکہ یہ اموال اولیاء کے تصرف میں ہیں اس لیے مخاطبین کی طرف مضاف کیے گئے گویا کہ وہ ایک طرح پر تمہارے ہی مال میں ہیں اشارہ اس طرف ہے کہ یتیموں کے مالوں کو اپنا مال سمجھو اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود ؓ وغیرہما کی رائے یہ ہے کہ سفہاء سے مخاطبین کے بچے اور عورتیں مراد ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ مال حق تعالیٰ کی نعمت ہے جو تمہارا ذریعہ معاش ہے ایسا مت کرو کہ اپنا مال بیوی اور بچوں کو دے کر خالی ہاتھ ہوجاؤ اور پھر ان کے دست نگر ہوجاؤ جس کی بیوی اور بچے بدسلیقہ ہوں تو ان کے ہاتھ میں خرچ نہ دینے کے لیے یہ آیت اتری ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ تخصیص کسی کی نہیں سفہاء سے ہر وہ بے وقوف مراد ہے جس کو اپنے مال کی حفاظت کا سلیقہ نہ ہو اور جو شخص بے وقوفی سے مال کو ضائع اور برباد کردے وہی سفیہ ہے خواہ وہ یتیم ہو اور خواہ اپنی بیوی اور

=ف۳ یعنی یتیم کے مال کو ضرورت سے زیادہ صرف کرنا منع ہے، مثلاً ایک پیسہ کی جگہ دو پیسے صرف کردو اور یہ بھی منع ہے کہ اس بات سے گھبرا کر کہ یتیم بڑے ہو کر اپنا مال ہم سے لے لیں گے خرچ کرنے میں جلدی کرنے لگو، خلاصہ یہ ہوا کہ یتیم کے مال کو بقدر ضرورت اور بوقت ضرورت صرف کرنا چاہئے۔

ف۴ یعنی یتیم کا مال ولی اپنے خرچ میں نہ لائے اور اگر یتیم کی پرورش کرنے والا محتاج ہو تو البتہ اپنی خدمت کرنے کے موافق یتیم کے مال میں سے تحقیق لے لیوے مگر غنی کو کچھ لینا ہرگز جائز نہیں۔

ف۱ جب کسی بچہ کا باپ مرجائے تو چاہئے کہ چند مسلمانوں کے روبرو یتیم کا مال لکھ کر امانتدار کو سونپ دیں، جب یتیم بالغ ہوشیار ہوجائے تو اس تحریر کے موافق اس کا مال اس کے حوالہ کردیں اور جو کچھ خرچ ہوا ہو وہ اس کو سمجھا دیں، اور جو کچھ یتیم کے حوالے کیا جائے شاہدوں کو دکھلا کر حوالہ کریں۔ شاید کسی وقت اختلاف ہو تو بسہولت طے ہوسکے اور اللہ تعالیٰ ہر ہر چیز کی حفاظت کرنے والا اور حساب سمجھنے والا کافی ہے۔ اس کو کسی حساب یا شہادت کی حاجت نہیں یہ سب باتیں تمہاری سہولت اور صفائی کی وجہ سے مقرر فرمائیں۔ جاننا چاہئے کہ یتیم کا مال لینے اور دینے کے وقت گواہ کرنا اور اس کو لکھ لینا مستحب ہے۔

بچے ہوں اور ان کو انہی مالوں میں سے کھلاؤ اور پہناؤ اور ان کی تسلی کے لیے ان سے معقول اور نیک بات کہہ دو کہ تم گھبراؤ نہیں یہ مال تمہارا ہی ہے چونکہ فی الحال تم ناسمجھ ہو اس لیے تمہارے ہاتھ میں نہیں دیا جب سمجھدار ہو جاؤ گے تو تمہاری امانت تمہارے حوالہ کر دی جائے گی اور مال سپرد کرنے سے پہلے ان یتیموں کی ہوشیاری کا امتحان کرو کہ وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا مال ان کو دیا کرو اور ان کے ذریعہ کچھ خرید و فروخت کیا کرو تا کہ ان کی ہوشیاری اور سلیقہ کا اندازہ ہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پس اگر تم ان میں ایک گونہ ہوشیاری اور حسن تدبیر کو دیکھو کہ اب ان کو اتنا سلیقہ آ گیا ہے کہ اپنے مال کی حفاظت کر سکیں تو پھر ان کے اموال ان کے عاقل و بالغ ہوتے ہی بلا تاخیر ان کے حوالہ کر دو رشد اور صلاحیت کے بعد تاخیر نہ کرو۔

مسئلہ

حق جل شانہ کے اس ارشاد ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ﴾ سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بیوقوفوں کو جب تک ان کی بے وقوفی زائل ہو اور رشد کو پہنچیں تو ان کا مال ان کے حوالے نہ کیا جائے اگرچہ وہ سو برس کے بوڑھے ہو جائیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور علماء کی یہی رائے ہے مگر امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ پچیس سال تک کا انتظار کرو اس درمیان اگر اس کو سمجھ آ جائے تو مال اس کے حوالہ کر دو ورنہ جب پچیس سال کی عمر ہو جائے تو ہر حال میں اس کا مال اس کو دے دینا چاہیے پوری سمجھ آئے یا نہ آئے ورنہ کیا ساری عمر ہی نابالغ رہے گا اور کیا بوڑھا ہو کر بھی پیر نابالغ ہی کہلائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ مرد کی عقل پچیس سال میں اپنی انتہاء کو پہنچ جاتی ہے لہٰذا جب کمال عقل اور تمام رشد کا زمانہ گزر گیا تو اب آئندہ کے لیے کوئی امید باقی نہیں رہی لہٰذا جب اس کو محروم نہ رکھنا چاہیے آیت قرآنی میں رشداً تنکیر کے ساتھ آیا ہے معلوم ہوا کہ مال حوالہ کرنے کے لیے ایک نوع کا رشد کافی ہے یعنی اتنا رشد آ جائے کہ سفاہت اور زمانہ طفولیت کا اثر یعنی لاابالیت نہ رہے تو پھر ان کا مال ان کے حوالہ کر دیا جائے تفویض مال کے لیے کمال رشد اور تمام فراست ضروری نہیں پچیس سال کی عمر میں مرد دادا بن سکتا ہے کیونکہ ادنیٰ مدت بلوغ کی مرد کے حق میں بارہ سال ہے اور عورت کے حق میں ادنیٰ مدت حمل کی چھ ماہ ہے پس اگر کوئی لڑکا بارہ سال کی عمر میں بالغ ہو جائے اور اسی وقت اس کا نکاح کر دیا جائے اور چھ ماہ کے بعد اس کے بھی ایک لڑکا پیدا ہو جائے تو اس وقت پہلے باپ کی عمر پچیس سال کی ہو گی جو اس لڑکے کا دادا ہو گا اب اگر دادا ہونے کے بعد بھی عقل نہ آئے تو آخر کہاں تک رشد کا انتظار کریں بہتر یہی ہے کہ اس کا مال اس کے حوالے کر دیں۔

حکم پنجم

اور مت کھاؤ یتیموں کا مال فضول خرچی سے اور اس خوف سے کہ وہ یتیم جب بڑے ہو جائیں گے تو ان کا مال ان کے حوالہ کرنا پڑے گا اور وہ خود اپنے اموال پر قابض اور متصرف ہو جائیں گے اور ہمارا اختیار جاتا رہے گا لہٰذا جلدی کر کے ان کے بڑے ہونے سے پہلے ہی جتنا کھا سکو وہ کھا لو حق تعالیٰ نے اس اسراف اور مبادرت کی ممانعت کر دی کہ ایسا ہرگز نہ کرو اور بلکہ تم کو یہ چاہیے کہ جو یتیم کا ولی اور سرپرست توانگر ہو یعنی اس کے پاس بقدر کفایت موجود ہو اور یتیم کے مال کی اسے

حاجت نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ یتیم کا مال لینے سے بالکل احتراز کرے اور جو حاجت مند اور ضرورت مند ہو تو اس کو اجازت ہے کہ دستور کے مطابق کھالیوے یعنی یتیم کا پرورش کرنے والا اگر حاجت مند ہو تو یتیم کے مال سے صرف اس قدر لے لے جس قدر اس کی خدمت کا عرف میں حق ہے دستور کے مطابق جس قدر اس کام کی اجرت ہوتی ہے صرف اس قدر لے لے اور اگر مستغنی ہے تو کچھ نہ لے پھر جب ان کے بالغ ہونے کے بعد ان کے اموال ان کے حوالہ کردو تو مال سپرد کرتے وقت ان پر گواہ کرلیا کرو تاکہ تم حسن اسلوب کے ساتھ بری الذمہ ہو جاؤ اور آئندہ کے لیے تہمت اور بدگمانی اور نزاع اور اختلاف سے بچ جاؤ اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا یعنی اگر ولی نے یا گواہوں نے کسی قسم کی خیانت کی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن سے خبردار ہے وہ ان سے حساب لے گا۔

مسئلہ

یتیم کو گواہوں کے سامنے مال سپرد کرنا مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک واجب ہے اور حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے (رحمہم اللہ) یعنی گواہ کرنا اولی اور افضل ہے واجب نہیں۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۖ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ

مردوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں

مردوں کو بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور ناتے والے۔ اور عورتوں کو بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں

الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ⑦

ماں باپ اور قرابت والے تھوڑا ہو یا بہت ہو حصہ مقرر کیا ہوا ہے ف۱

ماں باپ اور ناتے والے۔ اس تھوڑے میں یا بہت میں۔ حصہ مقرر ہوا۔

حکم ششم دربارہ حقوق ورثہ در ترکہ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ... الی... نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا﴾

ربط: ...... گزشتہ آیت میں یتیموں کے ناحق مال کھانے کا حکم تھا اب اس آیت میں وارثوں کی حق تلفی کا ذکر ہے جاہلیت کے زمانہ میں یہ رسم تھی کہ بیٹیوں کو اگرچہ وہ بالغ ہوں اور نابالغ بچوں کو میت کے مال میں سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا صرف مردوں کو

ف۱ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے یہ رسم تھی کہ بیٹیوں کو چھوٹی ہوں یا بڑی میراث نہیں دیتے تھے اور بیٹے جو نابالغ ہوتے تھے ان کو بھی میراث نہیں ملتی تھی صرف مردوں کو جو بڑے اور دشمنوں سے مقاتلہ کے کام کے ہوتے تھے وہ وارث سمجھے جاتے تھے جس کی وجہ سے یتیم بچوں کو میراث سے کچھ بھی نہ ملتا تھا، ان کے بارے میں یہ آیت اتری جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ماں باپ اور دیگر قرابت والوں کے مال متروکہ میں سے مردوں یعنی بیٹوں کو خواہ وہ بچے ہوں یا جوان ان کا حصہ ملے گا اور عورتوں یعنی بیٹیوں کو بھی بالغ ہوں یا نابالغ ماں باپ وغیرہ اقارب کے ترکہ میں سے ان کا حصہ دیا جائے گا اور یہ حصے مقرر کئے ہوئے ہیں جن کا دینا ضروری ہے خواہ مال تھوڑا ہو یا بہت۔ اس سے اہل جاہلیت کی رسم مذموم کا ابطال ہوگیا اور یتیموں وغیرہ کے حقوق کی حفاظت فرما کر ان کی حق تلفی کو روک دیا۔

فائدہ: اس آیت میں حق والوں کا حق اور اس کا تقرر اور تعین بالاجمال بتلایا گیا آئندہ رکوع میں وارثوں کے حصہ کی تفصیل آتی ہے۔

جو بڑے ہوں اور دشمنوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کر سکتے ہوں ان کو میراث میں سے حصہ ملتا تھا اس پر یہ آیت اتری مردوں کے لیے بھی حصہ ہے اس میں سے کہ جو ماں باپ اور رشتہ دار مرتے وقت چھوڑ گئے ہیں اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس چیز میں سے کہ جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مرے ہیں خواہ وہ مال تھوڑا ہو یا بہت ہو یہ حصہ خدا کا مقرر کیا ہوا ہے جس کا حق داروں کو دینا واجب ہے اس میں کمی اور زیادتی جائز نہیں یہ اللہ کا مقرر کردہ حصہ ہے یہ نہیں کہ تم جس قدر چاہو دے دو اس آیت کے نازل کرنے سے زمانہ جاہلیت کی رسم کو توڑنا مقصود ہے کہ وہ لوگ عورتوں اور اولاد صغار کو مستحق میراث نہیں سمجھتے تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ میراث کے مستحق صرف مرد ہیں اور مرد بھی وہ جو دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔

حق تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرما کر یہ بتلا دیا کہ مال متروکہ میں مردوں اور عورتوں دونوں کا حصہ ہے مردوں کی کچھ تخصیص نہیں لیکن حق تعالیٰ نے اس آیت میں حصہ کی مقدار نہیں بیان فرمائی یہاں صرف استحقاق حصہ میراث کو بیان فرمایا وارثوں کے حصوں کی تفصیل آئندہ رکوع ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ﴾ الخ میں آتی ہے جس میں اولاد اور والدین اور بیوی اور شوہر سب کا حصہ مقرر فرما دیا بلکہ یہ آیت آئندہ آیت ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ﴾ کی تمہید ہے اولاً اجمالاً استحقاق میراث کا بیان فرمایا اور ثانیاً حصص میراث کی تفصیل فرمائی۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ

اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور محتاج تو ان کو کچھ کھلا دو اس میں سے اور کہہ دو ان کو

اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت ناتے والے اور یتیم اور محتاج، تو ان کو کچھ کھلا دو اس میں سے، اور کہو ان کو

قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑧ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ

بات معقول ف۱ اور چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑی ہے اپنے پیچھے اولاد ضعیف تو ان پر

بات معقول۔ اور چاہیئے ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑ مریں اپنے پیچھے اولاد ضعیف تو ان پر

فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ⑨

اندیشہ کریں یعنی ہمارے پیچھے ایسا ہی حال ان کا ہوگا تو چاہیے کہ ڈریں اللہ سے اور کہیں بات سیدھی ف۲

خطرہ کھاویں۔ تو چاہیئے ڈریں اللہ سے اور کہیں بات سیدھی۔

ف۱ یعنی تقسیم میراث کے وقت برادری اور کنبہ کے لوگ جمع ہوں تو جو رشتہ دار ایسے ہوں جن کو میراث میں حصہ نہیں پہنچتا یا جو یتیم اور محتاج ہوں ان کو کچھ کھلا کر رخصت کرو یا کوئی چیز ترکہ میں سے حسب موقع ان کو بھی دے دو کہ یہ سلوک کرنا مستحب ہے۔ اگر مال میراث میں سے کھلانے یا کچھ دینے کا موقع نہ ہو مثلاً وہ یتیموں کا مال ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی تو ان لوگوں سے معقول بات کہہ کر رخصت کر دو یعنی نرمی سے عذر کر دو کہ یہ مال یتیموں کا ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی اس لئے ہم مجبور ہیں۔ ابتدائے سورت میں بیان ہو چکا ہے کہ تمام قرابت والے درجہ بدرجہ سلوک اور مراعات کے مستحق ہیں اور یتامیٰ اور مساکین بھی اور جو قریب یتیم یا مسکین بھی ہو تو اس کی رعایت اور بھی زیادہ ہونی چاہیے۔ اس لئے تقسیم میراث کے وقت ان کو حتی الوسع کچھ نہ کچھ دینا چاہیے، اگر کسی وجہ سے وارث نہ ہو تو حسن سلوک سے محروم نہ رہیں۔

ف۲ یہ ارشاد اصل میں تو یتیم کے ولی اور وصی کے لئے ہے درجہ بدرجہ اوروں کو بھی اس کا خیال رہے مطلب یہ ہے کہ اپنے مرنے کے بعد جیسا ہر کوئی اس بات =

حکم ہفتم مراعاۃ غیر مستحقین میراث بوقت تقسیم ترکہ

قال تعالیٰ: ﴿وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ... الی... وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں حق دارانِ میراث اور مستحقین ترکہ کا بیان تھا اب اس آیت میں غیر مستحقین میراث کے ساتھ ایک قسم کے سلوک اور احسان کا حکم ہے اور جب تقسیم میراث کے وقت ایسے غریب رشتہ دار بھی حاضر ہو جائیں جن کا میراث میں کوئی حق نہیں اور یتیم اور فقیر بھی اس وقت اس پر امید جمع ہو جائیں کہ شاید اس موقع پر اہل خیر ہمیں کچھ خیرات دے دیں تو تم ان کو تبرعا بالغوں کے حصہ میں سے کچھ دے دیا کرو اگر ورثہ یتیم اور نابالغ ہوں تو ان غرباء اور مساکین سے معقول اور نرم بات کہہ کر ان کو رخصت کر دو یعنی نرمی سے یہ عذر کر دو کہ یہ مال یتیموں کا ہے ہم اس کے مالک نہیں اس لیے ہم مجبور اور معذور ہیں مطلب یہ ہے کہ سختی سے جواب نہ دیں بلکہ نرمی سے عذر کرو۔

مسئلہ

جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے اور مقصود اس حکم سے حسن ادب کی تعلیم ہے کہ یہ مال میراث جو تقسیم ہو رہا ہے ایک خدائی عطیہ ہے جو خدا تعالیٰ نے محض اپنی مہربانی سے وارثوں کو بلا محنت اور بلا مشقت عطا کیا ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ایسے موقع پر بطور شفقت و مرحمت اپنے غریب رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کو بھی بطور تبرع اور خیرات کچھ دے دیں تاکہ ان کی دل شکنی نہ ہو اور بعض علماء کے نزدیک یہ حکم وجوبی ہے جو ابتداء میں واجب تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔

اب آئندہ آیت میں اسی رعایت اور شفقت کی تاکید اور تقویت کے لیے ارشاد فرماتے ہیں اور چاہیے کہ اللہ سے ڈریں اور وہ لوگ کہ اگر وہ اپنے پیچھے ناتواں اولاد چھوڑ جائیں تو ان بچوں کے ضائع ہونے کا ان کو خوف اور خطرہ ہو پس ان کو چاہیے کہ اللہ سے ڈریں یعنی یتیموں اور مسکینوں کی دل آزاری سے بچیں اور زبان سے کہیں سیدھی بات کہ جس سے ان کی تسلی ہو جائے مطلب یہ ہے کہ دوسرے یتیم کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو اپنے بعد اپنی اولاد کے لیے پسند کرتے ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ

جو لوگ کہ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب داخل ہوں گے

جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں کے ناحق، وہ یہی کھاتے ہیں اپنے پیٹ میں آگ۔ اور اب پیٹھیں گے

سَعِيْرًا ۝ ع ۱۲

آگ میں ف ۱

آگ میں۔

= سے ڈرتا ہے کہ میری اولاد کے ساتھ سختی اور برائی سے معاملہ کیا جائے ایسا ہی تم کو بھی چاہیے کہ یتیم کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو اپنے بعد اپنی اولاد کے ساتھ پسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو اور یتیموں سے سیدھی اور اچھی بات کہو یعنی جس سے ان کا دل نہ ٹوٹے اور ان کا نقصان نہ ہو بلکہ ان کی اصلاح ہو۔

ف ۱ آیات متعددہ سابقہ میں یتیموں کے مال کے متعلق مختلف طرح سے احتیاط کرنے کا حکم تھا اور ان کے مال میں خیانت کو بڑا گناہ بتایا گیا ہے، اب اخیر میں =

تتمہ حکم سابق

تحقیق جولوگ ناحق یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں جزایں نیست وہ یہ مال کھا کر اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور البتہ ضرور داخل ہوں گے دھکتی ہوئی آگ میں یعنی خدا تعالیٰ ان کو یتیموں کا ناحق مال کھانے کی سزا میں آگ کھلائے گا اور یہ شخص قیامت کے دن قبر سے اس طرح اٹھے گا کہ اس کے منہ اور کانوں اور آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہوں گے جو شخص بھی اس کو دیکھے گا وہ اس علامت سے پہچان لے گا کہ یہ ناحق یتیم کا مال کھانے والا ہے۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ

حکم کرتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد کے حق میں کہ ایک مرد کا حصہ ہے برابر دو عورتوں کے ف۱ پھر اگر صرف عورتیں ہی ہوں

اللہ کہہ رکھتا ہے تم کو تمہاری اولاد میں، مرد کو حصہ برابر دو عورت کے، پھر اگر ہوویں نری عورتیں

اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ

دو سے زیادہ تو ان کے لئے ہے دو تہائی اس مال سے جو چھوڑ مرا اور اگر ایک ہی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے ف۲ اور میت کے ماں باپ کو ہر

دو سے اوپر، تو ان کو دو تہائیاں جو چھوڑ مرا، اور اگر ایک ہے تو اس کو آدھا، اور میت کے ماں باپ کو ہر

وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ

ایک کے لئے دونوں میں سے چھٹا حصہ ہے اس مال سے جو کہ چھوڑ مرا اگر میت کے اولاد ہے ف۳ اور اگر اس کے اولاد نہیں اور وارث ہیں اس کے ماں باپ

ایک کو دونوں میں چھٹا حصہ اس مال میں جو چھوڑ مرا، اگر میت کی اولاد ہے۔ پھر اگر اس کو اولاد نہیں اور وارث ہیں اس کے ماں باپ،

= مال یتیم میں خیانت کرنے پر وعید شدید بیان فرما کر اس حکم کو خوب مؤکد کر دیا کہ جو کوئی یتیم کا مال بلا استحقاق کھاتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہا ہے یعنی اس کھانے کا یہ انجام ہوگا اور جملہ اخیر میں اس کو ظاہر کر دیا گیا۔

ف۱ اوپر اقارب میت کے وارث ہونے کا ذکر ہوا تھا اور ان کے حصوں کے تقرر اور تعین کی طرف اجمالی اشارہ فرما دیا تھا اب اقارب اور ان کے حصوں کی تفصیل بتلائی جاتی ہے اور اس سے پہلے یتیموں کے حق میں تشدد اور تاکیدات کا ذکر چلا آ رہا تھا جس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اقارب میت میں اگر کوئی یتیم ہو تو اس کا حصہ دینے میں بہت ہی احتیاط اور اہتمام کرنا چاہیے۔ اہل عرب کی قدیم رسم کے موافق ان کو میراث سے محروم کر دینا سخت ظلم اور بڑا گناہ ہے اب اقارب میں سب سے پہلے اولاد کے حصہ کو بیان فرمایا کہ اگر کسی میت کی اولاد بیٹا بیٹی دونوں ہوں تو ان کی میراث دینے کا یہ قاعدہ ہے کہ ایک بیٹا دو بیٹیوں کے برابر حصہ پائے گا۔ مثلاً اگر ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوں تو نصف مال بیٹے کا اور نصف دونوں بیٹیوں کا ہوگا، اور اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوگی تو دو ثلث بیٹے کا اور ایک ثلث بیٹی کا ہوگا۔

ف۲ یعنی اور اگر کسی میت نے اولاد میں صرف عورتیں یعنی بیٹیاں ہی چھوڑیں بیٹا نہیں چھوڑا تو وہ اگر دو سے زیادہ ہوں تب بھی ان کو دو تہائی ملے گا اور اگر صرف ایک ہی بیٹی چھوڑی تو اس کو میت کے ترکہ کا نصف ملے گا۔ جاننا چاہیے کہ ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ کے ذیل میں معلوم ہو چکا ہے کہ ایک بیٹی کو ایک بیٹے کے ساتھ ایک ثلث ملے گا۔ تو اس سے معلوم ہو گیا کہ ایک بیٹی کو دوسری بیٹی کے ساتھ بطریق اولیٰ ایک ثلث ملے گا کیونکہ بیٹے کا حصہ بیٹی سے زائد ہے تو جب بیٹے کی وجہ سے اس کا حصہ ایک ثلث سے کم نہیں ہوا تو دوسری بیٹی کی وجہ سے کیسے گھٹ سکتا ہے سو دو بیٹیوں کا حکم چونکہ پہلی آیت سے معلوم ہو چکا تھا اس لئے اس آیت میں دو بیٹیوں سے زائد کا حکم بتلا دیا تا کہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ دو بیٹیوں کا حق جب ایک بیٹی سے زائد ہے تو شاید تین یا چار بیٹیوں کا حق دو بیٹیوں سے زائد ہو گا سو یہ بات ہرگز نہیں بلکہ بیٹیاں جب ایک سے زائد ہوں گی دو ہوں یا دس ان کو دو ثلث ملے گا۔

فائدہ: اولاد کے وارث ہونے کی دو صورتیں آیت میں مذکور ہوئیں اول یہ کہ لڑکا اور لڑکی دونوں طرح کی اولاد ہو۔ دوسری یہ کہ صرف دختری اولاد =

فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ

تو اس کی ماں کا ہے تہائی ف۱ پھر اگر میت کے کئی بھائی ہیں تو اس کی ماں کا ہے چھٹا حصہ ف۲ بعد وصیت کے جو کر مرا یا بعد ادائے

تو اس کی ماں کو تہائی۔ پھر اگر میت کے کئی بھائی ہیں، تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ۔ یہ پیچھے وصیت کے جو دلوا مرا، یا

دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ

قرض کے ف۳ تمہارے باپ اور بیٹے تم کو معلوم نہیں کون نفع پہنچائے تم کو زیادہ حصہ مقرر کیا ہوا اللہ کا ہے بیشک

قرض کے۔ تمہارے باپ اور بیٹے، تم کو معلوم نہیں کون شاب پہنچتے ہیں تمہارے کام میں۔ حصہ باندھا اللہ کا ہے،

اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⑪ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ

اللہ خبردار ہے حکمت والا ف۴ اور تمہارا ہے آدھا مال جو کہ چھوڑ مریں تمہاری عورتیں اگر نہ ہو ان کے اولاد اور اگر

اللہ خبردار ہے حکمت والا۔ اور تم کو آدھا مال جو چھوڑ مریں تمہاری عورتیں اگر نہ ہو ان کو اولاد۔ پھر اگر

كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ

ان کے اولاد ہے تو تمہارے واسطے چوتھائی ہے اس میں سے جو چھوڑ گئیں بعد وصیت کے جو کر گئیں یا بعد قرض کے ف۵ اور عورتوں کے لئے

ان کو اولاد ہے تو تم کو چوتھائی مال اس جو چھوڑ مریں بعد وصیت کے جو دلوا مریں یا قرض کے۔ اور عورتوں کو

= ہو اسکی دو صورتیں ہیں ایک لڑکی ہو یا ایک سے زائد تو اب صرف ایک صورت باقی رہ گئی وہ یہ کہ صرف پسری اولاد ہو سو اس کا حکم یہ ہے کہ تمام میراث اس کو مل جائے گی خواہ ایک بیٹا ہو یا زائد۔

ف۳ اب ماں باپ کی میراث کی تین صورتیں بیان فرماتے ہیں۔ صورت اول کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر میت کی اولاد ہو بیٹا یا بیٹی تو میت کے ماں باپ کو ترکہ میت میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

ف۱ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر میت کی اولاد کچھ نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو اس کی ماں کو ایک ثلث ملے گا۔ یعنی باقی دو ثلث اس کے باپ کو ملیں گے۔

ف۲ تیسری صورت یہ ہے کہ اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں خواہ حقیقی ہوں یا صرف باپ یا صرف ماں میں شریک ہوں اور اولاد کچھ بھی نہیں تو اب اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا یعنی باقی سب اس کے باپ کو ملے گا، بھائی بہن کو کچھ نہ ملے گا۔ اور اگر صرف ایک بھائی یا ایک بہن ہوگی تو ماں کو ایک ثلث اور باپ کو دو ثلث ملیں گے جیسا کہ دوسری صورت مذکورہ بالا میں تھا۔

ف۳ یعنی جس قدر وارثوں کے حصے گزر چکے یہ سب میت کی وصیت اور اس کے قرض کو جدا کر لینے کے بعد وارثوں کو دیے جائیں گے اور وارثوں کا مال وہی ہوگا جو مقدار وصیت و قرض کے نکال لینے کے بعد باقی رہے گا اور نصف اور ثلث وغیرہ اسی کا مراد ہے نہ تمام مال کا۔

فائدہ: میت کا مال اول اس کے کفن اور دفن کو لگایا جائے جو اس سے بچے وہ اس کے قرض میں دیا جائے پھر جو باقی رہے اس کو میت کی وصیت میں ایک تہائی تک صرف کیا جائے اس کے بعد جو رہے وارثوں پر تقسیم کیا جائے۔

ف۴ اس آیت میں دو میراث بیان فرمائیں اولاد کی اور ماں باپ کی۔ اب فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ بات تم کو معلوم نہیں کہ کس سے تم کو نفع پہنچے گا اور کتنا نفع پہنچے گا اس لئے تم کو اس میں دخل نہ دینا چاہیے جو کچھ کسی کا حصہ حق تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے۔ اس کی پابندی کرو کہ اس کو تمام چیزوں کی خبر بھی ہے اور بڑا حکمت والا ہے۔

ف۵ اب زوجین کی میراث کو بیان فرمایا جاتا ہے کہ مرد کو اس کی عورت کے مال میں سے آدھا مال ملے گا اگر عورت کے کچھ اولاد نہ ہو۔ اور اگر عورت کے اولاد =

الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا

چوتھائی مال ہے اس میں سے جو چھوڑ مرو تم اگر نہ ہو تمہاری اولاد اور اگر تمہاری اولاد ہے تو ان کے لئے آٹھواں حصہ ہے اس میں سے جو کچھ

چوتھائی مال اس سے چھوڑ مرو تم، اگر نہ ہو تم کو اولاد۔ پھر اگر تم کو اولاد ہے تو ان کو آٹھواں حصہ اس سے جو کچھ

تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّورَثُ كَلٰلَةً أَوِ امْرَاَةٌ

تم نے چھوڑا بعد وصیت کے جو تم کر مرو یا قرض کے ف۱ اور اگر وہ مرد کہ جس کی میراث ہے باپ بیٹا کچھ نہیں رکھتا یا عورت ہو ایسی ہی

تم نے چھوڑا بعد وصیت کے، جو تم دلوا مرو یا قرض کے، اور اگر جس مرد کی میراث ہے باپ بیٹا نہیں رکھتا، یا عورت کا

وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ

اور اس میت کے ایک بھائی ہو یا بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے ف۲ اور اگر زیادہ ہوں اس سے تو سب

اور اس کا ایک بھائی ہے یا بہن، تو دونوں میں ہر ایک کو چھٹا حصہ۔ پھر اگر زیادہ ہوئے اس سے، تو سب

شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ

شریک ہیں ایک تہائی میں، بعد وصیت کے جو ہو چکی ہے یا قرض کے جب اوروں کا نقصان نہ کیا ہو ف۳ یہ حکم ہے اللہ کا

شریک ہیں ایک تہائی میں، بعد وصیت کے جو ہو چکی ہے یا قرض کے، جب اوروں کا نقصان نہ کیا ہو، یہ کہہ رکھا اللہ نے،

= ہے خواہ ایک ہی بیٹا یا بیٹی ہو اور اسی مرد سے ہو یا دوسرے مرد سے تو مرد کو عورت کے مال میں سے ایک چوتھائی مال ملے گا قرض اور وصیت کے بعد۔

ف۱ اور اسی طرح عورت کو اس کے خاوند کے مال میں سے چوتھائی حصہ ملے گا اگر مرد کی اولاد کچھ نہ ہو اور اگر مرد کے اولاد ہے خواہ اسی عورت سے یا دوسری عورت سے تو عورت کو آٹھواں حصہ ملے گا خاوند کے اس مال میں سے جو وصیت اور قرض ادا کرنے کے بعد بچے گا مال کی ہر قسم میں سے نقد ہو یا جنس، سلاح ہو یا زیور حویلی ہو یا باغ، باقی رہا عورت کا مہر وہ میراث سے جدا ہے وہ قرض میں داخل ہے۔ یہ کل دو صورتیں ہوئیں جیسا کہ مرد کی میراث میں بھی یہی دو صورتیں تھیں۔

ف۲ یہاں سے اخیافی بھائی بہن کے میراث کا ذکر ہے جو کہ صرف ماں میں شریک ہوں۔ سو جاننا چاہیے کہ باپ اور بیٹے کے ہوتے تو بھائی اور بہن کو کچھ نہیں پہنچتا۔ ہاں اگر باپ اور بیٹا نہ ہوگا تو بھائی اور بہن کو میراث ملے گی۔ بھائی اور بہن تین طرح کے ہیں۔ سگے جو ماں باپ دونوں میں شریک ہوں جن کو عینی کہتے ہیں، یا وہ سوتیلے جو صرف باپ میں شریک ہوں جن کو علاتی کہتے ہیں یا وہ سوتیلے جو صرف ماں میں شریک ہوں جن کو اخیافی کہتے ہیں، اس آیت میں قسم اخیر کا ذکر ہے چنانچہ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کی قراءت میں ولہ اخ او اخت کے بعد من الام کا کلمہ صریح موجود ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس میت کے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، ماں باپ بیٹا بیٹی کچھ نہ ہو اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن اخیافی ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور مرد اور عورت یعنی اخیافی بھائی اور بہن کا برابر حصہ ہے کمی زیادتی نہیں۔ باقی رہے دو قسم کے بھائی بہن یعنی عینی اور علاتی سو ان دونوں قسموں کا حکم مثل اولاد کے ہے بشرطیکہ میت کے باپ بیٹا کچھ نہ ہو۔ مقدم عینی ہے وہ نہ ہو تو پھر علاتی۔ اس سورت کے اخیر میں ان دونوں کی میراث کا ذکر آئے گا۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ کلالہ کی تفسیر جو یہ کی گئی کہ اس کے باپ بیٹا نہ ہو یہ سب کو مسلم ہے مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ دادی اور پوتی کی بھی نفی کرتے ہیں اور جو حکم باپ بیٹے کا ہے وہی دادی اور پوتی کا فرماتے ہیں، اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت سے یہ اختلاف علماء میں چلا آتا ہے۔

ف۳ یعنی اگر اخیافی بھائی یا بہن ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کو ایک تہائی مال میراث میں ملے گا اور پہلی صورت میں سدس اور دوسری صورت میں ثلث جو دیا جائے گا تو وصیت اور دین کے بعد جو باقی رہے گا اس کا سدس اور ثلث دیا جائے گا اور وصیت میراث پر مقدم جب ہوگی جب اوروں کو نقصان نہ پہنچایا ہو اور نقصان کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت ہو، دوسری یہ کہ جس وارث کو میراث میں سے حصہ ملے گا اس کے لئے کچھ وصیت بھی کر جائے یہ دونوں صورتیں درست نہیں۔ البتہ اگر سب وارث اس کو قبول کر لیں تو خیر ورنہ یہ وصیتیں مردود ہیں۔ =

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور اللہ ہے سب کچھ جاننے والا تحمل کرنے والا ف۱ یہ حدیں باندھی ہوئی اللہ کی ہیں اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور رسول کے اس کو داخل کریگا جنتوں میں

اور اللہ سب جانتا ہے تحمل والا۔ یہ حدیں باندھی اللہ کی ہیں۔ اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور رسول کے، اس کو داخل کرے باغوں میں، جن کے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہی ہے بڑی مراد ملنی اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی

نیچے بہتی ندیاں، رہ پڑے ان میں، اور وہی ہے بڑی مراد ملنی۔ اور جو کوئی بے حکمی کرے اللہ کی اور رسول کی،

ع ۱۲ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾

اور نکل جاوے اس کی حدوں سے ڈالے گا اس کو آگ میں ہمیشہ رہیگا اس میں اور اس کے لئے ذلت کا عذاب ہے ف۲

اور بڑھے اس کی حدوں سے، اس کو داخل کرے آگ میں، رہ پڑے اس میں، اور اس کو ذلت کی مار ہے۔

= فائدہ: وارثوں سے چونکہ اندیشہ تھا کہ ترکہ میت میں سے میت کا دین اور وصیت ادا نہ کریں بلکہ تمام مال آپ ہی رکھ لیں، اس لئے میراث کے ساتھ بار بار دین اور وصیت کا حکم تاکیداً بیان کیا گیا اور وصیت چونکہ تبرع اور احسان ہے اور بسا اوقات کوئی شخص معین اس کا مستحق نہیں ہوتا اور اس وجہ سے اس کے ضائع ہونے کا احتمال قوی تھا تو اس لئے بغرض اہتمام واحتیاط وصیت کو ہر جگہ دین سے پہلے ذکر فرمایا حالانکہ وصیت کا درجہ دین کے بعد ہے جیسا پہلے گزرا، نیز وصیت حق مورث ہے جیسے تجہیز و تکفین بخلاف وراثت اور دین کے کہ وہ دوسروں کا حق ہے تو اس حیثیت سے وصیت دین سے مقدم ہوگی گو دوسری وجہ سے دین وصیت پر مقدم ہے اور یہاں جو غیر مضار کی قید لگائی یہی قید مقامات سابقہ میں بھی معتبر ہوگی۔

ف۱ شروع رکوع سے یہاں تک جو میراثیں بیان فرمائیں وہ پانچ ہیں۔ بیٹا بیٹی اور ماں باپ اور زوج اور زوجہ اور اخیافی بھائی بہن ان پانچوں کو ذوی الفروض اور حصہ دار کہتے ہیں، ان پانچوں میراث کو بیان فرما کر بطور تاکید فرمادیا کہ یہ حکم ہے اللہ کا اس کی تعمیل ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے کس نے اطاعت کی اور کس نے نافرمانی کی، کس نے میراث و وصیت و دین میں حق اور انصاف کے موافق کیا کس نے بے انصافی کی اور ضرر پہنچایا۔ باقی ظلم و بے انصافی کی سزا میں تاخیر ہونے سے کوئی دھوکہ نہ کھائے کیونکہ حق تعالیٰ کا حلم بھی بہت کامل ہے۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ ذوی الفروض کے سوا کہ جن کا بیان اس رکوع میں گزرا ایک دوسری قسم کے وارث ہیں جن کو عصبہ کہتے ہیں۔ ان کے لئے کوئی حصہ مثل نصف ثلث وغیرہ کے مقرر نہیں بلکہ ذوی الفروض سے جو فاضل ہوگا وہ ان کو ملے گا مثلاً اگر کسی کے عصبہ ہو اور ذوی الفروض میں سے کوئی نہ ہو تو اس کا مال تمام عصبہ کو ملے گا اور جو دونوں ہوں تو ذوی الفروض کو دے کر جو مال بچے گا وہ عصبہ کو دیا جائے گا اور اگر کچھ نہ بچا تو عصبہ کو کچھ نہ ملے گا اور عصبہ اصل میں تو وہ ہے جو مرد ہو عورت نہ ہو اور اس میں میت میں اور عورت کا واسطہ بھی نہ ہو اور اس کے چار درجے ہیں اول درجہ میں بیٹا اور پوتا ہے دوسرے درجہ میں باپ اور دادا تیسرے درجہ میں بھائی اور بھتیجا چوتھے درجہ میں چچا اور بیٹا اس کا پوتا۔ اگر کئی شخص ہوں تو جو میت سے قریب ہے وہ مقدم ہوگا جیسے پوتے سے بیٹا، بھتیجے سے بھائی مقدم ہے، پھر سوتیلے سے سگا مقدم ہے اور ان چاروں کے سوا اولاد میں اور بھائیوں میں مرد کے ساتھ عورت بھی عصبہ ہوتی ہے یعنی بیٹے کے ساتھ بیٹی اور بھائی کے ساتھ بہن بھی عصبہ ہوگی یہ عصبہ اصلی نہیں بلکہ غیر اصلی ہیں اور اولاد اور بھائیوں کے سوا عورت عصبہ نہ ہوگی مثلاً چچا کا بیٹا عصبہ ہے مگر اس کے ساتھ ہو کر چچا زاد بہن عصبہ نہیں ہو سکتی۔

فائدہ: ان دونوں قسم مذکورہ بالا یعنی ذوی الفروض اور عصبہ کے سوا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وارث کی تیسری قسم ذوی الارحام ہیں یعنی ایسے قرابت والے کہ ان میں اور میت میں عورت کا واسطہ ہو اور ذوی الفروض میں نہ ہو اور عصبہ بھی نہ ہو جیسے نواسہ اور نانا اور بھانجا اور ماموں اور خالہ اور پھوپھی اور ان کی اولاد۔ جب کسی میت کے ذوی الفروض اور عصبہ کوئی بھی نہ ہوگا تو اس کی میراث ذوی الارحام کو ملے گی تفصیل کتب فرائض میں مذکور ہے۔

ف۲ یعنی تمام احکام مذکورہ سابقہ متعلق حقوق یتامیٰ اور وصیت اور میراث اللہ کے مقرر فرمودہ ضابطے اور قاعدے ہیں۔ اور جو کوئی اطاعت کرے گا احکام الٰہی کی جن میں حکم وصیت و میراث بھی داخل ہے اس کے لئے ہمیشہ کو جنت ہے اور جو کوئی نافرمانی کرے گا اور حدود خداوندی سے بالکل خارج ہو جائے گا۔ وہ ہمیشہ =

قانون میراث - یعنی تفصیل حصص میراث

ربط:...... اوپر کی آیتوں میں اجمالی طور پر استحقاق میراث کا بیان تھا کہ میت کے اقارب خواہ مرد ہوں یا عورت بالغ ہوں یا نابالغ سب وارث ہیں اور ترکہ میں سب کا حق ہے اب ان آیات میں حصوں کی تفصیل بیان فرماتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں ارث کے تین سبب تھے (اول نسب) مگر نسب کی رو سے صرف ان مردوں کو حصہ ملتا تھا کہ جو قبیلہ کی طرف سے دشمنوں سے جنگ کی قابلیت رکھتے ہوں لڑکوں اور عورتوں اور ضعیفوں کو میراث کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ (دوم) تبنی یعنی کسی کو اپنا متبنیٰ بنالینا یعنی بیٹا بنالینا مرنے کے بعد وہ متبنی اس کی میراث کا حق دار ہوتا تھا جیسا کہ ہندوؤں میں اس کا رواج ہے (تیسرا) عہد وحلف۔ عہد کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے یہ کہتا کہ میرا خون تیرا خون، ہے میری جان تیری جان ہے میرے خون کا رائیگاں جانا تیرے خون کا رائیگاں جانا ہے میں تیرا وارث اور تو میرا وارث۔ میرے بدلے تو پکڑا جائے گا اور تیرے بدلے میں پکڑا جاؤں گا جب وہ دونوں شخص اس طرح کا باہم عہد کر لیتے تو وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوتے جو پہلے مرجاتا دوسرا اس کا وارث ہوتا۔

شروع اسلام میں توارث کے دو سبب تھے ایک ہجرت اور دوسرا مواخاۃ (اسلامی بھائی چارہ) یعنی جب کوئی صحابی ﷺ ہجرت کر کے آتا تھا تو دوسرا مہاجر ہی اس کا وارث ہوتا اگرچہ وہ اس کا رشتہ دار نہ ہو اور غیر مہاجر، مہاجر کا وارث نہیں ہوتا اگرچہ وہ اس کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اور مواخاۃ کا مطلب یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دو دو مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تھا اور وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے مگر بعد میں اسلام نے زمانہ جاہلیت اور شروع زمانہ اسلام کے طریق توارث کو منسوخ کر دیا اور توریث کا دارومدار تین چیزوں پر رکھا۔ (اول) نسب۔ یعنی اولاد اور والدین۔ (دوم) نکاح یعنی خاوند اور بیوی بوجہ نکاح کے ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔ (تیسرے) ولاء یعنی باندی غلام کی آزادی جس کی بنا پر آقا اپنے آزاد کردہ غلاموں اور باندیوں کا اور آزاد شدہ غلام اور باندی اپنے آزاد کرنے والے آقا کی میراث کے وارث ہیں۔

حصہ اولاد

شان نزول:...... ابن ابی شیبہ، احمد، ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سعد بن ربیع کی بیوی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ سعد بن ربیع کی دو لڑکیاں ہیں اور ان کا باپ حضور ﷺ کے ہمراہ جنگ احد میں شہید ہو گیا اور ان کا جو مال تھا وہ کل ان کے چچا نے لے لیا ہے اور بیٹیوں کو کچھ نہیں دیا اور بغیر مال کے ان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ ان کے بارہ میں فیصلہ فرمائے گا اس پر میراث کی یہ آیت ﴿یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ﴾ الخ نازل ہوئی اس کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے ان لڑکیوں کے چچا کے پاس آدمی بھیج کر کہلا بھیجا کہ سعد رضی اللہ عنہ کے ترکہ میں سے اس کی لڑکیوں کو دو تہائی دے دو اور اس کی بیوی کو آٹھواں حصہ اور باقی

=کو ذلت کے ساتھ عذاب جہنم میں گرفتار رہے گا۔

تیرا ہے علماء فرماتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا ترکہ ہے جو اسلام میں تقسیم کیا گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ تم کو وصیت کرتا ہے یعنی تاکیدی حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کی میراث کے بارہ میں وہ یہ کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے پس اگر اولاد صرف لڑکیاں ہی ہوں دو سے زائد تو ان لڑکیوں کو اس مال میں کا دو تہائی ملے گا جو مورث چھوڑ کر مرا ہے یعنی اگر میت کی اولاد ذکور نہ ہو نری لڑکیاں ہی ہوں اور ہوں دو سے زیادہ تو اس صورت میں ان کا حق اس ترکہ میں سے کل مال کا دو تہائی ہے باقی ایک تہائی دوسرے وارثوں کا حق ہے۔

ف:...... جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں دو سے زائد لڑکیوں کا حصہ بیان فرمایا اور دو لڑکیوں کا حصہ صراحۃً بیان نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ آیت ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ سے معلوم ہو چکا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کی برابر ہے یعنی دو تہائی ہے تو لامحالہ اس سے ثابت ہو گیا کہ دو لڑکیوں کا حصہ دو تہائی ہے نیز جب ایک لڑکے کی موجودگی میں لڑکی کا تہائی حصہ ہے تو دوسری لڑکی کی موجودگی میں بدرجہ اولیٰ اس کا حصہ تہائی ہونا چاہیے کیونکہ لڑکا بہ نسبت لڑکی کے زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔

نیز اس آیت میں شان نزول میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کی دو لڑکیوں کو اس کے ترکہ میں دو تہائی دینے کا حکم دیا۔

نیز حق تعالیٰ نے اس آیت میں ایک لڑکی کا اور تین اور تین سے زائد لڑکیوں کا حکم بیان فرمایا اور دو لڑکیوں کا صراحۃً کوئی حکم بیان نہیں فرمایا اور بہنوں کی میراث میں دو بہنوں کا دو تہائی حصہ بیان فرمایا۔ ﴿إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ﴾ ﴿فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ﴾۔ پس جب دو بہنوں کا حصہ دو تہائی ہے تو دو لڑکیوں کا حصہ بدرجہ اولیٰ دو تہائی ہونا چاہیے کیونکہ لڑکیاں بہ نسبت بہنوں کے زیادہ قریب ہیں۔

غرض یہ کہ دو لڑکیوں کو دو تہائی ملنا پہلی آیت سے معلوم ہو چکا تھا اب شبہ یہ تھا کہ اگر کسی کے تین لڑکیاں ہوں تو شاید ان تین لڑکیوں کو تین تہائی یعنی کل مال مل جائے تو حق تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتلا دیا گیا کہ اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ دو تہائی سے نہ بڑھے گا اور اگر میت کے ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو کل مال میں سے نصف مال مل گا اور نصف باقی دوسرے وارثوں کا حق ہے۔

نکتہ (۱)

مرد کا حصہ عورتوں کے حصہ سے دو چند اس لیے قرار دیا گیا کہ مرد بہ نسبت عورت کے مال کا زیادہ حاجت مند ہے گھر کا تمام خرچ اس کے ذمہ ہے حتیٰ کہ بیوی کا خرچ بھی اس کے ذمہ ہے۔

نکتہ (۲)

حق جل شانہ تعالیٰ نے عنوانِ تعبیر یہ اختیار فرمایا ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ یعنی مرد کا حصہ دو عورتوں کی برابر ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ دو عورتوں کا حصہ ایک مرد کے حصہ کی برابر ہے یا عورت کا حصہ مرد کے حصہ سے نصف ہے اس طرز

بیان کے اختیار کرنے میں حکمت یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کی رسم عدم توریث نسوان کا پوری طرح ابطال ہوجائے کیونکہ یہ طرز بیان اس طرف مشیر ہے کہ عورت کی میراث مقرر معلوم ہے اور مرد کی میراث اس سے دوچند ہے لہٰذا مرد اپنی میراث کو عورت کی میراث سے دوچند سمجھ کر حق تعالیٰ کا شکر کرے کہ اس نے مجھ کو فضیلت دی اور یہ طمع نہ کرے کہ عورت کو بالکل میراث سے محروم کرے یہ اس کے لیے کافی ہے کہ اس کا حصہ عورت سے دوچند ہے۔

حصہ والدین

اور میت کے ماں باپ کے لیے ترکہ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ہے اگر میت کے کچھ اولاد ہے خواہ مذکر ہو یا مونث پس اگر میت کے کچھ اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی اس کے وارث ہیں تو اس صورت میں پورے مال میں سے ان کی ماں کا تہائی حصہ ہے اور باقی دوتہائی باپ کا پس اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں تو پھر اس کی ماں کے لیے چھٹا ہے جاننا چاہیے کہ ماں باپ کی میراث میں حق تعالیٰ نے تین صورتیں بیان فرمائیں پہلی صورت یہ ہے کہ اگر ماں باپ کے ساتھ میت کی اولاد بیٹا یا بیٹی ہو تو اس صورت میں میت کے ماں باپ کو ترکہ میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ملے گا دوسری صورت یہ ہے کہ میت کی اولاد کچھ نہ ہو بھائی بہن بھی نہ ہوں اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو اس صورت میں ماں کو ایک ثلث ملے گا اور باقی دوثلث باپ کو ملیں گے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ اولاد نہ ہو مگر میت کے ایک سے زیادہ بہن بھائی ہوں خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی تو اس صورت میں ماں کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا اور باقی سب اس کے باپ کو ملے گا بھائی بہن کو کچھ نہیں ملے گا۔

وارثوں کے جس قدر حصے اب تک بیان کیے گئے یہ سب حصے بعد اداء وصیت کہ جو میت نے کی ہے اور بعد ادائے قرض وارثوں کو دیے جائیں گے یعنی میت کے مال میں سے اول بمقدار وصیت اور بمقدار قرض روپیہ نکال کر پھر ورثہ پر تقسیم ہوگا اور باجماع علماء امت ترکہ میں جو پہلا حق متعلق ہوتا ہے وہ میت کے تجہیز وتکفین اور تدفین ہے اس لیے میت کے مال میں سب سے پہلے اس کے کفن اور دفن میں لگایا جائے گا اور پھر میت کے قرض میں اور پھر اس کی وصیت میں دیا جائے گا اور پھر جو باقی رہے گا وہ وارثوں پر تقسیم کیا جائے گا۔

نکتہ

ماں باپ کا حق اگرچہ اولاد سے کہیں زیادہ ہے مگر حق تعالیٰ نے میت کے ترکہ میں سے ماں باپ کا حصہ، اولاد کے حصہ سے کم رکھا ہے کیونکہ جب آدمی صاحب اولاد ہو کر مرتا ہے تو عادۃً اس عمر میں اس کے والدین بوڑھے ہوجاتے ہیں اور ان کی عمر کا تھوڑا حصہ باقی رہ جاتا ہے ان کو زیادہ مال کی ضرورت نہیں ہوتی بخلاف اولاد کے کہ وہ کم عمر ہونے کی وجہ سے زیادہ حاجت مند ہوتے ہیں نیز ماں باپ کے پاس اپنا اندوختہ اور اپنے والدین کا کچھ ترکہ بھی ہوتا ہے اور میت کی اولاد کا سرمایہ سردست صرف یہی باپ کی کمائی ہوتی ہے اس لیے شریعت نے بہ نسبت ماں باپ کے اولاد کا حصہ زائد رکھا تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ باعتبار نفع رسانی کے ان میں سے کون سا تم سے زیادہ قریب ہے یعنی تم نہیں جانتے کہ

تمہارے اصول وفروع میں سے دنیا وآخرت میں تمہارے لیے کون زیادہ نفع رساں اور فائدہ مند ہے اور جب تمہیں یہ خبر نہیں تو تقسیم میراث میں تم اپنی عقل اور رائے کو دخل نہ دو خدا کے حکم کے مطابق چلو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حصہ مقرر اور معین کر دیا گیا اس کی پیروی کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں کو جاننے والا ہے اور بڑی حکمت والا ہے اس نے جو میراث کے حصے مقرر فرما دیے وہی عین حکمت اور سراسر مصلحت ہیں اس لیے تم پر لازم ہے کہ حق تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں کی پابندی کرو اور اپنی رائے سے اس میں دخل نہ دو اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے اس نے اپنی حکمت سے جو حصے مقرر کر دیئے اسی میں حکمت اور مصلحت ہے۔

حصۂ زوجین

اب آئندہ آیت میں زوجین کی میراث کو بیان فرماتے ہیں اور زوجہ اور زوج کی ہر ایک کی میراث کی دو دو صورتیں بیان کیں۔

۱- میت اگر زوجہ ہو اور اس کے کوئی اولاد نہ ہو تو اس صورت میں زوج یعنی شوہر کو نصف مال ملے گا۔

۲- اور اگر اولاد ہو تو چوتھائی حصہ اور علی ہذا اگر میت زوج ہو اور زوجہ اس کی وارث ہو تو اس کے بھی دو حال ہیں۔

۱...... زوج کے کوئی اولاد نہ ہو تو زوجہ کو چوتھائی حصہ ملے گا۔

۲...... اور اگر اولاد ہو تو آٹھواں حصہ۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور تمہارے لیے یعنی شوہروں کے لیے اس مال میں کا نصف حصہ ہے جو تمہاری بیبیاں چھوڑ جائیں اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو نہ مذکر نہ مونث نہ واحد نہ کثیر اور اگر ان بیبیوں کے کچھ اولاد ہو خواہ تم سے ہو یا پہلے شوہر سے تو اس صورت میں تم کو ان کے ترکہ سے چوتھائی ملے گا اور دونوں صورتوں میں تم کو یہ حصہ بعد وصیت کے جو کر گئی ہیں یا قرض کی ادائیگی کے بعد جو انہوں نے چھوڑا ہے ملے گا اور بیبیوں کو چوتھائی مال ملے گا اس ترکہ میں سے جو تم چھوڑ جاؤ اگر تمہارے کوئی اولاد نہ ہو پس اگر تمہارے کوئی اولاد ہو اس عورت سے یا کسی دوسری عورت سے تو بیبیوں کو تمہارے ترکہ میں آٹھواں حصہ ملے گا بعد وصیت کے جو تم کر جاؤ یا قرض کے بعد جو تم چھوڑ جاؤ تو اس وصیت اور قرض کے ادا کرنے کے بعد جو مال بچے گا تو اس سے بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا خواہ بیوی ایک ہو یا چار ہوں۔

فائدہ:...... عورت چونکہ مہر بھی پاتی ہے اور شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح بھی کر سکتی ہے اس لیے اس کا حصہ ہر حال میں شوہر کے حصہ سے نصف رہا۔

حصۂ برادر وخواہر اخیافی

اب اس کے بعد ایسے شخص کا حال بیان فرماتے ہیں کہ جس کے وارثوں میں نہ باپ دادا ہو اور نہ اولاد ہو صرف اس کے اخیافی بھائی بہن ہوں تو اگر ایک ہو تو ہر ایک کو چھٹا حصہ ہے اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک اور برابر کے حصہ دار ہوں گے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر کوئی مرد یا عورت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی کلالہ ہو یعنی باپ دادا اور بیٹا نہ رکھتا ہو اور اس کے ایک اخیافی بھائی یا ایک اخیافی بہن ہو تو اس کلالہ کے مال میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر یہ اخیافی بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی حصہ میں برابر کے شریک ہوں گے اور یہ تقسیم بعد اس وصیت کے نافذ کرنے کے ہوگی جو ہو چکی ہے یا ادائے قرض کے بعد بشرطیکہ وہ وصیت کرنے والا کسی کو ضرر یا نقصان پہنچانے والا نہ ہو یہ جو کچھ کہا گیا یہ سب اللہ کی جانب سے وصیت یعنی تاکیدی حکم ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ضرر دینے والے کو اور نہ دینے والے کو بڑا بردبار ہے سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

فائدہ

جاننا چاہیے کہ بھائی اور بہن تین طرح کے ہوتے ہیں۔

۱- سگے: جن کے ماں اور باپ دونوں ایک ہوں ان کو عینی اور بنوالاعیان کہتے ہیں۔

۲- سوتیلے: جو صرف باپ میں شریک ہو یعنی باپ تو ایک ہو اور ماں دو ہوں ان کو علاتی کہتے ہیں۔

۳- وہ سوتیلے: کہ جن کی ماں تو ایک ہو اور باپ دو ہوں ان کو اخیافی کہتے ہیں۔

اس آیت میں اس آخری قسم کا ذکر ہے جیسا کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ﴿وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ﴾ کے بعد "مِنَ الْاُمِّ" کا لفظ آیا ہے جس سے آیت کی تفسیر ہوگئی کہ اس جگہ کون سا بھائی اور بہن مراد ہے اور اسی پر سب کا اجماع ہے اور عینی اور علاتی بھائی بہنوں کی میراث کا حکم اس سورت کے آخر میں آئے گا۔

نکتہ

اخیافی بھائی بہن کو میت کی طرف جو نسبت ہے وہ صرف ماں کے واسطہ سے ہے اور ماں کا حصہ تہائی سے زیادہ نہیں لہٰذا وہ صرف اپنی ماں کا حصہ پانے کے مستحق ہیں اور اسی وجہ سے ذکور اور اناث میں کوئی فرق نہیں کیا گیا سب کا حصہ برابر رہا کیونکہ نسبت مذکور میں سب مساوی ہیں۔

تاکید اطاعت وتہدید بر معصیت

یہ تمام احکام اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں لوگوں کو چاہیے کہ ان حدود کے اندر رہیں اور ان سے باہر قدم نہ نکالیں اور جس طرح انسان کسی مکان کی حدود سے باہر نکل کر خطرہ میں پڑ جاتا ہے اسی طرح احکام الٰہی کی حدود سے باہر نکلنے میں جان اور ایمان کا خطرہ ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ایسے اشخاص۔ ہمیشہ ہمیشہ انہی باغوں میں رہیں گے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے کیونکہ جنت ہمیشگی کا گھر ہے اور اس کا آرام خالص ہے جس میں کسی قسم کے دکھ درد کا شائبہ بھی نہیں اور دنیا کی بڑی سے بڑی کامیابی آخرت کی کامیابی کے مقابلہ میں ہیچ ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدوں سے آگے بڑھے سو اس کو اللہ تعالیٰ آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلیل اور رسوا کرنے والا عذاب ہے یعنی ہمیشہ

کے لیے مصیبت اور ذلت میں گرفتار رہے گا۔

مسئلہ میراث انبیاء کرام علیہم الف الف صلوۃ والف الف سلام

بابت آیت [1] ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ الآیۃ

شیعہ کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے ترکہ میں سے جو ان کو اپنے والد محترم کی طرف سے پہنچتا تھا کوئی حصہ نہیں دیا اور عذر یہ کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے کہ یہ فرماتے تھے کہ ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے اور نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے حالانکہ یہ حدیث صریح نص قرآنی ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ کے خلاف ہے۔

اور یہ آیت عام ہے اس میں نبی اور غیر نبی کی کوئی تخصیص نہیں لہٰذا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی وارث نہیں اس آیت کی تکذیب کرنا ہے۔

نیز دوسری نصوص کے بھی خلاف ہے یعنی ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ﴾ اور آیت ﴿فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ۝ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ﴾ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بھی وارث ہوتے ہیں۔

جواب

۱۔ آیت ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ عام مخصوص البعض ہے جس سے بحکم حدیث نبوی "لا نرث ولا نورث" انبیاء کرام مخصوص ہیں اور چونکہ یہ حدیث صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے بلا واسطہ سنی اس لیے علم قطعی اور یقینی کو مفید ہے اور جو چیز نبی اکرم ﷺ سے بلا واسطہ سنی اس پر عمل کرنا قطعاً فرض ہے خواہ کسی اور سے اس حدیث کو سنے یا نہ سنے اور اسی پر شیعہ اور سنی تمام اہل اصول کا اجماع ہے اور متواتر اور غیر متواتر حدیث کی تقسیم ان لوگوں کے اعتبار سے ہے جنہوں نے اللہ کے نبی کو نہیں دیکھا اور دوسروں کے واسطہ سے حدیث سنی اور جس شخص نے خود اللہ کے نبی کو دیکھا اور بلا واسطہ ان سے حدیث سنی تو یہ حدیث کے اس کے حق میں متواتر سے بھی بالا اور برتر ہے بلکہ مشاہدۂ عینی سے بھی زیادہ قطعی اور یقینی ہے چونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو بلا واسطہ رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا اس لیے انہیں دوسروں سے تحقیق و تفتیش کی حاجت نہ تھی۔

نیز اس حدیث کے راوی صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نہیں بلکہ اس حدیث کو حضرت حذیفہ اور حضرت زبیر، حضرت ابودرداء اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عباس اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کیا ہے غرض یہ کہ حدیث تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں معروف و مشہور تھی اور درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی تھی اور حدیث متواتر سے قرآن کی تخصیص بالاجماع جائز ہے۔

اور آیت میراث میں حدیث نبوی سے تخصیص ایسی ہے جیسے ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ﴾ الخ کے

[1] دیکھو منہاج السنۃ للحافظ ابن تیمیہ از: ۲/ ۱۵۷-۱۶۳۔

عموم سے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے موالی مخصوص ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے موالی کو باوجود فقر وفاقہ کے زکوٰۃ اور صدقات کا لینا حرام ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آل محمد ﷺ کے لیے زکوٰۃ اور صدقہ کا مال حلال نہیں۔

آنحضرت ﷺ کی شان فقیری ودرویشی ضرب المثل ہے مگر حضور پرنور ﷺ بلاشبہ وریب آیت صدقات کے عموم سے مخصوص اور مستثنیٰ ہیں اور آیت صدقات کے عموم کی تخصیص انہی احادیث سے ثابت ہے جن میں زکوٰۃ وصدقات کا آل رسول پر حرام ہونا مروی ہوا ہے اسی طرح سمجھیے کہ جن احادیث میں یہ آیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی وہ تمام احادیث آیت میراث کی مخصص ہوں گی۔ دیکھو ہدیۃ الشیعہ، ص: ۳۱۰ مصنفہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ۔

۲- نیز آیت ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ﴾ کا سیاق وسباق اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم امتیوں ہی کے لیے ہے جیسا کہ گزشتہ آیات میں چار عورتوں کی تحدید اور مہر اور عدل بین النساء کا واجب ہونا یہ سب امتیوں کا حکم ہے نبی اکرم ﷺ پر ان میں سے کوئی شے واجب نہیں آیت ﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ﴾. اگرچہ عام ہے مگر بحکم آیت احزاب ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ﴾ نبی اکرم ﷺ اس چار کی تحدید سے مستثنیٰ ہیں سورۂ احزاب کی یہ آیت صراحۃً اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضور پرنور کے لیے چار عورتوں سے زیادہ بھی نکاح جائز ہے اور ﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ بظاہر اگرچہ عام ہے علی العموم سب پر مہر کے واجب ہونے کی دلالت کرتی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ اس حکم سے مخصوص اور مستثنیٰ ہیں جیسا کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت ﴿وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ﴾ اسی پر دلالت کرتی ہے کہ حضور پرنور ﷺ پر کسی قسم کا مہر واجب نہیں۔

اور آیت نساء بظاہر اگرچہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ سب عدل بین النساء واجب ہے مگر حسب ارشاد خداوندی ﴿تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ﴾ نبی اکرم ﷺ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

اسی طرح اگر حکم میراث سے بھی انبیاء کرام علیہم السلام مستثنیٰ ہوں تو کیا تعجب ہے مال وجائیداد میں میراث کا جاری ہونا امتیوں کا حکم ہے انبیاء کرام علیہم السلام اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

(۳)

۳- نیز آیت ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ﴾ میں باتفاق فریقین اور بہت سی تخصیص ہوئی ہیں چنانچہ کافر وارث نہیں ہوتا غلام وارث نہیں ہوتا قاتل مورث وارث نہیں ہوتا اور ان تخصیصات پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ آیت مذکورہ سے نہ متصل مذکور ہے نہ منفصل بجز اس کے کہ احادیث سے ان لوگوں کی تخصیص کی گئی تو پھر حدیث "ماترکنا صدقۃ" کا کیا قصور ہے کہ وہ آیت میراث کے لیے مخصص نہ ہو سکے۔

شیعہ، حدیث سے قرآن کریم کی تخصیص کرنے کی وجہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ پر معترض ہیں لیکن اپنے لیے اس کو جائز سمجھتے ہیں خود ان کے نزدیک اخبار آحاد سے قرآن کریم کی تخصیص ثابت ہے ان کا مذہب ہے کہ زمین میں زوجہ کو میراث نہیں پہنچتی

اور میت کے ترکہ میں سے قرآن اور تلوار انگشتری اور پہننے کے کپڑوں کا وارث صرف بیٹا ہے۔

نیز اگر آیت ﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ﴾ متروکۂ رسول کو بھی شامل ہو تو اسی متروکہ کو تو شامل ہوگی کہ جو مملوکۂ نبوی بھی ہو کیونکہ میراث تو اشیاء مملوکہ ہی میں جاری ہوتی ہے اور وقف کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی اور سب کو معلوم ہے کہ فدک منجملہ اموال فیٔ وقف تھا، مملوکۂ نبوی نہ تھا کیونکہ آیت ﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ الخ۔ اس پر صاف دلالت کرتی ہے کہ اموال بنی نضیرہ وفدو غیرہ وغیرہ سب کے سب من جملہ فیٔ کے تھے اور سب وقف تھے اور حضور پرنور ﷺ کا اپنی زندگی میں ان میں جو تصرف تھا وہ محض متولیانہ تھا نہ کہ مالکانہ کیونکہ ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ الی آخرہ سے صاف ظاہر ہے کہ مال فیٔ میں ذوی القربیٰ اور یتامیٰ اور مساکین اور فقراء مہاجرین اور انصار اور قیامت تک آنے والے مسلمان سب شریک اور حق دار ہیں جن کی تعداد معین نہیں اور نہ ہو سکتی ہے سو، اموال فیٔ کے مملوک ہونے کی کوئی صورت نہیں اور کتب شیعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ فدک منجملہ اموال فیٔ تھا۔

پس جب فدک مملوک ہی نہ ہوا تو وہ آیت ﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ﴾ کے عموم میں کیسے داخل ہوگا اور جس طرح مال غیر مملوک میں میراث جاری نہیں ہو سکتی اسی طرح اس میں ہبہ اور عطیہ بھی جاری نہیں ہو سکتا معلوم ہوا کہ اہل تشیع جو ہبۂ فدک کی روایت نقل کرتے ہیں وہ قطعاً غلط ہے اور بلاشبہ شیعوں کی ساختہ اور پرداختہ ہے۔

نیز جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ کا ترکہ ان کے قبضہ میں آیا تو انہوں نے اس میں سے نہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما کا حصہ دیا اور نہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے بعد ان کے بیٹوں کو اور نہ ازدواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اگر آپ کے ترکہ میں میراث جاری ہوتی تو یہ سب حضرات کیوں حق میراث سے محروم رہے جس طرح جناب سیدہ آپ ﷺ کے ترکہ کی حق دار تھیں اسی طرح یہ سب حضرات بھی اس کے حق دار تھے۔

حضرات شیعہ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ائمہ غصب شدہ چیز کو واپس نہیں لیتے اور باغ فدک چونکہ غصب ہو چکا تھا اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس میں تصرف مناسب نہ سمجھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے نزدیک جیسا باغ فدک غصب ہو چکا تھا اسی آپ کے نزدیک خلافت بھی غصب ہو چکی تھی تو پھر اس کی کیا وجہ کہ جناب امیر نے ایک ادنیٰ درجہ کی غصب شدہ چیز (باغ فدک) کو تو چھوڑ دیا اور خلافت جیسی کارآمد غصب شدہ چیز کو قبول کر لیا جس کے پیٹ میں لاکھوں باغ فدک سما جائیں اور پتہ بھی نہ چلے اور آیت ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ اور آیت ﴿فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ﴾ اس قسم کی آیات میں علم اور حکمت اور منصب نبوت کی وراثت مراد ہے دنیاوی ولی عہدی اور مالی وراثت مراد نہیں دیکھو۔ (اجوبہ اربعین: ۲ / ۶۵)

باتفاق اہل تاریخ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے جو مالی وراثت میں سب برابر کے مستحق تھے پس اگر آیت مذکورہ میں مالی وراثت مراد ہوتی تو حق تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کے سب بیٹوں اور وارثوں کے ذکر کو چھوڑ کر سلیمان علیہ السلام کی تخصیص نہ فرماتے اس لیے کہ مالی وراثت میں سب بیٹے برابر ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت نہیں۔

نیز مالی وراثت میں دنیا کہ تمام نیک و بد اپنے باپ کے مال کے وارث ہوتے ہیں اس میں کوئی فضیلت اور بزرگی نہیں جس کو حق تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے فضائل ومناقب میں بطور مدح ذکر فرمایا خدا تعالیٰ کو ایسی کیا ضرورت پیش آئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کے فضائل ومناقب میں باپ کی مالی وراثت کا ذکر کیا جس میں دنیا کے تمام نیک و بد شریک ہیں غرض یہ کہ آیت مذکورہ میں وراثت سے مالی وراثت مراد لینے کی صورت میں نہ تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخصیص کا کوئی فائدہ معلوم ہوتا ہے اور نہ اس سے ان کا کچھ فضل وکمال ظاہر ہوتا ہے بخلاف وراثت علم ونبوت سو اس صورت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا فضل وکمال بھی ظاہر ہوتا ہے اور ان کی تخصیص کی وجہ سے بھی ظاہر ہے کیونکہ علم ونبوت ایسی چیز نہیں کہ سب لوگ اس کے وارث ہوسکیں۔

اور علی ہذا، آیت ﴿هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾ میں بھی وراثت مالی مراد نہیں بلکہ علم نبوت کی وراثت مراد ہے اس لیے کہ اگر اس آیت میں وراثت سے مال کی وراثت مراد ہو تو یہ کلام محض لغو اور مہمل ٹھہرتا کیونکہ اس صورت میں الفاظ ﴿وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾ کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہوسکتی اگر آل یعقوب سے مراد نفس یعقوب ہو تو لازم آئے گا کہ یعقوب علیہ السلام کا مال زکریا علیہ السلام کے زمانہ تک بغیر تقسیم کے باقی رہا اور اس بات کو کوئی عاقل تسلیم نہیں کرسکتا کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام کا زمانہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ سے تقریباً دو ہزار سال برس پیچھے ہے اتنے عرصے تک ان کے مال کا بغیر تقسیم کے باقی رہنا قیاس میں نہیں آسکتا اور اگر آل یعقوب سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی جملہ اولاد ہو تو لازم آئے گا کہ یحییٰ علیہ السلام تمام زندہ اور مردہ بنی اسرائیل کے وارث ہوں اور یہ بات پہلی بات سے بھی زیادہ غیر معقول ہے اور اگر آل یعقوب سے بعض اولاد مراد ہو تو پھر یہ معلوم نہیں کہ وہ کون بعض مراد ہیں۔

نیز حضرت زکریا علیہ السلام جیسے پاک نفس کی نسبت جن کے دل میں دنیا کے مال ومتاع کی ایک مچھر کے برابر بھی وقعت نہ تھی وہ خدا تعالیٰ سے صرف اس لیے بیٹا مانگیں کہ ان کے بعد وہ ان کے مال ومتاع کا وارث ہوسکے اور مبادا ان کے چچازاد بھائی ان کے مال کے وارث نہ ہوجائیں اس بات کو کوئی عاقل ایک منٹ کے لیے بھی تسلیم نہیں کرسکتا کہ اللہ کا نبی مالی وراثت کی وجہ سے اس درجہ رنجیدہ اور غمگین ہو۔

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ

اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ لاؤ ان پر چار مرد اپنوں میں سے پھر اگر وہ

اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں، تو شاہد لاؤ ان پر چار مرد اپنے۔ پھر اگر وہ

شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ

گواہی دیویں تو بند رکھو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھا لیوے ان کو موت یا مقرر کر دے اللہ ان کے لئے کوئی

گواہی دے دیں تو ان کو بند رکھو گھروں میں، جب تک بھر لیوے ان کو موت یا کر دے اللہ ان کی کچھ

سَبِيلًا ⑮ وَالَّذٰنِ يَأْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَإِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۗ اِنَّ

راہ ف۱ اور جو دو مرد کریں تم میں سے وہی بدکاری تو ان کو ایذاء دو ف۲ پھر اگر وہ دونوں توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان کا خیال چھوڑ دو بیشک

راہ۔ اور جو دو کرنے والے کریں تم میں وہی کام، تو ان کو ستاؤ۔ پھر اگر توبہ کریں اور سنوار پکڑیں تو ان کا خیال چھوڑ دو۔

اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ⑯

اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ف۳

اللہ توبہ قبول کرتا ہے مہربان۔

حکم ہشتم در بارۂ تادیب زانیہ

قال تعالیٰ: ﴿وَالّٰتِيْ يَأْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ ... الى ... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں حدود اللہ سے تعدی کا قانون بیان فرمایا تھا اب اس قانون عام کے بعد اس کی بعض خاص صورتیں بیان فرماتے ہیں اور ان کی اصلاح کا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ منجملہ تعدی حدود اللہ ایک زنا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ تمہاری منکوحہ بیبیوں میں سے جو عورتیں بے حیائی کی مرتکب ہوں یعنی زنا کریں تو تم ان سے اس فعل پر اپنی جنس میں کے یعنی عاقل بالغ آزاد مذکر چار آدمی گواہ لاؤ پس اگر وہ چار آدمی ان پر اپنی چشم دید گواہی دے دیں اور اپنا عینی مشاہدہ بیان کر دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں محبوس اور بند رکھو کہ گھر سے باہر نہ نکلنے دو یہاں تک کہ موت ان کی عمر کو تمام کر دے یا مقرر کر دے اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی دوسری راہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا کہ جس عورت پر زنا کی شہادت گزر جائے اس کو گھر میں محبوس اور مقید رکھا جائے تا کہ وہ کسی سے میل جول نہ کر سکے اس وقت تک زانیہ کے لیے کوئی حد مقرر نہیں

ف۱ یتامیٰ اور مواریث کو بیان فرما کر اب دیگر احکام متعلقہ اقارب کو بتلایا جاتا ہے۔ پہلے عورتوں کے متعلق چند باتیں ارشاد ہوتی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کی تادیب اور سیاست ضروری امر ہے اور ان پر کسی قسم کی تعدی اور ظلم بھی نہ کیا جائے۔ اہل جاہلیت کے یہاں عورتوں کی بابت دونوں باتوں میں بہت بے اعتدالیاں ہوتی تھیں اور اس آیت میں تادیب کے متعلق حکم ہے کہ اگر کسی کی زوجہ کا مرتکب زنا ہونا معلوم ہو تو اس کے لئے چار گواہ مسلمانوں میں سے عاقل بالغ آزاد قائم ہونے چاہئیں اگر چار آدمی گواہی دیں تو اس عورت کو گھر میں مقید رکھنا چاہیے گھر سے باہر جانا اور کسی سے ملنا انتظاماً بالکل روک دیا جائے یہاں تک کہ وہ عورت مر جائے یا اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی حکم اور سزا مقرر فرمائے اس وقت تک زانیہ کے لئے کوئی حد مقرر نہیں فرمائی بلکہ اس کا وعدہ کیا چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد سورۂ نور میں اس کی حد نازل فرما دی کہ باکرہ کے لئے سو کوڑے اور ثیبہ کے واسطے سنگسار کرنا ہے۔

ف۲ یعنی وہ شخص خواہ وہ ایک مرد اور ایک عورت ہو خواہ دونوں مرد ہوں اگر فعل بد کریں تو ان کی سزا مجملاً ایذاء دینا ارشاد فرمایا۔ زبان سے ہاتھ سے بقدر مناسب ان کو تنبیہ و تادیب کرنے کا حکم ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت زنا اور لواطت دونوں کا یہی حکم تھا کہ حاکم اور قاضی کے نزدیک زجر و عبرت کے لئے جتنی سزا اور شتم و ضرب مناسب ہو، اتنی سزا دی جائے اس کے بعد حسب وعدہ حد زنا جب نازل ہوئی تو لواطت کیلئے کوئی جداحد بیان نہ فرمائی اس میں علماء کا اختلاف رہا کہ لواطت کی بھی وہی حد ہے جو زنا کے لئے بیان ہوئی یا لواطت کی وہی سزا باقی رہی جو پہلے تھی یا اس کی سزا تلوار سے قتل کرنا یا کسی دوسرے طریقہ سے مار ڈالنا ہے۔

فائدہ: اس آیت کو بہت سے علماء نے زنا پر حمل کیا ہے اور بعض نے لواطت پر اور بعض نے دونوں کو شامل رکھا ہے۔

ف۳ یعنی اس کے بعد اگر وہ بدکاری سے توبہ کر لیں اور آئندہ کو اپنے اعمال کی درستی کر لیں تو اب ان کے پیچھے مت پڑو اور زجر و ملامت سے ستانا چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے اور ان پر مہربانی فرمانے والا ہے تم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔

ہوئی تھی بعد چندے سورۂ نور میں حکم نازل ہوا کہ جو کنوارا یا کنواری ایسا فعل کرے تو اس کے سو دُرّے مارے جائیں اور جو بیاہا اور بیاہی جس کو محصن اور محصنہ کہتے ہیں ایسا فعل کریں تو اس کو سنگسار کیا جائے چنانچہ حضور پرنور ﷺ نے فرمایا "خذو اعنی خذو عنی قد جعل اللہ لھن سبیلا۔" (رواہ مسلم) یعنی لے لو مجھ سے یہ حکم یعنی جلد اور رجم کا اللہ نے عورتوں کی یہ راہ نکال دی ہے۔

فائدہ

چار گواہ لانے کا حکم اس لیے دیا کہ معاملہ سنگین اور نازک ہے نیز اس میں پردہ پوشی بھی ملحوظ ہے نیز زنا ایک مرد اور ایک عورت سے مل کر پایا جاتا ہے اور شہادت کے لیے کم از کم دو گواہ چاہئیں پس دو گواہ بلحاظ مرد کے اور دو گواہ بلحاظ عورت کی اس طرح چار ہو گئے۔ اور جو دو شخص تم میں سے بے حیائی کا ارتکاب کریں خواہ ایک مرد اور ایک عورت ہو یعنی زنا کریں یا دونوں مرد ہوں یعنی لواطت کریں تو ان کو مناسب سزا دو اور آزار پہنچاؤ یعنی ان کو عار دلاؤ اور برا بھلا کہو اور جوتے لگاؤ ابتداء میں یہی حکم تھا کہ حاکم اور قاضی زجر اور عبرت کے لیے جو اور جتنی سزا مناسب سمجھے وہ دے دے۔

اس کے بعد حسب وعدہ حد زنا کا حکم نازل ہوا لیکن لواطت کے لیے کوئی جدا حد نہیں بیان فرمائی اس لیے اس میں فقہاء کا اختلاف رہا کہ لواطت کی بھی وہی حد ہے جو زنا کی ہے کیونکہ لواطت بھی زنا ہی کے معنی میں ہے یا لواطت کی سزا تلوار سے قتل کرنا یا سنگسار کر دینا یا جلا دینا یا منارہ پر سے گرا دینا ہے کیونکہ لواطت کا جرم زنا سے بڑھ کر ہے اس لیے احادیث میں فاعل و مفعول کے قتل کا حکم آیا ہے اور لغت میں لواطت پر زنا کا اطلاق نہیں ہوتا اس وجہ سے لواطت کی سزا میں صحابہ کرام کا اختلاف ہے اگر لواطت بعینہ زنا ہوتی تو بالاتفاق لواطت میں حد زنا ہوتی۔

فائدہ

آیت ﴿وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ﴾ جمہور علماء کے نزدیک زنا کے بارہ میں ہے اور "واللذان" بمعنی دو شخص سے مرد اور عورت مراد ہیں اور تثنیہ مذکر کا صیغہ بطریق تغلیب لائے جیسا کہ شمس و قمر کو بطریق تغلیب قمرین کہتے ہیں اور بعض علماء کے نزدیک "واللذان" سے وہ دو شخص مراد ہیں جو قوم لوط جیسا فعل کریں اور بعض علماء کے نزدیک یہ آیت لواطت اور زنا دونوں کے حکم کو شامل ہے اس لیے کہ فاحشہ جیسے زنا کو کہتے ہیں ایسے ہی لواطت کو بھی فاحشہ کہتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے قوم لوط کے حق میں فرمایا ہے ﴿اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾۔ پس اگر آئندہ کے لیے یہ دونوں بدکار بدکاری سے توبہ کر لیں اور اپنی حالت کو درست کر لیں تو تم ان سے اعراض کرو نہ ملامت کرو اور نہ درپے ایذاء ہو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اور توبہ کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔

فائدہ:...... اس قسم کے احکام اسلام کی خصوصیت ہیں کہ جن سے زنا کا دروازہ ہی بند ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اسلام نے حجاب کا حکم دیا تاکہ انسان کی نگاہ بھی پاک اور محفوظ رہے مہذب قومیں جن میں بے حجابی ہے ان کو دیکھو کہ [illegible] بے حیائی اور بدکاری کا دروازہ کھلا ہوا ہے ایسی تہذیب تو قابل رجم (سنگساری) ہے [illegible]۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰٓئِكَ

توبہ قبول کرنی اللہ کو ضرور تو ان کی ہے جو کرتے ہیں برا کام جہالت سے پھر توبہ کرتے ہیں جلدی سے تو ان کو

توبہ قبول کرنی اللہ کو ضرور، سو ان کی عمل جو کرتے ہیں برا نادانی سے، پھر توبہ کرتے ہیں شتاب سے، تو ان کو

يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ

اللہ معاف کردیتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے حکمت والا ف۱ اور ایسوں کی توبہ نہیں جو کئے جاتے ہیں

اللہ معاف کرتا ہے۔ اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔ اور ان کی توبہ نہیں جو کرتے جاتے ہیں

السَّيِّئَاتِ ۚ حَتَّىٰٓ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْـَٰٔنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ

برے کام یہاں تک جب سامنے آجائے ان میں سے کسی کی موت تو کہنے لگا میں توبہ کرتا ہوں اب اور نہ ایسوں کی توبہ جو مرتے ہیں

برے کام۔ جب تک سامنے آئے ایسے کسی کو موت، کہنے لگا میں نے توبہ کی اب، اور نہ ان کو جو مرتے ہیں

وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰٓئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾

حالت کفر میں ان کے لئے تو ہم نے تیار کیا ہے عذاب دردناک ف۲

کفر میں۔ ان کے واسطے ہم نے تیار کی دکھ کی مار۔

ف۱ یعنی توبہ تو بیشک ایسی چیز ہے کہ زنا اور لواطت جیسے سنگین جرم بھی اس سے اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے جیسا کہ آیت سابقہ سے مفہوم ہوا لیکن اس کا بھی ضرور لحاظ رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے فضل سے قبول توبہ کا ذمہ لے لیا ہے وہ اصل میں ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو ناواقفیت اور نادانی سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کر لیتے ہیں مگر جب اپنی خرابی پر متنبہ اور مطلع ہوتے ہیں تو جب ہی نادم ہوتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں سو ایسوں کی خطائیں اللہ ضرور معاف فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ اس کو معلوم ہے کس نے نادانی سے گناہ کیا اور کس نے اخلاص سے توبہ کی، اور حکمت والا ہے جس توبہ کا قبول کرنا موافق حکمت ہوتا ہے اس کو قبول فرمالیتا ہے۔

فائدہ: قید جہالت اور قید قریب سے معلوم ہوگیا کہ جو شخص گناہ تو کرے نادانی سے اور تنبیہ کے بعد توبہ کرلے جلدی سے تو بقاعدہ عدل وحکمت اس کی توبہ مقبول ہونی ضروری ہے اور جس نے جان بوجھ کر دیدہ و دانستہ اللہ کی نافرمانی پر جرأت کی یا اطلاع کے بعد اس نے توبہ میں تاخیر کی اور پہلی ہی حالت پر قائم رہا تو بقاعدہ عدل وانصاف اس کی خطا اصل میں معافی کے قابل نہیں۔ اس کا قبول کرلینا اللہ تعالیٰ کا محض فضل ہے کہ اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ ان دونوں کی توبہ کو بھی قبول کرلیتا ہے۔ یہ اس کا احسان ہے مگر ذمہ داری صرف اول صورت میں ہے باقی میں نہیں۔

ف۲ یعنی اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برابر گناہ کئے جاتے ہیں اور باز نہیں آتے یہاں تک کہ جب موت ہی نظر آگئی تو اس وقت کہنے لگا کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ان کی توبہ قبول ہوگی جو کفر پر مرگئے اور اس کے بعد عذاب اخروی کو دیکھ کر توبہ کریں۔ ایسے لوگوں کے واسطے عذاب شدید تیار ہے۔ جاننا چاہیے کہ یہ دونوں آیتیں جو درباره قبول توبہ اور عدم قبول توبہ یہاں مذکور ہیں ہم نے جو ان کا مطلب بیان کیا یہ بعض اکابر محققین کی تحقیق کے موافق ہے اور اس میں یہ خوبی ہے کہ قید جہالت اور لفظ قریب دونوں اپنے ظاہری معنی پر قائم رہے اور علی اللہ کے معنی بھی سہولت سے بن گئے اور اس موقع پر قبول اور عدم قبول توبہ کے ذکر فرمانے سے جو مقصد ہے یعنی توبہ کیف ما اتفق مقبول نہیں اور توبہ کی چند صورتیں ہیں اور ان کی مقبولیت میں باہم فرق ہے تاکہ کوئی توبہ کے اعتماد پر معاصی پر جری نہ ہوجائے۔ یہ مقصد بھی اس صورت میں خوب حاصل ہوجاتا ہے۔ مگر مفسرین حضرات نے علی العموم جو ان آیتوں کا مطلب ارشاد فرمایا ہے تو قید جہالت کو احترازی اور شرطی نہیں لیتے بلکہ قید واقعی فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گناہ ہمیشہ جہل اور حماقت سے ہوتا ہے اور قریب کے معنی یہ لیتے ہیں کہ حضور موت سے پہلے جس قدر وقت ہے وہ قریب ہی ہے کیونکہ دنیا کی زندگی قلیل ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کا توبہ قبول فرمانے کا وعدہ ان سے ہے کہ سفاہت =

حکم نہم بیان شرائط قبول توبہ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ... الی... اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں یہ بیان فرمایا تھا کہ جو لوگ بدکاری کے مرتکب ہوں جب وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں تو ان کو کسی قسم کی ایذاء نہ دو اب اس آیت میں قبول توبہ کی شرط کو بیان فرماتے ہیں جز ایں نیست کہ قبول توبہ کا وعدہ حق تعالیٰ پر انہیں لوگوں کے لیے ہے جو برا کام کر بیٹھے ہیں نادانی کے ساتھ پھر اس پر اصرار نہیں کرتے بلکہ جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں یعنی وقت کے اندر حضور موت سے پہلے ہی پس ایسے ہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ توجہ فرماتا ہے اور ان کی توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والے اور حکمت والے ہیں خوب جانتے ہیں کہ کس نے اخلاص کے ساتھ حقیقۃً توبہ کی ہے اور حکمت والے ہیں کہ توبہ کے بعد سزا نہیں دیتے اور قبول توبہ کا وعدہ ان لوگوں کے لیے نہیں کہ جو متواتر گناہ کرتے ہیں یہاں تک کہ جب موت ان کے سامنے آ گئی اور عالم آخرت کی چیزیں ان کو نظر آنے لگیں تو کہنے لگے کہ اب میں نے توبہ کی اور نہ ان لوگوں کے لیے وعدہ ہے کہ جو کافر مرتے ہیں یعنی تادم مرگ تو کفر پر قائم رہے اور جب مرنے لگے اور احوال مرگ کے مشاہدہ سے آخرت کا یقین آ گیا اس وقت اپنے کفر سے توبہ کریں اور ایمان لائیں تو ان کی توبہ اور ایمان مقبول نہیں اس لیے کہ یہ توبہ اور ایمان اضطراری ہے اپنے ارادہ اور اختیار سے نہیں یا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ کفر کی حالت میں مرجائیں اگر وہ آخرت میں اپنے کفر سے توبہ کریں گے تو ان کی وہ توبہ قبول نہ ہوگی کیونکہ آخرت دار الجزاء ہے دار العمل نہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے پہلی آیت مومن عاصی کے بارہ میں ہے اور دوسری آیت کافر کے بارہ میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب موت سامنے آ کھڑی ہوئی اور آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اور ملک الموت اور اس عالم کی چیزیں نظر آنے لگیں تو ایسے وقت میں گنہگار مسلمان کی گناہوں سے توبہ اور کافر کی اپنے کفر سے توبہ مقبول نہیں اور اصل مقصود گنہگار مسلمان کو تنبیہ ہے کہ اپنے گناہوں سے جلد توبہ کر کافر کی طرح موت کا انتظار نہ کر۔

فوائد و لطائف

۱- ﴿بِجَهَالَةٍ﴾ کے ظاہری معنی ناواقفیت اور نادانی کے ہیں جس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ جو گناہ نادانی سے سرزد ہو جائے وہ توبہ سے معاف ہو جائے گا ورنہ نہیں مگر یہ مطلب یہاں مقصود نہیں اس لیے کہ تمام صحابہ ﷡ کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان سے جو گناہ بھی صادر ہو وہ جہالت اور نادانی ہی ہے خواہ عمداً ہو یا سہواً ہر معصیت جہالت میں داخل ہے اور اصطلاح

= اور عدم انجام بینی سے گناہ کر لیتے ہیں اور پھر موت کے آنے سے پہلے تائب ہو جاتے ہیں اور جو لوگ کہ موت کا مشاہدہ کر چکے اور نزع کی حالت کو پہنچ چکے یا جو لوگ کہ کفر پر مر چکے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی۔ اس تقریر کے موافق توبہ کرنے والوں کی وہ دو صورتیں ہیں جو تقریر اول میں مذکور ہوئیں شق اول یعنی قبول توبہ کے اندر شمار ہوں گی۔

فائدہ: جب موت کا یقین ہو چکے اور دوسرا عالم نظر آنے لگے تو اس وقت کی توبہ قبول نہیں اور عالم آخرت کے دیکھنے سے پہلے کی توبہ البتہ قبول ہوتی ہے، اتنا فرق ہے کہ حسب تقریر اول صورت اول میں تو قبول توبہ قاعدہ عدل و انصاف کے موافق ہے اور دوسری صورتوں میں قبول توبہ اس کا محض فضل

شرع میں ہر گنہگار کو جاہل اور نادان کہتے ہیں اور فراء [1] کہتے ہیں کہ ﴿بِجَهَالَةٍ﴾ سے یہ مراد ہے کہ ان لوگوں کو معصیت کی کنہ اور حقیقت اور اس کی عقوبت کا علم نہ تھا۔

اور زجاج کہتے ہیں کہ جہالت سے یہ مراد ہے کہ لذت فانیہ کو لذت باقیہ پر ترجیح دی۔

۲- من قریب کا ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ گناہ کے بعد فوراً توبہ کرے تو معاف ہوگا ورنہ نہیں سو جاننا چاہیے کہ یہ ظاہری مطلب مراد نہیں بلکہ حق تعالیٰ نے اپنی رحمت واسعہ سے بڑی وسعت عنایت فرمائی کہ انسان کی موت تک جس قدر بھی زمانہ ہے وہ سب قریب ہی میں شمار ہوگا کیونکہ جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہی ہے احادیث میں آیا ہے کہ جب تک غرغرہ کی حالت نہ پیدا ہو اس وقت تک توبہ قبول ہوتی ہے اور جب نزع روح شروع ہو جائے اور فرشتے وغیرہ دکھائی دینے لگیں اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی اس لیے کہ اس وقت ایمان بالغیب نہیں رہا۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ من قریب کے معنی یہ ہیں کہ دل میں گناہ کی محبت رچ جانے سے پہلے توبہ کر لے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ﴿بِجَهَالَةٍ﴾ اور ﴿مِن قَرِيبٍ﴾ کی قید جمہور کے نزدیک قید واقعی ہے احترازی نہیں مگر شیخ الہند رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ قید جہالت اور لفظ قریب دونوں کو اپنی ظاہری معنی پر رکھا جائے اور ﴿إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ﴾ میں بھی لفظ "عَلَى اللهِ" کو ظاہر پر رکھا جائے اور مطلب آیت کا یہ ہو کہ قبول توبہ کا وعدہ اور ذمہ ان لوگوں کے لیے مخصوص ہے کہ جو محض ناواقفیت اور نادانی سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ کر بیٹھتے ہیں مگر جب اپنی خرابی پر مطلع ہوتے ہیں تو جب ہی نادم ہو کر توبہ کر لیتے ہیں ایسے لوگوں سے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کی توبہ قبول ضرور فرمائے گا اور جو لوگ دیدہ و دانستہ گناہ کرنے کی جرأت کرتے ہیں یا متنبہ ہونے کے بعد بھی توبہ میں تاخیر کرتے ہیں تو اگرچہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی توبہ بھی اپنے فضل و احسان سے قبول کر لیتا ہے مگر ذمہ داری اور وعدہ نہیں جیسا کہ پہلے قسم کے لوگوں سے تھی خوب سمجھ لو کہ یہ مطلب نہایت لطیف ہے اے اللہ تو اپنی رحمت سے معصیت سے ہماری حفاظت فرما اور توبہ کی توفیق عطا فرما۔ آمین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا

اے ایمان والو حلال نہیں تم کو کہ میراث میں لے لو عورتوں کو زبردستی اور نہ روکے رکھو ان کو اس واسطے کہ لے لو

اے ایمان والو! حلال نہیں تم کو کہ میراث میں لے لو عورتوں کو زور سے۔ اور نہ ان کو بند رکھو، کہ لے لو

بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ

ان سے کچھ اپنا دیا ہوا مگر یہ کہ وہ کریں بے حیائی صریح ف۱ اور گزران کرو عورتوں کے ساتھ اچھی طرح

ان سے کچھ اپنا دیا، مگر کہ وہ کریں بے حیائی صریح۔ اور گذران کرو عورتوں کے ساتھ معقول۔

ف۱ حسب بیان سابق عورتوں کی بدافعالی کی بابت تادیب و سیاست کا حکم دے کر اب اہل جاہلیت کی اس ظلم و تعدی کو رد کیا جاتا ہے جو تعدی عورتوں پر وہ طرح طرح سے کیا کرتے تھے سو منجملہ ان صورتوں کے ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ جب کوئی مرجاتا تو اس کی عورت کو میت کا سوتیلا بیٹا یا بھائی یا اور کوئی وارث لے لیتا=

[1] قال الفراء معنی قولہ سبحانہ بجھالۃ انھم لا یعلمون کنہ ما فی المعصیۃ من العقوبۃ فقال الزجاج معنی ذلک اختیارھم=

فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿۱۹﴾

پھر اگر وہ تم کو نہ بھاویں تو شاید تم کو پسند نہ آوے ایک چیز اور اللہ نے رکھی ہو اس میں بہت خوبی ف ۱

پھر اگر وہ تم کو نہ بھاویں، تو شاید تم کو نہ بھاوے ایک چیز اور اللہ نے رکھی اس میں بہت خوبی۔

حکم دہم ممانعت ظلم برنسواں

قَالَ تَعَالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا... الی... وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾

ربط:...... اس آیت میں بھی من جملہ تعدی حدود اللہ کی ایک خاص صورت کو بیان فرماتے ہیں کہ عورتوں کا زبردستی مالک بن جانا یہ بھی حدود اللہ سے تجاوز کرنا ہے زمانۂ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ جب کوئی شخص بیوی چھوڑ کر مرجاتا تو اس کا سوتیلا بیٹا جو دوسری بیوی سے ہوتا یا کوئی اور وارث آ کر اس بیوہ عورت پر کوئی چادر یا کپڑا ڈال دیتا اور یہ کہتا کہ جس طرح میں میت کے مال کا وارث ہوں اسی طرح اس کی بیوہ کا بھی وارث ہوں اس کے بعد اگر وہ چاہتا تو بغیر مہر کے خود اس سے نکاح کر لیتا یا کسی اور سے نکاح کر دیتا مگر اس کا مہر خود لے لیتا یا نہ خود نکاح اور نہ کسی سے اس کو نکاح کرنے دیتا تاکہ وہ جب مالدار بیوہ مرجائے تو اس کے تمام مال پر قبضہ کر لے حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان تمام ناشائستہ افعال سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا اے ایمان والو تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کی جان ومال کے وارث بن جاؤ مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ تم عورت کو میت کا ترکہ سمجھ کر اس کے وارث بن جاؤ اور زبردستی اس سے نکاح کرلو یا کسی دوسرے سے نکاح کرادو اور اس کا مہر خود کھا جاؤ یا ان کو نکاح سے روک کے رکھو تاکہ جب وہ مرجائیں تو ان کے مال کے وارث ہو جاؤ اس آیت میں یہاں تک تو خطاب اولیاء میت یعنی وارثوں کو تھا اب آئندہ آیت میں شوہروں کی تعدی کے متعلق حکم ارشاد فرماتے ہیں اور عورتوں کو محض اس لیے تنگ نہ کرو کہ جو کچھ تم ان کو دے چکے ہو اس میں کا کچھ حصہ ان سے واپس لے لو یعنی تم کو اس کی اجازت نہیں کہ عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ کر ان کو ایسا تنگ کرو کہ وہ خلع کرنے پر مجبور ہو جائیں اور غرض صرف اس قدر ہو کہ جو مال تم اس کو مہر میں دے چکے ہو وہ خلع کے بہانہ سے پھر واپس لے لو مگر اس صورت میں کہ جب عورتیں کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں مثلاً زنا کریں یا بدزبانی یا نافرمانی کریں تو ایسی صورت میں تم کو حق پہنچتا ہے کہ ان کو خلع پر اور مہر کی واپسی پر مجبور کرو جیسا کہ

= پھر چاہتا تو اس سے نکاح کر لیتا یا بغیر نکاح ہی اپنے گھر میں رکھتا یا کسی دوسرے سے نکاح کر کے اس کا مہر کل یا بعض لے لیتا یا ساری عمر اس کو اپنی قید میں رکھتا اور اس کے مال کا وارث ہوتا۔ اس کی بابت یہ آیت نازل ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی مر جائے تو اس کی عورت اپنے نکاح کی مختار ہے میت کے بھائی اور اس کے کسی وارث کو یہ اختیار نہیں کہ زبردستی اپنے نکاح میں لے لے، نہ وہ عورت کو نکاح سے روک سکتے ہیں کہ وہ مجبور ہو کر خاوند کے ورثہ سے جو اس کو ملا تھا کچھ پھیر دے۔ ہاں اگر صریح بدچلنی کریں تو ان کو روکنا چاہئے۔

ف ۱ یعنی عورتوں کے ساتھ گفتگو اور معاملات میں اخلاق اور سلوک سے معاملہ رکھو۔ جاہلیت میں جیسا ذلت اور سختی کا برتاؤ عورتوں کے ساتھ کیا جاتا تھا اس کو چھوڑ دو۔ پھر اگر تم کو کسی عورت کی کوئی خو اور عادت خوش نہ آئے تو صبر کرو شاید اس میں کوئی خوبی بھی ہو اور ممکن ہے کہ تم کو ناپسند ہو کوئی چیز اور اللہ تعالیٰ اس میں تمہارے لئے کوئی بڑی منفعت دینی یا دنیاوی رکھ دے سو تم کو تحمل کرنا چاہیے اور بدخو کے ساتھ بدخوئی نہ چاہئے۔

= اللذۃ الفانیۃ علی اللذۃ الباقیۃ۔ روح المعانی: ۴/۲۴۳۔

سورۂ بقرہ میں گزرا ہے ﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ﴾ الآیۃ۔
یعنی زنا اور بدزبانی اور صریح نافرمانی کی صورت میں عورت کو مجبور کر کے مہر واپس لے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں جیسے آج کل
کی بعض آزاد عورتیں کہ جہاں چاہیں پھرتی ہیں ان کو خلع پر مجبور کرنا فقط جائز ہی نہیں بلکہ امید ہے کہ عند اللہ واجب ہی ہوگا
جب عورت کی آزادی سے نسب ہی مشتبہ ہوگیا تو نکاح سے کیا فائدہ ہوا اس کے بعد آئندہ آیت میں شوہروں کو حسن معاشرت
کا حکم دیتے ہیں اور فرماتے ہیں اور عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزران کرو یعنی حسن اخلاق کے ساتھ پیش آؤ اور نان
ونفقہ کی خبر گیری رکھو اور اگر کئی بیویاں ہوں تو عدل وانصاف کو ملحوظ رکھو پس اگر کسی وجہ سے تم ان کو ناپسند کرو تو صبر اور تحمل سے
کام لو شاید عورتوں کی کوئی چیز تم کو ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت سی خیر اور خوبی پیدا کر دے یعنی اگر تم کو کسی وجہ سے اپنی
بیویاں ناپسند ہوں تب بھی ان کے ساتھ حسن اخلاق اور خوبی اور نرمی کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیے شاید ان سے کوئی اولاد صالح
پیدا ہو جائے جو دنیا اور آخرت میں تمہارے کام آئے تو اس وجہ سے تمہاری کراہت ونفرت مبدل بہ محبت ہو جائے گی یا مثلاً
اگر بیوی کچھ بدصورت ہے مگر سیرت اور عادت کے لحاظ سے اچھی ہے تو اس کی ظاہری صورت پر نظر نہ کرو بلکہ اس کی سیرت پر
نظر کر کے حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ غرض یہ کہ اس آیت میں اس امر کی ہدایت کی گئی ہے کہ اگر کسی وجہ سے بیوی ناپسند ہو تو
اپنی طبیعت پر جبر کر کے صبر اور تحمل سے کام لو اگر ان میں کوئی چیز ناپسند ہو تو شاید کچھ خوبی بھی ہو اور اقل درجہ یہ ہے کہ صبر کا اجر تو
کہیں ضائع نہیں ہو سکتا۔

وَإِنْ أَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّآتَيْتُمْ إِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا

اور اگر بدلنا چاہو ایک عورت کی جگہ دوسری عورت کو اور دے چکے ہو ایک کو بہت سا مال تو مت پھیر لو

اور اگر بدلا چاہو ایک عورت کی جگہ دوسری عورت اور دے چکے ہو ایک کو ڈھیر مال، تو پھر نہ لو

مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهٗ بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِينًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهٗ وَقَدْ أَفْضٰى بَعْضُكُمْ

اس میں سے کچھ کیا لیا چاہتے ہو اس کو ناحق اور صریح گناہ سے ف۱ اور کیونکر اس کو لے سکتے ہو اور پہنچ چکا ہے تم میں کا ایک

اس میں سے کچھ۔ کیا لیا چاہتے ہو ناحق اور صریح گناہ سے ؟ اور کیوں کر اس کو لے سکو اور پہنچ چکے ایک

إِلٰى بَعْضٍ وَّأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴿۲۱﴾

دوسرے تک اور لے چکیں وہ عورتیں تم سے عہد پختہ ف۲

دوسرے تک، اور لے چکیں تم سے عہد گاڑھا۔

ف۱ اسلام سے پہلے یہ بھی ہوتا تھا کہ جب کوئی چاہتا کہ پہلی عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نکاح کرے تو پہلی عورت پر تہمت لگاتا اور مختلف طرح سے اس پر زیادتی اور سختی کرتا کہ مجبور ہو کر مہر واپس کر دے اور نکاح جدید میں کام آئے۔ یہ آیت اس کی ممانعت میں نازل ہوئی کہ جب پہلی عورت کو چھوڑ کر دوسری کرو اور پہلی عورت کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اب اس میں سے کچھ بھی واپس مت لو، کیا تم بہتان باندھ کر اور صریح ظلم کر کے زوجہ اولیٰ سے وہ مال لینا چاہتے ہو یہ ہرگز جائز نہیں۔

ف۲ یعنی جب مرد اور عورت نکاح کے بعد مل چکے اور صحبت کی نوبت آچکی تو اس کے معاوضہ میں تمام مہر دینا مرد پر واجب ہو چکا تو اب کس وجہ سے اس مہر کو =

تتمہ مضمون سابق

اوپر کی آیت میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ تمہاری بیویاں فحاشی کی مرتکب ہوں تو ان کو ضرر پہنچا کر خلع پر مجبور کرنا اور اس طرح ان سے دیا ہوا مہر واپس لے لینا روا ہے۔ اب اس آیت میں یہ فرمایا کہ اگر عورتیں بے قصور ہیں اور بدکار اور نافرمان نہ ہوں اور تم ان کو محض اپنی رغبت سے چھوڑنا چاہو تو پھر ان کو ستا کر اور تنگ کر کے اپنا دیا ہوا مہر، ان سے واپس لینا تمہارے لیے روا نہیں خواہ وہ دیا ہوا مہر کتنا ہی کثیر کیوں نہ ہو کیونکہ جب وہ بے قصور ہیں تو ان کو ایذاء پہنچانا حرام ہے زمانہ جاہلیت کا ایک دستور یہ بھی تھا کہ جب کوئی شخص اپنی عورت سے ناخوش ہوتا اور اسے چھوڑ کر دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہتا تو پہلی عورت پر جھوٹ موٹ کی تہمت لگاتا اور مختلف طریقوں سے اس کو ستاتا تاکہ مجبور ہو کر مہر واپس کر دے تاکہ یہ مہر جدید نکاح میں کام آئے اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی اور اگر تم محض اپنی رغبت سے ایک بیوی کی جگہ دوسری یعنی جو بیوی تمہارے نکاح میں ہے اور اس کا کوئی قصور نہیں تو اس کو محض اپنی طبعی رغبت کی بناء پر طلاق دے کر دوسری بیوی کرنا چاہو اور ان میں سے اس بیوی کو مال کا ایک خزانہ بھی دے چکے ہو تو تم اس دیئے ہوئے مال میں سے کوئی چیز واپس نہ لو کیا تم اس دیئے ہوئے مال کو تہمت لگا کر اور صریح گناہ کے ذریعہ واپس لینا چاہتے ہو۔ یعنی اگر تم بلا وجہ اور بے قصور پہلی بیوی سے مہر واپس لے لو گے تو یہ ناحق اور کھلا گناہ ہوگا اور بھلا تم اس دیئے ہوئے مہر کو کیسے اور کس طرح لیتے ہو حالانکہ ایک دوسرے سے خلوت اور تنہائی میں مل چکا ہے اور تمتع اور تلذذ سے کوئی مانع باقی نہیں رہا تو مہر تم پر واجب ہو چکا اب کس استحقاق سے تم اس کو ان سے واپس لیتے ہو اسی بناء پر امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ جب میاں اور بیوی ایک جگہ خلوت میں جمع ہو جائیں اور کوئی امر شرعی جماع سے مانع نہ رہا تو عورت کا پورا مہر مرد کے ذمہ واجب ہو جاتا ہے خواہ جماع متحقق ہو یا نہ ہو کیونکہ افضاء کے معنی فضاء یعنی خالی جگہ میں جانے کے ہیں معلوم ہوا کہ محض افضاء یعنی خلوت ہو جانے سے پورا مہر واجب ہو جاتا اور یہی جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کا مذہب ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک ہم بستری یعنی جماع کے بعد پورا مہر واجب ہوتا ہے اور اگر جماع سے پہلے طلاق دے دے تو اس کے ذمہ آدھا مہر واجب ہوگا تفصیل کے لیے ابو بکر رازی رحمہ اللہ کی احکام القرآن کو دیکھئے۔

اور علاوہ ازیں وہ عورتیں تم سے مضبوط اور پختہ عہد لے چکی ہیں عہد سے مراد ایجاب اور قبول ہے یعنی جب تم نے گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کیا اور مہر اور تمام حقوق اور لوازم نکاح کا التزام کر لیا جو بروئے نکاح تم پر عائد ہوتے ہیں پس اس عہد اور میثاق کے بعد مہر کا واپس لینا سخت بے مروتی اور عہد شکنی ہے اس آیت میں مہر واپس لینے کی حرمت کی دو علتیں بیان فرمائیں۔

■ واپس لے سکتا ہے اور در صورت مہر ادا نہ کرنے کے کیسے اس کے مہر کو دبا سکتا ہے اب تو بجز اس کے کہ عورت ہی اپنی خوشی سے معاف کر بیٹھے کوئی صورت رستگاری کی نہیں ہو سکتی اور وہ عورتیں تو بہت مضبوط اور کاڑھا اقرار تم سے لے چکیں جس کی وجہ سے وہ تمہارے قبضہ اور تصرف میں آ چکیں اور تم ان سے پورے متمتع ہو چکے نہیں تو تم کو ان پر تصرف کا کیا اختیار تھا۔ اب اس قدر تکمیل اور قبضہ کامل اور تصرف تام کے بعد عورتوں کے مہر کو واپس لینا یا ان کا مہر نہ دینا کیسے ہو سکتا ہے۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ جیسا مجامعت کے بعد تمام مہر زوج کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے، ایسا ہی اگر مجامعت کی تو نوبت نہ آئے مگر خلوت صحیحہ ہو گئی تو بھی پورا مہر واجب الادا ہوگا، ہاں اگر خلوت صحیحہ کی بھی نوبت نہ آئی اور زوج نے طلاق دے دی تو پھر نصف مہر ادا کرنا ہوگا۔

اول یہ کہ تم ایک دوسرے سے تنہائی اور خلوت میں مل چکے ہو اور جب مرد عورت تک پہنچ گیا اور جماع سے کوئی ممانعت باقی نہ رہا تو اس پر پورا مہر لازم ہوگیا۔

دوسری علت یہ بیان فرمائی کہ عورتیں ایجاب وقبول کے ذریعہ تم سے پختہ عہد لے چکی اور تمہاری ملک میں آ گئی ہیں بغیر تمہارے چھوڑے دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتیں پس اس پختہ عہد کے بعد ان سے مہر کو واپس لینا اس عہد کے خلاف ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً

اور نکاح میں نہ لاؤ جن عورتوں کو نکاح میں لائے تمہارے باپ مگر جو پہلے ہوچکا یہ بےحیائی ہے

اور نکاح میں نہ لاؤ جن عورتوں کو نکاح میں لائے تمہارے باپ، مگر جو آگے ہوچکا۔ یہ بےحیائی ہے

ع وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿٢٢﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ

اور کام ہے غضب کا اور برا چلن ہے ف۱ حرام ہوئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں

اور کام غضب کا۔ اور بری راہ ہے۔ حرام ہوئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں، اور بہنیں، اور پھوپھیاں

وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ

اور خالائیں اور بیٹیاں بھائی کی اور بہن کی ف۲ اور جن ماؤں نے تم کو دودھ پلایا اور

اور خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی، اور جن ماؤں نے تم کو دودھ دیا، اور

الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ

دودھ کی بہنیں ف۳ اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جن کو جنا ہے تمہاری ان عورتوں نے جن سے تم نے صحبت کی

دودھ کی بہنیں، اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں، جن عورتوں سے تم نے صحبت کی۔

ف۱ جاہلیت والے اپنی سوتیلی، ماں اور بعض دیگر محرمات سے بھی نکاح کرلیتے تھے جس کا تذکرہ ابھی گزرا، اس کی ممانعت کی جاتی ہے کہ جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح مت کرو یہ بےحیائی اور اللہ کے غضب اور نفرت کرنے کی بات ہے اور بہت برا طریقہ ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی سمجھدار لوگ اس کو مذموم سمجھتے تھے اور اس نکاح کو نکاح مقت اور اس نکاح سے جو اولاد ہوتی اس کو مقتی کہتے تھے۔ سو ایسے نکاح جو ہو چکے ہو چکے آئندہ کو ہرگز ایسا نہ ہو۔

فائدہ: باپ کی منکوحہ کا جو حکم ہے اسی حکم میں دادے اور نانے کی منکوحہ بھی داخل ہے کتنا ہی اوپر کا دادا اور نانا کیوں نہ ہو۔

ف۲ سوتیلی ماں کی حرمت بیان فرما کر اب جن عورتوں سے نکاح جائز نہیں ان سب کو بیان فرماتے ہیں وہ عورتیں چند قسم ہیں۔ اول انکو بیان کیا جاتا ہے جو علاقہ نسب کی وجہ سے حرام ہیں اور وہ سات ہیں ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی ان میں سے کسی کے ساتھ کسی کو نکاح کرنا جائز نہیں۔

فائدہ: ماں کے حکم میں دادی، نانی، اوپر تک کی سب داخل ہیں ایسے ہی بیٹی میں پوتی اور نواسی نیچے تک کی سب داخل ہیں اور بہن میں عینی اور علاتی اور اخیافی سب داخل ہیں اور پھوپھی میں باپ دادا اور اوپر تک کی پشتوں کی بہن سگی ہو یا سوتیلی سب آ گئیں اور خالہ میں ماں اور نانی اور نانی کی نانی سب کی بہن تینوں قسم کی داخل ہیں اور بھتیجی میں تینوں قسم کے بھائیوں کی اولاد اور اولاد الاولاد سب داخل ہیں اور بھانجی میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد اور اولاد الاولاد داخل ہیں۔

ف۳ محرمات نسبی کے بعد اب محرمات رضاعی کو بیان کیا جاتا ہے اور وہ دو ہیں، ماں اور بہن اور اس میں اشارہ ہے کہ ساتوں رشتے جو نسب میں بیان ہوئے۔ =

بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ

اور اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس نکاح میں اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری

پھر اگر تم نے صحبت نہیں کی، تو تم پر نہیں گناہ۔ اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری

مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا

پشت سے ہیں اور یہ کہ اکٹھا کرو دو بہنوں کو مگر جو پہلے ہوچکا بیشک اللہ بخشنے والا

پشت سے ہوں، اور یہ کہ اکٹھی دو بہنیں کرو، مگر جو آگے ہوچکا۔ اللہ بخشنے والا

رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

مہربان ہے ف ۱

مہربان ہے۔

حکم یازدہم تفصیل محرمات

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ... الی ... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾

ربط: ...... زمانہ جاہلیت میں نکاح کے معاملات میں سخت افراط وتفریط ہوتی تھی اور حدود اللہ سے تعدی میں گرفتار تھے بعض لوگ اپنے باپ کی منکوحہ یعنی سوتیلی ماں سے بھی نکاح کر لیتے اور بعض اپنے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کر لیتے اور بعض دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرتے اس لیے حق تعالیٰ نے ان آیات میں ان عورتوں کا ذکر فرمایا جن سے نکاح حرام ہے اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے باپ کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت اور ممانعت کو بیان فرمایا اور مت نکاح میں لاؤ ان عورتوں کو جن کو تمہارے آباء واجداد نکاح میں لا چکے ہیں لیکن جو ہو چکا سو ہو چکا اس پر کوئی مواخذہ نہیں کیونکہ جو چیز نہی اور ممانعت سے پہلے کی جا چکی ہے اس پر عذاب نہیں ہاں اگر آئندہ ایسا نکاح کرو گے یا ایسے نکاح پر قائم رہو گے اس پر سخت مواخذہ ہوگا

= رضاعت میں بھی حرام ہیں، یعنی رضاعی بیٹی اور پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی بھی حرام ہیں، چنانچہ حدیثوں میں یہ حکم موجود ہے۔

ف ۱ اب محرمات مصاہرت کا ذکر ہے یعنی علاقہ نکاح کی وجہ سے جن سے نکاح حرام ہوتا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں اول وہ کہ ان سے ہمیشہ کے لئے نکاح ناجائز ہے اور وہ زوجہ کی ماں اور اس زوجہ کی بیٹی ہے جس زوجہ سے کہ تم نے صحبت کی ہو لیکن اگر صحبت سے پہلے کسی عورت کو طلاق دے دو تو اس کی بیٹی سے نکاح ہوسکتا ہے اور تمہارے بیٹوں کی عورتیں ہیں اور اس میں نیچے تک کے پوتوں اور نواسوں کی عورتیں داخل ہیں کہ ان سے بھی تمہارا نکاح درست نہیں ہوسکتا۔ دوسری قسم وہ ہے کہ ان سے ہمیشہ کے لئے نکاح کی ممانعت نہ ہو بلکہ جب تک کوئی عورت تمہارے نکاح میں رہے اس وقت تک اس عورت کی ان قرابت والی عورتوں سے نکاح کی ممانعت رہی جب اس عورت کو طلاق دے دی یا وہ مرگئی تو ان سے نکاح درست ہوجائے گا اور وہ زوجہ کی بہن ہے کہ زوجہ کی موجودگی میں تو اس سے نکاح نہیں ہوسکتا اور بعد میں درست ہے اور یہی حکم ہے زوجہ کی پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی کا۔

فائدہ: یہ جو فرمایا کہ عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو کہ تمہاری پشت سے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے بیٹے یا پوتے نسبی ہوں منہ بولے یعنی لے پالک نہ ہوں جس کو متبنّٰی کہتے ہیں رضاعی سے احتراز نہیں اور اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کا یہ مطلب ہے، کہ زمانہ جاہلیت میں اس حکم سے پہلے جو دو بہنوں کو جمع کر لیتے تھے وہ معاف ہے اور فِیْ حُجُوْرِكُمْ فرمانے سے یہ مطلب ہے، کہ جن کو تم اپنی گود میں پالتے ہو اور ان کی پرورش کرتے ہو یعنی اولاد جیسا ان سے معاملہ کرتے ہو اور گویا اولاد ہی سمجھتے ہو اس سے ان کے نکاح کی حرمت اور ظاہر ہوگئی یہ مطلب نہیں کہ ان کی حرمت کے لئے گود میں رکھنا ضروری ہے۔

کیونکہ باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا سخت بے حیائی ہے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا اپنی ماں سے نکاح کرنے کے مشابہ ہے اور بڑا ہی مبغوض کام ہے۔ اہل مروت کی نظر میں یہ کام نہایت ہی معیوب اور غایت درجہ قبیح اور قابل نفرت ہے اسی وجہ سے اہل عرب اس لڑکے کو جو کہ باپ کی منکوحہ کے بطن سے پیدا ہوتا تھا "مقتی" کہتے تھے "مقت" کے معنی لغت میں سخت بغض کے ہیں اور نہایت ہی برا طریقہ ہے کہ باپ کی حرمت اور آبرو کو ملحوظ نہ رکھا کہ اس کی منکوحہ کو اپنے نکاح میں لے آیا۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرا ماموں میرے پاس سے گزرا اور اس کے پاس ایک جھنڈا تھا میں نے کہا کہ آپ کہاں جا رہے ہو تو یہ جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک آدمی کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے کہ اس کا سر اتار کر لاؤں۔ (رواہ احمد وابوداود والترمذی وغیرھم)

فائدہ

باپ کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت میں تین لفظ فرمائے ایک فاحشہ اور دوسرا مقت اور تیسرا ساء سبیلا۔ فاحشہ سے قبیح عقلی مراد ہے یعنی باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا عقلاً قبیح ہے اور مقتا سے قبیح شرعی مراد ہے یعنی شرعاً اور عند اللہ قبیح ہے موجب غضب خداوندی ہے اور ساء سبیلا سے قبیح عرفی مراد ہے یعنی برا طریقہ اور بری عادت ہے مطلب یہ ہوا کہ اس نکاح میں قبیح کی تمام مراتب جمع ہیں لہٰذا غایت درجہ قبیح ہوا اور ایسا شخص مستحق قتل ہوا۔

پھر جب باپ کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت بیان فرما چکے تو اب ان عورتوں کی تفصیل فرماتے ہیں جن سے نکاح حرام اور باطل ہے اور ان کی کئی قسمیں ہیں۔

قسم اول محرمات نسبیہ

یعنی جو عورتیں نسب میں شریک ہونے کی وجہ سے حرام ہیں وہ یہ ہیں۔ حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں یعنی تمہاری تمام اصول اور فروع عورتیں تم پر حرام ہیں خواہ وہ اصول وفروع بواسطہ ہوں یا بلاواسطہ اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری بہنیں خواہ وہ عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری پھوپھیاں یعنی باپ دادا کی بہنیں خواہ کتنے ہی درجہ اوپر کی ہوں اور خواہ وہ باپ دادا کی عینی یا علاتی یا اخیافی بہنیں ہوں اور نانا کی بہن بھی پھوپھی کے حکم میں ہے اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری خالائیں یعنی تمہاری ماں کی بہنیں خواہ وہ عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی اور حرام کی گئیں تم پر تمہارے بھائی کی بیٹیاں یعنی بھتیجیاں اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری بہن کی بیٹیاں یعنی تمہاری بھانجیاں یعنی جو عورتیں بھائی یا بہن کی نسل سے ہوں اور ان کا نسب بھائی یا بہن کی طرف منتہی ہوتا ہو وہ سب تم پر حرام ہیں۔

یہ سات قسمیں محرمات نسبیہ کی ہیں جو آدمی پر اس کے نسب میں شریک ہونے کی وجہ سے حرام ہیں اور ان کی حرمت تابیدی ہے یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان سے نکاح حرام ہے۔

قسم دوم محرمات رضاعیہ

اور حرام کی گئیں تم پر وہ رضاعی مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور ایسے ہی تمہاری رضاعی بہنیں بھی تم پر حرام کی

گئیں ہیں اس آیت میں خدا تعالیٰ نے صرف رضاعی ماؤں اور رضاعی بہنوں ہی کی حرمت کا ذکر کیا حالانکہ رضاعی نانیاں اور رضاعی پھوپھیاں اور خالائیں اور بھانجیاں اور بھتیجیاں بھی حرام ہیں مگر حق تعالیٰ نے صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت کے بیان پر اکتفا فرمایا تاکہ اس طرف اشارہ ہو کہ رضاعت بمنزلہ نسب کے ہے اور جو ساتوں رشتے نسب سے حرام ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہیں یعنی رضاعی بیٹی اور پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی بھی حرام ہے اور نبی اکرم ﷺ نے اس کی صراحت فرمادی کہ "یحرم من الرضاع مایحرم من النسب۔"

ف:...... اور دودھ پینا وہی معتبر ہے جو زمانہ شیر خوارگی میں پیا ہو۔

قسم سوم محرمات صہریہ

یعنی جن عورتوں سے علاقۂ نکاح کی وجہ سے نکاح حرام ہے اب ان کا ذکر فرماتے ہیں اور اس کی دو قسمیں ہیں اول وہ کہ ان سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے اور وہ زوجہ کی ماں یعنی ساس اور اس زوجہ کی بیٹی جو دوسرے شوہر سے ہو مگر شرط یہ ہے کہ تم نے اس زوجہ سے صحبت بھی کی ہو اگر صحبت سے پہلے ہی کسی عورت کو طلاق دے دو تو اس مطلقہ کی بیٹی سے نکاح ہو سکتا ہے یہ شرط بیوی کی بیٹی کے لیے ہے مگر بیوی کی ماں یعنی ساس کے لیے یہ شرط نہیں جس عورت سے نکاح کرلے خواہ اس سے ابھی صحبت نہ کی ہو صرف نکاح کرنے سے اس عورت کی ماں یعنی ساس ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جاتی ہے اور تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں ان سے بھی تمہارا نکاح کبھی درست نہیں ہوسکتا اور دوسری قسم وہ ہے کہ ان سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام نہیں بلکہ جب تک عورت تمہارے نکاح میں رہے اس وقت تک اس عورت کی قرابت والی عورت سے نکاح درست نہیں جیسے بیوی کی بہن کہ زوجہ کی موجودگی میں تو اس سے نکاح نہیں ہوسکتا البتہ زوجہ کی موت کے بعد یا اس کو طلاق دے دینے کے بعد اس کی بہن سے نکاح ہوسکتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور حرام کردی گئیں تم پر تمہاری بیویوں کی مائیں یعنی ساسیں اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہوں لیکن یہ حکم مطلقاً نہیں بلکہ اس میں یہ قید ہے کہ وہ لڑکیاں ان بیویوں سے ہوں کہ جن تم نے صحبت کی ہو یعنی کسی عورت کے ساتھ صرف نکاح کر لینے سے اس کی لڑکی (جو پہلے شوہر سے ہو) اس دوسرے شوہر پر حرام نہیں ہوجاتی بلکہ نکاح کے بعد اس عورت سے صحبت بھی کرلے تب اس پر بیوی کی لڑکی حرام ہوجاتی ہے پس اگر تم نے ان عورتوں سے صحبت نہیں کی صرف ابھی نکاح ہی ہوا ہے اور صحبت کی نوبت نہیں آئی تو ایسی عورتوں کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔

ف ۱:...... مرد کی بیوی کی لڑکی جو دوسرے خاوند سے ہو اس کو ربیبہ کہتے ہیں جس کی جمع ربائب ہے۔ اور ربائب کی صفت میں جو "**فی حجورکم**" کا لفظ آیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو تمہاری پرورش میں ہیں اور جن کو تم اپنی گود میں پالتے ہو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ ربیبہ یعنی عورت کے پہلے خاوند کی بیٹی تمہاری پرورش میں ہو تب تو اس سے تمہارا نکاح حرام ہے اور اگر تمہاری پرورش میں نہ ہوں تو نکاح حرام نہیں بلکہ ربیبہ سے ہر حال میں نکاح حرام ہے خواہ تمہاری پرورش میں ہو یا نہ ہو اور "**فی حجورکم**" کی قید واقعی ہے اکثر و بیشتر ربیبہ دوسرے شوہر کی پرورش میں رہتی ہے اور اس صفت کے بڑھانے میں

اشارہ ہے کہ وہ ربیبہ جو تمہاری گود میں پل رہی ہے وہ بمنزلہ تمہاری بیٹی کے ہے اس سے نکاح کرنا گویا بیٹی سے نکاح کرنا ہے ربیبہ سے نکاح کی حرمت ظاہر کرنے کے لیے "فی حجورکم" کی یہ قید بڑھائی گئی اور حرام کی گئیں ہیں تم پر تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں یعنی تمہارے حقیقی بیٹوں کی عورتیں تم پر حرام ہیں بشرطیکہ وہ بیٹے تمہارے صلب (پشت) سے ہوں یعنی متبنیٰ اور منہ بولے اور لے پالک نہ ہوں کیونکہ لے پالک بیٹے کے حکم میں نہیں اپنے لے پالک (متبنیٰ) کی بیوی سے طلاق کے بعد نکاح جائز ہے اور حرام کیا گیا تم پر دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا یعنی دو سگی یا رضائی بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا حرام ہے اگر ایک عورت نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی بہن سے نکاح کرنا حرام ہے ہاں اگر وہ مر جائے یا اس کو طلاق دے دیں تو اس حالت میں اس کی بہن یعنی اپنی سالی کے ساتھ نکاح میں مضائقہ نہیں اور اسی طرح ان دو عورتوں کا نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں جن میں اگر کسی ایک کو مرد فرض کیا جائے تو دوسری سے اس کا نکاح ناجائز ہو مثلاً ایک پھوپھی ہو اور ایک بھتیجی یا ایک خالہ ہو اور ایک بھانجی مگر جو اس حکم سے پہلے گزر چکا یعنی ممانعت سے پہلے جو تم اس قسم کے نکاح کر چکے ہو اس پر ہم تم سے مواخذہ نہیں کریں گے مگر آئندہ ہرگز ہرگز ایسے نکاح نہ کرو اور جو پہلے سے دو بہنیں تمہارے نکاح میں موجود ہوں تو ان میں سے دوسری کو جدا کر دو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ ممانعت سے پہلے جو کر چکے ہو اس پر مواخذہ نہیں کرتا کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کسی قوم کو گمراہ نہیں قرار دیتے جب تک ان کو کھول کر نہ بتلا دیں کہ فلاں سے چیز سے بچنا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ اور جب تک ہم رسول نہ بھیج دیں اس وقت تک ہم عذاب نہیں دیتے۔

❁❁❁

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ

اور خاوند والی عورتیں مگر جن کے مالک ہوجائیں تمہارے ہاتھ حکم ہو اللہ کا تم پر ف۱

اور نکاح بندھی عورتیں، مگر جن کے مالک ہوجاویں تمہارے ہاتھ۔ حکم ہوا اللہ کا تم پر

قسم چہارم شوہر والی عورتیں

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾

اور حرام کی گئیں تم پر شوہر دار عورتیں کہ جو کسی کے قید نکاح میں ہیں یعنی خاوند والی عورتیں تم پر حرام ہیں جب تک ان کے خاوند نہ مریں یا طلاق نہ دیں اور وفات یا طلاق کی عدت نہ گزر جائے تو دوسروں کو ان سے نکاح درست نہیں۔

ف ۲:...... خاوند والی عورتوں کو ﴿اَلْمُحْصَنٰتُ﴾ اس لیے فرمایا کہ لفظ "محصنات" حصن بمعنی قلعہ سے مشتق ہے یعنی جو عورتیں نکاح کے قلعہ میں مقید ہیں جب تک مالک دروازہ نہ کھولے اس وقت تک قلعہ سے باہر نہیں نکل سکتیں خاوند نے یا نکاح نے ان کو مقید کر رکھا ہے مگر وہ خاوند والی عورتیں جو جہاد میں قید ہو کر آئیں اور ان کے شوہر ان کے ساتھ نہ ہوں اور تمہارے ہاتھ ان کے مالک ہوجائیں تو ایسی شوہر والی عورتیں حکم سابق سے مستثنیٰ ہیں مسلمان جب دار الحرب میں رہ گیا ہو تو وہ عورت جس مسلمان کو غنیمت میں ملے گی وہ اس کے لیے حلال ہے اگرچہ اس کا شوہر دار الحرب میں زندہ موجود ہو اور اس نے طلاق بھی نہ دی اس لیے کہ وہ عورتیں غنیمت میں تقسیم ہوجانے کے بعد تمہاری مملوکہ بن گئیں تو اس سے ان کا سابق نکاح ختم ہو گیا اور اب وہ غیر منکوحہ ہو گئیں اور مجاہدین کے ملک میں داخل ہوجانے کی وجہ سے پہلا ازدواجی تعلق بالکل ختم ہو گیا۔

ف ۳:...... جو عورت کافرہ دار الحرب سے پکڑی ہوئی آئے اس کے حلال ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک حیض گزر جائے اور اگر حاملہ ہو تو وضع ہوجائے اس سے پہلے اس سے صحبت روا نہیں۔

شان نزول:...... صحیح مسلم میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوۂ اوطاس میں جو عورتیں قید ہو کر آئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم پر تقسیم کیا اور ان کے شوہر ان کی قوم میں تھے تو صحابہ کو ان عورتوں سے صحبت کرنے میں تردد ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو اس پر آیت نازل ہوئی یعنی ﴿وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ یعنی جن عورتوں کے تم مالک ہو گئے وہ تمہارے لیے حلال ہیں اگرچہ ان کے خاوند دار الحرب میں زندہ موجود ہیں۔ (تفسیر

ف۱ محرمات کو ذکر فرما کر اخیر میں اب ان عورتوں کی حرمت بیان فرمائی جو کسی کے نکاح میں ہوں یعنی جو عورت کسی کے نکاح میں ہے اس کا نکاح اور کسی سے نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ وہ بذریعہ طلاق یا وفات زوج، نکاح سے جدا نہ ہوجائے اور عدت طلاق یا عدت وفات پوری نہ کر لے اس وقت تک کوئی اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر کوئی عورت خاوند والی تمہاری ملک میں آ جاوے تو وہ اس حکم حرمت سے مستثنیٰ ہے اور وہ تم پر حلال ہے گو اس کا خاوند زندہ ہے اور اس نے طلاق بھی اس کو نہیں دی اور اس کی صورت یہ ہے کہ کافر مرد اور کافر عورت میں باہم نکاح ہو اور مسلمان دار الحرب پر چڑھائی کر کے اس عورت کو قید کر کے دار الاسلام میں لے آئیں تو وہ عورت جس مسلمان کو ملے گی اس کو حلال ہے گو اس کا زوج دار الحرب میں زندہ موجود ہے اور اس نے طلاق بھی نہیں دی۔ اب سب محرمات کو بیان فرما کر اخیر میں تاکید فرما دی کہ یہ اللہ کا حکم ہے اس کی پابندی تم پر لازم ہے۔

فائدہ: جو عورت کافرہ دار الحرب سے پکڑی ہوئی آئے اس کے حلال ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک حیض گزر جائے اور وہ عورت مشرک بت پرست نہ ہو بلکہ اہل کتاب میں سے ہو۔

قرطبی: ۱۲۱/۵) وهكذا رواه الامام احمد والترمذی والنسائی وابن ماجه (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۴۷۳)

اب ان سب محرمات کو بیان فرما کر اخیر میں بطور تاکید فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ حکم لکھ دیا ہے اس کی پابندی تم پر لازم ہے اور زجاج نے اس جملہ کے یہ معنی کیے ہیں کہ اللہ کی کتاب یعنی اس کے حکم کو اپنے اوپر لازم پکڑو یعنی اس کے حکموں پر چلو۔

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۚ فَمَا

اور حلال ہیں تم کو سب عورتیں ان کے سواء بشرطیکہ طلب کرو ان کو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو ف۱ پھر جس کو

اور حلال ہوئیں تم کو جو ان کے سوا ہیں، یوں کہ طلب کرو اپنے مال کے بدلہ قید میں لانے کو، نہ مستی نکالنے کو۔ پھر جو

اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا

کام میں لائے تم ان عورتوں میں سے تو ان کو دو ان کے حق جو مقرر ہوئے ف۲ اور گناہ نہیں تم کو اس بات میں کہ

کام میں لائے تم ان عورتوں میں سے ان کو دو ان کے حق جو مقرر ہوئے اور گناہ نہیں تم کو اس میں جو

تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

ٹھہرا لو تم دونوں آپس کی رضا سے مقرر کئے پیچھے بیشک اللہ ہے خبردار حکمت والا ف۳

ٹھہرا لو تم دونوں آپس کی رضا سے مقرر کئے پیچھے اللہ ہے خبردار حکمت والا۔

بیان شرائط نکاح

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ... الى ... إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾

ف۱ یعنی جن عورتوں کی حرمت بیان ہو چکی ان کے سوا سب حلال ہیں۔ چار شرطوں کے ساتھ اول یہ کہ طلب کرو یعنی زبان سے ایجاب و قبول دونوں طرف سے ہو جائے۔ دوسری یہ کہ مال یعنی مہر دینا قبول کرو۔ تیسری یہ کہ ان عورتوں کو قید میں لانا اور اپنے قبضہ میں رکھنا مقصود ہو صرف مستی نکالنا اور شہوت رانی مقصود نہ ہو جیسا کہ زنا میں ہوتا ہے یعنی ہمیشہ کے لئے وہ اس کی زوجہ ہو جائے چھوڑے بغیر کبھی نہ چھوٹے۔ مطلب یہ کہ کوئی مدت مقرر نہ ہو اس سے متعہ کا حرام ہونا معلوم ہو گیا جس پر اہل حق کا اجماع ہے۔ چوتھی شرط جو دوسری آیتوں میں مذکور ہے یہ ہے کہ مخفی طور پر دوستی نہ ہو یعنی کم سے کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کی گواہ ہوں اگر بدون دو گواہوں کے ایجاب و قبول ہو گا تو وہ نکاح درست نہ ہو گا زنا سمجھا جائے گا۔

ف۲ یعنی جس عورت سے نکاح کیا اور اس کے بعد زوج نے اس سے کسی مدت معین قلیل یا طویل تک نفع بھی حاصل کر لیا کم سے کم یہ کہ ایک ہی دفعہ وطی یا خلوت صحیحہ کی نوبت آئی تو اب اس عورت کا پورا مہر دینا لازم ہے بدون عورت کے بخشے کسی طرح چھوٹ نہیں سکتا۔ البتہ جب تک عورت بالکل کام میں نہ آوے اور زوج طلاق دے دے تو مہر مقررہ کا آدھا دینا ہو گا اور اگر عورت نے استماع سے پہلے کوئی ایسی بات کی کہ نکاح ٹوٹ گیا تو زوج کے ذمہ سے سب مہر اتر جائے گا کچھ دینا نہ پڑے گا۔

ف۳ یعنی اگر دونوں مہر مقرر کر لینے کے بعد کسی بات پر راضی ہو جائیں مثلاً عورت اپنی خوشی سے مہر میں سے کچھ کم کر دے یا مرد اپنی رضا سے مہر مقررہ سے کچھ زیادہ دے تو وہ مختار ہیں۔ اس میں کچھ گناہ نہیں۔ یہ نہیں کہ مہر مقررہ سے زوج کچھ کم دے یا عورت اس سے کچھ زیادہ لے تو ناجائز ہے۔ ہاں رضائے باہمی ضرور ہونی چاہئے۔ اخیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں اور ہر طرح کے نفع و نقصان کو خوب جانتا ہے اور جو حکم فرماتا ہے وہ سراسر حکمت آمیز ہوتا ہے اس کی متابعت میں تمہارے لئے دارین کی خوبی اور بہبودی ہے اور مخالفت میں سراسر نقصان اور خرابی ہے۔

ربط:...... یہاں تک محرمات کا بیان تھا اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ ان کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں یعنی ان سے نکاح کرنا تمہیں جائز ہے مگر چند شرائط کے ساتھ۔

۱- اول یہ کہ دونوں طرف سے طلب لسانی ہو یعنی ایجاب وقبول ہو۔

۲- دوم یہ کہ مال دینا یعنی مہر دینا قبول کرو۔

۳- تیسرے یہ کہ ان عورتوں کو اپنی قید نکاح میں لانا اور ہمیشہ ہمیشہ اپنے قبضہ میں رکھنا مقصود ہو صرف مستی نکالنا اور شہوت رانی مقصود نہ ہو یعنی ہمیشہ کے لیے وہ اس کی زوجہ ہو جائے بغیر اس کے چھوڑے نہ چھوٹے مطلب یہ کہ کوئی مدت مقرر نہ ہو مہینہ یا برس دن تک اس کے متعہ کا حرام ہونا معلوم ہو گیا جس پر تمام اہل حق کا اجماع ہے۔

۴- چوتھی شرط سورۂ مائدہ وغیرہ میں ذکر فرمائی کہ مخفی طور پر دوستانہ اور یارانہ نہ ہو یعنی کم از کم دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں اس معاملہ کے شاہد اور گواہ ہوں اور اگر بدون گواہوں کے ایجاب وقبول ہوا تو وہ نکاح نہیں ہو گا بلکہ زنا سمجھا جائے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور حلال کر دی گئیں تمہارے لیے وہ عورتیں جو ان محرمات مذکورہ کے سوا ہیں یعنی ان محرمات کے علاوہ اور سب عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے مگر چند شرائط کے ساتھ وہ یہ کہ تم اپنے مالوں کے بدلے ان کو اپنے نکاح میں لانا طلب کرو یعنی ایجاب وقبول بھی ضروری ہے اور مہر بھی ضروری ہے لفظ ابتغاء سے ایجاب وقبول مراد ہے اور باموالکم سے مہر کا قبول کرنا مراد ہے درانحالیکہ تم طالب عفت ہو اور بیوی بنا کر اس کو قید نکاح میں رکھنا اور اپنی شرمگاہ کو بدکاری سے محفوظ رکھنا مقصود ہو محض شہوت ران اور مستی نکالنے والے نہ ہو جیسے زنا اور متعہ میں شہوت رانی مقصود ہوتی ہے عفت اور پاکدامنی مقصود نہیں ہوتی پس جن عورتوں سے تم صحیح نکاح کر کے فائدہ اور نفع اٹھا چکے ہو اور صحبت کی لذت حاصل کر چکے ہو اور کم از کم خلوت سے لطف اندوز ہو چکے ہو تو ان عورتوں کا جو مہر مقرر ہوا ہے وہ ان کو دے دو مطلب یہ ہے کہ صحبت اور خلوت سے پورا مہر لازم ہو جاتا ہے ہاں اگر خلوت اور صحبت سے پہلے ہی مرد عورت کو طلاق دے دے تو پھر نصف مہر دینا ہو گا اور اگر عورت کوئی ایسا کام کر بیٹھے جس سے نکاح ٹوٹ جائے تو زوج کے ذمہ سے سارا مہر ساقط ہو جائے گا اور اس کو کچھ دینا نہیں پڑے گا اور تم پر اس بارہ میں کوئی گناہ نہیں کہ مہر مقرر کرنے کے بعد باہمی رضامندی سے مہر کی مقدار میں کچھ کمی اور زیادتی کر دو مثلاً عورت اپنی خوشی سے مہر کچھ کم کر دے یا مرد اپنی خوشی سے کچھ زیادہ دیدے تو اس میں کوئی حرج نہیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑا دانا اور حکمت والا ہے کہ جس نے ان سراپا حکمت ومصلحت احکام کو مشروع فرمایا اس کی متابعت میں تمہارے لیے خیر وبرکت ہے اور اس کی مخالفت میں سراسر خسران اور حرمان ہے۔

فائدہ:...... ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان محرمات مذکورہ کے سوا سب عورتوں سے نکاح جائز ہے حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ ان محرمات مذکورہ کے علاوہ اور بھی چند عورتیں ہیں جن سے نکاح حرام ہے سو جاننا چاہیے کہ وہ عورتیں درحقیقت باعتبار عموم اور اشارہ کے انہیں محرمات مذکورہ میں داخل ہیں اور احادیث نبویہ آیات قرآنیہ کی تفسیر ہیں پس وہ عورتیں درحقیقت ماسوا میں داخل ہی نہیں۔

لطائف و معارف

علماء اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ آیت ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ میں نکاح صحیح کے ذریعہ نفع اٹھانا مراد ہے اور اجورھن سے منکوحہ عورتوں کے مہر مراد ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ تم جن عورتوں سے نکاح کر کے خلوت یا صحبت کا نفع اٹھا چکے ہو تو ایسی عورتوں کا پورا مہر دینا تمہارے ذمہ واجب ہو گیا جیسا کہ دوسری جگہ ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ آیا ہے چنانچہ ﴿اُجُوْرَهُنَّ﴾ کے بعد فریضہ کا لفظ اس لیے بڑھایا گیا ہے کہ نکاح صحیح کے بعد اگر خلوت صحیحہ کی نوبت آ جائے تو جتنا مہر مقرر ہوا ہے وہ سارا دینا آئے گا اور اس آیت میں فریضہ کا لفظ ایسا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ﴾ اور اگر خلوت اور صحبت سے پہلے ہی ان کو طلاق دے دی ہو تو پھر تم پر پورا مہر واجب نہ ہوگا بلکہ نصف مہر واجب ہوگا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾ (شیعہ) کہتے ہیں کہ اس آیت میں استمتاع سے متعہ کرنا مراد ہے ﴿اُجُوْرَهُنَّ﴾ سے متعہ کا معاوضہ مراد ہے اور یہ آیت صراحۃً جواز متعہ پر دلالت کرتی ہے خصوصاً جب کہ پیشواء اہل سنت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ﴾ ﴿اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ کا لفظ آیا ہے جو صراحۃً تحدید مدت پر دلالت کرتا ہے جو متعہ میں ہوا کرتی ہے نہ کہ نکاح میں نیز لفظ ﴿اُجُوْرَهُنَّ﴾ بھی اسی طرف مشیر ہے کہ یہ عقدہ اجارہ ہے۔

جواب:......حق یہ ہے کہ یہ آیت تو صراحۃً اور علانیۃً متعہ کی حرمت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس آیت میں ﴿مِنْهُنَّ﴾ کی ضمیر انہی منکوحہ عورتوں کی طرف راجع ہے جن سے حق تعالیٰ نے ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ الخ میں نکاح کو حلال قرار دیا اور جن کی نسبت خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ تم ان کو اپنے مالوں کے بدلے طلب کرو اور پھر حلت نکاح کے لیے یہ شرط لگادی کہ ماسوا محرمات مذکورہ کے اور عورتوں سے نکاح اس شرط کے ساتھ حلال ہے کہ تم عفت اور احصان کے طالب ہو مستی نکالنے والے نہ ہو۔

پس جب خدا تعالیٰ نے صریح لفظوں میں مستی نکالنے کی ممانعت کر دی تو متعہ کی کہاں گنجائش رہی نکاح اور زنا میں یہی فرق ہے کہ نکاح سے مقصود نسل ہوتی ہے اور زنا سے محض شہوت رانی اور ظاہر ہے کہ زنا اور متعہ میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اولاد نہ زنا سے مقصود ہوتی ہے اور نہ متعہ سے دونوں کا مقصود شہوت رانی ہے جس کی خدا تعالیٰ نے ممانعت فرمادی۔

نیز آیت ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ﴾ گزشتہ آیت پر متفرع ہے جس میں نکاح اور شرائط نکاح کا بیان تھا یہ تفریع منکوحات سے متعلق ہے کوئی جدید حکم نہیں بلکہ حکم سابق کا جزء ہے کیونکہ ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ میں حلت نکاح کا بیان تھا جیسا کہ حرمت علیکم میں حرمت نکاح کا بیان تھا ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ﴾ اسی پر تفریع ہے جو اس امر کی صریح دلیل ہے کہ یہ کلام پہلے کلام سے متعلق ہے اگر یہ مستقل کلام ہوتا تو بجائے فاء کے واو لاتے نیز ﴿مِنْهُنَّ﴾ کی ضمیر انہی خاص نساء کی طرف راجع ہے جن کا نکاحی ہونا پہلی آیت میں بیان کیا گیا ہے مضمر کی ضمیر خاص مذکور ہی کی طرف راجع ہوتی ہے

معلوم ہوا کہ ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ﴾ میں نکاح صحیح کے ذریعہ استمتاع اور انتفاع مراد ہے شیعوں والے متعہ کا استمتاع اور انتفاع مراد نہیں ورنہ اول کلام اور آخر کلام میں تعارض لازم آئے گا کہ اول کلام میں تو نکاح اور شرائط نکاح کا ذکر ہو اور آخر کلام میں بلا شرط عورتوں سے نفسانی اور شہوانی انتفاع کی اجازت ہو اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ﴿إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ قراءت شاذہ ہے جو تفسیر کا حکم رکھتی ہے اور وجہ تفسیر کی یہ کہ ﴿إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ﴿اسْتَمْتَعْتُمْ﴾ کی غایت ہے اور لفظ اجل نکرہ ہے جو قلیل وکثیر سب کو شامل ہے ایک ساعت قلیلہ سے لے کر زمانہ دراز تک کو اجل کہہ سکتے ہیں اور استمتاع کے معنی انتفاع کے ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ نکاح صحیح کے بعد جس قدر اور جتنی مدت بھی تم کو استمتاع اور انتفاع کی نوبت آئے تو تم کو سارا مہر لازم ہوگا نکاح کے بعد جس شخص نے منکوحہ سے اجل طویل اور مدت دراز تک استمتاع اور انتفاع کیا ہو جس طرح اس پر پورا مہر واجب ہو جاتا ہے اسی طرح اس شخص پر بھی پورا مہر واجب ہوگا جس نے نکاح صحیح کے بعد اپنی منکوحہ سے استمتاع اور انتفاع قلیل کیا ہو یعنی بقدر خلوت صحیحہ اس سے منتفع ہوا ہو الغرض شیعہ الی اجل کو عقد کی انتہاء اور غایت سمجھ کر بہک گئے اگر استمتاع اور انتفاع کی غایت اور نہایت سمجھتے تو اس غلطی میں مبتلا نہ ہوتے اور ﴿اسْتَمْتَعْتُمْ﴾ میں تضمین معنی عقد کی ضرورت نہ پڑتی۔ دیکھو اجوبہ اربعین حصہ دوم، ص: ۷۳، مصنفہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ۔

شبہ:...... لفظ ﴿أُجُورَهُنَّ﴾ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اجرت دے کر مدت معینہ کے لیے استمتاع جائز ہو۔

جواب:...... اس شبہ کا یہ ہے کہ اس آیت کے متصل جو دوسری آیت ہے اس میں ارشاد ہے کہ ﴿وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا أَن يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُم بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾ آیا ہے اس آیت میں صراحۃً ذکر نکاح کے بعد ﴿أُجُورَهُنَّ﴾ کا لفظ موجود ہے اور ظاہر ہے کہ نکاح میں مدت محدود نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ لفظ ﴿أُجُورَهُنَّ﴾ تحدید مدت کو مقتضی نہیں پس اسی طرح آیت استمتاع میں بھی سمجھ لو کہ لفظ ﴿أُجُورَهُنَّ﴾ تحدید مدت کو مقتضی نہیں کہ شیعوں کی مطلب برآری ہو سکے اور مہر چونکہ درحقیقت عورتوں کے منافع کا عوض اور بدل ہے نہ کہ ان کی ذوات کا اس لیے اس کو اجر کہا گیا اور قرآن کریم میں متعدد جگہ اجر بمعنی مہر آیا ہے از انجملہ یہ آیت ہے ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾

جواب دیگر:...... نیز قراءت ﴿إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ میں برتقدیر ثبوت اجل مسمی سے موت مراد ہے یا "اجل مسمی فی علم اللہ" مراد ہے جو وقت طلاق وموت وغیرہ سب کو شامل ہے اور اجل معین فیما بین المتعاقدین مراد نہیں کہ جس سے متعہ مفہوم ہو سکے۔

جواب دیگر:...... اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ابی بن کعب کی یہ قراءت الی اجل مسمی صحیح ہے اور شاذ بھی نہیں اور آیت میں استمتاع سے متعہ ہی مراد ہے تو جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں متعہ مباح تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور آیات اور احادیث میں اس کی حرمت بتلادی گئی لہٰذا آیت استمتاع سے اگر جواز متعہ ہی مراد لیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ اس آیت میں

اس وقت کا حکم مذکور ہے کہ جب متعہ مباح تھا اور نسخ کے بعد یہ حکم باقی نہیں رہا۔ دیکھو منہاج السنۃ: ۲/۱۵۵ للحافظ ابن تیمیہ۔

"وقال سعید بن المسیب نسختها آیة المیراث اذ کانت لا میراث فیها۔"

''سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ متعہ کو آیت میراث نے منسوخ کر دیا جبکہ متعہ میں متاعی عورت کو میراث نہیں ملتی۔''

ابتداء اسلام میں کس قسم کا متعہ جائز تھا

حضرات شیعہ جس قسم کے متعہ کے جواز کے قائل ہیں وہ متعہ تو کسی دین میں کسی وقت بھی جائز نہیں ہوا اور نہ وہ متعہ ابتداء اسلام میں جائز تھا اس لیے کہ شیعوں کے متعہ اور زنا میں کوئی فرق نہیں اور زنا کسی دین میں کسی وقت بھی حلال نہیں ہوا تمام شریعتیں اور تمام ادیان زنا کی حرمت پر متفق ہیں۔

ابتداء عالم سے لے کر اس وقت تک اطراف عالم میں کسی دین میں آسمانی ہو یا زمینی سوائے مذہب شیعہ کے متعہ کا کہیں نام ونشان نہیں ملتا سوائے گرفتاران ہواء وہوس، کوئی ادنی حیاء والا بھی اس فحش صریح کی حلت کا تصور نہیں کر سکتا شیعوں کے نزدیک متعہ کی حقیقت یہ ہے کہ محرمات اور شوہر دار کے سوا جس کسی عورت سے جتنی مدت کے لیے چاہے جس قدر اجرت معینہ پر وہ راضی ہو سکے بلا گواہ وشاہد کے اس سے عقد کرے اور اس مدت مقررہ کے گزر جانے کے بعد بلا طلاق کے وہ خود ہی اس سے جدا ہو جاتی ہے اور جدائی کے بعد اس پر کسی قسم کی عدت نہیں اور یہ متعہ اہل تشیع کے نزدیک نکاح کی ایک قسم ہے اور اعلیٰ ترین عبادت ہے اور اہل سنت کے نزدیک متعہ صریح زنا اور کھلی بے حیائی ہے اور جو متعہ شروع اسلام میں جائز یعنی غیر ممنوع تھا اس کی حقیقت صرف نکاح موقت ہے یعنی ایک مدت معینہ کے لیے گواہوں کے سامنے ولی کی اجازت سے کسی عورت سے نکاح کیا جائے اور مدت معینہ گزر جانے کے بعد بلا طلاق کے مفارقت ہو جائے لیکن مفارقت کے بعد استبراء رحم کے لیے ایک مرتبہ ایام ماہواری یعنی ایک حیض کا آ جانا ضروری ہے تاکہ دوسرے نطفہ کے ساتھ اختلاط سے محفوظ رہے فقط یہ صورت ابتداء اسلام میں جائز تھی بعد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی باقی رہا متعۂ متعارف کہ کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہے کہ میں تجھ سے ایک دو روز کے متمتع ہوں گا اور اس ایک روز یا دو روزہ انتفاع کی تجھ کو اجرت دوں گا یہ صریح زنا اور عین زنا ہے متعہ کی یہ صورت کبھی بھی اسلام میں جائز اور مباح نہیں ہوئی تاکہ یہ کہا جائے کہ شروع میں جائز تھا اور بعد میں منسوخ ہو گیا بلکہ متعہ کی یہ صورت تو کسی دین میں بھی حلال نہیں اس لیے کہ متعہ کی یہ صورت تو صریح زنا ہے اور زنا کسی دین میں کبھی حلال نہیں ہوا۔

البتہ متعہ بمعنی نکاح موقت (یعنی مدت معینہ کے لیے گواہوں کی موجودگی میں ولی کی اجازت سے نکاح کرنا اور پھر مدت معینہ گزر جانے کے بعد ایک حیض عدت گزارنا اور بغیر ایک حیض آئے دوسرے مرد سے متعہ نہ کر سکنا)۔

اس قسم کا نکاح ایک برزخی مقام ہے یعنی ان قیود وشرائط کے ساتھ نکاح موقت، نکاح مطلق اور زنا محض کے درمیان ایک درمیانی درجہ ہے کہ جو نہ تو زنا محض ہے اور نہ نکاح مطلق ہے کہ جس میں عدت اور میراث ہو نکاح متعہ کی یہ

صورت حقیقی نکاح نہیں بلکہ نکاح حقیقی کے ساتھ صرف ظاہری طور پر مشابہ ہے کہ نکاح متعہ کی اس صورت میں گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول اور ولی کی اجازت ضروری ہے اور مرد سے علیحدہ ہوجانے کے بعد اگر دوسرے مرد سے متعہ کرنا چاہے تو جب تک ایک حیض نہ آجائے اس وقت تک دوسرے مرد سے متعہ نہیں کرسکتی اس لیے اس صورت کو محض زنا بھی نہیں کہا جاسکتا ایسے نکاح موقت میں (کہ جس میں ابتداء میں گواہی اور اذن ولی ضروری ہو اور انتہاء میں استبراء رحم کے لیے ایک حیض کا آنا ضروری ہو) اور نکاح صحیح وموبد میں صرف موقت اور موبد کا اور میراث اور عدم میراث کا فرق ہے باقی شرائط میں متفق ہیں۔

اور احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف نکاح موقت کی رخصت اور اجازت دی تھی اور متعہ کی اجازت نہیں دی تھی اور جس نے اس کو متعہ کہا تو وہ صرف مجازاً کہا ہے یا باعتبار مشابہت کے کہا ہے۔ امام قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”روی اللیث بن سعد ھن بکیر بن الاشج عن عمار مولی الشرید قال سألت ابن عباس عن المتعۃ أسفاح ھی ام نکاح قال لا سفاح ولا نکاح قلت فما ھی قال المتعۃ کما قال اللہ تعالیٰ قلت ھل علیھا عدۃ قال نعم حیضۃ قلت یتوارثان قال لا۔“ (تفسیر قرطبی: ۱۳۲/۵)

”امام لیث بن سعد بکیر بن اشج سے راوی ہیں کہ عمار مولائے شرید کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباس ؓ سے متعہ کے متعلق سوال کیا کہ متعہ زنا ہے یا نکاح فرمایا متعہ نہ زنا ہے اور نہ نکاح میں نے پھر سوال کیا کہ آخر وہ ہے کیا۔ فرمایا وہ متعہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر لفظ متعہ کا اطلاق کیا ہے میں نے سوال کیا کہ متعہ والی عورت پر عدت ہے فرمایا ہاں متعہ کی مدت گزر جانے کے بعد اس پر ایک حیض کا انتظار کرنا واجب ہے میں نے سوال کیا کہ کیا وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے فرمایا نہیں۔“

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ نکاح متعہ بمعنی نکاح مؤقت بشرائط مذکورۂ بالا ایک برزخی مقام ہے یعنی نکاح مطلق اور زنا محض کے درمیان ایک درمیانی درجہ ہے۔

ابتداء اسلام میں فقط اس قسم کا نکاح متعہ جائز تھا اور بایں معنی جائز اور مباح تھا کہ زمانہ جاہلیت کی رسم ورواج کے مطابق لوگ اس قسم کا متعہ کیا کرتے تھے اور شریعت میں اس نکاح متعہ یعنی نکاح مؤقت بشرائط مذکورۂ بالا کی ممانعت اور حرمت کا ابھی تک کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا جیسا کہ شراب اور سود کے ابتداء اسلام میں مباح اور حلال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ابتداء اسلام میں حق تعالیٰ کی طرف سے شراب اور سود کی ممانعت کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اور جن لوگوں نے حرمت اور ممانعت سے پہلے شراب پی یا سود لیا شریعت کی طرف سے ان پر کوئی حد جاری نہیں کی گئی اور نہ ان کو کوئی سزا دی گئی یہاں تک کہ شراب اور سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔

ابتداء اسلام میں شراب اور سود کے حلال ہونے کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ شریعت کی طرف سے اجازت تھی کہ جس کا جی چاہے شراب پیئے اور جس کا جی چاہے سود لے اسی طرح نکاح متعہ بمعنی نکاح مؤقت کے ابتداء اسلام میں جائز اور

مباح ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ابتداء اسلام میں نکاح متعہ کی ممانعت نہ تھی معاذ اللہ، اباحت کے یہ معنی نہیں کہ حضور پرنور ﷺ نے قولاً نکاح متعہ کی اجازت دی تھی نکاح متعہ کی حرمت کا پہلا اعلان غزوۂ خیبر میں ہوا اور پھر غزوۂ اوطاس میں اور پھر غزوۂ تبوک میں اور پھر حجۃ الوداع میں تاکہ عوام اور خواص کو اس کی حرمت کا خوب علم ہو جائے اور حضور پرنور ﷺ کا حرمت متعہ کے متعلق یہ بار بار اعلان اسی پہلی حرمت کی تاکید در تاکید کے لیے تھا کہ جو آپ ﷺ غزوۂ خیبر میں فرما چکے تھے کوئی جدید حکم نہ تھا باقی شیعوں والا متعہ شنیعہ کہ مرد عورت سے ایک دن یا دو دن کے لیے معاوضہ طے کر کے متمتع ہو تو یہ خالص زنا اور صریح بدکاری ہے یہ صورت کبھی بھی اور کسی وقت بھی اسلام میں جائز اور مباح نہیں ہوئی چہ جائیکہ منسوخ ہو جیسے زمانہ بھی مباح ہوا اور نہ منسوخ ہوا۔

دلائل تحریم متعہ

اب ہم اختصار کے ساتھ حرمت متعہ کے چند دلائل ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

دلیل اول:...... قال تعالیٰ: ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾ یعنی فلاح اور بہتری ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر صرف اپنی عورتوں پر اور اپنی باندیوں پر سو یہ لوگ قابل ملامت نہیں پس جو شخص اس کے سوا کوئی اور طریقہ نکالے تو ایسا شخص حدود شریعت سے تجاوز کرنے والا ہے اور ظاہر ہے کہ جس عورت سے متعہ کیا جائے اس کو نہ شیعہ زوجہ کہتے اور نہ ان کے مخالفین کے نزدیک وہ زوجہ ہے اس لیے کہ متعہ والی عورت کے لیے مرد کے ذمہ نہ نان ونفقہ ہے اور نہ سکنی (یعنی رہنے کا مکان) اور نہ اس کے لیے طلاق ہے اور نہ عدت ہے اور نہ میراث ہے اور نہ زن متعہ شرعاً لونڈی اور باندی ہے اور نہ بیع وشراء وہبہ اور عتق کے سب احکام جاری ہوتے ہیں جب یہ ثابت ہو گیا کہ زن متعہ نہ زوجہ ہے اور نہ باندی تو متعہ کرنے والی اور والا منجملہ ﴿فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾ یعنی حدود شرع سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہوں گے۔

دلیل دوم:...... ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ﴾ یعنی اگر تم کو یہ ڈر ہے کہ یتیم لڑکیوں کے بارہ میں تم عدل اور انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے ساتھ نکاح نہ کرو بلکہ دوسری عورتوں کے ساتھ نکاح کر لو جو تم کو پسند آئیں خواہ دو سے خواہ تین سے اور خواہ چار سے پس اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ چند عورتوں میں عدل اور انصاف نہ کر سکو گے تو صرف ایک عورت کے نکاح پر اکتفاء کر دیا اپنی شرعی مملوکہ باندی سے متمتع ہو اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ صرف چار عورت تک نکاح میں رکھنا جائز ہے اور ظاہر ہے کہ متعہ میں کسی عدد کی تعیین اور تحدید نہیں پس جس عورت سے متعہ کیا جائے گا وہ نہ تو وہ منکوحہ ہوگی اور نہ شرعی لونڈی ہوگی تو ضرور بالضرور وہ حرام ہوگی اس لیے کہ اباحت اور اجازت اس آیت میں صرف انہی دو قسموں میں منحصر ہے کہ منکوحہ ہو یا شرعی باندی ہو۔

دلیل سوم:...... قال تعالیٰ: ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ﴾ حق جل

شانہ نے گزشتہ آیات میں محرمات عورتوں کی تعداد بیان کی اب یہ بیان فرماتے ہیں کہ ان محرمات کے سوا دوسری عورتوں سے نکاح حلال ہے مگر چار شرط کے ساتھ اول یہ کہ طلب کرو یعنی زبان سے ایجاب وقبول کرو یہ مطلب ہے ﴿اَنْ تَبْتَغُوْا﴾ کا دوم یہ کہ مال دینا قبول کرو جیسے مہر کہتے ہیں یہ مطلب ہے ﴿بِاَمْوَالِكُمْ﴾ کا جس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں مہر ضروری ہے۔ سوم یہ کہ نکاح سے قید میں لانا مقصود ہو صرف آب ریزی یعنی فقط مستی نکالنا اور منی گرانا مقصود نہ ہو اور قید میں لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بلاشرکت غیرے اس مرد کی ہو جائے کہ بغیر اس کے چھوڑے ہوئے اس کی قید نکاح سے نہ نکل سکے اور اس کی قید نکاح میں ہوتے ہوئے عورت کسی سے راہ وربط نہ پیدا کر سکے مطلب یہ ہے کہ محرمات مذکورہ کے سوا اور عورتوں سے نکاح جب جائز ہے کہ مہر مقرر کرنے کے بعد نکاح سے غرض احصان (عفت) حاصل کرنا ہو اور عفت کے معنی اپنی شرمگاہ کو بدکاری سے اور نفس کو ملامت اور عذاب سے بچانے کے ہیں اور غیر مسافحین کے معنی یہ ہیں کہ مقصود شہوت رانی نہ ہو لفظ مسافحین ۔ سفح سے ماخوذ ہے جس کے معنی منی گرانے کے ہیں زنا سے یہی مقصود ہوتا ہے بقاء نسل مقصود نہیں ہوتا جیسا کہ ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود نکاح سے توالد اور تناسل ہے پس محصنین غیر مسافحین کی قید سے متعہ خود بخود باطل ہو گیا اس لیے کہ متعہ میں صرف مستی کا نکالنا اور منی کا گرانا مقصود ہوتا ہے عفت اور پاکدامنی مقصود نہیں ہوتی اور نہ وہ عورت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے ہر ہفتہ اور ہر مہینہ جدید آشنا کے پاس ہوتی ہے اسی وجہ سے شیعہ مذہب کا یہ فتویٰ ہے کہ جس شخص نے متعہ کیا ہو مگر نکاح نہ کیا ہو تو ایسا شخص اگر زنا کر بیٹھے تو اس پر رجم نہیں اس لیے کہ رجم کے لیے احصان شرط ہے جو نکاح سے حاصل ہوتی ہے متعہ سے حاصل نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ متعہ میں شیعوں کے نزدیک بھی احصان حاصل نہیں ہوتا۔

چہارم:...... یہ ہے کہ علی الاعلان گواہوں کے سامنے ہو پوشیدہ طور پر نہ ہو جیسا کہ سورۂ مائدہ میں ہے ﴿وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ﴾ یعنی اور خفیہ اور پوشیدہ طور پر آشنائی کرنے والی نہ ہوں یہی شرط (یعنی گواہوں کے سامنے ہونا) نکاح اور زنا کے درمیان فرق کرتی ہے نکاح گواہوں کے سامنے علی الاعلان ہوتا ہے اور زنا میں مخفی تعلقات ہوتے ہیں۔ الحاصل جب یہ چار شرطیں پائی جائیں گی تب جماع حلال ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ شرطیں متعہ میں نہیں پائی جاتیں اس لیے متعہ حلال نہیں ہو سکتا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ محرمات مذکورہ کے علاوہ جو عورتیں باقی ہیں وہ کیف ما اتفق حلال نہیں بلکہ بشرط ارادۂ احصان حلال ہیں۔

اور احصان کے لغوی معنی حفظ کے ہیں اور اصطلاح میں خاوند کا اپنی عورت کو ننگ وناموس کی خاطر غیر مرد سے محفوظ رکھنے کا نام احصان ہے اور ننگ وناموس سے مراد یہ ہے کہ اس کا نسب اختلاط سے محفوظ رہے اور شریعت میں عدت کا حکم اسی اختلاط نسب سے حفاظت کے لیے ہے۔

دلیل چہارم:...... قال تعالیٰ: ﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ یعنی جو لوگ نکاح کرنے کا مقدور نہیں رکھتے ان کو چاہیے یعنی جو مہر اور نفقہ دینے کی طاقت نہیں رکھتے ان کو چاہیے کہ اپنی عفت اور پاکدامنی کو تھامے رکھیں اور اپنی عفت اور پاکدامنی کے تھامنے میں تکلیف کو گوارا کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل

سے غنی کر دے اور سامان نکاح (مہر ونفقہ) کی قدرت دے دیں۔

پس اگر متعہ جائز ہوتا تو کسی عورت کو ایک رات کے دو چار روپیہ دے کر اور دو چار مرتبہ جماع کر کے فراغت کر لیتے اور عفت اور پاکدامنی کی حفاظت اور تھامنے میں کسی تکلیف اور رنج اٹھانے کی ضرورت نہ ہوتی معلوم ہوا کہ عفت اور پاکدامنی کے بچانے اور تھامنے کے لیے سوائے اس کے کوئی صورت نہیں کہ جب تک نکاح کی استطاعت میسر نہ آئے اس وقت تک تکلیف برداشت کرے اور روزہ اور صبر سے اپنی پاکدامنی کو تھامے رکھے۔

دلیل پنجم- حرمت متعہ کی ایک وجدانی دلیل

ہر شریف الطبع اور باغیرت انسان اپنے اور اپنی بیٹی اور اپنی بہن کے نکاح کے اعلان کو فخر سمجھتا ہے اور غایت مسرت اور انبساط کے ساتھ دلیمہ نکاح پر اقارب اور احباب کو مدعو کرتا ہے بخلاف متعہ کے کہ اس کو چھپاتا ہے اور اپنی بیٹی اور بہن اور ماں کی طرف متعہ کی نسبت کرنے سے عار محسوس کرتا ہے آج تک کسی ادنیٰ غیرت مند بلکہ کسی بے غیرت کے متعلق بھی یہ نہیں سنا گیا کہ اس نے کسی مجلس میں بطور فخر یا بطور ذکر ہی یہ کہا ہو کہ میری بیٹی اور میری بہن اور میری ماں نے اتنے متعے کیے ہیں نیز تمام عقلاء نکاح پر مرد اور عورت کو اور اس کے والدین کو مبارک باد دیتے ہیں مگر متعہ کے متعلق کہیں مبارک باد دیتے نہیں سنا۔

نیز نسب اور مصاہرت تمام عقلاء کے نزدیک ایک عظیم نعمت ہے جیسا کہ آیت قرآن واقعہ سورۂ فرقان ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا﴾ اس کی شاہد عدل ہے اور متعہ میں انسان ان دونوں نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے نہ نسب ہی ثابت ہوتا ہے اور نہ مصاہرت جس طرح انسان زنا میں ان دو نعمتوں سے محروم رہتا ہے اسی طرح متعہ میں بھی محروم رہتا ہے پس جس جس طرح محرومی نعمت میں متعہ اور زنا برابر ہیں اسی طرح حرمت میں بھی دونوں برابر ہیں۔

تحقیق مذہب ابن عباس رضی اللہ عنہما در بارہ متعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اولاً حلت متعہ کے قائل تھے وجہ اس کی یہ تھی کہ ان کو متعہ کے حرام ہونے کی اطلاع نہ تھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت اور نصیحت سے جب اس کی حرمت پر مطلع ہوئے تو رجوع کیا اور یہ فرمایا: "اللھم انی اتوب الیك من قولی بالمتعة وقولی فی الصرف کما ذکرہ صاحب الکشاف وغیرہ من المفسرین وذکرہ الامام الرازی فی تفسیرہ: ۲۰۰/۳۔

سبب عدم اطلاع ابن عباس رضی اللہ عنہما تحریم متعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تحریم متعہ پر مطلع نہ ہونا مستبعد نہیں جن لوگوں کی نظر اس بات پر جاتی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب خاص اور مقام باختصاص حاصل تھا ان کو مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو تحریم متعہ کی اطلاع کیسے نہ ہوئی لیکن یہ حضرات اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کمیت عمر اور تعداد ایام سکونت کا لحاظ کرتے تو یہ استبعاد نہ ہوتا حقیقت حال یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہجرت مدینہ سے ایک دو سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور آٹھ نو برس کی

عمر تک اپنے والد بزرگوار کے ساتھ مکہ میں رہے جہاں احکام شرعیہ کی اطلاع نہیں پہنچی تھی جب آنحضرت ﷺ غزوۂ فتح کے لیے ہجرت کے آٹھویں سال مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے تو ادھر مکہ سے آنحضرت ﷺ کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ مع اہل وعیال کے ہجرت کے لیے مدینہ روانہ ہوئے راستہ میں جب آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو تو اپنے ہمراہ لے لیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اہل وعیال کو جن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی تھے ان سب کو مدینہ بھیج دو۔ حسب الحکم حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اور سب ذریات اور مستورات کو مدینہ روانہ کر دیا اور خود آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے اور غزوۂ خیبر جس میں تحریم متعہ واقع ہوئی تھی وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مدینہ آنے سے دو سال پہلے ہو چکا تھا ان کو تحریم متعہ کی اطلاع کیسے ہوتی اور غزوۂ اوطاس کے بعد جو تحریم متعہ کا اعلان ہوا وہ فتح مکہ کے کچھ دن ہی بعد ہوا ابن عباس رضی اللہ عنہما اس میں شریک نہ تھے غرض یہ کہ ان غزوات میں جو واقعات پیش آئے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بذات خاص ان کی کچھ بھی خبر نہ تھی صرف دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی زبانی ان دو غزوں کا حال معلوم ہوا اور ہجرت کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما صرف دو سال صحبت نبوی میں رہے مستفیض ہوئے اور اس عرصہ میں کوئی واقعہ متعہ پیش نہیں آیا اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو تحریم متعہ کی کوئی خبر نہیں ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب مسئلہ زیر بحث آیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا کہ فلاں فلاں آیات قرآنیہ سے متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے معلوم ہوا کہ غزوۂ اوطاس میں متعہ کی اباحت واقع ہوئی تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ سمجھا کہ شدید ضرورت کے وقت فقط رفع ضرورت کی غرض سے فقط سفر میں متعہ حلال کیا گیا اور جب اشد ضرورت نہ ہو تو اس وقت بمقتضائے آیات قرآنیہ متعہ حرام ہے پس اباحت کو وقت ضرورت پر حمل کیا اور تین دن کے بعد جو متعہ حرام کیا گیا تو اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انقطاع رخصت بارتفاع ضرورت پر حمل کیا یعنی یہ سمجھا کہ ضرورت باقی نہیں رہی اس لیے متعہ حرام ہو گیا اور ہر حلال میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے متعہ حرام نہیں ہوا یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تین دن کے بعد کی تحریم کو تحریم مؤبد نہ سمجھا بلکہ انقطاع رخصت بارتفاع ضرورت پر حمل کیا۔

معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مذہب کی بناء پر اجتہاد پر تھی کہ جو مجموعۂ آیات اور قصۂ اوطاس پر نظر کر کے فرمایا۔

لیکن حقیقۃ الامر یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس اجتہاد میں خطا واقع ہوئی چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا علم ہوا تو یہ فرمایا۔

انك رجل تاءة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن المتعه"

"تحقیق تو مرد متحیر ہے تحقیق رسول اللہ ﷺ نے متعہ سے منع فرمایا ہے۔"

اس کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مابین عبداللہ بن عباس وعبداللہ بن زبیر ودیگر صحابہ کبار رضی اللہ عنہم بار بار مکالمہ اور مباحثہ ہوا اور روایات حرمت ابدیہ پیش ہوئیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حلت عند الضرورت سے رجوع فرما لیا اور تحریم مؤبد کے قائل ہوئے جیسا کہ جامع ترمذی کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے۔ عن ابن عباس انما كانت المتعة في اول الاسلام كان الرجل يقدم البلدة ليس له بها معرفة فيتزوج المراة بقدر مايرى انه يقيم

فتحفظ له متاعه وتصلح له شيه حتى اذا نزلت ﴿إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾ الآية۔ قال ابن عباس فكل فرج سواهما حرام۔

حاصل یہ ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ابتداء میں متعہ کو میتہ کی طرح حالت اضطرار میں جائز بتلاتے تھے پھر جب مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے تحریم کی احادیث کا علم ہوا تو اخیر میں اس سے بھی رجوع فرمایا کیونکہ عبداللہ بن زبیر وغیرہ بحث کرنے کے بعد یہ معلوم ہوگیا کہ یہ حکم منسوخ ہے اس لیے اپنے سابق فتوے سے رجوع کیا اور علیٰ ہذا جو حضرات لاعلمی کی وجہ سے جواز متعہ کے قائل تھے جب ان کو نسخ کا علم ہوا تو سب نے اپنے قول سے رجوع کرلیا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین کا حرمت متعہ پر اجماع ہوگیا۔

اطلاع:...... ناظرین کرام کو تحریم متعہ کی اگر مزید تفصیل درکار ہو تو سیرۃ المصطفیٰ جلد سوم مؤلفہ ناچیز میں غزوۂ خیبر کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:...... شبہ یہ ہے کہ سورۂ مومنون اور سورۂ معارج کی آیت جس سے متعہ کی حرمت ثابت ہوگئی وہ مکی ہے اور تحریم مدینہ میں واقع ہوئی سب سے پہلے جو حرمت متعہ کا اعلان ہوا وہ غزوہ خیبر میں ہوا ہے جو ۷ ھ میں پیش آیا۔

جواب:...... بعض آیات سے بعض احکام بطور اشارہ مفہوم ہوتے پھر جب اللہ کا ارادہ ہوتا ہے کہ یہ حکم واضح کردیا جائے تو آنحضرت ﷺ پر اللہ کی وحی نازل ہوجاتی ہے کہ آپ ﷺ اس حکم کو لوگوں کے سامنے صاف طور پر بیان کردیں اور صراحت اور وضاحت کے ساتھ اس کو بتلادیں۔ اس وقت وہ حکم اس آیت سے صراحۃً معلوم ہوجاتا ہے اور عوام اور خواص اس کے مکلف بن جاتے ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوتا ہے وہ حکم عام طور پر واضح اور ظاہر نہ ہو اس وقت تک اس کے واضح اور ظاہر کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ پر وحی نازل نہیں ہوتی اگرچہ خواص اور اذکیاء نے بطور اشارہ اس حکم کو سمجھ لیا ہو مگر عام طور پر عام لوگ اس کے مکلف نہیں ہوتے جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا﴾ اور بناتے ہو تم اس انگور سے نشہ والی چیز اور رزق حسن یعنی عمدہ روزی۔

حق تعالیٰ نے اس آیت میں سکراً کو رزق حسن کے مقابل ذکر فرمایا اور سکراً کے ساتھ حسن کی صفت ذکر نہیں کی جس سے اشارۃً مفہوم ہوتا ہے کہ شراب اچھی چیز نہیں بلکہ حرام اور ممنوع ہے حالانکہ یہ آیت مکی ہے شراب حرام ہونے سے بہت قبل نازل ہوئی۔

نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا﴾ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ شراب اور جوئے میں بہت گناہ ہے اور ان دونوں میں لوگوں کے لیے فوائد اور منافع بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے منافع سے بڑھا ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ جس میں گناہ غالب ہوگا وہ شے حرام اور ممنوع ہوگی اس لیے کہ تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہے اور اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بارہ میں یہ دعا کرتے تھے "اللهم بين لنا في الخمر بيانا شافيا۔" اے اللہ شراب کے بارہ میں کوئی واضح اور صاف حکم نازل فرما جس سے دل کو شفا اور اطمینان ہوجائے اور یہ دعا نہیں کرتے تھے کہ اللہ شراب کو حرام فرما۔

اسی طرح سمجھئے کہ آیت مؤمنون اور آیت معارج میں حرمت متعہ کی طرف اشارہ تھا مگر جب تک آنحضرت ﷺ نے اس کی صراحت نہیں فرمائی تھی اس وقت تک متعہ کی حرمت کا ثبوت اس آیت سے ظنی تھا آپ ﷺ کی تصریح کے بعد اس کی حرمت قطعی ہوگئی جب آپ ﷺ نے اس کی حرمت کا اعلان فرمادیا تو وہ اشارہ اب مبدل بہ صراحت ہوگیا اور ظنیت مبدل بہ قطعیت ہوگئی سب سے پہلے آپ ﷺ نے جنگ خیبر میں متعہ سے منع فرمایا اور اس کے بعد غزوات میں بار بار حرمت متعہ کا اعلان خطبوں میں فرماتے رہے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حرمت متعہ کا خوب اعلان کرایا تا کہ کوئی شخص ناواقفی اور لاعلمی کی بنا پر متعہ میں مبتلا نہ ہوجائے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ

اور جو کوئی نہ رکھے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لائے بیبیاں مسلمان تو نکاح کرلے ان سے جو تمہارے ہاتھ کا مال ہیں

اور جو کوئی نہ پائے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لاوے بیبیاں مسلمان، تو جو ہاتھ کا مال ہیں

اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ

جو تمہارے آپس کی لونڈیاں ہیں مسلمان ف۱ اور اللہ کو خوب معلوم ہے تمہاری مسلمانی تم آپس میں ایک ہو ف۲

آپس کی، تمہاری لونڈیاں مسلمان۔ اور اللہ کو بہتر معلوم ہے تمہاری مسلمانی، تم آپس میں ایک ہو،

فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا

سو ان سے نکاح کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور دو ان کے مہر موافق دستور کے قید میں آنے والیاں ہوں نہ مستی نکالنے والیاں اور نہ

سو ان کو نکاح کرلو ان کے لوگوں کے اذن سے، اور دو ان کے مہر، موافق دستور کے، قید میں آتیاں، نہ مستی نکالتیاں، اور نہ

مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى

چھپی یاری کرنے والیاں ف۳ پھر جب وہ قید نکاح میں آچکیں تو اگر کریں بے حیائی کا کام تو ان پر آدھی سزا ہے بیبیوں کی

یار کرتیاں چھپ کر، پھر جب وہ قید میں آچکیں تو اگر کریں بے حیائی کا کام تو ان پر ہے آدھی وہ مار جو بیبیوں پر

ف۱ یعنی جس کو اس بات کا مقدور نہ ہو کہ آزاد عورت سے نکاح کرسکے اور اس کے مہر اور نفقہ کا تحمل کرسکے تو بہتر ہے کہ ایسا شخص آپس میں کسی کی مسلمان لونڈی سے نکاح کرلے کہ اس کا مہر کم ہوتا ہے اور نفقہ میں بھی یہ سہولت ہے کہ اگر مالک نے اس کو اپنے یہاں رکھا جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو زوج اس کے نفقہ سے فارغ البال رہے گا اور اگر زوج کے حوالہ کردیا تو بھی بہ نسبت نفقہ حرہ تخفیف ضرور رہے گی۔

فائدہ: جس کو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت ہو اس کو لونڈی سے نکاح کرنا امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک حرام ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں مکروہ تنزیہی ہے ایسے ہی صحت نکاح کے لئے لونڈی کا مسلمان ہونا اکثر علماء کے نزدیک ضروری ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک افضل ہے۔ اگر کتابیہ لونڈی سے نکاح کرے گا تو وہ بھی امام صاحب کے نزدیک جائز ہوگا۔ ہاں اگر کسی کے نکاح میں آزاد عورت ہو تو اس کو لونڈی سے نکاح کرنا سب کے نزدیک حرام ہے۔

ف۲ یعنی اللہ تعالیٰ کو تم سب کے ایمان کی اصلی کیفیت معلوم ہے تم کو تو ظاہر پر اکتفا کرنا چاہیے یعنی لونڈی کا ایمان اللہ کے نزدیک بعضی آزاد عورت کے ایمان سے بہتر اور افضل ہوسکتا ہے تو اب حیثیت ایمانی سے لونڈی کے ساتھ نکاح کرلینے میں قباحت اور انکار نہ ہونا چاہیے اور آپس میں تم سب ایک ہو۔ ایک اصل =

الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۚ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ

سزا سے ف۱ یہ اس کے واسطے ہے جو کوئی تم میں ڈرے تکلیف میں پڑنے سے اور صبر کرو تو بہتر ہے

مقرر ہے۔ یہ اس کے واسطے جو کوئی تم میں ڈرے تکلیف میں پڑنے سے اور صبر کرو تو بہتر ہے

لَّكُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع ۱

تمہارے حق میں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۲

تمہارے حق میں۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حکم دوازدہم متعلق بہ نکاح کنیزاں

قال تعالیٰ: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا ... الى ... وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

ربط:...... اوپر سے نکاح کے احکام چلے آرہے ہیں اب آگے کنیزوں یعنی شرعی باندیوں سے نکاح کا حکم بیان فرماتے ہیں اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ جس شخص کو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو یعنی اس کے مہر ادا کرنے پر قادر نہ ہو اور اس کے خرچ خوراک اور پوشاک کا متحمل نہ ہو تو وہ کسی مسلمان باندی سے نکاح کرلے اس کے مہر اور نان ونفقہ میں خرچ زیادہ نہ ہوگا اس کے بعد ارشاد ہے کہ اگر زنا کا خوف ہے تو ایسا کرلو ورنہ صبر کرنا بہتر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص تم میں سے آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت اور گنجائش نہ رکھتا ہو تو اس باندی اور لونڈی سے نکاح کرلے جو تمہارے مسلمان بھائیوں کی مملوکہ ہے یعنی ایمان والی لونڈیوں سے کسی کنیز سے نکاح کرلے اور کنیز کو محض باندی ہونے کی وجہ سے حقیر نہ سمجھے اصل فضیلت کا دار ومدار ایمان اور اسلام اور اعمال صالحہ پر ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے ایمان کو کون کس درجہ کا مومن ہے ممکن ہے کہ وہ کنیز ایمان اور اسلام اور اعمال صالحہ میں آزاد مرد اور آزاد عورت سے بڑھ کر ہو اور حسب ونسب کی ظاہری کمتری پر بھی نظر نہ کرو تم میں کا بعض بعض کی جنس سے ہے یعنی سب ایک جنس ہو حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء کی اولاد ہونے میں سب شریک ہو لہٰذا نفرت اور عار کی کوئی وجہ نہیں سو تم ان ایمان والی

= سے پیدا ہوئے ہو، ایک دین میں شریک ہو، پھر لونڈیوں سے نکاح کرنے کو کیوں معیوب اور ننگ وعار سمجھتے ہو اس کلام سے لونڈیوں کے نکاح کی طرف توجہ دلانا اور ان سے نفرت کو دور کرنا مطلوب ہے۔

ف۳ یعنی تو اب مناسب ہے کہ حسب بیان بالا ان لونڈیوں سے نکاح کرلیا کرو ان کے مالکوں سے اجازت لیکر اور قاعدہ اور دستور کے موافق ان کا مہر دے دیا کرو جب کہ وہ خوشی سے قید نکاح میں آئیں۔ مستی نکالنے والیاں اور چھپی اور مخفی یاری کرنے والیاں ہرگز نہ ہوں یعنی زنا نہ ہو کہ اس میں مہر ہرگز لازم نہ ہو سکے گا اس سے معلوم ہو گیا کہ زنا میں مہر لازم نہیں ہوتا اور نکاح کے لئے گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

ف۱ یعنی جو آزاد مرد یا عورت نکاح سے فائدہ اٹھا چکے یعنی مجامعت کی نوبت آچکی ہو اور پھر وہ زنا کرے تو وہ سنگسار کیا جائے گا اور اگر نکاح نہیں ہوا بلکہ نکاح سے پہلے ہی زنا کیا تو اس کے لئے سو کوڑوں کا حکم ہے اور لونڈی اور غلام کے لئے قبل نکاح اور بعد نکاح ہر حالت میں صرف پچاس کوڑے ہیں زیادہ نہیں۔

ف۲ یعنی لونڈیوں سے نکاح کرنے کا ارشاد اور امتحان اسی کے حق میں ہے جو کوئی شخص تم میں ڈرتا ہو مشقت یعنی زنا میں مبتلا ہونے سے اور اگر تم صبر کرو اور باندیوں سے نکاح نہ کرو تو بہت اچھا ہے تمہارے حق میں کیونکہ اولاد آزاد ہوگی۔ ہاں جس کو صبر وتحمل میں کھٹکا ہو تو اس کو بہتر ہے کہ ایسی حالت میں کسی کی لونڈی سے نکاح کرلے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے صبر کرنے والوں پر۔

کنیزوں سے نکاح کرلو ان کے مالکوں کی اجازت سے باندی کا نکاح بغیر اس کے مالک کی اجازت کے درست نہیں آزاد اور بالغ عورت تو اپنا نکاح خود کر سکتی ہے لیکن کنیز اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی جب تک اس کے مال کی اجازت نہ ہو اور دے دو ان کا مہر موافق دستور کے یعنی ان کا مہر مثل دیدو اور ان سے نکاح کی یہ اجازت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ درآں حالیکہ کہ وہ عفیفہ اور پاکدامن ہوں زنا کرنے والی اور بدکار نہ ہوں اور نہ در پردہ یارانہ کرنے والی اور چھپے طور پر آشنا بنانے والی ہوں یعنی نکاح انہیں لونڈیوں سے کرو جو پاک دامن ہوں ان سے نہ کرو جو بدکار اور زنا کار ہوں اور چھپے طور پر کسی سے یارانہ رکھتی ہوں۔

ف:...... زنا کار وہ عورت کہلاتی ہے جو ہر ایک سے زنا کرائے اور چھپے طور پر یارانہ رکھنے والی وہ عورت ہے جو ہر ایک سے تو زنا نہ کرائے البتہ کسی ایک شخص کو اپنا یار اور آشنا بنالے جہلائے عرب پہلی قسم کے زنا کو حرام جانتے تھے اور دوسری قسم کے زنا کو حلال (جیسا کہ آج کل کے متمدن قوموں اور ان کے مقلدوں کا مذہب ہے) اس لیے خدا تعالیٰ نے ان دونوں قسموں کو علیحدہ علیحدہ ذکر فرما کر یہ ظاہر فرمادیا کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں دونوں ہی حرام ہیں پس جب وہ کنیزیں نکاح میں آجائیں پس اس کے بعد اگر وہ بے حیائی یعنی زنا کریں تو جتنی سزا آزاد عورتوں کی ہے اس سے آدھی سزا ان کنیزوں کی ہے آزاد عورتوں سے صرف کنواری آزاد عورتیں مراد ہیں کیونکہ وہ اگر زنا کریں تو اس کی سزا سو کوڑے ہیں اور باندی کی سزا پچاس درے ہیں شادی شدہ آزاد عورتیں اگر زنا کریں تو ان کی سزا رجم (سنگساری) ہے جس کا نصف ممکن نہیں اور لونڈی اور غلام کے لیے قبل نکاح اور بعد نکاح ہر حالت میں صرف پچاس کوڑے ہیں زیادہ نہیں اور یہ لونڈیوں سے نکاح کی اجازت اس شخص کے لیے ہے کہ جو تم میں سے گناہ اور بدکاری کی تکلیف میں پڑنے سے ڈرتا ہو یعنی اس کو یہ ڈر ہے کہ اگر نکاح نہیں کروں گا تو زنا میں مبتلا ہو جاؤں گا تو ایسے شخص کو باندی سے نکاح کرنے کی اجازت ہے اور تمہارا صبر کرنا اور باندیوں کے نکاح سے بچا رہنا تمہارے لیے بہت بہتر ہے کیونکہ لونڈی سے اگر نکاح کرو گے تو تمہاری اولاد آزاد نہ ہوگی بلکہ دوسرے کی غلام اور مملوکہ ہوگی جس میں تمہاری بے عزتی ہے اور بیوی کنیز ہونے کی وجہ سے مستقلاً تمہاری خدمت نہ کر سکے گی اور نہ مستقلاً تمہارے پاس رہ سکتی ہے جس میں سراسر تمہارا ہی نقصان ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ باندیوں کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے لیکن اگر بدرجۂ مجبوری تم نے باندی سے نکاح کرلیا تو مضائقہ نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ بدرجۂ مجبوری تم کو باندیوں سے نکاح کی اجازت دی اور تمہاری کوتاہی سے درگزر فرمایا۔

ف:...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بلاضرورت مطلق باندی سے خواہ مسلمان ہو یا کتابیہ نکاح فی حد ذاتہ درست ہے مگر مکروہ ہے اس لیے کہ وہ ﴿وَاُحِلَّ لَكُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمۡ﴾ اور ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ﴾ کے عموم اور اطلاق میں داخل ہے فی حد ذاتہ وہ حرام نہیں البتہ عوارض مذکورہ اور مفاسد بالا کی وجہ سے باندی سے نکاح مکروہ ہوگا اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک بدون مجبوری اور لاچاری کے باندی سے نکاح درست نہیں تفصیل کے لیے احکام القرآن کو دیکھیں۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

اللہ چاہتا ہے کہ بیان کرے تمہارے واسطے اور چلائے تم کو پہلوں کی راہ اور معاف کرے تم کو اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ف۱ اور اللہ

اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے بیان کر دے اور چلاوے تم کو اگلوں کی راہ، اور تم کو معاف کرے۔ اور اللہ

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ

چاہتا ہے کہ تم پر متوجہ ہووے اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو لگے ہوئے ہیں اپنے مزوں کے پیچھے

جانتا ہے حکمت والا۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر متوجہ ہو۔ اور جو لوگ لگے ہیں اپنے مزوں کے پیچھے،

اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

کہ تم پھر جاؤ راہ سے بہت دور ف۲ اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان بنا ہے کمزور ف۳

وہ چاہتے ہیں کہ مڑ جاؤ راہ سے بہت دور۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے۔ اور انسان بنا ہے کمزور۔

ذکر الطاف وعنایات خداوندی بہ اہل اسلام

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ...الی...خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾

ربط:...... حلال وحرام کے احکام بیان کرنے کے بعد اہل اسلام پر اپنی عنایات اور الطاف کا ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایسی چیزوں کا حکم دیتا ہے جو تمہارے لیے سراسر باعث منفعت اور مصلحت ہوں اور شہوت پرست تم کو دوسری طرف لے جانا چاہتے ہیں شہوت پرستوں کے نزدیک حلال وحرام کی کوئی تقسیم نہیں خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے بیان کر دے یعنی تمہارے فائدہ اور مصلحت کے لیے حلال وحرام کو خوب کھول کر بیان کر دے تاکہ تمہیں کسی امر میں اشتباہ باقی نہ رہے اور تم حق

ف۱ یعنی اللہ تعالیٰ کو ان احکام کے ارشاد سے مطلوب یہی ہے کہ تم کو حلال اور حرام کا حال معلوم ہو جائے اور تم کو پہلے انبیاء کا راستہ نصیب ہو جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ اور مغفرت کرے تمہاری اور اللہ کو تمہارے مصالح اور تمام حالات کا پورا علم ہے اور اس کے ہر حکم اور ہر تدبیر میں حکمت ہے تو اب اگر اس کے حکم کی اطاعت نہ کرو گے تو ہدایت سے بھی محروم اور پہلوں کے بھی مخالف اور اللہ کی رحمت اور مغفرت سے محروم رہو گے۔

فائدہ: پہلے سے زنا اور لواطت کی حرمت اور ان سے توبہ کرنا اور عورتوں کے متعلق بعضے احکام اور جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان کا ذکر اور نکاح کے متعلق مہر وغیرہ قیود و شرائط کا تذکرہ اور بدکاری سے ممانعت اور اس پر سزا کا ذکر تھا اور بچند وجوہ لوگوں کو ان حکموں کی اطاعت دشوار تھی اس لئے اس آیت میں اور آئندہ کی دو آیتوں میں ان احکام کی پابندی کو خوب مؤکد اور مستحکم کر کے مخالفت سے روک دیا واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی یہ مختلف قیدیں جو پہلے گزریں اس سے مطلوب تم پر رحمت فرمانا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان قیدوں کی نسبت حکم فرمایا اور جو لوگ اپنی شہوتوں پر فریفتہ ہیں وہ البتہ یہی چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستہ سے دور جا پڑو یعنی انہی کی طرح تم بھی اپنی شہوات کا اتباع کرو اور گمراہ ہو جاؤ تو اب جو کچھ کرو سمجھ کر کرو۔

ف۳ یعنی انسان کو اللہ نے ضعیف بنایا ہے اس کو خوب معلوم ہے کہ یہ اپنی شہوات و مرغوبات سے کہاں تک صبر کر سکتا ہے تو اس لئے ہر حکم میں تخفیف کا بھی لحاظ فرمایا گیا ہے یہ نہیں ہوا کہ انسان کے حق میں جو مفید دیکھا وہ اس کے ذمہ لگا دیا سہل ہو یا دشوار مثلاً عورتوں اور شہوت سے صبر کرنا آدمی کو بہت دشوار تھا اس لئے اس کی خواہش پورا کرنے کے لئے طریقے جائز اللہ نے بتلا دیے کہ اس سے اپنا مطلب حاصل کر سکے یہ نہیں کہ قضائے شہوت سے بالکل روک دیا گیا ہو۔ حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے شریعت میں تنگی نہیں فرمائی کہ کوئی حلال کو چھوڑے اور حرام کی طرف دوڑے۔ خلاصہ ان آیتوں کا یہ نکلا کہ نفس کو شہوات سے بچانا اور ان تمام قیدوں کا پابند ہونا جو عورتوں کے بارے میں مذکور ہوئیں ہرگز دشوار امر نہیں اور ان کی پابندی نہایت ضروری اور سراسر مفید ہے۔

اور باطل اور حلال اور حرام میں تمیز کرسکو اور تاکہ خدا تعالیٰ تم کو ان لوگوں کی راہ پر چلائے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی خدا تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ جو انبیاء اور صالحین تم سے پہلے گذرے ہیں تم ان کی راہ پر چلو اور ان کی تقلید کرو اور تاکہ اللہ تعالیٰ تم پر خاص عنایت اور رحمت مبذول فرمائے اور وہ عنایت اور رحمت یہی ہے کہ تم کو تمہارے حال پر نہ چھوڑے بلکہ تمہارے لیے ایسے احکام بیان کردے جن میں تمہارے لیے دین و دنیا کی مصلحتیں ہوں اور اللہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو جاننے والا حکمت والا ہے اس نے جو حکم دیئے ہیں انہی میں حکمت اور مصلحت ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر متوجہ ہو اور جو لوگ نفسانی شہوتوں کے تابع اور پیرو ہیں جدھر ان کی شہوت ان کو کھینچ کرلے جاتی ہے اس کے پیچھے دوڑے چلے جاتے ہیں اے مسلمانو! ان شہوت پرستوں کی خواہش یہ ہے کہ تم راہ حق سے بہت دور ہٹ جاؤ اور انہی کے ہم رنگ بن جاؤ تم ان شہوت پرستوں کی طرف التفات نہ کرنا ہمارے حکموں پر چلنا اسی میں تمہارا نفع ہے ﴿الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ﴾ سے زیادہ تر مجوس اور یہود اور زنا کار مراد ہیں مجوسیوں کے نزدیک بہنوں اور بھتیجیوں سے نکاح حلال ہے اور یہود اپنے سوتیلی بہنوں اور بھانجیوں اور بھتیجیوں کو حلال جانتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ یہود اور نصاریٰ اور مجوس جو اپنے خواہشوں کے تابع اور پیرو ہیں ان کا ارادہ یہ ہے کہ تم کو راہ حق سے ہٹادیں اور اپنے ڈھنگ کا بنالیں تم خدا کے حکموں پر چلو ان کی بات کی طرف التفات نہ کرو اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کردے اس لیے تم کو آسان دین عطا فرمایا اور جو چیزیں پہلوں پر حرام تھیں وہ تم پر حلال کردیں اور انسان فطرۃً کمزور پیدا کیا گیا ہے خواہشوں سے صبر کرنا اس کے لیے دشوار ہے اس لیے بوقت ضرورت اس کو باندی سے نکاح کی اجازت دی اور عورتوں کے باب میں اس پر تنگی نہیں کی اور تمام احکام میں اس کے ضعف کو ملحوظ رکھا اور سخت احکام کا اس کو مکلف نہیں بنایا اور طبعی خواہش پوری کرنے کے لیے جائز طریقے بتلادیئے خلاصۂ کلام یہ کہ عورتوں کے بارہ میں جس قدر احکام دیئے گئے ان میں کوئی دشواری اور تنگی نہیں اور ان کی پابندی نہایت ضروری اور مفید ہے اور شہوتوں کا اتباع تمہارے لیے سراسر مضر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ

اے ایمان والو! نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو

اے ایمان والو! نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق، مگر یہ کہ سودا ہو

تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

آپس کی خوشی سے ف۱ اور نہ خون کرو آپس میں بیشک اللہ تم پر مہربان ہے ف۲ اور جو کوئی یہ کام کرے

آپس کی خوشی سے۔ اور نہ خون کرو آپس میں، اللہ کو تم پر رحم ہے۔ اور جو کوئی یہ کام کرے

ف۱ مطلب یہ ہے کہ کسی کو کسی کا مال ناحق کھالینا مثلاً جھوٹ بول کر یا دغابازی سے یا چوری سے ہرگز درست نہیں ہاں اگر سوداگری یعنی بیع و شراء کرو تم باہمی رضامندی سے تو اس میں کچھ حرج نہیں اس مال کو کھالو۔ جس کا خلاصہ یہی نکلا کہ جائز طریقہ سے لینے کی ممانعت نہیں جو مال کو ترک کرنا تم پر دشوار ہو۔

ف۲ یعنی آپس میں ایک دوسرے کو قتل بھی مت کرو بیشک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے کہ بلاوجہ کسی کے مال یا جان میں تصرف کرنے کو منع فرمادیا اور تم پر ایسے احکام بھیجے جن میں سراسر تمہارے لئے بہبودی اور خیریت ہے۔

عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا

تعدی اور ظلم سے تو ہم اس کو ڈالیں گے آگ میں اور یہ اللہ پر آسان ہے ف۱ اگر تم بچتے رہو گے

تعدی سے اور ظلم سے تو ہم اس کو ڈالیں گے آگ میں۔ اور یہ اللہ پر آسان ہے۔ اور اگر تم بچتے رہو گے

كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

ان چیزوں سے جو گناہوں میں بڑی ہیں تو ہم معاف کریں گے تم سے چھوٹے گناہ تمہارے اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں ف۲

بڑی چیزوں سے جو تم کو منع ہوئیں، تو ہم اتار دیں گے تم سے تقصیریں تمہاری اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں۔

ف۱ یعنی اور جو کوئی ظلم اور زیادتی سے باز نہ آئے بلکہ ناحق اوروں کا مال کھائے یا ظلماً کسی کو قتل کر ڈالے تو اسکا ٹھکانا دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کو آگ میں ڈال دینا خدا تعالیٰ کو دشوار نہیں بالکل سہل اور آسان ہے تو اب کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ ہم تو مسلمان ہیں دوزخ میں کیسے جاسکتے ہیں اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے اس کو عدل و انصاف سے کونسی چیز روک سکتی ہے۔

ف۲ پہلی آیت میں مذکور تھا کہ جو کوئی ظلماً کسی کے مال یا جان کو نقصان پہنچائے گا تو اس کی سزا جہنم ہے جس سے معلوم ہوگیا تھا کہ حق تعالیٰ کی نافرمانی بندہ کے لئے موجب عذاب ہے۔ اب اس آیت میں گناہوں سے بچنے کی ترغیب اور گناہوں سے اجتناب کرنے پر وعدہ مغفرت اور جنت کی توقع اور طمع دلائی جاتی ہے تاکہ اس کو معلوم کر کے ہر ایک آدمی گناہوں سے احتراز کرنے میں کوشش کرے اور معلوم ہو جائے کہ جو کبیرہ گناہ مثلاً کسی کا مال غصب یا سرقہ کرنے یا کسی کو ظلماً قتل کرنے سے بچ گیا جن کا ذکر ابھی گزرا تو اس کے وہ تمام صغیرہ گناہ بخشے جائیں گے جن کا مرتکب بغرض تحصیل و تکمیل سرقہ اور قتل ہوا تھا۔ اس آیت میں چند باتیں بحث طلب ہیں مگر اصل سب کی یہی ہے کہ آیت کا اصلی اور عمدہ مطلب معلوم ہو جائے جس سے تمام امور کا جان لینا سہل ہو جائے۔ سو معتزلہ اور ان کے موافقین نے سرسری طور پر اس آیت کا یہ مضمون سمجھ لیا کہ اگر کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے یعنی کبیرہ گناہ ایک بھی نہ کرو گے تو پھر محض صغیرہ گو کتنے ہی ہوں ضرور معاف کر دیے جائیں گے اور اگر صغائر کے ساتھ کبیرہ کیف ما اتفق ایک یا دو بھی شامل ہو گئے تو اب معافی ممکن نہیں بلکہ سب کی سزا ضروری ہوگی اور اہل سنت فرماتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کو معافی اور مواخذہ کا اختیار بدستور محقق ہے اول صورت میں معافی کا لازم ہونا اور دوسری صورت میں مواخذہ کو واجب سمجھنا معتزلہ کی بدفہمی اور کم فہمی ہے۔ اور اس آیت کے ظاہری الفاظ اور سرسری مضمون سے جو معتزلہ کا مذہب راجح نظر آتا ہے۔ اس کا جواب کسی نے تو یہ دیا کہ انتفاء شرط سے انتفاء مشروط کوئی ضروری امر ہرگز نہیں۔ کسی نے یہ کہا کہ لفظ کبائر سے جو آیت میں مذکور ہے اکبر الکبائر یعنی خاص شرک مراد لے لیا اور لفظ کبائر کی جمع لانے کی وجہ تعداد انواع شرک کو قرار دیا اور اسی کے ذیل میں چند اور باتیں بھی زیر بحث آگئیں مگر ہم ان سب امور کو نظر انداز کر کے صرف اس آیت کے محقق اور عمدہ معنی ایسے بیان کئے دیتے ہیں جو نصوص اور عقل کے مطابق اور قواعد اور ارشاد محققین کے موافق ہوں اور بشرط فہم و انصاف معنی مذکور کے بعد تمام ضمنی باتیں خود بخود حل ہو جائیں اور خلاف معتزلہ خود بخود مضمحل ہو کر معتزلہ کے عدم تدبر اور کم فہمی پر حجت قوی بن جائے اور اہل حق کو اس کے ابطال و تردید کی طرف توجہ فرمانے کی حاجت ہی نہ رہے۔ سو غور سے سنئے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ ارشاد ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیاتکم جو کہ یہاں مذکور ہے اور ارشاد ﴿اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ﴾ میں موجود ہے ان ہر دو ارشاد کا مدعیٰ ایک ہے صرف لفظوں میں تھوڑا سا فرق ہے تو اب جو مطلب ایک آیت کا ہوگا وہی دوسری آیت کا لیا جائے گا سو سورۃ نجم کی آیت کی نسبت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد بخاری وغیرہ کتب حدیث میں صاف موجود ہے عن ابن عباس قال ما رایت شیا اشبہ باللمم مما قال ابوہریرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ کتب علی ابن اٰدم حظہ من الزنٰی ادرک ذٰلک لا محالۃ فزنی العین النظر وزنی اللسان المنطق والنفس تمنی وتشتھی والفرج یصدق ذلک ویکذبہ انتہٰی۔ بشرط فہم اس حدیث سے ہر دو آیات سابقہ کے واقعی اور تحقیقی مطلب کا پورا سراغ لگ گیا اور حضرت ابن عباس حبر الامت اور لسان القرآن کے فرمانے سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ لمم اور علیٰ ہذا القیاس سیات کے معنی اس سے بہتر نہیں ملے تو اب اس مطلب کے مقابلہ میں کوئی دوسری تقریر مضمون آیت کے متعلق کیونکر قابل ترجیح اور لائق پسند ہو سکتی ہے بالخصوص معتزلہ کی ہرزہ گوئی کیسے قابل التفات اور لائق جواب سمجھی جا سکتی ہے اور واقعی حدیث مذکور کا مطلب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو اس سے بات نکالی ایسی عجیب اور قابل قبول تحقیق ہے کہ جس سے مضمون ہر دو آیت خوب محقق ہو گیا اور معتزلہ کے خرافات کی گنجائش اور اہل حق کو اس کی تردید کی ضرورت بھی نہ رہی اور ذیلی اور ضمنی اقوال و اختلافات بھی بہت خوبی سے طے ہو گئے چنانچہ اہل فہم ادنیٰ تامل سے سمجھ سکتے =

حکم سیزدہم دربارہ اتلاف اموال ونفوس

قال تعالیٰ: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ... الی... یُّدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِیْمًا﴾

ربط:...... گزشتہ سورت سے یتامیٰ کے اموال اور مواریث اور بے کس عورتوں کے تنگ کرنے کے متعلق احکام بیان فرمائے اور اخیر میں تعدی حدود اللہ سے ممانعت فرمائی اب ان آیات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ باہمی حقوق کا خیال رکھو نہ کسی کے مال کو ناجائز طریقہ سے کھاؤ اور نہ کسی کو قتل کرو اس لیے کہ کسی کے مال اور نفس میں ناجائز تصرف حدود اللہ سے تعدی اور تجاوز میں داخل ہے نیز کسی کی جان و مال میں ناجائز تصرف اتباع شہوات ہے اور ﴿سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ سے میل عظیم ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق اور ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ مگر سوداگری کے طریقہ سے کہ جو آپس میں رضامندی اور خوشی سے ہو مقصود یہ ہے کہ ناجائز طریقے سے کسی کا مال لینا جیسے غصب اور چوری اور خیانت اور سود و بیاج وغیرہ یہ تمہارے لیے حرام ہے البتہ تجارت یعنی جائز طریقہ سے مال حاصل کرنا تمہارے لیے حلال ہے اور آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ کرو دوسروں کے قتل کرنے کو اپنے قتل کرنے سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ جب سب کا

= ہیں بغرض توضیح ہم بھی حدیث مذکور کا خلاصہ عرض کیے دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت سورۂ نجم میں جو لفظ لمم فرمایا گیا ہے جس کی کہ معافی کا وعدہ کیا ہے اس کی تعیین اور تحقیق کے متعلق حدیث ابوہریرہ سے بہتر ہم کو کوئی چیز معلوم نہیں ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ اللہ نے ابن آدم کے ذمہ پر جو زنا کا حصہ مقرر فرما دیا ہے وہ ضرور اس کو عمل کر رہے گا۔ سو فعل زنا میں آنکھ کا حصہ تو دیکھنا ہے اور زبان کا حصہ یہ ہے کہ اس سے وہ باتیں کی جائیں جو فعل زنا کے لئے مقدمات اور اسباب ہوں اور نفس کا حصہ یہ ہے کہ زنا کی تمنا اور اس کی خواہش کرے لیکن فعل زنا کا تحقق اور اس کا بطلان دراصل فرج یعنی شرمگاہ پر موقوف ہے یعنی اگر فرج سے زنا کا صدور ہو گیا تو آنکھ زبان دل سب کا زانی ہونا محقق ہو گیا اور اگر باوجود تحصیل جملہ اسباب و ذرائع صرف فعل فرج کا تحقق نہ ہوا بلکہ زنا سے توبہ اور اجتناب نصیب ہو گیا تو اب تمام وسائل زنا جو کہ فی نفسہ مباح تھے فقط زنا کی معیت کے باعث گناہ قرار دیے گئے تھے وہ سب کے سب لائق مغفرت ہو گئے یعنی ان کا زنا ہونا باطل ہو گیا اور گویا ان کا قلب ماہیت ہو کر بجائے زنا عبادت بن گئی کیونکہ فی نفسہ تو وہ افعال نہ معصیت تھے نہ عبادت بلکہ مباح تھے صرف اس وجہ سے کہ وہ زنا کے لئے وسیلہ بنتے تھے معصیت میں داخل ہو گئے تھے جب زنا کے لئے وسیلہ نہ رہے بلکہ زنا ہی بوجہ اجتناب معدوم ہو چکا تو اب ان وسائل کا زنا کے ذیل میں شمار ہونا اور ان کو معصیت قرار دینا انصاف کے صریح مخالف ہے مثلاً ایک شخص مسجد میں پہنچا چوری کے خیال سے مگر وہاں جا کر عین موقع پر متنبہ پیش آیا اور چوری سے توبہ کی اور رات بھر اللہ کے واسطے نماز پڑھتا رہا تو ظاہر ہے کہ جو رفتار سرقہ کا ذریعہ نظر آتا تھا وہ اب توبہ اور نماز کا ذریعہ ہو گیا تو اس حدیث ابوہریرہ کو سن کر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سمجھ گئے کہ لمم وہ باتیں ہیں جو دراصل گناہ نہیں مگر گناہ کا سبب ہو کر گناہ بن جاتی ہیں۔ تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ بڑے گناہ اور کھلے گناہ سے تو بچتے ہیں ہاں صدور لمم کی نوبت آ جاتی ہے مگر بڑے اور اصلی گناہ کے صدور سے پہلے ہی وہ اپنے قصور سے تائب اور مجتنب ہو جاتے ہیں تو اب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جیسے حدیث ابوہریرہ سے آیت سورۂ نجم کا مطلب سمجھ لیا ہم کو چاہیے کہ وہی معنی حسب ارشاد ابن عباس رضی اللہ عنہما ہم آیت سورۂ نساء کے بے تکلف سمجھ لیں۔ جس کے بعد بحمد اللہ نہ ہم کو اس کی ضرورت ہوگی کہ اس آیت کی توضیح میں گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی مختلف تفسیریں نقل کریں اور نہ معتزلہ کے استدلال کے جواب کا فکر ہوگا اور تکفیری آیت کی وجہ اور دخول جنت کا سبب بھی بسہولت مطابق قواعد معلوم ہو جائے گا اور اجتناب کے معنی بھی ظاہر ہو جائیں گے اور چھوٹی چھوٹی باتیں انشاء اللہ بشرط تدبر طے ہو جائیں گی خلاصہ ہر دو آیت مذکور کا حسب ارشاد حدیث و بیان ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ ہوا کہ جو لوگ ان گناہوں سے رکیں گے اور ان کے ارتکاب سے اپنے نفس کو ہٹاتے رہیں گے جو گناہ کہ گناہوں کے سلسلہ میں مقصود اور بڑے سمجھے جاتے ہیں تو اس اجتناب اور رک جانے کی وجہ سے ان کے وہ برے کام جو انہوں نے کسی بڑے گناہ کے حصول کی طمع میں کیے ہیں معاف کر دیے جائیں گے اور حسب ارشاد ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾ ﴿فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ مطلب نہیں کہ سلسلہ زنا کے صغائر کسی دوسرے سلسلہ کے بڑے گناہ مثلاً شراب خوری نہ کرنے سے فروگذاشت ہو جائیں گے یا شراب خواری کی وجہ سے ان کا مواخذہ لازم اور واجب ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

دین ایک ہے اور سب مانند شخص واحد کے ہیں لہٰذا کسی کو قتل کرنا اپنے ہی کو قتل کرنا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اپنے قتل کرنے سے حقیقۃً اپنا ہی قتل کرنا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ خودکشی نہ کرو خودکشی حرام ہے تم اپنی جان کے مالک نہیں کہ جو چاہے اس میں تصرف کرسکو مالک اللہ تعالیٰ ہیں اور یہ جان اللہ تعالیٰ کی تمہارے پاس امانت ہے تم پر اس کی حفاظت واجب ہے بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بڑا مہربان ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے تم کو اچھی باتوں کا حکم دیا اور بری باتوں سے منع کیا تاکہ تم ہلاک نہ ہوجاؤ اللہ کی نافرمانی اپنے کو قتل کرنے کے مرادف ہے اور جو شخص زور اور ظلم سے اور تعدی اور ستم سے یہ کام کرے کہ ناحق کسی کا مال کھائے یا کسی کو بے قصور مار ڈالے پس البتہ ہم اس کو آگ میں ڈالیں گے اور یہ آگ میں جھونکنا اللہ پر بہت آسان ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی چیز دشوار نہیں اس کی قدرت قدیمہ کے سامنے ہر چیز آسان ہے۔

ف:...... عدوان کے معنی زیادتی میں حد سے گزر جانا ہے اور ظلم کے معنی کسی کے حق میں ناحق دست درازی کرنا یہ قید اس لیے لگائی کہ کسی کو حق پر مارنا جیسے قصاص یا کسی کا مال دیت میں لینا یہ عدوان اور ظلم نہیں۔

اور ذلک کا مشار الیہ تو اکل اموال بالباطل اور قتل ناحق کو قرار دیا جائے جیسا کہ قریب ہے اور یا ذلک کا مشار الیہ ان تمام امور کو قرار دیا جائے کہ جن کی شروع سورت سے لے کر یہاں تک حق تعالیٰ نے ممانعت فرمائی وہ سب ذالک کا مشار الیہ ہیں۔

ابتدائے سورت سے لے کر یہاں تک حق تعالیٰ نے جن گناہوں سے منع فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ کبیرہ ہیں جو موجب عذاب ہیں اب آئندہ آیت میں گناہوں سے بچنے کی ترغیب اور گناہوں سے اجتناب پر کفارہ سیآت اور جنت کا وعدہ فرماتے ہیں جن باتوں سے تم کو منع کیا جاتا ہے اگر تم ان منہیات اور ممنوعات میں سے بڑی بڑی باتوں یعنی بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب اور پرہیز کرو یعنی ان سے کنارہ کش رہو اور پہلوتہی کرتے رہو تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ان کبائر سے اجتناب اور احتراز کے صلہ میں تمہاری تقصیرات اور برائیاں یعنی چھوٹی چھوٹی خطائیں جو تم کو دوزخ میں لے جاسکتی ہیں تم سے دور کردیں گے یعنی معاف کردیں گے اور تمہارے نامۂ اعمال سے مٹا دیں گے ایک نماز سے دوسری نماز تک اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک اور تم کو عزت کے مقام میں داخل کردیں گے اور تم سے صغائر پر مواخذہ نہیں کریں قصور خواہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو عقلاً وشرعاً اس پر مواخذہ ہوسکتا ہے اور اگر تم نے کبائر سے اجتناب اور احتراز نہ کیا تو پھر ہماری طرف سے تکفیر سیئات اور عزت کے مقام میں داخل کرنے کا وعدہ نہیں ہماری حکمت "لم یزلی ولا یزالی" اور شان لاابالی جو فیصلہ کرے وہ اس کو اختیار ہے وہ پردۂ غیب میں مستور ہے اس کے متعلق کچھ نہیں بتلایا جاسکتا اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ چاہے معاف کرے اور چاہے مواخذہ کرے معتزلہ نے آیت کا مطلب یہ سمجھ لیا کہ اگر کبائر سے نہ بچے تو اس کے لیے سزا ضروری ہے اہل سنت کے نزدیک مرتکب کبائر پر سزا ضروری نہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ ہاں وعدہ نہیں چاہے معاف کرے اور چاہے مؤاخذہ کرے۔

ف ا:...... گناہ کبیرہ کی تعریف میں علماء کے مختلف اقوال ہیں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ گناہ کبیرہ وہ ہے جس پر اللہ اور اس کے رسول نے دنیا میں غصہ یا کوئی حد مقرر کی ہے اور آخرت میں اس پر عذاب عظیم مرتب کیا ہے یا اس کے مرتکب پر

لعنت کی ہے یا اس کو کفر کے ساتھ موسوم کیا ہے اور صغیرہ وہ ہے کہ جس سے منع تو فرمایا مگر اس پر غضب و لعنت وغیرہ جیسے امور کو نہیں فرمایا۔

ف ۲:...... ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ کبائر کس قدر ہیں فرمایا کہ سات سے لے کر قریب قریب ستر تک ہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہ ہے کہ شروع سورۂ نساء سے لے کر اس آیت تک حق تعالیٰ نے جن باتوں کی ممانعت فرمائی وہ سب کبیرہ ہیں حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں صغائر کو کبائر سے ممتاز نہیں کیا تاکہ لوگ ہر گناہ سے بچنے کی کوشش کریں اگر صغائر کو کبائر سے ممتاز کر دیا تھا تو لوگ صغائر کو ہلکا سمجھ کر ان سے بچنے کی چنداں پروانہ کرتے البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض گناہوں کے کبیرہ ہونے پر نص فرمادی ہے مثلاً: ۱- اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ ۲- کسی کو ناحق قتل کرنا، ۳- والدین کی نافرمانی کرنا، ۴- جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹ بولنا، ۵- یتیم کا مال کھانا، ۶- جادو کرنا، ۷- زنا اور خاص کر ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا نہایت ہی برا ہے، ۸- میدان جنگ سے بھاگنا، ۹- اولاد کو فقر و فاقہ کے اندیشہ سے مار ڈالنا، ۱۰- پاکدامن بے خبر مسلمان عورت پر بہتان باندھنا۔ یہ بخاری اور مسلم کی روایتوں کا مضمون ہے جن سے مقصود حصر نہیں بلکہ مقصود یہ بتلانا ہے کہ گناہ کبیرہ ایسے ہوتے ہیں کیونکہ احادیث میں کبیرہ گناہوں کی تفصیل آئی ہے چنانچہ جامع ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دو نمازیں بلا عذر جمع کرے وہ ابواب کبائر میں سے ایک دروازہ پر آیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں حنش (یعنی حسین بن قیس) واقع ہے جس کو امام احمد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ نیز موطا امام احمد میں ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی مملکت کے اطراف واجوانب میں جمع بین الصلاتین کی ممانعت کا حکم لکھ کر بھیج دیا اور اس بات کی سب کو اطلاع دیدی کہ وقت واحد میں دو نمازوں کا جمع کرنا منجملہ بڑے گناہوں کے ایک بہت بڑا گناہ ہے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس فرمان واجب الاذعان سے معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث درحقیقت صحیح ہے اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے دل و جان سے اس حکم کو قبول کیا پس ان احادیث کی بناء پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اے مسلمانو! اگر تم جمع بین الصلوٰتین جیسے بڑے گناہ سے اجتناب کرو گے تو ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ تمہارے دوسرے گناہوں کو معاف کر دیں گے ورنہ نہیں۔

ف ۳:...... یہ آیت یعنی ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ﴾ انہی پانچ آیتوں میں سے ہے جن کے متعلق عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل ہو چکا ہے کہ پانچ آیتیں مجھ کو دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں۔

(۴) بعض عارفین کا قول ہے کہ تمام کبائر تین چیزوں میں مندرج ہیں۔

(اول) اتباع ہوی، یعنی نفسانی خواہشوں اور لذتوں کی پیروی کما قال تعالیٰ: ﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور عقوق والدین اور قطع رحمی وغیرہ اتباع ہوی سے پیدا ہوتا ہے۔

غبار ہوا چشم غفلت بدوخت سموم ہوس کشت عمرت بسوخت
بکن سرمہ غفلت از چشم پاک کہ فردا شوی سرمہ درچشم خاک

(دوم) حب دنیا، قتل اور ظلم اور غصب اور سرقہ اور سود خواری اور مال یتیم کا کھا جانا اور زکوٰۃ کا نہ دینا اور جھوٹی قسمیں

کھانا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے تمام کبائر حب دنیا سے پیدا ہوتے ہیں اور حدیث میں ہے حب الدنیا راس کل خطیئة۔

علاقاں میل بسویت نکندا دینا — ہم امید کرم ولطف تو جاہل دارد
ہر کہ خواہد بکند ازتو مرادے حاصل — حاصل آنست کہ اندیشہ باطل دارد

(سوم) رئویۃ الغیر یعنی غیر اللہ پر نظر کرنا اور کہنا شرک اور نفاق اور ریاء اور اس قسم کے کبائر غیر اللہ پر نظر کرنے سے پیدا ہوتے ہیں اسی بناء پر ارشاد ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ اور حدیث میں ہے "الیسیر من الریاء شرك" لہٰذا عاقل کو چاہیے کہ اپنی انظار کو اغیار سے ہٹا کر واحد قہار پر لگادے۔

گرچہ زند انست برصاحب دین دلاں — ہر کجا بوے زوصل یار نیست
ہیچ زنداں عاشق محتاج را — تنگ تراز صحبت اغیار نیست

(۵) اکل حلال یعنی حلال روزی سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ کی طاعت پر آمادہ کرنے والی نہیں اکل حلال تمام طاعتوں کی جڑ ہے خوب سمجھ لو۔ خوب سمجھ لو۔ خوب سمجھ لو۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ

اور ہوس مت کرو جس چیز میں بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر ف۱ مردوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور عورتوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے

اور ہوس مت کرو جس چیز میں بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک سے۔ مردوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے

وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ

اور مانگو اللہ سے اس کا فضل بیشک اللہ کو ہر چیز

اور عورتوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے۔ اور مانگو اللہ سے اس کا فضل۔ اللہ کو ہر چیز

عَلِــيْمًا ۝۳۲

معلوم ہے ف۲

معلوم ہے۔

ف۱ یعنی حق تعالیٰ جو کسی کو کسی پر کسی امر میں شرافت وفضیلت اور اختصاص وامتیاز عنایت فرمائے تو تم اس کی ہوس اور حرص مت کرو کیونکہ یہ بھی گویا ایسا ہی ہے کہ کسی کے خاص مال اور جان میں بلا وجہ دست اندازی کی جائے جس کی حرمت ابھی گزر چکی اور نیز اس سے باہم تحاسد وتباغض پیدا ہوتا ہے اور حکمت الٰہی کی مخالفت بھی لازم آتی ہے بعض عورتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا سبب ہے کہ ہر جگہ حق تعالیٰ مردوں کو خطاب فرماتا ہے اور ان کو حکم کرتا ہے عورتوں کا ذکر نہیں کیا جاتا اور میراث میں مرد کو دوہرا حصہ دیا جاتا ہے عورت سے۔ اس آیت میں ان سب کا جواب ہوگیا۔

ف۲ یعنی مردوں اور عورتوں کے لئے حصہ مقرر ہے جیسا کچھ وہ کام کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ پورا ملتا ہے اس میں ہرگز کمی نہیں کی جاتی جو کسی کو شکایت کا موقع ملے ہاں یہ بات دوسری ہے کہ وہ اپنی حکمت اور رحمت کے مطابق کسی کو خاص بڑائی اور فضیلت عنایت کرے اس کی حرص اور شکایت کرنی بیجا ہوس ہے۔ البتہ اپنے عمل کے معاوضہ سے اور زیادہ ثواب وانعام مانگو تو بہتر اور مناسب ہے اس میں کچھ خرابی نہیں تو اب جو فضل کا طالب ہو اس کو =

حکم چہاردہم ممانعت از رشک بر تفوق دیگراں

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ... الى ... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں یہ ارشاد فرمایا کہ شہوات کی پیروی نہ کرو اور ناحق طریقہ سے کسی کا مال نہ کھاؤ اب اس آیت میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی کے خداداد شرف اور فضل و امتیاز کو دیکھ کر اس پر رشک نہ کرو اور اس آرزو میں مت پڑو کہ ہم بھی ایسے ہو جائیں جیسا کہ بعض عورتوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ کاش ہم مرد ہوتے اور مردوں کی طرح جہاد کرتے اور میراث میں مرد کا دوہرا حصہ ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے جس کسی کو کوئی فضیلت اور فوقیت عطا کی ہے اس کی آرزو میں پڑنا یہ بھی ایک قسم کا اتباع شہوات ہے جس طرح ظاہری طور پر دوسرے کے مال و منال اور اس کے فضل و کمال کی طرف نظر اٹھانا ممنوع ہے اسی طرح باطنی طور پر کسی کے خداداد تفوق اور شرف اور فضیلت کی تمنا اور آرزو بھی ممنوع ہے ہر شخص کو اپنی قسمت پر راضی رہنا چاہیے کسی کے خداداد فضل و کمال و جاہ جلال و مال و منال کی طرف دیکھنا حرص اور حسد کے مادہ کو ابھارتا ہے اس لیے حق تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا حکم دے دیا کہ تم کسی کے تفوق کو دیکھ کر رشک نہ کرو اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے کسی کو مال و متاع اور جاہ و منصب وغیرہ امور میں جو برتری عطا کی ہے اس کی تمنا اور آرزو میں مت پڑو تا کہ یہ تمنا تم کو حسد میں مبتلا نہ کر دے اور پھر تم کو ناحق قتل کرنے اور ناحق مال کھانے پر آمادہ کرے اور اس طرح تم شہوات کے متبع اور پیرو بن کر حدود اللہ سے تعدی کر جاؤ اور ﴿سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ سے میل اور انحراف کر جاؤ۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور مت تمنا کرو تم اس چیز کی کہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت اور فوقیت دی ہے خواہ وہ تفضل باعتبار دین کے ہو یا دنیا کے ہو۔ مراد اس سے وہ فضائل و کمالات ہیں جو وہبی ہیں یعنی محض اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں بندہ کے عمل کو اس میں دخل نہیں جیسے حسن و جمال اور عقل و فہم اور مرد ہونا۔ اس آیت میں اس قسم کے امور خلقیہ اور وہبیہ کی تمنا اور آرزو کی ممانعت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسے امور کی تمنا اور آرزو مت کرو جو تمہارے اختیار میں نہیں تم کو چاہیے کہ اپنی نظر اور فکر کو ان فضائل و کمالات کے حاصل کرنے کی طرف متوجہ کرو کہ جس میں تمہارے عمل اور فعل کو دخل ہے ان فضائل اور کمالات کے حاصل کرنے کی کوشش کرو جن کا حصول تمہاری سعی اور جد و جہد اور کسب و اکتساب پر موقوف ہے کیونکہ مردوں [1] کے لیے حصہ ہے اس چیز سے جو انہوں نے اپنی سعی سے حاصل کیا اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس چیز سے جو انہوں نے اپنی سعی سے حاصل کی پس عمل کے ذریعہ فضل کو طلب کرو محض تمنا اور آرزو اس کے لیے کافی نہیں آخرت کی فضیلت اگر چاہتے ہو تو اپنی استطاعت کے مطابق کسب اور اکتساب میں دریغ نہ کرو آخرت کی

= لازم ہے کہ عمل کے ذریعہ سے طلب کرے حسد اور تمنی سے فضل کا طالب نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو ہر ایک چیز کا پورا علم ہے، ہر ایک کے درجے اور اس کے استحقاق کو خوب جانتا ہے اور ہر ایک کے مناسب شان اس سے معاملہ کرتا ہے تو اب جس کو فضیلت عطا کرتا ہے سراسر علم اور حکمت کے مطابق ہے۔ کوئی اپنی لاعلمی کی وجہ سے یوں اس میں خلجان کرے۔

[1] دیکھو معصم المصوف وعظ سویم از سلسلۃ البلاغ ص: ۲۲ اور دیکھو اسباب الفضائل وعظ ۲۲ از سلسلۃ تبلیغ ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

فضیلت کا قانوناً دارومدار یہی اعمال ہیں جن میں کسب اور اختیار کو دخل ہے اس لیے ﴿مِّمَّا اكْتَسَبُوْا﴾ فرمایا اور "مما فضلوا به" نہیں فرمایا۔

اور اعمال اختیاریہ میں کسی کی تخصیص نہیں۔ پس اگر دوسروں پر فضیلت اور فوقیت حاصل کرنے کا شوق ہے تو فضائل کسبیہ (جن کا تعلق کسب واکتساب سے ہے) میں کوشش کر کے دوسروں سے زیادہ ثواب حاصل کرلو اور اعمال صالحہ کی دوڑ میں دوسروں سے سبقت لے جاؤ تاکہ تم کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے۔ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓىِٕكَ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ مگر باوجود قدرت کے اعمال اختیاریہ کے کسب واکتساب میں کوتاہی اور سستی کرنا اور فضائل وہبیہ غیر اختیاریہ کی تمنا میں پڑنا محض ہوس اور فضول ہے۔ پھر فضائل وہبیہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہیں جن میں عادۃً تغیر اور تبدل نہیں ہوتا جیسے مرد ہونا یا شریف النسب ہونا یا نبی ہونا ایسے امور کی تو دعا بھی جائز نہیں کہ کوئی عورت مرد ہونے کی دعا کرے یا کوئی جولاہا سید ہونے کی یا کوئی امتی نبی ہونے کی دعا مانگنے لگے تو ایسی دعا بھی ناجائز ہے اور ایک قسم وہ ہے جس میں عادۃً من جانب اللہ تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے جیسے جاہ وجلال اور امیری وفقیری تو ایسے امور وہبیہ کی تمنا اور آرزو تو محض ہوس ہے ہاں اس طرح دعا کرنا جائز ہے کہ اول ان اعمال کو اختیار کرے جن پر حصول وہب کا ترتب عادۃً ہو جاتا ہے ایسے امور وھبیہ کے لیے دعا کرنا جائز ہے جیسا کہ ارشاد ہے اور سوال کرو اللہ سے اس کے فضل کا یعنی غیر کے حصہ کی تمنا مت کرو بلکہ جو کچھ مانگنا ہے خدا کے فضل سے مانگو اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں جس طرح اس نے اس کو دیا ہے تم کو دے گا بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اس کو خوب معلوم ہے کہ تمہارے حق میں کیا بہتر ہے تم تو اللہ سے اس کا فضل مانگے جاؤ اگر وہ تمہارے حق میں بہتر جانے گا تو تمہارے سوال کو پورا کردے گا ورنہ تمہارے اس سوال اور دعا کا تم کو قیامت میں اجر عطا فرمائے گا جو تمہاری تمنا اور آرزو سے کہیں بالا ہوگا اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے اس نے جس کو جو فضیلت عطا کی ہے وہ سراسر علم اور حکمت کے مطابق ہے تم اپنی لاعلمی اور نادانی کی وجہ سے خلجان میں مت پڑو اور کسی کی خداداد فضیلت اور فوقیت کو دیکھ کر حرص اور تمنا اور آرزو کی دلدل میں مت پھنسو آخرت کی فضیلت اور فوقیت کا دارومدار اعمال صالحہ پر ہے اس میں مرد عورت دونوں برابر ہیں ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا اجر ملے گا دنیا میں جو ایک دوسرے پر فضیلت اور برتری ہے اس کا دل میں خیال نہ لاؤ اور آخرت کی برتری جس سے حاصل ہو اس کی فکر اور کوشش کرو رہا یہ امر کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو مرد اور کسی کو عورت اور کسی کو حسین وجمیل اور کسی کو بدشکل اور بدصورت کیوں بنایا سو اس عقدہ کو کوئی حل نہیں کرسکتا۔

کس نکشود ونکشاید بحکمت ایں معمارا

گر مفلس وگر تونگرت گرداند   او مصلحت تواز توبہ می داند

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ

اور ہر کسی کے لئے ہم نے مقرر کر دیئے ہیں وارث اس مال کے کہ چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے اور جن سے معاہدہ ہوا تمہارا

اور ہر کسی کے ہم نے ٹھہرا دیئے وارث اس مال میں جو چھوڑ جاویں ماں باپ اور قرابت والے۔ اور جن سے قرار باندھا تم نے،

فَاٰتُوۡهُمۡ نَصِيۡبَهُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدًا ۝۳۳ ع ۴

ان کو دے دو ان کا حصہ بیشک اللہ کے روبرو ہے ہر چیز ف ۱

ان کو پہنچاؤ ان کا حصہ۔ اللہ کے روبرو ہے ہر چیز۔

حکم پانزدہم بابت میراث حلیف

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلۡنَا مَوَالِىَ... الی... اِنَّ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں عورتوں کی اس تمنا کا جواب تھا کہ میراث میں مرد کو بہ نسبت عورت کے دوہرا حصہ دیا جاتا ہے اب آگے ارشاد فرماتے ہیں اور ہر ایک کے لیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہم نے وارث مقرر کر دیے ہیں اس مال میں سے جس کو ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ جائیں ہم نے اپنی علم وحکمت سے ہر ایک کا حصہ مقرر کر دیا ہے اس میں تغیر وتبدل کرنا حدود اللہ سے تعدی کرنا ہے اور جن لوگوں سے تمہارا عہد اور پیمان ہو چکا ہے یعنی جو لوگ تمہارے حلیف ہیں یا جن سے اسلام میں تمہارا بھائی چارہ ہو چکا ہے تو تم ان کو حصہ دے دو بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہے شروع اسلام میں حلیف کو میت کے مال میں چھٹا حصہ ملتا تھا پھر جب آیت ﴿وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اگر ﴿نَصِيۡبَهُمۡ﴾ سے بطور وصیت اور بطور احسان اور اعانت دینا مراد ہے تو یہ حکم اب بھی باقی ہے منسوخ نہیں شروع اسلام میں میراث کا یہ دستور تھا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحاب ؓ میں سے دو دو شخصوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا تھا وہی ایک دوسرے کے وارث ہوتے بعد میں یہ آیت اتری کہ میراث تو اقارب اور رشتہ داروں ہی کا حق ہے۔ رہے منہ بولے بھائی تو ان کے لیے میراث نہیں ہاں زندگی میں ان کے ساتھ سلوک کرو اور مرتے وقت ان کے لیے کچھ وصیت کرو تو یہ مناسب ہے مگر میراث میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ وَّبِمَاۤ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر اور اس واسطے کہ خرچ کئے انہوں نے

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر، اور اس واسطے کہ خرچ کئے انہوں نے

ف ۱ یعنی مرد ہو یا عورت ہر ایک کے لئے تم سے اے مسلمانو! ہم نے وارث مقرر کر دیے اس مال کے جس کو چھوڑ مریں والدین اور قرابت والے کسی کو اس سے محروم نہیں رکھا اور جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ ہوا ہے ان کو ان کا حصہ ضرور پہنچا دو اللہ تعالیٰ کو تمام امور کا علم ہے کہ وارثوں کا کیا حصہ ہونا چاہیے اور جن سے معاہدہ ہوا ہے ان کو کیا ملنا چاہیے اور ہمارے ان احکام کو کون بجا لاتا ہے اور کون نافرمانی کرتا ہے۔

فائدہ: اکثر لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکیلے اکیلے مسلمان ہو گئے تھے اور ان کا سب کنبہ اور تمام اقربا کافر چلے آتے تھے تو اس وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی کر دیا تھا وہی دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے جب ان کے اقربا بھی مسلمان ہو گئے تب یہ آیت اتری کے میراث تو اقربا اور رشتہ داروں ہی کا حق ہے اب رہ گئے وہ منہ بولے بھائی تو ان کے لئے میراث نہیں ہاں زندگی میں ان کے ساتھ سلوک ہے اور مرتے وقت کچھ وصیت کر دے تو مناسب ہے مگر میراث میں کوئی حصہ نہیں۔

أَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۚ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ

اپنے مال ف۱ پھر جو عورتیں نیک ہیں سو تابعدار ہیں نگہبانی کرتی ہیں پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت سے ف۲ اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو

اپنے مال، پھر جو نیک بختی ہیں، سو حکم بردار ہیں، خبرداری کرتیاں ہیں پیٹھ پیچھے، اللہ کی خبرداری سے، اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو

نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا

تم کو تو ان کو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں اور مارو ف۳ پھر اگر کہا مانیں تمہارا تو مت

تم کو تو ان کو سمجھاؤ، اور جدا کرو سونے میں، اور مارو ان کو پھر اگر تمہارے حکم میں آدیں تو مت

تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿٣٤﴾ وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا

تلاش کرو ان پر راہ الزام کی بیشک اللہ ہے سب سے اوپر بڑا ف۴ اور اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں

تلاش کرو ان پر راہ الزام کی۔ بیشک اللہ ہے سب سے اوپر بڑا۔ اور اگر تم لوگ ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں

فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا ۚ إِنْ يُّرِيْدَا إِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ

تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے ف۵ اگر یہ دونوں چاہیں گے کہ صلح کرادیں تو اللہ موافقت کر دے گا

تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے، اور ایک منصف عورت والوں میں سے، اگر یہ دونوں چاہیں گے صلح تو اللہ ملاپ دے گا ان میں

ف۱ پہلی آیتوں میں مذکور تھا کہ مرد اور عورتوں کے حقوق کی پوری رعایت فرمائی گئی اگر رعایت حقوق میں فرق ہوتا تو عورتوں کو شکایت کا موقع ہوتا۔ اب اس آیت میں مرد اور عورت کے درجہ کو بتلاتے ہیں کہ مرد کا درجہ بڑھا ہوا ہے عورت کے درجہ سے۔ اس لئے فرق مدارج کے باعث جو احکام میں فرق ہوگا وہ سراسر حکمت اور قابل رعایت ہوگا اس میں عورت اور مرد باقاعدہ حکمت ہرگز برابر نہیں ہو سکتے عورتوں کو اس کی خواہش کرنی بالکل بے جا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مردوں کو عورتوں پر اللہ تعالیٰ نے حاکم اور نگران حال بنایا دو وجہ سے اول بڑی اور وہبی وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصل سے بعضوں کو بعضوں پر یعنی مردوں کو عورتوں پر علم و عمل میں کہ جن دونوں پر تمام کمالات کا مدار ہے فضیلت اور بڑائی عطا فرمائی جس کی تشریح احادیث میں موجود ہے۔ دوسری وجہ جو کسبی ہے یہ ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور مہر اور خوراک اور پوشاک جملہ ضروریات کا تکفل کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کی حکم برداری چاہئے۔

فائدہ: ایک صحابیہ نے اپنے خاوند کی نافرمانی بہت کی۔ آخر کو مرد نے ایک طمانچہ مارا۔ عورت نے اپنے باپ سے فریاد کی۔ عورت کے باپ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر احوال ظاہر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خاوند سے بدلہ لیوے۔ اتنے میں یہ آیت اتری اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے کچھ چاہا اور اللہ تعالیٰ نے کچھ اور چاہا اور جو کچھ اللہ نے چاہا وہی خیر ہے۔

ف۲ یعنی جو عورتیں نیک ہیں وہ مردوں کی تابعداری کرتی ہیں اور اللہ کے حکم کے موافق خاوند کے پیٹھ پیچھے اس کی رضا کے موافق اپنے نفس اور خاوند کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔ اپنے نفس اور مال زوج میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتیں۔

ف۳ یعنی اگر کوئی عورت خاوند سے بدخوئی کرے تو پہلا درجہ تو یہ ہے کہ مرد اس کو زبانی فہمائش کرے اور سمجھاوے اگر نہ مانے تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ جدا سووے لیکن اسی گھر میں۔ اس پر بھی نہ مانے تو آخری درجہ یہ ہے کہ اس کو مارے بھی، پر نہ ایسا کہ جس کا نشان باقی رہے یا ہڈی ٹوٹے ہر تقصیر کا ایک درجہ ہے۔ اسی کے موافق تادیب اور تنبیہ کی اجازت ہے۔ جس کے تین درجے ترتیب وار آیت میں مذکور ہیں اور مارنا پیٹنا آخر کا درجہ ہے۔ سرسری قصور پر نہ مارے ہاں قصور زیادہ ہو پھر مارنے میں حرج نہیں جس قدر مناسب ہو مارے پیٹے مگر اس کا لحاظ رہے کہ ہڈی نہ ٹوٹے اور نہ ایسا زخم پہنچائے کہ جس کا نشان باقی رہ جائے۔

ف۴ یعنی وہ عورتیں تمہاری نصیحت یا علیحدگی یا ضرب و تادیب کے بعد اگر بدخوئی اور نافرمانی سے باز آجائیں اور بظاہر مطیع ہو جائیں تو تم بھی بس کرجاؤ اور ان کے قصوروں کی کھود کرید مت کرو اور خواہ مخواہ ان کے ملزم بنانے میں خدا سے ڈرو۔ بیشک اللہ تم سب سے غالب اور سب پر حاکم ہے۔ نہ عورتوں کے معاملہ میں =

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

ان دونوں میں بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے ف۱

اللہ سب جانتا ہے خبر رکھتا۔

حکم شانزدہم بابت معاشرہ زوجین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ... الی... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں میراث کے باب میں عورتوں پر مردوں کی فضیلت بیان کی اب ان آیات میں مطلقاً مردوں کی فضیلت بیان فرماتے ہیں کہ مردوں کو عورتوں پر ہر طرح کی فضیلت حاصل ہے ذاتی اور عرضی دونوں قسم کی فضیلتیں مردوں کو خدا تعالیٰ نے عطا کی ہیں اور مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا ہے اور ان کو اجازت دی ہے کہ بغرض تادیب و اصلاح عورتوں کو تنبیہ کریں اور اگر ضرورت پیش آئے تو مارنے کی بھی اجازت ہے تاکہ عورتوں کا شبہ بھی دور ہو جائے کہ مردوں کو دوہری میراث کیوں ملتی ہے چنانچہ فرماتے کہ مرد عورتوں پر دو وجہ سے حاکم اور قائم ہیں مردوں کی وجہ سے عورتوں کا وجود قائم ہے ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر بزرگی اور بڑائی دی ہے یعنی ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر بہت سی باتوں میں فضیلت دی ہے اور اس فضیلت کا اقتضاء یہی ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہوں اور عورتیں ان کی محکوم ہوں حق تعالیٰ نے بہ نسبت عورتوں کے مردوں کو عقل اور علم اور حلم اور فہم اور حسن تدبر اور قوت نظریہ اور قوت عملیہ اور قوت جسمانیہ وغیرہ وغیرہ کہیں زائد عطا کی اور نبوت اور امامت اور خلافت اور بادشاہت اور قضاء و شہادت اور وجوب جہاد اور جمعہ اور عیدین اور اذان اور خطبہ اور جماعت اور میراث میں حصہ کی زیادتی اور نکاح کی مالکیت اور تعدد ازواج اور طلاق کا اختیار اور بلا نقصان کے نماز اور روزہ کا پورا کرنا اور حیض اور نفاس اور ولادت سے محفوظ رہنا، یہ فضائل حق تعالیٰ نے مردوں ہی کو عطا کیے ہیں۔ انہی فضائل اور خصوصیات کی بناء پر حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کے لیے حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

جسمانی قوت میں عورتیں مردوں کا مقابلہ نہیں کرسکتیں اور ظاہر ہے کہ کمزور اور ناتواں کو قوی اور توانا پر نہ حکومت کا حق ہے اور نہ وہ کرسکتا ہے قضاء وقدر نے عورتوں کی سرشت میں برودت اور نزاکت رکھی ہے اور مردوں میں حرارت اور قوت رکھی ہے اسی وجہ سے فوجی بھرتی اور جنگ و جدال اور قتال اور شجاعت اور بہادری اور میدانِ جنگ میں حکومت وسلطنت کے

=خواہ مخواہ کی بدگمانی سے کام لو اور نہ تھوڑے قصور پر اخیر کی سزا دینے لگو بلکہ ہر قصور کی ایک حد ہے اور مارنا اخیر کا درجہ ہے۔

ف۵ یعنی اے مسلمانو اگر تم کو اندیشہ ہو کہ خاوند اور عورت میں مخالفت اور ضد ہے وہ اپنے باہمی نزاع کو خود نہ سلجھا سکیں گے تو تم کو چاہیے کہ ایک منصف مرد کے اقارب میں سے اور ایک منصف عورت کے اقارب میں سے مقرر کرکے بغرض فیصلہ، زوجین کے پاس بھیجو کیونکہ اقارب کو ان کے حالات بھی زیادہ معلوم ہوں گے اور ان سے خیر خواہی کی بھی زیادہ امید ہے۔ یہ دونوں منصف، احوال کی تحقیق کریں گے اور جس کا جتنا قصور دیکھیں گے اس کو سمجھا کر باہم موافقت کرا دیں گے۔

ف۱ یعنی اگر دونوں منصف، اصلاح بین الزوجین کا قصد کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی حسن نیت اور حسن سعی سے زوجین میں موافقت کرا دے گا بیشک اللہ تعالیٰ کو تمام چیزوں کا علم اور اطلاع ہے۔ رفع نزاع اور حصول اتفاق کے اسباب اور کیفیات اس کو خوب معلوم ہیں اس لئے نزاع زوجین کے رفع ہونے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

لیے جانبازی اور سرحدوں کی حفاظت اور نگرانی حکومت کی بقاء کے لیے جس قدر اعمال شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب مردوں ہی سے سرانجام پاتے ہیں مرد کی ساخت اور بناوٹ ہی اسکی فضیلت اور فوقیت کا ثبوت دے رہی ہے اور عورت کی فطری نزاکت اور اس کا حمل اور ولادت اس کی کمزوری اور لاچاری کی کھلی دلیل ہے الغرض حق تعالیٰ نے مرد کو عورت پر دو قسم کی فضیلتیں عطا کی ہیں ایک ذاتی جس کا بیان گزر گیا اور دوسری فوقیت اور فضیلت عرضی اور کسبی ہے وہ وجہ یہ ہے کہ مردوں نے عورتوں پر اپنے مالوں میں سے بہت کچھ خرچ کیا ہے یہ مردوں کے عورتوں پر حاکم ہونے کی دوسری وجہ ہے اور یہ امر کسبی اور عرضی ہے یعنی مرد عورتوں پر اس لیے حاکم ہیں کہ انہوں نے عورتوں پر اپنے مال خرچ کر کے ان کو مہر دیا اور ان کا نفقہ اور خرچ اپنے ذمہ لیا تو مرد عورتوں کے محسن ہوئے اور محسن کو حکومت کا حق ہے کیونکہ وہ عورتوں کا آقا اور ولی نعمت ہے اپنے سے زیادہ ان کی راحت رسانی کا خیال رکھتا ہے ان ذاتی اور عرضی فضائل اور وہبی اور کسبی کمالات کی بناء پر محکمۂ قضاء وقدر نے مرد کو عورت پر حاکم مقرر کیا اور مرد کو سرداری کی سند عطا کی اور ظاہر ہے کہ دینے والا ہاتھ اوپر ہوتا ہے اور لینے والا ہاتھ نیچے غرض کہ ان وجوہ کی بنا پر عورتوں کو مردوں کا تابع اور محکوم بنایا۔

عقلی احتمالات

اس مقام پر عقلی احتمالات صرف تین ہیں: ۱- مرد حاکم ہو اور عورت محکوم۔ ۲- عورت حاکم ہو مرد محکوم۔ ۳- مرد اور عورت دونوں برابر ہوں نہ کوئی کسی کا حاکم ہو اور نہ کوئی کسی کا محکوم اس کے علاوہ اور کوئی احتمال عقلی ذہن میں نہیں آتا۔

شریعت نے پہلے احتمال کو اختیار کیا یعنی مرد کو حاکم اور عورت کو اس کا محکوم قرار دیا اور اس پر یہ حکم دیا کہ مرد چونکہ حاکم اور بالادست ہے اس لیے عورت کے تمام مصارف کی ذمہ داری مرد پر ہے اور مرد ہی پر مہر واجب ہے پس اگر عورتیں یہ چاہیں کہ ہم حاکم بنیں اور مرد ہمارے محکوم بنیں (جیسا کہ دوسرا احتمال ہے) تو پھر عورتوں کو چاہیے کہ مرد کے تمام مصارف کی کفیل اور ذمہ دار عورتیں بنیں اور عورتوں ہی پر مردوں کا مہر واجب ہو اور نکاح کے بعد جو اولاد ہو اس کی خورد ونوش اور ان کی تعلیم وتربیت کے کل مصارف کی ذمہ دار عورتیں ہی ہوں حتیٰ کہ مکان کا کرایہ بھی عورتوں کے ذمہ ہو جس طرح مرد حاکم ہونے کی صورت میں ان تمام مصارف کا کفیل اور ذمہ دار بنیں اور اگر عورتیں تیسرا احتمال اختیار کرتی ہیں کہ مرد اور عورت دونوں برابر رہیں نہ کوئی حاکم ہو اور نہ کوئی محکوم تو پھر اس کا تقاضا یہ ہے کہ مہر تو پہلے ہی مرحلہ میں ختم ہو جائے گا اور پھر نان ونفقہ کا مسئلہ بھی ختم ہو جائے گا اس لیے مساوات یعنی برابر کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک اپنا اپنا ذمہ دار رہے اور خانگی مصارف خورد ونوش وبنگلہ کا کرایہ آدھا مرد پر اور آدھا عورت پر واجب ہو اور بچوں کے خورد ونوش اور ان کی تعلیمی مصارف آدھے باپ کے ذمہ اور آدھے ماں کے ذمہ رہیں اور مرد اپنی عورت اپنے اپنے ذاتی مصارف مثلاً لباس وغیرہ کے بطور خود الگ الگ ذمہ دار رہیں عورتیں اگر حقوق میں مرد کی مساوات چاہتی ہیں تو مصارف اور ذمہ داریوں میں بھی تو مساوات کو قبول کریں ہر مساوی اپنا اپنا کفیل اور ذمہ دار ہوتا ہے دوسرے مساوی کا کفیل اور ذمہ دار نہیں ہوتا غرض یہ کہ شریعت نے جو مرد کے حاکم ہونے کا فیصلہ کیا ہے وہ نہایت عادلانہ اور حکیمانہ فیصلہ ہے اور عورتوں کے حق میں اس سے زیادہ نافع اور مفید کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا عورتوں پر اس فیصلہ

لیے جانبازی اور سرحدوں کی حفاظت اور نگرانی حکومت کی بقاء کے لیے جس قدر اعمال شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب مردوں ہی سے سرانجام پاتے ہیں مرد کی ساخت اور بناوٹ ہی اسکی فضیلت اور فوقیت کا ثبوت دے رہی ہے اور عورت کی فطری نزاکت اور اس کا حمل اور ولادت اس کی کمزوری اور لاچاری کی کھلی دلیل ہے الغرض حق تعالیٰ نے مرد کو عورت پر دو قسم کی فضیلتیں عطا کی ہیں ایک ذاتی جس کا بیان گزر گیا اور دوسری فوقیت اور فضیلت عرضی اور کسبی ہے وہ وجہ یہ ہے کہ مردوں نے عورتوں پر اپنے مالوں میں سے بہت کچھ خرچ کیا ہے یہ مردوں کے عورتوں پر حاکم ہونے کی دوسری وجہ ہے اور یہ امر کسبی اور عرضی ہے یعنی مرد عورتوں پر اس لیے حاکم ہیں کہ انہوں نے عورتوں پر اپنے مال خرچ کر کے ان کو مہر دیا اور ان کا نفقہ اور خرچ اپنے ذمہ لیا تو مرد عورتوں کے محسن ہوئے اور محسن کو حکومت کا حق ہے کیونکہ وہ عورتوں کا آقا اور ولی نعمت ہے اپنے سے زیادہ ان کی راحت رسانی کا خیال رکھتا ہے ان ذاتی اور عرضی فضائل اور وہبی اور کسبی کمالات کی بناء پر محکمۂ قضاء وقدر نے مرد کو عورت پر حاکم مقرر کیا اور مرد کو سرداری کی سند عطا کی اور ظاہر ہے کہ دینے والا ہاتھ اوپر ہوتا ہے اور لینے والا ہاتھ نیچے غرض کہ ان وجوہ کی بنا پر عورتوں کو مردوں کا تابع اور محکوم بنایا۔

عقلی احتمالات

اس مقام پر عقلی احتمالات صرف تین ہیں: ۱-مرد حاکم ہو اور عورت محکوم۔ ۲-عورت حاکم ہو مرد محکوم۔ ۳-مرد اور عورت دونوں برابر ہوں نہ کوئی کسی کا حاکم ہو اور نہ کوئی کسی کا محکوم اس کے علاوہ اور کوئی احتمال عقلی ذہن میں نہیں آتا۔

شریعت نے پہلے احتمال کو اختیار کیا یعنی مرد کو حاکم اور عورت کو اس کا محکوم قرار دیا اور اس پر یہ حکم دیا کہ مرد چونکہ حاکم اور بالا دست ہے اس لیے عورت کے تمام مصارف کی ذمہ داری مرد پر ہے اور مرد ہی پر مہر واجب ہے پس اگر عورتیں یہ چاہیں کہ ہم حاکم بنیں اور مرد ہمارے محکوم بنیں (جیسا کہ دوسرا احتمال ہے) تو پھر عورتوں کو چاہیے کہ مرد کے تمام مصارف کی کفیل اور ذمہ دار عورتیں بنیں اور عورتوں ہی پر مردوں کا مہر واجب ہو اور نکاح کے بعد جو اولاد ہو اس کی خورونوش اور ان کی تعلیم وتربیت کے کل مصارف کی ذمہ دار عورتیں ہی ہوں حتیٰ کہ مکان کا کرایہ بھی عورتوں کے ذمہ ہو جس طرح مرد حاکم ہونے کی صورت میں ان تمام مصارف کا کفیل اور ذمہ دار بنیں اور اگر عورتیں تیسرا احتمال اختیار کرتی ہیں کہ مرد اور عورت دونوں برابر رہیں نہ کوئی حاکم ہو اور نہ کوئی محکوم تو پھر اس کا تقاضا یہ ہے کہ مہر تو پہلے ہی مرحلہ میں ختم ہو جائے گا اور پھر نان ونفقہ کا مسئلہ بھی ختم ہو جائے گا اس لیے مساوات یعنی برابر کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک اپنا اپنا ذمہ دار رہے اور خانگی مصارف خورد ونوش و بنگلہ کا کرایہ آدھا مرد پر اور آدھا عورت پر واجب ہو اور بچوں کے خورد ونوش اور ان کی تعلیمی مصارف آدھے باپ کے ذمہ اور آدھے ماں کے ذمہ رہیں اور مرد اپنی عورت اپنے اپنے ذاتی مصارف مثلاً لباس وغیرہ کے بطور خود الگ الگ ذمہ دار رہیں عورتیں اگر حقوق میں مرد کی مساوات چاہتی ہیں تو مصارف اور ذمہ داریوں میں بھی تو مساوات کو قبول کریں ہر مساوی اپنا اپنا کفیل اور ذمہ دار ہوتا ہے دوسرے مساوی کا کفیل اور ذمہ دار نہیں ہوتا غرض یہ کہ شریعت نے جو مرد کے حاکم ہونے کا فیصلہ کیا ہے وہ نہایت عادلانہ اور حکیمانہ فیصلہ ہے اور عورتوں کے حق میں اس سے زیادہ نافع اور مفید کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا عورتوں پر اس فیصلہ

کا شکر واجب ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کے ضعف اور کمزوری اور وسائل معاش سے لاچاری اور مجبوری کی بناء پر اس کو شوہر کا محکوم بنا کر پیکر محبوبیت ونزاکت بنایا کہ مرد پر ناز کرے اور تمام مصارف اور ذمہ داریوں سے اس کو سبکدوش کر دیا پس نیک بخت ہیں وہ عورتیں جو اپنے مردوں کی فرمانبردار ہیں اور ان کی فضیلت اور برتری کو ملحوظ رکھ کر اطاعت گزار ہیں اور غائبانہ اپنے شوہروں کے مال اور ناموس کی حفاظت اور نگہبانی کرتی ہیں اللہ کی حفاظت سے یعنی اللہ کے حکم کے مطابق کہ اس نے حکم دیا ہے کہ شوہروں کی عدم موجودگی میں ان کے مال اور ناموس کی حفاظت کرنا یا معنی یہ کہ اللہ کی نیک توفیق سے یہ کام کرتی ہیں اور اپنے نفس وناموس میں اور شوہر کے مال متاع میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتیں۔

خلاصہ کلام:...... جب مردوں کو ذاتی فضائل اور کمالات کے علاوہ یہ فضیلت اور فوقیت بھی حاصل ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور ان کی خوراک اور پوشاک اور جملہ ضروریات کا تکفل کرتے ہیں تو عورتوں کو چاہیے کہ مردوں کی حکم برداری کریں کیونکہ مردان کے آقا اور ولی نعمت اور محسن ہیں تو نیک بخت عورتوں کا یہ حال بیان ہوا۔

اب آئندہ آیت میں ان عورتوں کا بیان حال کرتے ہیں جو نیک بخت نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور جن عورتوں کی سرکشی اور بدخوئی کا تم کو ڈر ہو جس کی علامت یہ ہے کہ عورت شوہر کی بات کا سختی سے جواب دے اور جب وہ اس کو اپنے پاس بلائے تو اس کے بلانے کی کچھ پروانہ کرے یہ علامت ہے اس بات کی کہ وہ عورت شوہر کے سر چڑھنے لگی اور نشوز کے اصلی معنی اونچے ہونے کے ہیں پس جن عورتوں کے متعلق یہ محسوس ہو کہ وہ سر چڑھنے لگی ہیں تو ان کی تادیب اور تنبیہ کا پہلا درجہ یہ ہے کہ ان کو نصیحت اور فہمائش کرو اور نشوز کی برائی ان پر ظاہر کرو اور یہ بتلاؤ کہ تم پر میرا حق ہے اور میری اطاعت تم پر فرض ہے لہٰذا اپنے نشوز سے باز آجاؤ اور اگر تمہارے سمجھانے اور نصیحت کرنے سے بھی باز نہ آئیں تو پھر تادیب وتنبیہ کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کو بستروں اور خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو یعنی ان کے پاس سونا چھوڑ دو شاید وہ تمہاری اس بے التفاتی سے متاثر ہو کر اپنے نشوز سے باز آجائیں اور اگر وہ تمہارے بستروں سے الگ ہونے سے بھی متاثر نہ ہوں تو اخیر علاج یہ ہے کہ تم ان کو مارو اور مار کر درست کرو۔

حدیث میں ہے کہ عورت کے منہ پر نہ مارنا ایسا مارے کہ چوٹ زیادہ لگ جائے اور ہڈی نہ ٹوٹ جائے بعض تفسیروں میں ہے کہ مسواک وغیرہ سے مارے مگر چہرہ پر نہ مارے اور ایسا بھی نہ مارے کہ بدن پر نشان پڑ جائے امام شافعی فرماتے ہیں کہ مارنا مباح اور جائز ہے مگر نہ مارنا افضل ہے پس اگر عورتیں تمہاری نصیحت یا علیحدگی یا ضرب وتادیب کے بعد تمہاری مطیع اور فرمانبردار ہو جائیں اور اپنی بدخوئی اور سرکشی سے باز آجائیں تو پھر تم ان کے ستانے کے لیے الزام کی راہ مت تلاش کرنا کہ ان پر ناحق الزام رکھ کر درپے آزاد ہو اور عورتوں کو عاجز سمجھ کر کسی قسم کی زیادتی ان پر نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ نے بہت بلند مرتبہ اور سب سے بڑا ہے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ ظالم مردوں سے مظلوم عورتوں کا بدلہ لیں اور تمہیں اپنی عورتوں پر وہ قدرت نہیں کہ جو اس علی کبیر کو تمام عالم پر حاصل ہے پس جب وہ علی کبیر باوجود اپنے رفعت اور کبریائی اور علو شان کے تم سے نرمی کا معاملہ کرتا ہے تو تم بھی اپنی عورتوں سے نرمی کا معاملہ کرو اور خوب جان لو کہ جس قدر تم اپنے ماتحتوں پر قدرت رکھتے ہو اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ تم پر قدرت رکھتا ہے اور اے مسلمانو اگر تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ میاں اور بیوی

کے درمیان مخالفت ہے اور ایسی سخت کش مکش ہے کہ جس کو وہ باہم نہیں سلجھا سکتے اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ قصور کس کا ہے اور دن بدن بدمزگی بڑھ رہی ہے تو اس مخالفت کے تصفیہ کا طریقہ یہ ہے کہ ایک پنچ یعنی ایک منصف جس میں تصفیہ کی صلاحیت ہو اور نیک ہو مرد کے خاندان سے مقرر کرو اور ایک پنچ اور منصف عورت کے کنبہ اور خاندان سے۔ پنچ کے مرد اور عورت کے اقارب میں سے ہونے کی قید اس لیے لگائی کہ اقارب کو بہ نسبت اجانب کے خانگی امور کا علم زیادہ ہوتا ہے نیز اقارب بہ نسبت اجانب کے صلح کرانے میں زیادہ کوشش کریں گے اور یہ شرط بطور استحباب کے ہے اگر دونوں پنچ مرد اور عورت کے کنبہ سے نہ ہوں اور اجنبی ہوں تو تب بھی جائز ہے اور دو پنچ مقرر کرنے میں مصلحت یہ ہے مرد کا پنچ مرد سے اور عورت کا پنچ عورت سے تخلیہ میں ان کی دلی مرضی کو معلوم کرلے گا کہ نکاح پر قائم رہنا چاہتے ہیں یا نکاح سے علیحدہ ہونا چاہتے ہیں اگر یہ دونوں پنچ حقیقۃً اصلاح کا ارادہ کریں گے اور اپنے اپنے کنبہ کی پاسداری اور طرف داری نہ کریں گے تحقیق حال کے بعد جس کا جتنا قصور دیکھیں گے اس کو سمجھا کر راہ راست پر لانے کی کوشش کریں گے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں یعنی میاں بیوی کے درمیان موافقت کرا دے گا بیشک اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا اور خبردار ہے اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ میاں بیوی کے پنچ کس راہ پر جا رہے ہیں اور ان کی کیا نیت ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

اور بندگی کرو اللہ کی اور شریک نہ کرو اس کا کسی کو ف۱ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیموں

اور بندگی کرو اللہ کی اور ملاؤ مت اُس کے ساتھ کسی کو، اور ماں باپ سے نیکی، اور قرابت والے سے، اور یتیموں سے،

وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ

اور فقیروں اور ہمسایہ قریب اور ہمسایہ اجنبی اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ

اور فقیروں سے، اور ہمسایہ قریب سے، اور ہمسایہ اجنبی سے، اور برابر کے رفیق سے، اور راہ کے مسافر سے۔

وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَۨا ﴿۳۶﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ

اور اپنے ہاتھ کے مال یعنی غلام باندیوں کے ساتھ بیشک اللہ کو پسند نہیں آتا اترانے والا بڑائی کرنے والا ف۲ وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں

اور اپنے ہاتھ کے مال سے۔ اللہ کو خوش نہیں آتا، جو کوئی ہو اتراتا، بڑائی کرتا۔ وہ جو بخل کرتے ہیں

ف۱ یعنی عبادت اور نیک عمل خدا پر یقین کر کے اور ثواب آخرت کی توقع سے کرو فخر اور ریا سے مال دینا یہ بھی شرک ہے گو کم درجہ کا ہے۔

ف۲ یتامیٰ اور نساء اور ورثاء اور زوجین کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن معاملہ کو بیان فرما کر اب یہ ارشاد ہے کہ ہر ایک کا حق درجہ بدرجہ تعلق کے موافق اور حاجت مندی کے مناسب ادا کرو۔ سب سے مقدم اللہ تعالیٰ کا حق ہے، پھر ماں باپ کا، پھر درجہ بدرجہ سب واسطہ داروں اور حاجت مندوں کا اور ہمسایہ قریب اور غیر قریب سے مراد قرب و بعد نسبی ہے یا قرب و بعد مکانی۔ صورت اولیٰ میں یہ مطلب ہوگا کہ ہمسایہ قرابتی کا حق ہمسایہ اجنبی سے زیادہ ہوگا اور صورت ثانیہ کا مدعا یہ ہوا کہ پاس کے ہمسایہ کا حق ہمسایہ بعید یعنی جو کہ فاصلہ سے رہتا ہے اس سے زیادہ ہے اور پاس بیٹھنے والے میں رفیق سفر اور پیشہ کے اور کام کے شریک اور ایک آقا کے دو نوکر اور ایک استاد کے دو شاگرد اور دوست اور شاگرد اور مرید وغیرہ سب داخل ہیں اور مسافر میں مہمان غیر مہمان دونوں آ گئے اور مال مملوک غلام اور لونڈی کے علاوہ دیگر حیوانات کو بھی شامل ہے۔ آخر میں فرما دیا کہ جس کے مزاج میں تکبر اور خود پسندی ہوتی ہے کہ کسی کو اپنے برابر نہ سمجھے، اپنے مال پر=

وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ

اور سکھاتے ہیں لوگوں کو بخل اور چھپاتے ہیں جو ان کو دیا اللہ نے اپنے فضل سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لئے

اور سکھاتے ہیں لوگوں کو بخل، اور چھپاتے ہیں جو ان کو دیا اللہ نے اپنے فضل سے۔ اور رکھی ہم نے منکروں کو

عَذَابًا مُّهِينًا ﴿۳۷﴾ وَالَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا

عذاب ذلت کا ف۱ اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کے دکھانے کو اور ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ

ذلت کی مار۔ اور وہ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کو دکھانے کو، اور یقین نہیں رکھتے اللہ پر اور نہ

بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ وَمَن يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ﴿۳۸﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ

قیامت کے دن پر اور جس کا ساتھی ہوا شیطان تو وہ بہت برا ساتھی ہے ف۲ اور کیا نقصان تھا ان کا اگر

پچھلے دن پر۔ اور جس کا ساتھی ہوا شیطان، تو بہت برا ساتھی ہے۔ اور کیا نقصان تھا ان کا اگر

آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ﴿۳۹﴾ إِنَّ اللَّهَ

ایمان لاتے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور خرچ کرتے اللہ کے دیئے ہوئے میں سے اور اللہ کو ان کی خوب خبر ہے ف۳ بیشک اللہ

یقین لاتے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور خرچ کرتے اللہ کے دیئے میں سے۔ اور اللہ کو ان کی خوب خبر ہے۔ اللہ

لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۴۰﴾

حق نہیں رکھتا کسی کا ایک ذرہ برابر اور اگر نیکی ہو تو اس کو دونا کر دیتا ہے اور دیتا ہے اپنے پاس سے بڑا ثواب ف۴

حق نہیں رکھتا کسی کا ایک ذرہ برابر، اور اگر نیکی ہو تو اس کو دونا کرے، اور دیوے اپنے پاس سے بڑا ثواب۔

=مغرور اور عیش میں مشغول ہو وہ ان حقوق کو ادا نہیں کرتا سو اس سے احتراز رکھو اور جدا رہو۔

ف۱ یعنی اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا خود پسند اور تکبر کرنے والوں کو جو کہ بخل کرتے ہیں اور اپنے مال اور علم خداداد کو لوگوں سے چھپاتے ہیں کسی کو نفع نہیں پہنچاتے اور قولاً اور عملاً دوسروں کو بھی بخل کی ترغیب دلاتے ہیں اور ان کافروں کے لئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

فائدہ: یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو فی سبیل اللہ خرچ کرنے میں خود بھی بخل کرتے تھے اور مسلمانوں کو بھی روکنا چاہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جو تورات میں مذکور تھے اور حقانیت اسلام کی آیات جو موجود تھیں ان کو چھپاتے تھے۔ سو مسلمانوں کو اس سے احتراز لازم ہے۔

ف۲ اور خود پسند متکبر وہ لوگ ہیں کہ اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کے لئے خرچ کرنے میں تو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی ترغیب دیتے ہیں لیکن لوگوں کے دکھانے کو اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں اور ان کو نہ اللہ پر ایمان ہے نہ قیامت کے دن پر کہ حصول رضائے حق تعالیٰ اور تحصیل ثواب اخروی ان کو مقصود ہو۔ اور اللہ کے یہاں مقبول اور پسندیدہ یہ ہے کہ ان حقداروں کو دیا جائے جن کا اول ذکر ہو چکا ہے اور دینے میں اللہ کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کی توقع ہو۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ اللہ کی راہ میں جیسا بخل کرنا برا ہے ویسا ہی لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرنا برا ہے اور ایسا کام وہی کرتے ہیں جن کا رفیق شیطان ہے جو ان کو ایسے کام پر آمادہ کرتا ہے۔

ف۳ یعنی ان کافروں کا کچھ نقصان نہ تھا اگر وہ بجائے کفر اللہ اور دن قیامت پر ایمان لاتے اور بجائے بخل و ریا اللہ کی راہ میں مال کو خرچ کرتے بلکہ ان کا سراسر نفع تھا۔ ضرر تو اس میں ہے جس کو وہ اختیار کر رہے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کیا اور کس نیت سے کر رہے ہیں۔ اسی کا عوض ان کو ملے گا پہلی آیت میں =

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَىِٕذٍ يَّوَدُّ

پھر کیا حال ہوگا جب بلاویں گے ہم ہر امت میں سے احوال کہنے والا اور بلاویں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا ف ۱ اس دن آرزو کریں گے

پھر کیا حال ہوگا جب بلاویں گے ہم، ہر امت میں سے احوال کہنے والا، اور بلاویں گے تجھ کو، ان لوگوں پر احوال بتانے والا؟ اس دن آرزو کریں گے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ

وہ لوگ جو کافر ہوئے تھے اور رسول کی نافرمانی کی تھی کاش برابر کئے جاویں وہ زمین میں اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے

جو لوگ منکر ہوئے تھے اور رسول کی بے حکمی کی تھی، کسی طرح ملا دیجئے ان کو زمین میں۔ اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے

حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ ع

کوئی بات ف ۲

ایک بات۔

= ﴿يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ﴾ فرمایا تھا۔ مال کو ان کی طرف منسوب کیا تھا۔ اب ﴿وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ﴾ فرمایا اس میں لطیف اشارہ ہے کہ وہ لوگ اپنا مال سمجھ کر جس طرح جی چاہتا ہے خرچ کرتے ہیں ان کو چاہیے تھا کہ اللہ کا مال سمجھ کر اس کے حکم کے موافق خرچ کرتے۔

ف ۴ یعنی اللہ تعالیٰ کسی کا حق ایک ذرہ برابر بھی ضائع نہیں فرماتا سو ان کافروں پر جو عذاب ہوگا وہ عین انصاف اور ان کی بد اعمالی کا بدلہ ہے۔ اور اگر ذرہ برابر بھی کسی کی نیکی ہوگی تو اضعاف مضاعف اس کا اجر دے گا اور اپنی طرف سے ثواب عظیم بطور انعام اس کو عنایت کرے گا۔

ف ۱ یعنی ان کافروں کا کیا برا حال ہوگا جس وقت کہ بلائیں گے ہم ہر امت اور ہر قوم میں سے گواہ ان کے حالات بیان کرنے والا۔ اور ان کے واقعی معاملات ظاہر کرنے والا اس سے مراد ہر امت کا نبی اور ہر عہد کے صالح اور معتبر لوگ ہیں کہ وہ قیامت کو نافرمانوں کی نافرمانی اور فرمانبرداروں کی فرمانبرداری بیان کریں گے اور سب کے حالات کی گواہی دیں گے اور تم کو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان پر یعنی تمہاری امت پر مثل دیگر انبیاء علیہم السلام کے احوال بتانے والا اور گواہ بنا کر لا دیں گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ھٰؤلاء کا اشارہ انبیائے سابقین یا کفار مذکورہ بالا کی طرف ہو۔ اول صورت میں انبیاء مراد ہوں تو مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انبیائے سابقین کی صداقت پر گواہی دیں گے جب کہ ان کی امتیں ان کی تکذیب کریں گی اور دوسرے احتمال سے کفار مراد ہوں تو مطلب یہ ہے کہ انبیائے سابقین جیسا اپنی اپنی امت کے کفار فساق کے کفر وفسق کی گواہی دیں گے تم بھی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کی بد اعمالی پر گواہ ہو گے جس سے ان کی خرابی اور برائی خوب محقق ہوگی۔

ف ۲ یعنی جس دن ہر امت میں سے ان کے حالات بیان کرنے والا بلایا جائے گا اس دن کافر اور نافرمان لوگ اس بات کی تمنا کریں گے کہ کاش ہم زمین میں ملا دیے جاتے اور مٹی میں مل کر نیست و نابود ہو جاتے، آج پیدا نہ ہوتے اور ہم سے حساب و کتاب نہ ہوتا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کسی بات کا اخفاء نہ کر سکیں گے اور ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا۔ شروع سورت سے مسلمانوں کو اقارب اور زوجین وغیرہ کے ادائے حقوق کی تاکید اور کسی کی حق تلفی کرنے اور جانی و مالی نقصان پہنچانے کی ممانعت اور معاصی کی خرابی پر مطلع کر کے اس کے بعد ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـــًٔـا﴾ فرما کر اقارب اور یتامیٰ اور مساکین اور ہمسایوں وغیرہ کے ساتھ احسان وسلوک کرنے کا ارشاد کر کے اسی کے ذیل میں تکبر اور خود پسندی اور بخل و ریا سے ڈرایا تھا جو ایسے عیب ہیں کہ دوسروں کے حق ادا کرنے اور کسی کے ساتھ سلوک کرنے سے روکتے بھی ہیں اور روپیہ پیسہ دینے والوں اور لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے والوں کی طبیعت میں خواہ مخواہ آنے بھی لگتے ہیں۔ اب ان تمام حکموں کے آخر میں پھر مسلمانوں کو صریح خطاب فرما کر خاص نماز کی بابت جو سب عبادتوں میں اعلیٰ اور افضل ہے اور شریعت میں جس قدر اس کا اہتمام کیا ہے اور اسکے ارکان و شرائط و آداب وغیرہ کو مفصل بتلایا ہے کسی عبادت کا اس قدر اہتمام نہیں کیا۔ دو باتوں کی تاکید فرمائی جو امور متعلقہ صلوٰۃ میں سب سے اہم اور نفس پر شاق ہیں اور ارکان صلوٰۃ کی صحت اور خوبی کے لئے جسم لا رجان ہیں۔ اول یہ کہ نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ تاوقتیکہ جو منہ سے نکلے اس کو سمجھ بھی لو اور جنابت میں بھی نماز سے دور رہو یہاں تک کہ غسل کر کے تمام بدن کو خوب پاک کر لو کیونکہ نماز میں دو امر مہتم بالشان ہیں ایک حضور اور خشوع، دوسرے طہارت اور نظافت اور جملہ امور متعلقہ صلوٰۃ میں یہی دو امر نفس پر شاق بھی ہیں اور نشہ خشوع اور حضور کے مخالف ہے تو جنابت طہارت =

حکم ہفد ہم - حسن معاملہ با خالق و خلق

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا... الی... وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا﴾

ربط:...... یہاں تک یتامیٰ اور ورثہ اور زوجین کے حقوق کو بیان فرمایا اب یہاں سے عام لوگوں کے حقوق کو بیان فرماتے ہیں کہ والدین اور اقارب اور احباب کے ساتھ کیا معاملہ رکھنا چاہیے اور سب سے پہلے حق تعالیٰ نے اپنے حق کو یعنی ایمان اور عبادت کو بیان فرمایا کہ خالق کا حق مخلوق کے حق سے مقدم ہے اور حقوق العباد بھی صحیح طور پر وہی شخص ادا کر سکتا ہے جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس لیے سب سے مقدم ایمان کو بیان فرمایا پھر اعمال صالحہ اور مکارم اخلاق کی تعلیم دی پھر بخل اور تکبر اور ریاء کی مذمت بیان فرمائی اس لیے کہ تکبر اور بخل حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں حارج اور مزاحم ہوتے ہیں اور حدود اللہ سے تعدی کا سبب بنتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور عبادت کرو تم خدا تعالیٰ کی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو یعنی عبادت خالص اسی کی کرو اور عبادت اور ربوبیت میں کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حق ہوا اور مخلوق کا حق یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ سلوک اور احسان کرو اگرچہ وہ کافر ہوں۔ والدین کی حق تربیت کا شکر بجالانا فرض ہے اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک اور احسان کرو صلہ رحمی مکارم اخلاق کی جڑ ہے اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی احسان کرو جو یتیموں اور مسکینوں پر رحم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے اور یتیم کو مسکین پر اس لیے مقدم کیا کہ یتیم دو طرح سے عاجز ہے ایک تو صغیر اور کمسن ہونے کی وجہ سے کسی پر اپنی حاجت کا اظہار نہیں کر سکتا دوسرے یہ کہ اس کا کوئی ولی اور سرپرست نہیں اور مسکین صرف ایک وجہ سے عاجز ہوتا ہے یعنی صرف اپنے فقر و فاقہ کی وجہ سے اور قریب کے پڑوسی اور دور کے پڑوسی کے ساتھ بھی سلوک اور احسان کرو جو ہمسایہ تمہارے قریب رہتا ہے وہ قریبی ہمسایہ ہے اور جو تم سے کچھ فاصلہ پر رہتا ہے وہ دور کا ہمسایہ ہے امام زہری سے منقول ہے کہ پڑوس کی حد چالیس گھر ہے یعنی ہر شخص کے گھر سے چاروں طرف چالیس چالیس گھر تک اس کا پڑوس ہے اور رفیق مجلس کے ساتھ بھی سلوک اور احسان کرو یعنی اپنے پاس بیٹھنے والے دوستوں اور اپنے ہم سبقوں اور ہم جماعتوں کے ساتھ احسان کرو ان کے حق صحبت کو ملحوظ رکھو اور مسافر یعنی راستہ کے ساتھی کے ساتھ بھی سلوک اور احسان کرو اور جن باندی اور غلاموں اور مویشیوں کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں اور تمہارے قبضہ میں ہیں ان

= اور نظافت کے منافی ہے بلکہ نشہ چونکہ مثل نوم اور غشی ناقض وضو ہے تو اس لئے طہارت کے بھی مخالف ہے تو مطلب یہ ہوا کہ نماز کو پورے اہتمام سے پڑھو اور جملہ امور ظاہری اور باطنی کا لحاظ رکھو گو نفس پر شاق ہو۔ باقی اس خاص موقع پر اس تاکید اور تقیید کے ارشاد فرمانے سے دو نفعے معلوم ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ احکام کثیرہ مذکورہ بالا جن میں حقوق اور معاملات باہمی اور عبادات جانی ومالی کا ذکر تھا ان سب کو بجالانے کے ساتھ بخل اور ریا اور خود پسندی اور بڑائی سے بھی مجتنب رہنا چونکہ نفس پر شاق ہے اور سننے والوں کو خلجان کا موقع ہے تو اس دشواری اور خلجان کا علاج بتانا منظور ہے یعنی نماز کو اس کی شرائط وآداب ظاہری و باطنی کے ساتھ ادا کرو گے تو جملہ اوامر ونواہی مذکورہ بالا کی تعمیل تم پر سہل ہو جائے گی کیونکہ نماز کی وجہ سے جملہ اوامر وعبادات میں سہولت اور رغبت اور تمام منہیات اور معاصی سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ دیگر آیات واحادیث میں مذکور ہے اور علمائے محققین نے تصریح فرمائی ہے۔ دوسرے یہ کہ احکام کثیرہ سابقہ کو سن کر بعید نہیں جو کامل کم ہمت اپنے آپ کو مجبور خیال کر کے ہمت ہار دیں اور اس کاہلی کا اثر نماز میں بھی ظاہر ہونے لگے جس کی شرائط وآداب بہت کچھ ہیں اور جو ہر وقت موجود ہے اس لئے نماز کا اہتمام مناسب ہوا۔ الحاصل جو کوئی اقامت صلوٰۃ کا اہتمام اور التزام رکھے گا اس کو دیگر احکام جانی ومالی میں بھی آسانی اور سہولت ہوگی اور جو کوئی دیگر احکام میں کاہلی اور بے پروائی کرتا ہے اس سے اقامت صلوٰۃ میں بھی کوتاہی کرنا بعید نہیں، واللہ اعلم

کے ساتھ بھی سلوک اور احسان کرو باندی اور غلام کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو اور جانوروں پر اتنا بوجھ نہ لادو جس کا وہ تحمل نہ کر سکیں غرض یہ کہ ان سب کے حقوق کو ادا کرو تحقیق اللہ تعالیٰ اس شخص کو دوست نہیں رکھتا جو متکبر ہو یعنی جو دل سے اپنے کو بڑا خیال کرے اور دوسرے کو حقیر سمجھے اور زبان سے اپنی بڑائی کرتا ہو یعنی خدا تعالیٰ نے جو اس کو دوسروں سے زائد نعمت دی ہے اس پر فخر کرتا ہو اور کمتر کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہو خدا تعالیٰ نے جس کسی کو کچھ دیا وہ بلا استحقاق محض اپنے فضل سے دیا پھر فخر کس بات کا کرتا ہے نیز جو خود بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل کی ترغیب دیتے ہیں جیسے اس زمانہ میں ماہرین علم اقتصاد اور خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو ان کو مال و دولت دیا ہے اس کو چھپاتے ہیں کہ کوئی حاجت مند ہمارا مال دیکھ کر ہم سے سوال نہ کر بیٹھے اس ڈر کے مارے اپنے کو مفلس ظاہر کرتے ہیں اس میں مال اور علم دونوں داخل ہیں مستحق سے مال کا اور علم کا چھپانا ناجائز ہے اور ہم نے ایسے ناشکروں کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے متکبر اور بخیل دنیا میں بھی ذلیل اور آخرت میں بھی۔

بخیل ار بود زاھد بحر و بر بہشتی بنا شد بحکم خبر

اور وہ لوگ جو ظاہر میں بخیل نہیں معلوم ہوتے اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں یعنی محض اپنی نمود اور شہرت کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے خرچ کرنے سے ثواب آخرت انہیں مقصود نہیں ہوتا تو ایسے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ان کا دوست تو شیطان ہے اور شیطان جس کا ساتھی اور دوست ہو تو وہ بہت ہی برا ساتھی اور بہت ہی برا دوست ہے یہ یار تو مار (سانپ) سے بھی برا ہے اور ان پر کیا مصیبت آجاتی اور ان کا بگڑ جاتا اگر یہ لوگ اللہ اور روز آخر پر ایمان لے آتے اور اس کثیر مال میں سے جو اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو دیا ہے کچھ اس کی راہ میں خرچ کر ڈالتے یعنی یہ لوگ اگر یہ کام کرتے تو ان کا کیا حرج ہوتا ان کاموں میں تو ان کا نفع ہی تھا ﴿مَاذَا عَلَيْهِمْ﴾ سے ان کی جہالت اور حماقت پر توبیخ مقصود ہے کہ ان نادانوں نے اس شئ کو جس میں اعلیٰ درجہ کا نفع تھا اس کو ضرر اور نقصان کی شی سمجھا اور اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے یعنی جو لوگ اپنی نمود اور شہرت کے لیے اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ان کی نیتوں کا حال خوب معلوم ہے تحقیق اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا ہر ایک کو اس کے نیک عمل کا پورا ثواب دیتا ہے ایمان لانے والوں اور راہ خدا میں خرچ کرنے والوں کو آخرت کے دن ضرور ثواب دے گا اور اگر وہ عمل ذرہ برابر نیکی ہوگی تو جہاں تک چاہے گا تو اس کے ثواب اور اجر کر بڑھائے گا یعنی اس کے ثواب کی کوئی حد مقرر نہیں جس قدر چاہتا ہے بڑھاتا چلا جاتا ہے کسی کو دس گونہ اور کسی کو دس لاکھ الی غیر النہایۃ زیادتی کا مدار نیت اور اخلاص پر ہے جتنا جس کا اخلاص ہوگا اتنا ہی خدا اس کی نیکی کو بڑھائے گا اور اس کے علاوہ اپنے پاس سے اجر عظیم دے گا یعنی عمل کے مقابلہ میں جو وعدہ کیا ہے اس کے علاوہ اپنے فضل و کرم سے اور زیادہ دے گا پس کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جو نہ اللہ کے حقوق ادا کرتے ہیں اور نہ بندوں کے جس وقت کہ ہم حاضر کریں گے ہر امت میں سے ایک گواہی دینے والا یعنی اس امت کا نبی جو ان پر ان کے بھلے اور برے کی گواہی دے اور اے محمد ﷺ ہم آپ ﷺ کو ان لوگوں پر گواہی دینے کے لیے حاضر کریں گے یعنی قیامت کے دن ہر نبی اپنی امت کی نافرمانی اور فرمانبرداری کو بیان کرے گا اور اس بات کی گواہی دے گا کہ میں نے اللہ کے احکام امت

تک پہنچا دیے تھے۔ امتیں ان کی تکذیب کریں گی۔ اس وقت محمد ﷺ انبیاء سابقین ؑ کی صداقت پر گواہی دیں گے آپ ﷺ کی گواہی کے بعد مجرمین پر جرم ثابت ہوجائے گا اور کافروں کے لیے عجب پریشانی اور اضطراب کا وقت ہوگا اس وقت وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور پیغمبر کی نافرمانی اور عدول حکمی کی یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم زمین کے پیوند ہوجائیں مطلب یہ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بہائم اور وحوش اور طیور اور درندوں سے کہے گا کہ تم سب مٹی ہوجاؤ وہ سب مٹی ہوجائیں گے اور زمین ان سے ہموار کردی جائے گی اس حال کو دیکھ کر کافر یہ آرزو اور تمنا کریں گے کہ کاش وہ بھی جانوروں کی طرح زمین کے ساتھ ہموار کردیئے جاتے اور ان کی طرح مٹی ہوجاتے تاکہ عذاب سے رہائی پاتے جیسا کہ سورۂ نبأ میں ہے ﴿وَيَقُولُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِي كُنْتُ تُرٰبًا﴾ یعنی قیامت میں یہ کافر کہے گا کاش میں مٹی ہوتا اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے شروع میں اگرچہ اپنے کفر و شرک کا انکار کریں گے اور یہ کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے مگر اس کے بعد ان کے منہ پر مہر لگادی جائے گی اور ان کے اعضاء اور جوارح کو حکم ہوگا کہ وہ شہادت دیں چنانچہ اعضاء و جوارح ان تمام اعمال کی شہادت دیں گے جو انہوں نے کیے ہوں گے اور پھر ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا

اے ایمان والو! نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ

اے ایمان والو! نزدیک نہ ہو نماز کے جب تم کو نشہ ہو، جب تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو، اور نہ

جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ

اس وقت کہ غسل کی حاجت ہو مگر راہ چلتے ہوئے یہاں تک کہ غسل کرلو ف۱ اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں یا آیا ہے

جب جنابت میں ہو، مگر راہ چلتے ہو، جب تک کہ غسل کرلو۔ اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں، یا آیا ہے

ف۱ پہلی آیات میں مسلمانوں کو خطاب تھا واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا الی آخرہ الآیات اور اسی کے ذیل میں کفار کی مذمت بیان فرمائی تھی جو کہ امور مذکورہ سابقہ کی مخالفت کرتے تھے اب اس کے بعد پھر مسلمانوں کو درباره صلوٰۃ بعض خاص ہدایتیں کی جاتی ہیں اور ان ہدایات کو ماقبل کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ اس سے پہلے کفار اور اہل کتاب کی دو خرابیوں کا خاص طور پر ذکر تھا ایک اللہ پر ایمان نہ لانا دوسرے اپنا مال اللہ کے لئے خرچ نہ کرنا بلکہ لوگوں کے دکھانے کو اور اپنی عزت بڑھانے کو مال خرچ کرنا اور ظاہر ہے کہ پہلی خرابی کا منشا تو علم کا نقصان اور جہل کا غلبہ ہے اور دوسری خرابی کی وجہ ہوائے نفس اور اپنی خواہش ہے جس سے معلوم ہوگیا کہ گمراہی کے بڑے سبب دو ہیں، اول جہل جس میں حق و باطل کی تمیز ہی نہیں ہوتی، دوسرے خواہش و شہوت جس سے باوجود تمیز حق و باطل حق کے موافق عمل نہیں کرسکتا کیونکہ شہوات سے قوت ملکی ضعیف اور قوت بہیمیہ قوی ہوجاتی ہے جس کا نتیجہ ملائکہ سے بعد اور شیاطین سے قرب ہے جو بہت سی خرابیوں کی جڑ ہے تو اب اس مناسبت سے حق تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کو نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے اول منع فرمایا کہ یہ جہل کی حالت ہے۔ اس کے بعد جنابت میں نماز پڑھنے سے روکا کہ یہ حالت ملائکہ سے بعد اور شیاطین سے قرب کی حالت ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ جہاں جنبی ہوتا ہے وہاں ملائکہ نہیں آتے۔ واللہ اعلم۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے ایمان والو جب تم کو کفر اور ریا کی خرابی معلوم ہوچکی اور ان کے اضداد کی خوبی واضح ہوچکی تو اس سے نشہ اور جنابت کی حالت میں نماز پڑھنے کی خرابی کو بھی خوب سمجھ لو کہ ان کا منشا بھی وہی ہے جو کفر و ریا کا منشا تھا۔ اس لئے نشہ میں نماز کے نزدیک نہ جانا چاہیے تاوقتیکہ تم کو اس قدر ہوش نہ آجائے کہ جو منہ سے کہو اس کو سمجھ بھی سکو اور نہ حالت جنابت میں نماز کے نزدیک جانا چاہیے تاوقتیکہ غسل نہ کرلو مگر حالت سفر میں اس کا حکم آگے مذکور ہے۔

فائدہ: یہ حکم اس وقت تھا کہ نشہ اس وقت تک حرام نہ ہوا تھا لیکن نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کردی گئی تھی۔ روایات میں منقول ہے کہ =

أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا

کوئی شخص تم میں جائے ضرور سے یا پاس گئے ہو عورتوں کے پھر نہ ملا تم کو پانی تو ارادہ کرو زمین پاک کا

کوئی شخص تم میں جائے ضرور سے، یا لگے ہو عورتوں سے، پھر نہ پایا پانی تو ارادہ کرو زمین پاک کا،

فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿۴۳﴾

پھر ملو اپنے منہ کو اور ہاتھوں کو ف ۱ بیشک اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنے والا ف ۲

پھر ملو اپنے منہ کو اور ہاتھوں کو۔ اللہ ہے معاف کرنے والا بخشتا۔

حکم ہشتد ہم متعلق بہ صلوٰۃ وطہارت

قال تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ... الی... إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں عبادت کا ذکر تھا اور ایمان کے بعد تمام عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت نماز ہے اس لیے اس آیت میں نماز کے آداب کو بیان فرماتے ہیں کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو کیونکہ نشہ کی حالت میں آدمی کو یہ علم نہیں رہتا کہ میں نماز میں کیا پڑھ رہا ہوں اور کس ذات بابرکات کے سامنے کھڑا ہوں اور اس سے کیا عرض ومعروض کر رہا ہوں یہ حکم اس وقت تھا کہ جب تک شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی چند صحابہ رضی اللہ عنہم ایک دعوت میں جمع تھے چونکہ ابھی تک شراب حرام

= ایک جماعت صحابہ کی دعوت میں جمع تھی چونکہ شراب اس وقت تک حرام نہ ہوئی تھی اس لئے انہوں نے شراب پی تھی۔ مغرب کا وقت آ گیا تو سب اسی حالت میں نماز کو کھڑے ہو گئے امام نے سورۃ قل یایہا الکفرون میں لا اعبد ما تعبدون کی جگہ اعبد ما تعبدون بیہوشی میں پڑھ دیا جس سے معنی بالکل خلاف اور غلط ہو گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اب اگر نیند کے غلبہ یا بیماری کی وجہ سے کسی کا ایسا حال ہو جائے کہ اس کی خبر نہ رہے کہ میں نے کیا کہا تو ایسی حالت کی نماز بھی درست نہ ہو گی جب ہوش آئے تو اس کی قضا ضرور کر لے۔

ف ۱ یعنی حالت جنابت میں نماز کا نہ پڑھنا تاوقتیکہ غسل نہ کر لے یہ حکم جب ہے کہ کوئی عذر نہ ہو اور اگر کوئی ایسا عذر پیش آئے کہ پانی کے استعمال سے معذوری ہو اور طہارت کا حاصل کرنا ضروری ہو تو ایسے وقت میں زمین سے تیمم کر لینا کافی ہے۔ اب پانی کے استعمال سے معذوری کی تین صورتیں بتلائیں ایک بیماری کہ اس میں پانی ضرر کرتا ہے دوسری یہ کہ سفر درپیش ہے اور پانی اتنا موجود ہے کہ وضو کر لے تو پیاس سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے دور تک پانی نہ ملے گا۔ تیسری یہ کہ پانی بالکل موجود ہی نہیں اس پانی موجود نہ ہونے کی صورت کے ساتھ دو صورتیں طہارت کی ضروری ہونے کی بیان فرمائیں ایک یہ کہ کوئی جائے ضرور سے فارغ ہو کر آیا اس کو وضو کی حاجت ہے دوسری یہ کہ عورت سے صحبت کی ہو تو اس کو غسل کی ضرورت ہے۔ **فائدہ:** تیمم کی صورت یہ ہے کہ پاک زمین پر دونوں ہاتھ مارے پھر سارے منہ پر اچھی طرح مل لیوے پھر دونوں ہاتھ زمین پر مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک مل لے مٹی طاہر ہے اور بعض چیزوں کے لئے مثل پانی کے مطہر بھی ہے مثلاً خف، تلوار، آئینہ وغیرہ اور جو نجاست زمین پر گر کر خاک ہو جاتی ہے وہ بھی پاک ہو جاتی ہے اور نیز ہاتھ اور چہرہ پر مٹی ملنے میں تذلل اور عجز بھی پورا ہے جو گناہوں سے معافی مانگنے کی اعلیٰ صورت ہے۔ سو جب مٹی ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی نجاست کو زائل کرتی ہے تو اس لئے بوقت معذوری پانی کی قائم مقام کی گئی۔ اسکے سوا مقتضائے آسانی وسہولت جس پر حکم تیمم مبنی ہے یہ ہے کہ پانی کی قائم مقام ایسی چیز کی جائے جو پانی سے زیادہ سہل الوصول ہو۔ سو زمین کا ایسا ہونا ظاہر ہے کیونکہ وہ سب جگہ موجود ہے۔ مع ہذا خاک انسان کی اصل ہے اور اپنی اصل کی طرف رجوع کرنے میں گناہوں اور خرابیوں سے بچاؤ ہے۔ کافر بھی آرزو کریں گے کہ کسی طرح خاک میں مل جائیں جیسا پہلی آیت میں مذکور ہوا۔

ف ۲ یعنی اللہ تعالیٰ نے ضرورت کے وقت تیمم کی اجازت دے دی اور مٹی کو پانی کے قائم مقام کر دیا اس لئے کہ وہ سہولت اور معافی دینے والا ہے اور بندوں کی خطائیں بخشنے والا ہے اپنے بندوں کے نفع اور آسائش کو پسند فرماتا ہے۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں نشہ کی حالت میں جو کچھ کا کچھ پڑھا گیا تھا وہ بھی معاف کر دیا گیا جس سے یہ خلجان نہ رہا کہ آئندہ کو تو ایسی حالت میں نماز نہ پڑھیں گے مگر جو پہلے غلطی ہو گئی شاید اس کی نسبت مواخذہ ہو۔

نہیں ہوئی تھی اس لیے ان لوگوں نے شراب پی مغرب کا وقت آ گیا تو اسی حالت میں نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی اور ﴿قُلْ يَآيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ کی جگہ "اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ" نشہ کی حالت میں پڑھ دیا جس سے معنی بالکل غلط ہو گئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور قطعاً اس کی ممانعت کر دی گئی کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ آئیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اوقات نماز میں شراب پینا چھوڑ دی۔ دوسرا ادب نماز کا اس آیت میں یہ بتلایا کہ حالت جنابت میں نماز نہ پڑھنا حالت جنابت میں انسان شیاطین کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرو اور اس سے شرماؤ اور من جملہ حیاء کے یہ ہے کہ تم نشہ کی حالت میں نماز کے نزدیک نہ جاؤ یہاں تک کہ تم سمجھو اور جانو کہ تم اپنی زبان سے کیا کہہ رہے ہو اور کس ذات پاک سے مناجاۃ اور خطاب کر رہے ہو اور کیا خطاب کر رہے ہو نہ معلوم اس حالت میں تمہارے منہ سے کیا کلمہ نکل جائے اور سکران یعنی مست وہ ہے کہ جو اپنے کہے ہوئے کو نہ سمجھتا ہو اور بعض کہتے ہیں کہ سکران وہ ہے جو مرد اور عورت میں فرق نہ کرے یا زمین اور آسمان میں تمیز نہ کرے یا چلنے میں لڑکھڑاتا ہو۔

اور نہ حالت جنابت میں (جب کہ تم ناپاک ہو اور غسل تم پر فرض ہو) نماز کے قریب جاؤ جب تک غسل نہ کر لو مگر ہاں بحالت سفر جب کہ پانی نہ ملے تو پھر تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہو یعنی حالت جنابت میں بغیر غسل کے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں مگر سفر تیمم کر کے نماز پڑھنا جائز ہے جس کا حکم آئندہ آیت میں آتا ہے اور سفر سے عذر کی حالت میں مراد ہے یعنی عذر کی حالت میں تیمم جائز ہے چونکہ اس آیت میں اجمالی طور پر تیمم کی طرف اشارہ فرمایا اس لیے آئندہ آیت میں اسباب عذر اور مواقع تیمم کو بیان فرماتے ہیں کہ چاروں حالتوں میں تیمم جائز ہے۔ بیماری، اور مسافری، اور حدث اصغر یعنی پیشاب اور پاخانہ کرنے کے بعد اور حدث اکبر یعنی اپنی عورتوں سے صحبت کے بعد مگر ان چاروں صورتوں میں شرط یہ ہے کہ ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً﴾ یعنی پانی نہ ملے ان چاروں حالتوں میں پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم جائز ہے پس ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً﴾ کی ان چاروں قسموں سے متعلق ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر تم مریض ہو یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی شخص پیشاب یا پاخانہ سے فارغ ہو کر جائے ضرورت سے آیا ہے یعنی قضائے حاجت کر کے آیا ہے یا تم نے عورتوں سے مباشرت اور اختلاط کیا ہے پھر ان تمام صورتوں میں تم طہارت صغریٰ اور طہارت کبریٰ یعنی وضوء اور غسل کے لیے پانی نہ پاؤ جس سے تم حدث اصغر اور حدث اکبر کو زائل کر سکو پانی نہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ پانی موجود ہی نہ ہو یا موجود تو ہو مگر بیماری اور معذوری کی وجہ سے استعمال نہ کر سکتا ہو تو یہ تو یہ بھی نہ ہونے ہی کے حکم میں ہے پس تم ان تمام حالتوں میں طہارت حاصل کرنے کے لیے تیمم کرو جس کا طریقہ یہ ہے کہ تم پاک زمین کا قصد کرو پس مسح کر لو اپنے چہروں پر اور اپنے ہاتھوں پر پاک زمین کا قصد کرنا یہ تو تیمم کی نیت ہوئی اور چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لینے کا نام تیمم ہے بے شک اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے اور بڑے بخشنے والے ہیں کہ اس نے اپنی رحمت سے مٹی کو پانی کے قائم مقام کر دیا کہ جو پانی سے بھی زیادہ سہل الوصول ہے اور تمہارا مبدأ اور منتہیٰ ہے۔ ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ اور تواضع اور خاکساری کا خاص

نشان ہے جو ظاہری اور باطنی نجاستوں کے زائل کرنے میں پانی سے کم نہیں۔

فوائد:...... ۱-﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ آیت میں صلوٰۃ سے نماز مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ تم زبان سے کیا کہہ رہے ہو اور دوسرا قول یہ ہے کہ صلوۃ سے موضع صلوۃ یعنی مسجد مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ نشہ کی حالت میں مسجد میں نہ جایا کرو جب نشہ اتر جایا کرے اور ہوش آ جائے اور اپنے قول کو سمجھنے لگو کہ کیا کہتے ہو اس وقت جایا کرو۔ ۲-اور علیٰ ھذا ﴿وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ میں بھی دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ ﴿عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ سے مسافر مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ حالت جنابت میں نماز کے قریب مت جاؤ جب تک غسل نہ کر والا یہ کہ تم مسافر ہو اور وہاں تم کو پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لو یہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد اور قتادہ رحمہ اللہ کا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ سے نفس نماز مراد ہے دوسرا قول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سعد بن مسیب اور عطاء رحمہم اللہ وغیرہم کا ہے کہ ﴿عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ سے عبور فی المسجد یعنی مسجد سے گزرنا مراد ہے ان حضرات کے نزدیک ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ میں صلوۃ سے مواضع صلوٰۃ یعنی مساجد مراد ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ نشہ کی حالت میں اور جنابت کی حالت میں مسجد میں مت جاؤ مگر یہ کہ گزرے چلے جاؤ اس فریق کے نزدیک جس شخص کو نہانے کی حاجت ہو اس کو مسجد میں گزر جانا روا ہے اور فریق اول کے نزدیک حالت جنابت میں مسجد سے گزر جانا جائز نہیں یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ فریق ثانی کے نزدیک حالت جنابت میں بیٹھنا اور ٹھہرنا گناہ تو ہے مگر مسجد سے گزر جانا گناہ نہیں اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے دلائل کی تفصیل امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اور امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ کے کلام میں دیکھئے۔ ۳-فریق اول یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی بناء پر ﴿اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ کے استثناء کا تعلق فقط ﴿وَلَا جُنُبًا﴾ سے ہے اور ﴿وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ سے اس کا کچھ تعلق نہیں اور فریق ثانی یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کی بناء پر ﴿اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ کا تعلق دونوں حالتوں سے استثناء ہے کذا فی التفسیر ابی السعود وروح المعانی وروح البیان۔ ۴-آیت ﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ میں ائمہ تفسیر کے دو قول ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ اور مجاہد اور حسن بصری اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ملامسہ نساء (عورتوں کے چھونے) سے صحبت اور جماع مراد ہے اور عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور شعبی اور نخعی اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ایک جسم کا دوسرے جسم سے اتصال یعنی لگ جانا مراد ہے خواہ جماع سے یا بغیر جماع کے اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ فریق اول کے نزدیک عورت کو چھو دینے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور فریق ثانی کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے۔ ۵-"صَعِيْدًا" کے معنی روئے زمین اور "طَيِّبًا" کے معنی طاہر کے ہیں یعنی وہ زمین جس پر تیمم کیا جائے پاک ہو نجس نہ ہو۔ زجاج اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک زمین کے تمام سطح کا نام صعید ہے خواہ وہ مٹی ہو یا وہ پاک پتھر ہو جس پر مٹی اور غبار کا نام و نشان بھی نہ ہو اس سے بھی تیمم جائز ہے اگر متیمم ایسے پتھر پر اپنا ہاتھ مار کر اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرے تو کافی ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صعید سے مراد صرف مٹی ہے پس ان کے نزدیک ایسے پتھر سے تیمم جائز نہیں ہے جس پر مٹی یا غبار نہ ہو امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ

ہے کہ لفظ صعید، صعود سے مشتق ہے جس کے معنی اوپر کو چڑھنے کے ہیں یہ اشتقاق اس بات کو مقتضی ہے کہ تیمم ایسی چیز سے ہونا چاہیے جو بالطبع اوپر چڑھنے والی ہو یعنی مٹی یا غبار سے۔ ۶۔تیمم کی کیفیت میں فقہاء کا اختلاف ہے امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم اور اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں اول دفعہ ہاتھ مٹی پر مار کے منہ پر پھیرے اور دوسری دفعہ ہاتھ مار کر کہنیوں تک پھیرے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک ہی دفعہ ہاتھ زمین پر مار کے منہ پر اور ہاتھوں پر پھیرے کہنیوں تک پھیرنا ضروری نہیں احادیث کثیرہ اور قیاس علی الوضو پہلے ہی قول کی تاکید کرتی ہیں اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔ ۷۔عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا نشہ کی حالت میں نماز مغرب میں بجائے ﴿لَآ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ﴾ کے ﴿اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ﴾ پڑھ دینا جس سے معنی بالکل برعکس ہو گئے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ نشہ کی حالت میں اگر زبان سے کوئی کلمۂ کفر اور شرک نکل جائے اور اس کو مطلق اس کی خبر نہ ہو کہ میری زبان سے کیا نکلا ہے تو ایسا شخص عنداللہ کافر نہ ہوگا۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يَشۡتَرُوۡنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا

کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جن کو ملا ہے کچھ حصہ کتاب سے خرید کرتے ہیں گمراہی اور چاہتے ہیں کہ تم بھی بہک جاؤ

تو نے نہ دیکھے جن کو ملا ہے کچھ ایک حصہ کتاب سے، خرید کرتے ہیں گمراہی، اور چاہتے ہیں کہ تم بھی بھکو

السَّبِيۡلَ ؕ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاَعۡدَآئِكُمۡ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيۡرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ

راہ سے اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ کافی ہے حمایتی اور اللہ کافی ہے مددگار ف۱ بعضے

راہ سے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو۔ اور اللہ بس ہے حمایتی اور اللہ بس ہے مددگار۔ وہ جو

الَّذِيۡنَ هَادُوۡا يُحَرِّفُوۡنَ الۡـكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوۡلُوۡنَ سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا وَاسۡمَعۡ غَيۡرَ

لوگ یہودی پھیرتے ہیں بات کو اس کے ٹھکانے سے ف۲ اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا ف۳ اور کہتے ہیں کہ سن نہ

یہودی ہیں، بےڈھب کرتے ہیں بات کو اس کے ٹھکانے سے، اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نہ مانا، اور سن نہ

ف۱ ان آیات میں یہود کے بعض قبائح اور انکے مکروفریب کا بیان ہے اور ان کی ضلالت اور کفر پر خود ان کو اور نیز دوسروں کو مطلع کرنا ہے تاکہ ان سے علیحدہ رہیں چنانچہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا﴾ سے لے کر ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنۡتُمۡ سُكٰرٰى﴾ تک یہود کے قبائح مذکور ہو چکے ہیں۔ بیچ میں ایک خاص مناسبت سے نشہ اور جنابت میں نماز سے ممانعت فرما کر پھر یہود کے قبائح کا بیان ہے۔ یہود کو کتاب سے کچھ حصہ ملا یعنی لفظ پڑھنے کو ملے اور عمل کرنا جو اصل مقصود تھا نہیں ملا اور گمراہی خرید کرتے ہیں یعنی پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اوصاف کو دنیا کی عزت اور رشوت کے واسطے چھپاتے ہیں اور جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی دین سے پھر کر گمراہ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ اے مسلمانو تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے تم ایسا ہرگز نہیں جانتے سو اللہ کے فرمانے پر اطمینان کرو اور ان سے بچو اور اللہ تعالیٰ تم کو نفع پہنچانے اور نقصان سے بچانے کے لئے کافی ہے اس لئے دشمنوں سے اس قسم کا اندیشہ مت کرو اور دین پر قائم رہو۔

ف۲ یعنی یہود میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو توراۃ میں نازل فرمایا اس کو اپنے ٹھکانے سے پھیرتے اور بدلتے ہیں یعنی تحریف لفظی اور معنوی کرتے ہیں۔

ف۳ یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کوئی حکم سناتے تو یہود جواب میں کہتے ہم نے سن لیا مطلب یہ ہوا کہ قبول کر لیا لیکن آہستہ سے کہتے تھے کہ نہ مانا یعنی ہم نے فقط کان سے سنا دل سے نہیں مانا۔

مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

سنایا جائیو ف۱ اور کہتے ہیں راعنا ف۲ موڑ کر اپنی زبان کو اور عیب لگانے کو دین میں ف۳ اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور مانا اور سن

سنایا جائیو، اور راعنا موڑ دے کر اپنی زبان کو، اور عیب دے کر دین میں۔ اور اگر وہ کہتے، ہم نے سنا اور مانا اور سن

وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ

اور ہم پر نظر کر تو بہتر ہوتا ان کے حق میں اور درست لیکن لعنت کی ان پر اللہ نے ان کے کفر کے سبب سو وہ ایمان نہیں لاتے

اور ہم پر نظر کر تو بہتر ہوتا ان کے حق میں اور درست، لیکن لعنت کی ان کو اللہ نے ان کے کفر سے۔ سو ایمان نہیں لاتے

اِلَّا قَلِيْلًا ۝۴۶

مگر بہت کم ف۴

مگر کم۔

ذکر بعض قبائح یہود

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ… الی… فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾

ربط: …… یہاں تک مواقع تقویٰ اور حدود اللہ سے ان تعدیوں کا بیان تھا جن کا تعلق مسلمانوں سے تھا اب آئندہ آیات میں اہل کتاب کی تعدی کو بیان فرماتے ہیں اور مسلمانوں کو متنبہ کرنے کے لیے یہود کی بعض قبائح اور ان کے مکروفریب اور ان کی پرانی اور جبلی شرارتوں کا ذکر کرتے ہیں کہ یہود ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں کو دین سے پھیر دیں اور توریت

ف۱ یعنی اور جب یہود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں سن نہ سنایا جائیو تو یعنی ایسے کلام بولتے جس کے دو معنے ہوں ایک معنی کے اعتبار سے دعاء یا تعظیم ہو تو دوسرے معنی کی رو سے بد دعاء اور تحقیر ہو سکے۔ چنانچہ یہ کلام بظاہر دعائے خیر ہے۔ مطلب یہ کہ تو ہمیشہ غالب اور معزز رہے کوئی تجھ کو بری اور خلاف بات نہ سنا سکے اور دل میں نیت یہ رکھے کہ تو بہرا ہو جائیو۔

ف۲ یعنی حضرت کی خدمت میں آتے تو یہود راعِنَا کہتے اس کے بھی دو معنے ہیں ایک اچھے ایک برے جن کا بیان سورۃ بقرہ میں گزر چکا۔ اچھے معنی تو یہ کہ ہماری رعایت کرو اور شفقت کی نظر کرو کہ تمہارا مطلب سمجھ لیں۔ اور جو پوچھنا ہو پوچھ سکیں اور برے معنی یہ کہ یہود کی زبان میں یہ کلمہ تحقیر کا ہے یا زبان کو دبا کر راعِیْنَا کہتے یعنی تو ہمارا چرواہا ہے اور یہ ان کی محض شرارت تھی کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر پیغمبروں نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔

ف۳ یعنی یہود ان کلمات کو اپنے کلام میں رلا ملا کر ایسے انداز سے کہتے کہ سننے والے اچھے ہی معنوں پر حمل کرتے اور برے معنوں کی طرف دھیان بھی نہ جاتا اور دل میں برے معنی مراد لیتے اور پھر دین میں یہ عیب لگاتے کہ اگر یہ شخص نبی ہوتا تو ہمارا فریب ضرور معلوم کر لیتا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے فریب کو خوب کھول دیا۔

ف۴ حق تعالیٰ یہود کے تین قول مذموم بیان فرما کر اب بطور ملامت و ہدایت ارشاد کرتے ہیں کہ اگر یہود عَصَيْنَا کی جگہ اَطَعْنَا کہتے اور بجائے اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ کے صرف اِسْمَعْ کہتے اور راعِنَا کے عوض اُنْظُرْنَا کہتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور یہ بات درست اور سیدھی ہوتی اور اس یہودگی اور شرارت کی گنجائش نہ ہوتی جو کلمات سابقہ سے یہود برے معنی اپنے دل میں مراد لیا کرتے تھے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے کفر کے باعث اپنی رحمت اور ہدایت سے دور کر دیا اس لئے وہ مفید اور سیدھی باتوں کو نہیں سمجھتے اور ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے سے آدمی کہ وہ ان خباثتوں اور شرارتوں سے مجتنب رہے اور اس وجہ سے اللہ کی لعنت سے محفوظ رہے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔

میں تحریف کرتے ہیں اور دین اسلام پر طرح طرح کے طعن اور اعتراضات کرتے ہیں تاکہ لوگ شک میں پڑ جائیں اور جب آنحضرت ﷺ کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں تو نہایت گستاخانہ اور تمسخر آمیز ہوتی ہے۔ مال ❶ و دولت کے نشہ نے اور تکبر اور غرور نے ان کو اندھا بنا رکھا ہے یہود کے ان شنائع اور قبائح کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ مسلمان ان کے مکر و فریب پر مطلع ہو جائیں تاکہ ان سے علیحدہ رہیں چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبی ﷺ) کیا آپ ﷺ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جن کو کتاب یعنی توریت کے علم سے بہرہ ور کیا گیا ہے اور اس کے علم سے ان کو ایک حصہ دیا گیا ہے یعنی کیا آپ ﷺ کو ان کی گمراہی اور شرارت کا حال معلوم نہیں کہ وہ کیسے سخت گمراہ اور شریر ہیں کہ وہ لوگ ہدایت کو دے کر گمراہی خرید کرلاتے ہیں یعنی یہود آنحضرت ﷺ کی تکذیب کر کے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خریدتے ہیں تو گمراہی کے خریدار بنے ہی اور مزید برآں چاہتے یہ ہیں کہ تم بھی سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ لہٰذا تم ان سے احتیاط رکھنا کیونکہ یہ تمہارے دشمن ہیں اور شاید تم کو ان کی دشمنی کا علم نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے یعنی تمہیں ان کی عداوت کا حال معلوم نہیں مگر اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ ان کے سینے تمہاری عداوت سے لبریز ہیں اللہ تعالیٰ نے تم کو بتلا دیا ہے کہ تم ان کو اپنا دشمن سمجھو اور ان سے بچتے رہو اور ان کی باتوں میں نہ آؤ اور ان کی دشمنی کا حال سن کر پریشان بھی نہ ہونا کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا کافی حمایتی ہے اور اللہ تعالیٰ کافی مددگار ہے یعنی ان کی عداوت تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی ہے اس کی حمایت کے مقابلہ میں سارے عالم کی عداوت ہیچ ہے اور اللہ تمہارا مددگار ہے اس کی نصرت اور حمایت پر بھروسہ رکھو اور ان سے بالکل نہ ڈرو اس کے بعد یہود کی چند عادتیں ذکر فرماتے ہیں تاکہ تم کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ کونسی باتیں جن سے وہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور اوروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہودیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو کتاب الٰہی یعنی توریت کے کلمات اور الفاظ کو ان کے موقع اور محل سے لفظاً یا معنیً پھیر دیتے اور ہٹا دیتے ہیں یعنی توریت میں جو محمد رسول اللہ ﷺ کے اوصاف مذکور ہیں کبھی تو ان الفاظ ہی کو بدل ڈالتے اور اصل الفاظ کو نکال کر ان کی جگہ دوسرے الفاظ رکھ دیتے ہیں مثلاً توریت میں آنحضرت ﷺ کے حلیہ کے بیان میں لفظ ربعة لکھا ہوا تھا جس کے معنی میانہ قد کے ہیں انہوں نے اس لفظ کو نکال کر ان کی جگہ آدم طویل رکھ دیا اور اسی طرح لفظ رجم کی جگہ لفظ حدود رکھ دیا یہ تو لفظی تحریف ہوئی اور کبھی ایسا کرتے کہ توریت کی آیتوں کے معنی غلط کرتے اور تاویلات باطلہ سے سامعین کو شبہ ڈالتے غرض یہ کہ یہ لوگ لفظی اور معنوی ہر قسم کی تحریف کرتے کبھی الفاظ کی تفسیر غلط کرتے اور کبھی الفاظ ہی کو بدل ڈالتے اگر سمجھتے کہ لفظوں کے بدلنے کی ضرورت نہیں ہمارا کام تاویل باطل ہی سے چل جائے گا تو لفظوں کو نہ بدلتے فقط غلط معنی بیان کرنے پر اکتفا کرتے جیسا کہ اہل بدعت کا طریقہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں لفظی تحریف پر تو قادر نہیں اپنی من مانی تاویلیں کرتے ہیں اور اگر جانتے کہ آیت میں ایسے صریح الفاظ ہیں کہ اس میں ہماری تاویل نہیں چل سکتی اور مسلمانوں کو اس سے ہمارے خلاف سند اور حجت ملے گی تو اس کے لفظوں ہی کو بدل ڈالتے جیسا کہ ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ۚ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا

❶ چونکہ گزشتہ آیت ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ اور ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا﴾ میں تکبر اور فخر کی اور حالت نشہ میں نماز کی ممانعت تھی اس اعتبار سے بھی اس آیت کو گزشتہ آیت سے ربط ہو گیا۔

﴿مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ کی تفسیر میں مفصل گزرا۔ قرآن مجید کی یہ آیت یہود کی تحریف لفظی کا صریح اور واضح ثبوت ہے جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں اور اگر دیکھتے کہ اس وقت نہ تحریف لفظی کا موقع ہے اور نہ تحریف معنوی کا تو اس کو چھپا لیتے جیسا کہ ﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ کی تفسیر میں گزرا۔

ف:...... ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ میں کلمات اور الفاظ کو اپنے ٹھکانوں سے ہٹانے اور پھیرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے ایک کلمہ کو اس کی جگہ سے نکال ڈالا تو گویا تو انہوں نے اس کلمہ کو اپنے اصلی ٹھکانہ سے ہٹا کر بے ٹھکانہ کر دیا اور اسی طرح جب انہوں نے اس کلمہ کی غلط تفسیر اور غلط تاویل کو تو گویا کہ انہوں نے اس کلمہ کو اس کے اصلی ٹھکانہ سے جو باعتبار معنی کے اس کے لیے متعین تھا ہٹا دیا تحریف کی اصل حقیقت ہی یہ ہے کہ حروف کو اپنی جگہ سے منحرف کر دیا جائے تحریف کا اصل تعلق حروف سے ہے اور معنی سے بواسطہ حروف کے ہے۔

ایک اطلاع:...... توریت اور انجیل میں لفظی تحریف اور بے شمار تغیرات اور اختلافات کی تحقیق اگر درکار ہو تو اظہار الحق اور ازالۃ الاوہام اور ازالۃ الشکوک ہر سہ مصنفہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہ کی مراجعت کریں یہود اور نصاریٰ کے جن اور انس بھی اگر جمع ہو جائیں تو ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ ہرگز ہرگز اس کے جواب پر قادر نہ ہوں گے۔

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ توریت اور انجیل میں لفظی تحریف نہیں ہوئی صرف معنوی تحریف ہوئی ہے یہ خیال خام ہے جو بالکل غلط ہے اور جو آیات اور احادیث صریح تحریف لفظی پر شاہد ہیں یہ قول ان میں تحریف کے مرادف اور اب تو تحریف اس درجہ بدیہی ہے کہ علماء یہود و نصاریٰ خود تحریف لفظی کے معترف اور مقر ہیں توریت و انجیل میں تحریف لفظی کے منکر مدعی سست اور گواہ چست کے مصداق ہیں جس شخص کا یہ گمان ہے کہ توریت و انجیل میں لفظی تحریف نہیں ہوئی تو وہ یہ بتلائے کہ توریت اور انجیل کے نسخوں میں جو ہزارہا اختلاف موجود ہیں وہ کہاں سے آئے اور قرآن کریم میں جو صراحۃً یہ آیا ہے کہ نبی امی ﷺ کا ذکر توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں اور حسب ارشاد باری ﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر بھی توریت اور انجیل میں موجود تھا پس توریت و انجیل میں تحریف لفظی کے منکر اگر ان آیات قرآنیہ پر ایمان رکھتے ہیں تو بتلائیں اور دکھلائیں کہ توریت و انجیل میں کس جگہ نبی امی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر ہے اور پھر تاویل کریں کیونکہ تاویل تو موجود میں چلتی ہے نہ کہ معدوم میں الحمد للہ ثم الحمد للہ ہم اہل اسلام ببانگ دہل کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی شان تو بہت ہی بلند ہے موطا اور بخاری اور مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ کے نسخوں کو ملا لیجئے۔ بحمدہٖ تعالیٰ مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب کے نسخوں میں بھی تفاوت نہ ملے گا اور یہود کی ایک عادتِ بد، یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی محفل میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ ﷺ ان کو کوئی حکم سناتے ہیں تو یہود جواب میں یہ کہتے ہیں ﴿سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا﴾ ہم نے آپ ﷺ کے حکم کو سن لیا اور دل میں یا آہستہ سے یہ کہتے کہ ہم نے نہیں مانا یعنی ہم نے فقط کان سے سن لیا مگر دل سے نہیں مانا مطلب یہ ہے کہ یہ بات ہم کو منظور نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ ظاہر میں کہتے تھے اور مقصود ان کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمسخر تھا لیکن یہ قول ضعیف ہے اس لیے کہ اس میں ان کے نفاق کے کھل جانے کا غالب احتمال ہے اور اثناء گفتگو میں ایک لفظ یہ کہتے ہیں ﴿وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ﴾ سن تو، نہ سنایا جائیو اس لفظ کے دو معنی ہو سکتے ہیں اگر یہ معنی لیے جائیں کہ آپ ﷺ ہماری بات

سنیے اور خدا آپ ﷺ کو کوئی بات بری اور خلاف مزاج نہ سنائے تو اس معنی کو یہ کلمہ دعا اور تعظیم کا ہے اور اگر اس کے یہ معنی لیے ہوں کہ آپ ہماری بات سنئے اور خدا آپ ﷺ کو نہ سنائے یعنی بہرا کر دے یا یہ معنی ہوں کہ تمہاری کوئی بات نہ سنی جائے یا یہ معنی ہوں کہ کوئی ایسی بات نہ سنو کہ جو تمہاری مرضی اور خوشی کے مطابق ہو تو اس معنی کو یہ کلمہ بددعا اور تحقیر کا ہے غرض یہ کہ شرارت سے پیچدار اور ذومعانی لفظ بولتے تھے کہ سننے والا اچھے معنی پر محمول کرے اور دل میں برے معنی مراد ہوں اور من جملہ ان کی شرارتوں کے ایک شرارت یہ تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ سے خطاب کرتے وقت راعنا کہتے اس کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ آپ ﷺ ہماری رعایت فرمایئے اور ہماری طرف توجہ اور التفات فرمایئے دوسرے معنی اس کے احمق اور مغرور کے ہیں رعونت سے مشتق ہے یا یہ کہ یہود کی زبان میں اس کے معنی احمق اور شیخی خورے کے ہیں ان کی زبان میں یہ کلمہ تحقیر کا ہے یا زبان کو دبا کر اور عین کو کھینچ کر راعینا کہتے جس کے معنی یہ ہو جاتے کہ اے ہمارے چرواہے اور گڈریے یہود کی یہ محض شرارت تھی کہ ذومعانی لفظ بولتے ظاہر یہ کرتے کہ ہم اس کا استعمال اچھے معنی میں کر رہے ہیں مگر ان کا مقصود محض تمسخر ہوتا حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔

غرض یہ کہ یہود ان ذومعنی الفاظ کو اپنی زبانیں مروڑ کر اور دین اسلام میں طعنہ کی نیت سے کہتے ہیں عموماً استہزاء کرنے والوں کا یہ طریقہ ہے کہ الفاظ کے ساتھ اپنی زبانوں کو اینٹھتے اور مروڑتے ہیں اور ایسے انداز سے بولتے ہیں کہ سننے والا الفاظ کو اچھے معنی پر محمول کرلے اور برے معنی کی طرف اس کا خیال بھی نہ جائے اور ان الفاظ سے یہود کا مقصود دین اسلام پر عیب لگانا اور طعنہ دینا تھا یہود اپنے دوستوں سے کہتے کہ ہم باتوں ہی باتوں میں محمد ﷺ کو برا کہہ جاتے ہیں مگر وہ ہماری بات کو نہیں سمجھتا اگر یہ شخص نبی ہوتا تو ہماری بات کو سمجھتا اور ہمارا فریب ضرور معلوم کر لیتا۔

سو اللہ تعالیٰ نے ان کے فریب کو کھول دیا اور ان کے مکر کو سب پر واضح اور آشکار کر دیا۔

اور آنحضرت ﷺ تو انکے لب ولہجہ سے ان کے نفاق اور باطنی خبث کو جان لیتے تھے کما قال تعالیٰ: ﴿وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ مگر حتی الوسع اغماض اور مسامحت فرماتے تھے۔

اور اگر یہ لوگ بجائے ان ذی وجوہ اور ذومعنیین الفاظ کے یہ کلمات کہتے یعنی بجائے "سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا" کے ﴿سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ کہتے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کے حکم کو گوش ہوش سے سنا اور دل وجان سے اس کو مانا اور بجائے ﴿وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ﴾ کے صرف اسمع کہتے جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ ہماری بات سن لیجئے اور بجائے راعنا کے انظرنا کہتے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری طرف نظر التفات فرمایئے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور نہایت درست ہوتا یعنی یہ لوگ اگر بجائے ان پیچدار اور ذومعانی الفاظ کے یہ کلمات کہتے جو ہم نے تلقین کیے تو وہ ان کے حق میں مفید اور نافع ہوتا اور فی حد ذاتہ بات بھی سیدھی اور سچی تھی یعنی حق تھی جس میں کسی قسم کا ایچ پیچ نہ تھا ولیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو کفر اور عناد کے باعث اپنی رحمت سے دور کر دیا اس لیے وہ مفید اور سیدھی بات کو بھی نہیں سمجھتے پس نہیں ایمان لاتے مگر تھوڑے آدمی جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کہ وہ ان خباثتوں اور شرارتوں سے مجتنب رہے اس لیے وہ اللہ کی لعنت سے محفوظ رہے اور مشرف باسلام ہوئے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ

اے کتاب والو ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا تصدیق کرتا ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے پہلے اس سے کہ ہم مٹا ڈالیں بہت سے

اے کتاب والو ! ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا، سچ بتاتا تمہارے پاس والے کو، پہلے اس سے کہ ہم مٹا ڈالیں کتنے

وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ

چہروں کو پھر الٹ دیں انکو پیٹھ کی طرف یا لعنت کریں ان پر جیسے ہم نے لعنت کی ہفتہ کے دن والوں پر اور اللہ کا حکم تو ہو کر

منہ، پھر الٹ دیں ان کو پیٹھ کی طرف، یا ان کو لعنت کریں جیسے لعنت کی ہفتے والوں کو، اور اللہ نے جو حکم کیا

مَفْعُوْلًا ۝۴۷ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ

ہی رہتا ہے ف۱ بیشک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے اور بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے اور جس نے

سو ہوا۔ تحقیق اللہ نہیں بخشتا ہے یہ کہ اس کا شریک پکڑے اور بخشتا ہے اس سے نیچے جس کو چاہے۔ اور جس نے

يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝۴۸

شریک ٹھہرایا اللہ کا اس نے بڑا طوفان باندھا ف۲

شریک ٹھہرایا اللہ کا، اس نے بڑا طوفان باندھا۔

اہل کتاب کو نصیحت اور ایمان کی دعوت

قال تعالیٰ : ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا ... الی ... فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے اہل کتاب کی باطنی خباثتوں اور ظاہری شرارتوں کو بیان فرمایا اب بمقتضائے رحمت عامہ اور شفقت تامہ ان کو اسلام اور ایمان کی دعوت دیتے ہیں اور بطور نصیحت تحریف اور تکبر اور تمسخر کے برے انجام سے ڈراتے ہیں کہ قبل اس کے کہ ہم تمہارے چہروں کو مٹائیں اور اصحاب سبت کی طرح تم پر لعنت کریں تم کو چاہیے کہ ایمان لے آ و تاکہ اس ذلت اور رسوائی سے محفوظ ہو جاؤ اور بطور الزام اور اتمام حجت یہ فرمایا کہ یہ قرآن، کتب سابقہ کی تصدیق کرتی ہے اس پر ایمان لانا کتب سابقہ پر ایمان لانا ہے اور اس کی تکذیب کتب سابقہ کی تکذیب ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے اہل

ف۱ آیات سابقہ میں یہود کی ضلالت اور مختلف قبائح کا ذکر فرما کر اب ان کو بطور خطاب ایمان اور تصدیق قرآن کا حکم کیا جاتا ہے اور اسکی مخالفت سے ڈرایا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے اہل کتاب ایمان لاؤ قرآن پر جس کے احکام مصدق اور موافق ہیں تورات کے ایمان لاؤ اس سے پہلے کہ مٹا ڈالیں ہم تمہارے چہروں کے نشانات یعنی آنکھ ناک وغیرہ مطلب یہ کہ تمہاری صورتیں بدل دی جائیں پھر الٹ دیں تمہارے چہروں کو پیٹھ کی طرف یعنی چہرہ کو مطموس اور ہموار کر کے پیچھے کی طرف اور گدی کو آگے کی طرف کر دیں یا ہفتہ کے دن والوں کی طرح تم کو مسخ کر کے جانور بنا دیں۔ اصحاب سبت کا قصہ سورۃ اعراف میں مذکور ہے۔

ف۲ یعنی مشرک کبھی نہیں بخشا جاتا بلکہ اس کی سزا دائمی ہے البتہ شرک سے نیچے جو گناہ ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ وہ سب قابل مغفرت ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کی مغفرت چاہے اس کے صغیرہ کبیرہ گناہ بخش دیتا ہے کچھ عذاب دیکر یا بلا عذاب دیے۔ اشارہ اسکی طرف ہے کہ یہود چونکہ کفر اور شرک میں مبتلا ہیں وہ مغفرت کی توقع نہ رکھیں۔

کتاب جن کو کتاب (توریت) دی گئی حسد اور عناد کو چھوڑو اور اس قرآن پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا ہے اور حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے درانحالیکہ وہ اس کتاب (توریت) کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے قرآن کی تصدیق توریت کی تصدیق ہے ایک روز رسول اللہ ﷺ نے اثناء گفتگو میں عبداللہ بن صوریا اور کعب بن اسد اور دیگر علماء یہود سے یہ فرمایا:

"یامعشر یھود اتقوا اللہ واسلموا فواللہ انکم لتعلمون ان الذی جئتکم بہ الحق۔"

"اے گروہ یہود خدا سے ڈرو اور اسلام قبول کرو قسم ہے خدا تعالیٰ کی، تحقیق تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس جو دین لے کر آیا ہوں وہ بالکل حق ہے۔"

انہوں نے جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے اور دیدہ و دانستہ حق کا انکار کیا اور کفر پر اصرار کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی: ۵/ ۲۴۴)

مطلب یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور بشارت کی توریت سے تصدیق ہوتی ہے پھر تم کو ان پر ایمان لانے میں کیا عذر ہے تم کو چاہیے کہ توریت میں تحریف نہ کرو اور اس سے قبل ایمان لے آؤ کہ ہم تمہارے چہروں کی صورت اور ہیبت کو مٹا کر پشتوں کی طرف پھیر دیں یعنی تمہارے چہروں کی ناک اور کان اور آنکھ سب کو مٹا کر گدیوں کی طرح سطح واحد بنادیں اور تمہارے چہرے تمہاری گدیوں کے ہم شکل ہو جائیں مطلب یہ ہے کہ چہروں پر آنکھوں اور ناک اور بھوؤں کا کچھ نشان باقی نہ رہے اور اس طرح چہرے گدیوں کے ہم شکل ہو جائیں اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی صورتوں کے نشانات اور اثرات کے سامنے سے ہٹا کر گدیوں کی طرف لگا دیں اور ان کی گدیوں کو منہ کی طرف پھیر دیں مقصود اس سے ان کی اہانت اور تذلیل ہوگی یہ ان کی تحریف کی اور کتاب الٰہی میں تغیر و تبدل کی سزا ہوگی یا اس سے بڑھ کر ان کے ساتھ معاملہ کریں وہ یہ کہ ہم ان پر لعنت کریں جیسا کہ ہم نے ہفتہ کی بے حرمتی کرنے والوں پر لعنت کی تھی یعنی جس طرح ہم نے ان یہودیوں کے اسلام کو اپنی رحمت سے دور کر دیا تھا اسی طرح ان کو بھی اپنی رحمت سے دور کر دیں مفصل قصہ ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ اعراف میں آئے گا یہ تشبیہ صرف لعنت میں ہے کیفیت لعنت میں نہیں ہے مطلب صرف اس قدر ہے کہ جس طرح وہ ملعون ہوئے تھے یہ بھی ملعون ہو جائیں یہ مطلب نہیں یہ مطلب نہیں کہ جس طرح وہ بندر اور سور ہوئے تھے یہ بھی بندر اور سور بن جائیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کی دعا کی برکت سے یہ امت مسخ کے عذاب سے محفوظ کر دی گئی اور اس کو بعید نہ سمجھو، اللہ کا حکم اور اللہ کا کام تو ہو کر ہی رہتا ہے اللہ پر یہود کے چہروں کو مٹانا اور ان پر لعنت کرنا دشوار نہیں پس تم کو چاہیے کہ چہروں کو مٹا کر گدیوں پر لگائے جانے سے پہلے اور لعنت سے پہلے محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادہ کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

جاننا چاہیے کہ آیت کا مطلب یہ نہیں کہ نہ ایمان لانے کی صورت میں ان امور کا وقوع ضروری ہے بلکہ یہ بتلانا ہے کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو ممکن ہے پہلی امتوں کی طرح تم کو بھی یہ سزائیں اور ذلتیں دیکھنا پڑیں کیونکہ اس قسم کی سزاؤں کا واقع ہونا محال نہیں خدا تعالیٰ جب چاہے کر سکتا ہے لہٰذا تم کو ڈرنا چاہیے اور اس سے پہلے ہی تم کو ایمان لے آنا چاہیے۔

چنانچہ فرماتے ہیں بہت سے اہل کتاب جن کے دل خوف خدا تھا وہ اس آیت کو سنتے ہی مشرف باسلام ہو گئے

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی مسلمان ہو چکے تھے کعب احبار رضی اللہ عنہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسی آیت کو سن کر اسلام لائے۔کعب احبار رضی اللہ عنہ کہیں جارہے تھے کہ راستہ میں ایک شخص کو یہ آیت پڑھتے سنا، سنتے ہی دل پر اس قدر خوف ہوا کہ چہرے پر ہاتھ پھیر کر دیکھا کہ میری صورت تو مسخ نہیں ہوگئی اور اسی جگہ اور اسی وقت اسلام لے آئے۔(تفسیر قرطبی: ۵/ ۲۴۴)

عدم مغفرت شرک وکفر

گزشتہ آیت میں ایمان نہ لانے پر وعید اور تہدید تھی اب آئندہ آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ یہ خیال نہ کریں کہ کفر اور شرک بھی دوسرے گناہوں کی طرح ایک گناہ ہے جس کی معافی اور مغفرت ہو سکتی ہے جیسا کہ یہود کا زعم تھا کہ ﴿سَيُغْفَرُ لَنَا﴾ کہ ہم جو گناہ کریں گے وہ معاف ہو جائے گا بلکہ کفر اور شرک کے متعلق قانونِ خداوندی یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ بلا توبہ کے نہیں بخشتا کفر اور شرک کے جرم کو اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانا جائے جیسا کہ تم لوگ عزیر اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا کہہ کر خدا کے ساتھ شریک گردانتے ہو اور کفر اور شرک سے کم تر اور نیچے درجے کے گناہوں کو خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ بلا توبہ کے بھی معاف کر دیتا ہے مگر سب کے لیے نہیں بلکہ جس کے لیے وہ معاف کرنا چاہے اسکے لیے معاف کر دیتا ہے بلا توبہ کی قید اس لیے لگائی کہ توبہ سے تو سو سال کا کفر اور شرک بھی ایک منٹ میں معاف ہو جاتا ہے مقصود بلا توبہ کے مغفرت کا مسئلہ بتلانا ہے کہ کفر اور شرک بلا توبہ کے قابل مغفرت نہیں ان کی سزا دائمی عذاب ہے البتہ کفر اور شرک کے نیچے درجے کے جو گناہ ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ وہ سب بلا توبہ کے قابل مغفرت ہیں اللہ تعالیٰ جس کی چاہیے مغفرت کر دے اور جس کو چاہے وہ عذاب دے اشارہ اس طرف ہے کہ یہود اور نصاریٰ شرک میں مبتلا ہیں وہ مغفرت کی توقع نہ رکھیں اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے اس نے بڑا ہی طوفان باندھا جو قطعاً قابل مغفرت نہیں خدا تعالیٰ پر افتراء ایسا جرم عظیم ہے کہ وہ کسی طرح قابل معافی نہیں اس لیے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا گناہ ہو سکتا ہے کہ مخلوق کو خالق کے برابر ٹھہرائے۔

لطائف ومعارف

۱- کتاب اور سنت اور اجماع امت سے یہ امر قطعاً ثابت ہے کہ کفر اور شرک یعنی کافر اور مشرک دونوں ہی قابل مغفرت نہیں مگر اس جگہ آیت میں شرک کا ذکر ہے کفر کا ذکر نہیں اور بعض کافر ایسے بھی ہیں جو مشرک نہیں بلکہ موحد ہیں مگر اسلام کے قائل نہیں اس شبہ کے چند جواب ہیں۔

جواب اول:...... ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں صرف شرک کا ذکر ہے اور دوسری آیات میں صرف کفر کا ذکر ہے اور بعض آیات میں دونوں کا ذکر ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ہر آیت میں معاً دونوں کا ذکر ہو پس مجموعہ آیات سے کفر اور شرک دونوں ہی کا غیر مغفور اور ناقابل مغفرت ہونا ثابت ہو گیا حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ﴾ اس آیت میں کافرین اہل کتاب اور مشرکین دونوں ہی کے لیے خلود فی جہنم کا ذکر فرمایا جس سے معلوم کہ مشرکین کی طرح کافر کی مغفرت بھی نہیں ہو سکتی۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ... الی... كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا﴾ اور ایک جگہ ارشاد ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ ان آیات میں کافروں کے عذاب کا دائمی ہونا اور ان کی عدم مغفرت کا ذکر ہے۔

وقال تعالیٰ: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ طَرِیْقًا ۝ اِلَّا طَرِیْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا﴾ اس آیت میں کافروں اور ظالموں یعنی مشرکوں دونوں ہی کے متعلق فرمادیا کہ ان کی مغفت نہیں ہوسکتی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے۔

دوسرا جواب:...... آیت میں شرک سے مطلق کفر مراد ہے جیسا کہ عبداللہ بن عباس ﷠ سے منقول ہے (روح المعانی: ۵/۴۶) شیخ عبدالحق محدث دہلوی ﷬ بھی ترجمۂ مشکوۃ میں یہی فرماتے ہیں کہ شرک سے مطلق کفر مراد ہے خواہ وہ کسی قسم کا ہو اور علامہ خیالی، حاشیۂ شرح عقائد میں فرماتے ہیں:

وقوله تعالیٰ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ﴾ ای یکفر وانما عبر عن الکفر بالشرک لان کفار العرب کانوا مشرکین۔" انتھی۔

''اللہ تعالیٰ کا یہ قول ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ﴾ اس میں شرک سے مطلق کفر مراد ہے اور کفر کو شرک کے ساتھ اس لیے تعبیر کیا کہ کفار عرب مشرک ہی تھے۔''

تیسرا جواب:...... ۱- کہ مشرک اس کو کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو تو مانتا ہو مگر اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانتا ہو پس جب اس کی مغفت نہیں تو جو سرے ہی سے خدا کا کافر اور منکر ہو اس کی تو بدرجہ اول مغفرت نہیں ہوگی۔

۲- کفر اور شرک کے ناقابل مغفرت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کفر اور شرک اسلام کی نقیض ہے اور بغیر اسلام کے مغفرت اور نجات ممکن نہیں پس اگر کفر اور شرک بھی قابل مغفرت ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسلام کے بغیر بھی نجات اور مغفرت ممکن ہے۔

نیز تمام انبیاء کرام ﷤ کفر و شرک کا دروازہ بند کرنے کے لیے مبعوث ہوئے اور کفار و مشرکین سے جہاد و قتال کیا پس اگر کفر اور شرک کی بھی مغفرت ممکن ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایمان لانا ضروری نہیں اور انبیاء کرام ﷤ کی بعثت اور ایمان اور اسلام کی دعوت اور اہل کفر اور اہل شرک سے جہاد و قتال سب عبث تھا معاذ اللہ! کفر اور شرک کی مغفرت کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے۔

نیز بے شمار آیات و احادیث سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم قطعی دیا ہے کہ کافروں اور مشرکوں کا عذاب دائمی ہوگا کبھی عذاب سے رہا نہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کا حکم قطعی میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا پس جب یہ معلوم ہوگیا کہ کافر کا عذاب دائمی ہے تو صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ اس کی مغفرت بھی ممکن نہیں۔

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ کفر اور شرک کا عذاب دائمی اور ابدی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا جیسا کہ نصوص قطعیہ اور مؤکدہ اس پر دلالت کرتی ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ کفر اور کافروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عداوت ذاتیہ ثابت

ہو چکی ہے تو ناچار رحمت ورأفت جو صفات جمال میں سے ہے اس سے آخرت میں کافروں کو کوئی حصہ نہیں ملے گا اور صفت رحمت حق تعالیٰ کی عداوت ذاتی کو دور نہ کرے گی کیونکہ جو چیز ذات سے تعلق رکھتی ہے وہ بہ نسبت اس چیز کے جو صفت سے تعلق رکھتی ہے کہیں زیادہ اقوی اور ارفع ہوتی ہے پس مقتضائے ذات کو نہیں بدل سکتا اور یہ جو حدیث قدسی میں ہے کہ "سبقت رحمتي علی غضبي۔" (میری رحمت میرے غضب پر بڑھی ہوئی ہے) سو، اس غضب سے غضب صفاتی سمجھنا چاہیے جو کہ گنہگاروں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ غضب ذاتی جو مشرکوں کے ساتھ مخصوص ہے اور حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد ﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے سو جاننا چاہیے کہ مومنوں اور کافروں کے حق میں رحمت کا وسیع ہونا صرف دنیا ہی میں مخصوص ہے اور آخرت میں تو کافروں کو رحمت کی بو بھی نہ پہنچے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اللہ کی رحمت سے سوائے کافروں کے کوئی ناامید نہ ہوگا۔

سوال:...... اگر یہ کہا جائے کہ جب کافروں کو دنیا میں خدا کی رحمت سے نصیب اور حصہ ہے تو پھر دنیا میں صفت رحمت نے حق تعالیٰ کی ذاتی عداوت کو کیسے دور کر دیا۔

جواب:...... کافروں کو دنیا میں جو رحمت سے حصہ ملا ہے وہ فقط ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے اور درحقیقت ان کے حق میں وہ استدراج اور مکر ہے جیسا کہ آیت کریمہ ﴿اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور آیت کریمہ ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ﴾ انہی معنی پر شاہد ہیں فافهم ذلك واستقم (مکتوب از دفتر اول)

۳- یہ آیت اس امر کی صریح دلیل ہے کہ اگر گناہ کبیرہ کا مرتکب بغیر توبہ کے مرجائے تو وہ اللہ کی مشیت میں ہے یہ وہ اگر چاہے اس کو عذاب دوزخ میں مبتلا کرے پس یہ آیت معتزلہ اور قدریہ پر حجت قاطعہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کبھی نہیں بخشا جائے گا اور یہ کہتے ہیں کہ گناہوں کی معافی وعدہ بشرط توبہ ہے مگر معتزلہ کا یہ قول بالکل غلط بلکہ ایک مضحکہ خیز امر ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک تو بخشے گا نہیں اور شرک سے کم درجے کے جتنے گناہ ہیں ان کو اگر چاہے گا تو بخش دے گا اور ظاہر ہے کہ توبہ کے ساتھ یہ وعدہ صحیح نہیں ہوسکتا اس لیے کہ توبہ سے تو بالاتفاق شرک بھی معاف ہو جاتا ہے اور کبیرہ کا تو توبہ سے معاف ہونا اور بھی یقینی ہے لہٰذا اس کی نسبت یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ اگر خدا چاہے گا بخش دے گا غرض یہ کہ یہ آیت اس امر پر نص قاطع ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا اور بے شمار احادیث اور اقوال صحابہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

غرض یہ کہ اہل سنت کے نزدیک گناہ کبیرہ بلا توبہ کے اللہ کی رحمت سے معاف ہوسکتا ہے اور پھر آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے لاتعد ولاتحصی کبائر معاف ہوں گے۔

۴- ﴿مَا دُوْنَ ذٰلِكَ﴾ کا بہتر ترجمہ یہ ہے کہ جو گناہ شرک سے کمتر اور نیچے کے درجہ میں ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے زید دون عمرو زید، عمرو سے کم تر اور فروتر ہے دون کے معنی کم تر اور فروتر کے ہیں ہر گناہ مشرک سے کمتر ہے اور ہر کفر شرک کے یا تو برابر ہے یا اس سے بالا اور برتر ہے۔

۵- اس آیت کی تفسیر میں معتزلہ کو سخت مشکل پیش آئی ہے کیونکہ معتزلہ کے نزدیک گناہ کبیرہ بھی شرک کی طرح بلا توبہ معاف نہیں ہوسکتا اور علامہ زمخشری نے بڑی دور دراز تاویلیں کی ہیں مگر بنتی اور چلتی نہیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُم ۚ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٤٩﴾

کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں بلکہ اللہ ہی پاکیزہ کرتا ہے جس کو چاہے اور ان پر ظلم نہ ہوگا تاگے برابر ف۱

تو نے نہ دیکھے وہ جو آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں ؟ بلکہ اللہ ہی پاکیزہ کرتا ہے جس کو چاہے اور ان پر ظلم نہ ہوگا تاگے برابر۔

انظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۖ وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٠﴾ ع

دیکھ کیسا باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور کافی ہے یہی گناہ صریح ف۲

دیکھ! کیسا باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ۔ اور یہی کفایت ہے گناہ صریح۔

یہود کے دعوائے تقدس کی تردید

قال تعالیٰ: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُم ... الی ... كَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں یہود کا حال بیان کیا کہ وہ کفر اور شرک کی نجاستوں میں ملوث اور آلودہ ہیں اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ یہود باوجود ان خرابیوں کے اپنے آپ کو پاک اور مقدس کہتے ہیں کہ کبھی یہ کہتے ہیں ﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾ یعنی ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ ﴿لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا﴾ یعنی جنت میں سوائے یہود کے کوئی اور داخل نہ ہوگا اور کبھی یہ کہتے ہیں ﴿لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً﴾ یعنی سوائے چند روز کے دوزخ کی آگ ہم کو چھوئے گی نہیں ہمارے باپ دادا نبی تھے ان کی سفارش سے ہم رہا ہو جائیں گے اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ ہم تو معصوم بچوں کی طرح بے گناہ ہیں ان کے اس فخر و مباہات کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں کیا آپ ﷺ نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جو باوجود گوسالہ پرستی کے اور باوجود حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہنے کے اپنے آپ کو کفر اور شرک سے پاک اور مقدس بتلاتے ہیں حالانکہ کفر اور شرک کی نجاست میں ملوث ہیں خود بخود پاکی اور تقدس کے دعوے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتا ہے پاک کرتا ہے جس کو حق تعالیٰ نے ایمان اور تقویٰ اور عمل صالح کی دولت سے نوازا وہ پاک ہوا۔ جزا و سزا اعمال کے مطابق ہوگی اور قیامت کے دن تاگے کے برابر بھی ان پر ظلم نہ ہوگا

ف۱ یعنی یہود باوجود اس قدر خرابیوں کے پھر بھی اپنے آپ کو پاک صاف اور مقدس کہتے ہیں حتی کہ اپنے آپ کو ابناء اللہ اور احباء اللہ بتلاتے ہیں جو بالکل لغویات ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اس کو پاکیزہ اور مقدس کرتا ہے۔ یہود کے کہنے سے کچھ نہیں ہوسکتا اور ان جھوٹی شیخی کرنے والوں پر ادنیٰ سا ظلم بھی نہ ہوگا۔ یعنی یہ لوگ اپنے عذاب بے نہایت میں گرفتار ہوں گے ان پر ناحق عذاب ہرگز نہ ہوگا۔ فائدہ: یہودی جو گوسالہ کو پوجتے تھے اور حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے تھے انہوں نے جب آیت سابقہ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ﴾ کو سنا تو کہنے لگے کہ ہم مشرک نہیں بلکہ ہم تو خاص بندے اور پیغمبر زادے ہیں اور پیغمبری ہماری میراث ہے خدا تعالیٰ کو ان کی یہ شیخی پسند نہ آئی اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔

ف۲ یعنی کیسی تعجب کی بات ہے کہ اللہ پر کیسی جھوٹی تہمت لگاتے ہیں اور باوجود ارتکاب کفر اور شرک کے اپنے آپ کو اللہ کا دوست کہتے ہیں اور اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کے مدعی ہیں اور ایسی سخت تہمت صریح گنہگار ہونے کے لئے بالکل کافی ہے۔

دیکھیے تو سہی کس طرح اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ باوجود کفر اور شرک کے اپنے کو پاک بتلاتے ہیں اور باوجود مغضوب اور معتوب ہونے کے اپنے کو محبوب خداوندی کہتے ہیں اور باوجود بدکار ہونے کے اپنے کو معصوم کہتے ہیں اور یہی بات یعنی دیدہ ودانستہ خدا پر جھوٹ بولنا صریح گناہ اور صریح جرم ہونے کے لیے کافی ہے بالفرض اگر کوئی گناہ بھی نہ ہو تو خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا کھلا گناہ ہونے کے لیے کافی ہے۔

فائدہ:...... معلوم ہوا کہ اپنے کو پاک باز کہنا اور تقدس کا دعوی کرنا صریح گناہ ہے۔

اگر مردی از مردیے خود مگوی — نہ ہر شہسوارے بدر برد گوئے
گنہ گار اندیشہ ناک از خدا — بسے بہتر از عابد خود نما
اگر مشک خالص نداری مگو — وگر ہست خود فاش گردد بوی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ

کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جن کو ملا ہے کچھ حصہ کتاب کا جو مانتے ہیں بتوں کو اور شیطان کو اور کہتے ہیں

تو نے نہ دیکھے جن کو ملا ہے کچھ حصہ کتاب کا، مانتے ہیں بتوں کو اور شیطان کو، اور کہتے ہیں

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ

کافروں کو کہ یہ لوگ زیادہ راہ راست پر ہیں مسلمانوں سے ف۱ یہ وہی ہیں جن پر لعنت کی ہے اللہ

کافروں کو، یہ زیادہ پائے ہیں مسلمانوں سے راہ۔ وہی ہیں جن کو لعنت کی اللہ نے،

وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ؕ

اور جس پر لعنت کرے اللہ نہ پاوے گا تو اس کا کوئی نے مددگار ف۲

اور جس کو لعنت کرے اللہ پھر تو نہ پاوے کوئی اس کا مددگار۔

مذمت یہود بر عداوت اسلام وحسد بر مسلمین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا... الی... فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا﴾

ربط:...... اوپر کی آیت میں یہود کی شرارت اور خباثت کا بیان تھا اب اس آیت میں یہود کی ایک اور قباحت اور خباثت کا بیان

ف۱ اس آیت میں یہود کی شرارت اور خباثت کا اظہار ہے۔ قصہ یہ ہے کہ یہودیوں کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت بڑھی تو مشرکین مکہ سے ملے اور ان سے متفق ہوئے اور ان کی خاطر داری کی ضرورت سے بتوں کی تعظیم کی اور کہا کہ تمہارا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے اور اس کی وجہ صرف حسد تھا اس پر کہ نبوت اور دین کی ریاست ہمارے سوا دوسروں کو کیوں مل گئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ ان کو الزام دیتا ہے۔ ان آیات میں اسی کا مذکور ہے۔

ف۲ یعنی یہ لوگ جنہوں نے اہل کتاب ہو کر اغراض نفسانی کی وجہ سے بتوں کی تعظیم کی اور طریقہ کفر کو طریقہ اسلام سے افضل بتلایا ان پر اللہ کی لعنت ہے اور جس پر لعنت کرے اللہ اس کا دنیا اور آخرت میں کوئی حامی اور مددگار نہیں ہو سکتا۔ سو اب انہوں نے اپنی اعانت کی طمع میں جو مشرکین مکہ سے موافقت کی بالکل لغو ہے۔ چنانچہ دنیا میں یہود نے از حد ذلتیں اٹھائیں اور آخرت میں بھی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

ہے وہ یہ کہ یہود کو اسلام سے اس درجہ عداوت ہے کہ مشرکین کو موحدین پر ترجیح دیتے ہیں یہودیوں کو جب آنحضرت ﷺ سے عداوت بڑھی تو یہود خیبر کے علماء اور روسا کا ایک وفد جو ستر آدمیوں پر مشتمل تھا اس غرض سے مکہ آیا کہ قریش کے ساتھ آپ ﷺ سے مقابلہ اور مقاتلہ کرنے کے لیے عہد کر لے اور قریش نے وفد یہود کی بہت خاطر تواضع کی اور قریش نے یہ اطمینان دلایا کہ ہم تا حد امکان تمہارے ساتھ ہو کر محمد (ﷺ) کے ساتھ لڑنے میں دریغ نہ کریں گے مگر ہم توان پڑھ ہیں ہم کو کچھ علم نہیں اور تم علم والے لوگ ہو یہ بتلاؤ کہ ہمارا دین بہتر ہے یا پیروانِ محمد (ﷺ) کا؟ کعب بن اشرف نے کہا کہ تم مجھے اپنا دین بتلاؤ کہ وہ کیا ہے ابوسفیان نے کہا ہم حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں اور مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور قیدیوں کو چھڑاتے ہیں اور خانہ خدا کو آباد رکھتے ہیں اور اس کا طواف کرتے ہیں اور ہم حرم کے رہنے والے ہیں اور محمد (ﷺ) نے اپنے بزرگوں کا دین چھوڑ دیا اور رشتوں کو توڑ ڈالا اور حرم سے جدا ہو گیا اور ہمارا دین قدیم ہے پہلے سے چلا آرہا ہے اور محمد ﷺ کا دین نیا ہے۔ کعب نے کہا بخدا تم بہ نسبت محمد ﷺ کے زیادہ ہدایت اور راہ راست پر ہو اور تمہارا دین اسکے دین سے بہتر ہے اور یہود نے قریش کی خاطر سے بتوں کو سجدہ کیا اور ان کی تعظیم کی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کیا آپ ﷺ نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جن کو کتاب (تورات) کے علم سے ایک حصہ دیا گیا ہے باوجود کے اس کے وہ بتوں اور معبود باطل پر ایمان لاتے ہیں اور شیطان کو مانتے ہیں اور یہ امر کس قدر تعجب خیز ہے کہ وہ مسلمانوں کی عداوت میں کفار مکہ اور مشرکین کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ یہ مشرکین مکہ مسلمانوں سے زیادہ راہ ہدایت پر ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ شرک توحید سے بہتر ہے حالانکہ جس کتاب (توریت) پر یہ ایمان رکھتے ہیں وہ توحید کی تعلیم بت پرستی کی مذمت سے بھری پڑی ہے یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے یعنی جن لوگوں نے مشرکین کو موحدین پر ترجیح دی اور طریقہ کفر وشرک کو طریقہ اسلام سے افضل بتلایا ان پر اللہ کی لعنت ہے اور جس پر اللہ کی لعنت تو (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ اس کا کوئی حامی اور مددگار نہ پائیں گے جو اس کو دنیا اور آخرت کی ذلت اور رسوائی سے بچا سکے چنانچہ یہود مسلمانوں کے ہاتھ سے ذلیل اور خوار ہوئے کوئی قید ہوا اور کوئی قتل اور قریش کی کوئی مدد ان کے کام نہ آئی اس آیت میں اسلام کے غلبہ اور یہود کے مغلوب ہونے کی بشارت ہے۔

ف:...... جبت بتوں کو کہتے ہیں کہ اور طاغوت شیاطین کو اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ طاغوت ہر سرکش کو کہتے ہیں اس جگہ طاغوت سے کعب بن اشرف یہودی مراد ہے جو شیطان تھا صورت میں انسان کے اور بعض کا قول یہ ہے کہ ہر معبود باطل کو طاغوت کہتے ہیں۔ واللہ اعلم

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ

کیا ان کا کچھ حصہ ہے سلطنت میں پھر تو یہ نہ دیں گے لوگوں کو ایک تل برابر ف۱ یا حسد کرتے ہیں لوگوں کا

یا ان کا کچھ حصہ ہے سلطنت میں؟ پھر تو یہ نہ دیں گے لوگوں کو، ایک تل برابر۔ یا حسد کرتے ہیں لوگوں کا

ف۱ یہود اپنے خیال میں جانتے تھے کہ پیغمبری اور دین کی سرداری ہماری میراث ہے اور ہمیں کو لائق ہے۔ اس لئے عرب کے پیغمبر کی متابعت سے عار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آخر کو حکومت اور بادشاہت ہمیں کو پہنچ رہے گی برائے چندے اوروں کو بھی مل جائے تو کچھ مضائقہ نہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ کیا یہود کا کچھ حصہ ہے سلطنت میں یعنی ہرگز نہیں۔ اگر یہ حاکم ہو جائیں تو لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیں۔ یعنی ایسے بخیل ہیں کہ بادشاہت میں فقیر =

عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ

اس پر جو دیا ہے ان کو اللہ نے اپنے فضل سے سو ہم نے تو دی ہے ابراہیم کے خاندان میں کتاب اور علم اور ان کو دی ہے ہم

اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے؟ سو ہم نے تو دی ہے ابراہیم کے گھر میں کتاب اور علم، اور ان کو دی ہم

مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ

نے بڑی سلطنت ف۱ پھر ان میں سے کسی نے اس کو مانا اور کوئی اس سے ہٹا رہا اور کافی ہے دوزخ کی بھڑکتی آگ ف۲ بیشک

نے بڑی سلطنت۔ پھر ان میں کسی نے اس کو مانا اور کوئی اس سے اٹک رہا۔ اور دوزخ بس ہے جلتی آگ۔ جو

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۚ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا

جو منکر ہوئے ہماری آیتوں سے ان کو ہم ڈالیں گے آگ میں ف۳ جس وقت جل جائے گی کھال ان کی تو ہم بدل دیویں گے ان کو

لوگ منکر ہوئے ہماری آیتوں سے، ان کو ہم ڈالیں گے آگ میں۔ جس وقت پک جاوے گی کھال ان کی، بدل کردیں گے ان کو

غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اور کھال تاکہ چکھتے رہیں عذاب ف۴ بیشک اللہ ہے زبردست حکمت والا ف۵ اور جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے

اور کھال کہ چکھتے رہیں عذاب۔ اللہ ہے زبردست حکمت والا۔ اور جو لوگ یقین لائے اور کیں

الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ۚ لَهُمْ فِيْهَاۤ

نیک البتہ ان کو ہم داخل کرینگے باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں ان میں ہمیشہ ان کیلئے وہاں

نیکیاں، ان کو ہم داخل کریں گے باغوں میں، جن کے نیچے بہتی نہریں، رہ پڑے وہاں

= کو تل برابر بھی نہ دیں۔

ف۱ یعنی کیا یہود، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب پر اللہ کے فضل و انعام کو دیکھ کر حسد میں مرے جاتے ہیں۔ سو یہ تو بالکل ان کی بیہودگی ہے کیونکہ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے میں کتاب اور علم اور سلطنت عظیم عنایت کی ہے۔ پھر یہود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور عزت پر کیسے حسد اور انکار کرتے ہیں اب بھی تو ابراہیم علیہ السلام ہی کے گھر میں ہے۔

ف۲ یعنی حضرت ابراہیم کے گھرانے میں خدائے تعالیٰ نے ہمیشہ سے بزرگی دی ہے اور اب بھی اسی کے گھرانے میں ہے۔ سو جو کوئی بلاوجہ محض حسد سے اس کو نہ مانے اس کے جلانے کے لئے دوزخ کی بھڑکتی آگ کافی ہے۔

ف۳ پہلی آیت میں مومن و کافر کا ذکر تھا اب مطلق مومن اور کافر کی جزا و سزا بطور قاعدہ کلیہ کے ذکر فرماتے ہیں تاکہ ایمان کی طرف پوری ترغیب اور کفر سے پوری ترہیب ہو جائے۔

ف۴ یعنی کافروں کے عذاب میں نقصان اور کمی نہ آنے کی غرض سے ان کی کھال کے جل جانے کے وقت دوسری کھال بدل دی جائے گی مطلب یہ ہوا کہ کافر ہمیشہ عذاب میں یکساں مبتلا رہیں گے۔

ف۵ یعنی اللہ تعالیٰ بیشک زبردست اور غالب ہے کافروں کو ایسی سزا دینے میں کوئی دقت اور دشواری نہیں اور حکمت والا ہے کافروں کو یہ سزا دینی عین حکمت کے موافق ہے۔

أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٥٧﴾

عورتیں ہیں ستھری اور ان کو ہم داخل کرینگے گھنی چھاؤں میں ف ۱

ہمیشہ۔ ان کو وہاں عورتیں ہیں ستھری، اور ان کو ہم داخل کریں گے گھن کی چھاؤں میں۔

مذمت یہود بر بخل و حسد

قَالَ تَعَالٰی: ﴿أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ... الی... وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا﴾

ربط:...... یہ آیت بھی یہود کے حق میں ہے گزشتہ آیات میں یہود کے معائب بیان ہوئے کہ وہ باوجود کفر و شرک میں ملوث ہونے کے اپنے آپ کو پاک اور مقدس بتلاتے ہیں اور خدا تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں اور مشرکین کو موحدین پر ترجیح دیتے ہیں اور اب ان آیات میں یہود کے بخل اور حسد کو بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ غایت درجہ بخیل اور حاسد ہیں محض حسد کی وجہ سے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے کہ نبی آخر الزمان ﷺ بنی اسماعیل میں سے کیوں ہوئے بنی اسرائیل میں سے کیوں نہ ہوئے نیز یہود کا یہ دعوی اور زعم تھا کہ اخیر زمانہ میں یہود کی سلطنت ہوگی اور یہ کہتے تھے کہ آخر حکومت اور بادشاہت ہمیں کو پہنچ کر رہے گی برائے چندے اگر اوروں کو مل جائے تو مضایقہ نہیں۔

حق تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی تکذیب کی اور ان کے دعوے کو جھوٹا قرار دیا چنانچہ فرماتے ہیں کیا ان کے لیے ان کی آرزو کے مطابق سلطنت اور بادشاہی میں سے کوئی حصہ ہے ہرگز نہیں یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس سلطنت کا کوئی حصہ نہیں پھر ان کو آنحضرت ﷺ کے اتباع سے کیوں عار آتی ہے ان لوگوں پر ظلم اور طغیان اور عصیان اور عدوان کی وجہ سے ذلت اور مسکنت کی مہر لگ چکی ہے پس اگر ان لوگوں کو سلطنت مل جائے تو یہ لوگ اس درجہ بخیل ہیں کہ لوگوں کو تل برابر بھی کوئی چیز نہ دیں اور سلطنت کے منافع کو اپنے لیے مخصوص کرلیں اور جو لوگ اس درجہ بخیل ہوں کہ سلطنت ملنے کے بعد لوگوں کو ایک تل دینا بھی گوارا نہ کریں وہ سلطنت کے حق دار اور اہل نہیں یہ ان کے بخل کا بیان تھا اب آئندہ آیت میں ان کے حسد کو بیان کرتے ہیں کیا یہ یہود عرب کے لوگوں یعنی بنی اسماعیل کی اس نعمت پر حسد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے۔ لوگوں سے آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب ؓ مراد ہیں اور نعمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت سے سرفراز فرمایا اور نبوت کے ساتھ حکومت اور بادشاہت بھی دی حسد اس پر ہے کہ نبوت اور بادشاہت تو حصہ بنی اسرائیل کا تھا۔ دین و دنیا کی نعمت بنی اسماعیل کو کیسے مل گئی۔

حق تعالیٰ شانہ ان کے جواب میں فرماتے ہیں پس تحقیق دی ہے ہم نے اولاد ابراہیم کو کتاب اور حکمت اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سلطنت اور بادشاہت بھی دی ہے جیسے حضرت یوسف اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان ؑ کو نبوت کے ساتھ بادشاہت بھی عطا کی جو حضرت ابراہیم ؑ کی اولاد میں سے تھے اسی طرح سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ بھی تو حضرت

ف ۱ یعنی مومن ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور ان کو عورتیں ایسی ملیں گی جو حیض اور دیگر آلائشوں سے پاک ہونگی اور ان کو گہری اور گنجان چھاؤں میں داخل کریں گے جو آفتاب کی دھوپ سے بالکل محفوظ ہوگی۔

ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں پھر آنحضرت ﷺ کی نبوت اور ریاست پر کیوں حسد کرتے ہیں حق تعالیٰ شانہ نے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک خاندان (بنی اسرائیل) کو نبوت و بادشاہت سے سرفراز کیا اب دوسرے خاندان یعنی بنی اسماعیل کو نبوت و بادشاہت عطا کی تو حسد اور تعجب کی کیا بات ہے یہود بے بہبود کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت بنی اسرائیل کے علاوہ اور کسی خاندان کو نہیں ملے گا پس ان حاسدین میں سے کوئی تو آپ ﷺ پر ایمان لایا جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء اور کوئی ایمان لانے سے باز رہا جیسے کعب بن اشرف وغیرہ اور ان کی سزا کے لیے دوزخ کی دھکتی ہوئی آگ کافی ہے اور بعض علماء نے بہ کی ضمیر انبیاء سابقین کی طرف راجع کی ہے اس صورت میں مطلب ہوگا کہ اولاد ابراہیم میں سے جن نبیوں کو ہم نے کتاب و حکمت دی ان پر بعض یہود تو ایمان لائے اور بعض نے ان کو بھی نہ مانا پس اے نبی کریم ﷺ اگر یہ لوگ آپ ﷺ کی نبوت کو بھی نہ مانیں تو کوئی تعجب نہیں ان کی جو روش پہلے تھی وہی اب بھی ہے ایسے ہٹ دھرموں کی سزا کے لیے دوزخ کافی ہے یہ آیت تو یہود کے حق میں تھی اب آئندہ آیت میں عام مومنین اور عام کفار کی جزا و سزا کا بطور قاعدہ کلیہ ذکر ہے جس میں یہود بھی داخل ہیں تحقیق جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو نہیں مانا ہم ضرور ان کو آگ میں ڈالیں گے جب کبھی (آگ) سے ان کی کھالیں جل جایا کریں گی تو ہم فوراً پہلی کھالوں کے سوا دوسری نئی کھالیں بدل دیا کریں گے تاکہ اچھی طرح عذاب کا مزہ چکھتے رہیں اور ہر لحظہ اور ہر ساعت عذاب کا الم محسوس کرتے رہیں تازہ کھال کو جس قدر الم محسوس ہوتا ہے جلی ہوئی کھال کو اتنا محسوس نہیں ہوتا بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے وہ سب پر غالب ہے کوئی اس کو عذاب دینے سے روک نہیں سکتا اور حکمت والا ہے اس کا عذاب عین حکمت اور مصلحت ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کو ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے درختوں اور مکانوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یعنی ان باغوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے اور کبھی وہاں سے نکالے نہ جائیں گے ان کے لیے ان باغوں میں پاک وصاف بیویاں ہوں گی اور ہم ان کو بڑے گنجان سایہ کی جگہ میں بھی داخل کریں گے یعنی جنت میں نہ گرمی ہوگی اور نہ سردی بلکہ ایسا آرام ملے گا جیسا سایہ میں بیٹھ کر ملتا ہے ملک عرب چونکہ نہایت گرم ہے اس لیے وہاں کے لوگ سایہ کو غایت درجہ کی راحت جانتے تھے اس مقام پر لوگ یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ جب جنت میں سورج نہیں تو سایہ کیسا کما قال تعالیٰ: ﴿لَا یَرَوْنَ فِیْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِیْرًا﴾۔

جواب:...... یہ ہے کہ روشنی اور دھوپ کے لیے خاص آفتاب کا وجود ضروری نہیں اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے نور اور تیز روشنی پیدا کردے اخروی نعمتوں کو دنیاوی نعمتوں پر قیاس نہ کرنا چاہیے جس طرح وہ آخرت میں دودھ اور شہد بلا اسباب ظاہرہ کے محض اپنی قدرت سے پیدا فرمائے گا اسی طرح وہ جنت میں روشنی اور سایہ بھی اپنی قدرت سے پیدا فرمادے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ

بیشک اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو

اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچاؤ امانتیں امانت والوں کو، اور جب چکوتی کرنے لگو لوگوں میں تو

تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾ يٰۤاَيُّهَا

فیصلہ کرو انصاف سے ف۱ اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو بیشک اللہ ہے سننے والا دیکھنے والا ف۲ اے

چکوتی کرو انصاف سے۔ اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو۔ اللہ ہے سنتا دیکھتا۔ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ

ایمان والو ! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں ف۳ پھر اگر جھگڑ پڑو کسی

ایمان والو ! حکم مانو اللہ کا، اور حکم مانو رسول کا، اور جو اختیار والے ہیں تم میں، پھر اگر جھگڑ پڑو کسی

شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ

چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ف۴ یہ بات اچھی ہے

چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے۔ اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر، اور پچھلے دن پر۔ یہ خوب ہے

ع ۸ ۵ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾

اور بہت بہتر ہے اس کا انجام ف۵

اور بہتر تحقیق کرنا ہے۔

ف۱ یہود میں عادت تھی کہ امانت میں خیانت کرتے اور فصل خصومات میں رشوت وغیرہ کی وجہ سے کسی کی خاطر اور رعایت کر کے خلاف حق حکم دیتے اس لئے مسلمانوں کو ان دونوں باتوں سے اس آیت میں روکا گیا۔ منقول ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونا چاہا تو عثمان بن طلحہ کلید بردار خانہ کعبہ نے کنجی دینے سے انکار کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے چھین کر دروازہ کھول دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہو کر جب باہر تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے آپ سے درخواست کی کہ یہ کنجی مجھ کو مل جائے اس پر آیت نازل ہوئی اور کنجی عثمان بن طلحہ ہی کے حوالہ کی گئی۔

ف۲ یعنی اللہ تعالیٰ جو تم کو ادائے امانت اور عدل کے موافق حکم دینے کا حکم فرماتا ہے تمہارے لئے سراسر مفید ہے اور اللہ تعالیٰ تمہاری کھلی اور چھپی اور موجودہ اور آئندہ باتوں کو خوب جانتا ہے تو اب اگر تم کو کہیں ادائے امانت یا عدل مفید معلوم نہ ہو تو حکم الٰہی کے مقابلہ میں اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

ف۳ پہلی آیت میں حکام کو عدل کا حکم فرما کر اب اوروں کو حکام کی متابعت کا حکم دیا جاتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکام کی اطاعت جب ہی واجب ہوگی جب وہ حق کی اطاعت کریں گے۔ **فائدہ:** حاکم اسلام بادشاہ یا اس کا صوبہ دار یا قاضی یا سردار لشکر اور جو کوئی کسی کام پر مقرر ہو ان کے حکم کا ماننا ضروری ہے جب تک کہ وہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف حکم نہ دیں اگر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے صریح خلاف کرے تو اس حکم کو ہرگز نہ مانے۔

ف۴ یعنی اور اگر تم میں اور اولو الامر میں باہم اختلاف ہو جائے کہ حاکم کا یہ حکم اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق ہے یا مخالف تو اس کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کر کے طے کر لیا کرو کہ وہ حکم فی الحقیقت اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق ہے یا مخالف اور جو بات محقق ہو جائے اسی کو بالاتفاق مسلم اور معمول بہ سمجھنا چاہیے اور اختلاف کو دور کر دینا چاہیے اگر تم کو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے کیونکہ جس کو اللہ اور قیامت پر ایمان ہوگا وہ ضرور اختلاف کی صورت میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی طرف رجوع کرے گا اور ان کے حکم کی مخالفت سے بے حد ڈرے گا۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بھاگے گا وہ مسلمان نہیں اس لئے اگر دو مسلمان آپس میں جھگڑیں ایک نے کہا چلو شرع کی طرف رجوع کریں دوسرے نے کہا میں شرع کو نہیں سمجھتا یا مجھ کو شرع سے کام نہیں تو اس کو بیشک کافر کہیں گے۔

ف۵ یعنی اپنے متنازعات اور اختلافات کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا اور اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرنی مفید ہے آپس میں جھگڑنے یا اپنی رائے کے موافق فیصلہ کرنے سے اس رجوع کا انجام بہتر ہے۔

حکم نوزدہم اداء امانت واقامت عدل

قال تعالیٰ: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا... الی... ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾

ربط:...... دور سے یہود کے قبائح اور حدود اللہ سے ان کی تعدیوں کا بیان چلا آ رہا ہے اب ان آیات میں ان کی ایک اور تعدی کو بیان فرماتے ہیں کہ من جملہ تعدی حدود اللہ کے ایک تعدی امانت میں خیانت اور فیصلہ میں بے انصافی ہے یہود کی یہ عادت تھی کہ امانت میں خیانت کے کرتے اور فصل خصومات میں رشوت لے کر بے انصافی کرتے اس لیے ان آیات میں اللہ تعالیٰ امانت داری اور عدل وانصاف اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اس لیے دخول [1] جنت اور ازواج مطہرہ اور ظل ظلیل کے مستحق اہل امانت اور اہل عدالت ہی ہو سکتے ہیں اور اعمال صالحہ میں امانت اور عدالت بہت بڑا عمل صالح ہے بلکہ تمام اخلاق اور اعمال اور معاملات دینیہ و دنیویہ اور حکومت وریاست کی روح بھی صفت عدل وامانت ہے چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو امانت والوں کے حوالہ اور سپرد کر دو خواہ وہ امانتیں دنیا سے متعلق ہوں یا دین سے۔ اس آیت میں عثمان بن طلحہ کے قصہ کی طرف اشارہ ہے امام بغوی فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونا چاہا تو عثمان بن طلحہ جو خانہ کعبہ کے کلید بردار تھے ان سے آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ کی کنجی طلب کی عثمان نے کنجی دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر میں آپ ﷺ کو خدا کا رسول جانتا تو میں کنجی دینے سے انکار نہ کرتا لیکن میرے علم میں آپ ﷺ خدا کے رسول نہیں اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عثمان کا ہاتھ پکڑ کر مروڑ دیا اور کنجی ان سے چھین لی اور خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا۔ رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی جب آپ باہر نکلے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ یہ کنجی مجھ کو دے دی جائے تاکہ ''سقایت زمزم'' یعنی حاجیوں کو زمزم پلانے کی خدمت کے ساتھ خانہ کعبہ کی حجابت (کلید برداری) بھی مجھے مل جائے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کنجی عثمان بن طلحہ کے حوالہ کر دو علی نے کنجی عثمان بن طلحہ کے حوالہ کر دی اور کہا کہ تمہارے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کو یہ آیت پڑھ کر سنائی عثمان بن طلحہ نے جب یہ آیت سنی تو فوراً مسلمان ہو گئے اور کہا کہ ''اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ۔''

امام بغوی کی اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن اس آیت کے نزول کے بعد مشرف باسلام ہوئے لیکن اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہو کر آئے اور اسلام قبول کیا اور جب فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ مکہ آئے اور عثمان رضی اللہ عنہ سے خانہ کعبہ کی کنجی طلب کی تو عثمان نے بے تامل آپ ﷺ کے حوالے کر دی اور پھر خانہ کعبہ سے باہر آ کر جب آپ ﷺ وہ کنجی عثمان کو دینے لگے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ بول اٹھے کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ کنجی میرے حوالے کر دی جائے اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کی امانت (کنجی) عثمان رضی اللہ عنہما کے حوالے کر دی اور یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کنجی تم کو واپس دلائی ہے اب یہ کنجی ہمیشہ تمہارے ہی پاس رہے گی

[1] جن کا ذکر پہلی آیت میں ہو چکا ہے۔

اور جو شخص یہ کنجی تم سے چھینے گا وہ ظالم کہلائے گا۔ مرتے دم تک یہ کنجی عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے پاس رہی مرتے وقت یہ کنجی اپنے بھائی شیبہ کو دی چنانچہ اب تک خانہ کعبہ کی کنجی شیبہ کی اولاد میں ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک اسی کی اولاد میں رہے گی۔

عدل کا حکم

اور اللہ تعالیٰ تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو یعنی فیصلہ میں کسی کی رعایت نہ کرو اور نہ کسی پر ظلم کرو مدعی اور مدعی علیہ دونوں کو اپنے پاس بٹھا کر دونوں کی طرف متوجہ ہو اور دونوں کی بات سن کر جو حق معلوم ہو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور اپنے اور پرائے کا امتیاز نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ تم کو بہت ہی عمدہ نصیحت کرتا ہے یعنی امانت کا ادا کرنا اور عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا بلاشبہ امانت اور عدالت نہایت ہی عمدہ خصلت ہے جس پر دین ودنیا کی صلاح اور فلاح موقوف ہے آخرت کا معاملہ تو بہت بڑا ہے دنیائے فانی کی حکومت بھی بدون امانت اور عدالت نہیں چلتی بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال وافعال کو جو فیصلہ کے وقت سرزد ہوتے ہیں سننے والا دیکھنے والا ہے تمہاری امانت اور خیانت اللہ سے مخفی نہیں پس تم کو چاہیے کہ اللہ اور اس کی رسول کے حکم پر چلو اور اختلاف کے وقت اللہ اور اس کے رسول یعنی کتاب وسنت کی طرف رجوع کرو چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو اطاعت اور فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی جو قانون عدل اور امانت کا واضع ہے اور فرمانبرداری کرو پیغمبر خدا کی جو قانون خداوندی کا شارح ہے رسول جو بھی کہتا ہے وہ سب خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے نبی کی زبان حکم خداوندی کی ترجمان ہے اور فرمانبرداری کرو اپنے فرماں رواؤں کی بشرطیکہ وہ تم میں سے ہوں یعنی مسلمانوں سے ہوں اللہ اور اس کی رسول پر ایمان رکھتے ہوں اور ان حکام کا مقصود، حکومت سے یہ ہو کہ احکام شریعت کے ساتھ فیصلہ کریں تو ایسے حکام کی اطاعت واجب ہے اور اگر تم میں اور حکام میں کسی وقت کسی شے میں باہم نزاع اور اختلاف ہو جائے کہ یہ حکم اور یہ فیصلہ اللہ اور اسکے رسول کے موافق ہے یا مخالف تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف راجع کرو یعنی جس بات میں اختلاف ہو جائے تو اس کو کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو یعنی اگر تم اس پر ایمان رکھتے ہو کہ قانون خداوندی کی اطاعت واجب ہے اور اس پر ایمان رکھتے ہو کہ قیامت کے دن قانون شریعت پر عمل کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کو جزاء وسزا ضرور ملے گی تو نزاع کے وقت کتاب وسنت کی طرف رجوع کرو یہ یعنی کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا ہی تمہارے لیے غایت درجہ نافع اور بہتر ہے اور اگر بالفرض والتقدیر اس وقت تم کو حکم شرعی نافع اور مفید نہ معلوم ہو خوب سمجھ لو کہ وہ باعتبار انجام کے تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے یعنی اس کی عاقبت محمود ہے فیصلہ میں خدا کی طرف رجوع کرنے کا انجام بہتر ہے اور اپنی خواہش اور غرض کی طرف رجوع کرنے کا انجام برا ہے۔

لطائف ومعارف

۱- امانت کی حقیقت یہ ہے کہ جس کسی کا جو حق تم پر واجب ہو اس کو طیب خاطر کے ساتھ ادا کرو۔

۲- آیت کا نزول اگرچہ خاص واقعہ مفتاح میں ہوا ہے لیکن بالاجماع یہ آیت مال ودیعت کے ساتھ مخصوص نہیں

بلکہ لفظ "امانات" میں جملہ اقسام کی امانتیں داخل ہیں کیونکہ الامانات پر جو الف لام داخل کیا گیا ہے وہ استغراق کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے کہ جملہ اقسام کی امانتوں کی رعایت واجب ہے کسی امانت میں بھی خیانت روا نہیں۔

۳- جاننا چاہیے کہ انسان کے معاملات کی کل تین قسمیں ہیں یا تو انسان کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے اور یا لوگوں کے ساتھ اور یا اپنے نفس کے ساتھ ہے تینوں قسموں میں امانت کی رعایت ہر انسان پر فرض ہے:

۱...... خدا تعالیٰ کے ساتھ امانت کی رعایت یہ ہے کہ جن باتوں کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان کو بجالائے اور جن باتوں سے منع کیا ہے ان سے رکا رہے احکام خداوندی کی بجا آوری میں خیانت نہ کرے۔

۲...... اور لوگوں کے ساتھ امانت کی رعایت یہ ہے کہ ان کی ودیعتیں اور ان کے قرض ادا کرے ماپ تول کی کمی نہ کرے اور بادشاہوں کی امانت یہ ہے کہ رعایا کے حقوق ادا کریں عہدہ اور منصب کسی نااہل کو نہ دیں نااہل کو عہدہ اور منصب دینا رعایا کے ساتھ خیانت ہے اور علماء کی امانت یہ ہے کہ احکام خداوندی بلاکم وکاست شریعت کے مطابق لوگوں تک پہنچادیں۔

۳- اور اپنے نفس کے ساتھ امانت کی رعایت یہ ہے کہ اپنے اعضاء وجوارح سے وہ کام نہ لے جو دنیا اور آخرت میں اس کے لیے مضر ہوں مثلاً زبان کو کلمات کفر اور بدعت اور کذب وغیبت سے محفوظ رکھے اور آنکھ کی امانت یہ ہے کہ اس کو حرام کی طرف دیکھنے سے محفوظ رکھے اور کان کی امانت یہ ہے کہ جھوٹ اور غیبت اور گانے بجانے کے سننے سے محفوظ رکھے اور شرمگاہ کی امانت یہ ہے کہ اس کو حرام سے بچائے۔

قرآن کریم میں جابجا امانت ادا کرنے کی تاکید آئی ہے اور حدیث میں ہے کہ جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس کو اپنے عہد کا پاس اس میں دین نہیں۔

۴...... دوسری آیت یعنی ﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ میں حکام کو حکم دیا گیا کہ لوگوں کے اختلافات اور نزاعات کا فیصلہ عدل اور انصاف کے ساتھ کریں حق کے مطابق فیصلہ کریں ذرہ برابر کسی کی رعایت نہ کریں۔

دنیا کے اعتبار سے عدل کا فائدہ یہ ہے کہ حکومت کا بقاء اور استحکام عدل وانصاف پر موقوف ہے حکومت کفر کے ساتھ چل سکتی ہے مگر ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتی جس حکومت سے عدل وانصاف رخصت ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ ملک کی برکتیں بھی رخصت ہو جاتی ہیں آسمان کی بارشیں کم ہو جاتی ہیں اور زمین کی پیداوار بھی گھٹ جاتی ہے مروتیں مضمحل ہو جاتی ہیں ملک میں مکر وفریب پھیل جاتا ہے اور سکون اور اطمینان گم ہو جاتا ہے اور جب مظلوم دادرسی اور فریاد سے محروم ہو کر آسمان کی طرف دیکھتا ہے تو قہر خداوندی جوش میں آتا ہے اور پھر بعد چندے وہ ہوتا ہے جو دنیا دیکھتی ہے اللہ پناہ میں رکھے اور آخرت کے اعتبار عدل کا فائدہ یہ ہے کہ عدل وانصاف قیامت کے دن حق تعالیٰ کے قرب ورضا اور اعزاز اکرام کا ذریعہ ہے۔

حدیث میں ہے کہ عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والے حاکموں کو قیامت کے دن نور کے منبروں پر بٹھایا جائے گا۔

اور حدیث میں ہے کہ تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی۔ عادل فرماں روا اور روزہ دار اور مظلوم۔

اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات شخصوں کو عرش کے سایہ میں جگہ دے گا منجملہ ان کے ایک عادل فرماں بردار ہے۔

۵...... اولو الامر کے بارہ میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اولی الامر سے امراء اور حکام مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اولی الامر سے فقہاء اور علماء دین مراد ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حسن بصری، ضحاک اور مجاہد رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔ (تفسیر درمنثور: ۲/۲۵۹)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہی قول مختار اور پسندیدہ ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ اولی الامر سے صحابۂ کرام مراد ہیں اور عکرمہ کہتے ہیں کہ اس سے ابوبکر وعمر مراد رضی اللہ عنہما ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۵/۲۵۹)

اور شیعہ کہتے ہیں کہ اولی الامر سے ائمہ اثناء عشر مراد ہیں یعنی ائمہ معصومین مراد ہیں جن کا دنیا میں کہیں وجود نہیں نہ معلوم کہ حضرات شیعہ نے معدوم کی اطاعت کی کیا صورت نکالی ہے۔

اور غور وفکر کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اولی الامر کے معنی ارباب حکومت اور اہل اختیار کے ہیں جو امراء اور حکام [1] اور علماء دین اور خلفاء راشدین سب پر صادق آتی ہیں کیونکہ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے اولی الامر کا ترجمہ (اور جو اختیار والے ہیں تم میں) کیا ہے اور مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ نے اولی الامر کا ترجمہ اس طرح کیا ہے اور جو لوگ تم میں اہل حکومت ہیں اور حکومت اور اختیار عام ہے خواہ دنیا کے اعتبار سے ہو یا دین کے اعتبار سے تدبیر ملکی اور حرب اور ضرب میں امراء وحکام کی اطاعت واجب ہے بشرطیکہ ان کے احکام شریعت کے مطابق ہوں اور اگر امیر اور حاکم معصیت کا حکم دے تو پھر امیر اور حاکم کی اطاعت جائز نہیں۔

اور دینی اعتبار سے علماء اور فقہاء اور حاکم اور ذی اختیار ہیں عوام پر علماء اور فقہاء کا اتباع واجب ہے اس لیے کہ علماء انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اور حکام شریعت کے خازن وامین ہیں اور خزانہ علم نبوی کے حفیظ علیم ہیں۔

اور حق جل شانہ کا یہ ارشاد ﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ﴾ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اولی الامر سے علماء مجتہدین مراد ہیں جو اجتہاد اور استنباط کی صلاحت رکھتے ہوں اور ان کی طرف رجوع کرنا واجب ہے جو احکام اور مسائل بصراحت کتاب وسنت میں نہ پائے جائیں وہاں عوام پر علماء مجتہدین ومستنبطین کی تقلید اور اتباع واجب ہے غرض یہ کہ جو کوئی مسلمانوں کی دینی یا دنیوی صلاح کا والی اور متولی ہو وہ اولی الامر کے تحت میں داخل ہے اور خلفاء راشدین چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام تھے اس لیے وہ دونوں قسم کی اصلاح کے والی اور متولی تھے اور دین دنیا دونوں اعتبار سے حاکم اور فرمانروا اور ذی اختیار تھے اور سب سے زیادہ اولی الامر کے لقب کا

---

[1] قال العلامة الآلوسی وحمله کثیر علی مایعم الجمیع لتناول الاسم لهم لان للامراء تدبیر امر الجیش والقتال وللعلماء حفظ الشریعة ولیس ببعید (روح المعانی: ۵/۵۹) وقال ابن کثیر والظاهر والله اعلم انها عامة فی کل اولی الامر من الامراء والعلماء کما تقدم (تفسیر ابن کثیر: ۱/۵۱۸)

استحقاق رکھتے تھے جو خلفاء راشدین ﷺ کی سنت کے اتباع کو واجب نہ سمجھے وہ اہل سنت والجماعت میں سے نہیں۔

۶......**اصول دین اور ادلہ شرعیہ:**......امام ① رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اس آیت شریفہ میں اصول دین اور ادلہ شرعیہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ علماء اصول نے لکھا ہے کہ ادلہ شرعیہ چار ہیں کتاب اللہ سنت رسول اللہ ﷺ اجماع امت اور قیاس فقہاء مجتہدین۔ ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ﴾ میں کتاب اللہ کے اتباع کی طرف اشارہ ہے جو اصول دین میں اصل اول ہے اور ﴿وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ میں سنت رسول اللہ ﷺ کے اتباع کی طرف اشارہ ہے جو دین کی اصل ثانی ہے اور اولی الامر کی اطاعت سے اجماع علماء کے اتباع کی طرف اشارہ ہے جو دین کی اصل ثالث ہے کیونکہ حقیقت میں امراء اور اولی الامر سے وہی علماء ربانیین اور راسخین فی العلم مراد ہیں جو کتاب وسنت سے احکام خداوندی کا استنباط کر سکتے ہوں اور علماء اصول کی اصطلاح میں ایسے ہی لوگوں کو اہل حل وعقد کہا جاتا ہے اور ایسے ہی علماء مستنبطین کے قول واقرار سے اجماع منعقد ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد قطعی اور جزمی طور پر جس کا اتباع واجب اور لازم ہے وہ اجماع علماء ہے علماء فرداً فرداً اگرچہ غیر معصوم ہیں لیکن علماء ربانیین اور مستنبطین کا اجماع معصوم عن الخطاء ہے جیسا کہ حدیث میں ہے "لا تجتمع امتی علی الضلالة" اس لیے اولی الامر کے اجماع کی اطاعت اور اتباع رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے ساتھ ملا کر ایک اطیعوا کے تحت میں ذکر فرمایا ہے اور ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ﴾ میں نزاع اور اختلاف سے اس شئے میں نزاع اور اختلاف مراد ہے جس کا حکم کتاب وسنت واجماع میں منصوص اور مصرح نہ ہو کیونکہ جس کا حکم منصوص ہوگا وہ ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ﴾ میں داخل ہوگا پھر اس قضیہ شرطیہ یعنی "فان تنازعتم" لانے کی کیا ضرورت ہوگی۔

عالم میں جو واقعات پیش آتے ہیں وہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جن کے احکام منصوص ہیں دوم وہ جو منصوص نہیں اول الذکر کے متعلق ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ﴾ کا حکم دیا گیا اور دوسری قسم یعنی واقعہ کا حکم منصوص نہ ہو تو اس کے متعلق یہ حکم دیا گیا کہ ﴿فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ یعنی جس واقعہ کا حکم منصوص نہ ہو تو اس غیر منصوص کا حکم معلوم کرنے کے لیے کتاب وسنت کی طرف رجوع کرو اور اس جیسے واقعات کا جو حکم کتاب وسنت میں ہے وہی اس غیر منصوص کے لیے ثابت کر دو اور مشابہت اور مماثلت کی بناء پر غیر منصوص کے لیے منصوص کا حکم ثابت کرنا اسی کا نام قیاس اور اجتہاد اور استنباط ہے جو دین کی اصل چہارم ہے کتاب وسنت احکام خداوندی کا خزینہ اور دفینہ ہے جو احکام کتاب وسنت میں منصوص اور صراحۃً مذکور ہیں وہ بمنزلہ ایسے خزانہ کے ہیں جو گھر میں رکھا ہوا ہے ہر ایک بصیر اور بینا کو دکھائی دے سکتا ہے اور جو احکام غیر منصوص ہیں وہ بمنزلہ دفینہ کے ہیں جو کتاب وسنت کے عمق اور گہرائی میں مدفون اور مستور ہیں جن کا سوائے حاذق اور ماہر کے کسی کو پتہ نہیں چل سکتا پس جو علوم اور احکام کتاب وسنت کی تہ میں مدفون اور مخزون ہیں ان کو اپنی باطنی حذاقت اور اندرونی بصیرت سے باہر نکال لانے کا نام اجتہاد اور استنباط ہے جو شخص خود استنباط نہ کر سکے اس کو مستنبطین کا اتباع لازم ہے چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش، اور اسی کا نام تقلید ہے جو لوگ اجتہاد اور استنباط کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں اور ان پر راسخین

① اخرج ابن ابی شیبة وابن جریر عن ابی العالیة فی قوله ﴿وَاُولِي الْاَمْرِ﴾ قال هم اهل العلم الا تری انه یقول ﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾ (تفسیر در منثور: ۱۷۶/۲، وتفسیر قرطبی: ۲۶۲/۵)

فی العلم اور مستنبطین کا اتباع واجب ہے اور اپنی ناقص رائے اور نا تمام فہم کا اتباع نا جائز ہے۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ نے دنیا میں دو نعمتیں اتاریں ایک حفظ کی اور ایک فہم کی۔ حفظ کی نعمت سے محدثین اور لغویین کو سرفراز فرمایا اور فہم وفراست کی نعمت سے فقہاء اور عارفین یعنی اولیاء اللہ کو سرفراز فرمایا۔ انتھی کلامہ۔

پس جس طرح حق تعالیٰ شانہ نے ذخیرۂ حدیث کی تدوین کے لیے بخاری اور مسلم اور ابوداود، وترمذی کو خاص طور پر منتخب فرمایا اور امت محمدیہ کو ان حضرات کی تدوین کردہ کتابوں کی تلقی بالقبول کا الہام فرمایا اسی طرح تدوین فقہ اور استنباط مسائل کے لیے ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کو منتخب فرمایا اور امت کے علماء وصلحاء عوام وخاص کے دلوں میں ان کی تقلید کا داعیہ پیدا فرمایا کہ ان حضرات کے فہم واستنباط پر بھروسہ اور اعتماد کر کے ان کے سمجھے ہوئے کے مطابق شریعت پر عمل کریں ائمہ مجتہدین کی تقلید پر انکار کرنے والوں اور تقلید شخصی کو شرک وبدعت بتانے والوں پر تعجب ہے کہ صحت حدیث اور جرح وتعدیل میں بخاری اور امام مسلم اور صحاح ستہ کا اتباع اور تقلید تو مستحسن ہو اور مسائل اجتہادیہ میں ابوحنیفہ اور شافعی کا اتباع کورانہ تقلید اور بدعت اور شرک کہلائے۔ دنیا میں سینکڑوں محدث اور بیشمار حدیث کی کتابیں ہیں مگر ان میں سے جس طرح صحیحین اور صحاح ستہ کو علماء نے منتخب کر لیا ہے اور بلا دلیل ان کتابوں کی حدیث کو معتبر سمجھا جاتا ہے اور کوئی شرک اور بدعت نہیں بتلاتا اس طرح دنیا میں بہت سے مجتہد گزرے مگر من جانب اللہ امت محمدیہ کے محدثین اور مفسرین اور اولیائے کرام اور متکلمین انہی چار کی اتباع اور تقلید میں منحصر ہو گئے اور سب علماء کا اس پر اجماع ہو گیا کہ ان چار حضرات سے زیادہ کوئی عالم کتاب وسنت اور احکام شریعت کو سمجھنے والا نہیں۔ اگرچہ اب بھی اجتہاد ممکن ہے نبوت کی طرح اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا لیکن یہ امکان ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ کہا جائے کہ بخاری اور مسلم جیسا حافظ حدیث ہونا بھی اب ممکن ہے حافظہ بخاری اور مسلم پر ختم نہیں ہو گیا بیشک امکان عقلی اب بھی موجود ہے لیکن فقہاء جیسا اجتہاد اور استنباط اور بخاری ومسلم جیسا حافظہ من جانب اللہ دنیا سے اٹھا لیا گیا اور یہ امکان عادۃً مفقود ہو گیا۔

جو لوگ صحیحین اور سنن اربعہ کی احادیث کو بلا دلیل معتبر سمجھتے ہیں ان کے پاس بجز حسن ظن کے کوئی دلیل نہیں منکرین تقلید کو نہ اسانید کا علم ہے اور نہ رجال سند کے اسماء اور کنیات اور موالید اور نہ وفیات اور انکی ثقاہت اور ضعف کی کچھ خبر ہے محض بخاری اور مسلم کی امت اور جلالت قدر پر بھروسہ اور اعتماد کر کے بلا دلیل ان کی احادیث کو محض حسن ظن کے بناء پر صحیح تسلیم کرتے ہیں کیا یہ تقلید نہیں۔

اسی طرح مقلدین، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے تفقہ اور اجتہاد اور استنباط پر حسن ظن کی بنا پر اعتماد کر کے شریعت کا اتباع کرتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ امت محمدیہ کے علماء کا اجماع ہے کہ ابوحنیفہ اور مالک اور شافعی اور احمد رحمہم اللہ تفقہ اور اجتہاد کے آسمان تھے اور ہم ذرۂ بے مقدار ہیں اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ ہم ان مستنبطین کی طرف رجوع کریں اور جو شخص ان ائمہ ھدیٰ کے تقلید شخصی سے منحرف ہے وہ اپنے ظلوم وجہول نفس کی تقلید شخصی میں گرفتار ہے۔

۷- ان چار اصول یعنی کتاب وسنت اور اجماع اور قیاس مجتہدین کے ذکر کے بعد حق تعالیٰ کا یہ ارشاد فرمانا ﴿اِنْ

﴿كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اس امر کی دلیل ہے کہ جس طرح کتاب وسنت کا اتباع لوازم ایمان میں سے ہے اسی طرح اجماع امت اور قیاس مجتہد کا اتباع بھی مقتضیات ایمان میں سے ہے اور ﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ کا مصداق ہے کیونکہ ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ﴾ کی قید جمیع امور مذکور فی الآیت سے متعلق ہے اور ﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ بھی سب سے متعلق ہے۔

۸-تمام علماء امت کے نزدیک ادلہ شرعیہ چار ہیں: کتاب، سنت، اجماع، قیاس۔

اور امام بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب الاعتصام میں اجماع اور قیاس کا دلیل شرعی ہونا کتاب وسنت سے ثابت کیا ہے۔

مگر غیر مقلدین کے نزدیک ادلہ شرعیہ صرف دو ہیں ایک کتاب اور ایک سنت اجماع اور قیاس کی حجیت کے قائل نہیں حتی کہ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی قائل نہیں بیس رکعت تراویح اور تین طلاق کے تین ہونے کے قائل نہیں اور انام اپنا اہل حدیث رکھ لیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ

کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں اس پر جو اترا تیری طرف اور جو اترا تجھ سے پہلے چاہتے ہیں

تو نے نہ دیکھے وہ جو دعوے کرتے ہیں کہ یقین لائے ہیں جو اترا تیری طرف، اور جو اترا تجھ سے پہلے، چاہتے ہیں

اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ

کہ قضیہ لے جائیں شیطان کی طرف اور حکم ہو چکا ہے ان کو کہ اس کو نہ مانیں اور چاہتا ہے شیطان کہ

کہ قضیہ لے جاویں شیطان کی طرف، اور حکم ہو چکا ہے ان کو کہ اس سے منکر ہو جاویں۔ اور چاہتا ہے شیطان کہ

يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ

ان کو بہکا کر دور جا ڈالے ف۱ اور جب ان کو کہے کہ آؤ اللہ کے حکم کی طرف جو اس نے اتارا اور رسول کی طرف تو دیکھے

ان کو بہکا کر دور لے ڈالے۔ اور جو ان کو کہیے آؤ اللہ کے حکم کی طرف، جو اس نے اتارا اور رسول کی طرف تو تو دیکھے

ف۱ یہود فصل خصومات میں رعایت ورشوت کے عادی تھے اس لئے جو لوگ جھوٹے اور منافق اور خائن ہوتے وہ اپنا معاملہ یہودیوں کے عالموں کے پاس لے جانا پسند کرتے کہ وہ خاطر کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے لوگ اپنا معاملہ لانا پسند نہ کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق کی رعایت کریں گے اور کسی کی اصلا رعایت نہ کریں گے۔ سو مدینے میں ایک یہودی اور ایک منافق کہ ظاہر میں مسلمان تھا کسی امر میں دونوں جھگڑ پڑے۔ یہودی جو سچا تھا اس نے کہا کہ چل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور منافق جو جھوٹا تھا اس نے کہا کہ چل کعب بن اشرف کے پاس جو یہودیوں میں عالم اور سردار تھا۔ آخر وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جھگڑا لیکر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کا حق ثابت فرمایا۔ منافق جو باہر نکلا تو کہنے لگا کہ اچھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلو جو وہ فیصلہ کر دیں وہی منظور اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا۔ غالباً یہ سمجھا ہوگا کہ میں مدعی اسلام ہوں اس لئے یہودی کے مقابلہ میں میری رعایت کریں گے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ میں جھگڑے فیصل کیا کرتے تھے چنانچہ وہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جھگڑا سنا اور یہودی کے بیان سے ان کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ قضیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا چکا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں یہودی کو سچا اور غالب کر چکے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس منافق کو قتل کر دیا اور فرمایا کہ جو کوئی ایسے قاضی کے ■

الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ

تو منافقوں کو کہ ہٹتے ہیں تجھ سے رک کر ف۱ پھر کیا ہو کہ جب ان کو پہنچے مصیبت اپنے

منافقوں کو، بند ہو رہتے ہیں تیری طرف سے اٹک کر۔ پھر وہ کیسا کہ جب ان کو پہنچے مصیبت اپنے

اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

ہاتھوں کے کئے ہوئے سے پھر آویں تیرے پاس قسمیں کھاتے ہوئے اللہ کی ہم کو غرض نہ تھی مگر بھلائی اور ملاپ ف۲ یہ وہ لوگ ہیں کہ

ہاتھوں کے کئے سے، پیچھے آویں تیرے پاس قسمیں کھاتے اللہ کی، کہ ہم کو غرض نہ تھی مگر بھلائی اور ملاپ۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ

يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا

اللہ جانتا ہے جو ان کے دل میں ہے سو تو ان سے تغافل کر اور ان کو نصیحت کر اور ان سے کہہ ان کے حق میں بات

اللہ جانتا ہے جو ان کے دل میں ہے، سو تو ان سے تغافل کر، اور ان کو نصیحت کر، اور ان سے کہہ ان کے حق میں بات

بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا

کام کی ف۳ اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اس کا حکم مانیں اللہ کے فرمانے سے اور اگر وہ لوگ

کام کی۔ اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ اس کا حکم مانے اللہ کے فرمان سے۔ اور اگر ان

اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا

جس وقت انہوں نے اپنا برا کیا تھا آتے تیرے پاس پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کو بخشواتا تو البتہ اللہ کو پاتے معاف کرنے والا

لوگوں نے جس وقت اپنا برا کیا تھا، آتے تیرے پاس، پھر اللہ سے بخشواتے اور رسول ان کو بخشواتے، اللہ کو پاتے معاف کرنے والا

=فیصلہ کو نہ ماننے اسکا فیصلہ یہی ہے۔ اس کے وارث حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قتل کا دعویٰ کیا اور قسمیں کھانے لگے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تو صرف اس وجہ سے گئے تھے کہ شاید وہ اس معاملہ میں باہم صلح کرا دیں یہ وجہ نہ تھی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے انکار تھا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ان آیات میں اصل حقیقت ظاہر فرما دی گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لقب فاروق فرمایا۔

ف۱ یعنی جب کسی جھگڑے میں منافقوں سے کہا جائے کہ اللہ نے جو حکم نازل فرمایا ہے اس کی طرف آؤ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اپنے جھگڑے کو لاؤ تو ظاہر میں چونکہ مدعی اسلام ہیں اس لئے صاف طور پر تو انکار نہیں کر سکتے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے سے اور حکم الٰہی پر چلنے سے بچتے ہیں اور رکتے ہیں کہ کسی ترکیب سے جان بچ جائے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر جہاں ہمارا جی چاہے اپنا جھگڑا لے جائیں۔

ف۲ یعنی یہ تو سب کچھ ہوا مگر یہ منافق لوگ اس وقت کیا کریں گے جس وقت پہنچنے لگے ان کو عذاب ان کے کرتوت کا یعنی فصل خصومات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے سے جو رکتے اور بچتے ہیں جب اس کا عذاب ان پر آنے لگے تو پھر یہ منافق اس وقت کیا کر سکتے ہیں اس کے سوا کہ آئیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قسمیں کھاتے ہوئے کہ ہم تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں صرف اس وجہ سے گئے تھے کہ شاید وہ باہم صلح اور ملاپ کرا دیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اعراض کرنا اور جان بچانا ہرگز ہم کو منظور نہ تھا۔

ف۳ اس آیت میں حق تعالیٰ نے ان کی قسم اور ان کی معذرت سابقہ کی تکذیب فرمائی کہ منافقین جو کچھ زبانی باتیں بنائیں بنانے دو اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کی باتیں خوب معلوم ہیں یعنی انکے نفاق اور ان کے جھوٹ کو خوب جانتا ہے۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی علم خداوندی پر بس کر کے منافقوں کی بات سے تغافل کیجئے اور ان کی بات کی پروا نہ کیجئے مگر ان کو نصیحت کرنے اور کام کی باتیں بتانے میں ہرگز کوتاہی نہ فرمائیں اور ان کی ہدایت سے مایوس نہ ہو جیے۔

رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ

مہربان ف۱ سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہونگے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پاویں اپنے

مہربان۔ سو قسم ہے تیرے رب کی، ان کو ایمان نہ ہوگا، جب تک تجھی کو منصف جانیں جو جھگڑا اٹھے آپس میں، پھر نہ پاویں اپنے

اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا

جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے ف۲ اور اگر ہم ان پر حکم کرتے کہ ہلاک کرو

جی میں خفگی تیری چکوتی سے، اور قبول رکھیں مان کر۔ اور اگر ہم ان پر حکم کرتے کہ ہلاک کرو

اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا

اپنی جان یا چھوڑ نکلو اپنے گھر تو ایسا نہ کرتے مگر تھوڑے ان میں سے اور اگر یہ لوگ کریں وہ جو ان کو

اپنی جان یا چھوڑ نکلو اپنے گھر، تو کوئی نہ کرتے مگر تھوڑے ان میں۔ اور اگر یہی کریں جو ان کو

يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾

نصیحت کی جاتی ہے تو البتہ ان کے حق میں بہتر ہو اور زیادہ ثابت رکھنے والا ہو دین میں اور اس وقت البتہ دیں ہم ان کو اپنے پاس سے بڑا ثواب

نصیحت ہوتی ہے تو ان کے حق میں بہتر ہو، اور زیادہ ثابت ہوں دین میں۔ اور اسی میں ہم دیں ان کو اپنے پاس سے بڑا ثواب۔

وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ

اور چلاویں ان کو سیدھی راہ ف۳ اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر

اور چلادیں ان کو سیدھی راہ۔ اور جو لوگ حکم میں چلتے ہیں اللہ کے اور رسول کے سو ان کے ساتھ ہیں جن کو

ف۱ یعنی اللہ تعالیٰ جس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بندوں کی طرف بھیجتا ہے سو اسی غرض کیلئے بھیجتا ہے کہ اللہ کے حکم کے موافق بندے ان کے کہنے کو مانیں تو اب ضرور تھا کہ یہ لوگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو بلا تامل پہلے ہی سے دل و جان سے تسلیم کرتے اور اگر گناہ اور برا کرنے کے بعد بھی متنبہ ہو جاتے اور اللہ سے معافی چاہتے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی معافی کی دعا کرتا تو پھر بھی حق تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما لیتا مگر انہوں نے تو یہ غضب کیا کہ اول تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جو بعینہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا ہٹے اور بچے۔ پھر جب اس کا وبال ان پر پڑا تو اب بھی متنبہ اور تائب نہ ہوئے بلکہ لگے جھوٹی قسمیں کھانے اور تاویلیں گھڑنے پھر ایسوں کی مغفرت ہو تو کیونکر ہو۔

ف۲ یعنی منافق لوگ کس بیہودہ خیال میں ہیں اور کیسے بیہودہ حیلوں سے کام نکالنا چاہتے ہیں ان کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جب تک یہ لوگ تم کو اے رسول اپنے تمام چھوٹے بڑے مالی جانی نزاعات میں منصف اور حاکم نہ جان لیں گے کہ تمہارے فیصلہ اور حکم سے ان کے جی میں کچھ تنگی اور ناخوشی نہ آنے پائے اور تمہارے ہر ایک حکم کو خوشی کے ساتھ دل سے قبول نہ کر لیں گے اس وقت تک ہرگز ان کو ایمان نصیب نہیں ہو سکتا اب جو کرنا ہو سوچ سمجھ کر کریں۔

ف۳ یعنی سب کی جانوں کا مالک چونکہ خدا تعالیٰ ہے اس لئے اس کے حکم میں کسی کو جان سے بھی دریغ نہ کرنا چاہئے۔ سو اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو کہیں اپنی جانوں کے ہلاک کر ڈالنے اور جلاوطن ہو جانے کا حکم فرما دیتا جیسے کہ بنی اسرائیل پر حکم کر دیا تھا تو بجا نہ لاتے اس حکم کو مگر گنتے چنتے صرف سچے اور پکے ایمان والے۔ یہ منافق ایسے حکم پر کیسے عمل کر سکتے تھے۔ اب ان کو سمجھنا چاہیے کہ ان کو ہم نے جو حکم دے رکھے ہیں وہ محض ان کی نصیحت اور خیر خواہی کے ہیں نہ جان کی ہلاکت کا حکم دیا گیا نہ جلاوطن ہونے کا۔ اگر انہی آسان اور سہل حکموں پر چلیں تو نفاق بالکل جاتا رہے اور خالص مسلمان ہو جائیں مگر افسوس سمجھتے نہیں اور حالت موجودہ کو =

اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ

اللہ نے انعام کیا کہ وہ نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت ہیں اور اچھی ہے ان کی

اللہ نے نوازا۔ نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت۔ اور خوب ہے ان کی

رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾ ع

رفاقت ف ۱ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے جاننے والا ف ۲

رفاقت۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ بس ہے خبر رکھنے والا۔

مذمت منافقین برانحراف از فیصلہ شریعت

قال تعالیٰ: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ... الی ... كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا﴾

ربط:...... یہ آیت بھی اہل کتاب سے متعلق ہے ان میں کے کچھ لوگ منافقانہ طور پر مسلمان بن گئے تھے اور فصل خصومات میں رعایت اور رشوت کے عادی ہو گئے تھے ان لوگوں کے دل میں کفر والحاد تھا محض زبان سے توحید و رسالت کا اقرار کر لیا تھا جب کوئی مقدمہ پیش آتا تو اپنا معاملہ یہودیوں کے عالموں اور سرداروں کے پاس لے جانا پسند کرتے کہ وہ ان کی رعایت کریں گے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس فیصلہ کے لیے جانے سے گریز کرتے اس لیے کہ آپ ﷺ جو فیصلہ کریں گے وہ غایت درجہ عادلانہ ہوگا اس میں ذرہ برابر کسی کی رعایت نہ ہوگی چنانچہ مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ ایک منافق بشر نامی کا ایک یہودی سے جھگڑا ہو گیا یہودی نے اس خیال سے کہ وہ حق پر تھا یہ چاہا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ آنحضرت ﷺ سے کرایا جائے کہ آپ ﷺ بلا کسی رعایت کے حق فیصلہ کریں گے منافق نے چاہا کہ کعب بن اشرف یہودی سے فیصلہ کرایا جائے۔ یہودی نے کعب بن اشرف کے پاس جانے سے انکار کر دیا اور سوائے آنحضرت ﷺ کے اور کسی کے فیصلے پر راضی نہ ہوا آخر یہ طے ہوا کہ آنحضرت ﷺ سے فیصلہ کرایا جائے آپ ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا اور یہودی ہی حق پر تھا وہ منافق اس پر راضی نہ ہوا جب وہ دونوں آپ ﷺ کے پاس سے باہر آئے تو منافق یہودی کو چمٹ دیا اور کہا کہ حضرت عمر ؓ کے پاس چلو

یہ غنیمت نہیں سمجھتے کہ ذرا سی بات میں دین و دنیا دونوں درست ہوئے جاتے ہیں۔

ف ۲ نبی وہ ہیں جن پر اللہ کی طرف سے وحی آئے یعنی فرشتہ ظاہر میں آ کر پیغام کہہ جائے اور صدیق وہ کہ جو پیغام اور احکام خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں کو آئے ان کا جی آپ ہی اس پر گواہی دے اور بلا دلیل اس کی تصدیق کرے اور شہید وہ کہ پیغمبروں کے حکم پر جان دینے کو حاضر ہیں اور صالح اور نیک بخت وہ کہ جن کی طبیعت نیکی ہی پر پیدا ہوئی ہے۔ اور بری باتوں سے اپنے نفس اور بدن کی اصلاح اور صفائی کر چکے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ چار قسمیں مذکورہ جماعت کے باقی افراد سے افضل ہیں ان کے ماسوا جو مسلمان ہیں اور درجہ میں ان کے برابر نہیں لیکن اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری میں مشغول ہیں وہ لوگ بھی انہیں کی شمار اور ذیل میں لئے جائیں گے اور ان حضرات کی رفاقت بہت ہی خوبی اور فضیلت کی بات ہے۔ اس کو کوئی حقیر نہ سمجھے۔

فائدہ: اس آیت میں اشارہ ہو گیا کہ منافقین جن کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے وہ اس رفاقت اور معیت سے محروم ہیں۔

ف ۳ یعنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم ماننے والوں کو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی رفاقت میسر آنی اللہ کا بڑا انعام اور اس کا محض فضل ہے ان کی اطاعت کا معاوضہ نہیں جس سے منافقین بالکل محروم ہیں اور اللہ کافی ہے جاننے والا اور خبر رکھنے والا۔ وہ ہر ایک مخلص اور منافق اور ہر مطیع کی طاعت اور اس کے استحقاق اصلی اور مقدار فضل کو بالتفصیل جانتا ہے تو اب کسی کو ان امور کی تفاصیل کی وجہ سے وعدہ الٰہی کے پورا ہونے میں خلجان پیدا نہ ہو۔

وہ ٹھیک فیصلہ کریں گے منافق کو غالباً یہ گمان ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ کافروں کے حق میں بہت سخت ہیں اور میں کلمہ گو ہوں اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بمقابلہ یہودی میری رعایت کریں گے۔ یہودی اس پر راضی ہوگیا اور سمجھا کہ گو عمر رضی اللہ عنہ کافروں کے حق میں سخت ہیں مگر حق پرست ہیں۔ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے فیصلہ چاہا یہودی نے سارا ماجرا ان سے کہا یہ سن کر وہ گھر میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں اور آکر تمہارا فیصلہ کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر چلے گئے اور تلوار لے کر آئے اور آتے ہی اس منافق کو قتل کر دیا اور فرمایا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اس کا فیصلہ عمر رضی اللہ عنہ اس طرح کیا کرتا ہے منافق کے رشتہ دار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور قتل کا دعوی کیا اور قسمیں کھانے لگے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس صرف اس لیے گئے تھے کہ شاید عمر رضی اللہ عنہ صلح کرادیں یہ وجہ نہ تھی کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ تھے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں اصل حقیقت ظاہر کر دی گئیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی واقعہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

"انت الفارق" تو فاروق ہے۔

اور جبریل علیہ السلام نے یہ کہا:

"إِنَّ عُمَر فوق بين الحق والباطل فسمّى الفاروق."

"تحقیق عمر رضی اللہ عنہ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا اس لیے ان کا نام فاروق رکھا گیا۔"

اور اسی بارہ میں یہ تمام آیتیں نازل ہوئیں۔ (تفسیر قرطبی: ۵/ ۲۶۴)

اور بطور تعجب ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی کہ جو زبان سے یہ دعوی کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس کتاب پر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اتاری گئی اور ایمان لائے اس کتاب پر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نازل کی گئی باوجود اس دعوائے ایمان کے چاہتے یہ ہیں کہ فیصلہ اور تصفیہ کے لیے ایک سرکش کی طرف جائیں یعنی سرداران کفر اور کاہنوں کے پاس اپنا مقدمہ لے جانا چاہتے ہیں تاکہ رشوت یا رو رعایت سے مطلب برآری ہوسکے حالانکہ ان کو تمام کتب الٰہیہ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ طاغوت کے معتقد نہ بنیں اور اس کے حکم کو نہ مانیں کیونکہ طاغوت (سرکش) تو طغیان (سرکشی) اور حکم خداوندی سے انحراف ہی کی طرف بلائے گا اور طاغوت کے پاس جا کر یہ لوگ شیطان کے تابعدار اور فرمانبردار بنیں گے کیونکہ شیطان انسی اور جنی یہ چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر ہدایت سے اتنا دور لے جا کر ڈال دے کہ پھر ہدایت کی طرف لوٹنا مشکل ہوجائے اور شیطان اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوگیا کہ ہدایت سے ان کو بہت دور لے جا کر ڈال دیا دلیل اس کی یہ ہے کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف آؤ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھیں گے منافقین کو کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے سے اعراض کرتے ہیں کنارہ کشی اور انحراف کے طور پر اور حکم خداوندی اور حکم رسول کی طرف رجوع سے اعراض، یہی دلیل ہے اس امر کی کہ شیطان نے ان کو بہکا کر ہدایت سے دور لے جا کر ڈالا ہے۔ بہر حال اس وقت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے سے اعراض کرتے ہیں اور کسی حیلہ سے اپنی جان بچا لیتے ہیں پس اس وقت کیا کریں گے کہ جب ان کو گزشتہ بداعمالیوں کی سزا میں کوئی مصیبت پہنچے گی اور اپنی

بداعمالیوں کا نتیجہ سامنے آئے گا مصیبت سے مراد حضرت عمر ؓ کا اس منافق کو قتل کرنا یا نفاق کا کھل جانا اور خباثت باطنی کا پردہ چاک ہوجانا اور لوگوں میں ذلیل ہونا اور باز پرس ہونا ہے۔ یعنی اس وقت فکر ہوتی ہے کہ طاغوت کے پاس مقدمہ لے جانے کی کیا تاویل کریں تو پھر چار و ناچار خدا کی قسمیں کھاتے ہوئے آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ ﷺ کے غیر کے پاس مقدمہ لے جانے سے ہمارا مقصود سوائے بھلائی اور باہمی میل ملاپ کے اور کچھ نہ تھا یعنی جو آپ ﷺ کے پاس سے عمر ؓ کے پاس گئے تھے اس سے ہمارا مقصود صرف یہ تھا کہ شاید وہ فریقین میں باہم صلح اور ملاپ کرادیں کیونکہ آپ ﷺ جو فیصلہ کریں گے تو وہ عین حق اور عین عدل ہوگا اور اس میں ذرہ برابر بھی کسی کی رعایت نہ ہوگی اور باہمی فیصلہ میں کچھ نہ کچھ رعایت ہوجاتی ہے۔ یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ ہم کو اپنا مخلص اور نیازمند سمجھئے دوسری جگہ مقدمہ لے جانے سے ہماری غرض اور نیت بری نہ تھی ہم کو اس مصیبت یعنی ذلت سے بچایئے! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو شرم نہیں آتی کہ کیسی ذلت اور ندامت کے ساتھ اس کے پاس عذر لے کر حاضر ہوئے جس سے ان کو نفرت تھی یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ خوب جانتا ہے ان کے دلوں میں کیا نفاق اور جھوٹ اور باطل کا میلان بھرا ہوا ہے لاکھ زبانی باتیں بنائیں، اللہ تعالیٰ کو ان کی دلی باتوں کا خوب علم ہے۔ لاکھ اپنے نفاق کو چھپائیں مگر خدا سے کہاں چھپ سکتا ہے پس اے نبی کریم ﷺ جب آپ ﷺ خدا تعالیٰ کے بتلانے سے ان کے نفاق سے آگاہ ہوگئے تو مصلحت یہ ہے کہ آپ ان سے تغافل برتیے اور ان کی سزا اور مواخذہ سے اعراض فرمایئے اور فی الحال علم خداوندی پر اکتفاء کیجئے ان کے ساتھ ظاہری معاملہ اسلام کا سا رکھیے اور دل کا حال اللہ پر چھوڑ دیجئے اور ان کو نصیحت کیجئے یعنی نفاق اور کذب کے برے انجام سے ان کو ڈرایئے کہ اگر تم نے یہ نفاق نہ چھوڑا تو صریح کفر کے احکام تم پر جاری ہوں گے اور ان سے ایسی بات کہیے جو ان کے دلوں میں خوب اچھی طرح پہنچ جائے یعنی ان کے دلوں میں اتر جائے اور اثر کر جائے مطلب یہ ہے کہ آپ ان کی ان باتوں کو دیکھ کر مایوس نہ ہوں وعظ و نصیحت برابر ان کو کرتے رہیں شاید ان میں سے کوئی راہ راست پر آجائے۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی پیغمبر مگر اس لیے کہ بحکم خداوندی اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے اور دل و جان سے اس کے حکم کو مانا جائے محض زبان سے رسالت کا اقرار کافی نہیں یہ ان منافقین پر زجر و توبیخ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ سے ناخوش تھے اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی کریم ﷺ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے وہ اسی لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے لہٰذا دل و جان سے آپ ﷺ کی اطاعت ان پر فرض ہے پس جو آپ کا حکم نہیں مانتا وہ درحقیقت اللہ کا حکم نہیں مانتا تو باذن اللہ کے یہ معنی ہوئے کہ نبی ﷺ کی بے چون چرا اطاعت، اللہ کے حکم سے فرض ہے اور بعض علماء نے باذن اللہ کے معنی بتوفیق اللہ کے لیے ہیں اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے رسولوں کو اس لیے بھیجا کہ ان کی اطاعت کی جائے مگر ان کی اطاعت وہی شخص کرے گا جس کو خدا تعالیٰ توفیق دے گا۔ آگے پھر انہیں منافقین کے حق میں ارشاد ہے اور اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم و ستم یعنی گناہ کرنے کے بعد آپ کے پاس حاضر ہوجاتے ہیں پھر اللہ سے معافی مانگتے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لیے معافی چاہتے تو ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان یعنی قبول توبہ کے بعد اللہ کی مہربانی بھی ہوتی، معافی کے بعد انعام بھی ملتا مطلب یہ کہ اگر یہ منافق گناہ کرنے کے بعد بھی متنبہ ہوجاتے اور اس وقت آپ ﷺ کے پاس چلے آتے جب کہ انہوں نے طاغوت کے پاس اپنا مقدمہ

لے جا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور اس طرح آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی غیر حاضری کا تدارک اور کفارہ کرتے اور پھر اپنے نفاق سے توبہ اور استغفار کرتے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لیے دعا مغفرت کرتے تو امید تھی کہ اللہ تعالیٰ ضرور ان کی توبہ قبول کر لیتا اور ان پر مہربان ہو جاتا مگر انہوں نے تو یہ غضب کیا کہ اول تو رسول اللہ ﷺ کے حکم اور فیصلہ سے اعراض کیا جو بعینہٖ اللہ کے حکم اور فیصلہ سے اعراض کے مرادف پھر جب اس کا وبال ان پر پڑا اور ذلیل وخوار ہوئے تو جب بھی ہو کر توبہ تائب نہ ہوئے بلکہ جھوٹی قسمیں کھانے اور تاویلیں گھڑنے لگے پھر ایسوں کی مغفرت کیسے ہو۔ عذر گناہ بدتر از گناہ۔

اس آیت میں ﴿وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ﴾ یعنی رسول ان کے لیے معافی مانگتا اس سے مقصود رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کا اظہار ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ نے منصب نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ہے اور اس کو اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان سفیر اور ترجمان ٹھہرایا اگر اس کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اس سے دعا مغفرت کی درخواست کرتے تو اللہ تعالیٰ اس کی سفارش ضرور قبول کرتا ہر گناہ خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس کے لیے ذاتی توبہ اور استغفار کافی ہے اس کے ساتھ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں لیکن اس آیت میں منافقین کی معافی کے لیے رسول اللہ ﷺ کے استغفار کو بھی شرط قرار دیا یا وجہ اس کی یہ ہے کہ جو منافقین رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ ہوئے اور طاغوت کے فیصلہ کو رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر ترجیح دی تو ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے دل کو صدمہ اور ایذاء پہنچائی لہذا بغیر رسول اللہ ﷺ کو راضی کیے انکی توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔

شرائط ایمان

اب آئندہ آیات میں مضمون سابق کی تائید کے لیے فرماتے ہیں کہ ایمان کی شرط ہے یہ کہ ہر معاملہ میں اپنا فیصلہ رسول اللہ ﷺ سے چاہیے اور جو فیصلہ وہ فرما دیں اس کو حق جان کر دل وجان سے اس کو مان لے اور دل سے اس پر راضی ہو اور دل میں اس سے کوئی تنگی اور ناگواری نہ پائے جب تک دل وجان سے رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں پر راضی نہ ہو اس وقت تک ایمان صحیح نہیں محض ظاہری اطاعت ایمان کے لیے کافی نہیں بلکہ بلا شبہ نفاق ہے حدیث میں ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی نفسانی خواہش میرے حکم کے تابع نہ ہو جائے یعنی میرا حکم آگے آگے ہو اور اس کی نفسانی خواہش میرے حکم کے پیچھے پیچھے دوڑ رہی ہو۔

چنانچہ فرماتے ہیں پس یہ لوگ جو آپ ﷺ کے فیصلہ سے اعراض کرتے ہیں اگر چہ زبان سے دعوے کریں کہ ہم مومن ہیں لیکن حقیقت میں یہ لوگ مؤمن نہیں دعوائے ایمان اور تحاکم الی الطاغوت جمع نہیں ہو سکتے قسم ہے تیرے رب کی یہ لوگ جو زبانی ایمان کا دعویٰ کرتے پھرتے ہیں حقیقی مومن نہیں ہو سکتے جب تک باہمی جھگڑوں میں آپ ﷺ کو حکم اور منصف نہ جانیں اور پھر آپ ﷺ کے فیصلہ اور تصفیہ سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی اور ناگواری یعنی شک اور تردد کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی نہ پائیں اور طیب خاطر اور شرح صدر اور طمانینت قلب سے آپ ﷺ کے فیصلہ کو دل وجان سے تسلیم کریں کما حقہ تسلیم کرنا یعنی پورے طور سے تسلیم کریں۔

مطلب یہ ہے کہ جب تک آپ ﷺ کے حکم کو اپنی رائے پر مقدم نہ سمجھیں گے مسلمان نہ ہوں گے پیغمبر خدا کے

سامنے بے چون چرا سر تسلیم خم کر دینے ہی کا نام اسلام ہے۔

زباں تازہ کردن باقرار تو نیگیختن علت از کار تو

حق جل شانہ جب اہل کتاب کی شرارتوں کو بیان کر چکے اور ناقابل عفو شرارتوں کے معاف کرنے کا طریقہ بھی بتلا دیا تو اب اپنی رحمت کاملہ کا اظہار فرماتے ہیں کہ دیکھو دین اسلام میں اللہ تعالیٰ نے کیسی آسانی رکھی ہے کوئی حکم اس کا سخت نہیں دیکھو اگلے زمانہ میں جب کوئی گناہ کرتا تھا تو اس کی توبہ قبول ہونے کے لیے یہ شرط تھی کہ وہ اپنے آپ کو قتل کرے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گوسالہ پرستوں کے بارہ میں گزرا ﴿فَتُوبُوٓا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ﴾ اور ہم نے تمہاری توبہ قبول ہونے کے لیے کوئی سخت شرط نہیں لگائی صرف رسول خدا سے معافی کا خواستگار ہونا اور پیغمبر خدا کی سفارش کرنا مقرر کیا ہے مگر افسوس تم اس پر بھی اطاعت اور انابت کے لیے تیار نہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر ہم ان منافقین پر یہ حکم کرتے کہ اپنے آپ کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ ان میں سوائے چند آدمیوں کے اکثر اس کام کو نہ کرتے یعنی اگر ہم ان منافقین پر یہ باتیں فرض کر دیتے تو بہت ہی تھوڑے لوگ جن کے دل میں ایمان کا داعیہ بہت ہی قوی ہوتا وہ اس حکم پر عمل کرتے لہٰذا ان کو ہمارا مشکور ہونا چاہیے کہ ہم نے ان کو کوئی سخت حکم نہیں دیا بلکہ ایسے آسان حکم دیئے جن پر نہایت آسانی سے عمل کر سکتے ہیں اگر ہم ان کو سخت حکم دیتے تو کسی ذلت اور رسوائی ہوتی مطلب یہ ہے کہ صادق الایمان وہ شخص ہے جو خدا کی راہ میں جان دینے اور وطن سے ہجرت کرنے میں دریغ نہ کرے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں مال و جان دھن اور وطن سب قربان کر دیا۔

اور اگر یہ لوگ وہ کام کرتے جس کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو دین و دنیا کے اعتبار سے ان کے حق میں نہایت بہتر ہوتا اور ان کے دین و ایمان کی زیادہ مضبوطی اور ثبات قدمی کا باعث ہوتا یعنی احکام خداوندی پر عمل کرنے سے ان کا دین اور ایمان مضبوط اور مستحکم ہو جاتا اور اسلام پر ثابت قدم ہو جاتے ایمان اور اسلام میں تردد اور تزلزل نہ رہتا اخلاص اور اتباع حق سے قلب میں قوت آتی ہے اور نفاق سے بزدلی اور کمزوری منافق کا دل ہمیشہ ڈانوڈول رہتا ہے۔

اور اس وقت ہم ان کو البتہ اپنے پاس سے اجر عظیم عطا کرتے اور البتہ چلاتے ہم ان کو سیدھی راہ پر یعنی ہم ان کو اس صراط مستقیم پر چلاتے جو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی راہ ہے جس تذبذب اور تردد کی راہ پر منافقین چل رہے ہیں وہ مغضوبین اور ضالین کی راہ ہے اللہ اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

وعدہ معیت اہل انعام براطاعت احکام

اوپر سے سلسلہ کلام اطاعتِ خدا اور رسول کی ترغیب و تاکید کے بارہ میں چلا آ رہا ہے اب اس آیت میں اطاعت پر ایک خاص بشارت اور مطیعین کے لیے ایک خاص وعدہ کا ذکر فرماتے ہیں وہ یہ کہ جو لوگ ضروری احکام میں خدا اور رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں جن کو مطیعین کہتے ہیں یہ لوگ اگرچہ فضائل و کمالات میں مرتبہ کمال کو نہ پہنچے ہوں مگر بسبب اطاعت خدا و رسول ان کو جنت میں کاملین یعنی نبیین و صدیقین اور شہداء و صالحین کی معیت اور مرافقت کا شرف حاصل ہوگا

جیسا کہ حدیث میں ہے ''المرا مع من احب'' جو شخص خدا کے برگزیدہ بندوں سے محبت رکھے گا وہ قیامت کے دن ان کے ساتھ ہوگا اور جو کفار وفجار سے محبت رکھے گا وہ قیامت کے دن ان کے ساتھ ہوگا۔

اس آیت کا شانِ نزول جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ اور دیگر چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہماری جانوں اور اولاد سے زیادہ محبوب ہیں اور ہماری حالت یہ ہے کہ جب کبھی گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یاد آجاتے ہیں تو بے چین ہوجاتے ہیں اور جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہیں لیتے تو صبر نہیں آتا خیر یہاں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتے ہیں لیکن جب آخرت کا خیال آتا ہے تو دل بے چین ہوجاتا ہے کہ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے دیکھ سکیں گے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اعلیٰ علیین اور جنت کے اعلیٰ درجوں میں ہوں گے وہاں حاضر ہو کر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے دیکھ سکیں گے اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور جو شخص اطاعت اور فرمانبرداری کرے اللہ کی اور رسول کی پس ایسے مطیع اور فرمانبردار لوگ قیامت کے دن ان برگزیدہ بندوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص الخاص انعام فرمایا یعنی انبیاء کرام اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔

ہمچو بلبل دوستی گل گزیں تا شوی باخبر من گل ہم نشیں
زاغ چوں مردار راشد ہم نفس یار او مردار خواہد بود و بس

جاننا چاہیے کہ ساتھ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سب ایک درجہ میں ہوں گے کیونکہ یہ تو محال ہے ﴿هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے یہاں لوگوں کے درجہ مختلف ہیں ساتھ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ نیچے کے درجہ والے اوپر کے درجے والوں سے ملتے رہیں گے درجات اور مراتب کا تفاوت زیارت اور ملاقات سے مانع نہ ہوگا جس طرح دنیا میں تفاوتِ درجات مانع ملاقات نہیں اسی طرح آخرت میں بھی مانع نہ ہوگا۔

حق جل شانہ نے اس آیت میں اہل انعام کی چار قسمیں ذکر فرمائیں، انبیاء کرام، صدیقین، شہداء، صالحین اور ان چار کے علاوہ ایک پانچویں قسم مطیعین کی ذکر فرمائی جو درجہ اور مرتبہ میں ان چار قسموں سے کمتر اور فروتر ہیں اس پانچویں قسم یعنی مطیعین کے لیے حق تعالیٰ نے اس آیت میں یہ وعدہ فرمایا کہ مطیعین اگرچہ درجہ اور رتبہ میں اہل انعام سے کم تر ہیں مگر ہم ان مطیعین کو باوجود قصور رتبہ کے اہل انعام کی معیت اور مرافقت سے نوازیں گے اور یہ لوگ جنت میں ایک دوسرے کی زیارت سے مشرف ہوتے رہیں گے۔

حق جل شانہ نے اس آیت شریفہ میں مراتب کمالات انسانی کو ترتیب وار ذکر کیا ہے۔

پہلا مرتبہ نبوت کا ہے:...... جو تمام مراتب انسانی میں سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے نبی وہ برگزیدہ شخص ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنا پیغام دے کر بندوں کے پاس بھیجا ہو اور اس پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہو اب یہ مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملے گی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے بے شک وہ نبی ہوں گے مگر ان کو نبوت حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مل چکی ہے۔

دوسرا مرتبہ صدیقیت کا ہے:...... نبوت کے بعد دوسرا مرتبہ صدیقیت کا ہے نبی کے بعد سب سے افضل صدیق ہوتا ہے صدیق وہ ہے کہ جس کی رگ و پے میں ظاہر اور باطن میں صدق ایسا سرایت کر گیا ہو کہ کذب کے جز لا یتجزی کی بھی اس میں گنجائش نہ رہی ہو اور پیغمبرِ خدا جو حق اور صدق لے کر آیا ہے سنتے ہی اس کی بلا دلیل اور بلا تردد و تامل صدق دل سے اس طرح تصدیق کرے کہ گویا کہ یہ اس کے دل کی آواز ہے اور جب نبی اس کو دعوت دے تو فوراً وہ اپنے نور قلب سے اس کی نبوت کو پہچان لے اور اس کی تصدیق کرے جس طرح کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس امت مرحومہ کے صدیق اکبر تھے کہ بلا تردد و تامل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی۔

چشم احمد بر ابوبکر سے زدہ از یکے تصدیق صدیق آمدہ

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت میں صدیقین سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جو دین کے تمام امور کی تصدیق کریں اور ان کو دین میں ذرہ برابر بھی شک نہ ہو جیسا کہ حق جل شانہ کا یہ ارشاد ہے ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ﴾ یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی صدیق ہیں اور اس امت میں اس وصف میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب کے پیشوا اور مقتداء ہیں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور ہر موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے کوئی مشہد اور غزوہ ایسا نہیں جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہوں یار غار جس طرح غار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اسی طرح وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہیں۔

تیسرا درجہ شہادت کا ہے:......صدیقیت کے بعد درجہ شہادت کا ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوا اور شہید وہ ہے جو پیغمبر کے حکم پر اپنی جان قربان کرے۔

چوتھا درجہ صلاحیت کا ہے:...... صالحین وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے اعتقادات اور اعمال میں صحیح طریق پر ہوں یعنی ان کے اعتقادات اور اعمال میں کسی قسم کا خلل اور فساد نہ ہو لغت میں صلاح نقیض فساد کی ہے صالح اور نیک بخت وہ لوگ ہیں جن کی طبیعت نیکی ہی پر پیدا ہوئی اور اپنے نفس اور بدن کی اصلاح اور صفائی کر چکے ہیں۔ (ماخوذ از موضح القرآن)

خلاصہ کلام:...... جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری میں آگے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن اہل انعام کے ساتھ گنے گا اور باوجود قصور رتب کے ان کو کاملین ہی کی شمار اور ذیل میں لے لیا جائے گا ان حضرات کی رفاقت اور معیت بھی بڑی دولت اور فضیلت کی بات ہے اور یہ فضیلت ان کو محض اللہ کے فضل و کرم سے ملی ہے ورنہ ان کی اطاعت اس کے لیے کافی نہ تھی اور ہروانِ آخرت کے لیے یہ گروہ بہترین رفیق طریق ہیں اور ان حضرات کی معیت اور رفاقت یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ عمل تو تمہارا اس درجہ کا نہ تھا مگر حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور مہربانی سے تم پر یہ انعام کیا کہ کاملین کی معیت اور رفاقت سے سرفراز کیا ورنہ قاعدہ کا اقتضاء یہ تھا کہ ہر عمل کا اجر اسی کے درجہ کے مطابق دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کافی جاننے والا اس کو خوب معلوم ہے کہ یہ اطاعت کس درجہ کی ہے اور استحقاق سے زیادہ کسی کو کچھ دے دینا یہ فضل ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿٧١﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ

اے ایمان والو ! لے لو اپنے ہتھیار پھر نکلو جدی جدی فوج ہو کر یا سب اکٹھے ف۱ اور بیشک تم میں بعضا

اے ایمان والو ! کرلو خبرداری، پھر کوچ کرو جدی جدی فوج، یا سب اکٹھے۔ اور تم میں کوئی

لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ

ایسا ہے کہ البتہ دیر لگاوے گا ف۲ پھر اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچے تو کہے اللہ نے مجھ پر فضل کیا کہ میں نہ ہوا

ایسا ہے کہ البتہ دیر لگاوے گا۔ پھر اگر تم کو مصیبت پہنچے، کہے : اللہ نے مجھ پر فضل کیا کہ میں نہ ہوا ان

شَهِيْدًا ﴿٧٢﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ

ان کے ساتھ ف۳ اور اگر تم کو پہنچا فضل اللہ کی طرف سے تو اس طرح کہنے لگے کا کہ گویا نہ تھی تم میں اور اس میں کچھ دوستی

کے ساتھ۔ اگر تم کو پہنچا فضل اللہ کی طرف سے تو اس طرح کہنے لگے گا، کہ گویا نہ تھی تم میں اور اس میں کچھ دوستی،

يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧٣﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ

اے کاش کہ میں ہوتا ان کے ساتھ تو پاتا بڑی مراد ف۴ سو چاہیے لڑیں اللہ کی راہ میں وہ لوگ جو بیچتے ہیں

اے کاش کہ میں ہوتا ان کے ساتھ، تو بڑی مراد پاتا۔ سو چاہیئے لڑیں اللہ کی راہ میں، جو لوگ بیچتے ہیں

الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ

دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے اور جو کوئی لڑے اللہ کی راہ میں پھر مارا جاوے یا غالب ہووے تو ہم دیں گے اس کو

دنیا کی زندگی، آخرت پر۔ اور جو کوئی لڑے اللہ کی راہ میں، پھر مارا جاوے یا غالب ہووے، ہم دیں گے اس کو

ف۱ یہاں سے جہاد کا ذکر ہے اس سے پہلی آیت میں یہ ذکر تھا کہ جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرے گا اس کو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی رفاقت انعام میں ملے گی اور احکام خداوندی میں حکم جہاد چونکہ شاق اور دشوار ہے خصوصاً منافقین پر جن کا ذکر اوپر سے آرہا ہے اس لئے جہاد کا حکم فرمایا کہ ہر کوئی حضرات انبیاء صدیقین وغیرہم کی رفاقت اور معیت کی امید نہ کرنے لگے۔ منقول ہے کہ شروع اسلام میں بہت سے ضعیف الاسلام بھی دعوت اسلامی کو قبول کر چکے تھے پھر جب جہاد فرض ہو گیا تو بعض متزلزل ہو گئے اور بعض کفار کے ہم زبان ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! منافقوں کی کیفیت تو تم کو پہلے سے معلوم ہو چکی اب خیر اسی میں ہے کہ تم اپنا ہر طرح سے بچاؤ اور اپنی خبر داری اور احتیاط کرلو ہتھیاروں سے ہو یا تدبیر سے عقل سے ہو یا سامان سے اور دشمنوں کے مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے گھر سے باہر نکلو متفرق طور پر یا سب اکٹھے ہو کر جیسا موقع ہو۔

ف۲ یعنی اے مسلمانو! تمہاری جماعت میں بعضے ایسے بھی گھسے ہوئے ہیں کہ جہاد کو جانے میں دیر لگاتے ہیں اور رکتے ہیں اور حکم خداوندی کی تعمیل نہیں کرتے بلکہ نفع دنیاوی کو تکتے رہتے ہیں اور اس سے مراد منافق ہیں جیسے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی کہ یہ لوگ گو ظاہر میں اسلام قبول کر چکے تھے مگر ان کو سب باتوں سے مقصود صرف دنیا کا نفع تھا۔ حق تعالیٰ کی فرمانبرداری سے کوئی غرض ان کو نہ تھی۔

ف۳ پہلے گزر چکا کہ منافق لوگ نکلنے میں دیر لگاتے ہیں اور جہاد میں جانے والوں کی حالت کو تکتے رہتے ہیں کہ کیا گزری۔ اب فرماتے ہیں کہ جانے کے بعد اگر مسلمانوں کو جہاد میں کوئی صدمہ پہنچ گیا مثلاً مقتول ہو گئے یا شکست پیش آگئی تو منافق بہت خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کا بڑا فضل ہوا کہ ہم لڑائی میں ان کے ساتھ نہ تھے ورنہ ہماری بھی خیر نہ تھی الحمد للہ خوب بچے۔

ف۴ یعنی اور اگر مسلمانوں پر اللہ کا فضل ہو گیا مثلاً فتح ہو گئی یا مال غنیمت بہت سا ہاتھ آ گیا تو منافق سخت پچھتاتے ہیں اور دشمنوں کی طرح غلبہ حسد سے کہتے ہیں =

أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧٤﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ

بڑا ثواب ف۱ اور تم کو کیا ہوا کہ نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں اور ان کے واسطے جو مغلوب ہیں مرد

بڑا ثواب۔ اور تم کو کیا ہے کہ نہ لڑو اللہ کی راہ میں، اس واسطے ان کے جو مغلوب ہیں مرد

وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا

اور عورتیں اور بچے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال ہم کو اس بستی سے کہ ظالم ہیں یہاں کے لوگ

اور عورتیں اور لڑکے، جو کہتے ہیں اے رب ہمارے! نکال ہم کو اس بستی سے، کہ ظالم ہیں لوگ اس کے۔

وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ الَّذِينَ آمَنُوا

اور کردے ہمارے واسطے اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور کردے ہمارے واسطے اپنے پاس سے مددگار ف۲ جو لوگ ایمان والے ہیں

اور پیدا کر ہمارے واسطے اپنے پاس سے کوئی حمایتی۔ اور پیدا کر ہمارے واسطے اپنے پاس سے مددگار۔ اور جو ایمان والے ہیں،

يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا

سو لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں سو لڑتے ہیں شیطان کی راہ میں سو لڑو تم

سو لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں۔ اور وہ جو منکر ہیں، سو لڑتے ہیں مفسدوں کی راہ میں، سو لڑو تم

أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٧٦﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ ع

شیطان کے حمایتیوں سے بیشک فریب شیطان کا سست ہے ف۳ کیا تو نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جن کو حکم ہوا تھا

شیطان کے حمایتیوں سے، بیشک فریب شیطان کا سست ہے۔ تو نے نہ دیکھے وہ لوگ جن کو حکم ہوا تھا

= ہائے افسوس میں جہاد میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی نصیب ہوتی یعنی لوٹ کا مال ہاتھ آتا یعنی منافقوں کو فقط اپنی محرومی پر افسوس نہیں ہوتا بلکہ اپنی محرومی سے زیادہ مسلمانوں کی کامیابی پر حسد اور قلق ہوتا ہے۔

ف۱ یعنی اگر منافق لوگ جہاد سے رکیں تو رکیں اور اپنے نشیب و فراز دنیاوی کو تکتے رہیں تو تکتے رہیں مگر جو لوگ کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا پر لات مار چکے ہیں ان کو چاہیے کہ اللہ کی راہ میں بے تامل لڑیں اور دنیا کی زندگی اور اس کے مال و دولت پر نظر نہ رکھیں اور سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور حکم برداری میں ہر طرح نفع ہے غالب ہوں یا مغلوب مال ملے یا نہ ملے۔

ف۲ یعنی دو وجہ سے تم کو کافروں سے لڑنا ضروری ہے، ایک تو اللہ کے دین کو بلند اور غالب کرنے کی غرض سے، دوسرے جو لوگ مظلوم مسلمان کافروں کے ہاتھ میں بے بس پڑے ہیں ان کو چھڑانے اور خلاصی دینے کی وجہ سے۔ مکہ میں بہت لوگ تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت نہ کر سکے اور ان کے اقربا ان کو ستانے لگے کہ پھر کافر ہو جائیں، سو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ تم کو دو وجہ سے کافروں سے لڑنا ضرور ہے تاکہ اللہ کا دین بلند ہو اور مسلمان جو کہ مظلوم اور کمزور ہیں کفار مکہ کے ظلم سے نجات پائیں۔

ف۳ یعنی جب یہ بات ظاہر ہے کہ مسلمان اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر لوگ شیطان کی راہ میں۔ سو پھر تو مسلمانوں کو شیطان کے دوستوں یعنی کافروں کے ساتھ لڑنا بلا تامل ضروری ہوا۔ اللہ تعالیٰ انکا مددگار ہے۔ کسی قسم کا تردد نہ چاہیے اور سمجھ لو کہ شیطان کا حیلہ اور فریب کمزور ہے مسلمانوں پر نہ چل سکے گا۔ اس سے مقصود مسلمانوں کو جہاد پر ترغیب دلانا اور ہمت بندھانا ہے جس کا ذکر آیات آئندہ میں بالتصریح آتا ہے۔

كُفُّوٓا اَيۡدِيَكُمۡ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ اِذَا

کہ اپنے ہاتھ تھامے رکھو اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ ف۱ پھر جب حکم ہوا ان پر لڑائی کا اسی

کہ اپنے ہاتھ بند رکھو، اور قائم کرو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ۔ پھر جب حکم ہوا ان پر لڑائی کا، اسی

فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَخۡشَوۡنَ النَّاسَ كَخَشۡيَةِ اللّٰهِ اَوۡ اَشَدَّ خَشۡيَةً ۚ وَقَالُوۡا رَبَّنَا لِمَ كَتَبۡتَ

وقت ان میں ایک جماعت ڈرنے لگی لوگوں سے جیسا ڈر ہو اللہ کا یا اس سے بھی زیادہ ڈر اور کہنے لگے اے رب ہمارے کیوں

وقت ان میں ایک جماعت ڈرنے لگی لوگوں سے، جیسا ڈر ہو اللہ کا، یا اس سے زیادہ ڈر۔ اور کہنے لگے: اے رب ہمارے! کیوں

عَلَيۡنَا الۡقِتَالَ ۚ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ ؕ قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡيَا قَلِيۡلٌ ۚ وَالۡاٰخِرَةُ

فرض کی ہم پر لڑائی کیوں نہ چھوڑے رکھا ہم کو تھوڑی مدت تک ف۲ کہہ دے کہ فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے اور آخرت

فرض کی ہم پر لڑائی؟ کیوں نہ جینے دیا ہم کو تھوڑی سی عمر؟ تو کہہ: فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے، اور آخرت

خَيۡرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۟ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا ﴿۷۷﴾ اَيۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا يُدۡرِكۡكُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ كُنۡتُمۡ

بہتر ہے پرہیزگار کو اور تمہارا حق نہ رہے گا ایک تاگے برابر ف۳ جہاں کہیں تم ہو گے موت تم کو آپکڑے گی اگرچہ تم ہو

بہتر ہے پرہیزگار کو۔ اور تمہارا حق نہ رہے گا ایک تاگا۔ جہاں تم ہو گے موت تم کو آ پکڑے گی، اگرچہ تم ہو

فِىۡ بُرُوۡجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ

مضبوط قلعوں میں ف۴ اور اگر پہنچے لوگوں کو کچھ بھلائی تو کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ان کو پہنچے

مضبوط برجوں میں۔ اور اگر پہنچے لوگوں کو بھلائی، کہیں یہ اللہ کی طرف سے، اور اگر ان کو پہنچے

ف۱ مکہ میں ہجرت کرنے سے پہلے کافر مسلمانوں کو بہت ستاتے تھے اور ان پر ظلم کرتے تھے مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کرتے اور رخصت مانگتے کہ ہم کفار سے مقاتلہ کریں اور ان سے ظلم کا بدلہ لیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لڑائی سے روکتے کہ مجھ کو مقاتلہ کا حکم نہیں ہوا بلکہ صبر اور درگزر کرنے کا حکم ہے اور فرماتے کہ نماز اور زکوٰۃ کا جو حکم تم کو ہو چکا ہے اس کو برابر کئے جاؤ کیونکہ جب تک آدمی اطاعت خداوندی میں اپنے نفس پر جہاد کرنے کا اور تکالیف جسمانی کا خوگر نہ ہو اور اپنے مال خرچ کرنے کا عادی نہ ہو تو اس کو جہاد کرنا اور اپنی جان کا دینا بہت دشوار ہے اس بات کو مسلمانوں نے قبول کر لیا تھا۔

ف۲ یعنی ہجرت کرنے کے بعد جب مسلمانوں کو کافروں سے لڑنے کا حکم ہوا تو ان کو تو خوش ہونا چاہیے تھا کہ ہماری درخواست قبول ہوئی اور مراد ملی مگر بعض کچے مسلمان کافروں کے مقاتلہ سے ایسے ڈرنے لگے جیسا کہ اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے یا اس سے بھی زیادہ اور آرزو کرنے لگے کہ تھوڑی مدت اور بھی قتال کا حکم نہ آتا اور ہم زندہ رہتے تو خوب ہوتا۔

ف۳ یعنی چونکہ حیات اور منافع دنیاوی کی رغبت کے باعث ان لوگوں کو حکم جہاد بھاری معلوم ہوا تو اس لئے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ دنیا کے تمام منافع حقیر اور سریع الزوال ہیں اور ثواب آخرت کا بہتر ہے ان کے لئے جو اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کرتے ہیں سو تم کو چاہیے کہ منافع دنیا کا لحاظ نہ کرو اور حق تعالیٰ کی فرمانبرداری میں کوتاہی نہ کرو اور جہاد کرنے سے نہ ڈرو اور اطمینان رکھو کہ تمہاری محنت اور جانفشانی کا ثواب ادنیٰ سا بھی ضائع نہ ہوگا سو تم کو ہمت اور شوق کے ساتھ جہاد میں مصروف ہونا چاہئے۔

ف۴ یعنی کیسے ہی مضبوط اور محفوظ و مامون مکان میں رہو مگر موت تم کو کسی طرح نہ چھوڑے گی کیونکہ موت ہر ایک کے واسطے مقدر اور مقرر ہو چکی ہے اپنے وقت پر ضرور آئے گی کہیں ہو۔ سو اگر جہاد میں نہ جاؤ گے تو بھی موت سے ہرگز نہیں بچ سکتے تو اب جہاد سے گھبرانا اور موت سے ڈرنا اور کافروں کے مقاتلہ سے خوف =

سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰۤؤُلَاۤءِ الْقَوْمِ لَا

کچھ برائی تو کہیں یہ تیری طرف سے ہے ف۱ کہہ دے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے سو کیا حال ہے ان لوگوں کا

برائی کہیں یہ تیری طرف سے۔ تو کہہ، سب اللہ کی طرف سے ہے۔ سو کیا حال ہے ان لوگوں کا ؟

يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنْ

ہرگز نہیں لگتے کہ سمجھیں کوئی بات ف۲ جو پہنچے تجھ کو کوئی بھلائی سو اللہ کی طرف سے ہے اور جو پہنچے تجھ کو کوئی

لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات۔ جو تجھ کو بھلائی پہنچے سو اللہ کی طرف سے۔ اور جو تجھ کو برائی

سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ

برائی سو تیرے نفس کی طرف سے ہے ف۳ اور ہم نے تجھ کو بھیجا پیغام پہنچانے والا لوگوں کو اور اللہ کافی ہے سامنے دیکھنے والا ف۴ جس نے حکم مانا

پہنچے، سو تیرے نفس کی طرف سے۔ اور ہم نے تجھ کو بھیجا پیغام پہنچانے والا لوگوں کو۔ اور اللہ بس ہے سامنے دیکھتا۔ جس نے حکم مانا

الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ

رسول کا اس نے حکم مانا اللہ کا اور جو الٹا پھرا تو ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا ان پر نگہبان ف۵ اور کہتے ہیں کہ

رسول کا، اس نے حکم مانا اللہ کا۔ اور جو الٹا پھرا، تو ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا ان پر نگہبان۔ اور کہتے ہیں کہ

طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَاۤئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ

قبول ہے پھر جب باہر گئے تیرے پاس سے تو مشورہ کرتے ہیں بعضے بعضے ان میں سے رات کو اس کے خلاف جو تجھ سے کہہ چکے تھے اور اللہ لکھتا ہے

قبول۔ پھر جب باہر گئے تیرے پاس سے، مشورت کرتے ہیں بعضے بعضے ان میں رات کو سوائے تیری بات کے۔ اور اللہ لکھتا ہے

= کرنا بالکل نادانی اور اسلام میں کچے ہونے کی بات ہے۔

ف۱ یعنی ان منافقین کا اور عجیب حال سنو اگر تدبیر لڑائی کی درست آئی اور فتح ہوئی اور غنیمت کا مال ہاتھ آ گیا تو کہتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے یعنی اتفاقی بات ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدبیر کے قائل نہ ہوتے اور اگر تدبیر بگڑ جاتی اور ہزیمت ونقصان پیش آ جاتا تو الزام رکھتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدبیر پر۔

ف۲ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جواب دے دو کہ بھلائی اور برائی سب اللہ کی طرف سے ہے سب باتوں کا موجد اور خالق اللہ تعالیٰ ہے اس میں کسی دوسرے کو دخل نہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تدبیر بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اللہ ہی کا الہام ہے۔ تمہارا الزام رکھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر غلط اور سراسر کم فہمی ہے اور بگڑی کو بگڑا نہ سمجھو یہ اللہ کی حکمت ہے وہ تم کو سدھاتا ہے اور آزماتا ہے تمہارے قصوروں پر۔ یہ جواب اجمالی ہوا منافقین کے الزام کا، اگلی آیت میں اس کی تفصیل آتی ہے۔

ف۳ یعنی اصل بات یہ ہے کہ جملہ بھلائی اور برائی کا موجد ہرچند اللہ ہے مگر بندہ کو چاہیے کہ نیکی اور بھلائی کو حق تعالیٰ کا فضل اور احسان سمجھے اور سختی اور برائی کو اپنے اعمال کی شامت جانے، اس کا الزام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ رکھے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان امور کے لئے نہ موجد ہے نہ سبب بلکہ موجد یعنی ان باتوں کا پیدا کرنے والا تو اللہ ہے اور سبب تمہارے عمل۔

ف۴ حق تعالیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منافقوں کے الزام کو دور فرما کر ارشاد کرتا ہے کہ ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے رسول کر کے بھیجا اور ہم کو سب کچھ معلوم ہے ہم سب کے اعمال کا بدلہ دے لیں گے۔ تم کسی کے بیہودہ انکار و الزام کی پرواہ نہ کرو اپنا کار رسالت کئے جاؤ۔

ف۵ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو محقق فرما کر اب خدا تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ حکم سناتا ہے کہ جو ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری =

مَا يُبَيِّتُونَ ۚ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٨١﴾ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ

جو وہ مشورہ کرتے ہیں سو تو تغافل کر ان سے اور بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ کافی ہے کارساز ف۱ کیا غور نہیں کرتے

جو ٹھہراتے ہیں۔ سو تو تغافل کر ان سے، اور بھروسا کر اللہ پر، اور اللہ بس ہے کام بنانے والا۔ کیا غور نہیں کرتے

الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾ وَإِذَا جَاءَهُمْ

قرآن میں اور اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوا اللہ کے تو ضرور پاتے اس میں بہت تفاوت ف۲ اور جب ان کے پاس پہنچتی ہے

قرآن میں؟ اور اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوائے اللہ کے تو پاتے اس میں بہت تفاوت۔ اور جب ان کے پاس پہنچتی ہے

أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ

کوئی خبر امن کی یا ڈر کی تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں ف۳ اور اگر اسکو پہنچا دیتے رسول تک اور اپنے حاکموں تک تو تحقیق کرتے اس کو

کوئی خبر امن کی، یا ڈر کی، اس کو مشہور کرتے ہیں۔ اور اگر اس کو پہنچاتے رسول تک اور اپنے اختیار والوں تک، تو تحقیق کرتے اس کو

= کرے گا وہ بیشک ہمارا تابعدار ہے اور جو اس سے روگردانی کرے گا تو ہم نے تجھ کو اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ ان کو گناہ کرنے دے، ہم ان کو دیکھ لیں گے۔ تیرا کام صرف پیغام پہنچانا ہے آگے ثواب یا عقاب یہ ہمارا کام ہے۔

ف۱ ان منافقین کی اور مکاری سنو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو آ کر تو کہہ جاتے ہیں ہم نے قبول کیا حکم تیرا اور باہر جا کر مشورہ کرتے ہیں اس کے خلاف یعنی تیری نافرمانی اور مخالفت کا مشورہ کرتے ہیں اور اللہ کے یہاں ان کے سب مشورے لکھے جاتے ہیں ان کو سزا دینے کے لئے۔ سو، اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے منہ پھیر لے اور کسی بات کی پرواہ مت کر اور اپنے سب کام اللہ کے حوالے کر دے وہ تیرے لئے کافی ہے۔

ف۲ پہلی آیات سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول اللہ ہونا اور ان کی اطاعت بعینہ خدا کی اطاعت ہونی اور ان کے نافرمانوں پر حق تعالیٰ کا عذاب ہونا تو خوب ظاہر ہو گیا مگر منافق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا کی گواہی اور اس کے ارشادات کی تسلیم و تصدیق میں تو ہم کو تامل ہرگز نہیں مگر یہ کیونکر معلوم ہو کہ یہ خدا کا کلام ہے بشر کا بنایا ہوا نہیں تو حق تعالیٰ اس کا جواب دیتا ہے کہ یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے جس سے صاف معلوم ہو جائے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ دیکھو اگر قرآن اللہ کا کلام نہ ہوتا جیسا کہ تم گمان کرتے ہو تو ضرور قرآن میں بہت سے مواقع میں طرح طرح کے اختلافات ملتے۔ دیکھو آدمی ہر حالت میں اسی حالت کے موافق کلام کرتا ہے جو حالت پیش ہوتی ہے دوسری حالت کا دھیان نہیں ہوتا غصہ میں مہربانی والوں کا دھیان نہیں رہتا اور مہربانی میں غصہ والوں کا، دنیا کے بیان میں آخرت کا لحاظ نہ رہے اور آخرت کے بیان میں دنیا کا۔ بے پروائی میں عنایت کا ذکر نہیں اور عنایت میں بے پروائی کا۔ بالجملہ ایک حال کا کلام دوسرے حال کے کلام سے مختلف نظر آئے گا لیکن قرآن شریف چونکہ خالق کا کلام ہے یہاں ہر چیز کے بیان میں دوسری جانب بھی نظر رہتی ہے غور و فہم سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں ہر چیز کا بیان ہر مقام میں ایک انداز پر ہے دیکھئے یہاں منافقوں کا مذکور تھا جو سخت عتاب کے مستحق ہیں سو یہاں بھی ان کی باتوں پر اسی قدر الزام ہے جتنا چاہیے اور جو الزام ان کی ایک خاص جماعت پر تھا وہ خاص انہی پر لگایا گیا اور فرمادیا کہ بعضے ان میں سے ایسا کرتے ہیں یہ نہیں کہ غصہ وغیرہ کی حالت میں کلام اپنی حد سے نکل جائے اور دوسری حالت کے کلام سے مختلف نظر آئے اور نیز یہ مطلب بھی ہے کہ ہم برابر دیکھتے ہیں کہ جب آدمی کوئی کلام طویل کرتا ہے تو وہ یکساں نہیں ہوتا بلکہ کوئی جملہ فصیح کوئی غیر فصیح، کوئی صحیح، کوئی غلط، کوئی سچا، کوئی کاذب، کوئی موافق کوئی باہم متناقض ضرور معلوم ہوتا ہے اور قرآن اتنی بڑی کتاب ان جملہ اختلافات سے پاک ہے جو طاقت بشر سے باہر ہے۔

فائدہ: اس میں اس کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ جو تدبر اور فہم سے کام نہ لے وہ قرآن میں شبہات اور اختلافات کا وہم چلا سکتا ہے مگر فہیم ایسا نہیں کر سکتا دیکھو جو اسی مقام میں تدبر نہ کرے وہ کہہ سکتا ہے کہ اول تو فرمادیا ﴿قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ پھر فرمادیا ﴿وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ﴾ سو یہ تو تناقض اور اختلاف ہو گیا۔ واللہ اعلم

ف۳ یعنی ان منافقوں اور کم سمجھ مسلمانوں کی ایک خرابی یہ ہے کہ جب کوئی بات امن کی پیش آتی مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی سے صلح کا قصد فرمانا یا لشکر اسلام کی فتح کی خبر سننا یا کوئی خبر خوفناک سن لیتے ہیں جیسے دشمنوں کا کہیں جمع ہونا یا مسلمانوں کی شکست کی خبر آنا تو ان کو بلا تحقیق کئے مشہور کرنے لگتے ہیں اور اس میں =

لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ

جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں اس کی ف۱ اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی مہربانی تو البتہ تم پیچھے ہو لیتے

جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں اس کی۔ اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر، اور اس کی مہر، تو تم

الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ

شیطان کے مگر تھوڑے ف۲ سو تو لڑ اللہ کی راہ میں تو ذمہ دار نہیں مگر اپنی جان کا اور تاکید کر

شیطان کے پیچھے جاتے مگر تھوڑے۔ سو تو لڑ اللہ کی راہ میں، تجھ پر ذمہ نہیں مگر اپنی جان سے اور تاکید کر

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ

مسلمانوں کو قریب ہے کہ اللہ بند کر دے لڑائی کافروں کی ف۳ اور اللہ بہت سخت ہے لڑائی میں اور بہت سخت ہے

مسلمانوں کو۔ قریب ہے کہ اللہ بند کرے لڑائی کافروں کی۔ اور اللہ سخت ہے لڑائی والا اور سخت ہے

تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾

سزا دینے میں ف۴

سزا دینے والا۔

حکم بستم وجوب جہاد برائے احیاء دین وتخلیص ضعفاء ومظلومین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ... الی... وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا﴾

= اکثر فساد ونقصان مسلمانوں کو پیش آ جاتا ہے۔ منافق ضرر رسانی کی غرض سے اور کم سمجھ مسلمان کم فہمی کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔

ف۱ یعنی کہیں سے کچھ خبر آئے تو چاہیے کہ اول پہنچائیں سردار تک اور اسکے نائبوں تک جب وہ اس خبر کو تحقیق اور تسلیم کر لیویں تو ان کے کہنے کے موافق اس کو کہیں نقل کریں اور اس پر عمل کریں۔ فائدہ: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک قوم کے یہاں زکوٰۃ لینے کو بھیجا وہ قوم اس کے استقبال کو باہر نکلی اس نے خیال کیا کہ میرے مارنے کو آتے ہیں لوٹ کر مدینہ میں آ گیا اور مشہور کر دیا کہ فلاں قوم مرتد ہو گئی تمام شہر میں شہرت ہو گئی آخر کو غلط نکلی۔

ف۲ یعنی اگر اللہ اپنے فضل سے تمہاری اصلاح اور تربیت کے لئے احکام نہ بھیجتا اور تم کو وقتاً فوقتاً حسب ضرورت ہدایت اور تنبیہ نہ فرماتا رہتا جیسا کہ اس موقع پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سرداروں کی طرف رجوع کرنے کو فرمایا تو تم گمراہ ہو جاتے مگر چند خواص جو کامل العقل اور کامل الایمان ہیں ان تنبیہات کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھو اور شکر کرو اور پوری تعمیل کرو۔

ف۳ یعنی اگر کافروں کی لڑائی سے یہ منافق اور کچے مسلمان جن کا ذکر اوپر گزرا ڈرتے ہیں تو اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو تنہا اپنی ذات سے جہاد کرنے میں توقف مت کر اللہ تعالیٰ تیرا مددگار ہے اور مسلمانوں کو جہاد کی تاکید کر دے جو ساتھ نہ دے اس کی پرواہ مت کر۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی لڑائی کو روک دے گا۔

فائدہ: جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ضرور جہاد کے لئے جاتا ہوں اگرچہ ایک بھی میرے ساتھ نہ ہو اور کل ستر ہمراہیوں کے ساتھ بدر صغریٰ کو بغرض جہاد تشریف لے گئے جس کا وعدہ ابوسفیان سے غزوہ احد کے بعد ہوا تھا جس کا ذکر پہلی سورت میں گزر چکا ہے حق تعالیٰ نے ابوسفیان اور کفار قریش کے دل میں رعب اور خوف ڈال دیا کوئی مقابلہ میں نہ آیا اور وعدے سے جھوٹے ہوئے اور حق سبحانہ نے اپنے ارشاد کے موافق کافروں کی لڑائی کو بند کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمراہیوں سمیت خیر اور سلامتی کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔

ف۴ یعنی اللہ تعالیٰ کی لڑائی اور اس کا عذاب کافروں کے ساتھ لڑنے سے بہت سخت ہے سو جو لوگ کافروں کے ساتھ لڑنے اور ان کو مارنے اور ان کے ہاتھ =

ربط :...... گزشتہ آیات میں اہل کتاب اور منافقین اور اعداء دین کی شرارتوں کا ذکر تھا اب ان آیات میں مسلمانوں کو ان سے جہاد کا حکم دیتے ہیں جو احیاء دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کا ذریعہ ہے بد سرشتوں کے قلع قمع کا بہترین طریقہ ہے جو مسلمان کافروں کے پنجۂ ظلم میں بے طرح گرفتار ہیں ان کی خلاصی اور رہائی کی سبیل ہے اور جہاد فی سبیل اللہ اطاعت خدا اور رسول ﷺ کا (جس کا ماقبل میں ذکر تھا) اعلیٰ اور اکمل فرد ہے جس سے اندرونی اخلاص اور نفاق ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ جہاد کا حکم منافقین پر بہت شاق اور گراں گزرتا ہے اسی وجہ سے یہاں سے لے کر چھ رکوع تک اسی مضمون کے متعلقات کا بیان چلا گیا ہے۔

اور اس ضمن میں حق جل شانہ نے منافقین کی ایک عجیب کیفیت بیان فرمائی وہ یہ کہ جب کسی غزوہ میں مسلمانوں کو شکست ہوتی ہے تو یہ منافقین بہت خوش ہوتے ہیں اور اپنے شریک جنگ نہ ہونے کو انعام الٰہی سمجھتے ہیں اور جب مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے تو بہت پچھتاتے ہیں اور حسرت سے یہ کہتے ہیں کہ کاش ہم بھی شریک جنت ہوتے تو ہم کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ ملتا چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ خدا کا بول بالا کرنے کے لیے دشمنانِ خدا سے جہاد و قتال کرو اور خدا اور رسول کی بہترین اطاعت یہ ہے کہ اس کی راہ میں جانبازی و سرفروشی دکھلاؤ مگر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو تم اپنی احتیاط اور بچاؤ کو پوری طرح ملحوظ رکھو پس ہتھیاروں اور سامان جنگ اور تدبیر عقل سے اور تیر و تلوار سے درست ہو کر اور دشمنوں کے داؤ گھات سے ہوشیار اور باخبر ہو کر دشمنوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے گھر سے باہر نکلو خواہ متفرق اور دستے دستے بن کر نکلو یا سب مجتمع اور اکٹھے ہو کر ایک لشکر عظیم کی صورت میں دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلو جیسا موقع اور مصلحت ہو ویسا کرو اور تحقیق تم سے بعض ایسے بھی ہیں مراد اس سے منافقین ہیں جو تمہارے ساتھ جہاد میں نکلنے سے دیر کرتے ہیں یعنی جہاد میں تمہارے ساتھ شریک نہیں ہوتے پھر اگر جہاد اور لڑائی میں تم کو کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے جیسے شکست وغیرہ تو یہ منافق خوش ہو کر یہ کہتا ہے تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا ہی فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ لڑائی میں حاضر نہ ہوا اور اگر تمہیں حق تعالیٰ کا فضل پہنچے اور لڑائی میں تم فتح یاب ہو جاؤ اور کچھ مال غنیمت تم کو مل جائے تو یہ منافق نہایت حسرت کے ساتھ اس طرح کہتا ہے کہ گویا تمہارے اور اس کے درمیان کبھی کوئی دوستانہ تعلق ہی نہ تھا مالی اور دنیوی نفع کے فوت ہونے پر اس طرح کہتا ہے اے کاش میں ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا یعنی ان منافقین کا مطمح نظر فقط دنیاوی نفع ہے مالی فائدہ کو وہ اپنی بڑی کامیابی سمجھتے ہیں خدا کی فرمانبرداری سے ان کو کوئی سروکار نہیں مطلب یہ ہے کہ اگر خدا کے فضل سے مسلمانوں کو فتح ہوگئی اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آ گیا تو یہ منافق پچھتاتے ہیں اور دشمنوں کی طرح غلبہ حسد سے کف افسوس ملتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ افسوس اگر میں بھی جہاد میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی نصیب ہوتی یعنی مال غنیمت میں سے حصہ ملتا پس مسلمانوں کو چاہیے کہ ان دنیا طلب لوگوں کی طرح دنیاوی نفع پر نظر نہ رکھیں اور یہ منافقین اگر دنیوی منافع کو تکتے رہتے ہیں تو تکتے رہیں مگر جو لوگ دنیاوی زندگی کو فروخت کر کے اس کے بدلے آخرت لے رہے ہیں اور دنیائے فانی پر لات مار چکے ہیں ان کو چاہیے کہ خدا کی راہ میں دشمنانِ خدا سے محض خدا کے لیے جہاد و قتال کریں دنیاوی زندگی اور اس کے مال و دولت پر

= سے مارے جانے سے ڈرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے غصہ اور اس کے عذاب کا کیونکر تحمل کر سکتے ہیں۔

نظر نہ رکھیں اور جو خدا کی راہ میں جنگ کرے پھر مارا جائے یا دشمن پر غالب آ وے تو ہر حالت میں ہم اس کو ضرور اجر عظیم دیں گے جس کے سامنے دنیاوی منافع کی کوئی حقیقت نہیں آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر ہم بالفرض تم سے اجر عظیم کا وعدہ بھی نہ کرتے تب بھی تم پر دو وجہ سے کافروں سے لڑنا ضروری ہے ایک تو یہ کہ اللہ کا دین غالب اور بلند ہو اور دوسرے یہ کہ جو مظلوم مسلمان مکہ میں کافروں کے پنجہ میں گرفتار ہیں اور جو معصوم بچے ان کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوتے ہیں ان کی نجات اور رہائی کی صورت نکلے چنانچہ فرماتے ہیں اور تم کو کیا ہوا کہ تم خدا کی راہ میں جہاد وقتال نہ کرو اور اس کا بول بالا کرنے کے لیے اس کے دشمنوں سے نہ لڑو اور تم کو کیا ہوا کہ تم بے چارہ اور بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کے چھڑانے کے لیے نہیں لڑتے جو کفار کی اذیتوں سے تنگ آ کر یہ دعا مانگتے ہیں اے ہمارے پروردگار کسی طرح ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے بڑے ہی ظالم اور ستم گر ہیں جن کے ساتھ نباہ بہت ہی مشکل ہے اور اپنے پاس سے ہمارے لیے کوئی کارساز مقرر کر دیجئے جو ہمارے دین و ایمان کی حفاظت کر سکے اور اپنے پاس سے ہمارے لیے کوئی مددگار مقرر کر دیجئے جو کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر سکے اور ان ظالموں کے پنجہ سے ہم کو چھڑائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ نبی اکرم ﷺ کو ان کی حمایت کے لیے کھڑا کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مکہ فتح کیا اور کافروں کے ہاتھ سے ان کو چھڑایا اور عتاب بن اسید ؓ کو ان پر حاکم مقرر کیا جو مظلوموں کی مدد کرتے تھے اور زبردست سے کمزور کا بدلہ لیتے تھے جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ بتقاضائے ایمان خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تاکہ اللہ کا دین سربلند ہو اور حق باطل پر غالب آ جائے اور جو لوگ کافر ہیں وہ معبود باطل کی راہ میں لڑتے ہیں تاکہ دنیا میں طغیان اور سرکشی اور گمراہی کا خوب دور دورہ ہو اور نفس اور شیطان کے مقابلہ میں نیکی اور سچائی کا اثر بڑھنے نہ پائے پس اے خدا کے دوستو! تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو اور ان کے کید اور مکر کی پروانہ کرو تحقیق شیطان کا داؤ اور فریب بہت کمزور ہے خدا کے دوستوں کے مقابلہ میں کارگر نہیں ہو سکتا تمہارا حامی اور مددگار اللہ ہے تمہارے مقابلہ میں ان کا لشکر نہیں ٹھہر سکتا لہٰذا تم خدا پر نظر کر کے خدا کی راہ میں جہاد وقتال کرو اور ہرگز ان سے نہ ڈرو ان کی سب تدبیریں غلط ہو جائیں گی تم غالب ہو گے اور وہ مغلوب۔

پادری لوگ مسئلہ جہاد پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ دین کے سلسلہ میں تو صرف وعظ و پند پر اکتفا کرنا چاہیے قتل و قتال کی کیا ضرورت ہے جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کیا۔ اس آیت میں اس اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ شیطان کے دوست تو شیطان کی راہ میں باطل اور دنیاوی اور نفسانی اغراض کے لیے لڑتے ہیں ان پر تو تم اعتراض نہیں کرتے اور جو حق اور صداقت کی نصرت اور حمایت کے لیے خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اس کو تم معیوب سمجھتے ہو۔

شکایات دوستاں بر تمنائے التواء حکم جہاد

گزشتہ آیات میں جہاد وقتال کی ترغیب تھی اب ان آیات میں پھر جہاد پر جوش اور غیرت دلائی جاتی ہے اور اس بارہ میں ایک خاص شکایت کی جاتی ہے وہ یہ کہ جب مسلمان مکہ مکرمہ میں کفار کی اذیتوں اور مظالم سے تنگ آ گئے تو آنحضرت ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم ان لوگوں سے سخت تنگ آ گئے ہیں آپ ﷺ ہم کو اجازت دیں کہ ہم ان

سے جہاد وقتال کریں آپ ﷺ نے فرمایا ابھی تک جہاد کی اجازت نازل نہیں ہوئی لہٰذا فی الحال تم صبر کرو اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور حسب دستور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ [1] دیتے رہو ہجرت کے بعد جب جہاد کی اجازت ملی تو بعضے کچے مسلمان اور دل کے کمزور طبعی طور پر ڈرنے لگے اور موت کے خوف سے یہ کہنے لگے کہ کاش اگر اور تھوڑی مدت جہاد وقتال کا حکم نازل نہ ہوتا تو اچھا ہوتا اس پر اللہ تعالیٰ نے شکایت فرمائی کہ جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو تم ڈرنے لگے تم کو خوش ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری درخواست قبول کی اور تمہاری دلی تمنا اور آرزو پوری ہوئی یا تو پہلے یہ زور شور تھا یا اب یہ بے نمکی ہے اور آئندہ ان کو نصیحت فرماتا ہے کہ دنیا تو چند روزہ ہے اس کے آرام وتکلیف کا خیال نہ کرو موت اپنے وقت مقرر پر آئے گی وقت سے پہلے نہ آئے گی اس لیے اس کا خوف بے سود ہے یہ دنیا فانی یا تو خواب ہے یا سراب ہے۔

دنیا خوابیست زندگانی درو ے خوابست کہ درخواب بہ بینی آنرا

چنانچہ فرماتے ہیں کہ کیا آپ ﷺ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو ابتداء میں یہ حکم ہوا تھا کہ ابھی اپنے ہاتھوں کو جہاد وقتال سے روکے رکھو اور حسب سابق نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو یہ حکم ہجرت سے پہلے تھا پس جب ہجرت کے بعد ان پر جہاد وقتال فرض کر دیا گیا تو ناگہاں ایک گروہ ان میں سے اپنے مخالف لوگوں سے ایسا ڈرنے لگا جیسے خدا سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگا اس گروہ سے یا تو منافقین کا گروہ مراد ہے یا ضعیف الایمان اور کمزور اور کچے مسلمان مراد ہیں اور یہ خوف ان کا طبعی تھا اعتقادی نہ تھا کہ معاذ اللہ! دل سے حکم خداوندی کو ناپسند کرتے ہوں جیسے مومن موت کو حق سمجھتا ہے، مگر طبعاً موت اس کو گراں معلوم ہوتی ہے اس لیے بعض ضعیف الایمان طبعی کمزوری کی بناء پر برائے چندے التواء جہاد کی تمنا اور آرزو میں یہ کہنے لگے اے ہمارے پروردگار آپ نے ابھی سے ہم پر جہاد وقتال کو فرض کر دیا کیوں نہ ڈھیل دی آپ نے ہم کو ایک قریبی وقت تک یعنی ذرا اور بے فکری سے جی لیتے ضعیف الایمان مسلمانوں کا یہ کہنا بطور اعتراض نہ تھا بلکہ طبعی کمزوری کی بناء پر بطور حسرت اور تمنا تھا ان پر کوئی گناہ نہیں ہوا آگے اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں (اے نبی کریم ﷺ) آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ دنیا کی بہرمندی بہت تھوڑی ہے دنیا کے فوائد فنا اور زائل ہونے والے ہیں ان سے دل لگانا نہیں چاہیے لہٰذا اس التواء کی تمنا بے سود ہے آخر تا بکے۔ اور آخرت پرہیزگار کے۔ لیے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے اور نعماء آخرت کے حصول کا بہترین ذریعہ جہاد ہے اور آخرت میں تم پر تاگے کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا خوب سمجھ لو کہ اگر جہاد نہ بھی کیا تو موت سے نہیں بچ سکتے جس جگہ بھی تم ہوگے تو موت تم کو آ پکڑے گی اگرچہ مضبوط محلوں میں ہو جہاں اگرچہ قاتل نہ پہنچ سکے لیکن موت کا فرشتہ تو ضرور پہنچ جاتا ہے لہٰذا موت کے ڈر سے جہاد سے جان چرانا نادانی ہے اور اسلام میں کمزوری اور کچے ہونے کی دلیل ہے۔

منافقین کے ایک خیال خام کی تردید

آئندہ آیات میں منافقین کے ایک خیال خام کا دفعیہ فرماتے ہیں جو بعض منافقین کو ہوتا تھا وہ یہ کہ جب کبھی جہاد میں کوئی فتح ونصرت ہوتی اور مال غنیمت ہاتھ آتا تو یہ کہتے کہ یہ اللہ کی طرف سے اتفاقاً بات بن گئی ہے رسول اللہ ﷺ کی

[1] مکی آیتوں میں جو زکوٰۃ کا ذکر ہے بعض علماء کے نزدیک اس سے فقراء اور محتاجین کے ساتھ سلوک اور احسان کرنا مراد ہے یا یوں کہو کہ اجمالی طور پر زکوٰۃ کا حکم اگرچہ مکی آیتوں میں ہے مگر زکوٰۃ کی مقدار اور انصاب کی تفصیل مدینہ جا کر ہوئی۔ واللہ اعلم

تدبیر کے قابل نہ ہوتے اور جب کبھی شکست ہوتی اور کچھ نقصان پہنچتا تو اس کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرتے اور یہ کہتے کہ یہ مصیبت آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی نحوست سے ہم کو پہنچی ہے آئندہ آیت میں منافقین کی اسی بے ہودہ بات کا جواب دیتے ہیں اور اگر پہنچتی ہے ان منافقین کو کوئی نعمت اور راحت یعنی خوشحالی اور کامرانی تو یہ کہتے کہ یہ منجانب اللہ اتفاقاً ہوگئی ہے اس میں نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کی تدبیر کی کوئی دخل نہیں جیسے محاورہ میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ بات تو من جانب اللہ ہے یعنی تمہاری تدبیر کا نتیجہ نہیں اور اگر ان منافقین کو کوئی برائی اور تکلیف پہنچ جائے تو یہ کہتے ہیں کہ (اے محمد ﷺ) یہ مصیبت اور بلا آپ ﷺ کے پاس سے آئی ہے یعنی یہ آپ ﷺ کی نحوست ہے آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر جب مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو ان ایام میں مدینہ میں غلہ اور پھلوں کی افراط تھی اور ہر چیز کا نرخ ارزاں تھا پھر جب منافقوں نے اپنے نفاق اور یہودیوں نے اپنی عناد کا اظہار کیا تو خدا تعالیٰ نے ان کے رزق میں کسی قدر تنگی کردی پیداوار کم ہوئی اور نرخ چڑھ گیا اس پر یہودیوں اور منافقوں نے کہا جب سے یہ شخص ہمارے شہر میں آیا ہے اسی وقت سے ہمارے پھلوں اور کھیتوں میں نقصان ہونے لگا اس آیت میں انہی منافقوں کا بیان ہے پس حسنہ (بھلائی) سے مراد پیداوار کی کثرت اور نرخ کی ارزانی ہے اور سیۂ (برائی) سے مراد قحط اور مہنگائی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بھلائی سے مراد فتح اور غنیمت ہے اور برائی سے مراد قتل اور ہزیمت ہے بہر حال جو بھی مراد ہو حسنہ اور سیۂ کا لفظ سب کو شامل ہے۔

اور اس روایت کی بناء پر مطلب یہ ہے کہ اگر لڑائی میں مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے اور غنیمت ان کے ہاتھ آتی ہے جیسے بدر میں تو منافق یہ کہتے ہیں کہ یہ فتح اور غنیمت اللہ کی طرف سے اتفاقاً پیش آگئی ہے اور مسلمان جو اس فتح کو اپنی تائید غیبی اور نبی اکرم ﷺ کی دلیل نبوت اور برہان صداقت سمجھتے ہیں یہ سب غلط ہے یہ فتح محض ایک اتفاقی امر ہے اور اگر مسلمانوں کی شکست ہوتی ہے جیسے احد میں تو کہتے ہیں کہ یہ بات محمد ﷺ کی طرف سے ہے یعنی آپ ﷺ کی بے تدبیری کا نتیجہ ہے آپ ﷺ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے یعنی فتح وشکست اور قتل اور غنیمت اور سما اور ارزانی اور قحط اور گرانی سب خدا ہی کی طرف سے ہے میرا ان میں کوئی دخل نہیں۔ جو امور باعث آرام ہیں وہ خدا تعالیٰ کا انعام ہیں اور جو باعث تکلیف ہیں وہ اس کی طرف سے ابتلاء اور آزمائش ہیں پس کیا حال ہے ان منافقین کا کہ ایک بات کے سمجھنے کے پاس نہیں جاتے یعنی ان کو اتنی سمجھ نہیں کہ بھلائی اور برائی سب اللہ کی طرف سے ہے انسان کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر ان منافقین کو عقل ہوتی تو سمجھ لیتے کہ ہر راحت اور مصیبت کا خالق اور موجد حق تعالیٰ ہی ہے ارزانی اور گرانی اور فتح اور شکست سب اللہ ہی کی قضا وقدر سے ہے اس میں کسی دوسرے کو دخل نہیں اور پیغمبر کی تدبیر بھی اللہ کی قضا وقدر ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے الہام سے ہے لہٰذا نبی پر تمہارا الزام رکھنا غلط فہمی ہے اور بگڑے کو بگڑا نہ سمجھو یہ اللہ کی حکمت ہے اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری تقصیروں پر متنبہ کرتا ہے اور تم کو سدھارتا اور سنوارتا اور آزماتا ہے یہ منافقین کے الزام کا اجمالی جواب ہوا آئندہ آیت میں اس کی تفصیل ہے اے انسان تجھ کو نعمت اور راحت اور بھلائی کی قسم سے جو چیز پہنچے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور برائی کی قسم سے جو چیز تجھ کو پہنچے تو وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے مطلب یہ ہے کہ انسان کو جو نعمت اور راحت پہنچتی ہے وہ محض اللہ کا فضل اور احسان ہے اور جو تکلیف اسے پہنچتی ہے وہ اس کے اعمال کی شامت سے پہنچتی ہے۔

اس سے اوپر کی آیت میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ بھلائی ہو برائی سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا کہ بھلائی تو اللہ کی طرف سے ہے اور برائی بندے کی طرف سے ہے بظاہر ان دونوں باتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت تعارض نہیں دوسری آیت پہلی آیت کی تفصیل ہے۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ عالم اسباب سے قطع نظر کر کے فاعل حقیقی اور مسبب الاسباب کی طرف خیال کرو تو ہر بھلائی اور برائی کا خالق اور موجد صرف وہی ہے اس اعتبار سے تمہارا بھلائی اور برائی میں تفرقہ کرنا یہ بھلائی تو اللہ کی طرف سے ہے اور یہ برائی رسول کی طرف سے ہے سراسر حماقت ہے ﴿فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا﴾ یعنی یہ لوگ ایسے نادان ہیں کہ اپنی حماقت کو بھی نہیں سمجھتے اور اگر عالم اسباب پر نظر کرتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ عالم اسباب میں تم کو جو خیر اور بھلائی پہنچتی ہے وہ محض اللہ کا فضل اور احسان اس میں تمہارے کسی عمل کو دخل نہیں تم جو عمل صالح کرنے بھی ہو تو وہ بھی اللہ ہی کا فضل اور احسان ہے اس کی توفیق سے اور اس کی دی ہوئی قدرت سے اور اس کے دیے ہوئے اعضاء اور جوارح سے کرتے ہو تمہارا وجود بھی اسی کا فضل اور احسان ہے اور اگر تم کو کوئی برائی اور تکلیف پہنچے تو سمجھ لو کہ وہ تمہارے اعمال بد کا نتیجہ ہے کما قال تعالیٰ: ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ﴾ لہٰذا ادب کا مقتضیٰ یہ ہے کہ برائی کو اپنی طرف اور بھلائی کو اللہ کی طرف منسوب کرو اور فتح اور کامرانی کو اللہ کا فضل جانو اور قحط اور گرانی اور شکست اور ناکامی کو اپنے اعمال کی شامت جانو پیغمبر خدا پر کوئی الزام نہ رکھو اور یقین رکھو کہ بھلائی اور برائی کا خالق اور موجد صرف حق تعالیٰ کی ذات ہی ہے مگر تمہارا عمل اس کا سبب ہے اور پیغمبر خدا اس برائی کے نہ خالق اور موجد ہیں اور نہ سبب ہیں لہٰذا پیش آمدہ برائی کو معاذ اللہ۔ نبی ﷺ کی نحوست بتلانا کمال حماقت ہے۔

حق تعالیٰ شانہ منافقین کے الزام دور کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ سے خطاب کر کے فرماتے ہیں اور (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ کا سبب نحوست ہونا تو قطعاً ناممکن اور محال ہے اس لیے کہ ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے نفع اور ہدایت کے لیے پیغام دے کر بھیجا ہے تا کہ آپ ﷺ لوگوں کو ہر خیر کی طرف دعوت دیں اور ہر شر سے ڈرائیں آپ ﷺ کی ذات بابرکات تو ہر خیر اور رحمت کا منبع اور سرچشمہ ہے وہ نحوست کا سبب کیسے بن سکتی ہے نحوست کا منبع خود ان کا نفس امارہ ہے اور یہود اور منافقین جس برائی کا مشاہدہ کر رہے ہیں وہ ان کے اعمال کی شامت ہے اے نبی کریم ﷺ آپ ﷺ ان کے بے ہودہ الزام کی پروانہ کیجئے اور غمگین اور رنجیدہ نہ ہو جائیے اپنا کار رسالت کیے جائیے اور اگر یہ لوگ آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کریں تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی رسالت کا کافی گواہ ہے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو معجزات عطا کیے ہیں وہ سب من جانب اللہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کے گواہ ہیں اور ظاہر ہے کہ رسالت اور نحوست کا اجتماع عقلاً ناممکن ہے نحوست جب آتی ہے تو بارگاہ رسالت کی مخالفت سے آتی ہے اس لیے کہ جس کسی نے رسول کی اطاعت کی تو تحقیق اس نے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت موجب خیر و برکت اور باعث رحمت ہے نہ کہ باعث شئوم و نحوست اور جو آپ ﷺ کی اطاعت سے اعراض کرے تو اس کو اختیار ہے کہ خیر و برکت سے روگردانی کر کے نحوست میں داخل ہو جائے ہم نے آپ ﷺ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ ﷺ جبراً و قہراً ان کو نحوست سے بچالیں یا نکال لیں آپ ﷺ بے فکر رہیں ان کے بارہ میں آپ ﷺ سے کوئی باز پرس نہ ہوگی آپ ﷺ کا کام پیغام پہنچا دینا ہے۔

فرستادہ خاص پروردگار رسانندہ حجت استوار
گرانما یہ ترتاج آزاد گال گرامی تراز آدمی زاد گال

بیان حقیقتِ حال منافقین

اور منافقین کی حالت یہ ہے کہ بظاہر نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں اور آپ ﷺ کے سامنے یہ کہتے ہیں ہمارا شیوہ تو آپ ﷺ کی فرمانبرداری ہے زبان سے تو اظہار فرمانبرداری کرتے ہیں پھر جب آپ ﷺ کی مجلس سے اٹھ کر باہر جاتے ہیں تو ان میں کے کچھ لوگ یعنی ان کے سردار رات کے وقت آپ ﷺ کے فرمودہ اور حکم کے برخلاف مشورے کرتے ہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ان کے نامہائے اعمال میں لکھتا ہے اور پھر بذریعہ وحی کے اپنے نبی ﷺ کو ان کے پوشیدہ مشوروں سے مطلع کرتا ہے اور منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پوشیدہ مشوروں کی کسی کو کیا خبر ہو سکتی ہے پس اے نبی کریم ﷺ ہم نے آپ ﷺ پر ان کا نفاق ظاہر کر دیا ہے لہذا آپ ﷺ ان سے تغافل برتیے نہ ان کو سزا دیں نہ ان کی فکر میں پڑیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیے اور خدا تعالیٰ پورا کارساز ہے خدا تعالیٰ آپ ﷺ کو ان کے شر سے محفوظ رکھے گا یہ آپ ﷺ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

اثبات رسالت محمدیہ باعجاز قرآن

اوپر کی آیتوں میں خدا تعالیٰ نے منافقین کی انواع واقسام کی دورنگیاں اور دغابازیاں بیان کیں جن کا اصل منشاء اور سبب یہ تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو دعوائے رسالت میں سچا نہیں سمجھتے تھے اور قرآن کریم کو کلام الٰہی نہیں جانتے تھے اس لیے اس آیت میں ان کو یہ حکم دیا کہ تم قرآن میں غور وفکر کیا تو تم پر روز روشن کی طرح یہ امر واضح ہو جائے گا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور آنحضرت ﷺ خدا تعالیٰ کے رسول برحق ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کیا یہ منافقین قرآن میں غور وفکر نہ کریں گے تا کہ اس کے اسرار بلاغت اور دلائل اعجاز کو دیکھ کر اس کا کلام الٰہی ہونا ان پر واضح ہو جائے اور یہ سمجھ جائیں کہ جس پر یہ کلام الٰہی نازل ہوا ہے وہ بلاشبہ خدا کا رسول ہے۔

اس لیے کہ اس قرآن کی فصاحت وبلاغت ایسی بےنظیر ہے جو طاقت بشری سے باہر ہے اور اس کے تمام احکام عین حکمت اور عین صواب ہیں اور جابجا قرآن میں غیب کی خبریں ہیں جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہو سکتا گزشتہ کی اس میں خبریں ہیں اور آئندہ کی اس میں پیش گوئیاں ہیں اور یہ سب کو معلوم ہے کہ حضور پرنور امی ہیں پڑھے لکھے نہیں جو کسی سے پڑھ کر یا کسی کتاب کو دیکھ کر یہ علوم ومعارف بیان کرتے ہوں جس سے بخوبی ثابت ہوا کہ بلاشبہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور آپ ﷺ اپنے دعوائے رسالت میں سچے ہیں اور اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا یعنی اگر خدا کا کلام نہ ہوتا بلکہ معاذ اللہ آنحضرت ﷺ کا بنایا ہوا ہوتا یا کسی اور بشر کا کلام ہوا جیسا کہ مخالفین اسلام کہتے ہیں تو ضرور پاتے اس میں بہت سخت اختلافات اور تناقض اور تفاوت۔ کوئی خبر اس کی صحیح ہوتی اور کوئی غلط کوئی جملہ اس کا فصیح ہوتا اور کوئی رکیک مگر اس میں کسی قسم کا اختلاف اور تناقض نہیں فصاحت وبلاغت میں اول سے آخر تک یکساں ہے اس کے ایک بیان سے دوسرے بیان کی تصدیق

ہوتی ہے اس کی پیشین گوئیاں تمام صحیح اور واقع کے مطابق ہیں باہمی تناقض اور اختلاف کا نام ونشان نہیں اور ظاہر ہے کہ غیب کا علم سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔

ان باتوں سے ہر شخص بخوبی یہ سمجھ سکتا ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے کیونکہ بشر کا کلام ایک اسلوب اور ایک حال پر کبھی بھی نہیں رہ سکتا بشر پر مختلف احوال پیش آتے ہیں ہر حال میں اسی حالت کے مطابق کلام کرتا ہے دوسری حالت کا دھیان نہیں رہتا نیز آدمی جب کلام طویل کرتا ہے تو وہ یکساں نہیں ہوتا بلکہ کوئی جملہ فصیح ہوتا ہے اور کوئی غیر فصیح اور قرآن عظیم اتنی بڑی کتاب ہے کہ اس کا جملہ اختلافات سے پاک ہونا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یہ خداوند ذوالجلال کا کلام ہے خلاصہ مطلب یہ کہ کیا یہ منافقین قرآن میں غور نہیں کرتے کہ اس کے عدم اختلاف اور عدم تناقض سے رسول اللہ ﷺ کا صدق معلوم کر لیں اور کم از کم اسی میں غور کر لیں کہ قرآن کریم تمہارے باطنی نفاق اور اندرونی عقائد اور خیالات کی صحیح خبر دے رہا ہے جو اس امر کی دلیل قطعی ہے کہ یہ وحی خداوندی ہے سوائے خدا کے کون کسی کے دل کا حال بتلا سکتا ہے۔ اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو منافقین کے نفاق اور اسرار باطنی کے متعلق جو خبریں دی جاتی ہیں تو منافقین ان میں ضرور اختلاف کرتے منافقین کے متعلق قرآن کی کوئی خبر سچی نکلتی اور کوئی جھوٹی، اور اگر منافقین کو قرآن میں کوئی اختلاف نظر آتا تو ضرور اس کو شائع کرتے اس لیے کہ ان کی عادت یہ تھی کہ جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو اسی وقت اس کو شائع اور مشہور کر دیتے ہیں منافقوں کی عادت یہ تھی کہ جب مسلمانوں کی فتح یا شکست کی خبر ان کو کہیں سے ملتی تو بلا تحقیق اس کو شائع اور مشہور کر دیتے ہیں جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ بعض خبریں تو جھوٹی ہوتی ہیں اور بعض کا ظاہر کرنا خلاف مصلحت ہوتا ہے اسی طرح اگر ان منافقین کو قرآن میں کوئی اختلاف اور تناقض نظر آتا تو اس کو بھی ضرور شائع اور مشہور کر ڈالتے اور ان کے نفاق کے متعلق قرآن میں جو خبریں دی جاری ہیں ان میں سے اگر کوئی خبر غلط نکلتی تو آسمان وزمین ایک کر دیتے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر ان منافقین کے پاس مسلمانوں کی فتح اور غنیمت یا قتل اور ہزیمت کی کوئی خبر آتی تو خواہ مخواہ جھوٹی ہو یا سچی اور اس کے ظاہر کرنے میں مصلحت ہو یا نہ ہو یہ لوگ اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر بجائے خود مشہور کرنے کے یہ لوگ اس خبر کو رسول اللہ ﷺ کی طرف اور صحابہ ؓ میں جو لوگ ذی رائے اور ذی اختیار ہیں ان تک پہنچاتے یعنی یہ لوگ اگر خبر سننے کے بعد اس خبر کو رسول اللہ ﷺ اور اکابر صحابہ ؓ تک پہنچا دیتے اور از خود اس کو شائع نہ کرتے تو اہل اسلام میں سے جو لوگ بات کی تہ اور گہرائی کو پہنچنے والے ہیں تو وہ بے شک پہچان لیتے کہ یہ خبر مشہور کرنے کے قابل ہے یا نہیں ہر شخص بات کی تہ اور گہرائی کو نہیں پہنچتا۔ لہٰذا ایسے اشخاص کو چاہیے کہ وہ مستنبطین اور مجتہدین کی طرف رجوع کریں اور ان سے بغیر دریافت کیے دین کی کوئی خبر اور بات زبان سے نہ نکالیں۔

استنباط کے لغوی معنی زمین کھود کر اس کی تہ میں سے پانی نکالنے کے لیں اور اصطلاح شریعت میں نصوص شریعت کی تہ میں جو حقائق اور معارف مستور ہیں ان کو خداداد فہم وفراست سے کھود کر نکالنے کا نام استنباط اور اجتہاد ہے شریعت کے بہت سے احکام آیات اور احادیث کے ظاہر سے مفہوم نہیں ہوتے لیکن وہ بلاشبہ نصوص شریعت اور کتاب وسنت کی گہرائیوں میں مستور اور پوشیدہ ہوتے ہیں یہ ناممکن ہے کہ شریعت نے کوئی امر چھوڑ دیا ہو اور اس کے متعلق کوئی حکم نہ دیا ہو۔ فقہاء کرام

جن کے ساتھ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے خاص خیر کا ارادہ فرمایا وہ اپنے دقیق اور عمیق نظر اور فکر کے ذریعے سے زمین شریعت کو کھود کر اس کی تہ اور گہرائیوں میں سے ان پوشیدہ احکام کو نکال کر لاتے ہیں جو زمین شریعت کی ظاہری سطح پر نمایاں نہ تھے شریعت کی تہ گہرائی میں سے کسی پوشیدہ حکم کے نکال لینے کا نام استنباط اور اجتہاد اور قیاس ہے۔

اسی بناء پر حضرات فقہاء لکھتے ہیں کہ قیاس مظہر حکم ہے نہ کہ مُثبِت حکم یعنی قیاس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا بلکہ جو حکم قرآن وحدیث میں پہلے موجود تھا مگر مخفی تھا قیاس نے اس کو اب ظاہر کر دیا حکم درحقیقت کتاب وسنت ہی کا ہے قیاس خدا اور رسول کے پوشیدہ حکم کا مظہر اور محض ظاہر کرنے والا ہے قیاس مثبت حکم نہیں یعنی قیاس اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں دیتا عرف عام میں چونکہ قیاس کے معنی خیال اور گمان اور وہم کے ہیں اس لیے بہت سے نادانوں نے یہ گمان کرلیا کہ قیاس شرعی کی حقیقت بھی یہی ہے اور اصطلاح شریعت میں قیاس شرعی کی حقیقت یہ ہے کہ غیر منصوص الحکم کو منصوص الحکم کے مشابہ اور مماثل دیکھ کر بوجہ مماثلت اور مشابہت کے منصوص الحکم کے حکم کو غیر منصوص کے لیے ثابت کرنا اس کا نام قیاس ہے یعنی جس چیز کا حکم کتاب وسنت اور اجماع امت میں منصوص اور مصرح نہیں اس میں یہ غور وفکر کرنا کہ جس چیز کا حکم شریعت میں موجود ہے یہ غیر منصوص کس کے ساتھ زیادہ مشابہ اور مماثل ہے مشابہت کی بناء پر غیر منصوص کے لیے اس حکم کے ثابت کرنے کا نام قیاس شرعی ہے جیسے ہائی کورٹ کا کوئی فاضل جج جس مقدمہ کا حکم صراحۃً قانون میں موجود نہ ہوں وہاں نظائر کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ صادر کرتا ہے یہ بھی تو ایک قسم کا قیاس ہی ہوا عدالتوں میں ہزارہا مقدمات کا فیصلہ نظائر ہی پر ہوتا ہے نظیر کے موافق حکم دینا یہی قیاس ہے۔ معلوم ہوا کہ ہر قانون میں قیاس موجود ہے بلا قیاس کے عدالتوں کا فیصلہ ناممکن ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی قیاس کی یہی حقیقت قرار دی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں "باب من شبه اصلا معلوما باصل مبين قد بين الله حكمهما ليفهم السائل۔" جس سے اشارہ اس طرف ہے کہ قیاس کی حقیقت تشبیہ اور تمثیل ہے اور اس بارہ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے متعدد تراجم قائم فرمائے ہیں سب کا حاصل یہ ہے کہ قیاس اور رائے کی دو قسمیں ہیں ایک محمود اور ایک مذموم، مذموم وہ ہے جس کی کتاب وسنت اور اجماع میں کوئی اصل موجود نہ ہو اور محمود وہ ہے جو کتاب وسنت اور اجماع امت سے ماخوذ ہو۔ حضرات اہل علم فتح الباری جلد سیزدھم باب الاعتصام کی مراجعت فرمائیں۔

اور اگر تم پر خدا کا یہ خاص فضل اور یہ خاص مہربانی نہ ہوتی یعنی اگر بالفرض تمہاری ہدایت کے لیے حق تعالیٰ یہ قرآن نازل نہ فرماتے اور نبی اکرم ﷺ کو تمہاری تعلیم اور تزکیہ کے لیے مبعوث نہ فرماتے جس نے تم پر حق اور باطل کا فرق واضح کیا تو البتہ تم شیطان کے پیرو ہو جاتے اور کفر وشرک میں مبتلا ہو جاتے مگر بہت کم ایسے ہوتے جو خداداد نور فہم وفراست سے توحید کو اختیار کرتے اور شرک سے محفوظ ہوتے جیسے زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ اور ورقہ بن نوفل وغیرہم کو جو خداداد نور فہم سے زمانہ جاہلیت میں کفر وشرک سے محفوظ رہے اتباع شیطان سے اس قسم کی محفوظیت اور معصومیت سے بہت ہی کم افراد کو نوازا جاتا ہے لہٰذا اتباع شیطان سے بچنے کا طریقہ یہ ہے بغیر مستنبطین کی اجازت کے کوئی خبر شائع نہ کریں بغیر اہل الرائے کے صلاح اور حکم کسی خبر کو شائع کرنا شیطان کی پیروی ہے۔

پس اے نبی کریم ﷺ اگر یہ منافقین اور ضعیف الایمان مسلمان تمہارا ساتھ چھوڑ دیں تو پروانہ کیجئے آپ ﷺ تن تنہا خدا کی راہ میں جہاد و قتال کیجئے آپ صرف اپنی ذات کے ذمہ دار ہیں غیروں کی ذمہ داری آپ ﷺ پر نہیں اور آپ ﷺ تو صرف مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے ماننا نہ ماننا ان کا کام ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے گا اور اللہ تعالیٰ سخت ہیبت والا اور سخت عذاب دینے والا ہے اس کے مقابلہ میں کوئی نہیں جیت سکتا نہ کوئی اس کے عذاب سے چھڑا سکتا ہے۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ

جو کوئی سفارش کرے نیک بات میں اس کو بھی ملے گا اس میں سے ایک حصہ اور جو کوئی سفارش کرے بری بات میں اس پر

جو کوئی سفارش کرے نیک بات میں، اس کو بھی ملے اس میں سے ایک حصہ اور جو کوئی سفارش کرے بری بات میں اس پر

لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾

بھی ہے ایک بوجھ اس میں سے ف۱ اور اللہ ہے ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ف۲

بھی ہے ایک بوجھ اس میں سے اور اللہ ہے ہر چیز کا حصہ بانٹنے والا۔

حکم بست و یکم ترغیب در شفاعت حسنہ و ترہیب از شفاعت سیئہ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً ... الی ... وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا﴾

ربط:......گزشتہ آیات میں جہاد کی ترغیب تھی اب ان آیات میں سفارش کے متعلق ایک قانون بیان فرماتے ہیں کہ جو شخص عمدہ سفارش کرے (مثلاً شرکت جہاد کی ترغیب دے) اس کو اس میں سے حصہ ملے گا یعنی اس کو بھی اسی قدر ثواب ملے گا جس قدر اس عمل کرنے والوں کو اور جو کوئی بری سفارش کرے مثلاً لوگوں کو شرکت جہاد سے روکے اور ان کو جہاد میں جانے سے ڈرائے تو اس کو گناہ میں سے حصہ ملے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں جو شخص نیک کام کی سفارش کرے گا اس کو اس نیک کام کے ثواب سے حصہ ملے گا اور جو شخص بری سفارش کرے گا اس کو اس برے کام کے گناہ سے حصہ ملے گا مثلاً کسی امیر سے سفارش کر کے کسی حاجت مند کو کچھ دلوا دے تو اس خیرات کے ثواب میں یہ بھی شریک ہوگا اور اگر کسی حاکم سے سفارش کر کے کسی چور اور بدکار کو چھڑا دیا تو یہ بھی اس چوری اور بدکاری میں شریک اور حصہ دار ہوگا کیونکہ شفاعت کی حقیقت غیر کے لیے حصول خیر میں واسطہ بننے کے ہیں پس اگر وہ خیر حقیقت خیر ہے تو اس کو اجر ملے گا ورنہ گناہ ہوگا۔

گزشتہ آیت کے ساتھ اس آیت کا تعلق یہ ہے کہ منافقین ایک دوسرے کے لیے آنحضرت ﷺ سے یہ سفارش

ف۱ یعنی اگر کوئی نیک کام میں سعی سفارش کرے جیسا نبی علیہ السلام کا مسلمانوں کو جہاد کی تاکید فرمانا یا کوئی بری بات میں ساعی ہو جیسا منافق اور سست مسلمانوں کا جہاد سے ڈر کر دوسروں کو بھی ڈرانا تو اول صورت میں ثواب کا اور دوسری صورت میں گناہ کا حصہ ملے گا ایسے ہی اگر کوئی محتاج کی سفارش کر کے دولت مند سے کچھ دلوا دے تو یہ بھی خیرات کے ثواب میں شریک ہوگا اور جو کوئی کافر مفسد یا سارق کو سفارش کر کے چھڑا دے پھر وہ فساد اور چوری کرے تو یہ بھی شریک ہوگا فساد اور چوری میں۔

ف۲ یعنی خدا تعالیٰ تمام چیزوں پر قادر اور ہر چیز کا حصہ بانٹنے والا ہے تو نیکی اور بدی کے حصہ دینے میں اس کو کوئی دشواری نہیں۔

کیا کرتے تھے کہ آپ ﷺ انہیں جنگ سے پیچھے رہنے کی اجازت دیدیں اور مومنین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اگر کسی کے پاس سامان جنگ نہ دیکھتے تو دوسرے صاحب مقدرت مسلمانوں سے کہہ سن کر ان کو سامان جنگ دلوادیتے تاکہ جہاد میں شریک ہوسکیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جو شخص اچھی یا بری سفارش کرے گا اس کی جزا و سزا اس کو بھگتنی پڑے گی اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر۔ یعنی وہ اچھی سفارش پر ثواب اور بری سفارش پر عذاب دینے پر قادر ہے نہ کوئی اس کے ثواب کو روک سکتا ہے اور نہ کوئی اس کی سزا کو۔ اور بعض علمائے نے مُقِیت کے معنی نگہبان کے کیے ہیں اس صورت میں یہ ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے یعنی اچھی اور بری سفارش اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں وہ ہر سفارش کرنے والے کے حال سے بخوبی واقف ہے۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾

اور جب تم کو دعا دیوے کوئی تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر یا وہی کہو الٹ کر بیشک اللہ ہے ہر چیز کا حساب کرنے والا ف۱

اور جب تم کو دعا دیوے کوئی تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر یا وہی کہو الٹ کر اللہ ہے ہر چیز کا حساب کرنے والا۔

حکم بست و دوم بابت تحیہ اسلام و تعلیم جواب سلام

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ... الی... حَسِيْبًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں شفاعت حسنہ کا ذکر تھا اب اس آیت میں تحیہ اسلام یعنی کسی کو السلام علیکم کہنے کا حکم مذکور ہے اور کسی مسلمان کو سلام کرنا یا دعا دینا یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے اس کی سلامتی کی شفاعت حسنہ ہے کہ اے اللہ اس کو دنیا اور آخرت کی امن اور سلامتی عطا فرما۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جب تم کسی کو قسم سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر الفاظ میں اس کے سلام کا جواب دو مثلاً کوئی شخص تم کو السلام علیکم کہے جو دنیا اور آخرت کے امن اور سلامتی کی دعا ہے تو تم اس کے جواب میں وعلیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہو دعا سلامتی پر دعا رحمت اور برکت کا اضافہ کردو تاکہ تمہارا جواب اس سے بہتر ہو جائے یا جواب میں وہی الفاظ لوٹا دو

ف۱ یعنی کسی مسلمان کو سلام کرنا یا دعا دینا درحقیقت اللہ سے اس کی شفاعت کرنا ہے تو حق تعالیٰ شفاعت حسنہ کی ایک خاص صورت کو جو مسلمانوں میں تمام ذائع ہے صراحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے کہ جب کوئی اے مسلمانو تم کو دعا دے یا سلام کرے تو تم کو بھی اس کا جواب ضرور دینا چاہیے یا تو وہی کلمہ تم بھی اس کو کہو یا اس سے بہتر مثلاً اگر کسی نے کہا السلام علیکم تو واجب ہے تم پر کہ اس کے جواب میں وعلیکم السلام کہو اور زیادہ ثواب چاہو تو ورحمۃ اللہ بھی بڑھا دو اور اگر اس نے یہ لفظ بڑھایا ہو تو تم "وبرکاتہ" زیادہ کردو۔ اللہ کے یہاں ہر ہر چیز کا حساب ہوگا اور اس کی جزا ملے گی سلام اور اس کا جواب بھی اس میں آ گیا۔

فائدہ: اس سے شفاعت حسنہ کی پوری ترغیب ہوگئی اور شفاعت سیئہ کی خرابی اور مضرت معلوم ہوگئی کیونکہ جو شفاعت حسنہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ثواب دے گا اور جس کی شفاعت کی ہے اس پر اس کے ساتھ حسن سلوک اور مکافات کا حکم فرمادیا بخلاف شفاعت سیئہ کے کہ بجز معصیت اور محرومی کے کچھ نہ ملے گا۔

یعنی السلام علیکم کے جواب میں فقط وعلیکم السلام کہہ دو۔

اشارہ اس طرف ہے کہ اگر احسان کا بدلہ اصل سے زیادہ ہو تو بہتر ہے ورنہ برابر سرابر بھی کافی ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے یعنی سلام کرنے والے اور اس کے جواب دینے والے کو بقدر اس کے سلام اور بقدر زیادتی کے جزاء دے گا۔

ف:...... تحیہ کے لغوی معنی دعا حیات کے ہیں زمانہ اسلام سے پیشتر عرب میں یہ رواج تھا جب دو آدمی ملتے تو ایک دوسرے کو "حَیَّاكَ اللہ" کہتے یعنی خدا تعالیٰ تجھ کو زندہ رکھے یہ دعا ان کے یہاں تحیۃ کہلاتی تھی شریعت اسلام نے اس دعا کو لفظ السلام علیکم سے بدل دیا اور تحیہ اسلام اس کا نام رکھا پس آیت میں تحیہ سے اسلامی تحیہ یعنی السلام علیکم مراد ہے شریعت اسلام نے جو تحیہ مقرر کیا وہ زمانہ جاہلیت کے تحیہ سے کہیں زیادہ فاضل اور کامل ہے کیونکہ السلام علیکم کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ تم کو ہر قسم کے غم اور الم اور جملہ آفات اور بلیات سے سلامت اور محفوظ رکھے اور "حَیَّاكَ اللہ" کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو زندہ رکھے اور ظاہر ہے کہ سلامتی کے لیے زندگی لازم ہے اور زندگی کے لیے سلامتی لازم نہیں اس لیے کہ جو شخص آفات اور بلیات میں مبتلا ہے زندگی اس کو حاصل ہے مگر سلامتی اس کو حاصل نہیں نیز دعا سلامتی ایک خاص بشارت ہے اور لفظ سلام دراصل اللہ کا نام ہے لہٰذا ملاقات کی ابتداء اللہ کے نام اور بشارت سے ہونا یہ غایت درجہ بہتر ہے۔

صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو فرشتوں کی ایک جماعت جو وہاں بیٹھی تھی اس کی طرف اشارہ کر کے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس جماعت کو جا کر سلام کرو اور سنو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہے آدم علیہ السلام نے ان کے پاس جا کر کہا السلام علیکم انہوں نے جواب دیا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے جواب میں لفظ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ زیادہ کیا۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ

اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں بیشک تم کو جمع کریگا قیامت کے دن اس میں کچھ شبہ نہیں اور اللہ سے سچی

اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں تم کو جمع کرے گا قیامت کے دن اس میں شک نہیں اور اللہ سے سچی کس کی

حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ ع ۱۱/۸

کس کی بات ف۱

بات؟

تاکید وعید

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ... الی ... اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں یعنی ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا﴾ میں وعید اور تہدید تھی اب اس آیت میں اس کی

ف۱ یعنی قیامت کا آنا اور ثواب وعقاب کے سب وعدوں کا پورا ہونا سب سچ ہے اس میں تخلف نہیں ہوگا ان باتوں کو سرسری خیال نہ کرو۔

تاکید کے لیے اپنی توحید اور عظمت اور قیامت کا ذکر فرماتے ہیں اللہ کی یہ شان ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ضرور تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں ذرہ برابر کسی قسم کا شک نہیں یعنی قیامت ضرور آئے گی اور حساب و کتاب اور جزاء اعمال کے لیے سب ایک جگہ ضرور جمع ہوں گے اور اللہ سے کون زیادہ بات میں سچا ہو سکتا ہے یعنی جب اس نے قیامت کی خبر دی تو اس کو سچ جانو اور تعمیل احکام کا خاص اہتمام کرو اور یقین جانو کہ جس اس کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی کرے گا قیامت کے دن اس کو سزا دے گا۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ

پھر تم کو کیا ہوا کہ منافقوں کے معاملہ میں دو فریق ہو رہے ہو اور اللہ نے ان کو الٹ دیا بسبب ان کے اعمال کے کیا تم چاہتے ہو کہ راہ پر لاؤ جس کو

پھر تم کو کیا پڑا ہے؟ منافقوں کے واسطے دو جانب ہو رہے ہو، اور اللہ نے ان کو الٹ دیا ان کے کاموں پر، کیا تم چاہتے ہو کہ راہ پر لاؤ جس کو

اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا

گمراہ کیا اللہ نے اور جس کو گمراہ کرے اللہ ہرگز نہ پاویگا تو اس کے لئے کوئی راہ ف۱ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے

بچلایا اللہ نے، اور جس کو اللہ راہ نہ دے، پھر تو نہ پاوے اس کے واسطے کہیں راہ۔ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو، جیسے وہ ہوئے،

فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰي يُھَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا

تو پھر تم سب برابر ہو جاؤ سو تم ان میں سے کسی کو دوست مت بناؤ یہاں تک کہ وطن چھوڑ آویں اللہ کی راہ میں پھر اگر اس کو قبول نہ کریں

پھر سب برابر ہو جاؤ، سو تم ان میں کسی کو مت پکڑو رفیق، جب تک وطن چھوڑ آویں اللہ کی راہ میں۔ پھر اگر قبول نہ رکھیں

فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْھُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا

تو ان کو پکڑو اور مار ڈالو جہاں پاؤ اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست اور نہ مددگار ف۲ مگر

تو ان کو پکڑو اور مارو جہاں پاؤ۔ اور نہ ٹھہراؤ کسی کو رفیق، اور نہ مددگار۔ مگر

الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَاۗءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُھُمْ

وہ لوگ جو ملاپ رکھتے ہیں ایک قوم سے کہ تم میں اور ان میں عہد ہے یا آئے ہیں تمہارے پاس کہ تنگ ہو گئے ہیں دل ان کے

جو مل رہے ہیں ایک قوم سے، جن میں اور تم میں عہد ہے، یا آئے ہیں تمہارے پاس خفا ہو گئے ہیں دل ان کے

ف۱ ان منافقوں میں وہ لوگ داخل ہیں جو ظاہر میں بھی ایمان نہ لائے تھے بلکہ ظاہر و باطن کفر پر قائم تھے لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ ظاہری میل جول اور محبت کا معاملہ رکھتے تھے اور غرض ان کی یہ تھی کہ مسلمانوں کی فوج ہماری قوم پر چڑھائی کرے تو ہمارے جان و مال اس حیلہ سے محفوظ رہیں۔ جب مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ ان کا آنا جانا اس غرض سے ہے دل کی محبت سے نہیں تو بعض مسلمانوں نے کہا کہ ان شریروں سے ملنا ترک کر دینا چاہیے تاکہ ہم سے جدا ہو جائیں اور بعضوں نے کہا ان سے ملے جایئے شاید ایمان لے آئیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہدایت و گمراہی اللہ کے قبضہ میں ہے تم اس کا ہرگز فکر مت کرو اور ان لوگوں سے بالاتفاق وہ معاملہ کرنا چاہیے جو آئندہ مذکور ہے دو فریق مت ہو۔

ف۲ یعنی یہ منافق لوگ تو کفر پر ایسے جمے ہوئے ہیں کہ خود تو اسلام کیا قبول کریں گے وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی مثل کافر ہو کر ان کے برابر ہو جاؤ۔ سو اب تم کو =

أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ

تمہاری لڑائی سے اور اپنی قوم کی لڑائی سے بھی اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر زور دے دیتا تو ضرور لڑتے

تمہارے لڑنے سے، اور اپنی قوم کے لڑنے سے بھی۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر زور دیتا، پھر تم سے لڑتے۔ تو

فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ

تم سے سو اگر یکسو رہیں وہ تم سے پھر تم سے نہ لڑیں اور پیش کریں تم پر صلح تو اللہ نے نہیں دی تم کو

اگر تم سے کنارہ پکڑیں، پھر نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح لاویں، اللہ نے نہیں دی تم کو ان پر

سَبِيلًا ﴿٩٠﴾ سَتَجِدُونَ آخَرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ ۚ كُلَّمَا رُدُّوا إِلَى

ان پر راہ ف۱ اب تم دیکھو گے ایک اور قوم کو جو چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے بھی اور اپنی قوم سے بھی جب کبھی لوٹائے جاتے ہیں

راہ۔ اب تم دیکھو گے ایک اور لوگ چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے بھی اور اپنی قوم سے بھی۔ جس بار بلائے جاتے ہیں

الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا ۚ فَإِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ

وہ فساد کی طرف تو اس کی طرف لوٹ جاتے ہیں پھر اگر وہ تم سے یکسو نہ رہیں اور نہ پیش کریں تم پر صلح اور اپنے ہاتھ نہ روکیں

فساد کرنے کو، الٹ جاتے ہیں اس ہنگامہ میں، پھر اگر تم سے کنارہ نہ پکڑیں، اور صلح نہ لاویں، اور اپنے ہاتھ نہ روکیں

فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا

تو ان کو پکڑو اور مار ڈالو جہاں پاؤ اور ان پر ہم نے تم کو دی ہے کھلی

تو ان کو پکڑو اور مارو جہاں پاؤ، اور ان پر ہم نے ملا دی تم کو سند

مُبِينًا ﴿٩١﴾ ع ۱۲ / ۹

سند ف۲

صریح۔

= چاہیے کہ وہ جب تک ایمان قبول کر کے اپنا وطن چھوڑ کر تمہارے پاس نہ چلے آئیں اس وقت تک ان کو دوست نہ بناؤ نہ اپنے کسی کام میں ان کو دخل دو اور نہ ان کی حمایت اور اعانت کرو اور اگر وہ لوگ ایمان اور ہجرت کو قبول نہ کریں تو ان کو قید کرو اور قتل کرو جہاں قابو پاؤ اور اجتناب کلی رکھو اور ان سے کوئی تعلق نہ رکھو۔

ف۱ یعنی اس ظاہری ملنے جلنے سے ان کو قید اور قتل سے مت بچاؤ مگر کل دو طرح سے۔ ایک تو یہ کہ جن لوگوں سے تمہاری صلح ہے ان سے ان کا بھی معاہدہ اور مصالحت ہو تو وہ بھی صلح میں داخل ہو گئے۔ دوسری طرح یہ کہ جو لوگ لڑائی سے عاجز ہو کر تم سے صلح کریں اور اس بات کا عہد کریں کہ نہ اپنی قوم کے طرفدار ہو کر تم سے لڑیں گے اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں گے اور اس عہد پر قائم بھی رہیں تو ایسے لوگوں سے بھی مت لڑو اور ان کی مصالحت کو منظور کر لو اور اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھو کہ تمہاری لڑائی سے باز آئے۔ اللہ چاہتا تو ان کو تم پر جری اور غالب تر کر دیتا۔

ف۲ یعنی بعضے لوگ ایسے بھی ہیں کہ تم سے عہد کر جاتے ہیں کہ نہ تم سے لڑیں گے نہ اپنی قوم سے تا کہ تم سے اور اپنی قوم دونوں سے امن میں رہیں لیکن اس عہد پر قائم نہیں رہتے بلکہ جب اپنی قوم کا غلبہ دیکھتے ہیں تو ان کے مددگار ہو جاتے ہیں تو ایسے لوگوں سے تم بھی درگزر مت کرو تمہارے ہاتھ تو صریح حجت آ گئی کہ انہوں نے اپنا عہد خود توڑ ڈالا۔

حکم بست وسوم متعلق بہ معاملہ منافقین

قال تعالیٰ: ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ... الی... عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں منافقین کے احوال کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ مسلمانوں کو منافقین کے ساتھ کیا معاملہ رکھنا چاہیے حاصل حکم یہ ہے کہ منافقین کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ اس وقت تک کیا جائے گا کہ جب تک ان کا نفاق چھپا رہے اور جب ان کا کفر اور نفاق واضح اور ظاہر ہوجائے تو پھر ان کی ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے جب دلائل کفر کے واضح ہوجائیں تو پھر تردد کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ رکوع کی تفسیر سمجھنا چند روایات کے نقل پر موقوف ہے اس لیے ہم ان روایات کو نقل کرتے ہیں۔

پہلی روایت:...... مشرکین عرب میں سے کچھ لوگ مدینہ آئے اور یہ ظاہر کیا کہ ہم مسلمان اور مہاجر ہو کر آئے ہیں کچھ دنوں مدینہ میں مقیم رہے پھر مدینہ کی آب وہوا کے موافق نہ آنے کا عذر کرکے آنحضرت ﷺ سے یہ اجازت مانگی کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو ہم جنگل میں جا کر رہیں یہاں کی آب وہوا ہم کو موافق نہیں آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی یہ بہانہ کرکے جب مدینہ سے باہر نکل گئے تو منزل بمنزل کوچ کرتے اور کھسکتے رہے یہاں تک کہ مشرکین مکہ سے جاملے اور گھر پہنچ کر نبی کو ایک جھوٹ موٹ کا خط لکھا کہ آپ ہماری طرف سے کچھ خیال نہ کریں ہم آپ ﷺ ہی کے دین پر ہیں اور ہم مدینہ کی آب وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے اپنے وطن مکہ چلے آئے ہیں یہ حال سن کر مسلمان ان کے ایمان اور کفر میں اختلاف کرنے لگے بعض نے کہا یہ منافق ہیں ہم ان کو قتل کریں گے اگر وہ ہماری طرح مسلمان ہوتے تو مصائب پر صبر کرتے اور ہجرت کو ترک کرکے واپس نہ ہوتے اور بعض نے کہا ایسا نہیں وہ مسلمان ہیں ہم کو ان سے بدگمانی نہ کرنی چاہیے جب تک ہم پر ان کا پورا حال نہ کھل جائے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کا کفر اور نفاق ظاہر کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ اے مسلمانو ان منافقوں کے بارہ میں دوگروہ کیوں ہوگئے یہ لوگ تو ایسے پکے کافر ہیں کہ تم کو بھی کافر اور گمراہ بنانے کی فکر میں ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۵/۳۰۶ وتفسیر کبیر: ۳/۲۸۹ وروح المعانی: ۵/۹۷)۔

دوسری روایت:...... آنحضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ تشریف لے جانے سے قبل ہلال بن عویمر اسلمی سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ نہ آپ کو مدد دے گا اور نہ آپ ﷺ کے مقابلہ میں کسی کو مدد دے گا اور جو شخص ہلال کے پاس چلا جائے اور اس کی پناہ پکڑے تو اس کو ہماری طرف سے ایسی ہی پناہ ہوگی جیسے خود ہلال کو خواہ وہ شخص اس کی اپنی قوم کا ہو یا نہ ہو یا کسی غیر قوم کا اس پر یہ آیتیں ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ... الی... فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا﴾ نازل ہوئیں۔ (تفسیر قرطبی: ۵/۳۰۹ وتفسیر کبیر: ۳/۲۹۱)

تیسری روایت:...... عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آیت ﴿سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ﴾ الخ اسد اور غطفان کے بارہ میں نازل ہوئی یہ لوگ جب مدینہ آتے تو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تا کہ ان کو مسلمانوں سے کسی قسم کا مضرت نہ پہنچے اور جب اپنی قوم میں جاتے تو کفر کا اظہار کرتے اور ان جیسی کہتے تا کہ ان سے بھی امن رہے اور جب ان کی قوم کا کوئی آدمی

پوچھتا کہ تم کس چیز پر ایمان لائے ہو تو کہتے ہم بندر اور بچھو پر ایمان لائے ﴿سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ﴾ میں اس فرقہ کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۵/۳۱۱)

خلاصۂ کلام یہ کہ اس رکوع کی آیتیں ان تین گروہوں کے بارہ میں نازل ہوئیں جن کا ذکر ان روایات میں گزرا اب ان آیات کی تفسیر دیکھیے۔

پہلے فرقہ کا بیان

پس اے مسلمانو جب تم نے ان منافقین کے کفر اور ارتداد اور ان کی باطنی خباثت کو ظاہر طور پر دیکھ لیا تو تمہیں کیا ہوا کہ ان منافقین کے بارہ میں تم دو گروہ ہو گئے ایک فریق ان کو مسلمان بتاتا ہے اور دوسرا کافر حالانکہ ان سے ایسی باتیں ظہور میں آچکی ہیں جو ان کے کفر اور نفاق کی صریح دلیل ہیں لہٰذا تم کو ان کے کفر میں شک نہ کرنا چاہیے۔

ف:...... ان [1] لوگوں کو گزشتہ حالت کے اعتبار سے منافقین کہا گیا ہے ورنہ جب کفر واضح ہوا اور ظاہر ہو تو اب کافر کہلائیں گے اور ان کے ساتھ منافقین کا سا معاملہ نہیں کیا جائے گا بلکہ کھلے کافروں کے احکام ان پر جاری ہوں گے (روح المعانی: ۵/۹۷)

غرض یہ کہ جب ان منافقین کا پردہ چاک ہو چکا ہے تو تم ان کے بارہ میں کیوں اختلاف کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے اعمال قبیحہ کی بدولت علانیہ کفر کی طرف لوٹا دیا ہے اسلام کی راہ راست چھوڑ کر الٹے کفر میں جا پڑے اور کافروں سے جا ملے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جس کو خدا نے گمراہ کیا تم اس کو راہ راست پر لے آؤ اور جس کو خدا گمراہ کرے تو اے مخاطب تو اس کو ہدایت پر لانے کی کوئی سبیل نہ پائے گا یہ بدنصیب کہاں راہ راست پر آسکتے ہیں ان کا حال تو یہ ہے کہ یہ ازلی گمراہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی انہی جیسے کافر ہو جاؤ اور پھر تم اور وہ گمراہی میں سب برابر اور یکساں ہو جاؤ بھلا ایسے لوگوں کے کفر میں کیوں شک اور اختلاف کرتے ہو اب آگے ان منافقین کے بارہ میں حکم دیتے ہیں پس جب ان منافقین کی یہ حالت ہے تو تم ان منافقین میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ یعنی ان کے ساتھ مسلمانوں جیسے دوستانہ تعلقات نہ رکھو تاوقتیکہ یہ لوگ خدا کی راہ میں ہجرت نہ کریں یعنی تاوقتیکہ خدا کی راہ میں گھر بار اور خویش و اقارب کو چھوڑ کر مومن مخلص نہ بن جائیں اس وقت تک ان کو اپنا دوست نہ بناؤ ابتداء اسلام میں تکمیل ایمان کے لیے ہجرت بھی فرض تھی بغیر ہجرت کے ایمان معتبر نہ تھا پس اگر وہ اسلام اور ہجرت سے منہ موڑیں اور اپنے کفر پر قائم رہیں تو تم ان کو پکڑو یعنی قید کرو اور اسیر بناؤ اور ان کو قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ ان کا قتل حل اور حرم دونوں جگہ مباح ہے اور ان میں سے کسی کو نہ اپنا دوست بناؤ اور نہ مددگار کیونکہ سب تمہارے دشمن ہیں یہ تمہارے دوست اور مددگار کیوں بننے لگے مطلب یہ ہے کہ ان سے کوئی تعلق نہ رکھو اور نہ ان سے کوئی مدد مانگو۔

---

[1] ذکرہم بعنوان النفاق باعتبار وصفہم السابق (روح المعانی: ۵/۹۷)

دوسرے فرقہ کا بیان

مگر ان میں کے جو کافر ان لوگوں سے جا ملیں جن کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے یہ استثناء قید اور قتل کے حکم سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان منافقین کو جہاں پاؤ گرفتار کرو اور قتل کرو لیکن جو منافق ان لوگوں کی پناہ میں چلے جائیں جن کے ساتھ تمہارا صلح کا عہد ہے تو ان کو قتل نہ کرنا کیونکہ جب تمہارے ہم عہدوں کی پناہ میں آ گئے تو حکماً ان کے ساتھ بھی تمہارا عہد ہوگا حلیف کا حلیف بھی ایک درجہ میں حلیف ہوتا ہے ان کو قتل کرنا اور ایک قسم کی عہد شکنی ہوگی یا وہ منافق تمہارے پاس ایسی حالت میں آئیں کہ ان کے سینے تمہارے ساتھ لڑنے سے اور اپنی قوم کے ساتھ بھی لڑنے سے تنگ ہوں یعنی جو کافر اور منافق ایسے ہوں کہ نہ تو اپنی قوم کے ساتھ ہو کر تم سے لڑیں اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں بلکہ حقیقۃً غیر جانبدار رہیں تو ان لوگوں کو بھی تم قتل نہ کرنا کیونکہ جب ان سے تمہیں نقصان کا اندیشہ نہیں تو پھر ان کے قتل کی ضرورت نہیں خلاصہ کلام یہ کہ جو تم سے بالواسطہ یا بلا واسطہ صلح کا خواستگار ہو تو وہ حکم اخذ اور قتل سے مستثنیٰ ہے کیونکہ باوجود قوت اور قدرت کے ان کا یکسو اور غیر جانبدار رہنا انکے امن پسندی کی دلیل ہے اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر ضرور مسلط کر دیتا پھر وہ ضرور ہی تم سے لڑتے یعنی یہ خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ باوجود قوت وقدرت کے ان کا دل تمہارے ساتھ لڑنے سے تنگ کر دیا اور تمہاری ہیبت ان کے دل میں ڈال دی ورنہ وہ تم سے ضرور لڑتے پس خدا کی اس نعمت کا شکر کرو کہ اس نے تم کو اس پریشانی سے بچا لیا اور لہٰذا تم ان سے تعرض نہ کرو پس اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں اور تمہارے ساتھ نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام ڈالیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر دست درازی کی کوئی راہ نہیں رکھی یعنی اس صورت میں ان سے لڑنے کی خدا نے اجازت نہیں دی۔

تیسرے فرقہ کا بیان

عنقریب تم ان کے علاوہ کچھ ایسے چالاک اور عیار لوگوں کو پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں یہ قبیلہ اسد اور غطفان کا حال بیان فرمایا کہ جب مدینہ آتے ہیں تو اسلام ظاہر کرتے ہیں اور جب اپنی قوم کے پاس جاتے ہیں تو ان کی سی کہتے ہیں تاکہ ہر طرف سے امن میں رہیں۔

مگر ان منافقوں کا حال یہ ہے کہ جب کبھی بھی فساد اور فتنہ کی طرف بلائے جاتے ہیں تو اس میں اوندھے ہو کر گرتے ہیں یعنی جب کبھی ان کو اسلام کے مقابلہ اور مسلمانوں سے لڑنے کے لیے بلایا جاتا ہے تو افتاں وخیزاں یعنی نہایت خوشی کے ساتھ تم سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں غرض یہ کہ بڑے مفسد اور چالاک ہیں پس اگر یہ لوگ تم سے یکسو اور کنارہ کش نہ ہوں اور اپنی شرارت سے باز نہ آئیں اور تمہاری طرف سے صلح کا پیغام نہ ڈالیں اور تمہاری لڑائی سے اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں تو تم ان کو پکڑو اور جہاں کہیں بھی ان کو پاؤ قتل کرو اور یہی لوگ ہیں کہ ہم نے تم کو ان کے قتل کرنے کی صریح حجت اور واضح سند دی ہے یعنی ان کی عہد شکنی نے تمہارے لیے ان کے قتل کو جائز کر دیا ہے جب ان کی عداوت اور خباثت اور عہد شکنی اور غداری اور مکاری واضح ہو گئی تو اللہ نے تم کو ان کے پکڑنے اور قتل کرنے کی اجازت دے دی ایسے لوگوں سے درگزر مت کرو تمہارے ہاتھ تو صریح حجت آ گئی کہ انہوں نے اپنا عہد خود توڑ ڈالا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ

اور مسلمان کا کام نہیں کہ قتل کرے مسلمان کو مگر غلطی سے ف۱ اور جو قتل کرے مسلمان کو غلطی سے تو آزاد کرے گردن

اور مسلمان کا کام نہیں کہ مار ڈالے مسلمان کو، مگر چوک کر۔ اور جس نے مارا مسلمان کو چوک کر، تو آزاد کرنی گردن

مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ

ایک مسلمان کی اور خون بہا پہنچائے اس کے گھر والوں کو مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں پھر اگر مقتول تھا ایسی قوم میں سے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں

ایک مسلمان کی اور خون بہا پہنچانی اس کے گھر والوں کو، مگر کہ وہ خیرات کریں۔ پھر اگر وہ تھا ایک قوم میں کہ تمہارے دشمن ہیں

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ

اور خود وہ مسلمان تھا تو آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی اور اگر وہ تھا ایسی قوم میں سے کہ تم میں اور ان میں عہد ہے تو خون بہا

اور آپ مسلمان تھا، تو آزاد کرنی گردن مسلمان کی۔ اور اگر وہ تھا ایک قوم میں کہ تم میں اور ان میں عہد ہے، تو خون بہا

فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ

پہنچائے اس کے گھر والوں کو اور آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی پھر جس کو میسر نہ ہو تو روزے رکھے دو مہینے

پہنچانا اس کے گھر والوں کو، اور آزاد کرنی گردن ایک مسلمان کی۔ پھر جس کو پیدا نہ ہو تو روزہ دو مہینے لگتے،

مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿92﴾

کے برابر گناہ بخشوانے کو اللہ سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ف۲

بخشوانے کو اللہ سے، اور اللہ جانتا سمجھتا ہے۔

ف۱ اس موقع پر قتل خطا کے احکام بیان فرمائے جاتے ہیں اور یہ کہ کلمہ اسلام کہنے والے کو قتل کرنا گناہ عظیم ہے۔ ہاں اگر غلطی سے مارا گیا تو مجبوری کی بات ہے اور اس کے احکام یہ ہیں اور اسی کے ذیل میں مجاہدین کی فضیلت اور دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنے کی ضرورت اور سفر اور خوف کی نماز کی کیفیت بیان فرمائی جاتی ہے۔

فائدہ: قتل خطا یعنی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دینے کی کئی صورتیں ہیں مثلاً غلطی سے مسلمان کو شکار سمجھ کر مار ڈالا یا تیر اور گولی شکار پر چلائی چوک کر کسی مسلمان کے جا لگی۔ ایک صورت قتل خطا کی یہ بھی ہے کہ ایک مسلمان کافروں میں ہو اور اس کو کوئی مسلمان کافر سمجھ کر بوجہ لاعلمی قتل کر ڈالے اور یہاں اسی صورت کا بیان فرمانا مقصود ہے۔ مجاہدین کو یہ بات اکثر پیش آ جاتی ہے اور آیات سابقہ کے یہی مناسب ہے جو قتل خطا کی اور صورتوں کا بھی حکم یہی ہے وہ صورتیں بھی اس میں آ گئیں۔

ف۲ اس آیت میں قتل خطا کے دو حکم بتلائے گئے ایک تو آزاد کرنا بردہ مسلمان کا اور اس کا مقدور نہ ہو تو دو مہینے متصل روزے رکھنا یہ کفارہ ہے خدا تعالیٰ کی جناب میں اپنی خطا کا۔ دوسرے اس مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا یہ ان کا حق ہے۔ ان کے معاف کرنے سے معاف بھی ہو سکتا ہے اور کفارہ کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہو سکتا۔ اس کے متعلق تین صورتیں ہو سکتی ہیں کیونکہ جس مسلمان کو غلطی سے قتل کیا اس کے وارث مسلمان ہوں گے یا کافر۔ اگر کافر ہیں تو ان سے مصالحت ہے یا دشمنی۔ اول دونوں صورتوں میں مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا پڑے گا۔ تیسری صورت میں خون بہا لازم نہ ہوگا اور کفارہ سب صورتوں میں ادا کرنا ہوگا۔

فائدہ: خون بہا مذہب حنفی میں تخمیناً دو ہزار سات سو چالیس روپے ہوتے ہیں یہ روپیہ قاتل کی برادری کو تین برس میں متفرق طور پر دینا ہوگا مقتول کے وارثوں کو۔

حکم بست و چہارم بہ قتل خطا

قَالَ تَعَالٰی : ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا ... الی ... وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں کافروں اور منافقوں کے قتل کی اجازت دی تھی اب ان آیات میں مومنین کے قتل کی ممانعت فرماتے ہیں اور چونکہ بعض اوقات لڑائی میں ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو غلطی اور خطاء سے کافر سمجھ کر مار ڈالتا ہے اس لیے ان آیات میں کچھ احکام قتل خطاء کے متعلق بیان فرماتے ہیں اور اسی ذیل میں دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کی ضرورت اور سفر اور خوف کی نماز کی کیفیت کو بھی بیان فرماتے ہیں۔

شان نزول:...... اس آیت کے شان نزول میں مفسرین نے تین روایتیں نقل کی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

پہلی روایت:...... یہ آیت عیاش بن ربیعہ مخزومی کے بارہ میں نازل ہوئی جو ابوجہل کا اخیافی بھائی تھا جس کا سبب یہ ہوا کہ ہجرت سے پیشتر جب آنحضرت ﷺ مکہ میں تھے عیاش، آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا مگر گھر والوں کے ڈر سے اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا اور جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مکہ سے مدینہ آ گئے تو عیاش بن ابی ربیعہ بھی مدینہ آ گیا اور اپنے بھائیوں کے ڈر کے مارے کسی قلعہ میں چھپ کر رہنے لگا۔ عیاش کی ماں کو جب اس کی خبر ملی تو اس کو سخت قلق ہوا اور عیاش کے غم میں کھانا پینا چھوڑ دیا اور اپنے دونوں بیٹوں حارث اور ابوجہل کو جو عیاش کے اخیافی بھائی تھے عیاش کو واپس لانے کے لیے روانہ کیا اور ماں نے یہ قسم کھائی کہ جب تک تم عیاش کو میرے پاس واپس نہ لاؤ گے میں چھت کے نیچے نہیں بیٹھوں گی اور نہ دانہ پانی کا مزہ چکھوں گی ماں کا یہ کلام سن کر دونوں بھائی عیاش کی تلاش میں روانہ ہوئے اور حارث بن زید بن امیہ کنانی بھی انکے ساتھ ہو لیے۔ بالآخر پتہ لگا کر یہ تینوں مدینے پہنچے اور عیاش سے جا کر ملے عیاش قلعہ میں روپوش تھا ان تینوں نے باہر سے کہا کہ تو قلعہ سے نیچے اتر آ جب سے تو اپنی ماں سے جدا ہوا ہے اس وقت سے تیری ماں چھت کے نیچے بیٹھی ہے اور نہ اس نے دانہ پانی کا مزہ چکھا اور اس نے یہ قسم کھائی ہے کہ جب تک تو اس کے پاس لوٹ کر نہیں جائے گا اس وقت تک دانہ پانی اس پر حرام ہے اور ہم خدا کو درمیان میں ڈال کر تجھ سے عہد کرتے ہیں کہ تجھ کو کسی ایسی بات پر مجبور نہیں کریں گے جو تیرے دین کے خلاف ہو۔ عیاش نے جب ماں کی بے قراری اور بے چینی کا حال سنا تو دل بھر آیا اور قلعہ سے اتر کر ان کے پاس آ گیا اور ان کے ساتھ ہو لیا مدینہ سے باہر نکلنے کے بعد انہوں نے عیاش کو ایک تسمہ میں باندھ دیا اور تینوں میں سے ہر ایک نے عیاش کو سو کوڑے لگائے اور اس طرح اس کو اس کی ماں کے پاس لے گئے ماں نے دیکھ کر یہ کہا کہ میں تجھے اس وقت تک نہ کھولوں گی جب تک اس کا انکار نہ کرے جس پر تو ایمان لایا ہے اور ہاتھ پاؤں باندھ کر دھوپ میں چھوڑ دیا اور عرصہ تک اس کو تکلیف دیتے رہے بالآخر عیاش نے مجبور ہو کر بادل نخواستہ جبراً وقہراً جو انہوں نے کہلایا کہہ دیا۔

اس پر حارث بن زید نے (جو نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھا) اس کو چھیڑا اور کہا اے عیاش جس دین پر تو تھا اگر وہ راہ ہدایت تھا تو تو نے ہدایت کو کیوں چھوڑا اور اگر وہ گمراہی تھا تو اتنے دنوں گمراہی پر رہا اس

پر عیاش کو سخت طیش آیا اور یہ قسم کھائی کہ اگر بخدا تو مجھے کہیں تنہائی میں مل گیا تو میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ بعد چندے عیاش نے دوبارہ اسلام قبول کیا اور ہجرت کر کے مدینہ چلا گیا اور اس کے بعد اللہ نے حارث بن زید کو بھی اسلام کی توفیق بخشی اور وہ بھی مسلمان ہو کر مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہجرت کر کے حاضر ہوا اتفاق سے اس دین عیاش مدینہ میں موجود نہ تھا اس کو حارث کے مسلمان ہونے کی خبر نہ ہوئی۔ ایک دن عیاش قبا کو جا رہا تھا اتفاقاً اس کو حارث مل گیا عیاش نے اس کو قتل کر دیا اور اپنی قسم کو پورا کیا جب لوگوں کو اس کا علم ہوا تو عیاش کو ملامت کی کہ تو نے یہ کیا کیا حارث رضی اللہ عنہ تو مسلمان تھا عیاش رضی اللہ عنہ یہ سنتے ہی حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ ﷺ کو میرا اور حارث کا قصہ معلوم ہے لیکن جب میں نے اس کو قتل کیا تو مجھے اس کے مسلمان ہونے کی خبر نہ تھی اور اپنی اس غلطی اور لاعلمی پر ندامت ظاہر کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر در منثور: ۲/ ۱۹۲) وھکذا تفسیر القرطبی مختصر: ۵/ ۳۱۳ وتفسیر ابن کثیر: ۱/ ۵۳۴)

دوسری روایت: ...... یہ ہے کہ یہ آیت حذیفہ بن یمان کے والد کے بارہ میں نازل ہوئی جو جنگ احد میں مسلمانوں کی غلطی سے مارے گئے مسلمانوں نے غلطی سے ان کو کافر سمجھ کر ان پر تلواریں چلائیں حذیفہ نے دور سے دیکھ کر یہ کہا بھی کہ یہ میرے باپ ہیں مگر ہنگامہ میں کوئی نہ سمجھا یہاں تک کہ وہ قتل ہو گئے جب وہ قتل ہو گئے تب معلوم ہوا کہ یمان مسلمان تھے حذیفہ نے ان کو تسلی دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطی اور خطا معاف کرے مسلمانوں کو جب اپنی اس غلطی کا علم ہوا تو بہت سخت ملول ہوئے اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

تیسری روایت: ...... یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی جس کا سبب یہ ہوا کہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کسی لشکر میں تھے اتفاقاً اپنے لشکر سے جدا ہو کر کسی ضرورت سے پہاڑ کی ایک گھاٹی میں گئے وہاں ایک شخص کو دیکھا جو اپنی بکریاں چرا رہا تھا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے اس پر تلوار چلائی اس نے کہا "لا الہ الا اللہ" ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ محض اپنی جان بچانے کے لیے یہ کہہ رہا ہے اس لیے اس کو قتل کر دیا آنحضرت ﷺ سے آ کر اس کو ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا تب ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو اور بھی ندامت ہوئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر در منثور: ۲/ ۱۹۳ وتفسیر ابن کثیر: ۱/ ۵۳۴)

غرض یہ کہ آیت کا جو بھی شان نزول ہو سب کا ماحصل یہ ہے کہ کسی مومن کو کسی مومن کا قتل کرنا ہرگز ہرگز درست نہیں مگر بھول چوک سے اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کافر سمجھ کر یا کسی اور غلطی کی بناء پر قتل کر ڈالے تو وہ معذور ہے لیکن دیت اور کفارہ واجب ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور کسی مسلمان کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی اور بھول چوک سے اگر ایسا ہو جائے وہ اور بات ہے اب آگے قتل خطا کے کچھ احکام بیان کرتے ہیں۔

حکم اول

اور جو شخص کسی مسلمان کو بلا قصد غلطی سے قتل کر دے تو اس غلطی کا کفارہ یہ ہے کہ ایک تو اس پر ایک مسلمان بردہ یعنی مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا واجب ہے اور دوسرے اس قتل کرنے والے پر دیت (خون بہا) بھی واجب ہے جو

مقتول کے گھر والوں کے حوالہ اور سپرد کی جائے یعنی مقتول کے وارثوں کو بقدر حصص میراث دیت ان کے حوالہ کی جائے اور اگر کوئی وارث نہ ہو تو بیت المال قائم مقام وارثوں کے ہے مگر یہ کہ اولیاء مقتول دیت اور خون بہا کو معاف کر دیں تو معاف ہے پھر اس کا مطالبہ نہیں خواہ وہ کل دیت معاف کر دیں یا بعض اتنی ہی معاف ہو جائے گی۔

حکم دوم

پھر اگر وہ مقتول خطاء اس گروہ سے ہو جو تمہارے دشمن ہیں یعنی دار الحرب کا باشندہ ہو اور وہ مقتول شخص خود بذاتہ مومن ہے جو خود مسلمان تھا مگر دار الحرب میں رہتا تھا اور کسی وجہ سے ہجرت کر کے دار الاسلام میں نہیں آیا تھا کسی مسلمان نے اس کو اپنا دشمن سمجھ کر مار ڈالا تو قاتل پر صرف کفارہ واجب ہے یعنی صرف ایک مسلمان بردہ کا آزاد کرنا اس پر واجب ہے دیت واجب نہیں اس لیے کہ حربی کا کوئی حق نہیں جو اس کی دیت واجب ہو البتہ بحق اسلام اس کے قتل کا کفارہ دینا ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیاس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ صورت مذکورہ میں فقط کفارہ واجب ہو اور دیت واجب نہ ہو اس لیے کہ اگر دار الحرب میں رہنے والے مسلمان کے قتل میں دیت واجب کی جاتی تو جو لوگ دار الحرب میں غزوہ کرنے جاتے تو اس بات پر مجبور ہوتے کہ غزوہ کرنے سے پہلے امر کی تحقیق کریں کہ کون مسلمان ہے اور کون کافر اور مشرک ہے اور یہ امر نہایت دشوار ہے مجاہدین کو سخت تنگی اور ضیق میں ڈالنے والا ہے لہٰذا حق تعالیٰ نے دار الحرب میں رہنے والے مسلمان کے قتل میں دیت واجب نہیں کی تاکہ لوگ احتیاط کے خیال سے جہاد اور غزوہ سے پرہیز نہ کرنے لگیں البتہ بحق اسلام اس پر کفارہ واجب کر دیا۔ یہ کفارہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ تم نے اس کے ایک مسلمان بندہ کو مار ڈالا۔ (تفسیر کبیر: ۳/۲۹۸)

حکم سوم

اور اگر وہ مسلمان مقتول جو غلطی سے مارا گیا اس گروہ سے ہو جن کے اور تمہارے درمیان کسی قسم کا کوئی عہد اور پیمان ہو تو قاتل پر ایک تو دیت خون بہا واجب ہوگا جو اس مقتول کے وارثوں کو پہنچائی جائے اگر اس مسلمان مقتول کے مسلمان وارث موجود ہوں تو دیت ان کو پہنچا دی جائے اور اگر اس مقتول کے اقارب مسلمان نہ ہوں تو پھر یہ دیت ان کو نہ دی جائے اگرچہ وہ معاہدہ ہی کیوں نہ ہو اور علاوہ دیت کے ایک مسلمان بردہ کا آزاد کرنا بھی واجب ہے مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں دیت اور کفارہ دونوں واجب ہیں پس جس شخص کو آزاد کرنے کے لیے بردہ غلام یا لونڈی میسر نہ آئے تو اس پر بجائے اس آزاد کرنے کے متواتر (لگاتار) دو مہینہ کے روزے واجب ہیں جمہور کے نزدیک روزے صرف بردہ کا بدل ہیں دیت مفلس اور مالدار ہر ایک پر واجب ہے۔ لیکن مسروق رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک کفارہ اور دیت دونوں کا بدل ہیں یہ حکم اللہ کی طرف سے خطا کرنے والے کی توبہ کے لیے مشروع اور مقرر ہوا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے کہ وہ خطاء اور غلطی کی مقدار اور کمیت اور اس کی حقیقت اور کیفیت کو خوب جانتا ہے اور اس نے جو دیت اور کفارہ کا حکم دیا ہے اس میں بڑی حکمت ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں (ایک قول) تو یہ ہے کہ ﴿وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ میں ضمیر کان مقتول مومن کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر وہ مقتول خطاء مومن ہو مگر اس قوم سے ہو کر

تمہارے اوران کے درمیان عہد ہوتم پر اس کی دیت اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

حسن بصری اور جابر بن زید اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ وغیرہم کا یہی قول ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ابتداء سے سلسلہ کلام قتل مومن کے بارہ میں آ رہا ہے لہٰذا ضمیر مقتول مومن ہی کی طرف راجع کرنا اولیٰ ہوگا نیز ایک قراءت میں اسی طرح آیا ہے "وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَهُوَ مُؤْمِنٌ" امام قرطبی: ۳۲۵/۵ فرماتے ہیں کہ حسن بصری کی قراءت میں اسی طرح آیا ہے اور ابوحیان فرماتے ہیں کہ حسن بصری کی قراءت میں اس طرح آیا ہے "وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَهُوَ مُؤْمِنٌ" اور اس کو مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ (البحر المحیط: ۳۲۵/۳)

اور امام فخر الدین رازی اور شیخ الاسلام ابوالسعود اور علامہ آلوسی رحمہم اللہ وغیرہم نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور اس ناچیز نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے اور مطلب یہ ہوا کہ آیت میں قتل مومن خطا کی تین صورتیں مذکور ہوئیں اول یہ کہ جس مسلمان کو غلطی سے مارا گیا اس کے وارث مسلمان ہیں تو اس صورت میں دیت اور کفارہ دونوں واجب ہوں گی دوم یہ کہ اس مسلمان مقتول کے وارث ایسے کافر ہیں جن سے تمہارا کوئی عہد اور پیمان ہے تو اس صورت میں بھی دیت (خون بہا) اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے سوم یہ کہ اس مسلمان مقتول کے وارث ایسے کافر ہیں جن سے تمہاری دشمنی ہے تو اس صورت میں صرف کفارہ واجب ہوگا اور دیت (خون بہا) دینا لازم نہ ہوگا۔

دوسرا قول: ...... یہ ہے کہ ﴿وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ کی ضمیر ایسے مقتول کافر کی طرف راجع ہے کہ جو ذمی یا معاہد ہو یہ قول ابن عباس اور شعبی اور نخعی اور امام شافعی کا ہے اور اس کو امام ابن جریر طبری نے اختیار کیا ہے کیونکہ گزشتہ آیت کی طرح اس آیت میں "وھو مومن" کی قید مذکور نہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۳۲۵/۵)

امام ابوبکر جصاص رازی نے احکام القرآن: ۲۴۲/۲ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ فقہاء حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ کافر ذمی اور معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عمل رہا کہ کافر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر دینے کا حکم دیتے تھے (احکام القرآن للجصاص: ۲۳۹/۲)

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے بیان القرآن میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ

اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے پڑا رہے گا اسی میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی

اور جو کوئی مارے مسلمان کو قصد کر کر، تو اس کی سزا دوزخ ہے، پڑا رہے اس میں، اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی،

وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب ف۱

اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب۔

ف۱ یعنی اگر ایک مسلمان دوسرے کو غلطی سے نہیں بلکہ قصداً اور مسلمان معلوم کرنے کے بعد قتل کرے گا تو اس کے لئے آخرت میں جہنم اور لعنت اور عذاب عظیم =

تتمہ حکم سابق - تہدید شدید و وعید اکید بر قتل عمد مومن را

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا... الی... عَذَابًا عَظِيْمًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں قتل خطا کے احکام مذکور ہوئے اب اس آیت میں کسی مومن کو عمداً قتل کرنے کی وعید مذکور ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرڈالے تو دنیاوی حکم تو اس کا قصاص ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزرا اور حکم اخروی اس کا یہ ہے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور اللہ اس پر لعنت کرے گا یعنی اس کو اپنی خاص رحمت سے دور کردے گا اور اس نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کیا ہے جو دوسرے کبائر کے عذاب سے بہت بڑھ کر ہے اور اس آیت میں جو حکم مذکور ہے وہ اس شخص کے لیے ہے جو شخص جان بوجھ کر بلاوجہ کسی مومن کو مار ڈالے اور پھر بغیر توبہ کے مرجائے تو وہ طویل مدت تک دوزخ میں رہے گا اس لیے کہ توبہ سے تو ہر گناہ معاف ہوجاتا ہے حتی کہ کفر اور شرک بھی معاف ہوجاتا ہے کل قرآن کا طرز بیان ایسا ہی ہوا ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی گناہ کی سزا بیان کی گئی ہے اس کے ساتھ عدم توبہ شرط ہے خواہ وہ شرط لفظوں میں مذکور ہو یا نہ ہو خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾ تحقیق اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشتا ظاہر ہے کہ شرک اس حالت میں نہیں بخشا جائے گا جب کہ مشرک بغیر توبہ کے مرجائے اس لیے کہ توبہ سے شرک کا بخشا جانا قطعی اور یقینی ہے ہر جگہ اس شرط کے ذکر کرنے کی اس لیے ضرورت نہیں کہ توبہ سے ہر گناہ بخشا جانا اسلام کے اصول مسلمہ میں ہے اور خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں جابجا اس کی تصریح فرمادی کہ توبہ سے ہر گناہ معاف ہوجاتا ہے کما قال تعالی: ﴿وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ یعنی میں بلاشبہ اس کو معاف کرنے والا ہوں جس نے توبہ کرلی اور ایمان لے آیا اور آئندہ کو نیک کام کیے یہ حکم تو عمومی ہے جس میں کفر اور شرک اور تمام اعمال قبیحہ سب اس میں داخل ہیں اور سورۂ فرقان میں تو اسی قتل کے بارہ میں فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾۔

نیز اس آیت میں خلود سے طویل مدت تک دوزخ میں رہنا مراد ہے کافروں کی طرح غیر محدود اور ابدی طور پر رہنا مراد نہیں اس لیے کہ احادیث متواترہ سے یہ امر ثابت ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا اور اسی پر تمام سلف اور خلف کا اجماع اور سب اس کے قائل ہیں کہ آیت میں خلود سے زیادہ مدت تک رہنا مراد ہے قاتل کے خلود اور کافر کے خلود میں فرق ہے کافر کا خلود ابدی ہے اس وجہ سے قرآن کریم میں کافروں کے خلود کے ساتھ "اَبَدًا" کا لفظ آیا ہے اور قاتل کا خلود غیر ابدی ہے۔

اور ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ سورۂ فرقان میں قتل نفس پر توبہ کا ذکر ہے وہ اس شخص کے حق میں ہے جس نے

= ہے کفارہ سے اس کی رہائی نہیں ہوگی۔ باقی رہی دنیاوی سزا وہ سورۂ بقرہ میں گزر چکی۔

فائدہ: جمہور علماء کے نزدیک خلود اس کے لئے ہے جو مسلمان کے قتل کو حلال سمجھے کیونکہ اس کے کفر میں شک نہیں یا خلود سے مراد یہ ہے کہ مدت دراز تک جہنم میں رہے گا یا وہ شخص مستحق تو اسی سزا کا ہے آگے اللہ مالک ہے جو چاہے کرے۔ واللہ اعلم

حالت شرک میں کسی کو قتل کیا اور بعد میں توبہ کی تو اس کی توبہ قبول ہے اور یہ آیت یعنی ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۤؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾۔ اس شخص کے حق میں ہے جو مومن ہو پھر دوسرے مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس میں کوئی تاویل بھی نہیں اور نہ یہ آیت منسوخ ہے بلکہ آیات مغفرت کے لیے ناسخ ہے۔

محققین کی رائے یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول تغلیظ اور تشدید پر محمول ہے تا کہ لوگ اس وعید کو سن کر قتل مؤمن پر جرأت نہ کریں ورنہ آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ اور احادیث اس بارہ میں صریح ہیں کہ کفر اور شرک سے کم درجہ سے جو گناہ ہیں وہ اللہ کی مشیت میں ہیں چاہے اللہ ان کو معاف کرے اور چاہے ان کو عذاب دے گزشتہ امتوں میں سے ایک شخص کا سو آدمیوں کا قتل کرنا اور پھر اس سے توبہ کرنا اور پھر اس کی توبہ کا مقبول ہونا بخاری اور مسلم میں مذکور ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ

اے ایمان والو ! جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کرلیا کرو اور مت کہو اس شخص کو جو تم سے

اے ایمان والو ! جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کرو، اور مت کہو جو شخص تمہاری طرف

السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ

سلام علیک کرے کہ تو مسلمان نہیں تم چاہتے ہو اسباب دنیا کی زندگی کا سو اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں ہیں ف۱ تم بھی تو ایسے ہی تھے

سلام علیک کرے، کہ تو مسلمان نہیں۔ چاہتے ہو مال دنیا کی زندگی کا، تو اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں ہیں۔ تم ایسے ہی

كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اس سے پہلے پھر اللہ نے تم پر فضل کیا سو اب تحقیق کرلو ف۲ بیشک اللہ تمہارے کاموں سے

تھے پہلے، پھر اللہ نے تم پر فضل کیا۔ سو اب تحقیق کرو۔ اللہ تمہارے کام سے

ف۱ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج کو ایک قوم پر جہاد کے لئے بھیجا اس قوم میں ایک شخص مسلمان تھا جو اپنا مال و اسباب اور مویشی ان میں سے نکال کر علیحدہ کھڑا ہو گیا تھا اس نے مسلمانوں کو دیکھ کر السلام علیکم کہا مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ یہ بھی کافر ہے اپنی جان اور مال بچانے کی غرض سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے اس لئے اس کو مارڈالا اور اس کے مویشی اور اسباب سب لے لیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو تنبیہ اور تاکید فرمائی گئی کہ جب تم جہاد کے لئے سفر کرو تو تحقیق سے کام لو۔ بے سوچ سمجھے کام مت کرو جو تمہارے سامنے اسلام ظاہر کرے اس کے مسلمان ہونے کا ہرگز انکار مت کرو۔ اللہ کے پاس بہت کچھ غنیمتیں ہیں ایسے حقیر سامان پر نظر نہ کرنی چاہئے۔

ف۲ تم ایسے ہی تھے اس سے پہلے یعنی اسلام سے پہلے دنیا کی غرض سے ناحق خون کیا کرتے تھے لیکن اب مسلمان ہو کر ہرگز ایسا نہ کرنا چاہیے بلکہ جس پر مسلمان ہونے کا احتمال بھی ہو تو اس کے قتل سے بچو یا یہ مطلب ہے کہ اس سے پہلے شروع زمانہ اسلام میں تم بھی کافروں کے شہر میں رہتے تھے۔ تمہاری مستقل حکومت اور مستقل بود و باش نہ تھی تو جیسا اس حالت میں تمہارا اسلام معتبر سمجھا گیا اور تمہارے جان و مال کی حفاظت و رعایت کی گئی ایسا ہی اب تم کو بھی اس طرح کے مسلمانوں کی رعایت و حفاظت لازم ہے بلا تحقیق ان کو قتل مت کرو احتیاط اور غور سے کام کرنا چاہئے۔

خَبِیْرًا ﴿۹۴﴾ لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ

خبردار ہے ف۱ برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان جن کو کوئی عذر نہیں اور وہ مسلمان جو لڑنے والے ہیں

واقف ہے۔ برابر نہیں بیٹھنے والے مسلمان جن کو بدن کا نقصان نہیں، اور لڑنے والے

سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَی

اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے اللہ نے بڑھا دیا لڑنے والوں کا اپنے مال اور جان سے

اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے۔ اللہ نے بڑائی دی لڑنے والوں کو اپنے مال اور جان سے۔ ان پر جو

الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ

بیٹھ رہنے والوں پر درجہ اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا اور زیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں سے

بیٹھے ہیں، درجہ میں۔ اور سب کو وعدہ دیا اللہ نے خوبی کا۔ اور زیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھنے والوں سے

اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۹۶﴾ ع ۱۳ / ۱۰

اجر عظیم میں جو کہ درجے ہیں اللہ کی طرف سے اور بخشش ہے اور مہربانی ہے ف۲ اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان ف۳

بڑے ثواب میں۔ بہت درجوں میں اپنے ہاں کے، اور بخشش میں اور مہربانی میں، اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

حکم بست وپنجم وجوب احتیاط در قتل مسلم

قَالَ تَعَالٰی: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ... الی... كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾

ربط: ...... یہ بھی حکم سابق کا تتمہ ہے کہ مسلمان کا قتل قطعاً حرام ہے مجاہدین کو چاہیے کہ جہاد میں غایت درجہ احتیاط کریں اثناء سفر میں اگر کوئی شخص تم کو ملے اور تم کو مسلمانوں کے طریقہ سے سلام کرے یا زبان سے شہادت کا کلمہ پڑھے تو تم یہ گمان کر کے کہ اس کا یہ فعل محض جان بچانے کے لیے ہے اس کے قتل پر جرأت نہ کرو جیسا کہ بعض غزوات میں بعض لوگوں

ف۱ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر اعمال اور دلی اغراض سب پر مطلع ہے تو اب جس کو قتل کرو محض اللہ کے حکم کے موافق قتل کرو۔ اپنی کسی غرض کا اصلا دخل نہ ہو اور یہ بھی مقصد ہے کہ اگر کوئی کافر فقط اپنے جان و مال کے خوف سے تمہارے روبرو اسلام ظاہر کرے اور دھوکا دے کر اپنی جان بچالے تو اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اس کے عذاب سے نہیں بچ سکتا مگر تم اس کو کچھ مت کہو۔ یہ تمہارے کرنے کی بات نہیں ہم دیکھ لیں گے۔

ف۲ اس سے پہلے مسلمان کو نادانستگی اور چوک سے قتل کر دینے پر عتاب اور تنبیہ فرمائی تھی اس لئے یہ احتمال تھا کہ کوئی جہاد کرنے سے رک جائے کیونکہ مجاہدین کو ایسی صورت پیش آ ہی جاتی ہے۔ اس لئے مجاہدین کی فضیلت بیان فرما کر جہاد کی رغبت دلائی گئی خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ لنگڑے لولے اندھے بیمار معذور لوگوں کو تو جہاد کرنے کا حکم نہیں باقی سب مسلمانوں میں جہاد کرنے والوں کے بڑے درجے ہیں جو جہاد نہ کرنے والوں کے نہیں اگرچہ جنتی وہ بھی ہیں جو جہاد نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ جہاد فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں یعنی اگر مسلمانوں کی کافی تعداد اور ضرورت کے موافق جماعت جہاد کرتی رہے تو جہاد نہ کرنے والوں پر پھر کوئی گناہ نہیں ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔

ف۳ یعنی حق تعالیٰ غفور و رحیم ہے جہاد کرنے والوں کے بارے میں اجر و مغفرت و رحمت کے جو وعدے فرمائے ہیں وہ ضرور پورے فرمائے گا یا یہ کہ مجاہد کے ہاتھ سے نادانستگی میں اگر کوئی مسلمان قتل ہو گیا تو حق تعالیٰ معاف فرما دے گا اس اندیشہ سے جہاد سے مت رکو۔

سے یہ غلطی ہوئی کہ کسی چرواہے نے ان کو السلام علیکم کہا وہ سمجھے کہ یہ شخص محض جان بچانے کے لیے سلام کر رہا ہے اس لیے اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں سخت تنبیہ کی گئی کہ آئندہ ہرگز ہرگز نہ کرنا علامت اسلام کا اظہار کافی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی ہی ہے کہ جہاں ایمان کی جھلک نظر آدے تو اپنے ہاتھوں کو روک لو جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے سفر کرو تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جو تم کو سلام علیک کرے تو اس کو یہ نہ کہو تو دل سے مسلمان نہیں محض جان بچانے کے لیے تو سلام علیک کہہ رہا ہے تم دنیاوی زندگانی کا سامان چاہتے ہو حالانکہ تمہیں اس حقیر سامان کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ کے یہاں تمہارے لیے بہت سی غنیمتیں ہیں جن کے سامنے ان چند بکریوں کی کوئی حقیقت نہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے یعنی مکہ میں تمہاری یہی حالت تھی کہ تم اپنا ایمان چھپاتے تھے اور شروع اسلام میں سوائے "لاالہ الا اللہ" کے کچھ نہیں جانتے تھے جیسے یہ چرواہا چھپاتا تھا اور تمہارے سامنے ظاہر کیا تم پر اللہ نے احسان کیا کہ تمہارے اسلام کو قوی کیا اور کافروں پر تم کو غلبہ عطاء کیا اور تم علانیہ طور پر اسلام ظاہر کرنے لگے پس جس طرح حق تعالیٰ نے ابتداء میں تمہارے ظاہری اسلام کو قبول کیا اور باطن کی تحقیق و تفتیش پر موقوف نہیں رکھا پس اسی طرح تم بھی احتیاط سے کام لو اور تحقیق کر لیا کرو جو شعار اسلام کو ظاہر کرے اس کو قتل نہ کرو تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے پورا خبردار ہے تمہاری بے احتیاطی اور جلد بازی اس سے پوشیدہ نہیں۔

فضائل مجاہدین

اب آئندہ آیات میں مجاہدین کے فضائل بیان کرتے ہیں کہ مبادا احتیاط میں غلو کی وجہ سے ایسا نہ کرنا کہ جہاد میں جانا ہی چھوڑ بیٹھو اور یہ خیال کرنے لگو کہ لاؤ گھر بیٹھے ہی عبادت کر لیا کریں گے سو ارشاد فرماتے ہیں کہ معذور لوگوں کے سوا جو مسلمان جہاد سے گھر میں بیٹھے رہیں وہ رتبہ میں مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو خدا کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ سے وہ لوگ مراد ہیں جو کسی عذر کی وجہ سے جہاد کے شرکت سے معذور رہیں جیسے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بوجہ نابینا ہونے کے جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے تھے اور جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جنگ بدر کی شرکت سے معذور رہے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی جو ان کے نکاح میں تھیں وہ شدید بیمار تھیں ان کی تیمارداری کے لیے نبی اکرم ﷺ نے ان کو ٹھہرنے کا حکم دیا تھا اس وجہ سے غنائم بدر میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حصہ دیا گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بدریین میں شمار کیے گئے۔

اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ بغیر عذر، جہاد میں شریک نہ ہونے والے مسلمان مرتبہ اور ثواب میں ان مسلمانوں کے برابر نہیں جو جہاد میں شریک ہوتے ہیں لیکن جو مسلمان کسی معذوری یا مجبوری کی بنا پر جہاد میں شریک نہیں ہوتے مثلاً وہ اندھے یا لنگڑے یا بیمار ہیں یا کسی بیمار کے تیماردار ہیں مگر دل شوق جہاد سے لبریز ہے تو ایسے معذورین حسن نیت کی بناء پر مجاہدین کے برابر ہو سکتے ہیں یعنی ان کو وہی ثواب ملے گا جو مجاہدین کو ملتا ہے بشرطیکہ جہاد میں نہ شریک ہونا صرف اسی

معذوری اور لاچاری کی بناء پر ہو اللہ نے ان لوگوں کو جو اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں ایسے بیٹھنے والوں پر جن کی نیت تو جہاد کی تھی مگر معذوری کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کر سکے ایک درجہ فضیلت دی ہے اور وعدہ بھلائی کا اللہ نے ہر ایک سے کیا ہے یعنی وعدہ نیکی کا مجاھدین اور قاعدین دونوں سے ہے کیونکہ جہاد کی نیت سب کی تھی مگر مجاھدین کو قاعدین پر ایک درجہ فضیلت ہے اس لیے کہ یہاں نیت جہاد کے ساتھ عمل جہاد بھی مقرون ہے اور اللہ نے مجاہدین کو ان بیٹھنے والوں پر تندرست تھے اور معذور نہ تھے اجر عظیم کے لحاظ سے فضیلت دی ہے یعنی اپنے پاس سے ان کو بڑے مرتبے عطا کرے گا اور مغفرت اور رحمت سے ان کو نوازے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے جس پر جہاد فرض نہ ہو وہ اگر گھر بیٹھے بھی عبادت و ریاضت کرتا رہے تو اللہ اس کی بھی مغفرت فرمائے گا۔

ف:...... چونکہ بظاہر دونوں آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے پہلی آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجاھدین کو قاعدین پر ایک درجہ فضیلت ہے اور دوسری آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کئی درجہ فضیلت ہے اس لیے ہم نے اس شبہ کے رفع کرنے کے لیے یہ تفسیر اختیار کی کہ پہلی آیت میں قاعدین سے قاعدین معذورین مراد ہیں اور دوسری آیت میں قاعدین سے قاعدین غیر معذورین مراد ہیں قاعدین معذورین پر مجاہدین کو ایک درجہ فضیلت ہے اور قاعدین غیر معذورین پر مجاہدین کو کئی درجہ فضیلت حاصل ہے اور جمہور علماء نے پہلی آیت میں درجہ سے جنس کا مرتبہ مراد لیا ہے اور دوسری آیت کو اس کی تفصیل قرار دیا ہے۔(روح المعانی:۵/۱۰۱ و تفسیر مظہری:۲/۲۰۴)

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا

بیشک وہ لوگ کہ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ برا کر رہے ہیں اپنا کہتے ہیں ان سے فرشتے تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں ہم تھے

جن لوگوں کی جان کھینچتے ہیں فرشتے، اس حال میں کہ وہ برا کر رہے ہیں اپنا، کہتے ہیں تم کس بات میں تھے؟ وہ کہتے ہیں ہم تھے

مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ

بے بس اس ملک میں کہتے ہیں فرشتے کیا نہ تھی زمین اللہ کی کشادہ جو چلے جاتے وطن چھوڑ کر وہاں

مغلوب اس ملک میں۔ کہتے ہیں، کیا نہ تھی زمین اللہ کی کشادہ، کہ وطن چھوڑ جاؤ وہاں۔

فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿۹۷﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ

سو ایسوں کا ٹھکانا ہے دوزخ اور وہ بہت بری جگہ پہنچے مگر جو ہیں بے بس مردوں

سو ایسوں کو ٹھکانا ہے دوزخ، اور بہت بری جگہ پہنچے۔ مگر جو ہیں بے بس مرد

وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿۹۸﴾ فَأُولَٰئِكَ عَسَى

اور عورتوں اور بچوں میں سے جو نہیں کر سکتے کوئی تدبیر اور نہ جانتے ہیں کہیں کا راستہ سو ایسوں کو امید ہے کہ

اور عورتیں اور لڑکے، نہ کر سکتے ہیں تلاش اور نہ جانتے ہیں راہ۔ سو ایسوں کو امید ہے کہ

اللّٰہُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰہُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾

اللہ معاف کرے اور اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنے والا ف ا

اللہ معاف کرے۔ اور اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنا۔

حکم بست وششم وجوب ہجرت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ... الی ... كَانَ اللّٰہُ عَفُوًّا غَفُوْرًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں جہاد کی ترغیب اور بے عذر جہاد ترک کرنے والوں کا بیان تھا اب اس آیت میں ہجرت کی ترغیب دیتے ہیں اس لیے یہ ہجرت جہاد کا مقدمہ ہے اور بے عذر ہجرت ترک کرنے والوں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ مرنے کے بعد ان پر کیا گزری ہے اس لیے کہ ایمان کے بعد پہلے ہجرت کا حکم ہوا اور پھر ہجرت کے بعد جہاد کا حکم ہوا پس گویا کہ جو لوگ باوجود قدرت کے ہجرت نہیں کرتے گویا کہ وہ لوگ عمداً تارک جہاد ہیں اس لیے ان آیات میں ہجرت کا بیان ہے کہ ہجرت سعادت دارین کا سبب ہے اور ترک ہجرت محرومی کا سبب ہے اس لیے کافروں میں رہ کر نہ تو احکام اسلام کو کھل کر بجالاسکتا ہے اور نہ دین کی تبلیغ کرسکتا ہے اور نہ اسلام اور نہ مسلمانوں کی کوئی مدد کرسکتا ہے اس لیے ابتداء اسلام میں ہجرت فرض تھی فتح مکہ کے بعد ہجرت کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔

شان نزول

کچھ لوگ ایسے تھے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے مگر مکہ میں مشرکوں کے ساتھ رہے اور مشرکین کے ڈر کے مارے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت بھی نہیں کی اور بدر کی لڑائی میں مشرکین مکہ کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے آئے اور مارے گئے ان کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر قرطبی: ۵/۳۴۵ وصحیح بخاری وفتح الباری کتاب التفسیر)

تحقیق جن لوگوں کی فرشتوں نے اس حال میں جانیں نکالیں کہ وہ لوگ دارالحرب میں پڑے پڑے اپنے دین کو برباد کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے یعنی اسلام لانے کے بعد باوجود قدرت کے ہجرت نہ کی اور اپنی خیالی کمزوری اور وہمی مجبوری کی بناء پر کافروں ہی میں پڑے رہے اور ان کا ساتھ دیتے رہے اور مشرکوں کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں سے

ف ا بعضے مسلمان ایسے بھی ہیں کہ دل سے تو سچے مسلمان ہیں مگر کافروں کی حکومت میں ہیں اور ان سے مغلوب ہیں اور کافروں کے خوف سے اسلامی باتوں کو کھل کر نہیں کرسکتے نہ حکم جہاد کی تعمیل کرسکتے ہیں۔ سو ان پر فرض ہے کہ وہاں سے ہجرت کریں۔ اس رکوع میں اسی کا ذکر ہے آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں یعنی کافروں کے ساتھ مل رہے ہیں اور ہجرت نہیں کرتے تو فرشتے ان سے مرنے کے وقت پوچھتے ہیں کہ تم کس دین پر تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمان تھے مگر بوجہ ضعف وکمزوری کے دین کی باتیں نہ کرسکتے تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ کی زمین تو بہت وسیع تھی تم یہ تو کرسکتے تھے کہ وہاں سے ہجرت کر جاتے۔ سو ایسوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ البتہ جو لوگ ضعیف ہیں اور عورتیں اور بچے کہ نہ وہ ہجرت کی تدبیر کرسکتے ہیں نہ ان کو کوئی ہجرت کا راستہ معلوم ہے وہ قابل معافی ہیں۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوگیا کہ مسلمان جس ملک میں کھلا نہ رہ سکے وہاں سے ہجرت فرض ہے اور سوائے ان لوگوں کے جو بالکل معذور اور بے بس ہوں اور کسی کو وہاں پڑے رہنے کی اجازت نہیں۔

لڑنے کے لیے جاتے رہے حتی کہ اسی حالت میں وہ مر گئے تو اس وقت موت کے فرشتوں نے ان سے بطور توبیخ اور سرزنش یہ پوچھا کہ تم کس حال میں تھے یعنی مسلمانوں کے ساتھ تھے یا کافروں کے ساتھ ان ظالموں نے یہ جواب دیا کہ دل سے تو ہم مسلمان تھے مگر سرزمین مکہ میں ہم نہایت کمزور اور بے بس تھے اس لیے ہم احکام اسلام کو علانیہ طور پر بجا نہیں لا سکتے تھے اور ظاہر میں کافروں میں رہتے تھے اور ان کا ساتھ دیتے تھے فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین کشادہ اور فراخ نہ تھی کہ تم ہجرت کر کے اس میں چلے جاتے اس طرح تم کفار کے نرغہ سے نکل جاتے اور وہاں جا کر اطمینان سے اللہ کی عبادت کرتے۔ حاصل یہ کہ تمہارا یہ عذر کہ ہم بے بس تھے غلط ہے تم بے بس نہ تھے ہجرت پر تو قادر تھے اس سے وہ لاجواب ہو جائیں گے اور جرم ان کا ثابت ہو جائے گا سو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے مگر جو مرد اور عورتیں اور بچے ایسے بے چارہ اور بے بس ہیں کہ وہ کسی حیلہ سے بھی ہجرت پر دسترس نہیں رکھتے مثلاً کفار کی قید میں ہیں یا نابینا اور معذور ہیں یا ان کے پاس سفر خرچ نہیں اور نہ وہ راستہ سے واقف ہیں سو ایسے لوگوں کے متعلق امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قصور کو معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے خدا کے دشمنوں میں پڑا رہنا کوئی معمولی جرم نہ تھا مگر بے بسی اور معذوری کی بناء پر خدا تعالیٰ سے معافی کی توقع ہے شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ مسلمان کافروں کی سرزمین میں ذلیل وخوار ہو کر پڑا رہے اور احکام اسلام کو آزادی کے ساتھ بجا نہ لا سکے اور آزادی کے ساتھ دین کا علم حاصل نہ کر سکے کافر حکومت جو جبری تعلیم نافذ کر دے اس کے حاصل کرنے پر مجبور ہو ایسی حالت میں ہجرت فرض ہے۔

وَمَنۡ يُّهَاجِرۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ يَجِدۡ فِى الۡاَرۡضِ مُرٰغَمًا كَثِيۡرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنۡ يَّخۡرُجۡ مِنۡۢ

اور جو کوئی وطن چھوڑے اللہ کی راہ میں پاوے گا اس کے مقابلہ میں جگہ بہت اور کشایش اور جو کوئی نکلے

اور جو کوئی وطن چھوڑے اللہ کی راہ میں، پائے اس کے مقابلہ میں جگہ بہت اور کشائش۔ اور جو کوئی نکلے

بَيۡتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ثُمَّ يُدۡرِكۡهُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ

اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ اور رسول کی طرف پھر آ پکڑے اس کو موت تو مقرر ہو چکا اس کا ثواب اللہ کے ہاں اور

اپنے گھر سے، وطن چھوڑ کر اللہ اور رسول کی طرف، پھر آ پکڑے اس کو موت، سو ٹھہر چکا اس کا ثواب اللہ پر۔ اور

ع ۱۴ ۱۱ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۝۱۰۰

ہے اللہ بخشنے والا مہربان ف۱

اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ف۱ اس آیت میں ہجرت کی ترغیب ہے اور مہاجرین کو تسلی دی جاتی ہے یعنی جو شخص اللہ کے واسطے ہجرت کرے گا اور اپنا وطن چھوڑے گا تو اس کو رہنے کے لئے بہت جگہ ملے گی اور اس کی روزی اور معیشت میں فراخی ہوگی تو ہجرت کرنے میں اس سے مت ڈرو کہ کہاں رہیں گے اور کیا کھائیں گے اور یہ بھی خطرہ نہ کرو کہ شاید راستہ میں موت آ جائے تو ادھر کے ہوں نہ ادھر کے کیونکہ اس صورت میں بھی ہجرت کا پورا ثواب ملے گا اور موت تو اپنے وقت ہی پر آتی ہے وقت مقرر سے پہلے نہیں آ سکتی۔

ترغیب ہجرت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ... الی... وَكَانَ اللهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں ترک ہجرت پر وعید تھی اب اس آیت میں ہجرت کی ترغیب ہے اور اس پر سعادت دارین کا وعدہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص خدا کی راہ میں دار الکفر اور دار الحرب سے ہجرت کر جائے تو وہ وطن کے مقابلہ میں خدا کی زمین میں علی رغم الاعداء بہت جگہ اور وسعت رزق پائے گا اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف نکلے اور پھر مقام ہجرت تک پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں اس کو موت آ جائے تو تحقیق اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا یعنی گو اس کی ہجرت پوری نہیں ہوئی لیکن چونکہ اس کی نیت ہجرت کرنے کی تھی اس لیے اس کو ہجرت کا پورا ثواب ملے گا اور یہی حال ہے تمام اعمال کا جس عمل کو انسان خدا کے لیے شروع کرے اور اختتام سے پہلے مر جائے تو اس کو پورے عمل کا ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے یعنی اس ہجرت سے پہلے جو کافروں اور مشرکوں میں ٹھہرا رہا اللہ تعالیٰ اس کی گزشتہ خطا کو معاف کر دے گا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

حق جل شانہ نے ان آیات میں مسلمانوں کو ہجرت کی رغبت دلائی ہے کہ وطن مالوف چھوڑنے سے یہ خیال نہ کریں کہ پردیس میں تکلیف ہوگی۔ نہیں بلکہ انہیں وطن سے زیادہ آرام ملے گا کشادہ جگہ اور فراخ روزی ملے گی اور نہ یہ خیال کریں کہ شاید منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں انتقال ہو جائے اس لیے کہ ہجرت کا ثواب پورا ہی ملے گا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اوپر کی آیتیں یعنی ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ الخ نازل ہوئیں تو آنحضرت ﷺ نے مکہ کے مسلمانوں کے پاس بھیج دیں جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی تو جندب بن ضمرہ رضی اللہ عنہ جو ایک بوڑھا اور بیمار شخص تھا اس نے جب یہ آیتیں سنیں تو کہا کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے حکم سے مستثنیٰ کیا ہے کیونکہ میں ہجرت پر حیلہ پاتا ہوں اور میرے پاس اس قدر مال موجود ہے جس کے سہارے میں مدینہ پہنچ سکوں اور قسم کھائی کہ میں بخدا اب رات مکہ میں نہیں گزاروں گا ان کے بیٹے ان کو ایک تخت پر لٹا کر چلے جب مقام تنعیم میں پہنچے تو موت نے آ پکڑا۔ نزع کے وقت انہوں نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے داہنے ہاتھ پر رکھ کر کہا کہ اے پروردگار یہ ہاتھ تیرے لیے ہے اور یہ ہاتھ تیرے رسول کے لیے۔ تجھ سے ان باتوں پر بیعت کرتا ہوں جن باتوں پر تیرے رسول بیعت لیتے ہیں اور انتقال کر گیا جب اس کی خبر صحابہ رضی اللہ عنہم کو پہنچی تو کہنے لگے کہ اگر مدینہ پہنچ کر موت آتی تو کیا اچھا ہوتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ

اور جب تم سفر کرو ملک میں تو تم پر گناہ نہیں کہ کچھ کم کرو نماز میں سے اگر

اور جب تم سفر کرو ملک میں تو تم پر گناہ نہیں، کہ کچھ کم کرو نماز میں سے۔ اگر

خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا

تم کو ڈر ہو کہ ستاویں گے تم کو کافر البتہ کافر تمہارے صریح دشمن ہیں ف۱ اور جب

تم کو ڈر ہو کہ ستائیں گے تم کو کافر۔ البتہ کافر تمہارے دشمن ہیں صریح۔ اور جب تو

كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا

تو ان میں موجود ہو پھر نماز میں کھڑا کرے تو چاہیے ایک جماعت ان کی کھڑی ہو تیرے ساتھ اور ساتھ لے لیویں

ان میں ہو، پھر ان کو نماز میں کھڑا کرے، تو چاہئے ایک جماعت ان کی کھڑی ہو تیرے ساتھ، اور ساتھ لیویں

اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا

اپنے ہتھیار پھر جب یہ سجدہ کریں تو ہٹ جاویں تیرے پاس سے اور آوے دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ نماز پڑھیں

اپنے ہتھیار۔ پھر جب سجدہ کر چکیں تو پرے ہوجائیں اور آئے دوسری جماعت جس نے نماز نہیں کی، وہ نماز کریں

فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ

تیرے ساتھ اور ساتھ لیویں اپنا بچاؤ اور ہتھیار کافر چاہتے ہیں کسی طرح تم بیخبر ہو

تیرے ساتھ، اور پاس لیں اپنا بچاؤ اور ہتھیار۔ کافر چاہتے ہیں، کسی طرح تم بے خبر ہو

اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ

اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے تاکہ تم پر حملہ کریں یکبارگی ف۲ اور تم پر کچھ گناہ نہیں اگر

اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے، تو تم پر جھک پڑیں ایک حملہ کر کر۔ اور گناہ نہیں تم پر اگر

كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا

تم کو تکلیف ہو مینہ سے یا تم بیمار ہو کہ اتار رکھو اپنے ہتھیار اور ساتھ لے لو

تم کو تکلیف ہو مینہ سے، یا تم بیمار ہو کہ اتار رکھو اپنے ہتھیار، اور ساتھ لو

ف۱ یعنی جب تم جہاد وغیرہ کے لئے سفر کرو اور کافروں سے جو کہ تمہارے صریح دشمن ہیں اس کا خوف ہو کہ وہ موقع پا کر ستائیں گے تو نماز کو مختصر رکھو یعنی جو نماز حضر میں چار رکعت کی ہو اس کی دو رکعت پڑھو۔

فائدہ: ہمارے یہاں سفر تین منزل کا ہونا ضروری ہے اس سے کم ہوگا تو قصر جائز نہ ہوگا اور کافروں کے ستانے کا ڈر اس وقت موجود تھا جب یہ حکم نازل ہوا۔ جب یہ ڈر جاتا رہا تو اس کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں دو رکعت ہی پڑھتے رہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اسی کی تاکید فرمائی۔ اب ہمیشہ سفر میں قصر کرنے کا حکم ہے خوف مذکور ہو یا نہ ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے شکریہ کے ساتھ قبول کرنا لازم ہے جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے۔

ف۲ پہلے نماز سفر کا بیان تھا یہ نماز خوف کا بیان ہے یعنی کافروں کی فوج مقابلہ میں ہو تو مسلمانوں کی فوج دو حصے ہو جائے، ایک حصہ امام کے ساتھ آدھی نماز پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں جا کر کھڑا ہو جائے، دوسرا حصہ آ کر امام کے ساتھ نصف باقی پڑھ لے۔ امام کے سلام کے بعد دونوں جماعتیں اپنی آدھی نماز رہی ہوئی جدا جدا پڑھ لیں۔ اگر مغرب کی نماز ہو تو اول جماعت دو رکعت اور دوسری جماعت ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھے اور اس حالت میں نماز کے اندر آمد و =

حِذْرَكُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

اپنا بچاؤ ف۱ بیشک اللہ نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے عذاب ذلت کا ف۲ پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو یاد کرو اللہ کو

اپنا بچاؤ۔ اللہ نے رکھی ہے منکروں کے واسطے ذلت کی مار۔ پھر جب نماز کر چکو تو یاد کرو اللہ کو

قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ

کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ف۳ پھر جب خوف جاتا رہے تو درست کرو نماز کو

کھڑے اور بیٹھے اور پڑے۔ پھر جب خاطر جمع سے ہو تو درست کرو نماز کو۔ یہ نماز ہے

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۚ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ

بیشک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اپنے مقرر وقتوں میں ف۴ اور ہمت نہ ہارو ان کا پیچھا کرنے سے اگر تم بے آرام ہوتے ہو

مسلمانوں پر وقت باندھا حکم۔ اور مت ہارو ان کا پیچھا کرنے سے، اگر تم بے آرام ہوتے ہو

فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا

تو وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں جس طرح تم ہوتے ہو اور تم کو اللہ سے امید ہے جو ان کو نہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا

تو وہ بھی بے آرام ہیں جس طرح تم ہو۔ اور تم کو اللہ سے امید ہے، جو ان کو نہیں۔ اور اللہ سب جانتا ہے

حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع ۱۵ / ۱۲

حکمت والا ہے ف۵

حکمت والا۔

=رفت معاف ہے اور تلوار زرہ سپر وغیرہ کے اپنے ساتھ رکھنے کا بھی ارشاد فرمایا تا کہ کفار موقع پا کر یکبارگی حملہ نہ کر دیں۔

ف۱ یعنی اگر بارش یا بیماری اور ضعف کی وجہ سے ہتھیار کا اٹھانا مشکل ہو تو ایسی حالت میں ہتھیا اتار کر رکھ دینے کی اجازت ہے لیکن اپنا بچاؤ کر لینا چاہیے مثلاً زرہ سپر خود ساتھ لے لو۔

فائدہ: اگر دشمنوں کے خوف سے اتنی مہلت بھی نہ ملے کہ نماز خوف بصورت مذکورہ ادا کر سکیں تو جماعت موقوف کر کے تنہا تنہا نماز پڑھ لیں پیادہ ہو کر اور سواری سے اترنے کا بھی موقع نہ ملے تو سواری پر اشارہ سے نماز پڑھ لیں۔ اگر اس کی مہلت نہ ملے تو پھر نماز کو قضا کر دیں۔

ف۲ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق تدبیر اور احتیاط اور اہتمام کے ساتھ کام کرو اور اللہ کے فضل سے امید رکھو وہ کافروں کو تمہارے ہاتھ سے ذلیل و خوار کرا دے گا، کافروں سے خوف مت کرو۔

ف۳ یعنی خوف کے وقت بوجہ تنگی اور بے اطمینانی اگر نماز میں کسی طرح کی کوتاہی ہو گئی تو نماز خوف سے فراغت کے بعد ہر وقت اور ہر حالت میں کھڑے ہو یا بیٹھے یا لیٹے اللہ کو یاد کرو حتیٰ کہ عین ہجوم اور مقاتلہ کے وقت بھی کیونکہ وقت کی تعیین اور دیگر قیود کی پابندی تو بحالت نماز تھی جن کی وجہ سے تنگی اور بے اطمینانی پیش آنے کا موقع ہے۔ اس کے سوا ہر حالت میں بلا دقت اللہ کو یاد کر سکتے ہو کسی حالت میں اس کی یاد سے غافل نہ رہو۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا کہ صرف وہ شخص کہ جس کے عقل و حواس کسی وجہ سے مغلوب ہو جائیں البتہ معذور ہے ورنہ کوئی شخص اللہ کی یاد نہ کرنے میں معذور نہیں۔

ف۴ یعنی جب خوف مذکور جاتا رہے اور خاطر جمع ہو جائے تو پھر جو نماز پڑھو اطمینان اور تعدیل ارکان اور رعایت شروط اور محافظت آداب کے ساتھ پڑھو جیسا کہ امن کی حالت میں پڑھنی چاہیے اور جن حرکات زائدہ کی اجازت دی گئی وہ حالت خوف کے ساتھ مخصوص ہیں بیشک نماز فرض ہے وقت معین میں، سفر، حضر، =

حکم بست وہفتم متعلق بہ صلوٰۃ سفر وصلوٰۃ خوف

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ... الی... عَلِیْمًا حَکِیْمًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں جہاد و ہجرت کا ذکر تھا اور غالب احوال میں جہاد و ہجرت کے لیے سفر کرنا پڑتا ہے اور اب ان آیات میں حالت جہاد اور سفر میں نماز پڑھنے کی تعلیم وطریقہ بیان فرماتے ہیں اور سفر اور خوف کی وجہ سے نماز میں جو رعایتیں اور سہولتیں عطا کی ہیں ان کا ذکر کرتے ہیں۔

حکم صلوٰۃ سفر

اور جب تم سفر کرو زمین میں جس کی مقدار تین منزل ہو یا اڑتالیس میل ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں بلکہ ضروری ہے کہ تم رباعی (چار رکعت والی نماز میں سے دو رکعت) کم کردو اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ کافر تم کو ستائیں گے بے شک تمام کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں ابتداء میں قصر کا حکم خوف کے ساتھ مشروط تھا بعد میں اللہ تعالیٰ نے یہ شرط ساقط کردی جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے قصر نماز میں خوف کی قید کی بابت دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بغیر خوف کے بھی نماز میں قصر ہے اور یہ اللہ کی طرف سے صدقہ ہے اس کو قبول کرنا چاہیے نیز آنحضرت ﷺ اور ابو بکر وعمر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سفر میں بحالت امن بھی قصر کیا ہے معلوم ہوا کہ قصر کی مشروعیت خوف پر موقوف نہیں اور داؤد ظاہری کا مذہب یہ ہے کہ سفر کی نماز میں قصر کرنا اس شرط سے جائز ہے کہ جب کافروں سے فتنہ کا خوف ہو اور جمہور سلف اور خلف کے نزدیک بدون شرط مذکور کے بھی قصر درست ہے اور آیت میں جو ﴿اِنْ خِفْتُمْ﴾ کی شرط ہے وہ قید احترازی نہیں بلکہ بیان واقع کے لیے ہے جس کا مفہوم معتبر نہیں۔

مسافت قصر

اہل ظاہر اس آیت کے ظاہری عموم سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ سفر کی کوئی مقدار یا حد معین نہیں ہر سفر میں قصر جائز ہے خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت ہو یہاں تک کہ تین میل کے سفر میں بھی قصر جائز ہے کیونکہ آیت میں سفر کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی لیکن تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ تھوڑے سے سفر میں قصر نہیں اور سب نے الگ الگ سفر کی حد بیان کی ہے فقہاء حنفیہ کے نزدیک قصر صرف اس سفر میں ہے جو تین دن کا ہو جیسا کہ حدیث میں ہے کہ مسافر کے لیے مسح علی الخفین تین دن تک کے لیے جائز ہے اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات اور عثمان غنی اور عبداللہ بن مسعود اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے۔

= اطمینان، خوف ہر حالت میں اسی وقت میں ادا کرنا ضروری ہے یہ نہیں کہ جب چاہو پڑھ لو یا یہ مطلب ہے کہ نماز کے متعلق حق تعالیٰ نے پورا ضبط اور تعین فرما دیا ہے کہ حضر میں کیا ہونا چاہیے اور سفر میں کیا، اطمینان میں کیا کرنا چاہیے اور خوف میں کیا۔ سو ہر حالت میں اس کی پابندی چاہیے۔

ف ۵ یعنی کفار کی جستجو اور ان کے تعاقب میں ہمت سے کام لو اور کوتاہی نہ کرو۔ اگر تم کو ان کی لڑائی سے زخم اور درد پہنچا ہے تو اس تکلیف میں تو وہ بھی شریک ہیں اور آئندہ تم کو حق تعالیٰ سے وہ امیدیں ہیں جو ان کو نہیں یعنی دنیا میں کفار پر غلبہ اور آخرت میں ثواب عظیم اور اللہ تعالیٰ تمہارے مصالح اور تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے اس کا جو حکم ہے اس میں تمہارے لئے بڑے منافع اور حکمتیں ہیں دین اور دنیا دونوں کے لئے۔ سو اس کے امتثال کو غنیمت اور بڑی نعمت سمجھو۔

اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک چار برید کی مسافت کے سفر میں قصر ہے یعنی اگر اڑتالیس میل کا سفر ہو تو قصر جائز ورنہ نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اے اہل مکہ چار برید (اڑتالیس میل) سے کم میں قصر نہ کرو۔ رواہ الطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

قاضی ① ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ جو لوگ سفر کی مقدار یا حد معین نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہر سفر میں قصر جائز ہے وہ دین کے ساتھ کھیل اور تماشہ کرتے ہیں اور تین چار میل بلکہ دس میل جانا بھی عرف میں سفر نہیں کہلاتا یہ مذہب اس قابل نہیں کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا جائے یا اس کو خیال اور خاطر میں لائے اور یا اس کا ذکر بھی کیا جائے (تفسیر قرطبی: ۵/۳۵۴)

لطیفہ ②

ایک غیر مقلد صاحب اپنے کھیت پر جاتے تو نماز میں قصر کرتے کسی نے سوال کیا کہ بندہ خدا تم بدون مسافت قصر کے کیسے قصر کرتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ قصر کے لیے کسی خاص مسافت کا ہونا شرط نہیں اس لیے کہ آیت میں ﴿ضَرَبۡتُمۡ فِي الۡأَرۡضِ﴾ آیا ہے جس کے معنی زمین میں چلنے کے ہیں اور یہ مفہوم کھیت پر جانے کی صورت میں بھی صادق آتا ہے ایک حنفی عالم نے اس کا خوب جواب دیا کہ پھر تم کو ہمیشہ ہی قصر کرنا چاہیے اس لیے کہ جب تم اپنے گھر سے مسجد جاتے ہو تو یہ فی الارض اس پر بھی صادق آجاتا ہے غیر مقلد صاحب کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

حکم صلوٰۃ الخوف

اور اے نبی کریم جب آپ ﷺ مسلمانوں کی فوج میں موجود ہوں پھر ان کو نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں اور اندیشہ ہو کہ کافر نماز میں حملہ نہ کریں گے تو ایسی حالت میں یہ چاہیے کہ مسلمانوں کے دو گروہ ہو جائیں ان میں سے ایک گروہ آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے اور دوسرا گروہ نگرانی کی خاطر دشمن کے مقابل کھڑا ہو جائے تا کہ دشمن کو دیکھتے رہیں اور جو لوگ آپ ﷺ کے ساتھ نماز میں کھڑے ہیں وہ بھی نماز میں اپنے ہتھیار ساتھ لیے رہیں شاید کسی وقت ضرورت پڑ جائے پھر جب یہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کر چکیں یعنی ایک رکعت پوری آپ ﷺ کے ساتھ پڑھ چکیں تو پیچھے ہٹ جائیں یعنی دشمن کے مقابلہ پر چلے جائیں اور دوسرا طائف (گروہ) آجائے جس نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی یعنی پہلا طائفہ جس نے آپ ﷺ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی ہے وہ تو دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے اور دوسرا طائفہ جو اب تک دشمن کے مقابلہ میں تھا وہ آجائے پھر وہ آکر آپ ﷺ کے ساتھ باقی ماندہ نماز میں شریک ہو جائیں اور آپ ﷺ کے

① قال القاضی ابن العربی وقد تلاعب قوم بالدین فقالوا ان من خرج من البلد الی ظاھرہ قصر واکل وقائل ھذا اعجمی لایعرف السفر عند العرب او مستخف بالدین ولولا ان العلما ذکروہ لما رضیت ان المحہ بمؤخر عینی ولا افکر فیہ بفضول قلبی اھ تفسیر قرطبی: ۵/۳۵۴

② یہ لطیفہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے وعظ مسمی بہ عصم الصنوف، ص: ۷ وعظ سوم از سلسلۂ البلاغ و وعظ الہدی والمغفرہ نمبر ۳۶ سلسلۂ تبلیغ میں مذکور ہے۔

ساتھ نماز پڑھیں اور اپنی احتیاط اور بچاؤ کو مضبوط پکڑے رہیں اور اپنے ہتھیار بھی لیے رہیں کافروں کی تمنا اور آرزو یہ ہے کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور سامان حرب سے غافل ہو تو یکبارگی ہی تم پر حملہ کردیں اور تم پر ٹوٹ پڑیں اور بس احتیاط اور ہوشیاری کا مقتضی یہ ہے کہ ہتھیار ساتھ لیے رہو۔ اس آیت میں دونوں گروہوں کے ایک ایک رکعت پڑھنے کا ذکر فرمایا بقیہ نماز کا حکم بیان نہیں کیا کہ وہ کس طرح ادا کریں اس کا طریقہ احادیث میں یہ آیا ہے کہ دوسرا گروہ امام کے سلام پھیر دینے کے بعد دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے اور ہر گروہ بطور خود اپنی باقی نماز پوری کرلے اور یہ حکم اس وقت کے لیے ہے جب جماعت ممکن ہو اور اگر جماعت ممکن نہ ہو تو پھر ہر شخص تنہا یا جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ لے نیز یہ حکم جب ہے کہ جب سب ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیں ورنہ دو جماعتیں کرلی جائیں ایک گروہ کو ایک امام نماز پڑھادے اور دوسرے گروہ کو دوسرا امام جیسا کہ درمختار میں ہے اور عجب نہیں کہ ﴿وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ﴾ سے اشارہ اسی طرف ہو کہ جب آپ ﷺ جیسا امام ہو اور سب اس کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیں تو پھر مسلمانوں کی فوج کے دو حصے کردیے جائیں اور امام ہر ایک حصہ کو ایک ایک رکعت نماز پڑھاوے اس طرح ہر گروہ کی آدھی آدھی نماز اس محبوب امام کے پیچھے ہوجائے اور باقی آدھی نماز دونوں گروہ جدا جدا پڑھ لیں۔ واللہ اعلم

اور تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم کو بارش کی تکلیف ہو یا تم بیمار ہو اور ایسی حالت میں تم کو ہتھیار اٹھانا دشوار ہو تو ایسی حالت میں تم اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو تو کوئی حرج نہیں اور پھر بھی اپنی احتیاط اور بچاؤ اور حفاظت کو خوب پکڑے رہو یعنی اگر بارش اور بیماری کی وجہ سے تم کو ہتھیار اٹھانا دشوار ہو تو ایسی حالت میں ہتھیار اتار کر رکھ دینے میں کچھ مضائقہ نہیں ہاں اپنی احتیاط پھر بھی رکھو بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے آخرت میں تو ان کو عذاب ہوجائے ہی گا مگر منشاء خداوندی یہ ہے کہ دنیا میں کافر تمہارے ہاتھوں ذلیل اور رسوا ہوں لہٰذا تم کو احتیاط بہت ضروری ہے پھر جب تم نماز خوف کو ختم کرچکو تو اللہ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے یعنی اس کی تسبیح و تحمید اور تہلیل اور تکبیر میں لگ جاؤ کیونکہ اللہ کی یاد سے خوف جاتا رہتا ہے اور دل کو سکون اور اطمینان ہوتا ہے پھر جب تم مطمئن ہوجاؤ اور خوف اور سفر کی حالت ختم ہوجائے اور تم کو امن حاصل ہوجائے تو پھر معمول کے مطابق پوری نماز اطمینان کے ساتھ اور اصلی ہیئت کے ساتھ ادا کرو اس لیے کہ قصر اور نماز میں آمد و رفت کی جو اجازت تھی وہ ایک عارض کی وجہ سے تھی اب وہ ختم ہوگئی ہے بے شک نماز مسلمانوں پر بقید اوقات وقت معین پر فرض کی گئی اس کو اپنے اوقات سے نکالنا اور اس کی ہیبت میں کسی قسم کا تغیر کرنا جائز نہیں جہاد جیسی عظیم عبادت کی وجہ سے عارضی طور پر نماز میں آمد و رفت کی اجازت دے دی گئی اور جب یہ عارض ختم ہوا تو اجازت بھی ختم ہوئی اور اے مسلمانو جب تمہیں یہ معلوم ہوگیا کہ جہاد ایسی عظیم عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے نماز میں آمد و رفت کی اجازت دی گئی تو خوب سمجھ لو کہ کافروں کے تعاقب یعنی پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا جب ابو سفیان اور اس کے ہمراہی احد سے واپس ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے تعاقب میں کچھ آدمی بھیجے ان آدمیوں نے زخموں کی درد کی شکایت کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اگر تم زخموں کی تکلیف سے دردمند ہو تو بیشک وہ بھی دردمند اور بے آرام ہیں جیسے تم دردمند اور بے آرام ہو پھر تم ان کے تعاقب میں سستی اور اپنے زخموں کی شکایت کیوں کرتے ہو جب وہ اپنے زخموں کی پرواہ نہیں کرتے اور برابر تم پر حملے کیے جارہے ہیں تو تم کو کیا ہوا تم اللہ سے وہ امیدیں رکھتے جو وہ نہیں رکھتے اس لیے تمہاری تکلیف ان کی تکلیف سے کم ہے

تم جزاء اعمال کے قائل ہو تم کو خدا تعالیٰ سے دنیا میں فتح و نصرت کی اور آخرت میں جنت کے درجات عالیہ کی وہ امید ہیں جو ان کو نہیں پھر تم ان کے مقابلہ میں کیوں سست ہو اور ہے اللہ جاننے والا اور حکمت والا تم کو جو حکم دیتا ہے اس کی نسبت وہ جانتا ہے کہ اس میں حکمت اور مصلحت ہے لہٰذا تم کو چاہیے کہ اس کے حکم کو مانو اور اپنی رائے کو اس میں دخل نہ دو۔

مسائل:...... ١- امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سفر میں قصر کرنا جائز ہے واجب نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم پر قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں تو معلوم ہوا کہ قصر کرنا واجب نہیں بلکہ جائز ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک قصر واجب ہے اور یہی قول حضرت عمر اور علی اور ابن عمر اور جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے اور یہی حسن بصری اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اور قتادہ اور دیگر علماء تابعین رحمہم اللہ کا یہی قول ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا مذہب ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نماز اول دو دو رکعت فرض ہوئی پھر نماز سفر تو اسی طرح برقرار رہی اور نماز حضر میں زیادتی کر دی گئی لہٰذا جب سفر کی اصل نماز دو رکعت ہوئی تو اس میں زیادتی جائز نہ ہوگی۔

اور ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ سے یہ استدلال کرنا کہ قصر کرنا رخصت ہے اس لیے کہ "لا جناح" کا استعمال رخصت کے لیے ہوتا ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ کلیہ نہیں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ طواف صفا اور مروہ کے حق میں آیا ہے حالانکہ سعی بین الصفا والمروۃ واجب ہے اور امام شافعی کے نزدیک فرض ہے سو جاننا چاہیے کہ "لا جناح" کا لفظ رخصت اور اباحت کے لیے نہیں لایا گیا بلکہ ان لوگوں کا وہم دفع کرنے کے لیے لایا گیا۔ کہ جو اس گناہ خیال کرتے تھے ان کا انقباض رفع کرنے کے لیے لفظ جناح لایا گیا ہے۔

٢- ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازوں کے اوقات معین ہیں ان میں تقدیم و تاخیر کرنا جائز نہیں اور قرآن کریم میں ہے ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ نمازوں کی حفاظت کرو یعنی ان کو اپنے وقت پر ادا کرو اور جامع ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے جمع بین الصلوٰتین کیا یعنی دو نمازوں کو وقت واحد میں پڑھا وہ گناہ کبیرہ کے دروازہ میں داخل ہوا اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر صرف ایک راوی ایسا ہے جس کو بعض نے ضعیف کہا ہے اور بعض نے اس کو ثقہ بتایا اور اگر بالفرض کسی حدیث کے تمام راوی ضعیف ہوں اور حدیث آیت قرآنی اور شریعت کے اصول مقررہ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت مستمرہ کے موافق ہو تو وہ ضعیف حدیث بھی حجت ہے اور موطا امام محمد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے باسناد صحیح منقول ہے:

"انه کتب الی الآفاق ینهاهم ان یجمعوا بین الصلوٰتین ویخبرهم ان الجمع بین الصلاتین فی وقت واحد کبیرة من الکبائر۔"

"یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ممالک اسلامیہ کی اطراف و جوانب میں یہ فرمان روانہ کیا جس میں ان کو اس بات سے منع کیا کہ دو نمازوں کو جمع کریں اور ان کو خبردار کیا کہ دو نمازوں کو وقت واحد میں جمع کرنا بہت بڑا گناہ ہے من جملہ بڑے گناہوں کے۔ (ترجمہ ختم ہوا)

اور اسی پارہ پنجم کے شروع میں یہ آیت گزر چکی ہے ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ

نُّدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴾ اے مسلمانو اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کا کفارہ کر دیں گے اور تم کو جنت میں داخل کر دیں گے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان واجب الاذعان سے یہ معلوم ہو گیا کہ جمع بین الصلوتین گناہ کبیرہ ہے لہٰذا اس حدیث کو آیت کے ساتھ ملا کر یہ مطلب ہو گا کہ جو جمع بین الصلوتین سے اجتناب کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ فرما دیں گے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ ان کے نزدیک سوائے عرفات اور مزدلفہ کے کسی جگہ جمع بین الصلوتین جائز نہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حالت سفر میں خاص شرائط کے ساتھ جمع بین الصلوتین جائز ہے کیونکہ بعض احادیث میں یہ آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت سفر جمع بین الصلاتین فرمایا۔

جواب:..... فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ جن بعض احادیث میں جمع بین الصلوتین کا ذکر آیا ہے وہ مجمل ہیں اور جو روایتیں مفصل اور واضح آئی ہیں ان میں اس کی تصریح ہے کہ ظہر کی نماز کو اخیر میں پڑھا اور عصر کو اول وقت میں پڑھا پس ظاہراً ایسا معلوم ہوا کہ دونوں نمازیں ایک وقت میں پڑھی گئیں حالانکہ حقیقت میں دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت کے اندر پڑھی گئیں خوب سمجھ لو زیادہ تفصیل کے لیے شروح بخاری اور شروح ہدایہ کو دیکھو۔

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰىكَ اللّٰهُ ۚ وَلَا تَكُن

بیشک ہم نے اتاری تیری طرف کتاب سچی کہ تو انصاف کرے لوگوں میں جو کچھ سمجھا دے تجھ کو اللہ اور تو مت ہو

ہم نے اتاری تجھ کو کتاب سچی، کہ تو انصاف کرے لوگوں میں، جو سجھائے تجھ کو اللہ۔ اور تو مت ہو

لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ

دغابازوں کی طرف سے جھگڑنے والا ف۱ اور بخشش مانگ اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۲ اور مت جھگڑ ان کی

دغا بازوں کی طرف سے جھگڑنے والا۔ اور بخشوا اللہ سے۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور مت جھگڑ ان کی

ف۱ منافق اور ضعیف الاسلام لوگوں میں جب کوئی کسی خطا اور برائی کا مرتکب ہوتا تو سزا اور رسوائی سے بچنے کے لئے حیلے گھڑتے اور آپ کی خدمت میں ایسے انداز سے اس کا اظہار کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بری سمجھ جائیں بلکہ کسی بری الذمہ کے ذمہ تہمت لگا کر اس کے مجرم بنانے میں سعی کرتے اور دلیل لا کر باہم مشورہ کرتے۔ چنانچہ ایک واقعہ یہ ہوا کہ ایک ایسے ہی مسلمان نے دوسرے مسلمان کے گھر میں نقب دیا ایک تھیلا آٹے کا اور اس کے ساتھ کچھ ہتھیار اڑا کر لے گیا اس تھیلے میں اتفاقاً سوراخ تھا جس سے آٹا گرتا ہوا [illegible] مکان تک آ گیا چور نے یہ تدبیر کی کہ مال اپنے گھر میں نہ رکھا بلکہ رات ہی میں وہ مال لے جا کر ایک یہودی کے پاس امانت رکھ آیا جو اس کا واقف تھا صبح کو مالک نے آٹے کے سراغ پر چور کا پتا لگایا اور تلاش کیا اس کے گھر میں کچھ نہ ملا ادھر چور نے قسم کھالی کہ مجھ کو کچھ خبر نہیں آٹے کا سراغ آگے کو چلتا نظر آیا تو مالک نے اسی سراغ پر یہودی کو جا پکڑا اس نے صاف اقرار کر لیا کہ میرے گھر میں موجود ہے مگر میرے پاس تو رات فلاں شخص امانت رکھ گیا ہے میں چور نہیں مال کے لئے یہ قضیہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا چور کی قوم اور اس کی جماعت نے اتفاق کیا کہ کسی طرح ہو سکے اس پر چوری ثابت نہ ہونے دے اور یہودی کو چور ٹھہرا دے۔ چنانچہ یہودی سے جھگڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چور کی براءت پر قسمیں کھائیں اور ان کی تقریر سے یہ تھا کہ یہودی چور ٹھہرایا جائے اور اس پر سزا دی جائے اس پر حق تعالیٰ نے متعدد آیتیں نازل فرمائیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کو متنبہ فرما دیا کہ چور یہی مسلمان ہے یہودی اس سے بری ہے یہ قصہ ہے اور نصیحت کے لئے ایسے لوگوں کی قلعی کھول کر سب کو متنبہ کر دیا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تم پر سچی کتاب اس لئے اتاری کہ تم کو خلاف نہ کرنا چاہئے اور جھگڑنے کے موافق تمام لوگوں میں حکم اور انصاف کیا جائے اور جو دغا باز ہیں ان کی بات کا اعتبار اور انکی طرف داری ہرگز مت کرو ان کی قسموں اور ان کی گواہی پر کسی بے قصور کو مجرم مت بناؤ بلکہ ان دغا بازوں کی طرف ہو کر یہودی سے مت جھگڑو۔ =

الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ

طرف سے جو اپنے جی میں دغا رکھتے ہیں بیشک اللہ کو پسند نہیں جو کوئی ہو دغاباز گنہگار شرماتے ہیں

طرف سے، جو اپنے جی میں دغا رکھتے ہیں۔ اللہ کو خوش نہیں آتا جو کوئی ہو دغا باز گنہگار۔ چھپتے ہیں

النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ

لوگوں سے اور نہیں شرماتے اللہ سے اور وہ ان کے ساتھ ہے جب کہ مشورہ کرتے ہیں رات کو اس بات کا جس سے اللہ راضی نہیں

لوگوں سے اور چھپتے نہیں اللہ سے، اور وہ ان کے ساتھ ہے جب رات کو ٹھہراتے ہیں جس بات سے وہ راضی نہیں۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَاۤءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۟

اور جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے قابو میں ہے ف۱ سنتے ہو تم لوگ جھگڑا کرتے ہو ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں

اور جو کرتے ہیں اللہ کے قابو میں ہے۔ سنتے ہو؟ تم لوگ جھگڑے ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں۔

فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ

پھر کون جھگڑا کرے گا ان کے بدلے اللہ سے قیامت کے دن یا کون ہوگا ان کا کارساز ف۲ اور جو کوئی کرے

پھر کون جھگڑے گا ان کے بدلے اللہ سے، قیامت کے دن، یا کون ہوگا ان کا کام بنانے والا؟ اور جو کوئی کرے

سُوْۤءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا

گناہ یا اپنا برا کرے پھر اللہ سے بخشوادے تو پاوے اللہ کو بخشنے والا مہربان ف۳ اور جو کوئی کرے گناہ

گناہ یا اپنا برا کرے، پھر اللہ سے بخشوائے، پائے اللہ کو بخشتا مہربان۔ اور جو کوئی کمائے گناہ،

= ف۲ یعنی قبل تحقیق صرف ظاہر حال کو دیکھ کر چور کو بری اور یہودی مذکور کو چور خیال کر لینا تمہاری عصمت اور عظمت شان کے مناسب نہیں اس سے استغفار چاہئے۔ اس میں کامل تنبیہ ہوگئی ان مخلصین صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو بوجہ تعلق اسلامی یا قومی وغیرہ چور پر حسن ظن کر کے یہودی کے چور بنانے میں ساعی ہوئے۔

ف۱ پہلی آیت میں جب ان لوگوں کی دغا اور برائی صاف جتلا دی گئی تو شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوجہ غلبہ شفقت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام خلق بالخصوص اپنی امت پر تھا حق تعالیٰ سے ان خطاواروں کی معافی چاہیے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ ان دغابازوں کی طرف ہو کر اللہ سے کیوں جھگڑتے ہو ایسے لوگ اللہ کو خوش نہیں آتے۔ یہ تو لوگوں سے چھپ چھپ کر راتوں کو ناجائز مشورہ کرتے ہیں اور اللہ سے نہیں شرماتے جو ہر وقت ان کے ساتھ ہے اور ان کے تمام امور پر حاوی ہے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی معافی نہ بھی مانگی ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معافی مانگنے کا احتمال تو بالیقین موجود تھا۔ دیکھئے دوسری جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بابت ﴿يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ﴾ ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ﴾ ارشاد صریح موجود ہے۔ سو اس کی پیش بندی کے لئے حق تعالیٰ نے یہ ارشاد فرما کر ان لوگوں کی سفارش سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا۔ واللہ اعلم۔

ف۲ اس میں مطلب ہے چور کی قوم اور ان لوگوں کو جو چور کے طرف دار ہوئے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اس بے جا حمایت سے چور کو قیامت میں کوئی نفع نہیں ہو سکتا۔

ف۳ سوء اور ظلم سے بڑے اور چھوٹے گناہ مراد ہیں یا سوء سے وہ گناہ مراد ہے جس سے دوسرے کو درد پہنچے جیسے کسی پر تہمت لگائی اور ظلم وہ ہے کہ اس کی خرابی اپنے ہی نفس تک رہے یعنی گناہ کیسا ہی ہو اس کا علاج استغفار اور توبہ ہے۔ توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ البتہ معاف فرما دیتا ہے۔ اگر آدمیوں نے جان بوجھ کر فریب سے کسی مجرم کی براءت ثابت کر دی یا غلطی سے مجرم کو بے قصور سمجھ گئے تو اس سے اس کے جرم میں تخفیف بھی نہیں ہو سکتی۔ البتہ توبہ سے بالکل معاف ہو سکتا ہے۔

فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١١﴾ وَمَن يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا

سو کرتا ہے اپنے ہی حق میں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ف۱ اور جو کوئی کرے خطا یا گناہ

سو کماتا ہے اپنے حق میں۔ اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔ اور جو کوئی کمائے تقصیر یا گناہ،

ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿١١٢﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ ع

پھر تہمت لگا دے کسی بےگناہ پر تو اس نے اپنے سر دھرا طوفان اور گناہ صریح ف۲ اور اگر نہ ہوتا تجھ پر اللہ کا فضل

پھر لگادے بےگناہ کو، اس نے سر دھرا طوفان اور گناہ صریح۔ اور اگر نہ ہوتا تجھ پر فضل اللہ

وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ أَن يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ ۖ وَمَا

اور اس کی رحمت تو قصد کر ہی چکی تھی ان میں ایک جماعت کہ تجھ کو بہکا دیں اور بہکا نہیں سکتے مگر اپنے آپ کو اور تیرا

کا اور مہر تو قصد کیا ہی تھا ان میں ایک جماعت نے کہ تجھ کو بہکائیں۔ اور بہکا نہ سکتے مگر آپ کو اور تیرا

يَضُرُّونَكَ مِن شَيْءٍ ۚ وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن

کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اللہ نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت اور تجھ کو سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ

کچھ نہ بگاڑتے۔ اور اللہ نے نازل کی تجھ پر کتاب، اور کام کی بات اور تجھ کو سکھایا جو تو نہ

تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿١١٣﴾ لَّا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ

جانتا تھا اور اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے ف۳ کچھ اچھے نہیں ان کے اکثر مشورے مگر جو کوئی کہ کہے

جان سکتا۔ اور اللہ کا فضل تجھ پر بڑا ہے۔ کچھ بھلی نہیں ان کی مشورت، مگر جو کوئی کہے

=اس میں اس چور کو اور اس کے سب طرفداروں کو، جو دیدہ دانستہ طرف دار بنے ہوں یا غلطی سے سبھی کو توبہ اور استغفار کا ارشاد ہوگیا اور اشارہ لطیف اس نسبت بھی ہوگیا کہ اب بھی اگر کوئی اپنی بات پر جما رہے گا اور توبہ نہ کرے گا تو اللہ کی بخشش اور اس کی رحمت سے محروم ہوگا۔

ف۱ یعنی جو اپنے قصد سے گناہ کرے گا اس کا وبال تو اسی پر پڑے گا اور اس کی سزا خاص اسی کو دی جائے گی کسی دوسرے کو سزا نہیں ہوسکتی کیونکہ ایسا تو وہ کرسکتا ہے جس کو واقعی بات کی خبر نہ ہو یا حکمت سے بے بہرہ ہو۔ مگر حق سبحانہ وتعالیٰ تو بلا مبالغہ، بصیغہ مبالغہ علیم وحکیم ہے وہاں اس کی گنجائش کہاں تو اب خود چوری کرکے یہودی کے سر لگانے سے کیا نفع ہوسکتا ہے۔

ف۲ یعنی جس نے چھوٹا یا بڑا گناہ کرکے کسی بےگناہ کے ذمہ لگایا تو اس پر تو دو گناہ لازم ہوگئے، ایک جھوٹی تہمت دوسرا وہ اصلی گناہ تو ظاہر ہوگیا کہ خود چوری کرکے یہودی پر تہمت دھرنے سے اور وبال بڑھ گیا نفع خاک بھی نہ ہوا اور معلوم ہوگیا کہ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا توبہ خالص کے سوا اس کا کوئی علاج نہیں۔

ف۳ اس میں خطاب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف اور اظہار ہے ان خائنوں کے فریب کا اور بیان ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان اور عصمت کا اور اس کا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمال علمی میں جو کہ تمام کمالات سے افضل اور اول ہے سب سے فائق ہیں اور اللہ کا فضل آپ پر بے نہایت ہے جو ہمارے بیان اور ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا اور اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو چور کی براءت کا خیال ہوا تھا وہ ظاہر حال کو دیکھ کر اور اقوال وشہادات کو سن کر اور اس کو سچ سمجھ کر ہوگیا تھا میلان عن الحق یا مداہنت فی الحق ہرگز ہرگز اس کا باعث نہ تھا اور اتنی بات میں کچھ برائی نہ تھی بلکہ یہی ہونا ضروری تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے حقیقت الامر ظاہر ہوگئی کوئی خلجان باقی نہ رہا اور ان سب باتوں سے مقصود یہ ہے کہ آئندہ کو وہ فریب باز تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہکانے اور دھوکا دینے سے رک جائیں اور مایوس ہوجائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عظمت اور تقدس کے موافق غور اور احتیاط سے کام لیں۔ واللہ اعلم۔

بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ

صدقہ کرنے کو یا نیک کام کو یا صلح کرانے کو لوگوں میں اور جو کوئی یہ کام کرے اللہ کی خوشی کے لئے

خیرات کو، یا نیک بات کو، یا صلح کرانے کو لوگوں میں۔ اور جو کوئی یہ چیزیں کرے اللہ کی خوشی چاہ کر

فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى

تو ہم اس کو دیں گے بڑا ثواب (۱) اور جو کوئی مخالفت کرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے

تو ہم اس کو دیں گے بڑا ثواب۔ اور جو کوئی خلاف کرے رسول سے، جب کھل چکی اس پر راہ کی بات، اور چلے

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝

سب مسلمانوں کے راستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کریں گے اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے ہم اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ ہے (۲)

سب مسلمانوں کی راہ سے الگ سو ہم اس کو حوالے کریں وہی طرف جو اس نے پکڑی، اور ڈالیں اس کو دوزخ میں، اور بہت بری جگہ پہنچا۔

حکم بست وہشتم ممانعت از حمایت اہل خیانت

قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ... الی ... سَاۗءَتْ مَصِيْرًا﴾

ربط: ..... گزشتہ آیات میں کفار اور منافقین کے معاملات کا ذکر تھا اب آیات میں منافقین کے ایک شرانگیز قصہ کا بیان ہے جس سے بتلانا مقصود ہے کہ کافروں پر ظلم کرنا اور بے گناہ پر تہمت اور الزام لگانا جائز نہیں اور خیانت کرنے والے کی حمایت جائز نہیں اگرچہ کافر کا ہو مقدمہ کا فیصلہ عدل وانصاف سے ہونا چاہیے۔

شان ❶ نزول

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک منافق طعمہ بن ابیرق نامی نے ایک انصاری کے گھر میں نقب لگائی اور آٹے کا

(۱) منافق لوگ [illegible] آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ میں باتیں کرتے تاکہ لوگوں میں اپنا اعتبار بڑھائیں اور مجلس میں بیٹھ کر آپس میں بیہودہ سرگوشی کیا کرتے کسی کی عیب جوئی کسی کی غیبت کسی کی شکایت کرتے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ جو لوگ باہم کانوں میں مشاورت کرتے ہیں اکثر مشورے خیر سے خالی ہوتے ہیں۔ [illegible]

(۲) یعنی جب کسی کو حق بات واضح ہو چکی پھر اس کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرے اور سب مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جدا راہ اختیار کرے تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے [illegible] گیا اور مشرکین میں جا ملا۔

فائدہ: اکابر علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا کہ اجماع امت کا خلاف اور منکر جہنمی ہے یعنی اجماع امت کا ماننا فرض ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کا ہاتھ ہے مسلمانوں کی جماعت پر جس نے جدا راہ اختیار کی وہ دوزخ میں جا پڑا۔

❶ منقول از تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۵۵۱ و تفسیر قرطبی: ۵/ ص ۳۔

تھیلا جس میں زرہ وہتھیار رکھے ہوئے تھے چرا کر لے گیا اتفاق سے اس تھیلے میں ایک سوراخ تھا چور کے گھر تک راستہ میں آٹا گرتا گیا جس سے لوگوں کو پتہ چل گیا کہ طعمہ بن ابیرق کی یہ کارسازی ہے۔ طعمہ کو جب ڈر ہوا کہ پکڑا جاؤں گا تو اس نے یہ تدبیر کی رات ہی کو وہ مال لے جا کر زید بن سمین یہودی کے پاس رکھ دیا جو اس کا ہمسایہ تھا۔ صبح کو جب تحقیق وتفتیش شروع ہوئی تو آٹے کے سراغ سے طعمہ کو جا پکڑا مگر تلاشی کے بعد اس کے گھر میں سے کچھ نہ نکلا اور چور نے قسم کھائی کہ نہ مجھے اس کا کچھ علم نہیں لوگوں نے چھوڑ دیا اور یہودی کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے وہ زرہ برآمد ہوئی جب اس یہودی سے پوچھا گیا تو اس نے کہا میں چور نہیں میرے پاس تو طعمہ بن ابیرق امانت رکھ گیا ہے طعمہ نے اس سے صاف انکار کر دیا اور اپنے عزیزوں سے خفیہ مشورہ کر کے اپنی قوم کے لوگوں کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مال فلاں شخص کے گھر سے برآمد ہوا ہے وہ لوگ مجھ پر چوری کی تہمت لگاتے ہیں آپ ﷺ سب کے سامنے میری صفائی اور براءت کر دیں اور یہودی کو چور ٹھہرائیں مگر نفس الامر میں یہودی اپنے قول میں سچا تھا اور طعمہ اپنے قول میں جھوٹا تھا اور واقع میں وہی چور تھا قتادہ بن النعمان وغیرہ جو طعمہ کو چور بتلا رہے تھے آنحضرت ﷺ نے ان سے یہ فرمایا کہ تم بغیر کسی ثبوت اور کسی شہادت کے کسی پر کیسے چوری کی تہمت لگاتے ہو اس پر حق تعالیٰ نے پورے دو رکوع نازل فرمائے جن میں طعمہ کی خیانت اور یہودی کی براءت کی طرف اشارہ فرمایا اور اشارہ فرمایا کہ خیانت کرنے والوں کی حمایت کا تصور بھی نہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ سے اس بے جا حمایت کے تصور کی بھی معافی مانگئے۔ ظاہر حال اور لاعلمی کی بناء پر آپ ﷺ نے جو فرمایا اگرچہ وہ فی حد ذاتہ گناہ نہ ہو مگر آپ ﷺ کی شان عالی کے لیے مناسب نہیں کہ لسان نبوت سے کوئی ایسا کلمہ نکل جائے جو نفس الامر کے خلاف ہو اگرچہ اس کلمہ کا صدور لاعلمی کی بناء پر ہو چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبی) تحقیق یہ مقدس کتاب ہم نے آپ ﷺ کی طرف حق اور راستی کے ساتھ اتاری ہے تاکہ آپ ﷺ لوگوں کے درمیان خواہ مسلمان ہو یا کافر اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو سمجھائے یا دکھلائے یا صراحۃً یا اشارۃً آپ ﷺ کو بتلائے یا سمجھائے امام قرطبی فرماتے ہیں کہ ﴿بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ سے دل کی آنکھ سے دکھلانا مراد ہے کیونکہ حکم اور فیصلہ سر کی آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ (تفسیر ● قرطبی)

لغت میں سر کی آنکھ سے دیکھنے کو رؤیت کہتے ہیں اور دل کی آنکھ سے دیکھنے کو رائے کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہ ؒ اور ان کے اصحاب کو اہل الرائے اس لیے کہتے ہیں کہ وہ کتاب وسنت میں دل کی آنکھ سے دیکھ کر حکم دیتے ہیں علماء اصول نے لفظ ﴿بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ سے استدلال کیا ہے کہ کبھی آنحضرت ﷺ بھی رائے اور اجتہاد سے حکم دیتے اور اگر کسی وقت حضور پر نور ﷺ کی رائے اور اجتہاد میں کسی قسم کی کوئی خطا واقع ہو جاتی تو فوراً بذریعہ وحی صریح اس پر مطلع کر دیا جاتا اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس بارہ میں کوئی وحی نہیں نازل ہوتی تو مدت انتظار گزر جانے کے بعد نبی کا اجتہاد اور اس کی رائے بمنزلہ وحی

● قال القرطبی قوله تعالى ﴿بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ معناه اراك الله عناه على قوانين الشرع اما برأي ونص او بنظر جار على سنن الوحي وهذا اصل في القياس وهو يدل على ان النبي صلى الله عليه وسلم اذا رأى شيئا أصاب لان الله تعالى اراه ذلك وقد حسن الله تعالى لانبيائه العصمة فاما احدنا اذا رأى شيئا يظنه فلا قطع فيما رآه ولم يرد رؤية العين هنا لان الحكم لا يرى بالعين وفي الكلام اضمار اي بما اراكه الله وفيه اضمار آخر وامض الاحكام على ما عرفناك من غير اغترار باستدلالهم" (تفسیر قرطبی: ٣٧٦/٥)

جلی اور نص صریح کے ہوجاتا جاننا چاہیے کہ نبی کا اجتہاد اور اس کی رائے وحی باطنی ہے اور قطعی ہے اور مجتہدین کی رائے اور ان کا اجتہاد ظنی ہے۔

اور اے ہمارے نبی آپ ﷺ خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بننا اور لاعلمی کی اور بے خبری کی حالت میں اصل واقعہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے محض ظاہر حال کی بنا پر جو کلمہ آپ کی زبان سے نکل گیا ہے اس کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیے طعمہ جیسے خائن کی براءت کا تصور بھی گناہ ❶ ہے اور قابل استغفار ہے بظاہر حکم استغفار کا حضور پرنور ﷺ کو ہے مگر دراصل خائنین کو سنانا مقصود ہے بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے یا یہ مطلب ہے کہ جن لوگوں نے حسن ظن کی بناء پر طعمہ اور بنی ابیرق کو سچا سمجھ لیا تھا ان کے لیے استغفار کیجئے اس میں ان مومنین مخلصین کے لیے تنبیہ ہوگئی جو بوجہ حسن ظن یا اسلامی تعلق کی بناء پر طعمہ کی براءت اور یہودی کے چور بنانے میں ساعی ہوئے اور آئندہ بھی اے نبی ﷺ ایسے لوگوں کی طرف سے نہ جھگڑنا جو دوسروں کی خیانت کر کے درحقیقت اپنی جانوں سے خیانت اور دغا کر رہے ہیں بیشک اللہ، دغاباز اور گنہگار کو پسند نہیں کرتا گناہ (چوری) تو خود کریں اور چالاکی سے دوسروں کے سر لگادیں یہ دغاباز لوگ اپنی خیانتوں کو لوگوں سے چھپانا چاہتے ہیں اور لیکن اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے اور اللہ سے کیسے چھپا سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہے جب وہ رات کو ان باتوں کے مشورے کرتے ہیں جن کو اللہ پسند نہیں کرتا یعنی جب طعمہ کی قوم کے لوگ یہ مشورہ کر رہے تھے کہ ہم اپنی جھوٹی قسم اور شہادت سے طعمہ کی براءت اور یہودی کی چوری ثابت کردیں گے اور اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تھا اور ان کے حال کو دیکھ رہا تھا اور ہے اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کا احاطہ کرنے والا اس پر تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی تمہارا ظاہر و باطن سب اس کے احاطہ میں ہے خبردار اے طعمہ کے حامیو اور طرف دارو! تم ہی ایسے نادان لوگ ہو کہ تم ان خائنین کی طرف سے دنیاوی زندگی میں تو جھگڑے اور خیانت کے الزام سے ان کو بری کرلیا سو یہ تو بتاؤ کہ قیامت کے دن کون ان کی طرف سے جھگڑے گا یا کون ان کا وکیل بنے گا اور جو شخص ان خائنین کی حمایتی اور وکالت سے توبہ کرلے اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا اس لیے کہ حق تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جو شخص ایسا برا کام کرے جس سے دوسروں کو تکلیف پہونچے جیسے چوری وغیرہ اور کسی پر تہمت لگانا یا صرف اپنی جان پر ظلم کرے یعنی یا ایسا کام کرے جس کا ضرر اس کی ذات تک محدود رہے پھر اس کے بعد حق تعالیٰ سے معافی چاہے تو اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا اشارہ اس طرف ہے کہ طعمہ اور اس کی قوم کو توبہ کرلینی چاہیے اگر وہ توبہ کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول فرمالے گا اور جو شخص گناہ کرتا ہے وہ اپنے ہی برے کے لیے کرتا ہے کیونکہ اس کا وبال اسی پر پڑے گا اور اللہ بڑا دانا اور حکمت والا ہے اور جو شخص نادانستہ کوئی خطا کرگزرے یا دیدہ و دانستہ کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے پھر بجائے شرمندہ اور تائب ہونے کے اس گناہ کو کسی بے گناہ پر لے جا کر پھینک دے یعنی اپنا گناہ کسی دوسرے کے سر لگادے تو بیشک اس شخص نے بڑے بہتان اور کھلے گناہ کو اپنے سر پر اٹھایا

❶ ذهب الطبرى الى ان المعنى استغفر الله من ذنبك من خصامك الخائنين فامره بالاستغفار لما همّ بالدفع عنهم وقطع يد اليهودى وهذا مذهب من جوز الصغائر على الانبياء قال ابن عطية وهذا ليس بذنب لان النبى صلى الله عليه وسلم انما دافع على الظاهر وهو يعتقد براءتهم۔ (تفسیر قرطبی: ۳۷۷/۵)

اس آیت میں خطیئۃ سے گناہ صغیرہ اور اثما سے گناہ کبیرہ مراد ہے اور اے نبی ﷺ اگر آپ ﷺ پر اللہ کا خاص فضل اور خاص رحمت نہ ہوتی تو ان منافقین میں کا ایک گروہ یہ ارادہ کر چکا تھا کہ اپنی چرب لسانی سے آپ ﷺ کو غلطی میں ڈال دیں۔ یعنی طعمہ کی قوم آپ ﷺ سے خلاف حق فیصلہ کرانا چاہتی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر اپنا فضل کیا کہ بذریعہ وحی کے اصل واقعہ سے آپ ﷺ کو مطلع کر دیا اور آپ ﷺ کی عصمت کو قائم رکھا اور چونکہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل آپ ﷺ کا شامل حال ہے اس لیے یہ لوگ سوائے اپنے نفسوں کے اور کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے اور آپ ﷺ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کا حافظ و ناصر ہے اور کسی کا آپ کو نقصان پہنچانا ناممکن اور محال ہے اس لیے کہ اللہ نے اپنے فضل و رحمت سے آپ پر کتاب کو نازل کیا اور حکمت کی باتیں اتاریں اور آپ کو وہ باتیں سکھائیں جو آپ ﷺ نہیں جان سکتے تھے یعنی بہت سی غیب کی خبروں پر آپ ﷺ کو مطلع کیا جن کا آپ ﷺ کو پہلے سے کچھ علم نہ تھا اور یہ اس وجہ سے ہے کہ تجھ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے اور ظاہر ہے کہ جس پر اللہ کا خاص فضل ہو اس کو کون ضرر اور نقصان پہنچا سکتا ہے (اے نبی) ﷺ ان لوگوں کی اکثر سرگوشیوں اور مشوروں میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں مگر اس سرگوشی اور مشورہ میں نیکی اور بھلائی ہے جس میں کوئی صدقہ اور خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم دے یہ آیت اگرچہ خاص طعمہ کی قوم کی سرگوشیوں کے بارہ میں نازل ہوئی مگر حکم عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ سوائے ان تین قسم کی باتوں کے جو مذکور ہوئیں کسی اور بات میں سرگوشی نہیں کرنی چاہیے اور جو شخص یہ کام محض اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرے گا ہم اس کو بڑا ثواب دیں گے یعنی جو شخص خیرات یا نیکی کی بات یا صلح کرائے گا تو ہم اس کو بڑا ثواب ضرور دیں گے مگر شرط یہ ہے کہ کام اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرے شہرت اور نمود کے لیے نہ کرے اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ راہ ہدایت اس پر کھل چکی ہے اور جو شخص مسلمانوں کی راہ کو چھوڑ کر کسی اور راہ کی پیروی کرے یعنی مسلمانوں کے مسلم اور متفق علیہ طریقہ کو چھوڑ کر جو شخص نیا طریقہ اختیار کرے گا تو ہم ایسے شخص کے منہ کو اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ متوجہ ہوا ہے یعنی اس کو اس کے حال میں چھوڑ دیں گے اور کبھی اس کو ہدایت نصیب نہ ہوگی اور اخیر میں اس کو جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ اجماع امت حجت ہے اور مسلمانوں پر اس کی پیروی واجب ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے اس آیت سے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے اس لیے کہ سبیل المومنین سے وہ عقیدہ اور عمل مراد ہے جس پر تمام صحابہ و تابعین کا اتفاق ہو۔

حجیت اجماع امت: …… پہلے گزر چکا ہے کہ اصول شریعت چار ہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع امت اور قیاس۔ اجماع کے معنی لغت میں اتفاق رائے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں ایک زمانہ میں مجتہدین اور علماء ربانیین اور راسخین فی العلم کا کسی دینی امر پر اتفاق رائے کر لینے کا نام اجماع ہے اور جس طرح قرآن و حدیث حجت میں اسی طرح اجماع بھی حجت ہے اور اجماع کی حجیت کتاب و سنت اور اجماع امت اور قیاس عقلی سے ثابت ہے من جملہ ان آیات قرآنیہ کے جن سے علماء نے اجماع حجت ہونے پر استدلال کیا یہ آیت یعنی ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ جس مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے یا مسلمانوں کی راہ کو چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کرے تو اس کا انجام جہنم ہے معلوم ہوا کہ جس راہ کو مسلمانوں نے اختیار کیا ہوا اور اسی کا ترجمہ اجماع ہے اور اس کی مخالفت ایسی ہی موجب عذاب ہے جیسے رسول

اللہ ﷺ کی مخالفت موجب عذاب ہے پس جس طرح رسول کا حکم حجت اور واجب التسلیم ہے اسی طرح اجماع بھی حجت اور واجب التسلیم ہوگا اور حدیث میں ہے "لا تجتمع امتی علی الضلالۃ" یعنی میری امت گمراہی پر اجماع نہیں کرسکتی معلوم ہوا کہ جو حکم اجماع سے ثابت ہوگا وہ سراسر ہدایت ہی ہوگا حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں بعض علماء نے اس حدیث کو متواتر المعنی کہا ہے یعنی اس مضمون کی حدیثیں اس کثرت سے آئی ہیں کہ سب مل کر یہ مضمون حد تواتر کو پہنچ جاتا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے بہت غور و فکر کے بعد اس آیت سے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے اور وہ بہترین اور نہایت قوی استدلال ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱؍۵۵۵) اور حدیث میں ہے "ید اللہ علی الجماعۃ فمن شذ شذ فی النار اخرجہ الترمذی۔" یعنی جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوا وہ علیحدہ دوزخ میں جائے گا۔ (ترمذی)

اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم خصوصاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا طریقہ رہا کہ جب کسی مسئلہ میں اشکال پیدا ہو جاتا تو جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل الرائے اور اہل الفقہ تھے ان کو جمع کر کے مشورہ کرتے اور جس پر وہ متفق ہو جاتے اس کے مطابق حکم صادر کرتے اور قیاس عقل اور فطرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اجماع کو حجت مانا جائے خصوصاً اس زمانہ میں تو کثرت رائے ایک مسلم اصول بن گیا ہے کہ اگر سو میں سے انچاس ایک طرف ہوں اور اکیاون ایک طرف ہوں تو اکیاون والی رائے کو اختیار کیا جاتا ہے اور انچاس والی رائے کو محض ایک رائے کی کمی کی وجہ سے چھوڑ دیا جاتا ہے اور کسی بات پر سو کے سو کا اتفاق ہو اور ایک رائے بھی اس کے خلاف نہ ہو تو وہ بات نہایت صحیح اور پختہ سمجھی جاتی ہے۔ اور اسی کا ترجمہ اجماع ہے پھر اجماع میں اور کثرت رائے میں فرق یہ ہے کہ آج کل اسمبلیوں میں محض کثرت آراء اور اتفاق آراء سے فیصلہ ہو جاتا ہے اور اجماع شرعی میں یہ شرط ہے کہ رائے دینے والے علماء اور صلحاء اور اتقیاء ہوں ہر کس و ناکس کی رائے کا اعتبار نہیں دنیا کا مسلمہ اصول ہے کہ علاج کے متعلق اطباء کا متفقہ فیصلہ اور تعمیر کے متعلق انجینئروں کا متفقہ فیصلہ حجت اور سند ہے تو علماء شریعت کا کسی امر پر اتفاق کیسے حجت نہ ہوگا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ

بیشک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے کسی کو اور بخشتا ہے اس کے سوا جس کو چاہے ف۱ جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا

اللہ نہیں بخشتا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے نیچے بخشتا ہے جس کو چاہے۔ اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا

فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾ إِن يَدْعُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِن يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا

وہ بہک کر دور جا پڑا ف۲ اللہ کے سوا نہیں پکارتے مگر عورتوں کو اور نہیں پکارتے مگر شیطان

وہ دور جا بھولا کر۔ اس کے سوا پکارتے ہیں، سو عورتوں کو، اور اس کے سوا پکارتے ہیں، سو شیطان

ف۱ یعنی شرک سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے گا اللہ بخش دے گا مگر شرک کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ مشرک کے لئے عذاب ہی مقرر فرما چکا اور ضروری کر چکا اور رحمت سے محرومی [illegible] اگر چہ کبیرہ گناہ تھے ان پر بھی احتمال تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس چور کو بخش دیتا لیکن جب وہ چور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بھاگ کر مشرکوں میں جا ملا تو اب اس کی مغفرت کا احتمال بھی نہ رہا۔ فائدہ: اس سے یہ معلوم ہوا کہ شرک یہی نہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی پرستش کرے بلکہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں کسی کے حکم کو پسند کر لینا بھی شرک ہے۔

ف۲ دور جا پڑا اس لئے کہ وہ شخص تو فسق ہی سے صریح منحرف ہو گیا اور اللہ کے مقابلہ میں دوسرا معبود بنا کر شیطان کا پورا مطیع ہو چکا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس

مَّرِيدًا ﴿١١٧﴾ لَّعَنَهُ اللَّهُ ۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿١١٨﴾ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ

سرکش کو جس پر لعنت کی اللہ نے (۱) اور کہا شیطان نے کہ میں البتہ لوں گا تیرے بندوں سے حصہ مقرر، (۲) اور ان کو بہکاؤں گا

سرکش کی۔ جس کو لعنت کی اللہ نے، اور وہ بولا: کہ میں البتہ لوں گا تیرے بندوں سے حصہ ٹھہرایا۔ اور ان کو بہکاؤں گا،

وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ

اور ان کو امیدیں دلاؤں گا اور ان کو سکھلاؤں گا کہ چیریں جانوروں کے کان اور ان کو سکھلاؤں گا کہ بدلیں صورتیں بنائی ہوئی

اور ان کو توقعیں دوں گا، اور ان کو سکھاؤں گا کہ چیریں جانوروں کے کان، اور ان کو سکھاؤں گا کہ بدلیں صورت بنائی

اللَّهِ ۚ وَمَن يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّن دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ﴿١١٩﴾ يَعِدُهُمْ

اللہ کی (۳) اور جو کوئی بناوے شیطان کو دوست اللہ کو چھوڑ کر تو وہ پڑا صریح نقصان میں ان کو وعدہ دیتا ہے

اللہ کی۔ اور جو کوئی پکڑے شیطان کو رفیق اللہ کو چھوڑ کر، وہ اوبا صریح نقصان میں۔ ان کو وعدہ دیتا ہے

وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢٠﴾ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا

اور ان کو امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ وعدہ دیتا ہے ان کو شیطان سو سب فریب ہے ایسوں کا ٹھکانا ہے دوزخ اور نہ

اور ان کو توقعیں بتاتا ہے۔ اور جو توقع دیتا ہے ان کو شیطان، سو سب دغا ہے۔ ایسوں کو ٹھکانا ہے دوزخ، اور نہ

والی رحمت سب سے مستغنی ہو چکا اور جو اتنی دور جا پڑا تو اللہ کی رحمت اور مغفرت کا کیسے مستحق ہو سکتا ہے بلکہ ایسے شخص کی مغفرت تو خلاف حکمت ہونی چاہیے یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں کا مغفرت سے صاف مایوس فرما دیا گیا اور مسلمان گناہ کی حالت میں مر گیا چونکہ اس کی خرابی صرف اعمال تک ہے اس کا عقیدہ اور تعلق اور توقع سب صحیح ہیں تو اس کی مغفرت ضرور ہوگی جلدی یا دیر کے بعد اللہ جب چاہے گا بخش دے گا۔

(۱) یعنی ان مشرکوں نے اللہ کے سوا جو اپنا معبود بنایا تو ان بتوں کو جن کو عورتوں کے نام سے بلند کر رکھا ہے جیسے عزیٰ اور منات اور نائلہ وغیرہ اور حقیقت الامر دیکھئے تو یہ مشرکین شیطان سرکش ملعون ازلی کی عبادت کرتے ہیں اسی نے تو بہکا کر ایسا کرایا اور بت پرستی کرنے میں اس کی اطاعت اور اس کی عین خوشی ہے۔ اس سے مشرکین کی پرلے سرے کی ضلالت اور جہالت ظاہر فرمانی مقصود ہے۔ دیکھئے اول تو اللہ کے سوا کسی کو معبود بنانا اس سے بڑھ کر ضلالت کیا ہو سکتی ہے پھر بنایا تو کس کو پتھروں کو جن میں کسی قسم کی حس و حرکت بھی نہیں اور عورتوں کے نام سے موسوم ہیں اور کس کے بہکانے سے شیطان مردود ملعون ضلالت کے بہکانے سے بھلا اس ضلالت اور جہالت کی نظیر مل سکتی ہے اور کوئی احمق سے احمق بھی اس کو قبول کر سکتا ہے۔

(۲) یعنی جب شیطان مردود کر کے ملعون اور مردود کیا گیا تو اس نے تو اسی وقت کہا تھا کہ میں تو غارت ہوا ہی پر مگر میں بھی تیرے بندوں اور اولاد آدم میں سے اپنے لئے ایک مقدار معلوم اور حصہ لوں گا یعنی ان کو گمراہ کر کے اپنے ساتھ جہنم میں لے جاؤں گا جیسا کہ سورہ حجر اور بنی اسرائیل وغیرہ میں مذکور ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ مردود اور ملعون ہونے کے علاوہ شیطان تو تمام بنی آدم کا اول روز سے پکا دشمن اور بدخواہ ہے اور اس دشمنی کو صاف ظاہر کر چکا ہے تو اب یہ احتمال بھی نہ رہا کہ گو شیطان ہر طرح سے خبیث و گمراہ ہے مگر شاید کسی کو خیر خواہانہ کوئی نصیحت کی بات بتلا دے بلکہ یہ معلوم ہو گیا کہ وہ دشمن ازلی تو بنی آدم کو جو کچھ بتلاوے گا اس میں گمراہی اور بربادی ہی کی بات بتلاوے گا پھر ایسے گمراہ اور بدخواہ کی اطاعت کرنی کس قدر جہالت اور نادانی ہے۔ حصہ مقرر لینے کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ تیرے بندے اپنے مال میں میرا حصہ ٹھہرائیں گے جیسا کہ لوگ بت اور جن وغیرہ غیر اللہ کی نذر اور نیاز کرتے ہیں۔

(۳) یعنی جو لوگ میرے حصہ میں آئیں گے ان کو طریق حق سے گمراہ کروں گا اور ان کو خواہشات دنیاوی کے حصول کی اور قیامت اور حساب و کتاب امور اخروی کے نہ ہونے کی آرزو دلاؤں گا اور اس بات کی تعلیم دوں گا کہ جانوروں کے کان چیر کر بتوں کے نام پر ان کو چھوڑیں گے اور اللہ کی پیدا کی ہوئی صورتوں کو اور اس کی مقرر کی ہوئی باتوں کو بدل ڈالیں گے۔ فائدہ: کافروں کا دستور تھا کہ بکری اور اونٹ کا بچہ بت کے نام کر دیتے اور اس کا کان =

يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

پاویں گے وہاں سے کہیں بھاگنے کو جگہ ف۱ اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے اچھے ان کو ہم داخل کرینگے باغوں میں کہ جن کے

پاویں گے وہاں سے بھاگنے کو جگہ۔ اور جو یقین لائے اور عمل کئے نیک، ان کو ہم داخل کریں گے باغوں میں، جن کے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں ان میں ہی ہمیشہ وعدہ ہے اللہ کا سچا اور اللہ سے سچا کون ف۲

نیچے بہتی نہریں، رہ پڑے وہاں ہمیشہ کو۔ وعدہ اللہ کا سچا۔ اور اللہ سے سچی کس کی بات؟

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ

نہ تمہاری امیدوں پر مدار ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر جو کوئی برا کام کرے گا اس کی سزا پاوے گا اور نہ پاوے گا

نہ تمہاری آرزو پر ہے، نہ کتاب والوں کی آرزو پر۔ جو کوئی برا کرے گا، اس کی سزا پائے گا۔ اور نہ پاوے گا

دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار اور جو کوئی کام کرے اچھے مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان رکھتا ہو

اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی نہ مددگار۔ اور جو کوئی کچھ عمل کرے گا، مرد ہو یا عورت، اور ایمان رکھتا ہو،

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ

سو وہ لوگ داخل ہونگے جنت میں اور ان کا حق ضائع نہ ہوگا تل بھر ف۳ اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا جس نے پیشانی رکھی

سو وہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں، اور ان کا حق نہ رہے گا تِل بھر۔ اور اس سے بہتر کس کی راہ؟ جس نے منہ دھرا

= چیر کر یا اس کے کان میں نشانی ڈال کر چھوڑ دیتے اور صورت بدلنا جیسے خوجہ کرنا یا بدن کو سوئی سے گود کر تل بنانا یا نیلا داغ دینا یا بچوں کے سر پر چوٹیاں رکھنا کسی کے نام کی۔ مسلمانوں کو ان کاموں سے بچنا ضرور ہے، داڑھی منڈوانا بھی اسی تغیر میں داخل ہے۔ اور اللہ کے جتنے احکام ہیں کسی میں تغیر کرنا بہت سخت بات ہے جو چیز اس نے حلال کر دی اس کو حرام کرنا یا حرام کو حلال کرنا اسلام سے نکال دیتا ہے تو جو کوئی ان باتوں میں مبتلا ہو اس کو یقین کر لینا چاہیے کہ میں شیطان کے مقررہ حصہ میں داخل ہوں جس کا ذکر گزرا۔

ف۱ یعنی جب شیطان کی خباثت و شرارت اور اس کی عداوت کی کیفیت خوب معلوم ہو چکی تو اب اس میں کچھ شک نہ رہا کہ اپنے سچے معبود سے منحرف ہو کر جو کوئی اس کی موافقت کرے گا سخت نقصان میں پڑے گا۔ اس کے تمام وعدے اور امیدیں محض فریب ہیں نتیجہ یہ ہوگا کہ ان سب کا ٹھکانا دوزخ ہے اس سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

ف۲ یعنی وہ لوگ جو شیطان کی خرابی سے محفوظ ہیں اور ارشاد خداوندی کے موافق ایمان لائے اور اچھے عمل کئے وہ ہمیشہ کے لئے باغ و بہار میں رہیں گے اور یہ اللہ کا وعدہ ہے جس سے سچی کسی کی بات نہیں ہو سکتی پھر ایسے سچے وعدہ کو چھوڑ کر شیطان کی جھوٹی باتوں میں آنا کس قدر گمراہی اور کتنی بڑی مضرت کو سر لینا ہے۔

ف۳ کتاب والوں یعنی یہودیوں اور نصرانیوں کو خیال تھا کہ ہم خاص بندے ہیں جن گناہوں پر خلقت پکڑی جائے گی ہم نہ پکڑے جائیں گے۔ ہمارے پیغمبر حمایت کر کے ہم کو بچالیں گے اور نادان اہل اسلام بھی اپنے حق میں یہی خیال کر لیا کرتے ہیں۔ سو فرما دیا کہ نجات اور ثواب کسی کی امید اور خیال پر موقوف اور منحصر نہیں جو برا کرے گا پکڑا جائے گا کوئی ہو اللہ کے عذاب کے وقت کسی کی حمایت کام نہیں آ سکتی اللہ جس کو پکڑے وہی چھوڑے تو چھوٹے۔ دنیا کی مصیبت =

لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي

اللہ کے حکم پر اور نیک کاموں میں لگا ہوا ہے اور چلا دین ابراہیم پر جو ایک ہی طرف کا تھا اور اللہ نے بنا لیا ابراہیم کو خالص دوست ف ۱ اور اللہ ہی کا ہے

اللہ کے حکم پر، اور نیکی میں لگا ہے، اور چلا دین ابراہیم پر، جو ایک طرف کا تھا۔ اور اللہ نے پکڑا ابراہیم کو یار۔ اور اللہ کا ہے جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع ۱۸ / ۱۱ / ۱۵

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ ہے زمین میں اور سب چیزیں اللہ کے قابو میں ہیں ف ۲

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں۔ اور اللہ کے ڈھب میں ہے سب چیز۔

شرک اور اہل شرک کی مذمت اور رسوم جاہلیت کا ابطال

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ... الی... وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا﴾

یہ آخری آیت ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى﴾ بھی طعمہ کے بارہ میں نازل ہوئی جب اس نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا پردہ فاش کر دیا تو مرتد ہو کر چلا گیا۔ ایک شخص کی دیوار میں نقب لگایا اتفاقاً دیوار اس پر گر پڑی اور وہ مر گیا۔ اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ شرک کی بابت ارشاد فرماتے ہیں کہ شرک تو بغیر توبہ کے کسی حال میں نہیں بخشا جاتا اور البتہ شرک اور کفر کے علاوہ اور گناہ بغیر توبہ کے بھی بخشے جاتے ہیں پس اگر طعمہ مرتد نہ ہوتا اور مشرکین کے ساتھ جا کر نہ ملتا تو ممکن تھا کہ چوری وغیرہ کا گناہ بغیر توبہ ہی کے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو معاف کر دیتا لیکن وہ بدنصیب کافر اور مرتد ہو جانے کی وجہ سے اور پھر کفر و شرک پر مر جانے کی وجہ سے بالکلیہ خدا تعالیٰ کی عفو اور مغفرت سے محروم ہو گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ بلا توبہ نہیں بخشا اس بات کو اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے چہ جائیکہ سرے ہی سے خدا تعالیٰ کا انکار کر دیا جائے اور کفر اور شرک سے نیچے اور کم درجے کے گناہ کو بلا توبہ کے بھی جس کے لیے چاہیں معاف کر دیں اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے وہ بلا شبہ گمراہ ہو کر ایسی گمراہی میں جا پڑا کہ جو ہدایت سے بہت ہی دور ہے اور ہدایت سے اتنا دور ہو گیا کہ قابل عفو و مغفرت نہ رہا بخلاف مسلمان کے کہ وہ کتنا ہی سخت گنہگار کیوں نہ ہو اس کی گمراہی صرف اس کے اعمال تک ہے اور اس کا عقیدہ گمراہی اور خرابی سے محفوظ ہے۔

■ اور بیماری کو دھیان کرلو اور جو کوئی عمل نیک کرے گا بشرطیکہ ایمان بھی رکھتا ہو سو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور اپنی نیکیوں کا پورا ثواب پائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ ثواب وعقاب کا تعلق اعمال سے ہے کسی کی امید اور آرزو سے کچھ نہیں ہوتا۔ سو ان امیدوں پر لات مارو اور نیک کاموں میں ہمت کرو۔

ف ۱ پہلے معلوم ہو چکا کہ اللہ کے نزدیک اعمال کا اعتبار ہے بیہودہ آرزو کا کوئی نتیجہ نہیں۔ اہل کتاب وغیرہ سب کے لئے یہی قاعدہ مقرر ہے جس میں اشارہ تھا اہل اسلام یعنی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف اور فضیلت کی طرف اور اہل کتاب کی مذمت اور برائی کی طرف۔ اب کھول کر فرماتے ہیں کہ دینداری میں ایسے شخص کا مقابلہ کون کر سکتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم پر سر رکھے ہوئے ہو اور نیک کاموں میں دل سے لگا ہوا ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پکی پیروی کرتا ہو جو سب کو چھوڑ کر اللہ کا ہو گیا تھا اور اس کو اللہ نے اپنا دوست بنا لیا۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں خوبیاں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں علیٰ وجہ الکمال موجود تھیں حتیٰ کہ اہل کتاب میں اب اس سے اہل کتاب کی وہ آرزو جو پہلے گزری لغو محض اور باطل ہو گئی۔

ف ۲ یعنی زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے سب اس کے بندے اور اس کی مخلوق اور مملوک ہیں اور اس کے قبضہ میں ہیں۔ اپنی رحمت اور حکمت سے جس کے ساتھ جیسا چاہے معاملہ کرے اس کو کسی کی حاجت نہیں۔ خلیل بنانے سے کوئی دھوکا نہ کھائے اور اہل عالم کے جملہ اعمال خیر و شر کی جزا اور سزا میں تردد نہ کرے۔

فائدہ: ...... شروع سورت کی تمہید میں گزر چکا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اس سورت میں پانچ آیتیں مجھ کو دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں ان میں سے ایک آیت یہ ہے، یعنی ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ بظاہر وجہ یہ ہوگی کہ گنہگاروں کے لیے سہارا ہے۔

نکتہ: ...... یہ آیت اسی سورت میں پہلے بھی گزر چکی ہے مگر پہلی بار اہل کتاب کے سلسلہ میں گزری جو اہل علم تھے اور جان بوجھ کر خدا کے بیٹے اور شریک ٹھہراتے تھے اس لیے وہاں آیت کے ختم پر ﴿فَقَدِ افْتَرٰى إِثْمًا عَظِيمًا﴾ فرمایا کیونکہ اہل کتاب جان بوجھ کر اللہ پر افتراء کرتے تھے اور اس جگہ اس آیت کو مشرکین عرب اور مرتدین کے سلسلہ میں ذکر فرمایا جو جاہل اور گمراہ تھے اس لیے یہاں آیت کے ختم پر ﴿فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيدًا﴾ فرمایا کہ مشرکین عرب جہالت کی بنا پر گمراہی میں مبتلا ہیں۔ (روح المعانی: ۵/۱۳۳) باقی شرک اور کفر کی عدم مغفرت کی وجوہ با تفصیل پہلی آیت کے ذیل میں گزر چکی ہیں۔

اب آئندہ آیات میں ان کی ضلال بعید کی وجوہ بیان فرماتے ہیں یہ مشرک خدا کو چھوڑ کر نہیں پرستش کرتے مگر عورتوں کی یعنی بتوں کی جو ان کے خیال میں عورت ہیں اس لیے کہ اہل عرب اپنے بتوں کے نام مؤنث رکھتے تھے جیسے لات اور عزیٰ اور منات۔ حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہر قبیلہ کے بت کو اس قبیلہ کا انثی کہا کرتے تھے اور عورتوں کی طرح ان کو زیورات پہنایا کرتے تھے اور وہ لوگ اپنے بتوں کو خدا کی لڑکیاں بھی کہا کرتے تھے اور انثی کا اطلاق اس سبب سے کرتے تھے کہ وہ بے جان ہیں اور بے جان چیز کے لیے زبان عرب میں مؤنث کا لفظ استعمال کیا ہے، بہر حال مقصود کہ یہ لوگ گمراہی میں بہت دور جا پڑے ہیں کہ قادر توانا کو چھوڑ کر کمزور اور عاجزوں اور عورتوں کی پرستش کرتے ہیں کسی درجہ کے بے عقل اور نا سمجھ اور گمراہ ہیں اور در حقیقت نہیں پرستش کرتے مگر شیطان سرکش کی یعنی بتوں کو جو پوجتے ہیں تو صرف شیطان کے اغواء سے پوجتے ہیں تو گویا در حقیقت شیطان کو پوجتے ہیں جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور اس کو اپنی رحمت خاصہ سے دور پھینک دیا ہے اور ظاہر ہے کہ عورتوں کی اور ملعون اور مردود کی پرستش بلاشبہ ضلال بعید ہے۔ شیطان کی پرستش تو حماقت معنویہ ہے اور عورتوں کی پرستش حماقت حسیہ ہے اس لیے کہ عورتیں باعتبار جسم کے مردوں سے زیادہ کمزور ہیں فوج میں بھرتی ہونے کے قابل نہیں اس طرح اور اسی نسبت سے عورتیں عقل میں بھی مردوں سے بہت کمزور ہیں کامل العقل جنس کا ناقص العقل جنس کی پرستش کرنا کیا یہ حسی اور ظاہری حماقت اور ضلال بعید نہیں اور جس وقت شیطان سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے بارگاہ خداوندی سے ملعون اور مردود ہوا تو اس وقت اس نے یہ کہا کہ میں تو غارت ہی ہو چکا مگر اولاد آدم کے غارت کرنے میں بھی کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھوں گا اور اے پروردگار میں تیرے بندوں میں ایک معین حصہ جو تیرے علم ازلی میں مقرر اور معین ہے ضرور لے کر رہوں گا یعنی اے پروردگار تیرے کچھ بندے تجھے چھوڑ کر میری راہ پر ہولیں گے تو اسی طرح تیرے بندوں میں میرا حصہ بھی ضرور ہوگا اور عقائد میں ان کو طریق ہدایت سے ضرور گمراہ کروں گا اور بہکاؤں گا اور اعمال زندگی میں ان کو طرح طرح کی امیدوں اور آرزوؤں میں ضرور مبتلا کروں گا تاکہ بے دھڑک ہو کر وہ تیری معصیت کریں حتی کہ جزاء و سزا اور آخرت کا ان کو خیال بھی نہ آئے اور میں انہیں ضرور اعمال کفریہ و رسوم شرکیہ کا حکم دوں گا کہ وہ میرے حکم سے بتوں کے نام پر جانوروں

کے کان کاٹیں گے مشرکین عرب کا یہ دستور تھا کہ جب اونٹنی پانچ بچے جن لیتی اور پانچواں بچہ نر ہوتا تو اس کے کان چیر کر بتوں کے نام پر اس کو چھوڑ دیتے نہ اس کا دودھ پیتے اور نہ اس پر سوار ہوتے اور نہ اس کی اون سے منتفع ہوتے اور یہ سمجھتے کہ یہ فعل خدا کے تقرب کا ذریعہ ہے اس آیت میں اسی رسم کی طرف اشارہ ہے اور میں ان کو یہ حکم بھی ضرور دوں گا جس سے وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑیں گے جیسے داڑھی منڈوانا اور بتوں کے نام کی سر پر چوٹی رکھنا اور عورتوں کا اپنی کھال کو گودوانا اور اپنے بالوں میں دوسرے بال وصل کرانا وغیرہ وغیرہ۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ مردوں کا سیاہ خضاب کرنا اور مردوں کا عورتوں کے مشابہ بننا اور عورتوں کا مردوں کا مشابہ اور ہم لباس بننا وہ بھی تغیر خلق اللہ میں داخل ہے۔

خلاصہ مطلب یہ کہ شیطان تمہارا ازلی دشمن اور حاسد ہے اور وہ اپنی دشمنی کو صاف ظاہر بھی کر چکا ہے اور جب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا تھا تو اس وقت یہ کہہ کر آیا تھا کہ اے خدا میں تیرے بندوں کو ضرور گمراہ کروں گا اور تم اس واضح دشمنی اور عداوت کے بعد کیوں اس کی پیروی کرتے ہو اور اس کے بہکانے پر کیوں عمل کرتے اور کیا لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ جو خدا کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنائے اور اس کے مشوروں پر چلے تو وہ صریح نقصان میں جا پڑا کہ جنت کو فروخت کر کے جہنم خرید لی شیطان ان سے وعدے کرتا ہے اور طرح طرح کی امیدیں ان کو دلاتا ہے شیطان کے پاس سوائے زبانی وعدوں اور خیالی آرزوؤں کے کیا رکھا ہے اور نہیں وعدہ کرتا شیطان ان سے مگر خالص دھوکے اور فریب کا یعنی شیطان لوگوں سے وعدے کرتا ہے کہ دنیا کی لذتیں ہمیشہ ان کو نصیب ہوتی رہیں گی اور حساب و کتاب سب ڈھکوسلہ ہے اور جو شخص حساب و کتاب اور قیامت کے انکار پر آمادہ نہیں ہوتا اسے یہ آرزو دلاتا ہے کہ ابھی زندگی بہت پڑی ہے جلدی کیا ہے اخیر وقت میں توبہ کر لینا جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

ناصحا توبہ کی جلدی کیا ہے   یہ بھی کر لیں گے جو فرصت ہوگی

حق تعالیٰ فرماتے ہیں خوب سمجھ لو کہ شیطان کے وعدے سب جھوٹے ہیں ایسے لوگ جنہوں نے شیطان کو اپنا رفیق بنایا ہے ان سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ کبھی اس دوزخ سے مفر اور مخلصی نہ پائیں گے یعنی اس سے بھاگ کر کبھی رہائی نہ پاسکیں گے اور برخلاف ان کے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے عنقریب ہم ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے کہ ان کے درختوں کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اور ان باغات میں ان کا داخل ہونا عارضی نہ ہوگا بلکہ وہ ہمیشہ رہیں گے خدا تعالیٰ نے ان سے اس پکا اور سچا وعدہ کیا ہے اور خدا تعالیٰ سے بات میں کون زیادہ سچا ہو سکتا ہے اور جب تم کو یہ معلوم ہو چکا تو تم کو چاہیے کہ اللہ کے وعدوں پر بھروسہ کر کے عمل کرو شیطان کے جھوٹے وعدوں پر بھروسہ کر کے دھوکہ میں نہ آؤ اس لیے کہ آخرت کا ثواب اے مسلمانو نہ تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر ہے خالی آرزوؤں اور تمناؤں پر کام نہیں چلتا۔ جب تک ایمان اور عمل صالح نہ ہو اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ اہل کتاب اور اہل اسلام میں گفتگو ہوئی اور اہل کتاب نے کہا ہماری کتاب مقدم ہے اور ہمارے نبی تمہارے نبی سے مقدم ہیں اور مسلمانوں نے کہا ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور ہماری کتب تمام کتابوں کی ناسخ ہے لہٰذا ہم تم سے بہتر ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ

قرب خداوندی اور اخروی کامیابی محض تمناؤں سے حاصل نہیں ہوسکتی بلا ایمان اور بلا عمل صالح، عقبیٰ کی راحت کی توقع رکھنا سراسر نادانی ہے۔ قانون خداوندی یہ ہے کہ جو کام برا کرے گا سزا پائے گا اور آخرت کے دن وہ اللہ کے سوا کسی کو اپنے لیے نہ حمایتی پائے گا اور نہ مددگار جو اس کو خدا کے عذاب سے چھڑائے اور جو شخص نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو یعنی مسلمان ہو پس یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور تل برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور مومن کی قید اس لیے لگائی کہ بغیر ایمان اور اسلام کے کسی عمل صالح کا اعتبار نہیں مطلب یہ ہے عمل صالح کا اہتمام کرو محض تمنا اور زمی آرزو کافی نہیں اب اہل کتاب کے اس خیال کی تردید فرماتے ہیں کہ ان کا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اہل کتاب کا یہ خیال کہ ان کا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے محض غلط ہے کیونکہ باعتبار دین کے اس شخص سے کون اچھا ہوسکتا ہے جو اپنے چہرہ یعنی اپنی ذات کو خدا کے سپرد کردے یعنی سراپا خدا کا مطیع اور فرمانبردار بن گیا ہو درآنحالیکہ وہ مخلص ہو اور ملت ابراہیمی کا پیرو ہو جو کہ حنیف تھے یعنی ماسوی اللہ سے یکسو تھے یعنی دین اسلام سے بہتر اور کوئی دین نہیں کیونکہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو خدا کے حوالہ اور سپرد کردیا ہے جو حکم وہ دیتا ہے وہی کرتے ہیں اور مخلص اور نیکوکاروں ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر ہیں جو اللہ کے خاص الخاص بندہ تھے اور جن کو خدا نے اپنا جانی دوست بنایا تھا اور جو بڑے موحد تھے اور سب سے الگ ہوکر ایک طرف یعنی ایک خدا کی طرف ہو رہے تھے اور تمام حنفاء اور موحدین کے مقتداء اور پیشوا تھے اور انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے جد امجد تھے تو ان کی راہ سب راہوں سے زیادہ بہتر ہوگی اور دین اسلام ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب تھا تو جب مسلمانوں کی یہ کیفیت ہے تو پھر ان کے دین سے بڑھ کر کس کا دین ہوسکتا ہے لہٰذا آخرت کی نعمتیں انہیں لوگوں کو ملیں گی جو ملت ابراہیمی کے خط کے متبع ہوں گے یعنی حنیف اور موحد ہوں گے اور کسی کو خدا کا شریک اور بیٹا نہ سمجھتے ہوں اور اس وجہ سے کہ ابراہیم علیہ السلام سب کو چھوڑ کر ایک خدا کے ہو گئے تھے اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خالص دوست بنالیا تھا جن کے خلال قلب میں اللہ کی محبت اور عظمت ایسی سرایت کرچکی تھی کہ کسی غیر کی اس میں گنجائش باقی نہ رہی تھی اور پورے طور پر وہ اللہ کے مطیع اور فرمانبردار ہوچکے تھے پس مسلمان اسی ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے طریقہ پر ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب پر مقدم ہیں۔ حنیف اس شخص کو کہتے ہیں جو بصیرت کے ساتھ غیر اللہ کو چھوڑ کر بالکلیہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے۔

اور خلیل اللہ وہ شخص ہے جو حق تعالیٰ کی محبت میں اس درجہ فنا ہو چکا ہو کہ طبعی اور فطری طور پر اس کا ارادہ اور اختیار اور رغبت اللہ کے حکم کے تابع ہو جائے اور خلیل اللہ ہونا بارگاہ اللہ پر میں تقرب اعلیٰ ترین مقام ہے اور یہ مقام ہمارے نبی اکرم ﷺ کو بھی حاصل تھا جیسا کہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مرض الوفات میں جو آخری خطبہ دیا تھا اس میں یہ فرمایا:

"اما بعد ایها الناس فلو کنت متخذًا من اهل الارض خلیلا لا تخذت ابا بکر بن ابی قحافة خلیلا ولکن صاحبکم خلیل الله۔"

"اما بعد اے لوگو! اگر میں کسی کو اہل زمین سے اپنا خلیل بناتا لیکن تمہارا صاحب خطاب (یعنی ذات قدسی) خلیل اللہ ہے یعنی اللہ کا خلیل ہے۔"

اور جندب بن عبداللہ البجلی اور عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"ان اللہ اتخذنی خلیلا کما اتخذ ابراھیم خلیلا۔" "تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اپنا خلیل بنایا ہے جس طرح ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا تھا۔"

اس مضمون کی روایتیں تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۵۶۰، میں مذکور ہیں اور آنحضرت ﷺ خلیل اللہ ہونے کے علاوہ حبیب اللہ بھی تھے جیسا کہ ترمذی کی ایک روایت میں ہے "انا حبیب اللہ ولا فخر" غرض یہ کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کو مقام خلت اور مقام محبت دونوں حاصل تھے بعض محققین کا قول ہے کہ محبت کا دائرہ خلت کے دائرہ سے زیادہ وسیع ہے تفصیل کے لیے روح المعانی: ۵/ ۱۴۰ کو دیکھیے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت اور بزرگی اور ان کا ماتقدم زمانی اور رتبی تمام ملل اور امم میں مسلم ہے کہ وہ خلیل اور حنیف تھے یعنی فانی فی اللہ اور باقی باللہ تھے اور دین اسلام اپنے اندر ملت ابراہیمی کو مع شئے زائد سموئے ہوئے ہے۔

دین اسلام ملت ابراہیمی کے علاوہ اور بہت سے علوم اور احکام پر مشتمل ہے اور توحید وتفرید اور انقیاد ظاہری وباطنی اور اخلاص کامل اور فناء فی اللہ اور بقاء باللہ کی تعلیم وتلقین کرتا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کون سا دین ہوسکتا ہے اور یہودیت اور نصرانیت میں سوائے گمراہانہ عقیدہ ابنیت وکفارہ کے اور سوائے جاہلانہ آرزوؤں کے اور کیا رکھا ہے پس عیسائیوں کا یہ گمان کہ تمام گناہ حضرت مسیح اٹھا کر لے گئے اور اب ہم شریعت اور حلال اور حرام کی قید سے آزاد ہیں اور اسی طرح یہودیوں کا یہ گمان کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں اور ہم خدا کے دوست ہیں ہمیں دوزخ میں جانا نہیں پڑے گا اور اگر جائیں گے بھی تو تب تھوڑے دنوں کے لیے اور پھر ہمارے باپ دادا جو پیغمبر تھے وہ ہم کو چھڑا لائیں گے یہ سب یہود ونصاری کی آرزوئیں ہیں جن سے کچھ کام نہیں چلتا اطاعت کے بغیر نجات ممکن نہیں ان آیات سے فرقہ مرجئہ کا بھی رد ہوگیا جو یہ کہتے ہیں کہ فقط ایمان نجات کے لیے کافی ہے اور اعمال صالحہ ضروری نہیں حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ایمان صرف آرزو کا نام نہیں تاوقتیکہ دل میں اعتقاد نہ ہو اور عمل اس کی تصدیق نہ کرے۔

پس ثابت ہوا کہ یہود ونصاری کا دعوی باطل ہے اور دین اسلام سے بہتر کوئی دین نہیں اور دین اسلام کے سوا کوئی دین مقبول نہیں اور مسلمانوں سے زیادہ کوئی گروہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قریب نہیں۔ کما قال تعالیٰ: ﴿إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرٰهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور یہود اور نصاری اخلاص اور توحید اور اسلام اور احسان سے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ یہ تھا کہ کوسوں دور ہیں پس ان کا یہ دعوی کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں بالکل غلط ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی جب وہ آسمان اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے تو ابراہیم علیہ السلام کا بھی وہی مالک اور خدا ہے اور ابراہیم علیہ السلام اس کے بندہ ہیں اس مالک مطلق نے اپنے اختیار سے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل اور مقرب بنایا مقام خلت سے ان کو شرف اور عزت حاصل ہوئی مگر دائرہ عبودیت اور مملوکیت سے باہر

نہیں ہوئے اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا اپنی قدرت اور علم وحکمت سے احاطہ کرنے والا کوئی شی اس کے احاطہ قدرت اور قہر سے باہر نہیں پس وہی ذات اس قابل ہے کہ خالص اس کی بندگی کی جائے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کیا جائے اور یہود اور نصاریٰ اور مشرکین عرب سب شرک میں مبتلا ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سب کے اعمال کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے پس قیامت کے دن ضرور ان کے اعمال کی ان کو سزا دے گا۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ

اور تجھ سے رخصت مانگتے ہیں عورتوں کے نکاح کی کہہ دے اللہ تم کو اجازت دیتا ہے ان کی اور وہ جو تم کو سنایا جاتا ہے قرآن میں سو حکم ہے

اور تجھ سے رخصت مانگتے ہیں عورتوں کی، تو کہہ اللہ تم کو رخصت دیتا ہے ان کی، اور وہ جو تم کو سناتے ہیں کتاب میں،

يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ

ان یتیم عورتوں کا جن کو تم نہیں دیتے جو ان کے لئے مقرر کیا ہے اور چاہتے ہو کہ ان کو نکاح میں لے آؤ

سو حکم ہے یتیم عورتوں کا، جن کو تم نہیں دیتے جو ان کا مقرر ہے، اور چاہتے ہو کہ ان کو نکاح میں لو،

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ

اور حکم ہے ناتوان لڑکوں کا اور یہ کہ قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر ف۱ اور جو کرو گے بھلائی

اور مغلوب لڑکوں کا اور یہ ہے قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر۔ اور جو کرو گے بھلائی،

ف۱ اس سورت کے اول میں تاکید فرمائی تھی یتیموں کے حق ادا کرنے کی اور فرمایا تھا کہ یتیم لڑکی جس کا ولی مثلاً چچا کا بیٹا ہو، اگر جانے کہ میں اس کا حق پورا ادا نہ کرسکوں گا تو خود اس لڑکی سے نکاح نہ کرے بلکہ کسی اور سے اس کا نکاح کر دے اور آپ اس کا حمایتی بنا رہے۔ اس پر مسلمانوں نے ایسی عورتوں سے نکاح کرنا موقوف کر دیا تھا مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ بعضی جگہ لڑکی کے حق میں یہی بہتر ہے کہ اس کا ولی ہی اپنے نکاح میں لائے جیسی رعایت وہ کرے گا غیر نہ کرے گا۔ تب مسلمانوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی اجازت مانگی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور رخصت مل گئی اور فرمایا کہ وہ جو پہلی ممانعت سنائی گئی تھی وہ خاص اس صورت میں تھی کہ ان کا حق پورا ادا نہ کرو اور یتیموں کے حق ادا کرنے کی تاکید کی گئی تھی اور جو یتیموں کے ساتھ سلوک اور بھلائی کرنے کے ارادہ سے ایسا نکاح کیا جائے تو اجازت ہے۔

فائدہ: عرب والے عورتوں بچوں یتیموں کو بعض حقوق میں محروم رکھتے تھے میراث نہ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ میراث اس کا حق ہے جو دشمنوں سے لڑائی کرے یتیم لڑکیوں سے ان کے اولیاء نکاح کر کے نفقہ اور مہر میں کمی اور ان کے مال میں بے جا تصرف کرتے تھے۔ چنانچہ اس سورت کے اول میں ان باتوں کی تاکیدات گزر چکیں اب اس موقع پر چند رکوع پہلے سے جو ارشاد چلا آ رہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ واجب الاتباع حکم الٰہی ہے۔ کسی کی عقل، کسی کا دستور، کسی کا حکم، کسی کی آرزو اور قیاس قابل اعتبار نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے کسی کی بات سننی اور اللہ کے حکم کو چھوڑ کر اس پر عمل کرنا صریح کفر اور گمراہی ہے اور اس مضمون کو طرح طرح سے تاکیدات بلیغہ کے ساتھ ظاہر کر کے دکھلایا ہے۔ اب اس کے بعد آیات سابقہ کا حوالہ دے کر بعضے اور مسائل عورتوں اور یتیم لڑکیوں کے نکاح کے متعلق بتلائے جاتے ہیں تاکہ ان تاکیدات کے بعد کسی کو عورتوں کے حقوق دینے میں کوئی بات باقی نہ رہے۔ روایت ہے کہ جب عورتوں کے متعلق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم میراث ظاہر فرمایا تو عرب کے بعض سردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور تعجب سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ بہن اور بیٹی کو میراث دلواتے ہیں حالانکہ میراث تو ان کا حق ہے جو دشمنوں سے لڑیں اور غنیمت کا مال لائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے کہ انکو میراث دی جائے نیز اشارہ ہے اس طرف کہ ارشاد ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ﴾ کے مصداق حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں کہ نکاح مہر نفقہ معاملات میں اپنے زیر دستوں کی ادنیٰ حق تلفی روا نہیں رکھتے اور حکم خداوندی کے مقابلہ میں اپنے منافع اور اغراض ذاتی اور اپنی قوم کے رسم و =

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ

سو وہ اللہ کو معلوم ہے ف۱ اور اگر کوئی عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے یا جی پھر جانے سے تو کچھ گناہ نہیں

سو وہ اللہ کو معلوم ہے۔ اور اگر ایک عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے، یا جی پھر جانے سے تو گناہ نہیں

عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ

دونوں پر کہ کرلیں آپس میں کسی طرح صلح اور صلح خوب چیز ہے ف۲ اور دلوں کے سامنے موجود ہے حرص ف۳ اور اگر تم

دونوں پر کہ کرلیں آپس میں کچھ صلح۔ اور صلح خوب چیز ہے۔ اور جیوں کے سامنے دھری ہے حرص۔ اور اگر تم

تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ

نیکی کرو اور پرہیزگاری کرو تو اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے ف۴ اور تم ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے

نیکی کرو اور پرہیزگاری، تو اللہ کو تمہارے کام کی خبر ہے۔ اور تم ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے

النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا

عورتوں کو اگرچہ اس کی حرص کرو سو بالکل پھر بھی نہ جاؤ کہ ڈال رکھو ایک عورت کو جیسے ادھر میں لٹکتی ف۵ اور اگر اصلاح کرتے رہو

عورتوں کو، اگرچہ اس کا شوق کرو، سو نرے پھر بھی نہ جاؤ، کہ ڈال رکھو ایک کو جیسے ادھر میں لٹکتی۔ اور اگر سنوارتے رہو

وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ

اور پرہیزگاری کرتے رہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۶ اور اگر دونوں جدا ہوجاویں تو اللہ ہر ایک کو بے پروا کردیگا اپنی کشایش سے

اور پرہیزگاری کرو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر دونوں جدا ہوجائیں تو اللہ ہر ایک کو محفوظ کرے گا

= رواج کی اصلا پروا نہیں کرتے۔ یہی حکم الٰہی کی مخالفت کے احتمال سے بھی پرہیز کرتے ہیں جو کرتے ہیں صاف اجازت لینے کے بعد کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ف۱ یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہاری ذرا ذرا بھلائی معلوم ہے سو یتیموں اور عورتوں کے حق میں جو بھلائی کروگے اس کا ثواب ضرور پاؤ گے۔

ف۲ یعنی اگر کوئی عورت خاوند کا دل اپنے سے پھرا دیکھے اور اس کو خوش اور متوجہ کرنے کو اپنے مہر یا نفقہ وغیرہ میں سے کچھ چھوڑ کر اس کو راضی کرلے تو اس مصالحت میں کسی کے ذمہ کچھ گناہ نہیں زوجین میں مصالحت اور موافقت بہت ہی اچھی بات ہے۔ البتہ بے وجہ عورت کو تنگ کرنا اور بلا رضا اس کے مال میں تصرف کرنا گناہ ہے۔

ف۳ یعنی اپنے نفع اور مال کی حرص اور بخیلی ہر ایک کے جی میں گھسی ہوئی ہے۔ سو نظر بر مصلحت اگر عورت مرد کو کچھ نفع پہنچائے گی تو مرد خوش ہو جائے گا۔

ف۴ یعنی اگر عورتوں کے ساتھ سلوک نیک کروگے اور بدسلوکی اور لڑائی سے پرہیز رکھو گے تو اللہ تعالیٰ تو تمہاری سب باتوں سے خبردار ہے اس نیکی کا ثواب ضرور عنایت کرے گا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں نہ اعراض اور نہ خوشی کی نوبت آئے گی اور نہ راضی کرنے اور اپنے کسی حق کے چھوڑنے کی ضرورت ہوگی۔

ف۵ یعنی اگر کئی عورتیں نکاح میں ہوں تو یہ تو تم سے ہو سکے گا کہ محبت قلبی اور ہر ہر امر میں بالکل مساوات اور برابری رکھو مگر ایسا ظلم بھی نہ کرو کہ ایک طرف تو بالکل جھک جاؤ اور دوسری کو درمیان میں لٹکتی رکھو نہ خود ہی آرام سے رکھو نہ بالکل علیحدہ ہی کرو جو دوسرے سے نکاح کرسکے۔

ف۶ یعنی اگر اصلاح اور مصالحت کا معاملہ کروگے اور تعدی اور حق تلفی سے تا بمقدور بچتے رہو گے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے۔

اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿۱۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ

اور اللہ کشائش والا تدبیر جاننے والا ہے ف۱ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور ہم نے حکم دیا ہے

اپنی کشائش سے۔ اور اللہ کشائش والا ہے تدبیر جانتا۔ اور اللہ کو ہے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں، اور ہم نے کہہ رکھا ہے

أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۗ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي

پہلے کتاب والوں کو اور تم کو کہ ڈرتے رہو اللہ سے اور اگر نہ مانوگے تو اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے

پہلی کتاب والوں کو اور تم کو کہ ڈرتے رہو اللہ سے، اور اگر منکر ہو گے تو اللہ کا ہے جو کچھ ہے

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں اور ہے اللہ بے پروا سب خوبیوں والا اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ

آسمان و زمین میں۔ اور اللہ بے پرواہ ہے سب خوبیوں سراہا۔ اور اللہ کا ہے جو کچھ آسمان و

الْأَرْضِ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا ﴿۱۳۲﴾ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ ۗ وَكَانَ

زمین میں اور اللہ کافی ہے کارساز ف۲ اگر چاہے تو تم کو دور کردے اے لوگو اور لے آئے اور لوگوں کو اور

زمین میں۔ اور اللہ بس ہے کام بنانے والا۔ اگر چاہے تم کو دور کرے لوگو! اور لے آوے اور لوگ۔ اور

اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا

اللہ کو یہ قدرت ہے ف۳ جو کوئی چاہتا ہو ثواب دنیا کا سو اللہ کے یہاں ہے ثواب دنیا کا

اللہ کو یہ قدرت ہے۔ جو کوئی چاہتا ہو انعام دنیا کا، سو اللہ کے ہاں انعام دنیا کا

وَالْآخِرَةِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿۱۳۴﴾ ع ۱۹

اور آخرت کا ف۴ اور اللہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے ف۵

اور آخرت کا۔ اور اللہ ہے سنتا دیکھتا۔

ف۱ یعنی اگر زوجین جدائی ہی کو پسند کریں اور طلاق کی نوبت آئے تو کچھ حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کا کارساز ہے اور سب کی حاجات کا پورا کرنے والا ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ زوجہ کو راحت سے رکھے اور ایذا نہ دے اور اس پر قادر نہ ہو تو پھر طلاق دے دینا مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ اوپر سے ترغیب و ترہیب کا ذکر چلا آتا تھا یعنی حکم خداوندی کی اطاعت کرنا اور اس کی مخالفت سے بچنا سب کو ضرور ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی کی بات کی طرف کان رکھنا ہرگز جائز نہیں۔ بیچ میں چند حکم یتیموں اور عورتوں کے متعلق جن میں لوگ مبتلا تھے بیان فرما کر پھر اس ترغیب و ترہیب کا بیان ہے۔ ان دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تم کو اور تم سے پہلوں کو سب کو یہ حکم سنا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کی نافرمانی نہ کرو تو اب اگر کوئی اس کے حکم کو نہ مانے تو وہ سب چیزوں کا مالک ہے اس کو کسی کی پروا نہیں یعنی اپنا ہی کچھ بگاڑے گا اس کا کچھ نقصان نہیں اور فرمانبرداری کرو گے تو سمجھ لو کہ وہ تمام چیزوں کا مالک ہے۔ تمہارے سب کام بنا سکتا ہے۔ تین دفعہ فرمایا کہ اللہ کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ اول سے کشائش اور وسعت مقصود ہے کہ اس کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ دوسری سے بے نیازی اور بے پروائی کا بیان مقصود ہے کہ اس کو کسی کی پرواہ نہیں اگر تم منکر ہو۔ تیسری دفعہ میں رحمت اور کارسازی کا اظہار ہے بشرطیکہ تقوی کرو۔

=

رجوع بسوئے احکام نساء وولدان

قَالَ تَعَالٰی : ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ... الی ... وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾

ربط :...... حق جل شانہ نے اس سورت کو تقویٰ اور پرہیز گاری کے حکم سے شروع فرمایا اور عورتوں اور یتیموں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا اور مہر اور میراث کے بارہ میں زمانہ جاہلیت سے رسم چلی آ رہی تھی کہ عورتوں اور بچوں کو میراث نہیں دیتے تھے اس ظالمانہ رسم کو باطل کیا اور فرمایا کہ یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے ہرگز تعدی نہ کرنا دور تک سلسلہ کلام اسی طرح چلا گیا کہ عورتوں اور یتیموں اور نکاح ومہر وغیرہ کے متعلق احکام بیان فرمائے اور پھر اللہ کی عبادت اور اہل قرابت اور فقراء اور مساکین کے ساتھ سلوک اور احسان کا حکم دیا یہاں تک کہ حقوق العباد کے متعلق تقوی کے احکام اور حدود الٰہیہ کا بیان ہوا۔

اس کے بعد اہل کتاب کو توحید اور تقوی اور دین حق کی دعوت دی اور دور تک یہی سلسلہ کلام چلا گی اور درمیان میں آخرت کے متعلق مختلف مضامین آتے رہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجائے اور قرآن کریم کا یہ خاص طریقہ ہے۔ کہ چنداً حکام بیان کرنے کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت وجلال اور دار آخرت کی خوبی اور اعمال صالحہ کی ترغیب اور اعمال سیئہ سے ترہیب ذکر کرتے ہیں اور وعدہ اور وعید اور ثواب اور عقاب کو ملا کر بیان کرتے ہیں دین حق کی طرف دعوت کا یہ بہترین طریقہ ہے اسی ترتیب کے مطابق جب اس سورت کے شروع میں عورتوں اور یتیموں کے احکام بیان فرمائے جو فروع دین سے تھے اور بعد میں اہل کتاب کے متعلق جو مضامین بیان ہوئے وہ زیادہ تر اصول دین سے متعلق تھے اب پھر عورتوں اور یتیموں کے احکام کی طرف رجوع فرماتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ حقوق العباد میں کسی کو ضعیف اور کمزور (عورت اور یتیم) سمجھ کر کوتاہی کرنا سراسر تقوی کے منافی ہے اور حدود اللہ سے تعدی ہے قرآن کریم کا یہ طریقہ نہیں کہ ایک موضوع سے متعلق تمام احکام کو ایک سیاق میں جمع کردے یہ طریقہ مصنفین اور مولفین کا ہے قرآن کریم کا مقصد وحید ہدایت حق اور نصیحت اور موعظت اور تذکیر آخرت ہے اگر ایک مضمون کی تمام آیات کو ایک جگہ کر دیا جائے تو یہ مقصد فوت ہو جائے یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں شرک اور اعمال شرک کا ذکر تھا اب ان آیات میں رسوم شرکیہ کو بیان کرتے ہیں جو عورتوں کے متعلق ہیں اور قریب العہد بجاہلیت ہونے کی وجہ سے فی الجملہ بعض مسلمانوں میں بھی موجود تھیں۔

شان نزول :...... زمانہ جاہلیت سے عرب میں یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ عورتوں اور بچوں کو میراث نہیں دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ میراث اس کا حق ہے جو قبیلہ اور خاندان کی طرف سے دشمنوں سے لڑے۔

اور اگر کوئی یتیم لڑکی اپنے باپ سے مال کی وارث ہوتی اور پھر وہ کسی کی ولایت اور پرورش میں ہوتی تو اگر وہ

= ف۳ یعنی اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ تم سب کو فنا کر دے اور دنیا سے اٹھالے اور دوسرے لوگ مطیع و فرمانبردار پیدا کر دے۔ اس سے بھی حق تعالیٰ کا استغنا اور بے نیازی خوب ظاہر ہوگئی اور نافرمانوں کو پوری تہدید اور تخویف بھی ہوگئی۔

ف۴ یعنی اگر اس کی تابعداری کرو تو تم کو دنیا بھی دے اور آخرت بھی پھر صرف دنیا کے پیچھے پڑنا اور اس کی نافرمانی کر کے آخرت سے محروم رہنا بڑی نادانی ہے۔

ف۵ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے سب کام دیکھتا ہے اور سب باتیں سنتا ہے جس کے طالب ہو گے وہی ملے گا۔

خوبصورت ہوتی تو اس کا ولی اور متولی خود اس سے نکاح کر لیتا مگر اس کا مہر پورا نہ دیتا اور اگر وہ لڑکی بدصورت ہوتی تو نہ خود نکاح کرتا اس سے اور نہ کسی اور سے کرنے دیتا تا کہ اس لڑکی کا مال دوسرے کے قبضہ میں نہ چلا جائے اس پر سورۃ نساء کی شروع کی آیتیں نازل ہوئیں جس میں عورتوں اور یتیموں کے حقوق اور ان کی میراث کے احکام مفصل بیان کر دیے گئے۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب قرآن کریم میں احکام میراث نازل ہوئے تو لوگوں پر یہ چیز (طبعاً) شاق ہوئی اور یہ کہنے لگے کہ کیا لڑکا اور عورت بھی مرد کی طرح وارث ہوں گے اور اپنے خیال میں یہ سمجھے کہ لڑکا اور عورت قابل میراث نہیں اس لیے یہ گمان کیا شاید یہ حکم وقتی طور پر ہو اور بعد چندے یہ حکم منسوخ ہو جائے اور نسخ کی توقع اور انتظار میں رہے جب دیکھا کہ اس حکم کا کوئی ناسخ بھی نازل نہیں ہوتا تو پھر مشورہ یہ ہوا کہ ہم خود جا کر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنا چاہیے چنانچہ حاضر ہو کر دریافت کیا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ اخرجه ابن جرير وابن المنذر عن سعيد بن جبير۔ (تفسیر در ❶ منثور: ۲/۲۳۱، وروح المعانی: ۵/۱۴۳)

بخاری اور مسلم میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب لوگوں نے عورتوں اور یتیموں کے حقوق میں کوتاہی کی تو اس پر سورۃ نساء کی شروع کی آیتیں نازل ہوئیں بعد چندے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر عورتوں کے متعلق کچھ مسائل دریافت کیے اس پر یہ آیت (﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ الی آخرها) نازل ہوئی۔

غالباً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دوبارہ سوال سے مقصد یہ ہوگا کہ شاید احکام سابقہ میں کوئی ترمیم وتنسیخ یا تخفیف ہو جائے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ اس باب میں جو حکم نازل ہو چکا ہے وہ قطعی ہے اور وہ اسی طرح قائم رہے گا اور اس میں کوئی تغیر وتبدل نہ ہوگا عورتوں کے نکاح اور ان کی میراث اور یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کا جو حکم پہلے بیان ہو چکا ہے وہ بدستور قائم ہے اسی پر عدل وانصاف اور ایمانداری کے ساتھ عمل کرو اور خدا تعالیٰ اور اس کی کتاب نے تم کو جو فتویٰ دیا ہے اس کی پابندی کرو غرض یہ کہ ان آیات میں عورتوں کے متعلق کچھ احکام بیان فرماتے ہیں میراث کی تخصیص نہیں اور بعض مفسرین نے جو میراث کا ذکر کیا ہے وہ بطور تخصیص نہیں بلکہ بطور تمثیل ہے اس لیے ان آیات میں میراث کے علاوہ اور بھی احکام بیان کیے ہیں۔

شیخ الاسلام ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کے متعلق مختلف مسائل دریافت کیے جن امور کا حکم پہلے نازل ہو چکا تھا اس آیت میں ان کا حوالہ دے دیا گیا اور جو مسائل اور امور ایسے تھے جن کا حکم پہلے بیان نہ ہوا تھا ان کا حکم ان آیات میں بیان کر دیا گیا ہے۔ (تفسیر ابی السعود ❷ برحاشیہ تفسیر کبیر: ۳/۴۲۱)

❶ اخرج ابن جرير وابن المنذر عن سعيد بن جبير قال كان لا يرث الا الرجل الذى قد بلغ ان يقوم فى المال ويعمل فيه ولا يرث الصغير ولا المرأة شيئا فلما نزلت المواريث فى سورة النساء شق ذلك على الناس وقالوا ايرث الصغير الذى لا يقوم فى المال والمرأة التى هى كذلك فيرثان كما يرث الرجل فرجوا ان ياتى فى ذلك حدث من السماء فانتظروا فلما رأوا انه لا ياتى حدث قالوا لئن ثم هذا انه لواجب ما عنه بدثم قالوا سلوا فسألوا النبى صلى الله عليه وسلم فانزل الله تعالىٰ ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ﴾ فى اول السورة ﴿فِي يَتَامَى النِّسَاءِ الَّتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ (كذا فى الدر المنثور: ۲/۲۳۱)

❷ قال شيخ الاسلام ابو السعود قال تعالىٰ ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ اى فى حقهن على الاطلاق كما ينبئ عنه الاحكام =

چنانچہ ❶ عورتوں پر ظلم کی حرمت کے بارہ میں تو ابتداء سورت کی آیتوں کا حوالہ دیا گیا کہ وہاں یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے اور دوسرا مسئلہ عورتوں کے نشوز اور ایک بیوی کی طرف میلان کلی اور دوسری بیوی سے اعراض اور بوقت ضرورت اجازت طلاق کا مسئلہ تھا اس کا حکم ان آیات میں بیان کر دیا گیا چنانچہ فرماتے ہیں اور لوگ آپ ﷺ سے عورتوں کے بارہ میں فتوی پوچھتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ رکھیں اور بعض یہ امید رکھتے ہیں کہ عورتوں کے بارہ میں جو احکام سابق میں نازل ہو چکے ہیں شاید ان میں کچھ تخفیف ہو جائے آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اللہ تم کو ان کے بارہ میں وہی فتوی اور حکم دیتا ہے جو پہلے دے چکا ہے اور وہ آیتیں بھی تم کو فتوی دیتی ہیں جو کتاب الٰہی میں تم پر ان یتیم عورتوں کے بارہ میں پڑھی جاتی ہیں جن کو تم وہ حقوق نہیں دیتے جو میراث اور مہر وغیرہ کے بارہ میں ان کے لیے مقرر کیے گئے ہیں اور اگر وہ عورتیں صاحب مال ہوں مگر صاحب جمال نہ ہوں تو چاہتے ہو کہ بغیر حقوق ادا کیے تھوڑے سے مہر پر ان سے نکاح کر لو تا کہ یہ مال کہیں اور نہ چلا جائے اور اس لیے کہ کسی اور سے نکاح نہیں کرنے دیتے ہو اس لیے یہ حکم ہے کہ اگر اس کا حق ادا نہ کر سکو تو نکاح میں نہ لاؤ اور کسی کو دے دو تا کہ تم اس کے حمایتی اور سرپرست رہو اور اگر ولی خود اس لڑکی کے حقوق ادا کرے تو اجازت ہے کہ ولی اس کو اپنے نکاح میں لاوے کیونکہ جو خاطر اور مدارات تم کر سکتے ہو وہ غیر نہیں کر سکتا اور جو آیتیں ناتواں اور کمزور بچوں کے حقوق کی حفاظت کے بارہ میں پڑھی جاتی ہیں وہ بھی تم کو فتوی دیتی ہیں اور حکم خداوندی سے تم کو آگاہ کرتی ہیں اور اس بارہ میں تم کو حکم دیتی ہیں کہ یتیموں کے بارہ میں عدل اور انصاف کو قائم رکھو اور اس کے علاوہ جو بھلائی اور نیکی کرو گے وہ سب اللہ کو معلوم ہے تم کو اس کی جزا خیر دیں گے مطلب یہ ہے کہ سورت کے شروع میں عورتوں اور یتیموں کے بارہ میں جو آیتیں نازل ہو چکی ہیں وہ اب بھی حسب سابق واجب العمل ہیں جیسا کہ ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی﴾ یتامیٰ النساء کے بارہ میں نازل ہوئی اور ﴿واتوا الیتامی اموالھم بالقسط﴾ یتیموں کے اموال کی حفاظت کے بارہ میں نازل ہوئی۔

اور بعد ازاں آیت ﴿لَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا﴾ میں اور مزید تاکید فرما دی اور ﴿لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ﴾ الخ میں سب کی میراث کو مجملاً اور ﴿یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِكُمْ﴾ الخ میں مرد اور عورت کی میراث کو مفصلاً بیان فرمایا اور ﴿وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ میں عورتوں پر نکاح کے بارہ میں جو ظلم اور زیادتی کرتے تھے اس کی ممانعت فرمائی حاصل آیت کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تم کو یتیم عورتوں اور بچوں کے حق میں وہی فتوی اور حکم دیتا ہے جو اس سورت کے شروع آیتوں میں تم کو سنا دیا گیا اور اب پھر اجمالاً تم کو سنایا جاتا ہے کہ جو احکام عورتوں اور یتیموں کے بارہ میں پہلے نازل ہو چکے ہیں ان پر عمل کرو اور جو کوئی ان کے

=آتیة لا فی حق میراثھن فانه صلی اللہ علیه وسلم قد سئل عن احوال کثیرة مما یتعلق بھن فما بین حکمه فیما سلف احیل بیانه علی ماورد فی ذلك من الکتاب وما لم یُبَیَّنْ حکمه بعد بیّنا ھھنا۔ (تفسیر ابی السعود: ۲/۲۲۱) وکذا فی روح المعانی: ۵/۱۴۳ وما ورد من تخصیص ذکر المیراث فی تفسیر الاستفتاء فھو علی سبیل التمثیل لا علی سبیل التخصیص لان اللہ تعالیٰ قد ذکر فی الآیة احکاما سوی احکام المیراث فافھم۔

❶ شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ اپنے فارسی ترجمہ کے فوائد میں لکھتے ہیں جواب ایں استفتاء تفصیلے داشت پس خدا تعالیٰ بعض مسائل را حوالہ فرمود بر آیات (وآں مسئلہ تحریم ظلم بر یتامی النساء است) وبعض را اینجا جواب داد وآں مسئلہ نشوز وتحریم میل کلی بیک زن واعراض از زن دیگر واباحت طلاق در صورت ضرورت) واللہ اعلم۔

بارہ میں تم سے کچھ دریافت کرے تو یہ کہہ دو کہ اس کا جواب اور حکم وہی ہے جو پہلے سورۃ نساء کے شروع میں بیان ہو چکا ہے جن سب کا خلاصہ اور اجمال یہ ہے ﴿وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ﴾ یعنی یتیموں کے بارہ میں انصاف پر قائم رہو۔

بیان بعض احکام متعلقہ بہ معاشرہ زوجین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوزًا ... الی ... وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيمًا﴾

اوپر آیتوں میں ان احکام کا حوالہ تھا جو سورۂ نساء کے شروع میں گزر چکے اب یہاں سے عورتوں کے متعلق دوسرے نئے احکام بیان فرماتے ہیں جو میاں اور بیوی کے باہمی معاشرت سے متعلق ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی بدمزاجی یا بے التفاتی اور بے اعتنائی سے ڈرے مثلاً عورت بدشکل ہو یا بڑھیا ہوگئی ہو اور اس کو قرائن سے یہ معلوم ہوجائے کہ اس کا شوہر اس کو طلاق دینا چاہتا ہے اور یا دوسری بیوی کرنا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں میاں بیوی پر گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کرلیں مثلاً یہ کہ عورت اپنا نفقہ اور باری معاف کردے یا کم کردے اور مرد اس کو اپنے نکاح میں رہنے دے اور طلاق اور مفارقت اور باہمی منازعت سے صلح ہی بہتر ہے عورت کو اس بات پر ضد نہ کرنی چاہیے کہ وہ اپنا پورا حق ہی لے گی اور مرد کو اس بات پر نہ اڑنا چاہیے کہ وہ اس کو جدا ہی کر کے رہے گا اور طبیعتیں حرص اور بخل پر حاضر کردی گئی ہیں یعنی حرص اور بخل انسان کی سرشت میں رکھا ہوا ہے مرد اور عورت کوئی بھی اپنا حق اور نفع میں کمی نہیں کرنا چاہتا ہر ایک اپنے حق کے لیے حریص اور بخیل ہے مگر آدمی کو چاہیے کہ اپنی حرص اور بخل کو دبائے اور دوسرے کے ساتھ سلوک کرے اور اے مردو اگر تم عورتوں کے ساتھ سلوک اور احسان کرو اور ان کی حق تلفی سے بچو تو بیشک جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے تمہیں اس کی جزا دے گا اور ہم تم کو بتلائے دیتے ہیں کہ تم متعدد بیبیوں کے درمیان پوری پوری برابر ہرگز نہیں کرسکتے گو تم کتنا ہی چاہو یعنی جس شخص کی کئی بیبیاں ہوں تو یہ اس کے قدرت اور اختیار سے باہر ہے کہ محبت اور میلان قلبی میں سب کو برابر رکھے کیونکہ جب صورت اور سیرت میں سب برابر نہیں تو سب کے ساتھ محبت کیونکر ہوسکتی ہے جب متعدد عورتوں میں پوری برابری نہیں کرسکتے تو ایسا بھی نہ کرو کہ بالکل اور ہمہ تن ایک ہی کی طرف جھک جاؤ اور دوسری بی بی کو معلق (ادھر میں لٹکی ہوئی) چھوڑ دو نہ بیوہ ہی ہے اور نہ خاوند ہی والی نہ نکاح کرسکتی ہے اور نہ شوہر سے فائدہ اٹھاسکتی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر محبت اور میلان قلبی میں مساوات نہیں کرسکتے تو یہ بھی نہ کرو کہ تقسیم نوبت اور نفقہ میں بھی ایک ہی طرف کو جھک جاؤ یہ تو تمہاری قدرت میں ہے کہ تقسیم نوبت اور نفقہ وغیرہ میں سب کے ساتھ یکساں سلوک رکھو آنحضرت ﷺ کو باوجودیکہ عائشہ صدیقہ ؓ سے زیادہ محبت تھی (اس لیے کہ عائشہ صدیقہ ؓ کمالات باطنی میں مریم صدیقہ کا نمونہ تھیں اور صدیقہ بنت صدیق تھیں) مگر پھر بھی تمام ازواج کے حقوق برابر ادا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ میں اختیار کے موافق ہر ایک کا حق برابر ادا کرتا ہوں مگر جو امر میرے اختیار میں نہیں یعنی قلبی محبت اس میں تو مجھ کو معذور رکھ اور اگر تم اصلاح کرلو یعنی گزشتہ میں جو بے انصافی کرچکے ہو اس کی تلافی کرلو اور آئندہ کے لیے عورت کے حق میں ناانصافی سے بچتے رہو تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے تمہاری گزشتہ کوتاہیوں اور خطاؤں کو معاف کردے گا اور اگر صلح اور موافقت کی کوئی صورت نہ ہوسکے اور میاں بیوی طلاق یا خلع کے ذریعہ

ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو کفایت کرے گا اپنی وسعت سے یعنی خدا ہر ایک کا کارساز ہے مرد کو دوسری عورت مل جائے گی اور عورت کو دوسرا شوہر مل جائے گا اور روزی میں ایک دوسرے کا محتاج نہ رہے گا اور ہے اللہ وسعت والا اور حکمت والا اس کی تونگری اور رحمت بہت وسیع ہے اور اس کے تمام احکام حکمت پر مبنی ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اس کی ملک ہے جس کو جتنا چاہے دے یہ اس کے واسع ہونے کی دلیل ہے اس سے بڑھ کر اور کیا وسعت ہو سکتی ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کی کل چیزوں کا مالک ہے۔

وصیت ونصیحت:...... اب آگے بطور تتمہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ احکامِ عدل وانصاف کچھ تمہارے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ پہلی امتوں کو بھی ان احکام پر عمل کرنے کی تاکید کی تھی چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے تاکیدی حکم دیا ان لوگوں کو جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی یعنی یہود اور نصاریٰ اور تمام اہل کتاب کو تاکیدی حکم دیا ہے اور خاص تم کو بھی اس کی تاکید ہے کہ اللہ سے ڈرو یعنی تقوی اور پرہیزگاری اور خداترسی کا حکم شریعت قدیمہ ہے تمام امتوں کو اللہ نے اس کا حکم دیا ہے۔ سب آسمانی کتابوں میں اس کی تاکید اکید ہے اور اگر تم منکر ہو جاؤ یعنی اللہ کی وصیت کو نہ مانو تو تم کو خوب معلوم ہے کہ اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے کفر سے اس کا کیا بگڑتا ہے اور ہے اللہ تعالیٰ تونگر اور بے پروا اس کو تمہارے تقوی اور اطاعت کی ذرہ برابر بھی احتیاج نہیں اور وہ ہر حال میں قابل تعریف ہے اس کی شان وشوکت تمہاری اطاعت پر موقوف نہیں کسی کی نافرمانی سے اس کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا کہ اس کی حمد وثناء کرے یا نہ کرے وہ ہر حال میں حمید ہے اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ کافی کارساز ہے اس لیے کہ وہ قادر ومختار مطلق ہے لہٰذا اس کے سوا کسی اور پر بھروسہ نہ چاہیے اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تم سب کو ناپید کر دے اور تمہاری جگہ دوسروں کو لا بسائے اس کو تمہاری پروا کیا ہے اور ہے اللہ اس پر قادر یعنی وہ تمہارے ناپید کرنے اور تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو آباد کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے لیکن یہ اس کی مہربانی ہے کہ اس نے تم کو ہلاک نہیں کیا تو تم ایسے حلیم وکریم کی اطاعت کیوں نہیں کرتے اس سے سرکشی کر کے اس کا کیا بگاڑو گے اپنا ہی نقصان کر دگے۔

فائدہ:...... حق جل شانہ نے اس مقام پر تین دفعہ فرمایا ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ پہلی دفعہ میں ﴿وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا﴾ یعنی اللہ کی وسعت جود وکرم اور کشائش کی دلیل بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں اور دوسری بار اپنی بے نیازی اور بے پروائی کی دلیل بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ کو کسی کی اطاعت اور تقوی سے کوئی نفع نہیں اور سارے عالم کے کفر اور فسق وفجور سے اس کا کوئی نقصان نہیں اور تیسری بار فرمایا اپنی کارسازی کی دلیل بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر تم تقوی اور پرہیزگاری اختیار کرو تو اللہ تمہارا کارساز ہے اس لیے کہ وہ زمین آسمان کی سب چیزوں کا مالک ہے اور ایک ہی دلیل سے متعدد دعوؤں کو ثابت کرنا اور ہر دعوے کے بعد اسی دلیل کو لانا اہل ذوق کے نزدیک قند مکرر ہے۔

ربط:...... آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ سب مل کر اللہ کے دین پر قائم رہو اللہ تم کو دین اور دنیا دونوں ہی دے گا فقط دنیاوی فوائد کو مطمح نظر نہ بناؤ چنانچہ فرماتے ہیں جو شخص اپنے اعمال کے صلہ میں صرف دنیا کا انعام چاہتا ہے تو یہ اس کی نادانی ہے اسے معلوم نہیں کہ اللہ کے یہاں دنیا اور آخرت دونوں کا انعام ہے تو جب اعلیٰ اور ادنیٰ سب اس کی قدرت میں ہیں تو اعلیٰ

(آخرت) کو چھوڑ کر ادنیٰ اور خسیس یعنی دنیا کو مانگنا تو کیا یہ کمال ابلہی نہیں ﴿اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ﴾ اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت دونوں کی نعمتیں مانگو اس کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں اور اگر تم اللہ کے سچے محب اور مخلص ہو تو صرف اخروی ثمرات کو پیش نظر رکھو اور ہے اللہ سننے والا دیکھنے والا وہ بندوں کی دعائیں سنتا ہے کہ کون دنیا کی درخواست کرتا ہے اور کون آخرت کی اور وہ تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے کہ دل میں کیا چھپا ہوا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ

اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف کی اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا

اے ایمان والو! قائم رہو انصاف پر، گواہی دو اللہ کی طرف، اگرچہ نقصان ہو اپنا، یا ماں باپ کا،

وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ

یا قرابت والوں کا ف۱ اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ ان کا خیر خواہ تم سے زیادہ ہے سو تم پیروی نہ کرو دل کی خواہش کی

یا قرابت والوں کا۔ اگر کوئی محفوظ ہے یا محتاج ہے تو اللہ ان کا خیر خواہ ہے تم سے زیادہ۔ سو تم جی کی چاہ نہ مانو اس بات میں کہ

تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۱۳۵

انصاف کرنے میں ف۲ اور اگر تم زبان ملو گے یا بچا جاؤ گے تو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے ف۳

برابر سمجھو۔ اور اگر تم زبان ملو گے، یا بچا جاؤ گے تو اللہ تمہارے کام سے واقف ہے۔

حکم بست ونہم اقامت عدل واداء شہادت حق

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ... الی... بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾

ربط:...... ابتداء سورت میں اللہ نے عورتوں اور یتیموں کے حقوق کے بارہ میں عدل اور انصاف کا حکم دیا پھر ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ کی تفسیر میں طعمہ بن ابیرق منافق کا قصہ مذکور ہوا جو جھوٹی شہادت اور اہل خیانت کی حمایت سے متعلق تھا پھر ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ﴾ الخ کے ذیل میں ﴿وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ﴾ میں قیام عدل و انصاف کا حکم ہوا اب ان احکام مختلفہ کے بعد آیات ذیل میں حکام کو تو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم مقدمات کا فیصلہ انتہائی عدل و انصاف کے ساتھ کرو فیصلہ میں ذرہ برابر کسی کی رعایت نہ کرو اور گواہوں کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم

ف۱ یعنی گواہی سچی اور اللہ کے حکم کے موافق دینی چاہئے اگرچہ اس میں تمہارا یا تمہارے کسی عزیز قریب کا نقصان ہوتا ہو جو حق ہو اس کو صاف ظاہر کر دینا چاہیے دنیاوی نفع کے لئے آخرت کا نقصان نہ لو۔

ف۲ یعنی سچی گواہی دینے میں اپنی کسی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ مالدار کی رعایت کر کے یا محتاج پر ترس کھا کر بیچ کو چھوڑ بیٹھو جو حق ہو سو کہو۔ اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ اور ان کے مصالح سے واقف ہے اور اس کے یہاں کس چیز کی کمی ہے۔

ف۳ زبان ملنا یہ کہ سچی بات تو کہی مگر زبان داب کر اور پیچ سے کہ سننے والے کو شبہ پڑ جائے یعنی صاف صاف سچ نہ بولا اور بچا جانا یہ کہ پوری بات نہ کہی بلکہ کچھ بات کام کی رکھ لی۔ سو ان دونوں صورتوں میں گو جھوٹ تو نہیں بولا مگر بوجہ عدم اظہار حق گنہگار ہوگا گواہی سچی اور صاف اور پوری دینی چاہئے۔

حق اور صدق کے ساتھ شہادت دو اور بلا رعایت سچی گواہی دو حتی کہ ماں باپ عزیز واقارب کی بھی رعایت نہ کرو اور یہی دو چیزیں یعنی عدل وانصاف اور شہادت حق، دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح کا اصل اصول ہیں اور تمام احکام سابقہ مع شئے زائد انہی دو چیزوں میں مندرج ہیں گویا کہ قیام عدل واداء شہادت حق کا حکم احکام سابقہ کا تتمہ اور تکملہ ہے گزشتہ آیات میں عدل خاص کا ذکر تھا جو خاص عورتوں اور یتیموں سے متعلق تھا اب ان آیات میں عدل عام اور تام کا حکم دیتے ہیں جو تمام حقوق کو حاوی ہے اور شامل ہے اور ان آیت میں اہل کتاب کو تنبیہ ہے کہ توریت وانجیل میں نبی آخر الزمان ﷺ کی بشارت مذکور ہے تم اس کی شہادت کیوں نہیں دیتے اس کو چھپاتے کیوں ہو۔

قرآن کریم میں یہودیوں کی جابجا جو مذمت بیان کی گئی ہے اس میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ﴿اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ﴾ (رشوت خور ہیں) یہود نے کتاب الٰہی میں تحریف کی اور امراء اور حکام کی خاطر احکام الٰہی کو بدلا اور رشوت لے کر فیصلے کیے اس لیے یہود پر ذلت اور مسکنت کی مہر لگا دی گئی اس وقت کے نام نہاد مسلمان حاکم جو رشوت لے کر فیصلے کر رہے ہیں وہ یہود کے نقش قدم پر جا رہے ہیں اسلام ان پر نفرین بھیجتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! تمہارے ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ ہو جاؤ تم تمام معاملات میں انصاف کے قائم رکھنے والے اور محض اللہ کی خوشنودی کے لیے سچی گواہی دینے والے اگرچہ اس گواہی کا نقصان اور ضرر تمہاری ہی جانوں پر پڑے یا تمہارے والدین پر یا رشتہ داروں پر یعنی گواہی میں اپنا اور اپنے والدین کا بھی خیال نہ کرو جو حق ہو وہ کہو چاہے اس میں کسی کا نفع ہو یا نقصان ہو حق کو کسی حال میں نہ چھپاؤ اگر وہ شخص جس پر تم گواہی دیتے ہو مالدار یا محتاج ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر تم سے زیادہ مہربان ہے یعنی گواہی میں نہ مال دار کا پاس کرو اور نہ محتاج کا جو سچ ہو وہی کہہ دو اللہ کو ان کے ساتھ تم سے زیادہ ہمدردی ہے پس گواہی میں نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ عدل وانصاف سے عدول کر جاؤ اور اگر تم گواہی میں پیچ دار بات کہو گے یعنی گول مول بات کہو گے صاف کھول کر حق کو بیان نہ کرو گے یا گواہی دینے سے اعراض اور کنارہ کشی کرو گے تو خوب سمجھ لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے وہ تمہیں اس گول مول اور پیچ داری گواہی کی اور حق کے اظہار سے اعراض کی ضرور سزا دے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ

اے ایمان والو یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس کتاب پر

اے ایمان والو! یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر، اور اس کتاب پر جو نازل کی ہے اپنے رسول پر، اور اس کتاب پر

الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

جو نازل کی ہے اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی تھی پہلے اور جو کوئی یقین نہ رکھے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور کتابوں پر اور رسولوں پر اور قیامت کے دن پر

جو نازل کی تھی پہلے۔ اور جو کوئی یقین نہ رکھے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر، اور کتابوں پر اور رسولوں پر اور پچھلے دن پر،

فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿١٣٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ

وہ بہک کر دور جا پڑا ف۱ جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہوگئے پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہوگئے پھر

وہ دور پڑا بھول کر۔ جو لوگ مسلمان ہوئے، پھر منکر ہوئے، پھر مسلمان ہوئے، پھر منکر ہوئے، پھر

ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿١٣٧﴾

بڑھتے رہے کفر میں تو اللہ ان کو ہرگز بخشنے والا نہیں اور نہ دکھلاوے ان کو راہ ف۲

بڑھتے رہے انکار میں، اللہ ان کو بخشنے والا نہیں، اور نہ ان کو دے راہ۔

بیان ارکان خمسہ ایمان وترغیب در ایمانے کہ نزد شرع صحیح ومعتبر باشد وذکر ذمائم منافقین

قال تعالیٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ... الی... لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا﴾

ربط:...... یہاں تک زیادہ تر احکام فرعیہ کا بیان ہوا اور قریب ہی میں اولین اور آخرین کو تقویٰ کی وصیت اور کفر سے بچنے کی تاکید اور ثواب آخرت کی ترغیب بیان فرمائی اور گزشتہ آیات میں عدل وانصاف اور شہادت حق وصدق کی تاکید اکید فرمائی اور ظاہر ہے کہ تقویٰ اور طہارت اور عدالت وشہادت حق اور آخرت کی فکر ورغبت کا تمام تر دار و مدار ایمان باللہ والیوم الآخر پر ہے اس لیے کہ اب آئندہ آیات میں ایمان کے ارکان خمسہ کو بیان فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ شریعت میں کون سا ایمان صحیح اور معتبر ہے اور کون سا دعوائے ایمان غیر معتبر ہے پس جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور اسکے تمام رسولوں پر اور تمام فرشتوں پر اور اس کی تمام نازل کردہ کتابوں پر اور یوم آخرت پر اخلاص کے ساتھ ایمان لائے وہ ایمان تو شریعت میں معتبر ہے اور جو شخص محض ظاہری طور پر ایمان لائے اور دل میں متردد ہو یا اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو مانتا ہو مگر پیغمبروں کو نہ مانتا ہو اور پیغمبروں کے اقوال وافعال کو حجت نہ سمجھتا ہو تو ایسا شخص پکا کافر اور منافق ہے پھر اس سلسلہ میں منافقین کے ذمائم کو بیان فرمایا اور ان کے ساتھ مجالست اور موالاۃ کی ممانعت فرمائی اور ضمن میں اہل کتاب کا بھی رد فرمایا جو دعویٰ ایمان کا رکھتے ہیں اور جس نبی آخر الزمان ﷺ کی بشارتیں توریت میں مذکور ہیں اور اس پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اس کی شہادت دیتے ہیں اور سچی شہادتکو چھپا کر لوگوں کے سامنے جھوٹی گواہی دی تھی اسی طرح اہل کتاب بھی اپنی قوم کی رعایت سے آنحضرت ﷺ کی بشارتوں کو چھپاتے ہیں اور آپ ﷺ کے بارہ میں جھوٹی گواہی دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو! ایمان لاؤ خدا تعالیٰ پر اور اس کے رسول محمد ﷺ پر جو عدالت اور راستی کے قائم کرنے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں

ف۱ یعنی جو اسلام قبول کرے اس کو ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام حکموں پر دل سے یقین لائے۔ اس کے ارشادات میں سے اگر کسی ایک ارشاد پر بھی یقین نہ لائے گا تو وہ مسلمان نہیں۔ صرف ظاہری اور زبانی بات کا اعتبار نہیں ہے۔

ف۲ یعنی ظاہر میں تو مسلمان ہوئے اور دل میں مذبذب رہے اور آخر کو بے یقین لائے ہی مر گئے ان کو نجات کا راستہ نہیں ملے گا وہ کافر ہیں۔ ظاہری مسلمانی کچھ کام نہ آئے گی۔ اس سے مراد منافقین ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کی شان میں ہے کہ اول ایمان لائے پھر گوسالہ کی عبادت کر کے کافر ہوگئے، پھر توبہ کر کے مومن ہوئے، پھر عیسیٰ علیہ السلام سے منکر ہو کر کافر ہوئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کر کے کفر میں ترقی کر گئے۔

اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے یعنی قرآن مجید پر جو عدل اور احسان اور انصاف اور امانت و دیانت کے قائم کرنے کے لیے اتارا گیا ہے اور ان تمام کتابوں پر جو اللہ نے انبیاء سابقین پر قرآن سے پہلے اتاری ہیں بغیر ان باتوں کا یقین کیے ہوئے خدا کے یہاں آدمی مسلمان نہیں ہو سکتا اس آیت میں حق تعالیٰ نے تین چیزوں پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا: ۱- اللہ تعالیٰ پر یعنی اس کی ذات وصفات پر۔ ۲- اور اس کے رسول پر جو حق تعالیٰ کے نائب اور سفیر اور برگزیدہ ہیں۔ ۳- اور قرآن پر اور ان تمام کتابوں پر جو اللہ نے پہلے پیغمبروں پر نازل کی ہیں اور ملائکہ (فرشتے) اور روز قیامت پر ایمان لانے کا ذکر اس آیت میں نہیں فرمایا اس لیے کہ انبیاء کرام اور کتب الٰہیہ پر ایمان لانا ملائکہ اور یوم جزاء پر ایمان لانے کو مستلزم ہے گویا یہ تین امور تمام عقائد اسلامیہ کا اجمال اور خلاصہ ہیں۔

مطلب ● یہ کہ جو شخص اسلام میں داخل ہو اس کے لیے تفصیلی طور پر ان چیزوں کی تصدیق ضروری ہے بغیر ان سب چیزوں کے مانے مسلمان نہیں ہو سکتا۔

اس آیت میں اجمالاً صرف تین چیزوں پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیت میں ملائکہ اور یوم آخرت یعنی روز جزاء کا بھی ذکر فرماتے ہیں جو اسی اجمال کی تفصیل ہے اور جو شخص اللہ کا اور اسکے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور روز آخرت کا منکر ہو وہ بیشک دور کی گمراہی میں جا پڑا اور یعنی جو شخص ایسا کرے وہ حد درجہ کا گمراہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی گمراہی نہیں اللہ کا انکار تو کھلی گمراہی ہے اور اللہ کی کتابیں اور اللہ کے فرشتے اور اس کے پیغمبر ہی رشد اور ہدایت کا ذریعہ ہیں اس لیے ان کا انکار بھی سخت گمراہی ہے۔ بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا انکار درحقیقت کلام خداوندی اور احکام خداوندی کا انکار ہے اور روز آخرت کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ جزء وسزا اور ثواب عقاب اور جنت جہنم سب غلط ہے ایسے شخص کی زندگانی انسانی زندگانی نہیں بلکہ حیوانی زندگی ہے جہاں چاہا منہ مارا اور کھایا اور جس مادہ سے چاہا جفتی کر لی حیوانی زندگی میں حلال و حرام کی تقسیم نہیں ہوتی اور نہ حیوان کو نکاح کی ضرورت ہے آج کل مغربی تہذیب کا یہی حال ہے۔

ذم مرتدین

ربط:..... گزشتہ آیت میں اہل کفر کی مذمت مذکور ہوئی اب اس آیت میں مرتدین کے ایک خاص فرقہ کا بیان کرتے ہیں یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت میں ﴿فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ فرمایا تھا اب اس آیت میں اصحاب ضلال بعید کا ذکر فرماتے ہیں کہ جو محض ظاہری طور پر اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے اور کفر ونفاق ان کے دلوں پر اس درجہ چھایا ہوا تھا کہ ان کے دلوں سے ایمان کی استعداد ختم ہو چکی تھی بیشک جو لوگ پہلے تو مسلمان ہوئے پھر کافر اور مرتد ہو گئے پھر دوبارہ مسلمان ہوئے اور اس دوسری بار کے اسلام پر بھی قائم نہ رہے بلکہ پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ کفر کی حالت میں ہی ان کی موت آ گئی تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہرگز نہیں بخشیں گے اور نہ ان کو راہ ہدایت دکھائیں گے یہ آیت منافقین کے خاص گروہ کے بارہ میں اتری ہے جو کبھی مسلمان ہوتے اور کبھی کافر جب مسلمانوں کے پاس آئے تو مسلمان بن گئے اور کافروں کے پاس گئے تو

● شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں مترجم گوید مراد آنست کہ ہر کہ درملت اسلامیہ داخل شد بہ تفصیل تصدیق ایں چیزہا باید کرد۔ ۱۲

کافر بن گئے ایسے لوگ جو دین کو کھیل اور تماشہ بنا لیتے ہیں عادۃً ان کا دل مسخ ہو جاتا ہے پھر ان کو ایمان کی توفیق نہیں ہوتی کہ اس پر مغفرت مرتب ہو سکے آیت کا یہ مطلب نہیں کہ اگر یہ لوگ اخلاص کے ساتھ اور صحیح طور پر ایمان لے آتے تو ان کا ایمان اور ان کی توبہ قبول نہ ہوتی ہزار بار کفر کے بعد بھی اگر صدق دل سے صحیح توبہ کرے تو وہ قبول ہے بلکہ آیت سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے دین کو کھیل وتماشہ بنا لیا ہے ایسے لوگ اللہ کی مغفرت اور ہدایت سے محروم کر دیے گئے۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۳۸ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ

خوشخبری سنا دے منافقوں کو کہ ان کے واسطے ہے عذاب دردناک وہ جو بناتے ہیں کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ

خوشی سنا منافقوں کو، کہ ان کو ہے دکھ کی مار۔ وہ جو پکڑتے ہیں کافروں کو رفیق، مسلمان چھوڑ

الْمُؤْمِنِيْنَ ط اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝۱۳۹

کر کیا ڈھونڈتے ہیں ان کے پاس عزت سو عزت تو اللہ ہی کے واسطے ہے ساری ف۱

کر۔ کیا ڈھونڈنے ہیں ان کے پاس عزت؟ سو عزت اللہ کی ہے ساری۔

ذمائم منافقین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا... الی... اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾

ربط: ...... پہلی آیتوں میں اہل کفر کا بیان تھا اب ان آیات میں منافقین کے ذمائم کو بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کے مقابلہ میں دین کی پروا نہیں کرتے کبھی کرستان بنتے ہیں اور کبھی مسلمان اور کفار ومشرکین کے جاہ وحشم کو دیکھ کر ان سے یارانہ جوڑتے ہیں کہ ہم کو عزت وشوکت حاصل ہوگی اور یہ لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں حالانکہ ان کو یہ معلوم ہے کہ جس جگہ احکام الٰہی کا مذاق اڑایا جاتا ہوں وہاں بیٹھنا بھی ناجائز ہے چہ جائیکہ ان سے دوستی کی جائے چنانچہ فرماتے ہیں منافقین کو خوش خبری سنا دیجئے کہ ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے کیونکہ یہ منافقین باوجود دعوائے اسلام کے مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا وہ ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں یعنی یہ منافق جو مسلمانوں کو چھوڑ کر یہودیوں سے دوستی کرتے ہیں تو کیا ان کا خیال یہ ہے کہ یہودیوں کے پاس بیٹھنے سے انکو دنیا میں عزت ملے گی یہ سب غلط ہے اور خیال خام ہے پس ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ تحقیق بلاشبہ ساری عزت اللہ ہی کے لیے ہے اس کے سوا کون عزت دے سکتا ہے اسی عزیز مقتدر کی چوکھٹ پر سر ذلت ٹیکنے ہی سے عزت ملتی ہے ﴿تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ﴾۔

عزیز یکہ از درگہش سر بتافت ٭ بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

جس کے پاس خود عزت نہیں وہ دوسروں کو کہاں سے عزت دے گا دنیا میں فرماں روائے سلطنت اور ارکان

ف۱ یعنی منافق لوگ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا یہ خیال کہ کافروں کے پاس بیٹھ کر ہم کو دنیا میں عزت ملے گی بالکل غلط ہے۔ سب عزت اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جو اس کی اطاعت کرے گا اس کو عزت ملے گی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ایسے لوگ دنیا اور آخرت دونوں میں ذلیل وخوار رہیں گے۔

دولت سے تعلق اور ان کی وفاداری اور اطاعت شعاری سے عزت حاصل ہوتی ہے اور بادشاہ اور وزراء کی نافرمانی اور عدول حکمی اور دشمنان سلطنت اور باغیان حکومت سے دوستی اور آشنائی ذلیل وخوار بناتی ہے پس اسی طرح جو احکم الحاکمین کا اور اس کے وزراء اور سفراء یعنی انبیاء ومرسلین کا وفادار اور اطاعت شعار بنے گا بقدر وفاداری اور بقدر اطاعت شعاری اس کو بارگاہ خداوندی سے عز حاصل ہوگی اور جو خدا اور اس کے رسول کا منکر اور باغی ہوگا وہ ذلیل وخوار ہوگا اور یہی ایمان اور کفر کی حقیقت ہے خداوند احکم الحاکمین اور اس کے وزراء وسفراء یعنی انبیاء ومرسلین کے ساتھ حلف وفاداری کا نام ایمان ہے اور حلف وفاداری سے انکار کا نام کفر ہے نمرود اور فرعون اگرچہ دنیاوی تخت وتاج کے مالک تھے مگر حقیقی عزت حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہما السلام کو حاصل تھی ''جو ہر اگر در خلاب افتد ہماں نفیس است وغبار اگر بر فلک رود ہماں خسیس''۔

عزت کی تعریف:...... کسی کی محبت اور عظمت کی بناء پر محض اس کے حکم پر جان اور مال اور آبرو قربان کر دینے کا نام عزت ہے یہ عزت سوائے انبیاء ومرسلین کے اور سوائے ان کے وارثوں کے کسی کو دنیا میں حاصل نہیں ہوئی ساری دنیا کو معلوم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ کی محبت اور عظمت کے جوش اور ولولہ میں بلا کسی مال ومنال اور بلا کسی دنیوی فائدہ اور غرض کے اپنے اہل وعیال اور خویش واقارب سب کو چھوڑ دیا بلکہ آپ ﷺ کی محبت میں اپنے بیٹوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور خویش اقارب کا مقابلہ کیا اور غزوات میں بے دریغ ان پر تلوار چلائی اور سوائے آپ ﷺ کی خوشنودی کے کوئی دنیاوی فائدہ ان کی نظروں کے سامنے نہ تھا کیا کوئی فرمانروا اور شہنشاہ اس عزت کا کوئی نمونہ دکھلا سکتا ہے۔

بخدائے ذوالجلال اگر اس بے مثال عزت کی زکوٰۃ (یعنی چالیسواں حصہ) نکالا جائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو عطا فرمائی اور پھر اس کا چالیسواں حصہ کل عالم کے بادشاہوں اور شہنشاہوں پر تقسیم کر دیا جائے تو عزت ورفعت کے دولت مند بن جائیں۔

دنیا میں بڑے بڑے صاحب جاہ وجلال اور صاحب جود ونوال بادشاہ گزرے اور اپنے وفاداروں کی جائز اور ناجائز خواہشیں پوری کیں اور طرح طرح کے ان کو انعام دیے مگر تاریخ عالم شاہد ہے کہ کسی زمانہ میں بھی کسی بادشاہ کا کوئی عاشق اور شیدائی نہیں ہوا بخلاف حضرات انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے ہزاروں اور لاکھوں ان کے ایسے عاشق صادق اور شیدائی گزرے کہ مجنون کی محبت بھی ان کی محبت کے سامنے گرد ہے حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں کو لذات اور شہوات اور ناجائز امور سے روکتے اور منع کرتے تھے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب وضو فرماتے یا تھوکتے یا سنکتے تو آپ ﷺ کا تھوک اور سنک اور وضو کا دھوون زمین پر نہیں گرتا تھا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو اپنے ہاتھوں پر لے کر اس کو منہ پر مل لیتے تھے یہ تو محبت کا حال تھا اور عظمت کا حال یہ تھا کہ کسی کی مجال نہ تھی کہ بے محابا آپ ﷺ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے پس جس ذات بابرکات کی محبت اور عظمت دلوں میں ایسی راسخ ہو جائے عزت اس کو حاصل ہے اور اصل عزت یہ ہے اور فوج اور پولیس کے چند ملازمین کا کسی امیر اور وزیر کے ارد گرد کھڑے ہو جانے کا نام عزت نہیں بہت سے بہت اس کو عزت کی صورت اور نمائش کہا جا سکتا ہے عزت وہ ہے جو دل سے ہو جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے دشمن تھے دل سے وہ بھی ان کی عزت کرتے تھے اور ان کی بددعا سے ڈرتے تھے۔

نصیحت: ...... بہت سے نادان یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی تہذیب اور تمدن اور انگریزی لباس میں عزت ہے یہ نادانی ہے ان نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ عزت کس کو کہتے ہیں خوب سمجھ لو کہ اصل عزت اتباع شریعت میں ہے غیر قوموں کی نقل میں کوئی عزت نہیں غیروں کی نقل در پردہ غلامی کا اعتراف ہے۔

علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ میں ایک فصل منعقد کی ہے کہ مغلوب وضع اور قطع اور لباس اور معاشرت میں غالب کا اتباع کرتا ہے اور یہ در پردہ اپنی کمتری اور دوسرے کی برتری کا اقرار ہے اور ادبار اور زوال کی علامت ہے انتھی کلامہ۔

اور آج کل مسلمانوں کی ذلت کا سبب یہی ہے کہ انہوں نے احکام شریعت کو پس پشت ڈال دیا بڑے بڑے وزراء اور ارکان دولت کے پاس انگریزی لباس موجود ہے مگر عزت مفقود ہے عزت وہ ہے کہ جس سے دلوں پر قبضہ ہو اور لوگ بلاغرض کے اس کے لیے جان و مال فدا کرنے کے لیے تیار ہوں جیسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے جان و مال قربان کرتے ہیں محض کسی کو دیکھ کر کھڑے ہو جانا عزت نہیں اگر بھیڑیا آجائے تو سب کھڑے ہو جاتے ہیں سو یہ تعظیم اور عزت نہیں بلکہ اپنا بچاؤ ہے ظالموں کی عزت اسی قسم کی ہے اور ان کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل سے بددعا دیتے ہیں اور خلوتوں میں ان کو برا کہتے ہیں خلاصہ کلام یہ کہ جس طرح تمول اور دولت ملک مال کا نام ہے اسی طرح عزت ملک القلوب کا نام ہے یعنی لوگوں کے دل کسی پوشیدا اور فریفتہ ہوں اور یہ بات اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان ہی کو حاصل ہے اسی وجہ سے ارشاد ہے ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا

اور حکم اتار چکا تم پر قرآن میں کہ جب سنو اللہ کی آیتوں پر انکار ہوتے اور ہنسی ہوتے تو نہ بیٹھو

اور حکم اتار چکا تم پر کتاب میں، کہ جب سنو اللہ کی آیتوں پر انکار ہوتے، اور ہنسی ہوتے، تو نہ بیٹھو

تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ

ان کے ساتھ یہاں تک کہ مشغول ہوں کسی دوسری بات میں نہیں تو تم بھی انہی جیسے ہوگئے اللہ اکٹھا کرے گا

ان کے ساتھ، جب تک وہ بیٹھیں اور بات میں اس کے سوا۔ نہیں تو تم بھی اس کے برابر ہوئے۔ اللہ اکٹھا کرے گا

الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۝۱۴۰ۙ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ

منافقوں کو اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ ف ۱ وہ منافق جو تمہاری تاک میں ہیں پھر اگر تم کو

منافقوں کو اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ۔ وہ جو تکا کرتے ہیں تم کو، پھر اگر تم کو

ف ۱ یعنی اے مسلمانو اللہ تعالیٰ پہلے قرآن شریف میں تم پر حکم بھیج چکا ہے کہ جس مجلس میں احکام خداوندی کا انکار اور تمسخر کیا جاتا ہو وہاں ہرگز نہ بیٹھو ورنہ تم بھی ویسے ہی سمجھے جاؤ گے البتہ جس وقت دوسری باتوں میں مشغول ہوں تو اس وقت ان کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت نہیں۔ منافقوں کی مجالس میں آیات و احکام الٰہی پر انکار و استہزاء ہوتا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ جو فرمایا کہ حکم اتار چکا تم پر یہ اشارہ ہے آیت ﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ﴾ الخ۔

فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ

فتح ملے اللہ کی طرف سے تو کہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ اور اگر نصیب ہو کافروں کو تو کہیں کیا ہم نے

فتح ملے اللہ کی طرف سے، کہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ ؟ اور اگر ہوئی کافروں کی قسمت، کہیں ہم نے

نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

گھیر نہ لیا تھا تم کو اور بچا دیا تم کو مسلمانوں سے ف۱ سو اللہ فیصلہ کرے گا تم میں قیامت کے دن

گھیر نہ لیا تم کو ؟ اور بچا دیا تم کو مسلمانوں سے۔ سو اللہ چکوتی کرے گا تم میں قیامت کے دن

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۷

اور ہرگز نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ ف۲

اور ہرگز نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر راہ۔

جس جگہ احکام خداوندی کیساتھ تمسخر (مذاق) کیا جاتا ہو وہاں بیٹھنے کی ممانعت

قال تعالیٰ: ﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ... الی... وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾

ربط:...... اوپر کی آیتوں میں کافروں سے دوستی کی ممانعت تھی اب ان آیات میں ان لوگوں کی مجالست سے منع فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی ممنوع ہے جو احکام خداوندی کے ساتھ تمسخر (مذاق) کرتے ہوں کسی کے ساتھ تمسخر کرنا یہ اس کی انتہائی تحقیر اور تذلیل ہے جس طرح احکام حکومت کے ساتھ تمسخر (مذاق) عدالت اور حکومت کی توہین ہے اور ایسے لوگوں کے ساتھ نشست و برخواست اور دوستانہ تعلقات قانونا جرم ہے اسی طرح احکام شریعت کے ساتھ تمسخر قانون خداوندی کی توہین وتذلیل ہے اور ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی شرعاً ممنوع ہے چہ جائیکہ ان کے ساتھ دوستی کی جائے چنانچہ فرماتے ہیں اور اے مسلمانو جس کتاب پر تم ایمان رکھتے ہو اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہوئے یا ان کا تمسخر اور مذاق ہوتے ہوئے سنو تو اس حالت میں ان کو کفر کرنے والے مسخروں کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ اس کفر اور مسخرہ پن کو چھوڑ کر کسی اور بات میں نہ لگ جائیں کیونکہ اس حالت میں اگر تم ان کے پاس بیٹھے

﴿عَلَيْهِمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۚ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ کی طرف جو پہلے نازل ہو چکی تھی۔

فائدہ: اس سے معلوم ہو گیا کہ جو شخص مجلس میں اپنے دین پر طعنہ اور عیب سنے اور پھر انہی میں بیٹھا سنا کرے اگر چہ آپ کچھ نہ کہے وہ منافق ہے۔

ف۱ یعنی یہ منافق وہ ہیں جو برابر تمہاری تاک اور انتظار میں لگے رہتے ہیں۔ پھر اگر تمہاری فتح ہو تو تم سے کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں مال غنیمت میں ہم کو بھی شریک کرو اور اگر کافروں کو لڑائی میں کچھ حصہ مل گیا یعنی وہ غالب ہوئے تو ان سے کہتے ہیں کہ کیا ہم نے تم کو گھیر نہ لیا تھا اور تمہاری حفاظت نہیں کی اور ہم نے کیا تم کو مسلمانوں کے ضرر سے نہیں بچایا۔ لوٹ میں ہم کو بھی حصہ دو۔ فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ دین حق پر ہو کر گمراہوں سے بھی بنائے رکھنا یہ بھی نفاق کی بات ہے۔

ف۲ یعنی اللہ تعالیٰ تم میں اور ان میں حکم فیصل فرما دے گا کہ تم کو جنت دے گا اور ان کو جہنم میں ڈالے گا دنیا میں جو کچھ ان سے ہو سکے کر دیکھیں مگر اہل ایمان کی بیخ کنی ہرگز نہ کر سکیں گے جو ان کی دلی تمنا ہے۔

توتم بھی انہی جیسے ہوجاؤ گے اس لیے کہ جب تم احکام خداوندی کا تمسخر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنا اس بات کی علامت ہے کہ تم بھی اس کفر اور استہزاء پر راضی ہو مشرکین مکہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر قرآن کا مشغلہ بناتے اور اس کی آیتوں کا مذاق اڑاتے اور اگر کوئی مسلمان کسی ضرورت سے ان کی مجلس میں جاتا تو اس قرآن کریم کے نسبت نامناسب الفاظ سننے پڑتے اس پر اللہ نے سورۂ انعام میں یہ حکم نازل کیا ﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ﴾ اور جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو احبار یہود نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا اور مشرکین مکہ کی تقلید کی۔ منافق ان کی مجلسوں میں جاتے اور مضحکہ میں ان کے ساتھ شریک ہوتے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو شخص آیات خداوندی کے ساتھ ہنسی کرنے والوں کے پاس بیٹھے گا وہ بھی کفر اور استہزاء میں ان کا شریک ہوگا۔

فائدہ:...... بے دینوں کا قدیم دستور ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی باتوں کا مذاق اڑایا کرتے ہیں جو شخص باوجود دعوائے اسلام کے احکام شریعت اور آنحضرت ﷺ کی حدیثوں کا مذاق اڑائے وہ شخص بلاشبہ منافق ہے اور پہلے زمانہ کے منافقوں سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ یہ مہذب اور متمدن بے دین احکام خداوندی کا مذاق اڑانے میں پہلے منافقوں سے آگے ہے بے شک اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ جمع کرے گا جس طرح وہ دنیا میں اکٹھے ہو کر اللہ کی آیتوں کا مذاق کرتے تھے اسی طرح وہ عذاب میں بھی اکٹھے رہیں گے آگے اللہ تعالیٰ منافقین کا ایک اور حال بیان کرتے ہیں جس سے ان کی دورنگی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جدھر غلبہ دیکھا اسی طرف ہوگئے اور وہ حال یہ ہے کہ یہ منافق لوگ تمہارے متعلق انتظار کی راہ دیکھتے رہتے ہیں کہ دشمنوں کے مقابلہ میں تم غالب ہوتے ہو یا مغلوب تاکہ جس فریق کا غلبہ دیکھیں اس کی رفاقت اور دوستی کا دم بھرنے لگے پس اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو فتح نصیب ہوجائے تو تم سے یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے ہم کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ دو اور اگر وقتی طور پر کسی وقت کافروں کو غلبہ سے کوئی حصہ مل جائے یعنی اتفاق سے کافروں کو فتح اور غلبہ حاصل ہوجائے تو کافروں سے یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ تھے اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں کی مار سے نہیں بچایا یعنی اگر کسی وقت کافر مسلمانوں پر غلبہ پاتے تو یہ منافق کافروں سے حصہ مانگتے ہیں اور ان پر یہ احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان تو تم پر غالب آ ہی گئے تھے مگر ہم نے ان کا ساتھ نہ دیا اور ایسی تدبیر کیں کہ مسلمان تم پر غالب نہ آئیں ان کی مدد میں ہم نے کوتاہی کی اور تمہاری طرف سے انہیں ایسا خوف دلایا جس سے وہ سست پڑ گئے اس طرح ہم نے تم کو ان کی مار سے بچایا اگر ہم تمہارے بچانے کی کوشش نہ کرتے تو مسلمان تم کو کبھی زندہ نہ چھوڑتے غرض یہ کہ منافق درہم و دینار کے بندے ہیں ہر طرف ہاتھ مارتے ہیں پس اے منافقو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے اور مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کرے گا اس وقت تم پر اسلام کی خوبی اور نفاق کی برائی کھل جائے گی اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر غالب ہونے کی کوئی راہ ہرگز نہیں دے گا کہ اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ ہوجائے اور اسلام اور مسلماوں کا نام و نشان نہ رہے شاہ ① ولی اللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں یعنی نہ شود کہ اسلام را مستاصل گردانند واللہ اعلم۔

① امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل فرمائے، الاول ان ذلك یوم القیامة۔ قال ابن العربی هذا ضعیف۔ والثانی ان اللہ لا یجعل لهم سبیلا یمحو به دولة المؤمنین ویذهب آثارهم ویستبیح بیضتهم (اور اسی قول کو شاہ ولی اللہ نے اختیار فرمایا اور اس ناچیز نے بھی اسی کو راجح فرمایا) الثالث ان اللہ سبحانه لا یجعل للکافرین علی المؤمنین سبیلا الا ان یتواصوا بالباطل ولا یتناهوا

یا یہ مطلب ہے کہ مسلمان جب تک اسلام پر قائم رہیں اس وقت تک کوئی ان پر غلبہ نہیں پاسکتا کما قال تعالیٰ: ﴿وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت دنیا کے متعلق نہیں تا کہ یہ شبہ ہو کہ دنیا میں بعض دفعہ کفار کو مسلمانوں پر غلبہ ہو جاتا ہے بلکہ یہ آیت قیامت کے متعلق ہے جیسا کہ اس آیت کے پہلے جملہ ﴿فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ میں اس کی تصریح ہے پس معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مسلمانوں اور کافروں میں فیصلہ فرمائیں گے اور وہ فیصلہ مسلمانوں کے موافق ہوگا کہ وہ حق پر تھے اور کافر باطل پر تھے وہ فیصلہ کا دن ہے وہاں حق کو اور اہل حق ہی کو غلبہ ہوگا۔

پس مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارا فیصلہ فرمائیں گے اور اس فیصلہ میں کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غلبہ کی کوئی راہ نہ دیں گے مگر علماء محققین اس طرف گئے ہیں کہ پہلی آیت ﴿فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ میں آخرت کے متعلق حکم مذکور ہے اور دوسری آیت ﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾ میں دنیا کے متعلق حکم مذکور ہے کہ دنیا میں کافروں کو یہ قدرت نہ ہوگی کہ مسلماوں کا قلع قمع کر دیں اور صفحہ ہستی سے ان کا نام و نشان مٹا دیں کماقال تعالیٰ: ﴿الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ﴾ فلا تخشون شیخ جلال الدین سیوطی نے تفسیر جلالین ● میں اسی قول کو اختیار فرمایا اور اسی کو شاہ ولی اللہ نے اختیار کیا جیسا کہ ہم نقل کر چکے ہیں اور اس ناچیز کے نزدیک بھی یہی قول راجح ہے۔ واللہ اعلم

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ

البتہ منافق دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دیگا ف۱ اور جب کھڑے ہوں نماز کو تو کھڑے ہوں ہارے جی سے

منافق جو ہیں دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا۔ اور جب کھڑے ہوں نماز کو، تو کھڑے ہوں جی ہارے،

يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۴۲﴾ مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ

لوگوں کے دکھانے کو اور یاد نہ کریں اللہ کو مگر تھوڑا سا ف۲ ادھر میں لٹکتے ہیں دونوں کے بیچ نہ ان کی طرف اور نہ ان کی طرف

دکھانے کو لوگوں کے، اور یاد نہ کریں اللہ کو، مگر کم۔ ادھر میں لٹکتے دونوں کے بیچ، نہ ان کی طرف اور نہ ان کی طرف۔

ف۱ یعنی دل سے کافر ہیں اور ظاہر میں مسلمان تا کہ دونوں طرف کی مضرت اور ایذاء سے محفوظ رہیں اور دونوں سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کی اس دغابازی کی یہ سزا دی کہ ان کی تمام شرارتوں اور مخفی خباثتوں کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر فرما کر ایسا ذلیل کیا کہ کسی قابل نہ رہے اور سب دغابازی مسلمانوں پر کھل گئی اور آخرت میں جو اس کی سزا ملے گی وہ بھی ظاہر فرما دی چنانچہ آیات آئندہ میں ذکر آتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کی دھوکہ بازی سے تو کچھ نہ ہوا اور اللہ نے ان کو ایسا دھوکہ میں ڈالا کہ دنیا اور آخرت دونوں غارت ہوئیں۔

ف۲ یعنی نماز جو نہایت ضروری اور خالص عبادت ہے اور اس کے ادا کرنے میں جانی مالی کسی مضرت کا بھی اندیشہ نہیں منافق لوگ اس سے بھی جان چراتے ●

● عن المنكر ويتقاعدوا عن التوبة ليكون تسلط العدو من قبلهم كما قال تعالى ﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ﴾ قال ابن العربي هذا نفيس جدا (الرابع) ان الله سبحانه لا يجعل للكافرين على المؤمنين سبيلا شرعا فان وجد فبخلاف الشرع (الخامس) ﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾ اى حجة عقلية ولا شرعية يستظهرون بها الا ابطلها ودحضت (كذا فى تفسير القرطبى: ۴۱۹/۵، ملخصا)

● قوله تعالى: ﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾ اى طريقا بالاستئصال ۱۲ جلالين۔

وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝

اور جس کو گمراہ کرے اللہ تو ہر گز نہ پاوے گا تو اس کے واسطے کہیں راہ۔ ف ۱

اور جس کو بھٹکائے اللہ، پھر تو نہ پائے اس کے واسطے کہیں راہ۔

تتمہ ذمائم منافقین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ... الی... فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا﴾

اب ان آیات میں منافقوں کی ایک ظاہری علامت بیان فرماتے ہیں کہ تا کہ مسلمان اپنے آپ کو اس سے بچائیں اور اس وصف سے اجتناب کا خاص خیال رکھیں جو نفاق کی علامت ہے اور جن میں یہ علامت پائی جاتی ہو اس کو مومن جان کر دھوکہ نہ کھائیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ بے شک یہ منافق لوگ دعوائے ایمان اور ظاہری اطاعت سے خدا کو دھوکہ اور فریب دیتے ہیں اور اس لیے کہ دعائے ایمان اور نماز وغیرہ سے ان کا مقصود لوگوں کو دکھلانا اور دنیوی فوائد حاصل کرنا ہے اللہ کی خوشنودی مقصود نہیں اور ان بے عقلوں کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی ان کے ساتھ فریب کر رہا ہے اللہ کو خوب معلوم ہے کہ یہ کافر اور منافق ہیں اور اس کے دین کے دشمن ہیں مگر معاملہ دوستوں کا سا ہو رہا ہے دنیا کی عیش و راحت میں کوئی کمی نہیں تا کہ دل کھول کر گناہ کر لیں اور جب پیمانہ لبریز ہو جائے تو پکڑ کر دائمی جیل خانہ (دوزخ) میں ڈال دیا جاتا ہے خدا تعالیٰ کے فریب دینے کے یہ معنی ہیں کہ ظاہر میں اعزاز و اکرام ہے اور در پردہ تذلیل و تحقیر مقدر ہو چکی ہے جس طرح وہ دوستی کے پردہ میں دشمنی اسلام کر رہے ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے دوستی کے پردہ میں ان سے دشمنی کی جا رہی ہے اور یہ منافق جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہلی اور بے دلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور ان کا مقصود نماز ہے ہی نہیں بلکہ محض لوگوں کو دکھلانے کے لیے نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور آخرت کا ثواب ان کو مقصود نہیں اور نہ وہ نماز کو واجب سمجھتے ہیں اور ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مسلمان ہم کو نمازی سمجھیں۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کا ڈر نہ ہوتا تو منافق کبھی کوئی نماز نہ پڑھتے اور نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر بہت کم یعنی لوگوں کے سامنے نماز پڑھ لیتے ہیں مگر اس میں نہ تسبیح و تہلیل ہوتی ہے اور نہ خشوع و خضوع صرف اٹھنا اور بیٹھنا ہوتا ہے اور جب تنہا ہوتے ہیں تو بالکل ہی نہیں پڑھتے۔

یا یہ مطلب ہے کہ نماز کے علاوہ دن رات میں بجز دنیاوی باتوں کے ان کے منہ سے اللہ کا نام نہیں نکلتا مگر بہت ہی کم بخلاف مسلمان کے کہ وہ دنیا میں مشغول رہتے ہوئے بھی کبھی ان شاء اللہ کہتا ہے اور کبھی لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور کبھی الحمد للہ اور کبھی سبحان اللہ موقع بموقع کی اس کی زبان سے اللہ کا نام نکلتا ہے اور آگے منافقین کا ایک اور حال بیان وہ یہ کہ یہ

■ ہیں مجبوری لوگوں کے دکھانے کو اور دھوکہ دینے کو پڑھ لیتے ہیں کہ ان کے کفر کی کسی کو اطلاع نہ ہو اور مسلمان سمجھے جاویں۔ پھر ایسوں سے اور کسی بات کی کیا توقع ہو سکتی ہے اور وہ کیسے مسلمان ہو سکتے ہیں۔

ف ۱ یعنی منافقین تو بالکل تردد اور حیرت میں گرفتار ہیں۔ نہ ان کو اسلام پر اطمینان ہے نہ کفر پر سخت پریشانی میں مبتلا ہیں۔ کبھی ایک طرف جھکتے ہیں کبھی دوسری طرف اور اللہ جس کو بھٹکانا اور گمراہ کرنا چاہے اس کو نجات کا راستہ کہاں مل سکتا ہے۔

لوگ کفر اور اسلام کے درمیان متردد ہیں نہ پورے ان کی طرف ہیں اور نہ ان کی طرف نہ مومنین ہی کے ساتھ ہیں اور نہ کھلے کافروں ہی کے ساتھ ہیں اور جس کو خدا گمراہ کر دے تو اس کے لیے کوئی ہدایت کی کوئی سبیل ہرگز نہ پاؤ گے اور جو شخص تذبذب اور تردد کی وادی تیہ میں داخل ہو جاتا ہے وہ اس طرح بھٹکتا پھرتا ہے کبھی ادھر کبھی ادھر۔

بدرد یقین پردہائے خیال نماند سراپردہ الاجلال

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ

اے ایمان والو نہ بناؤ کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا لیا

اے ایمان والو! نہ پکڑو کافروں کو رفیق، مسلمان چھوڑ کر۔ کیا لیا

تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ

چاہتے ہو اپنے اوپر اللہ کا الزام صریح بیشک منافق ہیں سب سے نیچے درجہ میں دوزخ کے

چاہتے ہو اپنے اوپر اللہ کا الزام صریح؟ منافق ہیں سب سے نیچے درجے میں آگ کے۔

وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ

اور ہرگز نہ پاوے گا تو ان کے واسطے کوئی مددگار ف۱ مگر جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کی اور مضبوط پکڑا اللہ کو اور خالص حکم بردار ہوئے

اور ہرگز نہ پائے گا تو ان کے واسطے کوئی مددگار۔ مگر جنہوں نے توبہ کی، اور سنوارا آپ کو، اور مضبوط پکڑا اللہ کو، اور نرے حکم بردار ہوئے

لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾

اللہ کے سو وہ ہیں ایمان والوں کے ساتھ اور جلد دے گا اللہ ایمان والوں کو بڑا ثواب ف۲

اللہ کے، سو وہ ہیں ایمان والوں کے ساتھ۔ اور آگے دے گا اللہ ایمان والوں کو بڑا ثواب۔

ممانعت ● از موالات کفار

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ... الی... اَجْرًا عَظِيْمًا﴾

حق جل شانہ جب منافقین کے اعمال قبیحہ کا بیان کر چکے تو اب مسلمانوں کو حکم دیتے ہیں کہ تم ان لوگوں سے دوستی نہ کرنا ورنہ جو ان کی سزا ہے وہی سزا تمہاری ہوگی جیسا کہ حدیث میں ہے "المرء مع من احب" کیونکہ ان کی دوستی سے

ف۱ یعنی مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کرنا دلیل ہے نفاق کی جیسا کہ منافقین کرتے ہیں۔ سو تم اے مسلمانو! ایسا ہرگز مت کرنا ورنہ خداوند تعالیٰ کا صریح الزام اور پوری حجت تم پر قائم ہو جائے گی کہ تم بھی منافق ہو اور منافقوں کے لئے دوزخ کا سب سے نیچا طبقہ مقرر ہے اور کوئی ان کا مددگار بھی نہیں ہو سکتا کہ اس طبقہ سے ان کو نکالے یا عذاب میں کچھ تخفیف کرا دے۔ مسلمانوں کو ایسی بات سے دور رہنا چاہئے۔

ف۲ یعنی جو منافق اپنے نفاق سے توبہ کرے اور اپنے اعمال کی درستی کرے اور اللہ کے پسندیدہ دین کو خوب مضبوط پکڑے اور اللہ پر توکل کرے اور ریا وغیرہ خرابیوں سے دین کو پاک و صاف رکھے تو وہ خالص مسلمان ہے۔ دین و دنیا میں ایمان والوں کے ساتھ ہوگا اور ایمان والوں کو بڑا ثواب ملنے والا ہے ان کے ساتھ ان کو بھی ملے گا جنہوں نے نفاق سے سچی توبہ کی۔

● یعنی کافروں سے دوستی کی ممانعت

تمہارے دلوں سے اللہ کی محبت جاتی رہے گی آخرت کو بھول جاؤ گے اور ان کی طرح دنیا کے شیدائی اور فدائی بن جاؤ گے کیونکہ ایک دل دو طرف نہیں رہ سکتا ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ﴾ اللہ اپنی پناہ میں رکھے اے ایمان والو ایمان کے مقابلہ میں کفر کو ترجیح نہ دو اور منافقوں کی طرح مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ مبادا کہ ان کی دوستی سے کفر کے جراثیم تم کو نہ لگ جائیں ایک دوست دوسرے دوست کی خصلتوں کو مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچتا ہے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ کا صریح الزام اپنے اوپر قائم کرلو یعنی اگر تم کافروں اور منافقوں کو دوست بناؤ گے تو اللہ تعالیٰ کی حجت تم پر قائم ہوجائے گی کیونکہ اللہ نے تم کو ان کی دوستی کی ممانعت کی ہے اور قیامت کے دن تم پر اللہ یہ حجت قائم کریں گے کہ دعویٰ تو ایمان کا تھا مگر دوست رکھتے تھے میرے دشمنوں کو اور اجتماع ضدین باتفاق عقلاء محال ہے خوب سمجھ لو کہ کافروں اور منافقوں کی دوستی سے تم کو کوئی نفع نہ ہوگا اس لیے کہ بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقے میں ہوں گے جس کا عذاب تمام طبقوں سے بڑھا ہوا ہے دوزخ کے سات طبقے ہیں ایک کے نیچے ایک سب سے نیچے کے طبقہ میں سب سے زیادہ سخت عذاب ہے اور یہ طبقہ خاص منافقوں کے لیے ہے اس لیے کہ کھلے کافر صرف کھلے کافر تھے مسلمانوں کو فریب نہ دیتے تھے اور منافق کفر کے علاوہ جھوٹ بھی بولتے تھے اور مسلمانوں کو فریب بھی دیتے تھے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب منافقین اور اصحاب مائدہ اور آل فرعون کو ہوگا اور قرآن کریم میں اس کی تصدیق موجود ہے ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ اور اصحاب مائدہ کے بارہ میں ہے ﴿فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور آل فرعون کے بارہ میں ہے ﴿اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (تفسیر قرطبی: ۵/۴۲۵)

اور اے مخاطب تو ان منافقین کے لیے ہرگز کوئی مددگار نہ پائے گا جو ان کو نیچے کے طبقہ سے نکال سکے مگر ہاں ان میں جو لوگ نفاق سے توبہ کرلیں اور اپنے عقائد اور اعمال کی اصلاح کرلیں اور اللہ کے دین کو مضبوط پکڑ لیں یعنی تذبذب اور تردد میں نہ رہیں بلکہ اللہ کی باتوں پر پورا یقین رکھیں اور اپنے دین کو خالص اللہ کے لیے کردیں یعنی دین سے مقصود محض اللہ کی رضا اور خوشنودی ہو ریاء و نمود اور دنیاوی غرض کا اس میں شائبہ نہ ہو پس ایسے لوگ جنہوں نے نفاق سے سچی توبہ کرلی اور عقائد و اعمال کی اصلاح کرلی اور بلاکسی تردد اور تذبذب کے مضبوطی کے ساتھ دین کی رسی کو پکڑ لیا اور اخلاص اور صدق نیت کے ساتھ اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بن گئے تو ایسے (۱) لوگ جہنم کے کسی طبقہ میں نہ ہوں گے بلکہ جنت میں ان مومنین کاملین کے ساتھ ہوں گے جو از اول تا آخر صدق اور اخلاص کے ساتھ ایمان پر قائم رہے اور ہمیشہ ہمیشہ ان کا ایمان نفاق اور ریاء کے شائبہ سے محفوظ رہا۔

یا یہ (۲) معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نفاق سے توبہ کرنے والوں کو مؤمنین کی جماعت میں شمار کرے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ

---

(۱) قال العارف المهمايمي فاولٰئك يعلو رتبتهم بهذه الامور لايكونون في دولت من النار فضلا عن الاسفل بل مع المؤمنين المستمرين على الايمان بلا نفاق في الجنان تفسير مهمائمی: ۱/۱۷۱)

(۲) قال الفرا معنى فاولٰئك مع المؤمنين اى من المؤمنين وقال القتبى حاد عن كلامهم غضبا عليهم فقال فاولٰئك مع المؤمنين ولم يقل هم المؤمنون (تفسير قرطبی: ۵/۴۲۵)

ان مؤمنین صادقین اور مخلصین کو جو از اول تا آخر صدق اور اخلاص کے ساتھ ایمان اور اسلام پر قائم رہے ان کو آخرت میں اجر عظیم دے گا جو ان تائبین کے اجر اور ثواب سے بڑھ کر ہوگا یا یہ معنی ہیں کہ نفاق سے سچی توبہ کرنے والوں کو مؤمنین صادقین اور عباد مخلصین کے ساتھ اجر اور ثواب میں شریک کر دیا جائے گا۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا

کیا کرے گا اللہ تم کو عذاب کر کے اگر تم حق کو مانو اور یقین رکھو اور اللہ قدردان ہے سب کچھ جاننے والا ف۱

کیا کرے گا اللہ تم کو عذاب کر کر اگر تم حق مانو اور یقین رکھو۔ اور اللہ قدردان ہے سب جانتا

خطاب بسوئے منافقین

قال تعالیٰ: ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ ... الی ... وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا﴾

اب آگے ان منافقین کو خطاب فرماتے ہیں کہ عذاب خداوندی کا دارومدار کفر اور فسوق اور عصیان پر ہے خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب نہیں دیتے کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دے کر اگر تم اللہ کے شکر گزار ہو جاؤ اور اللہ پر ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی قدردان اور دانا ہے تمہاری سب باتوں کو جانتا ہے اور تمہارے نیک کاموں کا قدردان ہے تو جو شخص اللہ کا شکر گزار اور فرمانبردار اور اطاعت شعار بندہ ہو تو وہ ایسے شخص کو ہرگز عذاب نہ دے گا وہ تو عذاب صرف انہی لوگوں کو دیتا ہے جو پرلے درجہ کے سرکش اور متمرد ہیں اور اس کا حکم نہیں مانتے اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ناحق بلاوجہ کسی کو عذاب دے جو جاننے والا ہے اور قدردان ہو وہ بلاوجہ کسی کو عذاب نہیں دے سکتا اور اس سے زیادہ کیا قدردانی ہوگی کہ ایک نیکی کا ثواب دس گونہ سے لے کر سات سو گونہ اور اس سے بھی زیادہ عطا فرماتے ہیں۔

الحمد للہ آج بروز چہارشنبہ ۲۶ شعبان المعظم ۱۳۸۲ھ بوقت ساڑھے تین بجے بین الظہر والعصر جامعہ اشرفیہ۔ لاہور مسلم ٹاؤن پارہ پنجم کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

الحمدلله الذی هدانا لهذا وما کنا لنهتدی لولا ان هدانا الله ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم آمين یا ارحم الراحمين۔

❁❁❁

ف۱ یعنی اللہ تعالیٰ نیک کاموں کا قدرداں ہے اور بندوں کی سب باتوں کو خوب جانتا ہے۔ سو جو شخص اس کے حکم کو ممنونیت اور شکر گزاری کے ساتھ تسلیم کرتا ہے اور اس پر یقین رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ عادل رحیم کو ایسے شخص پر عذاب کرنے سے کوئی تعلق نہیں یعنی ایسے شخص کو ہرگز عذاب نہ دے گا وہ تو سرکش اور نافرمانوں کو عذاب دیتا ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ۝ اِنْ

اللہ کو پسند نہیں کسی کی بری بات کا ظاہر کرنا مگر جس پر ظلم ہوا ہو اور اللہ ہے سننے والا جاننے والا ف۱ اگر

اللہ کو خوش نہیں آتا بری بات کا پکارنا، مگر جس پر ظلم ہوا ہو۔ اور اللہ ہے سنتا جانتا۔ اگر

تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝

تم کھول کر کرو کوئی بھلائی یا اس کو چھپاؤ یا معاف کرو برائی کو تو اللہ بھی معاف کرنے والا بڑی قدرت والا ہے ف۲

تم کھلی کرو کچھ بھلائی، یا اس کو چھپاؤ، یا معاف کرو برائی کو، تو اللہ بھی معاف کرنے والا ہے مقدور رکھتا۔

حکم سی ام۔ جواز شکایت ظالم برائے مظلوم وفضیلت عفو

قَالَ تَعَالٰی: ﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ ... الی ... كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں منافقین کی جبلی کج طبعی اور آیات خداوندی میں ان کی طعنہ زنی اور عیب جوئی اور مسلمانوں پر ان کے مظالم بیان کیے گئے اب ان آیات میں یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ اللہ بڑا حلیم وکریم اور ستار العیوب ہے کسی کا عیب ظاہر کرنا اور کسی کی برائی کرنا اور کسی کا پردہ فاش کرنا پسند نہیں کرتا اسی طرح ہم کو بھی حلم اور پردہ پوشی سے کام لینا چاہیے ہاں مگر جس کسی پر ظلم ہوا ہو سو وہ مظلوم اگر ظالم کی برائی یا زیادتی کا افشا کرے تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن اگر معاف کردے تو وہ اور بہتر ہے اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عادت باوجود قدرت کے خطا کاروں سے معاف کرنے اور درگزر کرنے کی ہے مگر حق تعالیٰ نے منافقین کے معایب اس لیے بیان فرمائے کہ یہ بڑے ہی ظالم ہیں ان کا کید اور مکر عظیم ہے اور ان کا ضرر شدید ہے اللہ کے رسول کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور ہر وقت مسلمانوں کی ایذاء رسانی کے درپے رہتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منافقین کے شر اور فتنہ سے آگاہ کرنے کے لیے ان کے معایب اور مظالم بیان کیے پس اللہ جل شانہ نے ان ظالموں کے پوشیدہ عیوب اور برائیوں کو علی الاعلان بیان کیا تاکہ مسلمان ان کے شر اور ان کے ظلم وستم سے محفوظ رہیں اور ان جیسے اخلاق و اعمال سے بھی اجتناب اور پرہیز کریں کمال قال تعالی: ﴿الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ لہٰذا مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ ان ظالموں کے

ف۱ یعنی اگر کسی میں دین یا دنیا کا عیب معلوم ہو تو اس کو مشہور نہ کرنا چاہیے۔ خدا تعالیٰ سب کی بات سنتا ہے اور سب کے کام کو جانتا ہے۔ ہر ایک کو اس کے موافق زادے گا اسی کو غیبت کہتے ہیں۔ البتہ مظلوم کو رخصت ہے کہ ظالم کا ظلم لوگوں سے بیان کرے۔ ایسے ہی بعض اور صورتوں بھی غیبت کی ہیں اور یہ حکم یہاں شاید اس لئے فرمایا کہ مسلمان کو چاہیے کہ کسی منافق کا نام مشہور نہ کرے اور علی الاعلان اس کو بدنام نہ کرے اس میں وہ بگڑ کر شاید بے باک ہو جائے بلکہ مبہم نصیحت کرے۔ منافق آپ سمجھ لے گا یا تنہائی میں نصیحت کرے۔ اس طرح شاید ہدایت قبول کرلے۔ چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے کسی کا نام لے کر مشہور نہیں فرماتے تھے۔

ف۲ اس آیت میں مظلوم کو معافی کی رغبت دلانی منظور ہے کہ حق تعالیٰ زبردست اور قدرت والا ہو کر خطا والوں کی خطا بخشتا ہے۔ بندہ زیردست عاجز کو تو بطریق اولیٰ دوسروں کا قصور معاف کردینا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مظلوم کو ظالم سے بدلہ لینا جائز ہے مگر افضل یہ ہے کہ صبر کرے اور بخش دے۔ آیت میں اشارہ ہے اس طرف کہ منافقوں کی اصلاح چاہتے ہو تو ان کی ایذاء اور شرارت پر صبر کرو اور نرمی اور پردہ سے ان کو سمجھاؤ۔ ظاہر کی طعن اور لعن سے بچو اور کھلا مخالف مت بناؤ۔

ابتداء یوم جمعۃ المبارک ۲۸ شعبان ۱۳۸۲ھ بوقت دس بجے دن کے۔

مظالم اور معایب کو بیان کریں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے۔ کہ فاسق اور بدکار کے عیوب کو ظاہر کرو تا کہ لوگ اس سے احتیاط اور پرہیز کریں مطلب یہ ہوا کہ جس ظالم کا ضرر شدید ہو اور اس کا کید اور مکر عظیم ہو تو اس کے فضائح اور قبائح کے اعلان اور اظہار میں کوئی حرج نہیں خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان ظالم منافقوں کی برائیاں اس لیے بیان فرمائیں تا کہ لوگ ان کی شرارتوں سے آگاہ اور باخبر ہو جائیں اور ان کے شر اور ضرر سے محفوظ ہو جائیں اور اپنے آپ کو ان جیسے اخلاق اور اعمال سے بچائیں اور ان ظالموں نے مسلمانوں پر حد سے زیادہ ظلم وستم کیا ہے اور ظلم کی کوئی حد باقی نہیں رہی چھوڑی لہٰذا مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ ان ظالموں کے مظالم اور معایب کو ظاہر کریں حاصل یہ ہے کہ ہم کو ظالم کے ظلم کی پردہ دری اور شکایت کا جو از بیان کرنا مقصود تھا اس لیے ہم نے ان منافقوں کی برائیاں بیان کیں۔ (تفسیر کبیر: ۳/۴۹۵ اور تفسیر البحر المحیط: ۳/۳۸۲)

یا ① یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیات میں منافقین کے عیوب بیان کیے مگر نام کسی کا نام لیا اس لیے کہ اللہ کو یہ ناپسند ہے کہ کسی کا نام لے کر اس کا عیب بیان کیا جائے ہاں اگر مظلوم اپنے ظالم کے نام لے کر اس کا عیب بیان کرے اور اس کی شکایت کرے تو یہ جائز ہے ظالم کی شکایت داخل غیبت نہیں سمجھی جائے گی کیونکہ بغیر ظالم کا نام لیے ہوئے مظلوم چارہ جوئی نہیں کر سکتا اور اس کے علاوہ اور بھی بعض صورتیں ہیں جن میں غیبت روا ہے۔ تفصیل کے لیے احیاء العلوم: ۳/۱۳۲ وشرح احیاء العلوم للزبیدی: ۷/۵۵۳ کو دیکھیں۔

اور یہ حکم شاید یہاں اس لیے بیان فرمایا کہ مسلمان کو چاہیے کہ کسی منافق کا نام مشہور نہ کرے اور علی الاعلان اس کو بدنام نہ کرے اور اصل مقصود نصیحت ہے نہ کہ فضیحت اس لیے حق تعالیٰ نے مبہم طریقہ سے منافقین کا حال بیان فرمایا اور کسی کا نام نہیں لیا شاید منافق اس مبہم نصیحت سے سمجھ جائے اور ہدایت پا جائے اور منافق اس پردہ پوشی کو دیکھ کر مخلص صادق بن جائے ہدایت اور اصلاح کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ بغیر کسی کا نام لیے اجمالی طور پر معایب اور اعمال قبیحہ اور ان کے مفاسد اور ان کی خرابیوں کو بیان کیا جائے تا کہ لوگ آگاہ ہو جائیں اور نام کسی کا نہ لیا جائے اور شاید اس پردہ پوشی کو دیکھ کر وہ مجرم اور بدکار اپنے دل میں شرمندہ ہو اور ہدایت پر آ جائے اور ممکن ہے کہ بدنام کرنے سے اس کا دل اور سخت ہو جائے اور پہلے سے زیادہ بے باک ہو جائے آنحضرت ﷺ کا یہی طریقہ تھا کہ کسی کا نام لے کر نہیں فرماتے تھے۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں منافقوں کی بری عادتوں کا ذکر فرمایا اور حدیث میں ہے کہ منافق کی ایک عادت یہ ہے کہ وہ لڑائی اور جھگڑے کے وقت منہ سے گالی نکالتا ہے اس لیے اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ زبان سے بری بات نہ نکالیں مگر مظلوم کے لیے جائز ہے کہ وہ ظالم کی بقدر ظلم کے واجبی شکایت زبان سے نکال سکتا ہے اور اگر مظلوم معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دے گا۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ الخ میں یہ بیان تھا کہ بدکار اور گناہ گار توبہ کے بعد مومنین کاملین کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے اب اس آیت میں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ توبہ کے بعد گزشتہ نفاق اور مکر وفریب اور دیگر عیوب کا ذکر

---

① ھذا توضیح ما فی موضح القرآن

کر کے طعن وتشنیع کرنا اور اس کو برا بھلا کہنا روا نہیں ہاں مظلوم کو بقدر ظلم وستم اور اپنے ظالم کو برا کہنا جائز ہے حدیث میں ہے "ان لصاحب الحق مقالا رواہ احمد"۔ صاحب حق کو کہنے اور بولنے کی گنجائش ہے۔ (تفسیر کبیر: ۳/ ۴۹۵)

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت میں یہ فرمایا تھا ﴿مَا يَفْعَلُ اللهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو بلاوجہ عذاب دینا پسند نہیں کرتے اب اس آیت میں یہ فرماتے ہیں کہ اللہ کو یہ بھی پسند نہیں کہ کسی کو برا بھلا کہا جائے مگر مظلوم کو اجازت ہے کہ وہ بقدر ظلم کے زبان سے کچھ کہہ دے لیکن وہ بھی اگر معاف کر دے تو بہت اچھا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ عفو قدیر ہے باوجود قدرت کے معاف کرتا ہے۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت ﴿وَكَانَ اللهُ شَاكِرًا عَلِيمًا﴾ میں اس طرف اشارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے شکر کے اعلان اور اظہار کو پسند کرتے ہیں اب اس آیت میں اس کی ضد کو بیان فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ برائی کے اعلان اور اظہار کو ناپسند کرتے ہیں۔ دیکھو حاشیہ الشہاب خفاجی علی تفسیر البیضاوی: ۳/ ۱۹۳ و روح المعانی: ۶/ ۳۔

یا یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزار بندوں کو عذاب نہیں دیتا اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کو عذاب دیتا ہے کہ جو بجائے شکر کے اس کی شکایت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو مخلوق کی شکایت کو بھی پسند نہیں کرتے اس لیے کہ اللہ نہیں پسند کرتا بری بات کے افشاء اور اظہار کو یعنی اللہ کو یہ پسند نہیں کہ کسی کی برائی کو ظاہر کیا جائے مگر مظلوم کو اپنے ظلم وستم کے اظہار اور بیان کی اجازت ہے کہ بغیر اس کے اس کو چارہ نہیں لہٰذا اگر مظلوم اپنے ظالم کی شکایت کرے تو وہ گناہ نہیں۔ جاننا چاہیے کہ الجہر سے آواز بلند کرنا مراد نہیں بلکہ مطلق اظہار مراد ہے اگرچہ آواز بلند نہ ہو اور ہے اللہ سننے والا جاننے والا وہ مظلوم کی دعا کو سنتا ہے اور اس کو معلوم ہے کہ ظالم نے کتنا ظلم کیا ہے اور وہ کتنی سزا کا مستحق ہے اگرچہ مظلوم اپنی زبان سے کچھ نہ کہے اور اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ مظلوم کی شکایت ظالم کے ظلم کی مقدار کے مطابق ہے یا اس سے زیادہ ہے پھر آگے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگرچہ مظلوم کو شکایت کی اجازت ہے مگر برائی کرنے والے کے ساتھ احسان یا عفو کا معاملہ خدا کے یہاں انتقام سے کہیں زیادہ محبوب ہے اگر تم برائی کرنے والے کے ساتھ کوئی بھلائی کرو خواہ اس بھلائی کو ظاہر کرو یا چھپاؤ تو یہ بہت بلند مقام ہے کما قال تعالیٰ: ﴿السَّيِّئَةَ . اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ﴾ یا برائی سے درگزر کرو یعنی معاف کر دو تو یہ اہل ہمت کا مقام ہے اور تخلق باخلاق الٰہیہ ہے اس لیے کہ بیشک اللہ بڑا معاف کرنے والا قدرت والا ہے قدرت کے بعد عفو، اللہ کی خاص صفت ہے تمہیں چاہیے کہ اللہ کی صفت اور عادت کا اتباع کرو در عفو لذت است کہ در انتقام نیست۔

اور ایک اثر میں ہے کہ حاملان عرش اللہ کی تسبیح کرتے ہیں بعض ان میں سے یہ کہتے ہیں سبحانك علی حلمك بعد علمك اور بعض یہ کہتے ہیں سبحانك علی عفوك بعد قدرتك۔

فائدہ:...... حق تعالیٰ نے اس آیت میں تین مرتبے بیان فرمائے ہیں اول یہ کہ انتقام جائز ہے کما قال تعالیٰ: ﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ﴾ ﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيْلٍ﴾ یہ

ضعفاء کی شان ہے دوم عفو یعنی معاف کر دینا یہ اہل ہمت کی شان ہے سوم برائی کرنے والے کے ساتھ سلوک اور احسان یہ اہل عزم اور کاملین کا مقام ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ

جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اس کے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں

جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اس کے رسولوں سے، اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں، اللہ میں اور اس کے رسولوں میں، اور کہتے ہیں

نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١٥٠﴾ أُولَٰئِكَ

ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور چاہتے ہیں کہ نکالیں اس کے بیچ میں ایک راہ ایسے لوگ

ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو، اور چاہتے ہیں کہ نکالیں بیچ میں ایک راہ۔ ایسے لوگ

هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ

وہی ہیں اصل کافر اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب ف۱ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر

وہی ہیں اصل کافر۔ اور ہم نے تیار رکھی ہے منکروں کے واسطے ذلت کی مار۔ اور جو لوگ یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر،

وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا

اور جدا نہ کیا ان میں سے کسی کو ان کو جلد دے گا ان کے ثواب اور اللہ ہے بخشنے والا

اور جدا نہ کیا کسی کو ان میں، ان کو دے گا ان کے ثواب۔ اور اللہ ہے بخشنے والا

ع ۲۱/۱۱
رَّحِيمًا ﴿١٥٢﴾

مہربان ف۲

مہربان۔

ف۱ یہاں سے ذکر ہے یہود کا۔ چونکہ یہود میں نفاق کا مضمون بہت تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو منافق تھے وہ یہود تھے یا یہودیوں سے ربط اور محبت رکھنے والے اور ان کے مشورہ پر چلنے والے تھے اس لئے قرآن شریف میں اکثر ان دونوں فریق کا ذکر اکٹھا فرمایا ہے۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ سے اور اسکے رسولوں سے منکر ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں یعنی اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور رسولوں پر ایمان نہیں لاتے اور بعض رسولوں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور مطلب یہ ہے کہ اسلام اور کفر کے بیچ میں ایک نیا مذہب اپنے لئے نکالیں ایسے ہی لوگ اصل اور ڈھیٹ کافر ہیں۔ ان کے لئے خواری اور ذلت کا عذاب تیار ہے۔

فائدہ: اللہ کا ماننا جب ہی معتبر ہے کہ اپنے زمانہ کے پیغمبر کی تصدیق کرے اور اس کا حکم مانے۔ بدون تصدیق نبی کے اللہ کا ماننا غلط ہے اس کا اعتبار نہیں بلکہ ایک نبی کی تکذیب اللہ کی اور تمام رسولوں کی تکذیب سمجھی جاتی ہے۔ یہود نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی تو حق تعالیٰ کی اور تمام انبیاء کی تکذیب کرنے والے قرار دیے گئے اور پکے کافر سمجھے گئے۔

ف۲ یعنی اور جن لوگوں نے کسی نبی کو جدا نہیں کیا بلکہ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کو بڑے ثواب عطا فرمائے گا۔ اس سے مراد مسلمان ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب پر ایمان لائے۔

اہل کتاب کی اعتقادی وعملی قباحتوں وشرارتوں کا ذکر

قَالَ تَعَالٰی : ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ... الی... وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾

ربط:...... منافقین کے بعد اب اہل کتاب کی قباحتوں کا اور شرارتوں کا ذکر فرماتے ہیں کیونکہ منافقین زیادہ تر یہود میں سے تھے یا یہودیوں سے ربط وضبط رکھتے تھے اس لیے قرآن کریم میں اکثر منافقین اور یہود کا ذکر اکٹھا ہی فرماتے ہیں دور تک اہل کتاب کی قباحتوں اور شناعتوں اور ان کی جہالتوں اور شرارتوں کا ذکر چلا گیا ہے اس سلسلہ میں اللہ نے سب سے پہلے ان کی ایک عظیم قباحت کو بیان فرمایا وہ یہ کہ یہ لوگ تفریق فی الایمان کے قائل ہیں۔

تفریق فی الایمان

اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہود کے عقائد کفریہ ہیں ان کا سب سے بڑا کفر تفریق فی الایمان ہے یعنی خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان ایمان لانے میں تفریق کرتے ہیں اور تفریق کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو ماننے اور رسول کو نہ ماننے جیسے یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کو مانتے ہیں مگر عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو نہیں مانتے اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں مگر آنحضرت ﷺ کو نہیں مانتے تمام نصاریٰ تمام انبیاء کو مانتے ہیں مگر خاتم الانبیاء اور اشرف الرسل ﷺ کے منکر ہیں حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا یہ لوگ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی دوسرا طریقہ نکالان چاہتے ہیں حالانکہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی دوسری چیز نہیں نکل سکتی مقصود یہ ہے کہ اگر مومن بننا چاہتے ہیں تو سب نبیوں پر ایمان لائیں جس نے ایک نبی کا انکار کیا اس نے سارے نبیوں کا انکار کیا کیونکہ ہر نبی پر ایمان لانا فرض ہے پس آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار تمام انبیاء کی نبوتوں کا انکار ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کا ارادہ رکھتے ہیں تو خوب سمجھ لو کہ وہ اللہ کے نزدیک پکے کافر ہیں جن کے کفر میں کوئی شبہ نہیں چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ منکر ہیں اللہ کے یعنی اللہ ہی کو نہیں مانتے اور منکر ہیں اس کے پیغمبروں سے اور یہ چاہتے ہیں کہ تفریق کریں اللہ میں اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کفر اور ایمان کے درمیان ایک راہ نکالیں ایسے ہی لوگ بلاشبہ پکے کافر ہیں اور منکروں کے لیے ہم نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے اور برخلاف ان کے جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اسکے سب پیغمبروں پر اور انہوں نے رسولوں کے درمیان ایمان لانے میں کوئی تفرقہ نہیں کیا ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا اجر ضرور دیں گے اور ہے اللہ بڑے بخشنے والا مہربان یعنی ایمان کی برکت سے ان کے اعمال کا اجر دے گا اور گناہوں کو معاف کرے گا۔

نکتہ:...... یہ آیت پہلی آیت یعنی ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا﴾ کے مقابل ہے مگر اس آیت میں ”اولئك هم المومنون حقا“ نہیں فرمایا صرف اجر وثواب کا ذکر فرمایا وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں فقط ایمان کا ذکر ہے اور اعمال صالحہ کا ذکر نہیں اور بغیر اعمال صالحہ کے مومن کامل نہیں ہوسکتا دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

يُنفِقُونَ ۝٣ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ پس معلوم ہوا کہ جن لوگوں میں یہ صفات فاضلہ پائی جائیں وہ ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا﴾ کے مصداق ہو سکتے ہیں۔

يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَن تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ ۚ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ

تجھ سے درخواست کرتے ہیں اہل کتاب کہ تو ان پر اتار لادے لکھی ہوئی کتاب آسمان سے سو مانگ چکے ہیں موسیٰ سے اس سے بھی بڑی

تجھ سے مانگتے ہیں کتاب والے کہ ان پر اتار لائے کتاب آسمان سے۔ سو مانگ چکے ہیں موسیٰ سے اس سے بڑی

مِن ذَٰلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ

چیز اور کہا ہم کو دکھلا دے اللہ کو بالکل سامنے سو آ پڑی ان پر بجلی ان کے گناہ کے باعث پھر بنا لیا بچھڑے کو بہت کچھ نشانیاں پہنچ چکنے

چیز، بولے ہم کو دکھا دے اللہ کو سامنے، پھر ان کو پکڑا بجلی نے ان کے گناہ پر۔ پھر بنا لیا بچھڑا نشانیاں پہنچے

مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَن ذَٰلِكَ ۚ وَآتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطَانًا مُّبِينًا ۝١٥٣

کے بعد پھر ہم نے وہ بھی معاف کیا ف۱ اور دیا ہم نے موسیٰ کو غلبہ صریح ف۲

پیچھے، پھر ہم نے وہ بھی معاف کیا، اور دیا موسیٰ کو غلبہ صریح۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِيثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا

اور ہم نے اٹھایا ان پر پہاڑ قرار لینے کے واسطے ف۳ اور ہم نے کہا داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے ف۴ اور ہم نے کہا کہ زیادتی مت

اور ہم نے اٹھایا ان پر پہاڑ، ان کے قول لینے میں۔ اور ہم نے کہا، داخل ہو دروازے میں سجدہ کر کر، اور ہم نے کہا زیادتی مت

تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ۝١٥٤ فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ

کرو ہفتہ کے دن میں اور ہم نے ان سے لیا قول مضبوط ف۵ ان کو جو سزا ملی سو ان کی عہد شکنی پر

کرو ہفتے کے دن میں، اور ان سے لیا قول گاڑھا۔ سو ان کے قول توڑنے پر

ف۱ یہودیوں کے چند سردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا اگر تم سچے پیغمبر ہو تو ایک کتاب لکھی لکھائی یکبارگی آسمان سے لادو جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لائے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس تمام رکوع میں الزامات کو ان کے جواب میں ذکر فرمایا ہے۔ اس کے بعد تحقیقی جواب دیا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہودی جو تم سے عناداً ایسی کتاب طلب کرتے ہیں ان کی یہ بے باکی اور سرکشی تعجب کی بات نہیں۔ ان کے بزرگوں نے تو اس سے بھی بڑی اور سخت بات اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام سے طلب کی تھی کہ خداوند تعالیٰ کا آشکارا ہم کو دکھا دو ورنہ ہم تمہارا یقین نہ کریں گے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزرا۔ اس پر یہ ہوا کہ ان کے کہنے والوں پر بجلی آ پڑی اور سب مر گئے پھر حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کو زندہ کر دیا۔ ایسی عظیم الشان نشانیاں دیکھ کر پھر یہ کیا کہ بچھڑے کو پوجنے لگے بالآخر حق تعالیٰ نے اس سے بھی درگزر فرمائی۔ سورۂ بقرہ میں کسی قدر تفصیل سے مذکور ہو چکا ہے۔

ف۲ غلبہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو توڑ کر کے آگ میں جلا دیا اور اس کی راکھ ہوا میں دریا پر اڑا دی اور ستر ہزار آدمی بچھڑے کو سجدہ کرنے والے قتل کئے گئے۔

ف۳ یعنی جب یہود نے کہا تھا کہ تورات کے حکم سخت ہیں ہم نہیں مانتے تو اس وقت کوہ طور کو زمین سے اٹھا کر ان کے سروں پر معلق کر دیا تھا کہ ان حکموں کو قبول کرو اور مضبوطی سے پکڑو ورنہ پہاڑ ڈالا جاتا ہے۔ .... =

وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ

اور منکر ہونے پر اللہ کی آیتوں سے اور خون کرنے پر پیغمبروں کا ناحق اور اس کہنے پر کہ ہمارے دل پر غلاف ہے سو یہ نہیں بلکہ

اور منکر ہونے پر اللہ کی آیتوں سے اور خون کرنے پر پیغمبروں کا ناحق اور اس کہنے پر کہ ہمارے دل پر غلاف ہے، کوئی نہیں، پر

اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۵۵ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ

اللہ نے مہر کردی ان کے دل پر کفر کے سبب سو ایمان نہیں لاتے مگر کم ف۱ اور ان کے کفر پر اور مریم پر

اللہ نے مہر کی ہے ان پر مارے کفر کے، سو یقین نہیں لاتے مگر کم۔ اور ان کے کفر پر اور مریم پر

بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝۱۵۶ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا

بڑا طوفان باندھنے پر اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا ف۲ اور انہوں نے نہ اس کو

بڑا طوفان بولنے پر، اور اس کہنے پر کہ ہم نے مارا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو، جو رسول تھا اللہ کا۔ اور نہ اس کو

قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا

مارا اور نہ سولی پر چڑھایا لیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ لوگ اس جگہ شبہ میں پڑے ہوئے ہیں کچھ نہیں

مارا ہے، اور نہ سولی پر چڑھایا، لیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے۔ اور جو لوگ اس میں کئی باتیں نکالتے ہیں، وہ اس جگہ شبہ میں پڑے ہیں۔ کچھ نہیں

لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝۱۵۷ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ

ان کو اس کی خبر صرف اٹکل پر چل رہے ہیں اور اس کو قتل نہیں کیا بیشک بلکہ اس کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف اور

ان کو اس کی خبر مگر اٹکل پر چلنا۔ اور اس کو مارا نہیں بیشک۔ بلکہ اس کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف، اور وہ ہے

اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۱۵۸

اللہ ہے زبردست حکمت والا ف۳

اللہ زبردست حکمت والا۔

= ف۴ یہود کو حکم ہوا تھا کہ شہر میں داخل ہوں سجدہ کرکے اور سر جھکائے ہوئے انہوں نے سجدہ کے بدلے سرین پر سرکنا اور پھسلنا شروع کیا۔ جب شہر میں پہنچے تو ان پر طاعون پڑا، دوپہر میں قریب ستر ہزار کے مر گئے۔

ف۵ یہودیوں کو حکم تھا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار نہ کریں اور سب دنوں سے زیادہ ہفتہ ہی کے دن مچھلیاں دریا میں بکثرت نظر آتیں۔ یہودیوں نے یہ حیلہ کیا کہ دریا کے پاس حوض بنائے۔ ہفتہ کے دن جب مچھلیاں دریا سے حوضوں میں آتیں تو ان کو بند کر رکھتے پھر دوسرے دن حوضوں میں سے شکار کرتے۔ اس فریب اور عہد شکنی پر اللہ تعالیٰ نے ان کو بندر کر دیا جو جانوروں میں بہت خسیس اور مکار ہے۔

ف۱ یعنی یہود نے اس عہد کو توڑ دیا تو حق تعالیٰ نے ان کی اس عہد شکنی پر اور آیات الٰہی سے منکر ہونے پر اور انبیاء علیہم السلام کے ناحق قتل کرنے پر اور ان کے اس کہنے پر کہ ہمارے دل تو غلاف میں ہیں، ان پر سخت عذاب مسلط فرمائے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو ہدایت کی تو کہنے لگے ہمارے دل پردہ میں ہیں تمہاری بات وہاں تک پہنچ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بات نہیں بلکہ کفر کے سبب ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے بس۔

بیان دیگر ذمائم اہل کتاب

قال تعالیٰ: ﴿يَسْـَٔلُكَ أَهْلُ ٱلْكِتَٰبِ أَن تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ ... الی ... وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾

ربط: ...... گزشتہ آیت میں اہل کتاب کی عظیم شناعت یعنی تفریق فی الایمان کو بیان کیا اب یہاں سے اہل کتاب کی دوسری قباحتوں اور شناعتوں کو اور ان پر جو عقوبتیں اور مصیبتیں نازل ہوئیں ان کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں (اے نبی) ﷺ اہل کتاب یعنی یہود آپ ﷺ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ان پر ایک کتاب آسمان سے اتار لاویں جس کو آسمان سے اترتے ہوئے ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں جیسا کہ کعب بن اشرف اور فنحاص بن عازوراء وغیرہ یہود علماء نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ اگر آپ ﷺ واقعی نبی ہیں تو ایک ہی دفعہ ایک لکھی ہوئی کتاب پوری آسمان سے ہم پر اتارو اور ایک روایت میں ہے یہ کہا کہ ہم آپ ﷺ کے ہاتھ پر جب بیعت کریں گے کہ جب فلاں فلاں اور شخص کے نام اللہ کی طرف سے یہ تحریر آجائے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول اور نبی آخر الزمان ﷺ ہیں اور یہ قرآن اللہ کا کلام ہے حالانکہ یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کے دلائل نبوت اور اعجاز قرآنی کا مشاہدہ کر چکے ہیں اور ان کی یہ درخواست تحقیق حق کے لیے نہیں بلکہ ضد اور عناد پر مبنی ہے بالفرض اگر ان کی یہ درخواست پوری کر دی جائے تو کل کو اور اسی قسم کی درخواست کریں گے اس لیے حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ اے ہمارے نبی ﷺ پس آپ ﷺ ان کے اس قسم کے معاندانہ اور متکبرانہ سوالات سے تعجب نہ کیجئے اس لیے کہ تحقیق ان کے اسلاف موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بڑھ کر درخواست کر چکے ہیں چنانچہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا تھا کہ ہمیں اللہ کو کھلم کھلا دکھلا دو یعنی ضد اور ہٹ دھرمی ان کی قدیمی اور موروثی عادت ہے ان کے آباء و اجداد موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بڑھ کر درخواست کر چکے ہیں کیونکہ کتاب الٰہی کا دنیا میں آسمان سے نازل ہونا فی حد ذاتہ ممکن ہے مگر دنیا میں بلا کسی حجاب اور پردہ کے علانیہ اور آشکارا طور پر دیدار خداوندی ناممکن اور محال ہے پس اس گستاخی کی وجہ سے بجلی نے ان کو آ پکڑا اور آناً فاناً سب کو ہلاک کر ڈالا لیکن موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے خدا نے ان کو دوبارہ زندہ کیا مقصود اس آیت سے آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ آپ ﷺ ان کے سوال کی پروانہ کیجئے ضد اور عناد ان کی سرشت میں رکھا ہوا ہے کسی طور پر بھی حق کی طرف آنا نہیں چاہتے اگر ہم آج ان کی یہ درخواست پوری بھی کر دیں تو اور کوئی حیلہ نکال کھڑا کریں گے جیسا کہ

= کے باعث ان کو ایمان نصیب نہیں ہو سکتا مگر تھوڑے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی۔

ف ۲ یعنی اور نیز اس وجہ سے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منکر ہو کر دوسرا کفر کمایا اور حضرت مریم پر طوفان عظیم باندھا اور ان کے اس قول پر کہ فخر سے کہتے تھے ہم نے مار ڈالا عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول اللہ (علیہ السلام) تھا ان تمام وجوہ سے یہود پر عذاب اور مصیبتیں نازل ہوئیں۔

ف ۳ اللہ تعالیٰ ان کے قول کی تکذیب فرماتا ہے کہ یہودیوں نے نہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا نہ سولی چڑھایا۔ یہود جو مختلف باتیں اس بارے میں کہتے ہیں اپنی اپنی اٹکل سے کہتے ہیں اللہ نے ان کو شبہ میں ڈال دیا۔ خبر کسی کو بھی نہیں واقعی بات یہ ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں پر قادر ہے اور اس کے ہر کام میں حکمت ہے۔ قصہ یہ ہوا کہ جب یہودیوں نے حضرت مسیح کے قتل کا عزم کیا تو پہلے ایک آدمی ان کے گھر میں داخل ہوا حق تعالیٰ نے ان کو تو آسمان پر اٹھا لیا اور اس شخص کی صورت حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت کے مشابہ کر دی جب باقی لوگ گھر میں گھسے تو اس کو مسیح سمجھ کر قتل کر دیا پھر خیال آیا تو کہنے لگے کہ اس کا چہرہ تو مسیح کے چہرہ کے مشابہ ہے اور باقی بدن ہمارے ساتھی کا معلوم ہوتا ہے کسی نے کہا کہ یہ مقتول مسیح ہے تو ہمارا آدمی کہاں گیا اور ہمارا آدمی ہے تو مسیح کہاں ہے اب صرف اٹکل سے کسی نے کچھ کہا علم کسی کو بھی نہیں حق یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہرگز مقتول نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر اللہ نے اٹھا لیا اور یہود کو شبہ میں ڈال دیا۔

موسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں ہمیشہ شبہے نکالتے رہے اور اس سے ان کے شبہ مذکورہ کا جواب اس طرح ہوا کہ یہ سب تمہارے حیلے بہانے ہیں اگر ایک مرتبہ کتاب کامل جانا سچ ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں تو موسیٰ علیہ السلام سے جن کو ایک ہی مرتبہ توریت مل گئی تھی یہ سوال کیوں کیا تھا کہ ہم کو اللہ پاک کا دیدار کرادو تب یقین کریں گے ان کو تو کتاب ایک ہی دفعہ ملی تھی یقین کے واسطے کیوں کافی نہ ہوئی پھر اس گستاخانہ درخواست سے بڑھ کر ایک اور حرکت کر چکے ہیں وہ یہ کہ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا بعد اس کے کہ ان کے پاس حق تعالیٰ کی توحید اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے واضح اور قطعی دلائل آچکے تھے پھر جب انہوں نے توبہ کی تو ہم نے ان کا قصور معاف کر دیا اور عبادت عجل یعنی گوسالہ پرستی کو دیدار خداوندی کی درخواست سے بڑھ کر اس لیے فرمایا کہ رویت خداوندی تو فقط دنیا ہی میں محال ہے اور آخرت میں ممکن ہے مگر غیر اللہ کا معبود ہونا تو ہر زمان اور ہر مکان میں قطعاً ناممکن اور محال ہے مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے معجزات اور دلائل واضحات کے دیکھنے کے بعد بھی ایک احمق حیوان یعنی بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا اور ان سے ہدایات اور یمان کی کیا توقع کی جاسکتی ہے جب کسی کو احمق اور کودن بتلانا ہوتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ حیوان ہے اور یہ بیل اور بچھڑا حماقت میں ضرب المثل ہے پس جس قوم نے ایک احمق حیوان کو اپنا معبود بنایا حماقت کا اندازہ لگالو کہ احمق معبود کے بندے کیسے ہوں گے باقی مفصل قصہ سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے اور فعفونا عن ذلك سے مقصود یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اب بھی اپنے ناشائستہ سوال اور شرارتوں سے توبہ کر لیں تو ہم ان کا بھی قصور معاف کر دیں گے اور دیا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلا غلبہ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا کیے جن کو دیکھ کر فرعون جیسا متکبر بھی ڈر گیا گویا کہ یہ آیت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بشارت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی سرکشی سے شکستہ دل نہ ہوں موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ ان سرکشوں پر غلبہ عنایت کرے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہلاک ہوں گے اور جب یہود نے احکام تورات کے قبول کرنے انکار کر دیا تو ہم نے ان کے سروں پر کوہ طور کو اٹھا کر معلق کھڑا کر دیا ان سے پختہ عہد اور میثاق لینے کے لیے جب بنی اسرائیل نے توریت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس کے احکام سخت ہیں ہم سے ان تمام احکام پر عمل نہیں ہو سکے گا تو خدا تعالیٰ نے کوہ طور کو اکھاڑ کر ان کے سروں پر معلق کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ قبول کرتے ہو تو کرو ورنہ ابھی تم پر پہاڑ گرا دیا جائے گا اور سب کچلے جاؤ گے تب مجبور ہو کر اس کو قبول کیا اور کہا کہ بہت اچھا آپ کا حکم ہم کو منظور ہے ہماری توبہ ہم کبھی خدا کے حکم کے خلاف نہیں کریں گے کما قال تعالیٰ: ﴿وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ﴾ الآیۃ مفصل قصہ سورۂ اعراف میں مذکور ہے اور ہم نے ان کے غرور اور سرکشی کو توڑنے کے لیے یہ حکم دیا کہ شہر ایلیاء کے دروازہ میں خشوع اور خضوع اور نیاز مندی کے ساتھ سر جھکائے ہوئے داخل ہونا مگر ان سرکشوں نے اس حکم کو بھی نہ مانا اور بجائے سر جھکانے کے سرین کے بل گھسٹتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون کو مسلط کیا جس میں قریب ستر ہزار کے مر گئے اور ہم نے ان کو یہ حکم بھی دیا کہ ہفتہ کے دن تعدی اور زیادتی نہ کرنا یعنی ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار نہ کرنا کہ وہ تم پر حرام ہے اور خدا کے اس حکم سے تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے پختہ عہد لے لیا مگر ان بدعہدوں نے حیلہ اور بہانہ سے اللہ کے صریح حکم اور پختہ عہد کو توڑا جس کا مفصل قصہ سورۃ اعراف میں مذکور ہے ﴿وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ﴾ یہاں تک قدرے یہود کی شرارتوں اور

سرکشیوں کو بیان کیا اب آگے یہود کا مورد غضب اور محل لعنت اور مستحق ذلت ومسکنت ہونا بیان کرتے ہیں پس ❶ ہم نے ان باتوں کی وجہ سے جن کو ہم ذکر کرتے ہیں یہود پر لعنت کی اور ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ان کے اپنے پختہ عہد و پیمان کے توڑنے کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور اللہ کی آیتوں کے نہ ماننے کی وجہ سے بھی اور خدا کے پیغمبروں کو دیدہ دانستہ ناحق اور بے وجہ محض عناد اور سرکشی کی بناء پر قتل کرنے کی وجہ سے اور اس قسم کے متکبرانہ اور مغرورانہ کلمات کی وجہ سے مثلاً اس کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل غلاف اور پردوں میں ہیں یعنی جس طرح باہر کی چیز کا اثر پردہ کے اندر نہیں پہنچتا اسی طرح (اے محمد ﷺ) آپ ﷺ کی باتوں کا اثر ہمارے دلوں تک نہیں پہونچتا ان کا مقصود یہ ہوتا کہ آپ جو بات بھی کہتے ہیں وہ ہمارے دل کو نہیں لگتی جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ﴾ (یا یہ مطلب کہ ہمارے دل علم وحکمت کے غلاف ومخزن) ہیں یعنی ان میں شریعت موسویہ کا علم بھرا ہوا ہے ہمیں کسی دوسری شریعت کے علم کی ضرورت نہیں۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں یہ سب غلط ہے کوئی بات نہیں نہ دل ان کے پردہ میں ہیں اور نہ ان کے دل علم کا مخزن ہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے کہ باہر سے کوئی ہدایت اور نصیحت اندر نہیں پہنچتی اور دلوں کے اندر جو کفر اور گمراہی سربمہر ہو چکی ہے وہ اندر سے باہر نہیں نکلتی ان کے دل علم کا مخزن نہیں بلکہ کفر اور گمراہی کا مخزن ہیں سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر بہت تھوڑا یعنی صرف موسیٰ علیہ السلام اور ان کی توریت پر ایمان رکھتے ہیں جو کفر کے مساوی ہے اس لیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ ماننا تمام انبیاء کی تکذیب کے مرادف ہے اور نیز ان کے کفر ❷ پر کفر کرنے کی وجہ سے اور نیز حضرت مریم پر ایک ایسا عظیم بہتان لگانے کی وجہ سے جس کو آدمی سن کر مبہوت ہو جائے اور تعجب اور حیرت میں پڑ جائے اور ان پر لعنت کی یعنی لوگوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر زنا کی تہمت لگائی اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اہانت اور تکذیب کو مستلزم ہے اہانت کو تو اس لیے کہ کسی کی ماں کو زانیہ اور بدکار کہنے کے یہ معنی ہیں کہ معاذ اللہ یہ شخص ولد الزنا ہے جو صریح اس کی توہین ہے اور العیاذ باللہ نبی کے حق میں ایسا تصور بھی بدترین کفر ہے اور تکذیب اسی طرح لازم آئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حضرت مریم علیہا السلام کی براءت اور نزاہت ظاہر ہو چکی ہے اور اب اس کے بعد کسی پر تہمت لگانا برائت اور نزاہت کا صاف انکار کرنا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقتول اور مصلوب ہونے کی تردید

اور نیز ان کے اس قول کی وجہ سے جو بطور فخر کہتے تھے تحقیق ہم نے مار ڈالا مسیح کو یعنی مریم کے بیٹے کو جو رسول کہلاتا تھا اللہ کا، ان پر لعنت کی۔ اول تو ان کا کہنا دلیل ہے عداوت کی اور انبیاء کرام کی عداوت بلاشبہ کفر ہے اور پھر اس کفر پر

❶ اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ﴾ کی باء جارہ لعنّا فعل محذوف کے متعلق ہے کما قال القرطبی والباء متعلقة بمحذوف والتقدير فبنقضهم ميثاقهم لعناهم وحذف هذا لعلم السامع (تفسیر قرطبی: ۷/۶)

❷ اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿وَبِكُفْرِهِمْ﴾ کا عطف ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ﴾ پر ہے اور ﴿وَبِكُفْرِهِمْ﴾ میں کفر کا تکرار تاکید کے لیے ہے اس لیے کہ ﴿وَكُفْرِهِمْ بِآيَاتِ اللَّهِ﴾ میں ایک مرتبہ ان کے کفر کا ذکر ہو چکا ہے اب دوبارہ ﴿وَبِكُفْرِهِمْ﴾ فرمانا تاکید کے لیے ہے جیسا کہ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ثم كرر وبكفرهم ليخبر انهم كفروا كفرا بعد كفر. وقيل المعنى وبكفرهم بالمسيح فحذف لدلالة ما بعده عليه. (تفسیر قرطبی: ۸/۶)

فخر کرنا کفر بالائے کفر ہے پس ان تمام وجوہ مذکورہ کی بناء پر ہم نے یہود پر لعنتیں اور مصیبتیں نازل کیں اور ذلت اور مسکنت کی مہر ان پر لگائی۔

ف:...... یہود عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ نہیں مانتے تھے مگر اس مقام پر ان کا رسول اللہ کہنا بطور تمسخر تھا جیسا فرعون نے کہا تھا ﴿اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْٓ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ﴾ اور جیسے کفار مکہ آنحضرت ﷺ کو بطور تمسخر اس طرح خطاب کیا کرتے تھے ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ﴾ اس طرح یہود نہایت فخر سے طنزاً کہا کرتے تھے کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو جو خدا کے رسول ہونے کا دعوی کرتے تھے قتل کر ڈالا اب آئندہ آیت میں ان کے دعوائے قتل وصلب کی تکذیب فرماتے ہیں اور یہود بہبود کا یہ دعوی اور ان کا یہ قول کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر ڈالا بالکل غلط ہے اس لیے کہ یہود نے نہ تو عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا ولیکن ان کے لیے ایک دوسرا ❶ شخص حضرت عیسیٰ کے مشابہ اور ہم شکل بنا دیا گیا اور اسی ہم شکل کو انہوں نے عیسیٰ سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا مطلب یہ کہ بظاہر جو قتل اور صلب پیش آیا ہے اس کا عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق ایک دوسرے شخص سے ہے جو من جانب اللہ ان کے ہم شکل بنا دیا گیا اور تحقیق جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں اختلاف کیا البتہ وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے شک اور شبہ میں پڑے ہوئے ہیں اور ان لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصل حال کا کوئی علم نہیں صرف اٹکل کی پیروی کر رہے ہیں خود ان کو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کیے جانے اور سولی پر چڑھائے جانے کا یقین نہیں اس لیے علماء یہود ونصاری کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی گرفتاری کے وقت حواری تو سب بھاگ گئے تھے اور یہودی جو گرفتار کرنے کے لیے گئے تھے وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو پہچانتے نہ تھے پس مسیح علیہ السلام کی صحیح خبر نہ ان کو اور نہ ان کو سب شک میں یقین کسی کو بھی نہیں بلکہ جس وقت انہوں نے اپنی دانست میں عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا اسی وقت سے شک میں ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عروج آسمانی ورفع جسمانی

اور خوب سمجھ لو کہ یقیناً انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ البتہ اور یقینی طور اور قطعی بات یہ ہے کہ جس وقت وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور صلب کا ارادہ ہی کر رہے تھے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ صحیح سالم بذریعہ فرشتہ اپنی طرف اٹھا لیا یعنی آسمان پر اٹھا لیا تا کہ ان کے قتل اور صلب کا امکان ہی ختم ہو جائے یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے تھے اللہ تعالیٰ نے قتل کے مقابلہ میں رفع کو ذکر فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ قتل وصلب واقع نہیں ہوا بلکہ قتل اور صلب کے بدلہ میں رفع الی السماء واقع ہوا۔ یہود کا دعوائے قتل یعنی ﴿اِنَّا قَتَلْنَا﴾ کہنے سے حضرت مسیح علیہ السلام کی موت کو ثابت کرنا تھا اللہ

---

❶ اشارہ اس طرف ہے کہ شُبِّہَ کا نائب فاعل ضمیر مستتر ہے کہ جو شخص مقتول ومصلوب کی طرف راجع ہے اس لیے کہ یہ الفاظ یعنی ﴿وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا﴾ ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ﴾ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ کسی شخص کو قتل کرنا اور صلیب پر چڑھانا چاہتے ہیں اس لیے کہ شبہ کی اسناد شخص مقتول ومصلوب کی طرف نہایت درست ہوئی چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے (حاشیہ جمل علی الجلالین: ۱؍۵۳۳) اور امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قوله تعالىٰ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ اى القى شبهه على غيره كما تقدم فى آل عمران (تفسیر قرطبی: ۶؍۹) اور مزید تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ لطائف ومعارف کے ذیل میں آئے گی۔ ۱۲

تعالیٰ نے ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ﴾ سے اس کے بالمقابل ان کی حیات کو ثابت کیا پس معلوم ہوا کہ ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ﴾ میں رفع جسمانی مراد ہے اس لیے یہود حضرت مسیح کے جسم کے قتل اور صلب کے مدعی تھے اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید اور ابطال کے لیے ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ فرمایا یعنی تم غلط کہتے ہو کہ تم نے ان کو قتل کر دیا یا صلیب پر چڑھا دیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کو صحیح سالم آسمان پر اٹھالیا گیا گزشتہ آیت میں جس چیز کے قتل اور صلب کی نفی کی گئی تھی اس آیت یعنی ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ میں اسی چیز کا رفع الی السماء یعنی اوپر اٹھایا جانا بیان فرمایا مزید تفصیل ان شاء اللہ لطائف ومعارف میں آئے گی۔

نکتہ اول:...... حق جل شانہ نے اس آیت میں یہود کے ملعون ہونے کے اسباب بیان کیے ہیں جن میں ایک سبب یہ ذکر فرمایا ﴿وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ یعنی انبیاء کو قتل کرنے کی وجہ سے ملعون اور مغضوب ہوئے اور ایک سبب یہ بیان فرمایا کہ ﴿وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ یعنی یہود کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں صرف یہ کہنا کہ ہم نے ان کو قتل کر ڈالا، ان کی لعنت کا سبب بن گیا۔ معلوم ہوا کہ ان سے سوائے اس قول کے ناشائستہ فعل سرزد نہیں ہوا اور نہ اگر ان سے کوئی اور فعل سرزد ہوتا مثلاً پکڑنا یا سر پر کانٹوں کا تاج رکھنا اور منہ پر تھوکنا اور منہ پر طمانچے مارنا تو اسباب لعنت میں ان ناشائستہ امور کو ضرور ذکر کیا جاتا اور صرف اس زبانی قول کے ذکر پر اکتفا نہ کیا جاتا ایسے موقعہ میں صرف دعوائے قتل کو نقل کرنا اور جو جرائم وذمائم اس سے ہزار درجہ بڑھ کر ہوں ان سے سکوت کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔ یہود چونکہ قتل انبیاء کے دعوے میں صادق تھے اس لیے اللہ نے اس بارہ میں ان کی کوئی تردید نہیں کی اور نہ اس معاملہ میں کسی شک اور اشتباہ کا ذکر فرمایا صرف حضرت عیسیٰ کے معاملہ میں ان کے دعوائے قتل کو ﴿وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ﴾ کے عنوان سے ذکر کیا اور پھر شد ومد سے ان کے قول کی تردید کی اور ان کے لیے شک اور اشتباہ کو بیان کیا۔

نکتہ دوم:...... نیز اس آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کے دعوائے قتل کو ذکر کر کے بل رفعہ اللہ فرمایا اور گزشتہ آیت میں انبیاء سابقین کے قتل کو بیان کر کے ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ نہیں فرمایا حالانکہ قتل کے بعد انبیاء کرام کی ارواح طیبہ بلاشبہ آسمان پر اٹھائی گئیں معلوم ہوا کہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسم سمیت آسمان پر اٹھائے گئے۔

نکتہ سوم:...... ابتداء میں قتل اور صلب کو علیحدہ علیحدہ ذکر فرمایا اور فرداً فرداً ہر ایک کی نفی کی مگر چونکہ یہود کا اصل مقصود قتل تھا اس لیے اخیر کلام میں فقط قتل کی نفی کا اعادہ فرما کر رفع الی السماء کو ثابت کیا اور اس طرح فرمایا ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ﴾ ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ (عقیدۃ الاسلام، ص: ۱۷۱-۱۷۶)

اور ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کو مستبعد نہ سمجھو اس لیے کہ ہے اللہ غالب اور حکمت والا اس کی قدرت کے اعتبار سے آسمان اور زمین سب برابر ہیں اور اس کا کوئی فعل حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں اس نے اپنی کسی حکمت کی بناء پر کسی شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل بنا کر ان کی جگہ قتل کرا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا اور آسمان میں ان کو دشمنوں سے محفوظ کر دیا رہا یہ امر کہ کیا خدا زمین پر حفاظت نہیں کر سکتا تھا حفاظت کے لیے رفع الی السماء کا طریقہ اختیار کیوں کیا اس میں کیا حکمت ہے سو اس کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں یہ سوال تو ہر طریقہ حفاظت میں جاری ہو سکتا ہے کیا کوئی یہ بتلا سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو محمد رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے مدینہ اور ابراہیم علیہ السلام کو عراق سے شام لے جانے کی کیا ضرورت تھی کیا

اللہ اس پر قادر نہ تھا کہ ان کو اپنے وطن عزیز ہی میں رہنے دیتا اور وہیں ان کی حفاظت فرمایا اسی طرح کے ہزاروں سوال ہو سکتے ہیں جس کا جواب حافظ شیرازی نے دیا ہے۔

حدیث از مطرب ومی گو وراز دہر کمتر جو ۔۔۔ کہ کس نہ کشود و نہ کشاید بحکمت ایں معمارا

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ

اور جتنے فرقے ہیں اہل کتاب کے سو عیسیٰ پر یقین لا دیں گے اس کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن ہوگا ان پر

اور جو فرقہ کتاب والوں میں سو اس پر یقین لاویں گے اس کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن ہوگا ان کا

شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾

گواہ ف۱

بتانے والا

نزول عیسیٰ علیہ السلام - یعنی ان کے نزول جسمانی اور آمد ثانی کی خبر بہجت اثر

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا﴾

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے یہود کے قبائح اور فضائح کو بیان کیا اور یہ بتلایا کہ یہود حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ جس ذلت و خواری کا ارادہ رکھتے تھے اس میں وہ سراسر ناکام رہے بجائے ذلت وخواری کے اللہ تعالیٰ نے ان کو بے مثال عزت و رفعت عطا فرمائی کہ ان کو صحیح سالم زندہ آسمان پر اٹھا لیا اب آئندہ آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک اور بڑی عزت کی خبر دیتے ہیں جو ان کو قیامت کے قریب حاصل ہوگی یعنی ان کے نزول جسمانی اور آمد ثانی کی خبر دیتے ہیں وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اخیر زمانہ میں قیامت کے قریب خاص شان کے ساتھ آسمان سے نازل ہوں گے اور اس وقت اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا باقی نہ رہے گا جو حضرت عیسیٰ پر حضرت عیسیٰ کے مرنے ❶ سے پہلے ایمان نہ لے آئے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی آسمان میں زندہ موجود ہیں اور قیامت کے قریب جب یہود مسیح دجال ظاہر ہوگا اس وقت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام آسمان سے اتریں گے اور اترنے کے بعد مسیح دجال کو قتل کریں گے اس وقت یہود ونصاریٰ حضرت عیسیٰ کی نبوت و رسالت پر ایمان لے آئیں گے اور سب پر صحیح حقیقت واضح ہو جائے گی کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا اور خدا کے بیٹے نہیں بلکہ اللہ کے برگزیدہ بندہ اور رسول برحق ہیں اور زندہ

ف۱ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ موجود ہیں آسمان پر جب دجال پیدا ہوگا تب اس جہان میں تشریف لا کر اسے قتل کریں گے اور یہود اور نصاریٰ ان پر ایمان لائیں گے کہ بیشک عیسیٰ زندہ ہیں مرے نہ تھے اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے حالات اور اعمال کو ظاہر کریں گے کہ یہود نے میری تکذیب اور مخالفت کی اور نصاریٰ نے مجھ کو خدا کا بیٹا کہا۔

❶ اشارہ اس طرف ہے کہ قبل موتہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے جیسا کہ آیت کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ﴾ اور ﴿وَمَا صَلَبُوْهُ﴾ اور "مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا" اور ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ میں تمام ضمائر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی طرف راجع ہیں اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی باسناد صحیح یہی منقول ہے کہ بہ اور قبل موتہ کی دونوں ضمیریں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں اور اس کو امام ابن جریر طبری اور حافظ ابن کثیر نے اختیار کیا ہے۔ (فتح الباری: ۶/ ۳۵۷)

ہیں مرے نہیں اور یہود جو یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے ان کو مار ڈالا وہ بالکل غلط تھا وہ تو خدا کے پاس زندہ تھے یہ دیکھ کر یہود تو اپنی دشمنی اور عداوت سے تائب ہو جائیں گے اور نصاریٰ عقیدہ ابنیت سے تائب ہو جائیں گے اور سب اہل کتاب اس بات پر ایمان لے آئیں گے کہ قرآن و حدیث نے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کی اور قیامت کے قریب آسمان سے زندہ نازل ہونے کی خبر دی تھی وہ بالکل حق اور صدق تھی۔

ف:...... اس آیت میں قبل موتہ کا لفظ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ابھی فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ ہیں جیسا کہ حسن بصری رحمہ اللہ سے مرسلا روایت ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان عيسىٰ لم يمت وانه راجع اليكم قبل يوم القيامة۔"(تفسیر ابن کثیر وتفسیر در منثور: ۲/۳۶)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحقیق عیسیٰ علیہ السلام ابھی تک مرے نہیں اور وہ قیامت کے قریب تمہاری طرف واپس آنے والے ہیں۔"

نازل ہونے کے بعد جب سب اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے تب اس کے بعد ان کی وفات ہوگی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت یعنی ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ الخ باعتبار مضمون کے دوسری آیت ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کے مشابہ ہے یعنی جس طرح ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کی علامت بتایا ہے اسی طرح ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ الخ میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے (تفسیر ابن کثیر: ۱/۵۸۳)

اور قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام ان پر گواہ ہوں گے یعنی قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود و نصاریٰ دونوں کے برخلاف گواہی دیں گے یہود کی نسبت یہ کہیں گے کہ انہوں نے میری تکذیب کی اور نصاریٰ کے نسبت یہ کہیں گے انہوں نے میرے حکم کے خلاف مجھے خدا اور خدا کا بیٹا بنایا اور شرک میں مبتلا ہوئے حالانکہ میں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میں خدا کا بندہ اور رسول ہوں صرف خدا کی عبادت کرو اور بحق رسالت میری اطاعت کرو یہی سیدھا راستہ ہے مگر انہوں نے میری نصیحت نہیں سنی اور اے خداوند عالم میں ان سے بری ہوں ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾۔

اقوال مفسرین:...... اس آیت میں ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ﴾ الخ کی تفسیر میں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین وعلماء مفسرین کے دو قول ہیں (ایک قول) تو یہ ہے کہ "لَيُؤْمِنَنَّ" کی ضمیر تو کتابی کی طرف راجع ہے اور بہ اور قبل موتہ کی دونوں ضمیریں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ زمانہ آئندہ میں جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اس وقت اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا نہ رہے گا جو حضرت عیسیٰ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرنے سے پہلے ایمان نہ لے آئے پس اس ایت میں اہل کتاب سے اس زمانہ کے اہل کتاب مراد ہوں گے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول من السماء کے وقت موجود ہوں گے۔

اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے باسناد صحیح یہی منقول ہے کہ بہ اور قبل موتہ کی ضمیریں حضرت عیسیٰ کی طرف راجع

ہیں چنانچہ حافظ عسقلانی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

"وبھذا جزم ابن عباس فیما رواہ ابن جریر من طریق سعید بن جبیر عنہ باسناد صحیح ومن طریق ابی رجاء عن الحسن قال قبل موت عیسیٰ واللہ انہ الاٰن لحیّ ولکن اذا نزل اٰمنوا بہ اجمعون ونقلہ اکثر اھل العلم ورجحہ ابن جریر وغیرہ۔" (فتح الباری: ۶/۳۵۷)

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی کا جزم اور یقین کیا ہے جیسا کہ ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما باسناد صحیح اس کو روایت کیا ہے اور حسن بصری سے مروی ہے کہ قبل موتہ سے قبل موت عیسیٰ مراد ہے حسن بصری فرماتے ہیں خدا کی قسم عیسیٰ علیہ السلام ابھی زندہ ہیں جب آسمان سے نازل ہوں گے اس وقت سب اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے اور یہی تفسیر اکثر اہل علم سے منقول ہے اور اس کو امام ابن جریر نے راجح قرار دیا ہے۔

امام ابن جریر: ۶/۱۴، میں فرماتے ہیں کہ قتادہ اور ابو مالک سے بھی یہی منقول ہے کہ قبل موتہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔

نیز صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ بہ اور قبل موتہ کی ضمیریں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں۔

"عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الحرب ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیرا لہ من الدنیا وما فیھا ثم یقول ابو ھریرۃ واقرؤا ان شئتم وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ویوم القیامۃ یکون علیھم شھیدا۔"

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بیشک عنقریب تم میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے درآنحالیکہ وہ فیصلہ کرنے والے اور انصاف کرنے والے ہوں گے صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور لڑائی کو ختم کر دیں گے اور مال کو پانی کی طرح بہا دیں گے یہاں تک کہ کوئی مال کا قبول کرنے والا نہ ہوگا اور اس وقت ایک سجدہ دنیا وما فیہا سے بہتر ہوگا پھر اس حدیث کو بیان کر کے ابو ہریرہ یہ کہتے ہیں کہ اگر قرآن سے اس حدیث کے مضمون کی تصدیق چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو، ﴿وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ﴾ الخ۔

حافظ عسقلانی اس حدیث کی شرح فرماتے ہیں:

"وھذا مصیر من ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ الی ان الضمیر فی قولہ بہ وموتہ یعود علی عیسیٰ علیہ السلام ای الا لیؤمنن بعیسی قبل موت عیسیٰ۔" (فتح الباری: ۶/۳۵۷)

"روایت حدیث کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اس آیت کو حدیث کی تصدیق کے لیے پڑھنا اس امر کی دلیل

ہے کہ آیت میں بہ اور موتہ کی دونوں ضمیریں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں یعنی ہر شخص زمانہ آئندہ میں حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ضرور ایمان لے آئے گا۔''

قول ثانی: ......آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ بہٖ کی ضمیر تو عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے لیکن قبل موتہ کی ضمیر کتابی کی طرف راجع ہے اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت ''وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهِمْ'' اس معنی کی موید ہے اس لیے کہ اس قراءت میں بجائے ''قَبْلَ مَوْتِهٖ'' کے ''قَبْلَ مَوْتِهِمْ'' بصیغہ جمع آیا ہے جو صراحۃً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ''قَبْلَ مَوْتِهِمْ'' کی ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع ہے لہٰذا اسی طرف دوسری قراءت میں بھی ''قَبْلَ مَوْتِهٖ'' کی ضمیر کتابی کی طرف راجع ہونی چاہیے تاکہ دونوں قراءتیں متفق ہو جائیں حافظ عسقلانی نے فتح الباری [1] میں فرمایا کہ علماء کی ایک جماعت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت کی بناء پر اس دوسرے قول کو ترجیح دی ہے کہ ''موتہ'' کی ضمیر کتابی کی طرف راجع کی جائے۔ انتہی۔ اس قول کی بناء پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جو اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ کی نبوت و رسالت اور ان کی عبدیت پر ایمان نہ لے آتا ہو یعنی جب وہ قریب المرگ ہوتا ہے اور علامات موت اس پر ظاہر ہوتی ہیں تو اس وقت اس پر حقیقت حال منکشف ہو جاتی ہے اور اس وقت حضرت عیسیٰ پر صحیح ایمان لے آتا ہے کہ بیشک وہ خدا کے برگزیدہ بندے اور رسول برحق تھے۔ معاذ اللہ نہ وہ مفتری اور کذاب تھے اور نہ خدا اور خدا کا بیٹا تھا مگر اس وقت کا ایمان بے سود اور بے فائدہ ہے کما قال تعالیٰ: ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ﴾ یہودی کے پاس جب ملائکۃ الموت آتے ہیں تو اس کے منہ اور سرین پر درے مارتے ہیں کہ اے عدو اللہ! تیرے پاس عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ آئے اور تو نے ان کی تکذیب کی اور ان کے قتل کے درپے ہوا اس وقت یہودی ایمان لے آتا ہے کہ بیشک عیسیٰ بن مریم علیہ السلام خدا کے رسول برحق تھے اور نصرانی کو ملائکۃ الموت یہ کہتے ہیں کہ اے عدو اللہ تیرے پاس اللہ کے بندے اور رسول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آئے تو تو نے ان کو خدا کا بیٹا بنا دیا اور اس وقت وہ ایمان لے آتا ہے کہ بیشک عیسیٰ بن مریم علیہ السلام خدا کے بندہ اور رسول برحق تھے اور خدا نہ تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہودی نصرانی اپنی حیات سے بالکل ناامید ہو جاتا ہے اور اس کی جان نکلنے لگتی ہے تو وہ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عبد اللہ اور رسول ہونے پر ایمان لے آتا ہے خواہ آگ میں جل کر مرے یا پہاڑ سے گر کر یا اور کسی طرح سے غرض جان کنی کے وقت ہر ایک کتابی حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آتا ہے اور مقصود اس خبر دینے سے یہود اور نصاریٰ کو شرم دلانا ہے کہ اے یہود و نصاریٰ جب تم مرو گے تو مرتے وقت چار و ناچار حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر قرآن کی تعلیم کے مطابق ایمان لانا ہی پڑے گا تو بہتر یہی ہے کہ پہلے ہی ایمان لے آؤ تاکہ تمہیں اس ایمان سے فائدہ ہو ورنہ مرتے وقت کا ایمان بے کار ہے۔

اس قول کی بناء پر آیت میں اہل کتاب سے ہر زمانہ کے تمام اہل کتاب مراد ہوں گے بخلاف پہلے قول کے کہ

---

[1] اصل عبارت اس طرح ہے: ورجح جماعة هذا المذهب بقراءة ابی بن كعب الا ليؤمنن به بالضم قبل موتهم الخ۔ (فتح الباری: ۶/۳۵۷) ق

اس کے مطابق آیت میں اھل کتاب سے وہی اہل کتاب مراد ہوں گے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے زمانہ میں موجود ہوں گے۔

ترجیح ارجح وتصحیح اصح:...... جمہور سلف اور خلف کے نزدیک آیت کی تفسیر میں پہلا ہی قول راجح ہے اور اصح ہے اور احادیث نزول عیسیٰ جو حد تواتر کو پہنچتی ہیں وہ اسی کی مؤید ہیں اور اسی قول کو امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن کثیر نے راجح اور مختار قرار دیا ہے اور دوسرا قول ضعیف ہے اس لیے کہ اس کا دارومدار ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت شاذہ پر ہے جو کسی صحیح یا حسن سند سے ثابت نہیں بلکہ اس کی سند کے راوی ضعیف اور مجروح ہیں۔ واللہ اعلم

تطبیق وتوفیق:...... جاننا چاہیے کہ دو قراءتیں دو مستقل آیتوں کا حکم رکھتی ہیں ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت سے ہر کتابی کا اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت اور رسالت پر ایمان لانا معلوم ہوتا ہے اور قراءت متواترہ میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ آئندہ میں تمام اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ضرور ایمان لے آئیں گے ان دونوں قراتوں میں کوئی تعارض نہیں دونوں حق ہیں ہر ایک قراءت بمنزلہ مستقل آیت کے ہے قراءت متواترہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور نزول کا ذکر ہے اور اہل کتاب کے اس ایمان کا ذکر ہے جو وہ نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے پہلے صحیح ایمان لائیں گے اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت شاذہ میں حضرت مسیح کی نہ حیات کا ذکر ہے اور نہ نزول کا اور نہ موت اور کا نہ وفات کا ذکر ہے صرف اہل کتاب کے اس ایمان کا ذکر ہے جو کہ اہل کتاب اپنی روح سے نکلتے وقت لاتے ہیں غرض یہ کہ ہر قراءت میں ایک جدا واقعہ کا ذکر ہے جیسا کہ ﴿الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ﴾ میں دو قراءتیں ہیں ایک قراءت غلبت بصیغہ ماضی معروف اور ایک قرات بصیغہ مجہول اور ہر قراءت میں علیحدہ علیحدہ واقعہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ کتب تفسیر میں مذکور ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین سے یہ قراءت شاذہ منقول ہے وہ سب کے سب بالاتفاق حضرت مسیح علیہ السلام کے بجسدہ العنصری زندہ آسمان پر اٹھائے جانے اور قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہونے کے بھی قائل ہیں چنانچہ تفسیر درمنثور میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور محمد بن الحنفیہ سے مروی ہے کہ جو لوگ حضرت مسیح کے نزول سے پہلے مریں گے اور وہ لوگ اپنی موت سے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لاتے رہیں گے اور جو اہل کتاب حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ نزول کو پائیں گے وہ تمام کے تمام عیسیٰ پر حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے ضرور ایمان لے آئیں گے لہٰذا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت نزول عیسیٰ سے پہلے مرنے والے اہل کتاب کے حق میں ہے اور قراءت متواترہ ان اہل کتاب کے حق میں ہے جو نزول کے بعد حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے حضرت مسیح پر ایمان لائیں گے دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ (درمنثور [1]: ۲/۲۴۱) اور (عقیدۃ الاسلام، ص: ۲۰۹ طبع جدید)

---

[1] وہ روایت یہ ہے: اخرج ابن المنذر عن شهر بن حوشب قال قال الحجاج یا شهر آیة من کتاب الله ما قرأتها الا اعترض فی نفسی منها شیئ قال الله ان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته وانی اوتی بالاساری فاضرب اعناقهم ولا اسمعهم یقولون فقلت رفعت الیك علی غیر وجهها ان النصرانی اذا خرجت روحه ضربته الملائکة من قبله ومن دبره وقالوا ای خبیث ان المسیح الذی زعمت انه الله او ابن الله او ثالث ثلاثة عبد الله وروحه فیؤمن حین لا ینفعه ایمانه وان الیهودی اذا خرجت نفسه ضربته الملائکة من قبله ودبره وقالوا ای خبیث ان المسیح الذی زعمت انك قتلته عبد الله وروحه =

پھر یہ کہ جو اہل کتاب اپنے مرنے سے پہلے ایمان لاتے ہیں وہ بھی ایمان لاتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ابھی فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ صحیح وسالم آسمان پر اٹھالیے گئے ہیں جیسا کہ روایت ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔

اخرج عبد بن حمید وابن المنذر عن شهر بن حوشب فی قوله تعالیٰ وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته عن محمد بن علی بن ابی طالب وهو ابن الحنفیة قال لیس من اهل الکتاب احد الا اتته الملائكة یضربون وجهه ودبره ثم یقال یا عدو الله ان عیسیٰ روح الله وکلمته کذبت علی الله وزعمت انه الله ان عیسیٰ لم یمت وانه رفع الی السماء وهو نازل قبل ان تقوم الساعة فلا یبقی یهودی ولا نصرانی الا آمن به انتهیٰ۔ (تفسیر در منثور: ۲/۲۴۱)

"امام عبداللہ بن حمید اور امام ابن منذر نے شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے کہ محمد بن حنفیہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے) آیت ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ الخ کی اس طرح تفسیر فرماتے ہیں کہ نہیں ہے کوئی شخص اہل کتاب میں سے مگر آتے ہیں فرشتے اس کی موت کے وقت اور خوب مارتے ہیں اس کے چہرے پر اور سرین پر اور کہتے ہیں کہ اے اللہ کے دشمن بیشک عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی خاص روح ہیں اور اس کا کلمہ ہیں، تو نے اللہ پر جھوٹ بولا اور یہ گمان کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام خود خدا ہیں خوب سمجھ لے تحقیق بلاشبہ عیسیٰ علیہ السلام ابھی نہیں مرے بلکہ زندہ ہیں اور تحقیق وہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے اور وہ قیامت سے پہلے آسمان سے نازل ہوں گے پس اس وقت کوئی یہودی اور نصرانی ایسا نہ رہے گا جو حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئے۔"

امام ابن جریر اور ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جب موت انسان کے سر پر آتی ہے تو حق اور باطل کا فرق واضح ہوجاتا ہے جب تک دین حق اور دین باطل کا امتیاز نہ ہوجائے اس وقت تک روح نہیں نکلتی اسی طرح کتابی پر مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں اس پر حق واضح ہوجاتا ہے کہ وہ خدا کے بندہ اور رسول برحق تھے معاذ اللہ خدا اور خدا کے بیٹے نہیں تھے جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں کہ اور نہ وہ مقتول ومصلوب ہوئے جیسا کہ یہود کہتے ہیں بلکہ وہ زندہ آسمان پر اٹھائے اور قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ

سو یہود کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے حرام کیں ان پر بہت سی پاک چیزیں جو ان پر حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ روکتے تھے

سو یہود کے گناہ سے ہم نے حرام کیں ان پر کتنی پاک چیزیں، جو ان کو حلال تھیں، اور اس سے کہ انکتے تھے

= فیومن به حین لا ینفعه الایمان فاذا کان عند نزول عیسیٰ آمنت به احیاؤهم کما آمنت به موتاهم فقال من این اخذتها فقلت من محمد بن علی قال لقد اخذتها من معدنها قال شهر وایم الله ما حدثنیه الا ام سلمة ولکنی احببت ان اغیظه (تفسیر در منثور)

سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ

اللہ کی راہ سے بہت اور اس وجہ سے کہ سود لیتے تھے اور ان کو اس کی ممانعت ہو چکی تھی اور اس وجہ سے کہ لوگوں کا مال کھاتے تھے

اللہ کی راہ سے بہت۔ اور ان کے سود لینے پر، اور ان کو اس سے منع ہو چکا، اور لوگوں کے مال کھانے پر

بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ

ناحق، اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے واسطے جو ان میں ہیں عذاب دردناک ف۱ لیکن جو پختہ ہیں علم میں ان میں

ناحق۔ اور تیار رکھی ہے ہم نے منکروں کے واسطے دکھ کی مار۔ لیکن جو ثابت ہیں علم پر ان میں،

وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ

اور ایمان والے سو مانتے ہیں اس کو جو نازل ہوا تجھ پر اور جو نازل ہوا تجھ سے پہلے اور آفریں ہے نماز پر قائم رہنے والوں کو

اور ایمان والے، سو مانتے ہیں جو اترا تجھ پر اور جو اترا تجھ سے پہلے، اور آفرین نماز پر قائم رہنے والوں کو،

وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا

اور جو دینے والے ہیں زکوٰۃ کے اور یقین رکھنے والے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر سو ایسوں کو ہم دیں گے

اور دینے والے زکوٰۃ کے، اور یقین رکھنے والے اللہ پر اور پچھلے دن پر۔ ایسوں کو ہم دیں گے

عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾ ع ۲۲

بڑا ثواب ف۲

بڑا ثواب۔

تتمۂ ذمائم یہود

قَالَ تَعَالٰی: ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ... الی... سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾

ف۱ یہود کی اگلی پچھلی سخت شرارتیں ذکر فرما کر جس سے ان کی سرکشی اور ان کا گناہوں پر دلیر ہونا ظاہر ہو گیا اب فرماتے ہیں کہ اسی واسطے ہم نے ان پر شریعت بھی سخت رکھی کہ ان کی سرکشی ٹوٹے تو اب یہ شبہ نہ رہا کہ تحریم طیبات تو ان پر تورات میں کی گئی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مخالفت کرنا اور حضرت مریم پر تہمت لگانا نزول تورات کے بہت بعد میں ہوا تو سزا جرم سے مقدم کیسے ہو گئی اس تمام رکوع کا خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے اہل کتاب برابر ایک سے ایک زائد شرارت اور نافرمانی اور عہد شکنی اور حضرات انبیاء علیہم السلام کو ایذا رسانی کرتے چلے آئے ہیں اب اگر اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے عناداً تورات جیسی کتاب دفعتاً واحدۃً طلب کریں اور قرآن شریف جو سب کتابوں سے افضل ہے اس پر کفایت نہ کریں تو ان متعصب نالائقوں سے کیا مستبعد ہے ان کی اس قسم کی ناشائستہ حرکات سے تعجب مت کرو اور متحیر نہ ہو ان کی تمام حرکات چھوٹی بڑی اگلی پچھلی ہم کو خوب معلوم ہیں ہم نے بھی شریعت سخت ان کے لئے دنیا میں رکھی اور آخرت میں عذاب شدید ان کے واسطے تیار کر رکھا ہے۔

ف۲ یعنی بنی اسرائیل میں جن کا علم مضبوط ہے جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اور جو لوگ کہ صاحب ایمان ہیں وہ مانتے ہیں قرآن اور تورات و انجیل سب کو اور نماز کو قائم رکھنے والوں کا تو کیا کہنا ہے اور دینے والے زکوٰۃ کے اور ایمان رکھنے والے اللہ پر اور قیامت پر ایسے لوگوں کو ہم دیں گے بڑا ثواب بخلاف اول فریق کے کہ ان کے لئے عذاب سخت موجود ہے۔

گزشتہ آیات میں یہود کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کو بیان فرمایا اور اب ان آیات میں بھی ان کی چند نافرمانیوں اور سرکشیوں کا ذکر کرتے ہیں مثلاً سود کھانا اور رشوت لینا اور خدا کی راہ سے روکنا اور لوگوں کا مال ناحق اپنے تصرف میں لانا اور ان شرارتوں کے علاوہ ان بعض عقوبتوں اور سزاؤں کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ جو دنیا میں ان پر نازل ہوئیں من جملہ ان سزاؤں میں سے ایک سزا یہ تھی کہ بہت سی حلال چیزیں ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر حرام کر دی گئیں جیسا کہ سورۂ انعام کی آیت میں اس کی تفصیل ہے ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ یعنی ان پر حلال چیزوں کے حرام ہونے کی علت وہی ان کی سرکشی اور ظلم اور زیادتی اور سود خوری اور رشوت ستانی وغیرہ وغیرہ ہے رہا یہ امر کہ یہ چیزیں کس زمانہ میں اور کسی نبی کے عہد میں یہود پر حرام ہوئیں سو کتب تفسیر میں اس کی تصریح نہیں غالباً یہ چیزیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مختلف زمانوں میں حرام ہوئیں جیسے جیسے یہود کی شرارت بڑھتی گئی حرام ہوتی گئیں۔ واللہ اعلم پس خلاصہ کلام یہ کہ یہودیوں کے عظیم ظلم اور زیادتی کی وجہ سے جس کی کچھ تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے اور کچھ آئندہ آتی ہے ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال کی گئیں تھیں یعنی جب یہود کے ظلم و زیادتی اور عناد اور سرکشی کی کوئی حد نہ رہی تو خدا تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ جو چیزیں پاک اور حلال تھیں وہ ان پر حرام کر دیں تا کہ رزق کا دائرہ تنگ ہو جائے اور ان کی سرکشی ٹوٹے اور بسبب ان کے روکنے کے خدا کی راہ سے بہتوں کو یعنی ہم نے ان پر پاک چیزوں کو ان کے ظلم کے سبب سے حرام کیا اور نیز اس لیے بھی حرام کیا کہ وہ بہتوں کو خدا کی راہ سے روکتے تھے اور بسبب ان کے سود لینے کے حالانکہ ان کو اس کی ممانعت کی گئی تھی اور بسبب اس کے کہ وہ لوگوں کا مال ناحق کھا لیتے تھے ان وجوہ کی بناء پر ہم نے حلال چیزیں ان پر حرام کر دیں یہ تو دنیا کی سزا تھی اور آخرت میں ہم نے ان کے لیے جو ان میں سے کافر ہیں دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے پس عام حالت تو اہل کتاب کی یہی ہے جو بیان کی گئی لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ اور مضبوط ہیں جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء جن کی ان بشارتوں پر نظر ہے جو انبیاء سابقین نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی دی ہیں سو یہ لوگ اور دیگر مسلمان ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو آپ کی طرف اتاری گئی اور اس کتاب پر بھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اتاری گئی اور خاص کر وہ لوگ جو نماز کو قائم رکھتے ہیں اور وہ قابل صد آفرین ہیں اور وہ لوگ جو زکوٰۃ دیتے ہیں وہ بھی اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبیوں پر جو اترا ہے اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر یعنی اللہ کی وحدانیت پر قیامت کی تصدیق کرنے والے ہیں اور مبدأ اور معاد کو مانتے ہیں یہ بھی اس چیز پر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور پچھلے پیغمبروں پر اتری ہے ایمان لاتے ہیں ایسے لوگوں کو ہم ضرور اجر عظیم عطا کریں گے جو ان کے وہم گمان سے کہیں بالا ہوگا۔

ف ا:...... ﴿وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ﴾ پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ قواعد نحویہ کے مطابق "والمقیمون" ہونا چاہیے تھا کیونکہ معطوف علیہ مرفوع ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب چند مرفوعات کا بطور عطف ذکر ہوتا ہے اور ان میں سے ایک چیز سب سے اشرف ہوتی ہے تو اہل عرب اس کو اپنے کلام میں بطور مداح یا بطور اختصاص منصوب لاتے ہیں جو اَمْدَح یا اَخُصُّ ہوتا ہے اسی قاعدہ

کے مطابق اس جگہ ﴿وَالْمُقِیْمِیْنَ﴾ منصوب لایا گیا اور مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں میں اوصاف مذکورہ پائے جاتے ہیں اگرچہ وہ اوصاف سب کے سب نہایت عمدہ ہیں مگر نماز ان میں سے خصوصیت سے قابل ذکر ہے اور اس وجہ سے شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ﴾ کا ترجمہ اس طرح فرمایا: اور آفرین نماز قائم رکھنے والوں کو۔ اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح ترجمہ فرمایا: ومدح می کنم برپادارندگان نماز را۔ باپ اور بیٹے کے ترجموں میں اشارہ ہے اس طرف کہ ﴿وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ﴾ منصوب علی المدح والاختصاص ہے۔

ف ۲:...... ﴿وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت موسویہ میں بھی سود حرام تھا۔

لطائف ومعارف

حق جل شانہ نے ان آیات میں یہود کے قبائح اور فضائح کو بیان کیا اور خاص طور پر ان کے اس قول کی تردید کی اور تکذیب کی کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا کہ ان کا یہ قول بالکل غلط ہے وہ نہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب ہوئے بلکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بے مثال عزت ورفعت عطا کی کہ ان کو آسمان پر اٹھا لیا کما قال تعالیٰ: ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ اور اس کے علاوہ حق تعالیٰ نے ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک دوسری پیش آنے والی عظیم الشان عزت وشوکت کی خبر دی کہ وہ قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے اور اس وقت ان کی شان وشوکت وجاہ وجلال کو دیکھ کر اہل کتاب میں سے ہر شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے پہلے ضرور ایمان لے آئے گا پھر قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر گواہی دیں گے۔

اب ہم اس اجمال کے بعد مضامین مذکورہ بالا کی قدرے تفصیل اور تشریح کرنا چاہتے ہیں تاکہ ناظرین کرام کے لیے موجب ہدایت وطمانینت ہو۔

اس سلسلہ میں مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے دلائل وبراہین سے اس امر کو واضح کر دیا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام قطعاً مقتول اور مصلوب نہیں ہوئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے جیسا کہ حق تعالیٰ نے خبر دی ہے ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ﴾ اور ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ اور حق تعالیٰ نے جو خبر دی ہے وہی حق اور صدق ہے ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾۔

(۱) عقیدہ قتل وصلب کا ابطال

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ﴾

نصاریٰ کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول ومصلوب ہوئے اور تین دن قبر میں مردہ رہ کر زندہ ہو گئے اور اٹھ کر آسمان پر چڑھ گئے۔

نصاریٰ کا یہ مسئلہ سراسر خلاف عقل ہے اس لیے کہ قتل اور صلب اور موت سب مخلوق کے لیے ہے نہ کہ خالق کے لیے اور اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام نہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب بلکہ صحیح وسالم اسی جسم عنصری کے ساتھ

آسمان پر اٹھائے گئے اور یہود بے بہبود کی جو جماعت ان کے قتل کے ارادہ سے ان کے مکان میں داخل ہوئی تھی انہی میں کا ایک شخص بحکم خداوندی حضرت مسیح علیہ السلام کی ہم شکل بنادیا گیا دشمنوں نے اسی کو مسیح سمجھ کر قتل کرڈالا۔

قرآن کریم اس دعوے کی نہایت شدومد سے تردید کرتا ہے کہ انہوں نے مسیح کو قتل کیا یا صلیب پر چڑھایا ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ﴾۔

اور قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھایا اور اہل کتاب کو اصل حقیقت کا علم ہی نہیں یہ لوگ شک اور اختلاف کی وادی تیہ میں سرگرداں ہیں۔

یہ قرآن کریم کی شہادت ہے جو سب سے بڑی شہادت ہے اور نصاریٰ کے متعدد فرقے بھی اسی کے قائل ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ دیکھو نوید جاوید ص: ۳۷۲-۳۹۴ کلیسا نمبر: ۸، اور ان شاء اللہ ہم عنقریب اس کا خلاصہ ہدیہ ناظرین کریں گے۔

نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب ہونا اپنی محرف انجیلوں سے اور مورخین کے اقوال سے ثابت کرتے ہیں اور علاوہ محرف ہونے کے اناجیل کے بیانات اس درجہ مختلف اور متعارض ہیں کہ بیان سے باہر ہیں جیسا کہ نوید جاوید ص: ۳۸۵-۳۹۲ میں ان اختلافات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

قرآن پاک یہ کہتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے پاس اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں اور نہ ان کے پاس اس واقعہ قتل کا کوئی عینی شاہد موجود ہے اس لیے کہ تاریخی حیثیت سے یہ امر مسلم ہے کہ جب یہود حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لیے گئے تو وہ رات کا وقت تھا اور گرفتاری کے وقت مصلوبی سے پہلے ہی تمام حواری حضرت مسیح علیہ السلام کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے واقعہ کے وقت کوئی حواری حاضر نہ تھا تو پھر متی اور لوقا اور مرقس اور یوحنا اور پولوس کس بات کی شہادت دیتے ہیں کیا کسی انگریزی عدالت میں ایسے شخص کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے جو واقعہ کے وقت موجود نہ ہو بلکہ یہ کہے کہ میں خود موجود نہ تھا ہاں کسی سے سنا ہے کہ فلاں آدمی کو سولی پر چڑھایا گیا اور جس سے سنا ہے اس کا نام بھی معلوم نہیں اس لیے کسی انجیل میں کسی حواری نے کسی سند متصل کے ساتھ یہ روایت نہیں کیا کہ فلاں شخص نے اپنی آنکھ سے دیکھ کر یہ واقعہ بیان کیا۔

غرض [1] یہ کہ گرفتاری کے وقت حضرت مسیح کو ان کے تمام شاگرد تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جیسا کہ انجیل متی باب ۲۶، درس ۵۶ میں ہے۔

سب نے بے وفائی کی حالانکہ پہلے وفا کا بڑا دم بھرتے تھے نیز اگر نامردی اور بے وفائی کی وجہ سے ایسی پریشانی کے وقت میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ گرفتار ہونا یا جان دے دینا مشکل تھا تو کیا حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے رات کو جاگتے رہنا بھی مشکل تھا مگر حواری بے فکری کے ساتھ سوتے رہے حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کو تاکید کی تھی کہ میرا دل مرنے تک بہت غمگین ہے تم یہاں میرے ساتھ جاگتے رہو۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۶، درس ۳۸۔ پھر اس حکم کے بعد حضرت علیہ السلام ذرا دور جا کر سربسجود دعا میں مشغول ہو گئے (۴۰) پھر شاگردوں کے پاس آ کر انہیں سوتے پایا اور پطرس (حواری سے خاص طور پر یہ) کہا

[1] دیکھو ازالۃ الشکوک: ۱؍۱۵۰ مصنفہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ۔

کیوں تم میرے ساتھ ایک گھڑی بھی جاگ نہ سکے (۴۱) جاگو اور دعا مانگو تا کہ آزمائش میں نہ پڑو۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۶ از درس ۳۸ تا درس ۴۶۔

افسوس کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بار ہا شکایت کی تم اب بھی سوتے ہو اور آرام کرتے ہو اور ظاہر ہے کہ اگر حوارئین کو مسیح علیہ السلام سے کچھ بھی محبت ہوتی تو ایسے وقت میں کبھی ان کو نیند نہ آتی دنیاداروں کا یہ حال ہے کہ اگر ان کے کسی عزیز اور دوست پر کوئی پریشانی آجاتی ہے تو گھبرا کر اٹھتے ہیں اور آنکھوں سے نیند اڑ جاتی ہے۔

اور یہوداہ نے تو یہ ستم کیا کہ تیس درہم رشوت لے کر اپنے خداوند یسوع مسیح کو یہودیوں کے ہاتھ گرفتار کرا یا جیسا کہ انجیل متی باب ۲۶ آیت ۱۴ میں ہے اور انجیل مرقس باب ۱۴، درس ۱۰-۱۱ میں ہے اور انجیل لوقا باب ۲۲ درس ۳ میں مذکور ہے پطرف جو کہ نصاریٰ کے نزدیک اعظم الحوارئین ہے اس نے قسم کھا کر کہہ دیا کہ میں اس شخص (مسیح) کو جانتا ہی نہیں جیسا کہ ولیم میور نے اپنی تاریخ کے پہلے باب کے تیرھویں دفعہ میں لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے حواریوں اور شاگردوں نے اب تک (یعنی مسیح کے مصلوب ہونے تک) اس کی تعلیم کی حقیقت اور مطلب کو بالکل نہیں سمجھا تھا اور ان کا سست ایمان دنیوی نعمتوں اور فائدوں کی امید میں لگا تھا اس کے گرفتار ہوتے ہی وہ سب بھاگ گئے اور پطرس نے جو عدالت میں گیا وہاں اپنے خداوند کا انکار کیا۔ (منقول از ازالۃ الشکوک: ۱/ ۱۷۹)۔

غرض یہ کہ یہ تو حوارئین کا حال ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی گرفتاری کے وقت سب بھاگ گئے تھے ان میں سے کوئی موجود نہ تھا اور جو گواہی دے سکے اور اپنا عینی مشاہدہ بیان کر سکے حتی کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام بھی اس وقت موجود نہ تھیں جب ان کے لخت جگر کو پھانسی دی جارہی تھی اور اس وقت اگر شاگرد بھاگ گئے تھے تو والدہ کو تو ضرور بالضرور موجود رہنا چاہیے تھا۔

باقی رہے یہود بے بہبود جن کو نصاریٰ گواہی میں پیش کرتے علاوہ ازیں کہ وہ ایک ظالم حاکم کے پولیس کے چند بے دین سپاہی چپراسی تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم مسیح علیہ السلام کو قتل کر آئے جن کا حال یہ تھا کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو پہچانتے ہی نہ تھے اور اشتباہ میں پڑے ہوئے تھے اس لیے کہ اگر یہود کو اشتباہ نہ تھا تو حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک شاگرد تیس درہم رشوت دینے کی کیا ضرورت تھی تیس روپیہ رشوت کے اسی لیے دیئے کہ وہ ان کو بتا سکے کہ مسیح علیہ السلام یہ ہیں چنانچہ یہود جب وہاں پہنچے تو یسوع نے ان سے کہا کہ کسے ڈھونڈتے ہو انہوں نے جواب دیا یسوع ناصری کو یسوع نے ان سے کہا کہ میں ہی ہوں اور یہ کہتے ہی سب زمین پر بے ہوش ہو گر پڑے بار بار ایسا ہی ہوا۔ دیکھو انجیل یوحنا باب ۱۸، درس ۵۔

پس اس حالت میں اللہ نے حاضرین میں سے ایک شخص کو حضرت مسیح علیہ السلام کا ہم صورت اور ہم شکل بنا دیا جس کو یہود نے مسیح علیہ السلام سمجھ کر قتل کر ڈالا اس طرح اللہ نے ان کو اشتباہ میں ڈال دیا اور ایک فرشتہ حضرت مسیح علیہ السلام کی مدد کے لیے آسمان سے نازل ہوا جوان کو اٹھا کر آسمان پر لے گیا۔ (دیکھو دلیل خامس وسادس از کتاب الفارق ص: ۲۸۷)

وعدہ خداوندی: ...... اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے ہی وعدہ کر لیا تھا کہ وہ تیری بابت فرشتوں کو حکم دے گا اور وہ تجھے ہاتھوں پر اٹھا لیں گے ایسا نہ ہو کہ تیرے پاؤں کو پتھر کی ٹھیس لگے۔ دیکھو انجیل متی باب ۴، درس ۶ اور انجیل لوقا باب ۴ درس

دہم میں اس طرح ہے کیونکہ لکھا ہے کہ وہ تیری بابت اپنے فرشتوں کو حکم دے گا کہ تیری حفاظت کریں (۱۱) اور یہ بھی کہ وہ تجھے ہاتھوں پر اٹھالیں گے ایسا نہ ہو کہ تیرے پاؤں کو پتھر کی ٹھیس لگے۔ اھ

حضرت مسیح علیہ السلام کی پیش گوئی:...... حق تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ تم دشمنوں سے گھبرانا نہیں اللہ تمہاری حفاظت کے لیے فرشتوں کو حکم دے گا حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین تھا اس لیے حضرت مسیح علیہ السلام نے حادثہ صلیب سے چند دن پہلے ہی یہ پیشین گوئی فرمادی تھی کہ میں صرف چند روز تمہارے ساتھ ہوں پھر میں عنقریب اپنے خدا کے پاس چلا جاؤں گا اور لوگ مجھے ڈھونڈیں گے مگر نہیں پائیں گے اور جہاں میں ہوں وہاں نہیں آسکیں گے۔ دیکھو انجیل یوحنا باب ۷ درس ۳۳ اور یہی مضمون انجیل یوحنا کے باب ہشتم از درس ۲ تا درس ۲۴ میں مذکور ہے اور اسی کے قریب قریب انجیل یوحنا باب ۱۶ درس ۵ میں مذکور ہے اور انجیل متی کے باب ۲۳ درس ۴۹ میں ہے میں تم سے کہتا ہوں کہ اب سے مجھے ہرگز نہ دیکھو گے۔

معلوم ہوا کہ کوئی حضرت مسیح علیہ السلام کے پکڑنے پر قادر نہ ہوگا اور کوئی ڈھونڈنے والا ان کو ہرگز نہ پاسکے گا اور نہ کوئی ان کو دیکھ سکے گا پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کو ڈھونڈ کر پالیا اور پکڑ کر ان کو سولی چڑھادیا پس وہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے اس قول کی تکذیب کرتے ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام تو یہ فرماتے ہیں کہ جہاں میں جاتا ہوں وہاں کوئی نہیں آسکتا اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) حضرت مسیح علیہ السلام نے غلط کہا جہاں حضرت مسیح علیہ السلام گئے وہاں کے دشمن یہود بھی پہنچ گئے اور ڈھونڈ کر ان کو پالیا پس نصاریٰ تو اس عقیدہ صلب سے حضرت مسیح علیہ السلام کے اس قول کی تکذیب کررہے ہیں اور اہل اسلام حضرت مسیح علیہ السلام کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے سچ فرمایا کہ کوئی ڈھونڈنے والا ان کو نہیں پاسکا اور جہاں یعنی آسمان پر وہ تشریف لے گئے وہاں کوئی نہیں جاسکتا اور نہ کوئی ان کو دیکھ سکا۔ دیکھو الفارق ص ۲۸۹ دلیل رابع عشر اور دیکھو الجواب الفسیح لما لفقہ عبد المسیح ص: ۲۷۴۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی دعا:...... ۱- چاروں انجیلوں سے یہ ثابت ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو یہ محسوس ہوا کہ یہود میرے قتل پر آمادہ ہیں تو سجدہ میں گر کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ موت کا یہ پیالا مجھ سے ٹل جائے اور آنسو بہا بہا کر خدا سے دعائیں اور التجائیں کیں اور خدا ترسی کی وجہ سے ان کی دعا سنی گئی جیسا کہ پولوس کے خط عبرانیوں کے نام کے پانچویں باب اور ساتویں درس میں اس کی تصریح ہے دیکھو دلیل اول از کتاب الفارق، ص: ۲۸۶۔

پس جب ان کی دعا قبول ہوئی تو پھر گرفتاری کے کیا معنی۔

۲- نیز زبور باب ششم کے درس ہشتم میں ہے۔

نمبر ۸- مجھ سے دور ہوا ہے سارے بدکردار و کہ خداوند نے میرے رونے کی آواز سنی۔

نمبر ۹- خداوند نے میری فریاد سنی ہے خداوند میری دعا قبول کرے گا۔

نمبر ۱۰- میرے سارے دشمن شرمندہ ہوجائیں گے اور نہایت کپکپی میں پڑیں گے وہ پھریں گے اور ناگہانی خجالت کھینچیں گے۔ انتہی۔

علماء نصاریٰ کے نزدیک یہ زبور حضرت مسیح کے حق میں ہے جس میں صراحۃً یہ مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا

قبول ہوگی اور ان کے دشمن ناکام ہوں گے اور شرمندہ ہو کر واپس ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ دشمن حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل وصلب پر قادر نہ ہوں گے حتی کہ ان کے قریب بھی نہ جاسکیں گے۔

۳- نیز زبور باب ۱۰۹ ایک سونو اور درس چھبیس میں ہے۔

نمبر ۲۶- اے خداوند میرے خدا میری کمک کر اپنے رحمت کے مطابق مجھے نجات دے۔

نمبر ۲۷- تاکہ وہ جانیں کہ یہ تیرا ہاتھ ہے کہ تو نے اے خداوند یہ کیا ہے۔

نمبر ۲۸- وہ لعنت کریں پر تو برکت دے جب وہ اٹھیں تو شرمندہ ہوں پر تیرا بندہ شادمان ہو۔

نمبر ۲۹- میرے دشمن خجالت کی پوشاک سے ملبس ہوں اور اپنی شرمندگی کے چادر سے اپنے آپ کو چھپالیں۔

نمبر ۳۰- میں اپنے منہ سے خداوند کی بہت ہی ستائش کروں گا میں بہتوں کے بیچ اس کی حمد گاؤں گا۔ اھ

یہ زبور بھی باتفاق علماء نصاری حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ہے جس میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی نجات اور دشمنوں کی خجالت کی دعا کی ہے۔

نصاری کہتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک مایوس انسان کی طرح خدا کا شکوہ کرتے کرتے جان دے دی اس لیے کہ "ایلی ایلی لماسبقتنی" کہتے ہوئے جان دے دینا صریح مایوسی اور شکوۂ خداوندی ہے اور یہ قطعاً ناممکن اور محال ہے کہ پیغمبر خدا تعالیٰ سے مایوس ہو کر اس کا شکوہ کرنے لگے ﴿اِنَّهٗ لَا يَايْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾۔

علماء نصاری کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام پر جب موت کا وقت آیا اور کوئی بھی ان میں سے موت سے نہیں تو غایت درجہ شاداں وفرحان تھے کہ اب خداوند ذوالجلال سے لقاء کا وقت آیا اور کوئی بھی ان میں سے موت سے نہیں گھبرایا۔

اور نصاری کے اعتقاد میں تو حضرت مسیح علیہ السلام خدا تھے تو بجائے اس کے کہ بندے (یہود) خدا سے ڈرتے معاملہ برعکس تھا کہ خدا بندوں سے ڈر رہا تھا معلوم ہوا کہ جزع فزع کرنے والا شخص مصلوب حضرت مسیح علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور شخص تھا جو حضرت عیسیٰ کے شبہ میں قتل کیا گیا اس لیے کہ موت سے گھبرانا معمولی شخص کا کام ہے موت کے متعلق تو اولیاء کا یہ حال ہوتا ہے:

خرم آنروز کریں منزل ویراں بروم   راحت جان طلبم وزپئے جاناں بروم

اور حضرات انبیاء کرام کی شان اولیاء اللہ سے کہیں بلند ہے دیکھو دلیل تاسع از کتاب الفارق ص: ۲۸۸۔

حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ محض ایک خواب کی بناء پر انتہائی ذوق شوق کے ساتھ اپنے باپ کے ساتھ اپنے آپ کو ذبح کرانے کے لیے مذبح کی جانب روانہ ہوئے۔

فرشتہ کا حضرت مسیح کی مدد کے لیے نمودار ہونا:...... حضرت مسیح جب دعا کر چکے تو خدا تعالیٰ کی جانب سے ایک فرشتہ ان کی تائید اور اعانت کے لیے آیا جیسا کہ انجیل لوقا باب ۲۲ آیت ۳۹ میں ہے اور آسمان سے ایک فرشتہ اس کو دکھائی دیا وہ اسے تقویت دیتا تھا۔ اھ

یعنی آسمان سے فرشتہ نازل ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالے جائے ورنہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام یہود کے ہاتھ سے

قتل ہوگئے تو پھر اس فرشتہ نے حضرت مسیح کی کیا مدد کی اور اس کے آنے سے کیا فائدہ ہوا کیا وہ فرشتہ محض قتل کا تماشہ دیکھنے آیا تھا۔

حضرت مسیح کا لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو جانا:...... اس کے بعد حضرت مسیح لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہو گئے جیسا کہ انجیل یوحنا باب ۱۲ اورس ۷ ۳ میں ہے یسوع یہ باتیں کہہ کر چلا گیا اور اپنے آپ کو اس نے چھپا لیا۔ اھ

اور انجیل یوحنا کے باب ۲۰ آیت ۲۰ میں ہے یسوع آیا اور بیچ میں کھڑا ہوا اور بولا تم پر سلام الخ اور اس کے بعد کتاب الاعمال باب ۱ آیت ۹ میں ہے اور وہ یہ کہہ کے ان کو دیکھتے ہوئے اوپر اٹھا گیا اور بدلی نے اسے ان کی نظروں سے چھپا لیا اور اس کے جاتے ہوئے جب وہ آسمان کی طرف تک رہے تھے دیکھو دو مرد سفید پوشاک پہنے ان کے پاس کھڑے تھے اور کہنے لگے اے جلیل مردو تم کیوں کھڑے آسمان کی طرف دیکھتے ہو یہی یسوع جو تمہارے پاس سے آسمان پر اٹھایا گیا ہے اسی طرح جس طرح تم نے آسمان پر جاتے دیکھا پھر آئے گا ناظرین غور کریں کیا انجیل کے ان بیانات سے قرآن کریم کے اس قول ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ کی صراحۃً تصدیق اور تائید نہیں ہوتی۔

دعوائے صلب و قتل خلاف عقل بھی ہے:...... نصاریٰ کا یہ دعوی کہ حضرت مسیح مصلوب ہوئے خلاف عقل بھی ہے اس لیے کہ نصاریٰ کے نزدیک جب حضرت مسیح خدا ہیں اور یہود ان کے بندے ہیں تو خدا کا اپنے بندوں کے ہاتھ سے مقہور مجبور ہونا اور صلیب پر لٹکایا جانا سراسر خلاف عقل ہے جس دین میں معاذ اللہ خدا بندوں کے ہاتھ سے سولی پر لٹکایا جائے وہ دین نصاریٰ ہی کو مبارک ہو۔

تواتر اور شہرت میں فرق:...... نصاریٰ کا یہ زعم ہے کہ واقعہ صلیب تواتر سے ثابت ہے سو یہ زعم، زعم فاسد ہے اس لیے کہ تواتر اس کو کہتے ہیں کہ عین واقعہ کے وقت چشم دید شہادت دینے والے اتنے کثیر تعداد میں ہوں کہ عادۃً ان کا متفق ہو کر جھوٹ بولنا محال ہو اور جب عین واقعہ کا کوئی عینی گواہ ہی نہ ہو تو زمانہ مابعد کی شہرت محض افواہ کا درجہ رکھتی ہے اس کو تواتر نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ ہندوؤں میں یہ مشہور ہے کہ روان کے دس سر تھے اور ہنومان جی نے پہاڑ اٹھا لیا تھا تو اس قسم کی بے سر و پا خبروں کو متواتر نہیں کہا جا سکتا رہا نصاریٰ کا یہ دعوی کہ حضرت مسیح علیہ السلام تین دن قبر میں رہنے کے بعد زندہ ہو گئے اور قبر سے اٹھ کھڑے ہوئے نصاریٰ کے پاس اس کا کوئی شاہد عینی موجود نہیں نہ حواریین میں سے نہ عوام سے نہ عورتوں میں سے اور نہ یہود میں سے اور نہ چپراسیوں میں اور نہ پہرہ داروں میں سے کوئی بھی اس کا گواہ نہیں کہ میں نے حضرت مسیح کو قبر سے اٹھتے دیکھا ہے اور مریم کی جو روایت نقل کی جاتی ہے اس میں فقط اتنا ہے کہ مریم نے قبر کے پاس دور سے کچھ فرشتے اور کچھ آدمی دیکھے باقی حضرت مسیح کو قبر سے اٹھتے ہوئے دیکھنا مریم نے بھی بیان نہیں کیا دیکھو الفارق ص ۲۹۰ دلیل سادس عشر۔

اسی مضمون کی ایک دوسری آیت:...... ﴿وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾

حق تعالیٰ نے جب سورۃ مائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات کا ذکر کیا تو ان میں ایک انعام یہ شمار کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام یاد کرو اس وقت کو جب بنی اسرائیل کو تم سے روک دیا تھا کہ وہ تمہارے پاس آنے پر بھی قادر نہ ہوئے۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل عیسیٰ علیہ السلام کو ہرگز نہیں پہنچا سکے۔

جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں ہے ﴿اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ

آیَاتِھِمْ عَنْکُمْ﴾۔

پس جس طرح ہمارے نبی اکرم ﷺ دشمنوں سے بالکلیہ محفوظ رہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہود سے بالکلیہ محفوظ رہے۔

لطیفہ:...... ایک پادری صاحب ایک مجلس میں تشریف لائے اور لوگوں کو دین مسیحی کی تبلیغ کرنے لگے اثناء گفتگو میں یہ بیان کیا کہ خداوند یسوع نے لوگوں کے لیے تمام رنج اٹھائے اور سولی پر چڑھا اور مدفون ہوا اور تین دن جہنم میں رہا تو مجلس میں ایک ظریف الطبع مسیحی بھی تھا سن کر کہنے لگا کہ باپ بڑا ہی سخت دل تھا کہ بیٹے کو طرح طرح کی ایذاؤں میں مبتلا کیا اور تین روز جہنم میں پڑا رہنے دیا پادری صاحب نے خفا ہو کر اس کو مجلس سے نکال دیا مجلس سے باہر آنے کے بعد وہ مسیحی اس مہمل عقیدہ سے تائب ہو کر اور مسلمان ہو گیا۔

اطلاع:...... علامہ شیخ عبدالرحمن آفندی نے اپنی کتاب الفارق بزبان عربی میں از ص ۲۸۰ تا ص ۲۹۱، اخبار تاریخیہ اور ادلہ عقلیہ سے دعوائے صلب کی مفصل تردید فرمائی ہے۔ حضرات اہل علم اصل کی مراجعت کریں اور شیخ ابوالفضل مالکی مسعودی نے منتخب الانجیل میں باب ہفتم اور باب ہشتم میں ص ۹۷ تا ص ۱۲۳، اس پر کلام کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول مصلوب نہیں ہوئے بلکہ ان کا کوئی شبیہ اور مثیل مقتول و مصلوب ہوا ہے اور حضرات اہل علم اصل کتاب کو دیکھیں۔

خلاصہ کلام:...... یہ کہ واقعہ قتل کے وقت حواریین اور اصحاب عیسیٰ علیہ السلام میں سے موقعہ پر کوئی موجود نہ تھا صرف پولس کے چند یہودی موجود تھے جو حضرت مسیح کو پہچانتے بھی نہ تھے ان کو خود معلوم نہ تھا کہ مسیح کون ہے اور ہم کس کو گرفتار کر رہے ہیں ان کو خود یقین نہ تھا کہ ہم نے حضرت مسیح کو قتل کیا ہے نشان دہی کے مطابق ایک شخص کو مسیح سمجھ کر قتل کیا پس کیا پولس کے ایسے چند بے خبر چپراسیوں کی خبر کو خبر متواتر کہا جا سکتا ہے اور کہا اہل عقل کے نزدیک ایسی خبر سے کوئی جزم اور یقین حاصل ہو سکتا ہے عجب نہیں کہ کسی منافق نے یہود سے رشوت لے کر انجیلوں میں قتل و صلب کی فرضی داستان شامل کر دی ہو تاکہ لوگ نصاریٰ کے دین کا مذاق اڑائیں نصاریٰ کے نزدیک جب رشوت لے کر خدا کو گرفتار کرا دینا ممکن ہے تو رشوت لے کر بائبل میں کوئی الحاق کر دینا کیا مشکل ہے۔ (دیکھو منتخب الانجیل ص ۱۰۵)

﴿وَلٰکِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾

ائمہ تفسیر نے اس آیت کی دو● طرح تفسیر فرمائی ایک تو یہ کہ لفظ ﴿لَهُمْ﴾ کو ﴿شُبِّهَ﴾ کا نائب فاعل قرار دیا جائے اور مطلب یہ ہو کہ یہودی جب گرفتار کرنے کے لیے اندر گھسے تو وہاں عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا یہ دیکھ کر حیران رہ گئے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے حضرت مسیح کو آسمان پر اٹھا لیا اور یہود کو شبہ اور اشتباہ میں ڈال دیا گیا جیسا کہ شاہ ولی

● قال الامام الرازی قوله شبه مسند اعلی ماذا؟ فیه وجهان (الاول) انه مسند الی الجار والمجرور وهو کقولك خیل الیه کانه قیل وقع لهم الشبه (الثانی) ان یسند الی ضمیر المقتول لان قوله وما قتلوه یدل علی انه وقع القتل علی غیره فصار ذلك الغیر مذکورا بهذا الطریق فحسن اسناد شبه الیه تفسیر کبیر: ۳۵۰/۳، وکذا فی البحر المحیط: ۳۹۰/۳، وروح المعانی: ۱۰/۶، وتفسیر غرائب القرآن للنیسابوری: ۱۷/۶۔

اللہ رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا ہے ''ولیکن مشتبہ شد برایشان''۔ اور شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ نے اس طرح ترجمہ کیا اور لیکن شبہ ڈالا گیا واسطے ان کے۔ اھ

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ جب یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا تو انہوں نے کسی اور شخص کو قتل کر کے مشہور کر دیا کہ ہم نے مسیح بن مریم علیہ السلام کو قتل کر ڈالا دوسری تفسیر یہ ہے کہ شبہ کی ضمیر مقتول و مصلوب کی طرف راجع کی جائے جو لفظ ﴿اِنَّا قَتَلْنَا﴾ اور ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ﴾ سے سمجھا جاتا ہے اور مطلب یہ کہ ایک دوسرا شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شبیہ اور مثیل بنا دیا گیا جس طرح حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو اژدہا کے مشابہ بنایا اسی طرح خدا تعالیٰ نے ایک شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ بنا دیا چنانچہ عبدالقادر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''ولیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے'' یعنی من جانب اللہ ایک شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم صورت اور ہم شکل بنا دیا تاکہ لوگ اس کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر قتل کریں اور ہمیشہ کے لیے اشتباہ اور التباس میں پڑ جائیں۔

یہ دوسرا ترجمہ پہلے ترجمہ کے مغائر نہیں بلکہ اسی شبہ اور اشتباہ کی توضیح اور تفسیر ہے کہ شبہ میں دوسرے شخص کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر سولی دیدی اور ان کو ایسا ہی معلوم ہوا کہ ہم عیسیٰ کو سولی دے رہے یعنی اس صورت و شباہت سے وہ اشتباہ اور التباس میں پڑ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تو آسمان پر اٹھا لیا اور حاضرین میں سے ایک شخص پر ان کی شباہت ڈال دی گئی اور لوگوں نے اس ہم شکل کو عیسیٰ سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا اور یہ ان کے شبہ اور اشتباہ کا سبب بنا اور اسی وجہ سے وہ اختلاف میں پڑ گئے۔

تفسیر دیگر:......اور بعض علماء تفسیر اس طرف گئے ہیں کہ شبہ کی ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام تو دشمنوں کی نظروں سے پوشیدہ کر دیے گئے مگر ان کی شبیہ اور ان کی مثال ان کے سامنے کر دی گئی۔ دیکھو حاشیہ عقیدۃ الاسلام، ص:۱۷۸۔

جیسا کہ حدیث میں ہے ''رایت الجنة والنار مثلتین فی قبلة الجدار۔'' دیکھو حاشیہ عقیدہ الاسلام، ص:۱۷۹۔

یا یوں کہو کہ مطلب یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام ان کے لیے مشتبہ بنا دیے گئے حتی کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پہچان سکے اور اس اشتباہ میں دوسرے کو عیسیٰ سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا۔

غرض یہ کہ ظاہر قرآن سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو قتل اور صلب سے محفوظ رہے اور ان کے شبہ اور اشتباہ میں کسی دوسرے شخص کو ان کے ہم شکل سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا گیا اور یہی حق ہے اور چاروں انجیلیں بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔

۱- اس لیے کہ چاروں انجیلوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شخص مصلوب نے اس وقت یہود سے پانی مانگا تو یہود نے اس کو ایک نہایت کڑوا سرکہ لا کر دیا جس کو وہ پی نہ سکا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مصلوب حضرت مسیح نہ تھے اس لیے کہ حضرت مسیح تو چالیس دن و رات کا صوم وصال رکھتے تھے ان کو اپنے دشمنوں سے ذلت نیازمندی کے ساتھ پانی مانگنے کی کیا حاجت تھی معلوم ہوا کہ جس پانی مانگنے والے کو

سولی دے دی گئی وہ عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی دوسرا شخص تھا جوان کے ہم صورت اور ہم شکل ہونے کی وجہ سے سولی پر چڑھا دیا گیا دیکھو دلیل ثامن از کتاب الفارق ص: ۲۸۷۔

۲- نیز تورات سے یہ امر ثابت ہے کہ شریر نیک کا فدیہ ہوتا ہے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ شخص مصلوب حضرت مسیح کے علاوہ کوئی دوسرا شخص تھا ورنہ لازم آئے گا کہ معاذ اللہ حضرت مسیح علیہ السلام اشرار میں سے ہوں۔ دیکھو دلیل ثامن عشر از الفارق ص ۲۹۰۔

۳- نیز حضرت مسیح علیہ السلام نے یہودیوں کے درمیان نشوونما پائی حضرت مسیح علیہ السلام دن رات ان کو وعظ کہتے اور ان سے مناظرے کرتے اور وہ آپ کی فصاحت و بلاغت اور حکمت و موعظت سے تعجب کرتے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہود حضرت مسیح علیہ السلام کو خوب جانتے پہچانتے تھے مگر صلیب کے وقت ان کو نہ پہچان پائے پس جس ذات کو تیس سال سے دیکھ رہے تھے اس کو نہ پہچاننا یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ من جانب اللہ کوئی اشتباہ پیش آیا کما قال تعالیٰ: ﴿وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ﴾ حضرات اہل علم الاجوبہ الفاخرہ از ص: ۷۶ تا ۸۲ ملاحظہ کریں۔

تنبیہ:...... سلف صالحین کا اس میں اختلاف ہے کہ جس شخص پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شباہت ڈالی گئی وہ یہودی تھا جیسا کہ وہب بن منبہ سے منقول ہے اور اسی کو امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اختیار کیا یا منافق عیسائی تھا یا حضرت عیسیٰ کا مخلص حواری تھا حافظ عماد الدین ابن کثیر فرماتے ہیں کہ تفسیر ابن ابی حاتم میں باسناد صحیح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا کہ جس شخص پر میری شباہت ڈالی جائے گی وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۵۷۴، اور تفسیر قرطبی: ۴/ ۱۰۰، اور سورۂ آل عمران اور اسی طرح مجاہد اور قتادہ اور سدی سے تفسیر ابن جریر: ۶/ ۱۱، میں مذکور ہ کہ جس پر حضرت عیسیٰ کی شباہت ڈالی گئی وہ ان کے حواریین میں سے تھا۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت عیسیٰ کے مطیع اور فرمانبرداروں میں سے تھا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مفصل روایت تفسیر قرطبی اور تفسیر ابن کثیر میں مذکور ہے کہ جس کو ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:

"قال ابن ابی حاتم حدثنا احمد بن سنان حدثنا ابو معاویة عن الاعمش عن المنهال بن عمرو عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال لما اراد الله ان یرفع عیسیٰ الی السماء خرج علی اصحابه وفی البیت اثنا عشر رجلا من الحواریین یعنی فخرج علیهم من عین فی البیت ورأسه یقطر ماء فقال ان منکم من یکفر بی اثنی عشر مرة بعد ان آمن بی ثم قال ایکم یلقی علیه شبهی فیقتل مکانی ویکون معی فی درجتی فقام شاب من احدثهم سناً فقال له اجلس ثم اعاد علیه فقام الشاب فقال انا فقال هو انت ذاك فالقی علیه شبه عیسیٰ ورفع عیسیٰ من روزنة فی البیت الی السماء قال وجاء الطلب من الیهود فاخذوا الشبه فقتلوه ثم صلبوه فکفر به بعضهم اثنی عشر مرة بعد ان آمن به وافترقوا ثلاث فرق فقالت فرقة کان الله فینا ما شاء ثم صعد الی السماء وهولاء الیعقوبیة وقالت فرقة کان فینا ابن الله ماشاء ثم رفعه الله الیه وهولاء النسطوریة وقالت

فرقة كان فينا عبد الله ورسوله ما شاء الله ثم رفعه الله اليه وهؤلاء المسلمون فتظاهرت الكافرتان على المسلمة فقتلوها فلم يزل الاسلام طامسا حتى بعث الله محمدا صلى الله عليه وسلم وهذا اسناد صحيح الى ابن عباس ورواه النسائي عن ابي كريب عن ابي معاوية بنحوه وكذا ذكره غير واحد من السلف انه قال لهم ايكم يلقى عليه شبهي فيقتل مكاني وهو رفيقي في الجنة۔ انتهى" تفسیر ابن کثیر: ۱/۵۷۴ اور ایسا ہی قرطبی: ۴/۱۰۰، تفسیر آل عمران میں ہے۔

امام ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ کیا تو گھر میں ایک چشمہ تھا وہاں جا کر عیسیٰ علیہ السلام نے غسل کیا اور غسل فرما کر باہر مجلس میں تشریف لائے جہاں بارہ حواری موجود تھے (غالباً یہ غسل آسمان پر جانے کے لیے تھا جیسے مسجد میں آنے سے پہلے وضو کرتے ہیں) حواریوں کو دیکھ کر یہ ارشاد فرمایا بلاشبہ تم میں سے ایک شخص مجھ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ میرا کفر (انکار) کرے گا بعد ازاں یہ فرمایا کہ تم میں سے کون شخص اس پر راضی ہے کہ اس پر میری شباہت ڈال دی جائے اور وہ میری جگہ قتل ہو اور پھر وہ جنت میں میرا رفیق ہو یہ سنتے ہی ایک نوجوان کھڑا ہو گیا۔ اور اپنے آپ کو اس جاں نثاری کے لیے پیش کیا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بیٹھ جا اور پھر عیسیٰ نے اپنے اسی سابق کلام کا اعادہ فرمایا پھر وہی نوجوان کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ میں حاضر ہوں

(نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی)

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھا تو ہی وہ شخص ہے اس کے فوراً بعد اس نوجوان پر عیسیٰ علیہ السلام کی شباہت ڈال دی گئی اور عیسیٰ علیہ السلام مکان کے ایک روشن دان سے آسمان پر اٹھا لیے گئے بعد ازاں یہود کے پیادے عیسیٰ علیہ السلام کے پکڑنے کے لیے گھر میں داخل ہوئے اور اسی شبیہ کو عیسیٰ سمجھ کر گرفتار کر لیا اور قتل کر کے صلیب پر لٹکا دیا گیا اور ایک شخص نے بارہ مرتبہ عیسیٰ کا انکار کیا بعد ازاں لوگوں میں تین فرقے ہو گئے ایک فرقہ نے تو یہ کہا کہ اللہ ہمارے درمیان میں جب تک چاہا رہا پھر وہ آسمان پر چڑھ گیا اس فرقہ کو یعقوبیہ کہتے ہیں دوسرے فرقہ نے یہ کہا کہ اللہ کا بیٹا ہمارے درمیان تھا پھر جب تک چاہا رہا پھر اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا اس فرقہ کو نسطوریہ کہا جاتا ہے تیسرے فرقہ نے کہا کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے برگزیدہ بندہ اور رسول تھے جب تک اللہ نے چاہا ہمارے درمیان رہے پھر اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا یہ لوگ مسلمان تھے۔ اول کے دو کافر فرقوں نے اس مسلمان فرقہ پر چڑھائی کر کے اس کو قتل کر دیا اس دن سے اسلام یعنی حق بے نام و نشان ہو گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا (جنہوں نے آ کر دنیا کو صحیح حقیقت بتائی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب نہیں ہوئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ابن عباس تک روایت کی سند نہایت صحیح ہے اور اسی طرح نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور اسی طرح بہت سے سلف نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ

جس پر میری شباہت ڈالی جائے اور وہ میرے بدلہ میں قتل ہو تو وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ انتہی "

بہر حال جس پر بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شباہت ڈالی گئی خواہ وہ یہودی ہو یا حواری تھا اس بات پر تمام روایات متفق ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام قتل اور صلب سے بالکل محفوظ رہے اور یہود نے کسی اور شخص کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا۔

جس نے یہود و نصاریٰ سب کو شبہ اور اشتباہ میں ڈال دیا اور ان کے باہمی اختلاف کا سبب بن گیا وہ اللہ کا ارادہ اور اس کی مشیت اور اس کی حکمت تھی کما قال تعالیٰ ﴿وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ. وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ﴾.

مسیلمہ قادیان کا ہذیان ●

یہود اور نصاریٰ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے کر مار دیا گیا بعد میں ان میں اختلاف ہوا کہ وہ مرنے کے بعد زندہ ہوئے یا نہیں سو یہود کا قول ہے کہ وہ زندہ نہیں ہوئے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ وہ زندہ ہوئے اور آسمان پر چلے گئے۔

اور اس چودھویں صدی کا مسیلمہ پنجاب یعنی متنبی قادیان یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قتل تو نہیں ہوئے مگر سولی ضرور دیے گئے جب وہ بے ہوش ہو گئے تو یہود نے ان کو مردہ سمجھ کر قبر میں دفن کر دیا جب قبر میں ان کو ہوش آیا تو وہ قبر سے خفیہ طور پر نکلے اور ریاست کشمیر کے مشہور شہر سری نگر میں جا کر قیام کیا اور خفیہ طور پر اپنے زخموں کا علاج کراتے رہے اور ستاسی سال زندہ رہ کر فوت ہوئے اور یہیں محلہ خان یار میں مدفون ہوئے اور وہیں ان کا مزار ہے یہ سب مرزائے قادیان کی بکواس ہے جس پر کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں دیوانہ گفت ابلہ باور کرد۔ کا مصداق ہے مرزائے قادیان کے قول کی بناء پر آیت اس طرح ہونی چاہیے تھی " وماقتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الی کشمیر "۔

حق جل شانہ نے ان آیات میں یہود و نصاریٰ دونوں ہی کا رد فرمایا اور اگرچہ دونوں کے رد کے لیے صرف ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ﴾ کافی تھا مگر علام الغیوب نے اس کے ساتھ ﴿وَمَا صَلَبُوْهُ﴾ بھی بڑھا دیا یعنی دشمن حضرت مسیح کو سولی پر بھی نہیں چڑھا سکے جس سے یہود و نصاریٰ کا نہایت بلیغ طریقہ سے رد ہو گیا یعنی قتل تو درکنار انکو تو سولی بھی نہیں دی گئی جس کے وہ مدعی ہیں اور جس کو سولی دی گئی وہ حضرت مسیح کا شبیہ اور مثیل تھا۔

اور یہود و نصاریٰ کے رد کے ساتھ قادیانی فرقہ کا بھی رد ہو گیا جو اس بارہ میں ان کا مقلد تھا اور حق تعالیٰ نے قتل اور صلب کی علیحدہ علیحدہ نفی فرما دی تاکہ ان کی حیات اور سلامتی اور محفوظیت میں کسی قسم کا کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قتل اور صلب سے بالکل محفوظ رہے اور قادیان کے دہقان یہ کہتے ہیں کہ مسیح بن مریم علیہ السلام صلیب سے نجات پا کر خفیہ طور پر کشمیر چلے آئے شاید مرزا صاحب کے نزدیک اس زمانہ میں کشمیر بیت المقدس سے زیادہ متبرک ہوگا حیرت کا مقام ہے کہ قرآن کریم نے جس زمین کے متعلق ﴿اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا﴾ فرمایا ہو اور جو زمین انبیاء بنی اسرائیل کا مولد اور مسکن ہو اور جس زمین میں ان کا قبلہ ہو یعنی ﴿الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ﴾ ہو

● دیکھو حل القرآن، ص: ۷۷، دیکھو عقیدۃ الاسلام، ص: ۱۸۵، ۱۹۰، ۱۹۳

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس مبارک زمین کو چھوڑ کر سرزمین کشمیر کی طرف ہجرت فرمائیں جہاں اس وقت سوائے شرک اور بت پرستی کے خدا پرستی کا نام ونشان نہ ہو اور پھر ہجرت فرمانے کے بعد حضرت عیسیٰ اپنی تمام زندگی خاموشی اور گمنامی میں گزار دیں اور کشمیر پہنچ کر کسی کو توحید کی دعوت نہ دیں اور نہ کسی کو قیامت سے ڈرائیں اور نہ کسی کو خدا کی عبادت کی تعلیم فرمائیں اسی طرح خاموشی میں زندگی بسر کر کے شہر سری نگر میں انتقال فرما جائیں اور محلہ خان یار میں اس طرح دفن ہو جائیں کہ سوائے مرزا قادیان کے روئے زمین پر کسی کو اس کا علم نہ ہو۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم۔

(۳) ﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ﴾

حق جل شانہ نے اس آیت میں خبر دی کہ اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور صلیب کے بارہ میں اختلاف رکھتے ہیں کہ یہ قرآن کریم کی شہادت ہے جو سب سے بڑی اور سب سے زیادہ سچی شہادت ہے۔

نصاریٰ کے متعدد فرقے اس کے قائل ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب نہیں ہوئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے جیسا کہ تواریخ میں مذکور ہے اور پادری سیل نے بھی اپنے ترجمہ میں سورۂ آل عمران میں ان بعض فرقوں کا ذکر کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح مقتول و مصلوب نہیں ہوئے اور یہ بتلایا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے بہت مدت پہلے عیسائیوں کے بہت سے فرقوں کا یہی اعتقاد تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب نہیں ہوئے چنانچہ فرقہ بے سی ڈین اور فرقہ سیرنہ تھیں اور فرقہ کارپار کر یشن جو سب کے سب آنحضرت ﷺ سے پہلے گزرے ہیں ان سب کا اعتقاد یہی تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب نہیں ہوئے بلکہ ایک دوسرا شخص جو آپ کے ہم شکل تھا وہ صلیب دیا گیا۔ (ختم ہوا خلاصہ کلام جارج سیل کا)

معلوم ہوا کہ واقعہ صلیب نصاریٰ کے نزدیک متفق علیہ نہیں بلکہ نصاریٰ کے بہت سے قدیم فرقوں کا مذہب یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ مقتول مصلوب نہیں ہوئے جیسا کہ قرآن کریم نے خبر دی ہے۔

مولانا سید ابو منصور، امام فن مناظرہ، نوید جاوید ص: ۳۸۲ میں لکھتے ہیں اور قرآن مجید کے اس ترجمہ میں جس پر عیسائی علماء نے اپنے طور کا حاشیہ لکھا اور پر ہیز بیٹرین مشن پریس الہ آباد میں ۱۸۴۴ء کو چھاپا۔

ترجمۂ آل عمران آیت ۵۳ کے حاشیہ صفحہ ۸۳، میں لکھا ہے کہ زمانہ اسلام سے آگے عیسائیوں میں باسلیدی ایک فرقہ تھا جو خیال کرتے تھے کہ آپ مسیح آپ مصلوب نہ ہوا پر شمعون قرینی (جو صلیب اٹھا کر چل رہا تھا اس کے عوض پکڑا گیا اور مصلوب بھی ہوا پھر سرنہ تھی اور کار پوک راتی اور دوسیتی تین فرقے تھے جو زمانہ اسلام سے پیشتر یہی خیال رکھتے تھے انتھی وتم کلامہ (نوید جاوید۔ ص ۳۸۲)

گناستی فرقہ کے عیسائیوں کا یہ قول تھا کہ دنیا مادہ سے پیدا ہوئی اور مادہ کے لیے شرارت اور معصیت ضرور ہے اور مسیح علیہ السلام مادہ سے پیدا نہیں ہوا تھا اس لیے مصلوب نہیں ہو سکا کیونکہ اس کا جسم نہ تھا (انتھی) چنانچہ تعلیم الایمان چھاپہ لدھیانہ ۱۸۶۹ء، ص ۲۳۶ میں لکھتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں ایک فرقہ نے یہ گمان کیا کہ مسیح علیہ السلام کا حقیقی جسم نہ تھا اور نہ وہ پیدا ہوا نہ اس نے دکھ اٹھایا پر اس کا جسم ایک مجازی طور پر تھا جیسا کہ فرشتے اکثر اوقات انسانیت کو اختیار کر لیتے تھے یا جیسا کہ روح کبوتر کی

مانند اتری تھی چنانچہ محمد ﷺ نے بھی اسی تعلیم کو اختیار کر کے اپنے تابعین کو تلقین کی کہ مسیح علیہ السلام خود نہیں مارا گیا انتھی اور دیکھو رومن تواریخ کلیسا چھاپہ مرزاپور ۱۸۵۶ء، ص ۹۶ دین حق کی تحقیق مصنفہ پادری اسمتھ صاحب وغیرہ مطبوعہ الہ آباد درفن پریس ۱۸۶۶ء، ص: ۸۸، میں لکھا ہے کہ عیسیٰ مسیح کا احوال کس طرح وہ ہندولے میں بولا مٹی کی چڑیاں بنائیں اور یہودیوں کو بندر بنایا اور یہ کہ نہیں مارا گیا بلکہ دوسرا اس کے عوض مصلوب ہوا یہ باتیں اس نے (یعنی محمد رسول اللہ ﷺ) نے ناصریوں کے قصے سے نکالیں جن کو دو تین شخصوں نے مسیح کو چار یا پانچ سو برس بعد بنایا تھا انتھی، اور برنباس کی انجیل میں مسیح نے اپنی مصلوبی کا بطلان صاف بیان کر دیا یہ کہتے ہوئے کہ میں صلیب پر کھینچا گیا پر یہ ساری ہتک اور ہنسائی محمد رسول اللہ ﷺ کے آنے تک رہے گی جب وہ دنیا میں آئے گا تو ہر ایک ایمان دار کو اس غلطی سے آگاہ کر دے گا اور یہ دھوکہ لوگوں کے دل سے اٹھا دے گا انتھی ترجمہ قرآن شریف مصنفہ سیل صاحب صفحہ ۴۳۔ انتہی دیکھو (نوید جاوید، ص: ۳۸۳) اور دیکھو دلیل ثانی عشر از کتاب الفارق، ص: ۲۸۹۔

پس ان عبارات سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ اسلام سے پیشتر نصاریٰ کے متعدد فرقے اسی بات کے قائل تھے جو قرآن کریم نے خبر دی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب۔

اسی بناء پر بہت سے محققین علماء نصاریٰ اس طرف گئے ہیں کہ عقیدہ صلیب اور کفارہ اور الوہیت یہ سب پولوس کی اختراع ہے حواریین اور متقدمین نصاریٰ اس کے قائل نہ تھے دیکھو (الدلیل الحادی عشر من کتاب الفارق ص: ۲۸۸)

شک اور اختلاف کے متعلق حضرت مسیح کی پیشین گوئی:...... انجیل مرقس ومتی ولوقا ویوحنا اور ان کی تفاسیر میں یہ مذکور ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب حواریین کے ساتھ جبل زیتون کی طرف گئے تو شاگردوں سے یہ فرمایا: کلکم تشکون بی فی هذا اللیل (تم سب اس رات میرے بارہ میں شک کرو گے)

ناظرین غور فرمائیں کہ چاروں انجیلوں میں حضرت مسیح کا یہ لفظ "کلکم تشکون بی" قرآن کریم کے اس ارشاد ﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ﴾ کے حرف بحرف اور لفظ بلفظ مطابق ہے دیکھو دلیل عاشر از کتاب الفارق ص ۲۸۸، اور الجواب الفسیح لما لفقہ عبد المسیح ص ۴۰۷، اور اجوبہ فاخرہ از ص ۷۹ تا ۸۲۔

(۴) ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾

اور یہودیوں نے بالیقین حضرت عیسیٰ کو نہیں قتل کیا بلکہ یقینی بات یہ ہے کہ جس زندہ شخصیت کو وہ قتل کر کے اس کی حیات کو ختم کرنا چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ اور صحیح سالم اپنی طرف اٹھا لیا تاکہ قتل اور صلب کا امکان ہی ختم ہو جائے اس لیے کہ قتل وصلب تو جب ہی ممکن ہے کہ وہ جسم ان کے اندر موجود رہے اور جب اللہ تعالیٰ نے اس جسم ہی کو اپنی طرف اٹھا لیا تو قتل اور صلب کا امکان ہی ختم ہوا معلوم ہوا کہ آیت میں رفع سے اسی جسم کا رفع مراد ہے جس کو قتل کرنا چاہتے تھے آیت میں نہ روح کا کوئی تذکرہ ہے اور نہ روح کے قتل وصلب کا کوئی مسئلہ ہے جس کی طرف رفعہ کی ضمیر راجع ہو سکے لفظ بل کلام عرب میں اضطراب اور ابطال کے لیے آتا ہے یعنی مضمون سابق کی نفی کر کے اس کے منافی اور مقابل مضمون کو ثابت کرنے کے لیے

استعمال ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ رفع قتل کے جب ہی منافی ہوسکتا ہے جب رفع سے جسم کا زندہ اور صحیح سالم اٹھانا مراد لیا جائے ورنہ رفع روح یا رفع روحانی بمعنی بلندی رتبہ قتل کے منافی نہیں جو شخص بھی خدا کی راہ میں مارا جائے گا اس کا مرتبہ ضرور بلند ہوگا پس رفع کے معنی بلندی رتبہ کے لینا کسی طرح بھی قتل کے منافی نہیں اور لفظ "بَلْ" یہ بتلا رہا ہے کہ یہاں رفع سراسر قتل کے منافی ہے لہٰذا قطعاً ثابت ہوگیا کہ "رَفَعَهُ" میں رفع سے حضرت عیسیٰ کا جسم عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھایا جانا مراد ہے۔

نیز یہودی جسم کے قتل اور صلب کے مدعی تھے اللہ نے اوّلاً جسم کے قتل اور صلب کی نفی فرمائی اور ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ﴾ فرمایا اور پھر اسی جسم کے لیے رفع ثابت فرمایا ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ معلوم ہوا کہ جس جسم کا قتل اور صلب چاہتے تھے اسی جسم کو اللہ نے اپنی طرف صحیح سالم اٹھالیا اور ظاہر ہے کہ قتل اور صلب جسم ہی کا ہوتا ہے نہ کہ روح کا اس لیے کہ روح کا قتل اور صلب ناممکن ہے معلوم ہوا کہ ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ﴾ میں جسم ہی کا رفع مراد ہے۔

نیز رفع کے اصل معنی اٹھانے اور بلند کرنے اور اوپر لے جانے کے ہیں اس میں نہ جسم کی خصوصیت ہے اور نہ روح کی۔ رفع کبھی اجسام کا ہوتا ہے اور کبھی معانی اور اعراض کا ہوتا ہے اور کبھی اقوال اور افعال کا اور کبھی مرتبہ اور درجہ کا جس جگہ لفظ رفع کا مفعول یا متعلق کوئی جسمانی شئے ہوگی تو اس جگہ یقیناً رفع جسمانی مراد ہوگا کما قال تعالیٰ: ﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ﴾ اٹھایا ہم نے تم پر کوہ طور ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ اللہ ہی نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستون کے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو ﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ﴾ یاد کرو اس وقت کو کہ جب ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسماعیل علیہ السلام ان کے ساتھ تھے ﴿وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ﴾ یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو تخت کے اوپر اٹھایا اور ان تمام مواقع میں لفظ "رفع" اجسام میں مستعمل ہوا ہے اور ہر جگہ رفع جسمانی مراد ہے اور ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ ہم نے آپ ﷺ کا نام بلند کیا اور ﴿بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾ ہم نے بعض کو بعض پر درجہ اور مرتبہ کے اعتبار سے بلند کیا۔

اس قسم کے مواضع میں رفعت شان اور بلندی رتبہ مراد ہے اس لیے کہ رفع کے ساتھ خود ذکر اور درجہ کی قید مذکور ہے اور ایک حدیث میں ہے "اذا تواضع العبد رفعه الله الی السماء السابعة رواه الخرائطی فی مکارم الاخلاق۔" (بندہ جب اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ساتویں آسمان تک اٹھالیتے ہیں) اس حدیث میں قرینہ کی بناء پر رفع معنوی مراد لیا گیا ہے اس لیے کہ ظاہر ہے کہ تواضع سے انسانی جسمانی طور پر آسمان پر نہیں اٹھالیا جاتا اور قرینہ کی بناء پر اگر کسی لفظ کے معنی مجازی ہی مراد لیے جائیں تو اس سے لازم نہیں آتا کہ جب کبھی یہ لفظ بولا جائے گا تو معنی مجازی ہی مراد ہوں گے ہی تو بالکل ایسا ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ لفظ اسد کے معنی شیر کے نہیں بلکہ بہادر آدمی کے ہیں اور مثال میں یہ مقولہ پیش کرے "رایت اسدا یرمی" (میں نے ایک شیر کو تیر چلاتے دیکھا) تو کیا اس سے یہ ثابت ہوجائے گا کہ لفظ اسد کے حقیقی معنی شیر کے نہیں اور یہ لفظ ہمیشہ بہادر ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اسی طرح اگر لفظ رفع کسی جگہ کسی قرینہ کی بناء پر رفع درجات کے معنی میں مستعمل ہوجائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ لفظ رفع کبھی رفع جسمانی کے لیے

مستعمل نہیں ہوتا مزید تفصیل کے لیے اس ناچیز کا رسالہ (کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ) مطالعہ کریں۔

ایک شبہ:...... ﴿وَّرَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ میں خدا کی طرف اٹھانا مذکور ہے آسمان کا کوئی ذکر نہیں۔

ازالۂ شبہ:...... جواب یہ ہے کہ خدا کی طرف اٹھانے کے معنی ہی یہ ہیں کہ آسمان کی طرف اس کو اٹھایا گیا اس لیے کہ خدا کے لیے بے چون وچگون فوقیت اور علویت ثابت ہے۔

نیز خود مرزائے قادیان نے رفعہ اللہ کے معنی آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے کیے ہیں لکھتا ہے قرآن کریم سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ کے فوت ہوجانے کے بعد ان کی روح آسمان کی طرف اٹھائی گئی۔ (ازالۃ الاوہام، ص: ۲۶۳/۱۰۹، ط۱/۲)

مرزا صاحب کی اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ رفع سے تو آسمان پر ہی اٹھایا جانا مراد ہے لیکن اختلاف اس میں ہے کہ آسمان پر روح کا اٹھایا جانا مراد ہے یا جسم مع الروح کا اور ہم یہ پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ آیت میں رفع جسم مراد ہے۔

نیز مرزا صاحب لکھتے ہیں:

﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ﴾ (یعنی پاک روحیں خدا کی طرف صعود کرتی ہیں اور عمل صالح ان کا رفع کرتا ہے) ازالہ ۱۸۳/۴۴۰، ط۲/۱۔

اس جگہ بھی مرزا صاحب نے پاک روحوں کے صعود سے آسمان ہی کی طرف جانا مراد لیا ہے۔

مرزائے قادیان کا ہذیان:...... مرزائے قادیان یہ کہتا ہے کہ رفع کے معنی عزت کے موت دینا ہے یا مرنے کے بعد روحانی طور پر بہشت میں داخل ہونا مراد ہے۔

جواب:...... یہ کہ رفع کے معنی اٹھانے اور بلند کرنے کے ہیں جیسا کہ تمام لغت کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور ''عزت کی موت'' یہ رفع کے معنی نہیں یہ مرزا صاحب کی گھڑت ہے نیز احادیث میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کی خبر دی گئی ہے اور اس نزول کو بمقابلہ ان کے مرفوع ہونے کے بیان کیا گیا ہے جیسا کہ سیاق احادیث سے ظاہر ہے پس جب دونوں لفظ اس حیثیت سے متقابل ٹھہرے تو یقیناً جو ایک لفظ معنی ہوں گے دوسرے لفظ میں اس کا مقابل مراد ہوگا پس اگر رفع سے مع الجسم آسمان پر اٹھایا جانا مراد لیا جائے تو نزول سے مع الجسم زمین پر اترنا ہوگا جس میں نہ تقابلہ فوت ہوا اور نہ کوئی خرابی لازم آئی اور اگر بقول منکرین رفع جسمانی، رفع سے عزت کی موت مراد لی جائے تو نزول سے بقرینہ مقابلہ ذلت کی پیدائش مراد لینی چاہیے پس معنی حدیث نزول کے یہ ہوں گے کہ معاذ اللہ پھر عیسیٰ علیہ السلام ذلت کے ساتھ پیدا ہوں گے اور اگر یہاں یہ معنی مراد نہ لیے جائیں تو مقابلہ فوت ہوجائے گا پس ثابت ہوا کہ رفع سے عزت کی موت کے معنی مراد لینا صحیح نہیں نیز بعض روایات میں ''ینزل من السماء'' کا لفظ آیا ہے اور صحیح مسلم میں ہے ''فینزل بین مھرودتین واضعا کفیہ علی اجنحۃ ملکین'' پس بقول منکرین نزول من السماء کی حدیث کے معنی یہ ہوں گے عیسیٰ بن مریم آسمان سے پیدا ہوں گے اور دو رنگین کپڑے پہنے ہوئے اور دو فرشتوں کے بازوں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے اول تو یہ مطلب مہمل ہے پھر افسوس کہ مدعی مسیحیت میں یہ

صفت بھی نہیں پائی جاتی اور اپنے کو اس کا مصداق بتانا صریح جھوٹ ہے۔

(۵) ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾

اس آیت کی تفسیر میں ہم دو قول نقل کر چکے ہیں جمہور کے نزدیک جو قول راجح ہے اس بناء پر اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی خبر دی گئی ہے جو احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے اور تمام امت محمدیہ کا اس پر اجماع ہے کہ اخیر زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور جس طرح ان علامات قیامت پر ایمان لانا فرض ہے جو قرآن اور احادیث متواترہ سے ثابت ہیں اسی طرح نزول عیسیٰ پر بھی ایمان لانا فرض ہے اس لیے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام بھی قرآن کریم سے اور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اگر حق تعالیٰ کی توفیق ہوئی تو مسئلہ نزول کے متعلق احادیث کو ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں ہدیہ ناظرین کریں گے وماتوفیقی الا باللہ۔

ناچیز نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھ دیا ہے جس کا نام "القول المحکم فی نزول سیدنا عیسیٰ بن مریم" ہے ناظرین رسالہ کا مطالعہ فرمائیں۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام کی حکمت: ...... کتب سابقہ میں دو مسیح کی آمد کی پیشین گوئی کی گئی تھی ایک مسیح ہدایت کی اور ایک مسیح ضلالت کی۔ مسیح ہدایت کے مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور مسیح ضلالت کا مصداق دجال اکبر ہے جو قوم یہود سے ہوگا اور بنی اسرائیل ان دو شخصیتوں کے منتظر تھے کہ کب ان کا ظہور ہوتا ہے جس وقت مسیح ہدایت یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا تو یہود نے ان کو مسیح ضلالت سمجھا اور ان کے قتل کے درپے ہوئے اور اپنے زعم میں ان کو قتل کر ڈالا اور نصاریٰ نے مسیح ہدایت کو مانا تو سہی مگر ان کی تعظیم میں غلو کیا اور نبوت و رسالت کے مرتبہ سے بڑھا کر ان کو خدا اور خدا کا بیٹا مان لیا اور اخیر زمانہ میں جب دجال ظاہر ہوگا تو یہود اس کو مسیح ہدایت سمجھ کر اس کا اتباع کریں گے اور اس وقت مسیح ہدایت یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا آسمان سے تاکہ اہل کتاب کے دونوں گروہ یہود اور نصاریٰ کی غلطی واضح ہو جائے یہود پر تو یہ واضح ہو جائے کہ جس مسیح ہدایت کو تم نے اپنے زعم میں قتل کر دیا تھا وہ زندہ آسمان پر اٹھایا گیا اور اب زندہ آسمان سے نازل ہو رہا ہے تاکہ مسیح ضلالت یعنی دجال کو قتل کرے اور تم جس مسیح کے قتل کی مدعی تھے تم اس کو قتل نہیں کر سکے تھے بلکہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھایا اور اب وہ زندہ آسمان سے یہودیوں کے سردار مسیح دجال کے قتل کے لیے نازل ہو رہا ہے تاکہ یہود جب مسیح ہدایت کے ہاتھ سے مسیح ضلالت کا قتل دیکھیں گے تو اپنی گمراہی سے تائب ہو جائیں گے اور نصاریٰ پر یہ واضح ہو جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ بندے اور رسول برحق تھے معاذ اللہ خدا اور خدا کے بیٹے نہ تھے۔ دیکھو الجواب الصحیح: ۱/۳۴۱، و ۱/۱۸۱، للحافظ ابن تیمیہ وفتح الباری: ۶/۳۵۷۔ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام۔

اور اس بارہ میں ناچیز کا مستقل رسالہ ہے جس کا نام لطائف الحکم فی اسرار نزول عیسیٰ بن مریم ہے جو چھپ چکا ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔

عقیدۂ قتل وصلب میں یہود و نصاریٰ کا فرق: ...... یہود فخر کے ساتھ کہتے ہیں ﴿اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

﴿رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ اور اس قتل کو حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے موجب لعنت سمجھتے ہیں اور نصاریٰ یہود کی طرح قتل اور صلیب کے تو قائل ہیں مگر اس قتل اور صلب کو کفارۃ الذنوب سمجھتے ہیں۔

حق تعالیٰ نے اصل قتل اور صلب ہی کی نفی فرمادی کہ سرے ہی سے نہ قتل ہوا اور نہ صلب تاکہ جب اصل واقعہ ہی کی تردید کردی جائے تو یہود و نصاریٰ کی یہ ذہنی اور خیالی تفریعات خود بخود ختم ہو جائیں گی اس لیے کہ قتل کو موجب لعنت سمجھنا یا موجب کفارہ سمجھنا یہ سب یہود و نصاریٰ کے ذہنی خیالات اور فکری اور اختراعات ہیں جو سب کے سب وقوع قتل وصلب پر موقوف ہیں پس جب اصل ہی کی نفی ہوگئی اور ثابت ہوگیا کہ قتل کا سارا قصہ محض ایک افسانہ ہے تو اس فرضی اور افسانہ پر جو ذہنی تفریعات لگائی گئی ہیں اور وہ خود بخود ختم ہو جائے گی اس لیے کہ کاذب اور غلط پر جو تفریع قائم کی جائے گی اور وہ بھی کاذب اور غلط ہی ہوگی۔

قرآن کریم نے قتل وصلب کے بارہ میں تو یہود اور نصاریٰ دونوں ہی کی تردید کی مگر رفع الی السماء کے بارہ میں نصاریٰ کی تصدیق کی اور قتل وصلب کے نفی سے نصاریٰ کا مسئلہ کفارہ بھی ختم ہوگیا جس کا بہت سے علماء نصاریٰ کو بھی اقرار ہے کہ یہ مسئلہ کفارہ پولوس کی ایجاد اور اختراع ہے اور بہت سے علماء یہود اس بات کے معترف ہیں کہ پولوس نے قتل وصلب کا مسئلہ علماء یہود کے حکم سے یہودیت کی حمایت میں اختراع کیا اور منافقانہ طور پر اس کو دین نصاریٰ کا ایک بنیادی عقیدہ بنا دیا۔ دیکھو عقیدۃ الاسلام، ص: ۱۶۱-۱۶۶۔

آیت نساء اور آیت آل عمران کے سیاق میں فرق):...... سورۂ نساء کی آیات کا سیاق اہل کتاب کی تردید میں ہے اس لیے ان آیات میں نہایت تاکید کے ساتھ قتل وصلب کی نفی کی گئی اور رفع الی السماء کو ثابت کیا ہے اور حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر اہل کتاب کے ایمان لانے کو نہایت تاکید کے ساتھ بیان کیا بخلاف آل عمران کی آیتوں کے کہ ان کا تمام سیاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تسلی کے لیے ہے۔ سورۂ آل عمران میں حضرت عیسیٰ کی تسلی کے لیے توفی اور رفع اور تطہیر اور غلبہ متبعین عیسیٰ وغیرہ وغیرہ کا ذکر فرمایا تاکہ یہود کے مکر وفریب سے قلب پر جو خوف وہراس تھا وہ یکلخت دور ہو جائے اور یہ تمام امور جب ہی باعث تسلی ہو سکتے ہیں کہ جب عیسیٰ علیہ السلام زندہ اور صحیح وسالم آسمان پر اٹھائے جائیں اگر سورۂ آل عمران میں توفی سے وفات بمعنی موت مراد ہوتی ہے تو اس سے حضرت عیسیٰ کو تو تسلی نہ ہوتی بلکہ یہود کو تسلی اور بشارت ہو جاتی کہ تم بے فکر رہو کہ قتل سے جو تمہارا مقصود ہے وہ ضرور حاصل ہو جائے گا۔ دیکھو عقیدۃ الاسلام، ص: ۱۶۹۔

پس آل عمران میں توفی کا ذکر حضرت عیسیٰ کی تسلی کے لیے ہے کہ اے عیسیٰ میں تم کو پورا پورا لے لوں گا۔

اور آیات نساء کا سیاق تسلی کے لیے نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ کے قول کی تردید کے لیے اس لیے ہے کہ سورۃ نساء میں قتل اور صلب کی نفی کی اور رفع الی السماء کو ثابت کیا اور توفی سے کوئی تعرض نہ کیا نیز آل عمران میں حضرت عیسیٰ کی تسلی کے لیے رفع الی السماء کا وعدہ فرمایا کما قال تعالیٰ: ﴿وَرَافِعُكَ اِلَيَّ﴾ اور سورۂ نساء میں سابق وعدہ رفع الی السماء کے ایفاء کا ذکر ہے ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ کہ اللہ نے رفع کا وعدہ پورا کر دیا۔

اور سورۂ مائدہ کے اخیر میں فقط "توفی" کا ذکر فرمایا ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا

تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ﴾ اس لیے کہ سورۂ مائدہ میں بنی اسرائیل کے خلاف حضرت عیسیٰ کی شہادت کا ذکر ہے اس لیے وہاں فقط "توفی" کا ذکر فرمایا کہ "توفی" کے بعد کا حال مجھ کو معلوم نہیں کہ جس کی میں گواہی دے سکوں اور اس جگہ قتل اور صلب کی نفی کا کوئی ذکر نہیں فرمایا صرف توفی کا ذکر فرمایا کہ جو مانع شہادت تھی اس لیے سیاق شہادت میں صرف مانع شہادت کو ذکر فرمایا۔ دیکھو عقیدۃ الاسلام ص ۱۹۱۔

خلاصہ کلام:...... یہ کہ سورۂ آل عمران اور سورۂ نساء کی آیات میں امور ذیل کا بغیر کسی ابہام کے نہایت واضح الفاظ میں یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل اور صلب سے بالکلیہ محفوظ رہے اور اسی جسم عنصری کے ساتھ صحیح سالم زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین سے لے کر چودہ صدی کے علماء مفسرین نے ان آیات کا یہی مطلب بیان کیا ہے جو ہم نے ہدیہ ناظرین کیا ہے اس کے خلاف جو تفسیر ہے وہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے۔

تنبیہ:...... اس مقام پر تین چیزیں ہیں اول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دشمنوں کے قتل اور صلب سے بالکلیہ محفوظ رہنا دوم مسیح علیہ السلام کا زندہ مع جسم کے آسمان پر اٹھایا جانا سوم ان کا دوبارہ دنیا میں آسمان سے نازل ہونا۔ امر اول اور امر دوم کا نہایت صراحت اور وضاحت کے ساتھ آیات قرآنیہ میں بیان ہوا ہے اور امر سوم کا قرآن کریم کی متعدد آیات میں اجمالاً بیان ہوا ہے مگر احادیث صحیحہ اور صریحہ جو حد تواتر کو پہنچی ہیں ان میں حضرت عیسیٰ بن مریم کا نزول اس درجہ تفصیل اور توضیح کے ساتھ مذکور ہے کہ ان میں ذرہ برابر کسی تاویل اور تحریف کی گنجائش نہیں۔

حیات عیسیٰ و نزول عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے

جاننا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے اور پھر قیامت کے قریب آسمان سے دنیا میں نازل ہونے کا عقیدہ تمام اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے جو آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کے وقت سے لے کر آج تک تمام علماء امت اس پر متفق چلے آئے ہیں۔

اس اجمالی عقیدہ کا انکار سب سے پہلے سرسید علی گڑھی نے کیا اور پھر اس کی تقلید میں مرزا غلام احمد قادیانی نے کیا اور وفات مسیح کو اپنی صداقت کا معیار قرار دیا۔

حالانکہ بفرض محال اگر تھوڑی دیر کے لیے حضرت مسیح کی وفات کو مان بھی لیا جائے تو اس سے مرزائے قادیان کی نبوت کیسے ثابت ہوسکتی ہے۔

مان لو کہ ایک بادشاہ مر گیا اور اس کا تخت بھی خالی ہے اور بادشاہت کا سلسلہ بھی بند نہیں ہوا تو کیا اس سے کسی بھنگی یا چمار کی بادشاہت ثابت ہوسکتی ہے جس میں نہ کسی قسم کی قابلیت ہے اور نہ کوئی لیاقت بلکہ اس میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جو منصب بادشاہی کے بالکل مباین اور مخالف ہیں۔

کس نیاید بزیر سایہ بوم ورہما از جہاں شود معدوم

لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ جب کسی مرزائی شخص سے بحث کا موقع آجائے تو یہ کہہ دے کہ حیات اور وفات کی بحث

کو علماء پر چھوڑو مرزا میں اوصاف نبوت کو ثابت کرو خود مرزا کو اپنے مراق اور خرابی حافظہ کا اقرار ہے۔ کیا معاذ اللہ خبطی اور مراقی بھی نبی ہوسکتا ہے اور علماء اسلام نے کتابوں میں مرزا کے جھوٹ نقل کیے ہیں کیا جھوٹا بھی نبی ہوسکتا ہے۔

دعوائے نبوت سے پہلے خود مرزائے قادیان کا یہی عقیدہ تھا چنانچہ مرزا صاحب اپنی الہامی کتاب میں لکھتے ہیں۔

اور جب مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لاویں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق واقطار میں پھیل جائے گا براہین احمدیہ، ص: ۴۹۸-۴۹۹، مصنفہ مرزا صاحب اور مرزائے قادیان لکھتا ہے اس بات پر تمام سلف وخلف کا اتفاق ہوچکا ہے کہ عیسیٰ جب نازل ہوگا تو امت محمدیہ میں داخل ہوگا۔ (ازالہ الاوھام: ۲/۵۶۹، سطر ۶)

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ

ہم نے وحی بھیجی تیری طرف ف۱ جیسے وحی بھیجی نوح پر اور ان نبیوں پر جو اس کے بعد ہوئے ف۲ اور وحی بھیجی ابراہیم پر

ہم نے وحی بھیجی تیری طرف، جیسے وحی بھیجی نوح کو اور نبیوں کو اس کے بعد، اور وحی بھیجی ابراہیم کو

وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ

اور اسماعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور عیسیٰ پر اور ایوب پر اور یونس پر اور ہارون پر

اور اسماعیل کو، اور اسحٰق کو اور یعقوب کو، اور اس کی اولاد کو، اور عیسیٰ کو اور ایوب کو اور یونس کو، اور ہارون کو

وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿۱۶۳﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا

اور سلیمان پر اور ہم نے دی داؤد کو زبور اور بھیجے ایسے رسول کہ جن کا احوال ہم نے سنایا تجھ کو اس سے پہلے اور ایسے رسول

اور سلیمان کو۔ اور ہم نے دی داؤد کو زبور۔ اور کتنے رسول جن کا احوال سنایا ہم نے تجھ کو آگے، اور کتنے رسول

ف۱ اہل کتاب اور مشرکین مکہ، جملہ کفار، قرآن مجید کی حقانیت اور صداقت میں طرح طرح سے بیہودہ شبہ پیدا کرتے۔ دیکھئے اس موقع میں یہی کہہ دیا کہ جیسے تورات سب کی سب ایک دفعہ اتری تھی ایسے ہی تم بھی ایک کتاب آسمان سے لادو تو ہم تم کو سچا جانیں بقول شخصے خوئے بدرا بہانہ بسیار۔ سو حق تعالیٰ نے اس جگہ چند آیتیں نازل فرما کر اس کی حقیقت واضح کردی اور وحی کی عظمت اور کفار کے سب خیالات اور شبہات بیہودہ کو رد کردیا اور وحی الٰہی کی متابعت کو عامۃ اور قرآن مجید کی اطاعت کو تخصیص کے ساتھ بیان فرما کر بتلا دیا کہ حکم الٰہی کا ماننا سب پر فرض ہے کسی کا کوئی عذر اس میں نہیں چل سکتا۔ جو اس کے تسلیم کرنے میں تردد یا تامل یا انکار کرے وہ گمراہ اور بے دین ہے۔ اب یہاں سے تحقیقی جواب دیا جاتا ہے۔

ف۲ اس سے معلوم ہوگیا کہ وحی خاص اللہ کا حکم اور اس کا پیام ہے جو پیغمبروں پر بھیجا جاتا ہے اور انبیائے سابقین پر جیسے وحی الٰہی نازل ہوئی ویسے ہی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی بھیجی تو جس نے اس کو مانا اس کو بھی ضرور ماننا چاہیے اور جس نے اس کا انکار کیا گویا ان سب کا منکر ہوگیا اور حضرت نوح علیہ السلام اور ان سے پچھلوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ شاید یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے جو وحی شروع ہوئی تو اس وقت بالکل ابتدائی حالت تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام پر اس کی تکمیل ہوگئی گویا اول حالت محض تعلیمی حالت تھی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں وہ حالت پوری ہوکر اس قابل ہوگئی کہ ان کا امتحان لیا جائے اور فرمانبرداروں کو انعام اور نافرمانوں کو سزا دی جائے۔ چنانچہ انبیائے اولوالعزم کا سلسلہ بھی حضرت نوح علیہ السلام سے ہی شروع ہوا اور وحی الٰہی سے سرتابی کرنے والوں پر بھی اول عذاب حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے شروع ہوا خلاصہ یہ کہ پہلے حکم الٰہی اور انبیاء علیہم السلام کی مخالفت پر عذاب نازل نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کو معذور سمجھ کر ان کو ڈھیل دی جاتی تھی اور سمجھانے ہی میں کوشش کی جاتی تھی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جب مذہبی تعلیم خوب ظاہر ہوچکی اور لوگوں کو حکم خداوندی کی متابعت کرنے میں کوئی خفا باقی نہ رہا تو اب نافرمانوں پر عذاب نازل ہوا۔ اول حضرت نوح علیہ السلام =

لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا

جن کا احوال نہیں سنایا تجھ کو اور باتیں کیں اللہ نے موسیٰ سے بول کر ف۱ بھیجے پیغمبر خوشخبری اور ڈر سنانے والے تاکہ باقی نہ

جن کا احوال نہیں سنایا تجھ کو۔ اور باتیں کیں اللہ نے موسیٰ سے بول کر۔ کتنے رسول خوشی اور ڈر سنانے والے، تا نہ

يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ

رہے لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع رسولوں کے بعد اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ف۲ لیکن اللہ شاہد ہے

رہے لوگوں کو اللہ پر الزام کی جگہ، رسولوں کے بعد۔ اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔ لیکن اللہ شاہد ہے

بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اس پر جو تجھ پر نازل کیا کہ یہ نازل کیا ہے اپنے علم کے ساتھ اور فرشتے بھی گواہ ہیں اور اللہ کافی ہے حق ظاہر کرنے والا ف۳ جو لوگ

اس پر جو تجھ کو نازل کیا، کہ یہ نازل کیا ہے اپنے علم کے ساتھ۔ اور فرشتے گواہ ہیں۔ اور اللہ بس ہے حق ظاہر کرنے والا۔ جو لوگ

كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا

کافر ہوئے اور روکا اللہ کی راہ سے وہ بہک کر دور جا پڑے جو لوگ کافر ہوئے اور حق دبا رکھا

منکر ہوئے، اور اٹکے اللہ کی راہ سے، وہ دور پڑے ہیں بھول کر۔ جو لوگ منکر ہوئے اور حق دبا رکھا،

= کے زمانہ میں طوفان آیا اس کے بعد حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب علیہم السلام وغیرہ کے زمانہ میں کافروں پر قسم قسم کے عذاب آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو حضرت نوح علیہ السلام اور ان سے پچھلوں کی وحی کے ساتھ تشبیہ دینے میں اہل کتاب اور مشرکین مکہ کو پوری تنبیہ کر دی گئی کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی یعنی قرآن کو نہ مانے گا وہ عذاب عظیم کا مستحق ہوگا۔

ف۱ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جو انبیاء ہوئے ان سب کو بالاجمال ذکر فرما کر جو ان میں اولوالعزم ہیں اور جو مشہور اور جلیل القدر ہیں ان کو تخصیص اور تفصیل کے ساتھ ذکر فرما دیا جس سے خوب معلوم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر جو وحی نازل ہوئی اس کا حق ہونا اور اس کا ماننا ایسا ہی ضروری ہے جیسا تمام اولوالعزم اور مشاہیر انبیاء کی وحی کو اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام پر جو وحی آتی ہے کبھی فرشتہ پیغام لے کر آتا ہے کبھی کتاب لکھی ہوئی مل جاتی ہے کبھی بغیر پیغام اور بدون واسطہ کے خود اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے بات کرتا ہے مگر ان سب صورتوں میں چونکہ وہ اللہ کا ہی حکم ہے کسی دوسرے کا حکم نہیں تو بندوں پر اس کی اطاعت یکساں فرض ہے۔ بندوں تک پہنچنے کا طریقہ تحریر ہو خواہ تقریر ہو، خواہ پیغام ہو تو اب یہود کا یہ کہنا کہ تورات کی طرح پوری کتاب ایک دفعہ میں آسمان سے لاؤ گے تو ہم تم کو سچا جانیں گے ورنہ نہیں کتنی بے ایمانی اور حماقت ہے۔ جب وحی حکم الٰہی ہے اور اس کے نازل ہونے کی صورتیں البتہ متعدد ہیں تو پھر کسی صورت میں اس کے ماننے میں تردد اور انکار کرنا یا یہ کہنا کہ فلاں خاص طریقہ سے آئے گی تو مانوں گا ورنہ نہیں صریح کفر ہے اور کھلی حماقت۔

ف۲ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو برابر بھیجا کہ مومنوں کو خوشخبری سنائیں اور کافروں کو ڈرائیں تاکہ لوگوں کو قیامت کے دن اس عذر کی جگہ نہ رہے کہ ہم کو تیری مرضی اور غیر مرضی معلوم نہ تھی معلوم ہوتی تو ضرور اس پر چلتے۔ سو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو معجزے دے کر بھیجا اور پیغمبروں نے راہ حق بتلائی تو اب دین حق کے قبول نہ کرنے میں کسی کا کوئی عذر نہیں سنا جا سکتا۔ وحی الٰہی ایسی قطعی حجت ہے کہ اس کے روبرو کوئی حجت نہیں چل سکتی بلکہ سب حجتیں قطع ہو جاتی ہیں اور یہ اللہ کی حکمت اور تدبیر ہے اور اگر زبردستی کرے تو کون روک سکتا ہے مگر اس کو پسند نہیں۔

ف۳ یعنی وحی ہر پیغمبر کو آتی رہی یہ کچھ نئی بات نہیں سب کو معلوم ہے لیکن اس قرآن میں اللہ نے اپنا خاص علم اتارا اور اللہ اس حق کو ظاہر کر دے گا۔ چنانچہ جاننے والے جانتے ہیں کہ جو علوم اور حقائق قرآن مجید میں سے حاصل ہوئے اور برابر حاصل ہوتے رہیں گے وہ کسی کتاب سے نہیں ہوئے اور جس قدر ہدایت لوگوں کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی اور کسی سے نہیں ہوئی۔

لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ إِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

ہرگز اللہ بخشنے والا نہیں ان کو اور نہ دکھلاوے گا ان کو سیدھی راہ مگر راہ دوزخ کی رہا کریں اس میں

ہرگز اللہ بخشنے والا نہیں ان کو، اور نہ ان کو ملا دے راہ۔ مگر راہ دوزخ کی، پڑے رہیں اس میں

أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾

ہمیشہ اور یہ اللہ پر آسان ہے ف ۱

ہمیشہ۔ اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

جواب از شبہ اہل کتاب

قال تعالیٰ: ﴿إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ... الى... وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا﴾

ربط:...... گزشتہ رکوع میں اہل کتاب کی شناعتوں اور قباحتوں کو بیان کیا تا کہ معلوم ہوجائے کہ اہل کتاب کا وہ سوال جو ﴿يَسْـَٔلُكَ أَهْلُ الْكِتٰبِ﴾ میں منقول ہوا وہ سراسر جہل اور عناد پر مبنی ہے جس کا اجمالی اور الزامی جواب تو ﴿فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى أَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ﴾ کے ذریعہ دے دیا گیا اب اصل سوال کا تحقیقی اور تفصیلی جواب ارشاد فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اہل کتاب کا یہ کہنا اگر آپ ﷺ سچے نبی ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ پر بھی دفعۃً کوئی کتاب آسمان سے نازل کی جائے یہود کا یہ سوال سراسر جاہلانہ اور معاندانہ ہے اس لیے کہ اثبات نبوت کے لیے یہ سوال کہ توریت کی طرح آپ ﷺ پر کوئی کتاب دفعۃً نازل کی جائے محض لغو اور مہمل ہے۔

آنحضرت ﷺ سے پہلے بہت سی نبی گزر چکے ہیں جن کی نبوت اہل کتاب کے نزدیک مسلم ہے حالانکہ یہ حضرات کوئی آسمانی نوشتہ لے کر نہیں آئے تھے معلوم ہوا کہ نبوت کا ثبوت آسمانی نوشتہ کے نزول پر موقوف نہیں نبوت کی تصدیق کے لیے معجزہ کا صادر ہوجانا کافی ہے۔ خواہ کوئی معجزہ ہو ثبوت مدعا کے لیے یہ کافی ہے کہ کسی دلیل سے مدعا ثابت ہوجائے۔ خصم کو یہ اختیار نہیں کہ کسی خاص دلیل اور کسی خاص گواہ کا مطالبہ کرے اور نہ مستدل اور مدعی پر یہ ضروری ہے کہ خصم کی یہ خواہش پوری کرے۔ خصوصاً جب کہ اثبات دعوی کے لیے متعدد دلائل پیش ہو چکے ہوں پس جب آنحضرت ﷺ کی نبوت صدہا دلائل نبوت اور سینکڑوں معجزوں سے ثابت ہو چکی تو بغیر اس کے کہ ان میں کوئی خرابی نکالی جائے ایک خاص معجزہ اور من مانی دلیل کی درخواست کرنا صاف دلالت کرتا ہے کہ صرف عناد اور جھگڑا مقصود ہے طلب حق مقصود نہیں چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبی) ﷺ تحقیق ہم نے وحی بھیجی تیری طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح کی طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو نوح کے بعد ہوئے اور جس

ف ۱ قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور توثیق کے بعد فرماتے ہیں کہ اب جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منکر ہوئے اور تورات میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور حالات موجود تھے ان کو چھپالیا اور لوگوں پر کچھ کا کچھ ظاہر کر کے ان کو بھی دین حق سے باز رکھا۔ سو ایسوں کو نہ مغفرت نصیب ہوئی نہ ہدایت جس سے خوب واضح ہو گیا کہ ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں منحصر ہے اور گمراہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا نام ہے جس سے یہود کو پوری سرزنش ہو گئی اور ان کے خیالات کی تغلیط واضح ہو گئی۔

طرح ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہ السلام اور اولاد یعقوب میں جو نبی گزرے اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان علیہم السلام کی طرف وحی بھیجی اور جس طرح ہم نے داؤد علیہ السلام کو بتدریج زبور دی یعنی جیسے ہم نے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام وغیرہم کو نبی بنایا ویسا ہی تم کو بھی نبی بنایا آپ ﷺ کی نبوت اور ان کی نبوت میں کوئی فرق نہیں لوگوں کو ان حضرات کی نبوت کا علم مختلف معجزات سے ہوا موسیٰ علیہ السلام کی طرح پوری لکھی ہوئی کتاب یکدم ان میں سے کسی پر نازل نہیں ہوئی تمام نبیوں میں سے صرف موسیٰ علیہ السلام ایک ایسے نبی گزرے ہیں جن کو ساری کتاب ایک دفعہ ملی تھی ان کے سوا جتنے پیغمبر ہیں ان پر حسب ضرورت وقتاً فوقتاً وحی نازل ہوتی رہی پس جس طرح وحی کا تھوڑا تھوڑا اترنا اور لکھی ہوئی کتاب کا یکدم نازل نہ ہونا ان حضرات کی نبوت میں خلل انداز نہیں تو محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت میں کیسے خلل انداز ہوسکتا ہے۔ غرض یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی بھیجنے میں خدا تعالیٰ نے وہی طریقہ اختیار کیا جو حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف وحی نازل کرنے میں اختیار کیا اور حضرت داود علیہ السلام کو جو زبور عطا کی سو وہ بھی اس کیفیت سے اتری ہے جس کیفیت سے قرآن اترا ہے یعنی زبور بتدریج نازل ہوئی اور علماء اہل کتاب زبور کو منزل من اللہ مانتے ہیں چونکہ مقصود ان آیات سے یہود کے اس شبہ کا جواب دینا ہے کہ تصدیق نبوت کے لیے یکدم لکھی ہوئی کتاب کا نازل ہونا ضروری نہیں اس لیے کہ سلسلہ کلام میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں فرمایا اور کتنے ہی رسول جن کا حال اس سے پہلے ہم کی سورتوں میں آپ ﷺ سے بیان کر چکے ہیں اور کتنے ہی رسول ہیں جن کا حال ہم نے آپ ﷺ سے بیان نہیں کیا ان سب کو اللہ نے پیغمبر بنایا اور حسب ضرورت تھوڑی تھوڑی وحی ان پر نازل کی مگر بلا واسطہ فرشتہ کے ان میں سے کسی سے بھی اللہ نے کلام کیا اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ فرشتہ کے کلام کیا یہ خاص ان کی خصوصیت تھی تو کیا اس سے یہ لازم آیا کہ سوائے موسیٰ علیہ السلام کے جن سے اللہ نے بلا واسطہ فرشتہ کے کلام نہیں کیا وہ نبی نہ ہوں اس طرح اگر کسی نبی کو موسیٰ علیہ السلام کی طرح یکبارگی کتاب نہ ملے تو کیا اس کی نبوت میں کوئی خلل آجائے گا۔

تمام نبیوں پر وحی فرشتہ کے ذریعہ آئی ہے مگر موسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا کی کہ خدا نے ان سے پس پردہ کلام کیا اور فرشتہ کا واسطہ درمیان میں نہ رکھا یہ ان پر خدا تعالیٰ کی خاص عنایت تھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس میں یہ خصوصیت نہ پائی جائے وہ نبی ہی نہیں اسی طرح لکھی ہوئی کتاب کا یکدم نازل ہونا موسیٰ علیہ السلام کی خاص خصوصیت تھی نبوت کی شرط نہیں حق تعالیٰ کی سنت ہے کہ ہر نبی کو کسی خاص فضیلت اور کسی خاص معجزہ سے سرفراز فرماتے ہیں کسی میں کوئی فضیلت رکھی اور کسی میں کوئی موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے اپنا کلام سنایا مگر اپنے دیدار سے محروم رکھا اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کو شب معراج میں اپنے کلام سے اور اپنے دیدار پر انوار سے مشرف فرمایا (هذا كله توضيح كلام الامام الرازي في التفسير الكبير: ۳/ ۳۵۴، وهو نفيس ولطيف جدا)۔

خلاصہ کلام یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اس پر موقوف نہیں کہ ان پر لکھی ہوئی کتاب (توریت) یکدم نازل ہوئی تھی بلکہ اگر بالفرض ان پر کوئی نوشتہ خداوندی بھی نازل نہ ہوتا تو ان کا صاحب وحی اور صاحب کلام الٰہی اور صاحب معجزات ہونا یہ

ان کے دعوائے نبوت کی تصدیق کے لیے کافی تھا نیز موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمانا توریت کتاب الٰہی ہے یہ موسیٰ علیہ السلام کا ایک دعویٰ ہے اس کی تصدیق خود ان کی تصدیق نبوت پر موقوف ہے پس ثابت ہو گیا کہ یہود کا آنحضرت ﷺ سے یہ کہنا کہ اگر آپ ﷺ سچے نبی ہیں تو موسیٰ علیہ السلام کی طرح لکھی کتاب یکدم آپ پر بھی نازل ہونی چاہیے بالکل مہمل اور لایعنی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے رسول اس لیے بھیجے تاکہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ پر الزام رکھنے کی کوئی جگہ نہ رہے۔ یعنی رسولوں کے بھیجنے سے ہماری محض یہ غرض ہے کہ لوگوں کو احکام خداوندی سے آگاہ کریں اور فرمانبرداروں کو انعام خداوندی کی خوش خبری سنائیں اور نافرمانوں کو عذاب سے ڈرائیں تاکہ قیامت کے دن لوگ خدا کے سامنے یہ عذر نہ کر سکیں کہ ہمیں آپ کے احکام اور مرضی، نامرضی کا علم نہ تھا اگر ہمارے پاس آپ کے پیغمبر آتے تو ہم ضرور ان کا حکم مانتے کما قال تعالیٰ: ﴿لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ یہ آیت بھی یہود کے اسی سابق سوال کا دوسرا جواب ہے اور مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام کے بھیجنے سے مقصود فرمانبرداروں کو بشارت دینا اور نافرمانوں کو ڈرانا ہے خواہ ایک دم کتاب نازل کی جائے یا پارہ پارہ کر کے نازل کی جائے مقصود ہر حال میں حاصل ہے بلکہ تھوڑا تھوڑا نازل کرنے میں فائدہ زیادہ ہے اس لیے کہ انسان یکبارگی تمام احکام نازل ہونے سے گھبراتا ہے اور تھوڑے تھوڑے احکام پر عمل کرنا آسان ہوتا ہے پس یکدم کتاب نازل کرنے کی درخواست کرنا سراسر لغو اور بے جا ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے اسے یکدم کتاب کا نازل کرنا کوئی دشوار نہیں لیکن اس کی حکمت اس امر کو مقتضی ہوئی کہ یہودیوں کی اس معاندانہ اور مہمل درخواست کو پورا نہ کیا جائے اور نہایت حکیمانہ طریق سے اس شبہ کا قلع قمع کر دیا جائے۔

خلاصہ [1] کلام

حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام وغیرہم کی طرح محمد رسول اللہ ﷺ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں۔ یہود اپنے عناد اور ہٹ دھرمی سے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی شہادت نہ دیں لیکن واقع میں آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی بذریعہ اس کتاب کے جو اس نے آپ ﷺ کی طرف اتاری یعنی یہ قرآن آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی دیتا ہے اس لیے کہ اس کا اعجاز اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ نے اس قرآن کو اپنے خاص علم کے ساتھ اتارا ہے جو علوم اور معارف اس کتاب میں ودیعت رکھے ہیں وہ کسی کتاب میں نہیں اس کے علوم اور معارف ادراک بشری سے کہیں بالا اور برتر ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن کے عجائب و غرائب کبھی ختم نہیں ہو سکتے اور یہ قرآن منبع ہدایت ہے جس قدر ہدایت لوگوں کی قرآن سے ہوئی اور وہ کسی کتاب سے نہیں ہوئی اور فرشتے بھی آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی گواہی دیتے ہیں جنگ بدر اور جنگ حنین اور دیگر مواضع میں بحکم خداوندی فرشتے آپ ﷺ کی تائید کے لیے نازل ہوئے اور

[1] خلاصہ کلام سے جو عبارت ہے وہ ﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ﴾ کے استدراک کی توضیح وتشریح کے لیے ہے۔ کما قال الامام الرازی وغیرہ لما انزل انا اوحینا الیك قالوا نحن لا نشهد لك بذلك لكن الله يشهد الخ (تفسیر کبیر: ۳/۳۵۵، والبحر المحیط: ۳/۳۹۹)، وقال شیخ الاسلام ابو السعود هو استدراك عما يفهم مما قبله كانهم لما تعنتوا عليه بما سبق من السؤال واحتج۔ عليهم بقوله انا اوحينا اليك الخ قيل انهم لا يشهدون بذلك لكن يشهد بما انزل اليك۔

بالفرض کوئی بھی آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت نہ دے تو خدا تعالیٰ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کا کافی گواہ ہے اللہ کی گواہی کے بعد کسی کی گواہی کی ضرورت نہیں مطلب یہ ہے کہ یہود باوجود شبہ رفع ہوجانے کے پھر بھی آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت نہ دیں تو پرواہ نہ کیجئے خدا تعالیٰ آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت دیتا ہے اور خدا کی شہادت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دلائل نبوت یعنی معجزات عطا کیے اور یہ کتاب مستطاب یعنی قرآن آپ ﷺ پر اتارا جس کا اعجاز اور اس کی بے نظیر فصاحت وبلاغت اور اس کا اخبار غیبیہ پر مشتمل ہونا اس امر کی کافی دلیل ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور وہ آپ ﷺ کے نبی ہونے کی شہادت دیتا ہے بے شک جن لوگوں نے شبہ دور ہوجانے کے بعد بھی آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کیا اور آپ ﷺ کی بشارتوں اور صفتوں کو چھپالیا اور لوگوں کو خدا کی راہ سے روکا یقیناً وہ راہ راست سے بہت دور جا پڑے تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اور حق کو دبایا اور حق قبول کرنے والوں کو ستایا تو نہیں ہے خدا تعالیٰ ایسا کہ ایسوں کو معاف کردے اور نہ وہ ایسا ہے کہ ان کو کوئی راہ دکھاوے یا چلاوے مگر جہنم کی راہ نہیں سیدھا جہنم میں پہنچائے گا جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کسی وقت بھی کوئی راہ اس سے نکلنے کی نہ ہوگی یہود اس خیال خام میں نہ رہیں کہ چند روز کے بعد جہنم سے باہر آجائیں گے اور یہ امر اللہ پر بہت ہی آسان ہے یعنی اہل عناد کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈال دینا اللہ پر آسان ہے اس امر کے لیے اسے کسی سامان اور اہتمام کی ضرورت نہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَإِنْ

اے لوگوں تمہارے پاس رسول آچکا ٹھیک بات لے کر تمہارے رب کی سو مان لو تاکہ بھلا ہو تمہارا اور اگر

لوگو! تم پاس رسول آ چکا، ٹھیک بات لے کر تمہارے رب کی، سو مانو کہ بھلا ہو تمہارا، اور اگر

تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧٠﴾

نہ مانو گے تو اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ف۱

نہ مانو گے تو اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں۔ اور اللہ سب خبر رکھتا ہے حکمت والا۔

خطاب عام برائے قبول دعوت حق

قال تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ ... الی ... كَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾

ربط:...... نبوت محمدیہ کے متعلق یہود کے تمام شکوک اور شبہات کا کافی اور شافی جواب دینے کے بعد تمام بنی آدم کو حق کی دعوت دیتے ہیں کہ دین محمدی میں داخل ہوجاؤ! محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول برحق ہیں اللہ کی طرف سے حق کو لے کر آئے ہیں اس کو قبول کرو اسی میں تمہاری بھلائی اور بہتری ہے اور اگر نہیں قبول کرتے تو اللہ کو اس کی پرواہ نہیں وہ آسمان وزمین کا

ف۱ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب کی تصدیق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین یعنی اہل کتاب کی تغلیط اور تضلیل بیان فرما کر اب عام سب لوگوں کو منادی کی جاتی ہے کہ اے لوگوں ہمارا رسول سچی کتاب اور سچا دین لیکر تمہارے پاس پہنچ چکا اب تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ اس کی بات مانو اور نہ مانو گے تو خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اور تمہارے تمام احوال اور افعال سے خبردار ہے، تمہارے اعمال کا پورا حساب وکتاب ہو کر اس کا بدلہ ملے گا۔

فائدہ: اس ارشاد سے بھی صاف معلوم ہوگیا کہ وحی جو پیغمبر پر نازل ہو اس کا ماننا فرض اور اس کا انکار کفر ہے۔

مالک ہے تمام فرشتے اور شجر وحجر سب اس کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں اسے تمہاری تسبیح اور تحمید کی کوئی حاجت نہیں چنانچہ فرماتے ہیں
اے لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے اللہ کے سچے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ دین حق لے کر آ چکے ہیں جس سے
مقصود تمہاری تربیت ہے اور حق تو جس طرح بھی پہنچے اس کے قبول میں تامل نہ کرنا چاہیے تھوڑا تھوڑا اور چاہے یکدم اور پھر
مزید برآں یہ کہ وہ رسول برحق، حق اور صداقت کو لے کر خود تمہارے پاس پہنچ گیا چاہے تو یہ تھا کہ تم خود حق کی تلاش میں نکلتے
لیکن ستم بالائے ستم یہ ہے کہ پیغمبر خدا تو حق لے کر تمہارے پاس پہنچ گیا اور تم ہو کہ اس میں خدشے نکال رہے ہو کہ یہ دین حق
تھوڑا تھوڑا ہو کر کیوں نازل ہو رہا ہے یکدم کتابی شکل میں کیوں نازل نہیں ہو جاتا پس عقل اور دانائی کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس حق
اور اس رسول برحق پر تم فوراً ایمان لے آؤ ایمان لانا ہی تمہارے لیے بہتر ہوگا اور اگر آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کو نہیں
مانو گے تو اللہ کو تمہارے ایمان کی کوئی حاجت نہیں تحقیق اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ایمان لانے
میں تمہارا ہی نفع ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا اسے تمہارے ایمان اور کفر کی سب خبر ہے اور اس
کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

يَٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ ؕ إِنَّمَا الْمَسِيْحُ

اے کتاب والو مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں اور مت کہو اللہ کی شان میں مگر پکی بات بیشک مسیح جو ہے

اے کتاب والو! مت مبالغہ کر اپنے دین کی بات میں، اور مت بولو اللہ کے حق میں مگر بات تحقیق۔ مسیح جو ہے

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ أَلْقٰهَآ إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

عیسیٰ مریم کا بیٹا وہ رسول ہے اللہ کا اور اس کا کلام ہے جس کو ڈالا مریم کی طرف اور روح ہے اس کے ہاں کی سو مانو اللہ کو

عیسیٰ مریم کا بیٹا، رسول ہے اللہ کا۔ اور اس کا کلام جو ڈال دیا مریم کی طرف، اور روح اس کے ہاں کی۔ سو مانو اللہ کو

وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ إِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗٓ أَنْ يَّكُوْنَ

اور اس کے رسولوں کو اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں اس بات کو چھوڑو بہتر ہوگا تمہارے واسطے بیشک اللہ معبود ہے اکیلا اس کے لائق نہیں ہے کہ

اور اس کے رسولوں کو۔ اور مت بتاؤ اس کو تین۔ یہ بات چھوڑو، کہ بھلا ہو تمہارا۔ اللہ جو ہے سو ایک معبود ہے۔ اس لائق نہیں کہ اس

ع لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ

اس کے اولاد ہو فـ۱ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کارساز فـ۲ مسیح کو اس سے ہرگز

کی اولاد ہو۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمان و زمین میں ہے۔ اور اللہ بس ہے کام بنانے والا۔ مسیح ہرگز برا نہ

فـ۱ اہل کتاب اپنے انبیاء علیہم السلام کی تعریف میں غلو سے کام لیتے اور حد سے نکل جاتے خدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگتے۔ سو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ دین کی بات میں مبالغہ مت کرو اور جس سے اعتقاد ہو اس کی تعریف میں حد سے نہ بڑھنا چاہیے۔ جتنی بات تحقیق ہو اس سے زیادہ نہ کہے اور حق تعالیٰ کی شان مقدس میں بھی وہی بات کہو جو پکی اور محقق ہو اپنی طرف سے کچھ مت کہو۔ تم نے یہ کیا غضب کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو کہ رسول اللہ ہیں اور اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے تھے ان کو وحی کے خلاف خدا کا بیٹا کہنے لگے اور تین خدا کے معتقد ہو گئے۔ ایک خدا، دوسرے عیسیٰ، تیسرے حضرت مریم۔ ان باتوں سے باز آؤ اللہ تعالیٰ واحد اور یکتا ہے کوئی اس =

الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۗ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ

عار نہیں کہ وہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ فرشتوں کو جو مقرب ہیں ف۱ اور جس کو عار آوے اللہ کی بندگی سے

مانے اس سے کہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ فرشتے نزدیک والے۔ اور جو کوئی کنیائے اللہ کی بندگی سے،

وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ﴿۱۷۲﴾ فَأَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور تکبر کرے سو وہ جمع کرے گا ان سب کو اپنے پاس اکٹھا پھر جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے

اور تکبر کرے، سو وہ جمع کرے ان سب کو اپنے پاس اکٹھا۔ پھر جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک،

فَيُوَفِّيْهِمْ أُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَأَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا

انہوں نے اچھے تو ان کو پورا دے گا ان کا ثواب اور زیادہ دے گا اپنے فضل سے اور جنہوں نے عار کی اور تکبر کیا سو

سو ان کو پورا کر دے گا ان کا ثواب، اور بڑھتی دیگا اپنے فضل سے۔ اور جو کنیائے اور تکبر کیا، سو

فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾ يٰٓأَيُّهَا

ان کو عذاب دے گا عذاب دردناک اور نہ پاویں گے اپنے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار ف۲ اے

ان کو مارے گا دکھ کی مار۔ اور نہ پائیں گے اپنے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی نہ مددگار۔ اے

= کا شریک نہیں اور نہ کوئی اس کا بیٹا ہوسکتا ہے۔ اس کی ذات پاک اور اس سے منزہ اور مقدس ہے۔ یہ تمام خرابی اس کی ہے کہ تم نے وحی کی اطاعت اور پابندی نہ کی۔ وحی کی متابعت کرتے تو خدا کے لئے بیٹا نہ مانتے اور تین خدا کے قائل ہو کر صریح مشرک نہ ہوتے اور محمد رسول اللہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید افضل الکتب کی تکذیب کر کے آج ڈبل کافر نہ بنتے۔

فائدہ: اہل کتاب کے ایک فریق نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول بھی نہ مانا اور قتل کرنا پسند کیا، جن کا ذکر پہلے گزرا۔ دوسرے فریق نے ان کو خدا کا بیٹا کہا دونوں کافر ہو گئے دونوں فریق کی گمراہی کا سبب یہی ہوا کہ وحی کے خلاف کیا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ نجات وحی کی متابعت میں منحصر ہے۔

ف۲ یعنی آسمانوں اور زمین میں نیچے سے اوپر تک جو کچھ ہے سب اس کی مخلوق اور اس کی مملوک اور اس کے بندے ہیں پھر کیسے اس کا شریک یا اس کا بیٹا کون اور کیونکر ہوسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کام بنانے والا ہے اور سب کی کارسازی کے لئے وہی کافی ہے اور کسی دوسرے کی حاجت نہیں، پھر بتلائیے اس کو شریک یا بیٹے کی حاجت کیسے ہوسکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ نہ کسی مخلوق میں اس کے شریک بننے کی قابلیت اور لیاقت اور نہ اس کی ذات پاک میں اس کی گنجائش اور نہ اس کو اس کی حاجت جس سے معلوم ہو گیا کہ مخلوقات میں سے کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک یا بیٹا کہنا اس کا کام ہے جو ایمان اور عقل دونوں سے محروم ہو۔

فائدہ: مضمون بالا سے یہ سمجھ میں آ گیا کہ جو کوئی حق تعالیٰ کے لئے بیٹا یا کسی کو اس کا شریک مانتا ہے وہ حقیقت میں جمیع موجودات کو مخلوق باری اور باری تعالیٰ کو خالق جملہ موجودات نہیں مانتا اور نیز اللہ تعالیٰ کو سب کی حاجت براری اور کارسازی کے لئے کافی نہیں جانتا گویا خدا کو خدائی سے نکال کر مخلوقات اور ممکنات میں داخل کر دیا تو اب ارشاد (سبحانہ ان یکون لہ ولد) میں جس ناپاکی کی طرف اشارہ خفی تھا اس کا پتہ چل گیا اور فرزند حقیقی اور فرزند مجازی اور ظاہری دونوں میں وہ ناپاکی چونکہ برابر موجود ہے تو خوب سمجھ میں آ گیا کہ اس کی ذات مقدس جیسے اس سے پاک ہے کہ اس کے بیٹا پیدا ہو ایسا ہی اس سے بھی پاک اور برتر ہے کہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بیٹا بنائے۔

ف۱ یعنی اللہ کا بندہ ہونا اور اس کی عبادت کرنا اور اس کے حکموں کو بجا لانا تو اعلیٰ درجہ کی شرافت اور عزت ہے حضرت مسیح علیہ السلام اور ملائکہ مقربین سے اس نعمت کی قدر اور ضرورت پوچھیے ان کو اس سے کیسے ننگ اور عار آ سکتا ہے۔ البتہ ذلت اور غیرت تو اللہ کے سوا کسی دوسرے کی بندگی میں ہے جیسے نصاریٰ نے حضرت مسیح کو ابن اللہ اور معبود مان لیا اور مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مان کر ان کی اور بتوں کی عبادت کرنے لگے سو ان کے لئے ہمیشہ کا عذاب اور ذلت ہے۔ =

النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

لوگوں تمہارے پاس پہنچ چکی تمہارے رب کی طرف سے سند اور اتاری ہم نے تم پر روشنی واضح سو جو

لوگو! تم پاس پہنچ چکی، تمہارے رب کی طرف سے سند، اور اتاری ہم نے تم پر روشنی واضح۔ سو جو

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ

لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کو مضبوط پکڑا تو ان کو داخل کرے گا اپنی رحمت اور فضل میں اور پہنچا دے گا ان کو اپنی طرف

یقین لائے اللہ پر، اور اس کو مضبوط پکڑا تو ان کو داخل کرے گا اپنی مہر میں اور فضل میں، اور پہنچا دے گا اپنی طرف

صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾

سیدھے راستہ پر ف ۱

سیدھی راہ۔

خطاب خاص باہل کتاب باعتاب نصیحت مآب

قال تعالیٰ: ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ... الی... صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں یہود کے شبہات اور معاندانہ سوالات کے جوابات ارشاد فرمائے ہیں اور ان کے قبائح وفضائح سب کے سامنے کھول دیے جنہیں وہ چھپاتے تھے پس جب آنحضرت ﷺ کی نبوت ثابت ہوگئی تو اس کے بعد ایک خطاب عام فرمایا اور تمام بنی آدم کو دین حق اور رسالت محمدیہ کی تصدیق کی دعوت دی اب خطاب عام کے بعد پھر اہل کتاب کو خطاب خاص فرماتے ہیں اور گو عنوان عام ہے مگر اصل مقصود بالخطاب، نصاریٰ ہیں جس میں ان کو اس کی نصیحت ہے کہ اپنے عقائد فاسدہ سے باز آ کر خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اور اگر انحراف کریں گے تو انہیں بہت سخت عذاب ہوگا اور چونکہ ان کے عقائد فاسدہ کا اصل سبب یہی تھا کہ ان کی طبیعت میں غلو یعنی مبالغہ پسندی تھی جس کے معتقد ہوئے اس کو حد سے بڑھا

=ف ۲ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی سے ناک چڑھاوے گا اور سرکشی کرے گا تو وہ یونہی نہ چھوڑ دیا جائے گا بلکہ ایک روز سب کو اللہ کے سامنے جمع ہونا ہے اور حساب دینا ہے۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے یعنی اللہ کی بندگی پوری بجالائے ان کو ان کے کاموں کا پورا ثواب ملے گا بلکہ اللہ کے فضل سے بڑی بڑی نعمتیں ان کے ثواب سے زیادہ بھی ان کو عنایت ہوں گی اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی بندگی سے ناک چڑھائی اور سرکشی کی وہ عذاب عظیم میں گرفتار ہونگے اور کوئی ان کا خیر خواہ اور مددگار نہ ہوگا۔ جن کو اللہ کی بندگی میں شریک کر کے عذاب میں پڑے وہ بھی کام نہ آئیں گے۔ سو اب نصاریٰ خوب سمجھ لیں کہ ان دونوں صورتوں میں سے ان کے مناسب حال کیا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے موافق شان کیا ہے۔

ف ۱ پہلے وحی الٰہی اور بالخصوص قرآن مجید کی عظمت اور اس کی حقانیت کا بیان اور اس کی متابعت اور اتباع کی تاکیدات کا ذکر تھا۔ اسی کے ذیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت اور ان کے ابن اللہ ہونے کا ذکر کیا تھا جس کے قائل نصاریٰ تھے۔ اس کی تردید اور ابطال کے بعد اب اخیر میں پھر اسی اصلی اور ضروری بات کی سب کو تاکید فرمائی جاتی ہے کہ اے لوگو! تمہارے پاس رب العالمین کی طرف سے حجت کامل اور نور روشن پہنچ چکا جو ہدایت کے لئے کافی اور وافی ہے یعنی قرآن مجید۔ اب کسی تامل اور تردد کی گنجائش نہیں۔ سو جو کوئی اللہ پر ایمان لائے گا اور اس مقدس کتاب کو مضبوط پکڑے گا وہ اللہ کی رحمت اور فضل میں داخل ہوگا اور براہ راست اس تک پہنچے گا اور جو اس کے خلاف کرے گا اس کی گمراہی اور خرابی اسی سے سمجھ لیجئے۔

دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت ورسالت سے بڑھا کر الوہیت کا درجہ دے دیا اس لیے حق تعالیٰ نے سب سے پہلے اسی غلو اور مبالغہ کے ترک کا حکم دیا جو ان کی گمراہی کا اصل سبب تھا اور خاص طور پر اہل کتاب کو مخاطب بنایا کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو کیونکہ یہ ایسی پاکیزہ اور عمدہ بات ہے کہ کسی کو اس کے تسلیم کرنے میں تردد نہیں ہوسکتا اور یہی بلاغت کا کمال ہے اور اسی کو حسن استدلال کہتے ہیں کہ اولاً ایک مقدمہ مسلمہ پیش کر دیا جائے تاکہ مخاطب اس کا انکار نہ کر سکے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے اہل کتاب اپنے دین میں مبالغہ نہ کرو یعنی حد سے آگے نہ بڑھو اور حد سے زیادہ کسی کی تعظیم نہ کرو اور اللہ کی نسبت سوائے حق کے کوئی لفظ نہ کہو تمہارا حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہنا خدا تعالیٰ کی تنقیص ہے اور خدا کے ذمہ جھوٹ لگانا ہے کہ اس نے حضرت عیسیٰ کو اپنا بیٹا بنایا ہے اور اہل کتاب کے دو گروہ تھے ایک یہود اور ایک نصاریٰ۔ یہود نے حضرت مسیح کی تنقیص کی اور ان کی شان کو گھٹایا اور ان کے قتل کے درپے ہوئے اور ان کی والدہ مطہرہ کو متہم کیا غرض یہ کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تحقیر میں حد سے گزر گئے اور نصاریٰ ان کی تعظیم میں حد سے گزر گئے اور ان کی تعظیم میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا اس آیت میں اہل کتاب سے خاص طور پر نصاریٰ مراد ہیں گزشتہ رکوع میں یہود کی غلطی بیان فرمائی اب اس کے بعد خاص طور پر نصاریٰ کو نصیحت فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق غلط عقیدہ نہ رکھیں اور نصاریٰ کے اکثر فرقے خدا کی ذات میں باامتیاز حقیقی تین اقنوم کے قائل ہوئے اور اس کا نام تثلیث رکھا اور پھر تماشہ یہ کہ یہ کہا کہ تین ایک میں ہیں اور ایک تین میں ہے اور یہ نصاریٰ کا بنیادی عقیدہ ہے اور نجات کی سیڑھی ہے اور اس کو وہ توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید کے نام سے موسوم کرتے ہیں نصاریٰ کے کل چار فرقے تھے: یعقوبیہ، ملکانیہ، نسطوریہ، مرقوسیہ ان میں سے یعقوبیہ اور ملکانیہ مسیح کو خدا کہتے تھے اور نسطوریہ خدا کا بیٹا اور مرقوسیہ ان کو تین کا تیسرا قرار دیتے تھے یعنی انکا عقیدہ یہ تھا کہ خدا تین اقنوم ہیں یعنی خدا باپ اور بیٹے اور روح القدس سے مرکب ہے ان میں سے ایک قنوم عیسیٰ ہے تو عیسیٰ تین خداؤں میں سے ایک خدا ہے گویا کہ عیسائی مذہب میں الوہیت کے تین رکن ہیں جن سے خدائی قائم ہے۔

حق جل شانہ نے اس آیت میں ان چاروں فرقوں کی تردید فرمائی ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے اہل کتاب دین میں غلو اور مبالغہ نہ کرو اپنی طرف سے دین میں کسی بات کو داخل کرنا درحقیقت اللہ پر جھوٹ بولنا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے حالانکہ اللہ نے اس کا حکم نہیں دیا لفظ ﴿لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ﴾ سے گمراہی کا مبدأ اور منشاء بیان فرمایا کہ ہر گمراہی کا اصل سبب دین میں غلو اور مبالغہ ہے اور لفظ ﴿لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ سے گمراہی کا منتہیٰ اور اس کا انجام بیان فرمایا کہ غلو اور مبالغہ کا انجام یہ ہوتا ہے کہ دین میں وہ باتیں داخل ہو جاتی ہیں جن کا اللہ نے حکم نہیں دیا اور بغیر حکم خداوندی کسی چیز کو دین کہنا اور موجب ثواب وعقاب بتانا یہ اللہ پر جھوٹ بولنے کے مرادف ہے وقال تعالیٰ: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنا اللہ پر جھوٹ بولنا ہے وہ وحدہ لاشریک لہ ہے نہ کوئی اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کوئی اس کی بیوی ہے اور نہ کوئی اس کی اولاد ہے خدا تعالیٰ شرکت اور حلول سب سے پاک اور منزہ ہے خدا نے ہرگز نہیں کہا کہ مسیح میرا بیٹا ہے جز ایں نیست کہ مسیح یعنی عیسیٰ بن مریم خدا کے پیغمبر ہیں وہ خدا کے بیٹے نہیں بلکہ وہ مریم کے بیٹے ہیں اور ظاہر ہے کہ عورت کا مولود معبود اور معبود کا بیٹا نہیں ہوسکتا حضرت عیسیٰ صرف پیغمبر خدا ہیں خدا سے انکا کوئی نسب اور

رشتہ نہیں اور وہ اللہ کا کلمہ ہیں جس کو اللہ نے مریم کی طرف ڈالا اور اللہ کی طرف سے ایک خاص روح ہیں مسیح کو خدا کا کلمہ اس لیے کہا کہ وہ محض کلمہ کن سے پیدا ہوئے اور ان کی پیدائش عام لوگوں کی طرح کسی مادہ منویہ سے نہیں ہوئی اور چونکہ ان کی ولادت، روح الامین کے نفخۂ روحانیہ سے ہوئی اور روحانیت ان پر خاص طور پر غالب تھی اس لیے ان کو روح منہ فرمایا۔

اس جگہ حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کے چار وصف بیان فرمائے ہیں۔

پہلا وصف:...... یہ ہے کہ وہ ابن مریم ہیں یعنی بحکم خداوندی بغیر باپ کے صرف ماں سے پیدا ہوئے معاذ اللہ حرام فعل کی بناء پر نہیں جیسا کہ یہود کہتے ہیں اور معاذ اللہ نہ خدا ہیں اور نہ خدا کے بیٹے جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں۔

دوسرا وصف:...... رسول اللہ ہے یعنی وہ خدا کے رسول تھے اور اس میں یہود کا بھی رد ہے اور نصاریٰ کا بھی یہود ان کو اللہ کا رسول نہیں سمجھتے تھے بلکہ معاذ اللہ ان کو جھوٹا اور جادوگر کہتے تھے اور نصاریٰ ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے تھے کہ خدا نے مریم کے پیٹ میں حلول کیا اور انسانی صورت میں ظاہر ہوا جیسا کہ ہنود اپنے اوتاروں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ لفظ رسول اللہ میں اللہ نے دونوں کا رد فرمایا۔

تیسرا وصف:...... یہ کہ وہ اللہ کا کلمہ تھے یعنی صرف کلمہ کن سے بلا توسط اسباب پیدا ہوئے اگرچہ تمام لوگوں کی خلقت اللہ ہی کے کلمہ سے ہوئی ہے مگر چونکہ بظاہر اور لوگوں میں کچھ اسباب ظاہری کا بھی لگاؤ ہوتا ہے اور حضرت مسیح کی ولادت میں یہ بھی نہ تھا اس لیے ان پر کلمہ اللہ کا اطلاق زیادہ موزوں ہوا اس صفت میں اشارہ اس طرف تھا کہ دشمن آپ کے قتل پر قادر نہ ہوں گے اس لیے کہ کوئی شخص اللہ کے کلمہ کو پست نہیں کر سکتا اللہ کا کلمہ اوپر ہی کو چڑھے گا کما قال تعالیٰ: ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾۔

چوتھا وصف:...... ﴿رُوحٌ مِّنْهُ﴾ ہے یعنی حضرت عیسیٰ اللہ کی طرف سے ایک پاکیزہ اور لطیف روح ہیں جو روح الامین کے پھونک مارنے سے ظہور پذیر ہوتی ہے صورت آپ کی اگرچہ بشری ہے مگر فطرت اور اندرونی حقیقت ملکی اور جبرئیل ہے۔

نقش آدم لیک معنی جبرئیل رستہ از جملہ ہواؤ وقال وقیل

اور عجب نہیں کہ اسی بناء پر آپ کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہو کہ جس طرح کلمہ کے الفاظ اور حروف میں ایک لطیف معنی مستور ہوتے ہیں اسی طرح حضرت مسیح کی صورت بشریہ میں ایک نہایت لطیف شی یعنی حقیقت ملکیہ اور معنی جبرائیلی مستور اور مخفی تھے۔

نقابیست ہر سطر من زیں کتیب فرو ہشتہ برعارض دلفریب
معانی است درزیر حرف سیاہ چو در پردہ معشوق و در میغ ماہ

اور اس وصف میں اشارہ اس طرف تھا کہ جب آپ کی فطرت ملکی اور روحانی ہے تو ملائکہ اور روحانین کی طرح آپ کے لیے عمر بھر ایک مرتبہ عروج الی السماء اور نزول ضرور پیش آئے گا کما قال تعالیٰ: ﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ﴾ ''فرشتے اور روح جبرائیل آسمان پر جاتے ہیں۔'' ﴿تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ﴾ ''فرشتے اور روح جبریل آسمان سے اترتے ہیں۔''

پس جس طرح روح الامین کے لیے عروج اور نزول ثابت ہے اسی طرح جناب مسیح علیہ السلام جو خدا کی ایک خاص روح ہیں اور روح الامین کے پھونک مارنے سے ظہور پذیر ہوئے ہیں کے لیے بھی ضرور عروج الی السماء اور نزول الی الارض ہوگا اور چونکہ حضرت مسیح کو سراپا روح قرار دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ وہ سراپا من جانب اللہ ایک روح ہیں اور یہ نہیں کہا گیا فیہ روح (یعنی اس میں روح ہے) اس لیے یہود ان کے قتل پر قادر نہ ہوئے اس لیے کہ قتل جسم کا ممکن ہے روح کا قتل ممکن نہیں پس جس کو خدا تعالیٰ ﴿رُوْحٌ مِّنْهُ﴾ کہے اس کو کون قتل کر سکتا ہے۔

اور چونکہ حق تعالیٰ نے آپ کو ﴿رُوْحٌ مِّنْهُ﴾ فرمایا اور روح کا خاصہ یہ ہے کہ جس شی سے روح کا اتصال ہو جاتا ہے وہ شی زندہ ہو جاتی ہے اس لیے آپ کو احیائے موتی کا معجزہ عطا کیا گیا حضرت عیسیٰ کے ہاتھ پھیرنے پر مردہ زندہ ہو جاتا تھا اس لیے کہ حضرت عیسیٰ خدا تعالیٰ کی خاص روح تھے جس سے خدا کی یہ روح ملتی وہ شے باذن اللہ زندہ ہو جاتی۔

خلاصہ کلام یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندہ اور رسول تھے اور ان صفات فاضلہ مذکورہ کے ساتھ موصوف تھے معاذ اللہ خدا اور خدا کا بیٹا نہ تھے پس اے اہل کتاب تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر صحیح ایمان لاؤ کہ اللہ ایک ہے نہ اس کے بیوی ہے اور نہ اولاد ہے اور حضرت عیسیٰ اللہ کے رسول ہیں اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں یعنی یہ خیال نہ کرو کہ خدائی تین چیزوں کا مجموعہ ہے جیسا کہ بعض نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ خدا تین ہیں باپ، بیٹا اور روح القدس اور انہیں تین چیزوں کو نصاریٰ اقانیم ثلاثہ کہتے ہیں کہ پس اے اہل کتاب تم باز آ جاؤ تین خدا کہنے سے یعنی تثلیث اور اتحاد اور حلول کے عقیدہ سے تو یہ کرو یہی تمہارے لیے دنیا اور آخرت میں بہتر ہوگا کیونکہ جزایں نیست کہ اللہ ہی تمہارا ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی دوسرا اور تیسرا معبود نہیں اور جو شخص تین خدا کا قائل ہے وہ توحید کا منکر ہے اور وہ نادان الوہیت میں جمہوریت کا قائل ہے اور توحید کا قائل ہو جانا اور تثلیث سے باز آ جانا اور اسی دنیا اور آخرت کی بہتری ہے دنیا کی بہتری تو یہ ہے کہ لوگ تم کو بے عقل نہ کہیں گے اور آخرت کا فائدہ یہ ہے کہ عذاب سے نجات پاؤ گے۔

عقیدہ تثلیث کے ابطال کے بعد عقیدہ ابنیت کو باطل فرماتے ہیں اللہ منزہ ہے اس سے کہ اس کے لیے کوئی فرزند ہو کیونکہ ولد، والد کا جزء ہوتا ہے اور باپ سے حادث (پیدا) ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ تجزی اور حدوث سے پاک ہے، نیز ولادت خاصہ حیوان کا ہے جس سے خدا تعالیٰ منزہ ہے نیز جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کی ملک ہے جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں اور غلام کی طرح بیٹا باپ کا مملوک نہیں نیز بیٹا باپ کے مماثل اور مشابہ ہوتا ہے اور خدا کا کوئی مثل نہیں۔ نیز باپ ایک درجہ میں اولاد کا محتاج ہوتا ہے اس لیے کہ اولاد اس لیے ہوتی ہے کہ زندگی میں باپ کی مددگار ہو اور مرنے کے بعد باپ کے قائم مقام ہو اور اللہ تعالیٰ ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہے اور اللہ کافی کارساز ہے اسے اپنی کارسازی میں اولاد کی امداد کی حاجت نہیں پس وہ جب اپنی تدبیر اور کارسازی میں اکیلا کافی ہے تو دوسرے اور تیسرے معبود ماننے کی کیا ضرورت اور بے ضرورت اور فالتو چیز کو معبود بنانا اور خدائی میں اس کو شریک ٹھہرانا بے عقلی نہیں تو اور کیا ہے۔

نصاریٰ کا ایک شبہ اور اس کا جواب: ...... الوہیت مسیح اور ابنیت مسیح کے باطل کرنے کے بعد نصاریٰ کے ایک شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ اگر نصاریٰ یہ کہیں کہ ہم تو دین میں غلو نہیں کرتے لیکن اے مسلمانو تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تنقیص کرتے ہو کہ ان کو

تم خدا کا بندہ بتاتے ہو حالانکہ ان سے خدائی افعال سرزد ہوتے تھے وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور مادرزاد اندھوں کو اچھا کرتے تھے ایسی برگزیدہ ذات کو خدا کا بندہ کہنا یہ ان کی تنقیص اور تحقیر ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ مسیح ابن مریم علیہ السلام ہرگز اللہ کا بندہ ہونے سے عار نہیں کرتے تھے بلکہ وہ خدا کی بندگی کو اعلیٰ درجہ کی عزت اور رفعت سمجھتے تھے تم خود مقر ہو کہ حضرت مسیح رات بھر زیتون کی پہاڑی پر اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ ذوق وشوق کے ساتھ خدا کی عبادت وہی کرے گا جو خدا کا بندہ ہونے پر فخر کرے گا معبود کسی کی عبادت نہیں کیا کرتا اور نہ مقرب فرشتے خدا کی بندگی سے عار کرتے ہیں حالانکہ فرشتے نورانیت اور روحانیت میں حضرت مسیح سے بڑھے ہوئے ہیں فرشتے بغیر ماں باپ کے محض نور سے بلا اسباب ظاہری کے محض کارکن سے پیدا ہوئے اور ظہور خوارق اور عالم غیب کے علم وادراک میں اور آسمان وزمین کے عروج ونزول میں حضرت مسیح سے بڑھ کر ہیں فرشتوں کا اصل مسکن آسمان ہے اور حضرت مسیح اصل باشندہ زمین کے ہیں جو بہ نسبت آسمانوں کے بہت پست ہے مگر با ایں ہمہ فرشتے خدا اور خدا کے بیٹے نہیں دن رات اللہ کی تسبیح وتحمید وتہلیل وتمجید میں لگے رہتے ہیں۔

نجران کے عیسائیوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ اے محمد ﷺ آپ ﷺ ہمارے خداوند یسوع مسیح کا رتبہ گھٹاتے ہیں کہ آپ ﷺ ان کو خدا کا بندہ بتلاتے ہو اس سے تو ان کی کسر شان ہوتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو خود خدا کا بندہ بننے سے عار نہیں ہے اور یہ آیت نازل ہوئی کہ نہ مسیح کو خدا کا بندہ بننے سے عار نہیں اور نہ ملائکہ مقربین کو اس سے عار ہے یہ تمہاری اور مشرکوں کی حماقت اور نادانی ہے کہ تم مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہو اور مشرک فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں خدا کا بندہ بننا کسی طرح بھی موجب عار نہیں بلکہ موجب صد فخر اور باعث صد شکر ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام اور ملائکہ مقربین کو یہ خوب معلوم ہے کہ جو شخص اللہ کی بندگی اور عار کرے اور تکبر کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حساب کے لیے مستنکفین اور غیر مستنکفین سب کو جمع کرے گا جس دن سوائے بندگی کے کوئی چیز نفع نہ دے گی پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور اس کی عبودت اور عبادت سے استنکاف اور استکبار نہیں کیا پس اللہ ایسے لوگوں کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا اور بلکہ انہیں اپنے فضل سے اور زیادہ دے گا یعنی جس قدر ثواب کے وہ مستحق ہیں وہ اس سے زیادہ دے گا اور جن لوگوں نے اس کی بندگی کو موجب عار سمجھا اور تکبر کیا سو ان کو دردناک عذاب دے گا جو خدا کی بندگی سے عار کرنے والوں کی ذلت ورسوائی کا ذریعہ ہوگا اور نہ پاویں گے یہ لوگ اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار جو ان کو ذلت سے بچا سکے یا چھڑا سکے۔

خاتمۂ کلام بر خطاب عام

جس طرح یہود کے خطاب کے بعد عام لوگوں کو مخاطب بنایا اسی طرح اب نصاریٰ کے خطاب خاص کے بعد عام لوگوں سے خطاب فرماتے ہیں اے لوگو! تحقیق آ چکی تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ایک روشن دلیل یعنی آنحضرت ﷺ ❶ کی ذات بابرکات

آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلی باید ازوے متاب

❶ یعنی برھان سے آنحضرت ﷺ کی ذات والاصفات مراد ہے جیسا کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۶/ ۲۷)

اور اتارا ہم نے آپ ﷺ کی طرف ایک واضح روشنی کو تاکہ تم کو حق اور باطل کا فرق نظر آئے پس لوگوں پر اللہ کی حجت قائم ہوگئی اور کسی کے لیے حق قبول نہ کرنے میں کوئی عذر باقی نہیں رہا پس جو لوگ ایمان لائے اللہ وحدہ لاشریک لہ پر اور اس کی رسی کو مضبوط پکڑا اور خدا کی برہان اور اس کے نور مبین کو اپنے لیے مشعل راہ بنایا سو اللہ ان کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا رحمت سے مراد جنت اور ثواب عظیم ہے اور فضل سے وہ نعمت مراد ہے کہ جو وہم گمان سے کہیں زائد ہو اور ان کو سیدھے راستے پر چلا کر اپنے نزدیک پہنچا دے گا اللہ کی عطا کردہ برہان اور اس کے نازل کردہ نور مبین ہی کی روشنی میں آخرت کی راہ طے ہوسکتی ہے۔

ابطال الوہیت عیسیٰ علیہ السلام

تمام تاریخوں اور ناقابل تردید روایتوں اور انجیل کی بیشمار آیتوں سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن آدم اور انسان مجسم تھے حضرت مریم علیہا السلام کے پیٹ سے پیدا ہوئے ان کا جسم انسانوں ہی کا سا تھا انسانوں کی طرح اعضاء رکھتے تھے انسانوں ہی کی طرح کھانے پینے کے محتاج تھے انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے سوتے اور جاگتے تھے چلتے اور پھرتے تھے غرض یہ کہ انسانیت کے تمام لوازم ان میں موجود تھے پس ایسے وجود کو کیسے خدا مان لیا جائے اور کسی طرح اس کے لیے خدائی صفات ثابت کردی جائیں۔

۱- خدا تو اس ذات پاک کا نام ہے کہ جو خود بخود موجود ہو اور تمام صفات کمال وجلال کے ساتھ متصف ہو اور تمام نقائص اور عیوب سے پاک ہو قادر مطلق ہو عاجز نہ ہو۔

اے نصاریٰ حیاریٰ خدارا تم یہ تو بتلاؤ کیا خدا کو بھی مجبوری لاحق ہوسکتی ہے اور کیا سولی پر چلا کر دم دے دینا خدا کی شان کے شایان ہے۔ انجیل لوقا باب ۸ ہشتم آیت ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ میں ہے۔

''پھر ایک دن ایسا ہوا کہ وہ (مسیح) اور اس کے شاگرد کشتی پر چڑھے اور اس نے ان سے کہا کہ آؤ جھیل کے پار چلیں پس وہ روانہ ہوئے مگر جب کشتی چلی جاتی تھی تو وہ سو گیا اور جھیل پر بڑی آندھی آئی اور کشتی پانی سے بھری جاتی تھی اور وہ خطرے میں تھے اور انہوں نے پاس آ کر اسے جگایا اور کہا کہ صاحب ہم ہلاک ہوئے جاتے ہیں۔''

۲- پس مسیح اگر خدا ہوتے تو اس قدر بے خبر نہیں ہوسکتے اور نہ اس پر نیند طاری ہوسکتی ہے۔

﴿اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾ (سورۃ بقرہ) ''اللہ وہ ذات ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایسا زندہ ہے جس پر موت نہیں وارد ہوسکتی اور وہ تمام کائنات کے وجود کو قائم رکھنے والا تھا اور تھامنے والا ہے نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔''

سب کو معلوم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو بشری عوارض لاحق تھے اور کوئی خدائی صفت ان میں موجود نہ تھی پس کس طرح ان کو ازلی اور ابدی اور غیر مخلوق اور خدا تسلیم کرلیا جاسکتا ہے۔

۳- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باوجود صاحب جسم وصاحب لحم ودم ہونے کے خدا اور خالق عالم ماننے کا مطلب یہ ہوگا کہ

رب معبود کا کچھ حصہ تو قدیم اور ازلی ہے اور کچھ حصہ مخلوق اور احادیث ہے اس لیے کہ جسم اور لحم ودم بلاشبہ مخلوق اور حادث ہے اور بقول نصاریٰ اندر کی روح قدیم ہے۔

۴- نیز انصاری ایک طرف تو حضرت عیسیٰ کو ساری دنیا کا خالق مانتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی مانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ دنیا کا ایک جزو تھے تو نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا کا یہ خالق بھی ہے اور مخلوق بھی ہے۔

۵- نیز انجیل سے یہ ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے بال بھی کٹواتے تھے اور ناخن ترشواتے تھے جو زمین میں گر کر لاشی بن جاتے تھے تو نصاریٰ کے مذہب پر نتیجہ یہ نکلے گا کہ خالق ازلی کے بعض اجزاء کا کٹ جانا اور کٹ کر زمین میں مل جانا اور پھر ان کا فنا ہو جانا سب جائز ہے۔

۶- نیز نصاریٰ کے نزدیک یہ بھی مسلم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہونے کے بعد بتدریج نشوونما پایا اور ان کے طول وعرض میں زیادتی ہوئی حتیٰ کہ جوان ہوئے اور پیدائش سے لے کر اخیر عمر تک قسم قسم کے تغیرات بشریہ ان کو لاحق ہوتے رہے۔

تو حضرات نصاریٰ بتائیں کہ معاذ اللہ کیا خدا بھی بتدریج نشوونما پاتا ہے اور بشری تغیرات اس کو لاحق ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ اس کے طول وعرض میں زیادتی ہوتی ہے (الجواب الفسیح لما فقہ عبدالمسیح، ص: ۱۱)

۷- نیز نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا بھی مانتے ہیں اور قدیم اور ازلی بھی مانتے ہیں حالانکہ یہ امر بدیہی ہے کہ والد اور ولد کا وجود ساتھ نہیں ہوتا بلکہ ولد کا وجود والد کے وجود سے مؤخر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو شئے وجود میں مؤخر ہوگی وہ کسی طرح قدیم اور ازلی نہیں ہو سکتی بلاشبہ وہ حادث اور مخلوق ہوگی۔ (الجواب الفسیح، ص: ۲۰)

۸- نیز عیسیٰ علیہ السلام اگر خدا ہوتے تو یہودیوں سے خائف نہ ہوتے اور نہ ان سے چھپنے کی کوشش کرتے اور نہ موت کا پیالہ ٹلنے کی خدا سے دعا مانگتے دشمنوں سے ڈرنا اور دعا مانگنا بندہ کا کام ہے خدا تعالیٰ نہ کسی سے ڈرتا ہے اور نہ کسی سے کچھ مانگتا ہے۔

۹- نیز ابتداء ولادت سے لے کر اخیر عمر تک بچپن اور جوانی وغیرہ وغیرہ کے مراحل سے گزرنا یہ بھی تردید الوہیت کے لیے کافی ہے کیونکہ اس قسم کے بے شمار تغیرات بلاشبہ الوہیت کے منافی ہیں۔

۱۰- نیز نصاریٰ جب ان کی موت کا عقیدہ رکھتے ہیں تو عقیدہ موت کے بعد تو تردید الوہیت کے لیے کسی دلیل کی حاجت ہی نہیں رہتی کیونکہ باتفاق عقلاء خدا کا حی لا یموت ہونا ضروری ہے خدا تعالیٰ دکھ اور بیماری اور موت سے پاک ہے۔

نصاریٰ کے چند شبہات اور ان کے جوابات

نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی ان آیات میں حضرت مسیح کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ یعنی اللہ کی روح اور اللہ کا کلمہ کہا گیا ہے اور خدا کی روح خدا سے کم تر نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ حضرت مسیح مرتبہ الوہیت میں تھے اور علی ہذا۔ لفظ کلمۃ اللہ میں مرتبہ الوہیت کی طرف اشارہ ہے قرآن کریم میں کسی نبی کو اللہ کی روح اور اللہ کا کلمہ نہیں کہا گیا قرآن کریم

نے ان دو صفتوں سے مسیح کو تمام پیغمبروں پر فوقیت دی ہے اس سے اشارہ ان کے مرتبہ الوہیت کی طرف ہے حضرت مسیح کلمہ خدا تھے اسی سے سارا جہاں پیدا ہوا اس لحاظ سے لفظ کلمۃ اللہ میں حضرت مسیح کی الوہیت کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کل کائنات کے مبدأ ہیں۔

پہلی بات کا جواب:......۱- ﴿رُوْحٌ مِّنْهُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک پاکیزہ روح ہیں جن کو حق تعالیٰ نے بغیر باپ کے محض نفخ جبریل علیہ السلام سے پیدا کیا جیسے جبریل امین کو روح الامین کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ پاک روح ہیں جو محض نور سے پیدا کی گئیں اور روح منہ میں روح کی نسبت اور اضافت اللہ کی طرف محض تشریف وتکریم کے لیے ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں بیت اور ناقہ کی اضافت اللہ کی طرف محض تشریف کے لیے ہے روح کے معنی خدا کے نہیں قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے نفس ناطقہ پر من روحہ اور من روحی کا اطلاق فرمایا ہے کما قال تعالیٰ: ﴿ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ﴾۔

۲- نیز جو چیز بطور خرق عادت عجیب وغریب طریقہ سے ظہور میں آئے تو خاص طور پر اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں جیسے ﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ﴾ میں صالح علیہ السلام کی ناقہ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس لیے مضاف کیا ہے کہ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ اونٹنی خلاف عادت الٰہیہ محض اللہ کی قدرت سے پتھر سے نکلی ہے اور اس کے لیے کوئی مادہ اور نر نہ تھا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس لیے روح اللہ کہتے ہیں کہ وہ بغیر باپ کے بلا سبب ظاہری کے پیدا ہوئے نہ کہ اس وجہ سے کہ معاذ اللہ وہ خدا ہیں اور یا خدا کی روح ہیں۔

۳- نیز لفظ روح، رحمت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور قرآن کریم میں روح کا اطلاق وحی خداوندی پر آیا ہے کما قال تعالیٰ: ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ اس لیے کہ وحی خداوندی مخلوق پر رحمت عظمیٰ ہے اور لوگوں کی روحانی حیات کا ذریعہ ہے اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود باوجود لوگوں کے لیے ابر رحمت اور آب حیات تھا اس لیے ان کو روح اللہ کہا گیا۔

۴- نیز انجیل میں جا بجا ہر سچے واعظ پر روح اللہ اور روح الحق کا اطلاق آیا ہے چنانچہ انجیل یوحنا میں ہے اے دوستوں ہر روح پر ایمان نہ لاؤ بلکہ ان کا امتحان کرو جو روح اللہ کی طرف سے ہو اس پر ایمان لانا پس اس اعتبار سے حضرت عیسیٰ پر روح اللہ کا اطلاق بالکل درست ہے کہ وہ بلا شبہ سچے واعظ تھے۔

۵- نیز عہد عتیق میں روح اللہ کا اطلاق ہر اس نفس ناطقہ پر بھی آیا ہے جو کامل الادراک ہو اور منبع حسنات اور مصدر امور غریبہ ہو جیسا کہ کتاب پیدائش باب ۴۱ درس ۳۸ میں بادشاہ مصر کا قول یوسف علیہ السلام کے حق میں یوں منقول ہے اور فرعون نے اپنے نوکروں سے کہا کیا تم ایسا جیسا یہ مرد ہے کہ جس میں خدا کی روح ہے، پا سکتے ہو۔

اور کتاب دانیال میں شاہ بابل کا قول دانیال علیہ السلام کے حق میں اس طرح منقول ہے کہ خدا کی مقدس روح تیرے اندر ہے۔

پس اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نفس ناطقہ کامل الادراک اور منبع حسنات و برکات تھا اس لیے ان کو روح اللہ کہا گیا۔

خلاصہ کلام: ...... یہ کہ اس قسم کے اطلاقات سے الوہیت ثابت کرنا کمال ابلہی اور غایت سفاہت ہے ہاں اس قسم کے اطلاقات سے ایک قسم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے سو اس میں بحمدہ تعالیٰ اہل اسلام کو کوئی کلام نہیں عہد عتیق اور عہد جدید میں روح اللہ کا اطلاق بکثرت خدا کے برگزیدہ بندوں پر آیا ہے کیا نصاریٰ ان سب کو خدا اور خدا کا بیٹا ماننے کے لیے تیار ہیں تفصیل کے لیے ازالۃ الشکوک حصہ اول از: ۱/ ۲۸-۴۰ دیکھئے۔

دوسری بات کا جواب: ...... لفظ کلمہ، کلام عرب میں کہیں بھی بمعنی ذات خدا یا بمعنی اقنوم علم مستعمل نہیں ہوا قرآن کریم میں جہاں کہیں لفظ کلمہ یا کلمات خدا تعالیٰ کی طرف مضاف ہے مثلاً "کلمة الله و کلمه ربك، و کلمات ربها" وغیرہ وغیرہ بمعنی کلام خدا یا حکم خدا مستعمل ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ﴾ وغیرہ وغیرہ ان تمام مواضع میں لفظ کلمہ یا کلمات خدا تعالیٰ کی طرف اضافت کے ساتھ مستعمل ہوا ہے اور سب جگہ خدا کی باتیں اور خدا کے احکام کے معنی میں مستعمل ہوا ہے لفظ کلمہ یا کلمات جو خدا کی طرف مضاف ہو تمام قرآن میں کہیں بھی بمعنی ذات خدا یا اقنوم علم کے معنی میں مستعمل نہیں ہوا۔

اور عہد عتیق اور عہد جدید کی کتابوں میں بکثرت لفظ کلمۃ اللہ اور کلمۃ الرب بمعنی کلام خدا یا حکم خدا آیا ہے چنانچہ زبور ۳۳ درس ۶ میں ہے "بکلمة الرب تثبت السماوات وبروح فيه جميع جنودها" اور فارسی نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۵ھ میں ہے آسمانہا بکلام خداوند تمامی عسا کر آنہا، بنفس دہانش ساختہ شدہ اند۔ اور ہندی نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۳ء میں ہے خداوند کے کلام سے آسمان بنے اور ان کے سارے لشکر اس کے منہ کے دم سے اور اخبار الایام کے پہلی کتاب کے سترھویں باب تیسرے درس میں ہے "فلما كان في تلك الليلة حلت كلمة الله على ناتان النبي۔ اھ" اور اردو نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۳ء میں ہے اور اسی رات ایسا ہوا کہ خدا کا کلام ناتن کو پہنچا۔

اسی طرح قرآن کریم میں کلمہ اطلاق حضرت مسیح پر اس لیے کیا گیا کہ وہ بغیر باپ کے بحکم خداوندی کلمہ کن سے پیدا ہوئے جس سے مقصود حضرت مسیح کی ایک فضیلت اور بزرگی کو ظاہر کرنا ہے تا کہ یہود کا رد ہو جائے۔

غرض یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کلمۃ اللہ یا روح اللہ کا لفظ ان کی خصوصیت اور فضیلت ثابت کرنے کے لیے آیا ہے نہ کہ ان کی الوہیت بتلانے کے لیے اس لیے کہ سارا قرآن الوہیت کے انکار اور رد سے بھرا پڑا ہے اور الوہیت کے ماننے والوں کو کافر بتاتا ہے اس قسم کے الفاظ سے حضرت مسیح کی الوہیت نکالنا پرلے درجہ کی نادانی ہے حضرت مسیح کو حقیقۃً کلام خداوندی یا حکم خداوندی کہنا عقلاً محال ہے اس لیے کہ کلمہ خداوندی کی نسبت یہ کہنا کہ معاذ اللہ یہ کلمہ خداوندی حقیقۃً ایک کنواری کے پیٹ سے متولد ہوا اور پھر وہ کلمہ خداوندی اور کلام الٰہی اور حکم یزدانی دشمنوں کے جبر و قہر سے صلیب پر لٹکا دیا گیا الی آخرہ کیا یہ دیوانہ کی بڑ نہیں سب کو معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ذات محدود اور شخص تھے جو ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوئے لہٰذا ان کی نسبت یہ کہنا کہ وہ تمام کائنات کے مبدأ تھے سراسر حماقت ہے۔

عقیدہ ابنیت

نزول قرآن کے وقت نصاریٰ کے مختلف فرقے تھے ایک فرقہ یہ کہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ عین خدا ہیں اور خدا ہی بشکل مسیح دنیا میں اتر آیا ہے۔

اور دوسرا فرقہ یہ کہتا کہ مسیح ابن اللہ ہے یعنی خدا کا بیٹا ہے۔

اور تیسرا فرقہ یہ کہتا تھا کہ وحدت کا راز تین میں پوشیدہ ہے۔

باپ، بیٹا اور روح القدس اور بعضے روح القدس کی جگہ حضرت مریم کو قنوم ثالث کہتے ہیں۔

قرآن کریم نے تینوں جماعتوں کو جدا جدا بھی مخاطب کیا ہے اور یکجا بھی اور دلائل اور براہین سے یہ واضح کر دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام مریم کے بطن سے پیدا شدہ خدا کے برگزیدہ انسان اور رسول برحق تھے اور اس کے برخلاف یہود و نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ میں جو عقیدہ رکھتے ہیں وہ باطل محض ہے یہود کا عقیدہ یہ ہے کہ معاذ اللہ حضرت مسیح علیہ السلام شعبدہ باز اور مفتری تھے اور نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ وہ خدا اور خدا کے بیٹے ہیں یا تین میں تیسرے ہیں قرآن کریم نے یہود کی تفریط اور نصاریٰ کے افراط دونوں کا رد کیا ہے اور واضح اعلان کیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نہ خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے تھے بلکہ خدا کے برگزیدہ رسول تھے اور خدائے تعالیٰ لاشریک لہ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے بلکہ ازل سے خدا ہے اور خدا کی خدائی حضرت مسیح علیہ السلام پر موقوف نہیں ہے۔

اور توریت اور انجیل میں جہاں کہیں کسی کو بیٹا یا فرزند کہا گیا ہے وہاں یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ یہ لوگ حقیقۃً خدا کے بیٹے ہیں بلکہ اس سے خدا کے مقبول اور خاص برگزیدہ بندے مراد ہیں توریت و انجیل میں ابن اللہ کا اطلاق انبیاء و مرسلین اور تمام عباد صالحین پر آیا ہے اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی کوئی خصوصیت نہیں جس سے ان کی الوہیت پر استدلال کیا جاسکے دیکھو نوید جاوید، ص: ۱۴۳، مصنفہ مولانا سید ابوالمنصور امام فن مناظرہ۔

عقیدہ تثلیث (ثالوث)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حق جل شانہ کے رسول برحق تھے اور توحید خالص کے منادی تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین اور اولین اصحاب سب کے سب توحید اور تسبیح اور تقدیس کا عقیدہ رکھتے تھے توریت اور انجیل میں اس عقیدہ کا کہیں نام و نشان بھی نہیں اور نہ کسی نبی نے اس کی تعلیم دی عقیدہ ثالوث (تثلیث) پولوس رسول کے عہد سے دین مسیحی میں داخل ہوا اور رفتہ رفتہ الوہیت مسیح اور ابنیت مسیح اور تثلیث، کلیسا کا مقبول عقیدہ بن گیا عقیدہ تثلیث کا جب ظہور اور آغاز ہوا تو علماء نصاریٰ میں اس کے رد و قبول پر بڑی بحثیں ہوئیں اور مختلف فرقے ہوگئے فرقہ آریوس یہ کہتا تھا کہ خدا وحدہ لاشریک لہ ہے اور حضرت مسیح تمام کائنات سے افضل اور برتر ہیں اور فرقہ سائبین یہ کہتا تھا کہ اللہ ذات واحد ہے اور اب اور ابن اور روح القدس یہ اسی ذات کی واحد کی مختلف صورتیں ہیں جن کا مختلف حیثیتوں سے ذات واحد پر اطلاق کیا جاتا ہے بعد میں کلیسا کی کونسل منعقدہ ۳۲۵ء اور قسطنطنیہ کی کونسل منعقدہ ۳۸۱ء نے ثالوث (تثلیث) کو مسیحی عقیدہ کی بنیاد تسلیم کرلیا۔ اور یہ اعلان کر دیا کہ اب اور

ابن اور روح القدس یہ تین جدا جدا اور مستقل اقنوم ہیں اور یہی حق ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا نام عقیدہ امانت رکھا جس کا متن روح المعانی اور الجواب الفسیح میں مذکور ہے اور دوسرے فرقوں کے متعلق فتویٰ صادر کر دیا کہ جو تثلیث کا عقیدہ نہ رکھے وہ ملحد اور بے دین ہے اور عقیدہ توحید کو بدعت قرار دیا اب عام طور پر نصاریٰ کا یہی عقیدہ ہے کہ خدا تین اقنوم ہیں باپ، بیٹا اور روح القدس اور ان ہی تین اقانیم کی مجموعی حقیقت کا نام خدا ہے اور اس توحید حقیقی میں تثلیث مضمر ہے اور اس کی تفصیل اس طرح کرتے ہیں کہ خدا تین اقنوم ہیں اور اقنوم اول باپ ہے جس سے دوسرا اقنوم بیٹا پیدا ہوا اور دوسرے اقنوم سے تیسرا اقنوم پیدا ہو رہا یہ امر کہ اقنوم اول سے اقنوم ثانی اور اقنوم ثانی سے اقنوم ثالث کس طرح پیدا ہوا اور توحید کس طرح تثلیث بن جاتی ہے اور تثلیث کس طرح توحید ہو جاتی ہے اس کی تشریح، توضیح وتلویح میں نصاریٰ کے عجیب وغریب مباحث ہیں جو ان کی عقل وادراک سے بھی خارج ہیں عجیب عجیب بولیاں بولتے ہیں بعض یہ کہتے ہیں کہ دوسرا اقنوم پہلے اقنوم کی طرح ازلی نہیں البتہ اس عالم ناسوت سے غیر معلوم مدت پہلے اقنوم اول سے پیدا ہوا ہے جس کا درجہ باپ کے درجہ سے کم اور اس کے بعد ہے۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ خدا کے دو ہی اقنوم ہیں باپ اور بیٹا اور روح القدس مخلوق خداوندی منجملہ فرشتوں کے ایک فرقہ ہے جس کا مرتبہ تمام فرشتوں سے بلند ہے اور بعض فرقے یہ کہتے ہیں کہ خدا کا تیسرا اقنوم مریم علیہا السلام ہیں یہ فرقہ روح القدس کو اقنوم ثالث نہیں مانتا بلکہ بجائے روح القدس کے حضرت مریم کو اقنوم ثالث مانتا ہے نصاریٰ کے بہت سے فرقے روح القدس کو خدا نہیں مانتے اور نصاریٰ کے بعض یہ کہتے ہیں کہ اب اور ابن اور روح القدس یہ تین تین علیحدہ علیحدہ اقنوم نہیں بلکہ ذات واحد کی تین بنیادی صفات علم وحکمت اور قدرت اور حفظ وضبط کی طرف اشارہ ہے نصاریٰ کے اکثر فرقے ذات خداوندی میں توحید اور تثلیث کو حقیقی مانتے ہیں اور اقانیم ثلاثہ یعنی اقنوم اب، اور قنوم ابن اور اقنوم روح القدس میں امتیاز اور فرق حقیقی مانتے ہیں چنانچہ مفتاح الاسرار کی فصل اول باب دوم کے آخر میں نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۰ عیسوی میں ہے ہرچند خدا کی ذات میں باپ اور بیٹے اور روح القدس کے درمیان حقیقی امتیاز ہے پھر ذات کی وحدانیت زائل نہیں ہوتی اور تثلیث کی تعلیم سے ذات کو نقصان اور قصور نہیں پہنچتا بلکہ حقیقت میں صرف ایک خدائے واحد حقیقی ہے۔

اور تیرھویں صدی عیسوی کے متعدد فرقوں نے یہ صاف طور پر کہہ دیا کہ عقیدہ تثلیث عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے اور نا قابل تسلیم ہے مگر قومی عصبیت نے ان کو اسلامی عقیدہ قبول کرنے سے باز رکھا۔

اہل اسلام کا مسیحیین کے ساتھ نزاع اس صورت میں کہ جب تین اقنوم خارج میں حقیقۃً علیحدہ علیحدہ مانیں اور تینوں کو واجب الوجود مانیں اور ان کے درمیان امتیاز حقیقی جانیں اور اگر امتیاز حقیقی کے قائل نہ ہوں یا توحید کو مجازی یا توحید اور تثلیث دونوں کو مجازی کہیں اور اقانیم سے محض صفات مراد لیں اور علیحدہ علیحدہ اور جدا جدا تین مستقل ذاتیں نہ مانیں تو پھر نصاریٰ کے ساتھ اہل اسلام کا یہ نزاع نہ ہوگا کوئی اور نزاع ہوگا مگر عام طور پر نصاریٰ اقانیم ثلاثہ کو محض صفات الٰہیہ نہیں مانتے بلکہ تین شخصیتیں باعتبار وجود اور تشخص کے علیحدہ علیحدہ جدا اور ممتاز مانتے ہیں اور صفات کا وجود موصوف سے علیحدہ نہیں ہوتا۔

ابطال تثلیث

نصاریٰ کا یہ عقیدہ کہ تین ایک ہیں اور ایک تین ہیں سراسر خلاف عقل ہے فرقہ یونی ٹیرین جو عیسائی فرقوں میں شمار کیا جاتا ہے اب اس کے بھی لاکھوں آدمی یورپ میں موجود ہیں وہ تثلیث کا منکر ہے اور بہت سے علماء نصاریٰ و فرنگ نے اس عقیدہ کا انکار کیا ہے توریت اور انجیل میں کسی جگہ بھی لفظ تثلیث موجود نہیں اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اور نہ کسی حواری نے کسی عیسائی کو یہ تعلیم دی کہ تم تثلیث کا عقیدہ رکھو بغیر اس کے بغیر اس کے نجات ممکن نہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھو نوید جاوید کلیسا ششم سکر منٹ، از صفحہ ۳۴۴-۳۵۵ مصنفہ امام فن مناظرہ مولانا سید ابوالمنصور رحمہ اللہ

۱- اور بلاشبہ یہ عقیدہ صریح البطلان ہے اور بداہۃً خلاف عقل ہے توحید کا تثلیث کے ساتھ جمع ہونا ایسا ہی محال ہے جیسا کہ توحید کا تربیع اور تخمیس اور تسدیس کے ساتھ جمع ہونا محال ہے اور اس کی کیا وجہ ہے کہ وحدت حقیقی تین کے ساتھ تو جمع ہو سکے اور چار یا پانچ یا چھ کے ساتھ جمع نہ ہو سکے وحدت حقیقی اور کثرت حقیقی ایک دوسرے کی ضد ہیں اور اجتماع ضدین باجماع عقلاء محال اور ناممکن ہے زوجیت اور فردیت اور وحدت اور کثرت ایک ذات میں جمع ہونا عقلاء عالم کے نزدیک ایک بدیہی محال ہے جس سے عقل کوسوں دور بھاگتی ہے اور اس حماقت کا سننا بھی گوارا نہیں کرتی مختصر یہ کہ نصاریٰ یہ بتلائیں کہ یہ تینوں اقانیم اپنے وجود اور تشخص میں ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہیں یا نہیں اگر یہ کہیں کہ تینوں کا تشخص اور وجود علیحدہ علیحدہ ہے تو پھر یہ تین اشخاص ہوئے توحید کہاں رہی ایک کہنا غلط ہوا اور اگر یہ کہیں کہ تینوں کا وجود ایک ہے تو پھر تین کہنا غلط ہوا اور تثلیث ختم ہوئی۔

۲- نیز تینوں کا مجموعہ مل کر خدائے مستقل ہے یا جداگانہ ہر ایک مستقل خدا ہے پہلی صورت میں کوئی بھی خدا نہ رہا نہ حضرت مسیح اور نہ روح القدس بلکہ خدا بھی خدا نہ رہا اس لیے کہ خدا تو تین کا مجموعہ ہے جداگانہ کوئی بھی مستقل خدا نہیں اور دوسری صورت میں جب ہر ایک جداگانہ مستقل خدا تو توحید کہاں رہی۔

۳- نیز ایک تین کا ثلث یعنی تہائی ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی شئ اپنے ثلث (تہائی) کا عین نہیں ہو سکتی۔

۴- نیز تین کل ہیں اور ایک تین کا جز ہے اور کل اور جز کا ایک ہونا عقلاً محال ہے اس لیے کہ کل اور جز کیسے ایک ہو سکتے ہیں۔

۵- نیز جب تین ایک کا عین ہوگا تو لازم آئے گا کہ ایک اپنے نفس کا بھی ثلث ہو اور تین اپنا ثلث ہو اور کسی شئ کا خود اپنا ثلث ہونا بداہۃً محال ہے۔

۶- نیز ایک تین کا جز ہونے کی وجہ سے مقدم اور تین بوجہ کل ہونے کے موخر ہے اور اس لیے کہ جز وکل سے مقدم ہوتا ہے اور کل جزو سے موخر ہوتا ہے۔

پس اگر ایک اور تین ایک ہوں تو مقدم کا عین موخر ہونا اور موخر کا عین مقدم ہونا لازم آئے گا جو بداہۃً محال ہے۔

۷- بلکہ شئ کا خود اپنے نفس پر مقدم ہونا لازم آئے گا جو بداہۃً محال ہے۔

۸- نیز تمام اعداد حقیقت میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور جدا ہیں لہٰذا شیٔ واحد کا حقیقۃً ایک ہونا اور تین ہونا عقلاً محال ہے۔

۹- نیز مسیحیین کے نزدیک جب خدا تین اقنوموں کا مجموعہ ہوا اور ہر اقنوم واجب الوجود ہوا تو مجموعہ اپنے وجود خارجی میں ان تین اجزاء یعنی تین اقنوموں کا محتاج ہوگا اور مجموعہ معلول ہوگا اور اقانیم ثلاثہ اس کی علت ہوگے اور جو کسی علت کا محتاج ہو وہ واجب الوجود نہیں ہوسکتا اس لیے کہ معلوم علت سے موخر ہوتا ہے وہ ممکن اور حادث ہوتا ہے۔

۱۰- نیز حضرت مسیح علیہ السلام کو جب خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے تو باپ کو بیٹے پر ضرور تقدم زمانی ہوتا ہے اور بیٹے کو تاخر زمانی اور بیٹا اپنے وجود میں باپ کا محتاج بھی ہوتا ہے اور موخر اور محتاج خدا نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ کلام:...... یہ کہ عقیدہ تثلیث سراسر خلاف عقل ہے نصاریٰ کے اولین اور آخرین میں کوئی شخص ایک دلیل عقلی بھی توحید فی التثلیث اور تثلیث کے لیے نہیں پیش کرسکتا اور بلاشبہ عقیدہ تثلیث عقیدہ شرک ہے اور توحید اور تثلیث کے اجتماع کا عقیدہ رکھنا اور اجتماع نقیضین کا عقیدہ رکھنا ہے اس وجہ سے امام رازی نے لکھا ہے کہ ہم نے دنیا میں نصاریٰ کے مذہب سے زیادہ کوئی مذہب رکیک اور عقل سے بعید نہیں دیکھا اس وجہ سے جارج سیل نے اپنے ترجمہ قرآن مطبوعہ ۱۸۳۶ء میں عیسائیوں کو وصیت کی ہے کہ مسلمانوں کے سامنے ایسے مسئلے نہ بیان کرو کہ جو خلاف عقل ہوں کلیسا میں یہ طاقت نہیں کہ وہ مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچ لے۔ الخ (دیکھو ازالۃ الشکوک: ۱/۲۶)

حکایت:...... کسی زمانہ میں ایک پادری صاحب نے چین کے علاقہ میں جاکر بڑی کوشش سے تین آدمیوں کو عیسائی بنایا اور طوطے کی طرح ان کو یہ مسئلہ یاد کرایا اور وہ بھی تین تین ٹکے روز یا تین تین روپیہ مہینہ کی لالچ سے مسئلہ تثلیث کو طوطے کی طرح ٹی ٹی کرتے رہے اتفاقاً ایک مدت کے بعد پادری صاحب کا ایک دوست وہاں آگیا اور پھر اثنائے تذکرہ میں اس نے پوچھا کہ تم نے اتنی مدت میں کتنے شخصوں کو عیسائی بنایا پادری صاحب نے کہا عیسیٰ خداوند مسیح کے فضل سے تین شخص مسیحی جماعت میں داخل ہوئے ہیں اور مسیح کے وفادار سپاہی اور خدمت گزار ہیں وہ سن کر ان کی ملاقات کا مشتاق ہوا پادری صاحب نے اول کو ایک کو بلایا اور اپنے دوست کو بتلانے کے لیے یہ مسئلہ اس سے پوچھا کہ اس شاگرد نے کہا کہ آپ نے مجھے یہ سکھایا ہے کہ خدا تین ہیں ایک جو آسمان پر رہتا ہے دوسرا وہ جو بی بی مریم کنواری کے پیٹ میں نو مہینہ رہ کر پیدا ہوا تھا تیسرا وہ جو اس دوسرے خدا پر تیس برس کی عمر میں کبوتر کی شکل ہو کے اترا تھا۔ پادری صاحب خفا ہوئے اور فرمانے لگے یہ نامعقول ہے دوسرے کو جو اس سے زیادہ عاقل تھا آواز دی وہ فوراً حاضر ہوا اس سے پوچھا کہ اس نے کہا کہ آپ نے مجھے یہ سکھایا ہے کہ خدا تین تھے ایک تو سولی پا کر مر گیا اور دو ابھی تک جیتے ہیں، پادری صاحب اس پر بھی چیں بر جبیں ہوئے اور تیسرے کو جو ان میں فرد کامل تھا بلایا اور اس سے پوچھا کہ اس نے کہا جیسا آپ نے سکھایا ہے ویسا ہی مجھے خوب یاد ہے کہ تین میں ایک اور ایک میں تین اور تینوں ایک تھے اور جب ایک خدا منطوس پلاطوس کی حکومت میں سولی پا کر مر گیا تو تینوں مر گئے اور اب کوئی خدا باقی نہیں رہا پادری صاحب بہت لال سرخ ہوئے اور اس وقت تینوں کو اپنے سامنے سے نکلوا دیا۔ (منقول از ازالۃ الشکوک: ۱/۲۵، والفارق)۔

ذکرعقیدہ امانت سراپا خیانت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم توحید اور تفرید کی تھی حضرت عیسیٰ کے رفع الی السماء کے بعد عرصہ اکیاسی سال تک لوگ توحید پر قائم رہے پھر رفتہ رفتہ نصاری میں مختلف فرقے ہوگئے پھر ایک یہودی شخص جس کا نام پولوس تھا وہ فریب سے عیسائی مذہب میں داخل ہوا اور ظاہراً عیسائی بن کر اس نے عیسائی مذہب میں طرح طرح کی خرابیاں ڈالیں من جملہ ان کے یہ مسئلہ تثلیث ہے رفتہ رفتہ یہ عقیدہ نصاری میں شائع ہوگیا نصاری میں جب یہ عقیدہ تثلیث شائع ہوا تو آریوس نے جو اسکندریہ کے قسیسین میں سے تھا اس عقیدہ باطلہ کی تردید کی اور تثلیث کو دین مسیحی میں بدعت قرار دیا اور علی الاعلان حضرت مسیح کی الوہیت سے انکار کیا اور یہی تعلیم دی کہ خدا تعالیٰ ایک ہے اور عیسیٰ علیہ السلام خدا کے مخلوق اور برگزیدہ پیغمبر ہیں آریوس کا یہ عقیدہ جب لوگوں میں شائع ہوا تو اہل تثلیث کو اس کی فکر دامن گیر ہوئی بالآخر ۳۲۵ء میں شہر نائیس میں قسطنطین شاہ روم کے سامنے مجلس مناظر منعقدہ ہوئی آریولوس نے اپنے عقیدہ تثلیث کی حمایت کی اور آریوس کی تعلیم کو باطل قرار دیا عقیدہ تثلیث جب مجلس کی اکثریت سے طے ہوگیا تو بادشاہ نے سرکاری طور پر حکم جاری کردیا کہ جو شخص تثلیث سے انکار کرے گا اس کا مال ومتاع ضبط کرلیا جائے گا اور اس شخص کو جلاوطن کیا جائے تب اکثر لوگوں نے بادشاہ کے خوف سے عقیدہ تثلیث کو قبول کیا اس وقت سے تثلیث کا سلسلہ چلا اور اس عقیدہ تثلیث پر جو متفقہ تحریر تیار کی گئی اس کا نام امانت رکھا گیا اس عقیدہ امانت کے متن کو شیخ ابوالفضل مالکی مسعودی نے منتخب التجیل ص: ۵۶ میں ذکر کیا ہے اس عقیدہ امانت کے ابطال کے لیے ایک مستقل باب (یعنی باب چہارم منعقد کیا ہے جس میں تفصیل کے ساتھ) اس کی خرابیوں اور قباحتوں کو بیان کیا ہے اور علی ہذا علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی: ۶/ ۲۳ میں تفسیر پارہ ششم کے تحت قولہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ﴾ اور پھر ان کے صاحبزادہ سید نعمان آلوسی نے الجواب الفسیح لما لفقہ عبدالمسیح از ص: ۱۶-۲۱ میں اس کو ذکر کیا ہے اور پھر اس عقیدہ امانت سراپا خیانت کی خیانتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور علامہ قرانی مالکی نے الاجوبۃ الفاخرہ، ص: ۱۵۸، مطبوعہ برحاشیہ الفارق میں اس عقیدہ امانت کے متن کو مختصر تردید کے ساتھ ذکر کیا ہے حضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں مگر باوجود اس کہ شاہی حکم سے عقیدہ تثلیث ملک میں شائع کیا گیا بہت سے لوگوں نے جو آریوس کے معتقد تھے انہوں نے اس عقیدہ تثلیث کو تسلیم نہیں کیا اور آریوس ہی کی تعلیم کے قائل اور معتقد رہے اور کئی قرنوں تک یہ اعتقاد جاری رہا اور فرقہ آریوسیہ کی طرح یونی ٹیرین فرقہ کے لوگ بھی تثلیث سے انکار کرتے ہیں اور الوہیت صرف خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں تاریخی حیثیت سے اگر ان اختلافات کی تفصیل درکار ہے تو نوید جاوید سکرمنٹ نمبر ۳ مصنفہ مولانا سید ابوالمنصور از ص: ۳۵۵-۳۶۰ کی مراجعت کریں۔

متن عقیدہ امانت سراپا خیانت

اب ہم ناظرین کے سامنے نصاری کے عقیدہ امانت کا متن پیش کرتے ہیں جو ان کے نزدیک قانون نجات اور مدار

ایمان ہے پھر ان کے اس مزعوم عقیدہ امانت کی خیانت کو ظاہر کریں گے تاکہ اس امانت کی حقیقت منکشف ہو جائے وھو ھذا

"نؤمن باللہ تعالیٰ الواحد الاب صانع کل شئ صانع ما یری وما لایری وبالرب الواحد یسوع المسیح ابن اللہ تعالیٰ الواحد بکر الخلائق کلھا الذی ولد من ابیہ قبل العوالم کلھا ولیس بمصنوع الہ حق من جوھر ابیہ الذی بیدہ اتقنت العوالم وخلق کل شئ الذی من اجلنا معاشر الناس ومن اجل خلاصنا نزل من السماء وتجسد من روح القدس ومریم وصار انسانا وحبل بہ وولد من مریم البتول واتجع وصلب ایام فیلاطس ودفن وقام فی الیوم الثالث کما ھو مکتوب وصعد الی السماء وجلس عن یمین ابیہ وھو مستعد للمجئ تارۃ اخری للقضاء بین الاموات والاحیاء ونؤمن بروح القدس الواحد روح الحق الذی یخرج من ابیہ وبعمودیۃ واحدۃ لغفران الخطایا والجماعۃ واحدۃ قدسیۃ کاطولکیۃ ولجباۃ الدائمۃ الی ابد الآبدین۔ انتھی کذا فی روح المعانی للآلوسی: ۲۴/۲ ومنتخب التخجیل، ص: ۵۲ باب چھارم للشیخ ابی الفضل المسعودی المالکی والاجوبۃ الفاخرۃ المطبوع علی ھامش کتاب الفارق، ص: ۱۵۸ سؤال بستم للشیخ القرافی المالکی۔"

"ہم ایمان لاتے ہیں ایک اللہ پر جو باپ ہے اور ہر چیز کا بنانے والا اور مالک ہے اور مرئی اور غیر مرئی یعنی جو چیزیں نظر آتی ہیں اور نظر نہیں آتیں ان سب چیزوں کا وہ صانع ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں ایک پروردگار یسوع مسیح پر جو خدائے واحد کا بیٹا ہے اور ساری مخلوق میں سب سے اول باپ سے پیدا ہوا وہ مصنوع نہیں وہ خدائے برحق ہے جو خدائے برحق سے نکلا ہے اور باپ کے جوہر سے ہے وہ جس کے ہاتھوں سے تمام جہانوں نے پختگی اور استحکام پایا اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اے دنیا کے لوگو! وہ ہماری ہی خلاصی اور چھٹکارے کے لیے آسمان سے اترا اور روح القدس اور مریم سے متجسد ہو کر انسان بن گیا اور روح القدس سے اس کا حمل قرار پایا اور مریم بتول کے بطن سے پیدا ہوا اور دکھ اور درد اٹھائے اور پیلاطوس کے ایام حکومت میں سولی پر لٹکایا گیا اور پھر مر کر قبر میں دفن ہوا اور پھر تیسرے روز مردوں میں جی اٹھا جیسا کہ نوشتوں میں تھا پھر آسمان پر چڑھ گیا اور باپ کے دائیں جانب جا کر بیٹھ گیا اور وہ دوبارہ آنے کے لیے تیار ہے تاکہ مردوں اور زندوں کے درمیان فیصلہ کرے اور ہم روح القدس پر بھی ایمان لاتے ہیں جو ایک ہے اور روح حق ہے اور باپ سے نکلی ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں اس بات پر کہ ایک بپتسمہ گناہوں کی مغفرت کے لیے کافی ہے اور اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کاطولی کی جماعت پاک اور مقدس جماعت ہے (جس نے یہ عقیدہ امانت ایجاد کیا ہے) اور ہم ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی پر ایمان لاتے ہیں جو ابدالآباد تک رہے گی۔ (عقیدہ امانت کا ترجمہ ختم ہوا۔)

کشف حقیقت از عقیدہ امانت سراپا خیانت

یہ وہ عقیدہ امانت ہے جس پر سوائے فرقہ آریوسیہ اور یونی ٹیرین کے نصاریٰ کے اکثر فرقے متفق ہیں فرقہ یعقوبیہ اور ملکانیہ اور نسطوریہ ان سب کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ بغیر اس ایمان کے کوئی عبادت اور کوئی قربت بارگاہ خداوندی میں مقبول نہیں حالانکہ کسی انجیل میں اس اعتقاد اور ایمان کا کہیں نام ونشان نہیں اور نہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے مروی ہے اور نہ حضرت مسیح علیہ السلام کے تلامذہ اور حواریین سے منقول ہے بلکہ چوتھی صدی عیسوی میں نصاریٰ کی ایک خاص جماعت کی مرتب کردہ عبارت ہے جو شاہی حکم اور اقتدار سے نافذ ہوئی ہے اس کو دین اور ایمان کیسے کہا جاسکتا ہے عقیدہ وہ چیز بن سکتی ہے جو آسمانی کتابوں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں سے صریح اور قطعی طور پر ثابت ہو۔

علاوہ ازیں یہ عقیدہ امانت بہت سی خلاف عقل باتون پر مشتمل ہے اور متعارض اور متناقض باتوں کا ایک مجموعہ ہے جس میں بعض سے بعض کی تردید ہوتی ہے۔

۱- عقیدہ امانت کے شروع اور اول ہی میں اس کا صریح اعتراف ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور تمام کائنات کا خالق اور مالک اور ضابط ہے جس میں حضرت مسیح اور ان کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ اور روح القدس علیہم السلام بھی داخل ہیں پھر دوسری سطر میں اس کے برخلاف مسیح بن مریم کی الوہیت اور وحدانیت اور خالقیت پر ایمان لانے کا ذکر ہے ہم مسیح پر ایمان رکھتے ہیں جو تمام اشیاء کا خالق ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ خدائے واحد کے ساتھ دوسرا خدا بھی موجود ہے جو پہلے خدا کا فرزند ہے جو اپنے باپ سے پیدا ہوا ہے اور باپ کی طرح بیٹا بھی تمام کائنات کا خالق ہے یہ سارا کلام صریح کفر اور شرک ہے اور پہلے کلام کی ضد اور نقیض ہے گویا کہ باپ اور بیٹا ہر ایک عالم کا خالق ہے۔

۲- نیز جب حضرت عیسیٰ کو تمام عالم کا خالق مانا گیا تو ضروری ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا وجود سارے عالم پر مقدم ہو کیونکہ خالق مخلوق سے مقدم ہوتا ہے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے اس لیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام تو حضرت آدم علیہ السلام کے ہزارہا سال بعد مریم علیہا السلام سے پیدا ہوئے اور نصاریٰ بتلائیں کہ موخر الوجود اپنے مقدم الوجود کے لیے کیسے خالق ہو گیا۔

۳- پھر نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ وہ بیٹا تمام مخلوقات سے پہلے اپنے باپ سے پیدا ہوا یہ امر بھی مشاہدہ کے خلاف ہے اس لیے کہ حضرت مسیح معاذ اللہ خدا تعالیٰ سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ پیدائش عالم کے ہزارہا سال بعد مریم بتول کے بطن سے پیدا ہوئے۔

۴- پھر نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ وہ بیٹا باپ کے اصل جوہر سے پیدا ہوا جس کا مطلب یہ ہوا کہ باپ اور بیٹے کی حقیقت ایک ہے اور یہ بیٹا ذات وصفات میں اپنے باپ کے مشابہ اور مساوی ہے کیا یہ صریح شرک نہیں جس کے مٹانے کے لیے تمام انبیاء کرام مبعوث ہوئے۔

۵- نیز انجیل میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو یہ فرمایا کہ مجھے قیامت کا علم نہیں کہ کب آئے گی قیامت کے وقت کو سوائے باپ کے کوئی نہیں جانتا۔ اھ

پس اگر عیسیٰ علیہ السلام کا اصل جوہر اور اصل حقیقت وہی ہوتی جو خدا تعالیٰ کی ہے تو خدا تعالیٰ کی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ضرور قیامت کا علم ہوتا معلوم ہوتا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا نہ تھے بلکہ انسان حق تھے اور انسان حق یعنی داؤد کے بیٹے تھے اور تمام انبیاء کرام انسان اور بشر تھے اور خدا کے برگزیدہ بنے تھے خدا نہ تھے اور نہ خدا کے ساتھ متحد تھے۔ انبیاء کرام سے جب کبھی قیامت کے بارہ دریافت کیا گیا تو سب نے یہی کہا کہ جو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کا علم سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔

۶- نیز اس نادان کو یہ علم نہیں کہ جس انسانی لحم اور شحم اور دم اور معدہ اور امعاد سے مرکب ہے جس سے خداوند قدس پاک ہے اور منزہ ہے پس ایک ابن آدم اور ابن مریم کا اصل جوہر خداوند قدوس کے اصل جوہر کے ساتھ کیسے متحد ہو سکتا ہے۔

۷- نیز تمام عقلاء عالم کا اس پر اتفاق ہے کہ حادث اور قدیم کی حقیقت جدا جدا ہے پس خداوند کریم اور ایک شیر خوار بچہ کی حقیقت ایک کیسے ہو سکتی ہے اور جسم اور روح کی حقیقت ایک نہیں تو قدیم اور حادث کی حقیقت ایک کیسے ہو سکتی ہے۔

۸- نیز اگر ایک الٰہ حق سے دوسرا الٰہ حق پیدا ہو سکتا ہے تو دوسرے الٰہ سے تیسرا الٰہ اور تیسرے الٰہ سے چوتھے الٰہ کا اور چوتھے الٰہ سے پانچویں الٰہ کا پیدا ہونا بھی ممکن ہوگا (بلکہ) پہلے ہی خدا سے بے شمار خداوں کا پیدا ممکن ہوگا اس لیے کہ جس انسان سے ایک بیٹے کا پیدا ہونا ممکن ہے اسی سے دس بیٹوں کا پیدا ہونا بھی بلاشبہ ممکن ہے اور خداوند قدوس کی صفات کمال تو غیر محدود اور غیر متناہی ہونی چاہیے ایک محدود بیٹے پر اس کو ختم کر دینا مناسب نہیں۔

۹- نیز عقیدہ امانت میں یہ کہنا کہ مسیح کے ہاتھ سے ہر چیز پیدا ہوئی اس سے لازم آتا ہے کہ ان کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ علیہا السلام بھی ان کی مخلوق ہوں بلکہ ان کے آباء واجداد بھی ان کی مخلوق ہوں کیونکہ ہر چیز میں وہ بھی داخل ہیں اور مولود کو اپنی والدہ اور اپنے آباء واجداد کا خالق کہنا دیوانہ کا کام ہے۔

۱۰- نیز نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ باپ کی طرح بیٹے نے بھی تمام کائنات کو پیدا کیا گویا کہ کائنات کے دو خالق ہو گئے اور ایک باپ اور ایک بیٹا اگر باپ تمام کائنات کا خالق ہے تو بیٹے کے لیے کیا باقی رہا اور اگر بیٹا خالق کائنات ہے تو باپ کے لیے کیا باقی رہا۔

۱۱- نیز عقیدہ امانت میں یہ کہنا کہ وہ خدا آسمان سے نازل ہوا اور مجسم ہو کر کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوا تاکہ عالم کی خلاصی نجات کا سبب بنے سو یہ امر بھی سراسر غیر معقول ہے اور ذرہ برابر قابل قبول نہیں اول تو یہ کہ یہ دعوی بلا دلیل ہے بلکہ خدا تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ بندہ مسیح بن مریم علیہ السلام پر صریح بہتان اور افتراء ہے اور الوہیت اور نبوت کی تحقیر و تذلیل کی ایک عجیب وغریب من گھڑت داستان ہے جس کو کوئی ادنیٰ عقل والا شخص بھی ماننے کے لیے تیار نہیں اور اگر بفرض محال تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور تجسم عالم کی خلاصی اور نجات کے لیے ہوا تھا تو علماء نصرانیت اور عقلاء مسیح یہ بتلائیں کہ تمہارے زعم کے مطابق حضرت مسیح نے جو مصیبت اور ذلت تمہاری خلاصی اور نجات کے لیے اختیار فرمائی وہ تمہاری کسی مصیبت اور مصائب وآلام اور امراض واسقام اور موت سے نجات دلائی تو مشاہدہ اس کی تکذیب کرے گا کوئی فرد وبشر دنیا میں ایسا نہیں کہ جو طلب معاش میں سرگرداں اور حیران نہ ہو اور رنج وغم اور بیماری اور موت سے نجات پا گیا ہو اور اگر یہ کہیں کہ نفس وشیطان کے پنجہ سے ہم کو نجات دلائی تو یہ بھی مشاہدہ کے خلاف ہے نصاریٰ کی جس مجلس میں چاہے چلے جاؤ اور آنکھ

سے دیکھو کہ نفس اور شیطان نے نصاریٰ کا کس طرح کھیل اور تماشہ بنا رکھا ہے نصاریٰ سے بڑھ کر کوئی قوم نفس وشیطان کی اسیر نہیں اور اگر یہ کہیں کہ خلاصی اور نجات سے ہماری مراد یہ ہے کہ دار دنیا میں احکام خداوندی کی بجا آوری اور پابندی سے خلاص اور آزاد ہو گئے اور نماز اور روزہ ہم پر ضروری نہیں اور فرض نہیں رہا ہم جو چاہیں کریں خدا کا ہم پر کوئی مواخذہ نہیں تو حضرت مسیح اور ان کے حواریین کے اقوال اس کی تکذیب کریں گے جو خدا تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کے متعلق ان سے اناجیل میں منقول ہیں اور اگر یہ کہیں کہ خلاصی اور نجات سے ہماری مراد یہ ہے کہ دار آخرت کے احکام سے خلاص ہو گئے اور نجات پا گئے یعنی دنیا میں جو چاہیں چوری کریں یا زنا اور بدکاری کریں اور شراب خوری کریں اور رقص وسرود کی محفلیں کریں غرض یہ کہ جو چاہیں نفس وشیطان کے مطابق کام کریں آخرت میں ہم پر کوئی مواخذہ نہ ہو گا یسوع مسیح ہمارا نجات دہندہ ہے اس نے صلیب کی تکلیف اور مصیبت جھیل کر ہم کو قیامت کے مواخذہ اور حساب اور عذاب اور عقاب سے نجات دلا دی ہے سو اگر نصاریٰ کے نزدیک خلاصی اور نجات سے یہ معنی مراد ہیں تو یہ معنی تمام انبیاء کرام کی تعلیم اور حضرت مسیح کی تعلیم کے بالکل خلاف ہیں اور توریت اور انجیل اس کی تکذیب کرتی ہے انجیل میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اہل یمین سے یہ کہیں گے جاؤ نعیم مقیم کی طرف اور اہل شمال کو اولاً توبیخ اور سرزنش کریں گے کہ تم نے یہ کیا کیا اور یہ کیا جاؤ اس کی سزا بھگتو اور اس عذاب کی طرف جاؤ جو تمہارے لیے پہلے سے تیار کیا گیا ہے۔ پس اے نصاریٰ حیاریٰ جب تم کو اپنی دنیا میں اور آخرت کا حال معلوم ہو گیا تو خدارا یہ بتلاؤ کہ تمہارے زعم کے مطابق جس خدا نے آسمان سے اتر کر تمہاری نجات اور خلاصی کے لیے صلیبی موت کا مزہ چکھا اس نے کسی مصیبت سے تم کو نجات دلائی اور جس کا نام تم نے مخلص عالم نجات اور خلاصی بخشی اور تم کو دنیا اور آخرت کی کن پریشانیوں سے بے فکر بنا دیا اور کیا تم اس مفروضہ صلیبی موت کے ذریعہ نفس شیطان کے چنگل سے نجات پا گئے ہو۔

۱۲- پھر یہ کہ عقیدہ امانت میں یہ ذکر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آ کر زندوں اور مردوں کے درمیان فیصلہ کریں گے تو غرض یہ کہ جو ذات نصاریٰ کے نزدیک اس قدر عاجز اور لاچار اور بے بس کہ اپنے چند دشمنوں کو بھی جو اس کی مخلوق تھے ان کو بھی دفع نہ کر سکی وہ دوبارہ زندہ ہو کر سارے عالم کا کس طرح فیصلہ کر سکے گی ممکن ہے پہلی مرتبہ کی طرح دوسری مرتبہ بھی عیسیٰ علیہ السلام پر ان کے دشمن غالب آ جائیں اور نصاریٰ کے پاس اس کی کیا کفالت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آمد کے پہلی مرتبہ کی طرح ذلت اور اہانت کا ماجرا پیش نہیں آ سکتا۔

۱۳- نیز اس عقیدہ امانت میں یہ بھی کہا گیا کہ مسیح مریم عذراء اور روح القدس سے مجسم ہوئے تو اس سے تو نتیجہ نکلتا ہے کہ مسیح روح القدس کے بیٹے ہوں جیسا کہ وہ مریم کے بیٹے ہیں نہ کہ خدا کے بیٹے اس لیے کہ حضرت مسیح کو جب روح القدس سے تجسد اور تجسم حاصل ہوا تو وہ ابن روح القدس ہوئے نہ ابن اللہ۔

۱۴- پھر یہ کہ اس عقیدہ امانت کے اخیر میں یہ ہے کہ ہم ایمان لاتے ہیں روح القدس پر جو کہ روح حق ہے اور باپ سے نکلی ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح روح القدس بھی باپ سے نکلے ہیں اور یہ بھی خدا کے بیٹے ہیں اور حضرت مسیح کے بھائی ہیں اس لیے کہ جب مسیح کی طرح روح القدس بھی باپ سے نکلے تو وہ بھی اسی باپ کے بیٹے ہوئے جس باپ کے حضرت مسیح بیٹے ہیں اور ایک باپ کے دو بیٹے آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں تو اس اعتبار سے حضرت مسیح روح

القدس کے بھائی ہوئے اور اس اعتبار سے کہ حضرت مسیح روح القدس سے مجسم اور متجسد ہوئے ہیں (جیسا کہ ابھی گزرا) حضرت مسیح روح القدس کے بیٹے ہوئے اور ایک ہی ذات کا ایک ہی ذات کے حق میں بیٹا اور بھائی بننا عقلاً محال ہے۔

۱۵- نیز عیسائیوں کی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ بیٹا باپ سے متولد ہوا اور ان دونوں سے روح القدس متولد ہوئے (دیکھو استفسار، ص: ۲۴) جس کا مطلب یہ ہوا کہ مسیح بن مریم تو خدا کے بیٹے ہیں اور روح القدس خدا کے پوتے ہیں کیونکہ بیٹے کا بیٹا پوتا ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام:...... یہ کہ نصاریٰ کا یہ بنیادی عقیدہ ہے جس کے بغیر ان کے نزدیک نجات ممکن نہیں ناظرین کرام نے دیکھ لیا کہ یہ عقیدہ عقیدہ امانت نہیں بلکہ درحقیقت عقیدہ خیانت ہے جو کہ ازل تا آخر جہالتوں اور حماقتوں اور متناقض باتوں کا مجموعہ ہے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات وتلقیات اور حضرت مسیح اور حواریین کی تصریحات کے صریح خلاف ہے اس لیے کہ تمام کتب سماویہ اور توریت اور زبور اور انجیل توحید کی تعلیم سے بھری پڑی ہے۔

پھر یہ عقیدۂ امانت عجب گورکھ دھندہ ہے جس کا اول اور آخر متناقض اور متضاد ہے اس لیے کہ اس عقیدہ کے ابتداء میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مسیح مولود اور مخلوق ہیں اور اللہ ہی ہر نظر آنے والی اور نہ نظر آنے والی چیز کا خالق ہے جس میں عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ بھی داخل ہیں پھر اس ایمان اور اقرار کے بعد چند جملوں کے بعد یہ کہہ دیا کہ ہم اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ مسیح خدا ہے اور تمام اشیاء کا خالق اور تو کیا یہ دونوں ایمان ایک دوسرے کی ضد اور نقیض نہیں تو جس عقیدہ میں اس درجہ اختلاف ہو اور تناقض ہو وہ کبھی حق نہیں ہوسکتا ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾۔

نیز نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو خدائے معبود بھی کہتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ مولود بھی تھے مریم کے پیٹ میں حمل رہے اور پھر اس سے متولد ہوئے نصاریٰ بتلائیں کہ کیا ایک فرزند مولود بھی خدائے معبود ہوسکتا ہے ایک ذات میں مولودیت اور معبودیت کا اجتماع عقلاً ناممکن اور محال ہے مگر خیال یہ آتا ہے کہ نصاریٰ سے کیا کہیں ان کے نزدیک تو خدا مر کر اور قبر میں دفن ہونے کے باوجود بھی خدا ہوسکتا ہے اور موت اور دفن ان کے نزدیک الوہیت کے منافی نہیں تو شکم مادر سے ولادت ان کے نزدیک کہاں سے الوہیت کے منافی ہوگی۔ نعوذ باللہ من هذه الخرافات ولا حول ولا قوة الا بالله سبحانه وتعالىٰ عما یصفون۔

خاتمہ کلام بر معذرت واستدعاء دعائے مغفرت

حق جل شانہ کا ارشاد ہے ﴿لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ اس لیے کہ اس ناچیز نے اس مقام پر احقاق حق کے ساتھ ابطال باطل یعنی تردید تثلیث وغیرہ پر مفصل کلام کیا تا کہ حضرات اہل علم تتبع اور استقراء کی مشقت سے بچ جائیں اور اس ناچیز کو دعائے مغفرت سے نوازیں۔ بحمدہٖ تعالیٰ جو کچھ لکھا ہے وہ مسئلہ کی تحقیق اور تفصیل ہے تطویل نہیں بلکہ رد نصرانیت میں سلف اور خلف کی تحقیق کا عطر اور لب لباب ہے۔

فالحمد لله الذی هدانا لهذا

وما كنا لنهتدی لولا ان هدانا الله۔

يَسْتَفْتُونَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ

حکم پوچھتے ہیں تجھ سے سو کہہ دے اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا ف۱ اگر کوئی مرد مرگیا اور اس کے بیٹا نہیں اور اس کے ایک بہن ہے

حکم پوچھتے ہیں تجھ سے۔ تو کہہ اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا۔ اگر ایک مرد مر گیا کہ اس کو بیٹا نہیں، اور اس کو ایک بہن ہے

فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا

تو اس کو پہنچے آدھا اس کا جو چھوڑ مرا ف۲ اور وہ بھائی وارث ہے اس بہن کا اگر نہ ہو اس کے بیٹا ف۳ پھر اگر بہنیں دو ہوں تو ان کو پہنچے

تو اس کو پہنچے آدھا جو چھوڑ مرا۔ اور وہ بھائی وارث ہے اس بہن کا اگر نہ رہے اس کو بیٹا۔ پھر اگر بہنیں دو ہوں تو ان کو پہنچے

الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ

دو تہائی اس مال کا جو چھوڑ مرا ف۴ اور اگر کئی شخص ہوں اسی رشتہ کے کچھ مرد اور کچھ عورتیں تو ایک مرد کا حصہ ہے برابر دو عورتوں کے ف۵

دو تہائی جو کچھ چھوڑ مرا۔ اور اگر کئی شخص ہیں اس ناتے کے مرد اور عورتیں، تو مرد کو دو برابر حصہ عورت کا۔

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ١٧٦ ع ۲۴

بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے تاکہ تم گمراہ نہ ہو ف۶ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے ف۷

بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے کہ نہ بھٹکو۔ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

ف۱ شروع سورت میں آیت میراث میں کلالہ کی میراث کا ذکر گزر چکا ہے۔ اس کے بعد جو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے متعلق زیادہ تفصیل پوچھنی چاہی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کلالہ کے معنی ہیں کمزور اور ضعیف۔ یہاں وہ شخص مراد ہے جس کے وارثوں میں باپ اور اولاد میں سے کوئی نہ ہو جیسا کہ پہلے بیان ہوا کیونکہ اصلی وارث والد اور ولد ہی ہیں جس کے یہ نہیں تو اس کے حقیقی بھائی بہن کو بیٹا بیٹی کا حکم ہے اور اگر حقیقی نہ ہوں تو یہی حکم سوتیلوں کا ہے جو کہ باپ میں شریک ہوں ایک بہن ہو تو آدھا اور دو بہنیں ہوں تو دو تہائی اور اگر بھائی اور بہن دونوں ہیں تو مرد کو دوہرا حصہ اور عورت کو اکہرا ملے گا اور اگر فقط بھائی ہوں بہن کوئی نہ ہو تو وہ بہن کے مال کے وارث ہونگے یعنی ان کا کوئی حصہ معین نہیں کیونکہ وہ عصبہ ہیں جیسا کہ آیت میں آگے یہ سب صورتیں مذکور ہیں۔ اب باقی رہ گئے وہ بھائی بہن جو صرف ماں میں شریک ہوں جن کو اخیافی کہتے ہیں سو ان کا حکم شروع سورت میں فرما دیا گیا ان کا حصہ معین ہے۔

ف۲ یعنی اگر کوئی مرد مرگیا اور اس نے ایک بہن چھوڑی نہ بیٹا چھوڑا نہ باپ تو اس کو میراث میں نصف مال ملے گا۔

ف۳ یعنی اور اگر اس کے برعکس ہو یعنی کوئی عورت لاولد مرگئی اور اس نے بھائی اعیانی یا علاتی چھوڑا تو وہ بہن کے مال کا وارث ہوگا کیونکہ وہ عصبہ ہے اور اگر اس نے لڑکا چھوڑا تو بھائی کو کچھ نہ ملے گا اور لڑکی چھوڑی تو لڑکی سے جو بچے گا وہ اس بھائی کو ملے گا اور بھائی یا بہن اخیافی چھوڑے گی تو اس کے لئے چھٹا حصہ معین ہے جیسا کہ ابتداء سورت میں ارشاد ہوا۔

ف۴ اور اگر دو سے زیادہ بہنیں چھوڑے تو ان کو بھی دو تہائی دیا جائیگا۔

ف۵ کچھ مرد اور کچھ عورتیں یعنی کچھ بھائی اور کچھ بہنیں چھوڑیں تو بھائی کا دوہرا اور بہن کا اکہرا حصہ ہے جیسا کہ اولاد کا حکم ہے۔

ف۶ یعنی اللہ رحیم و کریم محض اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اور انکو گمراہی سے بچانے کی غرض سے اپنے احکام حقہ صادقہ بیان فرماتا ہے جیسے یہاں میراث کلالہ کو بیان فرما دیا۔ اس کی اس میں کوئی غرض نہیں وہ سب سے غنی اور بے نیاز ہے تو اب جو اس مہربانی کی قدر نہ کرے بلکہ اس کے حکم سے انحراف کرے اس کی شقاوت کا کیا ٹھکانہ۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ بندہ کو جملہ احکام کی تابعداری لازم ہے۔ اگر ایک معمولی اور جزوی امر میں بھی خلاف کرے گا تو گمراہی ہے پھر جو لوگ اس کی ذات پاک اور اس کی صفات کمال میں اس کے حکم کا خلاف کرتے ہیں اور اپنی عقل اور اپنی خواہش کو اس کے مقابلہ میں اپنا مقتدا بناتے ہیں ان کی ضلالت اور خباثت کو اسی سے سمجھ لیجئے کہ کس درجہ کی ہوگی۔

ف۷ اس سے پہلے معلوم ہوا تھا کہ حق سبحانہ اپنے بندوں کی ہدایت کو پسند فرماتا ہے۔ اب فرمایا کہ اس کو سب چیزیں معلوم ہیں تو مطلب یہ نکلا کہ مسائل دینیہ میں =

= جو ضرورت پیش آئے اس کو پوچھ لو سو اس ارشاد میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو کلالہ کے مسئلہ میں استفسار فرمایا تھا اس کی تحسین کی طرف اور آئندہ کو ایسے سوالات کرنے کی ترغیب کی طرف اشارہ سمجھ میں آتا ہے اور یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے یعنی تم نہیں جانتے تم تو یہ بھی نہیں بتلا سکتے کہ کلالہ اور اس کے سوا دیگر صورتوں میں جو حصہ مقرر فرمایا گیا اس کی وجہ حقیقت میں کیا ہے۔ پھر آدمی کی عقل اس قابل کب ہوسکتی ہے کہ اس کے بھروسے حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات وصفات میں وحی کے خلاف پر جرأت کرے جو اپنے تعلقات اور اپنے اقارب کے فرق اور امتیاز سے عاجز ہو وہ ذات بے چون و بے چگوں اور اس کی صفات کو بدون اس کے بتلائے کیا سمجھ سکتا ہے۔

فائدہ: اس جگہ کلالہ کے حکم اور اس کے سبب نزول کو بیان فرمانے سے چند باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ جیسے پہلے ﴿وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ فرما کر اس کے بعد بطریق تمثیل اہل کتاب کا حال ذکر فرمایا تھا ایسے ہی ارشاد ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ﴾ الی آخر الآیۃ کے بعد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطریق تمثیل ذکر فرمایا تاکہ وحی سے انحراف کرنے والوں کی گمراہی اور برائی اور وحی کا اتباع کرنے والوں کی حقانیت اور بھلائی خوب سمجھ میں آجائے۔ اسی کے ذیل میں دوسری بات یہ بھی ظاہر ہوگئی کہ اہل کتاب نے تو یہ غضب کیا کہ ذات اقدس سبحانہ وتعالیٰ کے لئے شریک اور اولاد جیسے شنیع امر کو اپنا ایمان بنا لیا اور وحی الٰہی کا خم ٹھونک کر خلاف کیا اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت ہے کہ اصول ایمان اور عبادات تو درکنار معاملات جزئیہ اور معمولی مسائل متعلقہ میراث نکاح وغیرہ میں بھی وحی کے متجسس اور منتظر رہتے ہیں اور ہر امر میں رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے منہ کو تکتے ہیں اپنی عقل اور خواہش کو حاکم نہیں سمجھتے۔ اگر ایک دفعہ میں تشفی نہ ہوتی تو مکرر حاضر خدمت ہو کر دریافت کرتے ہیں۔ مصرعہ: ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔

اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم بھی بلا حکم وحی اپنی طرف سے حکم نہ فرماتے تھے اگر کسی امر میں حکم وحی موجود نہ ہوتا تو حکم فرمانے میں نزول وحی کا انتظار فرماتے جب وحی آتی تب حکم فرماتے۔ اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ ذات پاک وحدہ لاشریک لہ کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ چنانچہ آیات متعددہ میں ان الحکم الا للہ وغیرہ صاف مذکور ہے باقی جو ہیں وہ سب واسطہ ہیں ان کے ذریعہ سے اوروں کو حکم الٰہی پہنچایا جاتا ہے البتہ اتنا فرق ہے کوئی واسطہ قریب ہے کوئی بعید جیسا حکم سلطانی پہنچانے کے لئے وزیر اعظم اور دیگر مقربین شاہی اور حکام اعلیٰ اور ادنیٰ درجہ بدرجہ سب واسطہ ہوتے ہیں پھر اس سے زیادہ گمراہی کیا ہوگی کہ کسی امر میں وحی الٰہی کے مقابلہ میں کوئی گمراہ کسی کی بات سنے اور اس پر عمل کرے۔

آنانکہ بجز روئے تو بجائے نگر انند
کوتہ نظر انند چہ کوتہ نظر انند

نیز اشارہ ہے اس طرف کہ ایک دفعہ تمام کتاب کے نازل ہونے میں جیسا کہ اہل کتاب درخواست کرتے ہیں وہ خوبی نہیں جو حسب حاجت اور حسب موقع متفرق نازل ہونے میں ہے کیونکہ ہر کوئی اپنی ضرورت کے موافق اس صورت میں سوال کرسکتا ہے اور بذریعہ وحی متلو اس کو جواب مل سکتا ہے جیسا کہ اس موقع میں اور قرآن مجید کے بہت سے مواقع میں موجود ہے اور یہ صورت مفید تر ہونے کے علاوہ بوجہ شرافت ذکر خداوندی وعزت خطاب حق عزوجل ایسے فخر عظیم پر مشتمل ہے جو کسی امت کو نصیب نہیں ہوا۔ واللہ ذو الفضل العظیم جس صحابی کی بھلائی میں یا اس کے سوال کے جواب میں کوئی آیت نازل ہوئی وہ اس کے مناقب میں شمار ہوتی ہے اور اختلاف کے موقع میں جس کی رائے یا جس کے قول کے موافق وحی متلو اتری قیامت تک ان کی خوبی اور نام نیک باقی رہے گا سو کلالہ کے متعلق سوال و جواب کا ذکر فرما کر اس طرح کے بالعموم سوالات اور جوابات کی طرف اشارہ فرما دیا اور شاید اسی اشارہ کی غرض سے سوال کو مطلق رکھا مسئول عنہ کو سوال کے ساتھ ذکر نہ فرمایا بلکہ جواب میں اس کی تصریح فرمائی جس کی دوسری نظیر قرآن شریف میں نہیں اور نیز جواب کو بالتصریح حق تعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا واللہ اعلم واللہ الھادی۔ الحاصل جملہ احکام کے لئے وحی الٰہی منشا اور اصل ہے اور ہدایت اسی کی متابعت پر موقوف ہے اور کفر وضلالت اسی کی مخالفت میں منحصر ہے اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہود ونصاریٰ اور جملہ مشرکین اور جملہ اہل ضلالت کی گمراہی کی جڑ یہی مخالفت تھی اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بہت جگہ وحی کی متابعت کی خوبی اور اس کی مخالفت کی خرابی پر متنبہ فرمایا بالخصوص اس موقع میں تو دو رکوع اس مہتم بالشان مضمون کے لئے نازل فرمائے اور تفصیل اور تمثیل کے ساتھ بیان فرمایا شاید اسی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب میں باب "كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" منعقد فرما کر آیت ﴿اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ کو ترجمۃ الباب میں داخل کیا اور ان دونوں رکوع کی طرف اشارہ کر گئے گویا مطلب یہ ہے وقولہ تعالیٰ انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ الی آخر مضمون الوحی واللہ اعلم۔

خاتمہ سورت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ ... الى... وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾

ربط: ...... اس سورت کے اول میں میراث کے احکام بیان کیے گئے اب اسی پر اس سورت کو ختم کرتے ہیں اس لیے کہ میراث کے احکام سخت دشوار ہیں جن میں بڑے بڑے عقلاء کی عقلیں حیران ہیں اللہ کی ہدایت نے اور اس کے نازل کردہ نور مبین نے ان دقیق احکام کو واضح اور روشن کر دیا اور اللہ کی برہان یعنی محمد رسول اللہ کی بعثت سے لوگوں پر حجت پوری ہوئی۔

شروع سورت میں بھی کلالہ کی میراث کا ذکر گزر چکا ہے اس کے بعد بعض صحابہ ﷺ نے اس کے متعلق زیادہ تفصیل پوچھنی چاہی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی شروع سورت میں جو کلالہ کی میراث میں آیت گزر چکی ہے اس لیے کہ وہ جاڑوں میں نازل ہوئی اس کو آیت الشتا کہتے ہیں اور اس آیت کو بوجہ اس کے گرمیوں میں نازل ہونے کے آیۃ الصیف کہتے ہیں۔

اور لفظ کلالہ کا اطلاق وارث اور مورث دونوں پر ہوتا ہے پس آیت میں کلالہ سے یا تو وہ میت مراد ہے جس کے وارث اس کے ماں باپ اور اولاد نہ ہوں یا وہ وارث مراد ہے جو کہ میت کے نہ ماں باپ میں سے ہو اور نہ اسکی اولاد میں سے ہو۔

صحیحین میں جابر بن عبداللہ انصاری ؓ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ بیمار ہوا تو رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر ؓ میری عیادت کو آئے اس وقت میں اپنے ہوش میں نہ تھا آپ ﷺ نے وضو کیا اور وضو کا بچا ہوا پانی مجھ پر چھڑکا جس سے مجھ کو ہوش آ گیا تو دیکھا رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں کلالہ ہوں میری میراث کیسے تقسیم ہوگی اس پر یہ آیت نازل ہوئی کلالہ کی میراث کے بارہ میں لوگ آپ ﷺ سے فتوی پوچھتے ہیں یعنی جس شخص کے اصول وفروع ماں باپ اور اولاد نہ ہوں اس کی میراث کا کیا حکم ہے آپ ﷺ جواب فرما دیجئے کہ اللہ تم کو کلالہ کے بارہ میں یہ فتوی دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کے کوئی اولاد نہ ہو نہ بیٹا نہ بیٹی اور نہ پوتا اور نہ پوتی اور علی ہذا نہ ماں باپ بھی نہ ہوں اور اس کے ایک عینی یا علاتی بہن ہو تو اس بہن کو اس کے ترکہ میں سے نصف حصہ ملے گا اور اس آیت میں بہن سے سگی یا علاتی بہن مراد ہے کیونکہ اخیافی بہن کا حکم شروع سورت میں گزر چکا ہے اور اگر وہ شخص جس اوپر ذکر ہوا ہے وہ تو زندہ ہو اور اس کی بہن مذکورہ مرجائے تو یہ بھائی اپنی بہن کے کل ترکہ کا وارث ہوگا بشرطیکہ اس بہن کے کوئی اولاد نہ ہو نہ والدین ہوں یعنی اگر کوئی عورت مرجائے اور اس کے اولاد نہ ہو اور نہ والدین ہوں اور صرف ایک سگا بھائی ہو یا ایک علاتی بھائی چھوڑے تو وہ بھائی اپنی اس بہن کے کل مال کا وارث ہوگا لیکن اخیافی بھائی کا یہ حکم نہیں اس کا صرف چھٹا حصہ ملے گا جیسا کہ شروع سورت میں گزر چکا۔ یہ تو ایک بہن کا بیان تھا اب اگر شخص مذکورہ مرجائے اور ویسی ہی اس کی دو بہنیں یا زیادہ ہوں تو ان کا حصہ اس مال کا دو تہائی ہے اور دو سے زیادہ بہنوں کا بھی یہی حکم ہے اور مطلب یہ کہ اگر کسی کے باپ اور لڑکا نہ ہو اور وہ دو یا دو سے زیادہ حقیقی یا علاتی بہنیں چھوڑے تو ان سب کا حصہ میت کے ترکہ میں سے دو تہائی ہے اور اگر ایسی میت جس کے نہ اولاد ہے اور نہ والدین خواہ وہ میت مذکر ہو یا مونث وہ مرنے کے بعد چند وارث چھوڑے جو ملے جلے مرد وعورت ہوں یعنی بھائی اور بہنیں ہوں تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے بشرطیکہ وہ سب عینی یا سب علاتی ہوں اور اگر

عینی یا علاتی مخلوط ہیں تو ان کا حکم دوسرا ہے جو کتب فرائض میں مذکور ہے اب اللہ تعالیٰ ان احکام کی حکمت بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ان احکام اور فرائض کو اس لیے بیان کرتا ہے کہ لاعلمی کی بناء پر تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور کسی کو حق سے کم یا زائد نہ دے دو اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے تم کو چاہیے کہ اس کے حکم کے پابند رہو اور اپنی ناقص رائے سے اس میں دخل نہ دو کیونکہ تمہیں خود اپنی ہی مصلحتوں کا علم نہیں دنیا کی مصلحتوں کو کیا جانو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں یہ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے فرائض کے متعلق شروع سورۂ نساء میں جو آیتیں نازل فرمائیں ان میں سے پہلی آیت اولاد اور ماں باپ کی میراث کے بارہ میں ہے اور دوسری آیت شوہر اور بیوی اور اخیافی بھائی بہنوں کی میراث کے بارہ میں ہے اور جس آیت پر اللہ نے سورۂ نساء کو ختم فرمایا وہ حقیقی اور علاتی بہنوں بھائی کی میراث کے بارہ میں ہے اور خاتمہ سورۂ انفال کی آیت ذوی الارحام کے بارہ میں ہے۔ (تفسیر کبیر: ۳/ ۳۶۰)

اس سورت کا آغاز خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کے بیان سے ہوا اور اختتام کمال علم کے بیان پور ہوا اور کمال قدرت اور کمال علم یہ سے اللہ کی ربوبیت اور الوہیت اور جلال اور عزت ثابت ہوتی ہے پس بندوں کا فرض ہے کہ اس علیم و قدیر کے احکام کی بے چون و چرا تعمیل کریں اور دل و جان سے اس کے اوامر اور نواہی کے پابند رہیں (تفسیر کبیر)۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم اتم واحکم۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ آج بوقت چاشت ۲۳ رمضان المبارک دوشنبہ ۱۳۸۲ھ جامعہ اشرفیہ لاہور میں سورۂ نساء کی تفسیر اختتام کو پہنچی انشاء اللہ تعالیٰ اب اس کے بعد سورۂ مائدہ کی تفسیر آتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست اور دعا ہے کہ اپنے فضل ورحمت سے اس تفسیر کو اس فقیر کے ہاتھ سے مکمل فرمادے آمین۔ وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔ وآخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمين وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا مولانا محمد وعلى اله واصحابه وازواجه وذرياته اجمعين وعلينا معهم يا ارحم الراحمين

تفسیر سورۂ مائدہ

اس سورت کو مائدہ کہتے ہیں کہ اس لیے کہ اس میں اس مائدہ (خوان) کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا اور اس سورت کا نام سورۃ العقود بھی ہے اور یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے یعنی ہجرت کے بعد نازل ہوئی اس میں ایک سو بیس یا ایک سو بائیس یا ایک سو تئیس آیتیں ہیں اور سولہ رکوع ہیں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سورۃ مائدہ ان سورتوں میں سے ہے جو اخیر میں نازل ہوئیں جو اس میں حلال پاؤ اس کو حلال جانو اور جو اس میں حرام پاؤ اس کو حرام جانو۔ بعض مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہی سورت سب سے اخیر میں نازل ہوئی اس کے بعد کوئی سورت نازل نہیں ہوئی مگر اکثر مفسرین کے نزدیک اس کے بعد ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ﴾ نازل ہوئی جس میں آپ ﷺ کی وفات کی خبر دی گئی۔ واللہ اعلم

ربط:...... گزشتہ سورت (سورۂ نساء) میں حق تعالیٰ نے مختلف عقود اور عہود کو بیان کیا مثلاً عقد نکاح اور عقد مہر اور عقد حلف اور

عقد امان اور عقد امانت اور عقد ودیعت وغیرہ وغیرہ کو ذکر فرمایا پھر اخیر سورت میں ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ﴾ الخ میں یہود کی بدعہدیوں کو ذکر کیا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے احکام کو وفاء عقود کے حکم سے شروع فرمایا۔ وفاء عہد کا حکم دیا اور عہد شکنی سے منع فرمایا نیز گزشتہ سورۃ میں یہود ونصاریٰ کے محاجہ پر مشتمل ہے گویا کہ سورت مائدہ سورت نساء کا تتمہ اور تکملہ ہے پہلی سورت یعنی سورۃ نساء کا آغاز عام یعنی ﴿يَآيُّهَا النَّاسُ﴾ سے ہوا اور اس سورت یعنی سورۂ مائدہ کا آغاز خطاب خاص یعنی ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ سے ہوا۔

(۵ سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۲) (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) (اٰیاتها ۱۲۱ رکوعاتها ۱۶)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ

اے ایمان والو پورا کرو عہدوں کو ف ۱

اے ایمان والو پورا کرو قرار

تاکید اکید در بارہ ایفاء عقود وعہود خواہ متعلق بحقوق عباد باشند یا بحقوق معبود

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾

اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ پورا کرو ان عہدوں کو جو تم نے التزام احکام کے بارہ میں خدا تعالیٰ سے باندھے ہیں خواہ وہ براہ راست خدا تعالیٰ سے متعلق ہوں یا بندوں سے متعلق ہوں یا دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے متعلق ہوں اس لیے کہ ایمان درحقیقت ایک معاہدہ التزام ہے کہ میں دل وجان سے اللہ اور اس کے رسول کی تمام احکام کو صحیح اور صادق سمجھ کر ان کو واجب الالتزام اور لازم العمل تسلیم کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ دل وجان سے ان احکام کی تعمیل کروں گا پس یہ عہد التزام، ایمان کی حقیقت ہے جس میں تمام احکام آ گئے اور یہ ایمان درحقیقت عہد الست کی تجدید ہے جس میں حق ربوبیت ادا کرنے کا عہد لیا گیا تھا اسی طرح ایمان جملہ حقوق ادا کرنے کا ایک مضبوط عہد اور اقرار ہے اس لیے حکم یہ دیتے ہیں

ف ۱ ایمان شرعی دو چیزوں کا نام ہے صحیح معرفت اور تسلیم وانقیاد۔ یعنی خدا اور رسول کے جملہ ارشادات کو صحیح وصادق سمجھ کر تسلیم وقبول کے لئے اخلاص سے گردن جھکا دینا۔ اس تسلیمی جزء کے لحاظ سے ایمان فی الحقیقت تمام قوانین واحکام الٰہیہ کے ماننے اور جملہ حقوق ادا کرنے کا ایک مضبوط عہد واقرار ہے گویا حق تعالیٰ کی ربوبیت کاملہ کا وہ اقرار جو عہد الست کے سلسلہ میں لیا گیا تھا جس کا نمایاں اثر انسان کی فطرت اور سرشت میں آج تک موجود ہے اسی کی تجدید وتشریح ایمان شرعی سے ہوتی ہے۔ پھر ایمان شرعی میں جو کچھ اجمالی عہد وپیمان تھا اسی کی تفصیل پورے قرآن وسنت میں دکھلائی گئی ہے۔ اس صورت میں دعویٰ ایمان کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ تمام احکام الٰہیہ میں خواہ ان کا تعلق براہ راست خدا سے ہو یا بندوں سے جسمانی تربیت سے ہو یا روحانی اصلاح سے دنیاوی مفاد سے ہو یا اخروی فلاح سے شخصی زندگی سے ہو یا حیات اجتماعی سے، صلح سے ہو یا جنگ سے، اس کا عہد کرتا ہے کہ ہر نہج سے اپنے مالک کا وفادار رہے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو عہد وپیمان اسلام، جہاد، سمع وطاعت، یا دوسرے عمدہ خصال اور امور خیر کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم سے بشکل بیعت لیتے تھے وہ اسی عہد ایمانی کی ایک مخصوص صورت تھی۔ اور چونکہ ایمان کے ضمن میں بندہ کو حق تعالیٰ کے جلال وجبروت کی صحیح معرفت اور اس کی شان انصاف وانتقام اور وعدوں کی سچائی کا پورا پورا یقین بھی حاصل ہو چکا ہے، اس کا مقتضا یہ ہے کہ وہ بدعہدی اور غداری کے مہلک عواقب سے ڈر کر اپنے تمام عہدوں کو جو خدا سے یا بندوں سے یا خود اپنے نفس سے کئے ہوں اس طرح پورا کرے کہ مالک حقیقی کی وفاداری میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔ اس تقریر کے موافق عقود (عہدوں) کی تفسیر میں جو مختلف چیزیں سلف سے منقول ہیں ان سب میں تطبیق ہو جاتی ہے اور آیت میں "ایمان والو" کے لفظ سے خطاب فرمانے کا لطف مزید حاصل ہوتا ہے۔

کہ اے ایمان والو تم نے ایمان لا کر التزام احکام کا اجمالی طور پر جو عہد اور پیمان کیا ہے اس کو پورا کرو پھر اس حکم اجمالی کے بعد خاص خاص عہدوں اور خاص خاص حکموں کے پورا کرنے کی تاکید فرماتے ہیں عقود جمع عقد کی ہے جس کے معنی گرہ لگانے کے ہیں ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا کر خوب باندھ دیا جائے اس جگہ عقود سے تکالیف شرعیہ اور احکام دینیہ مراد ہیں جن میں اللہ نے بندوں کو باندھ دیا ہے اور بندہ ان میں جکڑا ہوا ہے بندہ پر ان کی پابندی اور التزام ضروری ہے پس یہ معلوم ہو گیا کہ ایمان درحقیقت التزام اطاعت کا اجمالی معاہدہ ہے جسے آج کل کی اصطلاح میں حلف وفاداری کہتے ہیں یہ اجمالی معاہدہ تو ایک امر بسیط ہے لیکن تمام احکام شرعیہ اسی معاہدہ کی دفعات ہیں اسی وجہ سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایمان میں کمی زیادتی نہیں اس لیے کہ ایمان درحقیقت التزام طاعت خداوندی کے معاہدہ کا نام ہے جو ایک امر بسیط ہے اس میں فی حد ذاتہ تجزی اور تبعض اور کمی اور زیادتی جاری نہیں ہوتی جیسے عقد نکاح حقوق زوجیت کے التزام کا ایک اجمالی معاہدہ ہے اور وہ ایک امر بسیط ہے جس میں کمی اور زیادتی نہیں ایجاب وقبول سے پورا ہو جاتا ہے اور نان نفقہ اور سکنی وغیرہ تمام امور عقد نکاح کے اجزاء ترکیبیہ نہیں بلکہ اس کے دفعات اور لوازم ہیں اسی طرح اعمال صالحہ عقد ایمان کے لوازم اور اس کی دفعات ہیں جن کی بجا آوری لازم اور ضروری ہے معاہدہ ایمان کے اجزاء ترکیبیہ نہیں حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں یعنی جب آدمی مسلمان ہوا تو سب حکم اللہ کے قبول کرنے ٹھہرا چکا اب آگے حکم فرماتے ہیں کہ ان کو قبول کرو (موضح القرآن) یعنی حسب عہد ان احکام کو بجالاؤ جن کے التزام کا تم نے عہد کیا ہے خلاف عہد کوئی کام نہ کرو بے وفائی اور عہد شکنی بہت بری چیز ہے۔

أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۗ إِنَّ

حلال ہوئے تمہارے لئے چوپائے مویشی ف۱ سوائے ان کے جو تم کو آگے سنائے جاویں گے ف۲ مگر حلال نہ جانو شکار کو احرام کی حالت میں ف۳

حلال ہوئے تم کو چوپائے مویشی، سوا اس کے جو تم کو سنا دیں گے، مگر حلال نہ جانو شکار کو اپنے احرام میں۔

اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ①

اللہ حکم کرتا ہے جو چاہے ف۴

اللہ حکم کرتا ہے جو چاہے۔

ف۱ "سورۂ نساء" میں گزر چکا ہے کہ یہود کو ظلم و بدعہدی کی سزا میں بعض حلال وطیب چیزوں سے محروم کر دیا گیا تھا۔ ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ﴾ جن کی تفصیل "سورۂ انعام" میں ہے اس امت مرحومہ کو ایفائے عہد کی ہدایت کے ساتھ ان چیزوں سے بھی منتفع ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ یعنی اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری، اور اسی جنس کے تمام اہلی اور وحشی (پالتو اور جنگلی) چوپائے مثلاً ہرن، نیل گائے وغیرہ تمہارے لیے ہر حالت میں حلال کیے گئے، بجز ان حیوانات یا حالات کے جن کے متعلق حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی تمہارے جسمانی یا روحانی یا اخلاقی مصلحت کے لئے ممانعت فرما دی ہے۔

ف۲ غالباً اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اسی رکوع کی تیسری آیت میں بیان کی گئی ہیں۔ یعنی "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ" سے "ذٰلِكُمْ فِسْقٌ" تک۔

ف۳ محرم کو صرف خشکی کے جانور کا شکار جائز نہیں دریائی شکار کی اجازت ہے۔ اور جب حالت احرام کی رعایت اس قدر ہے کہ اس میں شکار کرنا ممنوع ٹھہرا تو خود حرم شریف کی حرمت کا لحاظ اس سے کہیں زیادہ ہونا چاہیے۔ یعنی حرم کے جانور کا شکار محرم وغیر محرم سب کے لئے حرام ہوگا جیسا کہ ﴿لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ﴾ کے عموم سے مترشح ہوتا ہے۔

تفصیل بعد از جمال یعنی عقود وعہود کی تفصیل - عقد اول - تحلیل بہیمۃ الانعام

قال تعالیٰ: ﴿اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ... الی... اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ میں اجمالی طور پر وفاء عقود کا حکم تھا اب اس اجمال کی تفصیل شروع ہوتی ہے سب سے پہلے عقد حلت وحرمت کو بیان فرمایا کہ حلال وحرام کے بارہ میں حق تعالیٰ نے تم سے عہد لیا ہے اس کو پورا کرو سورۂ نساء کے اخیر میں گزر چکا ہے یہود پر ظلم اور بدعہدی کی سزا میں بعض حلال اور طیب چیزیں حرام کردی گئیں کما قال تعالیٰ: ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ جن کی تفصیل سورۂ انعام میں ہے اب اس آیت میں امت محمدیہ کو ایفاء عہد کی ہدایت کی جاتی ہے کہ جو چیزیں ہم نے تم پر اپنی رحمت سے حلال کردی ہیں صرف ان کو استعمال کرو اور جو چیزیں تم پر حرام کردی ہیں ان سے پرہیز کرو اور اشارہ اس طرف بھی ہے کہ اے مسلمانو تم نصاریٰ کی طرح حلال وحرام کی تقسیم کو ختم نہ کردینا بہائم اور حیوانات کے نزدیک حلال وحرام کی کوئی تقسیم نہیں جہاں چاہا منہ مارا اور کھالیا یہی حال آج کل متمدن قوموں کا ہے یہ مذہب انسانوں کا نہیں بلکہ یہ مذہب حیوانوں کا ہے چنانچہ فرماتے ہیں حلال کردیے گئے تمہارے لیے تمام چوپائے مویشی مگر وہ جانور جن کی حرمت آئندہ تمہارے سامنے بیان کیے کی جائے گی وہ تمہارے لیے حلال نہیں یعنی وہ جانور جن کا آئندہ آیت ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ الخ میں ذکر ہے وہ باوجود "بہیمۃ الانعام" میں داخل ہونے کے حلت کے حکم سے مستثنیٰ ہیں باقی ان کے علاوہ سب جانوروں کا کھانا اور شکار کرنا تمہارے لیے ہر حال میں حلال ہے مگر حالت احرام میں تم شکار کو حلال نہ جانو لہٰذا بحالت احرام اور حدود حرم کے اندر کسی جانور کا شکار نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس احکم الحاکمین سے یہ دریافت کرسکے یہ حکم کیوں دیا نیز حق تعالیٰ حاکم مطلق ہونے کے علاوہ حکیم مطلق بھی ہیں اس نے اپنی حکمت بالغہ سے ہر جانور میں ایک خاص صفت اور خاص کیفیت اور خاص استعداد رکھی ہے جس جانور کو بندوں کے لیے مفید جانا اس کو اپنی رحمت سے حلال کردیا اور جس کو مضر جانا اس کو حرام کردیا ہے پس اس نے اپنے علم وحکمت سے جو حکم دیا اس کا اتباع کرو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ

اے ایمان والو حلال نہ سمجھو اللہ کی نشانیوں کو ف ۱ اور نہ ادب والے مہینہ کو ف ۲ اور نہ اس جانور کو جو نیاز کعبہ کی ہو اور نہ جن کے گلے

اے ایمان والو! حلال نہ سمجھو اللہ کے نام کی چیزیں اور نہ ادب والا مہینہ، اور نہ نیاز کے جانور جو مکہ کو جائیں، اور نہ گلے میں

=ف ۱۲ جس خدا نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا پھر کمال حکمت سے ان میں باہم فرق مراتب رکھا ہر نوع میں اس کی استعداد کے موافق جدا جدا فطری خواص وقویٰ ودیعت کیے۔ زندگی اور موت کی مختلف صورتیں تجویز کیں بلاشبہ اسی خدا کو اپنی مخلوقات میں یہ حق حاصل ہے کہ اپنے اختیار کامل علم محیط اور حکمت بالغہ کے اقتضا سے جس چیز کو جس کسی کے لئے جن حالات میں چاہے حلال یا حرام کردے لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ

ف ۱ یعنی جو چیزیں حق تعالیٰ کی عظمت ومعبودیت کے لئے علامات اور نشانات خاص قرار دی گئی ہیں ان کی بے حرمتی مت کرو۔ ان میں حرم، محترم بیت اللہ شریف، جمرات، صفا ومروہ، ہدی، احرام، مساجد، کتب سماویہ وغیرہ، تمامی حدود وفرائض اور احکام دینیہ شامل ہیں۔ آگے ان نشانیوں میں سے بعض مخصوص چیزوں کو جو مناسک سے متعلق ہیں ذکر فرماتے ہیں جیسا کہ اس سے پہلی آیت میں بھی محرم کے بعض احکام ذکر کئے گئے تھے۔

ف ۲ ادب والے مہینے چار ہیں ﴿مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ ذوالقعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب ان کی تعظیم واحترام یہ ہے کہ دوسرے مہینوں سے بڑھ کر ان میں نیکی =

وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ

پٹا ڈال کر لیجاویں کعبہ کو ف۱ اور نہ آنے والوں کو حرمت والے گھر کی طرف جو ڈھونڈتے ہیں فضل اپنے رب کا اور اس کی خوشی ف۲ اور جب احرام سے نکلو

لٹکن والیاں اور نہ آنے والوں کو ادب والے گھر کی طرف ڈھونڈتے ہیں فضل اپنے رب کا اور خوشی۔ اور جب احرام سے نکلو

فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ

تو شکار کرلو ف۳ اور باعث نہ ہو تم کو اس قوم کی دشمنی جو کہ تم کو روکتی تھی حرمت والی مسجد سے اس پر کہ

تو شکار کرو۔ اور باعث نہ ہو تم کو ایک قوم کی دشمنی کہ تم کو روکتے تھے ادب والی مسجد سے، اس پر کہ

تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪

زیادتی کرنے لگو ف۴ اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر ف۵

زیادتی کرو۔ اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر، اور مدد نہ کرو گناہ پر اور زیادتی پر،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۲

اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے ف۶

اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

= اور تقویٰ کو لازم پکڑے اور شر و فساد سے بچنے کا اہتمام کیا جائے خصوصاً حجاج کو ستا کر اور دق کر کے حج بیت اللہ سے نہ روکا جائے۔ گویا یہ امور سال کے بارہ مہینوں میں واجب العمل ہیں لیکن ان محترم مہینوں میں بالخصوص بہت زیادہ مؤکد قرار دیے گئے۔ باقی دشمنان اسلام کے مقابلہ میں جارحانہ اقدام ہو تو جمہور کا مذہب یہی ہے بلکہ ابن جریر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس کی ان مہینوں میں ممانعت نہیں رہی اس کا بیان سورۃ توبہ میں آئے گا۔ انشاء اللہ

ف۱ قلائد، قلادۃ کی جمع ہے جس سے مراد وہ ہار یا پٹا ہے جو ہدی کے جانور کے گلے میں نشان کے طور پر ڈالتے تھے تاکہ ہدی کا جانور سمجھ کر اس سے تعرض نہ کیا جائے اور دیکھنے والوں کو اسی جیسا عمل کرنے کی ترغیب بھی ہو قرآن کریم نے ان چیزوں کی تعظیم و حرمت کو باقی رکھا اور ہدی یا اس کی علامات سے تعرض کرنے کو ممنوع قرار دیا۔

ف۲ بظاہر یہ شان صرف مسلمانوں کی ہے۔ یعنی جو مخلص مسلمان حج و عمرہ کے لئے جائیں ان کی تعظیم و احترام کرو۔ اور ان کی راہ میں روڑے مت اٹکاؤ اور جو مشرکین حج بیت اللہ کے لئے آتے تھے اگر وہ بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہوں کیونکہ وہ بھی اپنے زعم اور عقیدہ کے موافق خدا کے فضل و قرب اور خوشنودی کے طالب ہوتے تھے تو کہنا پڑے گا کہ یہ حکم اس وقت سے پہلے کا ہے جب کہ ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ کی منادی کرائی گئی۔

ف۳ یعنی حالت احرام میں شکار کی جو ممانعت کی گئی تھی وہ احرام کھول دینے کے بعد باقی نہیں رہی۔

ف۴ پچھلی آیت میں جن شعائر کو حق تعالیٰ نے معظم و محترم قرار دیا تھا ۶ھ ہجری میں مشرکین مکہ نے ان سب کی اہانت کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم ماہ ذیقعدہ میں محض عمرہ ادا کرنے کیلئے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر مشرکین نے اس مذہبی وظیفہ کی بجا آوری سے روک دیا نہ حالت احرام کا خیال کیا نہ کعبہ کی حرمت کا نہ محترم مہینہ کا نہ ھدی و قلائد کا۔ مسلمان شعائر اللہ کی اس توہین اور مذہبی فرائض سے روک دیے جانے پر ایسی ظالم اور وحشی قوم کے مقابلہ میں جس قدر بھی غیظ و غضب اور بغض و عداوت کا اظہار کرتے وہ حق بجانب تھے اور جوش انتقام سے برافروختہ ہو کر جو کاروائی بھی کر بیٹھتے وہ ممکن تھی۔ لیکن اسلام کی محبت و عداوت دونوں نپی تلی ہیں۔ قرآن کریم نے ایسے جابر و ظالم دشمن کے مقابلہ پر بھی اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کا حکم دیا۔ عموماً آدمی زیادہ محبت یا زیادہ عداوت کے جوش میں حد سے گزر جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ سخت سے سخت دشمنی تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو کہ تم زیادتی کر بیٹھو اور عدل و انصاف کو ہاتھ سے چھوڑ دو۔ .... =

حکم دوم شعائر دین اسلام

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ... الی... شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں احلال بھیمۃ الانعام کے لیے غیر محلی الصید کی قید ذکر فرمائی کہ جو کہ احرام اور حرم محترم کی تعظیم میں مخل تھی اس لیے اب آئندہ آیت میں شعائر دین کی بے حرمتی کی ممانعت فرماتے ہیں ہیں جو معنیً شعائر دین کے احترام کا حکم ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ کے دین کے احترام اور ادب کو پوری طرح ملحوظ رکھو لہٰذا تم اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو یعنی جن چیزوں کو اللہ نے اپنے دین کی نشانی قرار دیا ہے جیسے کعبۃ اللہ اور صفا اور مروہ اور حجر اسود اور عرفات اور منیٰ و مزدلفہ اور قربانی کے جانور وغیرہ ان کی بے حرمتی نہ کرو۔

ف:...... شعائر دین اُن امور کو کہتے ہیں جو اسلام کی خاص علامت ہوں اور ان سے اسلام کی خاص شان و شوکت ظاہر ہوتی ہو جیسے اذان اور حج اور عمرہ اور قربانی اور نہ ماہ حرام کی بے حرمتی کرو یعنی جن چار مہینوں کی لڑائی حرام ہے ان میں لڑائی کر کے ان کی بے حرمتی نہ کرو ابتداءً میں چار مہینوں میں یعنی محرم کی لڑائی حرام ہے اور ان میں لڑائی کر کے ان کی بے حرمتی نہ کرو ابتداء میں چار مہینوں یعنی محرم اور رجب اور ذیقعدہ اور ذی الحجہ میں قتل و قتال کی ممانعت تھی بعد میں یہ ممانعت باقی نہیں رہی جس کا بیان ان شاء اللہ سورۃ توبہ میں آئے گا اور نہ قربانیوں کی بے حرمتی کرو یعنی جو جانور بغرض قربانی خانہ کعبہ بھیجے جاتے ہیں ان پر لوٹ ڈال کر ان کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ ان جانوروں کی بے حرمتی کرو جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں ایسے جانوروں سے تعرض کرنا بہت ہی برا ہے اس لیے کہ جب ان کے ساتھ قربانی کی شناخت موجود ہے تو پھر یہ عذر بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ہم کو خبر نہ تھی یہ قربانی کے جانور ہیں اور نہ ان لوگوں کی بے حرمتی کرو جو خانہ کعبہ کی زیارت کے قصد سے جا رہے ہوں اور جو اپنے پروردگار کے فضل اور خوشنودی کے طلب گار ہوں خانہ کعبہ کا ادب یہ ہے کہ جو اس کی زیارت کو جا رہا ہے اس سے تعرض نہ کرو اس لیے کہ جب خانہ کعبہ کے ادب اور احترام میں قربانی کے جانور سے تعرض جائز نہیں تو انسان سے تعرض کرنا کیسے روا ہوگا مطلب یہ ہے کہ مشرکین جس کام میں اللہ کی تعظیم کریں اس کام میں کافروں کی مزاحمت نہ کرو البتہ بت وغیرہ کی تعظیم میں ان کی مزاحمت اور اہانت کرو مشرکین عرب اپنے آپ کو ملت ابراہیم کا پیرو کار کہتے تھے اور اسی بناء پر وہ حج اور عمرہ کی نیت سے سفر کرتے اور اپنے گمان میں وہ اللہ کی خوشنودی کا قصد کرتے ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو لوگ خانہ کعبہ کی زیارت کے قصد سے آتے ہیں ان سے تعرض نہ کرو یہ حکم اس وقت تھا کہ جب مشرکین کو خانہ کعبہ کی زیارت کی اجازت تھی اور جب ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ یہ آیت نازل ہوئی تو مشرکین کو خانہ کعبہ میں آنے کی ممانعت کر دی گئی اور اس ممانعت کی عام منادی کر دی

=ف۵ اگر کوئی شخص بالفرض جوش انتقام میں زیادتی کر بیٹھے تو اس کے روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ جماعت اسلام اس کے ظلم و عدوان کی اعانت نہ کرے۔ بلکہ سب مل کر نیکی اور پرہیزگاری کا مظاہرہ کریں اور اشخاص کی زیادتیوں اور بے اعتدالیوں کو روکیں۔

ف۶ یعنی حق پرستی، انصاف پسندی اور تمام عمدہ اخلاق کی جو خدا کا خوف ہے اور اگر خدا سے ڈر کر نیکی سے تعاون اور بدی سے ترک تعاون نہ کیا تو عام عذاب کا اندیشہ ہے۔

گئی اور اے مسلمانو! حالت احرام میں تم پر شکار حرام ہے لیکن جب تم احرام سے باہر ہو جاؤ تو تم کو اجازت ہے کہ تم شکار کرو حج اور عمرہ کے احرام کے احترام میں شکار کی ممانعت تھی اور جب احترام ختم ہو گیا تو حرمت بھی ختم ہو گئی اور اے مسلمانوں تم کو خانہ کعبہ اور مسجد حرام کا احترام دوستی اور دشمنی ہر حالت میں ملحوظ رہنا چاہیے یہاں تک کہ کسی قوم کی دشمنی اور عداوت اس بناء پر کہ انہوں نے تم کو حدیبیہ کے سال مسجد حرام کی زیارت سے روکا تھا یہ دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم حدود ادب سے تجاوز کر جاؤ اور جوش عداوت میں احرام اور حدود حرم کے ادب اور احترام کی حدود باہر ہو جاؤ اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور تعدی یعنی ظلم وستم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو بلکہ اس کے برعکس نیکی اور پرہیزگاری کی ترغیب دو پہلی آیت میں دشمنی کا دستور العمل تھا کہ دشمنی تم کو بے انصافی پر آمادہ نہ کرے اور اس آیت میں دوستی کا دستور العمل ہے کہ دوستی میں کسی کی بے جا حمایت نہ کرو جیسے آج کل پارٹیوں میں ہوتا ہے بلکہ بر اور تقوی میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو سخت عذاب دینے والا ہے لہٰذا تم کو چاہیے کہ نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو تا کہ تم اللہ کے فضل اور رضوان سے حصہ ملے اور سخت عذاب سے محفوظ رہو بر یعنی نیکی سے لوگ خوش ہوتے ہیں اور تقوی سے اللہ خوش ہوتا ہے جس نے دونوں باتوں کو اپنے اندر جمع کر لیا اس نے سعادت مکمل کر لی بر (نیکی) فعل خیرات کا نام ہے اور تقوی اور پرہیزگاری ترک منکرات کا نام ہے جس میں یہ دونوں خصلتیں جمع ہو جائیں اور اس کی خوش نصیبی کا کیا پوچھنا۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ

حرام ہوا تم پر مردہ جانور ف۱ اور لہو ف۲ اور گوشت سور کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا اور جو مر گیا ہو

حرام ہوا تم پر مردہ، اور لہو، اور گوشت سؤر کا، اور جس چیز پر نام پکارا اللہ کے سوا کا، اور جو مر گیا

وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَى

گلا گھونٹنے سے یا چوٹ سے یا اونچے سے گر کر یا سینگ مارنے سے اور جس کو کھایا ہو درندہ نے مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا اور حرام ہے جو ذبح ہوا

گھٹ کر، یا چوٹ سے یا گر کر یا سینگ مارے سے، اور جس کو کھایا پھاڑنے والے نے، مگر جو ذبح کر لیا۔ اور جو ذبح ہوا کسی

ف۱ اس آیت سے جن چیزوں کا کھانا حرام ہوا ان میں اول میتہ (مردار جانور) ہے جو واجب الذبح جانور ذبح کئے بدون خود اپنی موت سے مر جائے اس کا خون اور حرارت غلیظہ گوشت ہی میں محتقن اور جذب ہو کر رہ جاتی ہے جس کی سمّیت اور گندگی سے کئی قسم کے بدنی اور دینی مضار لاحق ہوتے ہیں (ابن کثیر) شاید اسی تعلیل پر متنبہ فرمانے کے لئے میتہ (مردہ جانور) کے بعد دم (خون) کی حرمت مذکور ہوئی اس کے بعد حیوانات کی ایک خاص نوع (خنزیر) کی تحریم کا ذکر کیا۔ جس کی بے انتہا نجاست خوری اور بے حیائی مشہور عام ہے شاید اسی لئے شریعت حقہ نے دم (خون) کی طرح اس کو نجس العین قرار دیا ان تین چیزوں کے ذکر کے بعد جن کی ذات میں مادی گندگی اور خباثت پائی جاتی تھی محرمات کی ایک اور قسم کا ذکر فرمایا یعنی وہ جانور جو اپنی ذات کے اعتبار سے حلال وطیب ہے، مگر مالک حقیقی کے سوا کسی اور کی نیاز کے طور پر نامزد کر دیا گیا ہو اس کا کھانا بھی نیت کی خباثت اور عقیدہ کی گندگی کی بنا پر حرام ہے۔ کسی جاندار کی جان صرف اسی مالک وخالق کے حکم اور نام پر لی جا سکتی ہے جس کے حکم اور ارادہ سے اس پر موت وحیات طاری ہوتی ہے۔ باقی "مُنْخَنِقَه" وغیرہ غیر مذبوح جانور سب میتہ کے حکم میں داخل ہیں جیسا کہ "مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ"، "مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" کے ساتھ ملحق ہے۔ جاہلیت میں ان سب چیزوں کے کھانے کی عادت تھی اس لئے اس قدر تفصیل سے ان کا بیان فرمایا۔

ف۲ یعنی بہتا ہوا خون ﴿اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾ (انعام، رکوع ۱۷)

النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ

کسی تھان پر فل اور یہ کہ تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے فٹ یہ گناہ کا کام ہے

تھان پر، اور یہ کہ بانٹا کرو پانسے ڈال کر۔ یہ گناہ کا کام ہے۔

حکم سوم تفصیل محرمات

ربط:......شروع سورت میں ﴿اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ سے جن چیزوں کی تحریم کی طرف اجمالی اشارہ تھا اب اس آیت میں ان محرمات کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ وہ بہیمۃ الانعام جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے وہ بعض احوال میں حرام ہو جاتے ہیں اور اس حالت میں ان کا استعمال ممنوع ہے لہٰذا تم کو چاہیے کہ ان محرمات سے بچو تاکہ خدا تعالیٰ کے شدید عذاب سے محفوظ رہو جیسا کہ گزشتہ آیت میں حکم دیا تھا ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ اور حرام سے بچنے کا نام تقوی اور پرہیزگاری ہے اب آئندہ آیت میں ان محرمات کی تفصیل فرماتے ہیں جن کا اوپر کی آیت ﴿اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ میں اجمالاً ذکر فرمایا تھا چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو وہ چیزیں جو کہ حلال چیزوں سے مستثنیٰ کی گئیں اور تم پر حرام کی گئیں وہ گیارہ چیزیں ہیں۔

(اول) مردار جانور یعنی جو بلا ذبح اور بلا شکار کے اپنی طبعی موت مر جائے وہ تم پر حرام کیا گیا اس لیے کہ جب وہ جانور ذبح نہیں کیا گیا تو اس کا خون اندر ہی اندر منجمد ہو گیا جس کا کھانا تمہارے لیے غایت درجہ مضر صحت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر مردار جانوروں کا کھانا حرام کیا۔

اور (دوسری) چیز جو تم پر حرام کی گئی وہ خون ہے جو بہتا ہوا ہو جیسا کہ دوسری جگہ ہے ﴿اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾ مشرکین عرب خون جما کر کسی توے اور کڑھائی میں تل کر کھایا کرتے تھے اس آیت میں اس کو حرام کر دیا گیا البتہ وہ خون جو گوشت پر

فل تھوڑا سا پہلے ہدی کے ادب و احترام کا ذکر فرمایا تھا یعنی وہ جانور جو تقرب الی اللہ کی غرض سے خدائے واحد کی سب سے پہلی عبادت گاہ کی نیاز کے طور پر ذبح کیا جاتا ہے اس کے بالمقابل اس جانور کا بیان فرمانا جسے خدا کے سوا کسی دوسرے کے نام پر یا خانہ خدا کے سوا کسی دوسرے مکان کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے (موضح القرآن) اس دوسری صورت میں بھی فی الحقیقت نیت نذر غیر اللہ ہی کی ہوتی ہے گو ذبح کے وقت زبان سے "بسم اللہ اللہ اکبر" کہا جائے۔ اس تقریر کے موافق "مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" اور "وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ" کا فرق واضح ہو گیا (ابن کثیر)

فٹ بعض مفسرین نے ازلام سے تقسیم کے تیر مراد لئے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں لحم ذبیحہ وغیرہ کے بانٹنے میں استعمال ہوتے تھے اور وہ ایک صورت قمار (جوئے) کی تھی جیسے آجکل چٹھی ڈالنے کی رسم ہے لیکن حافظ عماد الدین ابن کثیر وغیرہ محققین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ازلام سے مراد وہ تیر ہیں جن سے مشرکین مکہ کسی اشکال اور تردد کے وقت اپنے ارادوں اور کاموں کا فیصلہ کرتے تھے یہ تیر خانہ کعبہ میں قریش کے سب سے بڑے بت "ہبل" کے پاس رکھتے تھے۔ ان میں سے کسی پر امرنی ربی، لکھا تھا (میرے پروردگار نے حکم دیا) کسی پر "نہانی ربی" اسی طرح ہر تیر پر یوں ہی اٹکل پچو باتیں لکھ چھوڑی تھیں۔ جب کسی کام میں تذبذب ہوا تو تیر نکال کر دیکھ لئے۔ اگر "امرنی ربی" والا تیر نکل آیا تو کام شروع کر دیا اور اس کے خلاف نکلا تو رک گئے وعلیٰ ہذا القیاس گویا بتوں سے یہ ایک قسم کا مشورہ اور استعانت تھی۔ چونکہ اس رسم کا مبنیٰ خالص جہل، شرک، اوہام پرستی اور افتراء علی اللہ پر تھا اس لئے قرآن کریم نے متعدد مواقع میں نہایت تغلیظ و تشدید کے ساتھ اس کی حرمت کو ظاہر فرمایا ہے اس تقریر کے موافق "ازلام" کا ذکر "نصب" کی مناسبت سے ہوا اور مردار، خون، خنزیر وغیرہ نہایت ہی خبیث اور گندی چیزوں کی تحریم کے سلسلہ میں منسلک کر کے بتلا دیا کہ اس کی معنوی اور اعتقادی نجاست وخباثت ان چیزوں سے کم نہیں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں "رجس" کے اطلاق سے ظاہر ہوتا ہے۔

لگا رہ جائے وہ اس سے مستثنیٰ ہے اور علیٰ ہذا کلیجی اور تلی بھی مستثنیٰ ہے خون کا کھانا چونکہ نہایت مضر صحت ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے اس کا کھانا حرام فرمایا اور (تیسری) چیز سور کا گوشت حرام کیا گیا جس میں اس کی چربی اور اس کی کھال بھی شامل ہے غذا کا اثر اخلاق پر پڑتا ہے اور سور میں بہت سی صفات ذمیمہ پائی جاتی ہیں وہ حد درجہ کا حریص اور پرلے درجہ کا بے غیرت ہے بے غیرتی اس کے خمیر میں داخل ہے جو قومیں سور کا گوشت کھاتی ہیں وہ بے غیرت ہیں۔ عیاں راچہ بیاں اس لیے شریعت نے سور کے گوشت کو حرام کیا تاکہ مسلمان بے غیرتی سے محفوظ رہیں قرآن کریم میں اگرچہ سور کے گوشت کی حرمت کا ذکر آیا ہے لیکن تمام امت محمدیہ پر اس کا اجماع ہے کہ سور نجس العین ہے اور اس کے کسی جزء سے انتفاع درست نہیں خدا تعالیٰ نے کھانے کی تخصیص اس لیے کی ہے جانور سے بڑا مقصود کھانا ہی ہوتا ہے۔

اور (چوتھی) چیز جو بقصد تقرب غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو وہ بھی تم پر حرام کیا گیا بقصد تقرّب و تعظیم جانور کو غیر اللہ کے لیے نامزد کرنا یہ شرک ہے اس نیت شرکیہ کی وجہ سے وہ جانور نجس ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا حرام ہو جاتا ہے اگرچہ ذبح کے وقت اس پر اللہ ہی کا نام لیا جائے اس لیے کہ حرمت کا مدار اس نیت شرکیہ پر ہے جب تک اس نیت سے توبہ نہ کرے گا حلال نہ ہوگا جس طرح کلب اور خنزیر اور بہائم محرمہ ذبح کے وقت خدا کا نام لینے سے حلال نہیں ہو جاتے اسی طرح ﴿وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ﴾ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے سے حلال نہ ہوگا جب تک اس نیت شرکیہ سے توبہ نہ کرے اور حدیث میں ہے "انما الاعمال بالنیات" اس بارہ میں مفصل کلام سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جو جانور غیر خدا کی تعظیم کے لیے ذبح کیا جائے وہ مردار ہے۔

اور (پانچویں) چیز وہ جانور جو گلا گھٹ کر مر جائے وہ بھی تم پر حرام کیا گیا اس لیے کہ ایسا جانور در حقیقت مردار ہے۔

اور (چھٹی) چیز وہ جانور جو چوٹ کھا کر مرا ہو وہ بھی تم پر حرام کیا گیا یعنی لکڑی کی چوٹ سے مر گیا وہ بھی حرام کیا گیا۔

(اور ساتویں) چیز وہ جانور جو اوپر سے نیچے گر کر مرا ہو خواہ وہ خود گر مرا ہو یا کسی نے گرایا ہو وہ بھی حرام کیا گیا۔

اور (آٹھویں) چیز وہ جانور کہ جو دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مرا ہو وہ بھی تم پر حرام کیا گیا وہ بھی مردار ہے۔

اور (نویں) چیز وہ جانور جس کو درندے نے پھاڑ کھایا ہو اس کا بقیہ تم پر حرام ہے لیکن منخنقہ اور موقوذہ اور متردیہ اور ما اکل السبع میں جن جانوروں کا ذکر ہے ان میں سے اگر تم کسی جانور کو جان نکلنے سے پہلے قاعدہ شرعیہ کے مطابق ذبح کر ڈالو تو وہ اس حرمت کے حکم سے مستثنیٰ اور خارج ہے یعنی ان جانوروں میں اگر تم کسی کو جیتا ہوا پاؤ اور مرنے سے پہلے اس کو ذبح کر لو تو وہ حرام نہیں ہے۔

ف:...... منخنقہ اور موقوذہ اور متردیہ اور ما اکل السبع اگرچہ یہ سب چیزیں میتہ میں داخل تھیں لیکن ان کو علیحدہ ذکر کیا عام اطلاق میں میتہ اسی جانور کو کہتے ہیں کہ جس کی موت کا کوئی ظاہری سبب نہ ہو اور منخنقہ وغیرہ میں موت کا ظاہری سبب موجود ہے اس لیے ان کو علیحدہ ذکر کیا یہ سب مردار کے حکم میں ہیں۔

اور (دسویں) چیز جو تم پر حرام کی گئی وہ وہ جانور ہے کہ ذبح کیا جائے کسی تھان پر یعنی کسی معبود کے باطل نشان پر وہ بھی حرام ہے تھان سے مراد وہ مقامات ہیں جن کو لوگ متبرک سمجھ کر خدا کے سوا دوسروں کی نذر و نیاز چڑھاتے تھے۔

امام راغب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نُصُب اُن پتھروں کو کہتے ہیں جن کو مشرکین عرب غیر اللہ کی عبادت کے لیے نصب کرتے تھے اور جانوروں کو لے جا کر وہاں ذبح کرتے تھے کما قال تعالیٰ: ﴿اِلٰی نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ﴾ (مفردات ص: ۵۱۳)

نُصُب اور صنم میں فرق یہ ہے کہ نُصُب اس غیر مصور پتھر کو کہتے ہیں جو کسی دیوتا یا دیوی کے نام پر کھڑا کیا جائے اور صَنَم وہ مصور پتھر ہے جس پر کسی دیوتا یا دیوی کی تصویر یعنی صورت بنی ہوئی ہو خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ پتھر کھڑے کیے ہوئے تھے جن کو مشرکین اپنے دیوتاؤں کا تھان سمجھ کر بتوں کے لیے ان کے پاس آ کر قربانیاں کیا کرتے تھے اور کچھ خون بھی ان پر چھڑک دیا کرتے تھے اور ان پتھروں کو بدلتے بھی رہتے تھے ایک پتھر کے بجائے دوسرا اچھا پتھر رکھ دیتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی نجس اور حرام کر دیا اور ان قربانیوں کے کھانے کی ممانعت کی جو ان تھانوں پر کی جائیں کیونکہ یہ صورت بھی فی الحقیقت نذر بغیر اللہ کی ایک خاص صورت ہے۔ گو ذبح کے وقت زبان سے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ دیا جائے اس لیے کہ اصل مقصود اور اصل نیت اس ذبح سے غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب ہے جو شرک ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا کیونکہ حرمت کا اصل دار و مدار نیت شرکیہ پر ہے جس کا ظہور کبھی قول سے ہوتا ہے اور کبھی فعل سے یعنی ایسے مقامات پر ذبح کرنے سے جو بتوں کے نام پر بنے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایسا ذبیحہ کھانا حرام قرار دیا۔ (تفسیر قرطبی: ۶/ ۵۷، وتفسیر ابن کثیر: ۲/ ۱۱، وتفسیر کبیر: ۳/ ۳۶۶)

نکتہ:...... گزشتہ آیت میں ہدی کے ادب اور احترام کا ذکر تھا کہ جو جانور تقرب الی اللہ کی غرض سے خانہ کعبہ پہنچ جاتے ہیں ان سے تعرض نہ کرو اب اس آیت میں اس کے بالمقابل اس جانور کا ذکر فرمایا جو خدا کے سوا کسی دوسرے کے نام پر ذبح کیا جائے یا خانہ خدا کے سوا کسی دوسرے مکان کی تعظیم کے لیے ذبح کیا جائے تو وہ حرام اور مردار ہے (ماخوذ از موضح القرآن) اس تقریر سے ﴿مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ اور ﴿مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ کا فرق واضح ہو گیا۔ فللہ الحمد۔

اور (گیارھویں) چیز جو تم پر حرام کی گئی وہ یہ ہے کہ پانسوں سے تم قسمت معلوم کرو (ازلام، زلم) کی جمع ہے جس کے معنی تیر کے ہیں ازلام ان تیروں کو کہتے ہیں کہ جو بتوں کے مجاوروں کے پاس ہوا کرتے تھے مشرکین عرب کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی ضرورت پیش آتی اور کسی مہتم بالشان کام کا ارادہ کرتے تو قسمت (انجام) معلوم کرنے کے لیے ان مجاوروں کے پاس جا کر سوال کرتے کہ مثلاً میں نکاح کروں یا نہ کروں اور اس سفر میں جاؤں یا نہ جاؤں تو وہ مجاور اپنا تھیلا نکالتا جس میں تین تیر ہوتے ایک پر لکھا ہوا تھا امرنی ربی (حکم دیا مجھ کو میرے رب نے) دوسرے تیر پر لکھا تھا نہانی ربی (منع کیا مجھ کو میرے رب نے) اور تیسرا تیر خالی تھا یہ تینوں تیر مجاور کے پاس ایک تھیلے میں رکھے رہتے تھے جب کسی کو کسی کام میں کوئی تردد اور تذبذب لاحق ہوتا تو مجاور کے پاس جاتے اور وہ تھیلہ میں ہاتھ ڈال کر کسی تیر نکالتا اگر امرنی ربی والا تیر نکل آیا تو وہ کام کرتے اور اگر نہانی ربی والا تیر نکل آیا تو ایک سال کے لیے اس کام سے رک جاتے اور اگر خالی تیر نکلتا تو پھر یہی عمل کیا جاتا یہاں تک کہ کرو یا نہ کرو والا تیر نکلتا چونکہ یہ بتوں سے ایک قسم کا مشورہ اور استعانت تھی جس کی بناء خالص جہالت اور وہم پرستی اور افتراء علی اللہ پر تھی اس لیے حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں جا بجا اس رسم کی حرمت کو شدت کے ساتھ ذکر فرمایا اور اس

مقام پر میتہ اور خنزیر جیسی گندی چیزوں کے ساتھ ملا کر اس کی حرمت کو بیان فرمایا اور یہ بتلا دیا کہ یہ ایک مشرکانہ اور جاہلانہ رسم ہے اس طریقہ سے قسمت اور انجام کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتا شریعت نے بجائے اس رسم قبیح کے استخارہ کا حکم دیا کہ جب کسی امر میں تردد ہو تو استخارہ کرو یہ تمام باتیں جو تم پر حرام کی گئیں سب فسق و فجور یعنی گناہ اور بدکاری ہیں یا یوں کہوں کہ ذلکم کا اشارہ فقط اخیر یعنی استقسام بالازلام کی طرف ہے اور مطلب یہ کہ تیروں سے قسمت اور انجام کا معلوم کرنا سراسر فسق اور ضلالت اور شرک اور جہالت ہے مومن کا کام یہ ہے کہ جب اس کو کسی کام میں تردد ہو تو خداوند ذوالجلال کی طرف رجوع کرے اور استخارہ کرے جیسا کہ احادیث میں اس کا طریقہ وارد ہوا ہے۔

اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ

آج ناامید ہوگئے کافر تمہارے دین سے سو ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو ف۱ آج میں پورا کر چکا

آج ناامید ہوئے کافر تمہارے دین سے، سو ان سے مت ڈرو، اور مجھ سے ڈرو، آج میں پورا دے چکا

لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ

تمہارے لئے دین تمہارا ف۲ اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا ف۳ اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین ف۴

تم کو دین تمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے دین مسلمانی۔

ف۱ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ زندگی کے ہر شعبہ اور علوم ہدایت کے ہر باب کے متعلق اصول و قواعد ایسی طرح ممہد ہو چکے تھے اور فروع و جزئیات کا بیان بھی اتنی کافی تفصیل اور جامعیت سے کیا جا چکا تھا کہ پیروان اسلام کے لئے قیامت تک قانون الٰہی کے سوا کوئی دوسرا قانون قابل التفات نہیں رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے ہزاروں سے متجاوز خدا پرست، جانباز اور سرفروش ہادیوں اور معلموں کی ایسی عظیم الشان جماعت تیار ہو چکی تھی جس کو قرآنی تعلیم کا مجسم نمونہ کہا جا سکتا تھا مکہ معظمہ فتح ہو چکا تھا صحابہ رضی اللہ عنہم کامل وفاداری کے ساتھ خدا سے عہد و پیمان پورے کر رہے تھے نہایت گندی غذائیں اور مردار کھانے والی قوم مادی اور روحانی طیبات کے ذائقہ سے لذت اندوز ہو رہی تھی۔ شعائر الٰہیہ کا ادب و احترام قلوب میں راسخ ہو چکا تھا۔ ظنون و اوہام اور انصاب و ازلام کا تار و پود بکھر چکا تھا۔ شیطان جزیرۃ العرب کی طرف سے ہمیشہ کے لئے مایوس کر دیا گیا تھا کہ دوبارہ وہاں اس کی پرستش ہو سکے ان حالات میں ارشاد ہوا ﴿اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ﴾۔ یعنی آج کفار اس بات سے مایوس ہو گئے ہیں کہ تم کو تمہارے دین قیم سے ہٹا کر پھر "انصاب" و "ازلام" وغیرہ کی طرف لے جائیں یا دین اسلام کو مغلوب کر لینے کی توقعات باندھیں یا احکام دینیہ میں کسی تحریف و تبدیل کی امید قائم کر سکیں آج تم کو کامل و مکمل مذہب مل چکا جس میں کسی ترمیم کا آئندہ امکان نہیں خدا کا انعام تم پر پورا ہو چکا جس کے بعد تمہاری جانب سے اس کے ضائع کر دینے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ خدا نے ابدی طور پر اسی دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا اس لئے اب کسی ناسخ کے آنے کا بھی احتمال نہیں۔ ایسے حالات میں تم کو کفار سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ البتہ اس محسن جلیل اور منعم حقیقی کی ناراضی سے ہمیشہ ڈرتے رہو جس کے ہاتھ میں تمہاری ساری نجاح و فلاح اور کل سود و زیاں ہے۔ گویا ﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ﴾ میں اس پر متنبہ فرما دیا کہ آئندہ مسلم قوم کو کفار سے اس وقت تک کوئی اندیشہ نہیں جب تک ان میں خشیت الٰہی اور تقویٰ کی شان موجود رہے۔

ف۲ یعنی اس کے اخبار و قصص میں پوری سچائی بیان میں پوری تاثیر اور قوانین و احکام میں پورا توسط و اعتدال موجود ہے۔ جو حقائق کتب سابقہ اور دوسرے ادیان سماویہ میں محدود و ناتمام تھے ان کی تکمیل و تعمیم اس دین قیم سے کر دی گئی۔ قرآن و سنت نے "حلت" و "حرمت" وغیرہ کے متعلق تنصیصاً یا تعلیلاً جو احکام دیے ان کا اظہار و ایضاح تو ہمیشہ ہوتا رہے گا لیکن اضافہ یا ترمیم کی مطلق گنجائش نہیں چھوڑی۔

ف۳ سب سے بڑا احسان تو یہی ہے کہ اسلام جیسا مکمل اور ابدی قانون اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نبی تم کو مرحمت فرمایا۔ مزید برآں اطاعت اور استقامت کی توفیق بخشی۔ روحانی غذاؤں اور دنیاوی نعمتوں کا دسترخوان تمہارے لئے بچھا دیا۔ حفاظت قرآن، غلبہ اسلام اور اصلاح عالم کا سامان مہیا فرما دیا۔

ف۴ یعنی اس عالمگیر اور مکمل دین کے بعد اب کسی اور دین کا انتظار کرنا سفاہت ہے "اسلام" جو تفویض و تسلیم کا مرادف ہے اس کے سوا مقبولیت اور نجات کا =

حکم چہارم - تاکید تمسک بشرائع اسلام مع بشارت اکمال دین واتمام انعام

قال تعالیٰ: ﴿اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا...الی...رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾

ربط:......حلال وحرام کی تفصیل کے بعد اب اس آیت میں بشارت دیتے ہیں کہ تمہارا دین مکمل ہو گیا کوئی خیر اور بھلائی ایسی باقی نہ رہی جو بتلا دی گئی ہو اور کوئی شر اور برائی ایسی نہ رہی جس سے منع نہ کر دیا گیا اور اس کے ساتھ اللہ نے تم کو اتنی قوت اور عزت عطا کی کہ کافر ناامید ہو چکے ہیں اور دین اسلام کے مٹانے کا تصور اور خیال خام ان کے دلوں سے نکل چکا ہے لہٰذا اے مسلمانوں تم بے خوف وخطرہ ہو کر دین اسلام کے فرائض اور احکام کو بجالاؤ اور کافروں کی نفرت اور وحشت کو خاطر میں نہ لاؤ دین کا غلبہ مکمل ہو چکا ہے اب کسی میں یہ طاقت نہیں کہ حلال وحرام کے بارہ میں کوئی مزاحمت کر سکے اور جاہلیت کی طرح مخالفین اسلام کے جور وستم کی وجہ سے مسلمان آزادی کے ساتھ شرائع اسلام اور حلال وحرام پر عمل نہیں کرتے اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ضعف کو قوت سے اور اس کے خوف کو امن سے اور اس کے فقر کو غنا سے بدل دیا ہے اب تم آزادی کے ساتھ بے خوف وخطر شرائع اسلام کو بجالاؤ اور جس چیز کو خدا تعالیٰ نے حلال کیا ہے اس کو استعمال کرو اور جسے حرام کیا ہے اس سے بچو۔ چنانچہ فرماتے ہیں آج کے دن یعنی اب کفار تمہارے دین سے ناامید ہو گئے یعنی اس کے مٹانے یا اس پر غالب آجانے سے مایوس ہو گئے اب تک تو یہ سمجھتے تھے کہ اسلام چند روز کا مہمان ہے اور جو لوگ مسلمان ہوئے وہ عنقریب دین اسلام چھوڑ کر پھر انہیں میں جا ملیں گے لیکن اب وہ بالکل ناامید ہو گئے اور سمجھ گئے کہ یہ شمع بجھنے والی نہیں اور یہ پروانے اسے چھوڑنے والے نہیں پس جب یہ بات ہے کہ کفار تمہارے دین کے مٹانے اور اس پر غالب آنے سے ناامید ہو چکے ہیں تو تم اس دین پر عمل کرنے میں ان سے بالکل نہ ڈرو وہ تمہارا کچھ نہیں کر سکتے اور مجھ سے ڈرو یعنی ان کی خوشامد میں شریعت کے خلاف کر کے اپنے کو تباہ نہ کرو اس دین کو کوئی نہیں مٹا سکتا اس سے معلوم ہوا کہ تقیہ ایک فعل مہمل ہے اور بزدلانہ حرکت ہے۔ (تفسیر کبیر: ۳/۳۶۸)

اب میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا تمام حلال وحرام فرض اور واجب چیزیں مکارم اخلاق اور عقائد اور اصول قواعد سب بیان کر دیے اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا کہ تم کو دین کامل دیا اور اب تم کسی دین اور کسی شریعت کے محتاج نہیں رہے اور کافروں پر تمہیں غلبہ بخشا مطلب یہ ہے کہ یہ نعمت دو اعتبار سے تم پر تمام ہوئی ایک قوت وشوکت کے اعتبار سے کہ اس دین کو تمام دینوں پر غلبہ عطا کیا ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ کا وعدہ پورا کیا دوسرے قواعد اور احکام اور حلال وحرام کی تفصیل اور مبدأ اور معاش اور معاد کی تفصیل کے اعتبار سے اتنا

=کوئی دوسرا ذریعہ نہیں (تنبیہ) اس آیت ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ الخ کا نازل فرمانا بھی منجملہ نعمائے عظیمہ کے لیے ایک نعمت ہے۔ اسی لئے بعض یہود نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ امیر المومنین! اگر یہ آیت ہم پر نازل کی جاتی تو ہم اس کے یوم نزول کو عید منایا کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ جس روز یہ ہم پر نازل کی گئی مسلمانوں کی دو عیدیں جمع ہو گئی تھیں۔ یہ آیت ۱۰ ہجری میں "حجۃ الوداع" کے موقع پر "عرفہ" کے روز "جمعہ" کے دن "عصر" کے وقت نازل ہوئی جب کہ میدان عرفات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے گرد چالیس ہزار سے زائد اتقیاء وابرار رضی اللہ عنہم کا مجمع کثیر تھا۔ اس کے بعد صرف اکیاسی روز حضور اس دنیا میں جلوہ افروز رہے۔

کامل کر دیا کہ اب قیامت تک جتنے واقعات پیش آئیں گے ان سب کے احکام اسی دین حق (یعنی کتاب وسنت) کی روشنی میں معلوم کیے جاسکیں گے یا یوں کہو۔ کہ اتمام نعمت سے یہ مراد ہے کہ لذائذ اور طیبات کو تمہارے لیے حلال کر دیا اور خبائث اور انجاس کو تم پر حرام کر دیا اس طرح تم پر اپنی نعمت پوری کی یا یوں کہو کہ حج فرض کر کے ارکان دین کو مکمل کر دیا۔

ف:...... چونکہ حدیث اور اجماع اور قیاس کی حجیت خود قرآن کریم سے ثابت ہے اس لیے جو حکم حدیث اور اجماع اور قیاس سے ثابت ہوگا وہ بھی دین کا جزء ہوگا جس نے حدیث نبوی یا اجماع امت یا قیاس فقہاء کو دین سے خارج اور اس کا مقابل اور قسیم سمجھا وہ بے دین اور بے عقل ہے اور قرآن کریم اور حدیث شریف اور اجماع علماء اور قیاس فقہاء سب دین کے اجزاء اور اقسام ہیں نیز قیاس مظہر حکم ہے مُثبِتِ حکم نہیں یعنی جو حکم کتاب وسنت میں پوشیدہ اور مخفی تھا قیاس اسے ظاہر کر دیتا ہے جیسا کہ ﴿لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ﴾ کی تفسیر میں گزر چکا ہے قیاس کے معنی خود رائی اور جدید حکم کے نہیں۔

رہا اجماع سو وہ بھی کسی آیت یا حدیث ہی کے مختلف فیہ مضمون پر ہوتا ہے چیز (دین) ایک ہے اَلْوان (رنگتیں) مختلف ہیں۔ ؎

عباراتنا شتى وحسنك واحد — وكل الى ذاك الجمال يشير

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش — من از رفتار پایت می شناسم

اور پسند کیا میں نے تمہارے لیے دین اسلام کو یعنی اب یہی دین خدا کے نزدیک مرضی اور پسندیدہ اور تمام دینوں سے بہتر ہے اور برتر ہے اور اب قیامت تک یہی دین رہے گا اور کبھی منسوخ نہ ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد اسی دین اور شریعت کا اتباع کریں گے لہٰذا اب دین کامل اور پسندیدۂ خداوندی کے بعد جو شخص سوائے دین اسلام کے کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ خدا کے یہاں ہرگز قابل قبول نہ ہوگا کما قال تعالی: ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾۔

فوائد لطائف

۱- حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ دن حجۃ الوداع کا تھا یعنی نویں تاریخ ذی الحجہ کو میدان عرفات میں جمعہ کے دن عصر کے وقت یہ آیت نازل ہوئی وہ وقت تقریباً سال کا بھی آخر تھا اور ہفتہ کا بھی آخری دن تھا اور دن بھی قریب الختم تھا اس لیے کہ عصر کے بعد غروب کا وقت آجاتا ہے۔

اسی طرح حضور پرنور ﷺ کی عمر شریف بھی آخری زمانہ تھا اس کے تین ماہ بعد ربیع الاول میں حضور کا وصال ہو گیا ہماری اس تقریر سے یہ معلوم ہو گیا کہ آخر سے حقیقی آخر مراد نہیں بلکہ قریب آخر مراد ہے چنانچہ اس کے بعد ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ یہ آیت نازل ہوئی لہٰذا اب یہ اشکال وارد نہ ہوگا کہ جب دین کامل ہو چکا تو پھر یہ حکم مضطر کیسے نازل ہوا اس لیے کہ مراد آخر سے قریب آخر ہے اس پر خدشہ وارد نہیں ہوتا نیز الیوم سے خاص آج کا دن مراد نہیں بلکہ الیوم سے زمانہ حاضر مراد ہے جو ماقبل اور مابعد سے متصل ہے لہٰذا اب شبہ نہ رہے گا کہ جب

آج دین کامل ہوگیا تو اس کے بعد کوئی حکم نازل نہ ہونا چاہیے اور آیات احکام میں یہ آخری آیت اور آخری حکم ہونا چاہیے بحمدہٖ تعالیٰ اس شبہ کے دو جواب ہوگئے۔

۲- دین کے کامل کر دینے کے معنی یہ ہیں کہ حدود اور فرائض اور حلال وحرام کے احکام اور مبدأ اور معاد دنیا اور آخرت اور زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق ایسے اصول اور قواعد بتلا دیے گئے کہ قیامت تک آنے والے واقعات اور جزئیات کے احکام انہی کلیات سے صراحۃً یا اشارۃً معلوم ہوسکیں اور قیامت تک اس میں زیادتی اور ترمیم کی ضرورت نہ ہوگی نبوت و رسالت آپ ﷺ پر ختم ہوتی اور یہ آخری کتاب ہے اس کے بعد کوئی کتاب آسمان سے نازل نہ ہوگی۔

طب کامل وہ ہے جس سے ہر مرض کا علاج معلوم ہو سکے اسی طرح دین کامل وہ ہے جو اصول اور قواعد کلیہ کا جامع ہو اور تمام جزئیات کا حکم اس سے معلوم ہو سکتے خلاصہ کلام یہ کہ اکمال دین کے معنی یہ ہیں کہ اس میں تمام حلال وحرام اور فرائض اور واجبات اور اصول وقواعد بیان کر دیے گئے اب تمہیں دینی یا دنیوی ہدایت کے لیے کسی اور دین کی ضرورت نہیں اور نہ کسی اور نبی کی حاجت رہی، یہی دین تمہاری دینی اور دنیوی اور تدبیر منزلی اور تدبیر ملکی اور سیاسیت داخلیہ اور خارجیہ کی مشکلات میں ہدایت اور رہنمائی کے لیے کافی اور شافی ہے جیسا کہ کتب فقہ میں، کتاب وسنت کی روشنی میں ان امور کی تفصیل موجود ہے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اکمال دین کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے دین اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ عطا کیا مگر راجح قول وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا۔

۳- اور ﴿أَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تم کو دین کامل دے کر تم پر اپنی نعمت پوری کر دی کہ تم کو ایسا کامل اور غایت درجہ معتدل قانون اور دستور عطا کیا کہ جو تمام شریعتوں کا خلاصہ اور لب لباب ہے اور جو باتیں ادیان سماویہ میں ناتمام تھیں اس دین کامل میں ان کی تکمیل اور تتمیم کر دی گئی اب قیامت تک اس میں کسی اضافہ اور ترمیم کی گنجائش نہیں البتہ اس کے احکام کی توضیح اور تلویح اور تفصیل اور تشریح ہوتی رہے گی جس طرح حدیث کی تفسیر ہے اسی طرح فقہ حدیث کی شرح ہے اور وہ قانون ایسا واضح اور صاف ہے کہ کوئی ملحد اس میں تحریف اور تبدیل کی امید قائم نہیں کر سکتا اور ظاہری قوت وشوکت کے اعتبار سے اس کی جڑیں اتنی مضبوط کر دی ہیں کہ کفار اس کے مٹانے سے مایوس ہو چکے ہیں فتح مکہ سے تمام جزیرۃ العرب اسلام کے زیر نگین آ گیا اور کفر کی یہ مجال نہیں رہی کہ وہ اسلام کے مقابلہ میں سر اٹھا سکے مطلب یہ ہوا کہ دین کامل دے کر دین اور دنیا دونوں اعتبار سے تم پر اللہ کی نعمت پوری ہوئی۔

۴- حضرات انبیاء سابقین علیہم السلام کو جو شریعتیں عطاء کی گئی وہ ناقص نہ تھیں بلکہ اپنے اپنے وقت اور اس خاص زمان اور اس خاص مکان اور اس خاص خطہ کے لحاظ سے کامل تھیں ان کا کامل ہونا ایک مخصوص قوم اور محدود زمانہ کے لیے تھا اسی وجہ سے دوسرے کے آنے سے شریعت سابقہ کے کچھ احکام منسوخ ہو جاتے تھے مگر شریعت اسلامیہ کا کمال کمال مطلق بھی ہے اور دائم اور مستمر بھی ہے قیامت تک اس کا کوئی حکم منسوخ نہ ہوگا۔ کذا فی السراج المنیر للشربینی: ۲/۲۹۲۔

یا یوں کہو کہ ہر شریعت فی حد ذاتہ کامل تھی مگر حق تعالیٰ اپنے علم اور ارادہ سے جس حد تک پہنچانا چاہتے تھے اس کے اعتبار سے سابق شریعتیں کم تھیں مثلاً حق تعالیٰ نے کسی کو ساٹھ برس کی عمر عطا کی اور کسی کو سو سال۔ سو، ساٹھ سال کی عمر فی حد

ذاتہ ناقص نہیں مگر اس عمر کے لحاظ سے ناقص ہے جو اللہ تعالیٰ نے دوسرے کو عطا کی۔ ابتداء میں ظہر اور عصر اور عشاء کی دو دو رکعتیں تھیں بعد میں چار چار رکعتیں کر دی گئی لہٰذا یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ چار رکعتیں دو رکعتوں سے زیادہ کامل ہیں اور دو رکعتیں اس سے کم ہیں لیکن یہ کمی کسی عیب یا خلل یا قصور کی بناء پر نہیں بلکہ حق تعالیٰ کے اضافہ اور تکمیل کے اعتبار سے کم ناقص ہیں یعنی حق جل شانہ نے جس مرتبہ کمال تک پہنچانے کا ارادہ فرمایا تھا اس کے اعتبار سے ناقص ہیں اور جو جو احکام شرعیہ بتدریج حد کمال کو پہنچے، ان کو بھی اسی طرح سمجھو۔ (تفسیر قرطبی: ۶/ ۶۲)

۵- جس طرح حکومت کے دستور اور آئین کا مکمل ہونا موجب صد مسرت ہے اسی طرح خداوند ذوالجلال کی طرف سے بندوں کو دستور کامل یعنی دین کامل اور شریعت کاملہ کا عطا ہونا ایک نعمت عظمیٰ اور بشارت کبریٰ ہے خداوند ذوالجلال، احکم الحاکمین ہے اور دین اسلام اس کے قوانین اور احکام کا نام ہے چنانچہ کسی یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس دن یہ آیت نازل ہوئی اس دن بحمد اللہ مسلمانوں کی دو عیدیں جمع ہو گئی تھیں اور یہ دنوں دن بحمد اللہ ہمارے لیے عید ہیں ایک یوم عرفہ اور ایک یوم جمعہ یعنی ہمیں اپنی طرف سے کسی اور عید کی ضرورت نہیں بس ہمیں وہی عید کافی ہے جو من جانب اللہ ہے۔

۶- اس آیت سے معلوم ہوا کہ دین اسلام ایک عظیم نعمت ہے اور نعمت کا شکر عقلاً و شرعاً واجب ہے اس لیے امت میں اسلام جیسی نعمت کے شکر کے لیے یہ کلمہ مشہور ہے الحمد للہ علی نعمۃ الاسلام۔ (تفسیر کبیر: ۳/ ۳۶۹)

اور حق تعالیٰ کا وعدہ ہے ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ لہٰذا جو اسلام کی نعمت کا شکر کرے گا اللہ اس کے اسلام اور دین میں زیادتی اور خیر و برکت عطا فرمائے گا۔

۷- ﴿وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ یعنی اللہ کے نزدیک یہی دین پسندیدہ اور مقبول ہے اور اسی پر نجات کا دارومدار ہے جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بغیر اسلام قبول کیے اپنے مذہب پر عمل کرنے سے نجات ہو سکتی ہے جیسا کہ اس زمانہ کے بعض آزاد منشوں کا یہ خیال ہے کہ گاندھی بھی بغیر اسلام میں داخل ہوئے اخروی عذاب سے نجات پا سکتا ہے سو یہ ایسا صریح کفر ہے کہ جس میں تاویل کی بھی گنجائش نہیں۔

کیا اسلام مانع ترقی ہے:...... اسلام حقیقی ترقی کا ہرگز ہرگز مانع نہیں بلکہ حقیقی ترقی کا حکم دیتا ہے اس سے بڑھ کر کیا ترقی ہو سکتی ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چند ہی روز میں قیصر و کسریٰ کی سلطنت پر قبضہ کر لیا اور روئے زمین پر اپنی سیادت اور اقتدار کو قائم کر دیا اور شریعت اسلامیہ کا دستور اور قانون دنیا میں رائج کر دیا اور جس سرزمین پر قدم رکھا بغیر کسی کالج اور یونیورسٹی کے وہاں کی زبان عربی بن گئی اور وہاں کا تمدن سلامی تمدن بن گیا اور آج سے دو سو سال پیشتر تک تمام سلاطین اسلام کا یہی حال رہا اور اللہ نے ان کو وہ عزت دی جو اب خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتی البتہ اسلام اس خیالی ترقی کا مانع اور مخالف ہے جس کی حقیقت سوائے حرص اور طول امل کے کچھ نہیں شیخ چلی کی سی پلاؤ پکا لینے کا نام ترقی نہیں۔

عالم کی اصل ترقی کا دارومدار چار چیزیں ہیں زراعت اور تجارت اور صنعت و حرفت اور ملازمت جس کو اصلاح شریعت میں اجارہ کہتے ہیں شریعت کی بے شمار نصوص سے ان تمام امور کی تاکید اور ترغیب ثابت ہوتی ہے اور حق تعالیٰ نے

ان امور کے متعلق احکام صادر کیے ہیں جو چیزیں حقیقۃً مفید اور نافع تھیں ان کو جائز قرار دیا اور جو چیزیں حقیقۃً مضر تھیں ان کو ناجائز قرار دیا اگرچہ کوئی خود غرض بعض چیزوں کو اپنے لیے مفید اور نافع سمجھتا ہو ہر حکومت نے اپنے قانون میں رشوت اور چوری اور ڈاکہ زنی کو جرم اور ممنوع قرار دیا حالانکہ چوری اور ڈاکہ زنی شخصی منافع سے خالی نہیں چوری سے اور رشوت سے مال میں بڑی ترقی ہوتی ہے مگر کوئی شخص بھی حکومت اور قانون پر یہ اعتراض نہیں کرتا کہ یہ قانون ہماری ترقی میں حارج اور مزاحم ہے لہٰذا اس کو منسوخ کیا جائے اسی طرح شریعت نے سود اور قمار اور رشوت کو حرام قرار دیا جو مضرت میں چوری اور ڈاکہ سے کہیں بڑھ کر ہیں لیکن افسوس کہ شریعت کے احکام کو مانع ترقی سمجھتے ہیں اور قوانین حکومت کو مانع ترقی نہیں سمجھتے معترضین یہ بتلائیں کہ شریعت کے کون سے احکام ایسے ہیں جو حقیقۃً دنیاوی ترقی میں حارج اور مزاحم ہیں بتلائیں تو سہی کیا شراب اور زنا اور بے پردگی کی اجازت سے ملک کو مادی ترقی حاصل ہوجائے گی شریعت پروپیگنڈے کو ممنوع قرار دیتی ہے حیرت کا مقام ہے کہ جھوٹ سے تو ملک کو ترقی ہو اور سچائی سے ملک کو تنزلی ہو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان نجاست خوروں (جھوٹا پروپیگنڈا کرنے والوں) کو صدق اور سچائی کی حلاوت اور لذت کس طرح سمجھائیں بلکہ حق یہ ہے کہ شریعت نے جس چیز سے منع کیا وہی چیز تنزل کا سبب ہے اور جس چیز کا حکم دیا ہے وہی ترقی کا ذریعہ ہے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ③

پھر جو کوئی لاچار ہوجاوے بھوک میں لیکن گناہ پر مائل نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۱

پھر جو کوئی ناچار ہوگیا بھوک میں، کچھ گناہ پر نہیں ڈھلتا، تو اللہ بخشنے والا ہے مہربان۔

تتمہ حکم سوم

قَالَ تَعَالٰی: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾

پہلی آیت میں جو میتہ وغیرہ کی حرمت کا ذکر تھا یہ آیت اسی حکم سابق کا تتمہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں پس جو شخص بھوک کی شدت میں مجبور اور لاچار ہوجائے وہ اگر ان حرام چیزوں میں سے بقدر سد رمق کچھ کھالے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں بشرطیکہ وہ گناہ کی طرف جھکنے والا نہ ہو یعنی پیٹ بھر کر نہ کھائے اور مقدار حاجت سے تجاوز نہ کرلے تو یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے اس نے اپنی رحمت سے مجبوری کی حالت کو حرمت سے مستثنیٰ فرمادیا۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز ان کے لئے حلال ہے کہہ دے تم کو حلال ہیں ستھری چیزیں ف۲ اور جو سدھاؤ شکاری جانور شکار پر

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کو کیا حلال ہے، تو کہہ، تم کو حلال ہیں ستھری چیزیں، اور جو سدھاؤ شکاری جانور

ف۱ یعنی حلال وحرام کا قانون تو مکمل ہوچکا اس میں اب کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا البتہ مضطر جو بھوک پیاس کی شدت سے بیتاب اور لاچار ہو وہ اگر حرام چیز کھا پی کر جان بچالے بشرطیکہ مقدار ضرورت سے تجاوز نہ کرے اور لذت مقصود نہ ہو ﴿غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ﴾ تو حق تعالیٰ اس تناول محرم کو اپنی بخشش اور مہربانی سے معاف فرمادے گا گویا وہ چیز تو حرام ہی رہی مگر اسے کھا پی کر جان بچانے والا خدا کے نزدیک مجرم نہ رہا۔ یہ بھی اتمام نعمت کا ایک شعبہ ہے۔

ف۲ پچھلی آیات میں بہت سی حرام چیزوں کی فہرست دی گئی تو قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حلال چیزیں کیا کیا ہیں؟ اس کا جواب دے دیا کہ حلال کا =

مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ

دوڑانے کو کہ ان کو سکھاتے ہو اس میں جو اللہ نے تم کو سکھایا ہے سو کھاؤ اس میں سے جو پکڑ رکھیں تمہارے واسطے اور اللہ کا نام لو

دوڑانے کو، کہ ان کو سکھاتے ہو کچھ ایک جو اللہ نے تم کو سکھایا ہے، سو کھاؤ اس میں سے کہ رکھ چھوڑیں تمہارے واسطے، اور اللہ کا نام لو

عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④

اس پر ف۱ اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ جلد لینے والا حساب ف۲

اس پر۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اللہ شتاب لینے والا ہے حساب۔

حکم پنجم۔ متعلق بہ شکار

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ ... الی ... اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾

ربط:...... دین کامل کی ایک علامت یہ ہے کہ اس میں حلال و حرام کی پوری تفصیل ہو گزشتہ آیت میں حرام چیزوں کی تفصیل تھی اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ حلال کیا کیا چیزیں ہیں تو اب جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ حلال کا دائرہ بہت وسیع ہے چند چیزوں کو چھوڑ کر جن میں دینی یا دنیوی روحانی یا جسمانی نقصان تھا ان کے علاوہ دنیا کی تمام پاکیزہ حلال ہیں اور چونکہ شکار کے متعلق بعض لوگوں نے خصوصیت سے سوال کیا تھا اس لیے کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کا جواب دیا گیا لوگ آپ ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا چیز ان کے لیے حلال کی گئی عدی بن حاتم اور زیدی بن مہلہل رضی اللہ عنہما نے رسول مقبول ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم شکاری لوگ ہیں کتوں اور بازوں سے شکار کرتے ہیں تو ہم کو کس جانور کا شکار حلال ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ تمہارے لیے تمام پاکیزہ اور ستھری چیزیں حلال کی گئی ہیں یعنی جن چیزوں کو اہل عرب پاکیزہ سمجھتے ہوں یعنی جن چیزوں کو طبائع سلیمہ لذیذ اور پاکیزہ سمجھتی ہوں اور نیز

= دائرہ تو بہت وسیع ہے۔ چند چیزوں کو چھوڑ کر جن میں کوئی دینی یا بدنی نقصان تھا دنیا کی تمام ستھری اور پاکیزہ چیزیں حلال ہی ہیں اور چونکہ شکاری جانور سے شکار کرنے کے متعلق بعض لوگوں نے خصوصیت سے سوال کیا تھا۔ اس لئے آیت کے اگلے حصہ میں اس کو تفصیلاً بتلا دیا گیا۔

ف۱ شکاری کتے یا باز وغیرہ سے شکار کیا ہوا جانور ان شروط سے حلال ہے: ۱- شکاری جانور سدھا ہوا ہو۔ ۲- شکار پر چھوڑا جائے۔ ۳- اسے اس طریقہ سے تعلیم دی گئی ہو جس کو شریعت نے معتبر رکھا ہے یعنی کتے کو سکھلایا جائے کہ شکار کو پکڑ کر کھائے نہیں اور باز کو یہ تعلیم دی جائے کہ جب اس کو بلاؤ گو شکار کے پیچھے جا رہا ہو فوراً چلا آئے۔ اگر کتا شکار کو خود کھانے لگے یا باز بلانے سے نہ آئے تو سمجھا جائے گا کہ جب اس کے کہنے میں نہیں تو شکار بھی اس کے لئے نہیں پکڑا بلکہ اپنے لئے پکڑا ہے۔ اسی کو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "جب اس نے آدمی کی تعلیم سیکھی تو گویا آدمی نے ذبح کیا"۔ ۴- چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لو یعنی بسم اللہ کہہ کر چھوڑو۔ ان چار شرطوں کی تصریح تو نص قرآنی میں ہوگئی۔ پانچویں شرط جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک معتبر ہے کہ شکاری جانور اگرچہ شکار کو زخمی بھی کر دے کہ خون بہنے لگے۔ اس کی طرف لفظ "جوارح" "اپنے مادہ" جرح" کے اعتبار سے مشعر ہے۔ ان میں سے اگر ایک شرط بھی مفقود ہوئی تو شکاری جانور کا مارا ہوا شکار حرام ہے۔ ہاں اگر [illegible] ذبح کر لیا جائے تو ﴿وَمَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ کے قاعدہ سے حلال ہوگا۔

ف۲ یعنی ہر حالت میں خدا سے ڈرتے رہو۔ "طیبات" کے استعمال اور شکار وغیرہ سے منتفع ہونے میں حدود و قیود شرعیہ سے تجاوز نہ ہو جائے۔ عموماً آدمی دنیادی لذتوں میں منہمک ہو کر اور شکار وغیرہ مشاغل میں پڑ کر خدا اور آخرت سے غافل ہو جاتا ہے اس لئے تنبیہ کی ضرورت تھی کہ خدا کو مت بھولو اور یاد رکھو کہ حساب کا دن کچھ دور نہیں۔ خدا کے انعامات اور تمہاری شکر گزاری کا موازنہ اور عمر عزیز کے ایک ایک لمحہ کا حساب ہونے والا ہے۔

اصول شریعت (یعنی کتاب اور سنت اجماع اور قیاس) سے ان کی حرمت ثابت نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سب پاکیزہ چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں حلال تھیں جب توریت نازل ہوئی تو یہود کی سزا میں اکثر چیزیں ممنوع ہوگئیں اور انجیل میں حلال وحرام کا بیان نہ ہوا اب قرآن میں وہی دین ابراہیمی کے مطابق سب حلال ہوئیں اور فرمایا کہ اہل کتاب کا کھانا حلال ہے یعنی ان کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ ان کا ذبح کیا ہوا اس شرط کے مطابق ہو جو اوپر ذبح کی شرط رکھی گئی کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو اور غیر اللہ کی تعظیم مقصود نہ ہو اور حلال کیا گیا تمہارے لیے شکار ان جانوروں کا جن کو تم نے سدھایا ہے اور شکار پکڑنے کے طریقے ان کو سکھائے ہیں درانحالیکہ تم ان کو شکار کا وہ طریقہ سکھلاتے ہو جو خدا تعالیٰ نے تم کو سکھایا ہے جوارح کے معنی شکار کرنے والے جانوروں کے ہیں جس میں کتا اور باز اور شکرا وغیرہ سب آ گئے پس تم کو اس شکار کے کھانے کی اجازت ہے کہ جس کو شکاری جانور تمہارے لیے روک رکھیں یعنی خود اس سے نہ کھائیں پس جس شکار کو شکاری جانور پکڑ کر تمہارے لیے لے آئے اور خود اس میں سے نہ کھائے تو وہ شکار تمہارے لیے حلال ہے اگرچہ وہ شکار ان کے پکڑنے سے مر جائے اور ذبح کرنے کی نوبت نہ آئے کیونکہ تعلیم یافتہ جانور کا اس کو قتل کر دینا قائم مقام ذبح کے ہے اور اس پر اللہ کا نام لو یعنی جب تم اس شکاری جانور کو شکار پر چھوڑو تو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑ دتا کہ اللہ کے نام کی برکت سے اس کا قتل کیا ہوا حلال ہو جائے۔

حق جل شانہ نے ان آیات میں شکار کے حلال ہونے کی شرائط کی طرف اشارہ فرمایا اول یہ کہ وہ شکاری جانور تعلیم یافتہ یعنی سدھایا ہوا ہو کیونکہ جب اس نے آدمی کی خو سیکھی تو گویا کہ آدمی نے ذبح کیا اس لیے سدھانا اور تعلیم دینا شرط ہوا اور جانور کے تعلیم یافتہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ مالک کے کہنے سے شکار پر حملہ کرے اور اس کے منع کرنے سے رک جائے جب یہ حالت کم از کم تین مرتبہ تجربہ میں آ جائے تو وہ تعلیم یافتہ سمجھا جائے گا دوم یہ کہ شکار کو وہ خود نہ کھائے اپنے مالک کے لیے روک لے سوم یہ کہ کتے کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہو اور اللہ سے ڈرو یعنی ایسے شکار کو مت کھاؤ جس میں شرائط مذکورہ میں سے کوئی شرط مفقود ہو تحقیق اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے جو حرام کھائے گا اس سے مواخذہ ہوگا۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ

آج حلال ہوئیں تم کو سب ستھری چیزیں ف۱ اور اہل کتاب کا کھانا تم کو حلال ہے ف۲ اور تمہارا کھانا

آج حلال ہوئیں تم کو سب چیزیں ستھری اور کتاب والوں کا کھانا۔ تم کو حلال ہے، اور تمہارا کھانا

حِلٌّ لَّهُمْ ۟ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ

ان کو حلال ہے ف۳ اور حلال ہیں تم کو پاک دامن عورتیں مسلمان ف۴ اور پاک دامن عورتیں ان میں سے جن کو دی گئی کتاب ف۵

ان کو حلال ہے اور قید والی عورتیں مسلمان اور قید والی عورتیں پہلے کتاب والوں کی جب

ف۱ یعنی جیسے آج دین کامل تم کو دیا گیا دنیا کی تمام پاکیزہ نعمتیں بھی تمہارے لئے دائمی طور پر حلال کر دی گئیں جو کبھی منسوخ نہ ہوں گی۔

ف۲ یہاں طعام (کھانے) سے مراد "ذبیحہ" ہے یعنی کوئی یہودی یا نصرانی (بشرطیکہ اسلام سے مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی نہ بنا ہو) اگر حلال جانور ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام نہ لے تو اس کا کھانا مسلمان کو حلال ہے مرتد کے احکام جداگانہ ہیں۔

ف۳ اس مقام پر اس کا ذکر بطور مجازات و مکافات کے استطراداً فرما دیا۔ یعنی بعض احادیث میں جو آیا ہے "لَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ" (تیرا کھانا نہ =

قَبۡلِكُمۡ إِذَآ ءَاتَيۡتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحۡصِنِينَ غَيۡرَ مُسَٰفِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِيٓ أَخۡدَانٖۗ

تم سے پہلے جب دو ان کو مہر ان کے قید میں لانے کو ف۱ نہ مستی نکالنے کو اور نہ چھپی آشنائی کرنے کو ف۲

دو ان کو مہر ان کے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو اور نہ چھپی آشنائی کرنے کو

ع وَمَن يَكۡفُرۡ بِٱلۡإِيمَٰنِ فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُهُۥ وَهُوَ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ مِنَ ٱلۡخَٰسِرِينَ ۝٥

اور جو منکر ہوا ۱۲ ایمان سے تو ضائع ہوئی محنت اس کی اور آخرت میں وہ ٹوٹے والوں میں ہے ف۳

اور جو منکر ہوا ایمان سے اس کی محنت ضائع ہوئی اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں ہے۔

حکم ششم متعلق بذبیحہ اہل کتاب

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَلۡيَوۡمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ...الی...وَهُوَ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ مِنَ ٱلۡخَٰسِرِينَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں شکار کا حکم بیان فرمایا اب اس آیت میں اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کے ذبیحہ کا حکم بیان فرماتے ہیں اور اس کے ساتھ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کا حکم بھی بیان فرماتے ہیں کیونکہ حلت اور انتفاع دونوں میں مشترک ہے۔

= کھائے مگر پرہیزگار) اس کا مطلب یہ نہیں کہ غیر پرہیزگاروں کے لئے تمام کھانا حرام ہے۔ جب مسلمان کے لئے کافر کتابی کے ذبیحہ کی اجازت ہوگی تو ایک موحد مسلم کا ذبیحہ اور کھانا دوسروں کیلئے کیوں حرام ہوگا۔

ف۴ "پاک دامن" کی قید شاید ترغیب کے لئے ہو یعنی ایک مسلمان کو چاہیے کہ نکاح کرتے وقت پہلی نظر عورت کی عفت اور پاک دامنی پر ڈالے۔ یہ مطلب نہیں کہ پاک دامن کے سوا کسی اور سے نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

ف۵ اہل کتاب کے ایک مخصوص حکم کے ساتھ دوسرا مخصوص حکم بھی بیان فرما دیا۔ یعنی یہ کہ کتابی عورت سے نکاح کرنا شریعت میں جائز ہے۔ مشرکہ سے اجازت نہیں ﴿وَلَا تَنكِحُواْ ٱلۡمُشۡرِكَٰتِ حَتَّىٰ يُؤۡمِنَّۚ﴾ مگر یہ یاد رہے کہ ہمارے زمانہ کے "نصاریٰ" عموماً برائے نام نصاریٰ ہیں ان میں بکثرت وہ ہیں جو نہ کسی کتاب آسمانی کے قائل ہیں نہ مذہب کے نہ خدا کے، ان پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ان کے ذبیحہ اور نساء کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا نیز یہ ملحوظ رہے کہ کسی چیز کے حلال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں فی حد ذاتہ کوئی وجہ تحریم کی نہیں۔ لیکن اگر خارجی اثرات و حالات ایسے ہوں کہ اس حلال سے منتفع ہونے میں بہت سے حرام کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے بلکہ کفر میں مبتلا ہونے کا احتمال ہو تو ایسے حلال سے انتفاع کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ موجودہ زمانہ میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانا پینا بے ضرورت اختلاط کرنا، ان کی عورتوں کے جال میں پھنسنا، یہ چیزیں جو خطرناک نتائج پیدا کرتی ہیں وہ مخفی نہیں۔ لہٰذا بدی اور بد دینی کے اسباب و ذرائع سے اجتناب ہی کرنا چاہیے۔

ف۱ یعنی قید نکاح میں لانے کو۔ گویا اس طرف اشارہ ہوگیا کہ نکاح بظاہر قید ہے لیکن یہ قید ان آزادیوں اور ہوس رانیوں سے بہتر ہے جن کی طلب میں انسان نما بہائم سلسلہ ازدواج ہی کو معدوم کر دینا چاہتے ہیں۔

ف۲ جس طرح پہلے عورت کی پاکدامنی کا ذکر کیا تھا، یہاں مرد کو پاک باز اور عفیف رہنے کی ہدایت فرما دی ﴿وَٱلطَّيِّبَٰتُ لِلطَّيِّبِينَ وَٱلطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَٰتِ﴾ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی نظر میں نکاح کی غرض گوہر عصمت کو محفوظ اور مقصد تزویج کو پورا کرنا ہے شہوت رانی اور ہوا پرستی مقصود نہیں۔

ف۳ جن کتابی عورتوں سے نکاح کی اجازت ہوئی اس کا فائدہ یہ ہونا چاہیے کہ مومن قانت کی حقانیت عورت کے دل میں گھر کر جائے۔ نہ یہ کہ کتابیات پر مفتون ہو کر الٹا اپنی متاع ایمانی ہی کو گنوا بیٹھے اور "خَسِرَ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةَ" کا مصداق ہو کر رہ جائے۔ چونکہ کافر عورت سے نکاح کرنے میں اس فتنہ کا قوی احتمال ہوسکتا ہے اس لئے "وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُهٗ" کی تہدید نہایت ہی برمحل ہے یہ میرا خیال ہے۔ باقی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اہل کتاب کو کفار سے دو حکم میں مخصوص کیا یہ فقط دنیا میں ہے اور آخرت میں ہر کافر خراب ہے اگر عمل نیک بھی کرے تو قبول نہیں۔"

اس آیت میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اے اہل اسلام! آج تم پر اللہ کا بڑا انعام ہوا کہ تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال کردی گئیں حالانکہ یہود پر بہت سی پاکیزہ چیزیں ان کی سرکشی اور ظلم کی وجہ سے حرام کردی گئی تھیں وہ چیزیں ہمیشہ کے لیے تم پر حلال کردی گئیں اور کبھی ان کی حلت منسوخ نہ ہوگی اور یہ حکم اگرچہ پہلی آیت میں مذکور ہو چکا تھا لیکن بغرض تاکید اور آئندہ کی تمہید کے لیے پھر اس کو دہرایا۔ اور حلال کیا گیا تمہارے لیے ذبیحہ اہل کتاب کا یہاں طعام سے ذبیحہ مراد ہے یعنی اہل کتاب کا ذبح کیا ہوا جانور تمہارے لیے حلال ہے طعام سے خشک چیزیں مراد نہیں اس لیے کہ اس میں اہل کتاب کی تخصیص نہیں خشک چیزیں ہر انسان کے ہاتھ کی جائز ہیں خواہ کسی مذہب اور ملت کا ہو۔

اور اہل کتاب کا ذبح کیا ہوا جانور تین شرطوں کے ساتھ حلال ہے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ذبیحہ ان چیزوں میں سے نہ ہو جو مسلمانوں پر کتاب وسنت میں حرام کی گئیں ہیں جیسے لحم خنزیر وغیرہ دوسری شرط یہ ہے کہ ذبح کے وقت اس پر اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو غیر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔

اس لیے کہ اہل کتاب کا اصل عقیدہ یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح جائز نہیں اس اصل اعتقاد کی وجہ سے حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ تمہارے لیے اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ وہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں اور غیر اللہ کی تعظیم مقصود نہ ہو اور سوائے اہل کتاب کے کسی اور دین اور مذہب والے کا ذبیحہ حلال نہیں اگرچہ وہ ذبح کے وقت اللہ ہی کا نام لے اس کا خدا کا نام لے کر ذبح کرنا بھی معتبر نہیں۔

حضرت علی اور عبداللہ بن عمر اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین کے نزدیک اہل کتاب کا وہ ذبیحہ حلال ہے جو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو نہ وہ کہ جو مسیح اور عزیر علیہما السلام کے نام سے ذبح کیا گیا ہو جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ﴾ (تفسیر قرطبی: ۷۶/۶)

وقال تعالیٰ: ﴿وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ جو قرآن کریم میں متعدد جگہ مذکور ہے لہٰذا اہل کتاب کا وہ ذبیحہ جو حضرت مسیح اور عزیر علیہما السلام کے نام پر ہو وہ تو ﴿وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ میں داخل ہے اور جو کنیسہ اور صلیب کے نام پر ذبح کیا جائے وہ ﴿مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ میں داخل ہے اہل کتاب کا وہی ذبیحہ معتبر ہے جو ان کی اصلی اور صحیح شریعت حقہ کے مطابق ہو اور ان کا جو ذبیحہ شریعت محرفہ کے مطابق ہو اس کا اعتبار نہیں۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف اور امام محمد اور امام زفر رحمہم اللہ کا مذہب یہی ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ جب حلال ہے کہ ذبح کے وقت اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور اگر مسیح علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کا نام لیا گیا ہو تو وہ حلال نہیں۔ (احکام القرآن للجصاص: ۳۲۲/۲)

اور بعض علماء نے مطلقاً ذبیحۂ اہل کتاب کو حلال قرار دیا ہے مگر صحیح اور راجح قول وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا اور اسی میں احتیاط ہے غیر اللہ کے نام پر مسلمان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں چہ جائیکہ غیر مسلم کا ذبیحہ غیر اللہ کے نام پر ہو وہ کیسے حلال ہوسکتا ہے۔

اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اسلام سے مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی نہ بنا ہو اس لیے کہ مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں شریعت

میں مرتد کے احکام جداگانہ ہیں۔

اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے یعنی اگر تم اپنا ذبیحہ ان کو کھلاؤ یا ان کے ہاتھ فروخت کرو تم پر کوئی گناہ نہیں اس جملہ سے پہلے جملہ کی تاکید مقصود ہے کہ جس طرح تمہارا ذبیحہ اہل کتاب کے لیے حلال ہے اسی طرح اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اباحت ذبیحہ طرفین سے ہے مگر اباحت نکاح (جس کا آئندہ آیت میں ذکر آتا ہے) وہ صرف ایک جانب کے ساتھ مخصوص ہے یعنی مسلمان مرد کتابی عورت سے نکاح کرسکتا ہے مگر نصرانی مرد، مسلمان عورت سے کسی حال میں نکاح نہیں کرسکتا۔ (تفسیر کبیر: ۳/ ۳۷۲)

حکم ہفتم متعلق بہ نکاح کتابیات

پہلی آیت میں یہ فرمایا کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے اب ان کی عورتوں سے نکاح کی حلت کو بیان فرماتے ہیں اور ان دونوں آیتوں سے مقصود یہ ہے کہ اہل کتاب، عام کافروں سے دو حکموں میں مخصوص اور ممتاز ہیں ایک یہ کہ ان کا ذبیحہ حلال ہے بت پرست اور مجوسی کا ذبیحہ حلال نہیں اگرچہ وہ خدا کا نام لے کر ذبح کرے اور چونکہ اہل کتاب کا اصل عقیدہ توحید ہے اور وہ اللہ ہی کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں اس لیے آیت میں یہ قید لگائی گئی ورنہ یہ قید لازمی طور پر معتبر ہے جیسا کہ بیان ہوچکا۔ دوم یہ کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح درست ہے مشرکین اور مجوس کی عورتوں سے نکاح درست نہیں ان دو حکموں میں اہل کتاب عام کفار سے مخصوص ہیں۔ غالباً حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کی نسبت کی رعایت سے اہل کتاب کو عام کافروں سے بعض احکام میں مخصوص اور ممتاز کردیا گیا اور یہ خصوصیت اور امتیاز فقط دنیا میں ہے آخرت میں ہر کافر مردود اور مطرود ہے چنانچہ حق جل شانہ کا حلت ذبیحہ اور اباحتِ نکاح کے بعد یہ فرمانا ﴿وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ﴾ اسی طرف اشارہ ہے کہ اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلت اور ان کی عورتوں سے نکاح کی اجازت سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ جیسا دنیا میں اہل کتاب کو مشرکین اور مجوس پر ترجیح دی گئی شاید آخرت میں بھی ان کو ترجیح دی جائے تو حق تعالیٰ نے ﴿وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالۡاِيۡمَانِ﴾ سے بتلا دیا کہ آخرت کا معاملہ اور وہاں کا ثواب وعقاب فقط ایمان اور کفر پر دائر ہے آخرت میں سب کافر برابر ہیں (تفسیر کبیر) چنانچہ فرماتے ہیں اور حلال کی گئیں تمہارے لیے پاکدامن مسلمان عورتیں اور اسی طرح حلال کی گئیں پاکدامن عورتیں فقط اہل کتاب کی نہ مشرکین اور مجوس وغیرہ کی بشرطیکہ تم ان کا مہر ادا کرو اس طرح سے کہ تم ان کو ہمیشہ کے لیے قید نکاح میں لانے والے ہو میعادی نکاح درست نہیں نہ تو علانیہ طور پر مستی نکالنے والے اور شہوت رانی کرنے والے ہو اور نہ پوشیدہ طور پر آشنائی کرنے والے ہو مطلب یہ ہے کہ نکاح کی تو اجازت ہے مگر آشنائی اور یارانہ کی اجازت نہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ حلال وحرام کی بابت تم سے جو عہد لیے گئے ان کو پورا کرو اور جو ایمان کے عہدوں سے مکر جائے اور خدا کے حلال وحرام کو نہ مانے تو اس کے تمام اعمال آخرت میں غارت ہوئے اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہوگا اہل کتاب کے ذبیحہ کی حلت اور ان کی عورتوں سے نکاح کے بعد کافروں کے حبط اعمال کا مسئلہ ذکر کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ اہل کتاب اگرچہ حلت ذبیحہ اور اباحت نکاح

میں من وجہ دنیا میں مسلمانوں کے مشابہ قرار دے دیے گئے مگر قبول اعمال میں مسلمانوں کے مشابہ نہیں اہل کتاب کے اعمال آخرت میں حبط اور اکارت ہوں گے اور اہل ایمان کو اعمال صالحہ کا اضعافاً مضاعفہ اجر ملے گا لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح میں انتہائی احتیاط کو ملحوظ رکھیں مسلمانوں کو کتابی عورتوں سے نکاح کی اس لیے اجازت دی گئی ہے کہ تم ان کو اپنی ماتحتی میں لے کر ان پر اسلام کی ضوء فشانی کرو کہ ان کے کفر کی ظلمت ختم ہو جائے اس لیے اجازت نہیں دی گئی کہ تم ان سے تعلق قائم کرنے کے بعد اپنی اسلام کی شمع کو تو بجھا دو اور ان کی طرح تم بھی کفر کی ظلمت اور تاریکی میں داخل ہو جاؤ۔

خلاصہ کلام:...... یہ کہ اس آیت میں اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ اے مسلمانو تم کو جو کتابیات سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے وہ اس لیے دی گئی ہے کہ تم اس کو اپنی قوت ایمانی سے اسلام کی طرف کھینچ لو نہ اس لیے کہ تم ان پر مفتون ہو کر اپنی بھی متاع ایمانی کو کھو بیٹھو اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن جاؤ اسی فتنہ کے سد باب کے لیے حل ذبیحہ اور اباحت کے مضمون کو ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ پر ختم فرمایا۔

فائدہ جلیلہ:...... بعض علماء کا قول ہے کہ ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ﴾ میں کفر بالایمان کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص نفس ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کو ضروری نہ سمجھے جیسے آج کل بعضے تعلیم یافتہ لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ کے تمام احکام کو ماننا ضروری نہیں صرف وہ احکام کہ جو ان کی عقل کے مطابق ہوں ان کو مان لیا جائے اور جو باتیں ان کے نزدیک خلاف عقل ہوں ان کے ماننے کی ضرورت نہیں یہ کفر ہے۔

مسائل واحکام

۱- اہل کتاب سے وہ لوگ مراد ہیں جو مذہباً اہل کتاب ہوں نہ کہ وہ صرف قومیت کے لحاظ سے یہودی یا نصرانی ہوں خواہ عقیدۃً وہ دہریہ میں ہوں اس زمانہ کے نصاریٰ عموماً برائے نام نصاریٰ ہیں ان میں بکثرت ایسے ہیں جو نہ خدا کے قائل ہیں اور نہ مذہب کے قائل اور نہ آسمانی کتاب کے قائل ایسے لوگوں پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہو سکتا لہٰذا ان کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا۔

۲- ان آیات میں ذبیحہ کی حلت اور نکاح کی اباحت سے صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ چیزیں فی حد ذاتہ جائز ہیں معاذ اللہ ترغیب دینا مقصود نہیں کہ تم خواہ مخواہ مسلمان عورتوں کو اور اپنے خاندان کی لڑکیوں کو چھوڑ کر کتابیات سے نکاح کیا کرو بلکہ تنگی دفع کرنے کے لیے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی وقت ضرورت اور مصلحت داعی ہو تو اہل کتاب کی عورتوں سے فی حد ذاتہ نکاح جائز ہے بشرطیکہ خارجی اثرات اور حالات سے کسی مضرت اور مفسدہ کا اندیشہ نہ ہو اور خدانخواستہ یہ اندیشہ ہو کہ ان کے جال میں پھنس کر اپنے دین اور دنیا کو تباہ کرے گا تو ان حالات میں کتابیات سے نکاح کی حلت مبدل بہ حرمت ہو جائے گی جو چیز شرعاً حلال ہو مگر اس حلال سے متمتع ہونے میں حرام کا ارتکاب کرنا پڑے تو وہ حلال بھی حرام ہو جاتا ہے بلکہ موجود زمانہ کے یہود اور نصاریٰ کے ساتھ بے ضرورت اختلاط اور ان کے ساتھ بیٹھ کر طیبات کا کھانا بھی خالی از فتنہ نہیں مناکحت تو بڑی چیز ہے

ان کے ساتھ تو محض مواکلت اور مشاربت کا یہ اثر ہے کہ انسان کفر سے مانوس اور اسلام سے بیزار اور اہل اسلام سے متنفر ہوجاتا ہے۔ اعوذ باللہ من الکفر والفقر۔ آمین۔

۳- اسلام نے تمام مشرکین اور مشرکات کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا ہے مگر اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو حلال قرار دیا اس لیے کہ اہل کتاب، اقرب الی الاسلام ہیں۔ اہل کتاب اصولی طور پر توحید اور رسالت اور قیامت کے قائل ہیں اہل کتاب کا اہل اسلام کے ساتھ اختلاف صرف سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت میں ہے پس جب مسلمان مرد اور ایک کتابیہ عورت سے نکاح کرے گا تو عقلی اور نقلی دلائل سے اور اسلام کی قوی حجتوں سے کتابیہ عورت کو اسلام کی طرف بسہولت کھینچ سکتا ہے بخلاف مشرک اور مشرکہ کے کہ وہاں شرک اور بت پرستی کی وجہ سے ان کو اسلام سے غایت درجہ بعد اور منافرت ہے اہل شرک نہ توحید کے قائل اور نہ نبوت کے اور نہ قیامت کے اہل شرک کسی دین کے قائل نہیں اور نہ کسی خیر وشر اور نہ کسی حلال وحرام اور نہ کسی جائز وناجائز کی تقسیم کے قائل ہیں اس لیے ایسے شدید اختلاف کے ہوتے ہوئے مشرک اور مشرکہ کے ساتھ نکاح اور زوجیت کا مقصد حاصل نہ ہوگا یعنی باہمی اتحاد اور اعتماد اور ایک دوسرے کی ہمدردی اور غم خواری میسر نہ ہوگی بلکہ ایسی معیت وبال جان ہوجائے گی اور عیش کو منغص اور مکدر بنادے گی اور معاشرہ زوجیت قائم نہیں رہ سکے گا۔ اس لیے کہ جب زن وشوہر کے اعتقادات اور خیالات میں اختلاف شدید ہوتا ہے تو پھر اس سے اور طرح طرح کے اختلافات نکل کھڑے ہوتے ہیں اور اتحاد اور یکجہتی کی کوئی صورت نہیں رہتی جو نکاح کا مقصد ہے اور اگر باوجود اختلاف خیال واعتقاد ظاہراً اتحاد نظر آئے تو وہ درحقیقت نفاق اور ظاہر داری ہے غرض یہ کہ کتاب وسنت نے مشرکین اور اہل کتاب میں فرق کیا ہے کہ مشرکین اور مشرکات کے ساتھ تو نکاح کو بالکلیہ ممنوع قرار دیا اور اہل کتاب کے بارہ میں یہ حکم کہ مسلمان مرد کو تو کتابیہ عورت سے اس شرط کے ساتھ نکاح کی اجازت ہے کہ وہ مسلمان مرد اسلام کی قوی اور روشن حجتوں کے ذریعہ کتابیہ کو اور اس کے خاندان کے لوگوں کو سلام کی طرف کھینچ سکے اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ کتابیہ سے نکاح کرکے بعد یہی خود اس کے حسن وجمال یا مال ومنال کی وجہ سے اس کے ہاتھ بک جائے گا اور اپنی متاع ایمانی کو نصرانیت پر قربان کردے گا تو پھر کتابیہ کے ساتھ نکاح جائز نہ ہوگا۔ قرآن اور حدیث میں مومنات صالحات اور دین دار عورتوں سے نکاح کرنے کی ترغیب اور فاسقات اور فاجرات سے نکاح کی ممانعت آئی ہے اگرچہ وہ مسلمان ہوں۔ اس لیے کہ بد دین عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے اس کے بھی خراب ہونے کا اندیشہ ہے تو نصرانیہ یہودیہ میں تو یہ اندیشہ اور قوی ہوجاتا ہے اور چونکہ عورت طبعاً اور عقلاً اور فطرۃً کمزور ہوتی ہے اور شوہر کے تابع ہوتی ہے اس لیے اس میں یہ طاقت نہیں کہ مرد کو اپنے تابع بناسکے اس لیے شریعت اسلامیہ نے مسلمان عورت کو کتابی مرد کے ساتھ نکاح کرنے کو ممنوع قرار دیا اور اخیر آیت ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ﴾ میں یہ بتلادیا کہ گو دنیا میں اہل کتاب کے ساتھ یہ رعایت کردی گئی کہ مسلمانوں کے لیے ان کا ذبیحہ اور ان کی عورت سے نکاح جائز کردیا گیا لیکن آخرت میں اہل کتاب اور دیگر کفار کے مابین کوئی فرق نہیں آخرت میں سب کافروں کا ایک ہی حکم ہے سب کے اعمال اکارت ہیں اور نقصان اٹھانے والے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ

اے ایمان والو ف۱ جب تم اٹھو ف۲ نماز کو تو دھو لو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک

اے ایمان والو! جب اٹھو نماز کو، تو دھو لو اپنے منہ، اور ہاتھ کہنیوں تک،

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ

اور مل لو اپنے سر کو ف۳ اور پاؤں ٹخنوں تک ف۴ اور اگر تم کو جنابت ہو تو خوب طرح پاک ہو ف۵ اور اگر تم

اور مل لو اپنے سر کو اور پاؤں ٹخنوں تک۔ اور اگر تم کو جنابت ہو تو خوب طرح پاک ہو۔ اور اگر تم

كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ

بیمار ہو یا سفر میں یا کوئی تم میں آیا ہے جائے ضرور سے یا پاس گئے ہو عورتوں کے پھر

بیمار ہو، یا سفر میں، یا ایک شخص تم میں آیا ہے جائے ضرور سے، یا لگے ہو عورتوں سے، پھر

ف۱ امت محمدیہ پر جو عظیم الشان احسانات کئے گئے ان کا بیان سن کر ایک شریف اور حق شناس مومن کا دل شکر گزاری اور اظہار وفاداری کے جذبات سے لبریز ہو جائے گا اور فطری طور پر اس کی یہ خواہش ہوگی کہ اس منعم حقیقی کی بارگاہ رفیع میں دست بستہ حاضر ہو کر جبین نیاز خم کرے اور اپنی غلامانہ منت پذیری اور انتہائی عبودیت کا عملی ثبوت دے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ جب ہمارے دربار میں حاضری کا ارادہ کرو یعنی نماز کے لئے اٹھو تو پاک وصاف ہو کر آؤ۔ جن لذائذ دنیوی اور مرغوبات طبعی سے متمتع ہونے کی آیت وضو سے پہلی آیت میں اجازت دی گئی (یعنی طیبات اور محصنات) وہ ایک حد تک انسان کو ملکوتی صفات سے دور اور بہیمیت سے نزدیک کرنے والی چیزیں ہیں اور کل احداث (موجبات وضو وغسل) ان ہی کے استعمال سے لازمی نتیجہ کے طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا مرغوبات نفسانی سے یکسو ہو کر جب ہماری طرف آنے کا قصد کرو تو پہلے بہیمیت کے اثرات اور "اکل وشرب" وغیرہ کے پیدا کئے ہوئے تکدرات سے پاک ہو جاؤ یہ پاکی "وضو" اور "غسل" سے حاصل ہوتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ وضو کرنے سے مومن کا بدن پاک وصاف ہو جاتا ہے بلکہ جب وضو باقاعدہ کیا جائے تو پانی کے قطرات کے ساتھ گناہ بھی جھڑتے جاتے ہیں۔

ف۲ یعنی سو کر اٹھو یا دنیا کے مشاغل چھوڑ کر نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہو تو پہلے وضو کر لو لیکن وضو کرنا ضروری اس وقت ہے جب کہ پیشتر سے باوضو نہ ہو۔ آیت کے آخر میں ان احکام کی جو غرض وغایت "وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ" سے بیان فرمائی ہے اس سے معلوم ہوگیا کہ ہاتھ منہ دھونے وغیرہ کا وجوب اسی لئے ہے کہ حق تعالیٰ تم کو پاک کر کے اپنے دربار میں جگہ دے۔ اگر یہ پاکی پہلے سے حاصل ہے اور کوئی ناقض وضو پیش نہیں آیا تو پاک کو پاک کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس کو ضروری قرار دینے سے امت "حرج" میں پڑتی ہے جس کی نفی ﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ﴾ میں کی گئی۔ ہاں مزید نظافت، نورانیت اور نشاط حاصل کرنے کے لئے اگر تازہ وضو کر لیا جائے تو مستحب ہوگا۔ شاید اسی لئے ﴿اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ الآیۃ میں سطح کلام کی ایسی رکھی ہے جس سے ہر مرتبہ نماز کی طرف جانے کے وقت تازہ وضو کی ترغیب ہوتی ہے۔

ف۳ یعنی تر ہاتھ سر پر پھیر لو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدت العمر میں مقدار ناصیہ سے کم کا مسح ثابت نہیں ہوتا "مقدار ناصیہ" چوتھائی سر کے قریب ہے۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس قدر مسح کو فرض کہتے ہیں۔ باقی اختلافات اور دلائل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

ف۴ مترجم محقق نے پاؤں کے بعد لفظ "کو" نہ لکھ کر نہایت لطیف اشارہ فرما دیا کہ "اَرْجُلَكُمْ" کا عطف مغسولات پر ہے یعنی جس طرح منہ، ہاتھ دھونے کا حکم ہے، پاؤں بھی ٹخنوں تک دھونے چاہئیں سر کی طرح مسح کافی نہیں چنانچہ اہلسنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے اور احادیث کثیرہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر پاؤں میں موزے نہ ہوں تو دھونا فرض ہے۔ ہاں "موزوں" پر ان شرائط کے موافق جو کتب فقہ میں مذکور ہیں مقیم ایک دن رات اور مسافر تین دن تک مسح کر سکتا ہے۔

ف۵ یعنی جنابت سے پاک ہونے میں صرف اعضائے اربعہ کا دھونا اور مسح کرنا کافی نہیں۔ سطح بدن کے جس حصہ تک پانی بدون تضرر کے پہنچ سکتا ہو وہاں تک پہنچانا ضروری ہے اسی لئے حنفیہ غسل میں "مضمضہ" اور "استنشاق" (کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا) کو بھی ضروری کہتے ہیں وضو میں ضروری نہیں سنت ہے۔

تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ

نہ پاؤ تم پانی تو قصد کرو مٹی پاک کا اور مل لو اپنے منہ اور ہاتھ اس سے ف۱ اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی کرے ف۲ لیکن چاہتا ہے کہ

نہ پاؤ پانی، تو قصد کرو زمین پاک کا، اور مل لو اپنے منہ اور ہاتھ اس سے، اللہ نہیں

اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ

تم کو پاک کرے ف۳ اور پورا کرے اپنا احسان تم پر

چاہتا کہ تم پر کچھ مشکل رکھے، اور لیکن، چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے، اور اپنا احسان پورا کیا چاہے تم پر،

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۶

تاکہ تم احسان مانو ف۴

کہ شاید تم احسان مانو۔

ف۱ یعنی مرض کی وجہ سے پانی کا استعمال مضر ہو یا سفر میں پانی بقدر کفایت نہ ملے یا مثلاً کوئی قضائے حاجت کر کے آیا اور وضو کی ضرورت ہے یا جنابت کی وجہ سے غسل ناگزیر ہے مگر پانی کے حاصل کرنے یا استعمال کرنے پر کسی وجہ سے قادر نہیں تو ان صورتوں میں وضو یا غسل کی جگہ تیمم کرلے۔ وضو اور غسل دونوں کے تیمم کی مشروعیت سے جو غرض ہے وہ بہر صورت یکساں طور پر حاصل ہوتی ہے "تیمم" کے اسرار و مسائل اور اس آیت کے فوائد "سورۃ نسآء" کے ساتویں رکوع میں مفصل گزر چکے۔ (تنبیہ) مترجم محقق قدس سرہ نے ﴿لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ کا جو ترجمہ کیا ہے (پاس گئے ہو عورتوں کے) وہ محاورہ کے اعتبار سے حالت جنابت ہی پر دلالت کرتا ہے۔ یہ ترجمہ ابن عباسؓ اور ابو موسیٰ اشعری کی تفسیر کے موافق ہے جسے ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے بھی سکوتاً تسلیم کیا ہے (کمافی البخاری) نیز مترجم علام نے "فَتَيَمَّمُوْا" کے ترجمہ میں "قصد کرو" کہہ کر اشارہ فرمادیا کہ اصل لغت کے اعتبار سے "تیمم" کے معنی میں "قصد" معتبر ہے۔ اور اس لغوی معنی کی مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے "تیمم شرعی" میں بھی قصد یعنی نیت کو علماء نے ضروری قرار دیا ہے۔

ف۲ اس لئے جو احداث کثیر الوقوع تھے ان میں سارے جسم کا دھونا ضروری نہ رکھا صرف اور اعضاء (منہ، ہاتھ، پاؤں، سر) جن کو اکثر بلاد متمدنہ کے رہنے والے عموماً کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے ان کا دھونا اور مسح کرنا ضروری بتلایا تاکہ کوئی تنگی اور دقت نہ ہو۔ ہاں "حدث اکبر" بمعنی "جنابت" جو احیاناً پیش آتی ہے اور اس حالت میں نفس کو ملکوتی خصال کی طرف ابھارنے کے لئے کسی غیر معمولی تنبیہ کی ضرورت ہے، اس کے ازالہ کے لئے تمام بدن کا دھونا فرض کیا۔ پھر "مرض" اور "سفر" وغیرہ حالات میں کس قدر آسانی فرمادی۔ اول تو پانی کی جگہ "مٹی" کو مطہر بنادیا۔ پھر اعضائے وضو میں سے نصف کی تخفیف اس طرح کردی کہ جہاں پہلے ہی سے تخفیف تھی یعنی سر کا مسح اسے بالکل اڑا دیا اور پاؤں کو شاید اس لئے ساقط کردیا کہ وہ عموماً مٹی میں یا مٹی کے قریب رہتے ہیں اور تمام اعضائے بدن کی نسبت سے گرد و غبار میں ان کا تلوث شدید تر ہے۔ لہٰذا ان پر مٹی کا ہاتھ پھیرنا بیکار سا تھا۔ بس دو عضو رہ گئے "منہ" اور "ہاتھ" ان ہی کو ملنے سے وضو اور غسل دونوں کا "تیمم" ہوجاتا ہے۔

ف۳ کیونکہ وہ خود پاک ہے تو پاکی ہی پسند کرتا ہے۔

ف۴ پچھلے رکوع میں جو نعمائے عظیمہ بیان ہوئی تھیں انکو سن کر بندہ کے دل میں جوش اٹھا کہ اس منعم حقیقی کی بندگی کے لئے فوراً کھڑا ہوجائے۔ اسے بتلا دیا کہ ہماری طرف آؤ تو کس طریقہ سے پاک ہو کر آؤ۔ یہ بتلانا خود ایک نعمت ہوئی اور بدن کی سطح ظاہر پر پانی ڈالنے یا مٹی ڈالنے یا مٹی لگانے سے اندرونی پاکی عطا فرمادینا یہ دوسری نعمت ہوئی۔ بندہ ابھی پچھلی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرسکا تھا قصد ہی کر رہا تھا کہ یہ جدید انعامات فائض ہوگئے۔ اس لئے ارشاد ہوا ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ یعنی ان پہلی نعمتوں کو یاد کرنے سے پہلے ان جدید نعمتوں کا جو "احکام وضو" وغیرہ کے ضمن میں مبذول ہوئیں شکر ادا کرنا چاہئے۔ شاید اسی ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تحیۃ الوضو کا سراغ لگایا ہو۔ اس درمیانی نعمت کے شکریہ پر متوجہ کرنے کے بعد اگلی آیت میں ان سابق نعمتوں اور احسانات عظیمہ کو پھر اجمالاً یاد دلاتے ہیں، جن کی شکرگزاری کے لئے بندہ اپنے مولا کے حضور میں کھڑا ہونا چاہتا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ الخ۔

حکم ہشتم ونہم ودہم۔فرضیت وضوء وفرضیت غسل ومشروعیت تیمم

قَالَ تَعَالٰی: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ... الی... لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

ربط:...... ابتداء سورت میں اجمالی طور پر عقود اور عہود کے ایفاء کا حکم دیا پھر اس کی تفصیل شروع فرمائی تو سب سے پہلے کھانے کی چیزوں کی اباحت اور حلت کو بیان فرمایا پھر حلال عورتوں کا ذکر کیا جن سے نکاح کی اجازت دی گئی اور چونکہ انسانی حاجتیں اور کھانے پینے کی ضرورتیں بہ نسبت نکاح کے زیادہ ہیں اس لیے ان کو مقدم فرمایا اور نکاح کو ان کے بعد بیان کیا ان عقود کا تعلق دنیا سے تھا اب ان عقود اور عہود کو بیان کرتے ہیں جو دین اور عبودیت سے متعلق ہیں اور چونکہ اکل حلال اور وطی حلال، خداوند ذوالجلال کی عبادت میں بہت معین ہے اس لیے اس کو مقدم فرمایا اب ان سب کے بعد عہد عبودیت کے ایفاء کا مطالبہ فرماتے ہیں کہ اور اعلیٰ ترین عبودیت نماز ہے جس کے لیے طہارت نہایت ضروری ہے اس لیے ان آیات میں وضو اور غسل اور تیمم کے حکم کی تفصیل فرمائی (تفسیر کبیر: ۳/ ۳۷۴)

فرضیت وضو

اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ ظاہری اور باطنی طہارت اور پاکیزگی کو ملحوظ رکھو اور کفر اور معصیت کی نجاست اور گندگی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو۔ اکل طیبات اور مخالطت محصنات سے جو تمہاری باطنی طہارت اور نزاہت میں خلل آیا ہے تو اس کو وضو یا غسل یا تیمم کی طہارت سے دور کرو کیونکہ موجبات وضو مثلاً پیشاب اور پاخانہ اور قے اور خون ان سب کا منشاء اکل طعام ہے اور موجبات غسل کا منشاء نکاح ہے اور اس لیے اکل طیبات اور نکاح محصنات کے بعد وضو اور غسل کے احکام کا بیان نہایت مناسب ہوا چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو دھولیا کرو اپنے مونہوں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرلیا کرو اپنے سروں پر اور اپنے پاؤں دھولیا کرو ٹخنوں تک۔ یعنی پیروں کو ٹخنوں تک دھونا فرض ہے سر کی طرح کا مسح کافی نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جو امت کو وضو کی تعلیم دی وہ یہی ہے کہ وضو میں پیروں کو دھویا کریں نہ یہ کہ ان پر مسح کیا کریں اور صحابہ کرام ﷺ نے جو آنحضرت ﷺ کے وضو کی روایت اور حکایت کی ہے سب میں غسل قدمین کی صراحت آئی ہے کسی ایک جگہ بھی مسح قدمین کا ذکر نہیں آیا۔

محقق ابن امیر الحاج شرح تحریر الاصول: ۳/ ۶، میں تحریر فرماتے ہیں کہ تیس صحابہ ؓ سے زیادہ نے آپ ﷺ کے وضو کو روایت کیا ہے اور اس پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ نے وضو میں پیروں کو دھویا ہے سفر اور حضر، سردی اور گرمی کسی حالت میں بھی آپ ﷺ نے پیروں پر مسح نہیں فرمایا بعد ازاں محقق ابن امیر الحاج نے ان تیس سے زیادہ روایتوں کو مع تخریج روایت اور حوالہ کتاب ذکر فرمایا اس لیے ہم اہل علم اور طلبہ کے افادہ کے لیے اصل عبارت ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:

”اذ قد اطبق من حكى وضوءه من الصحابة ويقربون من ثلاثين عليه اى على غسله صلى الله عليه وسلم رجليه بل يزيدون على ذلك وقد اسعف المصنف (اى ابن الهمام) بذكر اثنين وعشرين منهم فى فتح القدير عثمان رواه البخارى ومسلم وعلى رواه اصحاب السنن

وعائشة رواه النسائی وغیره وابن عباس والمغیرة رواه البخاری وغیره وعبدالله بن زید رواه الستة وابو مالك الاشعری وابوهریرة وابو امامة والبراء بن عازب رواه احمد وابوبکر رواه البزار ووائل بن حجر رواه الترمذی ونفیل بن مالك رواه ابن حبان وانس روها الدارقطنی وابو ایوب الانصاری وابو کاهل وعبدالله بن انیس رواه الطبرانی والمقدام بن معدی کرب وکعب بن عمرو الیامی والربیع بنت معوذ وعبدالله بن عمرو بن العاص رواه ابوداؤد وعبدالله بن ابی اوفی رواه ابویعلیٰ وممن حکاه ایضا زیادة علیٰ هؤلاءِ عمر رواه عبد بن حمید وابن عمر وابی بن کعب رواه ابن ماجة ومعاویة رواه ابوداؤد ومعاذ بن جبل وابو رافع وجابر بن عبدالله وتمیم بن غزیة الانصاری وابو الدرداء وام سلمة رواه الطبرانی وعمار رواه الترمذی وابن ماجه وزید بن ثابت روها الدارقطنی فبلغت الجملة اربعة وثلاثین وباب الزیادة مفتوح للمستویٔ ثم المراد اتفاق الجم الغفیر الذی یمنع العقل تواطئهم علی الکذب من الصحابة علی نقل غسلهما عنه صلی الله علیه وسلم ثم اتفاق الجم الغفیر الذی هم بهذه المثابة من التابعین علی نقل ذلك عن الصحابة وهلم جراحتی الینا ولیس معنی التواتر الا هذا وتوارثه ای ولتوارث غسلهما من الصحابة ای لا خذنا غسلهما ممن یلینا وهم ذلك عمن یلیهم وهکذا الیٰ الصحابة وهم اخذوه بالضرورة عن صاحب الوحی فلا یحتاج الیٰ ان ینقل فیه نص معین (کذا فی فصل التعارض من شرح التحریر للمحقق ابن امیر الحاج: ۳/۶)

غرض یہ کہ احادیث متواترہ سے یہ امر ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ وضو میں پیروں کو دھوتے تھے اور عہد صحابہ ؓ سے لے کر اس وقت امت کا تعامل یہی چلا آ رہا ہے کہ وضو میں پیروں کو دھویا جائے اور عہد صحابہ ؓ سے لے کر اس وقت تک پوری امت کا مسلسل عمل خود ایک مستقل دلیل ہے جس کے بعد کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی نیز کتب شیعہ میں بھی آنحضرت ﷺ سے پاؤں کا دھونا منقول ہے اور یہ روایتیں صحیح ہیں اور ثابت ہیں اور بالاتفاق فریقین کے نزدیک مسلمہ ہیں اور مسح کے بارہ میں اختلاف ہے پس احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ متفق علیہ اور مسلمہ فریقین کو لے لیا جائے اور مختلف فیہ کو چھوڑ دیا جائے۔

تحقیق اختلاف قراءت درلفظ وارجلم الی الکعبین

جاننا چاہیے کہ لفظ ﴿وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ میں دو قراءتیں ہیں ایک قراءت نصب ہے یعنی بفتح لام اور دوسری قراءت جر ہے یعنی ﴿وَاَرْجُلَكُمْ﴾ بنصب الام پہلی قراءت کی بنا پر ﴿وَاَرْجُلَكُمْ﴾ کا عطف ﴿وَاَيْدِيَكُمْ﴾ پر ہوگا اور ترجمہ یوں ہوگا کہ اور اپنے پیروں کو ٹخنوں تک دھویا کرو اس قراءت سے وضو میں پیروں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہوتی ہے اور جو اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے دوسری قراءت میں یعنی بکسر اللام کی بنا پر ﴿وَاَرْجُلِكُمْ﴾ کا عطف بظاہر لفظ

﴿وَ أَرْجُلَكُمْ﴾ پر ہوگا اور ترجمہ اس طرح ہوگا کہ اپنے سروں پر اور اپنے پیروں پر مسح کرلیا کرو اس قراءت میں وضو میں مسح رجلین کی فرضیت ثابت ہوتی ہے یہ شیعہ اور امامیہ فرقہ کا مذہب ہے کہ وضو میں بجائے غسل کے مسح رجلین فرض ہے اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں قراءتیں متواتر ہیں اور بمنزلہ دو آیتوں کے ہیں اور کلام خداوندی میں تعارض ناممکن ہے یہ امر قطعاً ناممکن ہے کہ وقت واحد میں دونوں مختلف اور متضاد چیزیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مراد ہوں لہٰذا حق تعالیٰ کے نزدیک غسل رجلین اور مسح رجلین میں سے ایک ہی معنی مراد ہوں گے۔ رہا یہ امر کہ حق تعالیٰ کے نزدیک کون سے معنی مراد ہیں سو اس اجمال اور اشتباہ کے دور کرنے کے لیے احادیث نبویہ اور تعامل صحابہ ؓ وتابعین کی طرف رجوع کرنا ضروری معلوم ہوا سو احادیث متواترہ صحیحہ اور صریحہ میں یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے امت کو جو وضو کی تعلیم دی اس میں پیروں کے دھونے کا حکم دیا اور پھر یہ فرمایا "هذا وضو لا يقبل الله الصلوة الا به" یعنی بغیر اس طرح وضو کے خدا تعالیٰ کے یہاں نماز قبول نہیں نیز مدت العمر کبھی بھی آپ ﷺ نے مسح رجلین نہیں فرمایا نہ سفر میں اور نہ حضر میں بلکہ جن لوگوں کو غسل رجلین میں کوتاہی کرتے دیکھا ان کو باآواز بلند یہ فرمایا "ویل للعقاب من النار" یعنی ان ایڑیوں کے لیے ہلاکت ہے اور عذاب نار ہے جن کو پانی نہیں پہنچا معلوم ہوا کہ وضو میں پیروں کا دھونا فرض ہے مسح کافی نہیں۔

اور عمر بن عبسہ ؓ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضور پرنور ﷺ نے وضوء کی تلقین کرتے ہوئے یہ فرمایا:

"ثم يغسل قدميه كما امره الله رواه ابن خزيمة فتح الباري: ۱/۲۳۲۔ باب غسل الرجلين۔"

"پھر قدمین کو دھوئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دھونے کا قرآن میں حکم دیا ہے۔"

اور امام بیہقی ؒ کی سنن کبریٰ: ۱/۱۷ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ حکم دیا:

"اغسلوا القدمين الى الكعبين كما امرتم۔" "اپنے قدموں کو ٹخنوں تک دھوؤ جیسا کہ تم کو قرآن میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔"

معلوم ہوا کہ قرآن نے جو حکم دیا ہے وہ غسل رجلین کا حکم دیا ہے نہ مسح قدمین کا۔

اور عبدالرحمن بن ابی لیلی سے منقول ہے کہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ غسل قدمین پر تمام صحابہ ؓ کا اجماع ہے۔ (فتح الباری: ۱/۲۳۲، باب غسل الرجلین)

پس نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے قول اور فعل دونوں سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ آیت میں خدا تعالیٰ کے نزدیک غسل رجلین مامور بہ ہے جیسا کہ قراءت نصب اس پر دلالت کرتی ہے اور حق تعالیٰ کے نزدیک یہی معنی متعین اور مراد ہیں جس میں کوئی دوسرا احتمال نہیں لہٰذا ایسی صورت میں قراءت جر کی ایسی تفسیر کرنی لازم ہوگئی جو قراءت نصب کے ہم معنی ہونا واضح ہوجائے اور دونوں قراءتوں کے تعارض رفع کرنے کے لیے مختلف جوابات دیے ہیں جن کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں غور سے پڑھیں۔

جواب اول:...... بلاشبہ قراءت جر کی صورت میں بظاہر پیروں کا مسح کرنا ثابت ہوتا ہے لیکن آیت میں پیروں کے مسح سے

غسل خفیف مراد ہے اس لیے کہ لفظ مسح کا اطلاق لغت میں غسل خفیف پر بھی آتا ہے جیسا کہ امام قرطبی نے ابوزید انصاری سے نقل کیا ہے کہ اہل عرب کو جب یہ کہنا ہوتا ہے کہ میں نے نماز کے لیے وضو کیا تو ایسے موقعہ پر "تمسحت للصلاۃ" بولتے ہیں یعنی میں نے نماز کے لیے وضو کی نیز جب یہ کہنا ہوتا ہے وضو کے لیے پانی لاؤ تو اس طرح بولتے ہیں "ھات ماا تمسح بہ للصلاۃ" یعنی وہ چیز لاؤ جس سے نماز کے لیے وضو کروں ابوحاتم کہتے ہیں کہ وضو کو مسح کے لفظ سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وضو کرنے والا محض پانی بہا لینے سے خوش نہیں ہوتا جب تک اپنے اعضاء کو پونچھ نہ لے۔

غرض یہ کہ ان محاورات سے یہ ثابت ہوگیا کہ مسح کا اطلاق غسل خفیف پر بھی آتا ہے پس اب ہم کہتے ہیں کہ ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ﴾ میں سر کے مسح پر محض تر ہاتھ پھیر لینا مراد ہے اور مسح رجلین سے غسل خفیف مراد ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے پیروں کے مسح میں الی الکعبین کی قید لگائی ہے اگر سر اور پیروں کا مسح ایک ہی قسم کا ہوتا تو یہ تحدید نہ لگائی جاتی جس طرح سر کو بلا تعیین مقدار بیان کیا گیا اسی طرح پیروں کو بھی کوئی حد اور مقدار نہ بیان کی جاتی ہاتھوں اور پیروں کی حد مقرر کرنے سے اور سر کی حد نہ مقرر کرنے سے صاف عیاں ہے کہ ہاتھوں اور پیروں کا حکم تو ایک ہے اور سر کا حکم ان سے مختلف ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۶/ ۹۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ، منہاج السنۃ فرماتے ہیں کہ لغت عرب میں لفظ مسح بمنزلہ جنس عام کے ہے جس کے تحت دو نوعیں یعنی دو قسمیں مدرج ہیں ایک اسالہ یعنی بہانا اور دوسرے غیر اسالہ یعنی بغیر پانی بہائے تر ہاتھ پھیر لینا اصل لغت کے اعتبار سے لفظ مسح، عرفی مسح اور غسل دونوں کو شامل ہے جیسے لفظ ذوی الارحام بمعنی ذوی القربات لغت کے لحاظ سے ذوی الفروض اور عصبات وغیرہ سب کو شامل ہے مگر چونکہ عرف میں ذوی الفروض اور عصبات کا قسیم اور مقابل ہے ورنہ اصل لغت کے لحاظ سے ذوی الفروض اور عصبات دونوں ذوی الارحام کی ایک قسم ہیں عرف میں چونکہ اقارب عصبات ایک خاص نام سے پکارے جانے لگے اس لیے لوگ یہ سمجھنے لگے کہ لفظ ذوی الارحام عصبات کا قسیم اور مقابل ہے یہ ایسا ہے جیسا کہ لفظ حیوان اصل لغت کے لحاظ سے انسان کو بھی شامل ہے مگر عرف میں غیر انسان کے لیے بولا جاتا ہے اس طرح لفظ مسح کو سمجھو کہ وہ اصل لغت کے اعتبار سے عرفی مسح اور غسل دھونے دونوں کو شامل ہے حق تعالیٰ نے اس آیت میں ﴿وَامْسَحُوْا﴾ کے تحت دو چیزوں کو ذکر کیا اور ایک ﴿رُءُوْسَكُمْ﴾ یعنی سر کو جس میں مسح عرفی معنی مراد ہیں اور دوسرا ﴿وَاَرْجُلَكُمْ﴾ اس میں مسح سے غسل اور اسالہ یعنی دھونے اور پانی بہانے کے معنی مراد ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے کلام کا خلاصہ ختم ہوا۔ دیکھو منہاج السنۃ: ۲/ ۱۵۱۔

یہ بندۂ ناچیز کہتا ہے کہ کلام عرب میں بسا اوقات ایک ذو معنی لفظ بولا جاتا ہے اور اس کے تحت بطریق عطف مختلف متعلقات اور معمولات کو ذکر کیا جاتا ہے لیکن معطوف علیہ میں اس لفظ سے ایک معنی مراد ہوتے ہیں اور اسی لفظ سے معطوف میں اس لفظ کے دوسرے معنی مراد ہوتے ہیں جیسے حق تعالیٰ کا یہ قول ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ اس میں یصلون کی ضمیر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی طرف راجع کی گئی ہے اور دونوں جگہ صلوٰۃ سے مختلف معنی مراد ہیں اللہ کی صلوٰۃ کے معنی نبی کریم پر رحمت خاص نازل کرنے کے ہیں اور فرشتوں کی صلوٰۃ کے معنی دعا کے ہیں اسی طرح ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ﴾

میں سمجھو کہ مسح رؤس سے تر ہاتھ پھیرنا مراد ہے اور مسح ارجل سے اسالہ پانی بہانا اور غسل خفیف مراد ہے اور اصل لغت کے اعتبار سے لفظ مسح ایک معنیٰ کلی کے لیے وضع ہوا ہے یعنی الافضاء الی المحل یعنی پانی کا کسی جگہ تک پہونچا دینا اور اس معنیٰ کلی کے دو فرد ہیں ایک مسح عرفی اور ایک غسل اور الافضاء بالماء الی المحل اور اصابۃ الماء یہ معنیٰ کلی دونوں فردوں کو شامل ہیں مگر برؤسکم میں معنیٰ کلی ایک فرد مراد ہے یعنی عرفی اور وارجلکم میں دوسرا فرد مراد ہے خوب سمجھ لو۔

جواب دوم:...... قراءت جر میں اگرچہ لفظ وارجلکم کا عطف لفظ ﴿رُءُوسِكُمْ﴾ پر ہے لیکن معنیً اس کا عطف ﴿وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ﴾ پر ہے لیکن معنیً اس کا عطف ﴿وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ﴾ پر ہے اور ارجل، اعضاء مغسولہ کے ساتھ وجوب غسل میں شریک ہے اور قراءت جر میں جر یعنی لام کا کسرہ جور کی وجہ سے ہے یعنی ﴿بِرُءُوسِكُمْ﴾ کے قرب اور مجاورت کی وجہ سے ﴿وَأَرْجُلِكُمْ﴾ کو مجرور پڑھا گیا ورنہ فی الحقیقت اس کا عطف ﴿وُجُوهَكُمْ﴾ اور ﴿وَأَيْدِيَكُمْ﴾ پر ہے اور چہرہ اور ہاتھوں کی طرح پیروں کا دھونا بھی فرض ہے۔

اور قرآن عزیز اور کلام عرب میں جر جوار بکثرت آیا ہے۔

۱- کما قال تعالیٰ: ﴿يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ﴾ بالجر نحاسٍ۔ کا جر نار کے جوار کی وجہ سے ہے ورنہ نحاس فی الحقیقت شواظ پر معطوف ہے اور معنیً مرفوع ہے۔

۲- وقال تعالیٰ: ﴿بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ۝ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ﴾ قراءت جر میں لفظاً مجرور ہے مگر معنیً مرفوع ہے اس لیے کہ قرآن کی صفت ہے جر محض مجاورت کی وجہ سے ہے۔

۳- وقال تعالیٰ: ﴿عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ﴾ محیط کا جر محض یوم کی مجاورت اور مقارنت کی وجہ سے ہے ورنہ محیط فی الحقیقت صفت عذاب کی ہے۔

۴- وقال تعالیٰ: ﴿عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ﴾ بجر الیم کہ الیم اصل میں صفت عذاب کی ہے مگر یوم کے جوار کی وجہ سے مجرور ہوا۔

۵- اور امراؤ القیس کا قول ہے:

کان ابانا فی افانین ودقہ کبیر اناس فی بجاد مزمل

اس شعر میں مزمل کا جر محض جوار کی وجہ سے ہے ورنہ مزمل دراصل رجل کی صفت ہے اور معنیً مرفوع ہے اگرچہ لفظاً مجرور ہے۔

۶- اور عرب میں یہ مثل مشہور ہے جحر ضب خربٍ۔ خربٍ کا جر محض ضب کے جوار اور قرب کی بنا پر ہے ورنہ خرب دراصل حجر کی صفت ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جر جوار محاورہ عرب میں شائع اور ذائع ہے اور تمام ائمہ عربیت اور ماہرین نحو کلام فصیح میں اس کے استعمال کے قائل ہیں سوائے زجاج کے جر جوار کا کوئی منکر نہیں (روح المعانی: ۶/ ۶۸) اور شواہد مذکورہ کے ہوتے ہوئے کسی کا انکار قابل اعتبار نہیں خوب سمجھ لو۔

جواب سوم:...... ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ظاہر میں ﴿وَاَرْجُلَكُمْ﴾ کا عطف روس پر ہے لیکن با ایں ہمہ حکم دونوں کا مختلف ہے اس لیے کہ کلام عرب میں بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ایک شئ کا دوسری شئ پر عطف ہوتا ہے مگر حکم میں دونوں مختلف ہوتے ہیں اور یہ صورت وہاں ہوتی ہے کہ جہاں دو فعل متقرب فی المعنی جمع ہو جائیں اور ہر ایک کا متعلق اور معمول علیحدہ ہو تو ایسے موقع پر بغرض ایجاز واختصار ایسا کرتے ہیں کہ ایک فعل کو تو حذف کر دیتے ہیں مگر اس کے معمول اور مفعول کا فعل مذکور کے معمول پر عطف کر دیتے ہیں کہ بظاہر معطوف، معطوف علیہ کے ساتھ حکم میں شریک ہوتا ہے لیکن معنی مختلف ہوتا ہے ایک شاعر کہتا ہے:

یالیت بعلك قد غدا متقلدا سیفا ورمحا

اے کاش تیرا شوہر صبح کے وقت ایسے حال میں روانہ ہوتا کہ گلے میں تلوار اور نیزہ کا قلادہ ڈالے ہوئے ہوتا۔

اس شعر میں ورمحا کا عطف بظاہر سیفا پر ہے جو متقلدا کا مفعول ہے لیکن حقیقت میں۔ رُمْحًا متقلدا کا مفعول نہیں اس لیے کہ نیزہ گلے میں ڈالنے کی چیز نہیں بلکہ تقدیر کلام اس طرح ہے۔



متقلدا سیفا وحاملا رمحا یعنی تلوار گلے میں ڈالے ہوئے اور نیزہ ہاتھ میں اٹھائے ہوئے مگر چونکہ حاملا اور متقلدا دونوں متقارب المعنی تھے اس لیے بغرض ایجاز حاملا کو حذف کر دیا گیا اور حاملاً کے مفعول یعنی رمحاً کا عطف متقلدا کے منعول یعنی سیفا پر کر دیا گیا کہ اہل سخن قرینہ مقام اور سیاق کلام سے مراد کو سمجھ جائیں گے ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:

لما حططت الرحل عنها واردا علفتها تبنا وماء باردا

جب میں نے اونٹنی کا کجاوا اتارا تو اس اونٹنی کو بھس کھلایا اور ٹھنڈا پانی

اس شعر میں بظاہر اگرچہ وماء باردا کا عطف تبناً پر ہو رہا ہے لیکن علفت کے حکم میں اس کے ساتھ شریک نہیں اس لیے کہ ٹھنڈا پانی بھس کے حکم میں نہیں پانی پلایا جاتا ہے بھس کی طرح کھلایا نہیں جاتا بلکہ تقدیر کلام اس طرح سے ہے علفتاها بتنا وسقي تها ماء بارداً۔ میں نے اس اونٹنی کو بھس کھلایا اور ٹھنڈا پانی پلایا لیکن چونکہ سقیت اور علفت دونوں متقارب فی المعنی تھے اس لیے سقیت کو حذف کر کے اس کے مفعول (ماء باردا) کا عطف علفت کے مفعول تبناً پر کر دیا گیا کہ اہل فہم قرینہ مقام سے مراد سمجھ لیں گے پس وماء بارداً اگرچہ لفظاً تبناً پر معطوف ہونے کی وجہ سے بظاہر شریک حکم ہے مگر معنیٰ اس سے مختلف اور جدا ہے۔

اور شاعر کہتا ہے:

فعلا فروع الایهقان واطفلت بالجلهتين ظباء ها ونعامها

اس شعر میں ونعامها کا ظباء ها پر عطف کیا گیا ہے اور بظاہر دونوں واطفلت کے حکم میں شریک ہیں لیکن معنیٰ مختلف ہیں اس لیے کہ شتر مرغ بچے نہیں دیتا بلکہ بیضے دیتا ہے اور تقدیر کلام اس طرح ہے واطفلت ظباء ها وباضت نعامها۔

اسی طرح آیت میں تقدیر کلام یوں ہے "وامسحوا بروسکم واغسلوا ارجلکم غسلا خفیفا"۔ یعنی اپنے سروں پر مسح کرو اور اپنے پیروں کو نرمی اور اعتدال کے ساتھ دھوؤ پیروں پر پانی بہانے میں مبالغہ اور اسراف نہ کرو

چونکہ غسل خفیف اور مسح دونوں متقارب المعنی تھے اس لیے واغسلوا غسلاً خفیفا کو حذف کر کے اس کے مفعول یعنی ارجلکم کا عطف برؤسکم پر کر دیا گیا یہ تیسرا جواب تمام تر امام قرطبی رحمہ اللہ کی تشریح ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۶/۹۵، وروح المعانی: ۶/۶۹)

جواب چہارم:...... امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں قرأتوں میں کوئی تعارض نہیں ہر قراءت میں ایک جداگانہ حالت کا حکم بیان کیا گیا ہے قراءت جر جس سے مسح قدمین معلوم ہوتا ہے یہ حکم اس حالت میں ہے کہ جب قدمین پر خفین ہوں یعنی جس حالت میں موزے پہنے ہوں تو مسح رجلین کرے اور اگر پیروں میں موزے نہ ہوں تو ایسی حالت میں غسل قدمین فرض ہے مطلب یہ ہے کہ یہ دو قراءتیں دو مختلف حالتوں پر محمول ہیں اس لیے کہ عقلاً یہ ناممکن ہے کہ وقت واحد اور حالت واحدہ میں عضو واحد کا غسل بھی فرض ہو اور مسح بھی فرض ہو معلوم ہوا کہ ان دو قراءتوں میں دو مختلف حالتوں کا حکم بیان کیا گیا۔ (فتح الباری: ۱/۲۴۴)

بحر ● العلوم، شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں کہ فخر الاسلام بزدوی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور یہ توجیہ نہایت لطیف ہے اور فرماتے ہیں کہ قراءت جر میں الی الکعبین کا لفظ مسح کی غایت نہیں اس لیے کہ مسح تو ظاہر خفین پر کافی ہے کعبین تک مسح کرنا بالاجماع ضروری نہیں بلکہ یہ تخفف کی غایت ہے کہ جو سیاق کلام سے مفہوم ہوا ہے اور مطلب یہ ہوا کہ پیروں پر مسح کر لیا کرو درآنحالیکہ تم ٹخنوں تک موزے پہنے ہوئے ہو اور اگر موزہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو پھر موزوں پر مسح درست نہ ہوگا۔ (فواتح الرحموت مسلم الثبوت: ۲/۱۹۶، طبع مصر)۔

جواب پنجم:...... امام طحاوی اور ابن حزم کہتے ہیں کہ ابتداء میں مسح قدمین جائز تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور غسل قدمین فرض ہو گیا۔ (فتح الباری: ۱/۲۳۲)

قراءت:...... جاننا چاہیے کہ ﴿وَاَرْجُلَكُمْ﴾ میں ایک تیسری قراءت رفع کی بھی آئی ہے یعنی ﴿وَاَرْجُلُكُمْ﴾ برفع اللام پڑھا گیا ہے یہ قراءت بظاہر کسی فریق کے لیے دلیل نہیں بن سکتی اس لیے کہ اس قراءت میں ﴿وَاَرْجُلُكُمْ﴾ کی خبر محذوف ہوگی کوئی تقدیر کلام اس طرح بتلائے گا ﴿وَاَرْجُلُكُمْ﴾ مغسولة اور کوئی تقدیر کلام اس طرح بتائے گا ﴿وَاَرْجُلُكُمْ﴾ ممسوحة لیکن اس قراءت میں بظاہر خبر کو اس لیے حذف کر دیا گیا کہ "اَرْجُلُ" کا حکم شریعت میں معلوم اور معروف ہے نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل یہی رہا کہ پیروں کو دھوتے تھے۔ (روح المعانی: ۶/۷۰)

ایک شبہ:...... دار قطنی وغیرہ کی بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں مسح رجلین فرمایا۔

جواب:...... یہ ہے کہ مسح رجلین کی روایت قطعاً شاذ اور منکر ہے قطعاً صحیح نہیں اور احادیث متواترہ کے صریح خلاف ہے نیز

● وما قیل انه یلزم علی ما ذکر ان یکون مسح الخفف مُغَيَّا الی الکعب مع انه لا غایة له فساقط لان الغایة حینئذٍ لا تکون غایة للمسح بل للتخفیف المفهوم من الآیة والمعنی والله اعلم وامسحوا بارجلکم حال کونکم متخففین ساترین الی الکعبین اشارة الی انه لا مسح اذا کان مکشوفا شیئ من الرجل الی الکعب فافهم فان هذا الوجه فی غایة الحسن واللطافة (فواتح الرحموت: ۲/۱۹۶)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی نے سب کے سامنے وضو کیا اور سر اور پیروں کا مسح کیا اور پھر یہ فرمایا۔

"ان ناسا یزعمون ان هذا یکره وانی رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم مثل ما صنعت هذا وضوء من لم یحدث۔" احکام القرآن للجصاص: ۲/۳۴۶، سنن کبری للامام البیهقی: ۱/۷۵۔

"تحقیق کچھ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اس طرح وضو درست نہیں تحقیق میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح وضو کرتے دیکھا ہے لیکن یہ وضو اس شخص کی ہے جو پہلے سے محدث (بے وضو) نہ ہو یعنی جو وضو، ازالہ حدث کے لیے نہ ہو بلکہ تبرک کے لیے وضو علی الوضوء ہو یا تبرید کے لیے وضو کیا جائے تو پھر بجائے غسل رجلین کے مسح رجلین کافی ہو سکتا ہے۔"

فرضیت غسل

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾

اوپر فرضیت وضو کا بیان تھا اب فرضیت غسل کو بیان کرتے ہیں اور اگر تم جنابت یعنی ناپاکی کی حالت میں ہو تو سارے بدن کو خوب اچھی طرح سے دھوؤ یعنی اسی طرح غسل کرو کہ جہاں جہاں تک پانی پہنچانا ناممکن ہو وہاں پانی پہنچاؤ اسی وجہ سے امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غسل میں مضمضہ اور استنشاق یعنی کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے اور وضو میں سنت ہے اس لیے کہ وضو میں فقط غسل وجہ کا حکم دیا گیا ہے اور غسل میں فاطهروا مبالغہ کا صیغہ لایا گیا ہے معلوم ہوا کہ وضو میں صرف ظاہری چہرہ کا دھولینا کافی ہے کیونکہ وجہ مواجہت سے ماخوذ ہے بخلاف غسل کے کہ وہاں سارے بدن کا دھونا فرض ہے کیونکہ فاطهروا مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی جس کے دھونے میں اتنا مبالغہ کرو کہ ایک بال بھی نہ رہے اور جنابت کے معنی ناپاکی کے ہیں جس کی دو صورتیں ایک یہ کہ منی خارج ہو جائے خواہ بیداری میں یا سوتے میں اور دوم مرد عورت کی مباشرت اور مجامعت خواہ اس میں انزال ہوا ہو یا نہ ان دونوں صورتوں میں آدمی شرعاً ناپاک ہو جاتا ہے اور اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔

نکتہ: ...... جنابت کی حالت میں چونکہ آدمی سر سے لے کر پیر تک غرق لذت اور محو غفلت ہو جاتا ہے اس لیے ازالہ جنابت کے لیے تمام بدن کا دھونا فرض ہوا بخلاف وضو کے اس میں صرف اعضاء اربعہ کی طہارت کا حکم ہوا کیونکہ پیشاب اور پاخانہ میں جنابت جیسی لذت اور غفلت نہیں۔

مشروعیت تیمم

وضو اور غسل کی فرضیت کے بعد اب تیمم کا حکم بیان فرماتے ہیں کہ جو وضو اور غسل کا قائم مقام ہے اور اگر تم بیمار ہو اور پانی کا استعمال تمہارے لیے مضر ہو یا تم سفر میں ہو اور پانی تم کو میسر نہ آئے اور اس بیماری میں اور مسافری میں تم کو وضو یا غسل کی ضرورت ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور پیشاب یا پاخانہ سے فارغ ہو کر آئے اور اس لیے اس کو وضو کی ضرورت ہو یا تم نے عورتوں سے صحبت کی ہو اور اس لیے تم کو نہانے کی ضرورت ہو پھر تم اس ضرورت کے پورا کرنے کے لیے پانی نہ پاؤ

توتم تمام حالتوں میں پاک زمین کا قصد کرو اس طرح کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارو پھر اپنے چہروں اور ہاتھوں پر اس سے مسح کرلو یہ تیمم ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے پانی نہ ملنے کی صورت میں وضو اور غسل کا قائم مقام بنادیا غور تو کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کیسی آسانی کردی اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی کرے اگر ہر حال میں تم کو وضو اور غسل کا حکم ہوتا تو تم تنگی میں پڑ جاتے ولیکن یہ چاہتا ہے کہ تم کو خوب پاک کردے کہ اگر پانی نہ ملے تو پاک مٹی کے ذریعہ طہارت حاصل کرلو اور تاکہ تم پر اپنی نعمت پوری کرے کہ سفر اور حضر تندرستی اور بیماری کسی حالت میں عبادت سے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے تیمم کا حکم نازل کرکے اللہ تعالیٰ نے تم پر نعمت پوری کردی پچھلی امتوں میں تیمم کا حکم نہ تھا تاکہ تم ہمارے ان انعامات کا شکر کرو ہم نے تمہاری ظاہری اور باطنی طہارت کے لیے وضو اور غسل اور تیمم کا حکم دیا اسی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ وضو کے بعد دو رکعت وضو کے شکر میں پڑھتے تھے ایسی نماز کو تحیۃ الوضو کہتے ہیں لہٰذا عجب نہیں کہ حکم وضو کے اخیر میں لفظ ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ سے تحیۃ الوضو کی طرف اشارہ ہو۔ واللہ اعلم ۔

نکتہ:...... آیت تیمم کی تفسیر سورۂ نساء میں مفصل گزر چکی ہے یہاں اس کا اعادہ اس غرض سے کیا گیا تاکہ طہارت کے مسائل علی الاتصال بیان میں آجائیں۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا

اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر اور عہد اس کا جو تم سے ٹھہرایا تھا جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا

اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر، اور عہد اس کا جو تم سے ٹھہرایا، جب تم نے کہا کہ ہم نے سنا

وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦

اور مانا ف۱ اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات ف۲

اور مانا۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے، اللہ جانتا ہے جیوں کی بات۔

ف۱ غالباً یہ عہد وہی ہے جو سورۂ بقرہ کے آخر میں مومنین کی زبان سے نقل فرمایا تھا۔ ﴿وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ جب صحابہ رضی اللہ عنہم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرتے تھے اس وقت بھی یہ اقرار کرتے تھے کہ ہم اپنی استطاعت کے موافق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو سنیں گے اور مانیں گے خواہ ہمارے منشاء اور طبیعت کے موافق ہو یا خلاف۔ یہ تو عام عہد تھا۔ اس کے بعد بعض ارکان اسلام یا مناسب حال اہم چیزوں کے متعلق خصوصیت سے بھی عہد لیا جاتا تھا گویا اس سورت کے شروع میں جو ﴿اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ فرمایا تھا، درمیان میں بہت سے احسانات کا ذکر کرکے جن کو سن کر ایفائے عہد کی مزید ترغیب ہوتی ہے پھر وہی اصلی سبق یاد دلایا گیا۔

ف۲ ایک شریف اور حیادار آدمی کی گردن اپنے محسن اعظم کے سامنے جھک جانی چاہئے۔ مروت و شرافت اور آئندہ مزید احسانات کی توقع اسی کو مقتضی ہے کہ بندہ اس منعم حقیقی کا بالکل تابع فرمان بن جائے، خصوصاً جب کہ زبان سے اطاعت و وفاداری کا پختہ عہد و اقرار بھی کر چکا ہے ممکن ہے حق تعالیٰ کی بے انتہا مہربانیاں دیکھ کر بندہ مغرور ہو جائے اس کی نعمتوں کی قدر نہ کرے اور اپنے قول و قرار کی کوئی پروا نہ کرے اس لئے فرمایا ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ یعنی خدا سے ہمیشہ ڈرتے رہو۔ وہ ایک لمحہ میں تم سے سب نعمتیں چھین سکتا ہے اور ناشکری اور بدعہدی کی سزا میں بہت سخت پکڑ سکتا ہے۔ بہرحال مروت، شرافت، امید اور خوف ہر چیز کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس کی مخلصانہ اطاعت اور وفاداری میں پوری مستعدی دکھلائیں۔ آگے وہ ﴿عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ہے ہم جو کچھ کریں گے وہ ہمارے اخلاص یا نفاق، ریاکاری یا قلبی نیازمندی کو خوب جانتا ہے۔ فقط زبان سے "سمعنا واطعنا" کہنے یا شکر گزاری کی رسمی اور ظاہری نمائش سے ہم اس کو دھوکا نہیں دے سکتے۔

تذکیر انعام وعہد خداوندانام

قال تعالیٰ: ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ... الى... اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے اپنے احکام بیان کیے اب اس آیت میں اپنی نعمتوں اور عہدوں کو یاد دلاتے ہیں کہ اپنے عہدوں کو پورا کرو اور اپنے منعم اور محسن کی ناسپاسی سے بچو اور ازل میں جو حق تعالیٰ کی اطاعت کا عہد کر چکے ہو اور جس امانت کا بوجھ تم کو اٹھا چکے ہو اب اس کے ایفاء اور اداء کا وقت آ گیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اللہ کے احسان اور انعام کو جو تم پر ہوا اور یاد کرو خدا کے اس عہد اور پیمان کو جو اس نے تم سے پختہ کیا ہے جب کہ تم نے اسی عہد کو قبول کیا اور یہ کہا کہ ہم نے حکم خداوندی کو سنا اور دل وجان سے اس کو مانا اور احسان کا مقتضی بھی شکر گزاری ہے اور عہد اور میثاق کا مقتضی بھی وفاداری ہے پس تم کو چاہیے کہ اس کی شکر گزاری اور فرمانبرداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھو اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو کہ وہ اپنی نعمتوں کو سلب بھی کر سکتا ہے اور ناشکری اور بدعہدی کی سزا میں بہت سخت پکڑ سکتا ہے تحقیق اللہ تعالیٰ سینوں کی پوشیدہ باتوں کو خوب جاننے والا ہے اخلاص اور نفاق اس پر مخفی نہیں۔

فائدہ:...... آیت میں عہد سے یا تو عہد الست مراد ہے یا عہد امانت مراد ہے جس کا ذکر ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ﴾ میں ہے یا عہد بیعت مراد ہے کہ جب صحابہ ؓ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے دست مبارک پر بیعت کی اور اس بات کا اقرار کیا کہ ہم اپنی استطاعت کے موافق ہر حال میں آپ ﷺ کی اطاعت کریں گے خواہ ہماری طبیعت کے موافق ہو یا مخالف۔ (تفسیر قرطبی: ۶/ ۱۰۸ا تفسیر کبیر: ۳/ ۳۹۰)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ

اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی ف۱ اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو ف۲

اے ایمان والو! کھڑے ہوجایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی، اور ایک قوم کی دشمنی کے باعث عدل نہ چھوڑو۔

عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا

عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے ف۳ اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ کو خوب خبر ہے جو تم

عدل کرو۔ یہی بات لگتی ہے تقویٰ سے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اللہ کو خبر ہے جو

ف۱ اس سے پہلی آیت میں مومنین کو حق تعالیٰ کے احسانات اور اپنا عہد و پیمان یاد کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہاں بتلا دیا کہ صرف زبان سے یاد کرنا نہیں بلکہ عملی رنگ میں ان سے اس کا ثبوت مطلوب ہے اس آیت میں اسی پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر تم نے خدا کے بیشمار احسانات اور اپنے عہد و اقرار کو بھلا نہیں دیا تو لازم ہے کہ اس محسن حقیقی کے حقوق ادا کرنے اور اپنے عہد کو سچا کر دکھانے کے لئے ہر وقت کمر بستہ رہو اور جب کوئی حکم اپنے آقائے ولی نعمت کی طرف سے ملے فوراً تعمیل حکم کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور خدا کے حقوق کے ساتھ مخلوق کے حقوق ادا کرنے میں بھی پوری جدو جہد اور اہتمام کرو۔ چنانچہ "قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ" میں "حقوق اللہ کی" اور "شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ" میں "حقوق العباد" کی طرف اشارہ ہے۔ اسی قسم کی آیت وَالْمُحْصَنٰتِ کے آخر میں گزر چکی ہے۔ صرف اس قدر فرق ہے وہاں "بالقسط" کی اور یہاں "للہ" کی تقدیم مناسب ہوئی۔ نیز یہاں لحاق میں مبغوض دشمن سے معاملہ کرنے کا ذکر ہے جس کے ساتھ "قسط" کو یاد دلانے کی ضرورت ہے اور "سورۂ نساء" کے لحاق میں محبوب چیزوں کا ذکر ہے اس لئے وہاں سب سے بڑے محبوب (اللہ) کو یاد دلایا گیا۔ =

تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ﴿۹﴾

کرتے ہو ف۱ وعدہ کیا اللہ نے ایمان والوں سے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے واسطے بخشش اور بڑا ثواب ہے ف۲

کرتے ہو۔ وعدہ دیا اللہ نے ایمان والوں کو، جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کو بخشنا ہے اور بڑا ثواب ہے۔

وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ ﴿۱۰﴾

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلائیں ہماری آیتیں وہ ہیں دوزخ والے ف۳

اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری آیتیں وہ ہیں دوزخ والے۔

حکم یازدہم - وجوب عدل وانصاف واداء شہادت حق

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ لِلّٰهِ... الی... اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں عبادات اور ان احکام کا ذکر تھا جو مکلف کی ذات کے ساتھ مخصوص تھے اب ان آیات میں عدل وانصاف اور شہادتِ حق کا حکم بیان کرتے ہیں جو دوسروں سے متعلق ہے نظام عالم کا دارومدار عدل وانصاف اور سچی شہادت پر ہے اس لیے کہ عدل اور انصاف اور سچی شہادت سے تمام مظالم اور مفاسد کا دروازہ بند ہو جاتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! تمہارے ایمان کا مقتضی استقامت علی الحق ہے لہٰذا ہو جاؤ تم کھڑے ہونے والے اللہ کے لیے یعنی حقوق اللہ کی ادائگی کے لیے مستعد اور تیار کھڑے رہو اور جب حقوق العباد کے ادا کرنے کا وقت آئے تو انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو جاؤ خواہ دوست ہو یا دشمن اور کسی گروہ کی دشمنی تم کو ترک عدل پر آمادہ نہ کرے دوست اور دشمن کے ساتھ برابر

=ف۲ "عدل" کا مطلب ہے کسی شخص کے ساتھ بدون افراط وتفریط کے وہ معاملہ کرنا جس کا وہ واقعی مستحق ہے۔ عدل وانصاف کی ترازو ایسی صحیح اور برابر ہونی چاہیے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پلوں میں سے کسی پلہ کو جھکا نہ سکے۔

ف۳ جو چیزیں شرعاً مہلک یا کسی درجہ میں مضر ہیں اس سے بچاؤ کرتے رہنے سے جو ایک خاص نورانی کیفیت آدمی کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے اس کا نام "تقویٰ" ہے۔ تحصیل تقویٰ کے اسباب قریبہ وبعیدہ، بہت سے ہیں۔ تمام اعمال حسنہ اور خصال خیر کو اس کے اسباب ومعدات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ "عدل وقسط" یعنی دوست ودشمن کے ساتھ یکساں انصاف کرنا اور حق کے معاملہ میں جذبات محبت وعداوت سے قطعاً مغلوب نہ ہونا یہ خصلت حصول تقویٰ کے موثر ترین اور قریب ترین اسباب میں سے ہے۔ اسی لئے "هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى" فرمایا (یعنی یہ عدل جس کا حکم دیا گیا تقویٰ سے نزدیک تر ہے) کہ اس کی مزاولت کے بعد تقویٰ کی کیفیت بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے۔

ف۱ یعنی ایسا عدل وانصاف جسے کوئی دوستی یا دشمنی نہ روک سکے اور جس کے اختیار کرنے سے آدمی کو متقی بننا سہل ہو جاتا ہے اس کے حصول کا واحد ذریعہ خدا کا ڈر اور اس کی شان انتقام کا خوف ہے۔ اور یہ خوف "اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ" کے مضمون کا بار بار مراقبہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ جس کسی مومن کے دل میں یہ یقین مستحضر ہوگا کہ ہماری کوئی چھپی یا کھلی حرکت حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں تو اس کا قلب خشیۃ الٰہی سے لرزنے لگے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمام معاملات میں عدل وانصاف کا راستہ اختیار کرے گا۔ اور احکام الٰہیہ کے امتثال کے لئے غلامانہ تیار رہے گا۔ پھر اس نتیجہ پر ثمرہ وہ ملے گا جسے اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا الخ۔

ف۲ یعنی نہ صرف یہ کہ ان کوتاہیوں کو معاف کر دیں گے جو بمقتضائے بشریت رہ جاتی ہیں بلکہ عظیم الشان اجر وثواب بھی عطا فرمائیں گے۔

ف۳ یہ پہلے فریق کے بالمقابل اس جماعت کی سزا ذکر کی گئی جس نے قرآن کریم کے ان صاف وصریح حقائق کو جھٹلایا یا ان نشانات کی تکذیب کی جو سچائی کی طرف راہنمائی کرنے کے لئے خدا کی طرف سے دکھلائے جاتے ہیں۔

انصاف کیا کرو یہی طریقہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے نہایت قریب ہے تقویٰ اور پرہیزگاری کا تقاضا یہ ہے کہ دوست اور دشمن سب کے ساتھ یکساں عدل اور انصاف کرو نہ کسی کی رعایت کرو نہ کسی کی حق تلفی اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے تمہارا انصاف اور بے انصافی اس پر مخفی نہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے کہ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ان سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ان کے لیے مغفرت ہے اور بڑا ثواب ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا وہی دوزخی ہیں خدا کے ساتھ کفر اور شرک اور اسکی آیتوں کی تکذیب ایسا ظلم عظیم ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی ظلم اور بے انصافی نہیں اس لیے کہ کافروں کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رکھنا یہ اللہ کا عدل اور انصاف ہے اور اس کی حکمت ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ

اے ایمان والو یاد رکھو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب قصد کیا لوگوں نے کہ تم پر

اے ایمان والو! یاد رکھو احسان اللہ کا اپنے اوپر، جب قصد کیا ایک لوگوں نے کہ تم پر

ع اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

ہاتھ چلاویں پھر روک دیئے تم سے ان کے ہاتھ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ ہی پر چاہیے بھروسہ ایمان والوں کو ف۱

ہاتھ چلاویں، پھر روک لئے تم سے ان کے ہاتھ، اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اور اللہ پر چاہیئے بھروسا ایمان والوں کو۔

تذکیر بعض انعامات خاصہ دنیویہ

قال تعالیٰ: ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ... الی ... فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے اپنے عام احسانات کو یاد دلایا اب اس آیت میں ایک خاص دنیوی انعام کو یاد دلاتے ہیں تاکہ نعمت کو یاد کر کے دل میں منعم کی محبت اور اطاعت کا داعیہ پیدا ہو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ایک منزل میں اترے اور لوگ متفرق ہو گئے اور درختوں کے سایوں میں جا کر آرام کرنے لگے آنحضرت ﷺ نے اپنی تلوار ایک درخت میں لٹکا دی اور لیٹ گئے اتنے میں اعرابی آیا اور تلوار اتار کر میان

ف۱ عمومی احسانات یاد دلانے کے بعد بعض خصوصی احسان یاد دلاتے ہیں۔ یعنی قریش مکہ اور ان کے پٹھوؤں نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچانے اور اسلام کو مٹانے کے لئے کس قدر ہاتھ پاؤں مارے مگر حق تعالیٰ کے فضل و رحمت نے انکو کوئی داؤ چلنے نہ دیا۔ اس احسان عظیم کا اثر یہ ہونا چاہیے کہ مسلمان غلبہ اور قابو حاصل کر لینے کے باوجود اپنے دشمنوں کو ہر قسم کے ظلم اور زیادتی سے محفوظ رکھیں اور جوش انتقام میں عدل و انصاف کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑیں جیسا کہ پچھلی آیات میں اس کی تاکید کی گئی ہے ممکن ہے کسی کو یہ شبہ گزرے کہ ایسے معاند دشمنوں کے حق میں اس قدر رواداری کی تعلیم کہیں اصول سیاست کے خلاف تو نہ ہو گی۔ کیونکہ ایسا نرم برتاؤ دیکھ کر مسلمانوں کے خلاف شریروں اور بد باطنوں کی جرأت بڑھ جانے کا قوی احتمال ہے اس کا ازالہ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ سے فرما دیا۔ یعنی مومن کی سب سے بڑی سیاست "تقویٰ" اور "توکل علی اللہ" (خدا سے ڈرنا اور اسی پر بھروسہ کرنا) ہے۔ خدا سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں اس سے اپنا معاملہ صاف رکھو اور جو عہد و اقرار کئے ہیں ان میں پوری وفاداری دکھلاتے رہو۔ پھر بحمد اللہ کسی سے کوئی خطرہ نہیں۔ اگلی آیت میں ہماری عبرت کے لئے ایک ایسی قوم کا ذکر فرما دیا جس نے خدا سے نڈر ہو کر بد عہدی اور غداری کی تھی وہ کس طرح ذلیل و خوار ہوئی۔

سے اس کو کھینچا اور آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر یہ کہنے لگا کہ "من یمنعک منی" اب آپ ﷺ کو مجھ سے کون بچائے گا آپ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل دو تین بار اس نے یہی کہا اور آپ ﷺ نے یہی جواب دیا اتنے میں جبرائیل امین علیہ السلام اترے اور اس کافر کے سینہ پر ایک مکا مارا جس سے وہ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی آنحضرت ﷺ نے وہ تلوار اٹھالی اور اس سے پوچھا کہ تو بتا کہ اب تجھے کون بچائے گا اس نے کہا کوئی نہیں آپ ﷺ نے کہا جا اپنا راستہ لے اس طرح اس کو چھوڑ دیا اور اسے کوئی سزا نہیں دی اس حال کو دیکھ کر وہ اعرابی مسلمان ہو گیا اور اس کی وجہ سے اور لوگوں کو بھی ہدایت ہوئی آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلا کر یہ سارا ماجرا بتلایا اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۳۱، و تفسیر قرطبی)

اس کے علاوہ اور بھی اس قسم کے متعدد واقعات پیش آئے کہ کفار نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو صدمہ پہنچانے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں سے حفاظت فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے انعامات سے غافل نہ ہو خاص کر اس انعام کو یاد کرو کہ کافروں کی ایک جماعت نے یہ قصد کیا کہ تم پر دست درازی کریں اور غفلت کی حالت میں تم کو مار ڈالیں یا لوٹ لیں پس اللہ تعالیٰ نے غیب سے تمہاری حفاظت فرمائی اور دشمنوں کے ہاتھ تمہاری طرف بڑھنے سے روک دیئے اور بسا اوقات تم صلوٰۃ الخوف میں مشغول تھے اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری حفاظت فرمائی لہٰذا تم کو چاہیے کہ اس کے احسان کو یاد کر کے اس کے شکر کو بجا لاؤ اور اپنے منعم حقیقی خداوند ذوالجلال کی نافرمانی سے ڈرتے رہو اور ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ پر بھروسہ کریں دشمنوں سے بچانے والا خدا نے اس نے اب بچایا ہے آئندہ بھی اسی طرح تم کو دشمنوں کے شر سے بچاتا رہے گا لہٰذا ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ بھروسہ اور اعتماد خداوند جہاں پر کرو نہ کہ اپنے ساز و سامان پر۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ

اور لے چکا ہے اللہ عہد بنی اسرائیل سے ف۱ اور مقرر کئے ہم نے ان میں بارہ سردار ف۲ اور کہا اللہ نے

اور لے چکا ہے اللہ عہد بنی اسرائیل کا، اور اٹھائے ہم نے ان میں بارہ سردار۔ اور کہا اللہ نے

اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ

میں تمہارے ساتھ ہوں ف۳ اگر تم قائم رکھو گے نماز اور دیتے رہو گے زکوٰۃ اور یقین لاؤ گے میرے رسولوں پر اور مدد کرو گے

میں تمہارے ساتھ ہوں، تم اگر کھڑی رکھو گے نماز اور دیتے رہو گے زکوٰۃ، اور یقین لاؤ گے میرے رسولوں پر اور ان کو مدد دو گے،

ف۱ یعنی کچھ امت محمدیہ ہی کی خصوصیت نہیں پہلی امتوں سے بھی عہد لئے جا چکے ہیں۔

ف۲ بنی اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے بارہ سردار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چن لئے تھے جن کے نام بھی مفسرین نے تورات سے نقل کئے ہیں، ان کا فرض یہ تھا کہ وہ اپنی قوم پر عہد پورا کرنے کی تاکید اور ان کے احوال کی نگرانی رکھیں۔ عجب اتفاق یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے جب "انصار" نے "لیلۃ العقبہ" میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تو ان میں سے بھی بارہ ہی "نقیب" نامزد ہوئے۔ ان ہی بارہ آدمیوں نے اپنی قوم کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے متعلق جو بارہ خلفاء کی پیشین گوئی فرمائی ان کا عدد بھی "نقبائے بنی اسرائیل" کے عدد کے موافق ہے اور مفسرین نے تورات سے نقل کیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ "میں تیری =

وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّأُكَفِّرَنَّ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي

ان کی ف۱ اور قرض دو گے اللہ کو ف۲ اچھی طرح کا قرض ف۳ تو البتہ دور کروں گا میں تم سے گناہ تمہارے اور داخل کروں گا تم کو باغوں میں کہ جن کے

اور قرض دو گے اللہ کو، اچھی طرح کا قرض، تو میں اتاروں گا تم سے برائیاں تمہاری، اور داخل کروں گا تم کو باغوں میں کہ بہتی

مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ فَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١٢﴾ فَبِمَا

نیچے بہتی ہیں نہریں ف۴ پھر جو کوئی کافر ہوا تم میں سے اس کے بعد تو وہ بیشک گمراہ ہوا سیدھے راستہ سے ف۵ سو ان کے

نیچے ان کے نہریں، پھر جو کوئی منکر ہوا تم میں اس کے بعد، وہ بے شک بھولا سیدھی راہ سے۔ سو ان کے

نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن

عہد توڑنے پر ہم نے ان پر لعنت کی ف۶ اور کر دیا ہم نے ان کے دلوں کو سخت ۱۰ پھیرتے ہیں کلام کو اس کے

عہد توڑنے پر ہم نے ان کو لعنت کی، اور کر دیئے ان کے دل سیاہ۔ بدلتے ہیں کلام کو اپنے

مَّوَاضِعِهِ ۙ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا

ٹھکانے سے ف۷ اور بھول گئے نفع اٹھانا اس نصیحت سے جو ان کو کی گئی تھی ف۸ اور ہمیشہ تو مطلع ہوتا رہتا ہے ان کی کسی دغا پر ف۹ مگر تھوڑے لوگ

ٹھکانے سے، اور بھول گئے ایک فائدہ لینا اس نصیحت سے جو ان کو کی تھی۔ اور ہمیشہ تو خبر پاتا ہے ان کی ایک دغا کی، مگر تھوڑے لوگ

=ذریت میں سے بارہ سردار پیدا کروں گا۔" غالباً یہ وہی "بارہ" ہیں جن کا ذکر جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

ف۱ یا تو یہ خطاب بارہ سرداروں کو ہے یعنی تم اپنا فرض ادا کرو میری حمایت اور امداد تمہارے ساتھ ہے۔ یا سب بنی اسرائیل کو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی کسی وقت تم مجھے اپنے سے دور مت سمجھو۔ جو کچھ معاملہ تم سراً یا علانیہ کرو گے وہ ہر جگہ اور ہر وقت میں دیکھ رہا اور سن رہا ہوں۔ اس لئے جو کچھ کرو خبردار ہو کر کرو۔

ف۲ یعنی جو رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آتے رہیں گے ان سب کی تصدیق کرو گے اور دلی تعظیم سے پیش آؤ گے اور دشمنان حق کے مقابلہ پر ان کا پورا ساتھ دو گے۔ جان سے بھی اور مال سے بھی۔

ف۳ خدا کو قرض دینے سے مراد اس کے دین اور اس کے پیغمبروں کی حمایت میں مال خرچ کرنا ہے۔ جس طرح روپیہ قرض لینے والا اس امید پر دیتا ہے کہ اس کا روپیہ واپس مل جائے گا اور قرض لینے والا اس کے ادا کرنے کو اپنے ذمہ پر لازم کر لیتا ہے، اسی طرح خدا ہی کی دی ہوئی جو چیز یہاں اسی کے راستہ میں خرچ کی جائے گی وہ ہرگز گم یا کم نہیں ہوگی۔ حق تعالیٰ نے کسی مجبوری سے نہیں محض اپنے فضل و رحمت سے اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے کہ وہ چیز تم کو عظیم الشان نفع کی صورت میں واپس کر دے۔

ف۴ "اچھی طرح" سے مراد یہ ہے کہ اخلاص سے دو اور اپنے محبوب و مرغوب اور پاک و صاف مال میں سے دو۔

ف۵ یعنی نیکیاں جب کثرت سے ہوں تو وہ برائیوں کو دبا لیتی ہیں۔ جب آدمی خدا کے عہد کو پورا کرنے کی کوشش میں لگا رہے تو حق تعالیٰ اس کی کمزوریوں کو دور کر کے اپنی خوشنودی اور قرب کے مکان میں جگہ دیتا ہے۔

ف۶ یعنی ایسے صاف اور پختہ عہد و پیمان کے بعد بھی جو شخص خدا کا وفادار ثابت نہ ہوا اور غدر و خیانت پر کمربستہ ہو گیا تو سمجھو کہ اس نے کامیابی اور نجات کا سیدھا راستہ گم کر دیا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہلاکت کے کس گڑھے میں جا کر گرے گا۔ بنی اسرائیل سے جن باتوں کے عہد لینے کا یہاں ذکر ہے وہ یہ ہیں نماز، زکوٰۃ، پیغمبروں پر ایمان لانا، ان کی جان و مال سے مدد کرنا۔ ان میں سے پہلی عبادت بدنی ہے، دوسری عبادت مالی، تیسری قلبی مع لسانی، چوتھی فی الحقیقت تیسری کی اخلاقی تکمیل ہے۔ گویا ان چیزوں کو ذکر کر کے اشارہ فرما دیا کہ جان و مال اور قلب و قالب ہر چیز سے خدا کی اطاعت اور وفا شعاری کا اظہار کرو۔ لیکن بنی اسرائیل نے چن چن کر ایک ایک عہد کی خلاف ورزی کی۔ کسی قول و قرار پر قائم نہ رہے۔ ان عہد شکنیوں کا جو نتیجہ ہوا اسے اگلی آیت میں بیان فرماتے ہیں۔

مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا

ان میں سے ف۱ سو معاف کر اور درگزر کر ان سے اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو ف۲ اور وہ جو کہتے ہیں اپنے کو

ان میں۔ سو معاف کر اور درگذر ان سے، اللہ چاہتا ہے نیکی والوں کو۔ اور وہ جو کہتے ہیں آپ کو

نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ

نصاری ف۳ ان سے بھی لیا تھا ہم نے عہد ان کا پھر بھول گئے نفع اٹھانا اس نصیحت سے جو ان کو کی گئی تھی ف۴ پھر ہم نے لگا دی آپس میں ان کے دشمنی

نصاریٰ، ان سے بھی لیا تھا ہم نے عہد ان کا، پھر بھول گئے ایک فائدہ لینا، اس نصیحت سے جو ان کو کی تھی، پھر ہم نے لگا دی آپس میں دشمنی

وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝۱۴

اور کینہ ف۵ قیامت کے دن تک ف۶ اور آخر جتادے گا ان کو اللہ جو کچھ کرتے تھے ف۷

اور کینہ قیامت کے دن تک۔ اور آخر جزا دیگا ان کو اللہ جو کرتے تھے۔

= ف۶ "لعن" کے معنی طرد و ابعاد کے ہیں۔ یعنی عہد شکنی اور غداری کی وجہ سے ہم نے اپنی رحمت سے انہیں دور پھینک دیا۔ اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ﴾ کے لفظ سے ظاہر فرما دیا کہ ان کے ملعون اور سنگدل ہونے کا سبب عہد شکنی اور بے وفائی ہے جو خود انہی کا فعل ہے۔ اسباب پر مسبب کا مرتب کرنا چونکہ خدا ہی کا کام تھا اس لحاظ سے ﴿وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً﴾ کی نسبت اسی کی طرف کی گئی۔

ف۷ یعنی خدا کے کلام میں تحریف کرتے ہیں کبھی اس کے الفاظ میں، کبھی معنی میں، کبھی تلاوت میں۔ تحریف کی یہ سب اقسام قرآن کریم اور کتب حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔ جس کا قدرے اعتراف آجکل بعض یورپین عیسائیوں کو بھی کرنا پڑا ہے۔

ف۸ یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ ان قیمتی نصیحتوں سے فائدہ اٹھاتے جو مثلاً نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور دوسرے مہمات دینیہ کے متعلق ان کی کتابوں میں موجود تھیں مگر اپنی غفلتوں اور شرارتوں میں پھنس کر یہ سب بھول گئے بلکہ نصیحتوں کا وہ ضروری حصہ ہی گم کر دیا اور اب بھی جو نصیحتیں اور مفید باتیں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان کو یاد دلائی جاتی ہیں ان کا کوئی اثر قبول نہیں کرتے۔ حافظ ابن رجب حنبلی نے لکھا ہے کہ "نقض عہد" کے سبب سے ان میں دو باتیں آئیں "ملعونیت" اور "قسوت قلب" ان دونوں کا نتیجہ یہ دو چیزیں ہوئیں "تحریف کلام اللہ" اور "عدم انتفاع بالذکر" یعنی لعنت کے اثر سے ان کا دماغ ممسوخ ہو گیا حتیٰ کہ نہایت بے باکی اور بد عقلی سے کتب سماویہ کی تحریف پر آمادہ ہو گئے۔ دوسری طرف جب عہد شکنی کی نحوست سے دل سخت ہو گئے تو قبول حق اور نصیحت سے متاثر ہونے کا مادہ نہ رہا اس طرح علمی اور عملی دونوں قسم کی قوتیں ضائع کر بیٹھے۔

ف۹ یعنی دغابازی اور خیانت کا سلسلہ آج تک چل رہا ہے اور آئندہ بھی چلتا رہے گا۔ اسی لئے ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی دغابازی اور مکر و فریب پر آپ مطلع ہوتے رہتے ہیں۔

ف۱ یعنی عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ جو اسلام میں داخل ہو چکے۔

ف۲ یعنی جب ان کی عادت قدیمہ ہی یہ ہے تو ایسے لوگوں سے ہر جزئی پر الجھنے اور ان کی ہر خیانت کا پردہ فاش کرنے کی ضرورت نہیں، ان کو چھوڑیے اور درگزر کیجئے اور ان کی برائی کا بدلہ عفو و احسان سے دیجئے شاید اسی سے کچھ متاثر ہوں۔ قتادہ وغیرہ نے کہا ہے یہ آیت منسوخ ہے۔ ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ سے مگر اس کی کچھ حاجت نہیں۔ قتال کے حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی وقت اور کسی موقع پر بھی ایسی قوم کے مقابلہ میں عفو و درگزر اور تالیف قلب سے کام نہ لیا جا سکے۔

ف۳ "نصاریٰ" کا ماخذ یا تو "نصر" ہے جس کے معنی مدد کرنے کے ہیں اور "ناصرہ" کی طرف نسبت ہے جو ملک شام میں اس بستی کا نام ہے جہاں حضرت مسیح علیہ السلام رہے تھے۔ اسی لئے ان کو "مسیح ناصری" کہتے ہیں۔ جو لوگ اپنے کو "نصاریٰ" کہتے تھے وہ گویا اس بات کے مدعی تھے کہ ہم خدا کے سچے دین اور پیغمبروں کے حامی و ناصر اور حضرت مسیح ناصری کے متبع ہیں اس زبانی دعوے اور نسبی تفاخر کے باوجود دین کے معاملہ میں جو رویہ تھا وہ آگے ذکر کیا گیا ہے۔

ف۴ یعنی یہود کی طرح ان سے بھی عہد لیا گیا لیکن یہ بھی عہد شکنی اور بے وفائی میں اپنے پیشرووں سے کچھ کم نہیں رہے۔ انہوں نے بھی ان بیش بہا نصائح سے =

ذکر عہود امم سابقہ وبدعہدی اوشان ونتیجہ آں

قال تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ... الی... بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾

ربط:...... ابتداء سورت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ اور ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ﴾ میں اہل اسلام کے عہد اور میثاق کا ذکر تھا اب حق سبحانہ وتعالیٰ ان عہود کا ذکر کرتے ہیں کہ جو امم سابقہ سے لیے گئے تھے اور ایفاء عہد پر ان سے تکفیر سیئات اور ادخال جنات کا وعدہ کیا گیا تھا اور جن کی خلاف ورزی پر خدا کی جانب سے ان پر قہر آیا اور طرح طرح کی بلاؤں میں مبتلا کیے گئے۔ مقصود مسلمانوں کو ڈرانا ہے کہ تم بنی اسرائیل کی طرح بدعہدی نہ کرنا مبادا کہ ان کی طرح تم کو بھی روز بد دیکھنا پڑے اور اے مسلمانو! تم یہ نہ سمجھنا کہ عہد خاص تمہیں سے لیا گیا کہ جس کی پابندی کی تم کو تاکید کی جاتی ہے بلکہ تم سے پہلے انبیاء سابقین علیہم السلام نے اپنی امتوں سے ایسا ہی عہد لیا تھا کہ تم کو چاہیے کہ اپنے عہد کو پورا کرو اور پچھلوں کی طرح عہد شکنی کر کے ذلت اور خواری میں نہ پڑو چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے گزشتہ زمانہ میں بنی اسرائیل سے ایک پختہ عہد لیا جس کا ذکر آئندہ آیت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے اپنی عبادت اور توریت پر قائم رہنے کا عہد لیا اور پھر ان کی نگرانی کے لیے ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کیے جن کا کام یہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے احوال کی نگرانی کریں اور عہد خداوندی کے پورا کرنے کی ان کو تاکید کرتے رہیں چونکہ بنی اسرائیل کے کل بارہ قبیلے تھے اس لیے حضرت

= جن پر نجات وفلاح ابدی کا مدار تھا کوئی فائدہ نہ اٹھایا بلکہ "بائبل" میں نصیحتوں کا وہ حصہ باقی ہی نہ چھوڑا جو حقیقۃً مذہب کا مغز تھا۔

ف ۵ یعنی باہم "نصاریٰ" میں یا "یہود" اور "نصاریٰ" دونوں میں عداوتیں اور جھگڑے ہمیشہ کے لئے قائم ہو گئے۔ آسمانی سبق کو ضائع کرنے اور بھلا دینے کا جو نتیجہ ہونا چاہیے تھا وہ ہوا۔ یعنی جب وحی الٰہی کی اصلی روشنی ان کے پاس نہ رہی تو اوہام واہواء کے اندھیریوں میں ایک دوسرے سے الجھنے لگے۔ مذہب تو نہ رہا پر مذہب کے جھگڑے رہ گئے۔ یہی فرقے پیدا ہو کر اندھیرے میں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔ یہی فرقہ وارانہ تصادم آخر کار آپس کی شدید ترین عداوت وبغض پر منتہی ہوا۔ کوئی شبہ نہیں کہ آج مسلمانوں میں بھی بے حد تفرق وتشتت اور مذہبی تصادم موجود ہے لیکن چونکہ ہمارے پاس وحی الٰہی اور قانون سماوی بحمد اللہ بلاکم وکاست محفوظ ہے۔ اس لئے اختلافات کی موجودگی میں بھی مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت برابر مرکز حق وصداقت پر قائم رہی ہے اور رہے گی۔ اس کے برخلاف "یہود" و "نصاریٰ" کے اختلافات یا مثلاً "پروٹسٹنٹ" اور "رومن کیتھولک" وغیرہ فرقوں کی باہمی مخالفت میں کوئی ایک فریق بھی نہ آج شاہراہ حق وصداقت پر قائم ہے اور نہ قیامت تک ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ وحی الٰہی کی روشنی کو جس کے بدون کوئی انسان خدا تعالیٰ اور اس کے قوانین کی صحیح معرفت حاصل نہیں کر سکتا اپنی بے اعتدالیوں اور غلط کاریوں سے ضائع کر چکے ہیں۔ اب جب تک وہ اس محرف "بائبل" کے دامن سے وابستہ رہیں گے محال ہے کہ قیامت تک ان کو رانہ اور محض بے اصول اختلافات اور فرقہ وار بغض وعناد کی ظلمت سے نکل کر حق کا راستہ دیکھ سکیں اور نجات ابدی کی شاہراہ پر چل سکیں۔ باقی جو لوگ آج نفس مذہب خصوصاً عیسائیت کا مذاق اڑاتے ہیں اور جنہوں نے لفظ "مسیحیت" یا موجودہ "بائبل" کو محض چند سیاسی ضرورتوں کے لئے رکھ چھوڑا ہے اس آیت میں ان "نصاریٰ" کا ذکر نہیں اور اگر مان لیا جائے کہ وہ بھی آیت کے تحت میں داخل ہیں تو ان کی باہمی عداوتیں اور ایک دوسرے کے خلاف خفیہ ریشہ دوانیاں اور علانیہ محاربات بھی باخبر اصحاب پر پوشیدہ نہیں ہیں۔

ف ۶ یعنی جب تک وہ رہیں گے یہ اختلافات اور بغض وعناد بھی ہمیشہ رہے گا۔ یہاں "قیامت تک" کا لفظ ایسا ہے جیسے ہمارے محاورات میں کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص تو قیامت تک بھی فلاں حرکت سے باز نہ آئے گا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ شخص قیامت تک زندہ رہے گا اور یہ حرکت کرتا رہے گا۔ مراد یہ ہے کہ اگر قیامت تک بھی زندہ رہے تو اس بات کو نہ چھوڑے گا۔ اسی طرح آیت میں "اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ" کا لفظ آنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ "یہود" و "نصاریٰ" کا وجود قیامت تک رہے جیسا کہ ہمارے زمانے کے بعض مبطلین نے اپنی تفسیر میں لکھ دیا ہے۔

ف ۷ یعنی آخرت میں پوری طرح [illegible] میں بھی بعض واقعات کے ذریعہ سے ان کو اپنی کرتوت کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔

موسیٰ علیہ السلام نے ہر قبیلہ سے ایک سردار منتخب کیا جو اپنی قوم کا ذمہ دار ہو اور قوم کو اعداء اللہ سے جہاد و قتال کے لیے آمادہ کرے اسی طرح آنحضرت ﷺ نے جب لیلۃ العقبہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لی تو ان میں سے بارہ نقیب مقرر کیے تین قبیلہ اوس کے اور نو قبیلہ خزرج کے یہ لوگ اپنی اپنی قوم کے عرفاء یعنی چودھری تھے۔ اپنی قوم کی طرف سے آپ ﷺ کے دست مبارک پر سمع وطاعت کی بیعت کی اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں بارہ خلیفہ ہوں گے مطلب یہ ہے کہ میری امت میں بارہ خلیفہ نیک اور صالح ہوں گے کہ جو ٹھیک ٹھیک حق کو قائم کریں گے اور امت میں ٹھیک ٹھیک عدل و انصاف کریں گے اور ان کے دور حکومت میں اسلام کو عزت حاصل ہوگی لیکن یہ لازم نہیں کہ ان بارہ کا زمانہ مسلسل اور لگاتار ہو ان میں سے چار تو خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم ہوئے اور ایک عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہوئے اور انہی بارہ میں ایک امام مہدی علیہ السلام ہوں گے جن کا ذکر حدیثوں میں آیا ہے اور توریت میں جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت آئی ہے وہاں یہ بھی آیا ہے کہ ان کی پشت سے بارہ سردار ہوں گے ان سے یہی بارہ خلفاء مراد ہیں جن کا حدیث میں ذکر آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے یہ کہا کہ تحقیق میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی تمہارا ناصر اور مددگار ہوں بشرطیکہ تم میرے عہد پر قائم رہو اور وہ عہد یہ ہے کہ اگر تم نے نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ دیتے رہے اور میرے سب رسولوں پر ایمان لے آئے اور ان کی مدد کرتے رہے اور علاوہ زکوٰۃ کے خدا تعالیٰ کا قرض حسنہ دیتے رہے یعنی محض خدا کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کے لیے جہاد وغیرہ میں خرچ کرتے رہے اور بلا کسی دنیاوی غرض کے فقراء و مساکین پر خیرات کرتے رہے یہ قرض حسن یعنی نیک قرض ہے سو اگر تم اس پر عہدہ پر قائم رہے تو میں اس کے صلہ میں ضرور تمہاری برائیاں دور کردوں گا اور ضرور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یعنی اگر تم اپنے عہد پر قائم رہے تو میری طرف سے تمہارا صلہ گناہوں کی معافی اور بہشت ہے۔ پھر تم میں سے جو اس پختہ عہد اور پیمان کے بعد منحرف ہو جائے تو وہ بلاشبہ سیدھے راستہ سے بہک گیا اور بدعہدی کر کے نجات کا راستہ گم کیا اور ہلاکت کے گڑھے میں جا گرا مگر بنی اسرائیل نے باوجود اس پختہ عہد اور پیمان کے عہد شکنی کی اور طرح طرح کی ذلتوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں پس ہم نے ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ان پر لعنت کی یعنی اپنی رحمت اور عنایت اور ہدایت سے ان کو دور پھینک دیا اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا کہ کوئی حق اور ہدایت ان کے دل میں نہیں اترتی اور کوئی نصیحت ان کو کارگر نہیں ہوتی اب اس کے بعد ان کی حالت یہ ہے کہ وہ کلام خداوندی یعنی توریت میں لفظی اور معنوی ہر قسم کی تحریف کرتے ہیں اور اس کے حروف اور الفاظ کو اپنے موقع اور محل سے ہٹا دیتے ہیں کبھی حروف اور الفاظ میں تحریف کرتے ہیں اور کبھی اس کے معنی میں اور کبھی تاویلات میں اور کبھی حذف کرتے ہیں اور کبھی کوئی لفظ زیادہ کرتے ہیں غرض یہ کہ کلام خداوندی میں جس قدر اور جس قسم کی تحریف ممکن تھی وہ سب کی جس کا اعتراف علماء یہود اور نصاریٰ کو بھی ہے اور فراموش کر دیا بڑا حصہ اس نصیحت کا جو ان کو توریت میں کی گئی تھی یعنی ان کو توریت میں بہت سی نصیحتیں کی گئی تھیں من جملہ ان کے ایک یہ کی گئی تھی کہ محمد ﷺ پر ایمان لانا اور ان کی نعت اور صفت کو نہ چھپانا لیکن انہوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا توریت میں تحریف کی اور آپ ﷺ کی صفات کو چھپایا اور آپ ﷺ پر ایمان نہیں

لائے اور اے نبی کریم ﷺ آپ ﷺ ہمیشہ ان کی ایک نہ ایک خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے یعنی آپ ﷺ ان بنی اسرائیل کی شرارتیں اور عہد شکنیاں کہاں تک دیکھیں گے یہ تو ان کی موروثی چیز ہے یہ لوگ ہمیشہ ایسا ہی کرتے رہیں گے مگر ان کے معدودے چند اس خیانت سے بری ہیں جیسے عبداللہ بن سلام ؓ اور ان کے رفقاء پس آپ ﷺ ان خائنین کو معاف کیجئے اور ان سے درگزر کیجئے یعنی جب ان کی عادت ہی یہ ٹھہری تو آپ ﷺ درگزر فرمائیں اور جب تک کھلم کھلا مقابلہ پر نہ آئیں اس وقت تک ان پر تلوار نہ اٹھائیے اگرچہ وہ در پردہ کتنی ہی خیانتیں کریں بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے یہاں تک کہ یہود کا حال بیان فرمایا اب آگے کچھ نصاریٰ کا حال بیان فرماتے ہیں اور جو لوگ اپنے آپ کو زبان سے نصاریٰ کہتے ہیں گویا کہ وہ در پردہ اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام اور انجیل کے ماننے والے ہیں اور ہم نے ان سے بھی انجیل میں فارقلیط پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا عہد لیا تھا پس انہوں نے اس نصیحت کا ایک حصہ بھلا دیا کہ جو ان کو کی گئی تھی یعنی وہ بھی محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے اور اپنے عہد کو بھول گئے حتی کہ توحید سے بھی منحرف ہوگئے پس یہود کی طرح نصاریٰ بھی اس عہد شکنی کی بناء پر مورد عتاب بنے اس لیے ہم نے ان کے درمیان دشمنی اور کینہ ڈال دیا جو قیامت تک ان میں رہے گا نصاریٰ میں مختلف فرقے ہیں جو ایک دوسرے سے بغض اور عداوت رکھتے ہیں ایک گروہ وہ دوسرے گروہ کو کافر اور ملعون بتاتا ہے اور یہ تو دنیوی سزا ہوئی۔ رہی آخرت سو عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن جتلا دیں گے کہ وہ دنیا میں کیا کرتے تھے بدعہدی کا انجام ان کے سامنے آجائے گا پس اے مسلمانو تم کو ان سے سبق لینا چاہیے اور ان کے انجام بد کو اپنے لیے درس عبرت سمجھنا چاہیے اس میں شبہ نہیں کہ آج مسلمانوں میں بھی تشتت اور تفرق اور مذہبی تصادم نظر آتا ہے لیکن بحمدہٖ تعالیٰ ہم میں وحی الٰہی اور قانون خداوندی یعنی کتاب وسنت بلاکم وکاست محفوظ ہے اس لیے مسلمانوں کا اختلاف قابل التفات نہیں اس لیے کہ مسلمانوں کی سواد اعظم یعنی اہل سنت والجماعت اسی حق اور صداقت پر قائم ہے جس کو من جانب اللہ نبی برحق ﷺ لے کر آئے اور صحابہ کرام ؓ نے اس امانت کو بحفاظت امت تک پہنچا دیا وحی الٰہی کی مشعل مسلمانوں میں محفوظ ہے بخلاف یہود اور نصاریٰ کے کہ ان کے پاس وحی الٰہی کی کوئی مشعل موجود نہیں اصل توریت اور انجیل ان کے پاس محفوظ نہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو حق اور ہدایت ان کو دے کر گئے تھے وہ گم کر بیٹھے ہیں محض محرف بائبل سے وابستہ ہیں فقط مذہب کے نام پر ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں مغربی اقوام مذہبی حیثیت سے غایت درجہ متشتت ہیں البتہ اگر دنیاوی اور سیاسی مصالح کی بناء پر مسلمانوں کے مقابلہ میں یا اور کسی قوم کے مقابلہ میں متفق ہوجائیں تو وہ دوسری بات ہے مغربی قوم کی ہمت ہمہ تن دنیا پر مقصود ہے یہ لوگ درحقیقت دہریہ اور لامذہب ہیں اگرچہ برائے نام اپنے آپ کو نصرانی کہتے ہیں۔

يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمۡ كَثِيرٗا مِّمَّا كُنتُمۡ تُخۡفُونَ مِنَ

اے کتاب والو تحقیق آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا ظاہر کرتا ہے تم پر بہت سی چیزیں جن کو تم چھپاتے تھے

اے کتاب والو! آیا تم پاس رسول ہمارا، کھولتا ہے تم پر بہت چیزیں جو تم چھپاتے تھے

الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ

کتاب میں سے اور درگزر کرتا ہے بہت چیزوں سے ف۱ بیشک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی جس سے اللہ ہدایت کرتا ہے

کتاب کی، اور درگذر کرتا ہے بہت چیز سے۔ تم پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی، اور کتاب بیان کرتی۔ جس سے اللہ راہ پر لاتا ہے

مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ

اس کو جو تابع ہوا اس کی رضا کا سلامتی کی راہیں اور ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی میں اپنے حکم سے اور ان کو چلاتا ہے

جو کوئی تابع ہوا اس کی رضا کا، بچاؤ کی راہ پر، اور ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی میں اپنے حکم سے، اور ان کو چلاتا ہے

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾

سیدھی راہ ف۲

سیدھی راہ۔

خطاب نصیحت مآب بسوئے جمیع اہل کتاب برائے تصدیق رسالت محمد علی صاحبہا الف الف صلوۃ والف الف تحیہ

قال اللہ تعالیٰ: ﴿يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا ... الى ... صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں یہود اور نصاریٰ کے نقض عہد کا الگ الگ ذکر تھا اب اس آیت میں یہود اور نصاریٰ دونوں کو جمع کر کے تمام اہل کتاب سے خطاب موعظت ونصیحت فرماتے ہیں اور آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کی ترغیب دیتے ہیں کہ اے علماء یہود ونصاریٰ دیکھو یہ ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ تمہارے پاس آ گئے جن کا تمہیں انتظار تھا اور جن کی توریت اور انجیل میں بشارت دی گئی تھی اور جن کی اطاعت کا تم سے عہد لیا گیا اب وہ آ گئے اور ان کی نبوت ورسالت کے براہین اور دلائل ان کے ساتھ ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ نبی امی ﷺ توریت اور انجیل کے مخفی علوم کو تمہارے سامنے چھپاتے تھے اور نبی کریم نے بذریعہ وحی اس کو ظاہر فرمایا نیز اس نبی امی کے ساتھ ایک نور ہدایت یعنی قرآن ہے جو حق کا راستہ بتلاتا ہے نیز وہ نبی

ف۱ یہ سب "یہود" و "نصاریٰ" کو خطاب ہے کہ وہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم جن کی آمد کی بشارت تمہاری کتابوں میں اس قدر تحریف ہونے پر بھی کسی نہ کسی عنوان سے موجود ہیں۔ تشریف لے آئے جن کے منہ میں خدا نے اپنا کلام ڈالا ہے اور جنہوں نے ان حقائق کی تکمیل کی جو حضرت مسیح ناتمام چھوڑ گئے تھے "تورات" و "انجیل" کی جن باتوں کو تم چھپاتے تھے اور بدل سدل کر بیان کرتے تھے ان میں ان کی سب ضروری باتیں اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرما دیں اور جن باتوں کی اب چنداں ضرورت نہ تھی ان سے درگزر کیا۔

ف۲ شاید "نور" سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور "کتاب مبین" سے قرآن کریم مراد ہے۔ یعنی یہود ونصاریٰ جو وحی الٰہی کی روشنی کو ضائع کر کے اہواء وآراء کی تاریکیوں اور باہمی خلاف وشقاق کے گڑھوں میں پڑے دھکے کھا رہے ہیں جس سے نکلنے کا بحالت موجودہ قیامت تک امکان نہیں ان سے کہہ دو کہ خدا کی سب سے بڑی روشنی آ گئی اگر نجات ابدی کے صحیح راستہ پر چلنا چاہتے ہو تو اس روشنی میں حق تعالیٰ کی رضا کے پیچھے چل پڑو سلامتی کی راہیں کھلی پاؤ گے اور اندھیرے سے نکل کر اجالے میں بے کھٹکے چل سکو گے۔ اور جس کی رضا کے تابع ہو کر چل رہے ہو اسی کی دستگیری سے صراط مستقیم کو بے تکلف طے کر لو گے۔

امی ﷺ اپنے فیض صحبت سے تم کو ظلمتوں اور تاریکیوں سے نکال کر نور حق کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ سب باتیں اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ یہ سب کچھ تعلیم ربانی اور تائید یزدانی کا کرشمہ ہے اس لیے کہ یہ تو ناممکن اور محال ہے کہ نبی امی ﷺ ان کی کتابیں دیکھ کر یہ باتیں معلوم کرلیں سوائے وحی ربانی کے علم کا کوئی ذریعہ نہیں لہٰذا تم ان پر ایمان لاؤ تاکہ اندھیرے سے نکل کر روشنی کی طرف آجاؤ چنانچہ فرماتے ہیں اے اہل کتاب جہالت کو چھوڑو اور ہدایت اور علم کی طرف دوڑو تحقیق آ پہنچا تمہارے پاس ہمارا رسول محمد ﷺ جن کے علم کی یہ شان ہے کہ وہ تمہارے سامنے توریت اور انجیل کی بہت سی پوشیدہ چیزوں کو کھول کر بیان کرتا ہے جن کو تم چھپاتے تھے یعنی وہ نبی امی بہت سے امور میں تم پر ظاہر کر دیتا ہے کہ تمہاری کتاب میں یوں یوں لکھا ہوا ہے اور اس کے حلم اور بردباری کا یہ حال ہے کہ بہت سی باتوں سے وہ نبی درگزر کرتا ہے اور باوجود علم کے ان کے اظہار چشم پوشی کرتا ہے مقصود صرف ان پر اس بات کا ظاہر کرنا ہے کہ جن باتوں کو چھپاتے ہو وہ بذریعہ وحی کے مجھے معلوم ہیں اگر میں اللہ کا نبی نہ ہوتا تو مجھ کو کیا خبر تھی کہ تمہاری کتابوں میں کیا لکھا ہوا ہے میں تو امی ہوں کتاب پڑھا ہوا نہیں لہٰذا تم کو چاہیے کہ اپنی فضیحت سے ڈرو اور مجھ پر ایمان لاؤ میرا یہ علم اور یہ حلم میرا معجزہ ہے میں تمہیں رسوا کرنا نہیں چاہتا صرف تنبیہ کرتا تب بھی تم پر اس کی دعوت کا قبول کرنا واجب تھا اس لیے کہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا ہے مراد محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور ایک روشن کتاب آئی ہے قتادہ اور زجاج سے منقول ہے کہ نور سے آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات مراد ہے۔ (روح المعانی:۶/۸۷ و تفسیر قرطبی:۶/۱۱۸)

اور کتاب مبین سے قرآن مجید مراد ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذات بابرکات خود آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی ایک دلیل ہے۔

آفتاب　آمد　دلیل　آفتاب　　گر دلیلی　باید　از وے　رومتاب

اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نور ہدایت اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے اور اس کے علاوہ یہ کتاب مبین آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب میں سے ان لوگوں کو جو رضا خداوندی کے طلب گار اور پیروکار ہوں سلامتی کی راہیں دکھلاتا ہے کہ قیامت کے غم اور خوف سے محفوظ ہو جائیں یعنی وہ کتاب مبین ایسے صحیح عقائد اور صحیح اعمال کی ہدایت کرتی ہے جس سے دنیا اور آخرت کی سلامتی حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو کفر اور معصیت کی تاریکیوں سے نکال کر دین اسلام کی روشنی میں لاتا ہے اپنے حکم سے یعنی اس کی توفیق اور فضل سے ہدایت ملتی ہے بغیر اس کے حکم اور ارادہ کے کچھ نہیں ہو سکتا اور چلاتا ہے ان کو سیدھی راہ کی طرف پس اے اہل کتاب تم اس کتاب مبین کو قبول کرو اور اپنی جہالت کے ظلمت سے نکل کر اس شمع ہدایت کی روشنی میں آجاؤ۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا

بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا ف۱ تو کہہ دے پھر کس کا بس چل سکتا ہے اللہ کے آگے

بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا۔ تو کہہ پھر کس کا کچھ چلتا ہے اللہ سے

ف۱ یعنی مسیح کے علاوہ خدا کوئی اور چیز نہیں کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ نصاریٰ میں سے "فرقہ یعقوبیہ" کا ہے جس کے نزدیک مسیح کے قالب میں خدا حلول کئے ہوئے =

إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ

اگر وہ چاہے کہ ہلاک کرے مسیح مریم کے بیٹے کو اور اس کی ماں کو اور جتنے لوگ ہیں زمین میں سب کو ف۱ اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت

اگر وہ چاہے کہ کھپا دے مسیح مریم کے بیٹے کو اور اس کی ماں کو اور جتنے لوگ زمین میں سارے۔ اور اللہ کو ہے سلطنت

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٧﴾

آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ درمیان ان دونوں کے ہے پیدا کرتا ہے جو چاہے ف۲ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ف۳

آسمان و زمین کی اور جو دونوں کے بیچ ہے۔ بناتا ہے جو چاہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ابطال عقیدہ الوہیت عیسیٰ علیہ السلام

قال تعالیٰ: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ... الی ... وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت یعنی ﴿وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ میں سیدھے راستے کا ذکر فرمایا اور صراط مستقیم وہ متعدل راہ ہے جو افراط اور تفریط کے ٹھیک درمیان میں ہو اب اس آیت میں نصاریٰ کے عقیدۂ الوہیت مسیح کا رد فرماتے ہیں کہ شرک

= ہے (معاذ اللہ) یا یوں کہا جائے کہ جب "نصاریٰ" حضرت مسیح کی نسبت "الوہیت" کے قائل ہیں اور ساتھ ہی توحید کا بھی زبان سے اقرار کرتے جاتے ہیں یعنی خدا ایک ہی ہے تو ان دونوں دعووں کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک مسیح کے سوا کوئی خدا نہ ہو۔ بہر حال کوئی صورت لی جائے اس عقیدہ کے کفر صریح ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔

ف۱ یعنی اگر فرض کرو خدائے قادر وقہار یہ چاہے کہ حضرت مسیح اور مریم اور اگلے پچھلے کل زمین پر بسنے والوں کو اکٹھا کر کے ایک دم میں ہلاک کر دے، تو تم ہی بتلاؤ کہ اس کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے۔ یعنی ازل و ابد کے سارے انسان بھی اگر فرض کرو مجتمع کر دیے جائیں اور خدا ایک آن میں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو سب کی اجتماعی قوت بھی خدا کے ارادہ کو تھوڑی دیر کے لیے ملتوی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ مخلوقات کی قدرت جو عطائی اور محدود ہے خدا کی ذاتی اور لامحدود قدرت کے مقابلہ میں عاجز محض ہے جس کا اعتراف خود وہ لوگ بھی کرتے ہیں جن کے رد میں یہ خطاب کیا جا رہا ہے بلکہ خود مسیح ابن مریم بھی جن کو یہ لوگ خدا بنا رہے ہیں اسکے معترف ہیں چنانچہ مرقس کی انجیل میں حضرت مسیح کا یہ مقولہ موجود ہے۔ "اے باپ ہر چیز تیری قدرت کے تحت میں ہے تو مجھ سے یہ (موت کا) پیالہ ٹلا دے اس طرح نہیں جو میں چاہتا ہوں بلکہ اس طرح جیسے تیرا ارادہ ہے" پس جب حضرت مسیح علیہ السلام جن کو تم خدا کہتے ہو اور ان کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ جو تمہارے زعم میں خدا کی ماں ہوئیں۔ وہ دونوں بھی تمام من فی الارض کے ساتھ مل کر خدا کی مشیت و ارادہ کے سامنے عاجز ٹھہرے تو خود سوچ لو کہ ان کی یا ان کی والدہ یا کسی اور مخلوق کی نسبت خدائی کا دعویٰ کرنا کس قدر گستاخی اور شوخ چشمی ہوگی۔ آیت کی اس تقریر میں ہم نے "ھلاك" کو "موت" کے معنی میں لیا ہے۔ مگر جمیعاً کے لفظ کی تھوڑی سی وضاحت کر دی جو مدلول لفظ جمیعاً کا ہم نے بیان کیا وہ ائمہ عربیہ کی تصریحات کے عین موافق ہے۔ اس کے سوا یہ بھی ممکن ہے کہ آیت میں "ھلاك" کے معنی موت کے نہ لیے جائیں جیسا کہ راغب نے لکھا ہے کبھی "ھلاك" کے معنی ہوتے ہیں "کسی چیز کا مطلقاً فنا اور نیست و نابود ہو جانا۔ ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ یعنی خدا کی ذات کے سوا ہر چیز نابود ہونے والی ہے۔ اس معنی پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر خدائے قدیر حضرت مسیح اور ان کی والدہ اور تمام من فی الارض کو قطعاً نیست و نابود اور بالکلیہ فنا کر ڈالنے کا ارادہ کر لے تو کون ہے جو اس کے ارادہ کو روک دے گا۔

"اوست سلطان ہر چہ خواہد آں کند عالمے را در دمے ویراں کند"۔

حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کسی جگہ نبیوں کے حق میں ایسی بات فرماتے ہیں تاکہ ان کی امت بندگی کی حد سے زیادہ نہ چڑھا دے ورنہ نبی اس لائق کا ہے کہ ان کے مرتبہ عالی اور وجاہت عند اللہ کا خیال کرتے ہوئے ایسا خطاب کیا جاتا۔

ف۲ جو چاہے اور جس طرح چاہے۔ مثلاً حضرت "مسیح" کو بدون باپ کے حضرت "حوا" کو بدون ماں کے اور حضرت آدم علیہ السلام کو بدون ماں اور باپ کے پیدا کر دیا۔

ف۳ کسی کا زور اس کے سامنے نہیں چل سکتا۔ سب اخیار و ابرار بھی وہاں مجبور ہیں۔

اور تثلیث کی راہ صراط مستقیم سے بہت دور ہے چنانچہ فرماتے ہیں بلاشبہ اور قطعاً کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ وہی مسیح ہے جو مریم کا بیٹا ہے اس آیت میں فرقہ حلولیہ کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کے جسم یا روح میں حلول کر سکتا ہے نصاریٰ اگرچہ صراحۃً اس کے قائل نہیں لیکن اگر حقیقت کی طرف غور کیا جائے تو مطلب یہی نکلتا ہے اس لیے کہ نصاریٰ کا قول یہ ہے کہ کلمہ کا اقنوم عیسیٰ کے ساتھ متحد ہو گیا ہے تو ہم سوال کرتے ہیں اقنوم کلمہ سے کیا مراد ہے ذات خداوندی مراد ہے یا صفت خداوندی مراد ہے اگر اقنوم سے ذات کے معنی مراد ہیں تو صراحۃً یہ مطلب ہوگا کہ ذات خداوندی نے عیسیٰ میں حلول کیا تو بے شک عیسیٰ الٰہ (خدا) ہو گیا اور اگر یہ کہیں کہ اقنوم سے صفت کے معنی مراد ہیں تو ایک ذات کی صفت کا دوسری ذات کی طرف منتقل ہونا عقلاً محال ہے اور اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اقنوم علم نے خدا کی ذات سے عیسیٰ کی ذات کی طرف انتقال کیا تو ذات الٰہی علم سے خالی ہو گئی اور عیسیٰ کا الٰہ اور خدا ہونا لازم آیا اس سے معلوم ہوا کہ سب نصاریٰ اگرچہ صریح طور سے عیسیٰ کو عین خدا نہ کہیں لیکن ان کے مذہب کا حاصل اور مقتضیٰ یہی ہے۔ (تفسیر کبیر: ۳/ ۳۹۵)

اور ظاہر اور حق یہی ہے کہ نصاریٰ کے بعض فرقوں کا اب بھی یہی مذہب ہے نصاریٰ میں اصل تین فرقے ہیں ایک فرقہ نسطوریہ جو حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ کہتا ہے دوسرا ملکانیہ جو حضرت عیسیٰ کو تین خداؤں کا ایک خدا کہتا ہے تیسرا فرقہ یعقوبیہ جو حضرت عیسیٰ کو اللہ کے ساتھ متحد مانتا ہے اسی فرقہ کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اب آئندہ آیت میں الوہیت مسیح کے اعتقاد کا ابطال فرماتے ہیں آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر خدا تعالیٰ مسیح بن مریم کو جن کو تم عین خدا کہتے ہو اور ان کے ساتھ ان کی ماں کو جس نے ان کو جنا ہے اور بلکہ روئے زمین کے تمام باشندوں کو بالکل نیست اور نابود کرنا چاہے تو کون ایسی قدرت والا ہے جو خدا کو اس کے ارادہ سے روک سکے یا اس سے انتقام لے سکے عالم کی اجتماعی قوت اور ارادہ اس کے ارادہ کو نہ روک سکتی ہے اور نہ ایک لمحہ کے لیے ملتوی کر سکتی ہے خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ واجب الوجود اور قادر مطلق ہو کہ اگر سارے عالم کو قطعاً نیست اور نابود اور بالکلیہ فنا کرنے ارادہ کرے تو کوئی اس کے ارادہ کو نہ روک سکے۔

اوست سلطاں ہر چہ خواہد آں کند عالمے را در دمے ویراں کند

اور جو ذات ہلاکت اور فنا کو اپنے سے دفع نہ کر سکے وہ بلاشبہ عاجز اور کمزور ہے وہ خدا نہیں ہو سکتی اور نصاریٰ کے اعتقاد میں تو حضرت عیسیٰ کو سولی دی گئی اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا ہوتے تو دشمن کے ہاتھ سے ہلاک نہ ہوتے وہ خدا ہی کیا ہوا جو اپنے سے موت کو دفع نہ کر سکا۔

پس اے نصاریٰ حیاری ذرا غور کرو کہ جو ذات (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) تمہارے اعتقاد اور اقرار کے مطابق اپنے سے موت اور فنا کا پیالہ نہ ہٹا سکے وہ کیسے خدا ہو سکتی ہے اور پھر یہ بھی تو سوچو کہ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان تمام چیزوں کی جو ان کے درمیان میں ہیں جن میں عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ بھی داخل ہیں جس طرح آسمان اور زمین کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملک اور تصرف میں ہیں اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام خدا کی ملک اور تصرف میں ہیں وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں تو خوب سمجھ لو کہ اس طرح پیدا ہونا یہ دلیل الوہیت کی

نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو جس طرح چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں جیسے کسی کو بے ماں باپ دونوں کے پیدا کیا جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو اس کی قدرت کے اعتبار سے تخلیق و تکوین کی تمام صورتیں برابر ہیں اسی نے اپنی حکمت بالغہ سے کسی کو کسی طرح پیدا کیا اور کسی کو کسی طرح پیدائش کا امتیاز، الوہیت کی نہیں بن سکتا اور کیوں نہ برابر ہوں اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اس کی قدرت کے لیے کسی سبب اور مادہ کی ضرورت نہیں وہ جس طرح چاہے پیدا کرے بغیر باپ کے پیدا ہونا دلیل الوہیت کی نہیں بلکہ کمالِ قدرت دلیل الوہیت ہے جو حضرت عیسیٰ میں نہیں پائی جاتی۔

فائدہ:......شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کسی جگہ نبیوں کے حق میں ایسی بات فرماتے ہیں تا کہ ان کی امت ان کو بندگی کی حد سے زیادہ نہ چڑھاویں وَ اِلَّا نبی اس لائق کا ہے کو ہیں۔ (موضح القرآن)

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ

اور کہتے ہیں یہود اور نصاریٰ ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اس کے پیارے ف۱ تو کہہ پھر کیوں عذاب کرتا ہے تم کو تمہارے گناہوں پر ف۲

اور کہتے ہیں یہود اور نصاریٰ ہم بیٹے ہیں اللہ کے، اور اس کے پیارے۔ تو کہہ پھر کیوں عذاب کرتا ہے تم کو تمہارے گناہوں پر

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

کوئی نہیں بلکہ تم بھی ایک آدمی ہو اس کی مخلوق میں ف۳ بخشے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو چاہے ف۴ اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں

کوئی نہیں، تم بھی ایک انسان ہو اس کی پیدائش میں، بخشے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو چاہے۔ اور اللہ کو ہے سلطنت آسمان

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۱۸

اور زمین کی اور جو کچھ دونوں کے بیچ میں ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ف۵

اور زمین کی، اور جو دونوں کے بیچ ہے۔ اور اسی کی طرف رجوع ہے۔

ف۱ شاید اپنے کو "بیٹے" یعنی اولاد اس لئے کہتے ہوں کہ ان کی "بائبل" میں خدا نے اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کو اپنا پہلوٹھا بیٹا اور اپنے کو اس کا باپ کہا ہے۔ ادھر نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو "ابن اللہ" مانتے ہیں تو اسرائیل کی اولاد اور حضرت مسیح کی امت ہونے کی وجہ سے غالباً ابناء اللہ کا لفظ اپنی نسبت استعمال کیا ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ "بیٹا" کہنے سے مراد یہ ہو کہ ہم خدا کے خواص اور محبوب ہونے کی وجہ سے گویا اولاد ہی جیسے ہیں۔ اس صورت میں "ابناء" کا حاصل وہی ہو جائے گا جو لفظ "احباء" کا ہے۔

ف۲ چونکہ کسی مخلوق کا حقیقۃً "ابن اللہ" ہونا بالکل محال اور بدیہی البطلان ہے اور خدا کا محبوب بن جانا ممکن تھا۔ ﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾ اس لئے اس جملہ میں اول "محبوبیت" (پیارے ہونے) کے دعوے کا رد کیا گیا یعنی جو قوم علانیہ بغاوتوں اور شدید ترین گناہوں کی بدولت یہاں بھی کئی طرح کی رسوائیوں اور عذاب میں گرفتار ہو چکی اور آخرت میں بھی حبس دوام کی سزا کا عقلاً و نقلاً استحقاق رکھتی ہے۔ کیا ایسی باغی و عاصی قوم کی نسبت ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی ذی شعور یہ خیال کر سکتا ہے کہ وہ خدا کی محبوب اور پیاری ہوگی؟ خدا سے کسی کا نسبی رشتہ نہیں۔ اسکا پیار اور اس کی محبت صرف اطاعت اور حسن عمل سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ایسے کٹر مجرموں کو جو سخت سزا کے مستحق اور مورد بن چکے ہوں، شرمانا چاہیے کہ وہ ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ کا دعویٰ کریں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کو باوجود یہ انکا صلبی بیٹا تھا خدا نے فرمایا ﴿اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾

ف۳ "بشر" اصل لغت میں کھال کی اوپر والی سطح کو کہتے ہیں۔ تھوڑی سی مناسبت سے آدمی کو "بشر" کہنے لگے۔ شاید اس لفظ کے یہاں اختیار کرنے میں یہ نکتہ ہو کہ تم کو خدا کا بیٹا اور پیارا تو درکنار، شریف اور ممتاز انسان بھی نہیں کہا جا سکتا۔ صرف بشرہ اور شکل و صورت کے لحاظ سے خدا کے پیدا کئے ہوئے ایک معمولی آدمی کہلائے جا سکتے ہو جن کی پیدائش بھی اسی معتاد طریقہ سے ہوئی ہے جس طرح عام انسانوں کی ہوتی ہے۔ پھر بھلا "اہلیت" کا وہم کدھر سے راہ پا سکتا ہے۔ =

ابطال دعوائے اہل کتاب در بارہ قرب واختصاص خداوندی

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ ... الی ... وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں یہود ونصاریٰ کے بعض قبائح کا بیان تھا اب اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ باوجود کفر وشرک اور معصیت میں ملوث ہونے کے دعویٰ یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے محبوب اور مقبول اور مقرب ہیں اور یہود اور نصاریٰ کے ہر ایک فریق نے الگ الگ یہ کہا کہ ہم لوگ اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے علماء یہود سے کچھ گفتگو کی اور ان کو اللہ کی طرف بلایا اور ان کو خدا کے عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے یہ کہا کہ اے محمد ﷺ آپ ﷺ ہم کو خدا کے عذاب سے کیا ڈراتے ہیں ہم تو اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۳۵ وتفسیر قرطبی: ۶/ ۱۲۰)

اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ اگر تم واقع میں اللہ کے فرزند اور اس کے محبوب اور پیارے ہو تو اللہ تم کو تمہارے گناہوں کے بدلہ میں دنیا میں ذلت ناک اور رسوا کن عذاب کیوں دیتا ہے اگر تم ❶ خدا کے فرزند اور محبوب تھے تو اس نے تم کو قردۃ اور خنازیر یعنی بندر اور سور کیوں بنایا اور طرح طرح سے تم کو ذلیل اور رسوا کیا باپ اپنے بیٹے کو اور حبیب اپنے حبیب کو عذاب نہیں دیتا پس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے تم کو قتل اور مسخ کا عذاب چکھایا اور آخرت کے متعلق تم کو اقرار ہے کہ چند روز کے لیے تم کو آگ چھوئے گی معلوم ہوا کہ یہ سب تمہارے دعاوی باطلہ اور امانی عاطلہ ہیں تم خدا کے محبوب نہیں بلکہ تم من جملہ مخلوق کے بشر اور آدمی ہو تم میں اور لوگوں میں کوئی فرق نہیں جیسے وہ ویسے تم، تم جو دعوائے فرزندیت اور محبوبیت کرتے ہو وہ جھوٹ اور غلط ہے وہ جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کے دائرۂ مشیت اور ملکیت سے باہر نہیں نکل سکتا اس لیے کہ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے لہٰذا کوئی صورت اس کی تعذیب اور سزا سے بچنے کی نہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس کے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں کہ جہاں کوئی پناہ لے سکے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا

اے کتاب والو! آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا کھولتا ہے تم پر ف۱ رسولوں کے انقطاع کے بعد کبھی تم کہنے لگو کہ

اے کتاب والو! آیا ہے تم پاس رسول ہمارا، توڑا پڑے پیچھے رسولوں کا، کبھی تم کہو کہ ہم

ف۴ کیونکہ وہی جانتا ہے کہ کون بخشنے کے لائق ہے اور کسے سزا دی جائے۔

ف۵ تو جسے وہ اپنی رحمت اور حکمت سے معاف کرنا چاہے یا عدل وانصاف سے سزا دینا چاہے اس میں کون مزاحم ہو سکتا ہے نہ کسی مجرم کے لئے یہ گنجائش ہے کہ اس کے قلمرو آسمان وزمین سے باہر نکل جائے اور نہ یہ کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں کہیں اور بھاگ جائے۔

ف۱ یعنی ہمارے احکام وشرائع نہایت توضیح کے ساتھ کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ اس رکوع کے شروع سے "بنی اسرائیل" (یہود ونصاریٰ) کے مختلف =

❶ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وقيل معنى يعذبكم عذبكم فهو بمعنى الماضي اى فلم مسخكم قردة وخنازير ولم عذب من قبلكم من اليهود والنصارى بانواع العذاب وهم امثالكم لان الله سبحان لا يحتج عليهم بشئ لم يكن بعدُ لانهم ربما يقولون لا نعذّبُ غدًا، بل يحتج عليهم بما عرفوه۔ (تفسیر قرطبی: ۶/ ۱۲۱)

جَآءَنَا مِنۢ بَشِيرٍ وَّلَا نَذِيرٍ ۚ فَقَدْ جَآءَكُم بَشِيرٌ وَّنَذِيرٌ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑲ ع

ہمارے پاس نہ آیا کوئی خوشی یا ڈر سنانے والا سو آ چکا تمہارے پاس خوشی اور ڈر سنانے والا ف۱ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ف۲

پاس نہ آیا کوئی خوشی اور ڈر سنانے والا۔ سو آ چکا تمہارے پاس خوشی اور ڈر سنانے والا۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اظہار نعمت و اتمام حجت بہ بعثت محمدیہ ﷺ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا ... الی ... وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

ربط: ...... اوپر کی آیتوں میں یہود و نصاریٰ کو خطاب تھا اب اس آیت میں بھی انہی کو خطاب اور تنبیہ ہے اور مقصود اظہار نعمت اور اتمام حجت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد شریعت محرف ہو چکی تھی اور روئے زمین سے ہدایت گم ہو چکی تھی لہٰذا ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ ایسے پیغمبر کو بھیجیں جو لوگوں پر راہ حق کو ظاہر کر دے اور لوگوں پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے علاوہ ازیں تم بھی افسوس کیا کرتے تھے کہ ہم رسولوں کے وقت میں نہ ہوئے کہ ان کی تربیت پاتے اب مدت کے بعد تم کو رسول کی صحبت میسر آئی غنیمت جانو اور اللہ قادر ہے کہ اگر تم اس رسول ﷺ کی دعوت کو قبول نہ کرو گے تو اللہ دوسری مخلوق کھڑی کر دے گا جو تم سے بہتر ہو گی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ لوگوں نے جہاد کرنا قبول نہ کیا اللہ نے ان کو محروم کر دیا اوروں کے ہاتھ سے ملک شام فتح کرا دیا لہٰذا تم اس نبی کی صحبت کو غنیمت جانو۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے اہل کتاب بے شک آ گیا تمہارے پاس ہمارا وہ رسول جس کے تم منتظر تھے جو احکام شریعت کو تمہارے لیے بیان کرتا ہے ایسے وقت میں آیا کہ مدت سے پیغمبروں کی آمد کا سلسلہ منقطع تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے تخمیناً چھ سو برس کے بعد ہم نے نبی بھیجا اتنی مدت میں آسمانی کتابوں میں تحریف ہو گئی دین عیسوی ابھی قوت پکڑنے نہ پایا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھا لیے گئے اور اصل انجیل بھی محفوظ نہ رہی اور بنی اسرائیل کی شریعت بالکل مسخ ہو گئی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اصلاح عالم کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا تاکہ تم سنبھل جاؤ اور قیامت کے دن

ے قسم کی شرارتوں اور حماقتوں کو بیان فرما کر یہ جتلایا تھا کہ اب ہمارا رسول تمہارے پاس آ چکا جو تمہاری غلط کاریوں کو واضح کرتا ہے اور تم کو ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ اس کے بعد اس پر متنبہ فرمایا کہ اب نور ہدایت کی طرف جانا دو چیزوں پر موقوف ہے۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل کرو اور مخلوق و خالق کے تعلق کے متعلق غلط عقیدے مت جماؤ۔ ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ سے یہاں تک اسی جزء کا بیان تھا۔ دوسری چیز یہ ہے کہ نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ جو تمام انبیائے سابقین علیہم السلام کے کمالات کے جامع اور شرائع الٰہیہ کے سب سے بڑے اور آخری شارح ہیں۔ اس جزء کا بیان اس آیت ﴿قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ﴾ میں کیا گیا ہے۔

ف۱ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد تقریباً چھ سو برس سے انبیاء کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ ساری دنیا الا ماشاء اللہ جہل، غفلت اور اوہام و اہواء کی تاریکیوں میں پڑی تھی۔ ہدایت کے چراغ گل ہو چکے تھے۔ ظلم و عدوان اور فساد و الحاد کی گھٹا تمام آفاق پر چھا رہی تھی۔ اس وقت سارے جہان کی اصلاح کے لئے خدا نے سب سے بڑا "ہادی" اور "نذیر" و "بشیر" بھیجا، جو جاہلوں کو فلاح دارین کے راستے جتلائے۔ غافلوں کو اپنے انذار و تخویف سے بیدار کرے اور پست ہمتوں کو بشارتیں سنا کر ابھارے۔ اس طرح ساری مخلوق پر خدا کی حجت تمام ہو گئی۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔

ف۲ یعنی تم اگر اس پیغمبر کی بات نہ مانو گے تو خدا کو قدرت ہے کہ کوئی دوسری قوم کھڑی کر دے جو اس کے پیغام کو پوری طرح قبول کرے گی اور پیغمبر کا ساتھ دے گی خدا کا کام کچھ تم پر موقوف نہیں۔

تم کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا سو آ چکا تمہارے پاس ایک عظیم الشان بشیر و نذیر جس کی شریعت قیامت تک محفوظ رہے گی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی کتاب کو حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے لہٰذا اب تم کو اس عذر کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ ہم خدا کی کس طرح اطاعت کرتے کہ پہلی شریعتوں میں تحریف وتبدیلی ہو چکی تھی اور حق و باطل مخلوط ہو چکا تھا اور نیا رسول ہمارے پاس کوئی آیا نہیں پس محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے تمہاری یہ حجت ختم ہوگئی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اس کو اختیار ہے کہ چاہے مسلسل نبی بھیجے یا ایک عرصہ تک سلسلہ منقطع رہنے کے بعد رسول بھیجے یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم نے اس پیغمبر کی دعوت اور ہدایت کو قبول نہ کیا تو اللہ کوئی دوسری قوم کھڑی کر دے گا جو اس نبی کی دعوت کو قبول کرے خدا کا کام کچھ تم پر موقوف نہیں۔

فائدہ:...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کے درمیان جو زمانہ ہے وہ زمانہ فترت کہلاتا ہے جو تقریباً چھ سو برس کا زمانہ ہے جیسا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں مروی ہے اس درمیان میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے: "انا اولی الناس بعیس بن مریم لیس بینی وبینہ نبی۔"

اور سورۂ یسین کی اس آیت ﴿اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ﴾ میں جن تین رسولوں کا ذکر ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد اور مبلغ تھے اور حوارین میں سے تھے جن کو آپ نے اہل قریہ کی تبلیغ اور دعوت کے لیے بھیجا تھا اور وہ خدا کے رسول اور پیغمبر نہ تھے بلکہ حضرت عیسیٰ کے فرستادہ اور حواری تھے اور بعض لوگوں نے جو ایک ضعیف روایت کی بناء پر خالد بن سنان عربی کو نبی بتایا ہے صحیح [1] یہ ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں اور تواریخ میں جو آیا ہے کہ خالد بن سنان کی بیٹی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی سو اس سے صلبی بیٹی مراد نہیں بلکہ بنت بالواسطہ مراد ہے کیونکہ احادیث صحیحہ اور صریحہ سے یہ امر صراحۃً ثابت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ (روح المعانی: ۶/ ۹۳)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر ف۱ جب پیدا کئے تم میں نبی ف۲

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو، اے قوم ! یاد کرو، احسان اللہ کا اپنے اوپر، جب پیدا کئے تم میں نبی

ف۱ موضح القرآن میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کا وطن چھوڑ نکلے اللہ کی راہ میں اور ملک شام میں آ کر ٹھہرے اور مدت تک ان کے اولاد نہ ہوئی تب اللہ تعالیٰ نے بشارت دی کہ تیری اولاد بہت پھیلاؤں گا اور زمین شام ان کو دوں گا اور نبوت، دین، کتاب اور سلطنت ان میں رکھوں گا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت وہ وعدہ پورا کیا۔ بنی اسرائیل کو فرعون کی بیگار سے خلاص کیا اور اس کو غرق کیا اور ان کو فرمایا کہ جہاد کرو عمالقہ سے، ملک شام فتح کر لو۔ پھر ہمیشہ وہ ملک شام تمہارا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارہ شخص بارہ قبائل بنی اسرائیل پر سردار کئے تھے ان کو بھیجا کہ اس ملک کی خبر لاویں وہ خبر لائے تو ملک شام کی بہت خوبیاں بیان کیں اور وہاں جو عمالقہ مسلط تھے ان کا زور وقوت بیان کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو کہا کہ تم قوم کے سامنے ملک کی خوبی =

---

[1] کما قال لاشهاب الخفاجي في حاشية البيضاوي والصحيح انه (اى خالد بن سنان) من الانبياء وانه قبل عيسىٰ عليه السلام كذافي حاشية الشهاب على تفسير البيضاوي: ۳/ ۲۲۰۔

وَجَعَلَكُمْ مُّلُوكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ⑳ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا

اور کردیا تم کو بادشاہ ف۱ اور دیا تم کو جو نہیں دیا تھا کسی کو جہان میں ف۲ اے قوم داخل ہو

اور کردیا تم کو بادشاہ۔ اور دیا تم کو جو نہیں دیا کسی کو جہان میں۔ اے قوم! داخل ہو،

الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا

زمین پاک میں جو مقرر کردی ہے اللہ نے تمہارے واسطے ف۳ اور نہ لوٹو اپنی پیٹھ کی طرف پھر جا پڑو گے

زمین پاک ہے، جو لکھ دی ہے اللہ نے تم کو، اور الٹے نہ جاؤ اپنی پیٹھ پر، پھر جا پڑو گے

خٰسِرِيْنَ ㉑ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا

نقصان میں ف۴ بولے اے موسیٰ وہاں ایک قوم ہے زبردست ف۵ اور ہم ہرگز وہاں نہ جاویں گے یہاں تک کہ وہ نکل جاویں

نقصان میں۔ بولے، اے موسیٰ! وہاں ایک لوگ ہیں زبردست۔ اور ہرگز وہاں نہ جائیں گے، جب تک وہ نکل چکیں

مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ㉒ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ

اس میں سے پھر اگر وہ نکل جاویں گے اس میں سے تو ہم ضرور داخل ہوں گے ف۶ کہا دو مردوں نے اللہ سے ڈرنے والوں میں سے کہ خدا کی نوازش تھی

وہاں سے۔ پھر اگر وہ نکلیں وہاں سے، تو ہم داخل ہوں۔ کہا دو مردوں نے ڈر والوں میں سے، خدا کی نوازش تھی

= بیان کرو اور دشمن کی قوت کا ذکر مت کرو۔ ان میں سے دو شخص اس حکم پر رہے اور دس نے خلاف کیا۔ قوم نے سنا تو نامردی کرنے لگی اور چاہا کہ پھر الٹے مصر چلے جائیں۔ اس تقصیر کی وجہ سے چالیس برس فتح میں دیر لگی۔ اس قدر مدت جنگلوں میں بھٹکتے پھرتے رہے۔ جب اس قرن کے لوگ مر چکے مگر وہ دو شخص کہ وہ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفہ ہوئے ان کے ہاتھ سے فتح ہوئی۔

ف۲ یعنی تمہارے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر آج تک کتنے نبی تم میں پیدا کئے۔ مثلاً حضرت اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف اور خود موسیٰ و ہارون علیہم السلام پھر ان کے بعد بھی یہی سلسلہ مدت دراز تک ان میں قائم رکھا۔

ف۱ یعنی فرعونیوں کی ذلیل ترین غلامی سے آزادی دلا کر ان کے اموال و املاک پر قبضہ کیا اور اس سے پہلے تم ہی میں سے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کے خزائن اور سلطنت پر کیسا تسلط عطا فرمایا۔ پھر مستقبل میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام وغیرہ نبی اور بادشاہ پیدا کئے گویا دین اور دنیا دونوں کی اعلیٰ نعمتوں سے تم کو سرفراز کیا۔ کیونکہ دینی مناصب میں سب سے بڑا منصب نبوت اور دنیاوی اقبال کی آخری حد آزادی اور بادشاہت ہے یہ دونوں چیزیں مرحمت کی گئیں۔

ف۲ یعنی اس وقت جب موسیٰ علیہ السلام کو یہ خطاب فرمار ہے تھے بنی اسرائیل پر تمام دنیا کے لوگوں سے زیادہ خدا کی نوازشیں ہوئیں اور اگر ﴿اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کا عموم پر حمل کیا جائے تو یہ اس لئے صحیح نہیں کہ امت محمدیہ کی نسبت خود قرآن میں تصریح ہے۔ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ اور ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾۔

ف۳ یعنی خدا نے پیشتر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ تیری اولاد کو یہ ملک دوں گا وہ وعدہ ضرور پورا ہونا ہے۔ خوش قسمت ہونگے وہ لوگ جن کے ہاتھوں پر پورا ہو۔

ف۴ یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں بزدلی اور پست ہمتی دکھلا کر غلامی کی زندگی کی طرف مت بھاگو۔

ف۵ یعنی بہت قوی ہیکل تومند اور پر رعب۔

ف۶ یعنی مقابلہ کی ہمت ہم میں نہیں ہاں بدون ہاتھ پاؤں ہلائے پکی پکائی کھالیں گے کہ آپ علیہ السلام معجزہ کے زور سے انہیں نکال دیں۔

عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ

ان دو پر ف۱ گھس جاؤ ان پر حملہ کر کے دروازہ میں پھر جب تم اس میں گھس جاؤ گے تو تم ہی غالب ہو گے ف۲ اور اللہ پر

ان دو پر، پیٹھ جاؤ ان پر حملہ کر کر دروازے میں۔ پھر جب تم اس میں پیٹھو، تو تم غالب ہو۔ اور اللہ پر

فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۳﴾ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا

بھروسہ کرو اگر یقین رکھتے ہو ف۳ بولے اے موسیٰ ہم ہرگز نہ جاویں گے ساری عمر جب تک وہ رہیں گے اس میں

بھروسہ کرو اگر یقین رکھتے ہو۔ بولے، اے موسیٰ! ہم ہرگز نہ جائیں ساری عمر، جب تک وہ رہیں گے اس میں،

فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي

سو تو جا اور تیرا رب اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں ف۴ بولا اے رب میرے میرے اختیار میں نہیں مگر میری جان

سو تو جا اور تیرا رب دونوں لڑو، ہم یہاں ہی بیٹھے ہیں۔ بولا، اے رب! میرے اختیار میں نہیں، مگر میری جان

وَأَخِي ۖ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ ۛ أَرْبَعِينَ

اور میرا بھائی ف۵ سو جدائی کر دے تو ہم میں اور اس نافرمان قوم میں فرمایا تحقیق وہ زمین حرام کی گئی ہے ان پر چالیس

اور میرا بھائی، سو فرق کر تو ہم میں اور بے حکم قوم میں۔ کہا تو وہ ان سے بند ہوئی چالیس

ع سَنَةً ۛ يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۲۶﴾

برس سر مارتے پھریں گے ملک میں سو تو افسوس نہ کر نافرمان لوگوں پر ف۶

برس سر مارتے پھریں گے ملک میں۔ سو تو افسوس نہ کر بے حکم لوگوں پر۔

ف۱ دو شخص حضرت یوشع بن نون اور کالب بن یوحنا تھے جو خدا سے ڈرتے تھے اسی لئے عمالقہ وغیرہ کا کچھ ڈر ان کو نہ رہا۔

ہر کہ ترسید از حق و تقوی گزید ترسد ازوے جن و انس و ہر کہ دید

ف۲ یعنی ہمت کر کے شہر کے پھاٹک تک تو چلو پھر خدا تم کو غالب کرے گا خدا اسی کی مدد کرتا ہے جو خود بھی اپنی مدد کرے۔

ف۳ معلوم ہوا کہ اسباب مشروعہ کو ترک کرنا توکل نہیں۔ "توکل" یہ ہے کہ کسی نیک مقصد کے لئے انتہائی کوشش اور جہاد کرے پھر اس کے مثمر و منتج ہونے کے لئے خدا پر بھروسہ رکھے اپنی کوشش پر نازاں اور مغرور نہ ہو۔ باقی اسباب مشروعہ کو چھوڑ کر خالی امیدیں باندھتے رہنا توکل نہیں تعطل ہے۔

ف۴ یہ اس قوم کا مقولہ ہے جو نحن ابناء اللہ و احباءہ کا دعویٰ رکھتی تھی مگر یہ گستاخانہ کلمات ان کے متمرد و طغیان سے کچھ بھی مستبعد نہیں۔

ف۵ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سخت دلگیر ہو کر یہ دعا فرمائی۔ چونکہ تمام قوم کی عدول حکمی اور بزدلانہ عصیان کو مشاہدہ فرما رہے تھے۔ اس لئے دعا میں بھی اپنے اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے سوا کہ وہ بھی نبی معصوم تھے اور کسی کا ذکر نہیں کیا۔ یوشع اور کالب بھی دونوں کے ساتھ تبعاً آ گئے۔

ف۶ یعنی جدائی کی دعا حسی اور ظاہری طور پر تو قبول نہ ہوئی۔ ہاں معناً جدائی ہو گئی کہ وہ سب تو عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر حیران و سرگرداں پھرتے تھے اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام پیغمبرانہ اطمینان اور پورے قلبی سکون کے ساتھ اپنے منصب ارشاد و اصلاح پر قائم رہے جیسے کسی بستی میں عام وبا پھیل پڑے اور ہزاروں بیماروں کے مجمع میں دو چار تندرست اور قوی القلب ہوں جو ان کے معالجہ، چارہ سازی اور تفقد احوال میں مشغول رہیں۔ اگر "فافرق بیننا" کا ترجمہ جدائی کر دے کی جگہ "فیصلہ کر دے" ہوتا تو یہ مطلب زیادہ واضح ہو جاتا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سب قصہ اہل کتاب کو سنایا اس پر کہ تم پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نہ کرو گے جیسے تمہارے اجداد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رفاقت چھوڑ دی تھی اور جہاد سے جان چرا بیٹھے تھے تو یہ نعمت =

قصہ بدعہدی و بزدلی بنی اسرائیل در بارہ جہاد

قال تعالیٰ: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا ... الى ... فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل کی عہد شکنیوں کا بیان تھا اب ان ایات میں ان کی ایک عہد شکنی اور بزدلی اور اس کے انجام کا بیان ہے کہ اللہ کا کلیم تمہارے درمیان موجود تھا اس نے تم کو جہاد کی دعوت دی اور فتح کی بشارت بھی سنادی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ زمین تمہارے لیے لکھ دی ہے یعنی رجسٹری کر دی ہے مگر تم جہاد سے جان چرا گئے اور کلیم اللہ سے مجادلہ کرنے لگے حالت تو تمہاری یہ ہے کہ اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم ابناء اللہ اور احباء اللہ ہیں اس قصہ میں ان کے دعوائے ﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾ کی تکذیب اور تردید ہے اور ﴿فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ﴾ کی تصدیق اور تائید ہے اور اشارہ اس طرف ہے کہ محض انتساب بلا اطاعت خداوندی موجب مقبولیت و محبوبیت نہیں حضرت شاہ عبدالقادر قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنا وطن چھوڑ کر نکلے اللہ کی راہ میں اور ملک شام میں آ کر ٹھہرے مدت تک ان کے اولاد نہ ہوئی تب اللہ تعالیٰ نے ان کو بشارت دی کہ تیری اولاد کو بہت پھیلاؤں گا اور زمین شام ان کو دوں گا اور نور نبوت اور دین اور کتاب اور سلطنت ان میں رکھوں گا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں وہ وعدہ پورا کیا بنی اسرائیل کو فرعون کی بیگار سے خلاص کیا اور اس کو غرق کیا اور ان سے فرمایا کہ تم عمالقہ سے جہاد کر کے ان سے ملک شام چھین لو پھر ہمیشہ وہ ملک شام تمہارا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارہ شخص بارہ قبائل بنی اسرائیل پر سردار مقرر کیے تھے ان کو بھیجا کہ اس ملک کی خبر لاویں وہ خبر لائے تو ملک شام کی بہت خوبیاں بیان کیں اور وہاں جو عمالقہ مسلط تھے ان کی قوت اور طاقت بھی بیان کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا تھا کہ تم قوم کے سامنے ملک کی خوبی تو بیان کرنا مگر دشمن کی قوت کا ذکر نہ کرنا ان بارہ میں سے دو شخص تو اس حکم پر قائم رہے اور دس نے خلاف کیا قوم نے عمالقہ کی قوت اور طاقت کو سنا تو نامردی کرنے لگے اور چاہا کہ پھر الٹے مصر واپس چلے جائیں اس تقصیر کی وجہ سے چالیس سال

=اوروں کو نصیب ہوگی چنانچہ نصیب ہوئی۔ ایک لمحہ کے لئے اس سارے رکوع کو سامنے رکھ کر امت محمدیہ کے احوال پر غور کیجئے ان پر خدا کے وہ انعامات ہوئے جو نہ پہلے کسی امت پر ہوئے نہ آئندہ ہونگے۔ ان کے لئے خاتم الانبیاء سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو ابدی شریعت دیکر بھیجا۔ ان میں وہ علماء اور ائمہ پیدا کئے جو باوجود غیر نبی ہونے کے انبیاء کے وظائف کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ ایسے ایسے خلفاء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کے قائد بنے جنہوں نے سارے جہان کو اخلاق اور اصول سیاست وغیرہ کی ہدایت کی۔ اس امت کو بھی جہاد کا حکم ہوا۔ عمالقہ کے مقابلہ میں نہیں روئے زمین کے تمام جبارین کے مقابلہ میں۔ محض سرزمین "شام" فتح کرنے کے لئے نہیں بلکہ شرق و غرب میں کلمۃ اللہ بلند کرنے اور فتنہ کی جڑ کاٹنے کے لئے۔ بنی اسرائیل سے خدا نے ارض مقدسہ کا وعدہ کیا تھا لیکن اس امت سے یہ فرمایا ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا﴾ اگر بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام نے جہاد میں پیٹھ پھیرنے سے منع کیا تھا تو اس امت کو بھی خدا نے اس طرح خطاب کیا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ﴾ انجام یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفقاء تو عمالقہ سے ڈر کر یہاں تک کہہ گزرے کہ ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾ تم اور تمہارا پروردگار جا کر لڑ لو ہم یہاں بیٹھے ہیں لیکن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا کہ خدا کی قسم اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمندر کی موجوں میں گھس جانے کا حکم دیں گے تو ہم اسی میں کود پڑیں گے اور ایک شخص بھی ہم میں سے علیحدہ نہیں رہے گا۔ امید ہے کہ خدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف سے وہ چیز دکھلائے گا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ ہم اپنے پیغمبر کے ساتھ ہو کر اس کے دائیں اور بائیں آگے اور پیچھے ہر طرف جہاد کریں گے۔ خدا کے فضل سے ہم وہ نہیں ہیں جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾ اسی کا نتیجہ ہے کہ جتنی مدت بنی اسرائیل فتوحات سے محروم ہو کر "وادی تیہ" میں بھٹکتے رہے اس سے کم مدت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے مشرق و مغرب میں ہدایت و ارشاد کا جھنڈا اگاڑ دیا۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ذٰلك لمن خشی ربہ۔

فتح وشام میں دیر لگی کہ اتنی مدت جنگلوں میں بھٹکتے اور حیران پھرتے رہے جب اس قرن کے لوگ مر چکے مگر وہ دو شخص کہ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفہ ہوئے اور ملک شام ان کے ہاتھ پر فتح ہوا اہل کتاب کو یہ قصہ سنایا گیا کہ اگر تم پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی رفاقت نہ کرو گے تو یہ نعمت اوروں کے نصیب ہوگی اور آگے چل کر اسی پر قصہ سنایا ہابیل وقابیل کا کہ حسد مت کرو حسد والا مردود ہے۔ (کذافی موضح القرآن بایضاح یسیر)

چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے کہا کہ اے میری قوم یاد کرو تم اللہ کے انعام اور احسان کو جو تم پر ہوا ہے جب کہ پیدا کیے تم میں اللہ نے بادشاہ یعنی تم کو بادشاہت دی اور حشم وخدم والا کر دیا نبوت سے بڑھ کر کوئی دینی نعمت نہیں اور بادشاہت سے بڑھ کر کوئی دنیوی نعمت نہیں موسیٰ علیہ السلام سے بیشتر بنی اسرائیل فرعون کی غلامی میں تھے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون کی غلامی سے نجات ملی اور خدا نے ان کے تمام ملک اور املاک کا تم کو مالک بنا دیا اور علاوہ ازیں تم کو وہ کچھ دیا کہ جو جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیا یعنی تمہارے لیے سمندر کو پھاڑا اور تمہارے سامنے دشمنوں کو غرق کیا اور تم پر من وسلویٰ اتارا اور تم پر بادل کا سایہ کیا اور تمہارے لیے پانی جاری کیا یہ خدا تعالیٰ کے تم پر ایسے احسان ہیں جو خدا نے تمہارے سوا کسی پر نہیں کیے۔ لہٰذا اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ تم اس کی نعمتوں کا شکر کرو یعنی اس کی اطاعت سے ذرہ برابر انحراف نہ کرنا تا کہ تم پر اور مزید نعمتیں مبذول ہوں اے قوم اس پاک زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے یعنی ملک شام میں جا کر جہاد کرو جہاں کی زمین پاک اور مبارک ہے۔ شام کی زمین کو پاک اور مبارک اس لیے کہا کہ سرزمین شام صدیوں سے انبیاء ومرسلین کا مولد اور مسکن رہی ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کچھ عرصہ پہلے عمالقہ اس پر مسلط ہو گئے تھے خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس قوم سے جہاد کا حکم دیا اور فتح کی بشارت دیدی اور فتح وظفر کا وعدہ فرمایا اور بزدلی سے منع فرمایا اور یہ حکم دیا کہ اپنی پشت کی سمت پر نہ لوٹنا ورنہ پھر تم خسارہ میں جا پڑو گے یعنی جہاد میں منہ نہ موڑنا اور نہ دشمن کے مقابلہ میں ہٹنا اگر ایسا کرو گے تو علاوہ اس کے کہ تم خدا کے نافرمان اور کافر نعمت ٹھہراؤ گے الٹے خسارہ میں پڑ جاؤ گے اس لیے کہ جو ملک خدا نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے وہ فی الحال تمہارے ہاتھ نہ آئے گا انہوں نے کہا اے موسیٰ وہاں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں یعنی ہم میں ان سے لڑنے کی طاقت نہیں جبار کھجور کے لمبے درخت کو کہتے ہیں چونکہ عمالقہ بڑے طویل القامت تھے اور قوم عاد سے تھے اس لیے ان کو قوم جبارین کہا اور ہم تو ہرگز اس سرزمین میں داخل نہ ہوں گے یہاں تک وہ خود اس سے باہر نکل جائیں یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے وہ زمین ہمارے لیے لکھ دی ہے تو ان کے دل میں ایسا رعب ڈال دے کہ وہ بلا مقابلہ خود ہی اس زمین سے نکل جائیں پھر وہ اگر وہاں سے نکل جائیں تو بے شک ہم داخل ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان بارہ شخصوں میں سے ان دو شخصوں نے جو خدا ترس بندوں میں سے تھے اور جن پر اللہ تعالیٰ نے خاص انعام کیا تھا بنی اسرائیل کو نصیحت کی اور یہ کہا کہ ہمت نہ ہارو ہمت کر کے اس شہر کے دروازہ تک تو پہنچ جاؤ پھر جب تم ان پر گھس جاؤ گے تو بلاشبہ تم ہی غالب رہو گے اور خدا پر بھروسہ کرو اگر تم کچھ یقین رکھتے ہو جب اللہ نے تم سے فتح ونصرت کا وعدہ فرما لیا ہے تو تم کو اس کے وعدہ پر یقین رکھنا چاہیے یہ دو شخص یوشع اور کالب تھے اور ان بارہ سرداروں میں سے یہی دو شخص اپنے عہد پر قائم رہے تھے باقی سب نے عہد شکنی کی ان دونوں نے بنی اسرائیل کو نصیحت کی بنی اسرائیل

نے ان کو تو کوئی جواب نہ دیا لیکن موسیٰ علیہ السلام کی طرف مخاطب ہو کر یہ بولے اے موسیٰ ہم تو ساری عمر بھی اس سرزمین میں ہرگز نہ قدم رکھیں گے جب تک وہ جبارین وہاں موجود رہیں گے سو، تو اور تیرا پروردگار مل کر وہاں چلے جاؤ اور تم دونوں ان سے لڑو تحقیق ہم تو یہیں بیٹھے ہیں یہ ان بزدل متکبرین کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ استہزاء اور تمسخر تھا ان بزدلوں کا مطلب یہ تھا کہ اگر خدا کو ہماری مدد کرنی ہے تو ویسے ہی کر دے ہمیں پریشانی اور جہاد کی مشقت میں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے موسیٰ علیہ السلام نے ان کے اس بے ہودہ جواب سے دلگیر ہو کر یہ دعا مانگی اے میرے پروردگار میرا سوائے اپنی جان کے اور اپنے بھائی کے کسی پر زور اور اختیار نہیں کہ ان کو تیری فرمانبرداری پر مجبور کر سکوں اس لیے فرمایا کہ حضرت یوشع اور کالب سے اگرچہ کوئی نافرمانی ظہور میں نہیں آئی لیکن وہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی طرح معصوم نہ تھے جن کے متعلق قطعی اور یقینی طور پر وثوق اور اعتماد کا اظہار فرماتے غیر معصوم سے گناہ کا صدور ممکن ہے مگر چونکہ حضرت یوشع اور کالب متقی اور پرہیزگار تھے۔ اس لیے تبعاً وہ اس میں شامل ہو گئے پس ہمارے اور بدکار لوگوں کے درمیان جدائی ڈال دے جدائی کے دو معنی ہیں ایک حسی اور ظاہری طور پر الگ ہو جانا اور دوسرے یہ کہ معنی ایک دوسرے سے جدا ہو جانا سو ظاہری اور حسی طور پر تو حضرت موسیٰ اور ہارون بنی اسرائیل علیہما السلام سے جدا نہ ہوئے لیکن معنیً جدائی ہو گئی کہ وہ سب عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے اور چالیس سال تک اسی وادی میں ٹکریں مارتے رہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اُسی پیغمبرانہ شان سے نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ ان کے ساتھ رہتے رہے جیسے ملائکہ العذاب دوزخیوں کے ساتھ رہتے ہیں مگر ملائکہ العذاب کو عذاب سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا ظاہراً ان کے ساتھ ہیں مگر معنی ان سے جدا ہیں وادی تیہ لوگوں کے لیے عذاب تھی مگر موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا ان کے ساتھ ہونا یہ ان پر اللہ کی رحمت تھی۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کی اور کہا پس تحقیق وہ زمین چالیس برس تک ان پر حرام کی گئی چالیس سال تک اس زمین میں داخل نہ ہوں گے اور نہ اس کے مالک ہوں گے چالیس سال تک وہ اس زمین میں بھٹکتے رہیں گے یعنی ہر روز چلتے رہیں گے مگر اس جنگل سے باہر نہ ہونے پائیں گے پس اے موسیٰ تم ان بدکاروں کے حال پر کچھ افسوس اور غم نہ کرنا یہ اسی کے مستحق ہیں غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور یہ لوگ چالیس سال تک ٹکریں مارتے رہے اور نکلنا نصیب نہ ہوا حتیٰ کہ اسی جنگل میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے وفات پائی اور ان کے بعد یوشع نبی ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس ملک پر قبضہ دیا چالیس برس گزرنے کے بعد یوشع علیہ السلام نبی بنائے گئے اور اُن کو جبارین سے لڑنے کا حکم ہوا پس جو لوگ بچے تھے ان کو لے کر چلے اور جبارین سے لڑے اور یہ جمعہ کا دن تھا اور سورج ان کے واسطے ایک ساعت کے لیے ٹھہرا دیا گیا یہاں تک کہ وہ لڑائی سے فارغ ہوئے اور بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ (رواہ احمد) سورج مامور بامر الٰہی ہے اور مسخر اور مقہور بحکم خداوندی ہے اس کے حکم سے تھوڑی دیر کے لیے اس کے ایک نبی کے لیے ٹھہر گیا جس طرح ابر و ہوا کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ کے حکم سے ہے اسی طرح سورج کا چلنا اور ٹھہر جانا بھی اللہ کے حکم سے ہے سب اس کے حکم کے سامنے مقہور اور مجبور ہیں۔

نکتہ:......صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بنی اسرائیل کی طرح جہاد میں بزدلی نہیں دکھلائی بلکہ جان و مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کیا اور دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے ہر طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا جس کا ثمرہ یہ ملا کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ علیہم

الرضوان سے روئے زمین کی خلافت اور حکومت کا وعدہ کیا۔ کما قال تعالی: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾ اور چند ہی روز میں مصر وشام اور عراق سب فتح ہو گئے اور قیصر وکسریٰ کا خاتمہ ہو گیا اور مشرق ومغرب کا خراج مدینہ منورہ کے خزانہ میں خلافت عثمانی کے زمانہ میں پہنچ گیا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ

اور سنا ان کو حال واقعی آدم کے دو بیٹوں کا ف۱ جب نیاز کی دونوں نے کچھ نیاز اور مقبول ہوئی ایک کی اور نہ مقبول ہوئی

اور سنا ان کو احوال تحقیق آدم کے دو بیٹوں کا۔ جب نیاز کی دونوں نے کچھ نیاز، پھر قبول ہوئی

مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ

دوسرے کی ف۲ کہا میں تجھ کو مار ڈالوں گا ف۳ وہ بولا اللہ قبول کرتا ہے تو پرہیزگاروں سے ف۴ اگر تو ہاتھ چلاوے گا

ایک سے اور نہ قبول ہوئی دوسرے سے، کہا میں تجھ کو مار ڈالوں گا۔ وہ بولا کہ اللہ قبول کرتا ہے سو ادب والوں سے۔ اگر تو ہاتھ چلاوے گا

يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾

مجھ پر مارنے میں نہ ہاتھ چلاؤں گا تجھ پر مارنے کو ف۵ میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو پروردگار ہے سب جہان کا ف۶

مجھ کو مارنے کو میں نہ ہاتھ چلاؤں گا تجھ پر مارنے کو۔ میں ڈرتا ہوں اللہ سے، جو صاحب ہے سب جہان کا۔

ف۱ یعنی آدم کے دو صلبی بیٹوں قابیل وہابیل کا قصہ ان کو سناؤ۔ کیونکہ اس قصہ میں ایک بھائی کے دوسرے بھائی کی مقبولیت اور تقویٰ پر حسد کرنے اور اسی غیظ میں اس کو ناحق قتل کر ڈالنے کا ذکر ہے اور ناحق خون کرنے کی عواقب بیان کئے ہیں۔ پچھلے رکوع میں یہ بتلایا تھا کہ بنی اسرائیل کو جب یہ حکم دیا گیا کہ ظالموں اور جابروں سے قتال کرو تو خوف زدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ اب ہابیل وقابیل کا قصہ سنانا اس کی تمہید ہے کہ متقی اور مقبول بندوں کا قتل جو شدید ترین جرائم میں سے ہے اور جس سے ان لوگوں کو بے انتہا تہدید وتشدید کے ساتھ منع کیا گیا تھا اس کے لئے یہ ملعون ہمیشہ کیسے مستعد اور تیار نظر آتے ہیں۔ پہلے بھی کتنے نبیوں کو قتل کیا اور آج بھی خدا کے سب سے بڑے پیغمبر کے خلاف از راہ بغض وحسد کیسے کیسے منصوبے گانٹھتے رہتے ہیں۔ گویا ظالموں اور شریروں کے مقابلہ سے جان چرانا اور بے گناہ معصوم بندوں کے خلاف قتل دآسری کی سازشیں کرنا یہ اس قوم کا شیوہ رہا ہے اور اس پر "نحن ابناء اللّٰہ واحبا" کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں اس تقریر کے موافق قابیل وہابیل کا قصہ پھر اس پر ﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَاۗءِيْلَ﴾ الآیۃ کی تفریع، یہ سب تمہید ہو گی اس مضمون کی جو اس قصہ اور تفریع کے ختم پر فرمایا ﴿وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ﴾۔

ف۲ یعنی آدم علیہ السلام دستور کے موافق جولڑکی ہابیل کے نکاح میں دینا چاہتے تھے قابیل اسکا طلب گار ہوا۔ آخر حضرت آدم علیہ السلام کے اشارہ سے دونوں نے خدا کے لئے کچھ نیاز کی کہ جس کی نیاز مقبول ہو جائے لڑکی اسی کو دے دی جائے۔ آدم علیہ السلام کو غالباً یہ یقین تھا کہ ہابیل ہی کی نیاز مقبول ہو گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آتش آسمانی ظاہر ہوئی اور ہابیل کی نیاز کو کھا گئی۔ یہ ہی علامت اس وقت قبول عند اللہ کی تھی۔

ف۳ قابیل یہ دیکھ کر آتش حسد میں جلنے لگا اور بجائے اس کے کہ مقبولیت کے وسائل اختیار کرتا غیظ وغضب میں اپنے حقیقی بھائی کو قتل کی دھمکیاں دینے لگا۔

ف۴ یعنی ہابیل نے کہا کہ میرا اس میں کیا قصور ہے خدا کے یہاں کسی کی زبردستی نہیں چلتی تقویٰ چلتا ہے۔ گویا میری نیاز جو قبول کر لی گئی اس کا سبب تقویٰ ہے تو بھی اگر تقویٰ اختیار کر لے تو خدا کو تجھ سے کوئی ضد نہیں۔

ف۵ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ناحق کسی کو مارنے لگے اس کو رخصت ہے کہ ظالم کو مارے اور اگر صبر کرے تو شہادت کا درجہ ہے اور یہ حکم اپنے مسلمان بھائی کے مقابلہ میں ہے ورنہ جہاں انتقام ومدافعت میں شرعی مصلحت وضرورت ہو وہاں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا جائز نہیں۔ مثلاً کافروں یا باغیوں =

إِنِّيٓ أُرِيدُ أَن تَبُوٓأَ بِإِثۡمِي وَإِثۡمِكَ فَتَكُونَ مِنۡ أَصۡحَٰبِ ٱلنَّارِۚ وَذَٰلِكَ جَزَٰٓؤُاْ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٢٩﴾

میں چاہتا ہوں کہ تو حاصل کرے میرا گناہ اور اپنا گناہ ف۱ پھر ہوجاوے تو دوزخ والوں میں اور یہی ہے سزا ظالموں کی ف۲

میں چاہتا ہوں کہ تو حاصل کرے میرا گناہ، اور اپنا گناہ، پھر ہو دوزخ والوں میں۔ اور یہی ہے سزا بےانصافوں کی۔

فَطَوَّعَتۡ لَهُۥ نَفۡسُهُۥ قَتۡلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُۥ فَأَصۡبَحَ مِنَ ٱلۡخَٰسِرِينَ ﴿٣٠﴾ فَبَعَثَ ٱللَّهُ غُرَابٗا

پھر اس کو راضی کیا اس کے نفس نے خون پر اپنے بھائی کے ف۳ پھر اس کو مار ڈالا سو ہوگیا نقصان اٹھانے والوں میں ف۴ پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا

پھر اس کو راضی کیا اس کے نفس نے خون پر اپنے بھائی کے، پھر اس کو مار ڈالا تو ہوگیا زیان والوں میں۔ پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا

يَبۡحَثُ فِي ٱلۡأَرۡضِ لِيُرِيَهُۥ كَيۡفَ يُوَٰرِي سَوۡءَةَ أَخِيهِۚ قَالَ يَٰوَيۡلَتَىٰٓ أَعَجَزۡتُ أَنۡ أَكُونَ

جو کریدتا تھا زمین کو تاکہ اس کو دکھلاوے کس طرح چھپاتا ہے لاش اپنے بھائی کی بولا اے افسوس مجھ سے اتنا نہ ہوسکا

کریدتا زمین کو کہ اس کو دکھائے کس طرح چھپاتا ہے عیب اپنے بھائی کا۔ بولا، اے خرابی ! کہ مجھ سے اتنا نہ ہوسکا

مِثۡلَ هَٰذَا ٱلۡغُرَابِ فَأُوَٰرِيَ سَوۡءَةَ أَخِيۖ فَأَصۡبَحَ مِنَ ٱلنَّٰدِمِينَ ﴿٣١﴾

کہ ہوں برابر اس کوے کی کہ میں چھپاؤں لاش اپنے بھائی کی ف۵ پھر لگا پچھتانے ف۶

کہ ہوں برابر اس کوے کے، کہ میں چھپاؤں عیب اپنے بھائی کا، پھر لگا پچھتانے۔

= سے قتال کرنا۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ﴾

ف۶ یعنی میں تجھ سے ڈر کر نہیں بلکہ خدا سے ڈر کر یہ چاہتا ہوں کہ جہاں تک شرعاً گنجائش ہے بھائی کے خون میں اپنے ہاتھ رنگین نہ کروں ایوب سختیانی فرماتے تھے کہ امت محمدیہ میں سے پہلا شخص جس نے اس آیت پر عمل کر کے دکھلایا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہے (ابن کثیر) جنہوں نے اپنا گلا کٹوا دیا لیکن اپنی رضا سے کسی مسلمان کی انگلی نہ کٹنے دی۔

ف۱ یعنی میرے قتل کا گناہ بھی اپنے دوسرے گناہوں کے ساتھ حاصل کرے۔ ابن جریر نے مفسرین کا اجماع نقل کیا ہے کہ "باثمی" کے معنی یہی ہیں۔ باقی جنہوں نے یہ لکھا ہے کہ قیامت میں مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈالے جائیں گے وہ مضمون بھی ایک حیثیت سے صحیح ہے مگر محققین کے نزدیک وہ اس آیت کی تفسیر نہیں۔ اب ہابیل کے کلام کا حاصل یہ ہوا کہ اگر تو نے یہی ٹھان لی ہے کہ میرے قتل کا وبال اپنے سر رکھے تو میں نے بھی ارادہ کرلیا ہے کہ کوئی مدافعت اپنی جانب سے نہ کروں حتی کہ ترک عزیمت کا حرف بھی مجھ پر نہ آنے پائے۔

ف۲ یعنی تیرے عمر بھر کے گناہ تجھ پر ثابت رہیں اور میرے خون کا گناہ چڑھے اور مظلومیت کی وجہ سے میرے گناہ اتریں (موضح القرآن)۔

ف۳ شاید ابتداء میں کچھ جھجک ہوگی شدہ شدہ نفس امارہ نے خیال پختہ کر دیا اور یہی کیفیت عموماً معاصی کی ابتداء میں ہوتی ہے۔

ف۴ دنیاوی خسران تو یہ کہ ایسا نیک بھائی جو قوت بازو بنتا ہاتھ سے کھویا اور خود پاگل ہو کر مرا۔ حدیث میں ہے کہ "ظلم" اور "قطع رحم" دو گناہ ایسے ہیں جن کی سزا آخرت سے پہلے یہاں بھی ملتی ہے اور اخروی خسران یہ کہ ظلم، قطع رحم، قتل عمد اور بدامنی کا دروازہ دنیا میں کھول دینے سے ان سب گناہوں کی سزا کا مستوجب ہوا اور آئندہ بھی جتنے اس نوعیت کے گناہ دنیا میں کئے جائیں گے سب میں بانی ہونے کی وجہ سے اس کی شرکت رہی جیسا کہ حدیث میں مصرح ہے۔

ف۵ چونکہ اس سے پہلے کوئی انسان مرا نہ تھا اس لئے قتل کے بعد اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ لاش کو کیا کرے۔ آخر ایک کوے کو دیکھا کہ زمین کرید رہا ہے یا دوسرے مردہ کوے کو مٹی ہٹا کر زمین میں چھپا رہا ہے اسے دیکھ کر کچھ عقل آئی کہ میں بھی اپنے بھائی کی لاش کو دفن کر دوں اور افسوس بھی ہوا کہ میں عقل وفہم اور بھائی کی ہمدردی میں اس جانور سے بھی گیا گزرا ہوا شاید اسی لئے حق تعالیٰ نے ایک ادنیٰ جانور کے ذریعہ سے اسے تنبیہ فرمائی کہ وہ اپنی وحشت اور حماقت پر کچھ شرمائے جانوروں میں کوے کی یہ خصوصیت ہے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کھلا چھوڑ دینے پر بہت شور مچاتا ہے۔

ف۶ پچھتانا وہ نافع ہے جس کے ساتھ گناہ سے معذرت وانکسار اور فکر وتدارک بھی ہو۔ اس موقع پر اس کا پچھتانا حق تعالیٰ کے عصیان پر نہیں بلکہ اپنی بدحالی پر =

قصہ ہابیل وقابیل

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ... الی ... فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں اہل کتاب کے اس فخر اور دعوے ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ کا رد فرمایا اب آگے ہابیل وقابیل کا قصہ ذکر فرماتے ہیں کہ دونوں آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے تھے مگر جس نے اطاعت کی وہ مقبول ہوا اور جس نے نافرمانی کی وہ مردود ہوا اور آدم کا بیٹا ہونا کچھ کام نہ آیا معلوم ہوا کہ اہل کتاب کا یہ گھمنڈ کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں بالکل غلط ہے۔

(ع) بندگی باید پیمبر زادگی درکار نیست

نیز اس قصہ سے بنی اسرائیل کو نصیحت کرنا مقصود ہے کہ حسد کا انجام کیسا برا ہوتا ہے لہٰذا تم کو چاہیے کہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم فداہ نفسی وابی وامی کے فضل وکمال پر حسد نہ کرو بلکہ اس پر نظر کرو کہ آنحضرت ﷺ بالکل امی ہیں کسی تاریخ کی کتاب کو پڑھ بھی نہیں سکتے مگر تمہارے سامنے توریت اور انجیل کے مخفی علوم اور بنی اسرائیل کے گزشتہ واقعات کو اس طرح بیان کر رہے ہیں کہ تمہارے علماء اور فضلاء کو مجال انکار کی نہیں آخر یہ تو سوچو کہ یہ باتیں آپ کو سوائے خدا کے کس نے بتائیں۔

خلاصہ قصہ کا یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے حضرت حواء کے بطن سے ہر حمل میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے اور حکم یہ تھا کہ ایک حمل کے لڑکے کو دوسرے حمل کی لڑکی سے بیاہ دیں جڑواں بہن سے بھائی کا نکاح حلال نہ تھا اور سب سے پہلے حمل میں قابیل اور اس کی بہن اقلیما پیدا ہوئے اور دوسرے حمل سے ہابیل اور اس کی بہن البوداء پیدا ہوئے اور قابیل کی بہن اقلیما بہت خوبصورت تھی اسی دستور کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام نے ہابیل کی بہن کا قابیل کے ساتھ اور قابیل کی بہن کا ہابیل کے ساتھ نکاح کرنا چاہا مگر قابیل راضی نہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں اپنی بہن سے خود نکاح کروں گا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا وہ تیرے لیے حلال نہیں مگر اس کی سمجھ میں نہ آیا حضرت آدم علیہ السلام نے حجت قطع کرنے کے لیے یہ فیصلہ فرمایا کہ تم دونوں اللہ کے نام کی نیاز اور قربانی کرو جس کی نیاز خدا تعالیٰ قبول فرمائے گا اسی کے ساتھ اقلیماء کی شادی کر دوں گا سو دونوں نے قربانی کی ہابیل نے جو مویشی اور بکریوں والا تھا ایک عمدہ اور فربہ دنبہ قربانی کیا اور پہاڑ پر لے جا کر رکھ دیا اور قابیل جو کھیتی والا تھا تھوڑا سا غلہ لا کر رکھ دیا اس زمانہ میں قبول اور عدم قبول کی نشانی یہ تھی کہ جو نیاز قبول ہوتی اس کو آسمان سے ایک آگ آ کر جلا جاتی اور جو نہ مقبول ہوتی اس کے لیے آسمان سے آگ نہ آتی جب ہابیل اور قابیل نے اپنی اپنی نیاز قربان گاہ پر لا کر رکھ دی تو آسمان سے ایک آگ آئی تو ہابیل کی نیاز کو جلا گئی اور قابیل کی نیاز کو ویسے ہی چھوڑ گئی غرض یہ کہ ہابیل کی نیاز قبول ہوئی اور قابیل کی نیاز قبول نہ ہوئی تو قابیل کے دل میں حسد پیدا ہوا اور اپنے بھائی کے قتل کا ارادہ کر لیا یہاں تک کہ اس کو قتل کر ڈالا لیکن یہ سمجھ میں نہ آیا کہ اس کی لاش کو کس طرح چھپاؤں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اس کی خبر نہ ہو آخر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا کہ اس نے ایک مردے کوے کے لیے زمین کریدی اور اس مردہ کوے کو اس میں دفن کر دیا قابیل یہ دیکھ کر حیران اور پشیمان ہوا کہ افسوس مجھ میں کوے کے برابر بھی عقل نہیں کہ زمین کھود کر اس کو گاڑ دیتا چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبی

=تھا جو قتل کے بعد اسے لاحق ہوئی۔

کریم ﷺ) آپ ﷺ ان کے سامنے آدم کے دو بیٹوں کا صحیح صحیح واقعہ پڑھ کر سنا دیجئے جبکہ ان دونوں نے اللہ کے لیے کچھ نیاز کی پس ایک (یعنی ہابیل) کی طرف سے تو نیاز قبول ہوگئی اور دوسرے یعنی قابیل کی طرف سے قبول نہ ہوئی تو قابیل کو غصہ آیا اور یہ کہا کہ خدا کی قسم میں تجھے ضرور مار ڈالوں گا ہابیل نے کہا اس میں میرا قصور کیا ہے جز ایں نیست اللہ تعالیٰ ادب والوں ہی کی نیاز قبول کرتا ہے تو نے تقویٰ اور ادب کو چھوڑ دیا اس لیے تیری نیاز قبول نہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے اگر تو نے میرے قتل کے ارادہ سے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں وہ نہیں ہوں کہ اپنے دفعیہ ہی کے لیے تیرے قتل کی طرف اپنے ہاتھ کو بڑھاؤں گا اگرچہ اپنی جان بچانے کے لیے دفعیہ جائز ہے لیکن بھائی کے مقابلہ میں صبر کرنا ہی افضل اور اکمل ہے کافر سے اگر مقابلہ ہو تو ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانا ہرگز جائز نہیں اور اگر مسلمان بھائی سے مقابلہ ہو تو مدافعت درجہ رخصت میں ہے اور صبر کرنا عزیمت اور موجب صد فضیلت ہے بے شک میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں یہ ہاتھ نہ پھیلانے کی علت بیان کی مطلب یہ ہے کہ قتل بہت بری چیز ہے اور خدا کو سخت ناپسند ہے اگر میں نے اپنے حملہ دفع کرنے کے لیے اپنے آپ کو معذور سمجھ کر تجھ کو قتل کر دیا تو پھر بھی مجھ کو خدا سے ڈر ہے کہ کہیں مجھ سے مواخذہ نہ کریں کہ تم نے قتل میں عجلت سے کام لیا اور محض دھمکی پر کیوں قتل کر ڈالا قابیل نے تو ابھی صرف دھمکی ہی تھی قتل کا ارتکاب تو نہیں کیا تھا اور عجب نہیں کہ ہابیل کو یہ بھی ڈر ہو کہ ابھی تک روئے زمین پر کوئی قتل واقع نہیں ہوا لہٰذا اس کی کوشش یہ تھی کہ باہمی قتل کی سنت میرے ہاتھ سے جاری نہ ہو اور اس وجہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو باغیوں کے مقابلہ اور مقاتلہ کی اجازت نہیں دیتے تھے حالانکہ وہ قطعاً مظلوم اور بے گناہ تھے لیکن ان کی تمنا یہ تھی کہ مسلمانوں میں باہمی کشت خون کی سنت کا آغاز میرے ہاتھ سے نہ ہو اور اس خوف سے اور ڈر کی وجہ سے عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو فتنہ پردازوں کے مقابلہ کی اجازت نہ دی اور صبر اور شہادت کو ترجیح دی چنانچہ ایوب سختیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امت محمدیہ میں سب سے پہلا شخص جس نے اس آیت پر عمل کر کے دکھلایا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں رواہ ابن ابی حاتم (تفسیر ابن کثیر)

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش آنے والے فتنہ کی خبر دے دی تھی اور یہ وصیت فرمادی تھی کہ تو اس وقت آدم علیہ السلام کے بیٹے کے مانند ہو جانا اور آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی ﴿لَئِنۢ بَسَطتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَآ أَنَا۠ بِبَاسِطٍ﴾ اور حضور پرنور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت بھی کی تھی کہ اللہ تجھ کو ایک خلعت (خلافت) پہنائے گا تو لوگوں کے کہنے سے مت اتارنا اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فتنہ اور نرغہ کے وقت خلافت سے دست بردار نہ ہوئے اور باغیوں سے قتال بھی نہ کیا اور صبر کے ساتھ اللہ کا کلام پڑھتے ہوئے جان دے دی اور صبر و تحمل میں ہابیل کا نمونہ بنے۔

غرض یہ کہ ہابیل نے مدافعت سے بھی انکار کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ میں تجھ سے ڈر کر نہیں بلکہ خدا سے ڈر کر یہ چاہتا ہوں کہ بھائی کے خون میں اپنے ہاتھ نہ رنگوں اور یہ کہا کہ تحقیق میں یہ چاہتا ہوں کہ تو میرا بھی گناہ اور اپنا بھی گناہ اٹھائے پھر دوزخیوں میں سے ہو جائے گا مطلب [1] یہ کہ اگر تو میرے قتل سے باز نہ آیا تو قیامت کے دن تیری گردن پر تیرے گناہ کا بھی

[1] قال الامام البغوی وروی ابن ابی نجیح عن مجاهد قال معناه انی ارید ان یکون علیك خطیئتی التی عملتها اذا قتلتنی واثمك فتبوء بخطیئتی ودمر جمیعا انتهی یعنی اذ قتلتنی ترجع حاملا خطایای لظلمك علی وقال القرطبی ای یؤخذ من=

بوجھ ہوگا اور میرے گناہوں کا بوجھ بھی تجھ پر ڈالا جائے گا اس لیے قیامت کے دن مقتول مظلوم کی برائیاں قاتل پر ڈال دی جائیں گی اور اسی طرح دونوں کا بوجھ تجھ ہی کو اٹھانا پڑے گا اس لیے کہ خدا کے یہاں قاتل کی سزا یہ مقرر ہے کہ اس کے ذمے اس کا گناہ بھی لکھا جائے اور اس کے مقتول کا بھی اور اس کو دوہری سزا دی جائے یہ مجاہد کا قول ہے۔

یا[1] یہ مطلب ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے دوسرے گناہوں کے ساتھ میرے قتل اور خون ناحق کا گناہ بھی تو ہی سمیٹے۔ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود اور حسن اور قتادہ رضی اللہ عنہم سے یہی تفسیر منقول ہے۔ (تفسیر کبیر: ۳/ ۴۰۳)

اور امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے جلالین میں اسی قول کو ترجیح دی ہے اور ظالموں کی یہی سزا ہے غرض یہ کہ ہابیل نے محبانہ اور برادرانہ اور مخلصانہ نصیحت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا مگر قابیل پر بھائی کی حکمت و موعظت کا کوئی اثر نہ ہوا پس قابیل کے نفس نے اس کو اپنے بھائی ہابیل کے قتل کے لیے راضی کر لیا چنانچہ اس نے اسکو قتل کر ڈالا پس نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا یعنی اس قتل سے اس کو دین اور دنیا دونوں کا خسارہ ہوا اور دنیا کا خسارہ تو یہ ہوا کہ والدین ناراض ہوئے اور وہ بغیر بھائی کے رہ گیا اور دنیا میں قیامت تک بدنام ہوا اور آخرت کا یہ خسارہ ہوا کہ اس ظلم اور تعدی اور قطع رحمی کی وجہ سے اللہ اس سے ناراض ہوا اور قطع رحمی کا بانی ہونے کی وجہ سے سزا کا مستحق ہوا اور ایک خسارہ یہ ہوا جو حدیث میں آیا ہے کہ دنیا میں کوئی نفس ظلماً نہیں قتل کیا جاتا مگر آدم علیہ السلام کے پسر اول پر اس کے خون کا ایک حصہ ہوتا ہے کیونکہ سب سے پہلے ظلماً قتل کا طریقہ اسی نے نکالا۔

چونکہ اس سے پہلے کوئی انسان مرا نہ تھا اس لیے قتل کے بعد اس کی سمجھ میں آیا کہ لاش کو کیا کرے جس سے یہ راز پوشیدہ رہے پس اللہ نے ایک کوے کو بھیجا کہ جو زمین کرید رہا تھا کہ زمین کھود کر اس میں ایک مرے ہوئے کوے کو دھکیل کر اس پر مٹی ڈال رہا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ اس کوے کے ذریعہ سے قابیل کو یہ دکھلا دے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے اہل اخبار کا بیان ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو عرصہ تک اس کے لاشہ کو پشت پر لادے پھرا کیونکہ یہ سب سے پہلی موت تھی جو روئے زمین پر واقع ہوئی اور اس وقت تک میت کے چھپانے کا کوئی طریقہ معلوم نہ ہوا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے دو کوے بھیجے جو آپس میں لڑے اور ایک نے دوسرے کو قتل کیا پھر قاتل کوے نے اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کرید کر اس میں ایک گڑھا بنایا اور مقتول کوے کو اس میں ڈال کر مٹی سے چھپایا قابیل نے یہ تمام کیفیت دیکھی اور اس کوے سے دفن کا طریقہ سیکھا اور اپنی حالت پر سخت ندامت ہوئی شرمندہ ہو کر کہنے لگا ہائے میری شامت مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ میں اس کوے کی برابر بھی مجھے عقل نہ آئی۔

ف:...... جاننا چاہیے کہ یہ ندامت اور پشیمانی توبہ کی ندامت نہ تھی جو ندامت خدا کے خوف سے ہو وہ توبہ ہے اور جو ندامت

= سیئاتی فطرح علیك بسبب ظلمك لی وتبوء باثمك فی قتلك وهذا یعضده قوله علیه الصلاة والسلام یؤتی یوم القیامة بالظالم والمظلوم فیوخذ من حسنات الظالم فتزاد فی حسنات المظلوم حتی ینتصف فان لم تكن له حسنات اخذ من سیئات المظلوم فتطرح علیه اخرجه مسلم بمعناه۔ (تفسیر قرطبی: ۶/ ۱۳۷)

[1] قال ابن عباس وابن مسعود والحسن وقتادة معناه تحمل اثم قتلی واثمك الذی كان منك قبل قتلی وهذا بحذف المضاف۔ (تفسیر کبیر: ۳/ ۴۰۲)

اور پریشانی اور پشیمانی دینا کی ذلت کے ڈر سے ہو وہ ایک امر طبعی ہے وہ شرعی توبہ نہیں۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ

اسی سبب سے لکھا ہم نے ف۱ بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے یا بغیر فساد کرنے کے

اسی سبب سے۔ لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی مار ڈالے ایک جان، سوائے بدلے جان کے، یا فساد کرنے

فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ

ملک میں ف۲ تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا سب لوگوں کو ف۳

ملک میں، تو گویا مار ڈالا سب لوگوں کو۔ اور جس نے جلایا ایک جان کو، گویا جلایا سب لوگوں کو۔

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ؗ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ

اور لا چکے ہیں ان کے پاس رسول ہمارے کھلے ہوئے حکم ف۴ پھر بہت لوگ ان میں سے اس پر بھی ملک میں

لا چکے ہیں ان پاس رسول ہمارے صاف حکم، پھر بہت لوگ ان میں اس پر بھی ملک میں

لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

دست درازی کرتے ہیں ف۵

دست درازی کرتے ہیں۔

ف۱ یعنی ناحق قتل میں جو دنیاوی اور اخروی خسران ہے اور جو بدنتائج اس پر مرتب ہوتے ہیں حتیٰ کہ خود قاتل بھی اس حرکت کے بعد بسا اوقات پچھتاتا اور کف افسوس ملتا ہے۔ اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل کو یہ ہدایت کی۔ الخ۔

ف۲ ملک میں فساد کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ مثلاً اہل حق کو دین حق سے روکے یا پیغمبروں کی اہانت کرے یا "العیاذ باللہ" مرتد ہو کر اپنے وجود سے دوسروں کو مرتد ہونے کی ترغیب دے۔ وقس علیٰ ذٰلك۔

ف۳ یعنی اول روئے زمین پر بڑا گناہ یہی ہوا کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کیا اس کے بعد رسم پڑ گئی اسی سبب سے تورات میں اس طرح فرمایا کہ "ایک کو مارا جیسے سب کو مارا" یعنی ایک کے ناحق خون کرنے سے دوسرے بھی اس جرم پر دلیر ہوتے ہیں تو اس حیثیت سے جو شخص ایک کو قتل کرکے بدامنی کی جڑ قائم کرتا ہے گویا وہ سب انسانوں کو قتل اور عام بدامنی کا دروازہ کھول رہا ہے اور جو کسی ایک کو زندہ کرتا یعنی کسی کو ظالم قاتل کے ہاتھ سے بچاتا ہے گویا وہ اپنے عمل سے سارے انسانوں کو بچانے اور مامون کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔

ف۴ مترجمؒ نے "بینات" سے کھلے ہوئے حکم مراد لئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ بینات سے وہ کھلے کھلے نشان مراد لئے جائیں جن سے کسی پیغمبر کے من عند اللہ ہونے کی تصدیق ہوتی ہو۔

ف۵ یعنی "بنی اسرائیل" کے بہت سے لوگ ایسے کھلے نشان دیکھ کر اور ایسے کھلے احکام سن کر بھی اپنے ظلم و طغیان اور دست درازیوں سے باز نہ آتے انبیائے معصومین کو قتل اور آپس میں ناحق خون کرنا ان کا ہمیشہ سے وتیرہ رہا ہے اور آج بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے (معاذ اللہ) قتل یا ایذاء رسانی اور مسلمانوں کی تذلیل کے لئے ہر قسم کی ناپاک سازشیں کرتے رہتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ جب حکم تورات کے موافق کیف ما اتفق کسی ایک آدمی کا ناحق مار ڈالنا اتنا بڑا جرم ہے کہ گویا اس کا قاتل تمام دنیا کے انسانوں کا قاتل ہے تو دنیا کے سب سے زیادہ کامل و اکمل انسان اور سب سے زیادہ مقبول و مقدس جماعت کے قتل و ایذاء رسانی کے درپے ہونا اور ان سے لڑائی اور مقابلہ کے لئے کمر باندھنا خدا کے نزدیک کتنا بھاری جرم ہوگا۔ خدا کے سفراء سے لڑائی تو درحقیقت خدا ہی سے لڑائی کرنا ہے۔ شاید اسی لئے اگلی آیت میں ان لوگوں کی دنیاوی اور اخروی سزا کا ذکر کیا گیا ہے جو خدا اور پیغمبر سے لڑائی کرتے ہیں یا دنیا میں طرح طرح کے فساد =

تمہید مشروعیت حدود و تعزیرات بنابر ظہور ایں چنیں جنایات

قال تعالیٰ: ﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ... الی ... لَمُسْرِفُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں ایک ناحق قتل کا واقعہ بیان فرمایا اب ارشاد فرماتے ہیں کہ اسی قسم کی خرابیوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے حدود و تعزیرات کو مشروع فرمایا تاکہ فساد کا انسداد ہوجائے چنانچہ فرماتے ہیں اسی واقعہ کی وجہ سے یعنی انہی خرابیوں کی وجہ سے جو بے گناہ کے قتل میں پیش آتی ہیں کہ قاتل کو دنیا میں ندامت اور فضیحت اور آخرت میں عقوبت ہم نے بنی اسرائیل پر خصوصاً اور تمام بنی آدم پر عموماً یہ حکم لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بلاعوض اور بلا بدلہ کے یا زمین میں بغیر فساد کے قتل کرڈالے فساد کی بہت سی صورتیں ہیں مثلاً رہزنی کرے یا نکاح کے بعد زنا کرے یا مرتد ہوجائے یا دوسروں کو مرتد ہونے کی ترغیب دے یا خدا اور رسول اور احکام شریعت کا مذاق اڑائے اور بغیر نفس سے مراد یہ ہے کہ بغیر قصاص لازم ہوئے کسی کو ناحق قتل کرڈالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کیا کیونکہ اس نے قتل کا دروازہ کھول دیا اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے یہ بھی لکھدیا کہ جو شخص ایک آدمی کی زندگانی کا سبب بنا یعنی کسی مظلوم کو ظالم کے پنجہ سے چھڑایا یا کسی زندہ نفس کے قتل سے باز رہا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا چونکہ قابیل کے ہابیل کو قتل کرنے کی وجہ سے لوگوں میں قتل کا رواج ہوگیا اس لیے اس کو روک تھام کے لیے بنی اسرائیل کو توریت میں یہ حکم دیا کہ ایک شخص کے قتل کا گناہ اتنا بڑا ہے جتنا سب لوگوں کے قتل کرنے کا اور جس نے ایک جان کو زندہ کیا یعنی کسی ظالم قاتل کے ہاتھ سے اس کو بچایا تو اس کا ثواب اتنا ہے جتنا سارے جہان کے زندہ کرنے کا اس لیے جس نے ایک آدمی کو قتل کیا اس نے بدامنی اور خون ناحق کا دروازہ کھولا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے عمل سے امن اور حیات کا دروازہ کھولا اور زندہ کرنے سے مراد اس کو ہلاکت سے بچانا ہے بنی اسرائیل چونکہ قتل اور خون ریزی سے نہیں ڈرتے تھے اس لیے حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ حکم یاد دلایا کہ توریت میں تو یہ حکم لکھا ہوا ہے کہ اور تم قتل اور خون ریزی سے بالکل نہیں ڈرتے خدا کے ہزار نبیوں کو پہلے قتل کرچکے ہو اور اب خدا کے رسول محمد رسول اللہ ﷺ کے قتل کرنے کی فکر میں ہو اور البتہ تحقیق ہمارے پیغمبران کے پاس صاف صاف احکام لے کر آچکے ہیں پھر بھی تحقیق بہت سے لوگ زمین میں حد سے نکلے جارہے ہیں یعنی ظلم باوجود یکہ قتل کے احکام اس سختی سے انہیں سنائے گئے مگر ان کی شرارت میں ذرا بھی کمی نہ ہوئی وہی ظلم و تعدی ان کی بدستور رہی۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ

یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو ف۱ کہ ان کو قتل کیا جائے یا

یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے، اور دوڑتے ہیں ملک میں، فساد کرنے کو، کہ ان کو قتل کریئے یا

= پھیلا کر "مسرفون فی الارض" کے مصداق بنتے ہیں۔

ف۱ یعنی بدامنی کرنے کو اکثر مفسرین نے اس جگہ رہزنی اور ڈکیتی مراد لی ہے مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جائے تو مضمون زیادہ وسیع ہوجاتا ہے آیت کا جو شان نزول احادیث صحیحہ میں بیان ہوا وہ بھی اسی کو مقتضی ہے کہ الفاظ کو ان کے عموم پر رکھا جائے" اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنا" یا" زمین میں فساد اور بدامنی پھیلانا یہ دو لفظ ایسے ہیں جن میں کفار کے حملے ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی، ناحق قتل و نہب، مجرمانہ سازشیں اور مغویانہ پروپیگنڈا سب داخل ہوسکتے ہیں اور ان میں سے =

يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ

سولی چڑھائے جاویں یا کاٹے جاویں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے ف۱ یا دور کردیے جاویں اس جگہ سے ف۲ یہ ان کی

سولی چڑھایئے، یا کاٹیئے ان کے ہاتھ اور پاؤں مقابل کا، یا دور کریے اس ملک سے۔ یہ ان کی

خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ

رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے ف۳ مگر جنہوں نے توبہ کی تمہارے قابو پانے سے پہلے

رسوائی ہے دنیا میں، اور ان کو آخرت میں بڑی مار ہے۔ مگر جنہوں نے توبہ کی تمہارے ہاتھ پڑنے سے پہلے۔

ع ۸

تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾

تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۴

تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حکم دوازدہم - حد قطع طریق

قال تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ... الی ... اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں فساد فی الارض اور قتل ناحق کی شناعت بیان فرمائی چونکہ فساد کی ایک صورت قطع طریق یعنی رہزنی اور ڈکیتی بھی ہے اس لیے اب اس آیت میں فساد کے انسداد کے لیے اول قطاع طریق (رہزنوں) کی شرعی سزا کو بیان فرماتے ہیں اور اس کے بعد کی آیت میں سارق (چور) کی سزا کو بیان کرتے ہیں جو اسی حکم کے سابق کا تتمہ اور تکملہ ہے کیونکہ چوری بھی ایک قسم کا فساد ہے جز ایں نیست کہ سزا ان لوگوں کی جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں یعنی شریعت کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس کے احکام کی علانیہ مخالفت کرتے ہیں اور زمین میں بارادۂ فساد دوڑتے پھرتے ہیں یعنی قتل اور قطع طریق (رہزنی) کرتے پھرتے ہیں ایسے لوگوں کی سزا یہی ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی دیے جائیں یا ان کے ہاتھ اور مخالف جانب کے پاؤں کاٹے جائیں یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پیر یا جلاوطن کردیے جائیں جمہور علماء کا قول ہے کہ یہ آیت رہزنوں اور ڈاکوؤں کے متعلق ہے خواہ مسلمان ہوں یا کافر اور ﴿الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ﴾ میں محاربہ سے رہزنی مراد ہے اور بعض

= ہر جرم ایسا ہے جس کا ارتکاب کرنے والا ان چار سزاؤں میں سے جو آگے مذکور ہیں کسی نہ کسی سزا کا ضرور مستحق ٹھہرتا ہے۔

ف۱ یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں۔

ف۲ کہیں اور لے جا کر انہیں قید کردیں کما ھو مذھب الامام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ

ف۳ ڈاکوؤں کے احوال چار ہو سکتے تھے: ۱- قتل کیا ہو مگر مال لینے کی نوبت نہ آئی۔ ۲- قتل بھی کیا اور مال بھی لیا۔ ۳- مال چھین لیا مگر قتل نہیں کیا۔ ۴- نہ مال چھین سکے نہ قتل کر سکے قصد اور تیاری کرنے کے بعد ہی گرفتار ہو گئے۔ چاروں حالتوں میں بالترتیب یہی چار سزائیں ہیں جو بیان ہوئیں۔

ف۴ یعنی مذکورہ بالا سزائیں جو حدود اور حق اللہ کے طور پر تھیں وہ گرفتاری سے قبل توبہ کر لینے سے معاف ہو جاتی ہیں۔ حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے۔ مثلاً اگر کسی کا مال لیا تھا تو ضمان دینا ہوگا، قتل کیا تھا تو قصاص لیا جائے گا۔ ہاں ان چیزوں کے معاف کرنے کا حق صاحب مال اور ولی مقتول کو حاصل ہے (تنبیہ) اس حد کے سوا باقی حدود مثلاً حد زنا، حد شرب خمر، حد سرقہ، حد قذف توبہ سے مطلقاً ساقط نہیں ہوتیں۔

علماء کا قول یہ ہے کہ آیت مرتدین کے بارہ میں نازل ہوئی اور آیت میں محاربہ سے ارتداد مراد ہے۔

اور ﴿أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ﴾ میں جو لفظ أَوْ وارد ہوا ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک تخییر کے لیے ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ ان چار سزاؤں میں سے بلحاظ نوعیت جرم جون سی سزا مناسب سمجھے دے اور جمہور علماء کے نزدیک او تنویع اور تقسیم کے لیے ہے یعنی مختلف حالات میں اختلاف احکام کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ سزائیں جرائم پر منقسم ہیں جس نوع کے جرم کا ارتکاب کیا ہے اسی نوع کی سزا ہوگی مثلاً اگر کسی نے صرف کسی کو قتل کیا ہے تو اس کی سزا صرف قتل ہوگی اور اگر قتل کے ساتھ مال بھی لوٹا ہے تو وہ قتل بھی کیا جائے گا اور سولی بھی دیا جائے گا یعنی قتل کر کے عبرت کے لیے سولی پر بھی لٹکا دیا جائے گا اور اگر صرف مال لوٹا ہے تو صرف ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پیر کاٹ کر چھوڑ دیا جائے گا اور اگر صرف راہ روؤں کو دھمکایا ہے تو اس کو جلاوطن کر دیا جائے گا جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یا قید میں ڈال دیا جائے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ﴿يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ﴾ سے جلاوطنی مراد ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ﴿يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ﴾ سے قید اور حبس مراد ہے کیونکہ ان لوگوں کو اگر مسلمانوں کے کسی دوسرے شہر کی طرف بھیج دیا گیا تو وہاں کے مسلمانوں کو ایذاء پہنچائیں گے اور اگر کفار کے ملک بھیج دیا جائے تو مرتد ہونے کا اندیشہ ہے یہ حدیں اور سزائیں ان کے لیے دنیا میں ذلت اور رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے مگر جو لوگ تمہارے پکڑنے اور گرفتار کرنے سے پہلے ہی اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں تو خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کو معاف کرنے والا ہے اور مہربان ہے باقی حقوق عباد بغیر بندوں کے معاف کرنے کے ساقط نہیں ہوتے مطلب یہ ہے کہ اگر گرفتاری سے پہلے توبہ کر لیں تو حد جو کہ اللہ کا حق ہے وہ تو معاف ہو جائے گا اور حد ان سے ساقط ہو جائے گی البتہ حق العبد باقی رہے گا پس اگر مال لیا ہے تو اس کا ضمان دینا پڑے گا اور اگر کسی کی جان لی ہے تو قصاص لازم ہوگا مگر اس ضمان اور قصاص معاف کرنے کا حق صاحب مال اور ولی مقتول کو حاصل ہوگا اور ولی مقتول اگر اس کو قتل کرے تو وہ قتل بطور قصاص کے ہوگا نہ کہ بطور حد خوب سمجھ لو۔

تنبیہ:...... اس حد کے سوا اور باقی حدود مثلاً حد زنا اور حد خمر اور حد سرقہ اور حد قذف توبہ سے ساقط نہیں ہوتے۔ (کذا فی البنایہ)

امام ابوبکر رازی رحمہ اللہ اور امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سلف اور خلف کا قول یہ ہے کہ یہ آیت قُطَّاعِ الطریق یعنی رہزنوں کے بارہ میں نازل ہوئی خواہ وہ فاسق وفاجر مسلمان ہوں یا کافر اور بعض علماء (جیسے امام بخاری) اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت مرتدین کے بارہ میں نازل ہوئی مگر یہ قول شاذ ہے اور پہلا قول ہی قول صحیح ہے اس لیے کہ قتل مرتد ہر حال میں واجب ہے محاربہ اور اظہار فساد پر موقوف نہیں دوم یہ کہ مرتد کا قتل ہی واجب ہے مرتد کا فقط ہاتھ کاٹ دینا یا اس کو جلاوطن کر دینا کافی نہیں سوم یہ کہ آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حد اس وقت ساقط ہو جاتی ہے جب کہ مجرم گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کر لے اور اگر گرفتاری کے بعد توبہ کرے تو حد ساقط نہ ہوگی سو یہ حکم قاطع الطریق یعنی رہزن کا تو ہے مگر مرتد کا یہ حکم نہیں اس لیے کہ مرتد کی حد ہر حال میں توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے مرتد چاہے گرفتاری سے قبل توبہ کرے یا بعد گرفتاری کے اس پر حد جاری نہ ہوگی۔

چہارم یہ کہ مرتد کا حکم قتل ہے نہ کہ صلب (سولی) پنجم یہ کہ آیت کے الفاظ عام ہیں جو ارتداد اور رہزنی اور ناحق قتل سب کو شامل ہیں غایت مافی الباب اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آیت مرتدین کے بارہ میں نازل ہوئی تو اعتبار عموم الفاظ کا ہوگا نہ کہ خصوص مورد کا۔ (تفسیر کبیر: ۳/۴۰۷) (احکام للجصاص: ۲/۴۰۷)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ

اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ ف۱ اور جہاد کرو اس کی راہ میں تاکہ تمہارا

اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے، اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ، اور لڑائی کرو اس کی راہ میں شاید تمہارا

تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا

بھلا ہو ف۲ جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس ہو جو کچھ زمین میں ہے سارا اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہوتا کہ بدلہ میں دیں

بھلا ہو۔ جو کافر ہیں، اگر ان کے پاس ہو جتنا کچھ زمین میں ہے سارا اور اس کے ساتھ اتنا اور، چھڑوائی میں

بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ

اپنے قیامت کے عذاب سے تو ان سے قبول نہ ہوگا اور ان کے واسطے عذاب دردناک ہے ف۳ چاہیں گے کہ

دیں اپنے قیامت کے عذاب سے، وہ ان سے قبول نہ ہو۔ اور ان کو دکھ کی مار ہے۔ چاہیں گے، کہ

ف۱ "وسیلہ" کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ابو وائل، حسن وغیرہم اکابر سلف نے قربت سے کی ہے تو وسیلہ ڈھونڈھنے کے معنی یہ ہونگے کہ اس کا قرب وصول تلاش کرو۔ قتادہ نے کہا "ای تقربوا الیه بطاعته والعمل بمایرضیه" خدا کی نزدیکی حاصل کرو اس کی فرمانبرداری اور پسندیدہ عمل کے ذریعہ سے ایک شاعر کہتا ہے۔

اذا عقل الواشون عدنا لوصلنا وعاد التصافی بیننا والوسائل

اس میں یہ ہی معنی قرب واتصال کے مراد ہے اور جو حدیث میں آیا ہے کہ "وسیلہ" جنت میں ایک نہایت ہی اعلیٰ منزل ہے جو دنیا میں سے کسی ایک بندہ کو ملے گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اذان کے بعد میرے لئے خدا سے وہ ہی مقام طلب کیا کرو تو اس مقام کا نام بھی "وسیلہ" اسی لئے رکھا گیا کہ جنت کی تمام منزلوں میں وہ سب سے زیادہ عرش رحمان کے قریب ہے اور حق تعالیٰ کے مقامات قرب میں سب سے بلند واقع ہوا ہے۔ بہرحال پہلے فرمایا کہ ڈرتے رہو اللہ سے لیکن یہ ڈر ایسا نہیں جیسے آدمی سانپ بچھو یا شیر بھیڑیے ڈر کر دور بھاگتا ہے بلکہ اس بات سے ڈرنا کہ کہیں اس کی خوشنودی اور رحمت سے دور نہ جا پڑو۔ اسی لئے اتقوا اللّٰہ کے بعد وابتغوا الیه الوسیلة فرمایا۔ یعنی اس کی ناخوشی اور بعد وہجر سے ڈر کر قرب ووصول حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اور ظاہر ہے کہ کسی چیز سے قریب ہم اسی وقت ہو سکتے ہیں جبکہ درمیانی راستہ قطع کریں جس پر چل کر اس کے پاس پہنچ سکتے ہوں۔ اسی کو فرمایا "وجاهدوا فی سبیله" جہاد کرو اس کی راہ میں یعنی اسی پر چلنے کی پوری پوری کوشش کرو "لعلکم تفلحون" تاکہ تم اس کی نزدیکی حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکو۔

ف۲ پچھلے رکوع کے آخر میں ان لوگوں کی دنیاوی واخروی سزایاں فرمائی تھی جو خدا اور رسول سے جنگ کرتے اور ملک میں بدامنی اور فساد پھیلاتے ہیں۔ اس رکوع میں مسلمانوں کو ان سزاؤں سے ڈرا کر بتلایا گیا کہ جب شقی اور بدبخت لوگ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں تو تم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو کر جہاد کرو۔ وہ اگر زمین پر فساد پھیلاتے ہیں تو تم اپنی کوشش اور حسن عمل سے امن وسکون قائم کرنے کی فکر کرو۔

ف۳ پچھلی آیت میں بتلایا تھا کہ انسان خدا سے ڈرنے اس کا قرب حاصل کرنے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے ہی سے فلاح وکامیابی کی امید کر سکتا ہے۔ اس آیت میں متنبہ فرما دیا کہ جن لوگوں نے خدا سے روگردانی کی وہ آخرت میں اگر روئے زمین کے سارے خزانے بلکہ اس سے بھی زائد خرچ کر ڈالینگے اور فدیہ دیکر عذاب الٰہی سے چھوٹنا چاہیں گے تو یہ ممکن نہ ہوگا۔ غرض وہاں کی کامیابی "تقویٰ" "ابتغائے وسیلہ" اور "جہاد فی سبیل اللہ" سے حاصل ہوتی ہے رشوت اور فدیہ=

يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾

نکل جاویں آگ سے اور وہ اس سے نکلنے والے نہیں اور ان کے لیے عذاب دائمی ہے ف۱

نکل جائیں آگ سے، اور وہ نکلنے والے نہیں، اور ان کو عذاب دائم ہے۔

خطاب باہل ایمان

قال تعالیٰ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ... الی... وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾

ربط:...... اب ان آیات میں اہل ایمان سے خطاب ہے کہ تم بنی اسرائیل کی طرح شرارت نہ کرنا تم کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچو اور اعمال صالحہ کو تقرب الٰہی کا ذریعہ اور وسیلہ بناؤ بنی اسرائیل کی طرح بزدلی نہ دکھاؤ اور اس کے بعد آخرت میں کافروں کی جو بری حالت ہوگی وہ بیان کی تاکہ مسلمانوں کو عبرت ہو اور وہ ان جیسے افعال نہ اختیار کریں چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ تم خدا سے ڈرتے رہو اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہو اس لیے کہ خدا کی نافرمانی اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ ہے اور زمین میں فساد ہے اور خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ڈھونڈو یعنی خدا تعالیٰ کے امر و نہی کو بجالاؤ تاکہ تمہیں خدا کا قرب حاصل ہو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم خدا کی راہ میں ظاہری اور باطنی دشمنوں سے جہاد کرو اور حدیث میں ہے کہ اصل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے اور جہاد ظاہری و باطنی قرب خداوندی کا بہترین وسیلہ اور ذریعہ ہے امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے تقویٰ اور جہاد سے فلاح حاصل ہوتی ہے آخرت میں مال کام نہ دے گا تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اگر بالفرض والتقدیر ان کے پاس روئے زمین کا تمام مال ومتاع اور اس کے تمام خزینے اور دفینے موجود ہوں اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تاکہ یہ سب دے کر اس کے عوض روز قیامت کے عذاب سے نجات حاصل کرسکیں تو وہ ان سے قبول نہ کیا جائے گا یعنی اگر بالفرض کافر کے پاس دو دنیا کے برابر مال اور نقد اور جنس ہو وہ اس سب کو اپنے فدیہ میں دے کر عذاب سے چھوٹنا چاہے تو اس قدر فدیہ بھی قبول نہ کیا جائے گا اور اب دنیا میں تھوڑی سی بات بھی قبول ہے یعنی صرف لا الہ الا اللہ کہنے سے عذاب آخرت سے چھوٹ سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ آخرت میں کافر کی نجات کی کوئی سبیل نہیں۔ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس دوزخی سے جس کو سب سے کم عذاب ہوگا پوچھے گا کہ اگر تیرے پاس ساری دنیا ہو تو کیا تو اس کو اپنے فدیہ میں دے دے گا تو وہ کہے گا ہاں خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تو تجھ سے اس سے کہیں زیادہ آسان چیز طلب کی تھی کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا میں تجھ کو دوزخ میں نہ کروں گا بلکہ جنت میں داخل کروں گا لیکن تو نے اس آسان کو بھی قبول نہ کیا یعنی لہٰذا آج تجھ سے یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور یہ کفار ناہنجار اس روز فلاح کا تصور بھی نہیں کرسکتے ان کی انتہائی تمنا اور آرزو یہ ہوگی کہ دوزخ

= سے نہیں ہوسکتی۔

ف۱ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ بہت سے گنہگار مومنین ایک مدت تک دوزخ میں رہ کر پھر نکالے جائیں گے اور حق تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے جنت میں داخل کرے گا یہ آیت ان احادیث کے مخالف نہیں کیونکہ یہاں شروع آیت سے صرف کفار کا بیان کیا گیا ہے مومنین کے متعلق اس آیت میں کوئی حرف نہیں۔

کی آگ سے باہر نکل جائیں مگر ان کی یہ تمنا بھی پوری نہ ہو سکے گی اور یہ لوگ کسی صورت بھی اس سے نکل نہ سکیں گے اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا عذاب مقیم سے دائم اور مستمر مراد ہے کہ جس سے نہ نکلنا ہوگا اور نہ چھوٹنا کما قال تعالیٰ: ﴿كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا﴾ الخ عذاب مقیم کے اصل معنی یہ ہیں کہ وہ عذاب ٹھہرا ہوا ہوگا کہ نہ اپنی جگہ سے جنبش کرے اور نہ ہلے اور نہ ٹلے یعنی دائمی ہوگا۔

ف ۱:...... حسن بصری اور مجاہد اور قتادہ اور عطاء اور سدی اور ابن زید اور عبداللہ بن کثیر ﷬ سے منقول ہے کہ آیت میں لفظ وسیلہ سے قرب کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اعمال صالحہ کے ذریعہ اللہ کا قرب اور اتصال تلاش کرو (تفسیر قرطبی: ۶/۱۵۹) اور وہ جو حدیث میں ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ ترین منزل ہے اس کو وسیلہ اسی بناء پر کہا گیا کہ وہ منزل مکانات جنت میں سے قریب تر بعرش ہے اور ابن عباس ﷠ سے بھی یہی منقول ہے کہ وسیلہ کے معنی تقرب کے ہیں اور مطلب یہ ہے تقوی اور اعمال صالحہ کو قرب خداوندی کا ذریعہ بناؤ غرض یہ کہ اس آیت کو مسئلہ توسل بالصالحین سے کوئی تعلق نہیں گو وہ مسئلہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے (روح المعانی: ۶/۱۱۱)

ف ۲:...... اس آیت سے صاف ثابت ہے کہ کافر کبھی عذاب سے نجات نہ پائیں گے اور اسی پر تمام اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔

ف ۳:...... اور ﴿وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ﴾ یہ ترکیب ما انا قلت کے باب سے جس کے معنی یہ ہیں کہ کافر تو عذاب دوزخ سے کبھی نہ نکلیں گے جس کا مطلب یہ ہوا کہ کافروں کے علاوہ اور گروہ ایسا ہے کہ وہ بعد چندے دوزخ سے نکل جائے وہ گروہ گنہگار مسلمانوں کا ہے جیسا کہ احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ عصاۃ موحدین بالآخر نار سے نکالے جائیں گے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ

اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ ف۱ سزا میں ان کی کمائی کی تنبیہ ہے اللہ کی طرف سے ف۲ اور اللہ غالب ہے

اور جو کوئی چور ہو مرد یا عورت، تو کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ، سزا ان کی کمائی کی، تنبیہ اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ زورآور ہے

ف۱ یعنی پہلی مرتبہ چوری کرے تو داہنا ہاتھ گٹے پر سے کاٹ دو۔ باقی تفاصیل کتب فقہ میں ملیں گی۔ پچھلے رکوع میں ڈکیتی وغیرہ سزاذکر کی گئی تھی درمیان میں بعض مناسبات کی وجہ سے جن کو ہم بیان کر چکے ہیں مومنین کو چند ضروری نصائح کی گئیں اب پھر سے پچھلے مضمون کی تکمیل کی جاتی ہے۔ یعنی وہاں ڈکیتی کی سزا مذکور ہوئی تھی اس آیت میں چوری کی سزا بتلا دی۔

ف۲ یعنی جو سزا چور کو دی جارہی ہے وہ مال مسروق کا بدلہ نہیں بلکہ اس کے فعل "سرقہ" کی سزا ہے تاکہ اسے اور دوسرے چوروں کو تنبیہ ہو جائے بلاشبہ جہاں کہیں یہ حدود جاری ہوتی ہیں، دو چار ہی کی سزایابی کے بعد چوری کا دروازہ قطعاً بند ہو جاتا ہے آجکل مدعیان "تہذیب" اس قسم کی حدود کو وحشیانہ سزا سے موسوم کرتے ہیں لیکن چوری کرنا گران صاحبوں کے نزدیک کوئی مہذب فعل نہیں ہے تو یقیناً آپ کی مہذب سزا اس غیر مہذب دستبرد کے استیصال میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اگر تھوڑی سی وحشت کا تحمل کرنے سے بہت سے چور مہذب بنائے جاسکتے ہوں تو حاملین تہذیب کو خوش ہونا چاہیے کہ ان کے "تہذیبی مشن" میں اس وحشت سے مدد مل رہی ہے۔ بعض نام نہاد مفسر بھی اس کوشش میں ہیں کہ "قطع ید" (ہاتھ کاٹنے) کی سزا کو چوری کی انتہائی سزا قرار دیکر اس سے ہلکی سزا دہی کا اختیار شریعت حقہ سے حاصل کرلیں مگر مشکل یہ ہے کہ نہ تو چوری کی اس سے ہلکی سزا قرآن کریم میں کہیں موجود ہے اور نہ عہد نبوت یا عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس کی کوئی نظیر پائی گئی۔ کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ اتنے طویل عرصہ میں جتنے چور پکڑے گئے ان میں ایک بھی ابتدائی چور نہ تھا جس پر کم از کم بیان جواز ہی =

حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

حکمت والا ف۱ پھر جس نے توبہ کی اپنے ظلم کے پیچھے اور اصلاح کی تو اللہ قبول کرتا ہے اس کی توبہ بیشک اللہ بخشنے والا

حکمت والا۔ پھر جس نے توبہ کی اپنی تقصیر پیچھے اور سنوار پکڑی تو اللہ اس کو معاف کرتا ہے۔ بے شک اللہ بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾

مہربان ہے ف۲

مہربان ہے۔

حکم سیزدھم - حد سرقہ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ... الی... اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں قطع طریق کا بیان تھا جو سرقہ کبریٰ کہلاتا ہے اب اس آیت میں سرقہ صغریٰ چوری کی سزا کا بیان ہے ڈاکو کھلم کھلا لوٹتے ہیں اور چور چھپ کر کر چوری کرتے ہیں پہلی آیت میں ڈاکہ کا بیان کیا اب اس آیت میں چوری کا حکم بیان کرتے ہیں اور جو مرد چوری کرے اور اسی طرح جو عورت چوری کرے تو کاٹ ڈالو ان کے داہنے ہاتھ گٹے پر سے بطور سزا کے اس کردار بد اور برے عمل کے عوض اور بدلہ میں خدا کی طرف سے عبرت اور تنبیہ کے لیے۔ یعنی یہ سزا (قطع ید) جو چور کو دی جا رہی ہے وہ مال مسروق کا عوض اور بدلہ نہیں بلکہ اس کے فعل سرقہ کی سزا ہے تاکہ اس سے دوسروں چوروں کو تنبیہ اور عبرت ہو جائے بلاشبہ جہاں کہیں یہ سزا جاری ہوئی اور چوروں کا ایک مرتبہ ہاتھ کاٹا گیا تو قطعاً چوری کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور جب سے یہ سزا موقوف ہوئی اور عدالتی کارروائی شروع ہوئی اس وقت سے چوری کا دروازہ خوب کھل گیا ہے اور اللہ بڑی عزت والا اور حکمت والا ہے کہ چوری کرنے والا کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو وہ اس عزیز حکیم کی مقرر کردہ سزا (قطع ید) سے نہیں نکل سکتا اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ امن عالم اور باشندگان ملک کیا اموال واملاک کی حفاظت کی خاطر وہ ہاتھ ہی کاٹ دیا جائے کہ جو اس جرم عظیم کا مرتکب ہوا الغرض یہ تو چور کی دنیوی سزا ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی رہا یہ امر کہ آخرت کی عقوبت اور

= کے طور پر "قطع ید" سے ہلکی کوئی ابتدائی سزا جاری کی جاتی۔ کسی ملحد نے پرانے زمانہ میں اس "حد سرقہ" پر یہ بھی شبہ کیا تھا کہ جب شریعت نے ایک ہاتھ کی دیت پانچ سو دینار رکھی ہے تو اتنا قیمتی ہاتھ جس کے کٹنے پر پانچ سو دینار واجب ہوں دس پانچ روپیہ کی چوری میں کس طرح کاٹا جا سکتا ہے۔ ایک عالم نے اس جواب میں کیا جواب فرمایا "انها لما كانت امينة كانت ثمينة فلما خانت هانت" یعنی جو ہاتھ امین تھا وہ قیمتی تھا۔ جب (چوری کر کے) خائن ہوا تو ذلیل ہوا۔

ف۱ چونکہ غالب ہے اس لئے اسے حق ہے کہ جو چاہے قانون نافذ کر دے کوئی چون و چرا نہیں کر سکتا لیکن چونکہ حکمت والا بھی ہے اس لئے یہ احتمال نہیں کہ محض اپنے اختیار کامل سے کام لے کر کوئی قانون بے موقع نافذ کرے۔ نیز وہ اپنے ناتواں بندوں کے اموال کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ کر سکے، یہ اس کی عزت اور غلبہ کے منافی ہے اور چوروں ڈاکوؤں کو یونہی آزاد چھوڑ دے یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

ف۲ یعنی توبہ اگر ٹھیک ٹھیک ہو جس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ چوری کا مال مالک کو واپس کرے اور اگر تلف ہو گیا ہو تو ضمان دے اور ضمان نہ دے سکے تو معاف کرائے۔ اور اپنے فعل پر نادم ہوا اور آئندہ کے لئے اس سے مجتنب رہنے کا عزم رکھے۔ تو اس طرح کی توبہ سے امید ہے کہ حق تعالیٰ اخروی عقوبت جس کے مقابلہ میں دنیاوی سزا کی کچھ حقیقت نہیں اس پر سے اٹھا لے۔

سزا مل سکتی ہے یا نہیں سو اس کا حکم یہ ہے کہ جس نے اپنے اس ظلم وستم کے بعد توبہ کرلی اور اپنی حالت درست کرلی تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتے بے شک اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے بغیر توبہ کے آخرت کا گناہ معاف نہیں ہوتا اور سرقہ کی حد توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتی ورنہ چور چوری کرنے کے بعد توبہ کرلیا کریں گے اور سرقہ کی سزا سے رہا ہوجایا کریں گے توبہ سے اللہ کا حق معاف ہوجاتا ہے توبہ سے بندوں کے حق معاف نہیں ہوتے محض توبہ کرنے سے چور سزا سے نہیں بچ سکتا۔

لطائف ومعارف

۱- کتاب وسنت نے چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر کی ہے جو غایت درجہ عادلانہ اور حکیمانہ سزا ہے اور اس عبرت ناک سزا کو دیکھ کر چور اور قزاق عبرت پکڑیں گے اور تمام ملک کے اموال اور املاک ظالموں کی دستبرد سے محفوظ ہوجائیں گے آج کل کے مدعیان تہذیب اس قسم کی سزا کو وحشیانہ سزا کے نام سے موسوم کرتی ہیں لیکن ان کو یہ خیال نہیں آتا کہ چوری بھی کوئی وحشیانہ حرکت ہے اگر کسی وحشیانہ حرت کے انسداد کے لیے وحشیانہ سزا تجویز کردی جائے تو کیا مضائقہ ہے چوری اگر تہذیب کے مطابق ہوتی تب تو یہ کہنا بجا ہوتا کہ چور کا ہاتھ کاٹنا خلاف تہذیب ہے گویا کہ یہ تعلیم یافتہ طبقہ ان چوروں کا وکیل بنا ہوا ہے جن کے نزدیک چوری تو خلافت تہذیب نہیں البتہ چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا یہ خلاف تہذیب ہے۔

حکایت:...... ابوالعلاء شاعر نے حد سرقہ پر اعتراض کیا کہ جب شریعت نے ایک ہاتھ کی دیت پانسو دینار رکھی ہے تو اتنا قیمتی ہاتھ جس کے کاٹ ڈالنے سے پانچ سو دینار واجب ہوں وہ دس پانچ درہم کی چوری میں کیسے کاٹا جاسکتا ہے۔ اور یہ شعر کہے:

ید بخمس مئین عسجد ودیت　　　　مابالها قطعت فی ربع دینار

تحکم مالنا الاالسکوت له　　　　وان نعوذ بمولانا من النار

قاضی عبدالوہاب مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں کیا خوب فرمایا۔

لما کانت امینة کانت ثمینه ولما خانت هانت۔ جب تک وہ ہاتھ امین تھا تو بڑا قیمتی تھا اور جب اس نے خیانت کی تو ذلیل وخوار ہوگیا۔

۲- یہ سزا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں دی جیسا کہ احادیث صحیح میں بکثرت وارد ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے لے کر خلفاء بنی العباس تک اسی قانون پر عمل درآمد ہوتا رہا اور شاہان اسلام کے دور حکومت میں قضاۃ اور حکام یہ حد جاری کرتے رہے کتب تاریخ اس پر شاہد عدل ہیں جب سے مغربی تہذیب کا دور دورہ شروع ہوا اور یہ شرعی سزا موقوف ہوئی اس وقت سے چوری کا بازار گرم ہے بدمعاش لوگ جیل خانہ کو اپنا گھر سمجھتے ہیں اور اس زمانہ میں تو عدالت کی کوئی وقت نہیں رشوت اور سفارش سے بری ہوجاتے ہیں۔

۳- اس آیت میں خدا تعالیٰ نے صرف چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے مگر اس کی تصریح نہیں فرمائی کہ کون سا ہاتھ کاٹا جائے اور کس جگہ سے کاٹا جائے لیکن احادیث صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ داہنا ہاتھ پہنچے سے کاٹا جائے۔

۴- رہا یہ امر کہ کس قدر مال کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے سو اس بارہ میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ربع دینار کی چوری پر قطع ید لازم ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک دس درہم کی چوری پر اور امام مالک اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک تین درہم کی چوری پر۔ تفصیل کے لیے شروح ہدایہ اور شروحِ بخاری کو دیکھیے۔

۵- شریعت نے چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا مگر زنا کی سزا میں زانی کی شرمگاہ قطع کرنے کا حکم نہیں دیا اس لیے کہ شرمگاہ کے قطع کرنے سے قطع نسل لازم آئے گا اس لیے یہ امر مشروع نہ ہوا۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَغْفِرُ لِمَنْ

تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی عذاب کرے جس کو چاہے اور بخشے جس کو

تو نے معلوم نہیں کیا کہ اللہ کو ہے سلطنت آسمان و زمین کی، عذاب کرے جس کو چاہے اور بخشے جس کو

یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۰﴾

چاہے اور اللہ سب چیز پر قادر ہے ف۱

چاہے۔ اور اللہ سب چیز پر قادر ہے۔

اثبات ملکیت ومشیت وقدرت برائے باری تعالی

قال تعالی: ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ... الی... وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں مغفرت اور رحمت کا بیان تھا اب اس آیت میں اپنی مالکیت اور کمال قدرت کو بیان فرماتے ہیں (اے مخاطب) کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لیے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی وہ جس کو چاہے عذاب دے اور جس کو چاہے بخشے اور معاف کرے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے حکم دے اور جو چاہے سزا دے وہ مالک مطلق اور حاکم مطلق ہے کوئی اس کے حکم کو رد نہیں کر سکتا۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا

اے رسول غم نہ کر ان کا جو دوڑ کر گرتے ہیں کفر میں ف۲ وہ لوگ جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں

اے رسول! ان پر جو دوڑ کر لگتے ہیں منکر ہونے، وہ جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں

ف۱ جب حقیقی سلطنت وحکومت اسی کی ہے تو بلا شبہ اسی کو یہ اختیار ہوگا کہ جسے مناسب جانے معاف کر دے اور جسے اپنی حکمت وعدل کے موافق سزا دینا ہے سزا دے اور نہ صرف یہ کہ اسے معاف کرنے اور سزا دینے کے کلی اختیارات حاصل ہیں بلکہ ان اختیارات کے استعمال سے کوئی رد کنے والا بھی نہیں کیونکہ ہر چیز پر وہ پوری قدرت رکھتا ہے۔

ف۲ پچھلی آیات میں ڈکیتی اور چوری وغیرہ کی حدود بیان کی گئی تھیں۔ اب بعض ان اقوام کا حال سناتے ہیں جنہوں نے "حدود اللہ" میں تحریف کر کے اپنے کو عذاب عظیم کا مستحق ٹھرایا۔ ان کا مفصل واقعہ بغوی نے یہ لکھا ہے کہ خیبر کے ایک یہودی مرد اور عورت نے جو کنوارے نہ تھے زنا کیا۔ باوجودیکہ تورات میں اس جرم کی سزا "رجم" (سنگسار کرنا) تھی، مگر ان دونوں کی بڑائی مانع تھی کہ یہ سزا جاری کی جائے آپس میں یہ مشورہ ہوا کہ یہ شخص جو "یثرب" میں ہے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کتاب میں "زانی" کے لئے "رجم" کا حکم نہیں، کوڑے مارنے کا ہے تو "بنی قریظہ" کے یہود میں سے کچھ آدمی ان کے پاس بھیجو کیونکہ وہ ان =

بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ

اپنے منہ سے اور ان کے دل مسلمان نہیں اور وہ جو یہودی ہیں ف۱ جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کے لیے وہ جاسوس ہیں

اپنے منہ سے، اور ان کے دل مسلمان نہیں۔ اور وہ جو یہودی ہیں، جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کو

لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ

دوسری جماعت کے جو تجھ تک نہیں آئے ف۲ بدل ڈالتے ہیں بات کو اس کا ٹھکانا چھوڑ کر ف۳ کہتے ہیں اگر تم کو

اور جاسوس ہیں دوسری جماعت کے، جو تجھ تک نہیں آئے۔ بےاسلوب کرتے ہیں بات کو اس کا ٹھکانا چھوڑ کر۔ کہتے ہیں، اگر تم کو یہ

هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ

یہ حکم ملے تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ ملے تو بچتے رہنا ف۴ اور جس کو اللہ نے گمراہ کرنا چاہا سو تو اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا اللہ کے

ملے تو لو، اور اگر یہ نہ ملے تو بچتے رہو۔ اور جس کو اللہ نے بچلانا چاہا سو اس کا کچھ نہیں کر سکتا اللہ کے

شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚۖ وَّلَهُمْ

ہاں ف۵ یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ دل پاک کرے ان کے ف۶ ان کو دنیا میں ذلت ہے اور ان کو

ہاں وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا، کہ دل پاک کرے۔ ان کو دنیا میں ذلت ہے، اور ان کو

= کے ہمسایہ ہیں اور ان سے صلح کا معاہدہ بھی کر چکے ہیں وہ ان کا خیال معلوم کر لیں گے چنانچہ ایک جماعت اس کام کے لئے روانہ کی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عندیہ معلوم کر لے کہ "زانی محصن" کی کیا سزا تجویز کرتے ہیں۔ اگر وہ کوڑے مارنے کا حکم دیں تو ان پر رکھ کر قبول کر لو۔ اور "رجم" کا حکم دیں تو مت مانو۔ ان کے دریافت کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے فیصلہ پر رضامند ہو گے؟ انہوں نے اقرار کر لیا۔ خدا کی طرف سے جبرائیل "رجم" کا حکم لے آئے مگر وہ لوگ اپنے اقرار سے پھر گئے آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فدک کا رہنے والا ابن صوریا تم میں کیسا شخص ہے سب نے کہا کہ آج روئے زمین پر "شرائع موسویہ" کا اس سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلوایا اور نہایت ہی شدید حلف دے کر پوچھا کہ "تورات" میں اس گناہ کی سزا کیا ہے؟ باوجودیکہ دوسرے یہود اس حکم کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے جس کا پردہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے فاش ہو چکا تھا۔ تاہم ابن صوریہ نے جو ان کا مسلم معتمد تھا کسی نہ کسی وجہ سے اس کا اقرار کر لیا کہ بیشک تورات میں اس جرم کی سزا رجم ہی ہے۔ بعدہ اس نے سب حقیقت ظاہر کی کہ کس طرح یہود نے رجم کو اڑا کر زنا کی سزا یہ رکھ دی کہ زانی کو کوڑے لگائے جائیں اور کالا منہ کر کے اور گدھے پر الٹا سوار کرا کر گشت کرایا جائے۔ الحاصل حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں مرد و عورت پر رجم کی سزا جاری کی اور فرمایا کہ اے اللہ آج میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو دنیا میں زندہ کیا اس کے بعد کہ وہ اسے مردہ کر چکے تھے۔ یہ واقعہ ہے۔

ف۱ یعنی منافقین اور یہود بنی قریظہ۔

ف۲ "سمّاعون" کے معنی ہیں بہت زیادہ سننے والے اور کان دھرنے والے، پھر "بہت زیادہ سننا" کبھی تو جاسوسی پر اطلاق کیا جاتا ہے اور کبھی اس کے معنی ہوتے ہیں "بہت زیادہ قبول کرنے والا" جیسے ﴿سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ﴾ میں سننے کے معنی قبول کرنے کے ہیں۔ مترجمؒ نے یہاں پہلے معنی مراد لئے ہیں۔ لیکن ابن جریر وغیرہ محققین نے دوسرے معنی پر حمل کیا ہے "سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ" یعنی جھوٹ اور باطل کو بہت زیادہ ماننے اور قبول کرنے والے "سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ" یعنی دوسری جماعت جس نے ان کو بھیجا اور خود تمہارے پاس نہیں آئی ان کی بات بہت زیادہ ماننے والے۔

ف۳ یعنی خدا کے احکام میں تحریف کرتے ہیں یا کہیں لگا دیتے ہیں۔

ف۴ یعنی اگر کوڑے لگانے کا حکم ملے تو قبول کرو ورنہ نہیں۔ گویا خدا کی شریعت کو اپنی ہوا کے تابع رکھنا چاہتے تھے۔ .... =

فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ

آخرت میں بڑا عذاب ہے جاسوسی کرنے والے جھوٹ بولنے کے لیے اور بڑے حرام کھانے والے سو اگر آویں وہ تیرے پاس

آخرت میں بڑی مار ہے۔ بڑے جاسوس جھوٹ کہنے کو، اور بڑے حرام کھانے والے۔ سو اگر آئیں تجھ پاس،

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْــًٔا ؕ وَاِنْ

تو فیصلہ کر دے ان میں یا منہ پھیر لے ان سے ف۱ اور اگر تو منہ پھیر لے گا ان سے تو وہ تیرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور اگر

تو حکم کر دے ان میں، یا تغافل کر ان سے۔ اور تو تغافل کرے گا، تو تیرا کچھ نہ بگاڑیں گے۔ اور اگر

=ف۵ ہدایت وضلالت، خیر وشر کوئی چیز بھی بدون ارادہ خداوندی کے عالم وجود میں نہیں آسکتی۔ یہ ایک ایسا اصول ہے کہ جس کا انکار کرنا اس کے تسلیم کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔ فرض کرو کہ ایک شخص چوری کرنے کا ارادہ کرتا ہے لیکن خدا کا ارادہ یہ ہے کہ چوری نہ کرے اب وہ شخص اگر اپنے ارادہ میں کامیاب رہا تو لازم آتا ہے کہ خدا اس کے مقابلہ معاذ اللہ عاجز ہو اور اگر خدا ہی کا ارادہ بندہ کے ارادہ پر غالب رہتا ہے تو لازم آتا ہے کہ دنیا میں کہیں چوری وغیرہ کسی شر کا وجود نہ رہے اور اگر خدا تعالیٰ خیر وشر میں سے کسی کا بھی ارادہ نہیں کرتا تو اس سے معاذ اللہ اس کا تعطل یا غفلت وسفاہت لازم آتی ہے۔ تعالی الله عن كل الشرور وتقدس۔ ان تمام شقوق پر غور کرنے کے بعد ناچار وہ ہی ماننا پڑے گا کہ کوئی چیز بھی اس کے ارادہ تخلیق کے بدون موجود نہیں ہو سکتی۔ یہ مسئلہ نہایت مہم اور طویل الذیل ہے۔ ہمارا قصد ہے کہ اس قسم کے مسائل کے متعلق مستقل مضمون لکھ کر فوائد کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ والله الموافق۔

ف۶ اول منافقین اور یہود کا طرز عمل بیان فرمایا جس میں یہ چند اعمال بالخصوص ذکر کیے گئے۔ ہمیشہ جھوٹ اور باطل کی طرف جھکنا۔ اہل حق کے خلاف جاسوسی کرنا۔ بدباطن اور شریر جماعتوں کو مدد پہنچانا۔ ہدایت کی باتوں کو تحریف کر کے بدل ڈالنا۔ اپنی خواہش اور مرضی کے خلاف کسی حق بات کو قبول نہ کرنا۔ جس قوم میں یہ خصال پائی جائیں اس کی مثال ایسے مریض کی سمجھو جو نہ دوا استعمال کرے نہ مہلک اور مضر چیزوں سے پرہیز قائم رکھ سکے اطباء اور ڈاکٹروں کا مذاق اڑائے فہمائش کرنے والوں کو گالیاں دے نسخہ پھاڑ کر پھینک دے یا اپنی رائے سے اس کے اجزاء بدل ڈالے اور یہ عہد بھی کر لے کہ جو دوا میری خواہش اور مذاق کے خلاف ہوگی کبھی استعمال نہ کروں گا ان حالات کی موجودگی میں کوئی ڈاکٹر یا طبیب خواہ اس کا باپ ہی کیوں نہ ہو، اگر معالجہ سے دست بردار ہو کر یہ ہی ارادہ کر لے کہ ایسے مریض کو اب اس کی بے اعتدالیوں، غلط کاریوں، ضد اور ہٹ کا خمیازہ بھگتنے دو تو کیا یہ طبیب کی بے رحمی یا بے اعتنائی کا ثبوت ہوگا یا خود مریض کی خودکشی سمجھی جائے گی۔ اب اگر مریض اس بیماری سے ہلاک ہو گیا تو طبیب کو مورد الزام نہیں ٹھرا سکتے کہ اس نے علاج نہ کیا اور تندرست کرنا نہ چاہا۔ بلکہ بیمار خود ملزم ہے کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے کو تباہ کیا اور طبیب کو موقع نہ دیا کہ وہ اس کی صحت واپس لانے کی کوشش کرتا۔ ٹھیک اسی طرح یہاں یہود کی شرارت ہوا پرستی، ضد اور ہٹ دھرمی کو بیان فرما کر جو یہ لفظ فرمائے ﴿وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ﴾ (جس کو اللہ نے گمراہ کرنا چاہا) اور ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ﴾ (یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے) اس کا یہ ہی مطلب ہے کہ خدا نے ان کی سوء استعداد اور بدکاریوں کی وجہ سے اپنی نظر لطف وعنایت ان پر سے اٹھالی۔ جس کے بعد ان کے راہ پر آنے اور پاکی قبول کرنے کی کوئی توقع نہیں رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے غم میں اپنے کو نہ گھلائیں لقولہ تعالیٰ ﴿لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ﴾ الخ باقی یہ شبہ کہ خدا تو اس پر بھی قادر تھا کہ ان کی سب شرارتوں اور غلط کاریوں کو جبراً روک دیتا اور مجبور کر دیتا کہ وہ کوئی ضد اور ہٹ کر ہی نہ سکیں۔ تو بیشک میں تسلیم کرتا ہوں کہ خدا کی قدرت کے سامنے یہ چیز کچھ مشکل نہ تھی ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا﴾ لیکن اس دنیا کا سارا انتظام ہی ایسا رکھا گیا ہے کہ بندوں کو خیر وشر کے اکتساب میں مجبور محض نہ بنایا جائے اگر صرف خیر کے اختیار پر سب کو مجبور کر دیا جاتا تو تخلیق عالم کی حکمت ومصلحت پوری نہ ہوتی اور حق تعالیٰ کی بہت سی صفات ایسی رہ جاتیں کہ ان کے ظہور کے لئے کوئی محل نہ ملتا۔ مثلاً عفوٌ غفورٌ حلیمٌ، منتقم، ذو البطش الشديد، قائم بالقسط، مالك يوم الدين وغیرہ حالانکہ عالم کے پیدا کرنے سے غرض ہی یہ ہے کہ اس کی تمامی صفات کمالیہ کا مظاہرہ ہو، کوئی مذہب یا کوئی انسان جو خدا کو فاعل مختار مانتا ہے اتمام کار اس کے سوا کوئی دوسری غرض نہیں بتلا سکا۔ ﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ اس سے زائد تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں بلکہ اس قدر بھی ہمارے موضوع سے زائد ہی ہے۔

ف۱ ابن عباس، مجاہد اور عکرمہ وغیرہ رضی اللہ عنہم اکابر سلف سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار ابتداء میں تھا۔ آخر میں جب اسلام کا تسلط اور نفوذ کامل ہو گیا تو ارشاد ہوا ﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ یعنی ان کے نزاعات کا فیصلہ قانون شریعت کے موافق کر دیا کرو۔ مطلب یہ کہ اعراض اور کنارہ کشی کی ضرورت نہیں۔

حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۴۲ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ

تو فیصلہ کرے تو فیصلہ کر ان میں انصاف سے بیشک اللہ دوست رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو ف۱ اور وہ تجھ کو کس طرح منصف بنائیں گے

حکم کرے تو حکم کر ان میں انصاف کا۔ اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو۔ اور کس طرح تجھ کو منصف کریں گے

وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ

اور ان کے پاس تو تورات ہے جس میں حکم ہے اللہ کا پھر اس کے پیچھے پھرے جاتے ہیں اور وہ ہرگز

اور ان کے پاس توریت ہے، جس میں حکم اللہ کا، پھر اس پیچھے پھر جاتے ہیں۔ اور وہ

بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۳ ع ۱۰

ماننے والے نہیں ہیں ف۲

ماننے والے نہیں۔

تسلیہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم وذکر خیانت یہود در حکم زنا کہ در تورات مذکور بود

قال تعالیٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ ... الی ... وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾

شانِ نزول

ان آیات میں اخیر رکوع تک یہود کی ایک خاص خیانت کا ذکر ہے قصہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ خیبر کے ایک معزز گھرانہ کے ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت نے زنا کیا توریت میں زنا کی سزا سنگسار کرنا تھی لیکن جب یہودی اس سزا کو معزز گھرانوں پر جاری نہ کر سکے تو توریت میں تحریف کر کے اپنی طرف سے یہ سزا بنائی کہ زانی اور زانیہ کا منہ کالا کر کے ان کو گدھے پر سوار کر کے شہر میں پھراتے اور سو تازیانے لگاتے، خیبر میں جب یہ واقعہ پیش آیا تو ان لوگوں نے یہ مشورہ کیا کہ یہ مقدمہ محمد (ﷺ) کے پاس لے چلو دیکھو کہ وہ حکم دیتے ہیں اور شاید ان کی شریعت میں کوئی نرمی ہو اس لیے کہ ان کی شریعت۔ تورات کے طرح سخت نہیں اور یہ جانتے تھے کہ حضور پرنور ﷺ اُمی ہیں آپ ﷺ کو تورات کی خبر نہیں جو ہمارا معمول اور دستور ہیں گے اسی کے مطابق فیصلہ کر دیں گے اور جن لوگوں کے ساتھ مجرموں کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا ان کو سمجھا دیا کہ اگر حضور پرنور ﷺ دُرّے لگانے کا حکم دیں تو قبول کر لینا ورنہ پھر اس پر عمل نہ کرنا چنانچہ جب یہ لوگ مقدمہ لے کر آپ ﷺ کے پاس

ف۱ قرآن کریم نے بار بار اس پر زور دیا ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی شریر ظالم اور بدمعاش کیوں نہ ہو مگر اس کے حق میں بھی تمہارا دامن عدالت ناانصافی کے چھینٹوں سے داغدار نہ ہونے پائے۔ یہ ہی وہ خصلت ہے جس کے سہارے زمین و آسمان کا نظام قائم رہ سکتا ہے۔

ف۲ یعنی تعجب کی بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ٹھہراتے ہیں اور جس تورات کو کتاب آسمانی مانتے ہیں اس کے فیصلہ پر بھی راضی نہیں تو حقیقت میں ان کا ایمان کسی پر بھی نہیں۔ نہ قرآن پر نہ تورات پر۔ اگلے رکوع میں تورات و انجیل کی مدح فرما کر متنبہ کیا ہے کیسی عمدہ کتاب اور کیسے علوم ہدایت تھے جن کی ان نالائقوں نے بے قدری کی اور انہیں ایسا ضائع کیا کہ آج اصل چیز کا پتہ لگانا بھی مشکل ہو گیا آخر حق تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے بالکل آخر میں وہ کتاب بھیجی جو ان سب پہلی کتابوں کے مطالب اصلیہ کی محافظ اور مصدق ہے۔ اور جس کی ابدی حفاظت کا انتظام نازل کرنے والے نے خود اپنے ذمہ لیا ہے۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ

آئے تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو خبر دی کہ توریت میں زانی کا حکم رجم ہے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ توریت میں زنا کی کیا سزا ہے انہوں نے کہا یہی سزا ہے منہ کالا کر کے شہر میں تشہیر کرنا اور تازیانے لگانا آپ ﷺ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور مسجد سے اٹھ کر سیدھے یہودیوں کے مدرسہ بیت المدارس میں تشریف لے گئے اور یہودیوں سے دریافت کیا کہ تم میں سب سے بڑا عالم کون ہے لوگوں نے کہا۔ ابن صوریا۔ آپ ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ بتلاؤ توریت میں شادی شدہ زانی کی کیا سزا ہے اس نے اور دیگر علماء نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ منہ کالا کر کے اور گدھے پر سوار کر کے شہر میں گھمایا جائے اور تازیانے مارے جائیں آپ ﷺ نے فرمایا تم غلط کہتے ہو توریت کو لاؤ اور اس کو میرے سامنے پڑھو چنانچہ توریت منگوائی گئی آخر وہ آیت جس میں رجم (یعنی سنگسار کرنے کا حکم تھا) وہ آیت نکلی اور پڑھ کر سنائی گئی ان میں سے ایک شخص نے اپنا ہاتھ آیت رجم پر رکھ دیا اور ماقبل اور مابعد پڑھ کر سنا دیا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا اے عدو اللہ اپنا ہاتھ اٹھا اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا اس کے نیچے سے آیت رجم کی نکلی تب سب نے اقرار کیا کہ محمد ﷺ سچے ہیں اور مجبوراً انہیں عمل کرنا پڑا اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں توریت کے مطابق رجم کا حکم دیتا ہوں آپ ﷺ کے اس حکم کے بعد دونوں کو سنگسار کیا گیا ان آیات میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے یہ تمام تفصیل تفسیر قرطبی: ۱۷۶/۶ اور تفسیر ابن کثیر: ۵۸/۲ میں مذکور ہے۔

ربط:...... گزشتہ آیت میں مال کی چوری کا ذکر تھا اور ان آیات میں ایک حکم شرعی کی چوری اور خیانت کا ذکر ہے اور مقصود یہ ہے کہ احکام خداوندی کے اجراء اور تنفیذ میں امیر اور غریب کا فرق جائز نہیں اور میروں کی رعایت سے حکم خداوندی میں تحریف موجب لعنت ہے اور آیت کا آغاز نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے تسلی سے فرمایا کیونکہ احکام شریعت کی مخالفت عموماً اور حدود اور تعزیرات کی مخالفت خصوصاً اہل نفاق اور اہل غرض کا شیوہ ہے آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کی ناشائستہ حرکات سے رنج اور ملال ہوتا تھا اس لیے حق جل شانہ آنحضرت ﷺ کی تسلی اور تسکین کے لیے ارشاد فرماتے ہیں اے ہمارے رسول آپ ﷺ کو وہ لوگ غم میں نہ ڈال دیں جو کفر کے نشر و اشاعت میں جدو جہد اور سعی کرتے پھرتے ہیں یعنی آپ ﷺ ان کے کفریات سے رنجیدہ اور مغموم نہ ہوں یہ لوگ آپ ﷺ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ آپ ﷺ کا حافظ و ناصر ہے اور یہ کفر میں سعی کرنے والے خواہ منافقین میں سے ہوں جو زبان سے کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور ان کی دل مسلمان نہیں اور خواہ وہ یہود میں سے ہوں اور یہ دونوں گروہ جھوٹ سننے کے عادی ہیں اور اپنے سرداروں اور رئیسوں سے جھوٹی باتیں سنتے ہیں اور اس کو قبول کرتے ہیں وہ آپ ﷺ کے حق اور صدق کو کس طرح قبول کریں گے اور اگر کسی وقت آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے تو آپ کی سچی باتیں سننے کے لیے حاضر نہیں ہوتے بلکہ آپ ﷺ کی باتیں دوسرے لوگوں کے لیے سنتے ہیں جو آپ ﷺ کے پاس نہیں آئے یعنی یہ لوگ جاسوس ہیں جو باتیں آپ ﷺ سے سنتے ہیں ان کی خبر اپنی قوم کو جا کر دیتے ہیں اور حق کی عداوت میں توریت کے کلمات اور الفاظ میں تغیر اور تبدل کر ڈالتے ہیں بعد اس کے کہ وہ کلمات اپنے موقع اور محل میں ثابت اور قائم تھے وہاں سے ان کو ہٹا دیتے ہیں یعنی توریت کے کلمات اور الفاظ میں تحریف کرتے ہیں اور مزید برآں یہ کہ جس کسی کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجتے ہیں تو اس سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اگر تم کو (محمد ﷺ) کی طرف سے یہ حکم محرّف دیا جائے جو ہم نے تمہارے لیے تجویز کیا ہے تو اسے قبول کر لینا

اور اگر تم کو آپ ﷺ کی بارگاہ سے یہ حکم محرف نہ دیا جائے تو اس سے احتراز کرنا یعنی اگر کوڑے لگانے کا حکم ملے تو قبول کرنا ورنہ نہیں گویا کہ خدا کی شریعت کو اپنی ہوائے نفسانی کے تابع رکھنا چاہتے ہیں اور یہ ایک عظیم فتنہ ہے کہ خود تو شریعت کا تابع نہ بنے بلکہ شریعت کو اپنی خواہشوں کے تابع رکھنا چاہے اور شریعت کے حروف اور الفاظ میں اپنی خواہش کے مطابق تحریف کر ڈالے ایسے شخص کی راہ ہدایت پر آنے کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی اس کی مثال ایسے مرض کی طرح سمجھو کہ جو طبیب کی تجویز کردہ دوا تو استعمال نہ کرے اور برابر مہلک اور مضر چیزوں کا استعمال کرتا رہے اور طبیبوں اور ڈاکٹروں کا مذاق اڑائے تو اہل عقل کی نزدیک اس کا یہ عمل خودکشی کے مرادف سمجھا جائے گا اور اسی طرح یہود کی ہوا پرستی اور ہٹ دھرمی کو سمجھو چنانچہ فرماتے ہیں اور اصل حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہیں تو اس کو آپ ﷺ کو اس کی ہدایت کا اللہ کی جانب سے کوئی اختیار نہیں یعنی آپ ﷺ کو اختیار نہیں کہ ان لوگوں سے گمراہی کا فتنہ دفع کرسکیں گمراہی کا فتنہ صرف طہارتِ قلب سے دفع ہوسکتا ہے لیکن یہ وہ لوگ ہیں کہ خدا ہی نے ارادہ نہیں کیا کہ ان کی دلوں کو کفر اور گمراہی کی گندگی اور پلیدی سے پاک کرے ان کے لیے دنیا میں بڑی رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے غرض یہ کہ خدا تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بتلادیا کہ اللہ کا ارادہ ان لوگوں کے دلوں کو خباثتوں اور نجاستوں سے پاک کرنے کا نہیں لہٰذا آپ ﷺ ان کے رنج وغم میں نہ پڑیں یہ لوگ حق اور صدق کو سننے والے نہیں بلکہ جھوٹ کو بڑے سننے والے ہیں بڑے حرام خور ہیں دیدہ ودانستہ کتاب الٰہی میں تحریف کرتے ہیں اور رشوت لیکر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کردیتے ہیں پس جن کی یہ حالت ہو اگر یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس اپنا کوئی مقدمہ لیکر آئیں اور آپ ﷺ سے فیصلہ کرانا چاہیں تو آپ ﷺ کو اختیار ہے کہ چاہے آپ ﷺ ان کے مقدمہ کا فیصلہ کردیں یا ان سے تغافل برتیں اور ان کا معاملہ انہی کے علماء کے سپرد کردیں اور یہ کہہ دیں کہ تمہارا جو جی چاہے کرو ایسے جاہلوں اور خود غرضوں سے اعراض نہایت مناسب ہے ایسے لوگوں کا اگر فیصلہ بھی کردیا جائے تو یہ اس پر عمل نہ کریں گے اور اگر آپ ﷺ کی یہی رائے قرار پائے کہ ان سے تغافل برتیں اور اعراض کریں تو یہ اندیشہ نہ کریں کہ یہ لوگ آپ ﷺ کے دشمن ہوجائیں گے اور آپ ﷺ کو ضرر پہنچائیں گے سو یہ لوگ ہرگز آپ ﷺ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاسکیں گے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کا محافظ اور نگہبان ہے اگر آپ ﷺ کی یہی رائے قرار پائے کہ ان کے درمیان فیصلہ کردیا جائے تو آپ ﷺ انصاف کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کردیجئے یعنی قانون شریعت کے مطابق فیصلہ کردیجئے بے شک اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اشارہ اس طرف ہے کہ مجرم کتنا ہی شریر اور بدمعاش کیوں نہ ہوں مگر تم پر یہ لازم ہے کہ فیصلہ میں عدل اور انصاف کو پورا پورا ملحوظ رکھو اور تعجب اور حیرت کا مقام ہے کہ یہ لوگ کس طرح اور کیونکر آپ ﷺ کو حکم اور منصف قرار دیتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت موجود ہے جس میں زنا کے متعلق اللہ کا حکم صراحۃً کے ساتھ موجود ہے جس پر وہ ایمان کے مدعی ہیں اور جس کو وہ خدا کی کتاب مانتے ہیں اور اس کے احکام سے کیوں انحراف کرتے ہیں پھر دوسرا تعجب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو حکم اور منصف بنانے کے بعد آپ ﷺ کے فیصلہ سے کیوں اعراض کرتے ہیں اور یہ لوگ ایسا معلوم ہوتا ہے توریت ہی پر ایمان نہیں رکھتے ایسے لوگوں سے کیا خیر کی توقع کی جاسکتی ہے حکم اور منصف بنانے کے بعد بھی فیصلہ کو نہ ماننا صریح ہٹ دھرمی اور نفس پرستی ہے۔

ف ۱:...... امام رازی فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ نے قرآن کریم میں آنحضرت ﷺ کو اکثر وبیشتر ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ﴾ کے لقب سے ذکر کیا ہے مگر ﴿یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ﴾ کا خطاب دو جگہ آیا ہے ایک یہاں اور ایک آئندہ آیت ﴿یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ اور چونکہ رسالت کا مرتبہ نبوت سے زیادہ ہے اس لیے یہ خطاب نہایت عظمت اور رفعت پر دلالت کرتا ہے۔

ف ۲:...... آیت مذکورہ ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ کا سننا بھی نہایت مذموم اور قبیح ہے جس طرح جھوٹ بولنا حرام ہے اسی طرح جھوٹ کا سننا بھی حرام ہے جس طرح زبان احکام شرعیہ کی مکلف ہے اسی طرح کان بھی احکام شرعیہ کا مکلف ہے قرآن کا سننا عبادت ہے اور گانا سننا معصیت ہے۔

ف ۳:...... آیت مذکورہ ﴿اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ﴾ کے بارہ میں آنحضرت ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آیت ”سُحت“ سے رشوت مراد ہے اور بے شمار حدیثوں میں راشی اور مرتشی پر لعنت آئی ہے۔

ف ۴:...... حق جل شانہ کے اس قول ﴿فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اہل کتاب کے مقدمات کے فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار [1] تھا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد اور عکرمہ اور حسن بصری اور قتادہ اور سدی رحمہم اللہ اور دیگر اکابر سلف سے منقول ہے کہ حضور پرنور ﷺ کو یہ اختیار ابتداء میں تھا بعد اسلام کا تسلط اور اقتدار کامل ہو گیا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

اور یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَاَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ الخ یعنی ان کے نزاعات اور مقدمات کا فیصلہ قانون شریعت کے مطابق کرو اب اعراض اور کنارہ کشی کی ضرورت نہیں۔

یا یوں کہو کہ پہلی آیت میں ان لوگوں کے بارہ میں ہے جو اسلامی حکومت کے ذمی نہیں بنے جیسے ابتداء میں بنی قریظہ اور بنی نضیر کا حال تھا کہ مسلمانوں سے ان کا کوئی عہد اور ذمہ نہ تھا ایسے لوگوں کے بارہ میں امیر مملکت کو اختیار ہے کہ چاہے ان کا فیصلہ کرے یا معاملہ ان کے حوالے کے کیونکہ گزشتہ آیت ﴿فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ بنی نضیر اور بنی قریظہ کے بارہ میں نازل ہوئی اور اس وقت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ان لوگوں سے کوئی عہد اور ذمہ نہ تھا کیونکہ اگر آپ ﷺ کا ان سے کوئی عہد اور ذمہ ہوتا تو بنی نضیر کو جلاوطن اور بنی قریظہ کو قتل نہ کرتے حاصل کلام یہ کہ جائز ہے کہ یہ حکم اہل حرب کا ہو اور آئندہ آیت ﴿وَاَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ میں قانون شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم اہل ذمہ اور اہل عہد کے بارہ میں ہو اس صورت میں ناسخ ومنسوخ ماننے کی ضرورت نہ رہے گی۔ تفصیل کے لیے احکام القرآن للجصاص: ۲/ ۴۳۴-۴۳۵ کو دیکھیں۔

ف ۵:...... یہ آیت بالاجماع یہود کے بارہ میں نازل ہوئی جو زنا کے مرتکب ہوئے چونکہ توریت میں حکم رجم کا تھا اس لیے اس سے بچنے کے لیے آپ ﷺ کے پاس اپنا مقدمہ لائے کہ شاید آپ ﷺ کی بارگاہ سے کوئی نرم اور آسان فیصلہ ہو جائے اور ہم سنگساری سے بچ جائیں آپ ﷺ نے توریت منگوائی اور آخر وہ آیت جس میں رجم کا حکم تھا اس میں نکلی آپ ﷺ نے

[1] مترجم گوید یعنی اہل ذمہ اگر قضیۂ خویش با امام رفع کنند اگر خواہد حکم کند و اگر خواہد بر علماء ایشاں مفوض نماید۔ (فتح الرحمن)

اس کے مطابق ان دونوں مجرموں کو سنگسار کرایا اس سلسلہ کلام میں حق جل شانہ نے یہ لفظ ارشاد فرمایا ﴿وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ﴾ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ توریت میں جو رجم کا حکم مذکور ہے اللہ کے نزدیک بھی زانی محصن کا وہی حکم ہے اور اللہ کے نزدیک رجم کا حکم منسوخ نہیں ہوا وہ اب بھی باقی ہے اگر رجم کا حکم اللہ کے نزدیک منسوخ ہو چکا تھا تو آیت قرآنیہ میں اس کو حکم اللہ سے تعبیر نہ فرماتے۔ (احکام القرآن للجصاص: ۲/۴۳۸)

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ

ہم نے نازل کی تورات کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہے ف۱ اس پر حکم کرتے تھے پیغمبر جو کہ حکم بردار تھے

ہم نے اتاری توریت، اس میں ہدایت اور روشنی، اس پر حکم کرتے پیغمبر جو حکم بردار تھے

هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ

اللہ کے یہود کو اور حکم کرتے تھے درویش اور عالم ف۲ اس واسطے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب پر اور اس کی خبرگیری پر مقرر تھے ف۳

یہود کو اور درویش اور عالم، اس واسطے کہ نگہبان ٹھہرائے تھے اللہ کی کتاب پر اور اس کی خبرداری پر تھے

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ

سو تم نہ ڈرو لوگوں سے اور مجھ سے ڈرو اور مت خرید میری آیتوں پر مول تھوڑا ف۴ اور جو کوئی حکم نہ کرے

اور تم نہ ڈرو لوگوں سے، اور مجھ سے ڈرو، اور مت خرید کرو میری آیتوں پر مول تھوڑا۔ اور جو کوئی حکم نہ کرے

اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ

اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ہیں کافر ف۵ اور لکھ دیا ہم نے ان پر اس کتاب میں کہ جی کے بدلے جی

اللہ کے اتارے پر، سو وہی لوگ ہیں منکر۔ اور لکھ دیا ہم نے ان پر اس کتاب میں کہ جی کے بدلے جی

ف۱ یعنی وصول الی اللہ کے طالبین کے لئے ہدایت کا اور شبہات و مشکلات کی ظلمت میں پھنس جانے والوں کے لئے روشنی کا کام دیتی ہے۔

ف۲ یعنی تورات میں ایسا عظیم الشان دستور العمل اور عین ہدایت تھا کہ کثیر التعداد پیغمبر اور اہل اللہ اور علماء برابر اسی کے موافق حکم دیتے اور نزاعات کے فیصلے کرتے رہے۔

ف۳ یعنی تورات کی حفاظت کا ان کو ذمہ دار بنایا گیا تھا۔ قرآن کریم کی طرح "انا لہ لحافظون" کا وعدہ نہیں ہوا۔ تو جب تک علماء و احبار نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا، تورات محفوظ و معمول رہی۔ آخر دنیا پرست علمائے سوء کے ہاتھوں سے تحریف ہو کر ضائع ہوئی۔

ف۴ یعنی لوگوں کے خوف یا دنیاوی طمع کی وجہ سے آسمانی کتاب میں تبدیل و تحریف مت کرو۔ اس کے احکام و اخبار کو مت چھپاؤ اور خدا کی تعذیب و انتقام سے ڈرتے رہو۔ تورات کی عظمت شان اور مقبولیت جتلانے کے بعد یہ خطاب یا تو ان رؤسا و علمائے یہود کو کیا گیا ہے جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے۔ کیونکہ انہوں نے حکم "رجم" سے انکار کر دیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشین گوئیوں کو چھپاتے اور ان کے معنی میں عجیب طرح کے ہیر پھیر کرتے تھے اور یا درمیان میں امت مسلمہ کو نصیحت ہے کہ تم دوسری قوموں کی طرح کسی سے ڈر کر یا حب مال و جاہ میں پھنس کر اپنی آسمانی کتاب کو ضائع مت کرنا۔ چنانچہ اس امت نے بحمد اللہ ایک حرف بھی اپنی کتاب کا گم نہیں کیا اور آج تک اس کو مبطلین کی تغییر و تحریف سے محفوظ رکھنے میں کامیاب رہے اور ہمیشہ رہیں گے۔

ف۵ "ما انزل اللّٰہ" کے موافق حکم نہ کرنے سے غالباً یہ مراد ہے کہ منصوص حکم کے وجود ہی سے انکار کر دے اور اس کی جگہ دوسرے احکام اپنی رائے او =

وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوحَ

اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے

اور آنکھ کے بدلے آنکھ، اور ناک کے بدلے ناک، اور کان کے بدلے کان، اور دانت کے بدلے دانت، اور زخموں کا

قِصَاصٌ ۗ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ

بدلہ ان کے برابر ف۱ پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا ف۲ اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ہیں

بدلہ برابر۔ پھر جس نے بخش دیا، تو اس سے وہ پاک ہوا۔ اور جو کوئی حکم نہ کرے اللہ کے اتارے پر، سو وہی لوگ ہیں

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

ظالم ف۳

بے انصاف۔

ذکر خیانت یہود در بارہ حکم قصاص

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ... الی... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں حکم زنا میں یہود کی خیانت کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہودیوں کی حکم قصاص میں خیانت کا ذکر ہے اور مطلب یہ ہے کہ توریت اللہ کی اتاری ہوئی کتاب تھی جو سراپا نور اور ہدایت تھی اور تمام انبیاء اور علماء اس کے مطابق

= خواہش سے تصنیف کر لے۔ جیسا کہ یہود نے حکم "رجم" کے متعلق کیا تھا۔ تو ایسے لوگوں کے کافر ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور اگر مراد یہ ہو کہ "ما انزل اللہ" کو عقیدۃً ثابت مان کر پھر فیصلہ عملاً اس کے خلاف کرے تو کافر سے مراد عملی کافر ہوگا۔ یعنی اس کی عملی حالت کافروں جیسی ہے۔

ف۱ قصاص کا یہ حکم شریعت موسوی میں تھا۔ اور بہت سے علمائے اصول نے تصریح کی ہے کہ جو پچھلی شرائع قرآن کریم یا ہمارے پیغمبر علیہ السلام نے نقل فرمائیں بشرطیکہ ان کی نسبت کسی جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی انکار یا ترمیم نہ فرمائی ہو تو وہ اس امت کے حق میں بھی تسلیم کی جائیں گی۔ گویا بدون رد و انکار کے ان کو سنانا تلقی بالقبول کی دلیل ہے۔

ف۲ یعنی جروح کے قصاص کو معاف کر دینا مجروح کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی تصریح آئی ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس آیت کو جارح کے حق میں رکھا ہے یعنی اگر مجروح نے جارح کو معافی دے دی تو اس کا گناہ معاف ہو جائے گا والراجع ھو الاول۔

ف۳ یہود نے حکم قصاص کے خلاف بھی تعامل قائم کر لیا تھا۔ ان میں "بنی نضیر" جو زیادہ معزز اور قوی سمجھے جاتے تھے، "بنو قریظہ" سے پوری دیت وصول کرتے اور جب ان کو دینے کی نوبت آتی تو نصف دیت ادا کرتے۔ "بنی قریظہ نے اپنی کمزوری کی وجہ سے ان سے اس طرح کا معاہدہ کر رکھا تھا اتفاقاً بنی قریظہ کے ہاتھ سے" بنی نظیر" کا آدمی مارا گیا۔ انہوں نے دستور سابق کے موافق ان سے پوری دیت طلب کی بنی قریظہ نے جواب دیا کہ جاؤ وہ زمانہ گیا جب ہم نے تمہاری قوت سے مجبور ہو کر یہ ظلم منظور کر لیا تھا۔ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں محال ہے کہ کوئی قوی ضعیف کو کچل سکے یا دبا سکے۔ کیونکہ سب کو یقین تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ضعیف و قوی کے ساتھ یکساں انصاف کرتے ہیں اور اقویاء کے مظالم کے مقابلہ میں ضعفاء کی دستگیری فرماتے ہیں۔ انجام کار یہ معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہوا اور بنی قریظہ نے جو خیال اس پیکر عدل و انصاف کی نسبت ظاہر کیا تھا بلا کم و کاست صحیح نکلا۔ حکم قصاص کے بعد ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ الخ فرمانے سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور چونکہ "رجم" کی طرح قصاص کے حکم شرعی ہونے سے صریحاً انکار نہیں کیا تھا بلکہ آپس کی مفاہمت سے خلاف حکم شرعی ایک دستور قائم کر لیا تھا تو قانون عدل کی یہ اعتقادی نہیں صرف عملی مخالفت ہوئی۔ اسی لئے یہاں کافرون کی جگہ ظلمون فرمایا یعنی یہ ظلم صریح ہے کہ قوی سے کم اور ضعیف سے زیادہ دیت لی جائے۔

فیصلے کیا کرتے تھے اسی توریت میں قصاص کا بھی حکم دیا گیا تھا مگر یہود نے جس طرح حکم رجم کو بدل ڈالا اسی طرح قصاص کے حکم میں بھی تحریف کر ڈالی۔ مدینہ منورہ میں یہود کے دو گروہ تھے بنی قریظہ اور بنی نضیر۔ چونکہ بنی نضیر غالب تھے اس لیے انہوں نے اپنے آپ کو بنی قریظہ پر فضیلت دے رکھی تھی کہ اگر بنی نضیر کا کوئی آدمی بنی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تو پھر قصاص کا حکم نہ دیتے صرف آدھی دیت دلوا کر چھوڑ دیتے اور اگر بنی قریظہ کا کوئی آدمی بنی نضیر کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تو اس سے قصاص دلواتے لہٰذا یہ ارشاد ہوا کہ یہ تفریق توریت میں کہیں نہیں یہ تو سراسر حکم خداوندی کے خلاف ہے جس طرح ہم نے توریت میں بلاتفریق زانی کے رجم کا حکم دیا ہے اسی طرح ہم نے توریت میں بلاتفریق قصاص کا بھی حکم دیا ہے اور جو شخص حکم خداوندی کے خلاف فیصلہ کرے وہ ظالموں میں شمار ہوگا چنانچہ فرماتے ہیں بے شک اتاری ہم نے توریت جس میں ہدایت اور نور ہے یعنی رہروانِ منزلِ آخرت کے لیے ہدایت کا اور شکوک اور شبہات کی ظلمتوں اور تاریکیوں میں روشنی کا کام دیتی ہے مطلب یہ کہ اے نبی ﷺ یہ لوگ جو اپنا مقدمہ آپ ﷺ کے پاس لاتے ہیں یہ ان کی بدنیتی اور شرارت ہے توریت میں زنا کے متعلق صریح ہدایت اور روشن حکم موجود ہے اور شادی شدہ زانی کے سنگسار کرنے کا حکم اس میں صراحۃً مذکور ہے یہ لوگ اس کے احکام سے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور جب یہ لوگ خود اپنی کتاب کے قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں تو آپ ﷺ کے فیصلے کو کب مان سکتے ہیں علاوہ ازیں انبیاء بنی اسرائیل جو خدا کے حکم بردار تھے اسی توریت سے یہودیوں کا فیصلہ کیا کرتے تھے یعنی موسیٰ علیہ السلام کے بعد جتنے نبی آئے ان سب کا عمل توریت کے مطابق تھا اور توریت ہی کے مطابق وہ یہودیوں کا فیصلہ کیا کرتے تھے اور اسی طرح بنی اسرائیل کے درویش اور خدا پرست اور ان کے علماء اور فقہاء اس کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے ربانیین سے اللہ والے لوگ مراد ہیں جو سب کو چھوڑ کر ایک رب کے ہو گئے وہ ربانی ہیں جیسے اولیاء اور صوفیا کرام اور احبار سے علماء مراد ہیں جو احکام الٰہی سے واقف ہیں اور ان پر عمل پیرا ہیں جس کتاب اللہ کے وہ محافظ اور نگہبان ٹھہرائے گئے تھے کہ اس میں کسی قسم کا تغیر اور تبدل اور تحریف نہیں کریں گے اور اس کے مطابق عمل کریں گے اور وہ اس کتاب پر گواہ تھے کہ یہ کتاب من جانب اللہ ہے مطلب یہ ہے کہ اے یہود! توریت وہ کتاب ہے جس کو ہمیشہ سے تمہارے پیشوا مانتے چلے آئے ہیں اور اس پر عمل کرتے رہے تم کیسے ناخلف ہو کہ تم نے ان کے طریقہ کو چھوڑ دیا وہ تو توریت کی حفاظت کرتے تھے اور تم اس میں تحریف کرتے ہو وہ تو اس کے حکموں پر چلتے تھے اور تم اس کے حکموں سے بھاگتے ہو اب یہود سے خطاب فرماتے ہیں پس تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو خدا کے حکم میں بزدل نہ بنو بے خوف وخطر توریت کے احکام کو لوگوں کے سامنے بیان کرو اور میری آیتوں اور حکموں کے عوض اور بدلہ میں دنیا کا حقیر معاوضہ نہ لو یعنی رشوت لے کر احکامِ خداوندی میں تحریف نہ کرو اور جو شخص اللہ کے اتارے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے بلکہ حکم محرف کے مطابق حکم دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہوتے ہیں جو حکم الٰہی سے منحرف ہوئے اور ہم نے ان یہود پر اس کتاب (توریت) میں یہ حکم لکھ دیا کہ جان بدلے جان کے یعنی جان کے بدلہ میں جان لی جائے اور آنکھ کے بدلہ میں آنکھ پھوڑی جائے اور ناک کے بدلہ میں ناک کاٹی جائے اور کان کے بدلہ میں کان کاٹا جائے اور دانت کے بدلہ میں دانت اکھیڑا جائے اور اسی طرح دوسرے زخموں میں بھی قصاص ہے ادلا بدلا ہے پھر جو شخص یہ قصاص معاف کر دے تو

وہ اس کے لیے گناہوں کا کفارہ ہے یعنی معاف کرنے سے گناہ دور ہوتے ہیں اور درجے بلند ہوتے ہیں اور جو شخص اللہ کے اتارے ہوئے حکم کے مطابق حکم نہ کرے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں کہ خدا کے حکم کی جگہ اپنا تراشیدہ ہوا حکم جاری کر دیا ایک ظلم تو یہ کہ غلط حکم دیا اور دوسرا ظلم یہ کہ قصداً حکم الٰہی کو چھوڑ کر اپنی جانوں پر ظلم کیا اور جان بوجھ کر مخالفت کر کے اپنی جانوں کو عذاب میں ڈالا۔

لطائف و معارف

۱-توریت کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے یہود کو ذمہ دار بنایا اس لیے ﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ فرمایا۔ اور قرآن کریم کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لیا تو یہ فرمایا ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ اس لیے قرآن کریم آج تک بالکلیہ اور پوری طرح محفوظ ہے یہود نے ہوا پرستی کے ہاتھوں اپنی آسمانی کتاب کو ضائع کر دیا اور امت محمدیہ ﷺ نے اپنے سینوں میں اس کتاب کو محفوظ رکھا بحمد اللہ آج تک ان کی کتاب بعینہٖ اسی طرح محفوظ ہے جس طرح نازل ہوئی تھی اس میں ایک حرف کی بھی کمی اور زیادتی نہیں ہو سکی۔

۲-اہل کتاب کے پاس جو آج کل توریت کا نسخہ ہے یہ وہ نسخہ نہیں جو من جانب اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوا تھا بلکہ یہ مجموعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت زمانہ بعد کی تصنیف ہے جو حق اور باطل سے مرکب ہے جس کا مخالف کو بھی انکار نہیں موجودہ توریت اگرچہ محرف ہے مگر اس میں بعض باتیں اصلی بھی موجود ہیں جن کو یہود چھپاتے تھے مگر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بذریعہ وحی کے بتلا دیتے تھے کہ اس محرف توریت میں اب بھی بعض فلاں بات موجود ہے من جملہ ان کے یہ حکم رجم بھی تھا جس کا یہود انکار کرتے تھے اللہ نے بذریعہ وحی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مطلع کیا کہ توریت میں رجم کا حکم موجود ہے آپ ﷺ نے توریت منگا کر ان کو قائل کر دیا اور علیٰ ہذا ایک حکم قصاص کا تھا کہ وہ شریف اور کم ذات کا فرق کرتے تھے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا کہ توریت میں شریف اور غیر شریف کا کوئی فرق نہیں۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمہ اللہ اپنی کتاب اظہار الحق کے ۱/۱۴۲، میں فرماتے ہیں: "ان التورات الاصلی وکذا الانجیل الاصلی فقد اقبل بعثه سیدنا محمد صلی الله علیه وسلم والموجودان الان بمنزله کتابین من السیر مجموعین من الروایات الصحیه والکاذبة۔اھ

بعد ازاں احادیث اور اقوال علماء اور یہودی اور نصاری کے اعتراف سے یہ ثابت کیا کہ توریت اور انجیل میں لفظی اور معنوی ہر قسم کی تحریف ہوئی ہے۔

لہٰذا بعض علماء سے جو یہ منقول ہے کہ توریت وانجیل میں معنوی تحریف ہوئی وہ صحیح نہیں یہ قول صریح آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور اجماع امت کے خلاف ہے بلکہ علماء یہود ونصاری کے اعتراف واقرار کے بھی خلاف ہے اور "مدعی سست اور گواہ چست" کا مصداق ہے۔

۳- آیت ﴿وَمَن لَّمۡ يَحۡكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡكَٰفِرُونَ﴾ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص حکم منصوص کے خلاف حکم دے یا فیصلہ کرے وہ کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور یہی مذہب خوارج کا ہے علماء اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حکم خداوندی کو حقیر یا غلط یا خلاف مصلحت یا خلاف تہذیب سمجھ کر انکار کردے اور قانون شریعت میں تغیر و تبدل کر کے اپنی طرف سے نیا حکم تجویز کردے جیسا کہ یہود نے حکم رجم کے مقابلہ میں اپنی رائے سے ایک نیا حکم تیار کرلیا تھا تو ایسا شخص بلاشبہ کافر ہے اور اگر دل میں حکم خداوندی کی تصدیق اور اس کی عظمت اور اس کی حقانیت کا اعتراف موجود ہے اور محض غلبہ نفس یا کسی دنیاوی مجبوری اور معذوری کی بناء پر بادل نخواستہ حکم خدا کے خلاف فیصلہ کردے تو وہ کافر نہ ہوگا بلکہ فقط گناہ گار ہوگا۔ جو شخص اعتقادی طور پر ﴿مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ﴾ کو حق جان کر اور حق مان کر پھر عملاً فیصلہ اس کے خلاف کرے تو ایسے شخص کو اصطلاح شریعت میں عملی کافر کہا جاسکتا ہے نہ اعتقادی کافر یعنی اس کی عملی حالت کافروں جیسی ہے اگرچہ اعتقاد مسلمانوں جیسا ہے اس وجہ سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آیت ﴿فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡكَٰفِرُونَ﴾ میں کفر سے وہ کفر مراد ہے جو اس کو ملت اسلام سے خارج کردے اور یہ ایسا کافر نہیں جیسے کوئی اللہ اور ملائکہ اور کتب اور رسل کا کافر ہو بلکہ کفر دون کفر اور ظلم دون ظلم اور فسق دون فسق ہے ولیس بالکفر الذی تذھبون الیہ یعنی کفر اور ظلم اور فسق کے درجات ہیں بعض کفر اعتقادی ہے اور بعض عملی ہر ایک کا حکم جدا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۶/۱۹۰، وتفسیر ابن کثیر: ۲/۶۱)

اور مزید تفصیل اگر درکار ہو تو حافظ ابن تیمیہ کی کتاب الایمان دیکھیں جس میں کفر دون کفر کی تفصیل ہے۔

۴- قصاص کا یہ حکم شریعت موسوی میں تھا اور علماء اصول اور فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر شریعت سابقہ کا کوئی حکم قرآن اور حدیث میں بلا کسی انکار یا بلا ترمیم و تنسیخ نقل کیا جائے تو وہ ہمارے لیے حجت اور شریعت ہے اور فقہاء نے اس آیت کو استدلال میں پیش کیا ہے۔

۵- رہا یہ امر کہ اس واقعہ میں پہلی بار ﴿فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡكَٰفِرُونَ﴾ اور دوسری بار ﴿فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ﴾ کیوں کہا گیا اس کی حکمت تیسری آیت ﴿فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡفَٰسِقُونَ﴾ کی تفسیر میں ذکر کریں گے۔

وَقَفَّيۡنَا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم بِعِيسَى ٱبۡنِ مَرۡيَمَ مُصَدِّقٗا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ ٱلتَّوۡرَىٰةِۖ

اور پیچھے بھیجا ہم نے انہی کے قدموں پر عیسیٰ مریم کے بیٹے کو لہ تصدیق کرنے والا تورات کی جو آگے سے تھی

اور پیچھے بھیجا ہم نے انہی کے قدموں پر عیسیٰ مریم کا بیٹا۔ سچ بتاتا توریت کو جو آگے سے تھی۔

وَءَاتَيۡنَٰهُ ٱلۡإِنجِيلَ فِيهِ هُدٗى وَنُورٞ وَمُصَدِّقٗا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ ٱلتَّوۡرَىٰةِ وَهُدٗى

اور اس کو دی ہم نے انجیل جس میں ہدایت اور روشنی تھی اور تصدیق کرتی تھی اپنے سے اگلی کتاب تورات کی اور راہ بتلانے والی

اور اس کو دی ہم نے انجیل، جس میں ہدایت اور روشنی، اور سچا کرتی اپنی اگلی توریت کو، اور راہ بتاتی

لہ یعنی ان کے نقش قدم پر یہ بھی چلتے تھے۔

وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ

اور نصیحت تھی ڈرنے والوں کو ف۱ اور چاہیے کہ حکم کریں انجیل والے موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے اس میں اور جو کوئی حکم نہ کرے

اور نصیحت ڈر والوں کو۔ اور چاہیئے کہ حکم کریں انجیل والے اس پر، جو اللہ نے اتارا اس میں۔ اور جو کوئی حکم نہ کرے

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے سو وہی لوگ ہیں نافرمان ف۲

اللہ کے اتارے پر، سو وہی لوگ ہیں بے حکم۔

خطاب بہ نصاریٰ

قال تعالیٰ: ﴿وَقَفَّيْنَا ... الی ... هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

ربط:...... یہود کی شرارتوں اور خیانتوں کے بعد نصاریٰ کے انحراف اور کج روی کو بیان کرتے ہیں اولاً کہ انجیل کی مدح فرمائی تا کہ اس سے انحراف کی قباحت خوب واضح ہو جائے اور مقصود یہ ہے کہ جس طرح یہود اپنی آسمانی کتاب سے منحرف ہیں اسی طرح نصاریٰ بھی اپنی آسمانی کتاب انجیل سے منحرف ہیں۔ توریت کی مدح کے بعد انجیل کی مدح اس لیے بھی فرمائی کہ یہود کو تنبیہ ہو جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی خدا کے رسول برحق تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی طرح ان پر بھی ایمان لانا فرض ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور ان پیغمبروں کے پیچھے جن کا ذکر ﴿يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ﴾ میں ہو چکا ہے انہی کے نقش قدم پر ہم نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھیجا درانحالیکہ وہ اپنی زبان سے توریت کی تصدیق کرتے تھے جو ان سے پہلے موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی یعنی جو نبی خدا تعالیٰ کے فرمانبردار اور حکم بردار تھے اور توریت کے بمطابق فتوی دیتے تھے ان کے بعد ان ہی کے نقش قدم پر عیسیٰ آئے جو مریم کے بیٹے ہیں خدا نہیں اور انہوں نے توریت کے حق اور من جانب اللہ ہونے کی تصدیق کی اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں توریت کی طرح ہدایت اور نور ہے اور وہ انجیل اپنے سے پہلے نازل شدہ کتاب توریت کی بھی تصدیق کرتی تھی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اپنی زبان سے تورات کی تصدیق فرماتے تھے اور جو کتاب انجیل ان کو دی گئی تھی وہ بھی توریت کی تصدیق کرتی تھی اور انجیل بھی توریت کی طرح ہدایت اور نور تھی احکام اور شرائع کے اعتبار سے

ف۱ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اپنی زبان سے تورات کی تصدیق فرماتے تھے اور جو کتاب (انجیل) ان کو دی گئی تھی وہ بھی تورات کی تصدیق کرتی تھی اور انجیل کی نوعیت بھی نور و ہدایت ہونے میں تورات کی طرح تھی۔ احکام و شرائع کے اعتبار سے دونوں میں بہت ہی قلیل فرق تھا۔ جیسا کہ ﴿وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ﴾ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور یہ فرق تورات کی تصدیق کے منافی نہیں جیسے آج ہم قرآن کو ماننے اور صرف اسی کے احکام کو تسلیم کرنے کے باوجود بحمد اللہ تمام کتب سماویہ کے من عند اللہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔

ف۲ یا تو عیسائی جو نزول انجیل کے وقت موجود تھے ان کو یہ حکم دیا گیا تھا اسی کو یہاں نقل فرما رہے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت جو عیسائی مخاطب تھے ان سے کہا گیا ہو کہ جو کچھ انجیل میں اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اس کے موافق ٹھیک ٹھیک حکم کریں۔ یعنی ان پیشین گوئیوں کو چھپانے یا لغو اور مہمل تاویلات سے بدلنے کی کوشش نہ کریں جو انجیل میں پیغمبر آخر الزمان اور مقدس "فارقلیط" کی نسبت حضرت مسیح کی زبانی کی گئی ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی سخت نافرمانی ہوگی کہ جس ہادی جلیل اور مصلح عظیم کے متعلق حضرت مسیح یہ فرمائیں کہ "جب وہ روح حق آئے گی تو تمہیں سچائی کی ساری راہیں بتائے گی۔ اسی کی تکذیب پر کمر بستہ ہو کر اپنے لئے ابدی خسران قبول کرو۔ کیا مقدس مسیح اور اس کے پروردگار کی فرمانبرداری کے یہی معنی ہیں؟

دونوں میں بہت ہی قلیل فرق تھا جیسا کہ ﴿وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ﴾ میں اشارہ کیا گیا ہے اور یہ قلیل فرق توریت کی تصدیق کے منافی نہیں جیسا کہ ہم آج قرآن کو مانتے ہیں اور باوجود اس کے تمام کتب سماویہ کے من عند اللہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں پہلی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصدق توریت ہونا بیان کیا اور دوسری آیت میں یہ بتلایا کہ انجیل بھی توریت کی مصدق تھی اور وہ انجیل خدا سے ڈرنے والوں کے لیے سراپا ہدایت اور نصیحت تھی جس میں آنے والے ہادی برحق (فارقلیط) کی بشارت تھی کہ وہ فارقلیط آکر حق کی راہیں بتلائے گا اور وعظ ونصیحت سے تم کو محارم اور آثم سے بچائے گا حق تعالیٰ نے اس آیت میں انجیل کی پانچ صفتیں بیان کیں (اول) یہ کہ ﴿فِيْهِ هُدًى﴾ اس میں ہدایت ہے یعنی عقائد اور اعمال کی گمراہی سے بچاتی ہے اور توحید اور تنزیہ کی رہنمائی کرتی ہے کہ بت پرستی اور تثلیث جیسے شرک میں مبتلا نہ ہو جائیں (دوم) یہ کہ "فیه نور" اس انجیل میں نور اور روشنی ہے جس سے طالب حق کو صحیح راستہ نظر آجاتا ہے اور شکوک اور شبہات کی ظلمتیں اس سے دور ہو جاتی ہیں (سوم) یہ کہ انجیل اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتی ہے کہ وہ کتاب منزل من اللہ تھی (چہارم اور پنجم) یہ کہ انجیل خدا سے ڈرنے والوں کے لی سراپا ہدایت اور نصیحت تھی پہلی آیت میں عام ہدایت کا بیان تھا اور اس آیت میں خاص ہدایت کا ذکر ہے جو متقی اور پرہیزگاروں کے لیے ہے مطلب یہ ہے کہ توریت میں بھی ہدایت تھی اور توریت کی طرح انجیل میں بھی ہدایت ہے مگر اس عام ہدایت کے علاوہ ایک ایسے خاص ہادی (فارقلیط) کی بشارت پر مشتمل ہے کہ جس کی ہدایت تمام ہدایتوں سے اتم اور اکمل اور اس کا دین تمام دینوں سے افضل ہوگا اور انجیل میں اس آنے والے آخری ہادی کے اتباع کی خاص طور پر نصیحت تھی اس لیے آئندہ آیت میں اشارہ ہے اور انجیل والوں کو چاہیے کہ اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے انجیل میں نازل کیا ہے پہلی آیت میں یہودیوں کو نصیحت تھی اور اب اس آیت میں نصاریٰ کو نصیحت ہے کہ اے نصاریٰ تم یہود کی طرح انجیل سے انحراف نہ کرو تم انجیل پر چلو اور جس نبی امی محمد رسول اللہ ﷺ کی بشارت اس میں مذکور ہے اس پر حضرت مسیح کی ہدایت اور نصیحت کے مطابق ایمان لاؤ اور جس کے متعلق حضرت مسیح علیہ السلام تم کو یہ ہدایت کر گئے ہیں کہ جب وہ روح حق آئے گی تو تمہیں سچائی کی راہیں بتائے گی اور اس کی تکذیب کر کے خدا کے غضب اور لعنت کو مول نہ لو اور جو اللہ کے اتارے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ بدکار ہیں ناسخ کے بعد منسوخ کی پیروی بدکاری اور گمراہی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں توریت اور انجیل کا اتباع ہدیٰ تھا اور خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد قرآن کو چھوڑ کر توریت اور انجیل کا اتباع ہوائے نفس ہے۔

نکتہ:...... جو شخص حکم خداوندی کے مطابق فیصلہ نہ کرے اس کو پہلی آیت میں کافر اور دوسری آیت میں اس کو ظالم اور تیسری آیت میں اس کو فاسق کہا گیا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ احوال مختلف ہیں بعض حالات میں حکم خدا کے خلاف فیصلہ کرنا کفر ہے اور بعض حالات میں ظلم ہے اور بعض حالات میں فسق ہے جیسا حال ہوگا ویسا ہی حکم ہوگا۔ (روح المعانی: ۶/ ۱۳۰)

پہلی آیت میں زانی محصن کے رجم کا مقدمہ تھا جس میں ان لوگوں نے قصداً اور عناداً حکم رجم سے انکار کیا اور اس کے بجائے اپنی طرف سے تازیانہ کا حکم تجویز کیا اس لیے پہلی آیت میں کافرون فرمایا اور دوسری آیت میں قصاص کا مسئلہ تھا یہ لوگ رجم کی طرح قصاص کے حکم شرعی ہونے سے صراحۃً منکر نہ تھے بلکہ عملی طور پر محض اپنی برتری قائم کرنے کے لیے

امیر وغریب کا فرق کرتے تھے اور عدل اور انصاف نہیں کرتے تھے اس لیے دوسری آیت میں ظالمون کا لفظ فرمایا کہ یہ ظلم صریح ہے کہ ضعیف کا قوی سے قصاص نہ لیا جائے اور ضعیف سے دیت زیادہ لائی جائے یہ صریح ظلم ہے اور تیسری آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت اور ہدایت کے مطابق فارقلیط اور روح حق پر ایمان لانے کا مسئلہ تھا جس کی حضرت مسیح علیہ السلام نے تاکید اکید کی تھی باوجود اس کے بہت سے نصاریٰ نے دیدہ ودانستہ دنیاوی اغراض کی بناء پر روح حق پر ایمان لانے سے گریز کیا تو یہ صریح فسق اور بدکاری اور تمرد اور سرکشی تھی اس لیے اس آیت میں فاسقون فرمایا۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ

اور تجھ پر اتاری ہم نے کتاب سچی تصدیق کرنے والی سابقہ کتابوں کی اور ان کے مضامین پر نگہبان ف۱ سو تو

اور تجھ پر اتاری ہم نے کتاب تحقیق سچا کرتی اگلی کتابوں کو، اور سب پر شامل، سو تو

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ

حکم کر ان میں موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے ف۲ اور ان کی خوشی پر مت چل چھوڑ کر سیدھا راستہ جو تیرے پاس آیا ف۳

حکم کر ان میں جو اتارا اللہ نے، اور ان کی خوشی پر مت چل، چھوڑ کر حق، جو تیرے پاس آئی

ف۱ "مہیمن" کے کئی معنی بیان کیے گئے ہیں۔ امین، غالب، حاکم، محافظ ونگہبان اور ہر معنی کے اعتبار سے قرآن کریم کا کتب سابقہ کے لئے "مہیمن" ہونا صحیح ہے۔ خدا کی جو امانت تورات وانجیل وغیرہ کتب سماویہ میں ودیعت کی گئی تھی وہ مع شے زائد قرآن میں محفوظ ہے۔ جس میں کوئی خیانت نہیں ہوئی اور جو بعض فروعی چیزیں ان کتابوں میں اس زمانہ یا ان مخصوص مخاطبین کے حسب حال تھیں ان کو قرآن نے منسوخ کر دیا اور جو حقائق ناتمام تھیں ان کی پوری تکمیل فرما دی ہے اور جو حصہ اس وقت کے اعتبار سے غیر مہم تھا اسے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

ف۲ یہود میں باہم کچھ نزاع ہو گیا تھا۔ ایک فریق جس میں ان کے بڑے بڑے مشہور علماء اور مقتدا شامل تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فصل نزاع کی درخواست کی اور یہ بھی کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے کہ عموماً قوم یہود ہمارے اختیار اور اقتدار میں ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ ہمارے موافق کر دیں گے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اور ہمارے اسلام لانے سے جمہور یہود اسلام قبول کر لیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رشوتی اسلام کو منظور نہ کیا اور ان کی خواہشات کی پیروی سے صاف انکار فرما دیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (ابن کثیر)

ف۳ گزشتہ فائدہ میں ان آیات کا جو شان نزول ہم لکھ چکے ہیں اس سے صاف عیاں ہے کہ آیت کا نزول بعد اس کے ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خوشی اور خواہش پر چلنے سے انکار فرما چکے تھے۔ تو یہ آیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت کی تصویب اور آئندہ بھی ایسی ہی شان عصمت پر ثابت قدم رہنے کی تاکید کے لئے نازل ہوئیں۔ جو لوگ اس قسم کی آیات کو نبی علیہ السلام کی شان عصمت کے خلاف تصور کرتے ہیں وہ نہایت ہی قاصر الفہم ہیں۔ اول تو کسی چیز سے منع کرنا اس کی دلیل نہیں کہ جس کو منع کیا جا رہا ہے وہ اس ممنوع چیز کا ارتکاب کرنا چاہتا تھا۔ دوسرے انبیاء علیہ السلام کی "معصومیت" کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی معصیت ان سے صادر نہیں ہو سکتی یعنی کسی کام کو یہ سمجھتے ہوئے کہ خدا کو ناپسند ہے ہرگز اختیار نہیں کر سکتے۔ اور اگر اتفاقاً کسی وقت بھول چوک یا رائے واجتہاد کی غلطی سے راجح وافضل کی جگہ مرجوح ومفضول کو اختیار کر لیں یا غیر مرضی کو مرضی سمجھ کر عمل کر گزریں جس کو اصطلاح میں "زلۃ" کہتے ہیں۔ تو اس طرح کے واقعات مسئلہ عصمت کے منافی نہیں۔ جیسا کہ حضرت آدم اور بعض دیگر انبیاء علیہم السلام کے واقعات شاہد ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾ اور ﴿وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ اور اسی طرح کی دوسری آیات کا مطلب سمجھنے میں کوئی خلجان نہیں رہتا۔ کیونکہ ان میں صرف اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان ملعونوں کی تطمیع اور سخن سازی سے قطعاً متاثر نہ ہوں اور کوئی ایسی رائے قائم نہ فرمالیں جس میں بلا قصد ان کی خواہشات کے اتباع کی صورت پیدا ہو جائے۔ مثلاً اسی قصہ میں جو ان آیات کی شان نزول ہے یہود نے کیسی عیارانہ اور پرفریب صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی تھی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حسب منشاء فیصلہ کر دیں تو سب یہود مسلمان ہو جائیں گے۔ وہ جانتے تھے کہ اسلام سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک محبوب اور عزیز نہیں۔ ایسے موقع پر امکان تھا کہ بڑے سے بڑا مستقیم انسان بھی رائے قائم کر لے کہ ان کی ایک چھوٹی سی خواہش کے قبول کر لینے میں جب کہ =

جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ

ہر ایک کو تم میں سے دیا ہم نے ایک دستور اور راہ ف۱ اور اللہ چاہتا تو تم کو ایک دین پر کر دیتا لیکن تم کو آزمانا چاہتا ہے

ہر ایک کو تم میں دیا ہم نے ایک دستور اور راہ۔ اور اللہ چاہتا تو تم کو ایک دین پر کرتا، لیکن تم کو آزمایا چاہے

فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

اپنے دیے ہوئے حکموں میں ف۲ سو تم دوڑ کر لو خوبیاں ف۳ اللہ کے پاس تم سب کو پہنچنا ہے پھر جتادے گا جس بات

اپنے دیئے حکم میں، سو تم بڑھ کر لو خوبیاں۔ اللہ کے پاس تم سب کو پہنچنا ہے، پھر جتا دیگا جس بات

فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ

میں تم کو اختلاف تھا ف۴ اور یہ فرمایا کہ حکم کر ان میں موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے اور مت چل ان کی خوشی پر اور بچتا رہ

میں تم کو اختلاف تھا۔ اور یہ فرمایا کہ حکم کر ان میں جو اللہ نے اتارا، اور مت چل ان کی خوشی پر، اور بچتا رہ

اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ

ان سے کہ تجھ کو بہکا نہ دیں کسی ایسے حکم سے جو اللہ نے اتارا تجھ پر ف۵ پھر اگر نہ مانیں تو جان لے کہ اللہ نے یہی چاہا کہ

ان سے، کہ تجھ کو بہکا نہ دیں کسی حکم سے جو اللہ نے اتارا تجھ پر۔ پھر اگر نہ مانیں تو جان لے کہ اللہ نے یہی چاہا ہے کہ

= اتنی عظیم الشان دینی منفعت کی توقع ہو، کیا مضائقہ ہے۔ اس طرح کے خطرناک اور مزلۃ الاقدام موقع پر قرآن کریم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو متنبہ کرتا ہے کہ دیکھو بھول کر بھی کوئی ایسی رائے قائم نہ کر لیجئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع کے مناسب نہ ہو۔ حضور کا کمال تقویٰ اور انتہائی فہم و تدبر تو نزول آیت سے پہلے ہی ان ملاعین کے مکر و فریب کو رد کر چکا تھا لیکن فرض کیجئے اگر ایسا نہ ہو چکا ہوتا تب بھی آیت کا مضمون جیسا کہ ہم تقریر کر چکے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عصمت کے اصل مخالف نہیں۔

ف۱ یعنی خدا نے ہر امت کا آئین اور طریق کار اس کے احوال و استعداد کے مناسب جداگانہ رکھا اور باوجودیکہ تمام انبیاء علیہم السلام اور ملل سماویہ اصول دین اور مقاصد کلیہ میں جن پر نجات ابدی کا مدار ہے، باہم متحد اور ایک دوسرے کے مصدق رہے ہیں۔ پھر بھی جزئیات اور فروع کے لحاظ سے ہر امت کو ان کے ماحول اور مخصوص استعداد کے موافق خاص خاص احکام و ہدایات دی گئیں۔ اس آیت میں اسی فروعی اختلاف کی طرف اشارہ ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں جو سب انبیاء علیہم السلام کو آپس میں علاتی بھائی فرمایا ہے جن کا باپ ایک ہو اور مائیں مختلف ہوں۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اصول سب کے ایک ہیں اور فروع میں اختلاف ہے۔ اور چونکہ بچہ کی تولید میں باپ فاعل و مفیض اور ماں قابل اور محل افاضہ بنتی ہے، اس سے نہایت لطیف اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ شرائع سماویہ کا اختلاف مخاطبین کی قابلیت و استعداد پر مبنی ہے، ورنہ مبدأ فیاض میں کوئی اختلاف و تعدد نہیں۔ سب شرائع و ادیان سماویہ کا سرچشمہ ایک ہی ذات اور اس کا علم ازلی ہے۔

ف۲ یعنی کون تم میں سے خدا کی مالکیت مطلقہ، علم محیط اور حکمت بالغہ پر یقین کر کے ہر نئے حکم کو حق و صواب سمجھ کر بطوع و رغبت قبول کرتا ہے اور ایک وفادار غلام کی طرح جدید حکم کے سامنے گردن جھکا دینے کے لئے تیار رہتا ہے۔

ف۳ یعنی شرائع کے اختلاف کو دیکھ کر خواہ مخواہ کی قیل و قال اور کج بحثیوں میں پڑ کر وقت نہ گنواؤ۔ وصول الی اللہ کا ارادہ کرنے والوں کو عملی زندگی میں اپنی دوڑ دھوپ رکھنی چاہیے اور جو عقائد، اخلاق اور اعمال کی خوبیاں شریعت سماویہ پیش کر رہی ہے ان کے لینے میں چستی دکھلانی چاہئے۔

ف۴ تو انجام کا خیال کر کے حسنات و خیرات کی تحصیل میں مستعدی دکھلاؤ۔ اختلافات کی سب حقیقت وہاں جا کر کھل جائے گی۔

ف۵ یعنی آپس کے اختلافات میں خواہ دنیا کیسی ہی دست و گریباں رہے آپ کو یہی حکم ہے کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کے موافق حکم دیتے رہیں۔ اور کسی کے کہنے سننے کی کوئی پروا نہ کریں۔

يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝۴۹ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ

پہنچاوے ان کو کچھ سزا ان کے گناہوں کی ف۱ اور لوگوں میں بہت ہیں نافرمان ف۲ اب کیا حکم چاہتے ہیں

پہنچا دے ان کو کچھ سزا ان کے گناہوں کی، اور لوگوں میں بہت ہیں بے حکم۔ اب کیا حکم چاہتے ہیں

ع يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۵۰

کفر کے وقت کا اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا یقین کرنے والوں کے واسطے ف۳

کفر کے وقت کا، اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا ؟ یقین رکھتے لوگوں کو۔

ذکر قرآن مجید

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ... الی ... وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾

ربط:...... توریت اور انجیل کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ قرآن مجید کا ذکر فرماتے ہیں کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے کتب سابقہ کی مصدق ہے جس میں تمام انبیاء سابقین کی صداقتیں اور حکمتیں موجود ہیں اور یہ قرآن کتب سابقہ پر مہیمن (حاکم) ہے تحریف اور تبدیل سے پاک اور منزہ ہے اس کا جو فیصلہ ہے وہ اٹل ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ہر نبی کو ایک خاص شریعت عطا کی اور یہ شریعت محمدیہ آخری شریعت ہے اور تمام اختلافات کا فیصلہ کرنے والی ہے اور تمام کتب سابقہ کے مضامین اصلیہ کی محافظ اور مصدق ہے اور جس کی ہدایت حفاظت کا خدا تعالیٰ نے خود ذمہ لیا ہے۔

سلسلہ کلام نہایت عجیب ہے اللہ نے اولاً توریت کی مدح فرمائی اور بنی اسرائیل کے لیے اس کا موجب ہدایت ہونا بیان کیا کما قال تعالی: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ﴾ مگر یہود بے بہبود نے اس نور ہدایت سے اعرض اور انحراف کیا اسکے بعد انجیل کی مدح فرمائی اور نصاریٰ حیاریٰ کا اس سے انحراف بیان کیا اور یہ بتلایا کہ یہود کی طرح نصاریٰ بھی انجیل کی ہدایت اور نور سے مستفید اور مستنیر نہ ہوئے۔ اب سب سے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کو مشعل ہدایت بنا کر آسمان سے نازل کیا یہ آخری کتاب ہے آخری نبی پر نازل ہوئی یہود اور نصاریٰ کو چاہیے کہ موقعہ کو غنیمت سمجھیں اور صحابہ کرام ؓ کی طرح اس نور ہدایت کی روشنی میں چلیں اور یہ وہی کتاب ہے جس کے نزول کی انبیاء سابقین نے خبر دی تھی کما قال تعالی: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا﴾ اس آیت کی تفسیر سورۂ اسراء میں آئے گی۔

ف۱ پوری سزا تو قیامت میں ملے گی لیکن کچھ تھوڑی سی سزا دے کر یہاں بھی مجرم کو یا دوسرے دیکھنے والوں کو ایک گونہ تنبیہ کر دی جاتی ہے۔

ف۲ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے اعراض وانحراف سے زیادہ ملول نہ ہوں دنیا میں فرمانبردار بندے ہمیشہ تھوڑے ہی ہوتے ہیں ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾۔

ف۳ یعنی جو لوگ خدا کی شہنشاہیت، رحمت کاملہ اور علم محیط پر یقین کامل رکھتے ہیں، ان کے نزدیک دنیا میں کسی کا حکم خدا کے حکم کے سامنے لائق التفات نہیں ہو سکتا۔ پھر کیا یہ لوگ احکام الٰہیہ کی روشنی آ جانے کے بعد ظنون واہواء اور کفر وجاہلیت کے اندھیرے ہی کی طرف جانا پسند کرتے ہیں۔

شان نزول

اوران آیات کے ضمن میں ایک قصہ کی طرف بھی اشارہ ہے جوابن عباس ؓ سے مروی ہے وہ یہ کہ یہود میں باہم کچھ نزاع ہوگیا توکعب بن اسید اور عبداللہ بن صوریا اور شاس بن قیس وغیرہم جو یہود کے بڑے مشہور علماء اور مقتداء تھے مشورہ کرکے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فصل خصومت کی درخواست کی اور یہ کہا کہ آپ ﷺ کو خوب معلوم ہے کہ یہودیوں میں بڑے زبردست عالم اوران کے سردار ہیں اور آپ ﷺ کو ہماری عزت وشرافت معلوم ہے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ عموماً قوم یہود ہمارے اختیار اور اقتدار میں ہے ہم اپنا مقدمہ آپ ﷺ کے پاس لے کر آئے ہیں اگر آپ ﷺ اس مقدمہ میں ہمارے موافق فیصلہ کردیں تو ہم مسلمان ہوجائیں گے اگر ہم نے تیرا دین قبول کرلیا تو اور یہودی بھی ہماری تقلید کریں گے اور ہمارے اسلام لانے سے وہ بھی سب کے سب اسلام لے آئیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے رشوتی اسلام کو منظور نہ کیا اوران کی خواہشات کی پیروی سے صاف انکار کردیا اوراس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (تفسیر قرطبی: ۲/ ۲۱۳ وتفسیر ابن کثیر: ۲/ ۶۷)

چنانچہ فرماتے ہیں اور توریت اور انجیل کے بعد ہم نے آپ ﷺ کی طرف یہ کامل اور برحق کتاب اتاری جس کے مقابلہ میں کوئی کتاب، کتاب کہلانے کے لائق نہیں جوخود بھی حق اور صدق کیساتھ متلبس ہے اوراپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے کہ جو کتابیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر من جانب اللہ نازل ہوئیں وہ اللہ کی برحق کتابیں تھیں یہ بھی قرآن کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ حق، حق کی تصدیق کرتا ہے باطل دین کبھی دین حق کی تصدیق نہیں کرتا اور یہ قرآن پہلی کتابوں کا محافظ اور نگہبان ہے کہ محرف کو غیر محرف سے ممتاز [1] اور جدا کردیتا ہے یعنی ان کتابوں میں جوغلط باتیں شامل ہوگئی ہیں ان کو بتلا کر اصل حقیقت کو واضح کردیتا ہے گویا کہ یہ ان کا محافظ اورامین اور نگہبان ہے پس گزشتہ کتابوں میں جوایسی بات ہے کہ قرآن کے موافق ہے تو وہ حق ہے اور جواس کے مخالف ہے وہ باطل ہے پس جس طرح سابقین کا یہ طرز عمل رہا کہ ﴿بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ کے مطابق فیصلہ کرتے تھے اسی طرح آپ ﷺ بھی ان کے درمیان اسی کتاب کے مطابق فیصلہ کیجئے کہ جو اللہ نے آپ ﷺ پر حق کے ساتھ اتاری ہے اور تمام کتب سابقہ پر مہیمن (حاکم) ہے اور جوحق آپ ﷺ کے پاس آچکا ہے اسے چھوڑ کران کی خواہشوں اور فرمائشوں کی پیروی نہ کیجئے یعنی جس طرح آپ ﷺ نے اس وقت ان کی خواہش اور فرمائش سے صاف انکار کردیا اسی طرح آئندہ بھی آپ ﷺ اسی حق پر قائم رہیں جس کی بناء پر آپ ﷺ نے احبار یہود کی خواہش کو پورا کرنے سے صاف انکار کردیا آپ ﷺ کی رائے نہایت صائب اور درست تھی آپ ﷺ ہمیشہ اسی پر قائم رہے اس لیے کہ آپ ﷺ کو جو دین حق دیا گیا ہے وہ کبھی منسوخ نہیں ہوگا ہم نے آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے تم میں سے ہر گروہ کے لیے ایک دستور اور راہ عمل مقرر کیا تھا جس پر چل کر وہ خدا تک پہنچ سکے اسی طرح حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے یہ شریعت اور یہ شاہراہ مقرر کی ہے آپ ﷺ اس شاہراہ پر چلیے اوراس شاہراہ کو چھوڑ کر دوسرے راستوں پر چلنے کا خیال بھی نہ کیجئے۔

[1] شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں یعنی تحریف از غیر تحریف جدا می سازد۔ واللہ اعلم (فتح الرحمن)

ف:...... شرعہ کے معنی شریعت کے ہیں اور منہاج کے معنی طریقت کے ہیں شریعت اصل میں پانی کے گھاٹ کو کہتے ہیں اور پانی پر زندگی کا دارومدار ہے اور اصطلاح میں شریعت، احکام خداوندی کے مجموعہ کو کہتے ہیں اور جو بمنزلہ آب حیات کے ہیں کہ ان کے پینے سے یہ یعنی ان پر عمل کرنے سے دائمی زندگی حاصل ہوتی ہے اور منہاج سے طریقہ عمل اور طریقہ اصلاح مراد ہے یعنی تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کا طریقہ مراد ہے اور طریقت شریعت کے علاوہ کوئی چیز نہیں بلکہ اس کے ماتحت ہے کتاب وسنت میں احکام شرعیہ بھی ہیں اور تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کے طریقے بھی ہیں اور سب خدا تک پہنچنے کے راستے ہیں کوئی کسی راہ سے اور کوئی کسی راہ سے جارہا ہے۔

حق جل شانہ باقتضاء حکمت ومصلحت ہر زمانہ اور ہر امت کے احوال اور استعداد کے مناسب، انبیاء کرام علیہم السلام کو شریعتیں اور ہدایتیں عطا فرماتے رہے مگر اصول دین اور مقاصد کلیہ جن پر نجات ابدی کا مدار ہے اور جس کو حق تعالیٰ نے ایک مقام پر لفظ دین سے تعبیر کیا ہے ﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ﴾ وہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا ایک ہے حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "نحن معاشر الانبیاء اخوۃ علامات دیننا واحد" یعنی ہم تمام پیغمبر بمنزلہ علاتی بھائیوں کے ہیں کہ جن کا باپ (یعنی دین) ایک اور مائیں (یعنی شریعتیں) مختلف ہیں انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتیں مختلف رہیں کسی شریعت میں کوئی چیز حلال ہوئی اور کسی میں حرام۔ کسی ملت کے احکام میں خفت اور سہولت رہی جیسا کہ شریعت عیسویہ میں اور کسی میں شدت اور صعوبت جیسا کہ شریعت موسویہ جس زبان اور مکان اور جس قوم کے لیے حق تعالیٰ نے جو مصلحت جانا اس کے مطابق حکم دیا۔ ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے کہ شرائع سماویہ کا اختلاف مخاطبین کے قابلیت اور صلاحیت اور استعداد پر مبنی ہے اس علیم وحکیم نے جیسا مناسب جانا ویسی شریعت نازل کی اب اس اخیر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت کامل اور معتدل شریعت نازل کی جو قیامت تک تمام عالم کی ہدایت کے لیے کافی اور شافی ہے جس طرح پہلی شریعتیں من جانب اللہ تھیں اور واجب الاطاعت تھیں اسی طرح یہ آخری شریعت بھی من جانب اللہ ہے۔ بصد ہزارہا شوق ورغبت اس کو قبول کرنا چاہیے ایک وفادار غلام کا فریضہ یہ ہے کہ آقا کے جدید اور آخری حکم کی سامنے گردن جھکا دینے کے لیے تیار رہے جدید حکم کے ہوتے ہوئے سابق اور قدیم حکم پر عمل کرنا تمرد اور سرکشی کی دلیل ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا کہ سب کے لیے ایک ہی شریعت ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء پر مختلف شریعتوں کو اس لیے اتارا کہ تمہارا امتحان کرے اس چیز میں جو تم کو دی ہے۔ یعنی اے اقوام عالم تم کو جو مختلف زمانوں میں مختلف شریعتیں دی گئی اس سے مقصود تمہاری آزمائش تھی کہ کون حکم خداوندی بجالاتا ہے اور کون قدیم رسم کی پابندی پر اصرار کرتا ہے اور کون جدید حکم (یعنی ناسخ) کو چھوڑ کر قدیم حکم یعنی منسوخ کی پیروی کرتا ہے مطلب یہ کہ ہر زمانہ میں شرائع مختلف کی تشریع سے امتحان اور آزمائش مقصود تھی کہ کون اس کے حکم مانتا ہے اور کون رسم ورواج یا منسوخ حکم کی پیروی کرتا ہے اور اس کو آزمائش اس لیے فرمایا کہ انسان جس طریقہ کا عادی ہوجاتا ہے اس کا چھوڑنا اس پر طبعاً گراں ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لیے ایک شریعت مقرر کی تاکہ اس پر چلیں اور اگر ہر نفس کو اس کی خواہش پر چھوڑ دیا جاتا تو لوگ خدا کے بندے نہ رہتے بلکہ نفس کے بندے بن جاتے۔

پس اے لوگو تم تعصب اور ہوا پرستی کو چھوڑ کر اپنے مرنے سے پہلے ان بہترین عقائد اور اعمال اور مکارم اخلاق کی طرف دوڑ و اور ان کی طلب میں سرگرم رہو جن کی طرف تم کو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وتحیۃ۔ دعوت دیتی ہے یعنی تم کو چاہیے کہ اس آخری شریعت کا اتباع کرو جس کو نبی آخر الزمان لے کر آئے ہیں اور وہ شریعت کاملہ اور عادلہ تمام شریعتوں کی ناسخ ہو کر آئی ہے۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست کتب خانہ چند ملت بشست

پیغام خدا نخست آدم آورد انجام بشارت ابن مریم آورد

باجملہ رسل نامہ بے خاتم بود احمد ﷺ برمانامہ وخاتم آورد

اب نجات اس آخری شریعت کے اتباع میں منحصر ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد نجات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اتباع میں منحصر تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا اتباع نجات کے لیے کافی نہ تھا اسی طرح خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت کے بعد نجات آپ ﷺ کے اتباع میں منحصر ہے اور اسی میں خیر ہے اور اس کے ذریعہ تم خدا تک پہنچ سکتے ہو پس اگر تم میدان سعادت میں گوئے سبقت لے جانا چاہتے ہو تو اس آخری شریعت کا اتباع کرو۔

گوئے توفیق وسعادت درمیاں افگندہ اند کس بہ میداں در نمی آید سواراں راچہ شد

لہٰذا تم بلا تردد اس خیر کی طرف دوڑ و اور یہ نہ سمجھو کہ ہم ہمیشہ دنیا ہی میں رہیں گے ایک دن اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے جب وہاں پہنچو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ان تمام باتوں سے آگاہ کر دے گا جس میں یعنی دین اور شریعت کے بارہ میں تم اختلاف کرتے تھے وہاں پہنچ کر حق اور باطل کی حقیقت منکشف ہو جائے گی اور نتیجہ سامنے آ جائے گا۔

اب اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ جو شریعت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا کی اب تک اس پر قائم رہے اور یہود اور نصاریٰ کے مکر وفریب سے ہوشیار رہے پس ان کے باہمی نزاع کا فیصلہ آپ ﷺ اپنی اس شریعت کے مطابق کیجئے جو اللہ نے آپ ﷺ پر نازل کی ہے اور ہم آپ ﷺ کو مکرر حکم دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اہل کتاب کے درمیان اس کتاب کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے آپ ﷺ پر اتاری ہے اگرچہ وہ ان کے رسم ورواج کے خلاف ہو اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے اور ان سے احتیاط رکھیے کہ مبادا کسی وقت یہ لوگ اپنی چرب زبانی اور ظاہری ملمع کاری سے آپ ﷺ کو خدا کے نازل کردہ حکم سے کچھ بچلا نہ دیں جیسا کہ بعض علماء یہود نے آپ ﷺ کے بچلانے اور پھسلانے اور فریب دینے کی یہ تدبیر کی آپ ﷺ کے پاس جاویں اور جا کر یہ کہیں کہ اے محمد ﷺ ہماری قوم میں آپس میں کچھ نزاع ہو گیا ہے آپ ﷺ کے پاس فیصلہ لائیں گے اگر ہمارے موافق فیصلہ کر دیں گے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اور آپ کی پیغمبری کو مان لیں گے اور ہمارے مسلمان ہونے سے یہود کی ایک عظیم جماعت ہماری متابعت میں اسلام قبول کر لے گی۔ چونکہ آنحضرت ﷺ ایمان اور ہدایت کے دلدادہ تھے کما قال تعالیٰ: ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ اس لیے یہود نے حضور پرنور ﷺ کو پھلانے کے لیے یہ رشوت اسلام پیش کیا مگر آپ ﷺ نے اسے ٹھکرا دیا اور ان کی خواہش پر چلنے سے انکار کر دیا اس آیت میں آپ ﷺ کی اسی استقامت کی تصویب اور تصدیق اور تائید

ہے اور آئندہ بھی ایسی ہی شان عصمت پر ثابت قدم رہنے کی تاکید ہے پھر اگر یہ لوگ آپ ﷺ کے فیصلہ سے اعراض کریں تو جان لیجئے کہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ دنیا ہی میں ان کو ان کے بعض گناہوں کی سزا میں مبتلائے مصیبت کرے اور وہ بعض جرم آپ ﷺ کے فیصلہ کو نہ ماننا ہے اور بعض گناہوں کی تخصیص اس لیے کی کہ دنیا میں بعض ہی گناہوں کی سزا ملتی ہے کل گناہوں کی نہیں ملتی۔ تمام گناہوں کی پوری سزا آخرت میں ملے گی اور بے شک بہت سے لوگ دین اور شریعت کی حدود سے باہر نکلنے والے ہیں یعنی اکثر یہودی فاسق اور بدکار ہیں وہ آپ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہو سکتے اب کیا یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں کہ امیر کو فقیر پر برتری رہے دیت اور قصاص اور تاوان میں امیر و غریب میں فرق رکھا جائے۔ شریعت کا فیصلہ عدل اور انصاف پر مبنی ہے اور یہود کا یہ رسم و رواج اور گمراہی پر مبنی ہے اور اللہ کے فیصلہ سے کس کا فیصلہ اچھا ہے ان لوگوں کے لیے جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں مطلب یہ کہ جو لوگ اللہ کے فیصلہ کو نہیں مانتے ان کو آخرت پر یقین نہیں اگر یقین ہوتا تو اللہ کے فیصلہ سے انحراف نہ کرتے کیونکہ اس کے فیصلہ سے اچھا کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے خدا کے فیصلہ سے اعراض اور انحراف دلیل جہالت کی ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ

اے ایمان والو مت بناؤ یہود اور نصاریٰ کو دوست ف۱ وہ آپس میں دوست ہیں ایک دوسرے کے ف۲

اے ایمان والو ! مت پکڑو یہود اور نصاریٰ کو رفیق۔ وہی آپس میں رفیق ہیں ایک دوسرے کے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى

اور جو کوئی تم میں سے دوستی کرے ان سے تو وہ انہی میں ہے ف۳ اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو ف۴ اب تو دیکھے گا

اور جو کوئی تم میں ان سے رفاقت کرے، وہ انہی میں ہے۔ اللہ راہ نہیں دیتا بےانصاف لوگوں کو۔ اب تو دیکھے گا

ف۱ "اولیاء" ولی کی جمع ہے" ولی" دوست کو بھی کہتے ہیں، قریب کو بھی، ناصر اور مددگار کو بھی۔ غرض یہ ہے کہ" یہود و نصاریٰ" بلکہ تمام کفار سے جیسا کہ سورۃ "نساء" میں تصریح کی گئی ہے مسلمان دوستانہ تعلقات قائم نہ کریں۔ اس موقع پر یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ موالات، مروت و حسن سلوک، مصالحت، رواداری اور عدل و انصاف یہ سب چیزیں الگ الگ ہیں۔ اہل اسلام اگر مصلحت سمجھیں تو ہر کافر سے صلح اور عہد و پیمان مشروع طریقہ پر کر سکتے ہیں۔ ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ عدل و انصاف کا حکم جیسا کہ گزشتہ آیات سے معلوم ہو چکا مسلم و کافر ہر فرد بشر کے حق میں ہے۔" مروت" اور "حسن سلوک" یا" رواداری" کا برتاؤ ان کفار کے ساتھ ہو سکتا ہے جو جماعت اسلام کے مقابلہ میں دشمنی اور عناد کا مظاہرہ نہ کریں۔ جیسا کہ سورۃ "ممتحنہ" میں تصریح ہے۔ باقی" موالات" یعنی دوستانہ اعتماد اور برادرانہ مناصرت و معاونت، تو کسی مسلمان کا حق نہیں کہ یہ تعلق کسی غیر مسلم سے قائم کرے۔ البتہ صوری موالات جو ﴿اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً﴾ کے تحت میں داخل ہو، اور عام تعاون جس کا اسلام اور مسلمانوں کی پوزیشن پر کوئی برا اثر نہ پڑے اس کی اجازت ہے۔ بعض خلفائے راشدین علیہم الرضوان سے اس بارے میں جو غیر معمولی تشدید و تضییق منقول ہے اس کو محض سد ذرائع اور مزید احتیاط پر مبنی سمجھنا چاہیئے۔

ف۲ یعنی مذہبی فرقہ بندی اور اندرونی بغض و عداوت کے باوجود باہم ایک دوسرے سے دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں۔ یہودی یہودی کا، نصرانی نصرانی کا دوست بن سکتا ہے اور جماعت اسلام کے مقابلہ میں سب کفار ایک دوسرے کے دوست اور معاون بن جاتے ہیں۔ اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ

ف۳ یعنی ان ہی کے زمرہ میں شامل ہے۔ یہ آیتیں رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے باب میں نازل ہوئی تھیں۔ یہود سے اس کا بہت دوستانہ تھا۔ اس کا گمان یہ تھا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑی اور پیغمبر علیہ السلام کی جماعت مغلوب ہو گئی تو یہود سے ہماری یہ دوستی کام آئے گی۔ اسی واقعہ کی طرف اگلی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ تو فی الحقیقت یہود کے ساتھ منافقین کی موالات کا اصلی منشاء یہ تھا کہ یہود جماعت اسلام ہے اس کے کفر میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ منافقین میں کچھ لوگ اور بھی تھے جنہوں نے جنگ احد میں لڑائی کا پانسا بدلا ہوا دیکھ کر کہنا شروع کیا تھا کہ ہم تو اب فلاں یہودی یا فلاں نصرانی سے دوستانہ گانٹھیں گے اور =

الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ

ان کو جن کے دل میں بیماری ہے دوڑ کر ملتے ہیں ان میں کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ نہ آجائے ہم پر گردش زمانہ کی ف ۱

جن کے دل میں آزار ہے، دوڑ کر ملے جاتے ہیں ان میں، کہتے ہیں، کہ ہم کو ڈر ہے کہ نہ آجائے ہم پر گردش،

فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

سو قریب ہے کہ اللہ جلد ظاہر فرما دے فتح یا کوئی حکم اپنے پاس سے تو لگیں اپنے جی کی چھپی بات پر

سو شاید اللہ جلد بھیجے فیصلہ یا کچھ حکم اپنے پاس سے، تو فجر کو لگیں اپنے جی کی چھپی بات پر

نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ

پچھتانے ف ۲ اور کہتے ہیں مسلمان کیا یہ وہی لوگ ہیں جو قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید سے کہ ہم تمہارے

پچھتانے۔ کہتے ہیں مسلمان کہ یہ وہی لوگ ہیں کہ قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید سے کہ ہم تمہارے

لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

ساتھ ہیں برباد گئے ان کے عمل پھر رہ گئے نقصان میں

ساتھ ہیں؟ خراب گئے ان کے عمل، پھر رہ گئے نقصان میں۔

= ضرورت پیش آنے پر ان ہی کا مذہب اختیار کرلیں گے۔ اس قماش کے لوگوں کی نسبت بھی ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ کا ظاہری مدلول علانیہ صادق ہے۔ رہے وہ مسلمان جو اس قسم کی نیت اور منشاء سے خالی ہو کر یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کریں، چونکہ ان کی نسبت بھی قوی خطرہ رہتا ہے کہ وہ کفار کی حد سے زیادہ ہم نشینی اور اختلاط سے متاثر ہو کر رفتہ رفتہ ان ہی کا مذہب اختیار کرلیں۔ یا کم از کم اور رسوم شعائر کفر اور رسوم شرکیہ سے کراہ اور نفور نہ رہیں۔ اس اعتبار سے فانہ منہم کا اطلاق ان کے حق میں بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ حدیث المرء مع من احب نے اس مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے۔

ف ۱۲ یعنی جو لوگ کہ دشمنان اسلام سے موالات کر کے خود اپنی جان پر اور مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں اور جماعت اسلام کے مغلوب و مقہور ہونے کا انتظار کر رہے ہیں، ایسی بدبخت، معاند اور دغاباز قوم کی نسبت یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ کبھی راہ ہدایت پر آئے گی۔

ف ۱ یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں شک اور نفاق کی بیماری ہے جن کو خدا کے وعدوں پر اعتماد اور مسلمانوں کی حقانیت پر یقین نہیں، اسی لئے دوڑ دوڑ کر کافروں کی آغوش میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔ تاکہ ان کے موہوم غلبہ کے وقت ثمرات فتح سے متمتع ہو سکیں۔ اور ان کے زعم میں جو گردشیں اور آفات جماعت اسلام پر آنے والی تھیں ان سے محفوظ رہیں۔ ﴿نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ﴾ کے یہی معنی ان کے دلوں میں مکنون تھے۔ لیکن یہی الفاظ ﴿نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ﴾ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مخلص مسلمانوں کے سامنے یہود سے دوستانہ رکھنے کی معذرت میں کہتے تھے تو گردش زمانہ کا یہ مطلب ظاہر کرتے کہ یہود ہمارے ساہوکار ہیں ہم ان سے قرض و دام لے لیتے ہیں۔ اگر کوئی مصیبت قحط وغیرہ کی پڑی تو وہ ہمارے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے آڑے وقت میں کام آجائیں گے ان ہی خیالات کا جواب آگے دیا گیا ہے۔

ف ۲ یعنی وہ وقت نزدیک ہے کہ حق تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو فیصلہ کن فتوحات اور غلبہ عطا فرمائے اور مکہ معظمہ میں بھی جو تمام عرب کا مسلمہ مرکز تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فاتحانہ داخل کرے یا اس کے ماسوا اپنی قدرت اور حکم سے کچھ اور امور بروئے کار لائے جنہیں دیکھ کر ان منافقین کی ساری باطل توقعات کا خاتمہ ہو اور انہیں منکشف ہو جائے کہ دشمنان اسلام کی موالات کا نتیجہ دنیاوی ذلت و رسوائی اور اخروی عذاب الیم کے سوا کچھ نہیں۔ جب فضیحت و خسران کے یہ نتائج سامنے آجائیں گے اس وقت بجز پچھتانے اور کف افسوس ملنے کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ الآن قد ندمت وما ینفع الندم چنانچہ ایسا ہی ہوا اسلام کے عام غلبہ اور فتح مکہ وغیرہ کو دیکھ کر تمام اعدائے اسلام کے حوصلے پست ہو لئے بہت سے یہود مارے گئے، بہت سے جلاوطن ہوئے۔ منافقین کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ مسلمانوں =

حکم چہاردہم ممانعت از موالاۃ یہود ونصاریٰ وذم منافقین

قال تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ... الى... فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں یہود اور نصاریٰ کے قبائح کو بیان کیا اب ان آیات میں مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ تم ان سے محبت نہ کرنا جو ان سے محبت کرے گا وہ انہیں میں شمار ہوگا کیونکہ محبت اور صحبت کا برا اثر انسان کے دل پر پڑتا ہے محبت کا یہ اثر ہے کہ محبوب کی ہر چیز محب کی نظر میں محبوب ہوجاتی ہے جذام اور سرطان کی طرح کفر اور شرک ایک روحانی مرض ہے دلی میل جول سے اس کے جراثیم متعدی ہوتے ہیں خدا تعالیٰ کے باغیوں کی دلی محبت اور میل جول سے رفتہ رفتہ انہیں کا مذہب اختیار کرلیتا ہے۔ فی الحال اگرچہ باعتبار باطن کے ان میں سے نہیں لیکن ان کی محبت اور صحبت سے اندیشہ ہے کہ آئندہ چل کر انہیں میں سے نہ ہوجائے یعنی اسلام سے مرتد نہ ہوجائے جیسا کہ آئندہ آیت میں اسی فتنہ ارتداد کی خبر دی گئی ہے جس طرح کسی حکومت کی رعایا بن جانے کے بعد قانون حکمت پر نکتہ چینی اور تبصرہ کرنا حکومت سے ارتداد ہے اسی طرح اسلام میں داخل ہونے کے بعد قانون شریعت پر نکتہ چینی اور تبصرہ کرنا اسلام سے ارتداد ہے اور کافروں سے دلی تعلق ارتداد کی علامت ہے اور اس کا پیش خیمہ ہے اور اگر وہ اس کو چھپائیں اور اسلام کو ظاہر کریں تو وہ نفاق ہے جو شخص حکومت کے دشمنوں اور باغیوں سے میل جول اور دوستانہ تعلقات رکھے تو حکومت کی نظر میں اس کی وفاداری مشکوک ہوجاتی ہے اور اسی طرح کافروں سے دوستانہ تعلقات سے اللہ کی نظر میں اسلام کی وفاداری مشکوک ہوجاتی ہے۔

شان نزول

یہ آیتیں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بارہ میں نازل ہوئیں یہود سے اس کا بہت دوستانہ تھا اور اس کا خیال تھا کہ شاید احد کی طرح مسلمان پھر مغلوب ہوں تو یہود سے ہماری دوستی کام آئے گی اور یہ کہا کہ انی رجل اخاف الدوائر یعنی میں ایسا مرد ہوشیار ہوں کہ مجھے حوادث دہر کا اندیشہ ہے اس لیے باقتضاء مصلحت میں یہود سے تعلق قطع نہیں کرسکتا عبداللہ بن ابی منافق کی طرح حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے بھی یہود سے حلیفانہ تعلقات تھے مگر چونکہ وہ سچے مسلمان تھے اس لیے انہوں نے فوراً یہود سے قطع تعلق کرلیا اور عبداللہ بن ابی منافق کہنے لگا کہ میں ان کی دوستی نہیں چھوڑ سکتا میرا بڑا نقصان ہوگا حالانکہ عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کی دوستی تھی مگر انہوں نے چھوڑ دی اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے تعلق قطع کرو منافقوں کی طرح یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ وہ کسی طرح تمہارے دوست نہیں بن سکتے وہ تو باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں یعنی اگرچہ ان میں باہم اختلاف ہے مگر تمہاری مخالفت اور عداوت میں وہ سب ایک ہیں کیونکہ وہ سب کفر ونفاق میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں اور "کند ہم جنس با ہم جنس پرواز"۔ تم میں سے جو شخص ان کو دوست بنائے گا سو وہ بلاشبہ انہیں میں سے ہوگا یا یہ معنی ہیں کہ ان کے اختلاط سے متاثر ہوکر رفتہ رفتہ انہیں میں سے ہوجائے گا یعنی مرتد ہوکر انہیں میں سے ہوجائے یا کم از کم شعائر کفر اور رسوم شرکیہ سے نفور اور

= کے سامنے صریح طور پر جھوٹے ثابت ہوئے۔ موالات یہود میں جو کوششیں کی تھیں وہ اکارت گئیں اور خسران دنیاوی اور ہلاکت ابدی کا طوق گلے میں پڑا۔ اگلی آیت میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے۔

بیزار نہ رہے گا دل سے اگرچہ ان کا مذہب اختیار نہیں کیا مگر عملاً اور ظاہراً انہیں میں سے شمار ہوگا اور ﴿فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ باعتبار اطلاق کے اعتقاد اور عمل دونوں کو شامل ہے تحقیق اللہ تعالیٰ بے راہوں اور ستم گاروں کو ہدایت نہیں دیتا یعنی جو شخص دشمنان اسلام سے موالات اور دوستی کر کے اپنی جان پر ظلم وستم کرے اور اسلام کے مغلوب اور مقہور ہونے کا انتظار کرے ایسے بدبخت ظالم کی راہ ہدایت پر آنے کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی جو لوگ کافروں کی دوستی میں غرق ہیں وہ اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتے پس اے دیکھنے والے تو اپنی آنکھ سے مشاہدہ کرلے گا کہ جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ دوڑ دوڑ کر کافروں میں گھستے جاتے ہیں اور اگر کوئی انہیں فہمائش کرتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ زمانہ کا کوئی حادثہ ہم کو نہ آپہنچے ان کا مقصود یہ تھا کہ ہم کو یقین نہیں کہ محمد (ﷺ) اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں گے اگر کوئی وقت ایسا آیا کہ دشمن ان پر غالب آگیا تو وہ ہم کو ان کا ساتھی سمجھ کر پیس ڈالے گا لہٰذا ہم ان سے بگاڑنا نہیں چاہتے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ گمان غلط ہے کہ عنقریب خداوند ذوالجلال مسلمانوں کو ان پر غالب کرے گا اور یہ کم بخت منافق پچھتاتے رہ جائیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں پس وہ وقت قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی فتح اور غلبہ کو ظاہر فرمائے اور جن سے یہ دوستی کررہے ہیں وہ مقہور ومغلوب ہوں یا اس کے علاوہ اور کوئی امر پردہ غیب سے ظاہر فرمائے جیسے بنی نضیر کی جلاوطنی اور بنی قریظہ کی گردن زدنی کا حکم اس وقت یہ منافقین ان باتوں پر جو اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں، پشیمان ہوں گے یعنی جب خدا تعالیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کو ان کے دشمنوں پر فتح دے گا اور ان کے دشمنوں میں کسی کو جلاوطن کرے گا اور کسی کو قتل کرائے گا اور اس وقت منافقوں پر کھلے گا کہ ہمارا گمان غلط تھا کہ رسول خدا کو غلبہ نہ ہوگا اور جن کی شوکت پر بھروسہ کرتے تھے ان کی ساری شوکت خاک میں مل گئی اور جن کا سہارا ڈھونڈتے تھے وہ سہارا ختم ہوا اور خدا تعالیٰ کی پیشین گوئی پوری صادق ہوگئی کہ اسلام کا غلبہ ہوگیا اور دشمنوں کی تمام شوکت ختم ہوگئی اور اس وقت یہ لوگ اپنے گمان پر پشیمان ہوں گے اور جس وقت ان منافقین کا پردہ چاک ہوگا اور اس وقت اہل ایمان آپس میں تعجب سے یہ کہیں گے کیا وہی لوگ ہیں جو تم سے یعنی تم مسلمانوں کے آگے اللہ کی پکی قسمیں کھایا کرتے تھے کہ وہ بلاشبہ تمہارے ساتھ ہیں یعنی اس دن مسلمان بڑے تعجب سے آپس میں یہ کہیں گے کہ دیکھو یہ وہی لوگ ہیں کہ ہم سے بڑی پکی قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں آج ان کا جھوٹ اور نفاق ظاہر ہوگیا اور معلوم ہوگیا کہ جھوٹے تھے دعوے تو یہ تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ظاہر ہوا کہ اس کے خلاف الغرض ان کی ساری کاروائیاں غارت گئیں ان منافقوں کا ظاہری اسلام کچھ کام نہ آیا اور یہ ساری جدوجہد کہ دونوں سے بھلے بنے رہیں بیکار گئی کیونکہ کفار تو خود مغلوب ہوئے اور اس لیے ان کا ساتھ دینا بیکار رہا اور مسلمانوں کے سامنے ان کی قلعی کھل گئی پس دونوں اطراف سے نقصان اور خسارہ بڑھ گیا نہ ادھر کے رہے اور نہ ادھر کے اور اسلام کے غلبہ اور فتح سے ان کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ

اے ایمان والو جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ عنقریب لاوے گا ایسی قوم کو کہ اللہ ان کو چاہتا ہے

اے ایمان والو! جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ آگے لا دیگا ایک لوگ کہ ان کو چاہتا ہے

وَيُحِبُّونَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا

اور وہ اس کو چاہتے ہیں نرم دل ہیں مسلمانوں پر زبردست ہیں کافروں پر لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے

اور وہ اس کو چاہتے ہیں، نرم دل ہیں مسلمانوں پر، اور زبردست ہیں کافروں پر۔ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں، اور

يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۵۴ اِنَّمَا

نہیں کسی کے الزام سے ف۱ یہ فضل ہے اللہ کا دے گا جس کو چاہے اور اللہ کشایش والا ہے خبردار ف۲

ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے۔ یہ فضل ہے اللہ کا، دے گا جس کو چاہے۔ اور اللہ کشایش والا ہے۔ خبردار

وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ

تمہارا رفیق تو وہی اللہ ہے اور اس کا رسول اور جو ایمان والے ہیں جو کہ قائم ہیں نماز پر اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ

تمہارا رفیق وہی اللہ ہے اور اس کا رسول، اور ایمان والے، جو قائم ہیں نماز پر اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ نوے ہیں۔

رٰكِعُوْنَ ۝۵۵ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝۵۶ ع ۱۲

عاجزی کرنے والے ہیں ف۳ اور جو کوئی دوست رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو تو اللہ کی جماعت وہی سب پر غالب ہے ف۴

اور جو کوئی رفاقت پکڑے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ایمان والوں کی، تو اللہ کی جماعت وہی ہوں گے غالب۔

ف۱ اس آیت میں اسلام کی ابدی بقا اور حفاظت کے متعلق عظیم الشان پیشین گوئی کی گئی ہے پچھلی آیات میں کفار کے موالات سے منع کیا گیا تھا ممکن تھا کہ کوئی شخص یا قوم موالات کفار کی بدولت صریحاً اسلام سے پھر جائے۔ جیسا کہ ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ میں تنبیہ کی گئی ہے۔ قرآن کریم نے نہایت قوت اور صفائی سے آگاہ کر دیا کہ ایسے لوگ اسلام سے پھر کر کچھ اپنا ہی نقصان کریں گے، اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے حق تعالیٰ مرتدین کے بدلے میں یا ان کے مقابلہ پر ایسی قوم لے آئے گا جن کو خدا کا عشق ہو اور خدا ان سے محبت کرے وہ مسلمانوں پر شفیق و مہربان اور دشمنان اسلام کے مقابلہ میں غالب اور زبردست ہوں گے یہ پیشین گوئی بحول اللہ وقوتہ ہر قرن میں پوری ہوتی رہی ارتداد کا فتنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں پھیلا۔ کئی طرح کے مرتدین اسلام کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے۔ مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ایمانی جرات اور اعلیٰ تدبر اور مخلص مسلمانوں کی سرفروشانہ اور عاشقانہ خدمات اسلام نے اس آگ کو بجھایا اور سارے عرب کو متحد کر کے از سر نو اخلاص و ایمان کے راستہ پر گامزن کر دیا۔ آج بھی ہم مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ جب کبھی چند جاہل اور طامع افراد اسلام کے حلقہ سے نکلنے لگتے ہیں تو ان سے زیادہ اور ان سے بہتر تعلیم یافتہ اور محقق غیر مسلموں کو اسلام فطری کشش سے اپنی طرف جذب کر لیتا ہے اور مرتدین کی سرکوبی کے لئے خدا ایسے وفادار اور جاں نثار مسلمانوں کو کھڑا کر دیتا ہے جنہیں خدا کے راستہ میں کسی کی ملامت اور طعن و تشنیع کی پروا نہیں ہوتی۔

ف۲ انسان کی بڑی سعادت اور اس پر خدا کا بڑا فضل یہ ہے کہ وہ فتنہ کے وقت خود جادہ حق پر ثابت قدم رہ کر دوسروں کو ہلاکت سے بچانے کی فکر کرے۔ خدا جن بندوں کو چاہے اس سعادت کبریٰ اور فضل عظیم سے حصہ وافر عطا فرماتا ہے۔ اس کا فضل غیر محدود ہے۔ اور وہی خوب جانتا ہے کہ کونسا بندہ اس کا اہل اور مستحق ہے۔

ف۳ پچھلی آیتوں میں یہود و نصاریٰ کی موالات اور رفاقت کن سے ہونے چاہئیں یہ بتایا۔ اب اس آیت میں بتلا دیا گیا کہ ان کا رفیق اصلی خدا اور پیغمبر علیہ السلام اور مخلص مسلمانوں کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

ف۴ کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت عدد کو دیکھتے ہوئے ممکن تھا کہ کوئی ضعیف القلب اور ظاہر بین مسلمان اس تردد میں پڑ جاتا کہ تمام دنیا سے موالات منقطع کرنے اور چند مسلمانوں کی رفاقت پر اکتفا کر لینے کے بعد غالب ہونا تو درکنار، کفار کے حملوں سے اپنی زندگی اور بقاء کی حفاظت بھی دشوار ہے۔ ایسے لوگوں کی تسلی کے لئے فرما دیا کہ مسلمانوں کی قلت اور ظاہری بے سر و سامانی پر نظر مت کرو۔ جس طرف خدا اور اس کا رسول اور سچے وفادار مسلمان ہونگے، وہی پلہ بھاری رہے گا۔ یہ آیتیں خصوصیت سے حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ کی منقبت میں نازل ہوئی ہیں۔ یہود بنی قینقاع سے ان کے بہت زیادہ دوستانہ تعلقات =

فتنۂ ارتداد اور غلبۂ اسلام کی پیشن گوئی

قَالَ تَعَالٰی : ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ ... الی ... هُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾

ربط:...... اوپر کی آیت میں جو ارتداد سے بچانے کے لیے مسلمانوں کو حکم ہوا تھا کہ کفار سے دوستی نہ کریں جو ان سے محبت کرے گا وہ فی الحال یا فی المآل انہیں میں سے ہو جائے گا یعنی مرتد ہو جائے گا لہٰذا اب اس آیت میں ارتداد کی سزا ارشاد فرماتے ہیں اور عنقریب پیش آنے والے فتنۂ ارتداد اور اسلام کے غلبہ اور اسی کے ابدی بقاء اور حفاظت اور تائید غیبی کے متعلق ایک عظیم الشان پیش گوئی فرماتے ہیں اور نزول آیت کے وقت جو مسلمان موجود تھے ان کو پہلے ہی سے یہ خبر دیتے ہیں کہ عنقریب فتنۂ ارتداد پیش آئے گا اور تم میں کے کچھ لوگ مرتد ہو جائیں گے اس خبر کی ساتھ ہی ساتھ یہ بشارت سناتے ہیں کہ اس فتنہ سے اسلام اور مسلمانوں کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا اور خدا تعالیٰ نے اس فتنہ کے قلع قمع کرنے کے لیے عالم غیب سے یہ تدبیر مقرر کی ہے کہ خاصان خدا کی ایک جماعت ان مرتدین کے قتل و قتال کے لیے من جانب اللہ برانگیختہ کی جائے گی جو ان مرتدین کی ایسی سرکوبی کرے گی کہ کفر سر اٹھانے کے قابل نہ رہیگا اور یہ حق جل شانہ کی سنت ہے کہ جو شخص یا جو جماعت اسلام میں فتنہ اور رخنہ ڈالنے کے لیے کھڑی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی سرکوبی کے لیے ایسے جاں نثار اور وفادار مسلمانوں کو کھڑا کر دیتا ہے جنہیں خدا کی راہ میں کسی کی ملامت اور طعن و تشنیع کی پرواہ نہیں ہوتی کما قال تعالیٰ: ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿١٩﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ﴾ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ خدا کے دشمنوں یعنی کافروں کی محبت اور صحبت سے بچتے رہو کیونکہ ان کی صحبت اور محبت سے مرتد ہو جانے کا اندیشہ ہے خوب سن لو جو کوئی تم میں سے مرتد ہو جائے گا یعنی دین اسلام سے پھر جائے گا تو اس کے ارتداد سے دین اسلام کو کوئی نقصان نہ ہوگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس فتنۂ ارتداد کی سرکوبی کے لیے عنقریب ایسی جماعت اور گروہ کو اپنے ساتھ لائے گا یہ ساتھ لانا بقوم میں بائے الصاق کا ترجمہ ہے اور کسی کو ساتھ لانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خود بھی ساتھ آئے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ جس کو ساتھ لے کر آئے گا اور جس کے ساتھ آئے گا وہ بلاشبہ اس کا محبوب اور مقرب ہوگا اس لیے آئندہ آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ جس گروہ کو خدا تعالیٰ مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے لے کر آئے گا ان میں چار وصف ہوں گے اور وہ چار وصف یہ ہوں گے جن کا آئندہ ذکر فرماتے ہیں۔

۱- اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھے گا اور وہ اللہ سے محبت رکھیں گے یعنی یہ جماعت اللہ تعالیٰ کی محب اور عاشق بھی ہوگی اور محبوب بھی ہوگی۔ ۲- ایمانداروں کے حق میں وہ نرم اور مہربان اور دشمنان خدا کے مقابلہ میں سخت ہوں گے تاکہ خدا کے مقابلہ میں سرکشی کرنے والوں کا غرور کافور ہو جائے۔ ۳- خدا کی راہ میں دل کھول کر جہاد کریں گے ان کی گردنیں ماریں گے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر کے غلام بنائیں گے اور ان کے املاک اور اموال کو لوٹیں گے۔ ۴- اور کسی

= تھے۔ مگر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موالات اور مومنین کی رفاقت کے سامنے انہوں نے اپنے سب تعلقات منقطع کر دیے۔

ملامت کرنے والے کی ملامت اور طعن وتشنیع سے نہ ڈریں گے یعنی کسی کی ملامت اور طعن وتشنیع سے متاثر ہو کر خدا کے باغیوں (مرتدین) کی سرکوبی میں کمی نہ کریں گے جیسا کہ اہل نفاق کا شیوہ ہے کہ وہ دائیں اور بائیں دیکھتے رہتے ہیں یہ صفات مذکورہ فاضلہ اللہ کا فضل ہیں جس کو چاہتا ہے یہ فضل عطا کرتا ہے یعنی ان صفات فاضلہ مذکورہ کے ساتھ متصف ہونا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے بغیر اس کی مہربانی اور عنایت اور توفیق کے کوئی خود بخود ان صفات فاضلہ کے ساتھ متصف نہیں ہوسکتا" تا نہ بخشد خدائے بخشندہ"۔ اور اللہ بڑا وسعت والا اور دانا ہے نہ اللہ کے خزانہ میں کوئی کمی ہے اور نہ اس کے جود وکرم میں کوئی کمی ہے جس کو چاہے اپنے خزانہ رحمت سے یہ صفات فاضلہ عطا کرے اور وہ علام الغیوب ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کون ان صفات کا اہل ہے ہے اور کون نہیں اور اللہ نے ان صفات فاضلہ کا ذکر اس لیے فرمایا کہ معلوم ہوجائے کہ جو جماعت مرتدین سے جہاد وقتال کرے گی وہ اعلیٰ درجہ کے مومنین مخلصین ہوں گے منافق نہ ہوں گے۔

خلاصہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے مسلمانو جو اس آیت کے نزول کے وقت اہل ایمان اور اخلاص ہیں تم کو پیش آنے سے پہلے ہی خبر دی جاتی ہے کہ عنقریب مسلمانوں میں کے کچھ لوگ اسلام سے مرتد ہوجائیں گے تو خوب سمجھ لیں کہ وہ اللہ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حمایت اور حفاظت کے لیے ایک ایسی قوم کو کھڑا کرے گا جن میں مومنین اور کاملین اور خاصان خدا کی صفات کاملہ اور فاضلہ جمع ہوں گی اور وہ حزب اللہ یعنی اللہ کی خاص جماعت ہوگی جو مرتدین کی سرکوبی کرے گی اور ان پر غالب آئے گی چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد متعدد قبائل عرب کافر اور مرتد ہوئے اور بحمدہ تعالیٰ خدا تعالیٰ کا دین بے سہارا اور بے مددگار نہ رہا اور جس قوم کے لانے کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جماعت تھی جن کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے مرتدین کی سرکوبی کی اور جنہوں نے مرتدین سے جہاد وقتال کیا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں ڈال دیا کہ اس فتنہ سے بچاؤ کی صورت سوائے تلوار کے کچھ نہیں اس لیے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جہاد کا عزم بالجزم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کے دل میں ارادہ جہاد وقتال مرتدین پیدا کر دیا سب جہاد کے لیے کھڑے ہوگئے اور حسب وعدہ الٰہی مظفر ومنصور ہوئے۔

پس جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کا خاصان خدا ہونا یعنی خدا تعالیٰ کا محب اور محبوب ہونا ثابت ہوگیا تو پھر ان کی خلافت کے حق ہونے میں کیا شبہ رہا؟ یہ امر تاریخ سے اور شیعہ اور سنی روایت سے بالاتفاق ثابت ہے کہ حضور پرنور ﷺ کی وفات کے قریب ہی کچھ لوگ مرتد ہونا شروع ہوگئے تھے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو یہ آگ اور تیز ہوگئی اور یہ امر بھی بالاتفاق ثابت ہے کہ سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کسی نے مرتدین سے قتال وجہاد نہیں کیا اور خدا تعالیٰ نے جو خبر دی ہے اس کا سچا ہونا ضروری ہے خدا کی خبر کا غلط ہونا ناممکن اور محال ہے۔ پس اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پورا ہوگیا کہ جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم سے مرتدین لڑے تو ثابت ہوجائے گا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی سب محبوب خدا اور محب خدا تھے اور ان کی خلافت حق تھی کیونکہ جو محب خدا اور محبوب خدا ہوگا وہ بھلا حق کے خلاف کیسے ہوسکتا ہے اور اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ ﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ﴾ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت مراد ہے تو لازم آئے گا کہ خدا تعالیٰ کی یہ

خبر بھی نہ ہو کیونکہ یہ امر بالاتفاق ثابت ہے کہ نزول آیت کے وقت جو مسلمان موجود تھے ان میں سے سوا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کسی نے مرتدین سے قتال نہیں کیا اور اس آیت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لڑائیوں پر محمول نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ ان کی لڑائی مرتدین اسلام سے نہ تھی بلکہ اپنے باغی بھائیوں سے تھی جیسا کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے "ھولاء اخواننا قد بغوا علینا" جن لوگوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتال کیا وہ اسلام سے مرتد نہ تھے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور امارت سے باغی تھے اور کسی کی امارت نہ تسلیم کرنے سے اسلام سے مرتد نہیں ہوتا۔ معاذ اللہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روافض کے زعم کے مطابق مرتد تھے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے باوجود قوت وشوکت کے ان سے صلح کیسے کی ان کے حق میں خلافت کے حق سے کیسے دستبردار ہوئے کیا مرتد کی خلافت اور اطاعت پر صلح کرنا جائز ہے معلوم ہوا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمان تھے مرتد نہ تھے بلکہ خلافت اور امارت کے اہل تھے اور امام حسن رضی اللہ عنہ حضرات شیعہ کے نزدیک امام معصوم اور مفترض الاطاعت ہیں اور اگر بقول روافض مرتدین سے وہ لوگ مراد لیے جائیں جنہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور امارت کو تسلیم کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور امامت سے انکار کیا اس بناء پر کافر اور مرتد ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان مرتدین (خلفاء ثلاثہ) سے کیوں جہاد وقتال نہ کیا پس اگر یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ہے تو ان پر ان مرتدین سے جہاد وقتال فرض تھا نیز یہ بھی ضروری تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس جہاد میں ضرور کامیاب ہوتے اس وعدہ کے مطابق خدا پر لازم تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ان مرتدین کے مقابلہ کے لیے ایسی قوم کو لاتا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان مرتدین جہاد کرتی اور ان کو زیر اور مغلوب کرتی جیسا کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ کیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ خدا نے ایسا نہیں کیا بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت، مرتدین کا مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوئی بلکہ فتنہ روز بروز بڑھتا گیا اسی لیے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مذہب امامیہ کے فساد اور بطلان پر نہایت محکم دلیل ہے۔ (تفسیر کبیر: ۳/۴۲۷)

مرتدین کے ظہور کے وقت خدا تعالیٰ نے جس قوم کے لانے کا وعدہ فرمایا اور جس کے اوصاف بیان کیے وہ تمام اوصاف علی وجہ الکمال والتمام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت میں پائے جاتے ہیں اور ان کے اعمال اور کارناموں سے اس کا پورا ثبوت ملتا ہے اور شیعوں کے قول کے بناء پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تمام رفقاء بزدل تھے کوئی بھی ان مرتدین سے جہاد وقتال کے لیے نہ نکلا۔

گزشتہ آیات میں کافروں سے دوستی کی ممانعت فرمائی جس میں مرتد ہونے کا اندیشہ تھا اور مرتدین کی سزا بھی بیان فرمائی اب یہ فرماتے ہیں کہ دوستی کس سے کی جائے یعنی اہل ایمان سے جو نہایت خشوع سے نماز پڑھتے ہیں اور نہایت خلوص سے زکوٰۃ دیتے ہیں ی جماعت اللہ کی خاص جماعت ہے اور حزب اللہ کے نام سے موسوم ہے اور جن سے اللہ نے غلبہ اور فتح کا وعدہ فرمایا ہے جز ایں نیست تمہارا دوست خدا ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ مومنین مخلصین جو دل وجان سے نماز کو قائم کرتے ہیں منافقوں کی طرح دکھلاوے کی نماز نہیں پڑھتے کما قال تعالیٰ: ﴿وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ اور نہایت شوق اور رغبت کے ساتھ زکوٰۃ دیتے ہیں درانحالیکہ وہ لرزاں و

ترساں ہوتے ہیں کہ مبادا ہماری زکوٰۃ اور صدقہ اور خیرات قبول نہ ہو۔ منافقین کی طرح حریص اور طامع نہیں کہ خدا کی کوئی راہ میں خرچ کرنے پر دل آمادہ نہ ہوتا ہو کما قال تعالی: ﴿اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ﴾ اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی اور حق یہ ہے کہ آیت کے الفاظ عام ہیں قیامت تک آنے والے کامل الایمان لوگوں کو شامل ہیں۔

ف:...... ﴿رٰكِعُوْنَ﴾ میں رکوع سے خشوع اور خضوع کے معنی مراد ہیں یعنی ان لوگوں کا نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ ہوتا ہے اور آیت میں رکوع سے نماز کے رکوع مراد نہیں اس لیے کہ اگر اس آیت میں رکوع سے نماز کے رکوع مراد ہوں تو یہ لازم آئے گا کہ حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کرنا موجب فضیلت اور قابل مدح ہو حالانکہ شریعت میں کہیں اس کا ثبوت نہیں مزید تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ لطائف و معارف کے بیان میں آئے گی۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے مسلمانو یہود اور نصاریٰ سے دوستی نہ کرو تمہارے دوست صرف اللہ اور اس کا رسول اور یہ مؤمنین مخلصین ہیں کہ جو خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور خلوص کے ساتھ زکوٰۃ دیتے ہیں یہ اوصاف اس لیے بیان فرمائے کہ منافقین بھی ان میں ملے جلے تھے جن پر نماز اور زکوٰۃ شاق تھی پس غرض ان اوصاف کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ جو مومنین صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوں ان سے دوستی رکھو اور جو ایسے نہیں ان سے نہ رکھو کیونکہ وہ حقیقت میں مومن نہیں بلکہ منافق ہیں بھی ہیں اور جو شخص ہمارے حکم کے موافق اللہ کو اور اس کے رسول کو اور مومنین مخلصین کو اپنا دوست اور رفیق بنائے تو اس کو کسی کے شر اور ضرر سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اللہ کے گروہ میں داخل ہو گیا تو بے شک جو اللہ کا گروہ ہے وہی غالب ہوگا وقتی طور پر اگر کافر غالب آ جائیں تو انجام کار غلبہ اہل ایمان اور اہل تقوی ہی کو ہوتا ہے......

﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ مطلب یہ ہے کہ کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت عدد اور بے سروسامانی کو دیکھ کر کافروں کی موالات کی طرف مائل نہ ہو جاؤ اللہ ہی کی جماعت سب پر غالب آئے گی۔

لطائف و معارف

۱- اس مقام پر دو آیتیں ہیں پہلی آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ ... الی قوله... وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ یہ آیت، آیت قتال مرتدین کے نام سے مشہور ہے اور دوسری آیت ﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ... الی... هُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ یہ آیت، آیت ولایت کے نام سے مشہور ہے۔

مختصر بیان کیفیت واقعہ ارتداد:...... حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ چونکہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی وفات کے بعد بعض قومیں اسلام سے مرتد ہو جائیں گی اس لیے خدا تعالیٰ نے پہلے ہی سے یہ خبر دے دی کہ اس وقت خدا تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جو مرتدین کا قلع قمع کرے گی اللہ اس قوم سے محبت رکھتا ہوگا اور وہ قوم اللہ سے۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ عرب کے گیارہ فرقے مرتد ہوئے تین قبیلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر زمانہ میں مرتد

ہو گئے اور ہر قبیلہ میں سے ایک ایک شخص دعوائے نبوت کرتا ہوا اٹھا اور اس کے قوم کے لوگوں نے اس کی تصدیق کی اور فساد عظیم برپا کیا۔

پہلا فرقہ:...... بنی مدلج کا ہے جن کا رئیس ذوالخمار یعنی اسود عنسی تھا یہ ایک کاہن شخص تھا۔ کہانت، شعبدہ بازی میں بڑی مہارت رکھتا تھا جس نے یمن میں قبیلہ مذحج کے درمیان نبوت کا دعویٰ کیا اور اس علاقہ کے شہروں پر مستولی ہو گیا اور آنحضرت ﷺ کے عمال کو وہاں سے نکال دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی سرکوبی کے لیے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو لکھا جو ان دنوں آنحضرت ﷺ کی طرف سے یمن کے قاضی تھے اور وہاں کے روساء اور مسلمانوں کے نام بھی لکھا کہ ذوالخمار سے لڑنے کے لیے تیار ہو جائیں۔
حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ جو اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ہمراہیوں میں سے تھے خدا تعالیٰ نے ان کے ہاتھ سے اس کو ہلاک کیا جس رات وہ قتل کیا گیا اسی رات آنحضرت ﷺ بذریعہ وحی اس واقعہ پر مطلع ہوئے اور مسلمانوں کو اس کے قتل کی خبر دی اور فرمایا کہ فیروز رضی اللہ عنہ کامیاب ہوئے جس سے مسلمان خوش ہوئے اور اگلے روز آپ ﷺ نے انتقال فرمایا۔

دوسرا فرقہ:...... بنی حنیفہ ہے جن کا رئیس مسیلمہ کذاب تھا اس شخص نے قبیلہ بنی حنیفہ کے ساتھ بارگاہ اقدس میں خط لکھ کر بھیجا جس کا مضمون یہ تھا من مسیلمة رسول الله الی محمد رسول الله اما بعد فان الارض نصفها لی ونصفها لك یعنی مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف واضح ہو کہ آدھی زمین میری اور آدھی تیری مطلب یہ تھا کہ ہم اور آپ ﷺ مل کر زمین فتح کر لیں اور باہم نصف نصف تقسیم کر لیں معلوم ہوا کہ اصل مقصود دنیاوی مال و دولت تھا آنحضرت ﷺ نے اس کے جواب میں یہ خط لکھوایا من محمد رسول الله الی مسیلمة الکذاب اما بعد ﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۚ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی جانب۔ واضح ہو کہ زمین اللہ تعالیٰ کی ملک ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کا وارث کرے اور حسن عاقبت یعنی اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے اس کے بعد آنحضرت ﷺ بیمار ہو گئے اور مسیلمۂ کذاب کی سرکوبی کے لیے کوئی انتظام کرنے نہ پائے تھے کہ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اس مہم کو انجام دیا اور آنحضرت ﷺ کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر دے کر اس کی طرف روانہ فرمایا حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے اس کذاب کو جہنم میں پہنچا دیا مسیلمہ کے قتل کے بعد اس کے متبعین میں سے بعضے لوگ تائب بھی ہو گئے اور باقی تمام جماعت متفرق ہو گئی۔

تیسرا قبیلہ:...... بنی اسد ہے جن کا دوسرا طلیحہ بن خویلد تھا اس شخص نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آنحضرت ﷺ کے اخیر زندگی ہی میں دعوائے نبوت کیا تھا اس کے قلع قمع کے لیے بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا خالد رضی اللہ عنہ نے اس سے اور اس کے اعوان و انصار سے جنگ کی جس میں طلیحہ نے شکست کھائی اور شام کی طرف بھاگ گیا اور اس کے بعد پھر تائب ہوا اور اسلام لایا اور جنگ قادسیہ میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد فتنۂ ارتداد اور بلند ہوا اور آپ ﷺ کے بعد سات فرقے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مرتد ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے:

۱-فزارہ۔ ۲-غطفان۔ ۳-بنوسلیم۔ ۴-بنی یربوع۔ ۵-بعض بنی تمیم۔ ۶-کندہ۔ ۷-بنی بکر بن وائل۔

ان ساتوں قبائل سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا اور ان کو درست کیا اس کے بعد ایک فرقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مرتد ہوا یعنی جبلہ بن ایہم کی قوم غسان۔ غرض یہ کہ حرمین شریفین اور قریہ جواثی کے سوا اکثر عرب مرتد ہو گئے اور بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اس فرقہ کے بابت اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں باہم مکالمہ ہوا کہ یہ لوگ اہل قبلہ ہیں ان کا قتل جائز نہیں انہی لوگوں میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے کہا اے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہ ان لوگوں سے کیسے قتال کر سکتے ہیں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما چکے ہیں کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد و قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں جس نے یہ کلمہ پڑھا اس کی جان و مال محفوظ ہے مگر کسی حق کی وجہ سے اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا خدا کی قسم میں اس سے ضرور جہاد و قتال کروں گا اگرچہ وہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہو نماز اگر حق بدن ہے تو زکوٰۃ حق مال ہے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح نماز کی فرضیت کا انکار کفر ہے اور ارتداد ہے اسی طرح زکوٰۃ کی فرضیت کا بھی انکار کفر ہے مسلمان ہونے کے لیے فقط کلمہ توحید اور رسالت پڑھ لینا کافی نہیں جب تک تمام فرائض دین اور شعائر اسلام اور احکام شریعت کو قبول نہ کرے اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سراپا ارشاد کے بعد سنتے ہی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بولے کہ میری سمجھ میں آ گیا اور مجھے شرح صدر ہو گیا کہ یہی حق ہے چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر ایک باب قائم فرمایا وہ یہ ہے کہ "باب من ابی قبول الفرائض وما نسبوا الی الردۃ۔" یعنی جو شخص فرائض دین میں کسی ایک فریضہ کو بھی قبول نہ کرے تو وہ بلاشبہ کافر اور مرتد ہے اور معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کے لیے محض کلمہ گو اور مدعی اسلام ہونا کافی نہیں جب تک اسلام کے تمام احکام کو قبول نہ کرے دیکھو الفتح الباری: ۱۲/۲۴۲ و ۳/۲۴۵ وعمدۃ القاری طبع جدید: ۲۴/۸۲، باب قتل من ابی قبول الفرائض۔ امام قرطبی اپنی تفسیر کے: ۶/۲۱۹ میں لکھتے ہیں:

"وکانوا (ای اهل الردة) فی ردتهم علی قسمین قسم نبذ الشریعة کلها وخرج عنها وقسم نبذ وجوب الزکوة واعترف بوجوب غیرها قالوا نصوم ونصلی ولا نزکی فقاتل الصدیق جمیعهم وبعث خالد بن ولید الیهم بالجیوش فقاتلهم وسباهم علی ما هو مشهود من اخبارهم انتهی۔"

''مرتدین اپنے ارتداد میں دو قسم پر تھے۔ مرتدین کی ایک قسم تو وہ تھی کہ جس نے شریعت کو بالکل پس پشت ڈال دیا اور اسلام سے بالکلیہ خارج اور علیحدہ ہو گئی اور مرتدین کی دوسری قسم وہ تھی جو فقط زکوٰۃ کی فرضیت کے منکر تھے اور باقی احکام شریعت کے مقر اور معترف تھے یہ لوگ یہ کہتے تھے کہ ہم مسلمانوں کی طرح روزہ اور نماز پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے تو ابوبکر صدیق نے مرتدین کی ان دونوں قسموں سے جہاد و قتال کیا اور ان کے مقابلہ کے لیے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لشکر دے کر روانہ کیا پس خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان تمام مرتدین سے قتال کیا اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قید کیا جیسا کہ معروف و مشہور ہوا۔''

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان مانعین زکوٰۃ کے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے یہی لشکر روانہ فرمایا۔

"حتی سبی وقتل وحرق بالنیران اناسا ارتدوا عن الاسلام ومنعوا الزکوۃ فقاتلھم حتی اقروا بالماعون" (تفسیر ابن کثیر، ص: ۱۸۳)

''یہاں تک کہ ان لوگوں کو قید کیا اور قتل کیا جو اسلام سے مرتد ہوئے تھے اور جنہوں زکوٰۃ دینے سے نے انکار کیا تھا کہ انہوں نے اس امر کا اقرار کیا کہ حقیر سے حقیر چیز بھی نہ روکیں گے۔''

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح نماز کی فرضیت کا انکار کفر اور ارتداد ہے اسی طرح مثلاً زکوٰۃ یا روزہ کی فرضیت کا انکار بھی کفر اور ارتداد ہے۔

خلاصۂ کلام:...... یہ کہ جب فتنہ ارتداد پیش آیا تو اللہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قلب میں ان مرتدین سے جہاد و قتال کا داعیہ پیدا فرمایا بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس بارہ میں متردد تھے حتی کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے نرمی کی درخواست کی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا "اجبار انت فی الجاھلیۃ خوّار فی الاسلام" کیا تو زمانہ جاہلیت میں سختی کرنے والا تھا اور اب اسلام میں نرمی کرنے والا بن گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا منشاء یہ تھا کہ یہ وقت اسلام کی کمزوری کا ہے اور یہ وقت اسلام پر نہایت نازل ہے لہٰذا کچھ نرمی سے کام لینا چاہیے مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کوہ استقامت تھے ان میں کوئی تزلزل نہ آیا اور منکرین زکوٰۃ سے جہاد و قتال کا مستحکم ارادہ اور عزم مصمم فرمایا اور مانعین زکوٰۃ سے جہاد و قتال میں ابتداءً بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تردد رہا کہ یہ اہل قبلہ ہیں مگر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار زیب دوش کی اور تنہا چلنے کے لیے کھڑے ہوگئے اور یہ فرمایا کہ یہ ہوسکتا ہے کہ دین پر کوئی زوال اور نقصان آئے اور میں زندہ ہوں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہ کو جانے سے روکا اور کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ بیٹھتے ہم جاتے ہیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ابتداء میں اس لڑائی کو پسند نہ کرتے تھے مگر آخر میں (جب اس کا انجام ہم پر منکشف ہوا) تو ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے شکر گزار ہوئے کہ اسلام کو بڑے فتنے سے بچالیا اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس کارنامہ یعنی قتال مرتدین کا ذکر کرکے یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میری تمام عمر کی عبادت لے لیں اور مجھے صرف اپنی ایک رات اور اپنا ایک دن دے دیں تو میں راضی ہوں رات سے غار ثور کی رات مراد ہے اور دن سے فتنہ ارتداد کا دن مراد ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ "قام فی الردۃ مقام الانبیاء" یعنی فتنہ ارتداد میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وہ کام کیا جو مقام پیغمبروں کا تھا۔

﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ﴾ الخ

یعنی جس وقت یہ فتنہ ارتداد پیش آئے گا اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کے لیے ایک قوم کو اپنے ساتھ لائے گا جو صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوگی یعنی قتال مرتدین کے معرکہ میں خداوند ذوالجلال خود بھی موجود ہوگا کیونکہ ﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ﴾ میں اصل آنے والے اللہ تعالیٰ ہوں گے اور قوم مجاہدین اللہ کے ساتھ ہوگی کیونکہ بقوم کی باء

اگر چہ تعدیہ کے لیے ہے مگر معنی الصاق کو بھی ساتھ لیے ہوئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان مرتدین کی سرکوبی کے لیے خود بذات قدسی صفات ان مجاہدین کو ساتھ لے کر میدان قتال میں نزول اجلال فرمائیں گے اور پس پردہ اللہ ان کے ساتھ ہوگا اور وہ جماعت ایسی ہوگی کہ اس کے دل میں مرتدین سے جہاد وقتال کا داعیہ ایسا موج زن ہوگا جس کو دیکھ کر صاحب نظر سمجھ جائے گا یہ جماعت خدا تعالیٰ کی آوردہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ القاء کیا ہے ورنہ یکلخت سب کے دلوں میں ایک ہی آگ کا لگ جانا اور سب کا یکساں ہوجانا ظاہر اسباب میں ممکن نہیں اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو مرتدین سے جہاد وقتال کے لیے جمع کرنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ہوا اور اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ اللہ ایسی قوم کو لائے گا سو حق تعالیٰ کا یہ ارشا بالکل ایسا ہی جیسا کہ فرمایا ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾ یعنی ان صفات کے ساتھ موصوف لوگوں کو جمع کرنا درحقیت اللہ تعالیٰ کا فعل تھا اور صدیق اکبر بمنزلہ جارحہ الہیہ کے تھے جن سے یہ تدبیر ظہور میں آئی ذرا غور کرو کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد یہ مرتبہ کسی کو حاصل ہوا یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

پھر آئندہ آیت میں اس قوم کی چھ صفتیں ذکر فرمائیں دو وہ ہیں جن کا تعلق بندہ اور خدا کے درمیان ہے۔ ۱- خدا تعالیٰ ان کو محبوب رکھتا ہے۔ اور ۲- وہ خدا کو محبوب رکھتے ہیں اور دو صفتیں وہ ہیں جن کا تعلق خود باہم بندوں کے درمیان ہے۔ وہ یہ کہ ۳- ﴿أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ ۴- اور ﴿أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ یعنی مسلمانوں کے حق میں نرم اور کافروں کے حق میں گرم ہوں گے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ جیسے جبرائیل امین کہ انبیاء کرام اور اہل ایمان کے حق میں باعث رحمت ہیں اور کافروں کے لیے موجب ہلاکت ہیں بمنزلہ جارحہ الہیہ کے ہیں کبھی رحمت وبرکت کا ظہور ہوتا ہے اور کبھی اتلاف اور اہلاک کا صدور ہوتا ہے ان دو صفتوں کا تعلق بندوں کے ساتھ باہمی روابط اور تعلقات سے ہے اور ان چار کے علاوہ دو صفتیں وہ ہیں جو دینی خدمات سے متعلق ہیں۔ ۵- ایک فعل جہاد فی سبیل اللہ یعنی خدا تعالیٰ سے سرکشی اور گردن کشی کرنے والوں کی سرکوبی اور گردن کشی میں اپنی پوری جدوجہد کو پانی کی طرح بے دریغ بہا دینا یہ حقیقت جہاد کی اور فی سبیل اللہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ جہاد محض اللہ کی خوشنودی کے لیے ہو اس میں کوئی نفسانی اور دنیوی غرض کا شائبہ نہ ہو اور دوسری صفت (یعنی ۶- چھٹی صفت) یہ ہے کہ داعیہ قلبیہ ایسا قوی ہو کہ کسی ملامت اور طعن کی پرواہ نہ کرے اور لوگوں کے کہنے سننے سے یا قرابت کے خیال سے اس کے ارادہ وعزم میں کوئی تزلزل نہ آئے بسا اوقات آدمی کسی چیز کو حق سمجھتا ہے مگر بدنامی اور لوگوں کی ملامت اور طعن وتشنیع کی وجہ سے حق کی نصرت اور حمایت سے پیچھے ہٹ جاتا ہے اس صفت میں اشارہ ہے اس طرح کہ یہ مرتدین سے جہاد وقتال کرنے والی قوم خدا تعالیٰ کی ایسی عاشق وجاں نثار اور نشہ عشق محبت میں ایسی سرشار ہوگی کہ مرتدین سے جہاد وقتال کے بارہ میں ان کو ذرہ برابر کسی ملامت اور طعن کا خیال بھی نہ آئے گا۔

گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں ۔۔۔ مانمی خواہیم ننگ ونام را

مرتدین کے اصل مارنے والے اور عذاب دینے والے حق جل شانہ ہیں اور مجاہدین کے ہاتھ بمنزلہ تیر وتلوار کے ہیں۔ کماقال تعالیٰ: ﴿قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ﴾ تم ان کافروں سے قتال کرو اللہ تعالیٰ کا منشا یہ

ہے کہ ان کافروں کو تمہارے ہاتھ سے سزا دے۔

معلوم ہوا کہ مرتدین سے جہاد کرنے والی قوم اصل لانے والے حق تعالیٰ ہیں اور وہی ان مرتدین کو مارنے والے ہیں مگر چونکہ اصل مارنے والے یعنی حق جل شانہ نظروں سے پوشیدہ ہے اس لیے قاصر الفہم ان مجاہدین پر طعن اور ملامت کے آوازے کستے ہیں کہ تم کس وحشت اور بربریت پر کمر بستہ ہو مجاہدین کہتے ہیں کہ اے نادانو! ہم تو خداوند کردگار کے تیر اور تلوار ہیں جنہیں پردۂ غیب سے دست قدرت چلا رہا ہے ہمیں کیا طعن اور کیسی ملامت کیا کسی عاقل نے کبھی تیر اور تلوار کو بھی ملامت کی ہے کسی شاعر کا شعر ہے:

فانت حسام الملك والله ضارب وانت لواء الدين والله عاقد

اے بادشاہ تو تو اللہ کی تلوار ہے اصل مارنے والا تو وہ ہے تو تو اس کے حکم سے چل رہی ہے اور تو دین کا علم جھنڈا ہے (اس کا نصب کرنے والا بھی خدا تعالیٰ ہی ہے)۔

پس ﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللهُ بِقَوْمٍ﴾ میں اس قوم کا خدا کے لانے کا مطلب یہ ہے کہ مرتدین سے جہاد و قتال کے وقت اگرچہ ظاہر نظر میں ان کا ہاتھ نظر آئے گا لیکن در پردہ دست قدرت اس میں کارفرما ہوگا ﴿يَدُ اللهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾

۴- آیت ولایت یعنی آیت ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ﴾ کی صحیح تفسیر تو اوپر بیان ہو چکی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس آیت کو خلافت سے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ ﴿الَّذِينَ آمَنُوا﴾ سے عام مسلمان مراد ہیں جو صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوں وہی لائق دوستی ہیں یہود و نصاریٰ لائق دوستی نہیں مگر حضرات شیعہ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر نہایت روشن دلیل ہے شیعہ کہتے ہیں کہ ﴿الَّذِينَ آمَنُوا﴾ الخ سے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد مراد ہے کیونکہ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حالت رکوع میں ایک سائل کو اپنی انگشتری دے دی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی مگر چونکہ بے اصل اور من گھڑت روایت بھی شیعوں کے مقصد برآری کے لیے کافی نہ تھی اس لیے اس پر یہ اضافہ کیا کہ آیت میں ولی کے معنی دوست کے نہیں بلکہ حاکم اور متصرف فی الامر کے ہیں جو خلیفہ کے ہم معنی ہیں اور اس پر بھی جب کام نہ چلا تو ایک لفظ بلا فصل متصرف في الامر یعنی بلافصل خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد ہیں جو اہل ایمان ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں انگوٹھی خیرات کرتے ہیں۔

سبحان اللہ کیا عجیب استدلال ہے جس پر شیعوں کو بڑا ناز ہے اب ہم استدلال کے حسن و جمال کی حقیقت ناظرین کرام پر واضح کرتے ہیں غور سے سنیں فاقول وباللّٰہ التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔

(اول) یہ کہ ولی کو بمعنی حاکم اور متصرف فی الامور یا بمعنی خلیفہ قرار دینا لغت عرب کے خلاف ہے ولی کے معنی دوست کے ہیں حاکم کے لیے کلام عرب میں والی کا لفظ مستعمل ہوتا ہے والی کا لفظ مستعمل نہیں ہوتا والی مکہ اور والی مدینہ بمعنی حاکم مکہ اور حاکم مدینہ مستعمل ہوتا ہے مگر ولی مکہ اور ولی مدینہ بمعنی حاکم ہرگز نہیں سنا گیا وجہ اس کی یہ ہے کہ یہاں دو لفظ ہیں ایک ولایت بکسر واؤ اور ایک ولایت بفتح واو ہے اور دونوں کے معنی الگ الگ ہیں ولایت بکسر الواؤ کے معنی امارت کے اور حکومت کے ہیں اور والی بمعنی امیر و حاکم اسی سے ماخوذ ہے اور ولایت بفتح واو کے معنی محبت اور دوستی کے ہیں اور قرب کے

ہیں جو ضد ہیں عداوت کی اور سی سے صفت مشتبہ ولی آئی ہے جس کے معنی دوست کے ہیں امیر کو والی کہا جاتا ہے ولی نہیں کہا جاتا۔ فقہاء کرام کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی کے جنازہ میں والی اور ولی دنوں جمع ہو جائیں تو امامت کے لیے کس کو مقدم کیا جائے معلوم ہوا کہ ولی اور والی میں فرق ہے البتہ جو لوگ لغت عرب سے بے خبر ہیں ان کے نزدیک والی اور ولی میں کوئی فرق نہیں اور آیات قرآنیہ میں جابجا لفظ محب اور دوست کے معنی میں مستعمل ہوا ہے جو دشمن کی ضد ہے کما قال تعالی: ﴿اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ وقال تعالی: ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾۔ اس قسم کی تمام آیت میں ولی سے محب اور دوست کے معنی مراد ہیں کہ مسلمان ایک دوسرے کے محب اور دوست ہیں اور یہ معنی نہیں کہ ایک دوسرے پر حاکم ہیں اور آیت کا سیاق وسباق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ ولی کے معنی یہاں دوست کے ہیں کیونکہ اس سے پہلے خدا تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ کی دوستی سے منع فرمایا ہے اب آیت میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ لائق موالاۃ اور محبت ومودت اہل ایمان ہیں نہ کہ یہود ونصاریٰ پس اگر آیت میں ولی کے معنی محب اور دوست کے نہ لیے جائیں تو پھر اس آیت کا ماقبل کی آیتوں کے ساتھ ربط قائم نہیں رہتا عبدالملک بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر محمد بن باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ آیت ﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ سے کون لوگ مراد ہیں تو انہوں نے یہ کہا کہ سب مسلمان مراد ہیں میں نے کہا کہ بعض یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد علی رضی اللہ عنہ ہیں انہوں نے کہا علی رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ایک ہیں۔ انتھی منہاج السنۃ: ۴ر۴۔

مطلب یہ تھا کہ آیت کے عموم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی داخل ہیں جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ آیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی تو اس سے بھی مقصود نہیں کہ یہ آیت خاص ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی بلکہ مراد یہ ہے کہ ابوبکر اور علی رضی اللہ عنہما بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہیں اور یہ دونوں حضرات سب سے زیادہ لائق محبت اور دوستی ہیں غرض یہ کہ آیت کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانوں منافقین کی طرح یہود اور نصاریٰ سے دوستی نہ کرو تمہارے دوست اللہ اور اس کے رسول اور وہ تمام مومنین ہیں جو اس صفت کے ساتھ موصوف ہیں یعنی نماز اور زکوۃ اور خشوع اور خلوص سے ادا کرتے ہیں عام مسلمان جو اس صفت کے ساتھ موصوف ہوں اس آیت کے عموم میں داخل ہیں گو روایات میں آیا ہے کہ یہ آیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی کما نقلہ الثعلبی عن ابن عباس، منہاج السنۃ: ۴ر۴ لابن تیمیہ والمنتقی، ص: ۴۱۹ للذھبی۔

اور بعض ضعیف روایات میں آیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی یا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ان روایات کا مطلب یہ نہیں کہ آیت کا حکم ان حضرات میں منحصر ہے صرف مقصود یہ ہے کہ یہ حضرات بھی ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ شیعہ لوگ جو ایک جھوٹا قصہ روایت کرتے ہیں اور ترکیب نحوی میں راکعون کو یوتون الزکوۃ سے حال بناتے ہیں اور حالت رکوع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک فقیر کو انگوٹھی دینا بیان کرتے ہیں تو اس سے آیت کا سیاق اور سباق اور ماقبل اور مابعد سب درہم برہم ہو جاتا ہے اور مضمون ایسا خبط اور بے ربط ہو جاتا ہے کہ جس کو ادنی عقل بھی ہو وہ قبول نہیں کر سکتا "خدا تعالیٰ اعضاء ایشان را از ہم جدا سازد چنانکہ ایشاں

آیات متعلقہ بعضہا من بعض از ہم جدا کردند''۔(ازالۃ الخفاء)

(دوم) یہ کہ ﴿الَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ اور ﴿الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ﴾ ﴿وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ یہ تمام الفاظ جمع کے ہیں ان سے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد لینا بلا دلیل اور بلا قرینہ کے قطعاً جائز نہیں۔

(سوم) یہ کہ روافض نے اس آیت میں رکوع سے نماز کا رکوع مراد لیا ہے اور ﴿وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ کو صرف ﴿وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ کی ضمیر سے حال قرار دیا ہے حالانکہ دو جملوں کے بعد اگر حال آتا ہے تو دونوں کی ضمیر سے حال بنتا ہے نہ کہ صرف ایک سے اس لیے اس آیت میں رکوع سے لغوی معنی یعنی خشوع اور خضوع مراد ہیں یعنی جھکنا اور عاجزی کرنا۔

اور مطلب یہ ہے کہ جو اہل ایمان خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور خلوص کے ساتھ زکوٰۃ دیتے ہیں وہ لائق دوستی ہیں ورنہ اگر اس آیت میں رکوع سے نماز کا رکوع مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ آیت کا خدا کے نزدیک وہ لوگ قابل تعریف ہیں جو بحالت رکوع اور بحالت نماز صدقہ اور خیرات کرتے ہیں تو لازم آئے گا کہ حالت رکوع اور حالت نماز میں صدقہ دینا بہ نسبت خارج صلوٰۃ کے زیادہ موجب فضیلت اور موجب اجر ہو حالانکہ نہ کوئی سنی اس کا قائل ہے اور نہ کوئی شیعی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں کہ مضارع کا صیغہ (﴿وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾) استمرار پر دلالت کرتا ہے لہٰذا شیعوں کو یہ بھی ثابت کرنا چاہیے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ برابر حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کیا کرتے تھے۔

نیز شیعہ اور سنی سب کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فقیر و درویش تھے ان کے پاس کبھی اتنا مال ہی نہیں ہوا کہ جس پر زکوٰۃ واجب ہو البتہ ابوبکر اور عثمان، عمر رضی اللہ عنہم مالدار تھے ان پر زکوٰۃ واجب تھی پس جس پر زکوٰۃ ہی نہ ہو تو وہ بحالت رکوع کیسے برابر زکوٰۃ ادا کرتا رہا نیز اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ حالت رکوع میں زکوٰۃ دینا موالاۃ یعنی محبت اور دوستی کی شرط ہے جو حالت رکوع میں برابر زکوٰۃ ادا کرتا رہا اس سے تو دوستی کرنی چاہیے ورنہ نہیں لہٰذا شیعوں کے قول کی بناء پر حضرت سیدہ اور سیدنا اور امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہم اور دیگر ائمہ اہل بیت سے محبت نہ کرنی چاہیے اس لیے کہ ان سے بحالت رکوع زکوٰۃ ادا کرنا کہیں ثابت نہیں پھر نہ معلوم کہ ﴿وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ کے ساتھ ﴿وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ کی قید اتفاقی ہے یا احترازی ہے کہ حالت قیام اور حالت سجود میں اگر کوئی زکوٰۃ اور خیرات دے تو اس کا کیا حکم ہے وہ مستحق موالات کا ہے یا نہیں حضرات شیعہ بتلائیں کہ اس سے موالات کی جائے یا نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بحالت رکوع زکوٰۃ اور صدقہ خیرات ثابت نہیں لہٰذا شیعوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی موالاۃ نہ کی جائے کیونکہ آپ کے زعم کے مطابق حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم میں موالاۃ کی شرط موجود نہیں۔

(چہارم) یہ کہ اگر اس آیت میں ولایت سے امارات اور حکومت کے معنی ہوتے تو اخیر آیت میں اللہ اس طرح نہ فرماتے ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہو جائیں گے کہ ''جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر حاکم ہو جائے اور ان کے امور میں متصرف ہو جائے'' یہ اور معنی عقلاً و نقلاً محال ہیں بلکہ کلام اس طرح ہوتا ''وَمَنْ يَّتَوَلّٰی عَلَيْكُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' یعنی جب تم پر اللہ اور اس کا رسول اور اہل ایمان حاکم اور متصرف ہو جائیں، الخ، کیونکہ

"تولی" بمعنی حکومت کا صلہ علی آتا ہے ایسی صورت میں تولی بلا واسطہ متعدی نہیں ہوتا جو شخص لوگوں پر حاکم ہو جائے تو وہاں "تولی علیھم" بولا جائے گا تو لاہ اور تو لاہم نہیں کہا جائے گا۔

(پنجم) یہ کہ حق تعالیٰ شانہ کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بندوں کا ولی بمعنی امیر اور خلیفہ ہے حق جل شانہ کی بابت لفظ امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین زبان پر لانا غایت درجہ گستاخی اور کمال الٰہی ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے بایں معنی کہ اہل ایمان کا محب ہے اور کافروں کا دشمن ہے کما قال تعالیٰ: ﴿فَإِنَّ اللهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾۔

یہ تمام تفصیل خلاصہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے کلام کا جو موصوف نے منہاج السنۃ از : ۴/۳-۹ میں فرمایا ہے حضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں اور منہاج السنۃ کی تلخیص مسمی بہ منتقی للحافظ الذہبی از ص: ۴۱۸-۴۲۲ دیکھیں۔

علاوہ ازیں یہ امر بھی تو قابل غور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان روافض سے زیادہ تفسیر قرآن سے باخبر تھے اگر یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کے بارہ میں نازل ہوئی تھی تو کم از کم ایک مرتبہ تو اپنی زندگی میں کسی محفل میں فرماتے کہ یہ آیت میرے بارہ میں نازل ہوئی اور تقیہ کا عذر اس لیے درست نہیں کہ شیعہ بالاتفاق یہ روایت کرتے ہیں کہ یوم شوریٰ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے خلافت کے لیے خبر غدیر اور خبر مباہلہ اور اپنے فضائل اور مناقب کو ذکر کیا مگر اپنی امامت اور خلافت کے اثبات کے لیے آیت ﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ الخ کو ذکر نہیں فرمایا۔ تفسیر کبیر: ۳/۴۳۲۔

۵- حق جل شانہ نے اس آیت میں مرتدین سے جہاد و قتال کی ہدایت فرمائی اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اول ارتداد کی تعریف کر دی جائے۔

ارتداد کی تعریف:...... ارتداد کے معنی لغت میں رجوع یعنی لوٹ جانے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں ارتداد کے معنی اسلام سے کفر کی طرف لوٹ جانے کے ہیں چنانچہ امام راغب رحمہ اللہ مفردات ص ۱۹۲ میں لکھتے ہیں "ھو الرجوع من الاسلام الی الکفر" یعنی اسلام سے کفر کی طرف پھر جانے کا نام ارتداد ہے۔

محمد علی لاہوری مرزائی اپنے ایک پمفلٹ میں لکھتا ہے کہ ارتداد یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو قبول کر کے پھر انکار کر دے اور کہہ دے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول نہیں۔

سوجانا چاہیے کہ مرزا محمد علی لاہوری نے ارتداد کی یہ تعریف مرزائیوں کے ارتداد کی پردہ پوشی کے لیے کی ہے کہ مرزائی اور قادیانی پر ارتداد کی تعریف صادق نہیں آتی اس لیے کہ ہر مرزائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بظاہر اقرار کرتا ہے لیکن خوب سمجھ لو کہ انکار رسالت کے فقط یہ معنی نہیں کہ زبان سے یہ کہہ دے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول نہیں مانتا بلکہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کرے یہ کہے کہ میں آپ کو رسول نہیں مانتا جس طرح یہ منکر رسالت ہے اسی طرح جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قطعی فرمان کا انکار کر دے وہ بھی منکر رسالت ہے مثلاً کوئی شخص پورے قرآن پاک کا انکار کر دے یا قرآن کی ایک سورت کا انکار کر دے یا کسی سورت کی ایک آیت کا مثلاً خاتم النبین والی آیت کا انکار کرے یا حدیث لا نبی بعدی کا انکار کر دے وہ بھی منکر رسالت ہے ارتداد کے معنی اسلام سے کفر کی طرف پھر جانے کے ہیں، اور اس کی دو صورتیں ہیں۔

ا......ایک یہ کہ کوئی مسلمان صراحت کے ساتھ اسلام سے انکار کر بیٹھے۔ ۲......دوسرے یہ کہ زبان سے تو اسلام کا اقرار کرے مگر اسلام کے بعض قطعی احکام کو انکار کر دے۔ دونوں صورتوں میں یہ شخص مرتد ہو جاتا ہے یعنی اسلام سے نکل کر کفر میں جانے والا ہو جاتا ہے زبان سے اسلام کا نام لینا اور اسلام کا کلمہ پڑھنا اور پھر شریعت کے کسی حکم قطعی کا انکار کر دینا یہ بھی در پردہ انکار رسالت ہے کما قال تعالی: ﴿فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ﴾ یہ لوگ آپ ﷺ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ یہ ظالم خدا کی آیات اور اس کے احکام کا انکار کرتے ہیں۔

جو شخص نصوص قطعیہ اور صریحہ میں نامعقول تحریفات اور ناقابل قبول تاویلات باطلہ کرتا ہو اور زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتا ہو اصطلاح شریعت میں اس کا نام الحاد اور زندقہ ہے اور اس کا بھی وہی حکم ہے جو ارتداد کا حکم ہے لہٰذا جو شخص ختم نبوت کے قطعی اور یقینی عقیدہ کو تسلیم نہ کرے وہ بلاشبہ منکر رسالت ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے قرآن کی ایک آیت اور ایک حدیث متواترہ کا انکار در پردہ قرآن کے وحی الٰہی ہونے کا انکار اور آنحضرت ﷺ کے صداقت اور رسالت کا انکار ہے اگر کسی حکومت کی رعایا بن جانے کے بعد قانون شکنی کرے اور ساتھ ہی ساتھ زبان سے حکومت کی وفاداری کا کلمہ بھی پڑھتا رہے تو حکومت اس سے اغماض نہیں کر سکتی اور وہ اس زبانی وفاداری سے پھانسی اور حبس دوام کی سزا سے نہیں بچ سکتا ہر حکومت کی نظر میں قانون شکنی اور بغاوت فتنہ اور فساد ہے جس کا انسداد حکومت کا فریضہ ہے اسی طرح کفر اور ارتداد قانون شریعت کی نظر میں فتنہ اور فساد ہے اور اسی فتنہ کے انسداد کے لیے جہاد کا حکم نازل ہوا ہے ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾۔

۶- آیت قتال مرتدین اس امر پر صاف دلالت کرتی ہے کہ مرتد کی سزا شریعت میں قتل ہے اور قتل مرتد خدا تعالیٰ کے نزدیک اس قدر محبوب ہے کہ مرتدین سے قتال کرنے والوں کو حق تعالیٰ نے اپنا محب اور محبوب اور اپنا آوردہ فرمایا ہے اور حدیث میں مشہور "من بدل دینہ فاقتلوہ۔" (یعنی جو شخص دین اسلام کو چھوڑ کر اس کے بدلہ دوسرا دین اختیار کرے تو اس کو قتل کر ڈالو) اور اسی پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کا اجماع ہے اور خلفاء راشدین اور سلاطین اسلام کی یہ سنت ہے۔

تفصیل اگر درکار ہو تو اس ناچیز کا تالیف کردہ رسالہ احسن البیان فی تحقیق الکفر والایمان کو دیکھیں جس میں قتل مرتد کے مسئلہ پر مفصل کلام کیا ہے۔

۷- قتل مرتد پر مدعیان تہذیب کا اعتراض

آج کل کے مدعیان تہذیب قتل مرتد کو وحشت اور بربریت بتلاتے ہیں مگر قتل مرتد پر اعتراض کرنے والے بھی عجب نادان ہیں یہ لوگ ایک معمولی بادشاہ اور صدر جمہوریہ کی بغاوت پر ہر قسم کی بربادی اور بمباری فقط جائز ہی نہیں سمجھتے بلکہ اس کو عین سیاست اور عین حکمت اور فرائض سلطنت اور حقوق مملکت سے سمجھتے ہیں حالانکہ وہ صدر جمہوریہ ان عوام کے ووٹوں سے صدر بنا ہے جن میں اکثریت جاہلوں کی ہے اور ان عورتوں کے ووٹ بھی ان میں شامل ہیں جو آئے دن اغوا کا شکار ہوتی رہتی ہیں ایسے صدر جمہوریہ کے باغیوں اور اس کی اطاعت سے مرتد ہونے والوں کے لیے سخت عذاب اور سخت سزا ان روشن

خیالوں کے نزدیک بالکل درست ہے اور احکم الحاکمین سے بغاوت کرنے والوں اور اس کی اطاعت کرنے سے مرتد ہونے والوں اور اس کے رفقاء اور وزراء، یعنی انبیاء و مرسلین سے مقابلہ اور مقاتلہ کرنے والوں سے جہاد و قتال خلاف تہذیب اور خلاف انسانیت ہے۔

ع- بریں عقل و دانش بباید گریست

۸- مارشل لاء حکومت کے مرتدین کے لیے ہے

مارشل لاء کا قانون حکومت سے مرتد ہونے والوں کے لیے ہے اور تمام مغربی قومیں اس کے جواز پر متفق ہیں لیکن شریعت الٰہیہ کے مرتدین کے لیے سزائے قتل کے نام سے ناک منہ چڑھاتے ہیں۔

چند سال ہوئے کہ پاکستان میں مارشل لاء کی عدالت سے یہ حکم جاری ہوا کہ مارشل لاء کے احکام پر کسی کو تبصرہ اور رائے زنی کی اجازت نہ ہوگی تو اس ناچیز کی زبان سے دو شعر نکلے۔

مارشل لا چہ بود اے ارجمند چشم بند وگوش بند ولب بہ بند
حکم فانی راچوشد ایں حرمتے حکم باقی رابداں چوں رفعتے

افسوس اور صد افسوس کہ مجازی اور فانی حکومت کے صدر سے بغاوت اور اس کی اطاعت سے ارتداد پر مارشل لاء کا قانون تو ان مدعیان تہذیب کے نزدیک قابل آفرین و تحسین ہو مگر جس خدائے احکم الحاکمین نے بندوں کو وجود اور حیات اور عقل اور ادراک عطا کیا اس کے دین سے اور اس کے نازل کردہ قانون شریعت سے مرتد ہونے والوں کے لیے سزائے قتل ان لوگوں کے نزدیک خلاف تہذیب ہو جائے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان مدعیان تہذیب کے نزدیک بندوں پر خداوند ذوالجلال کا اتنا بھی حق نہیں جتنا کہ ایک صدر جمہوریہ کا ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ من سوء الفہم۔

مارشل لاء سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ملک اور سلطنت بغاوت اور فتنہ و فساد کے جراثیم سے محفوظ ہو جائے اسی طرح سمجھو کہ قتل مرتد کے حکم سے شریعت کا مقصد یہ ہے کہ اسلام اور مسلمان کفر اور ارتداد کے جراثیم سے محفوظ ہو جائیں شریعت کی نظر میں مرتد اور ارتداد ایک مجسم فتنہ ہے جس سے کمزور اور سادہ لوح مسلمانوں کے خیالات میں تشویش پیدا ہونے کا خطرہ ہے اس لیے قتل مرتد سے بقیہ ایمان داروں کے ایمان کی حفاظت مقصود ہے جو اسلامی حکومت اولین فریضہ ہے مرتد کے قتل کا حکم اس لیے دیا گیا کہ ارتداد کے جراثیم دوسروں تک متعدی نہ ہو سکیں۔

خلاصہ کلام:...... یہ کہ اس آیت سے یہ امر صراحۃً معلوم ہو گیا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے اور بے شمار احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔

ا...... حدیث میں ہے "من بدل دینه فاقتلوه رواه البخاری وابوداود والدار قطنی عن ابن عباس۔" (آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دین اسلام کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے اس کو قتل کر ڈالو) یہ حدیث مشہور ہے اور اس حدیث کے علاوہ دیگر احادیث صحیحہ میں اسی طرح آیا ہے کہ جو شخص مرتد ہو جائے وہ قابل گردن

زدنی ہے خواہ وہ برسر پیکار ہو یا نہ ہو۔ مرتد ارتداد کی وجہ سے واجب القتل ہے نہ کہ برسر پیکار ہونے کی وجہ سے۔

۲...... ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے والی یمن تھے ایک مرتبہ ان کی ملاقات کے لیے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے دیکھا کہ ان کے پاس ایک مرتد شخص قید کر کے لائے گئے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے معلوم ہوا کہ یہ مرتد ہے اسلام کو چھوڑ کر یہودی بن گیا اس پر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا "لا اجلس حتی یقتل قضاء اللہ ورسولہ ثلاث مرات فامر بہ فاقتل" (بخاری ومسلم وابوداود والنسائی واحمد)

(میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اس کو قتل نہ کیا جائے جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے تین مرتبہ یہی کہا چنانچہ اس کو قتل کر دیا گیا) صحیح بخاری وغیرہ۔

۳...... حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب اپنے گھر میں محصور تھے اور باغی اور مفسد ان کو قتل کرنا چاہتے تھے تو اس وقت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دیوار پر چڑھ کر لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان کا قتل اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس سے تینوں کاموں سے کوئی کام سرزد نہ ہو جائے وہ تینوں کام یہ ہیں زنا بعد احصان وکفر بعد الاسلام وقتل النفس بغیر حق (شادی کے بعد زنا کرنا اور اسلام کے بعد کافر اور مرتد ہو جانا اور کسی کو ناحق قتل کر دینا) نسائی وترمذی وابن ماجہ)

۴...... حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ہی ایک جماعت کے متعلق یہ ارشاد فرمایا "اینما لقیتموھم فاقتلوھم فان فی قتلھم اجر المن قتلھم یوم القیامۃ۔" بخاری ومسلم وغیرہما۔ (یعنی ان کو (مرتدین) کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اس لیے کہ ان کے قتل میں قیامت کے دن بڑا یہ اجر عظیم ملے گا) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مرتدین اور زنادقہ کو آگ میں جلایا کرتے تھے۔ دیکھو صحیح بخاری۔

۵...... قبیلۂ عرینہ کے کچھ لوگ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے اور بعد میں مرتد ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے قتل کا حکم جاری کر دیا یہ روایت بخاری اور مسلم اور دیگر کتب صحاح میں مذکور اور مشہور ہے۔

ایک شبہ:...... بعض آزاد منش اور مرزائی جو قتل مرتد کے منکر ہیں وہ اپنے استدلال میں یہ پیش کرتے ہیں کہ بعض آیات میں مرتدین کے حبط اعمال اور آخرت میں غضب اور لعنت اور عذاب کا ذکر ہے مگر قتل کا ذکر نہیں۔

جواب:...... یہ بہانہ ہے، قتلِ عمد کی سزا اسلام میں بالاجماع قتل ہے مگر قرآن میں جس جگہ قتل عمد کا حکم بیان فرمایا وہاں فقط اخروی عذاب کا ذکر فرمایا قصاص ذکر نہیں فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ یعنی جو شخص کسی کو عمداً اور قصداً قتل کرے تو آخرت میں اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور خدا نے اس کے لیے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے غالباً کسی مرزائی کو اس میں تردد نہ ہوگا کہ قتل عمد کی سزا اسلام میں قتل ہے حالانکہ اس آیت میں مسلمان کے قتل عمد پر فقط غضب اور لعنت اور عذاب اخروی کا ذکر ہے قصاص کا ذکر نہیں اللہ تعالیٰ کسی جرم کی اخروی سزا اور خروی عذاب کا ذکر فرماتے

ہیں اور کسی جگہ دنیوی سزا کا ذکر کرتے ہیں مسئلہ کا فیصلہ دونوں آیتوں کے ملانے سے ہوگا دنیوی سزا سے بچنے کے لیے فقط اخروی عذاب ذکر کرنا یہ سب حیلہ اور بہانہ ہے۔

۹-خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور قتل مرتدین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عمل رہا وہ مرتدین اور مدعیانِ نبوت کو قتل کرتے تھے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مرتدین کا قلع قمع کرنا احادیث اور سیر اور تاریخ سے مسلم ہے اور یہ تمام واقعات جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی تاریخ الخلفاء وغیرہ میں مذکور ہیں اور مرتدین اور مدعیانِ نبوت کا قتل تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع اور اتفاق سے ہوا ذرہ برابر اس میں نہ کسی کا خلاف ہے اور نہ کسی کو کبھی قتل مرتد کے بارہ میں کوئی شک ہوا اور نہ شبہ پیش آیا۔

کیا قتل مرتد کے لیے محاربہ اور سلطنت کا مقابلہ شرط ہے

نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ امر صراحۃً ثابت ہوگیا کہ قتلِ مرتد کے لیے علت ارتداد ہے قرآن اور حدیث میں سزائے مرتد کے لیے کسی جگہ بھی محاربہ اور سلطنت سے مقابلہ اور برسرِ پیکار ہونے کی شرط نہیں جو شخص مرتد ہوجائے تو اس کی سزا قتل ہے خواہ وہ محاربہ کرے یا نہ کرے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے ہر قسم کے مرتد کے قتل کا حکم دیا خواہ سلطنت سے محاربہ کرے یا نہ کرے قتل کی اصل علت سب جگہ ارتداد تھی نہ کہ محاربہ جو لوگ قتل مرتد کے لیے سلطنت کا مقابلہ شرط قرار دیتے ہیں یہ دھوکہ اور فریب ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خدا کے دین سے مرتد ہوجانا جائز ہے مگر قانون سلطنت سے مرتد اور منحرف ہوجانا اور سلطنت کا مقابلہ کرنا جرم عظیم ہے جو حکومت سے مرتد ہوجائے تو اس کا قتل تو واجب ہے اور عین حکمت اور عین مصلحت ہے اور عین سیاست ہے اور خدا کے دین سے ارتداد میں کوئی حرج نہیں۔ معاذ اللہ معاذ اللہ جو لوگ قتل مرتد کے مسئلہ کو یہ کہہ کر اڑانا چاہتے ہیں کہ اسلام میں قتل مرتد کا جو حکم آیا ہے اس سے وہ مرتدین مراد ہیں جو حکومت اور سلطنت کے مقابلہ اور محاربہ پر آمادہ ہوں ان لوگوں کو چاہیے کہ آنکھیں کھولیں اور نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ اور شاہانِ اسلام کے عمل کو دیکھیں کہ ہر زمانہ میں بادشاہ اسلام نے زمانہ کے علماء کے اتفاق اور اجماع سے مرتدین کو ارتداد کی وجہ سے قتل کیا اور اسی پر تمام ائمہ اسلام کا اتفاق ہے۔

(خلاصہ کلام) یہ کہ قتل مرتد کا مسئلہ اسلام کے مسلمات اور اجماعیات اور قطعیات اور بدیہیات میں سے ہے جس کے بیان سے تمام کتب تفسیر وحدیث اور دواوین فقیہ اور کتب تاریخیہ بھری پڑی ہے ایسے قطعی اور اجماعی مسئلہ کا انکار بھی کفر اور ارتداد ہے خوب سمجھ لو اور ملاحدہ اور زنادقہ کے وسوسوں سے شبہ میں مت پڑو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا

اے ایمان والو مت بناؤ ان لوگوں کو جو ٹھہراتے ہیں تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل وہ لوگ جو

اے ایمان والو ! رفیق نہ پکڑو ایسوں کو جو ٹھیراتے ہیں تمہارا دین ہنسی اور کھیل وہ جو

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا

کتاب دیے گئے تم سے پہلے اور نہ کافروں کو ف۱ اپنا دوست اور ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے ف۲ اور جب

کتاب دیئے گئے تم سے پہلے، اور وہ جو کافر ہیں۔ اور ڈرو اللہ سے، اگر یقین رکھتے ہو۔ اور جس وقت

نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ

تم پکارتے ہو نماز کے لیے تو وہ ٹھہراتے ہیں اس کو ہنسی اور کھیل یہ اس واسطے کہ وہ لوگ بے عقل ہیں ف۳ تو کہہ

پکارو نماز کو اس کو ٹھہرائیں ہنسی اور کھیل۔ یہ اس واسطے کہ وہ لوگ بے عقل ہیں۔ تو کہہ

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ

اے کتاب والو کیا ضد ہے تم کو ہم سے مگر یہی کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل ہوا ہم پر اور جو نازل ہوچکا

اے کتاب والو ! کیا بیر ہے تم کو ہم سے، مگر یہی کہ ہم یقین لائے اللہ پر اور جو ہم کو اترا، اور جو اترا

قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ

پہلے اور یہی کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں ف۴ تو کہہ میں تم کو بتلاؤں ان میں کس کی بری جزا ہے اللہ کے ہاں

پہلے اور یہی کہ تم میں اکثر بے حکم ہیں ؟ تو کہہ، میں تم کو بتاؤں، ان میں کس کی بری جگہ ہے اللہ کے ہاں

ف۱ کفار سے مراد یہاں مشرکین ہیں جیسا کہ عطف سے ظاہر ہے۔

ف۲ گزشتہ آیات میں مسلمانوں کو موالات کفار سے منع فرمایا تھا اس آیت میں ایک خاص مؤثر عنوان سے اسی ممانعت کی تاکید کی گئی اور موالات سے نفرت دلائی گئی ہے ایک مسلمان کی نظر میں کوئی چیز اپنے مذہب سے زیادہ معظم و محترم نہیں ہوسکتی لہٰذا اسے بتایا گیا کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین تمہارے مذہب پر طعن و استہزاء کرتے ہیں اور شعائر اللہ (اذان وغیرہ) کا مذاق اڑاتے ہیں اور جو ان میں خاموش ہیں وہ بھی ان افعال شنیعہ کو دیکھ کر اظہار نفرت نہیں کرتے بلکہ خوش ہوتے ہیں کفار کی ان احمقانہ اور کمینہ حرکات پر مطلع ہو کر کوئی فرد مسلم جس کے دل میں خشیت الٰہی اور غیرت ایمانی کا ذرا سا شائبہ ہو کیا ایسی قوم سے موالات اور دوستانہ راہ و رسم پیدا کرنے یا قائم رکھنے کو ایک منٹ کے لئے گوارا کرے گا اگر ان کے کفر و عناد اور عداوت اسلام سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو دین قیم کے ساتھ ان کا یہ تمسخر و استہزاء ہی علاوہ دوسرے اسباب کے ایک مستقل سبب ترک موالات کا ہے۔

ف۳ یعنی جب اذان کہتے ہو تو اس سے جلتے ہیں اور ٹھٹھا کرتے ہیں جو ان کی کمال حماقت اور بے عقلی کی دلیل ہے۔ کلمات اذان میں خداوند قدوس کی عظمت و کبریاء کا اظہار، توحید کا اعلان، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام انبیاء سابقین اور کتب سماویہ کے مصدق ہیں، ان کی رسالت کا اقرار، نماز جو تمام اوضاع عبودیت کو جامع اور غایت درجہ کی بندگی پر دال ہے، اس کی طرف دعوت، فلاح دارین اور اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی حاصل کرنے کے لئے بلاوا، ان چیزوں کے سوا اور کیا ہوتا ہے پھر اس میں کونسی چیز ہے جو ہنسی اڑانے کے قابل ہو ایسی نیکی اور حق و صداقت کی آواز پر مسخراپن کرنا صرف اسی شخص کا کام ہوسکتا ہے جس کا دماغ عقل سے یکسر خالی ہو اور جسے نیک و بد کی قطعاً تمیز باقی نہ رہے۔ بعض روایات میں ہے کہ مدینہ میں ایک نصرانی جب اذان میں اشہد ان محمدًا رسول اللہ سنتا تو کہتا "قد حرق الکاذب" (جھوٹا جل گیا یا جل جائے) اس کی نیت تو ان الفاظ سے جو کچھ ہو مگر یہ بات بالکل اس کے حسب حال تھی۔ کیونکہ وہ خبیث جھوٹا تھا اور اسلام کا عروج و شیوع دیکھ کر آتش حسد میں جلا جاتا تھا۔ اتفاقاً ایک شب میں کوئی چھوکری آگ لے کر اس کے گھر میں آئی۔ وہ اور اس کے اہل و عیال سو رہے تھے ذرا سی چنگاری نادانستہ اس کے ہاتھ سے گر گئی جس سے سارا گھر مع سونے والوں کے جل گیا اور اس طرح خدا نے دکھلا دیا کہ جھوٹے لوگ دوزخ کی آگ سے پہلے ہی دنیا کی آگ میں کس طرح جل جاتے ہیں۔ اذان کے ساتھ استہزاء کرنے کا ایک اور واقعہ صحیح روایات میں منقول ہے وہ یہ کہ فتح مکہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے واپس ہو رہے تھے۔ راستہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی، چند نو عمر لڑکے جن میں ابومحذورہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، اذان کی ہنسی اور نقل کرنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو پکڑ=

مَنۡ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيۡهِ وَجَعَلَ مِنۡهُمُ الۡقِرَدَةَ وَالۡخَنَازِيۡرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوۡتَ ؕ

وہی جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر غضب نازل کیا اور ان میں سے بعضوں کو بندر کر دیا اور بعض کو سور اور جنہوں نے بندگی کی شیطان کی

وہی جس کو اللہ نے لعنت کی اور اس پر غضب ہوا، اور ان میں بعضے بندر کئے اور سؤر، اور پوجنے لگے شیطان کو۔

اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنۡ سَوَآءِ السَّبِيۡلِ ۞ ۶۰ وَاِذَا جَآءُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَقَدۡ دَّخَلُوۡا

وہی لوگ بدتر ہیں درجہ میں اور بہت بہکے ہوئے ہیں سیدھی راہ سے ف۱ اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور حالت یہ ہے کہ

وہی بدتر ہیں درجہ میں، اور بہت بہکے سیدھی راہ سے۔ اور جب تم پاس آئیں کہیں ہم یقین لائے، اور منکر ہی

بِالۡكُفۡرِ وَهُمۡ قَدۡ خَرَجُوۡا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا كَانُوۡا يَكۡتُمُوۡنَ ۞ ۶۱ وَتَرٰى كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ

کافر ہی آئے تھے اور کافر ہی چلے گئے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ چھپائے ہوئے تھے ف۲ اور تو دیکھے گا بہتوں کو ان میں سے کہ

آئے تھے اور اسی طرح نکلے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو چھپا رہے تھے۔ اور تو دیکھے بہت ان میں

= بلوایا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ابو محذورہ کے دل میں خدا نے اسلام ڈال دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مکہ کا موذن مقرر فرما دیا۔ اس طرح خدا کی قدرت نقل سے اصل بن گئی۔

ف۴ کسی کام پر طعن کرنا یا ہنسی اڑانا دو وجہ سے ہو سکتا ہے یا تو وہ کام ہی قابل استہزاء ہو یا کام کرنے والے کی حالت تمسخر کے لائق ہو پچھلی آیت میں بتلا دیا گیا کہ اذان کوئی ایسی چیز نہیں جس پر بجز پرلے درجہ کے احمق اور خفیف العقل کے کوئی شخص طعن یا استہزاء کر سکے۔ اس آیت میں اذان دینے والوں کے مقدس حالات پر بعنوان سوال متنبہ کیا گیا ہے یعنی استہزاء کرنے والے جو خیر سے اہل کتاب اور عالم شرائع ہونے کا بھی دعویٰ رکھتے ہیں وہ ذرا سوچ کر انصاف سے بتائیں کہ مسلمانوں سے ان کو اتنی ضد کیوں ہے اور کیا ایسی برائی وہ ہماری طرف دیکھتے ہیں جو ان کے زعم میں لائق استہزاء ہو بجز اس کے کہ ہم اس خدائے وحدہ لاشریک لہ، پر اور اس کی اتاری ہوئی تمام کتابوں اور اس کے بھیجے ہوئے تمام پیغمبروں پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس کے بالمقابل استہزاء کرنے والوں کا حال یہ ہے کہ نہ خدا کی سچی اور صحیح توحید پر قائم ہیں اور نہ تمام انبیاء و رسل کی تصدیق و تکریم کرتے ہیں۔ اب تم ہی انصاف سے کہو کہ انتہا درجہ کے نافرمان کو خدا کے فرمانبردار بندوں پر آوازہ کسنے اور طعن و تشنیع کرنے کا کہاں تک حق حاصل ہے۔

ف۱ یعنی اگر "ایمان باللہ" پر مستقیم ہونا اور ہر اس چیز کی جو خدا کی طرف سے کسی زمانہ میں نازل ہو سچے دل سے تصدیق کرنا ہی تمہارے زعم میں مسلمانوں کا سب سے بڑا جرم اور سب سے بڑی برائی ہے اور اسی وجہ سے تم ان کو مورد طعن و ملام بناتے ہو تو آؤ کہ میں تم کو ایک ایسی قوم کا پتہ بتلاؤں جو اپنی شرارت اور گندگی کی وجہ سے بدترین خلائق ہے۔ جن پر خدا کی لعنت اور غضب کا اثر آج بھی نمایاں طور پر آشکارا ہے۔ جس کے بہت سے افراد اپنی مکاری اور بے حیائی اور حرص دنیا کی سزا میں بندر اور سور بنائے جا چکے ہیں اور جس نے خدا کی بندگی سے نکل کر شیطان کی غلامی اختیار کر لی۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ بدترین خلائق اور گم کردہ راہ قوم ہی اصلی معنی میں تمہارے طعن و استہزاء کی مستحق ہو سکتی ہے اور وہ خود تم ہی ہو۔

ف۲ یہاں ان ہی استہزاء کرنے والوں کے بعض مخصوص افراد کا بیان ہے جو غائبانہ تو مذہب اسلام پر طعن و تشنیع کرتے اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے، لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا مخلص مسلمانوں سے ملتے تو از راہ نفاق اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے حالانکہ شروع سے آخر تک ایک منٹ کے لئے بھی انہیں اسلام سے تعلق نہیں ہوا نہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ربانی وعظ و تذکیر کا کوئی اثر انہوں نے قبول کیا۔ کیا محض لفظ ایمان و اسلام زبان سے بول کر وہ خدا کو معاذ اللہ دھوکا دے سکتے ہیں۔ اگر اس "عالم الغیب والشہادہ" کی نسبت جو ہر قسم کے ضمائر و سرائر پر مطلع ہے۔ ان کا گمان یہ ہو کہ محض لفظی ایمان سے اسے خوش کر لیں گے تو اس سے بڑھ کر کونسی حرکت قابل استہزاء و تمسخر ہو سکتی ہے۔ گویا اس آیت سے یہود و نصاریٰ کے ان مضحکہ انگیز افعال و حرکات کا بیان شروع ہوا جن پر متنبہ کئے جانے کے بعد مسلمانوں کا استہزاء کرنے کے بجائے انہیں خود اپنا استہزاء کرنا چاہئے۔ اگلی آیات میں بھی اسی مضمون کی تتمیم و تکمیل ہے۔

يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَوْلَا

دوڑتے ہیں گناہ پر اور ظلم اور حرام کھانے پر بہت برے کام ہیں جو کر رہے ہیں ف۱ کیوں نہیں

دوڑتے ہیں گناہ پر اور زیادتی پر، اور حرام کھانے پر۔ کیا برے کام ہیں جو کر رہے ہیں۔ کیوں نہیں

يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا

منع کرتے ان کے درویش اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے بہت ہی برے عمل ہیں جو

منع کرتے ان کے درویش اور ملا، گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے؟ کیا برے عمل ہیں جو

كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا

کر رہے ہیں ف۲ اور یہود کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ بند ہوگیا ف۳ انہی کے ہاتھ بند ہوجاویں ف۴ اور لعنت ہے ان کو

کر رہے ہیں۔ اور یہود کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ بندھ گیا۔ انہیں کے ہاتھ باندھے جاویں اور لعنت ہے ان کو

ف۱ غالباً "اثم" سے لازمی اور "عدوان" سے متعدی گناہ مراد ہیں۔ یعنی ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ بہت شوق اور رغبت سے ہر قسم کے گناہوں کی طرف جھپٹتے ہیں۔ خواہ ان کا اثر اپنی ذات تک محدود ہو یا دوسروں تک پہنچے۔ جن کی اخلاقی حالت ایسی زبوں ہو اور حرام خوری ان کا شیوہ ٹھہر گیا ہو ان کی برائی میں کسے شبہ ہوسکتا ہے یہ تو ان کے عوام کا حال تھا آگے خواص کا بیان کیا گیا ہے۔

ف۲ جب خدا کسی قوم کو تباہ کرتا ہے تو اس کی عوام گناہوں اور نافرمانیوں میں غرق ہوجاتے ہیں اور اس کے خواص یعنی درویش اور علماء گونگے شیطان بن جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کا حال یہی ہوا کہ لوگ عموماً دنیاوی لذات وشہوات میں منہمک ہو کر خدا تعالیٰ کی عظمت وجلال اور اس کے قوانین واحکام کو بھلا بیٹھے۔ اور جو مشائخ اور علماء کہلاتے تھے انہوں نے "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" کا فریضہ ترک کر دیا۔ کیونکہ دنیا کی حرص اور اتباع شہوات میں وہ اپنے عوام سے بھی آگے تھے۔ مخلوق کا خوف یا دنیا کا لالچ حق کی آواز بلند کرنے سے مانع ہوتا تھا۔ اسی سکوت اور مداہنت سے پہلی قومیں تباہ ہوئیں۔ اسی لئے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کو قرآن وحدیث کی بیشمار نصوص میں بہت ہی سخت تاکید وتہدید کی گئی ہے کہ کسی وقت اور کسی شخص کے مقابلہ میں اس "فرض امر بالمعروف" کے ادا کرنے سے تغافل نہ برتیں۔

ف۳ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اہل کتاب کے قلوب ان کی شرارت، کفر وطغیان، بدکاری، حرام خوری وغیرہ کی ممارست سے اس قدر مسخ ہو گئے تھے کہ بارگاہ ربوبیت میں گستاخی کرنے سے بھی ان کو کچھ باک نہ ہوتا تھا خداوند قدوس کا رتبہ ان کے یہاں ایک معمولی انسان کی حیثیت سے زیادہ نہ رہا تھا حق تعالیٰ کی جناب میں بے تکلف ایسے ہی واہی تباہی کلمات بک دیتے تھے۔ جنہیں سن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں۔ کبھی کہتے ﴿اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاۗءُ﴾ کبھی یہ الفاظ منہ سے نکالتے ﴿يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ﴾ (خدا کا ہاتھ بند ہوگیا) اس سے مراد یا تو وہی ہوگی جو ﴿اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ﴾ سے تھی کہ خدا معاذ اللہ تنگ دست ہوگیا اس کے خزانہ میں کچھ رہا نہیں اور یا "غل ید" کنایہ بخل وامساک سے ہو یعنی تنگ دست تو نہیں مگر آجکل بخل کرنے لگا ہے (العیاذ باللہ) بہر حال کوئی معنی لو، اس کلمہ کفر کا منشا یہ تھا کہ جب تمرد وطغیان کی پاداش میں حق تعالیٰ نے ان ملاعین پر ذلت ونکبت، ضیق عیش، بدحالی اور تنگ میدانی مسلط فرما دی تو بجائے اس کے کہ اپنی سیاہ کاریوں اور شرارتوں پر متنبہ اور نادم ہوتے، الٹے حق تعالیٰ کی جناب میں گستاخیاں کرنے لگے۔ شاید یہ خیال ہوا ہوگا کہ ہم تو پیغمبروں کی اولاد بلکہ خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے تھے۔ پھر یہ کیا معاملہ ہونے لگا کہ آج بنی اسماعیل تو دنیا میں پھیلتے جارہے ہیں۔ زمینی فتوحات اور آسمانی برکات تو ان پر کشادہ کر دی گئی ہیں اور ہم بنی اسرائیل کہ خدا صرف ہمارا اور ہم اس کے تھے۔ اس طرح ذلیل ومغلوب اور تنگ ہو کر در بدر بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ہم تو وہی اسرائیل کی اولاد اور ﴿نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ﴾ آج بھی ہیں جو پہلے تھے مگر معلوم ہوتا ہے کہ جس خدا کی ہم اولاد اور محبوب تھے (معاذ اللہ) اس کے خزانہ میں کمی آگئی یا آجکل بخل وامساک نے اس کا ہاتھ بند کر دیا ہے۔ احمق اتنا نہ سمجھے کہ حق تعالیٰ کے خزائن تو لامحدود اور اس کے کمالات غیر متبدل اور غیر متناہی ہیں۔ اگر معاذ اللہ اس کے خزانہ میں کچھ نہ رہتا یا مخلوق کی تربیت واعانت سے وہ ہاتھ کھینچ لیتا تو دنیا کا نظام کس طرح قائم رہ سکتا تھا اور جو روز افزوں عروج وفروغ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء کا تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو یہ کس کے خزانہ اور دست کرم کا رہین منت ہوتا۔ لہٰذا تم کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا ہاتھ بند=

قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ

اس کہنے پر بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں ف۱ خرچ کرتا ہے جس طرح چاہے ف۲ اور ان میں بہتوں کو بڑھے گی اس کلام سے جو تجھ پر اترا

اس کہنے پر۔ بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں، خرچ کرتا ہے جس طرح چاہے۔ اور اس حکم سے جو تجھ کو اترا

اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ

تیرے رب کی طرف سے شرارت اور انکار ف۳ اور ہم نے ڈال رکھی ہے ان میں دشمنی اور بیر

تیرے رب کی طرف سے، ان کو بڑھے گی اور شرارت اور انکار۔ اور ہم نے ڈال رکھی ہے ان میں دشمنی اور بیر

الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ

قیامت کے دن تک ف۴ جب کبھی آگ سلگاتے ہیں لڑائی کے لیے اللہ اس کو بجھا دیتا ہے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرتے ہوئے

قیامت کے دن تک۔ جب ایک آگ سلگاتے ہیں لڑائی کے واسطے، اللہ اس کو بجھاتا ہے۔ اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرتے

= نہیں ہوا۔ البتہ گستاخیوں اور شرارتوں کی نحوست سے خدا کی جو لعنت اور پھٹکار تم پر پڑی ہے اس نے تمہارے حق میں خدا کی زمین باوجود وسعت کے تنگ کر دی ہے اور آئندہ اور زیادہ تنگ ہونے والی ہے اپنی تنگ حالی کو خدا کی تنگدستی سے منسوب کرنا تمہاری انتہائی سفاہت ہے۔

ف۵ یہ دعا کے رنگ میں پیشین گوئی یا ان کی حالت واقع کی خبر دی گئی ہے چنانچہ واقعہ میں بخل و جبن نے ان کے ہاتھ بالکل بند کر دیے تھے۔

ف۱ حق تعالیٰ کے لئے جہاں ہاتھ، پاؤں، آنکھ وغیرہ نعوت ذکر کی گئی ہیں ان سے بھول کر بھی یہ وہم نہ ہونا چاہیے کہ وہ معاذ اللہ مخلوق کی طرح جسم اور اعضائے جسمانی رکھتا ہے بس جس طرح خدا کی ذات اور وجود، حیات، علم، وغیرہ تمامی صفات کی کوئی نظیر اور مثال اور کیفیت اس کے سوا بیان نہیں ہو سکتی۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم وزہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

اسی طرح ان نعوت وصفات کو خیال کرو خلاصہ یہ کہ جیسے خدا کی ذات بے چون و بے چگوں ہے اس کے سمع، بصر، ید وغیرہ نعوت وصفات کے معانی بھی اس کی ذات اور شان اقدس کے لائق اور ہمارے کیف وکم اور تعبیر و بیان کے احاطہ سے بالکل وراء الوراء ہیں ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ حضرت شاہ عبد القادر نے ان آیات پر جو فائدہ لکھا ہے اس میں دو ہاتھوں سے مراد "مہر" کا اور "قہر" کا ہاتھ لیا ہے۔ یعنی آجکل خدا کے مہر کا ہاتھ "امت محمدیہ" پر اور قہر کا بنی اسرائیل پر کھلا ہوا ہے جیسا کہ اگلی آیتوں میں اشارہ فرمایا۔

ف۲ یعنی اس کو وہ ہی خوب جانتا ہے کہ کس وقت، کس پر، کس قدر خرچ کیا جائے۔ کبھی ایک وفادار کو امتحان یا اصلاح حال کی غرض سے تنگی اور عسرت میں مبتلا کر دیتا ہے اور کبھی اس کی وفاداری کے صلہ میں نعمائے آخرت سے پہلے دنیاوی برکات کے دروازے بھی کھول دیتا ہے۔ اس کے بالمقابل ایک مجرم متمرد پر کبھی آخرت کی سزا سے پہلے تنگ حالی ضیق عیش اور مصائب آفات دنیاوی کی سزا بھیجتا ہے اور کسی وقت دنیاوی ساز و سامان کو فراخ کر کے مزید مہلت دیتا ہے کہ خدا کے احسانات سے متاثر ہو کر اپنے فسق و فجور پر کچھ شرماتے اور یا اپنی شقاوت کا پیمانہ پوری طرح لبریز کر کے انتہائی سزا کا مستحق ہو۔ ان مختلف احوال و اغراض اور متنوع حکمتوں کی موجودگی میں کسی شخص کے مقبول و مردود ہونے کا فیصلہ خدا کی اطلاع یا قرائن و احوال خارجیہ کی بناء پر کیا جا سکتا ہے جس طرح ایک چور کا ہاتھ کاٹا جائے، یا ڈاکٹر کسی مریض کا ہاتھ کاٹے، دونوں کی نسبت ہم احوال خارجہ اور قرائن سے سمجھ لیتے ہیں کہ ایک بطور سزا اور دوسرا از راہ شفقت و علاج کاٹا گیا ہے۔

ف۳ ان کی گستاخی کا جواب دیا جا چکا ہے، لیکن قرآن کے ایسے حکیمانہ جوابات سے ان معاندین اور سفہاء کو تسکین نہیں ہو گی بلکہ کلام الٰہی سن کر شرارت اور انکار میں اور زیادہ ترقی کریں گے۔ اگر غذائے صالح ایک بیمار کے معدہ میں پہنچ کر اس کے مرض کو زیادہ کر دیتی ہے تو اس میں غذا کا قصور نہیں مریض کے مزاج کی خرابی ہے۔

ف۴ اگرچہ قریب میں خاص یہود کا مقولہ نقل کیا تھا لیکن "اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمْ" سے مراد غالباً وہ اور ان کے بھائی بند سب ہیں۔ یعنی یہود و نصاریٰ سب اہل کتاب کا حال بیان فرمایا ہے جیسا کہ پہلے اسی سورۃ میں گزر چکا اور اگلی آیت میں بھی سب اہل کتاب کو خطاب فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جوں جوں ان کی شرارت اور انکار کو =

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ۝

اور اللہ پسند نہیں کرتا فساد کرنے والوں کو ف۱

اور اللہ نہیں چاہتا فساد والوں کو۔

اعادۂ حکم سابق بعنوان دیگر

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا ... الی ... وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾

ربط:...... اس آیت میں دوسرے عنوان سے حکم سابق کا اعادہ ہے اور کفار کی محبت اور دوستی سے ممانعت کی جاتی ہے مگر عنوان دوسرا ہے جس میں ان کی شرارتوں اور قباحتوں کو بیان کرتے مثلاً شعائر اسلام اذان وغیرہ کا مذاق اڑاتے ہیں اور مسلمانوں کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے ہیں اخیر رکوع تک ان کے قبائح اور فضائح کو بیان کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ ایسے لوگوں سے ہرگز دوستی نہ کرو تاکید کے لیے حکم سابق کا اعادہ فرمایا اور قدرے ان کی شرارتوں اور قباحتوں کو بیان کیا اور یہ بتلایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی اور جن پر خدا کا غضب نازل ہوا اور کچھ لوگ ان میں کے سور اور بندروں کی شکل میں مسخ کیے گئے اور یہ ایسے برے لوگ ہیں کہ کسی طرح لائق دوستی نہیں۔

گزشتہ آیات میں خاص یہود اور نصاریٰ سے موالات کی ممانعت تھی اور اس آیت میں عام کفار سے موالات کی ممانعت ہے جس میں یہود اور نصاریٰ کے علاوہ مشرکین اور منافقین بھی داخل ہیں گویا کہ یہ حکم سابق کا تتمہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ دین کی عزت و حرمت کو پورا پورا ملحوظ رکھو اور اس کی پوری حفاظت کرو اور دشمنان دین کی جو دین کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں خوب سمجھ لو کہ ان کی موالات اور دوستی کے ساتھ دین محفوظ نہیں رہ سکتا اس لیے حکم دیا جاتا ہے کہ اے ایمان والو جن لوگوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے یعنی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی یہود اور نصاریٰ ان کو اور دوسرے کافروں کو دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم ایمان دار ہو اس لیے کہ اندیشہ ہے کہ ان کی دوستی سے تمہاری اصلی دولت اور سعادت ابدیہ کا سرمایہ یعنی ایمان و اسلام نہ ضائع ہو جائے اور جب تم لوگوں کو اذان کے ذریعہ نماز جیسی افضل العبادات اور اکمل القربات کی طرف پکارتے ہو تو وہ اس عبادت کو جس میں نماز اور اذان دونوں آ گئیں ہنسی اور کھیل بناتے ہیں یہ اس واسطے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں نماز اور اذان کی حقیقت نہیں سمجھتے اور بے عقل آدمی لائق محبت نہیں اگر ان کو ذرا عقل ہوتی تو سمجھتے کہ خالق کی عبادت اور بندگی اور اس کی تعظیم تکبیر اور اس کی توحید کا اظہار و اعلان جس کی تمام کتب سماویہ اور انبیاء سابقین کی شریعتیں مصدق ہیں کس طرح قابل استہزاء اور تمسخر نہیں جب مسلمان

=ترقی ہوئی اسی قدر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں اور منصوبے گانٹھیں گے اور لڑائی کی آگ سلگانے کے لئے تیار ہونگے۔ لیکن ان کے آپس میں پھوٹ پڑ چکی ہے جو مٹ نہیں سکتی۔ اس سبب سے اسلامی برادری کے خلاف ان کی جنگی تیاریاں کامیاب نہیں ہوئیں۔

ف۱ اس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام میں جب تک باہمی محبت اور اخوت مستحکم رہے گی اور رشد و صلاح کے طریق پر گامزن ہو کر فتنہ اور فساد سے مجتنب رہنے کا اہتمام رہے گا جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھا اس وقت تک اہل کتاب کی سب کوششیں ان کے مقابلہ میں بیکار ثابت ہونگی۔

اذان دیتے اور نماز پڑھتے تو یہود اور نصاریٰ اور مشرکین اس کی ہنسی اڑاتے اور یہود کہتے کہ یہ لوگ کھڑے ہوتے ہیں خدا کرے کبھی کھڑے نہ ہو سکیں اور نماز پڑھنے لگے ہیں خدا کرے نہ پڑھ سکیں پھر اس پر قہقہہ لگاتے اور جب مسلمان رکوع اور سجدہ جاتے تو ہنستے اور ایک دوسرے کو اشارہ کرتے اور مدینہ میں ایک نصرانی تھا جب وہ مؤذن سے اشہد ان محمد رسول اللہ سنتا تو یہ کہتا اللہ جھوٹے کو آگ میں جلائے ایک رات اس کی خادمہ آگ لا رہی تھی اور وہ نصرانی اور اس کے گھر والے پڑے سو رہے تھے اتفاق سے اس کے ہاتھ میں سے اس آگ میں کا ایک شرارہ اڑ کر کہیں جا پڑا جس سے وہ گھر اور وہ نصرانی اور اس کے سب گھر والے جل کر خاکستر ہو گئے اس کی دعا کے مطابق خدا نے جھوٹے کو جلا دیا۔

اور خدا تعالیٰ نے یہ دکھلا دیا کہ صادق وامین کو جھوٹا بتلانے والا دوزخ میں جانے سے پہلے ہی کس طرح آگ میں جلایا جا سکتا ہے مطلب یہ کہ خداوند ذوالجلال کی بندگی اور اس بندگی کی طرف دعوت اور اعلان جو دنیوی اور اخروی خیر پر مشتمل ہے اور ہر دین میں اس کا بہتر ہونا مسلم ہے اس کا مذاق اڑانا ان کی بے عقلی کی دلیل ہے۔

وکم مِنْ عائب قولاً صحیحا وآفته من الفهم السقیم

آپ ﷺ ان لوگوں سے جو نماز اور اذان جیسی بہترین عبادت اور دعوت خیر وصلاح وفلاح کی ہنسی اور کھیل بناتے ہیں یہ کہہ دیجئے اے اہل کتاب تم ہم میں سوائے اس کے کیا عیب پاتے ہو کہ ہم ایک اللہ پر ایمان لے آئے ہیں اور اس کتاب پر جو ہماری طرف نازل کی گئی اور ان کتابوں پر بھی جو اس سے پہلے نازل ہوئیں یعنی ہم تمہاری طرح انبیاء میں تفریق نہیں کرتے اور یہی کہ تم میں کے اکثر بدکار ہیں اور اطاعت خداوندی سے خارج ہیں یعنی تم جو ہمارے دین پر ہنستے ہو اور تو اس میں کیا عجیب پاتے ہو اور ہمارے دین کا خلاصہ تو یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں جو تمام شریعتوں کا لب لباب ہے اور تمام حکمتوں کا عطر ہے اور ان تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم سے پہلے نازل ہوئیں کیا یہ کوئی عیب کی بات ہے جو تم اس پر ہنستے ہو ﴿وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ تم ہم میں سوائے اس کے اور کیا عیب پاتے ہو کہ تم طریق مستقیم سے ہٹ گئے ہو توحید کے بجائے تثلیث کے قائل ہو گئے ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا لیا اور اللہ کی کتابوں میں تم نے تحریف کر ڈالی اور ان معایب کو کمالات سمجھ لیا اور اس لیے اچھی باتیں تم کو بری معلوم ہوتی ہیں ورنہ واقع میں ہم میں اور ہمارے دین میں کوئی عیب نہیں ہے چونکہ تم بدکار ہو اور ہم تمہاری بدکاری سے علیحدہ ہیں اس لیے ہم تمہاری آنکھوں میں کھٹکتے ہیں تمہیں اپنے عیبوں پر نظر نہیں اور ہمارے کمالات اور محاسن تم کو عیوب نظر آتے ہیں اہل تثلیث اور اہل تجسیم کو اہل توحید اور اہل تنزیہ پر طعن وتشنیع کرنے کا کہاں سے حق حاصل ہوا۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

خلاصہ کلام یہ کہ ﴿وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ تم نے معاملہ برعکس کیا ہوا ہے تمہیں اپنا فسق اور طریق مستقیم سے انحراف تو معیوب نہیں معلوم ہوتا اور مسلمانوں کا طریق مستقیم پر چلنا اور خدا کی بندگی کرنا اور اس کی عظمت اور کبریائی اور توحید کی اذان اور اعلان تم کو معیوب نظر آتی ہے کیا یہ کمال ابلہی اور انتہائی دیدہ دلیری نہیں۔

اب اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ یہود ونصاریٰ کے معایب اور ان کے مضحکہ انگیز اقوال وافعال وحرکات کو بیان

کرتے ہیں اور فرماتے ہیں (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ ان لوگوں سے جو مسلمانوں کو برا کہتے ہیں اور ان کے دین کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں یہ کہہ دیجئے آؤ میں تم کو ایسی قوم کا پتا بتاتا ہوں جو خدا کے نزدیک باعتبار جزا اور سزا کے اس سے زیادہ برے ہیں یعنی تم اس دین اسلام اور مسلمانوں کو برا سمجھتے ہو آؤ میں تم کو اس سے بھی برا بتاؤں جن کو اللہ کے یہاں بدلہ برا ملے گا وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غضب نازل کیا اور ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سور بنا دیا اور جنہوں نے شیطان اور معبود باطل کی پرستش کی مثلاً جن لوگوں نے گوسالہ کو معبود بنایا یعنی واقعی برے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور ان پر اپنا غضب نازل کیا اور ان کی نافرمانیوں کی بناء پر ان کو بندر اور سور کی شکل میں مسخ کیا اور جنہوں نے گوسالہ پرستی یا بت پرستی کی یہی لوگ باعتبار مقام اور مکان یعنی مرتبہ اور ٹھکانہ کے بدترین خلائق ہیں اور سب سے زیادہ سیدھے راستہ سے بہکے ہوئے ہیں بلحاظ مکان بمعنی مرتبہ بھی سب سے برے ہیں اور مکان بمعنی جگہ بھی سب سے برے ہیں اور اس لیے کہ ان کا مکان دوزخ ہے جو سب سے برا مکان ہے لہٰذا تمہارے طعن اور استہزاء کی مستحق ایسی قوم ہوسکتی ہے جس کا یہ حال بیان کیا گیا اور وہ قوم خود تم ہی ہو نہ کہ مسلمان یہود میں سے جن لوگوں نے باوجود صریح ممانعت کے ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار کیا اور وہ بندر اور سور بنا دیے گئے تھے جس کی تفصیل ان شاء اللہ سورۃ اعراف میں آئے گی اور اے مسلمانو ان استہزاء کرنے والوں میں سے بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر ہی کو لے کر تمہاری مجلس میں داخل ہوئے تھے اور اسی کفر کے ساتھ تمہاری مجلس سے نکل کر واپس چلے گئے ہیں یہ لوگ ایک لحہ کے لیے بھی ایمان میں داخل نہیں ہوئے تھے ان کا آمنا کہنا بالکل جھوٹ ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو دلوں میں کفر اور نفاق چھپائے ہوئے ہیں یہ آیت منافقین یہود کے بارہ میں نازل ہوئی جو رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر جھوٹ موٹ کہہ دیتے تھے کہ ہم آپ پر ایمان لاتے ہیں اور آپ کے دین پر راضی ہیں اور دل میں ان کے کفر بھرا ہوتا تھا۔ اور اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان یہودیوں میں سے بہت سے لوگوں کو گناہ اور ظلم وزیادتی اور حرام خوری یعنی رشوت میں دوڑتا ہوا دیکھیں گے کہ دوڑ دوڑ کر ان چیزوں کی طرف جاتے ہیں اور بصد شوق اور رغبت گناہوں کی طرف جھپٹتے ہیں اور حرام مال پر گرے پڑتے ہیں البتہ بہت ہی برے کام ہیں جو وہ کر رہے ہیں یہ حال تو ان کے عوام کا تھا اب آگے ان کے خواص کا حال بیان کرتے ہیں کیوں نہیں منع کرتے ان کو خدا پرست یعنی درویش اور عالم گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے کیا ہی برا ہے وہ کام جو یہ خدا پرست اور عالم کرتے ہیں یعنی علماء اور فقراء کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو برے کاموں سے روکیں مگر وہ لوگ خاموش ہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے یہ بہت برا کام ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگلے لوگ جو برباد ہوئے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے برے کام اختیار کیے اور ان کے علماء نے انہیں منع نہ کیا۔ حضرات اہل علم تفصیل کے لیے امام غزالی رحمہ اللہ کی احیاء العلوم باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر دیکھیں۔

بارگاہ خداوندی میں یہود کی گستاخی کا ذکر اور اس کا رد

اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ یہود کی جسارت مخلوق سے گزر کر خالق کی حد تک پہنچ چکی ہے اور بارگاہ ربوبیت میں

گستاخی کرنے سے بھی ان کو باک نہیں رہا خداوند ذوالجلال کی شان میں ایسے واہی تباہی الفاظ بک دیتے ہیں کہ جنہیں سن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں کبھی کہتے ﴿اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ﴾ اور کبھی یہ الفاظ منہ سے نکالتے ہیں ﴿يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ﴾ خدا کا ہاتھ بندھ گیا یعنی معاذ اللہ! خدا بخل کرنے لگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے یہود کو ہر طرح کی فارغ البالی اور عیش وعشرت عطا کر رکھی تھی جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا تو خدا تعالیٰ نے ان کی روزی تنگ کر دی اس وقت فنحاص بن عازوراء نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہود بے بہود یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے یعنی اللہ بخل کرنے لگا ہے گویا کہ اس کا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا ہے معاذ اللہ۔ خدا تو اس سے پاک اور منزہ ہے انہیں کے ہاتھ باندھ دیے گئے ہیں یعنی وہی خیر محروم کر دیے گئے ہیں اللہ تو جواد اور کریم مطلق ہے اس کے خزائن غیر محدود اور اس کا جود اور کرم لامتناہی ہے وہاں کسی چیز کی کمی نہیں ان کے تمرد اور طغیان کی پاداش میں حق تعالیٰ نے ان کی جبلت میں ایسا جبن اور بخل ڈال دیا ہے جس سے ان کے ہاتھ بالکل بند ہو گئے ہیں اور اس گستاخانہ قول کی بناء پر یہ لوگ خدا کی رحمت سے دور پھینک دیے گئے ذلت اور مسکنت کی مہر لگا دی گئی اور ان کا یہ قول کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے بالکل غلط ہے بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں یعنی وہ غایت درجہ کریم ہے دونوں ہاتھوں سے دیتا ہے اور چونکہ وہ حکیم بھی ہے اس لیے جس طرح چاہتا ہے وہ خرچ کرتا ہے اس کا جود وکرم حکمت اور مصلحت کے ساتھ ہے وہ جس کو چاہتا ہے فراخی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگی دیتا ہے کما قال تعالیٰ: ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ﴾ پس یہود کو جو تنگی پیش آئی ہے معاذ اللہ اس کی علت بخل یا فیضانِ جود کی کمی نہیں بلکہ یہود بے بہود کی معاندانہ تکذیب اور جحود کا وبال ہے جو ان کو چکھایا جا رہا ہے وہ قابض اور باسط ہے کسی کو زیادہ اور کسی کو کم دیتا ہے یہ اس کی حکمت اور مشیت ہے ﴿يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ﴾ اگر قبض ہے تو اس کی حکمت قاہرہ اور باہرہ سے ہے اور اگر بسط ہے تو اس کی رحمت وافرہ سے ہے الغرض حق جل شانہ کا یہ قول ﴿بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غایت درجہ کریم ہے دونوں ہاتھوں سے دیتا ہے اس کے جود وکرم کی کوئی حد اور نہایت نہیں حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے فوائد میں یہ لکھا ہے کہ دو ہاتھوں سے مہر اور قہر کا ہاتھ مراد ہے یعنی آج کل خدا کے مہر کا ہاتھ امت محمدیہ پر کھلا ہوا ہے اور قہر کا ہاتھ بنی اسرائیل پر کھلا ہوا ہے جیسا کہ اگلی آیتوں میں اس کی طرف اشارہ فرمایا۔

فائدہ جلیلہ:...... اس قسم کی آیتیں جن میں خدا تعالیٰ کے منہ اور ہاتھ کا ذکر آتا ہے معاذ اللہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ بھی مخلوق کی طرح کوئی جسم ہے اور جسمانی اعضاء رکھتا ہے اس لیے کہ اللہ جسمانیت اور لوازم جسمانیہ سے پاک اور منزہ ہے سلف صالحین اور علماء محققین کا مسلک یہ ہے کہ جس طرح خدا کی ذات اور وجود اور حیات اور علم اور سمع اور بصر وغیرہ تمام صفات بے چون وچگون ہیں اس کی ذات وصفات کی کوئی نظیر اور مثال اور کیفیت اس کے سوا کچھ نہیں بیان کی جا سکتی۔

اے برتر از خیال و قیاس وگمان ووہم — وز ہر گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم
دفتر تمام گشت وبپایاں رسید عمر — ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

اس قسم کی آیات معلوم المعنی اور مجہول الکیف ہیں یعنی یہ تو ہم جانتے ہیں کہ ید کے معنی ہاتھ اور وجہ کے معنی منہ ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ خدا کا ہاتھ اور منہ کس طرح کا ہے معاذ اللہ اگر اس کا ہاتھ ہمارے ہاتھ جیسا ہو تو جسمیت اور تشبیہ لازم آئے گی لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ جس طرح خدا تعالیٰ کی ذات اور اس کی حیات اور سمع اور بصر اس کی شان اقدس کے لائق اور ہمارے ادراک اور بیان سے وراء الوراء ہے اسی طرح اس کی صفت ید اور صفت وجہ بھی دیگر صفات کی طرح بے مثل اور بے چون ہے اور اس سے وہی معنی مراد ہیں جو اس کی شان اقدس کے لائق ہوں ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے لیے وجہ اور ید اور سمع اور بصر و ساق اور قدم ثابت ہیں جیسے اس کی ذات والا صفات کے شایان شان ہیں اور اس کی حقیقت اور کیفیت کے درپے نہیں اور بایں ہمہ وہ کسی بات میں مخلوقات کے مشابہ نہیں ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾۔

اور مسارعت فی الاثم اور اکل سحت کی وجہ سے ان کی فطرت اس درجہ فاسد اور خراب ہو چکی ہے کہ البتہ وہ قرآن جو تیرے پروردگار کی طرف سے لوگوں کی شفاء اور ہدایت کے لیے تیری طرف اتارا گیا ہے وہ ان میں سے بہتیروں کی نافرمانی اور سرکشی میں ترقی کا سبب بن جاتا ہے یعنی قرآن کریم تو شفاء اور ہدایت اور غذائے روح ہے مگر ان معاندین کی فطرت اس درجہ فاسد ہو چکی ہے کہ کلام الٰہی سن کر ان کو شفاء نہیں ہوتی بلکہ ان کی گمراہی اور سرکشی میں اور زیادتی ہو جاتی ہے اگر غذائے صالح کسی فاسد المعدہ کے معدہ میں پہنچ کر اس کے مرض کو زیادہ کردے تو اس میں غذائے صالح کا قصور نہیں مریض کے مزاج کی خرابی ہے یہی حال ان لوگوں کا ہے جب قرآن کی کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو وہ اس کا انکار کر دیتے ہیں جس سے ان کے سابق کفر میں ایک اور جدید کفر کا اضافہ ہو جاتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا﴾ اور ہم نے اہل کتاب کے حسد اور بغض اور عناد کی سزا میں ان میں باہم قیامت تک ظاہر میں عداوت اور باطن میں بغض ڈال دیا ہے یعنی ہم نے یہود اور نصاریٰ کے درمیان اور یہود کے مختلف فرقوں کے درمیان اور نصاریٰ کے مختلف فرقوں کے درمیان عداوت اور دشمنی ڈال دی ہے جو قیامت تک ان میں رہے گی چنانچہ وہ جب کبھی نبی اکرم ﷺ کے مقابلہ کے لیے لڑائی کی آگ سلگاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بجھا دیتا ہے یعنی آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں ان کو کامیابی نہیں ملتی اور خدا تعالیٰ یہودیوں کی تدبیروں کو چلنے نہیں دیتا۔

شاہ عبدالقادر صاحب ؒ فرماتے ہیں ''اللہ نے ان میں اتفاق نہیں رکھا جب آگ سلگاتے ہیں لڑائی کی یعنی فتنہ انگیزی کرتے ہیں کہ آپس میں سب کو ملا کر مسلمانوں سے لڑیں سو اللہ بجھا دیتا ہے آپس میں پھوٹ جاتے ہیں''۔ (موضح القرآن) اور جب وہ لڑائی میں ناکام ہو جاتے ہیں تو اور طرح سے وہ زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں اور اسلام کے مٹانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا اور ان کی فتنہ پردازی پر ان کو سزا ضرور دے گا پوری سزا تو آخرت میں ملے گی البتہ بطور تنبیہ کے دنیا میں رزق کی تنگی میں مبتلا کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ:...... جاننا چاہیے کہ اس مضمون کے بیان کرنے سے اس جگہ مقصود آنحضرت ﷺ کو دشمنوں کی طرف سے اطمینان دلانا ہے کہ یہ دشمن لوگ کسی صورت بھی آپ ﷺ کے مقابلہ میں کامیاب و فتح یاب نہیں ہو سکیں گے پس اگر یہ حکم

آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے تو کوئی اشکال ہی نہیں اگر یہ حکم عام ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں تو پھر مطلب یہ ہے کہ جب تک مسلمان دین اسلام پر قائم رہیں گے اور اس کے رنگ میں رنگے رہیں گے اس وقت تک نصرت الٰہی کے مستحق رہیں گے اور جب ان کے دشمن ان کے خلاف آتش جنگ بھڑکائیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کو بجھا دے گا لیکن اگر خدانخواستہ خود مسلمان ہی دین سے کنارہ کش ہو جائیں اور "مغضوب علیھم" اور "ضالین" کے رنگ میں رنگے جائیں اور صرف نام کے مسلمان رہ جائیں تو ایسے ناموں کے مسلمانوں سے خدا کا وعدہ نہیں۔

﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ

اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور ڈرتے تو ہم دور کر دیتے ان سے ان کی برائیاں اور ان کو داخل کرتے نعمت کے

اور اگر کتاب والے ایمان لاتے اور ڈرتے تو ہم اتار دیتے ان کی برائیاں اور ان کو داخل کرتے نعمت کے

النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا

باغوں میں ف۱ اور اگر وہ قائم رکھتے تورات اور انجیل کو اور اس کو جو کہ نازل ہوا ان پر ان کے رب کی طرف سے ف۲ تو کھاتے

باغوں میں۔ اور اگر وہ قائم رکھیں توریت اور انجیل کو اور جو اترا ان کو ان کے رب کی طرف سے، تو کھاویں

مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا

اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے ف۳ کچھ لوگ ان میں ہیں سیدھی راہ پر ف۴ اور بہت سے ان میں برے

اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے۔ کچھ لوگ ان میں ہیں سدھے۔ اور بہت ان کے برے کام

يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع ۱۰ / ۱۴

کام کر رہے ہیں۔

کر رہے ہیں۔

ف۱ یعنی باوجود ایسے شدید جرائم اور سخت شرارتوں کے اگر اب بھی اہل کتاب اپنے رویہ سے تائب ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو دروازہ توبہ کا بند نہیں ہوا۔ حق تعالیٰ کمال فضل و رحمت سے ان کو اخروی و دنیاوی نعمتوں سے سرفراز فرما دیتا اس کی رحمت بڑے سے بڑے مجرم کو بھی جب وہ شرمسار اور معترف ہو کر آئے مایوس نہیں کرتی۔

ف۲ یعنی قرآن کریم جو تورات و انجیل کے بعد ان کی تنبیہ اور ہدایت کے لئے نازل ہوا اس کو قائم کرتے کیونکہ اس کے تسلیم کے بدون تورات و انجیل کی بھی صحیح معنی میں اقامت نہیں ہو سکتی بلکہ تورات و انجیل اور جملہ کتب سماویہ کی اقامت کا مطلب ہی اب یہ ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم اور پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم جو کتب سابقہ کی پیشین گوئیوں کے مطابق بھیجے گئے ہیں ان کو قبول کیا جائے گویا اقامت تورات و انجیل کا حوالہ دیکر آگاہ فرما دیا کہ اگر قرآن کو انہوں نے قبول نہ کیا تو اس کے معنی یہی ہیں کہ اپنی کتابوں کے قبول کرنے سے بھی منکر ہو گئے۔

ف۳ یعنی تمام ارضی سماوی برکات سے ان کو متمتع کیا جاتا اور ذلت، بدحالی اور ضیق عیش کی جو سزا ان کے عصیان و تمرد پر دی گئی تھی وہ اٹھا لی جاتی۔

ف۴ یہ وہ معدود افراد ہیں جنہوں نے فطری سعادت سے توسط و اعتدال کی راہ اختیار کی اور حق کی آواز پر لبیک کہا۔ مثلاً عبداللہ بن سلام اور ملک حبشہ نجاشی وغیرہ رضی اللہ عنہما۔

ترغیب اہل کتاب بایمان بر نبی آخر الزمان ﷺ وذکر برکات ایمان

قَالَ تَعَالٰی : ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا ... الی ... وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ﴾

اور ہاں اگر یہ اہل کتاب جو دین اسلام کی باتوں پر اپنی بے عقلی سے تمسخر کرتے ہیں خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈرتے اور اپنی شرارتوں اور حرام خوری سے باز آجاتے جو ان کے حق میں تنگی رزق کا سبب بنی ہیں تو البتہ ہم ان کے پہلے گناہوں کو نیست و نابود کر دیتے کیونکہ اسلام لانے سے اس سے پیشتر گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور البتہ ہم ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے اور ان کی تنگی دور ہو جاتی اور اگر یہ لوگ توریت اور انجیل کو قائم کرتے یعنی بغیر تحریف و تبدل کے اس کی ہدایات پر عمل کرتے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی بشارت اور نعمت کو نہ چھپاتے اور کتب سابقہ میں جو نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا ہے اس کو پورا کرتے اور اس کتاب کو بھی قائم کرتے جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان کی طرف نازل کی گئی ہے یعنی قرآن مجید پر عمل کرتے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے توسط سے بنی اسرائیل اور اہل کتاب کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے یہ اس لیے فرمایا کہ اہل کتاب یہ خیال نہ کریں کہ قرآن صرف بنی اسماعیل کے لیے نازل ہوا ہے اور بنی اسرائیل اس کے مکلف نہیں اور مخاطب نہیں قرآن تمام عالم کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے جن میں اہل کتاب بھی داخل ہیں اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ﴿وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ سے قرآن مجید مراد نہیں بلکہ توریت اور انجیل کے علاوہ دیگر کتب سابقہ مراد ہیں جیسے زبور اور کتاب اشعیاء وغیرہ ان سب میں آنحضرت ﷺ کی بشارت اور ظہور کی پیشن گوئی مذکور ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر یہ اہل کتاب توریت اور انجیل اور کتب سابقہ کی ہدایت پر عمل کرتے اور جس نبی آخر الزمان ﷺ کی انبیاء سابقین نے بشارت دی ہے اس پر ایمان لے آتے تو یہ اہل کتاب اس ایمان اور اتباع حق کی برکت سے بلاشبہ اپنے اوپر سے بھی روزی کھاتے اور اپنے پیروں کے نیچے سے بھی روزی کھاتے یعنی آسمان سے پانی برستا اور زمین سے پیداوار ہوتی مطلب یہ ہے کہ اگر یہ اہل کتاب محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتے اور آپ کی تکذیب نہ کرتے تو جس قحط میں یہ مبتلا ہیں اس میں مبتلا نہ ہوتے آسمان سے خوب بارشیں ہوتیں اور زمین سے خوب پیداوار ہوتی اور نہایت خوش حالی میں ہوتے چونکہ انہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی جن کی بشارت اور پیشین گوئی کتب قدیمہ میں تھی اور ان کو خوب معلوم تھی اس لیے خدا تعالیٰ نے ان کو سختی میں مبتلا کیا اور ان کی یہ تنگی ان کی خیانتوں اور قباحتوں کی نحوست ہے خداوند کریم کے فیض عام میں کوئی کمی نہیں خدا تعالیٰ کی طرف بخل کی نسبت گستاخی اور دیدہ دلیری ہے مگر بایں ہمہ سب اہل کتاب برابر نہیں ان میں سے ایک گروہ جس نے دعوت حق کو قبول کیا اور اسلام میں داخل ہوا راہ راست پر چلنے والا ہے جیسے یہود میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہی اور نصاریٰ میں نجاشی اور اس کے پیرو یہ گروہ اعتدال پر ہے جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے ﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾ لیکن ایسے لوگ قلیل ہیں اور اکثر ان میں وہ ہیں جو برے کام کرتے ہیں جیسے کعب بن اشرف اور تمام رؤساء یہود اور جو لوگ افراط اور تفریط کے ٹھیک درمیان میں ہیں اور اعتدال کی راہ پر ہیں وہ بہت قلیل ہیں۔

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ

اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام

اے رسول ! پہنچا جو تجھ کو اترا تیرے رب سے۔ اور اگر یہ نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور اللہ تجھ کو بچالے گا لوگوں سے بیشک اللہ راستہ نہیں دکھلاتا قوم کفار کو ف۱

اور اللہ تجھ کو بچائے گا لوگوں سے، اللہ راہ نہیں دیتا منکر قوم کو۔

ازالہ خوف ودہشت ووعدہ حفاظت دربارہ تبلیغ دعوت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ... الی ... لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾

ربط:...... یہود اور نصاریٰ کی خرابیاں بیان کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ تبلیغ دین

ف۱ پچھلی آیات میں اہل کتاب کی شرارت، کفر اور سیاہ کاریوں کا ذکر کر کے تورات، انجیل، قرآن اور کل کتب سماویہ کی اقامت کی ترغیب دی گئی تھی آئندہ ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰي شَيْءٍ﴾ سے اہل کتاب کے مجمع میں اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ اس "اقامت" کے بدون تمہاری مذہبی زندگی بالکل صفر اور لاشے محض ہے ﴿يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ میں اسی دوٹوک اعلان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تیار کیا گیا ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ پروردگار کی طرف سے اتارا جائے خصوصاً اس طرح کے فیصلہ کن اعلانات آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے خوف وخطر اور بلا تامل پہنچاتے رہئے۔ اگر بفرض محال کسی ایک چیز کی تبلیغ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوتاہی ہوئی تو بحیثیت رسول (خدائی پیغمبر) ہونے کے رسالت و پیغام رسانی کا جو منصب جلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلمکو تفویض ہوا ہے سمجھا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حق کچھ بھی ادا نہ کیا۔ بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فریضہ تبلیغ کی انجام دہی پر بیش از بیش ثابت قدم رکھنے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی موثر عنوان نہ ہوسکتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس بائیس سال تک جس بے نظیر اولوالعزمی، جانفشانی، مسلسل جدوجہد اور صبر و استقلال سے فرض رسالت وتبلیغ کو ادا کیا، وہ اس کی واضح دلیل تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں ہر چیز سے بڑھ کر اپنے فرض منصبی (رسالت و بلاغ) کی اہمیت کا احساس ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس احساس قوی اور تبلیغی جہاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے وظیفہ تبلیغ میں مزید استحکام و مثبت کی تاکید کے موقع پر موثر ترین عنوان یہ ہی ہوسکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ﴿يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ﴾ سے خطاب کر کے صرف اتنا کہہ دیا جائے کہ اگر بفرض محال تبلیغ میں ادنیٰ سی کوتاہی ہوئی تو سمجھو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ اور ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر کوششوں اور قربانیوں کا مقصد وحید ہی یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سامنے فرض رسالت کی انجام دہی میں اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی حاصل فرمائیں۔ لہٰذا یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ کسی ایک پیغام کے پہنچانے میں بھی ذرا سی کوتاہی کریں۔ عموماً یہ تجربہ ہوا ہے کہ فریضہ تبلیغ ادا کرنے میں انسان چند وجہ سے مقصر رہتا ہے۔ یا تو اسے اپنے فرض کی اہمیت کا کافی احساس اور شغف نہ ہو یا لوگوں کی عام مخالفت سے نقصان شدید پہنچنے یا کم از کم بعض فوائد کے فوت ہونے کا خوف ہو اور یا مخاطبین کے عام تمرد وطغیان کو دیکھتے ہوئے جیسا کہ پچھلی اور اگلی آیات میں اہل کتاب کی نسبت بتلایا گیا ہے، تبلیغ کے مثمر اور منتج ہونے سے مایوسی ہو پہلی وجہ کا جواب ﴿يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ﴾ سے ﴿فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾ تک، دوسری کا ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ میں، اور تیسری کا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ میں دے دیا گیا۔ یعنی تم اپنا فرض ادا کئے جاؤ خدا تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان اور عزت وآبرو کی حفاظت فرمانے والا ہے وہ تمام روئے زمین کے دشمنوں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر کامیابی کی راہ نہ دکھلائے گا، باقی ہدایت وضلالت خدا کے ہاتھ میں ہے ایسی قوم جس نے کفر وانکار ہی پر کمر باندھ لی ہے اگر راہ راست پر نہ آئی تو تم غم نہ کرو اور نہ مایوس ہو کر اپنے فرض کو چھوڑ دو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہدایت ربانی اور آئین آسمانی کے موافق امت کو ہر چھوٹی بڑی چیز کی تبلیغ کی نوع انسانی کے عوام وخواص میں سے جو آیات جس طبقہ کے لائق اور جس کی استعداد کے مطابق تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کم وکاست اور بے خوف وخطر پہنچا کر خدا کی حجت بندوں پر تمام کر دی، اور وفات سے دو ڈھائی مہینے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر، جہاں چالیس ہزار سے زائد خادمان اسلام اور عاشقان تبلیغ کا اجتماع تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیٰ رؤس الاشہاد اعلان فرمایا کہ "اے خدا تو گواہ رہ میں (تیری امانت) پہنچا چکا"۔

میں سعی بلیغ نہ کریں اور کسی دشمن کے خوف اور اندیشہ سے یا لوگوں کی دل شکنی کے خیال سے ہمارے کسی حکم یا کسی آیت کو ان کے سامنے نہ پڑھیں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کا نگہبان ہے اور آپ ﷺ کی حفاظت کا ذمہ دار ہے آپ تو بے خوف وخطر دین خداوندی کی تبلیغ کریں حق جل شانہ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کو تبلیغ کریں تو طبعی طور پر ان کو خوف دامن گیر ہوا ﴿اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى﴾ تو اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرمادیا ﴿لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى﴾ اور موسیٰ علیہ السلام کو اطمینان دلا دیا اور اسی طرح اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کو تبلیغ کا حکم دیتے ہیں اور حفاظت کا اطمینان دلاتے ہیں تا کہ طبعی خوف کی وجہ سے تبلیغ میں خلل نہ آئے چنانچہ فرماتے ہیں اے میرے (برگزیدہ) رسول ﷺ جو کچھ تجھ پر تیرے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو تم لوگوں تک پہنچا دو اور اگر بفرض محال آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا تو آپ ﷺ نے اس کا پیغام کچھ نہیں پہنچایا یعنی اگر بفرض محال آپ ﷺ سے کسی ایک حکم کے پہنچ جانے میں بھی کوتاہی ہوئی تو یہ سمجھا جائے گا کہ آپ ﷺ نے فریضہ رسالت کا حق ادا نہیں کیا اللہ کے سب حکموں کو پہنچانا ضروری ہے اس واسطے کہ بعض حکموں کو پہنچانا تبلیغ کو ضائع کرنا ہے اس لیے آپ ﷺ بے خوف وخطر اللہ کے تمام حکموں کو پہنچایئے اور بے کھٹکے انہیں بیان کریں چنانچہ آپ ﷺ نے تبلیغ احکام میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور وفات سے دوڈھائی مہینے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر ہزار ہا عاشقان اسلام کے سامنے علی رؤس الاشہاد یہ اعلان فرمایا اللھم ھل بلغت، اے اللہ تو گواہ رہ میں تیری امانت پہنچا چکا اور یہود اور مشرکین کی طرف سے اندیشہ نہ کیجئے وہ آپ ﷺ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اس لیے کہ اللہ تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا یعنی کوئی شخص آپ ﷺ کو قتل نہیں کر سکے گا بے شک اللہ راہ نہیں دیتا کافر لوگوں کو یعنی خدا ان کو یہ قدرت نہیں دے گا کہ وہ تجھ کو ہلاک کر سکیں۔ یا تیرے اوپر غالب آسکیں واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ کو کفار سے جو جسمانی تکلیفیں پہنچیں ہیں وہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے پہنچی ہیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کوئی شخص آپ ﷺ کو تکلیف نہیں پہنچا سکا جامع ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم رات کو آپ ﷺ کی پاسبانی اور نگہبانی کیا کرتے تھے جب آیت ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے قبہ سے اپنا سر نکال کر ان سے فرمایا کہ اب تم میرے پاس سے چلے جاؤ اللہ میرا نگہبان ہے۔

مگر شیعہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں تبلیغ سے احکام دین کی تبلیغ مراد نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کی تبلیغ مراد ہے اور اس بارے میں ایک روایت بھی گھڑی ہے وہ یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ جب آخری حج سے واپس ہوئے غدیر خم میں ٹھہرے تو یہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان کر دیجئے چنانچہ آپ ﷺ نے سب صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان بایں الفاظ کیا مَن کنت مولاہ فعلی مولاہ اور اصل آیت اس طرح تھی ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ ان عَلِیًّا مولی المؤمنین یہ سب گپ ہے یہ آیت غدیر خم کے موقع سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ترمذی وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات کے وقت آپ ﷺ کی پاسبانی کیا کرتے تھے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی آپ ﷺ اسی وقت بالا خانہ سے باہر تشریف لائے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے حفاظت کا وعدہ فرما لیا ہے اب کسی کی پاسبانی کی ضرورت نہیں اور حاکم نے مستدرک

میں اس روایت کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے معلوم ہوا کہ یہ آیت غدیر خم سے برسوں پہلے بوقت شب مدینہ میں نازل ہوئی۔

ذکر آیت اولی الامر:...... شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل اور عصمت ائمہ کے بارہ میں آیت ﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ﴾ کے بعد آیت اولی الامر کا نمبر ہے یعنی اس آیت کا ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ علماء اہل سنت کے نزدیک اولی الامر سے علماء اور فقہاء اور حکام اسلام مراد ہیں شیعہ کہتے ہیں کہ اولی الامر سے حضرت علی اور حسنین رضی اللہ عنہم مراد ہیں اور بعض شیعہ کہتے ہیں کہ اولی الامر سے بارہ امام مراد ہیں یہ سب تحریف ہے اور علاوہ تحریف کے خود مذہب شیعہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ آیت میں درصورت شبہ مخالفت شریعت اولی الامر سے نزاع کی اجازت ہے جو عصمت کے منافی ہے اور مذہب شیعہ میں ائمہ معصوم ہیں ان سے کسی حال میں نزاع جائز نہیں آنکھ بند کر کے ان کی اطاعت فرض ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ

کہہ دے اے کتاب والو تم کسی راہ پر نہیں جب تک نہ قائم کرو توارت اور انجیل کو اور جو تم پر اترا

تو کہہ اے کتاب والو! تم کچھ راہ پر نہیں جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل، اور جو تم کو اتارا گیا

اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا

تمہارے رب کی طرف سے ف۱ اور ان میں بہتوں کو بڑھے گی اس کلام سے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے شرارت

تمہارے رب سے۔ اور ان میں بہتوں کو بڑھے گی اس کلام سے، جو تجھ کو اترا تیرے رب سے، شرارت

وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا

اور کفر سو تو افسوس نہ کر اس قوم کفار پر ف۲ بیشک جو مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں

اور انکار۔ سو تو افسوس نہ کھا اس قوم منکر پر۔ البتہ جو مسلمان ہیں اور جو یہود ہیں،

وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

اور فرقہ صابی اور نصاریٰ جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر اور روز قیامت پر اور عمل کرے نیک نہ ان پر ڈر ہے

اور صابئین اور نصاریٰ، جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور عمل کرے نیک، نہ ان پر ڈر ہے

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾

نہ وہ غمگین ہونگے ف۳

نہ وہ غم کھاویں۔

ف۱ یعنی کل کتب سماویہ جن کا خاتم اور مہیمن قرآن کریم ہے۔ پچھلے رکوع میں اس آیت کی تفسیر گزر چکی۔

ف۲ یعنی اس غم اور افسوس میں پڑ کر تنگ دل نہ ہوں اپنا فرض امن و اطمینان سے ادا فرماتے رہیں۔

ف۳ یعنی جو قوم مسلمان کہلاتی ہے یا یہود یا نصاریٰ یا صابی (یا اور کچھ مثلاً چند مشہور مذاہب کا ذکر کیا گیا ہے) کوئی شخص ان ناموں کی بدولت یا نسل، رنگ، پیشہ=

ابطال باطل

قال تعالیٰ: ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ... الی... فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾

ربط:...... تبلیغ کا رکن اول احقاق حق ہے اور رکن ثانی ابطال باطل ہے گزشتہ آیات میں اجمالاً احقاق حق تھا اب اس کے بعد آیت اجمالاً ابطال باطل کا بیان ہے پھر آئندہ آیات میں نصاریٰ کے عقیدہ فاسدہ کا تفصیلاً ابطال ہے اور مقصود اہل کتاب کو اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب ہے کہ باطل کو چھوڑ کر حق کا اتباع کریں آپ ﷺ ان یہود و نصاریٰ سے یہ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم جو اپنے آپ کو دین کے بارے میں راہ حق اور ہدایت پر سمجھتے ہو خوب جان لو تم کسی راہ پر نہیں ہو چونکہ تم حق سے منحرف ہو چکے ہو اس لیے تم بمنزلہ بے راہ کے ہو تمہارا مذہب بالکل ہیچ ہے جس طریقہ پر تم ہو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کوئی چیز ہے لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ تم کسی چیز پر بھی نہیں جب تک تم توریت اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس کتاب کو قائم نہ کرو جو بواسطہ محمد رسول اللہ ﷺ تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف نازل کی گئی ہے یعنی قرآن کریم مطلب یہ ہے کہ جب تک تم توریت اور انجیل اور صحف انبیاء کے مطابق عمل نہ کرو گے اور ان کی ہدایت کے مطابق نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان نہ لاؤ گے اور اس کتاب کا اتباع نہ کرو گے جو نبی آخر الزمان ﷺ پر نازل ہوئی تو حقیقت میں تمہارا ایمان کچھ بھی نہیں نہ توریت و انجیل پر ہے اور نہ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام ہی پر جیسا کہ رجم اور قصاص کے بارہ میں گزر چکا اور ان لوگوں کا راہ راست پر آنا بہت دشوار ہے حسد اور عناد کی وجہ سے ان کی فطرت اس درجہ خراب ہو چکی ہے البتہ وہ کلام الٰہی جو تیرے پروردگار کی

=وطن وغیرہ احوال وخصائص کے لحاظ سے حقیقی فلاح اور دائمی کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔ کامیاب اور مامون ومصئون ہونے کا ایک اور صرف ایک معیار ہے یعنی ایمان وعمل صالح جس قوم کو اپنے مقرب الٰہی یا کامیاب ہونے کا دعویٰ ہو وہ اسی کسوٹی پر اپنے کو کس کر دیکھ لے۔ اگر اس میں کھری اترے تو بے خوف وخطر مفلح اور کامیاب ہے ورنہ ہر وقت اپنے خدا کے غضب وقہر کے نیچے سمجھے۔ پچھلی آیات میں خاص اہل کتاب کو تبلیغ تھی اس آیت میں تمام اقوام وملل کے سامنے بلا رورعایت ایسا عجیب وغریب معقول اور منصفانہ قانون پیش کیا گیا ہے جس کے بعد کسی سلیم الفطرت انسان کو اسلام کی صداقت اور ہمہ گیری میں شبہ نہیں رہ سکتا۔ ایک شخص جب تک خدا (یعنی اس کے وجود، وحدانیت، صفات کمالیہ، نشانہائے قدرت، تمام احکام وقوانین کل نائبین وسفراء) پر اور روز جزاء پر ایمان نہ لائے اور نیکی اختیار نہ کرے، کیا عقل سلیم قبول کرسکتی ہے کہ وہ نعیم دائم، رضائے حق اور سرور ابدی سے ہمکنار ہو سکے گا۔ "ایمان باللہ" کے تحت میں یہ سب چیزیں داخل ہیں۔ فرض کرو ایک شخص روشن دلائل نبوت کی موجودگی میں کسی پیغمبر کی توہین کرتا ہے (اور اس کو دعویٰ نبوت میں جھوٹا کہنا یہی اس کی توہین ہے) تو کیا کسی حکومت کے سفیر کی توہین اور اس کے صاف وصریح اسناد سفارت کی تکذیب اس حکومت کی توہین وتکذیب نہیں؟ اسی طرح سمجھ لو کہ جو شخص کسی ایک سچے پیغمبر کی تکذیب کرتا ہے اور اس کو قبول نہیں کرتا وہ فی الحقیقت خدا کے ان صاف وصریح نشانات ودلائل کو جھٹلا رہا ہے جو اس نے تصدیق نبوت کے لئے اتارے تھے۔ ﴿فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾ کیا اللہ کی آیات اور صریح وعلانیہ نشانات کو جھٹلانے کے بعد بھی "ایمان باللہ" کا دعویٰ رہ سکے گا۔ قرآن کریم نے جن تفصیلات کی طرف "ایمان باللہ وعمل صالح" کے اجمالی عنوان سے یہاں اشارہ فرمایا ہے۔ دوسرے مواضع میں وہ شرح وبسط سے مذکور ہیں۔ میرے نزدیک زیادہ صحیح اور قوی قول یہ ہے کہ صابئین عراق میں ایک فرقہ تھا جن کے مذہبی اصول عموماً حکمائے اشراقیین اور فلاسفہ طبیعیین کے اصول سے ماخوذ تھے۔ یہ لوگ روحانیات کے متعلق نہایت غلو رکھتے بلکہ ان کی پرستش کرتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ ارواح مجردہ اور مدبرات فلکیہ وغیرہ کی استعانت واستمداد سے ہی ہم رب الارباب (یعنی بڑے معبود) تک پہنچ سکتے ہیں لہٰذا ریاضت شاقہ اور کسر شہوات سے روح میں تجرد اور صفائی پیدا کر کے عالم روحانیات کے ساتھ ہم کو اپنا رشتہ پیدا کرنا چاہیے پھر ان کی خوشنودی اور دستگیری سے خدا تک پہنچ سکتے ہیں۔ اتباع انبیاء کی ضرورت نہیں۔ کواکب کی ارواح مدبرہ اور اسی طرح دوسری روحانیات کو اپنے سے خوش رکھنے کے لئے ہیاکل بناتے تھے اور انہی ارواح کے لئے نماز، روزہ اور قربانی وغیرہ کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ حنفاء کے مقابلہ میں صابئین کی جماعت تھی۔ جن کا سب سے بڑا حملہ نبوت اور اس کے لوازم وخواص پر ہوتا تھا۔ حضرت ابراہیم حنیف علیہ السلام کی بعثت کے وقت نمرود کی قوم صابی العقیدہ تھی جس کے رد وابطال میں خدا کے خلیل نے جانبازی دکھلائی۔

طرف سے تیری جانب اتارا گیا ہے وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو پہلے سے اور زیادہ کر دیتا ہے پس آپ ان معاندین اور منکرین کے ایمان نہ لانے پر کچھ افسوس نہ کیجئے کیونکہ ان کے کفر کا ضرر انہی پر ہے آپ ﷺ ان کے کفر وعناد سے تنگ دل ہو کر فرائض کوئی کمی نہ کیجئے۔

قانون نجات

چونکہ یہود اور نصاریٰ کو یہ خیال تھا کہ ہم لوگوں کے سوا اور کوئی نجات نہ پائے گا اس لیے اللہ ان کے اس خیال باطل کو رد فرماتے ہیں اور نجات اخروی کا ایک عام قانون جو اہل کتاب اور تمام اقوام عالم کو حاوی اور شامل ہے وہ بتلاتے ہیں وہ قانون نجات یہ ہے کہ جو شخص صحیح طور پر خدا تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان لائے اور نیک کام کرے نجات اخروی اس کو نصیب ہو جائے گی اور یہ قانون نہایت معقول اور منصفانہ ہے دنیا میں نجات کا یہی طریقہ ہے کہ حکومت کو مانو اور حلف وفاداری اٹھاؤ اور قانون کے مطابق عمل کرو اور اس معقول قانون سے نصاریٰ کا کفارہ مزعومہ خود بخود باطل ہو جائے گا بجائے مجرم کے بادشاہ کے اکلوتے بیٹے کو صلیب پر چڑھا دینے سے نجات کا عقیدہ رکھنا ایک احمقانہ اور مجنونانہ خیال ہے چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق نجات اخروی کا قانون ہمارے یہاں یہ ہے کہ جو لوگ ظاہری [1] طور پر مسلمان کہلاتے ہیں اور ایمان کے مدعی ہیں جیسے منافقین اور جو یہودی ہیں اور جو لوگ صابی ہیں یعنی ستارہ [2] پرست ہیں اور جو لوگ نصرانی ہیں یا اور کوئی مذہب رکھتا ہو ان میں سے کسی کے ایمان کا اعتبار نہیں صرف وہ لوگ دعوائے ایمان میں صادق ہیں جو قواعد شریعت کے مطابق اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں پس ایسے لوگوں کے ایمان کا اعتبار ہے ایسے ہی لوگوں کو اخروی نجات نصیب ہوگی اور آخرت میں ان پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ غم ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ نجات اخروی اور حقیقی فلاح اور دائمی کامیابی کا معیار ایمان اور عمل صالح ہے پس جو قوم اپنے مقرب الٰہی یا کامیاب ہونے کا دعویٰ کرے اس کو اس کسوٹی پر کس کر دیکھا جائے گا لہٰذا جب تک کوئی خداوند قدوس کے وجود باجود اور اس کی وحدانیت اور اس کے صفات کمال اور اس کے احکام اور قوانین اور اس کے سفراء ونائبین یعنی انبیاء ومرسلین پر اور روز جزاء پر ایمان نہ لائے اور اس کے حکم کے مطابق نیک کام نہ کرے اس وقت تک نعیم مقیم اور رضاء خداوندی اور فلاح ابدی سے ہم کنار ہونا ناممکن اور محال ہے اور یہ تمام چیزیں ایمان باللہ کے تحت داخل ہیں فرض کرو کہ ایک روشن خیال بادشاہ کو تو مانتا ہے مگر حکومت کے وزراء اور سفراء کی تکذیب اور توہین کرتا ہے تو کیا یہ حکومت کی تکذیب اور توہین نہیں اسی طرح سمجھ لو کہ جو شخص کسی نبی برحق کی تکذیب اور توہین کرتا ہے تو وہ درحقیقت خداوند احکم الحاکمین کی تکذیب وتوہین کرتا ہے جس نے اس نبی کو اپنا خلیفہ اور سفیر اور نائب مقرر کر کے بھیجا ہے کما قال تعالیٰ: ﴿فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ﴾ (سورۃ انعام رکوع ۴) یا فرض کرو کہ کوئی شخص سابق اور قدیم دستور اور آئین کو تو مانتا ہے اور اس کو قابل عمل سمجھتا ہے مگر حکومت کی طرف سے جو فی الوقت قانون اور دستور جاری

[1] کما روی عن الثوری ان المراد بالذین امنوا هم الذین امنوا بالسنتهم وهم المنافقون ووه الذی اختاره الزجاج (روح المعانی: ۶/۱۷۹)

[2] کمافی فتح الرحمٰن للشاہ ولی اللہ الدہلوی۔

کیا گیا اس کو نہیں مانتا اور نہ اسے قابل عمل سمجھتا ہے تو ایسا شخص بلاشبہ حکومت کی نظر میں باغی اور مجرم ہے اور اسی طرح منسوخ شریعت پر ایمان لانا اور اسی کو قابل عمل سمجھنا اخروی نجات کے لیے کافی نہیں حکم ناسخ کے بعد حکم منسوخ پر عمل کرنا صریح جہالت اور حماقت ہے خصوصاً جب کہ توریت اور انجیل میں نبی آخر الزمان ﷺ کی بشارت اور اس پر ایمان لانے کی تاکید اکید مذکور ہے تو یہ کہنا کہ توریت وانجیل پر قائم ہیں بالکل غلط ہے اس لیے کہ توریت اور انجیل پر ایمان لانے میں نبی آخر الزمان پر بھی ایمان لانا داخل ہے۔

اور اس آیت کی پوری تفسیر سورۃ بقرہ میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

فائدہ:...... صابئین کے بارہ میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں یہ ستارہ پرستوں کا گروہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ صابئین سے بے دین لوگ مراد ہیں اور محققین کا قول یہ ہے کہ صابئین ایک فرقہ ہے جو روحانیت کا قائل ہے اور کواکب اور نجوم کی ارواح کو مدبر عالم مانتا ہے اور انبیاء کرام اور نبوت کا بالکل منکر ہے صابئین کے مقابلہ میں حنفاء کی جماعت ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے ان کی بعثت کے وقت نمرود کی قوم صابی العقیدہ تھی جن کا ابراہیم علیہ السلام نے رد فرمایا۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا

ہم نے لیا تھا پختہ قول بنی اسرائیل سے فـ۱ اور بھیجے ان کی طرف رسول جب لایا ان کے پاس کوئی رسول وہ حکم جو

ہم نے لیا تھا قول بنی اسرائیل سے، اور بھیجے ان کی طرف رسول۔ جب آیا ان پاس کوئی رسول، جو

لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ

خوش نہ آیا ان کے جی کو تو بہتوں کو جھٹلایا اور بہتوں کو قتل کر ڈالتے تھے فـ۲ اور خیال کیا کہ کچھ خرابی نہ ہوگی

نہ خوش آیا ان کے جی کو، کتنوں کو جھٹلایا اور کتنوں کا خون کرنے لگے۔ اور خیال کیا کہ کچھ خرابی نہ ہوگی،

فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا

سو اندھے ہوگئے اور بہرے پھر توبہ قبول کی اللہ نے ان کی پھر اندھے اور بہرے ہوئے ان میں سے بہت فـ۳ اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ

سو اندھے ہوگئے اور بہرے، پھر اللہ متوجہ ہوا ان پر، پھر اندھے اور بہرے ہوئے ان میں بہت۔ اور اللہ دیکھتا ہے جو

فـ۱ گزشتہ آیت میں جو معیار قبول عند اللہ کا بیان ہوا تھا یعنی ایمان اور عمل صالح یہاں یہ دکھلانا ہے کہ یہود اس معیار پر کہاں تک پورے اترتے ہیں۔

فـ۲ غلام کی وفاداری کا امتحان اس میں ہے کہ جس بات کو دل نہ چاہے آقا کے حکم سے کر گزرے، اور اپنی رائے اور خواہش کو آقا کی مرضی کے تابع بنادے۔ ورنہ صرف ان چیزوں کا مان لینا جو مرضی اور خواہش کے موافق ہوں یہ کونسا کمال ہے۔

فـ۳ یعنی پختہ عہد و پیمان توڑ کر خدا سے غداری کی اس کے سفراء میں سے کسی کو قتل کیا یہ تو ان کے "ایمان باللہ و عمل صالح" کا حال تھا "ایمان بالیوم الآخر" کا اندازہ اس سے کرلو کہ اس قدر شدید مظالم اور باغیانہ جرائم کا ارتکاب کر کے بالکل بے فکر ہو بیٹھے گویا ان حرکات کا کوئی خمیازہ بھگتنا نہیں پڑے گا۔ اور ظلم و بغاوت کے خراب نتائج کبھی سامنے نہ آئیں گے۔ یہ خیال کر کے خدائی نشانات اور خدائی کلام کی طرف سے بالکل ہی اندھے اور بہرے ہوگئے اور جو نا کردنی کام تھے وہ کئے حتیٰ کہ بعض انبیاء کو قتل اور بعض کو قید کیا آخر خدا تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلط فرمایا پھر ایک مدت دراز کے بعد بعض ملوک فارس نے بخت نصر کی قید ذلت و رسوائی سے چھڑا کر بابل سے بیت المقدس کو واپس کیا۔ اس وقت لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح حال کی طرف متوجہ ہوئے۔ خدا نے توبہ قبول کی لیکن کچھ زمانے کے بعد پھر وہی شرارتیں سوجھیں اور بالکل اندھے بہرے ہو کر حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے قتل کی جرأت کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل پر تیار ہوگئے۔

يَعۡمَلُوۡنَ ۝

وہ کرتے ہیں ف۱

کرتے ہیں۔

رجوع بسوئے ذکر یہود

قَالَ تَعَالٰی: ﴿لَقَدۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ... الی... وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ﴾

اوپر سے اہل کتاب کے قبائح کا ذکر چلا آ رہا تھا اب پھر اس کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق عہد لیا ہم نے اولاد یعقوب سے کہ توحید پر قائم رہنا اور اگر نبی آخر الزمان ﷺ کا زمانہ پاؤ تو ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اور اس عہد کے یاد دلانے کے لیے ہم نے ان کی طرف بہت سے پیغمبر بھیجے لیکن عناد اور سرکشی سے ان کا یہ حال ہوا کہ جب بھی کوئی رسول ان کے پاس کوئی ایسا حکم لے کر آیا جس کو ان کا نفس امارہ پسند نہیں کرتا تھا تو ان لوگوں نے ان میں سے کچھ پیغمبروں کی تو تکذیب کی اور کچھ پیغمبروں کو قتل کرنے لگے اور یہ گمان کر بیٹھے کہ ہمیں اس پر کوئی سزا نہ ملے گی اور خدا تعالیٰ کے حلم سے یہ گمان کر لیا کہ پیغمبروں کے قتل کرنے یا جھٹلانے پر ہم کو کوئی سزا نہ ملے گی اور نہ کوئی بلا اور مصیبت ہم پر آئے گی اور خدا تعالیٰ کے عذاب سے نڈر اور اپنے جرائم کے انجام سے بے فکر ہو کر بیٹھ گئے پس شدت جہالت اور قساوت قلبی کی وجہ سے حق کے دیکھنے اور سننے سے اندھے اور بہرے ہو گئے اور جو نا کردنی کام تھے وہ کیے کسی نبی کو قتل کیا اور کسی کو قید کیا اللہ نے ان پر بخت نصر کو مسلط کیا جس نے ان کو خوب ذلیل اور رسوا کیا پھر ایک مدت دراز کے بعد جب یہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز آئے اور تائب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور ان کی توبہ قبول کی اور شاہان فارس میں سے کسی عظیم بادشاہ کو ان کی دست گیری اور رستگاری کے لیے کھڑا کیا جس نے ان کو بخت نصری کی ذلت اور خواری اور قید اور گرفتاری سے چھڑا کر بابل سے بیت المقدس کی طرف واپس کیا پھر کچھ زمانہ بعد وہی شرارتیں سوجھیں اور پرانی قساوت قلبی عود کر آئی پھر حسب سابق ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے کہ حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا مگر اس ارادہ میں اللہ کی قدرت سے وہ ناکام رہے اور اب نبی آخر الزمان ﷺ کے قتل کی فکر میں ہیں اور یہ لوگ اگرچہ خدا کے قہر اور غضب سے اندھے ہو گئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو برابر دیکھ رہا ہے چنانچہ امت محمدیہ کے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوا رہا ہے۔

فائدہ:...... قفال مروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس دو مرتبہ فتنہ اور ابتلاء کا ذکر ہے وہ ایک نہایت اجمالی اشارہ ہے جس کی تفصیل سورۃ اسراء کی اس آیت ﴿وَقَضَيۡنَاۤ اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ فِی الۡکِتٰبِ لَتُفۡسِدُنَّ فِی الۡاَرۡضِ مَرَّتَیۡنِ وَلَتَعۡلُنَّ عُلُوًّا کَبِیۡرًا﴾ میں مذکور ہے۔ (تفسیر کبیر: ۳/ ۷۴۴)

ف۱ یعنی وہ اگرچہ خدا کے غضب و قہر کی طرف سے اندھے ہو گئے ہیں لیکن خدا ان کی تمام حرکات کو برابر دیکھتا رہا ہے۔ چنانچہ ان حرکات کی سزا اب امت محمدیہ کے ہاتھوں سے دلوا رہا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ

بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا اور مسیح نے کہا ہے کہ اے بنی

بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا، اللہ وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا۔ اور مسیح نے کہا، اے بنی

اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ

اسرائیل بندگی کرو اللہ کی جو رب ہے میرا اور تمہارا بیشک جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا سو حرام کی اللہ نے اس پر جنت

اسرائیل ! بندگی کرو اللہ کی، جو رب ہے میرا اور تمہارا، مقرر جس نے شریک کیا اللہ کا، سو حرام کی اللہ نے اس پر جنت،

وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾

اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کوئی نہیں گناہ گاروں کی مدد کرنے والا ف ۱

اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ کوئی نہیں گنہگاروں کی مدد کرنے والا۔

رجوع بذکر نصاریٰ وابطال عقیدہ الوہیت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ تَعَالٰی: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ... الی ... وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾

ربط: ...... یہاں تک زیادہ تر یہود کی قباحتوں اور شرارتوں کا بیان تھا انبیاء کا قتل وغیرہ انہیں سے سرزد ہوا تھا اب نصاریٰ کے عقائد فاسدہ کا بطلان ظاہر فرماتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کے ایمان باللہ کا کیا حال ہے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ ان کا دین ہیچ ہے اور وہ کسی چیز پر نہیں جیسا کہ ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ﴾ میں بتلایا گیا اس جگہ نصاریٰ کے دو فرقوں کے عقائد بطلان بیان فرماتے ہیں نزول قرآن کے وقت نصاریٰ میں ایک فرقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کو خدا کہتا تھا ان کا اعتقاد یہ تھا کہ خدا تعالیٰ دنیا کے گناہ معاف کرنے کے لیے حضرت مریم علیہا السلام کے پیٹ سے مجسم ہو کر بشکل مسیح دنیا میں ظاہر ہوا ان کا قول یہ تھا کہ اللہ یہی مسیح کی صورت میں آیا جیسا کہ ہندوں کا اپنے اوتاروں کی نسبت بھی اعتقاد ہے کہ ایشر یعنی خدا تعالیٰ شیر اور انسانوں کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے چونکہ یہ اعتقاد بالکل لغو تھا اس لیے حق تعالیٰ نے اس قول کے ابطال کے دلائل بیان نہیں فرمائے بلکہ صرف حضرت مسیح علیہ السلام کے قول کے نقل پر اکتفاء کیا کما قال تعالیٰ: ﴿وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ﴾ کہ وہ توحید کے داعی تھے اور شرک سے منع کرتے تھے اور ڈراتے تھے اور نصاریٰ کا یہ عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام کی صریح تعلیم اور صریح ہدایت اور نصیحت کے خلاف ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول جو قرآن میں ذکر کیا گیا،

ف ۱ یہاں سے نصاریٰ کے ایمان باللہ کی کیفیت دکھلائی گئی ہے کہ وہ کہاں تک حقانیت کے اس معیار پر پورے اترے۔ ان کے ایمان باللہ کا حال یہ ہے کہ عقل کے خلاف، فطرت سلیمہ کے خلاف اور خود حضرت مسیح کی تصریحات کے خلاف مسیح ابن مریم کو خدا بنا دیا۔ "ایک تین اور تین ایک" کی بھول بھلیاں تو محض نام کے نام ہیں حقیقۃً سارا زور وقت صرف حضرت مسیح کی الوہیت ثابت کرنے پر صرف کیا جاتا ہے۔ حالانکہ خود حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے رب ہونے اور دوسرے آدمیوں کی طرح اپنے مربوب ہونے کا علانیہ اعتراف فرما رہے ہیں۔ اور جس شرک میں ان کی امت مبتلا ہونے والی تھی اس کی برائی کس زور و شور سے بیان کر رہے ہیں۔ پھر بھی ان اندھوں کی عبرت نہیں ہوتی۔

اناجیل مروجہ میں موجود ہے اور نصاریٰ کا دوسرا فرقہ تثلیث کا قائل تھا اور یہ کہتا تھا کہ خدا تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس ان تینوں میں خدائی دائر ہے یعنی ان میں ہر ایک خدا ہے اور تینوں کا مجموعہ ایک خدا ہے گویا کہ خدا تعالیٰ نصاریٰ کے نزدیک بارگاہ الوہیت کا ایک فرد اور ایک ممبر ہے اس گروہ کا یہ عقیدہ تھا کہ خدائی تین حصوں میں منقسم ہوگئی ایک اللہ رہا ایک روح القدس اور ایک مسیح یہ دونوں عقیدہ صریح کفر ہیں۔

عیسائیوں میں ایک تیسرا گروہ بھی تھا جو تثلیث کا تو قائل تھا مگر بجائے روح القدس حضرت مریم علیہا السلام کو خدا مانتا تھا یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ ان کی والدہ مریم علیہا السلام کی بھی عبادت کرتا تھا اور ان سے اپنی حاجات طلب کرتا تھا خدا تعالیٰ نے رمایا کہ یہ سب کفر ہے پہلا قول بھی کفر اور دوسرا قول بھی کفر ہے حق جل شانہ نے ان آیات میں نصاریٰ کے دونوں فرقے کے عقائد کا ابطال فرمایا جو اتحاد کے قائل تھے اور جو تثلیث کے قائل تھے اور پہلے دلیل الزامی پیش کی کہ تمہارا یہ قول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول اور ہدایت کے صریح خلاف ہے اور اس کے بعد ﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ﴾ الخ سے دلیل تحقیقی بیان فرمائی اور اس عقیدہ فاسدہ کے ابطال پر عقلی اور نقلی دلائل بیان فرمائے چنانچہ فرماتے ہیں بے شک کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا کہ خدا بعینہ یہی مسیح ہے جو مریم کا بیٹا ہے اور مجسم ہو کر بشکل مسیح دنیا میں آیا ہے یہ عقیدہ فرقہ یعقوبیہ اور ملکانیہ کا تھا جو نصاریٰ کے دو فرقے تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ مریم علیہا السلام نے اللہ کو جنا ہے اور اللہ تعالیٰ ذات عیسیٰ میں حلول کر گیا ہے اور اس کے ساتھ متحد ہو گیا ہے حالانکہ یہ بات بالکل مہمل اور سراسر خلاف عقل ہے اور اس لیے کہ قدیم اور ازلی کا حادث کے ساتھ اتحاد اور امتزاج عقلاً محال ہے بداہت [1] عقل سے یہ امر ثابت ہے کہ دو مختلف حقیقتوں کا آپس میں متحد ہو جانا قطعاً ناممکن ہے جس طرح حرکت اور سکون اور نور اور ظلمت اور وجود اور عدم کا اتحاد عقلاً ناممکن ہے اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر واجب اور ممکن اور حادث اور قدیم کا اتحاد اور امتزاج ناممکن اور محال ہے اور اگر بالفرض والتقدیر حادث اور قدیم کا اتحاد ممکن ہے تو پھر محال اور واجب کا اور ممکن اور ممتنع کا اتحاد بھی عقلاً ممکن ہونا چاہیے جس کا سوائے مجنون اور دیوانہ کے کوئی قائل نہیں ہو سکتا معلوم ہوا کہ حقیقت خداوندی اور حقیقت انسانی کامل کر ایک ہو جانا محال ہے اور اگر عقلاء نصرانیت یہ دعویٰ کریں کہ یہ محال نہیں بلکہ ممکن ہے تو پھر نصاریٰ یہ بتلائیں کہ خدا تعالیٰ کا جسم فرعون اور جسم نمرود کے ساتھ اور رام چندر اور کرشن کے ساتھ متحد ہو جانا کس دلیل سے محال ہے نصاریٰ کے نزدیک جب ایک جسم بشری میں خدا تعالیٰ کا حلول اور نزول جائز ہے تو نمرود اور فرعون اور کرشن اور رام چندر کے جسم میں خدا تعالیٰ کا حلول اور نزول کس دلیل سے محال ہے نصاریٰ اس کا جواب دیں گے؟ اور اگر بالفرض نصاریٰ کے نزدیک مریم علیہا السلام کے بیٹے کا خدا ہونا ممکن ہے تو کوسلیا کے بیٹے یعنی رام چندر کا اور نوکی کے بیٹے یعنی کہنیا کا خدا ہونا کیوں ناممکن ہے اور بشن اور مہادیو اور برہما جن کو ہندو لوگ اسی طرح خدا مانتے ہیں جس طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں نصاریٰ بتلائیں کہ یہ کیوں خدا نہیں ہو سکتے۔

حق جل شانہ نے اس فرقہ کی جو خدا تعالیٰ اور مسیح بن مریم علیہ السلام کو ایک بتاتے تھے تکذیب اور یہ فرمایا کہ ان کا یہ قول کہ خدا تعالیٰ بعینہ مسیح بن مریم علیہ السلام ہے صریح کفر ہے اور فرمایا کہ تعجب ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح بن مریم علیہ السلام ہے

[1] دیکھو الاجوبۃ الفاخرہ، ص: ۱۵۵ سوال ثامن عشر۔

حالانکہ مسیح بن مریم علیہ السلام نے خود بتاکید اکید یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے جس میں صراحۃً اپنے بندہ اور مربوب ہونے کا اقرار اور اعتراف ہے تم ان کو خدا کیسے کہتے ہو پہلا کلمہ جو گہوارہ میں ان کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا ﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ الخ تحقیق بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں اللہ نے مجھ کو کتاب اور حکمت دی اور مجھ کو نبی بنایا اور حضرت مسیح نے یہ کہا کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ جیسا کہ آل عمران میں گزرا۔

چنانچہ انجیل مرقس باب ۱۲ درس ۲۸-۲۹ میں ہے کہ جب مسیح سے یہ پوچھا گیا کہ سب حکموں میں سب سے اول کون سا ہے تو یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ کہ اے اسرائیل سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند اپنے خدا سے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساعی عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔ اھ

حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول حق تعالیٰ نے نصاری پر بطور حجت پیش کیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ دراصل مسیح بن مریم علیہ السلام کے معتقد نہیں کیونکہ مسیح تو لوگوں کو خدا کی عبادت کی طرف بلایا کرتے تھے اور خود بھی عبادت اور بندگی کیا کرتے تھے اور اس سے دعا مانگا کرتے تھے اور تمام انجیلوں سے یہ ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدائے واحد کے عبادت گزار بندے تھے عابد تھے معبود نہ تھے ساجد تھے مسجود نہ تھے حادث اور مولود تھے قدیم اور غیر مخلوق نہ تھے مصیبت کے وقت خدا کو پکارتے تھے خدا نہ تھے معاذ اللہ کیا خدا بھی کسی سے فریاد کرسکتا ہے اور مصیبت کے وقت اس کو پکارتا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام فقط خدائے وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی طرف دعوت دینے پر اکتفاء نہ کرتے تھے بلکہ شرک کرنے والوں کو خدا کے بے پناہ عذاب سے ڈراتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ تحقیق جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک گردانے سو اس پر اللہ نے جنت کو حرام کردیا ہے وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہوسکے گا مطلب یہی کہ مشرک کی کبھی بخشش نہ ہوگی ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ وغیر ذلك من الآیات۔

اور آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مشرک کا ٹھکانہ آگ ہے اور ایسے ظالموں کا جو خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک گردانیں کوئی یار و مددگار نہیں جو ان کی مدد کرے اور ان سے عذاب کو دور کرے۔

فائدہ:...... آیت ﴿مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ﴾ الخ میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کا تتمہ ہے اور مثل ﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ﴾ کے یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا قول ہے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ابن کثیر رحمہ اللہ نے اختیار کیا اور اس کے مطابق ہم نے تفسیر کی اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ﴾ الخ عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو پہلے کلام کی تصدیق کے لیے لایا گیا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ

بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ ہے تین میں کا ایک ف۱ حالانکہ کوئی معبود نہیں بجز ایک معبود کے اور اگر نہ

بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا، اللہ ہے تین میں کا ایک، اور بندگی کسی کو نہیں مگر ایک معبود کو۔ اور اگر نہ

ف۱ یعنی حضرت مسیح، روح القدس اور اللہ یا مسیح، مریم اور اللہ تینوں خدا ہیں (العیاذ باللہ) ان میں ہر ایک کا حصہ دار اللہ ہوا پھر وہ تینوں ایک اور وہ ایک تین =

يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى

باز آویں گے اس بات سے کہ کہتے ہیں تو بیشک پہنچے گا ان میں سے کفر پر قائم رہنے والوں کو عذاب دردناک کیوں نہیں توبہ کرتے

چھوڑیں گے جو بات کہتے ہیں، البتہ جو ان میں منکر ہیں پائیں گے دکھ کی مار۔ کیوں نہیں توبہ کرتے

اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ

اللہ کے آگے اور گناہ بخشواتے اس سے اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان ف۱ نہیں ہے مسیح مریم کا بیٹا مگر رسول گزر چکے اس سے

اللہ پاس اور گناہ بخشواتے اور اللہ بخشنے والا مہربان۔ اور کچھ نہیں مسیح مریم کا بیٹا مگر رسول ہے۔

خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ

پہلے بہت رسول ف۲ اور اس کی ماں ولی ہے ف۳ دونوں کھاتے تھے کھانا دیکھ ہم کیسے بتلاتے ہیں

گزر چکے اس سے پہلے بہت رسول۔ اور اس کی ماں ولی ہے۔ دونوں کھاتے تھے کھانا، دیکھ ہم کیسے بتاتے ہیں

لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ

ان کو دلیلیں پھر دیکھ وہ کہاں الٹے جا رہے ہیں ف۴ تو کہہ دے کیا تم ایسی چیز کی بندگی کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر جو مالک نہیں تمہارے

ان کو نشانیاں، پھر دیکھ کہاں الٹے جاتے ہیں۔ تو کہہ، تم ایسی چیز پوجتے ہو اللہ چھوڑ کر جو مالک نہیں تمہارے

ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾

برے کی اور نہ بھلے کی اور اللہ وہی ہے سننے والا جاننے والا ف۵

برے کی، نہ بھلے کی۔ اور اللہ وہی ہے سنتا جانتا۔

= ہیں۔ عیسائیوں کا عام عقیدہ یہی ہے اور اس خلاف عقل اور بداہت عقیدہ کو عجب گول مول اور پیچدار عبارتوں سے ادا کرتے ہیں اور جب کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تو اس کو ایک ماوراء العقل حقیقت قرار دیتے ہیں سچ ہے لن یصلح العطار ما افسده الدهر۔

ف۱ یہ اسی غفور رحیم کی شان ہے کہ ایسے ایسے باغی اور گستاخ مجرم بھی جب شرمندہ ہو کر اور اصلاح کا عزم کر کے حاضر ہوں تو ایک منٹ میں عمر بھر کے جرائم معاف فرما دیتا ہے۔

ف۲ یعنی اسی مقدس و معصوم جماعت کے یہ بھی ایک فرد ہیں، نہیں خدا بنا لینا تمہاری سفاہت ہے۔

ف۳ جمہور امت کی تحقیق یہی ہے کہ خواتین میں نبوت نہیں آئی یہ منصب رجال ہی کے لئے مخصوص رہا ہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾ حضرت مریم بتول بھی ایک ولی بی بی تھیں۔ نبی نہیں۔

ف۴ غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو شخص کھانے پینے کا محتاج ہے وہ تقریباً دنیا کی ہر چیز کا محتاج ہے۔ زمین، ہوا، پانی، سورج، حیوانات حتی کہ مکھی اور کھاد سے بھی اسے استغنا نہیں ہو سکتا۔ غلہ کے پیٹ میں پہنچنے اور ہضم ہونے تک خیال کرو بالواسطہ یا بلاواسطہ کتنی چیزوں کی ضرورت ہے۔ پھر کھانے سے جو اثرات و نتائج پیدا ہوں گے ان کا سلسلہ کہاں تک جاتا ہے۔ احتیاج و افتقار کے اس طویل الذیل سلسلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم الوہیت مسیح و مریم کے ابطال کو مجمل استدلال یوں بیان کر سکتے ہیں کہ مسیح و مریم اکل و شرب کی ضروریات سے مستغنی نہ تھے جو مشاہدہ اور تواتر سے ثابت ہے اور جو اکل و شرب سے مستغنی نہ ہو وہ دنیا کی کسی چیز سے مستغنی نہیں ہو سکتا پھر تم ہی کہو کہ جو ذات تمام انسانوں کی طرح اپنی بقاء میں عالم اسباب سے مستغنی نہ ہو، خدا کیونکر بن سکتی ہے یہ ایسی قوی اور واضح دلیل ہے جسے عالم و جاہل یکساں طور پر سمجھ سکتے ہیں یعنی کھانا پینا الوہیت کے منافی ہے اگرچہ نہ کھانا الوہیت کی دلیل نہیں ورنہ سارے فرشتے خدا بن جائیں۔ معاذ اللہ۔

ف۵ یعنی جب مسیح کو خدا کہا تو لازم ہے کہ معبود بھی کہو مگر معبود بننا صرف اسی ذات کے ساتھ مختص ہے جو ہر قسم کی نفع و ضرر کا مالک اور پورا پورا اختیار رکھتا ہو کیونکہ عبادت =

ابطال عقیدہ تثلیث

قال تعالیٰ: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ... الی... وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

گزشتہ آیات میں نصاریٰ کے اس فرقہ کا رد تھا جو یہ کہتا تھا کہ اللہ یہی تھا جو مسیح کی صورت میں آیا یہ فرقہ ملکانیہ اور یعقوبیہ کا قول تھا جیسا کہ پہلے گزرا اب آئندہ آیات میں نصاریٰ کے ان فرقوں کا رد ہے جو تثلیث کے قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ خدا تین حصہ ہو گیا اور ایک اللہ رہا اور ایک مسیح اور ایک روح القدس اور بعضے نصاریٰ بجائے روح القدس کے حضرت مریم علیہا السلام کو تثلیث میں شامل کرتے ہیں اور مسیح علیہ السلام کے ساتھ ان کی والدہ مریم علیہا السلام کی عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ پہلے قول کی طرح یہ تثلیث کا قول بھی صریح کفر ہے چنانچہ فرماتے ہیں البتہ جس طرح عقیدہ اتحاد اور حلول کفر ہے اسی طرح عقیدہ تثلیث بھی کفر ہے پس بلاشبہ وہ لوگ بھی کافر ہوئے جنہوں نے یہ کہا خدا تین معبودوں کا تیسرا معبود ہے یعنی خدا تین ہیں باپ بیٹا، روح القدس اور ہر ایک دوسرے کا عین ہے یہ قول نصاریٰ کے دو فرقوں مرقوسیہ اور نسطوریہ کا تھا اور زمانہ حال کے اکثر نصاریٰ کا یہی عقیدہ ہے اور بعض نصاریٰ تثلیث کے تو قائل تھے مگر بجائے روح القدس کے حضرت مریم علیہا السلام کو تثلیث میں داخل کرتے تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ اور عیسیٰ اور مریم علیہم السلام تین معبود ہیں اور الوہیت ان تینوں کے درمیان مشترک ہے جیسا کہ اس سورت کے اخیر کے حق تعالیٰ کا حضرت مسیح سے یہ سوال ﴿ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ﴾ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس آیت میں یعنی ﴿إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ﴾ میں اصل مقصود ان قائلین تثلیث کا رد کرنا ہے جو خدا تعالیٰ کے سوا حضرت مسیح اور حضرت مریم کو خدا مانتے تھے جیسا کہ سدی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ آیت نصاریٰ کے اس گروہ کے رد میں نازل ہوئی ہے جو خدا کے ساتھ مسیح اور ان کی والدہ مریم کو خدا ٹھہراتے تھے اور سیاق و سباق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ آئندہ آیت ﴿وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ﴾ میں حضرت مریم کا خاص طور پر ذکر فرمایا اور پھر ﴿كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ﴾ میں حضرت مسیح اور مریم علیہما السلام دونوں کو ملا کر ان کی الوہیت کا ابطال فرمایا غرض یہ کہ تثلیث جس قسم کی بھی ہو بہر حال سراسر شرک ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے تثلیث کو کفر قرار دیا اور فرمایا کہ بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے حالانکہ نہیں ہے کوئی معبود مگر ایک ہی ذات کیونکہ خدا وہ ہے کہ جو خود بخود ہو اور تمام کائنات کا مبداء ہو اور منتہا ہو اور مبدأ کل اور منتہائے کل واحدنیت ہی کے ساتھ موصوف ہو سکتا ہے اس میں شرکت کی گنجائش نہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ شان نہیں تمام ملتوں اور شریعتوں کا اس پر اتفاق ہے کہ خداوند معبود وہ ہے کہ جو واجب الوجود ہو اور واہب الوجود ہو واجب الوجود کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی ذات سے خود بخود موجود ہو اور واہب الوجود کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے ماسوا کو وجود دے اور قیود سے پاک اور منزہ ہو اور یہ مضمون قرآن کریم کی بے شمار آیتوں سے ثابت ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ کوئی انسان اور بشر اور کوئی حیوان اور جانور اور کوئی شجر اور حجر کوئی شئی بھی مبدأ کل نہیں بن سکتی اس لیے کہ ہر چیز ایک خاص اور معین حد رکھتی ہے کہ اس سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی ہر ایک متناہی اور محدود ہے اور مقید بقیود ہے پس ثابت ہوا کہ ان میں سے کوئی چیز

= انتہائی تذلل کا نام ہے اور انتہائی تذلل اسی کے سامنے اختیار کر سکتے ہیں جو انتہائی عزت اور غلبہ رکھنے والا اور آن سب کی سننے والا اور سب کے احوال کا پوری طرح جاننے والا ہو اس میں تثلیث کے عقیدہ شرکیہ کے ساتھ تمام مشرکین کا رد ہو گیا۔

خدا نہیں ہوسکتی لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی خدا اور معبود نہیں ہوسکتے اس لیے وہ حادث تھے اور محدود اور متناہی وجود اور تشخص رکھتے تھے اور مبدأ کل نہ تھے اور اگر یہ دونوں گروہ اپنے اپنے اقوال کفریہ سے باز نہ آئے اور عقیدہ حلول واتحاد اور عقیدہ تثلیث سے تائب ہوکر توحید کے قائل نہ ہوئے تو خوب سمجھ لو کہ جو لوگ ان میں سے اپنے کفر پر قائم ہیں یعنی عقیدہ حلول و اتحاد یا عقیدہ تثلیث پر قائم ہیں ان کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا آیا نصاریٰ اپنے اس کفر وشرک سے اللہ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں مانگتے یعنی ان کو چاہیے کہ اپنے اقوال کفریہ سے توبہ کریں اور اس سے اپنے گناہ بخشوائیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے وہ توبہ سے بڑے سے بڑے گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔

دلائل ابطال الوہیت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

اب یہاں سے ان کے عقیدہ فاسدہ کے ابطال پر دلائل شروع ہوتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور کچھ نہیں وہ مسیح جن کا حدوث ساری دنیا کو معلوم ہے وہ مریم کے بیٹے ہیں ایک عورت کے پیٹ سے وجود میں آئے ہیں مگر وہ خدا کے رسول ہیں صرف رسالت کے ساتھ موصوف ہیں معاذ اللہ ربوبیت اور الوہیت کے ساتھ موصوف نہیں جو ذات عدم کے بعد ایک عورت کے پیٹ سے وجود میں آئے وہ خدا کیسے ہوسکتی ہے ان سے پہلے اور بھی پیغمبر گزر چکے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرح معجزات قاہرہ اور نشانات باہرہ عطا کیے اور نصاریٰ بھی ان کو خدا اور خدا کا بیٹا نہیں کہتے جس طرح کے خوارق اور معجزات حضرت مسیح علیہ السلام سے ظاہر ہوئے اسی طرح کے معجزات دوسرے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم سے ظہور میں آئے معجزات کا ظاہر ہونا الوہیت کی دلیل نہیں بلکہ نبوت اور رسالت کی دلیل ہے اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا الوہیت کی دلیل ہے تو حضرت آدم علیہ السلام اور ملائکہ کرام اس شان میں حضرت مسیح علیہ السلام سے بہت بڑھے ہوئے ہیں اور اگر مردوں کو زندہ کرنا خدائی کی دلیل ہے تو حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت الیسع علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا کتاب السلاطین باب میں مذکور ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا اژدھا بن جانا اور مذبوحہ گائے کے گوشت کا ٹکڑا لگا دینے سے مقتول کا زندہ ہو جانا اور زندہ ہوکر اپنے قاتل کا نام بتا دینا علماء اہل کتاب کے نزدیک بھی مسلم ہے مگر یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا نہیں کہتے اور اگر آسمان پر اٹھایا جانا دلیل الوہیت ہے تو حضرت ایلیاء علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا دوسری کتاب السلاطین باب دوم میں مذکور ہے اور فرشتے تو دن رات آسمان پر آتے جاتے ہیں تو کیا وہ خدا ہو گئے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ صدیقہ تھیں بڑی ولی اور صاحب کرامات تھیں خدا نہ تھیں ﴿وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾۔

مطلب یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے رسول تھے اور صاحب معجزات تھے اور ان کی والدہ ولیہ اور صاحب کرامات تھیں مگر خدا ان میں سے کوئی بھی نہ تھا اور نہ یہ وہ اس لیے کہ دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے مطلب یہ ہے کہ حوائج بشری میں وہ سب انسانوں کی طرح تھے جس طرح سب لوگوں کو بھوک اور پیاس لگتی ہے اور پیشاب اور پاخانہ کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اسی طرح وہ بھی کھانا کھا کر زندہ رہتے تھے اور ان کو بھی بھوک پیاس لگتی تھی اور پیشاب وغیرہ کی ضرورت لاحق ہوتی تھی بس وہ دونوں کیونکر خدا ہوسکتے ہیں خدا تعالیٰ ان باتوں سے منزہ ہے مطلب یہ کہ جو بشری حاجتوں میں گھرا ہو وہ

خدا کیسے ہوسکتا ہے؟ خدا تعالیٰ نے ان کے قول کے بطلان پر یہ دلیل قائم فرمائی جو نہایت عجیب دلیل ہے وہ یہ کہ وہ دونوں یعنی مسیح اور ان کی والدہ کھانے اور پہننے کے محتاج تھے اور خدائی اور احتیاج کا جمع ہونا دن اور رات کے جمع ہوجانے سے زیادہ محال ہے اللہ وہ ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سب اس کے محتاج ہوں اور ظاہر ہے کہ جو شخص غذا کا محتاج ہوگا وہ غذا کے وجود اور اس کے سامان کا پہلے محتاج ہوگا ایک دانہ حاصل کرنے کے لیے بغیر زمین اور آسمان اور چاند اور سورج اور ہوا اور پانی اور گرمی اور سردی حتی کہ بغیر کھاد (یعنی نجاست) اس کو کوئی چارہ نہیں خلاصہ یہ کہ جو غذا کا محتاج ہوگا وہ زمین سے لے کر آسمان تک تمام چیزوں کا محتاج ہوگا۔ پس معاذ اللہ خدا بھی کھانے کا محتاج ہوتو ایک خرابی تو یہ لازم آئے گی کہ خدا بھی اپنے وجود میں دوسروں کا محتاج ہو حالانکہ سنا سب سے یہی تھا کہ خدا کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور سب خدا کے محتاج ہوتے ہیں مگر یہاں ماجرا برعکس نکلا کہ خدا ہی دوسروں کو محتاج اور دست نگر ہوا اور دوسری خرابی یہ لازم آئے گی کہ پھر خدا اور بندہ میں کیا فرق رہا بندہ کی طرح خدا بھی محتاج نکلا خدا کے لیے تو یہ چاہیے تھا کہ وہ سب سے بے نیاز ہو کر اس لیے کہ جتنی حکومت بڑھتی ہے اسی قدر بے نیازی میں اضافہ ہوجاتا ہے پس کیا اس احکم الحاکمین کے لیے ہر طرح سے استغناء اور بے نیازی ضروری نہ ہوگی تیسری خرابی یہ ہے کہ بشر غذا کا اس لیے محتاج ہوتا ہے کہ اس کا وجود بغیر غذا کے تھم نہیں سکتا اور بغیر غذا کے زندہ اور موجود اور باقی نہیں رہ سکتا جس کا حاصل یہ ہوا کہ بشر کا وجود اصلی اور خانہ زاد نہیں ورنہ اپنا وجود تھامنے میں دوسروں کا دست نگر نہ ہوتا پس اگر خدا بھی غذا اور سامان کا محتاج ہوتو یہ مطلب ہوگا کہ معاذ اللہ خدا سے اپنا وجود آپ تھم نہیں سکتا اور اپنے وجود اور حیات اور بقاء میں سامان غذا کا محتاج ہے پس جو ذات تمام انسانوں کی طرح اپنے وجود اور بقاء میں غذا اور سامان غذا کا محتاج ہے پس جو ذات تمام انسانوں کی طرح اپنے وجود اور بقاء میں غذا اور سامان سے مستغنی نہ ہو بھوک اور پیاس اور پیشاب کی ضرورت اس کو لاحق ہوتی ہو وہ ذات خدا کیونکر بن سکتی ہے یہ ایسی قوی اور واضح اور روشن دلیل ہے جس پر نہ کوئی حکیم اور فلسفی کسی قسم کا نقض وارد کرسکتا ہے اور نہ کسی جاہل کو اس کے سمجھنے میں دشواری ہوسکتی ہے یعنی کھانا پینا الوہیت کے منافی ہے اگرچہ نہ کھانا الوہیت کی دلیل نہیں ورنہ سارے فرشتے خدا بن جائیں معاذ اللہ دیکھیے تو سہی کہ ہم کس طرح ان کے لیے مسیح کی اثبات بشریت کے ایسے دلائل اور براہین بیان کرتے ہیں جن کے جواب سے وہ بالکل عاجز ہیں پھر انہیں دیکھیے کہ وہ قبول حق سے کس طرح پھیرے جارہے ہیں یعنی تعجب کی بات ہے کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت اور بشریت کے ایسے دلائل اور براہین بیان کرتے ہیں جو آفتاب سے زیادہ روشن ہیں مگر بایں ہمہ وہ قبول حق سے روگرداں ہیں اور ان کو خدا ہی کہے جاتے ہیں۔

دلیل دیگر برابطال الوہیت مسیح مع توبیخ

(اے نبی) آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ کیا تم مسیح اور ان کی والدہ کی پرستش کرتے ہو جن کا درجہ تمہارے نزدیک بھی خدا سے کم تر اور فروتر ہے اور خدا کے برابر نہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام انصاری کے نزدیک خدا کے بیٹے تھے باپ کے ہم مرتبہ نہ تھے اور ظاہر ہے کہ جو کم تر ہوگا اور کسی سے مرتبہ میں کم ہوگا وہ خدا نہیں ہوسکتا اس لیے کہ عقلاً خدا کے لیے ضروری ہے کہ خدا سب سے اعلیٰ اور برتر ہو جو کسی سے بھی کم تر ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا علاوہ ازیں تم ایسی ذات کی پرستش کرتے ہو جو

تمہارے کسی ضرر اور کسی نفع کا مالک نہیں معلوم ہوا کہ خدا وہی ہو سکتا ہے جو کہ تمام کے نفع اور ضرر کا مالک ہو اور جو شخص نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر نہ ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا بلکہ وہ عبد ہے کیونکہ عجز منافی الوہیت کے ہے اور بقول نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام نے چیخ چیخ کر صلیب پر جان دے دی نہ اپنی ذات کو نفع پہنچا سکے اور نہ یہود کے ضرر کو اپنے سے ہٹا سکے پس تم نے مسیح علیہ السلام کو کیسے معبود بنالیا اور نصاریٰ کے قول پر اگر واقعہ صلیب کو حق مان لیا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معاذ اللہ خدائے معبود تو مغلوب ہوا اور جو بندے اس کے دشمن تھے وہ خدا پر غالب آ گئے (معاذ اللہ) اور ظاہر ہے کہ جب بقول نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام قتل کر دیئے گئے تو وہ اپنی مصیبت نہ ٹال سکے تو دوسروں کی مصیبت کیا دفع کر سکیں گے اور اللہ وہی سننے والا اور جاننے والا ہے یعنی وہ تمہارے ان اقوال کفریہ کو سنتا ہے اور تمہاری نیتوں کو جانتا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام تمام عالم کے اقوال کو سننے والے اور مخلوق کے دلوں کے احوال جاننے والے نہ تھے پس وہ کیونکر خدا ہوئے۔

نصاریٰ بتلائیں کہ جس وقت مسیح علیہ السلام نے صلیب پر چلا کر جان دی اس جان دینے کے وقت بھی مسیح مجسم خدا تھا یا نہیں اور اس وقت ان میں اور خدا میں عینیت تھی یا غیریت تھی اور صلیب پر جس نے جان دی وہ خدا تھا یا بندہ تھا علماء نصاریٰ ہی اس عقدہ کو حل کریں۔

علماء فرنگ کا ایک عذر لنگ
اور تحمیق و تجہیل سے بچنے کے لیے ایک عجیب وغریب تاویل

نصاریٰ جب اس نامعقول عقیدہ تثلیث کی تفہیم سے اور مسلمانوں کے دلائل عقلیہ اور نقلیہ کے جواب سے عاجز ہو جاتے ہیں تو یہ عذر کرتے ہیں کہ یہ تثلیث فی التوحید، خدا کا ایک بھید ہے ہم نہیں سمجھ سکتے یہ سب دھوکہ اور فریب ہے اور اپنی بے عقلی اور حماقت کی پردہ پوشی ہے عقیدہ تثلیث سراسر خلاف عقل ہے فوق العقل اور ماوراء عقل نہیں۔ فوق العقل اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس کے ادراک سے عقل قاصرہ اور درماندہ ہو اور وہ چیز ادراک اور مشاہدہ سے بالا اور برتر ہو اور خلافِ عقل وہ چیز ہے کہ عقل، دلیل اور برہان کی بناء پر اس کی نفی کرتی ہو اور اس کو مردود اور باطل اور محال قرار دیتی ہو مثلاً عقل حکم کرتی ہے کہ ایک شئ میں وجود اور لا وجود کا اجتماع اور ارتفاع محال ہے اور اسی طرح ایک شئ میں وحدت اور کثرت کا اجتماع اور ارتفاع زوجیت اور فردیت کا اجتماع اور ارتفاع ناممکن اور محال ہے اور اسی طرح عقل حکم کرتی ہے کہ ایک محل میں ضدین کا اجتماع محال ہے مثلاً نور اور ظلمت کا اور حمرت اور صفرت کا اور حرارت و برودت کا اور بینائی اور نابینائی کا اور حرکت وسکون کا ایک مادہ واحد شخصیہ میں ایک جہت اور ایک حیثیت سے اجتماع محال ہے ہر عاقل کی عقل اس کے محال اور ناممکن ہونے کا حکم کرتی ہے اور جو شخص ان چیزوں کو ممکن سمجھے وہ عقل سے کورا اور بے بہرہ ہے یہ چیزیں خلاف عقل ہیں فوق العقل اور وراء العقل نہیں اسی طرح توحید اور تثلیث کا اجتماع اور اتحاد سراسر خلاف عقل ہے وراء عقل نہیں عقل دلائل اور براہین سے خالق اور مخلوق اور عابد اور معبود کے اتحاد کو باطل اور مردود قرار دیتی ہے یہ نہیں کہ عقل اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ دیکھو ازالہ اوہام، ص: ۲۴۰-۲۴۴۔

بلکہ تمام اہل اسلام اور اہل کتاب کا اس پر اتفاق ہے اگر کلام الٰہی میں کوئی ایسی شئ پائی جائے کہ ادلہ عقلیہ اور نقلیہ

کے خلاف ہو تو اس میں تاویل واجب ہے اور ظاہری معنی پر اس کو محمول کرنا جائز نہیں۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "فان الانبیاء علیہم السلام یخبرون الناس بما تقصر عقولھم عن معرفتہ لا بما یعرفون انہ ممتنع فیخبرونھم بمجا وارت العقول لا بمحالات العقول" دیکھو الجواب الصحیح: ۱؍۷۷۳۔

مطلب یہ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام امور غیبیہ اور عالم غیب کی چیزوں کی خبر دیتے ہیں جو ادراک اور احساس سے بالاتر ہیں مگر ان میں کوئی شئ محال اور ناممکن نہیں حضرات انبیاء علیہم السلام نے ملائکہ اور جنت اور جہنم کی خبر دی ان میں سے کوئی چیز بھی عقلاً محال نہیں البتہ فی الحال ہمارے ادراک اور مشاہدہ سے بالا اور برتر ہیں یہ چیزیں معلوم الوجود اور مجہول الکیفیت ہیں ایسی چیزوں کو انبیاء کرام علیہم السلام کے اعتماد پر تسلیم کرنے کا نام ایمان بالغیب ہے معاذ اللہ! کسی نبی نے محال اور ناممکن شئ پر ایمان لانے کی دعوت نہیں دی اور جن امور غیبیہ پر انبیاء کرام علیہم السلام نے ایمان لانے کا حکم دیا ہے وہ دنیاوی زندگی میں غیب ہیں قیامت کے دن جب ان سے پردہ اٹھا دیا جائے گا تو سب کچھ آنکھوں سے نظر آ جائے گا۔

اطلاع:...... عقیدۂ تثلیث کا مفصل ابطال سورۃ نساء کی اس آیت ﴿وَلَا تَقُولُوا ثَلٰثَةٌ﴾ کی تفسیر میں گزر چکا ہے اور اس ناچیز نے اس موضوع پر "احسن الحدیث فی ابطال التثلیث" کے نام سے ایک مستقل رسالہ بھی لکھ دیا ہے طالبان حق اس کی مراجعت کریں۔ ﴿وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا

تو کہہ اے اہل کتاب مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں ناحق کا ف۱ اور مت چلو خیالات پر ان لوگوں کے جو گمراہ ہو چکے

تو کہہ اے اہل کتاب! مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں ناحق کا، اور مت چلو خیال پر ایک لوگوں کے، جو بہک گئے ہیں

مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝۷۷ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ ع ۱۰/۱۴

پہلے اور گمراہ کر گئے بہتوں کو اور بہک گئے سیدھی راہ سے ف۲ ملعون ہوئے کافر بنی

آگے اور بہکا گئے بہتوں کو، اور بھولے سیدھی راہ سے۔ لعنت کھائی منکروں نے بنی

اِسْرَآءِيْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۷۸

اسرائیل میں کے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ بیٹے مریم کی یہ اس لیے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے گزر گئے تھے ف۳

ف۱ عقیدہ کا مبالغہ یہ ہے کہ ایک مولود بشری کو خدا بنا دیا۔ اور عمل میں غلو وہ ہے جسے رہبانیت کہتے ہیں ﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ﴾ یہود کی جو قبائح بیان کی جا چکیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا پرستی میں غرق ہونے کی وجہ سے دین اور دینداروں کی ان کے یہاں کوئی عظمت و وقعت نہ تھی حتی کہ انبیاء علیہم السلام کی اہانت وقتل وغیرہ ان کا خاص شعار تھا۔ برخلاف اس کے نصاریٰ نے تعظیم انبیاء میں اس قدر غلو کیا کہ ان میں سے بعض کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے لگے اور ترک دنیا کر کے رہبانیت اختیار کر لی۔

ف۲ یعنی اصل انجیل وغیرہ کتب سماویہ میں اس عقیدہ شرکیہ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ بعد میں یونانی بت پرستوں کی تقلید میں پولوس نے ایجاد کیا اسی پر سب چل پڑے اور اسی پر جمے رہے ایسی اندھی تقلید سے نجات کی توقع رکھنا کسی عاقل کو زیبا نہیں۔ ......=

اسرائیل میں سے، داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ بیٹے مریم کی۔ یہ اس سے کہ گنہگار تھے اور حد پر نہ رہتے تھے۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَرٰى كَثِيْرًا

آپس میں منع نہ کرتے برے کام سے جو وہ کر رہے تھے ف۱ کیا ہی برا کام ہے جو کرتے تھے تو دیکھتا ہے ان میں کہ بہت سے

آپس میں منع نہ کرتے برے کام سے، جو کر رہے تھے۔ کیا برا کام ہے جو کرتے تھے۔ تو دیکھے ان میں بہت

مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ

لوگ دوستی کرتے ہیں کافروں سے ف۲ کیا ہی برا سامان بھیجا انہوں نے اپنے واسطے وہ یہ کہ اللہ کا غضب ہوا

لوگ رفیق ہوتے ہیں کافروں کے۔ بری تیاری بھیجی ہے اپنے واسطے کہ اللہ کا غضب ہوا

عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ

ان پر اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں ف۳ اور اگر وہ یقین رکھتے اللہ پر اور نبی پر اور جو نبی پر اترا

ان پر اور ہمیشہ وہ عذاب میں ہیں۔ اور اگر یقین رکھتے اللہ پر اور نبی پر اور جو اس پر اترا

مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً

تو کافروں کو دوست نہ بناتے ف۴ لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نافرمان ہیں ف۵ تو پاوے گا سب لوگوں سے زیادہ دشمن

تو ان کو رفیق نہ ٹھہراتے، پر ان میں بہت لوگ بےحکم ہیں۔ تو پائے گا سب لوگوں میں زیادہ دشمنی

= ف۳ یوں تو تمام کتب سماویہ میں کافروں پر لعنت کی گئی ہے لیکن بنی اسرائیل کے کافروں پر جب وہ عصیان وتمرد میں حد سے گزر گئے کہ نہ مجرم کسی طرح ارتکاب جرائم سے باز آتا تھا اور نہ غیر مجرم مجرم کو روکتا تھا بلکہ سب شیر وشکر ہو کر بے تکلف ایک دوسرے کے ہم پیالہ وہم نوالہ بنے ہوئے تھے۔ منکرات وفواحش کا ارتکاب کرنے والوں پر کسی طرح کے انقباض، تکدر اور ترشروئی کا اظہار بھی نہ ہوتا تھا، تب خدا نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے ان پر لعنت کی۔ جیسے گناہوں پر ان کی جسارت حد سے گزر چکی تھی۔ یہ لعنت بھی جو ایسے جلیل القدر انبیاء علیہما السلام کے توسط سے کی گئی، غیر معمولی طور پر تباہ کن ثابت ہوئی۔ غالباً اسی لعنت کے نتیجہ میں ان میں کے بہت سے افراد ظاہراً اور باطناً بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کر دیے گئے اور باطنی مسخ کا دائرہ تو اس قدر وسیع ہوا کہ ان کے بہت سے لوگ آج بھی ان مسلمانوں کو چھوڑ کر جو خدا کی تمام کتب سماویہ اور تمام انبیاء کی تصدیق وتعظیم کرتے ہیں، مشرکین مکہ سے جو خالص بت پرست اور نبوات وغیرہ سے جاہل محض ہیں، مسلمانوں کے خلاف دوستی گانٹھتے ہیں۔ اگر ان اہل کتاب کو خدا پر، نبی پر اور وحی الٰہی پر واقعی اعتقاد ہوتا تو کیا یہ ممکن تھا کہ اس قوم کی ضد میں جو ان تمام چیزوں کو مکمل طور پر مانتے ہیں بت پرستوں سے ساز باز کرتے۔ یہ بے حسی، بدمذاقی اور خدا پرستوں سے بھاگ کر بت پرستوں سے دوستی کرنا، اسی لعنت اور پھٹکار کا اثر ہے جس نے انہیں خدا کی رحمت عظیمہ سے کوسوں دور پھینک دیا ہے۔ پچھلی آیات میں ان کی گزشتہ کفریات اور جرائم کو بیان کر کے غلو فی الدین اور گمراہوں کی کورانہ تقلید سے منع فرمایا تھا تاکہ اب بھی اپنی ملعون حرکات سے تائب ہو کر حق وصداقت کے راستہ پر چلنے کی کوشش کریں۔ اس رکوع میں ان کی موجودہ حالت پر متنبہ کرتے ہوئے بتلایا کہ جو لعنت داؤد اور مسیح علیہما السلام کی زبانی ہوئی تھی اس کے آثار آج تک موجود ہیں۔ اہل اللہ اور عارفین سے نفرت وعداوت اور جاہل مشرکوں سے محبت، یہ کھلی دلیل اس کی ہے کہ ان کے قلوب خدائی لعنت کے اثر سے بالکل مسوخ ہو چکے ہیں۔ اگر اب بھی انہوں نے اپنی حالت کو نہ سنبھالا اور حق کی طرف رجوع نہ کیا تو ایسی شدید لعنت کے مورد بنیں گے جو خدا تعالیٰ سید الانبیاء خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان پر بھیجے گا۔

ف۱ ﴿لَا يَتَنَاهَوْنَ﴾ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ۱- "نہیں رکتے تھے" کما فی روح المعانی۔ ۲- "نہیں روکتے تھے ایک دوسرے کو" کما هو المشهور جب بدی کسی قوم میں پھیلے اور کوئی روکنے ٹوکنے والا بھی نہ ہو تو عذاب عام کا اندیشہ ہے۔ .... =

لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ

مسلمانوں کا یہودیوں کو اور مشرکوں کو اور پاوے گا سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں کے ان لوگوں کے

مسلمانوں سے یہود کو اور شریک والوں کو، اور تو پائے گا سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں کی وہ لوگ

قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس واسطے کہ نصاریٰ میں عالم ہیں اور درویش ہیں اور اس واسطے کہ وہ تکبر نہیں کرتے

جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں، یہ اس واسطے کہ ان میں عالم ہیں اور درویش ہیں اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔

تنبیہ اہل کتاب بر سبب گمراہی ایشان وممانعت از اتباع گمراہان پیشینان

قَالَ تَعَالٰی: ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ... الی ... وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾

ربط:...... اوپر کی آیتوں میں نصاریٰ کے عقائد باطلہ اوران کی گمراہی کا بیان تھا اب ان آیات میں اہل کتاب کی گمراہی اور تباہی کا سبب بیان کرتے ہیں اور گمراہوں کی پیروی سے منع فرماتے ہیں اہل کتاب کی گمراہی کا سبب یہ ہوا کہ ان لوگوں نے دین میں غلو کیا اور افراط اور تفریط سے کام لیا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں یہ غلو کیا کہ ان کو خدا ٹھہرایا یہ افراط ہوا اور یہود نے ان کو ایسا گھٹایا کہ ان کی نبوت کو بھی نہ مانا اور انکو ساحر اور کذاب بتلایا اور ان کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ علیہا السلام پر زنا کی تہمت لگائی یہ تفریط ہوئی اور ہر بدعت وضلالت کا سبب یہی غلو فی الدین یعنی افراط وتفریط ہے چنانچہ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم اپنے دین میں ناحق حد سے تجاوز نہ کرو یعنی دین کے بارہ میں افراط اور تفریط دونوں ہی مذموم ہیں یہود کا غلو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ تھا کہ وہ ان کی ماں پر زنا کی تہمت لگاتے تھے اور ان کو مولود ناجائز بتلاتے تھے اور نصاریٰ کا یہ غلو تھا کہ وہ ان کو خدا اور خدا کا بیٹا سمجھتے تھے خدا تعالیٰ نے فرمایا اے اہل کتاب تم اپنے دین کے بارہ میں ناحق غلو کو راہ نہ دو جو اصل بات ہے اس پر قائم رہو اصل بات یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے مقرب اور برگزیدہ بندے اور رسول ہیں اور ان کی پیدائش خدا کی قدرت یعنی کلمہ کن سے ہوئی وہ نہ خدا ہیں اور نہ خدا کے بیٹے جیسا کہ نصاریٰ کا خیال ہے اور نہ کذاب اور مفتری ہیں جیسا کہ یہود کا خیال ہے اور اے اہل کتاب تم ان لوگوں کو خواہشوں اور بلا دلیل

=ف۲ کافروں سے مراد مشرکین ہیں اوران آیات کا مصداق یہود مدینہ تھے۔ جنہوں نے مشرکین مکہ کے ساتھ سازش کر کے مسلمانوں سے لڑائی کی ٹھانی تھی۔

ف۳ یعنی جو ذخیرہ اعمال کا مرنے سے پہلے آخرت کے لئے بھیج رہے ہیں وہ ایسا ہے جو ان کو غضب الٰہی اور عذاب ابدی کا مستحق بناتا ہے۔

ف۴ "النبی" سے بعض مفسرین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور بعض نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مراد لیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر ان یہود کو واقعی یقین حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت اور تعلیمات پر ہوتا تو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں جن کی بشارت خود موسیٰ علیہ السلام دے چکے ہیں مشرکین سے دوستی نہ کرتے یا یہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مخلصانہ ایمان لے آتے تو ایسی حرکت ان سے سرزد نہ ہوتی کہ دشمنان اسلام سے ساز باز کریں۔ اس دوسری تقدیر پر آیت منافقین یہود کے حق میں ہوگی۔

ف۵ خدا کی اور خود اپنے تسلیم کردہ پیغمبر کی نافرمانی کرتے کرتے یہ حالت ہوگئی کہ اب موحدین پر مشرکین کو ترجیح دیتے ہیں۔ افسوس کہ آج ہم بہت سے نام نہاد مسلمانوں کی حالت بھی یہی پاتے ہیں کہ مسلمان اور کفار کے مقابلہ کے وقت کافروں کو دوست بناتے اور انہی کی حمایت و وکالت کرتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔

خیالات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے خود بھی گمراہ ہوئے اور اپنے سوا اور بہتوں کو بھی گمراہ کیا اور یہ باطل عقیدے لوگوں میں پھیلا گئے تم ان کی راہ پر نہ چلنا اور یہ لوگ سیدھی راہ سے بہک چکے ہیں اور غلو اور افراط اور تفریط کی وجہ سے حد لعنت کو پہنچ چکے ہیں چنانچہ جن لوگوں نے بنی اسرائیل میں سے کفر کی راہ اختیار کی ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے داود داور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زبان پر لعنت کی گئی جن لوگوں پر داود علیہ السلام کی زبانی لعنت ہوئی وہ اصحاب السبت ہیں اور جن لوگوں پر عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی لعنت کی گئی وہ اصحاب المائدہ ہیں اہل سبت نے جب سبت (ہفتہ) کے دن مچھلیوں کا شکار کیا جس کی ان کو ممانعت تھی تو داود علیہ السلام نے ان کے لیے بددعا کی بارخدایا ان پر لعنت فرما اور ان کو بندر بنادے چنانچہ آپ علیہ السلام کی بددعا سے وہ سب آدمی بندر بن گئے اور اصحاب مائدہ نے جب اس خوان سے جو ان کی درخواست اور طلب پر آسمان سے اترتا تھا کھایا اور اس سے ذخیرہ جمع کیا اور پھر بھی ایمان نہ لائے تو عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے بددعا کی اور کہا اے میرے پروردگار ان پر لعنت کر ان کو سور بنادے چنانچہ وہ سب سور بنادیے گئے اور یہ لعنت اس لیے ہوئی کہ اللہ کی نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے حضرت داود علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لعنت اس درجہ تباہ کن اور مہلک ثابت ہوئی کہ علانیہ طور پر بندر اور سور کی شکل میں مسخ کردیے گئے تاکہ دیکھ کر لوگ عبرت پکڑیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی معصیت اور لعنت کا کیا نتیجہ ہوتا ہے باقی رہا مسخ معنوی وہ ایک امر خفی ہے جو ظاہری طور پر عبرت کا سبب نہیں بن سکتا نیز مسخ باطنی اور معنوی کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں اس زمانہ میں بھی جو لوگ حدود شریعت سے نکل چکے ہیں اور معصیت پر دلیر اور بے باک ہو چکے ہیں دل اور باطن ان کا بھی مسخ ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی پناہ میں رکھے آمین! وہ آپس میں ایک دوسرے کو اس برے کام سے منع نہیں کرتے تھے جس برے کام کو وہ خود کرتے تھے یعنی وہ اپنے سابق عصیان اور اعتداء پر قائم اور مستمر تھے بلاشبہ وہ کام بہت برا تھا جو وہ کرتے تھے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دینا یہ بہت ہی برا کام ہے جو شخص باوجود قدرت کے برائی سے روک ٹوک نہیں کرتا گویا کہ در پردہ اس برائی پر راضی ہے اور ایک معنی کر اس میں شریک ہے۔

ذکر یہود حاضرین

اوپر کی آیت میں یہود کے اسلاف کا ذکر تھا اب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود کا ذکر فرماتے ہیں (اے نبی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان یہود میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں اس درجہ غلو کر چکے ہیں آپ کی دشمنی میں کافروں سے یعنی بت پرستوں سے دوستی کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اہل مکہ کی مدد کرتے ہیں حالانکہ خوب جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں بے شک برا ہے وہ کام جو انہوں نے مرنے سے پہلے آخرت کا عذاب بھگتنے کے لیے آگے بھیج دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ ان پر ناراض ہوا اور ہمیشہ عذاب میں رہیں گے یعنی ان کے اعمال خدا کے غضب اور دائمی عذاب کا باعث بنے اور اگر یہ لوگ ایمان لاتے خدائے وحدہ لاشریک لہ پر اور ایمان لاتے اس نبی پر جس کی بشارت توریت اور انجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہیں اور ایمان لاتے اس کتاب پر جو اس نبی آخر الزمان علیہ السلام کی طرف اتاری گئی تو ان بت پرست کافروں کو دوست نہ بناتے اور خدا پرستوں کے مقابلہ میں بت پرستوں کو ترجیح نہ دیتے لیکن اکثر

ان میں سے بدکار ہیں اور حد سے تجاوز کر چکے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں غرق ہیں (اے نبی ﷺ) البتہ آپ مسلمانوں کی دشمنی میں سب لوگوں سے زیادہ سخت یہود کو پاؤ گے اور ان کو کہ جو مشرک ہیں اور غیر مسلم قوموں میں سے مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے لحاظ سے سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پائیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں مطلب یہ کہ دوست تو یہ بھی نہیں مگر یہود اور مشرکین کے لحاظ سے غنیمت ہیں کہ دوستی کا دم تو بھرتے ہیں یہ دوستی میں ان کا قریب ہونا اس سبب سے ہے کہ ان میں کچھ لوگ عالم ہیں اور کچھ لوگ درویش یعنی گوشہ نشین اور تارک الدنیا ہیں اور اس سبب سے کہ یہ تکبر نہیں کرتے اور اس علم اور درویشی اور تواضع کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں سے دوستی رکھنے کے لحاظ سے قریب ہو گئے یہ آیت نصاریٰ کے ایک خاص گروہ یعنی نجاشی اور اس کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے قرآن سن کر اسلام قبول کر لیا اور جب انہوں نے قرآن سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے جس کا بیان آئندہ آیت میں آئے گا۔

فائدہ:...... حق جل شانہ نے اس آیت میں نصاریٰ کے قرب مودت کا سبب بیان فرمادیا کہ علم اور درویشی اور تواضع کی وجہ سے نصاریٰ میں قبول حق کی استعداد یہود اور مشرکین سے زیادہ موجود ہے اور انکی طبیعت اوروں سے نرم ہے اس لیے ایسے نصاریٰ جن میں یہ اوصاف پائے جاتے ہو بہ نسبت یہود اور مشرکین کے مسلمانوں کی عداوت کم اور ان سے دوستی میں قریب ہیں آیت میں جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں وہ عہد نبوی کے عیسائیوں اور یہودیوں کے بیان کیے گئے اس کے بعد جب کبھی اور جہاں کہیں جس مقدار میں یہ اوصاف موجود ہوں گے اسی نسبت سے اسلام اور مسلمانوں کی محبت اور عداوت میں قریب اور بعید ہوں گے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جو نصاریٰ تھے ان میں قبول حق اور سلامت روی کا مادہ اور قوموں سے زیادہ تھا چنانچہ قیصر روم اور مقوقس شاہ مصر اور نجاشی شاہ حبشہ نے جو معاملہ آپ ﷺ کے پیغام رسالت اور آپ ﷺ کے صحابہ ؓ کے ساتھ کیا وہ اس کا شاہد عدل ہے بہ نسبت یہود کے نصاریٰ نے زیادہ اسلام قبول کیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ آیت میں نصاریٰ کی جو مدح کی گئی وہ علی الاطلاق نہیں بلکہ وہ بمقابلہ یہود اور مشرکین ہے کہ ان سے غنیمت ہیں اور یہ مطلب نہیں کہ نصاریٰ تمہارے محب اور خیر خواہ ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بہ نسبت یہود اور ہنود کے غنیمت ہیں اور پھر نصاریٰ سے وہ نصاریٰ مراد ہیں جو فی الحقیقت نصرانی ہوں اور کسی درجہ میں اوصاف مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوں اور عابد و زاہد اور گوشہ نشین ہوں اور مغرور اور متکبر نہ ہوں اور نرم دل ہوں اور سنگ دل نہ ہوں اور وہ نصاریٰ مراد نہیں جو محض نام کے نصرانی ہیں اور در پردہ وہ دہری اور لا مذہب ہیں جیسے آج کل کی مغربی اقوام جو اسلام اور مسلمانوں کے شدید ترین دشمن ہیں جن کو اللہ سے اور حضرت مسیح علیہ السلام سے ذرہ برابر بھی واسطہ نہیں ان کا مطمح نظر اور مقصود اصلی دنیاوی اقتدار ہے اور مکر و فریب اور عیاری اور چالاکی ان کا شعار ہے آج کل کے نصاریٰ ان صفات کے ساتھ موصوف نہیں جن کا ذکر آیت میں ہے لہٰذا موجودہ زمانہ کے نصاریٰ کا وہ حکم نہ ہوگا جو ان نصاریٰ کا ہے جن میں قسیس اور رہبان ہوں یعنی جن نصاریٰ میں خدا ترس اور راہب (تارک الدنیا) ہوں۔

حدیث میں آیا ہے کہ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ الحمد للہ قد تم تفسیر الجزء السادس من القرآن الکریم وللہ الحمد والمنۃ۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ

اور جب سنتے ہیں اس کو جو اترا رسول پر تو دیکھے تو ان کی آنکھوں کو کہ ابلتی ہیں آنسوؤں سے اس وجہ سے کہ انہوں نے پہچان لیا

اور جب سنیں جو اترا رسول پر، تو دیکھے ان کی آنکھیں ابلتی ہیں آنسوؤں سے، اس پر جو پہچانی بات

الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا

حق بات کو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے سو تو لکھ ہم کو ماننے والوں کے ساتھ اور ہم کو کیا ہوا کہ یقین نہ لاویں اللہ پر اور اس چیز پر جو

حق کہتے ہیں اے رب ہم نے یقین کیا سو لکھ ہم کو ماننے والوں کے ساتھ، اور ہم کو کیا ہوا کہ یقین نہ لاویں اللہ پر اور جو

جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا

پہنچی ہم کو حق سے اور توقع رکھیں اس کی کہ داخل کرے ہم کو رب ہمارا ساتھ نیک بختوں کے پھر ان کو بدلے میں دیئے اللہ نے اس

پہنچا ہم پاس حق؟ اور ہم کو توقع ہے کہ داخل کرے ہم کو رب ہمارا ساتھ نیک بختوں کے۔ پھر انکو بدلہ دیا ان کے رب نے، اس

قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

کہنے پر ایسے باغ کہ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں ان میں ہی اور یہ ہے بدلا نیکی کرنے والوں کا

کہنے پر، باغ، نیچے ان کے بہتی نہریں، رہا کریں ان میں۔ اور یہ ہے بدلہ نیکی والوں کا۔

ع وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾

اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلانے لگی ہماری آیتوں کو وہ ہیں دوزخ کے رہنے والے ف۱

اور جو منکر ہوئے اور جھٹلانے لگے ہماری آیتیں، وہ ہیں دوزخ کے لوگ۔

ف۱ ان آیات میں بتلایا گیا کہ یہود کا مشرکین سے دوستی کرنا محض اسلام اور مسلمانوں کی عداوت و بغض کی وجہ سے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جن اقوام سے زیادہ سابقہ پڑتا تھا ان میں یہ دونوں قومیں یہود اور مشرکین علی الترتیب اسلام و مسلمین کی شدید ترین دشمن تھیں۔ مشرکین مکہ کی ایذا رسانیاں تو اظہر من الشمس ہیں۔ لیکن ملعون یہود نے بھی کوئی کمینہ سے کمینہ حرکت اٹھا کر نہیں رکھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے خبری میں پتھر کی چٹان گرا کر شہید کرنا چاہا، کھانے میں زہر دینے کی کوشش کی، سحر اور ٹونے ٹکے کرائے، غرض غضب پر غضب اور لعنت پر لعنت حاصل کرتے رہے۔ اس کے بالمقابل نصاریٰ باوجودیکہ وہ بھی کفر میں مبتلا تھے، اسلام سے جلتے تھے، مسلمانوں کا عروج ان کو ایک نظر نہ بھاتا تھا، تاہم ان میں قبول حق کی استعداد ان دونوں گروہوں سے زیادہ تھی۔ ان کے دل اسلام اور مسلمانوں سے محبت کرنے کی طرف نسبتاً جلد مائل ہو جاتے تھے اس کا سبب یہ تھا کہ اس وقت تک "عیسائیوں" میں علم دین کا چرچا دوسری قوموں سے زائد تھا، اپنے طریقہ کے موافق ترک دنیا اور زاہدانہ زندگی اختیار کرنے والے ان میں بکثرت پائے جاتے تھے۔ نرم دلی اور تواضع ان کی خاص صفت تھی جس قوم میں یہ خصال کثرت سے پائی جائیں ان کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ اس میں قبول حق اور سلامت روی کا مادہ دوسری اقوام سے زیادہ ہو کیونکہ قبول حق سے عموماً تین چیزیں مانع ہوتی ہیں، جہل، حب دنیا یا حسد و تکبر وغیرہ۔ نصاریٰ میں قسیسین کا وجود جہل کو، رہبان کی کثرت حب دنیا کو، نرمی دل اور تواضع کی صفت کبر و نخوت وغیرہ کو کم کرتی تھی چنانچہ قیصر روم مقوقس مصر اور نجاشی ملک حبشہ نے جو کچھ برتاؤ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام رسالت کے ساتھ کیا وہ اس کا شاہد ہے کہ اس وقت نصاریٰ میں قبول حق اور مودت مسلمین کی صلاحیت نسبتاً دوسری قوموں سے زائد تھی۔ مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر جب ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم نے "حبشہ" کو ہجرت کی اور مشرکین نے وہاں بھی ملک حبشہ کے دربار تک اپنا پروپیگنڈا نہ چھوڑا تو بادشاہ نے ایک روز مسلمانوں کو بلا کر کچھ سوالات کئے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت بھی ان کا عقیدہ دریافت کیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی آیات پڑھیں اور اپنا عقیدہ صاف صاف بیان فرمایا۔ بادشاہ بے انتہا=

حکایت حال اسلام طائفہ نصرانیان گوشہ نشینان وبیان کیفیت وجد ایشان بوقت سماع قرآن

قال تعالیٰ: ﴿وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ... الی... أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾

ربط:...... اس آیت میں بھی نصاریٰ کی ایک خاص جماعت کا ذکر ہے جو قرآن کریم کو سن کر وجد اور طرب میں آگئے اور قرآن کریم کی لذت سے اس درجہ محظوظ ہوئے کہ آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہوگئے اور روتے ہوئے ڈاڑھیاں تر ہوگئیں اور زبان پر یہ کلمات جاری ہوگئے ﴿رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ﴾ اور غیر اختیاری طور پر کسی پسندیدہ حالت اور کیفیت کے طاری ہوجانے ہی کا نام وجد ہے۔

شان نزول

یہ آیت نجاشی رحمہ اللہ شاہ حبشہ اور اس کے اصحاب کے بارہ میں نازل ہوئی جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۃ مریم پڑھ کر سنائی تو جو علماء اور زہاد وہاں بیٹھے ہوئے تھے سب رونے لگے اور نجاشی بھی برابر روتا رہا اور مسلمانوں سے پوچھا کہ تمہارے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کیا کہتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ وہ انہیں خدا کا بندہ اور اس کا رسول کہتے ہیں اور ان کی والدہ ماجدہ مریم کو صدیقہ اور ولیہ اور تارک الدنیا کہتے ہیں کہ ان سے بغیر باپ کے جبرئیل امین علیہ السلام کی پھونک مارنے سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا خدا کی قسم عیسیٰ علیہ السلام تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے تنکا برابر بھی زائد نہیں تمہارے نبی نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ کہا وہ بالکل حق ہے قرآن کریم سن کر نجاشی شاہ حبشہ اور اس کے رفقاء نے اسلام قبول کیا اور اس بات کی شہادت دی کہ یہ وہی پیغمبر ہیں جن کی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے بشارت دی ہے اسی جماعت کے بارہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اسی قسیسیت اور رہبانیت اور عدم تکبر کی وجہ سے بعض کا یہ حال ہے کہ ان میں سے بعض جیسے نجاشی شاہ حبشہ اور اس کے رفقاء جب اس کلام کو سنتے ہیں کہ جو بارگاہ خداوندی سے اس پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا ہے تو اے دیکھنے والے تو ان کی آنکھوں کو دیکھے گا کہ آنسوؤں سے ابل رہی ہیں بسبب اس کے کہ انہوں نے کچھ حق کو پہچان لیا یعنی ان کے رونے کا سبب یہ تھا کہ ان پر اس کا کلام الٰہی ہونا منکشف ہوا اور اس کلام سے متکلم قدیم کی عظمت اور جلال کا کچھ جلوہ نظر آیا اور جان لیا کہ یہ وہی کلام ہے جس کے اخیر زمانہ میں نازل کرنے کا خدا

= متاثر ہوا اور اقرار کیا کہ جو کچھ قرآن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت عقیدہ ظاہر کیا ہے وہ بلاکم وکاست صحیح ہے۔ اس نے کتب سابقہ کی بشارات کے موافق حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم کیا۔ قصہ طویل ہے انجام کار ہجرت کے کئی سال بعد ایک وفد جو ستر نو مسلم عیسائیوں پر مشتمل تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں روانہ کیا۔ یہ لوگ جب مدینہ پہنچے اور قرآن کریم کے سماع سے لذت اندوز ہوئے تو کلام الٰہی سن کر وقت گریہ وبکا ہوگئے۔ آنکھوں سے آنسو اور زبان پر "رَبَّنَا آمَنَّا" الخ یہ کلمات جاری تھے۔ ان آیات میں اسی جماعت کا حال بیان فرمایا ہے۔ قیامت تک کے لئے کوئی خبر نہیں دی گئی کہ ہمیشہ عیسائیوں اور یہود ومشرکین وغیرہ کے تعلقات کی نوعیت اسلام ومسلمین کیساتھ یہ ہی رہے گی۔ آج جو لوگ عیسائی کہلاتے ہیں ان میں کتنے قسیس ورہبان اور متواضع ومنکسر المزاج ہیں اور کتنے ہیں جن کی آنکھوں سے کلام الٰہی سن کر آنسو ٹپک پڑتے ہیں جب اقربھم مودۃ کی علت ہی جو ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾ سے بیان کی گئی، موجود نہیں تو معلول یعنی" قرب مودت" کیوں موجود ہوگا۔ بہر حال جو اوصاف عہد نبوی کے عیسائیوں اور یہود ومشرکین کے بیان ہوئے، وہ جب کبھی اور جہاں کہیں جس مقدار میں موجود ہونگے، اسی نسبت سے اسلام ومسلمین کی محبت وعداوت کو خیال کرلیا جائے۔

تعالیٰ نے نبیوں کی معرفت وعدہ کیا ہے روایات میں ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سورۃ مریم کی قراءت سے فارغ ہوئے تو نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور درباریوں سے یہ کہا کہ بخدا تمہارے صاحب یعنی مسیح بن مریم علیہ السلام اس مضمون سے جو قرآن میں حضرت مسیح کی بابت کہا گیا ہے ایک تنکے کے مقدار بھی زائد نہیں غرض یہ کہ یہ لوگ حق کو پہچان گئے اور سمجھ گئے کہ یہ قرآن کریم انجیل سے کہیں زائد افضل اور اکمل ہے اس لیے یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس کی کتاب پر دل وجان سے ایمان لے آئے ہیں پس ہم کو حق کے شاہدوں کے ساتھ لکھ لے یعنی ہم کو امت محمدیہ کے زمرہ میں لکھ لے جو دنیا میں حق کی شہادت دیتی ہے اور قیامت کے دن اور امتوں پر گواہی دے گی اور ایک روایت میں ہے کہ حبشہ کے بعض لوگوں نے نجاشی اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں پر طعن کیا کہ تم بغیر دیکھے کیسے ایمان لے آئے تو انہوں نے جواب میں کہا اور ہم کو کیا ہوا کہ ہم اللہ پر اور اس کے دین حق پر ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس آیا ہے اور ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہم کو نیک بختوں کے زمرہ میں داخل فرمائے مطلب یہ ہے کہ جس کو نیک بختوں کے زمرہ میں داخل ہونے کی طمع ہو وہ دین حق کو قبول کرے حق قبول کرنے والوں کو ملامت کرنا یہ نیک بختی نہیں پس اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مخلصانہ قول کے عوض میں جو انہوں نے صدق دل سے کہا تھا ایسے باغات عطا کیے جن کے درختوں کے نیچے سے نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی صلہ ہے مخلصین کا اور ان کے برعکس جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی اہل دوزخ ہیں ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے بغیر دین حق کے قبول کے محض قسیسیت اور رہبانیت عذاب اخروی سے نہیں بچا سکتی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

اے ایمان والو مت حرام ٹھہراؤ وہ لذیذ چیزیں جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کردیں اور حد سے نہ بڑھو بیشک اللہ پسند نہیں کرتا

اے ایمان والو! مت حرام ٹھہراؤ ستھری چیزیں، جو اللہ نے تم کو حلال کیں، اور حد سے نہ بڑھو، اللہ نہیں چاہتا

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ

حد سے بڑھنے والوں کو اور کھاؤ اللہ کے دیئے ہوئے میں سے جو چیز حلال پاکیزہ ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم

زیادتی والوں کو۔ اور کھاؤ اللہ کے دیئے سے، جو حلال ہو ستھرا، اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر

مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

ایمان رکھتے ہو ف۱

یقین رکھتے ہو۔

ف۱ آغاز سورت میں "ایفائے عہود" کی تاکید کے بعد حلال وحرام کا بیان شروع ہوا تھا۔ اسی ضمن میں خاص خاص مناسبات سے جن کا ذکر موقع بہ موقع ہم کر چکے ہیں، دوسرے مفید مضامین کا سلسلہ شروع ہوگیا "الشیء بالشیء یذکر" بات میں سے بات نکلتی رہی تمام استطرادی مضامین کو تمام کر کے اس پارہ کے پہلے رکوع سے پھر اصل موضوع بحث کی طرف عود کیا گیا ہے اور لطف یہ ہے کہ اس رکوع سے متصل پہلے رکوع میں جو مضمون گزرا اس سے بھی رکوع حاضر کا مضمون پوری طرح مربوط ہے۔ کیونکہ پچھلے رکوع میں یہود ونصاریٰ کی جو فضائح بیان کی گئیں سمجھنے والوں کے نزدیک ان کا خلاصہ دو چیزیں تھیں۔ یعنی یہود کا لذات وشہوات دنیا اور حرام خوری میں انہماک جو "تفریط فی الدین" کا سبب ہوا۔ اور نصاریٰ کا دین میں غلو اور افراط جو آخر کار رہبانیت وغیرہ پر منتہی ہوا۔ بلاشبہ رہبانیت جسے دینداری =

حکم پانزدہم ممانعت از رہبانیت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا... الی... اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴾

ربط:...... شروع سورت میں ایفاء عہود کی تاکید کے بعد احکام فرعیہ اور حلال وحرام کو بیان فرمایا پھر خاص خاص مناسبتوں سے یہود ونصاریٰ کے عقائد اور اعمال کے ذکر کا سلسلہ شروع ہوگیا اب پھر اصل موضوع کی طرف عود فرماتے ہیں اور چونکہ قریبی آیتوں میں نصاریٰ کی تعریف میں یہ فرمایا کہ ان میں کچھ رہبان بھی ہیں اور رہبانیت، لذات دنیاوی کے ترک کا نام ہے خواہ وہ حلال ہوں یا حرام۔ اس لیے اس احتمال سے کہ مبادا مسلمان، رہبانیت کو اچھی چیز نہ سمجھنے لگیں اس آیت میں خدا تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھنے کی ممانعت فرماتے ہیں اور یہ حکم دیتے ہیں کہ جو چیزیں خدا نے حلال کی ہیں ان کو کھاؤ اور دل میں خوف رکھو اہل کتاب کی طرح دین میں غلو مت کرو نصاریٰ کی رہبانیت بھی دین میں غلو اور افراط کی ایک خاص صورت ہے دور تک اسی طرح احکام کا سلسلہ چلا گیا چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! تم قسم اور عہد کے ذریعہ اپنے اوپر ان پاکیزہ چیزوں کو حرام مت کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں نصاریٰ کی طرح رہبانیت اختیار کرنا اور حلال اور پاکیزہ چیزوں کو ترک کر دینا عند اللہ کوئی اچھی چیز نہیں یہ دین میں غلو اور افراط ہے جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور حدود شریعت سے آگے نہ بڑھو کہ یہود کی طرح دنیاوی لذات اور شہوات اور حرام خوری میں منہمک ہو جاؤ، شہوات ولذات میں انہماک یہ بھی غلو ہے اور تفریط ہے تحقیق اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعتدال اور توسط پسندیدہ ہے اور خدا تعالیٰ نے تم کو جو حلال اور پاکیزہ چیزیں دی ہیں جن میں حرمت کا شائبہ نہیں ان میں سے کھاؤ اور

= یا رہبانیت کا ہیضہ کہنا چاہیے، نیت اور منشائے اصلی کے اعتبار سے فی الجملہ محمود ہوسکتی تھی۔ اسی لئے ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ کو من وجہ معرض مدح میں پیش کیا گیا۔ لیکن چونکہ اس طرح کا تجرد وترک دنیا، اس مقصد عظیم اور قانون قدرت کے راستہ میں حائل تھا جو فاطر عالم نے عالم کی تخلیق میں مرعی رکھا ہے اس لئے وہ عالمگیر مذہب جو ابدی طور پر تمام بنی نوع انسان کی فلاح دارین اور اصلاح معاش ومعاد کا متکفل ہو کر آیا ہے، ضروری تھا کہ اس طرح کے مبتدعانہ طریق عبادت پر سختی سے نکتہ چینی کرے۔ کوئی آسمانی کتاب آج تک ایسی جامع، معتدل، فطری تعلیم انسانی ترقیات کے ہر شعبہ کے متعلق پیش نہیں کر سکتی، جو قرآن کریم نے ان دو آیتوں میں پیش کی ہے۔ ان آیتوں میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو صاف طور پر اس سے روک دیا کہ وہ کسی لذیذ حلال وطیب چیز کو اپنے اوپر عقیدۃً یا عملاً حرام ٹھہرالیں۔ نہ صرف یہ ہی بلکہ ان کو خدا کی پیدا کی ہوئی حلال وطیب نعمتوں سے متمتع ہونے کی ترغیب دی ہے مگر سلبی اور ایجابی دو شرطوں کے ساتھ: ۱- اعتداء نہ کریں (حد سے نہ بڑھیں)۔ ۲- اور تقویٰ اختیار کریں (خدا سے ڈرتے رہیں) اعتداء کے دو مطلب ہوسکتے ہیں حلال چیزوں کے ساتھ حرام کا سا معاملہ کرنے لگیں اور نصاریٰ کی طرح رہبانیت میں مبتلا ہو جائیں۔ یا لذائذ وطیبات سے تمتع کرنے میں حد اعتدال سے گزر جائیں حتیٰ کہ لذات وشہوات میں منہمک ہو کر یہود کی طرح حیات دنیا ہی کو اپنا مطمح نظر بنالیں۔ الغرض غلو وجفا اور افراط وتفریط کے درمیان متوسط ومعتدل راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ نہ تو لذائذ دنیاوی میں غرق ہونے کی اجازت ہے اور نہ "از راہ رہبانیت" مباحات وطیبات کو چھوڑنے کی۔ "از راہ رہبانیت" کی قید ہم نے اس لئے لگائی کہ بعض اوقات بدنی یا نفسی علاج کی غرض کسی مباح سے عارضی طور پر پرہیز کرنا ممانعت میں داخل نہیں۔ نیز مسلمان تقویٰ کے مامور ہیں جس کے معنی ہیں خدا سے ڈر کر ممنوعات سے اجتناب کرنا، اور تجربہ سے معلوم ہے کہ بعض مباحات کا استعمال بعض اوقات کسی حرام یا ممنوع کے ارتکاب کی طرف مفضی ہو جاتا ہے۔ ایسے مباحات کو عہد وقسم یا تقرب کے طور پر نہیں بلکہ بطریق احتیاط اگر کوئی شخص کسی وقت باوجود اعتقاد اباحت ترک کردے تو یہ رہبانیت نہیں بلکہ ورع وتقویٰ میں شامل ہے حدیث میں ہے لا یبلغ العبد ان یکون من المتقین حتّٰی یَدَعَ مَالَا بَاسَ بِهٖ حذراً مما به باس (ترمذی) الحاصل ترک اعتداء اور اختیار تقویٰ کی قید کو ملحوظ رکھ کر ہر قسم کے طیبات سے مومن مستفید ہوسکتا ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں ترقیات کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

اعتدال کے ساتھ ان کو استعمال کرو نہ حلال سے حرام کی طرف دوڑو اور نہ حلال میں اتنے منہمک ہو جاؤ کہ خدا سے غافل ہو جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو اس کے حکم اور رضاء کے خلاف کوئی کام مت کرو۔

شان نزول:...... ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے گھر میں لوگوں کو نصیحت کی اور قیامت کے کچھ احوال بیان کیے لوگ آپ ﷺ کے اس وعظ سے نہایت متاثر ہوئے اور رونے لگے اس کے بعد اکابر صحابہ میں سے دس آدمی یعنی ابوبکر صدیق اور حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود اور اور عبداللہ بن عمر اور ابوذر غفاری اور سالم مولی ابی حذیفہ اور مقداد بن اسود اور سلمان فارسی اور معقل بن مقرن یہ سب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے گھر میں جمع ہوئے اور سب نے اس پر اتفاق کیا کہ دن بھر روزہ اور رات بھر نماز ادا کریں گے اور فرش پر نہ سوئیں گے اور گوشت اور چربی نہیں کھائیں گے اور نہ عورتوں اور خوشبو کے قریب جائیں گے اور ٹاٹ پہنا کریں گے اور دنیا کو بالکل ترک کر دیں گے اور اپنی شرمگاہوں کو کاٹ ڈالیں گے اور راہب بن جائیں گے اور ان باتوں پر قسمیں کھائیں گے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو بلا کر یہ فرمایا مجھ کو یہ حکم نہیں دیا گیا۔ میں یہودیت اور نصرانیت دے کر نہیں بھیجا گیا میں تو ملت حنیفہ سمحہ یعنی ملت ابراہیمیہ دے کر بھیجا گیا ہوں جو نہایت سہل اور آسان ہے تحقیق تم پر تمہارے نفس کا بھی حق ہے خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں لیکن روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور اپنی عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں اور نکاح بھی کرتا ہوں جو میری سنت سے روگردانی کرے وہ میری امت سے نہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۶/۲۶۰ وتفسیر ابن کثیر: ۲/۸۷)

فائدہ:...... کسی حلال چیز کو اس نیت سے ترک کر دینا کہ اس ترک سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا یہ رہبانیت ہے جس کو اسلام نے بدعت اور ممنوع قرار دیا ہے اور اگر کسی حلال چیز کو بعض اوقات کسی جسمانی یا نفسانی علاج کی خاطر ترک کر دیا جائے تو یہ مباح ہے داخل بدعت نہیں جیسے کسی طبیب جسمانی یا روحانی کے کہنے سے بغرض علاج اگر گوشت وغیرہ سے پرہیز کر لیا جائے تو یہ جائز ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ

نہیں پکڑتا تم کو اللہ تمہاری بیہودہ قسموں پر ف۱ لیکن پکڑتا ہے اس پر جس قسم کو تم نے مضبوط باندھا

نہیں پکڑتا تم کو اللہ تمہاری بے فائدہ قسموں پر، لیکن پکڑتا ہے جو قسم تم نے گرہ باندھی۔

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ

سو اس کا کفارہ کھانا دینا ہے دس محتاجوں کو اوسط درجہ کا کھانا جو دیتے ہو اپنے گھر والوں کو ف۲ یا کپڑا پہنا دینا دس محتاجوں کو ف۳ یا

سو اس کا اتار، کھلانا دس محتاجوں کو بیچ کا کھانا، جو دیتے ہو اپنے گھر والوں کو، یا ان کو کپڑا دینا، یا

ف۱ یعنی ان پر دنیا میں کفارہ نہیں جیسا کہ "یمین منعقدہ" میں واجب ہے۔ "لغو" و بیہودہ قسم کی تفسیر پارہ سیقول کے اواخر میں گزر چکی۔ چونکہ اوپر تحریم طیبات کا ذکر تھا اور تحریم کی ایک قسم "یمین" بھی ہے اس لئے "یمین" کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

ف۲ یعنی قسم توڑنے کے بعد یہ کفارہ دیا جائے گا۔ کھانا دینے میں اختیار ہے خواہ دس مساکین کو گھر بٹھلا کر کھانا کھلا دے یا صدقۂ فطر کے برابر ہر مسکین کو غلہ یا اس کی =

تَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيۡمَانِكُمۡ اِذَا حَلَفۡتُمۡ ؕ

ایک گردن آزاد کرنی ف۱ پھر جس کو میسر نہ ہو تو روزے رکھنے ہیں تین دن کے ف۲ یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب قسم کھا بیٹھو

ایک گردن آزاد کرنی۔ پھر جس کو پیدا نہ ہو تو روزہ تین دن کا۔ یہ اتار ہے تمہاری قسموں کا جب قسم کھا بیٹھو

وَاحۡفَظُوۡۤا اَيۡمَانَكُمۡ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۸۹﴾

اور حفاظت رکھو اپنی قسموں کی ف۳ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنے حکم تاکہ تم احسان مانو ف۴

اور تھامتے رہو اپنی قسمیں۔ یوں بتاتا ہے تم کو اللہ اپنے حکم، شاید تم احسان مانو۔

حکم شانز دہم متعلق بہ قسم

قَالَ تَعَالٰى: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغۡوِ فِيۡۤ اَيۡمَانِكُمۡ ... الی ... لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ﴾

ربط:...... اوپر کی آیت میں چونکہ تحریم طیبات کا ذکر تھا اور تحریم کی ایک قسم یمین بھی ہے اس لیے بہت سے لوگ کھانے پینے میں قسم کھا لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ چیز اب ہم پر حرام ہوگئی لہٰذا اس مناسبت سے اس مقام پر قسم اور کفارہ کے احکام بیان فرماتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت انہی لوگوں کے بارہ میں نازل ہوئی جن کا پہلی آیت میں ذکر ہو چکا ہے ان لوگوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم دنیا کو بالکل ترک کر دیں گے اور عورتوں کے قریب نہ جائیں گے گزشتہ آیت کے نازل ہونے کے بعد ان قسم کھانے والوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو ترک لذائذ پر قسم کھا چکے ہیں اب ہم اپنی قسموں کا کیا کریں گے اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ (تفسیر قرطبی: ۶/ ۲۶۴ وروح المعانی: ۶/ ۹)

اللہ تعالیٰ تمہاری فضول اور بے قاعدہ قسموں پر تو مواخذہ نہ کرے گا جن کا حکم سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے لیکن ان قسموں پر مواخذہ کرے گا جن کو تم نے مضبوط باندھا ہے اور پکا کر لیا ہے پکی قسم سے یہ مراد ہے کہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی پختہ طور پر قسم کھائے تو ایسی قسم کا کفارہ اگر آدمی [1] اس کو پورا نہ کرے دس محتاجوں کو کھانا دے دینا ہے اوسط درجہ کا جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کپڑا پہنا دینا یا کسی گردن کو (قید غلامی) سے چھڑا دینا یعنی ایک غلام یا لونڈی آزاد کر دینا ان تینوں میں سے جس کو چاہے اختیار کرے پھر جس شخص کو ان تین میں سے کسی ایک

= قیمت ادا کر دے۔

ف۳ اس قدر جس سے بدن کا اکثر حصہ ڈھک جائے۔ مثلاً کرتہ اور پاجامہ یا لنگی اور چادر۔

ف۱ یعنی ایک بردہ آزاد کرنا اس میں مومن ہونا شرط نہیں۔

ف۲ یعنی متواتر روزے تین دن کے رکھے اور میسر نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ صاحب نصاب نہ ہو کذا فی روح المعانی۔

ف۳ قسموں کی حفاظت یہ ہے کہ بلا ضرورت بات بات پر قسمیں نہ کھائے یہ عادت بھلی نہیں۔ اور اگر قسم کھائی تو تا مقدور پوری کرے اور اگر کسی وجہ سے توڑے تو کفارہ ادا کرے۔ یہ سب چیزیں حفاظت یمین میں داخل ہیں۔

ف۴ کتنا بڑا احسان ہے کہ ہم نے طیبات سے گریز کیا تو اس گریز سے منع فرمایا۔ اور اگر کسی نے غلطی سے طیبات کو اپنے اوپر حرام ہی کر لیا تو اس کو حفاظت یمین کے ساتھ اس سے حلال ہونے کا طریقہ بھی بتلا دیا۔

[1] یہ قید اس لیے لگائی کہ محض قسم کھانے سے بالاتفاق کفارہ واجب نہیں ہوتا جب تک حانث نہ ہو یعنی جب تک قسم کو نہ توڑے۔

پر بھی مقدور نہ ہو یعنی جو شخص بوجہ افلاس دس مسکینوں کو کھانا کپڑا دینے اور غلام آزاد کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کی قسم کا کفارہ تین دن کے روزے ہیں جو متواتر رکھنے ہوں گے جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ﴿فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ﴾ مُتَتَابِعَاتٍ کا لفظ آیا ہے اور جو قراءت متواتر نہ ہو تو کم از کم خبر واحد یا تفسیر صحابی ضرور سمجھی جائے گی جو مرفوع کے حکم میں ہو گی یہ جو اوپر مذکور ہوا تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب قسم کھا بیٹھو پھر اس کو توڑ ڈالو اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو یعنی اگر تم نے کسی جائز امر پر قسم کھائی ہے تو اس کو پورا کرو اور اگر کسی وجہ سے اس کو پورا نہ کر سکو یا اس کے توڑنے میں خوبی اور مصلحت دیکھو تو اس کا کفارہ دو تا کہ تمہارے دلوں میں اللہ کے نام کی عظمت محفوظ رہے اور یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام بیان کرتا ہے تا کہ تم شکر کرو اور اللہ کی نعمتوں کو موقع اور محال میں صرف کرو مثلاً زبان کو اللہ کے ذکر اور اس کے احترام اور تعظیم میں صرف کرو جھوٹی قسمیں کھا کر اللہ کے نام کی بے حرمتی نہ کرو اور خدا کا نام لے کر حلال کو اپنے اوپر حرام نہ کرو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ

اے ایمان والوں یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے ف۱ سب گندے کام ہیں

اے ایمان والو! یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے، گندے کام ہیں

الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۹۰ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ

شیطان کے سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ ف۲ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں

شیطان کے، سو ان سے بچتے رہو، شاید تمہارا بھلا ہو۔ شیطان یہی چاہتا ہے، کہ ڈالے تم میں

ف۱ "انصاب" و "ازلام" کی تفسیر اسی سورت کی ابتداء میں ﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ﴾ کے تحت میں گزر چکی۔

ف۲ اس آیت سے پہلے بھی بعض آیات خمر (شراب) کے بارے میں نازل ہو چکی تھیں۔ اول یہ آیت نازل ہوئی ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ گو اس سے نہایت واضح اشارہ تحریم خمر کی طرف کیا جا رہا تھا مگر چونکہ صاف طور اس کے چھوڑنے کا حکم نہ تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا اللھم بین لنا بیانا شافیا اس کے بعد دوسری آیت آئی ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ الی آخر الآیۃ۔ اس میں بھی تحریم خمر کی تصریح نہ تھی۔ گو نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ہوئی اور یہ قرینہ اسی کا تھا کہ غالباً یہ چیز عنقریب کلیۃً حرام ہونے والی ہے۔ مگر چونکہ عرب میں شراب کا رواج انتہا کو پہنچ چکا تھا اور اس کا دفعتاً چھڑا دینا مخاطبین کے لحاظ سے سہل نہ تھا اس لئے نہایت حکیمانہ تدریج سے اولاً قلوب میں اس کی نفرت بٹھلائی گئی اور آہستہ آہستہ حکم تحریم سے مانوس کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس دوسری آیت کو سن کر پھر وہی لفظ کہے اللّٰھم بین لنا بیانا شافیا آخر کار "مائدہ" کی یہ آیتیں جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ جن میں صاف صاف بت پرستی کی طرح اس گندی چیز سے بھی اجتناب کرنے کی ہدایت تھی۔ چنانچہ حضرت عمر "فھل انتم منتھون" سنتے ہی چلا اٹھے "انتھینا انتھینا" لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے، خم خانے برباد کر دیئے۔ مدینہ کی گلی کوچوں میں شراب پانی کی طرح بہتی پھرتی تھی۔ سارا عرب اس گندی شراب کو چھوڑ کر معرفت ربانی اور محبت و اطاعت نبوی کی شراب طہور سے مخمور ہو گیا اور ام الخبائث کے مقابلہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جہاد ایسا کامیاب ہوا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ جس چیز کو قرآن کریم نے اتنا پہلے اتنی شدت سے روکا تھا، آج سب سے بڑے شراب خوار ملک امریکہ وغیرہ اس کی خرابیوں اور نقصانات کو محسوس کر کے اس کے مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ۔

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ

دشمنی اور بیر بذریعہ شراب اور جوئے کے اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے سو اب بھی

دشمنی اور بیر شراب سے اور جوئے سے، اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے، پھر اب

اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿٩١﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ

تم باز آؤ گے ف۱ اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور بچتے رہو پھر اگر تم پھر جاؤ گے

تم باز آؤ گے ؟ اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا، اور بچتے رہو۔ پھر اگر تم پھرو گے

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٩٢﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف پہنچا دینا ہے کھول کر ف۲ جو لوگ ایمان لائے اور کام

تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ یہی ہے پہنچا دینا کھول کر۔ جو لوگ ایمان لائے اور کام

الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا

نیک کئے ان پر گناہ نہیں اس میں جو کچھ پہلے کھا چکے جب کہ آیندہ کے لیے ڈر گئے اور ایمان لائے اور عمل نیک کئے پھر ڈرتے رہے

نیک کئے، ان پر نہیں گناہ جو کچھ پہلے کھا چکے، جب آگے ڈرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کئے، پھر ڈرے

وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٣﴾ ع ۱۲

اور یقین کیا پھر ڈرتے رہے اور نیکی کی اور اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو ف۳

اور یقین کیا، پھر ڈرے اور نیکی کی، اور اللہ چاہتا ہے نیکی والوں کو۔

ف۱ شراب پی کر جب عقل جاتی رہتی ہے تو بعض اوقات شرابی پاگل ہو کر آپس میں لڑ پڑتے ہیں کہ نشہ اترنے کے بعد بھی بعض دفعہ لڑائی کا اثر باقی رہتا ہے اور باہمی عداوتیں قائم ہو جاتی ہیں، یہ ہی حال بلکہ کچھ بڑھ کر جوئے کا ہے۔ اس میں ہار جیت پر سخت جھگڑے اور فساد برپا ہوتے ہیں جس سے شیطان کو اودھم مچانے کا خوب موقع ملتا ہے یہ تو ظاہری خرابی ہوئی اور باطنی نقصان یہ ہے کہ ان چیزوں میں مشغول ہو کر انسان خدا کی یاد اور عبادت الٰہی سے بالکل غافل ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل مشاہدہ اور تجربہ ہے۔ شطرنج کھیلنے والوں ہی کو دیکھ لو۔ نماز تو کیا، کھانے پینے اور گھر بار کی بھی خبر نہیں رہتی۔ جب یہ چیز اس قدر ظاہری و باطنی نقصانات پر مشتمل ہے تو کیا ایک مسلمان اتنا سن کر بھی باز نہ آئے گا۔

ف۲ اگر کسی چیز کے منافع و مضار کا احاطہ نہ کر سکو تب بھی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا امتثال کرو اور قانون کی خلاف ورزی سے بچتے رہو۔ اگر نہ بچو گے تو ہمارے پیغمبر تم کو قانون و احکام الٰہی کھول کر پہنچا چکے۔ نتیجہ خلاف ورزی کا خود سوچ لو کیا ہوگا۔

ف۳ نہایت صحیح اور قوی احادیث میں ہے کہ جب تحریم کی آیات نازل ہوئیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جنہوں نے حکم تحریم آنے سے پہلے شراب پی اور اسی حالت میں انتقال کر گئے۔ مثلاً بعض صحابہ رضی اللہ عنہم جو جنگ احد میں شراب پی کر شریک ہوئے اور اسی حالت میں شہید ہو گئے کہ پیٹ میں شراب موجود تھی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ عموم الفاظ اور دوسری روایات کو دیکھتے ہوئے ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ زندہ ہوں یا مردہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح رکھتے ہیں ان کے لئے کسی مباح چیز کے بوقت اباحت کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خصوصاً جب کہ وہ لوگ عام احوال میں تقویٰ اور ایمان کی خصال سے متصف ہوں۔ پھر ان خصال میں برابر ترقی کرتے رہے ہوں حتیٰ کہ مدارج تقویٰ و ایمان میں ترقی کرتے کرتے مرتبہ احسان تک جا پہنچے ہوں جو ایک مومن کے لئے روحانی ترقیات کا انتہائی مقام ہو سکتا ہے۔ جہاں پہنچ کر حق تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ خصوصی محبت کرتا ہے و فی =

حکم ہفدہم تحریم خمر وقمار

قَالَ تَعَالٰی: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ ... الی ... یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾

ربط: ...... اوپر کی آیتوں میں حلال کو حرام سمجھنے کی ممانعت تھی اب اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ جیسے حلال کی حرام سمجھنا گناہ ہے ایسے ہی حرام کو حلال سمجھنا بھی گناہ اور حرام ہے جیسے شراب اور جوا وغیرہ وغیرہ، اہل عرب شراب اور جوے کو حلال اور طیب سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ یہ چیزیں حلال اور طیب نہیں بلکہ خبیث اور جس میں ان سے اجتناب ضروری ہے اور انکا استعمال حرام ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ جس چیز کو اللہ نے حرام کر دیا اس کے قریب نہ جاؤ جز ایں نیست کہ شراب اور جوا اور بتوں کے تھان انصاب ان پتھروں کو کہتے ہیں جن کو مشرک لوگ کسی دیوی یا دیوتا کے نام پر کھڑا کر دیتے تھے اور ان کو پوجتے تھے اور وہاں قربانیاں کیا کرتے تھے انصاب اور اصنام میں یہ فرق ہے کہ انصاب بے مورت والے پتھر ہوتے تھے اور اصنام مورت والے یعنی انصاب ان گھڑت پتھروں کو کہتے ہیں جن کو زمانہ جاہلیت میں پوجتے تھے اور اصنام تراشی ہوتی مورتوں کو کہتے ہیں اور فال کے تیر جاہلیت میں دو قسم کے ازلام تھے ایک قسم کے ساتھ عرب جوا کھیلا کرتے تھے اور دوسری قسم سے فال لیا کرتے تھے یہ سب چیزیں گندی اور پلید اور قابل نفرت ہیں شیطانی کام ہیں پس تم ان ناپاک اور شیطانی کاموں سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ ناپاک اور شیطانی کاموں سے بچنے ہی

= حدیث جبریل "اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ" پس جو پاک باز صحابہ رضی اللہ عنہم ایمان وتقویٰ میں عمر گزار کر اور نسبت احسان حاصل کر کے خدا کی راہ میں شہید ہو چکے ان کی نسبت اس طرح کے خلجان اور توہمات پیدا کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں کہ وہ ایک ایسی چیز کا استعمال کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے ہیں جو اس وقت حرام نہیں تھی مگر بعد کو حرام ہوئی۔ محققین نے لکھا ہے کہ تقویٰ (یعنی مضار دینی سے مجتنب ہونے کے) کئی درجے ہیں۔ اور ایمان ویقین کے مراتب بھی بلحاظ قوت وضعف متفاوت ہیں تجربہ اور نصوص شرعیہ سے ثابت ہے کہ جس قدر آدمی ذکر وفکر، عمل صالح اور جہاد فی سبیل اللہ میں ترقی کرتا ہے اسی قدر خدا کے خوف اور اس کی عظمت وجلال کے تصور سے قلب معمور اور ایمان ویقین مضبوط ومستحکم ہوتا رہتا ہے۔ مراتب سیر الی اللہ کی اسی ترقی وعروج کی طرف اس آیت میں تقویٰ اور ایمان کی تکرار سے اشارہ فرمایا اور سلوک کے آخری مقام "احسان" اور اس کے ثمرہ پر بھی تنبیہ فرما دی۔ اور جن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق سوال کیا گیا تھا اس کا جواب ایک عام وتام ضابطہ بیان فرما کر ایسے عنوان سے دے دیا گیا جس میں ان مرحومین کی فضیلت ومنقبت کی طرف بھی لطیف اشارہ ہو گیا۔ ذخیرہ احادیث صحیحہ میں دو مواقع ایسے ہیں جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس قسم کا سوال کیا ہے۔ ایک موقع تو یہی "تحریم خمر" کے متعلق ہے اور دوسرا تحویل قبلہ کے وقت سوال کیا گیا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ حکم تحویل قبلہ سے پہلے وفات پا گئے اور ایک نماز بھی کعبہ کی طرف نہیں پڑھی ان کی نمازوں کا کیا حال ہوگا۔ اس پر آیت ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ نازل ہوئی۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی دو مسئلے ایسے تھے جن میں صاف صاف دو ٹوک حکم نازل ہونے سے پہلے نہایت ہی واضح آثار وقرائن ایسے موجود تھے جن کو دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم ہر آن نزول حکم صریح کا انتظار کر رہے تھے۔ خمر کے متعلق تو ابھی چند فوائد پہلے ہم ایسی روایات نقل کر چکے ہیں جن سے ہمارے اس دعوے کا کافی زائد ثبوت ملتا ہے اور "تحویل قبلہ" کے باب میں قرآن کریم کی آیات ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاۗءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا﴾ جو سیقول کے شروع میں گزریں خبر دے رہی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت منتظر تھے کہ کب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے واضح حالات صحابہ رضی اللہ عنہم پر مخفی نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لئے تحویل قبلہ کا حکم جب ایک آدمی نے کسی محلہ کی مسجد میں جا کر سنایا تو سارے نمازی محض خبر واحد سن کر بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھر گئے حالانکہ بیت المقدس کا استقبال قطعی طور پر انہیں معلوم تھا اور خبر واحد ظنی قطعی کے لئے ناسخ نہ ہو سکتی تھی اس لئے علمائے اصول نے تصریح کی ہے کہ یہ خبر واحد محفوف بالقرائن ہونے کی وجہ سے قطعی سمجھی گئی پس جو قرائن وآثار حتمی طور پر خبر دے رہے تھے کہ "تحریم خمر" یا "تحویل قبلہ" کا حکم امروز وفردا میں پہنچنے والا ہے۔ گویا وہ ایک طرح سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نزول حکم سے پہلے مرضی الٰہی پر فی الجملہ مطلع کر رہے تھے۔ اسی لئے ان دو مسئلوں میں نزول حکم سے قبل کی حالت کے متعلق سوال کرنا محل استبعاد نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً خمر کی نسبت جس کی ممانعت کے نہایت واضح اشارات ﴿وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ وغیرہ میں موجود تھے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سے فلاح ہوسکتی ہے شراب انسان کی عقل جیسی بے مثال نعمت کو ضائع کرتی ہے اور عقل ہی وہ چیز ہے جو برے اور بھلے میں تمیز کرتی ہے اور انسان کو ناجائز خواہشوں سے روکتی ہے جب عقل ہی نہ رہے گی تو برے کاموں سے کیونکر بچے گا اور جوا، مال کو ضائع اور برباد کردیتا ہے اور معبودانِ باطلہ کے تھانوں اور تیروں کی تعظیم اور ان کی پرستش انسان کی عزت کو برباد کردیتی ہے اور ایک ادنیٰ اور حقیر چیز کے سامنے سر جھکانے سے انسان ذلیل اور خوار ہوجاتا ہے اور تیروں سے فال لے کر کام کرنا یہ سراسر جہالت اور وہم پرستی ہے جو علم کو ضائع کردیتی ہے یہ سب برے کام شیطان کے اغواء سے کچھ لوگ ان کاموں کو اچھا سمجھتے ہیں شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوے سے تمہارے درمیان عداوت اور نفرت ڈلوادے شراب سے باہم عداوت نفرت کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شرابی جب شراب پی کر مست ہوجاتے ہیں اور ان کی عقل زائل ہوجاتی ہے تو بسا اوقات ان کی زبان سے ایک دوسرے کی نسبت بے ہودہ الفاظ نکلتے ہیں جو باہمی نزاع کا سبب بنتے ہیں اور بسا اوقات ضرب اور قتل تک نوبت پہنچتی ہے اور اس طرح ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی عداوت بیٹھ جاتی ہے۔

اور جوئے سے باہم عداوت یوں پیدا ہوتی ہے کہ بعض وقت آدمی جوئے میں اپنے کل مال سے ہار جاتا ہے اور وہ بالکل مفلس اور بے دست و پا، رہ جاتا ہے پھر جب وہ اپنا مال دوسرے کے پاس دیکھتا ہے تو اس کو اس کے ساتھ عداوت ہوجاتی ہے غرض یہ کہ شراب اور جوا عداوت اور نفرت کے قوی ترین اسباب میں سے ہیں یہ تو شراب اور جوئے کی دنیوی مضرت ہوئی اور اخروی مضرت یہ ہے کہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے یعنی شیطان کا مقصود تم کو شراب اور جوئے کی ترغیب سے یہ ہے کہ تم ان میں پڑ کر یاد الٰہی اور نماز سے غافل ہوجاؤ کیونکہ شراب اور جوئے میں پھنس کر یاد الٰہی اور نماز کا ہوش ہی نہیں رہتا اور اس کی دلیل مشاہدہ اور تجربہ ہے شطرنج کھیلنے والوں کو دیکھ لو نماز کا تو کیا کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں رہتا پس جب تم پر شراب اور جوئے کی دنیوی اور اخروی مضرتیں واضح ہوگئیں سو بتلاؤ کیا اب بھی ان گندی چیزوں سے باز آؤ گے جو تمہاری دنیا اور آخرت کی خرابی کا ذریعہ ہیں یعنی اب عقل کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان گندی اور ناپاک چیزوں سے باز آجاؤ جو تم کو مولائے برحق کو یاد سے روکتی ہیں عرب میں شراب غایت درجہ مرغوب تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو تدریجاً حرام فرمایا اول یہ آیت نازل ہوئی ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ جس میں صراحۃً کے ساتھ ممانعت نہ تھی اس لیے بعض نے شراب پی اور بعض نے اس کو ترک کردیا اس کے بعد دوسری آیت نازل ہوئی جو پہلی آیت سے زیادہ سخت تھی وہ آیت یہ تھی ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ ؓ نے بوقت صلوٰۃ شراب کا استعمال ترک کردیا حضرت عمر ؓ کو جب پہلی آیت سنائی گئی تو یہ کہا اللھم بین لنا فی الخمر بیانا شافیا۔ اے اللہ شراب کے بارہ میں کوئی شافی اور واضح حکم نازل فرما پھر جب دوسری آیت نازل ہوئی اور عمر ؓ کے سامنے پڑھی گئی تو عمر ؓ نے پھر وہی کہا اللھم بین لنا فی الخمر بیانا شافیا سب سے اخیر میں سورۂ مائدہ کی یہ آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ﴾ الخ نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر ؓ کو بلا کر یہ آیت پڑھ کر سنائی جب آپ ﷺ اس لفظ یعنی ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ پر پہنچے تو حضرت عمر ؓ نے کہا انتھینا انتھینا یعنی ہم باز آئے ہم باز آئے اس آیت

کے نازل ہونے کے بعد تمام صحابہ ﷺ شراب سے باز آ گئے اور یہ حکم سنتے ہی لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ دیے حتی کہ شراب مدینہ کی گلیوں اور نالیوں میں گندے پانی کی طرح بہنے لگی اور مدینہ منورہ اور تمام بلاد اسلام اس ام الخبائث سے یک لخت پاک ہو گئے۔

لطائف ومعارف

۱-شروع آیت میں حق تعالیٰ نے چار چیزوں کا ذکر کیا اور اس آخری آیت میں صرف شراب اور جوئے کا ذکر کیا کیونکہ اصل مقصود انہی دو چیزوں کی حرمت بیان کرنا تھی باقی شروع آیت میں شراب اور جوئے کے ساتھ بت پرستی اور فال کے تیروں کا ذکر اس لیے کیا کہ مسلمانوں کے دلوں میں شراب اور جوئے کی برائی خوب راسخ ہو جائے کہ شراب خوری بمنزلہ بت پرستی کے ہے۔

۲-خمر ماخوذ ہے خمر الشئی بمعنی ستره وغطاه سے جس کے معنی ہیں اس نے اس کو ڈھانک لیا شراب بھی چونکہ عقل کو ڈھانک لیتی ہے اور اس پر پردہ ڈال دیتی ہے اس لیے عربی میں اس کو خمر کہتے ہیں۔

اور میسر قمار (جوئے) کو کہتے ہیں جو یُسرْ بمعنی سہولت سے ماخوذ ہے چونکہ جوئے میں مال آسانی سے مل جاتا ہے اور محنت اور مشقت نہیں اٹھانی پڑتی اس لیے اس کو میسر کہتے ہیں ان دونوں چیزوں میں اگرچہ کچھ نہ کچھ فوائد اور منافع ہیں لیکن مفاسد اور مضرتیں بہت زیادہ ہیں اس لیے شریعت اسلامیہ نے ان دونوں چیزوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیا اور دنیا کے لیے روحانی اور اخلاقی اور مادی اور جسمانی مضرتوں سے حفاظت کا سامان مکمل کر دیا۔

۳-خمر (شراب) کی سب سے بڑی مضرت یہ ہے کہ مے خوار کی عقل نشہ کی حالت میں بالکل جاتی رہتی ہے اور آہستہ آہستہ کم ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ چند روز بعد ہوش وحواس کی حالت میں بھی اس سے دیوانہ وار حرکتیں سرزد ہونے لگتیں ہیں۔ اس کی زبان اس کے اختیار اور قابو سے باہر ہو جاتی ہے اور اس کو اپنے اقوال وافعال کے عواقب اور انجام کا ہوش نہیں رہتا۔

(دوسرے) یہ کہ شراب بہیمی خواہشوں کو بڑھاتی ہے اور بسا اوقات اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ عصمت وعفت کو جڑ (بنیاد) سے اکھاڑ کر پھینکتی ہے یا کم از کم متزلزل کر دیتی ہے اور زنا اور بدکاری اور بے حیائی پر آمادہ کرتی ہے۔

(تیسرے) یہ کہ آدمی عبادت اور ذکر الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے بلکہ فرائض زندگی کی بھی کوئی قدر وقیمت اس کی نگاہ میں نہیں رہتی۔

(چوتھے) یہ کہ شراب مال ودولت کی بربادی کا ذریعہ ہے شرابی کی دولت وثروت سب شراب کی نذر ہو جاتی ہے اور بسا اوقات اس قدر تنگ آ جاتا ہے کہ زندگی سے تنگ آ کر خودکشی کر لیتا ہے۔

(پانچویں) یہ کہ شراب خوری باہم دشمنی اور عداوت پیدا کرتی ہے اور باہمی تعلقات کو توڑ ڈالتی ہے۔

(چھٹے) یہ کہ شرابی کا مزاج اعتدال سے منحرف ہو جاتا ہے اور صحت بدنی میں فرق آ جاتا ہے اور اس کی تمام جسمانی

قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں اس لیے کہ شراب میں غذائیت نہیں ہے کہ وہ ہضم ہو سکے شراب چونکہ معدہ میں جا کر تحلیل نہیں ہوتی اس لیے دن بدن معدہ کو کمزور کرتی جاتی ہے اور قے کا مرض لگ جاتا ہے اور قلت غذا کی وجہ سے بدن میں اتنا خون نہیں پیدا ہوتا کہ جو تقویت بدن کا باعث بن سکے۔ اور جس قدر خون پیدا ہوتا ہے اس میں شراب کی سمیت موجود ہوتی ہے جو بدن کو روز بروز گھلاتی رہتی ہے اور دن بدن نظام عصبی میں فرق آ جاتا ہے عضلات اور عروق بھی بگڑتے جاتے ہیں پھیپھڑا گلنے لگتا ہے اور کھانسی اور سل شروع ہو جاتی ہے اکثر اطباء کا بیان ہے کہ اگرچہ سل کی بیماری بغیر شراب پینے کے بھی ہو جاتی ہے لیکن ۹۵ فیصدی مریض سل کے شرابی ہی ہوتے ہیں اور شاذ و نادر ہی بچتے ہیں۔

(ساتویں) یہ کہ شرابی، قویٰ کے ضعیف ہو جانے کی وجہ سے اکثر کام سے جی چرانے لگتا ہے بغیر نشہ کے کام نہیں کر سکتا کام کرنے کے لیے بھی اسے شراب پینی پڑتی ہے یہاں تک کہ اس کے قویٰ بالکل جواب دے جاتے ہیں۔

اس لیے قرآن پاک نے شراب کو نجس اور عمل شیطان اور حرام قرار دیا اور اس کے پینے والے پر حد مقرر کی یورپ کی متمدن قوموں پر شراب خوری کے مفاسد خوب واضح ہو چکے ہیں اور شراب کی وجہ سے نظام تمدن کی خرابیاں ان کی نظروں کے سامنے ہیں اور اس کے معترف ہیں کہ یہ چیز حرام ہونے کے قابل ہے مگر قانوناً اس کو جرم نہیں قرار دیا اسلامی تعلیم جہاں پہنچی اس نے شراب اور شراب خوری کا قلع قمع کر دیا اور پورے ملک کو اس لعنت سے محفوظ کر دیا۔

۴- اور اسی طرح میسر یعنی قمار (جوئے) کو سمجھو کہ وہ بھی حرام اور باطل ہے قمار لوگوں کے مال چھین لینے اور اچک لینے کا ایک خاص طریقہ ہے جو وہمی حرص اور طمع اور آرزو پر مبنی ہے جوئے میں مال چونکہ بے مشقت مل جاتا ہے اس لیے جواری عموماً کاہل اور آرام طلب اور فکر معاش سے غافل ہوتے ہیں اور وہمی اور خیالی منصوبوں میں پڑ جاتے ہیں ہار جیت کے چکر میں رہتے ہیں اور قرض لیتے رہتے ہیں اور جب قرض نہیں ملتا تو چوری اور چکاری اور لوٹ کھسوٹ پر کمر باندھ لیتے ہیں علاوہ ازیں قمار باہمی بغض و عناد پیدا کرتا ہے اس لیے کہ ہارنے والوں کو ہار کر غیظ و غضب آتا ہے اور کینہ اور انتقام پر آمادہ کرتا ہے اور چونکہ ہار جیت کسی سے خاص نہیں رہتی اس لیے جواری ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں اور ذرا بھی ان کو دوسرے پر رحم نہیں آتا اور مال کے ساتھ ان کے جان کے بھی لاگو ہو جاتے ہیں اور خون ناحق کے مرتکب ہو جاتے ہیں پھر یہ کہ جس جواری کو بھی دیکھیے وہ کنگال ہی نظر آئے گا جواریوں کا روپیہ ہر وقت گھومتا رہتا ہے اور جواری جوئے کے چکر میں دھنس کر ایسا اندھا ہو جاتے ہیں کہ اس جوئے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اور نہ وہ دین کا رہتا ہے اور نہ دنیا کا نہ طاعت و عبادت کا اور نہ زن و فرزند اور عزیز اور قرباء کا اس کی ساری دنیا قمار خانہ ہوتی ہے غرض یہ کہ شراب کی طرح جوا بھی دشمن عقل اور دشمن مال اور دشمن اخلاق ہے جواریوں کو طرح طرح کے جرائم پر آمادہ کرتا ہے اور نظام تمدن کا مخرب ہے ان مفاسد کی بناء پر اللہ نے اپنی رحمت سے اس ناپاک اور پلید چیز کو اپنے بندوں پر حرام فرما دیا تاکہ فلاح کو پہنچیں۔

حکم بامتثال جمیع احکام

گزشتہ آیت میں ایک خاص حکم کے امتثال کا حکم تھا اب اس آیت میں تمام احکام میں اطاعت کا حکم دیتے ہیں

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے ایمان والو! تم تمام احکام میں اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے رہو اور اللہ اور رسول کی نافرمانی سے ڈرتے اور بچتے رہو لہٰذا شراب اور جوئے سے بھی بچتے رہو پس اگر تم اطاعت سے اعراض کرو گے تو ہمارا ہمارے رسول کا کچھ نقصان نہ کرو گے اپنا ہی نقصان ہی کرو گے پس خوب جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف حکم کا واضح طور پر پہنچا دینا ہے نہ کہ تم کو مجبور کرنا سو وہ پہنچا چکے اس پر بھی نہ مانو تو تم جانو۔

عدم تاثیم بر استعمال خمر و میسر قبل از تحریم

جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جو بھائی تحریم سے پہلے شراب پیتے رہے اور جوئے کا مال کھاتے رہے اور مر گئے ان کا کیا حال ہوگا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جن لوگوں نے تحریم سے پہلے شراب پی یا جوا کھیلا ان پر کوئی گناہ نہیں جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان پر کوئی گناہ نہیں اس چیز میں کہ جو وہ حرام ہونے سے پہلے کھا چکے ہیں یعنی حرام ہونے سے پہلے شراب اور جوئے کا مال کھا چکے ہیں اس پر کوئی گناہ اور مواخذہ نہیں بشرطیکہ وہ خدا سے ڈرتے رہے اور ان چیزوں کے استعمال سے بچتے رہے جو اس وقت حرام تھیں اور خدا پر ایمان لائے اور نیک عمل کیے یعنی اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ خدا تعالیٰ کو اختیار ہے کہ جس چیز کو جس وقت چاہے حلال کر دے اور جس وقت چاہے حرام کر دے پھر ان لوگوں نے مدارج تقویٰ اور ایمان میں ترقی کی اور ان چیزوں سے پرہیز کیا کہ جو بعد میں حرام کی گئیں ان کی حرمت پر ایمان لائے۔ خدا کے بندے ہیں جو حکم آتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں پھر تقویٰ اور ایمان میں اور ترقی کی اور غایت درجہ کے پرہیزگار اور نیکوکار بن گئے کہ شبہات سے بھی تورع اور احتیاط برتی یعنی مدارج تقویٰ اور ایمان میں ترقی کرتے کرتے مرتبہ احسان تک جا پہنچے، جو مرد مومن کے لیے ترقی کا آخری مقام ہے جیسے کہ حدیث جبرائیل میں ہے "الاحسان ان تعبد اللہ کانك تراہ۔" اور مرتبہ احسان روحانی ترقیات کا آخری مقام اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ محسنین کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور ظاہر ہے کہ محبوبیت خداوندی روحانی ترقی کا آخری مقام ہے۔

فائدہ:...... ایمان اور تقویٰ کے تکرار اور لفظ ثم کے بار بار لانے سے اشارہ اس طرف ہے کہ ایمان اور تقویٰ میں مراتب اور درجات ہیں آخری مرتبہ مقام احسان ہے جہاں بندہ پہنچ کر خدا تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔

همینت بس کہ داند ماهرویم — کہ من نیز از خریداران اویم

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ

اے ایمان والو البتہ تم کو آزماوے گا اللہ ایک بات سے اس شکار میں کہ جس پر پہنچتے ہیں ہاتھ تمہارے اور نیزے تمہارے ف۱

اے ایمان والو! البتہ تم کو آزمائے گا اللہ، کچھ ایک شکار کے حکم سے، جس پر پہنچیں ہاتھ تمہارے اور تیر یہ

ف۱ پچھلے رکوع میں تحریم طیبات اور اعتداء سے منع فرما کر بعض چیزوں سے اجتناب کا حکم دیا تھا جو دائمی طور پر حرام ہیں، اس رکوع میں بعض ایسی اشیاء کے ارتکاب سے منع کیا گیا ہے جس کی حرمت دائمی نہیں۔ بلکہ بعض احوال و اوضاع سے مخصوص ہے یعنی بحالت احرام شکار کرنا مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف سے مطیع و =

لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰۤاَيُّهَا

تاکہ معلوم کرے اللہ کون اس سے ڈرتا ہے بن دیکھے ف۱ پھر جس نے زیادتی کی اس کے بعد تو اس کے لئے عذاب دردناک ہے اے

کہ معلوم کرے اللہ کہ کون اس سے ڈرتا ہے بن دیکھے۔ پھر جس نے زیادتی کی اس کے بعد تو اس کو دکھ کی مار ہے۔ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ

ایمان والو نہ مارو شکار جس وقت تم ہو احرام میں ف۲ اور جو کوئی تم میں اس کو مارے جان کر ف۳ تو اس پر بدلہ ہے

ایمان والو ! نہ مارو شکار جس وقت تم ہو احرام میں۔ اور جو کوئی تم میں اس کو مارے جان کر،

مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ

اس مارے ہوئے کے برابر مویشی میں سے جو تجویز کریں دو آدمی معتبر تم میں سے اس طرح سے کہ وہ جانور بدلے کا بطور نیاز پہنچایا جاوے کعبہ تک یا اس پر کفارہ ہے

تو بدلہ ہے اس مارے کے برابر مویشی میں سے، وہ ٹھہرائیں دو معتبر تمہارے کہ نیاز پہنچا دے کعبہ تک، یا گناہ کا اتار ہے

طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ

چند محتاجوں کو کھلانا یا اس کے برابر روزے تاکہ چکھے سزا اپنے کام کی ف۴ اللہ نے معاف کیا جو کچھ ہو چکا ف۵

کئی محتاج کا کھانا، یا اس کے برابر روزے، کہ چکھے سزا اپنے کام کی، اللہ نے معاف کیا جو ہو چکا۔

=فرمانبردار بندوں کا یہ امتحان ہے کہ وہ حالت احرام میں جب کہ شکار ان کے سامنے ہے اور بسہولت اس کے مارنے یا پکڑنے پر بھی قادر ہوں، کون ہے جو بن دیکھے خدا سے ڈر کر اس کے حکم کا امتثال کرتا اور اعتداء (احکام خداوندی سے تجاوز کرنے) کی خدائی سزا سے خوف کھاتا ہے۔ "اصحاب سبت" کا قصہ سورۃ بقرہ میں گزر چکا کہ ان کو حق تعالیٰ نے خاص شنبہ کے دن مچھلی کے شکار کی ممانعت فرمائی تھی۔ مگر انہوں نے مکاری اور حیلہ بازی سے اس حکم کی مخالفت کی اور حد سے تجاوز کر گئے۔ خدا نے ان پر نہایت رسوا کن عذاب نازل فرمایا۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھوڑا سا امتحان اس مسئلہ میں لیا کہ حالت احرام میں شکار نہ کریں۔ حدیبیہ کے موقع پر جب یہ حکم بھیجا گیا تو شکار اس قدر کثیر اور قریب تھا کہ ہاتھوں اور نیزوں سے مار سکتے تھے۔ مگر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت کر دکھایا کہ خدا کے امتحان میں ان کے برابر دنیا کی کوئی قوم کامیاب نہیں ہو سکی۔

ف۱ لیعلم اللّٰہ کے لفظ سے جو حدوث علم باری کا وہم گزرتا ہے اس کے ازالہ کے لئے پارہ سیقول کے شروع میں الا لنعلم من یتبع الرسول کا فائدہ ملاحظہ کرو۔

ف۲ اس کے متعلق بعض احکام سورۃ مائدہ کے شروع میں گزر چکے۔

ف۳ جان کر مارنے کا یہ مطلب ہے کہ اپنا محرم ہونا یاد ہو اور یہ بھی مستحضر ہو کہ حالت احرام میں شکار جائز نہیں۔ یہاں صرف "متعمد" کا حکم بیان فرمایا کہ اس کے فعل کی جزا یہ ہے اور خدا جو انتقام لے گا وہ الگ رہا جیسا کہ ومن عاد فینتقم اللّٰہ منہ سے تنبیہ فرمائی۔ اور اگر بھول کر شکار کیا تو جزاء تو یہی رہے گی یعنی "ہدی" یا "طعام" یا "صیام" البتہ خدا اس سے انتقامی سزا اٹھالے گا۔

ف۴ حنفیہ کے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر احرام میں شکار پکڑا تو فرض ہے کہ چھوڑ دے۔ اگر مار دیا تو صاحب بصیرت اور تجربہ کار معتبر آدمیوں سے اس جانور کی قیمت لگوائے اسی قدر قیمت کا مویشی میں سے ایک جانور لے کر (مثلاً بکری، گائے، اونٹ وغیرہ) کعبہ کے نزدیک یعنی حدود حرم میں پہنچا کر ذبح کرے، اور خود اس میں سے نہ کھائے یا اسی قیمت کا غلہ لے کر محتاجوں کو فی محتاج صدقۃ الفطر کی مقدار تقسیم کر دے یا جس قدر محتاجوں کو پہنچتا، اتنے ہی دنوں کے روزے رکھ لے۔

ف۵ یعنی نزول حکم سے پہلے یا اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کسی نے یہ حرکت کی تھی تو اس سے اب خدا تعرض نہیں کرتا۔ حالانکہ اسلام سے پہلے بھی عرب =

وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ

اور جو کوئی پھر کرے گا اس سے بدلہ لے گا اللہ اور اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا ف۱ حلال ہوا تمہارے لئے دریا کا شکار

اور جو کوئی پھر کرے گا، اس سے بیر لے گا اللہ، اور اللہ زبردست ہے بیر لینے والا۔ حلال ہوا تم کو دریا کا شکار،

وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۭ

اور دریا کا کھانا تمہارے فائدہ کے واسطے اور سب مسافروں کے اور حرام ہوا تم پر جنگل کا شکار جب تک تم احرام میں رہو

اور اس کا کھانا، فائدہ کو تمہارے اور مسافروں کے۔ اور حرام ہوا تم پر شکار جنگل کا، جب تک رہو احرام میں

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ

اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم جمع ہو گے ف۲ اللہ نے کردیا کعبہ کو جو کہ گھر ہے بزرگی والا قیام کا باعث لوگوں کے لئے

اور ڈرتے رہو اللہ سے، جس پاس جمع ہو گے۔ اللہ نے کیا ہے کعبہ، یہ گھر بزرگی کا ٹھہرا لوگوں کے واسطے،

وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَاۗىِٕدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي

اور بزرگی والے مہینوں کو اور قربانی کو جو نیاز کعبہ کی ہو اور جن کے گلے میں پٹہ ڈال کر لے جاویں کعبہ کو ف۳ یہ اس لئے کہ تم جان لو کہ بیشک اللہ کو معلوم ہے جو

اور مہینہ بزرگی کا، اور قربانی لے جانی اور گلے میں لٹکن والیاں۔ یہ اس واسطے کہ تم سمجھو کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ ہے

= حالت احرام میں شکار کو نہایت برا جانتے تھے اس لئے اس پر مواخذہ ہونا بے جا نہ تھا کہ جو چیز تمہارے زعم کے موافق جرائم میں داخل تھی اس کا ارتکاب کیوں کیا گیا۔

ف۱ یعنی نہ کوئی مجرم اس کے قبضہ قدرت سے نکل کر بھاگ سکتا ہے اور نہ مقتضائے عدل و حکمت جو جرائم سزا دینے کے قابل ہیں نہ خدا ان سے درگزر کرنے والا ہے۔

ف۲ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں احرام میں دریا کا شکار یعنی مچھلی حلال اور دریا کا کھانا یعنی جو مچھلی پانی سے جدا ہو کر مرگئی اس نے نہیں پکڑی وہ بھی حلال ہے۔ فرمایا یہ تمہارے فائدہ کو رخصت دی۔ پھر کوئی نہ سمجھے کہ حج کے طفیل سے حلال ہے۔ فرمایا کہ اور سب مسافروں کے فائدہ کو مچھلی اگر تالاب میں ہو وہ بھی شکار دریا ہے۔ یہ حکم شکار کا معلوم ہوا احرام کے اندر، اور احرام میں قصد ہے مکہ کا۔ اس شہر مکہ اور گرد و پیش میں ہمیشہ شکار مارنا حرام ہے بلکہ شکار کو ڈرانا اور بھگانا بھی۔

ف۳ کعبہ شریف دینی اور دنیاوی دونوں حیثیت سے لوگوں کے قیام کا باعث ہے۔ حج و عمرہ تو وہ عبادات ہیں جن کا ادا کرنا براہ راست کعبہ ہی سے متعلق ہے۔ لیکن نماز کے لئے بھی استقبال قبلہ شرط ہے، اس طرح کعبہ لوگوں کی دینی عبادات کے قیام کا سبب ہو گیا۔ پھر حج وغیرہ کے موقع پر تمام بلاد اسلامیہ سے لاکھوں مسلمان جب وہاں جمع ہوتے ہیں تو بیشمار تجارتی، سیاسی، اخلاقی، مذہبی اور روحانی فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا نے اس جگہ کو "حرم امن" بنایا۔ اس لئے انسانوں بلکہ بہت جانوروں تک کو وہاں رہ کر امن نصیب ہوتا ہے۔ عہد جاہلیت میں جب کہ ظلم و خونریزی اور فتنہ و فساد محض معمولی بات تھی ایک آدمی اپنے باپ کے قاتل سے بھی حرم شریف میں تعرض نہ کر سکتا تھا۔ مادی حیثیت سے انسان یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ اس وادی غیر ذی زرع میں اتنی افراط سے سامان خورد و نوش اور نفیس قسم کے پھل اور میوے کہاں سے کھنچے چلے آتے ہیں۔ یہ سب حیثیات "قیاماً للناس" میں معتبر ہو سکتی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علم الٰہی میں پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا کہ نوع انسان کے لئے اسی جگہ سے عالمگیر اور ابدی ہدایت کا چشمہ پھوٹے گا اور مصلح اعظم سید کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد و مسکن مبارک بننے کا شرف بھی سارے جہان میں سے اسی خاک پاک کو حاصل ہوگا۔ ان سب وجوہ سے کعبہ کو "قیاماً للناس" کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ کعبہ تمام روئے زمین کے انسانوں کے حق میں اصلاح اخلاق، تکمیل روحانیت اور علوم ہدایت کا مرکزی نقطہ ہے اور کسی چیز کا قیام اپنے مرکز کے بدون نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ محققین کے نزدیک "قیاماً للناس" کا مطلب یہ ہے کہ کعبہ شریف کا مبارک وجود کل عالم کے قیام اور بقا کا باعث ہے۔ دنیا کی آبادی اسی وقت تک =

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے ف۱ جان لو کہ بیشک اللہ کا عذاب

آسمان و زمین میں اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ جان رکھو! کہ اللہ کی مار

الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا

سخت ہے اور بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۲ رسول کے ذمہ نہیں مگر پہنچادینا اور اللہ کو معلوم ہے جو

سخت ہے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ رسول پر ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا۔ اور اللہ کو معلوم ہے جو

تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ

تم ظاہر میں کرتے ہو اور جو چھپا کر کرتے ہو ف۳ تو کہہ دے کہ برابر نہیں ناپاک اور پاک اگرچہ تجھ کو بھلی لگے ناپاک کی کثرت

ظاہر میں کرو گے اور جو چھپا کر۔ تو کہہ، برابر نہیں گندا اور پاک، اگرچہ تجھ کو خوش لگے گندے کی بہتات۔

ع ۱۳ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

سو ڈرتے رہو اللہ سے اے عقل مندو تاکہ تمہاری نجات ہو ف۴

سو ڈرتے رہو اللہ سے، اے عقلمندو! شاید تمہارا بھلا ہو۔

= ہے جب تک خانہ کعبہ اور اس کا احترام کرنے والی مخلوق موجود ہے۔ جس وقت خدا کا ارادہ یہ ہوگا کہ کارخانہ عالم کو ختم کیا جائے تو سب کاموں سے پہلے اسی مبارک مکان کو جسے "بیت اللہ شریف" کہتے ہیں اٹھا لیا جائے گا، جیسا کہ بنانے کے وقت بھی زمین پر سب سے پہلا مکان یہی بنایا گیا تھا۔ ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ﴾ بخاری کی حدیث میں ہے کہ ایک سیاہ فام حبشی (جسے ذوالسویقتین کے لقب سے ذکر فرمایا ہے) عمارت کعبہ کا ایک ایک پتھر اکھیڑ کر ڈال دے گا جب تک خدا کو اس دنیا کا نظام قائم رکھنا منظور ہے کوئی طاقتور سے طاقتور قوم جس کا مقصد کعبہ کو ہدم کرنا ہو، اپنے اس ناپاک ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اصحاب فیل کا قصہ تو ہر شخص نے سنا ہے لیکن ان کے بعد بھی ہر زمانہ میں کتنی قوموں اور شخصوں نے ایسے منصوبے باندھے ہیں اور باندھتے رہتے ہیں۔ یہ محض خدائی حفاظت اور اسلام کی صداقت کا عظیم الشان نشان ہے کہ باوجود سامان واسباب ظاہرہ کے فقدان کے آج تک کوئی شخص اس ابلیسانہ مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور نہ ہو سکے گا اور جب عمارت کعبہ کے گرا دینے میں قدرت کی طرف سے مزاحمت نہ رہے گی تو سمجھ لو کہ عالم کی ویرانی کا حکم آن پہنچا۔ دنیا کی حکومتیں اپنے دارالسلطنت اور قصر شاہی کی حفاظت کے لئے لاکھوں سپاہی کٹوا دیتی ہیں لیکن اگر کبھی خود ہی قصر شاہی کو کسی مصلحت سے تبدیل یا ترمیم کرنا چاہیں تو معمولی مزدوروں سے اس کے گرا دینے کا کام لے لیا جاتا ہے۔ شاید اسی لئے امام بخاری نے "باب جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ الایہ" میں ذوالسویقتین کی حدیث درج کر کے قیاما للناس کے اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے جو ہم نقل کر چکے ہیں (نبہ علیہ شیخنا المترجم قدس اللہ روحہ فی دروس البخاری) بہرحال آیت زیر بحث میں احکام "محرم" بیان فرمانے کے بعد کعبہ شریف کی عظمت وحرمت بیان کرنا مقصود ہے پھر "کعبہ" اور "احرام" کی مناسبت سے "شہر حرام" اور "ہدی" و "قلائد" کا بھی ذکر فرما دیا۔ جیسا کہ اسی سورت کے شروع میں ﴿غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ کے ساتھ ﴿لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ﴾ کو ملحق فرمایا تھا واللہ اعلم۔

ف۱ یعنی کعبہ وغیرہ کے قیاما للناس بنانے میں جن مصالح دینی و دنیاوی کی رعایت فرمائی اور بظاہر بالکل خلاف قیاس جو عظیم الشان پیشین گوئی کی گئی وہ اس کی دلیل ہے کہ آسمان و زمین کی کوئی چیز حق تعالیٰ کے غیر محدود علم کے احاطہ سے باہر نہیں ہو سکتی۔

ف۲ یعنی جو احکام حالت احرام یا احترام کعبہ وغیرہ کے متعلق دیے گئے اگر ان کی عمداً خلاف ورزی کرو گے تو سمجھ لو کہ خدا کا عذاب بہت سخت ہے۔ اور بھول چوک سے کچھ تقصیر ہو جائے پھر کفارہ وغیرہ سے اس کی تلافی کر لو تو بیشک وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان بھی ہے۔ .... =

حکم ہشدہم متعلق بہ شکار در حالت احرام

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ... الی... لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

ربط: ...... پچھلے رکوع میں تحریم طیبات اور اعتداء سے ممانعت فرما کر بعض چیزوں یعنی شراب اور جوئے سے اجتناب کا حکم دیا اور اب اس رکوع میں ان بعض چیزوں کے ارتکاب سے منع فرماتے ہیں جن کی حرمت دائمی نہیں بلکہ بعض احوال کے ساتھ مخصوص ہے جیسے شکار کہ وہ صرف حالت احرام اور حدود حرم کے اندر حرام ہے اس لیے ارشاد فرمایا کہ احرام میں اور حرم کے اندر شکار کو حلال نہ سمجھو اور اس کا ارتکاب نہ کرو شکار کی حرمت سے احرام کا احترام اور حرم محترم اور بیت اللہ کی تعظیم و تکریم مقصود ہے نیز شروع سورت میں بھی احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت مذکور تھی ﴿غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ مگر اجمالاً تھی قدرے اس کی تفصیل فرماتے ہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ احرام اور حرم کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھو چونکہ تم ایمان کے مدعی ہو اس لیے البتہ حق تعالیٰ تم کو گاہ بگاہ کسی شکار کی چیز سے تمہارے ایمان کی آزمائش کرے گا کہ شکار حالت احرام میں تمہارے سامنے آجائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے بسہولت پہنچ سکیں گے اور تم بسہولت شکار پر قادر ہو جاؤ گے یہ آزمائش کا وقت ہوگا تاکہ اللہ معلوم کرے کہ کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے اور خدا کے ڈر سے اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور کون اصحاب سبت کی طرح جن کو شنبہ کے دن مچھلی کی شکار کی ممانعت کر دی گئی تھی مکاری اور حیلہ بازی سے اللہ کے حکم کی مخالفت کرتا ہے اور حد سے تجاوز کرتا ہے پس جو اس ممانعت کے بعد قانون سے تجاوز کرے گا یعنی شکار کرے گا تو اس کے لیے دردناک عذاب ہوگا اب اس تنبیہ کے بعد وہ قانون بتلاتے ہیں اے ایمان والو تمہارے ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ حالت احرام میں خاص طور پر ادب اور تواضع کو ملحوظ رکھو اس لیے تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارو اور جو شخص تم میں سے حالت احرام میں قصداً اس شکار کو مار ڈالے تو جیسا جانور اس نے قتل کیا ہے اسی کے مثل اور مانند اس پر اس کا تاوان لازم ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مماثلت سے خلقی مماثلت مراد ہے بس شتر مرغ کے قتل میں اونٹ واجب ہے اور گورخر کے قتل میں گائے اور ہرن کے قتل میں بکری اور خرگوش کے قتل میں بکری کا نوزائیدہ بچہ وعلی ہذا القیاس اور جن جانوروں میں مویشی یا چوپایوں کے ساتھ خلقی مماثلت مفقود ہو ان میں قیمت کے لحاظ سے مماثلت قائم کی جائے۔

اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ آیت میں مماثلت سے مماثلت بالخلقت مراد نہیں بلکہ مماثلت

= ف ۳ پیغمبر علیہ السلام نے خدا کا قانون اور پیام پہنچا کر اپنا فرض ادا کر دیا اور خدا کی حجت بندوں پر تمام ہو چکی اب ظاہر و باطن میں جیسا عمل کرو گے وہ سب خدا کے سامنے ہے۔ حساب و جزا کے وقت ذرہ ذرہ تمہارے سامنے رکھ دیا جائے گا۔

ف ۴ اس رکوع سے پہلے رکوع میں فرمایا تھا کہ طیبات کو حرام مت ٹھہراؤ بلکہ ان سے اعتدال کے ساتھ تمتع کرو۔ اس مضمون کی تکمیل کے بعد خمر وغیرہ چند ناپاک اور خبیث چیزوں کی حرمت بیان فرمائی۔ اسی سلسلے میں محرم کے شکار کو حرام کیا۔ یعنی جس طرح خمر، میتہ وغیرہ خبیث چیزیں ہیں اسی طرح محرم کے شکار کو سمجھو محرم کی مناسبت سے چند ضمنی چیزوں کا بیان فرمانے کے بعد اب متنبہ فرماتے ہیں کہ طیب اور خبیث یکساں نہیں ہو سکتے۔ تھوڑی چیز اگر طیب و حلال ہو وہ بہت سی خبیث و حرام چیز سے بہتر ہے۔ عقلمند کو چاہیے کہ ہمیشہ طیب و حلال کو اختیار کرے، گندی اور خراب چیزوں کی طرف خواہ وہ دیکھنے میں کتنی ہی زیادہ ہوں اور بھلی لگیں نظر نہ اٹھائے۔

بالقیمت مراد ہے پس جس قیمت کا جانور محرم نے قتل کیا اسی قیمت کا مویشی اس پر واجب ہے اس مماثلت کا حکم تم میں کے دو معتبر شخص لگائیں یعنی مماثلت کی تشخیص میں ایسے دو شخصوں کا قول معتبر ہے جو مسلمان دین دار اور صاحب بصیرت اور تجربہ کار ہوں وہ جو حکم لگا دیں معتبر ہے پھر اس اندازہ اور تخمینہ کے بعد کہ فلاں جانور اس شکار کے مانند ہے شکار کرنے والے کو اختیار ہے کہ یا تو اس شکار کے بدلے میں اس قدر قیمت کا جانور لے کر مثلاً بکری گائے اونٹ قربانی کرے کہ جو خانہ کعبہ پہنچنے والی ہو یعنی اس جانور کو حدود حرم میں پہنچایا جائے اور وہاں ذبح کر کے وہاں کے مسکینوں پر اس کا تصدق کیا جائے اور خود اس میں سے نہ کھائے یا اس پر کفارہ واجب ہے کہ اس کی قیمت کے برابر غلہ لے کر مسکینوں کو کھلا دینا ہے فی محتاج صدقۃ الفطر کی مقدار تقسیم کر دے یعنی اگر ھدی خانہ کعبہ نہ پہنچ سکے تو اس کی قیمت کا اناج لے کر مسکینوں پر تقسیم کرے یا اس غلہ کے برابر روزے ہیں یعنی اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو جس قدر مسکینوں کو اس کی قیمت کا اناج پہنچتا ان کی شمار کے مطابق روزے رکھے علماء کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ آیا اس آیت میں کلمہ او تخیر کے لیے ہے یا ترتیب کے لیے امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک تخییر کے لیے ہے اور امام احمد اور امام زفر رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ ترتیب کے لیے ہے تخییر کا مطلب یہ ہے کہ قاتل صید کو اختیار ہے کہ ان تین باتوں میں سے جو چاہے اختیار کرے اور ترتیب کا مطلب یہ ہے کہ اول ہدی واجب ہے اور اگر ہدی دستیاب نہ ہو سکے تو اس مقتول جانور کی قیمت کے بمقدار مسکینوں کو کھانا دینا ہے اور اگر بوجہ افلاس کے کھانا بھی نہ دے سکے تو ہر مسکین کے عوض روزہ رکھے اور یہ جزا اس لیے واجب کی گئی تا کہ وہ اپنے کیے ہوئے وبال کا مزہ چکھے یعنی نزول حکم سے پہلے یا اسلام لانے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کسی نے یہ حرکت کی تھی تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں اور جو شخص پھر ایسی حرکت کرے گا یعنی اس ممانعت کے بعد پھر حالت احرام میں شکار کرے گا تو اللہ اس سے آخرت میں بدلہ لے گا اور اللہ غالب ہے بدلہ لینے والا۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ عزیز منتقم کی ناراضگی سے بچو۔

تتمہ حکم سابق

حلال کر دیا گیا تمہارے لیے حالت احرام میں دریا کا شکار اور دریا کا طعام دریا کے شکار سے مچھلی مراد ہے وہ تمہارے لیے حلال ہے اور دریا کے طعام سے وہ مچھلی مراد ہے جو پانی سے جدا ہو کر مر گئی جو تم نے پکڑی تھی وہ بھی حلال ہے اور یہ حلال کیا جانا تمہارے فائدے کے لیے اور مسافروں کے فائدے کے لیے ہے اگر یہ حلال نہ کیا جاتا تو تم کو اور جو لوگ سفر کرتے ہیں ان کو سخت تکلیف اٹھانی پڑتی۔

ف:......تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ دریا سے ہر ایک پانی مراد ہے خواہ وہ سمندر یا ندی نالہ یا جھیل یا تالاب ہو اور حرام کر دیا گیا تم پر خشکی اور جنگل کا شکار کرنا جب تک تم احرام کی حالت میں رہو اس سورت میں اللہ نے محرم کے لیے جنگلی شکار کی حرمت تین جگہ بیان کی اول شروع سورت میں فرمایا ﴿غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ﴾ پھر اس کے بعد اس رکوع کے اول میں فرمایا ﴿لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ﴾ پھر اس تیسری بار فرمایا ﴿وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا﴾ اس تکرار سے مقصود صرف تاکید ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم سب جمع کیے جاؤ گے جس چیز سے اس نے منع

کردیا اس کو نہ کرو اور بحالت احرام شکار اس لیے حرام کیا گیا کہ محرم کا مقصد خانہ کعبہ کی زیارت ہے اور اللہ نے خانہ کعبہ کو محترم گھر لوگوں کے قائم اور باقی رہنے کا ذریعہ بنایا ہے دنیا کی آبادی اسی وقت تک ہے جب تک یہ خانہ کعبہ باقی ہے جس وقت خدا تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوگا کہ کارخانہ عالم کو ختم کردیا جائے تو اس بیت حرام کو اٹھایا جائے گا جیسا کہ بنانے کے وقت سب سے پہلے یہی مکان بنایا گیا تھا ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ﴾ اسی طرح جب دنیا کا کارخانہ ختم کیا جائے گا تو سب سے پہلے خانہ کعبہ کو اٹھایا جائے گا جب تک خانہ کعبہ باقی ہے اس وقت تک دنیا بھی باقی ہے غرض یہ کہ خانہ کعبہ ایک محترم مکان ہے جس کا ادب اور احترام فرض ہے اس لیے حدود حرم میں اور حالت احرام میں شکار ممنوع قرار دیا گیا اور ماہ حرام کو اور قربانی کو اور قربانی کے جانوروں کے گلے کے ہاروں کو بھی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے قیام امن کا ذریعہ بنایا ہے کہ عرب کے لوگ اشہر حرم یعنی ماہ ذیقعدہ، اور ذی الحجہ اور محرم، اور رجب میں قتل وقتال سے رک جاتے ہیں اور قربانی کے جانوروں سے کوئی تعرض نہیں کرتے کہ یہ اللہ کی نیاز ہیں جو حرم میں ذبح ہوں گے یہ یعنی کعبہ اور ماہ حرام اور ہدی اور قلائد کو تمہارے لیے موجب امن قرار دینا اس لیے ہے کہ تم سمجھ جاؤ کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور یہ کہ اللہ ہر شئ کو جانتا ہے اور وہ تمہاری دینی اور دنیوی مصالح اور ضروریات سے واقف ہے اس لیے اس نے ان چیزوں کو واجب الاحترام قرار دیا تا کہ تمہارے لیے قیام امن کا ذریعہ اور جان ومال کی حفاظت کا سبب بنیں خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو سخت سزا دینے والا ہے اور بتحقیق اللہ تعالیٰ اہل اطاعت کو بخشنے والا مہربان ہے ہمارے رسول کے ذمہ سوائے اللہ کا پیغام پہنچا دینے کے اور کچھ نہیں یعنی جب رسول ﷺ نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تو اب تمہارا کوئی عذر باقی نہیں رہا اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرو گے تو سزا پاؤ گے اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو یعنی وہ تمہارے ظاہر وباطن سے خبردار ہے (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ ناپاک اور پاک اور گندہ اور پاکیزہ برابر نہیں یعنی حلال وحرام اور اطاعت اور معصیت اور سعادت اور شقاوت اور مسلم اور کافر برابر نہیں اگرچہ اے دیکھنے والے تجھ کو ناپاک اور گندہ کی بہتایت بھلی معلوم ہو یعنی اگرچہ تجھ کو حرام مال کی زیادتی پسند ہو مگر وہ حلال کی برکت نہیں پہنچ سکتا گلاب کا ایک قطرہ پیشاب کے ایک مٹکے سے کہیں بہتر ہے پس اے عقل مندو اللہ سے ڈرو اور اسکی نافرمانی سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ معلوم ہوا کہ عاقل اور دانا وہ ہے جو اللہ سے ڈرے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا

اے ایمان والو مت پوچھو ایسی باتیں کہ اگر تم پر کھولی جاویں تو تم کو بری لگیں اور اگر پوچھو گے یہ باتیں ایسے

اے ایمان والو! مت پوچھو بہت چیزیں کہ اگر تم پر کھولے تو تم کو بری لگیں۔ اور اگر پوچھو گے

حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا

وقت میں کہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو تم پر ظاہر کردی جاویں گی ف۱ اللہ نے ان سے درگزر کی ہے ف۲ اور اللہ بخشنے والا تحمل والا ہے ایسی باتیں پوچھ چکی ہے

جس وقت قرآن اترتا ہے تو کھولی جائیں گی۔ اللہ نے ان سے درگذر کی ہے۔ اور اللہ بخشتا ہے تحمل والا۔ ویسی باتیں پوچھ چکے ہیں

ف۱ پچھلے دو رکوع کا حاصل احکام دینیہ میں غلو اور تساہل سے روکنا تھا یعنی جو طیبات خدا نے حلال کی ہیں ان کو اپنے اوپر حرام مت ٹھہراؤ اور جو چیزیں خبیث و =

قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

ایک جماعت تم سے پہلے پھر ہو گئے ان باتوں سے منکر ف۱

ایک لوگ تم سے پہلے، پھر سویرے ان سے منکر ہوئے۔

ممانعت از سوالات غیر ضروریہ

قال تعالیٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ ... الی ... ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ﴾

ربط:...... پچھلے دو رکوع میں احکام منزلہ میں غلو اور تساہل سے منع فرمایا اب ان آیات میں غیر ضروری اور لایعنی سوالات کی ممانعت فرماتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ تبلیغ دین رسول کا فریضہ ہے شریعت کے نازل کرنے سے مقصود ہی بیان احکام ہے پس جن امور کا شریعت نے صراحت کے ساتھ کوئی حکم بیان نہیں کیا ان کے متعلق فضول اور دور از کار سوالت مت کرو جس طرح شریعت کا بیان موجب ہدایت وبصیرت ہے اسی طرح شریعت کا سکوت بھی ذریعہ رحمت وسہولت ہے معاذ اللہ! خدا

= حرام ہیں خواہ دائمی طور پر یا خاص احوال واوقات میں ان سے پوری طرح اجتناب کرو۔ ان آیات میں تنبیہ فرما دی کہ جو چیزیں شارع نے تصریحاً بیان نہیں فرمائیں ان کے متعلق فضول اور دور از کار سوالات مت کیا کرو۔ جس طرح تحلیل وتحریم کے سلسلہ میں شارع کا بیان موجب ہدایت وبصیرت ہے۔ اس کا سکوت بھی ذریعہ رحمت وسہولت ہے۔ خدا نے جس چیز کو کمال حکمت وعدل سے حلال یا حرام کر دیا وہ حلال یا حرام ہو گئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش اور توسیع رہی۔ مجتہدین کو اجتہاد کا موقع ملا عمل کرنے والے اس کے فعل وترک میں آزاد رہے۔ اب اگر ایسی چیزوں کی نسبت خواہ مخواہ کھود کرید اور بحث وسوال کا دروازہ کھولا جائے گا بحالیکہ قرآن شریف نازل ہو رہا ہے اور تشریع کا باب مفتوح ہے تو بہت ممکن ہے کہ سوالات کے جواب میں بعض ایسے احکام نازل ہو جائیں جن کے بعد تمہاری یہ آزادی اور گنجائش اجتہاد باقی نہ رہے۔ پھر یہ سخت شرم کی بات ہوگی کہ جو چیز خود مانگ کر لی ہے اس کو نباہ نہ سکیں۔ سنت اللہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی معاملہ میں بکثرت سوال اور کھود کرید کی جائے اور خواہ مخواہ شکوک اور احتمالات نکالے جائیں تو ادھر سے تشدید (سختی) بڑھتی جاتی ہے کیونکہ اس طرح کے سوالات ظاہر کرتے ہیں کہ گویا سائلین کو اپنے نفس پر بھروسہ ہے اور جو حکم ملے گا اس کے اٹھانے کے لئے وہ بہمہ وجوہ تیار ہیں۔ اس قسم کا دعویٰ جو بندہ کے ضعف وافتقار کے مناسب نہیں، مستحق بنا دیتا ہے کہ ادھر سے حکم میں کچھ سختی ہو اور جتنا یہ اپنے کو قابل ظاہر کرتا ہے اسی کے موافق امتحان بھی سخت ہو۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے "ذبح بقرہ" والے قصہ میں ایسا ہی ہوا۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگوں خدا نے تم پر حج فرض کیا ہے ایک شخص بول اٹھا کیا ہر سال یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا اگر میں (ہاں) کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا پھر تم ادا نہ کر سکتے۔ جس چیز میں تم کو "آزاد" چھوڑ دوں تم بھی مجھ کو چھوڑ دو۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ مسلمانوں میں وہ شخص بڑا مجرم ہے جس کے سوالات کی بدولت ایسی چیز حرام کی گئی جو حرام نہ تھی۔ بہر حال یہ آیت احکام شرعیہ کے باب میں اس طرح کے دور از کار اور بے ضرورت سوالات کا دروازہ بند کرتی ہے۔ باقی بعض احادیث میں جو یہ مذکور ہے کہ کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جزئی واقعات کے متعلق لغو سوال کرتے تھے ان کو رد کا گیا وہ ہماری تقریر کے مخالف نہیں۔ ہم ﴿لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ﴾ میں "اشیاء" کو عام رکھتے ہیں جو واقعات واحکام دونوں کو شامل ہے اور "تَسُؤْكُمْ" میں بھی جو برا لگنے کے معنی پر مشتمل ہے تعمیم رکھی جائے۔ حاصل یہ ہوگا کہ نہ احکام کے باب میں فضول سوالات کیا کرو اور نہ واقعات کے سلسلہ میں کیونکہ ممکن ہے جو جواب آئے وہ تم کو ناگوار ہو مثلاً کوئی سخت حکم آیا یا کوئی قید بڑھ گئی۔ یا ایسے واقعہ کا اظہار ہوا جس سے تمہاری فضیحت ہو، یا بیہودہ سوالات پر ڈانٹ بتلائی گئی، یہ سب احتمالات تَسُؤْكُمْ کے تحت میں داخل ہیں۔ باقی ضروری بات پوچھنے یا شبہ ناشی عن دلیل کے رفع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ف۲ یا تو مراد یہ ہے کہ ان اشیاء سے درگزر کی، یعنی جب خدا نے ان کے متعلق کوئی حکم نہ دیا تو انسان ان کے بارے میں آزاد ہے خدا ایسی چیزوں پر گرفت نہ کرے گا۔ چنانچہ اسی سے بعض علمائے اصول نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور یا یہ کہ ان فضول سوالات سے جو پہلے کر چکے ہو اللہ نے درگزر کی آئندہ احتیاط رکھو۔

ف۱ حدیث صحیح میں ہے کہ پہلی قومیں کثرت سوال اور انبیاء علیہم السلام سے اختلاف کرنے کی بدولت ہلاک ہوئیں۔

تعالیٰ کا سکوت، سہو اور نسیان کی بناء پر نہیں بلکہ کمال حکمت پر مبنی ہے جس چیز کو اس نے حلال یا حرام کیا وہ حلال یا حرام ہوگئی اور جس چیز سے سکوت کیا اس میں گنجائش رہی اور مجتہدین کو اس میں اجتہاد کا موقعہ ملا اور لوگوں کے لیے اس فعل اور ترک میں ایک گونہ سہولت نکلی لہٰذا اگر تم نے زمانہ نزول وحی میں اس قسم کے لایعنی سوالات کیے تو بہت ممکن ہے کہ بذریعہ وحی کوئی ایسا حکم نازل ہو جائے کہ جس سے تمہاری سہولت اور اباحت ختم ہو جائے اور تم مشقت میں پڑ جاؤ اور اجتہاد کی گنجائش باقی نہ رہے لہٰذا زمانہ نزول وحی میں اس قسم کے فضول سوالات سے غایت درجہ احتیاط ضروری ہے البتہ زمانہ رسالت گزر جانے کے بعد کتاب وسنت کی روشنی میں دینی مسائل کی چھان بین کی ممانعت نہیں کیونکہ اب اگر کوئی جدید حکم دیا جائے گا تو وہ کتاب وسنت سے قیاً) واستنباطی ہوگا جس سے وحی منزل کی طرح قطعی طور کوئی حلال چیز حرام یا حرام چیز حلال نہیں ہوسکتی اگلی امتیں اسی کثرت سے سوال کی بدولت بہت سختیوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہو چکی ہیں بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گائے کی تشریح میں لایعنی سوالات کیے اور سختی میں مبتلا کر دیے گئے جس کا بیان سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

چنانچہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے فائدہ میں لکھتے ہیں ''یعنی آپ ﷺ سے نہ پوچھو کہ یہ چیز روا ہے یا نہیں یہ کام کریں یا نہ کریں بلکہ جو فرمایا اس پر عمل کرو نہ فرمایا اس کو معاف جانو اس میں دین آسان رہے اور جو ہر بات کا جواب آوے تو دین تنگ ہو جائے پھر عمل نہ کرسکو جیسے اگلے نہ کرسکے پھر (آئندہ آیت میں) کفر کی رسمیں بتائیں کہ پوچھنے کی حاجت نہیں جو اللہ نے نہ فرمایا وہ بے اصل ہے اور اسی طرح بے فائدہ باتیں پوچھی کسی نے پوچھا میرا باپ کون تھا یا میری عورت گھر میں کس طرح ہے اگر پیغمبر جواب دے شاید برا جواب آوے اور پشیمان ہو۔'' (موضح القرآن)

اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے ادب کو ملحوظ رکھو اور اس کے احکام میں پیش قدمی نہ کرو یعنی ایسی فضول اور لایعنی باتوں کے متعلق سوال نہ کرو کہ شاید اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو بری معلوم ہوں گی اس لیے کہ اول تو لایعنی اور فضول سوال کرنا جرأت اور جسارت اور گستاخی ہے اور سراسر خلاف ادب ہے جو حکم آجائے اس پر عمل کرو جو نہ آئے اس پر خاموش رہو علاوہ ازیں ممکن ہے کہ تمہارے سوال کے بعد رسول ایسی بات بیان کرے جو تمہارے لیے باعث ناگواری اور موجب شرمساری ہو یا سبب گرانی ہو کہ تمہارے سوال کی وجہ سے وہ چیز تم پر فرض ہو جائے اور پھر تم کو اس پر عمل کرنا دشوار ہو پس تمہارا پوچھنا فضول ہے اللہ کا رسول خود بیان کرے گا اور اگر تم ان باتوں کے متعلق اس وقت سوال کرو گے جب کہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو وہ باتیں تم پر ظاہر کر دی جائیں گی یعنی جب تک رسول اللہ تم میں موجود ہیں اور وحی کا سلسلہ جاری ہے اس وقت تک اگر تم کوئی بات پوچھو گے تو اس کا جواب تم کو ضرور دیا جائے گا پس ایسی بات نہ پوچھو کہ جس کا جواب تم کو ناگوار ہو ان سوالات سے پہلے جو سوالات تم کر چکے ہو ان کو اللہ نے معاف کیا آئندہ نہ کرنا اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا ایسی ہی باتیں تم سے پہلے لوگوں نے پوچھیں اور پھر ان سے منکر ہو گئے جیسے قوم صالح نے صالح علیہ السلام سے سوال کیا کہ پتھر سے ناقہ نکالو جب اللہ نے ان کا سوال پورا کر دیا تو وہ اس معجزے کے منکر ہو گئے اور اونٹنی کو انہوں نے ذبح کر ڈالا اور بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے بہت سے سوال کیے اور جب بتائے گئے تو حجتیں نکالنی شروع کیں اور عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے مائدہ کا سوال کیا اور پھر اس کی ناشکری کی اور انجام کو بھگتا۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِیْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

نہیں مقرر کیا اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی لیکن کافر

نہیں ٹھہرایا اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی، اور لیکن کافر

یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ

باندھتے ہیں اللہ پر بہتان اور ان میں اکثروں کو عقل نہیں ف۱ اور جب کہا جاتا ہے ان کو آؤ اس کی طرف جو کہ

باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ۔ اور ان میں بہتوں کو عقل نہیں۔ اور جب کہیئے ان کو آؤ اس طرف، جو

اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا

اللہ نے نازل کیا اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں ہم کو کافی ہے وہ جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگر ان کے باپ دادے نہ

اللہ نے نازل کیا، اور رسول کی طرف، کہیں ہم کو کفایت ہے جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو۔ بھلا ان کے باپ

یَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ ۝

کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ راہ جانتے ہوں تو بھی ایسا ہی کریں گے ف۲

نہ علم رکھتے ہوں کچھ اور نہ راہ جانتے تو بھی؟

حکم نوزدہم ابطال بعض رسوم شرکیہ واقوال کفریہ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ... الی... وَّلَا یَهْتَدُوْنَ﴾

ربط:...... شروع پارہ میں نذر اور قسم کے ذریعہ حلال اور طیب کو اپنے اوپر حرام کرنے کی ممانعت فرمائی اور گزشتہ رکوع میں

ف۱ بحیرہ، سائبہ، وسیلہ، حامی یہ سب زمانہ جاہلیت کے رسوم وشعائر سے متعلق ہیں۔ مفسرین نے ان کی تفسیر میں بہت اختلاف کیا ہے ممکن ہے ان میں سے ہر ایک لفظ کا اطلاق مختلف صورتوں پر ہوتا ہو ہم صرف سعید بن المسیب کی تفسیر صحیح بخاری سے نقل کرتے ہیں۔ "بحیرہ" جس جانور کا دودھ بتوں کے نام کر دیتے تھے کوئی اپنے کام میں نہ لاتا تھا۔ "سائبہ" جو جانور بتوں کے نام پر ہمارے زمانے کے سانڈھ کی طرح چھوڑ دیا جاتا تھا۔ "وصیلہ" جو اونٹنی مسلسل مادہ بچہ جنے درمیان میں نر بچہ پیدا نہ ہوا اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ "حامی" نر اونٹ جو ایک خاص عدد سے جفتی کر چکا ہوا سے بھی بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے۔ علاوہ اس کے کہ یہ چیزیں شعائر شرک میں سے تھیں۔ جس جانور کے گوشت یا دودھ یا سواری وغیرہ سے منتفع ہونے کو حق تعالیٰ نے جائز رکھا اس کی حلت وحرمت پر اپنی طرف سے قیود لگانا گویا اپنے لئے منصب تشریع کو تجویز کرنا تھا اور بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ اپنی ان مشرکانہ رسوم کو حق تعالیٰ کی خوشنودی اور قربت کا ذریعہ تصور کرتے تھے اس کا جواب دیا گیا کہ اللہ نے ہرگز یہ رسوم مقرر نہیں کیں۔ ان کے بڑوں نے خدا پر یہ بہتان باندھا اور اکثر بے عقل عوام نے اسے قبول کر لیا۔ الغرض یہاں تنبیہ کی گئی کہ جس طرح فضول دبے کار سوالات کر کے احکام شرعیہ میں تنگی اور سختی کرانا جرم ہے اس سے کہیں بڑھ کر یہ جرم ہے کہ بدون حکم شارع کے محض اپنی آراء واہواء سے حلال وحرام تجویز کر لئے جائیں۔

ف۲ جاہلوں کی سب سے بڑی حجت یہی ہوتی ہے کہ جو کام باپ دادا سے ہوتا آیا ہے اس کا خلاف کیسے کریں۔ ان کو بتلایا گیا کہ اگر تمہارے اسلاف بے عقلی یا بے راہی سے قعر ہلاکت میں جا گرے ہوں تو کیا پھر بھی تم ان ہی کی راہ چلو گے؟ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں" باپ کا حال معلوم ہو کہ حق کا تابع اور صاحب علم تھا تو اس کی راہ پکڑے نہیں تو عبث ہے" یعنی کیف ما اتفق ہر کسی کی کورانہ تقلید جائز نہیں۔

لایعنی سوالات کی ممانعت فرمائی کہ مبادا لوگوں کے سوال کی وجہ سے کوئی چیز حرام نہ کردی جائے ان آیات میں رسوم جاہلیت کا ابطال فرماتے ہیں اور اہل جاہلیت کی گمراہی کو بیان کرتے ہیں کہ ان جاہلوں مشرکوں نے بغیر حکم خداوندی اپنی طرف سے بہت سی چیزیں اپنے اوپر حرام کرلیں اور پھر ان کی دلیری دیکھو کہ ان کو اللہ کی طرف منسوب کردیا یہ محض افتراء ہے اور ان بے عقلوں کی جہالت اس درجہ تک پہنچ چکی ہے کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ کے احکام پر چلو تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے طریقہ پر چلیں گے چنانچہ فرماتے ہیں اللہ نے نہ تو بحیرہ مشروع کیا نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام ولیکن کافر لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ یہ رسول اللہ کی مقرر کردہ ہیں اور اللہ ان سے خوش ہوتا ہے اور ان میں کے اکثر بے عقل ہیں بحیرہ اور سائبہ اور وصلیہ اور حام یہ سب زمانہ جاہلیت کی رسوم ہیں مشرکین عرب میں یہ دستور تھا کہ اگر اونٹنی پانچ بچے جنتی اور اس کا پانچواں بچہ نر ہوتا تو اس کے کان چیر کر اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے نہ اس سے سواری لیتے اور نہ اس کو ذبح کرتے اور نہ اس پر بوجھ لادتے اور نہ اس کو کسی پانی اور چراگاہ سے روکتے وہ جہاں چاہے چرتا پھرے اور اس اونٹنی کو وہ لوگ بحیرہ کہتے تھے اور اگر کوئی سفر میں جاتا یا بیمار ہوتا تو یہ کہتا کہ اگر میں اپنے سفر سے واپس آیا یا میں نے اپنی اس بیماری سے شفا پائی تو میری یہ اونٹنی سائبہ ہے یعنی آزاد ہے جہاں چاہے پھرے اب یہ اونٹنی سواری اور بار برداری کی مشقت سے آزاد ہے تو وہ اونٹنی سائبہ (آزاد) ہوجاتی اور اس کا حکم وہی ہوجاتا جو بحیرہ کا حکم تھا اس زمانہ کا سائبہ ایسا ہے جیسا کہ اس زمانہ میں ہندو لوگ سانڈ چھوڑ دیتے ہیں اور وصیلہ وہ بکری ہے جو مادہ جننے کے بعد پھر دوبارہ مادہ جنے اور درمیان میں نر بچہ پیدا نہ ہو اس کو بھی بتوں کے نام چھوڑ دیتے تھے اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ وصیلہ اس بکری کو کہتے ہیں جو اپنی ماں کے ساتویں بطن سے اپنے بھائی کے ساتھ پیدا ہو تو ایسی بکری کو ذبح نہ کرتے تھے اور حام اس شتر نر کو کہتے ہیں جس کی جفتی سے دس بچے پیدا ہوچکے ہوں ایسے اونٹ کو بھی اہل عرب سواری وغیرہ کی خدمت سے آزاد کردیتے تھے اور بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے گویا کہ اس نے اپنی پشت کی حمایت اور حفاظت کرلی اس لیے اس کو حام یعنی حامی کہتے تھے۔

یہ بدرسمیں مشرکین عرب میں مدتوں سے چلی آتی تھیں اور انکی نسبت ان کا یہ اعتقاد تھا کہ خدا تعالیٰ ان رسموں کو مشروع کیا ہے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سب جھوٹ اور افتراء ہے خدا تعالیٰ نے ان رسموں کو ہرگز مشروع نہیں کیا ان کے بڑوں نے اللہ پر بہتان باندھا اور عوام کالانعام نے اسے قبول کرلیا۔

الغرض ان آیات میں اس بات کی تنبیہ کردی گئی کہ جس طرح فضول اور لایعنی سوالات کرکے احکام شرعیہ میں تنگی اور سختی کا سبب بننا جرم ہے اس سے کہیں بڑھ کر یہ جرم ہے کہ اپنی رائے سے حلال وحرام تجویز کرے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جہالت کو چھوڑ دو اور اس کی طرف آؤ جو اللہ نے اتارا ہے اور رسول کی طرف آؤ اور اس کی اطاعت کرو تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہم کو وہی دین کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں اور بزرگوں کو پایا ہے یعنی ہم اپنے بزرگوں کو چھوڑ کر تمہاری اطاعت کیوں کریں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا ان کے لیے ان کا آبائی دین کافی ہے اگرچہ ان کے آباء واجداد نہ کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں مطلب یہ ہے کہ تقلید اور پیروی ایسے شخص کی کرنی چاہیے جو علم اور ہدایت پر ہو اور تمہارے آباء واجداد تو جاہل اور گمراہ تھے انہیں حق اور باطل کی تمیز نہ تھی ان کے پیچھے کیوں چلتے ہو۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ إِلَى اللَّهِ

اے ایمان والو تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کا تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی گمراہ ہوا جب کہ تم ہوئے راہ پر ف۱ اللہ کے پاس

اے ایمان والو! تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کا۔ تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی بہکا، جب ہوئے تم راہ پر۔ اللہ پاس

مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۵﴾

لوٹ کر جانا ہے تم سب کو پھر وہ جتلا دے گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے ف۲

پھر جانا ہے تم سب کو، پھر وہ جتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔

حکم بستم متعلق بحفاظت دین خود

قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ... الى... بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں کفار اور مشرکین کی جہالتوں کو بیان فرمایا اب اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ تم ان معاندین کی فکر میں نہ پڑو تم اپنی ہدایت کی فکر کرو تم ان کی اصلاح کی جو کوشش کر سکتے ہو وہ کر چکے اب اگر یہ لوگ تمہارا کہنا نہیں مانتے اور تمہاری نصیحتوں کو نہیں سنتے اور اپنے عناد اور ضد اور جہالتوں اور ضلالتوں سے باز نہیں آتے تو تمہارا کچھ نقصان نہیں اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ کسی کو برا کام کرتے دیکھا جائے تو اس کو منع نہ کیا جائے کہ ہمیں اس کی برائی کیا نقصان کرے گی بلکہ مطلب یہ کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو اس کے بعد بھی اگر کوئی ضد اور عناد اور ہٹ دھرمی سے اپنی گمراہی پر جما رہے تو پھر اس کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی کیونکہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر چکے ہو پس اے ایمان والو اگر وہ لوگ تمہارے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو نہیں سنتے تو تم اپنے نفسوں کو سنبھالو اور اپنے دین کی فکر کرو اور انکی فکر چھوڑ دو جو شخص باوجود تمہاری نصیحت کے اور تفہیم کے گمراہ ہوگا وہ تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے گا بشرطیکہ تم خود راہ ہدایت پر ہو یعنی جب تم خود ہدایت پر ہو گئے اور دوسرے لوگوں کو سمجھاتے رہے اور وہ تمہارے سمجھانے سے ہدایت پر نہ آئے تو تمہارے ذمہ کوئی الزام نہیں یا یہ معنی ہیں کہ جب تم ہدایت پر ہو تو گو کافر تمہارے کیسے دشمن ہی ہوں وہ تمہارا کچھ

ف۱ یعنی اگر کفار رسوم شرکیہ اور آباؤ اجداد کی اندھی تقلید سے باوجود اس قدر نصیحت وفہمائش کے باز نہیں آتے تو تم زیادہ اس غم میں مت پڑو کسی کی گمراہی سے تمہارا کوئی نقصان نہیں بشرطیکہ تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو۔ سیدھی راہ یہی ہے کہ آدمی ایمان وتقویٰ اختیار کرے، خود برائی سے رکے اور دوسروں کو روکنے کی امکانی کوشش کرے پھر بھی اگر لوگ برائی سے نہ رکیں تو اس کا کوئی نقصان نہیں۔ اس آیت سے یہ سمجھ لینا کہ جب ایک شخص اپنا نماز روزہ ٹھیک کرلے تو "امر بالمعروف" چھوڑ دینے سے اسے کوئی مضرت نہیں ہوتی سخت غلطی ہے۔ لفظ "اهتدایئ" امر بالمعروف وغیرہ تمام وظائف ہدایت کو شامل ہے۔ اس آیت میں گو روئے سخن بظاہر مسلمانوں کی طرف ہے لیکن ان کفار کو بھی متنبہ کرنا ہے جو باپ دادا کی کورانہ تقلید پر اڑے ہوئے تھے یعنی اگر تمہارے باپ دادا راہ حق سے بھٹک گئے تو ان کی تقلید میں اپنے کو جان بوجھ کر کیوں ہلاک کرتے ہو۔ انہیں چھوڑ کر تم اپنی عاقبت کی فکر کرو اور نفع ونقصان کو سمجھو۔ باپ دادا اگر گمراہ ہوں اور اولاد ان کے خلاف راہ حق پر چلنے لگے تو آباء واجداد کی یہ مخالفت اولاد کو قطعاً مضر نہیں۔ یہ خیالات محض جہالت کے ہیں کہ کسی حال میں بھی آدمی باپ دادا کے طریقہ سے قدم باہر نہ رکھے، رکھے گا تو ناک کٹ جائے گی۔ عقلمند کو چاہیے کہ انجام کا خیال کرے۔ سب اگلے پچھلے جب خدا کے سامنے اکٹھے پیش ہوں گے تب ہر ایک کو اپنا عمل اور انجام نظر آ جائے گا۔

ف۲ یعنی جو گمراہ رہا اور جس نے راہ پائی سب کے نیک وبد اعمال اور ان کے نتائج سامنے کر دیئے جائیں گے۔

نہیں بگاڑ سکتے تم سب کا آخیر ٹھکانہ اللہ ہی کی طرف ہے سو وہ تم کو ان تمام باتوں سے آگاہ کر دے گا کہ جو تم کرتے تھے یعنی تمہارے نیک و بد اعمال کی جزا دے گا۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا

اے ایمان والو گواہ درمیان تمہارے جب کہ پہنچے کسی کو تم میں موت وصیت کے وقت دو شخص

اے ایمان والو! گواہ تمہارے اندر جب پہنچے کسی کو تم میں موت، جب لگے وصیت کرنے، دو شخص

عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ

معتبر ہونے چاہئیں ف۱ تم میں سے ف۲ تم میں سے یا دو شاہد اور ہوں تمہارے سوا ف۳ اگر تم نے سفر کیا ہو ملک میں پھر پہنچے تم کو

معتبر چاہئیں تم میں سے، یا دو اور ہوں تمہارے سوا، اگر تم نے سفر کیا ہو ملک میں، پھر پہنچے تم پر

مُّصِيبَةُ الْمَوْتِ ۚ تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ إِنِ ارْتَبْتُمْ لَا

مصیبت موت کی تو کھڑا کرو ان دونوں کو بعد نماز کے ف۴ وہ دونوں قسم کھاویں اللہ کی اگر تم کو شبہ پڑے کہیں کہ ہم نہیں

مصیبت موت کی۔ دونوں کو کھڑا کرو بعد نماز کے، وہ قسم کھائیں اللہ کی، اگر تم کو شبہ پڑے، کہیں ہم نہیں

نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذًا لَّمِنَ الْآثِمِينَ ﴿١٠٦﴾

لیتے قسم کے بدلے مال اگرچہ کسی کو ہم سے قرابت بھی ہو اور ہم نہیں چھپاتے اللہ کی گواہی نہیں تو ہم بیشک گناہ گار ہیں ف۵

بیچتے قسم مال پر، اگرچہ کسی کو ہم سے قرابت ہو، اور ہم نہیں چھپاتے اللہ کی گواہی، نہیں تو ہم گنہگار ہیں۔

فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا فَآخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ

پھر اگر خبر ہو جاوے کہ وہ دونوں حق بات دبا گئے تو دو گواہ اور کھڑے ہوں ان کی جگہ ف۶ ان میں سے کہ جن کا حق دبا ہے

پھر اگر خبر ہو جاوے کہ وہ دونوں حق دبا گئے گناہ سے، تو دو اور کھڑے ہوں ان کی جگہ، کہ جن کا حق دبا ہے

ف۱ یعنی بہتر یہ ہے۔ باقی اگر دو نہ ہوں یا معتبر نہ ہوں تب بھی "وصی" بنا سکتا ہے اور گواہ سے مراد یہاں وصی ہے اس کے اقرار و اظہار کو گواہی سے تعبیر فرما دیا۔

ف۲ یعنی مسلمانوں میں سے۔

ف۳ یعنی غیر مسلم۔

ف۴ یعنی نماز عصر کے بعد کہ وہ وقت اجتماع اور قبول کا ہے شاید ڈر کر جھوٹی قسم نہ کھائیں۔ یا کسی نماز کے بعد یا وصی جس مذہب کے ہوں ان کی نماز کے بعد۔

ف۵ یعنی جب خدا کے پاس سب کو جانا ہے تو جانے سے پہلے سب کام ٹھیک کر لو۔ اسی میں سے ایک اہم کام ضروری امور کی وصیت اور اس کے متعلقات ہیں۔ ان آیات میں وصیت کا بہترین طریقہ تلقین فرمایا ہے۔ یعنی مسلمان اگر مرتے وقت کسی کو اپنا مال وغیرہ حوالہ کرے تو بہتر ہے کہ دو معتبر مسلمانوں کو گواہ کرے۔ مسلمان اگر نہ ملیں جیسے سفر وغیرہ میں اتفاق ہو جاتا ہے تو دو کافروں کو وصی بنائے پھر اگر وارثوں کو شبہ پڑ جائے کہ ان شخصوں نے کچھ مال چھپا لیا اور وارث دعویٰ کر دیں اور دعوے کے ساتھ شاہد موجود نہ ہوں تو وہ دونوں شخص قسم کھائیں کہ ہم نے نہیں چھپایا اور ہم کسی طمع یا قرابت کی وجہ سے جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔ اگر کہیں تو گنہگار ہیں۔

ف۶ ایک ہو تب بھی مضائقہ نہیں۔

عَلَيۡهِمُ الۡاَوۡلَيٰنِ فَيُقۡسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنۡ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعۡتَدَيۡنَاۤ ۖ اِنَّاۤ

جو سب سے زیادہ قریب ہوں میت کے پھر قسم کھاویں اللہ کی کہ ہماری گواہی تحقیقی ہے پہلوں کی گواہی سے اور ہم نے زیادتی نہیں کی

ان میں جو بہت نزدیک ہیں، پھر قسم کھائیں اللہ کی کہ ہماری گواہی تحقیق ہے ان کی گواہی سے، اور ہم نے زیادہ نہیں کہا،

اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝۱۰۷ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجۡهِهَاۤ اَوۡ يَخَافُوۡۤا اَنۡ تُرَدَّ

نہیں تو ہم بیشک ظالم ہیں ف۱ اس میں امید ہے کہ ادا کریں شہادت کو ٹھیک طرح پر اور ڈریں کہ الٹی پڑے گی

نہیں تو ہم بےانصاف ہیں۔ اس میں لگتا ہے کہ شہادت ادا کریں راہ پر، یا ڈریں کہ الٹی پڑے گی

اَيۡمَانٌۢ بَعۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسۡمَعُوۡا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ۝۱۰۸ ع ۱۴/۸

قسم ہماری ان کی قسم کے بعد ف۲ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور سن رکھو اور اللہ نہیں چلاتا سیدھی راہ پر نافرمانوں کو ف۳

قسم ہماری، ان کی قسم کے بعد اور ڈرتے رہو اللہ سے اور سن رکھو۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا بےحکم لوگوں کو۔

حکم بست ودیکم متعلق بہ وصیت وشہادت

قال تعالیٰ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا شَهَادَةُ بَيۡنِكُمۡ ... الی ... اللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیت میں حفاظت دین کا حکم تھا اس آیت میں حفاظت مال کا طریقہ تعلیم فرماتے ہیں کہ مرتے وقت کسی کو وصی اور گواہ بنالینا چاہیے کہ پہلی آیت میں دینی مصلحت کے متعلق حکم تھا اور اس آیت میں دنیوی مصلحت کے متعلق حکم ہے۔

ف۱ یعنی اگر قرائن وآثار سے اوصیاء کی قسم کا جھوٹ معلوم ہو اور وہ بذریعہ شہادت شرعی اپنی سچائی ثابت نہ کرسکیں تو میت کے وارثوں کو قسم دی جائے گی کہ ان کو اوصیاء کے دعوے کی واقعیت کا کوئی علم نہیں اور یہ کہ ان کی گواہی اوصیاء کی گواہی سے زیادہ احق بالقبول ہے۔ ان آیات کی شان نزول یہ ہے کہ ایک شخص "بدیل" نامی جو مسلمان تھا دو شخصوں "تمیم وعدی" کے ساتھ جو اس وقت نصرانی تھے بغرض تجارت ملک شام کی طرف گیا۔ شام پہنچ کر بدیل بیمار پڑ گیا۔ اس نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اسباب میں رکھ دی اور اپنے دونوں رفیقوں کو اطلاع نہ کی۔ مرض جب زیادہ بڑھا تو اس نے دونوں نصرانی رفقاء کو وصیت کی کہ کل سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ انہوں نے سب سامان لا کر وارثوں کے حوالہ کردیا مگر چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کا ملمع یا نقش ونگار تھے اس میں سے نکال لیا۔ وارثوں کو فہرست اسباب میں سے دستیاب ہوئی۔ انہوں نے اوصیاء سے پوچھا کہ میت نے کچھ مال فروخت کیا تھا یا کچھ زیادہ بیمار رہا کہ معالجہ وغیرہ میں کچھ خرچ ہوا ہو۔ ان دونوں نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ آخر معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہوا۔ چونکہ وارثوں کے پاس گواہ نہ تھے، تو ان دونوں نصرانیوں سے قسم لی گئی کہ ہم نے میت کے مال میں کسی طرح کی خیانت نہیں کی نہ کوئی چیز اس کی چھپائی۔ آخر قسم پر فیصلہ ان کے حق میں کر دیا گیا۔ کچھ مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ پیالہ ان دونوں نے مکہ میں کسی سنار کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔ جب سوال ہوا تو کہنے لگے کہ وہ ہم نے میت سے خرید لیا تھا۔ چونکہ خریداری کے گواہ موجود نہ تھے اس لئے ہم نے پہلے اس کا ذکر نہیں کیا مبادا ہماری تکذیب کردی جائے۔ میت کے وارثوں نے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مرافعہ کیا۔ اب پہلی صورت کے برعکس اوصیاء خریداری کے مدعی اور وارث منکر تھے۔ شہادت موجود نہ ہونے کی وجہ سے وارثوں میں سے دو شخصوں نے جو میت سے قریب تر تھے قسم کھائی کہ پیالہ میت کے ملک تھا اور یہ دونوں نصرانی اپنی قسم میں جھوٹے ہیں۔ چنانچہ جس قیمت پر انہوں نے فروخت کیا تھا (ایک ہزار درہم) وہ وارثوں کو دلائی گئی۔

ف۲ یعنی وارثوں کو شبہ پڑے تو قسم دینے کا حکم رکھا۔ اس لئے کہ قسم سے ڈر کر اول ہی جھوٹ نہ ظاہر کریں پھر اگر ان کی بات جھوٹ نکلے تو وارث قسم کھائیں۔ یہ بھی اسی واسطے کہ وہ قسم میں دغا نہ کریں۔ جانیں کہ آخر ہماری قسم الٹی پڑے گی۔ کذافی موضح القرآن۔

ف۳ خدا کی نافرمانی کرنے والا انجام کار رسوا اور ذلیل ہی ہوتا ہے حقیقی کامیابی کا چہرہ نہیں دیکھتا۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت میں یہ بیان تھا کہ مرنے کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور مال کا حساب دینا پڑے گا اب اس آیت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مرنے سے پہلے تم کو وصیت کر دینی چاہیے اور اس پر کسی کو گواہ بنالینا چاہیے تا کہ حق ضائع نہ ہو لہٰذا اس کے متعلق ہدایت فرماتے ہیں۔

شانِ نزول:...... ان آیتوں کا شانِ نزول ایک واقعہ ہے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیش آیا وہ واقعہ یہ ہے کہ تمیم بن اوس داری اور عدی بن بداء جو اس وقت دونوں نصرانی تھے بغرض تجارت مدینہ سے شام گئے اور ان کے ساتھ بدیل مولیٰ عمرو بن العاص بھی تھے جو مسلمان تھے بدیل وہاں جا کر بیمار ہو گئے اس لیے انہوں نے اسی بیماری میں اپنے کل مال کی جو ان کے پاس تھا ایک فہرست لکھی اور اس کو اپنے اسباب میں رکھ دیا اور اپنے دونوں نصرانی ساتھوں سے اس کا ذکر نہ کیا جب ان کا مرض سخت ہو گیا اور مرنے لگے تو انہوں نے اپنا مال تمیم اور عدی کے سپرد کر دیا اور یہ وصیت کی کہ جب تم مدینہ واپس جاؤ تو میرا یہ کل سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا پھر بدیل مر گئے اور وہ دونوں نصرانی اپنے کام سے فارغ ہو کر مدینہ واپس آئے اس مال میں ایک چاندی کا پیالہ بھی تھا جس پر سونے کا جھول چڑھا ہوا تھا اور اس میں تین سو مثقال چاندی تھی ان نصرانیوں نے وہ پیالہ مال سے غائب کر لیا اور باقی کل مال بدیل کے وارثوں کو لا کر دے دیا وارثوں نے جب اس مال کی دیکھ بھال کی تو اس میں سے ان کو ایک فہرست برآمد ہوئی جس میں ہر چیز کی تفصیل تھی جب اس فہرست کے مطابق انہوں مال کی جانچ پڑتال کی تو اس میں ان کو چاندی کا ایک پیالہ نہ ملا وہ لوگ تمیم اور عدی کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ کیا بدیل نے بیماری کی حالت میں اپنا مال فروخت کر دیا تھا انہوں نے کہا نہیں۔ وارثوں نے کہا کہ ہم کو اس سامان میں ایک فہرست ملی ہے جس میں سے اس کے کل مال اور اسباب کی تفصیل ہے اس فہرست کے مطابق ہم کو ایک چاندی کا پیالہ نہیں ملا جس پر سونے کا جھول تھا اور اس میں تین سو مثقال چاندی تھی انہوں نے کہا ہم کو کچھ معلوم نہیں جو چیز اس نے ہمارے سپرد کی تھی وہ ہم نے تمہارے سپرد کر دی، وارثوں نے یہ معاملہ اور یہ مقدمہ آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا مگر وہ دونوں اپنے انکار پر قائم رہے اور چونکہ مدعین یعنی اولیاء میت کے پاس خیانت کے کوئی گواہ نہ تھے اس لیے تمیم اور عدی سے قسمیں لی گئیں کہ ہم نے اس مال میں کوئی خیانت نہیں کی کیونکہ وہ دونوں نصرانی اس مقدمہ میں مدعیٰ علیہ تھے اس لیے ان سے قسمیں لی گئیں وہ جھوٹی قسمیں کھا گئے اور قصہ ختم ہو گیا کچھ دنوں کے بعد کہیں سے وہ پیالہ پکڑا گیا جس کے پاس پیالہ ملا اس سے دریافت کیا گیا کہ تیرے پاس یہ پیالہ کہاں سے آیا تو اس نے کہا یہ پیالہ میں نے تمیم اور عدی سے خریدا ہے اب دوبارہ یہ مقدمہ آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوا اس وقت یہ دونوں نصرانی خریداری کے مدعی بن گئے اور یہ کہنے لگے کہ ہم نے یہ پیالہ اس کے مالک سے یعنی اس میت سے خرید لیا تھا لیکن چونکہ ان کے پاس خریداری کے گواہ نہ تھے اور ورثہ خریداری کے منکر تھے اس لیے اب آپ ﷺ نے ان کے بجائے وارثوں سے قسمیں لیں وارثوں میں سے دو شخصوں نے جو میت کے قریب تر تھے قسم کھائی کہ پیالہ میت کی ملکیت تھا اور یہ دونوں نصرانی اپنی قسم میں جھوٹے ہیں چنانچہ جس قیمت پر انہوں نے وہ پیالہ فروخت کیا (ایک ہزار درہم) وہ رقم وارثوں کو دلائی گئی اور قصہ ختم ہوا اور اس بارہ میں خدا تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کیں اے مسلمانو! تمہارے درمیان گواہی (کا نصاب) جب کہ تم میں کسی کو موت آ پہنچے یعنی وصیت کا وقت آ پہنچے تو ایسی حالت میں کہ جب مال ورثہ کے سپرد کرنے کی

ضرورت ہوتو گواہی کا نصاب ایسے دو شخص ہیں جو ثقہ اور معتبر ہوں اور تم میں سے ہوں یعنی مسلمان ہوں مطلب یہ ہے کہ جو شخص مرتے وقت اپنے ورثہ کے متعلق غیروں کو وصیت کرنا چاہے اور اپنا مال ومتاع ان کے حوالہ کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ مسلمانوں میں سے دو معتبر شخصوں کو وصیت کرے تاکہ وہ اس کی وصیت کو پورا کریں اور اس کے مال میں خیانت نہ کریں یا اگر مسلمان نہ ملیں تو تمہارے غیروں یعنی کفار میں سے دو شخص گواہ بنالیے جائیں اگر تم سفر کی حالت میں ہو پھر تمہیں اس غربت میں موت کی مصیبت آپہنچے اس مسافرت کی حالت میں تمہارے رفیق سفر سب کافر ہیں مسلمان کوئی نہیں تو انہی میں دو شخصوں کو اپنا وصی بنالو ایسی حالت میں کہ جب مسلمان نہ ہو تو غیر مسلم کو وصی کو بنانا جائز ہے پھر ان غیر مسلم اوصیاء کا حکم یہ ہے کہ اے وارثو! اگر تم کسی وجہ سے ان کی امانت اور صداقت کے بارہ میں شک اور تردد میں پڑ جاؤ اور تمہیں ان اوصیاء کے متعلق خیانت کا گمان ہو تو ان دونوں غیر مسلموں کو عصر کی نماز کے بعد روک لو پھر وہ دونوں مجمع عام میں قسمیں کھائیں اور قسم کے ساتھ یہ کہیں کہ ہم اس قسم کے عوض میں کسی کا مال نہیں چاہتے اگرچہ وہ شخص جس کے نفع کے لیے ہم گواہی دے رہے ہیں ہمارا قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو یعنی ہم جھوٹی گواہی اپنے رشتہ داروں کے لیے بھی نہیں دیتے غیر کے لیے تو کیا دیں گے اور ہم اللہ کی فرض کی ہوئی گواہی کو نہیں چھپاتے اگر ہم ایسا کریں گے تو بے شک ہم گناہ گاروں میں سے ہوں گے پھر اگر بعد میں کسی طریقہ سے یہ اطلاع ملے کہ وہ دونوں شاہد یعنی وصی گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں یعنی انہوں نے میت کے مال میں خیانت کی ہے اور جھوٹی قسمیں کھائی ہے تو دو اور شخص ان کی جگہ قسم کھانے کے لیے کھڑے ہوں ان لوگوں میں سے جن کا ان دونوں نے حق دبایا ہے یعنی میت کے ورثہ میں سے دو شخص کھڑے ہوں جو میت کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں پھر وہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہیں کہ بے شک ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ معتبر ہے اور ہم نے اپنی اس قسم میں کسی قسم کی زیادتی نہیں کی اگر ہم نے ایسا کیا ہو بے شک ہم ظالموں میں سے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو بدیل کے دو وارث کھڑے ہوئے اور عصر کے بعد انہوں نے یہ قسم کھائی کہ یہ دونوں شخص جھوٹے ہیں اور ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ معتبر ہے تب اس پیالہ کی قیمت ان نصرانیوں سے لے کر ان کو دلائی گئی جب اس واقعہ کے بعد تمیم داری رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تو کہا کرتے تھے کہ بے شک اللہ اور اس کا رسول سچا ہے میں نے پیالہ لیا تھا اب میں اپنے اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور اللہ سے معافی مانگتا ہوں شہادت کا یہ طریقہ جو ان آیات میں مذکور ہوا یہ امر کے بہت زیادہ قریب اور نزدیک ہے کہ لوگ صحیح طریقہ پر شہادت دیا کریں یا وہ اس بات سے ڈریں کہ ان کی قسموں کے بعد وارثوں پر قسمیں لوٹائی جائیں گی یعنی انہیں یہ اندیشہ ہوگا کہ اگر ہم نے جھوٹی قسم کھائی تو ہمارے بعد وَرَثَہ سے قسم لی جائے گی اور ورثہ قسم کھا کر ہماری قسم کو بے اعتبار بنادیں گے اس اندیشہ اور خیال سے وہ جھوٹی قسم پر جرأت نہ کریں گے اور اے لوگو قسم کھانے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ کا حکم سنو اور جو اللہ کا حکم نہ سنے وہ فاسق ہے اور اللہ فاسقوں کو توفیق نہیں دیتا یعنی جو لوگ امانت میں خیانت کرتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں وہ اللہ کی توفیق سے محروم ہوجاتے ہیں اللہ ان کو ہدایت نہیں دیتا بلکہ ان کو انکی گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے تاکہ قیامت کو اس کی سزا پائیں۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ

جس دن اللہ جمع کرے گا سب پیغمبروں کو پھر کہے گا تم کو کیا جواب ملا تھا ف۱ وہ کہیں گے ہم کو خبر نہیں ف۲ تو ہی ہے چھپی باتوں کو

جس دن اللہ جمع کرے گا رسول، پھر کہے گا تم کو کیا جواب دیا؟ بولیں گے ہم کو خبر نہیں۔ تو ہی ہے چھپی بات

الْغُيُوْبِ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰي وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ

جاننے والا جب کہے گا اللہ ف۳ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے یاد کر میرا احسان جو ہوا ہے تجھ پر اور تیری ماں پر ف۴ جب

جاننا۔ جب کہے گا اللہ، اے عیسیٰ مریم کے بیٹے! یاد کر میرا احسان اپنے اوپر، اور اپنی ماں پر، جب

اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ

مدد کی میں نے تیری روح پاک سے تو کلام کرتا تھا لوگوں سے گود میں اور بڑی عمر میں اور جب سکھائی میں نے تجھ کو کتاب

مدد کی میں نے تجھ کو روح پاک سے۔ تو کلام کرتا لوگوں سے گود میں اور بڑی عمر میں۔ اور جب سکھائی میں نے تجھ کو کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْــــَٔــةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ

اور تہ کی باتیں اور تورات اور انجیل اور جب تو بناتا تھا گارے سے جانور کی صورت میرے حکم سے پھر پھونک مارتا تھا

اور پکی باتیں اور توریت اور انجیل۔ اور جب تو بناتا مٹی سے جانور کی صورت میرے حکم سے، پھر دم مارتا

فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى

اس میں تو ہو جاتا اڑنے والا میرے حکم سے اور اچھا کرتا تھا مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب نکال کھڑا کرتا تھا مردوں کو

اس میں تو ہو جاتا جانور میرے حکم سے، اور چنگا کرتا ماں کے پیٹ کا اندھا اور کوڑھی کو، میرے حکم سے۔ اور جب نکال کھڑے کرتا مردے

ف۱ یہ سوال محشر میں امتوں کے روبرو پیغمبروں سے کیا جائے گا کہ دنیا میں جب تم ان کے پاس پیغام حق لے کر گئے تو انہوں نے کیا جواب دیا اور کہاں تک دعوت الٰہی کی اجابت کی؟ گزشتہ رکوع میں بتلایا تھا کہ خدا کے یہاں جانے سے پہلے بذریعہ وصیت وغیرہ یہاں کا انتظام ٹھیک کر لو۔ اب متنبہ فرماتے ہیں کہ وہاں کی جواب دہی کے لئے تیار رہو۔

ف۲ محشر کے ہولناک دن میں جب خدائے قہار کی شان جلالی کا انتہائی ظہور ہوگا، اکابر واعاظم کے بھی ہوش بجا نہ رہیں گے، اولو العزم انبیاء علیہم السلام کی زبان پر نفسی نفسی ہوگا۔ اسی وقت انتہائی خوف وخشیت سے حق تعالیٰ کے سوال کا جواب "لا علم لنا" (ہمیں کچھ خبر نہیں) کے سوا نہ دے سکیں گے پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں سب کی طرف خدا کی نظر لطف ورحمت ہوگی تب کچھ عرض کرنے کی جرات کریں گے۔ حسن ومجاہد وغیرہ سے ایسا ہی منقول ہے۔ لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک "لا علم لنا" کا مطلب یہ ہے کہ خداوندا! تیرے علم کامل ومحیط کے سامنے ہمارا علم کچھ بھی نہیں۔ گویا یہ الفاظ "تادب مع اللہ" کے طور پر کہے۔ ابن جریج کے نزدیک "لا علم لنا" سے یہ مراد ہے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ ہمارے پیچھے انہوں نے کیا کچھ کیا۔ ہم صرف انہی افعال واحوال پر مطلع ہو سکتے ہیں جو ہمارے سامنے ظاہری طور پر پیش آتے تھے۔ بواطن وسرائر کا علم عالم الغیوب ہی کو ہے۔ آئندہ رکوع میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زبانی جو جواب نقل فرمایا ہے "وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا الخ" اس سے آخری معنی کی تائید ہوتی ہے۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ جب حوض پر بعض لوگوں کی نسبت حضور فرمائیں گے "ھٰؤُلَاءِ اَصْحَابِیْ" تو جواب ملے گا "لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ" (الحدیث) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے انہوں نے کیا حرکات کیں۔

ف۳ غالباً یہ پورا رکوع آنے والے رکوع کی تمہید ہے۔ احسانات یاد دلا کر وہ سوال ہوگا جو آئندہ رکوع میں مذکور ہے۔

ف۴ اول تو اولاد پر احسان کرنا من وجہ ماں پر احسان ہے۔ دوسرے ظالم لوگ جو تہمت مریم صدیقہ پر لگاتے تھے حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی =

بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

میرے حکم سے ف۱ اور جب روکا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو لے کر آیا ان کے پاس نشانیاں تو کہنے لگے جو کافر تھے

میرے حکم سے۔ اور جب روکا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے، جب تو لایا ان پاس نشانیاں، تو کہنے لگے جو کافر تھے

مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

ان میں اور کچھ نہیں یہ تو جادو ہے صریح ف۲

ان میں، اور کچھ نہیں یہ جادو ہے صریح۔

= براءت و نزاہت کے لئے برہان مبین بنادیا اور تولد مسیح سے پہلے اور بعد عجیب و غریب نشانات حضرت مریم کو دکھلائے جو ان کی تقویت و تسکین کا باعث ہوئے۔ یہ احسانات بالواسطہ ان پر تھے۔

ف۱ گود میں جو کلام کیا اس کا ذکر سورۂ مریم میں آئے گا ﴿اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۣ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ﴾ تعجب ہے کہ عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے "تکلم فی المھد" کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ البتہ یہ لکھا ہے کہ بارہ برس کی عمر میں یہود کے سامنے انہوں نے ایسی حکیمانہ دلائل و براہین بیان فرمائیں کہ تمام علماء عاجز و مبہوت رہ گئے اور سامعین عش عش کرنے لگے۔ یوں تو "روح القدس" سے حسب مراتب سب انبیاء علیہم السلام بلکہ بعض مومنین کی بھی تائید ہوتی ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جن کا وجود ہی "نفخ جبریلیہ" سے ہوا، کوئی خاص قسم کی فطری مناسبت اور تائید حاصل ہے جسے تفضیل انبیاء کے صدر میں بیان فرمایا گیا۔ ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ روح القدس" کی مثال" عالم ارواح" میں ایسی سمجھو جیسے عالم مادیات میں قوت کہربائیہ (بجلی) کا خزانہ، جس وقت اس خزانہ کا مدیر معین اصول کے موافق کرنٹ چھوڑتا اور جن اشیا میں بجلی کا اثر پہنچاتا ہے، ان کا کنکشن درست کر دیتا ہے تو فوراً خاموش اور ساکن مشینیں بڑے زور سے گھومنے لگتی ہیں۔ اگر کسی مریض پر بجلی کا عمل کیا گیا تو مشلول اعضاء اور بے حس ہو جانے والے اعصاب میں بجلی کے پہنچنے سے حس و حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسے بیمار کے حلقوم میں جس کی زبان بالکل بند ہو گئی ہو قوت کہربائیہ کے پہنچانے سے قوت گویائی واپس کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ بعض غالی ڈاکٹروں نے تو یہ دعویٰ کر دیا کہ ہر قسم کی بیماری کا علاج قوت کہربائیہ سے کیا جا سکتا ہے (دائرۃ المعارف فرید وجدی) جب اس معمولی مادی کہربائیہ کا حال یہ ہے تو اندازہ کر لو کہ" عالم ارواح" کی کہربائیہ میں جس کا خزانہ روح القدس ہے کیا کچھ طاقت ہوگی۔ حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات گرامی کا تعلق روح القدس سے کسی ایسی خاص نوعیت اور اصول کے ماتحت رکھا ہے جس کا اثر کھلے ہوئے غلبہ روحیت، تجرد اور مخصوص آثار حیات کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ان کا "روح اللہ" سے ملقب ہونا، بچپن، جوانی اور کہولت میں یکساں کلام کرنا، خدا کے حکم سے افاضہ حیات کے قابل کالبد خاکی تیار کر لینا، اس میں باذن اللہ روح حیات پھونکنا، مایوس العلاج مریضوں کی حیات کو باذن اللہ بدون توسط اسباب عادیہ کے کارآمد اور بے عیب بنا دینا، حتیٰ کہ مردہ لاشہ میں باذن اللہ دوبارہ روح حیات کو واپس لے آنا، بنی اسرائیل کے ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملا کر آپ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھا لیا جانا، اور آپ علیہ السلام کی حیات طیبہ پر اس قدر طول عمر کا کوئی اثر نہ ہونا، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب آثار اسی تعلق خصوصی سے پیدا ہوتے ہیں جو رب العزت نے کسی مخصوص نوعیت و اصول سے آپ علیہ السلام کے اور روح القدس کے مابین قائم فرمایا ہے۔ ہر پیغمبر کے ساتھ کچھ امتیازی معاملات خدا تعالیٰ کے ہوتے ہیں، ان کے علل و اسرار کا احاطہ اسی علام الغیوب کو ہے۔ ان ہی امتیازات کو علماء کی اصطلاح میں" فضائل جزئیہ" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ایسی چیزوں سے کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ چہ جائیکہ" الوہیت" ثابت ہو۔ " واذ تخلق من الطین" میں خلق کا لفظ محض صوری اور حسی لحاظ سے استعمال کیا گیا ہے ورنہ خالق حقیقی" احسن الخالقین" کے سوا کوئی نہیں۔ اسی لئے "باذنی" کا بار بار اعادہ کیا گیا اور" آل عمران" میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے باذن اللہ کی تکرار کرائی گئی۔ بہرحال جو خوارق ان آیات میں اور ان سے پہلے" آل عمران" میں حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب ہوئے ہیں، ان کا انکار یا تحریف صرف اسی ملحد کا کام ہو سکتا ہے جو" آیات اللہ" کو اپنی عقل شخصی کے تابع کرنا چاہے۔ باقی جو لوگ قانون قدرت کا نام لے کر "معجزات و خوارق" کا انکار کرنا چاہتے ہیں، ان کا جواب ہم نے ایک مستقل مضمون میں دیا ہے اس کے مطالعہ سے انشاء اللہ تمام شکوک و شبہات کا ازالہ ہو سکے گا۔

ف۲ معجزات اور فوق العادت تصرفات کو جادو کہنے لگے اور انجام کار حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کے درپے ہوئے۔ حق تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے حضرت مسیح کو آسمان پر اٹھا لیا۔ اس طرح یہود کو ان کے ناپاک مقصد میں کامیاب ہونے سے روک دیا گیا۔

خاتمہ احکام سورت بر تذکیر آخرت وذکر انعامات واحسانات

خداوندانام برعیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام برائے اثبات عبدیت واثبات ورسالت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ ... الی ... اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴾

ربط: ...... قرآن مجید میں حق تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ شرائع اور احکام بیان کرنے کے بعد یا تو اپنی ذات وصفات یا انبیاء کرام علیہم السلام کے احوال یا قیامت کے احوال بیان فرماتے ہیں تاکہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال اور آخرت کا تذکرہ اور استحضار امتثال احکام میں ممد اور معاون ہو اس لیے ختم سورت پر قیامت کا حال ذکر فرمایا کہ اس دن تمام انبیاء علیہم السلام مجتمع ہوں گے اور ان کی قوموں اور امتوں کی زجر اور توبیخ کے لیے انہی کے سامنے علی روس الاشہاد سوال وجواب ہوں گے تاکہ امتیں سن لیں اور ڈر جائیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَۃُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ﴾ جو لڑکی زندہ گاڑھی گئی تھی اس سے سوال ہوگا کہ کس گناہ پر ماری گئی تو سوال تو موودہ سے ہوگا مگر اس سوال سے مقصود وائد (یعنی زندہ گاڑنے والے) کی توبیخ اور سرزنش ہوگی اس طرح قیامت کے دن جو انبیاء کرام علیہم السلام سے سوال ہوگا تو اس سے مقصود امتوں اور قوموں کی توبیخ اور سرزنش ہوگی اللہ جل شانہ نے ان آیات میں بالاجمال تمام انبیاء علیہم السلام سے سوال کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد خاص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا جن کو عیسائیوں نے خدا ٹھہرا رکھا ہے کیونکہ اوپر سے سلسلہ کلام اہل کتاب کے غلو اور افراط اور تفریط کے متعلق چلا آرہا ہے اس لیے اللہ نے ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا اس تذکرہ سے اصلی مقصود تو نصاریٰ کے عقائد کی تردید ہے جو انہیں خدا اور خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں اس لیے کہ دوسری امتوں کا کفر، انبیاء کرام علیہم السلام کی ذات تک محدود تھا اور نصاریٰ کا کفر حق نبوت سے تجاوز کر کے خدا تعالیٰ کی حد تک پہنچ چکا تھا اس لیے کہ خداوند قدوس کے لیے بیٹا تجویز کرنا بارگاہ خداوندی میں ایسی عظیم گستاخی ہے کہ جس سے آسمان وزمین کے پھٹ جانے کا اندیشہ ہے اس لیے ان آیات میں اصل مقصود تو نصاریٰ کی تردید ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہود کی بھی تردید ہے کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کے منکر ہیں حق تعالیٰ نے ان آیات میں حضرت عیسیٰ پر اپنے انعامات واحسانات کا ذکر فرمایا جس سے ایک طرف تو ان کا بندہ اور محتاج خدا ہونا ثابت لیے کہ انعام واحسان اور تائید روح القدس اور حفاظت جبرائیلی اور نزول مائدہ کی ضرورت بندہ کو ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کو اور دوسری طرف ان کا برگزیدہ خدا ہونا ظاہر ہوگیا اس طرح سے یہود اور نصاریٰ کے غلو اور افراط اور تفریط دونوں کی تردید ہوگئی اور اسکا تذکرہ اور حکایت سے مقصود یہ ہے کہ یہ سن کر نصاریٰ اور یہود دونوں اپنے اپنے کفر اور عناد سے باز آجائیں چنانچہ فرماتے ہیں یاد کرو اس ہولناک دن کو کہ جس دن اللہ تعالیٰ کافروں کے الزام کے لیے رسولوں کو جمع کرے گا پھر ان رسولوں سے پوچھے گا کہ تم کو تمہاری امتوں کی طرف سے کیا جواب دیا گیا تھا یعنی جب تم نے ان کو خدا کی طرف بلایا تو انہوں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا اسے قبول کیا یا رد کیا اس سوال کرنے سے اللہ کا مقصود منکرین اور مکذبین کو توبیخ کرنا ہوگا پیغمبر جواب میں کہیں گے ہمیں حقیقت حال کا علم نہیں تحقیق آپ ہی تمام غیبوں کو جاننے والے ہیں ظاہر وباطن سب تجھ ہی پر روشن ہے ہم تو صرف ظاہر ہی کو کچھ جان لیتے ہیں ہم تیرے سامنے کیا بیان کریں ہمارا علم تیرے علم کے سامنے کوئی چیز نہیں بلکہ بمنزلہ عدم علم

کے ہے اور اسی دن جب تمام پیغمبر جمع ہوں گے عیسیٰ علیہ السلام کو بلا کر ان سے اللہ تعالیٰ یہ فرمائیں گے اے عیسیٰ مریم کے بیٹے میرے اس انعام اور احسان کو یاد کر جو تجھ پر اور تیری ماں پر ہیں قیامت کے دن ان احسانات کے یاددلانے سے یہودیوں اور عیسائیوں کی زجر اور توبیخ مقصود ہوگی یعنی ان انعامات اور احسانات کو یاد دلا کر ان پر یہ امر ظاہر کیا جائے گا کہ دنیا میں عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں دونوں گروہ غلطی پر تھے عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے ہیں اور خدا تعالیٰ ان کا محسن ہے ان میں کو کچھ خوبی تھی وہ خدا ہی کی دی ہوئی تھی پس نصاریٰ کو یہ حق نہیں تھا کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنالیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے محسن کو بھول گئے اور یہودیوں کے لیے کب مناسب تھا کہ جس ذات پر خدا تعالیٰ کے ایسے عجیب وغریب انعامات واحسانات ہوتے ہوں اس کو مفتری اور کذاب سمجھیں اور اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں پر احسانات کی تفصیل نہیں کہ اشارہ اور اجمال پر اکتفا کیا تفصیل اس کی سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے کہ وہ طاہر اور مطہرہ اور صدیقہ تھیں اور حق تعالیٰ نے ان کو تمام جہانوں کی عورتوں پر فضیلت دی تھی اور اے عیسیٰ بن مریم اس وقت کو بھی یاد کر کہ جب میں نے تجھ کو روح القدس یعنی جبریل امین علیہ السلام سے قوت اور مدد دی جو تیری تائید اور تقویت کے لیے ہر وقت تمہارے ساتھ رہتے تھے مطلب یہ ہے کہ حظیرۃ القدس کے انوار وبرکات ہر وقت تمہارے محافظ اور نگہبان تھے اور افضل الملائکۃ المقربین یعنی جبریل امین کے معیت کی وجہ سے نفس وشیطان کی یہ مجال نہ تھی کہ اپنی ظلمتوں سے آپ کی نورانیت کو چھپا ہی کر سکے من جانب اللہ روح القدس کی یہ تائید اس کی دلیل تھی کہ آپ علیہ السلام خدا کے برگزیدہ بندے ہیں معاذ اللہ خدا نہیں خدا کو کسی کی تائید اور تقویت کی کیا ضرورت ہے اور اللہ کے اس انعام کو بھی یاد کرو کہ آپ علیہ السلام گہوارہ میں بھی اور بڑی عمر میں بھی لوگوں سے باتیں کرتے تھے یعنی زمانۂ طفولیت اور زمانۂ کہولت کے کلام میں باعتبار فصاحت وبلاغت اور باعتبار موعظت وحکمت کوئی فرق نہ تھا دونوں یکساں تھے زمانہ شیر خوارگی میں آپ نے یہ کلام کیا ﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۟ۙ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا﴾ اور اس شیر خوارگی میں جو پہلا کلمہ آپ علیہ السلام کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا ﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ تحقیق میں اللہ کا بندہ ہوں اور نبوت ورسالت ملنے کے بعد وحی اور الہام سے کلام فرمایا دونوں زمانوں اور دونوں حالتوں کا کلام ایک ہی شان اور ایک صفت کا تھا دونوں میں کوئی تفاوت نہ تھا حالانکہ ان دو حالتوں کا کلام غایت درجہ مختلف اور متفاوت ہوتا ہے یہ بھی من جانب اللہ ایک عظیم معجزہ تھا جو آپ علیہ السلام کے حق میں اور آپ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے حق میں نعمت عظیمہ تھی جس سے ان کی طہارت اور نزاہت ثابت ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت ثابت ہوئی اور ولادت سے لے کر زمانہ کہولت تک کی نفی ہوگئی اس لیے کہ خدا تعالیٰ ولادت اور تغیرات سے پاک اور منزہ ہے بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ حالت کہولت میں کلام کرنے سے مراد یہ ہے کہ آسمان سے نازل ہونے کے بعد بھی اس قسم کا کلام سراپا حکمت التیام فرمائیں گے لہٰذا لفظ و کھلا میں آپ علیہ السلام کے نزول من السماء کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل احادیث میں آئی ہے اس لیے کہ آپ علیہ السلام زمانہ کہولیت سے پہلے آسمان پر اٹھائے گئے نزول کے بعد آپ علیہ السلام کہولت کو پہنچیں گے اور حکمت وموعظت کی باتیں لوگوں کو بتلائیں گے۔

اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ میں نے تم کو لکھنا اور دانائی اور توریت اور انجیل سکھائی کتاب سے کتابت اور فن تحریر مراد ہے اور حکمت سے کلام صواب مراد ہے اس سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام لکھنا جانتے تھے مگر افسوس کہ نصاریٰ کے

پاس حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی انجیل موجود نہیں بخلاف ہمارے نبی اکرم محمد رسول اللہ ﷺ کے کہ وہ امی تھے لکھنا نہیں جانتے تھے ﴿وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ﴾ اس لیے آپ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو کاتبین وحی کو بلا کر املاء کرا دیتے بحمدہ تعالیٰ مسلمانوں کے پاس وہ اصل قرآن محفوظ ہے جو کاتبین وحی اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے مبارک ہاتھوں نے لکھا اور یہ دنیا کے سارے قرآن اس کی نقل مطابق اصل ہیں

اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ تو میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی شکل اور صورت بناتا تھا پھر تو اس مصنوعی صورت وشکل میں پھونک مارتا تھا پھر وہ تیری بنائی ہوئی صورت میرے حکم سے حقیقۃً میں پرندہ بن جاتی تھی یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ آپ علیہ السلام مٹی سے پرندہ کی صورت بناتے اور پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ سچ مچ کا پرندہ بن جاتا اور اڑنے لگتا اور باذنی کی قید اس لیے لگائی کہ اس پرندہ میں جان ڈالنا خدا تعالیٰ کا کام تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کام نہیں تھا جیسے مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک مارنا جبرئیل علیہ السلام کا کام تھا اور بچہ کو پیدا کرنا اور اس میں جان ڈالنا خدا تعالیٰ کی طرف سے تھا اس وجہ سے ہر جگہ باذنی کی قید بڑھائی تاکہ ان معجزات کو دیکھ کر کسی کو ان کی خدائی کا شبہ نہ ہو اس باذنی کے لفظ سے یہ بتلا دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے یہ تمام کام اپنی قدرت سے نہ تھے بلکہ خدا کی قدرت سے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کام تو صرف صورت بنانا اور اس میں پھونک مارنا تھا باقی اس میں جان ڈالنا یہ حق تعالیٰ کا کام تھا عجب نہیں کہ نفخ عیسوی سے باذن اللہ پرندہ بن جانے کا معجزہ، نفخ جبرائیلی کا کوئی نمونہ ہو۔ واللہ اعلم

اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ تم مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے ہاتھ پھیر کر اچھا اور چنگا کر دیتے تھے بیمار پر ہاتھ پھیرنا تمہارا کام تھا اور شفا اور تندرستی عطا کرنا اور چنگا کر دینا یہ میرا کام تھا میں نے تمہاری برگزیدگی ثابت کرنے کے لیے تم کو یہ معجزہ عطا کیا تمہارے دست برکت میں میرا دست قدرت کارفرما تھا اور تمہارا ہاتھ میرے بے چون وچگوں کے ہاتھ کے لیے روپوش تھا اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ تو میرے حکم سے مردوں کو زندہ کر کے قبر سے نکالتا تھا عیسیٰ علیہ السلام جب یہ چاہتے کہ کوئی مردہ زندہ ہو جائے تو دو رکعت نماز پڑھتے اور خدا سے دعا مانگتے اس کے بعد وہ زندہ ہو جاتا اور اس حالت کو دیکھ کر ہر شخص یہ سمجھ لیتا کہ یہ مردہ دراصل حق تعالیٰ کی قدرت اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے زندہ ہوا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مبارک بندہ کی دعا قبول کی اور اپنی قدرت اور رحمت سے مردہ کو زندہ کر دیا زندہ کرنے والے عیسیٰ علیہ السلام نہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزات اس لیے عطا کیے کہ اطباء اور حکماء بھی ان بیماریوں کے علاج سے عاجز اور درماندہ تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام اطباء کی طرح کوئی طبیب نہیں بلکہ خدا کے برگزیدہ رسول ہیں جن کو خدا نے ایسے معجزات عطا کیے جن سے تمام اطباء عالم عاجز اور درماندہ ہیں یہاں تک منافع اور فوائد کا بیان تھا اب آئندہ آیت میں دفع مضرت کے انعام کو بیان کرتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب میں نے بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کو تیرے پاس آنے سے روک دیا اور انہوں نے جو تیرے قتل اور صلب کا منصوبہ بنایا تھا اس کو میں نے یک لخت ملیامیٹ کر دیا اور تجھ کو صحیح سالم زندہ آسمان پر اٹھا لیا اور وہ تجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے جب کہ تو ان کے پاس اپنی نبوت ورسالت کے روشن دلائل لے کر آیا تو ان میں کے جو کافر تھے وہ یہ بولے کہ نہیں ہیں یہ معجزات مگر کھلا جادو اپنی نادانی اور عناد سے معجزات

کو جادو سمجھے معجزہ وہ ہے جس کا مثل لانے سے سارا عالم عاجز ہو اور جادو تو ایک فن ہے جو سیکھ لے اس کو آ جاتا ہے۔

خلاصہ مضمون آیات مذکورہ بالا:...... ان آیات میں حق جل شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات کا ذکر فرمایا جس سے ایک طرف ان کا برگزیدۂ خداوندی ہونا ثابت ہوا جس سے یہود کا رد ہوا اور دوسری طرف ان کی عبدیت ثابت ہوئی اور ان کی الوہیت کی نفی ہوئی جس سے نصاریٰ کی تردید ہوئی کیونکہ روح القدس کی تائید اور تقویت اور گہوارہ میں ان کی تربیت اور کتاب وحکمت کی تعلیم اور ہدایت اور بنی اسرائیل کے شر سے حفاظت (جس کا ﴿وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ﴾ میں ذکر ہے) یہ سب اس امر کے دلائل اور براہین ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام معاذ اللہ خدا نہ تھے اس لیے کہ خدا کسی کی تائید اور تقویت اور تعلیم اور تربیت اور کسی کی حفاظت کی کیا ضرورت ہے یہ سب امور عبدیت کے دلائل ہیں اور سلسلہ انعامات اور احسانات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ذکر کرنے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ جو معجزات عطا کیے ان کو وہ ان پر اللہ کا انعام اور احسان تھے اور وہ معجزات ان کی نبوت و رسالت کے دلائل تھے نہ کہ الوہیت اور ابنیت کے دلائل تھے اس سے مقصود نصاریٰ کی غلطی کو واضح کرنا ہے کہ وہ احیاء موتی اور ابراء اکمہ و ابرص جیسے معجزات کو حضرت عیسیٰ کی الوہیت کی دلیل سمجھ بیٹھے اور ان کو خدا اور خدا کا بیٹا سمجھ بیٹھے حالانکہ یہ معجزات قاہرہ ان کی نبوت اور رسالت کی دلیل تھے نہ کہ الوہیت اور ابنیت کی دلیل تھے معاذ اللہ خدا کو کسی کے انعام واحسان اور کسی کی تائید وحفاظت کی ضرورت نہیں اور قیامت کے دن ان انعامات کے ذکر کرنے سے تمام اہل کتاب کی توبیخ مقصود ہے جنہوں نے ان کی شان میں افراط اور تفریط کی اور آئندہ سوالات کی تمہید ہے جن کا آئندہ آیت ﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ﴾ میں ذکر آئے گا۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا

اور جب میں نے دل میں ڈال دیا حواریوں کے کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر تو کہنے لگے ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم

اور جب میں نے دل میں ڈالا حواریوں کے کہ یقین لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر۔ بولے ہم یقین لائے اور تو گواہ رہ، کہ ہم

مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ

فرمانبردار ہیں جب کہا حواریوں نے اے عیسیٰ مریم کے بیٹے تیرا رب کر سکتا ہے ف۱ کہ اتارے

حکم بردار ہیں۔ جب کہا حواریوں نے اے عیسیٰ مریم کے بیٹے! تیرے رب سے ہو سکے کہ اتارے

عَلَيْنَا مَاۗىِٕدَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ

ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے ف۲ بولا ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے ف۳ بولے کہ ہم چاہتے ہیں کہ

ہم پر خوان بھرا آسمان سے؟ بولا ڈرو اللہ سے، اگر تم کو یقین ہے۔ بولے ہم چاہتے ہیں، کہ

ف۱ "کر سکتا ہے" اس لئے کہا کہ آپ کی رعایت اور دعا سے ہمارے لئے بطور "خرق عادت" نہ معلوم ایسا کرے یا نہ کرے۔

ف۲ یعنی آسمان کی طرف سے بے محنت روزی پہنچ جایا کرے۔ یہ ضرور نہیں کہ وہ خوان جنت ہی کا ہو۔

ف۳ یعنی ایماندار بندہ کو لائق نہیں کہ ایسی غیر معمولی فرمائشیں کر کے خدا کو آزمائے خواہ اس کی طرف سے کتنی ہی مہربانی کا اظہار ہو، روزی ان ہی ذرائع سے =

نَّأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِينَ ﴿۱۱۳﴾

کھاویں اس میں سے اور مطمئن ہوجاویں ہمارے دل اور ہم جان لیں کہ تو نے ہم سے سچ کہا اور رہیں ہم اس پر گواہ ۱

کھاویں اس میں سے، اور چین پائیں ہمارے دل، اور ہم جانیں کہ تو نے ہم کو سچ بتایا اور رہیں ہم اس پر گواہ۔

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا

کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے اللہ رب ہمارے اتار ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے کہ وہ دن عید رہے

بولا عیسیٰ مریم کا بیٹا، اے اللہ رب ہمارے! اتار ہم پر خوان بھرا آسمان سے، کہ وہ دن عید رہے

لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِينَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ إِنِّي

ہماری پہلوں اور پچھلوں کے واسطے ف۲ اور نشانی ہو تیری طرف سے ف۳ اور روزی دے ہم کو اور تو ہی ہے سب سے بہتر روزی دینے والا ف۴ کہا اللہ نے میں بیشک

ہمارے پہلوں اور پچھلوں کو، اور نشانی تیری طرف سے۔ اور روزی دے ہم کو، اور تو ہے بہتر رزق دینے والا۔ کہا اللہ نے میں اتاروں گا

مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَّا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ

اتاروں گا وہ خوان تم پر پھر جو کوئی تم میں ناشکری کرے گا اس کے بعد تو میں اس کو وہ عذاب دوں گا جو کسی کو نہ دوں گا

وہ خوان تم پر۔ پھر جو کوئی تم میں ناشکری کرے اس پیچھے تو میں اس کو وہ عذاب کروں گا، جو نہ کروں گا کسی کو

الْعٰلَمِينَ ﴿۱۱۵﴾ ع ۵

جہان میں ف۵

جہان میں۔

=طلب کرنا چاہیے جو قدرت نے اس کی تحصیل کے لئے مقرر فرما دیئے ہیں بندہ جب خدا سے ڈر کر تقویٰ اختیار کرے اور اسی پر ایمان و اعتماد رکھے تو حق تعالیٰ ایسی جگہ سے اس کو رزق پہنچائے گا جہاں سے وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔ ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

ف۱ یعنی آزمانے کو نہیں مانگتے بلکہ برکت کی امید پر مانگتے ہیں کہ غیب سے بے محنت روزی ملتی رہے تاکہ اطمینان قلب اور دلجمعی سے عبادت میں لگے رہیں۔ اور آپ نے جو غیبی خبریں نعمائے جنت وغیرہ کے متعلق دی ہیں، ایک چھوٹا سا نمونہ دیکھ کر ان کا بھی یقین کامل ہو جائے۔ اور ایک عینی شاہد کے طور پر ہم اس کی گواہی دیں جس سے یہ معجزہ ہمیشہ مشہور رہے۔ بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے وعدہ فرمایا تھا کہ تم خدا کے لئے تیس دن کے روزے رکھ کر جو کچھ طلب کرو گے وہ دیا جائے گا۔ حوارئین نے روزے رکھ لئے اور مائدہ طلب کیا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا سے یہی مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی وہ دن جس میں مائدہ آسمانی نازل ہو، ہمارے اگلے پچھلے لوگوں کے حق میں عید ہو جائے کہ ہمیشہ ہماری قوم اس دن کو بطور یادگار تہوار منایا کرے۔ اس تقریر کے موافق تکون لنا عیداً کا اطلاق ایسا ہوا جیسا کہ آیہ ﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ کے متعلق بخاری میں یہود کا یہ مقولہ نقل کیا ہے ﴿انکم تقرءون اٰیة لو نزلت فینا لاتخذناها عیدا﴾ جس طرح آیۃ کو عید بنانے کا مطلب اس کے یوم نزول کو عید بنانا ہے (کما ھو مصرح فی الروایات الاخر) اسی پر مائدہ کے عید ہونے کو بھی قیاس کرلو کہتے ہیں کہ وہ خوان اترا اتوار کو جو نصاریٰ کے یہاں ہفتہ کی عید ہے جیسے مسلمانوں کے یہاں جمعہ۔

ف۳ یعنی تیری قدرت کی اور میری نبوت و صداقت کی نشانی ہو۔

ف۴ یعنی بدون تعب و کسب کے روزی عطا فرمائے۔ آپ کے یہاں کیا کمی ہے اور کیا مشکل ہے۔

ف۵ جب نعمت غیر معمولی اور نرالی ہوگی تو اس کی شکر گزاری کی تاکید بھی معمول سے بہت بڑھ کر ہونی چاہئے۔ اور ناشکری پر عذاب بھی غیر معمولی اور نرالا آئے گا۔=

قصہ نزول مائدہ

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ... الی... أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ﴾

ربط:...... ان آیات میں حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے ایک خاص انعام اور خاص معجزہ کا ذکر فرمایا تھا جس سے یہود اور نصاریٰ دونوں ہی کو تنبیہ مقصود ہے یعنی مائدہ کے نازل ہونے کا قصہ ذکر فرماتے ہیں جس کی طرف یہ سورت منسوب ہے یعنی سورۃ مائدہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندہ عیسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کی اور اس پر آسمان سے مائدہ اتارا جو ان کی نبوت و رسالت کی آیت باہرہ اور حجت قاہرہ تھی اور اس بات کی بھی دلیل تھی کہ جس کے لیے یہ آسمانی رزق کا خوان اتارا جارہا ہے وہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہے کہ من وسلویٰ کی طرح اس مائدہ سے خدا کا رزق کھائے اور اس کا شکر بجالائے معاذ اللہ وہ خدا نہیں ہے رزق کا محتاج بندہ ہوتا ہے نہ کہ خدا موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے ﴿رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ﴾ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واضح معجزات کو دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ یہ صریح جادو ہے تو اس وقت میں نے اپنے خاص الخاص لطف وعنایت سے حواریین کے دل میں یہ القاء کیا کہ تم ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر یعنی عیسیٰ علیہ السلام پر انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم ایمان لے آئے اور اے اللہ تو گواہ رہ کہ ہم تیرے حکم ماننے والے ہیں جو حکم دے گا اس کی تعمیل کریں گے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا انعام اور احسان تھا کہ حواریین کے دل میں یہ القاء اور الہام کیا کہ تم ہمارے نبی برحق پر ایمان لے آؤ چنانچہ ایمان لے آئے اور خدا کو اپنے اسلام پر گواہ بنالیا۔ اس کے بعد اب دوسرے انعام کا ذکر ہے کہ حواریین کی درخواست کی بناء پر آسمان سے مائدہ نازل ہوا ایمان اور اسلام باطنی رزق اور اخروی نعمت ہے اور مائدہ ظاہری رزق دنیوی نعمت ہے چنانچہ فرماتے ہیں یاد کرو اس وقت کو جب کہ حواریین نے عیسیٰ علیہ السلام سے یہ عرض کیا اے عیسیٰ بن مریم علیک السلام کیا یہ ہوسکتا ہے کہ تیرا پروردگار ہم پر آسمان سے نعمتوں بھرا ہوا ایک خوان اتارے اس کا یہ مطلب نہیں کہ حواریین کو حق تعالیٰ کی قدرت میں کسی قسم کا کوئی شک تھا بلکہ مطلب یہ تھا کہ اے مسیح بن مریم علیہ السلام کیا خداوند عالم آپ علیہ السلام کے طفیل میں آپ علیہ السلام کے خادموں اور غلاموں کے لیے اپنے عام دستور و عادت کے خلاف آسمان سے الوان نعمت کا کوئی خوان اتار سکتا ہے ہم تو اس قابل نہیں کہ ہمارے لیے آسمان سے خوان اتارا جائے ہاں یہ ممکن ہے کہ آپ علیہ السلام جیسی برگزیدہ ذات بارگاہ خداوندی میں یہ سوال کرے اور قبول ہوجائے تو آپ علیہ السلام کے طفیل ہماری یہ آرزو پوری ہوجائے اس کی مثال بعینہ ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی بڑے شخص کو اپنے ساتھ بازار لے جانا چاہے اور یہ کہے کہ کیا آپ میرے ساتھ بازار چلنے کی تکلیف برداشت کرسکیں گے عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے جواب میں کہا اللہ سے ڈرو اگر تم میری نبوت ورسالت پر یقین رکھتے ہو یعنی تمہارا

موضح القرآن میں ہے "بعضے کہتے ہیں وہ خوان اترا چالیس روز تک پھر بعضوں نے ناشکری کی یعنی حکم ہوا تھا کہ فقیر اور مریض کھاویں۔ مخفوظ اور چنگے بھی لگے کھانے۔ پھر قریب اسی آدمی کے سور اور بندر ہوگئے۔ یہ عذاب پہلے یہود میں ہوا تھا۔ پیچھے کسی کو نہیں ہوا۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ نہیں اترا۔ یہ تہدید سن کر مانگنے والے ڈر گئے۔ نہ مانا لیکن پیغمبر کی دعا عبث نہیں اور اس کلام میں نقل کرنا بے حکمت نہیں۔ شاید اس دعا کا اثر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت میں آسودگی مال ہمیشہ رہی اور جو کوئی ان میں ناشکری کرے یعنی دل کے اطمینان سے عبادت میں نہ لگے بلکہ گناہ میں خرچ کرے تو شاید آخرت میں سب سے زیادہ عذاب پاوے اس میں مسلمان کو عبرت ہے کہ اپنا مدعا "خرق عادت" کی راہ سے نہ چاہے کہ پھر اس کی شکرگزاری بہت مشکل ہے۔ اسباب ظاہری پر قناعت کرے تو بہتر ہے۔ اس قصہ میں بھی ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ کے آگے حمایت پیش نہیں جاتی۔

یہ سوال اول تو خلاف ادب ہے خلاف عادت امور کی فرمائش خلاف ادب ہے اس قسم کی فرمائشیں معاندین کا طریقہ ہیں اور علاوہ ازیں اس سوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں میری نبوت ورسالت میں کوئی شک ہے جب ہی تو تم نے مجھ سے اس معجزہ اور خارق عادت امر کی فرمائش کی گویا کہ بزبان حال اس سوال سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ تم اپنے ایمان کو معجزات اور خوارق عادات کے مشاہدہ پر موقوف رکھنا چاہتے ہو یہ علامت شک اور تردد کی ہے نیز مجھ کو یہ ڈر ہے کہ وہ خوان تمہارے لیے فتنہ کا سامان نہ بن جائے لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور ایسی چیز کا سوال نہ کرو جو تمہارے لیے فتنہ کا سبب بنے اور میری نسبت شک میں پڑ کر اپنے ایمان کو متزلزل نہ کرو حواریین بولے ہم آپ علیہ السلام پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں اور ہمیں ذرہ برابر شک نہیں لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس خوان میں سے کھائیں جو آسمان سے نازل ہو کیونکہ جو رزق آسمان سے نازل ہوگا وہ سراسر مبارک ہوگا اور اس کے کھانے سے ظاہری اور باطنی شفا اور صحت حاصل ہوگی، اور تیری عبادت اور اطاعت میں قوت کا ذریعہ بنے گا دنیا کے رزق سے بعض مرتبہ دل میں معصیت کا داعیہ پیدا ہوتا ہے مگر جو رزق آسمان سے نازل ہوگا وہ دل میں تیری اطاعت اور بندگی کا ایسا جوش اور ولولہ پیدا کرے گا کہ ہم کو عبادت اور بندگی میں ملائکہ کا ہم رنگ بنا دے گا اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس آسمانی خوان سے کھا کر ہمارے دل مطمئن ہو جائیں یعنی ہمارے دل طمانیت اور سکینت سے ایسے لبریز ہو جائیں کہ ہمارے ایمان میں شک اور تردد کا امکان ہی ختم ہو جائے اور شہودی اور حسی طور پر ہم یہ جان لیں کہ آپ علیہ السلام نے نعماء جنت کے بارہ میں ہم کو خبریں دی ہیں اس میں آپ علیہ السلام نے ہم سے سچ بولا ہے کہ جنت اور اس کی نعمتیں حق ہیں اور یہ آسمانی خوان جنت کی نعمتوں کا ایک نمونہ ہے اگرچہ استدلالی اور برہانی طریقہ پر ہم کو آپ علیہ السلام کی صداقت کا پہلے ہی سے علم حاصل ہے مگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں علم استدلالی کے ساتھ علم شہودی اور علم عیانی بھی مل جائے تاکہ کفر اور نفاق اور ارتداد کے خطرہ سے ہم نکل جائیں اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس معجزہ پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں کہ ہم بنی اسرائیل کے سامنے گواہی دیں کہ ہم نے یہ معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تاکہ جن لوگوں نے یہ معجزہ نہیں دیکھا ان کے سامنے گواہی دیں اور آپ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کو ثابت کر سکیں ہم کو تبلیغ اور دعوت کا اجر ملے اور ان کو ہدایت ملے عیسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ اس درخواست سے ان کی غرض صحیح ہے تو بولے اور یہ دعا کی بار خدایا اے ہمارے پروردگار ہماری ظاہری اور باطنی تربیت کے لیے آسمان سے ایک خوان اتار جو ہمارے اگلے اور پچھلوں کے لیے عید بنے یعنی جو لوگ اس وقت موجود ہیں اور جو لوگ بعد کے زمانہ میں آئیں گے سب کے لیے خوشی کا سامان ہو مطلب یہ ہے کہ تیرا یہ انعام سلف سے لے کر خلف تک جاری رہے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو کہ جنت کی نعمتوں میں شک اور شبہ نہ کر سکیں اس کا نمونہ تم کو دنیا میں دکھلا دیا اور اے اللہ ہم کو رزق عطا فرما اور اس پر شکر کی توفیق دے اور سب عطا کرنے والوں میں تو ہی سب سے بہتر عطا کرنے والا ہے دنیا میں جو شخص کسی کو کچھ دیتا ہے وہ اپنے نفع کے لیے دیتا ہے اور اسکے عوض کا طلب گار رہتا ہے اور تیری عطا بلا عوض اور بلا نفع کے ہے۔

من نکردم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

﴿وَارْزُقْنَا﴾ (ہم کو روزی دے) لفظ اگرچہ عام ہے مگر یہاں خاص روزی مراد ہے یعنی وہی خوان جس کا سوال تھا۔

نکتہ:...... حوارمین نے جو نزول مائدہ کی درخواست کی اس کا آغاز ﴿هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ﴾ سے کیا جو کسی قدر خلاف ادب

معلوم ہوتا ہے اور غرض وغایت یہ بیان کی ﴿نُرِيدُ أَن نَّأْكُلَ مِنْهَا﴾ بخلاف عیسیٰ علیہ السلام کے کہ انہوں نے دعا اور استدعا میں جن آداب عبودیت کو ملحوظ رکھا وہ ظاہر ہیں ﴿اللَّهُمَّ رَبَّنَا﴾ سے دعا کو شروع کیا اور ﴿وَارْزُقْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾ پر ختم کیا۔

اللہ تعالیٰ نے کہا اے عیسیٰ علیہ السلام میں نے تمہاری درخواست منظور کرلی اور تحقیق میں تمہاری درخواست کے مطابق وہ خوان آسمان سے تم پر ضرور اتاروں گا پھر تم سے جو کوئی اس کے بعد ناشکری کرے تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا جو جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا اس لیے کہ جب نعمت غیر معمولی ہو اور نرالی ہو تو اس کی ناشکری پر عذاب بھی غیر معمولی اور نرالا آئے گا۔

جمہور علماء وسلف وخلف کا قول یہ ہے کہ یہ مائدہ حسب وعدہ خداوندی آسمان سے اترا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ﴾ اور یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اس کی خبر ہے جو حق اور صدق ہے یہ ناممکن ہے کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو اور اس کی خبر واقع نہ ہو اور اس کا امام ابن جریر اور ابن کثیر اور امام قرطبی رحمہم اللہ نے اور جمہور علماء تفسیر نے اختیار کیا ہے جیسا کہ ترمذی وغیرہ میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اور موقوفاً مروی ہے کہ وہ مائدہ آسمان سے اترا اور اس میں گوشت تھا اور روٹی تھی اور اس کے متعلق یہ حکم دیا گیا کہ اس میں خیانت نہ کریں اور چھپا کر نہ رکھیں اور دوسرے دن کے لیے ذخیرہ نہ کریں پس جن لوگوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی وہ بندر اور سور کی صورت اور شکل بنا دیے گئے اور تین دن کے بعد وہ ہلاک ہو گئے (دیکھو تفسیر ● قرطبی، ص: ۶/۳۷۷ اور تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۱۶)

اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ یہ مائدہ نازل ہی نہیں ہوا یہ تہدید سن کر مانگنے والے ڈر گئے اور اپنی درخواست واپس لے لی اور مانگا ہی نہیں اور اپنے اس سوال سے توبہ اور استغفار کی مگر یہ قول صحیح نہیں ظاہر قرآن کے بھی خلاف ہے اور اخبار اور آثار متواترہ کے بھی خلاف ہے سلف اور خلف سے یہی منقول ہے کہ یہ مائدہ آسمان سے نازل ہوا غرض یہ کہ اتنا امر قطعی اور یقینی ہے کہ آسمان سے خوان اترتا تھا اور ایک مدت تک اترتا رہا باقی رہا یہ امر کہ اس خوان میں کیا کیا چیزیں تھیں اور کب تک اترتا رہا اس کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (دیکھو تفسیر درمنثور: ۲/۳۴۶)

جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مائدہ کس شان سے نازل ہوا اور عیسیٰ علیہ السلام نے کس شان سے اس کا استقبال کیا۔ واللہ اعلم

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ

اور جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے تو نے کہا لوگوں کو کہ ٹھہرا لو مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود سوا

اور جب کہے گا اللہ، اے عیسیٰ مریم کے بیٹے! تو نے کہا لوگوں کو؟ کہ ٹھہراؤ مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود سوائے

● قال الامام القرطبي اخرج الترمذي في ابواب التفسير عن عمار بن ياسر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انزلت المائدة من السماء وامروا ان لا يخونوا ولا يدخروا لغد فخانوا وادخروا ورفعوا لغد فمسخوا قردة وخنازير (تفسير قرطبي: ۶/۳۷۷)

اللّٰهِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ڲ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ

اللہ کے ف۲ کہا تو پاک ہے مجھ کو لائق نہیں کہ کہوں ایسی بات جس کا مجھ کو حق نہیں اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو تجھ کو

اللہ کے۔ بولا تو پاک ہے، مجھ کو نہیں بن آتا کہ کہوں جو مجھ کو نہیں پہنچتا۔ اگر میں نے یہ کہا ہوگا، تو تجھ کو

عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿١١٦﴾

ضرور معلوم ہوگا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے بیشک تو ہی ہے جاننے والا چھپی باتوں کا ف۲

معلوم ہوگا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے۔ برحق تو ہی ہے جانتا چھپی بات۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا

میں نے کچھ نہیں کہا ان کو مگر جو تو نے حکم کیا کہ بندگی کرو اللہ کی جو رب ہے میرا اور تمہارا ف۳ اور میں ان سے خبردار تھا

میں نے نہیں کہا ان کو، مگر تو نے حکم کیا کہ بندگی کرو اللہ کی، جو رب ہے میرا اور تمہارا۔ اور میں ان سے خبردار تھا،

مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ

جب تک ان میں رہا پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا تو تو ہی تھا خبر رکھنے والا ان کی اور تو ہر چیز سے

جب تک ان میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھے بھر لیا، تو تو ہی تھا خبر رکھتا ان کی۔ اور تو ہر چیز سے

شَهِيْدٌ ﴿١١٧﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ

خبردار ہے ف۴ اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو ان کو معاف کردے تو تو ہی ہے زبردست

خبردار ہے۔ اگر تو ان کو عذاب کرے تو وہ بندے تیرے ہیں۔ اور اگر ان کو معاف کرے تو تو ہی ہے زبردست

ف۱ پچھلا رکوع حقیقت میں اس رکوع کی تمہید تھی۔ پچھلے رکوع کی ابتداء میں ﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ فرما کر آگاہ کیا تھا کہ قیامت کے دن تمام مرسلین سے ان کی امتوں کے مواجہ میں علی رؤس الاشہاد سوال و جواب ہوں گے پھر ان میں سے خاص حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر فرمایا جن کو کروڑوں آدمیوں نے خدائی کا درجہ دے رکھا ہے کہ ان سے بالخصوص اس عقیدہ باطلہ کی نسبت دریافت کیا جائے گا لیکن اول وہ عظیم الشان احسانات اور ممتاز انعامات یاد دلائیں گے جو ان پر اور ان کی والدہ ماجدہ پر فائض ہوئے۔ بعدہ ارشاد ہوگا ﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ﴾ کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی خدا کے سوا معبود مانو) حضرت مسیح علیہ السلام اس سوال پر کانپ اٹھیں گے اور وہ عرض کریں گے جو آگے آتا ہے۔ آخر میں ارشاد ہوگا ﴿هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ﴾ "هٰذا" کا اشارہ اسی یوم کی طرف ہے جو یوم یجمع اللّٰہ الرسل میں مذکور تھا۔ بہرحال یہ سب واقعہ روز قیامت کا ہے جسے متیقن الوقوع ہونے کی وجہ سے قرآن و حدیث میں بصیغہ ماضی (قال) تعبیر فرمایا ہے۔

ف۲ یعنی میں ایسی گندی بات کیسے کہہ سکتا تھا۔ آپ کی ذات اس سے پاک ہے کہ الوہیت وغیرہ میں کسی کو اس کا شریک کیا جائے۔ اور جس کو آپ پیغمبری کا منصب جلیل عطا فرمائیں۔ اس کی یہ شان نہیں کہ کوئی ناحق بات منہ سے نکالے۔ پس آپ کی سبوحیت اور میری عصمت دونوں کا اقتضاء یہ ہے کہ میں ایسی ناپاک بات کبھی نہیں کہہ سکتا۔ اور سب دلائل کو چھوڑ کر آخری بات یہ ہے کہ آپ کے "علم محیط" سے کوئی چیز باہر نہیں ہوسکتی، اگر فی الواقع میں ایسا کہتا تو آپ کے علم میں ضرور موجود ہوتا۔ آپ خود جانتے ہیں کہ میں نے خفیہ یا علانیہ کوئی ایسا حرف منہ سے نہیں نکالا۔ بلکہ میرے دل میں اس طرح کے گندے خیال کا خطور بھی نہیں ہوا۔ آپ سے میرے یا کسی کے دل کے چھپے ہوئے ہواجس و خواطر بھی پوشیدہ نہیں۔

ف۳ میں نے آپ کے حکم سے سرمو تجاوز نہیں کیا۔ اپنی الوہیت کی تعلیم تو کیسے دے سکتا تھا اس کے بالمقابل میں نے ان کو صرف تیری بندگی کی طرف بلایا اور=

الْحَكِيمُ ﴿۱۱۸﴾

حکمت والا ف ۱

حکمت والا۔

ذکر مخاطبت رب العزت با عیسیٰ علیہ السلام اور یوم قیامت برائے تنبیہ نصاریٰ حیاریٰ بر بطلان عقیدہ الوہیت

قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ... الى... أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾

ربط:...... اوپر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ چلا آ رہا ہے اور یہ اسی گفتگو کا تتمہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت میں ہوگی اولاً حق تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بلا کر اپنے وہ عظیم الشان انعامات و احسانات یاد دلائیں گے جو ان پر اور ان کی والدہ پر

=کھول کھول کر جتلا دیا کہ میرا اور تمہارا سب کا رب (پروردگار) وہ ہی ایک خدا ہے جو تنہا عبادت کے لائق ہے۔ چنانچہ آج بھی بائیبل میں صریح نصوص اس مضمون کی بکثرت موجود ہیں۔

ف ۲ نہ صرف یہ کہ میں نے مخلوق کو تیری توحید اور عبودیت کی طرف دعوت دی، بلکہ جب تک ان کے اندر قیام پذیر رہا، برابر ان کے احوال کی نگرانی اور خبر گیری کرتا رہا کہ کوئی غلط عقیدہ یا بے موقع خیال قائم نہ کر لیں البتہ ان میں قیام کرنے کی جو مدت آپ کے علم میں مقدر تھی، جب وہ پوری کر کے آپ نے مجھ کو ان میں سے اٹھا لیا (کما یظهر من مادة التوفي ومقابلة مادمت فيهم) تو پھر صرف آپ ہی ان کے احوال کے نگران اور خبردار ہو سکتے تھے، میں اس کے متعلق کچھ عرض نہیں کر سکتا۔

(تنبیہ) حضرت مسیح علیہ السلام کی موت یا رفع الی السماء وغیرہ کی بحث "آل عمران" میں زیر فائدہ ﴿إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾ ملاحظہ کیجئے۔ مترجم محقق قدس سرہ نے یہاں "فلما توفيتني" کا جو ترجمہ "تو نے مجھ کو اٹھا لیا" سے کیا یہ باعتبار محاورات "موت" اور "رفع الی السماء" دونوں پر صادق آ سکتا ہے۔ گویا متنبہ کر دیا کہ نہ لفظ "توفی" کیلئے موت لازم ہے اور نہ خاص توفی بصورت موت کو مضمون زیر بحث میں کسی قسم کا مدخل ہے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کہ بعض لوگوں کی نسبت میں قیامت کے دن اسی طرح کہوں گا جس طرح بندہ صالح (عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا ﴿وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ اس قسم کی تشبیہات سے یہ نکالنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور حضرت مسیح علیہ السلام کی "توفی" بھی بہمہ وجوہ یکساں اور ہم رنگ ہونی چاہئے، عربیت سے ناواقفیت کی دلیل ہے مشرکین مکہ ایک درخت (ذات انواط) پر ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لئے بھی "ذات انواط" مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہاں ہے۔ آپ نے فرمایا "هذا كما قال قوم موسى اجعل لنا الها كما لهم آلهة" (یہ تو ایسا ہوا جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے بھی ایسا معبود تجویز کر دو جیسا ان بت پرستوں کا ہے) کیا کوئی مسلمان اس تشبیہ کو سن کر یہ گمان کر سکتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے معاذ اللہ بت پرستی کی درخواست کی تھی؟ اس طرح کی تشبیہات سے نصوص محکمہ اور اجماع امت کے مخالف عقائد پر تمسک کرنا صرف اسی جماعت کا حصہ ہو سکتا ہے جن کی نسبت یہ ارشاد ہوا ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ﴾۔

ف ۱ یعنی آپ اپنے بندوں پر ظلم اور بے جا سختی نہیں کر سکتے اس لئے اگر ان کو سزا دیں گے تو عین عدل و حکمت پر مبنی ہوگی اور فرض کیجئے معاف کر دیں تو یہ معافی بھی از راہ عجز و سفہ نہ ہوگی۔ چونکہ آپ عزیز (زبردست اور غالب) ہیں اس لئے کوئی مجرم آپ کے قبضہ قدرت سے نکل کر بھاگ نہیں سکتا کہ آپ اس پر قابو نہ پا سکیں۔ اور چونکہ "حکیم" (حکمت والے) ہیں۔ اس لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی مجرم کو یونہی بے موقع چھوڑ دیں۔ بہر حال جو فیصلہ آپ ان مجرمین کے حق میں کریں گے وہ بالکل حکیمانہ اور قادرانہ ہوگا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ کلام چونکہ محشر میں ہوگا جہاں کفار کے حق میں کوئی شفاعت اور استدعاء رحم وغیرہ نہیں ہو سکتی، اسی لئے حضرت مسیح نے عزیز حکیم کی جگہ غفور رحیم وغیرہ صفات کو اختیار نہیں فرمایا برخلاف اس کے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا میں اپنے پروردگار سے عرض کیا تھا۔ ﴿رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۖ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ اے پروردگار ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ کر دیا تو جو ان میں سے میرے تابع ہوا وہ میرا آدمی ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو پھر تو غفور رحیم ہے) یعنی ابھی موقع ہے کہ تو اپنی رحمت سے آئندہ ان کو توبہ اور رجوع الی الحق کی توفیق دے کر پچھلے گناہوں کو معاف فرما دے۔

مبذول ہوئے بعد ازاں نصاریٰ کے عقیدہ باطلہ یعنی عقیدہ الوہیت مریم علیہا السلام کے متعلق دریافت کیا جائے گا جس سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ توحید کی دعوت دیتے رہے اور شرک سے منع کرتے رہے اور اپنی عبدیت کا اقرار کرتے رہے اور ان دن رات خدا ہی کی عبادت اور بندگی میں لگے رہے اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں سے براءت اور بیزاری ظاہر فرمائیں گے جنہوں نے ان کو خدا ٹھہرایا معلوم ہوا کہ عقیدہ الوہیت مسیح اور عقیدہ ابنیت اور عقیدہ تثلیث یہ سب بدعتیں اور گمراہیاں ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد دین مسیح میں داخل ہوئیں اور عیسیٰ علیہ السلام ان سب سے بری اور بیزار ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انعامات خاصہ کا ذکر اور معجزہ احیاء موتی اور معجزہ نزول مائدہ کا ذکر یہود کی توبیخ کے لیے ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی عبدیت کا اعتراف واقرار اور اپنی الوہیت سے تبری اور بے زاری کا ذکر نصاریٰ کی توبیخ کے لیے ہے معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور عبادت اور بندگی خاص اسی کا حق ہے اور جس طرح تمام انبیاء کرام علیہم السلام توحید کی دعوت دیتے چلے آئے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ﴾.

اسی طرح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام بھی لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے معاذ اللہ انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا بناؤ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس دن کو کہ اللہ تعالیٰ تمام انبیاء علیہم السلام کو جمع کر کے سوال کرے گا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے انعامات اور احسانات یاد دلائے گا اور اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام سے کہے گا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے جو ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوا اور اس کی گود میں پلا اور پرورش پائی اور جوان ہوا جس میں الوہیت کا امکان ہی نہیں کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا بنا لو حالانکہ تم اور تمہاری ماں دونوں خدا تعالیٰ سے دون یعنی کم تر ہیں اور جو خدا کا ہمسر نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا سب سے اعلیٰ اور بالا اور برتر ہوتا ہے پس بتلاؤ کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو معبود بنا لو یا ان لوگوں نے خود اپنی طرف سے یہ عقیدہ تراش لیا ہے خطاب تو عیسیٰ کو ہو گا اور مورد عتاب نصاریٰ ہوں گے وہ اس قابل بھی نہیں کہ ان سے باز پرس کی جا سکے کیونکہ کسی مولود کو عقلاً اپنے معبود ہونے کا گمان ہو ہی نہیں سکتا جو کسی کے پیٹ سے پیدا ہو وہ کیسے خدا ہو سکتا ہے عرب کے نصاریٰ حضرت مریم علیہا السلام کو بھی خدا کہتے تھے اس لیے سوال میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ ان کی والدہ کا بھی ذکر کیا گیا۔

قیامت کے دن یہ سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے محض ان کی امت کی سرزنش کے لیے کیا جائے گا تا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے جواب سے وہ جھوٹے ٹھہریں اور ان پر اللہ کی حجت قائم ہو۔

عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جواب باصواب

بیان کیا جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کریں گے ﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ تو عیسیٰ علیہ السلام اس سوال پر کانپ اٹھیں گے اور تمام بدن پر لرزہ طاری ہو جائے گا جب سکون ہو جائے گا تو نہایت ادب سے عرض کریں گے اور کہیں گے سبحانك یعنی تو پاک ہے اور میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں کہ تو شرک سے

پاک اور منزہ ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ ذات وصفات وافعال میں کوئی تیرا شریک ہوسکے نیز میرے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ میں زبان سے ایسی بات کہوں جو میرے لیے کسی طرح زیبا نہیں یعنی تو تو شریک اور زن وفرزند سے پاک ہے اور میں تیرا عبد اور عابد ہوں معبود نہیں میں تیرا مربوب (پروردہ) ہوں رب نہیں اور پھر میں نبی ہو کر ایسی جھوٹی بات کیوں کہنے لگا جو نہ بحیثیت عبدیت مجھ کو سزاوار ہے اور نہ بحیثیت نبوت کے۔ اس لیے کہ منصب نبوت ہدایت خلق کے لیے عطا کیا جاتا ہے نہ کہ بندوں کو گمراہ کرنے کے لیے اور شرک کی دعوت دینے کے لیے اگر بالفرض والتقدیر میں نے یہ بات کہی ہوگی تو تیرے علم میں ہوگی اس لیے کہ تو تو میرے باطن اور ضمیر کی بات کو خوب جانتا ہے اور میں تیرے جی کی بات کو بالکل نہیں جانتا اس لیے کہ بے شک تو ہی تمام پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے پس جب میں اس قدر عاجز اور لاچار ہوں اور اس درجہ بے خبر ہوں کہ بغیر آپ کو بتلائے ہوئے کسی غیب کا مجھے علم نہیں ہوسکتا تو میں الوہیت کا دعویٰ کیسے کرسکتا ہوں اور اے خداوند عالم آپ نے لوگوں کو ہدایت کے لیے مجھے رسول بنا کر بھیجا میں نے ان سے صرف وہی کہا تھا جس کا تو نے مجھ کو حکم دیا تھا وہ یہ کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے یہاں تک تو عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے متعلق عرض ومعروض کی اب آئندہ آیت میں قوم کے متعلق عرض کرتے ہیں اور اے پروردگار عالم میں ان کا نگران اور نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا یعنی مجھے ان کے صرف وہ حالات معلوم ہیں جو میرے سامنے پیش آئے پھر جب آپ نے مجھے اپنے قبضہ میں لے لیا اور دنیا سے اٹھا لیا تو میری نگرانی ختم ہوگئی اور اس وقت آپ ہی ان پر نگران اور نگہبان تھے یعنی آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد جو کچھ ہوا مجھے اس کی خبر نہیں اور اسی طرح نزول کے بعد جب میری وفات ہوگئی اس کے بعد کی مجھے خبر نہیں کہ کس طرح یہ لوگ گمراہ ہوئے اور ان کی گمراہی کا کیا سبب ہوا اور آپ ہی ہر چیز پر نگہبان ہیں مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے کس طرح مجھ کو اور میری ماں کو خدا بنالیا یہ جو کچھ کیا سب میری تعلیم اور تلقین کے خلاف کیا اب آئندہ ان کی جزا اور سزا کے متعلق عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں تجھ پر کوئی اعتراض نہیں تو مالک مطلق ہے اور وہ مملوک مطلق ہیں اور مالک مطلق کو اپنی ملک میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے نافرمان بندے کو سزا دینا نہ خلاف انصاف ہے اور نہ قابل اعتراض۔ مالک اپنی کسی مملوکہ چیز کو بلاوجہ بھی تنور میں ڈال دے تو کوئی اعتراض نہیں مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار یہ تو مجرم بھی ہیں جنہوں نے مجھ کو اور میری ماں کو تیرے شریک گردانا اور ان کا سزا دینا تو کیا خلاف انصاف ہوتا بالفرض والتقدیر اگر یہ لوگ شرک بھی نہ کرتے بلکہ عابد اور زاہد ہوتے تب بھی تجھ کو عذاب دینے کا حق ہے اس لیے کہ یہ سب تیرے بندے اور مملوک ہیں تو مالک مطلق ہے تو اپنی ملک میں جا چاہے تصرف کرے تجھ پر کوئی اعتراض نہیں اور اے پروردگار عالم اگر تو ان کو معاف کردے گو وہ معافی اور بخشش کے مستحق نہیں تو تو بے شک زبردست اور حکمت والا ہے یعنی بڑے سے بڑے مجرم کو معاف کرسکتا ہے یعنی آپ کو قدرت ہے کہ اگر اپنے قہر وغلبہ اور کمال قدرت سے ان کو بخش دیں اور جنت میں داخل کردیں تو کرسکتے ہیں اور آپ کا یہ فعل بھی حکمت سے خالی نہ ہوگا مطلب یہ ہے کہ آپ مختار مطلق اور مالک مطلق ہیں جو چاہیں کریں اگر سزا دیں تو عین عدل ہے اور اگر معاف کریں تو محض فضل ہے تجھے نہ کوئی عدل سے روک سکتا ہے اور نہ فضل سے روک سکتا ہے تو عزیز ہے یعنی زبردست اور غالب ہے کوئی مجرم تیرے قبضہ قدرت سے نکل نہیں سکتا اور تو حکیم ہے یعنی حکمت والا ہے تیرا

واذا سمعوا ۷

کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں تو تو اگر کسی مجرم کو معاف کرے گا تو وہ معافی بھی بے موقع اور خلاف حکمت نہ ہوگی۔

اس طرز کلام سے عیسیٰ علیہ السلام کا مقصود یہ ہے کہ بار خدایا یہ لوگ کافر اور مشرک ہیں اور میں ان سے بالکل بری اور بے زار ہوں آپ مالک مطلق اور عزیز مطلق ہیں ان کے بارہ میں جو چاہیں حکم صادر کریں مجھے ان لوگوں سے کوئی سرور کار نہیں آپ ان مجرمین کے حق میں جو بھی فیصلہ فرمائیں گے وہ مالکانہ اور حاکمانہ اور قادرانہ اور حکیمانہ ہوگا میں اس فیصلہ میں کیا دم مار سکتا ہوں آپ مختار ہیں جو چاہیں کریں میری مجال کیا ہے کہ بارگاہ ربوبیت میں لب کشائی کرسکوں کسی نے کیا خوب کہا ہے:

کشاید زبان جز بہ تسلیم تو	کرازہر آنکہ از بیم تو
نینگیختن علت از کار تو	زبان تازہ کردن باقرار تو
بمانند کرو بیاں صم وبکم	بتہدید گر برکشد تیغ حکم
عزازیل گوید نصیبے برم	وگر دردھد یک صلائے کرم

اس ناچیز نے ان آیات کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کے کلام کی تشریح ہے۔ حضرات اہل علم تفسیر کبیر: ۴۸۶/۳ کی مراجعت کریں۔

تنبیہ: ...... ناظرین کرام پر ہماری اس تفسیر اور تحریر سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ عیسیٰ علیہ السلام کا مقصود اس کلام سے کفار کے حق میں شفاعت اور سفارش نہیں بلکہ مقصود تفویض وتسلیم ہے کہ آپ مختار ہیں جو چاہیں کریں اس وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام نے ﴿فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ نہیں فرمایا جو استدعا رحم پر دلالت کرتا ہے بلکہ ﴿فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ فرمایا جو کمال قہر و غلبہ پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ قیامت کے دن کافروں کے حق میں کوئی شفاعت اور سفارش نہیں ہوسکتی اور یہ ماجرا قیامت کے دن کا ہے اس لیے عیسیٰ علیہ السلام نے ﴿غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ کا لفظ استعمال نہیں کیا جو کافروں کے شفاعت کے لیے موہم ہو بخلاف ابراہیم علیہ السلام کے انہوں نے دار دنیا میں اپنے پروردگار سے یہ عرض کیا ﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (اے پروردگار ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ کردیا تو جو ان میں سے میرا تابع ہوا یعنی مجھ پر ایمان لایا تو وہ میرا آدمی ہے یعنی مسلمان ہے اور جس نے میری نافرمانی کی اور میری نبوت کو نہ مانا تو پھر تو غفور رحیم ہے) یعنی ابھی دنیا اور تکلیف میں ہے لہٰذا اگر تو اس کو اپنی رحمت سے توبہ کی توفیق دے کر اس کے گناہوں کو معاف کرے تو کرسکتا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

فرمایا اللہ نے یہ دن ہے کہ کام آوے گا سچوں کے ان کا سچ فـل ان کے لئے ہیں باغ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں

فرمایا اللہ نے یہ وہ دن ہے کہ کام آئے گا سچوں کو ان کا سچ۔ ان کو ہیں باغ، جن کے نیچے بہتی نہریں،

فـل جو لوگ اعتقاداً اور قولاً وعملاً سچے رہے ہیں (جیسے حضرت مسیح علیہ السلام) ان کی سچائی کا پھل آج ملے گا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ

رہا کریں گے انہی میں ہمیشہ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے یہی ہے بڑی کامیابی ف۱ اللہ ہی کے لئے سلطنت ہے

رہا کریں ان میں ہمیشہ۔ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے، یہی ہے بڑی مراد ملنی۔ اللہ کو سلطنت ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع ۱۶

آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ف۲

آسمان اور زمین کی، اور جو ان کے بیچ ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

نتیجہ مخاطبات ومحاسبات مذکورہ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ... الی ... وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں قیامت کے دن اعمال وحوال کی تفتیش اور محاسبہ کا ذکر تھا اب ان آیات میں اس تفتیش اور محاسبہ کا ذکر کرتے ہیں کہ جب [1] عیسیٰ علیہ السلام جواب سے فارغ ہوجائیں گے اور نصاریٰ کا ذہین سے اظہار تبری اور بیزاری کے بعد جب ان کا معاملہ اور فیصلہ حق تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے سپرد کردیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ یہ فرمائیں گے یہ وہ دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا سچوں سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام اور انکے متبعین ہیں یعنی جو لوگ دنیا میں عقائد اور اعمال کے اعتبار سے سچے تھے آج قیامت کے دن ان کا صدق ان کو نفع دے گا اور جن لوگوں نے دنیا میں خدا اور اس کے رسول پر جھوٹ بولا اور حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی ماں کو خدا بتایا آج ان کے لیے کوئی بہتری نہیں کیونکہ یہ لوگ سچے نہیں اور یہ دن سچوں کے نفع کا ہے اور صادقین کے نفع کی صورت یہ ہوگی کہ ان کے لیے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور ان کے صدق دل کی وجہ اور وہ اللہ سے راضی ہوئے کہ اللہ نے میدان حشر میں سب کے سامنے ان کا صدق ظاہر فرمایا اور سب کے سامنے ان کو سربلند کیا اور ان کے دشمنوں کا جھوٹ ظاہر کر کے سب کے سامنے انکو ذلیل اور رسوا کیا یہی بڑی کامیابی ہے کہ عزت کے ساتھ دار کرامت میں داخل کردیے جائیں گے اور ساتھ ساتھ خوشنودی کا پروانہ بھی عطا کردیا گیا رضائے الٰہی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور جو ان کے درمیان میں ہے اس میں عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ بھی آگئیں تو خدا کیسے بنائے گئے یہ جملہ پہلے جملہ یعنی ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ کی دلیل ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو ذات آسمان اور زمین کی تمام اشیاء کی مالک ہے اسی کا راضی ہوجانا فوز عظیم ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے جس کو چاہے عذاب دے اور جس کو چاہے اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمائے کامیابی کا اصل دار و مدار اس کی قدرت اور مشیت پر ہے کسی کے استحقاق کی بناء پر نہیں۔

ف۱ بڑی کامیابی حق تعالیٰ کی رضاء ہے اور جنت بھی اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ محل رضائے الٰہی ہے۔

ف۲ یعنی ہر وفادار اور مجرم کے ساتھ وہی معاملہ ہوگا جو ایک شہنشاہ مطلق کی عظمت وجلال کے مناسب ہے۔

[1] دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۲۲

نکتہ:...... یہ اس سورت کی آخری آیتیں ہیں جن میں اللہ نے اپنا مالک ارضین وسموات وکائنات ومخلوقات ہونا بیان کیا جس میں عیسیٰ علیہ السلام اور انکی والدہ وغیرہ سب آ گئے اس آیت سے اس کا مستحق عبادت ہونا بھی ثابت ہوا پس چونکہ اس سورت کے شروع میں ایفاء عقود وعہود کا حکم تھا اس لیے خاتمہ سورت پر سب سے اہم اور مقدم عہد اور میثاق یعنی توحید فی العبادت کو ذکر فرمایا گویا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ بمنزلہ متن کے تھا اور تمام سورت اس کی شرح اور تفصیل تھی جس چیز سے سورت کا آغاز ہوا تھا اسی پر سورت کا اختتام ہوا۔ اللهم اجعلنا من عبادك الفائزين المفلحين الراضين عنك والمرضيين عندك آمين يارب العالمين۔

لطائف معارف

۱- یہ دونوں رکوع اس سورت کے آخری رکوع ہیں جو اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کی تردید وتکذیب پر اور ذکر معاد اور حساب وکتاب اور جزا وسزا کے بیان پر مشتمل ہیں اور ان دونوں باتوں کا تعلق اور ارتباط، ماقبل کے مضامین سے بالکل واضح اور روشن ہے۔

۲- حق جل شانہ نے ان آیات میں قیامت کا کچھ حال بیان کیا کہ اس دن تمام انبیاء علیہم السلام جمع ہوں گے اور ان کی قوموں اور امتوں کو بھی حاضر کیا جائے گا اور قوموں اور امتوں کی زجر اور توبیخ کے لیے ان کی موجودگی میں ان کے سامنے انبیاء کرام علیہم السلام سے پوچھا جائے گا کہ جب تم نے اپنی اپنی قوموں کو ہمارے احکام پہنچائے تھے تو انہوں نے تم کو کیا جواب دیا تھا تمہاری اطاعت کی یا تکذیب کی؟ انبیاء کرام علیہم السلام ابتداء میں نہایت ادب سے عرض کریں گے ﴿لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ پھر اس کے بعد امتوں کے متعلق عرض کریں گے کہ یہ غلط کہتے ہیں ہم نے تیرے سب احکام پہنچا دیے۔ ﴿فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾۔

۳- پھر انبیاء کرام علیہم السلام سے دریافت کرنے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کو بلائیں گے اور اول ان کو اپنے انعامات واحسانات یاد دلائیں گے جس کا وہ دل وجان سے اعتراف اور اقرار کریں گے اور پھر تذکیر انعامات کے بعد ان سے یہ سوالات ہوں گے ﴿أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ﴾ الخ اور یہ تمام ماجرا یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کو جمع کرنا اور عیسیٰ علیہ السلام کو بلا کر اولاً اپنے انعامات کو یاد دلانا اور پھر ان سے یہ سوال کرنا کہ کیا تم نے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا بنا دو یہ سب قیامت کے دن ہوگا۔

جیسا کہ ابو موسیٰ [1] اشعری کی حدیث مرفوع میں اس کی تصریح ہے۔

[1] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جس قدر بھی مخاطبات خداوندی کا ذکر ہے وہ سب قیامت کے دن ہوں گی اور اس بارہ میں ایک صریح حدیث مرفوع بھی آئی ہے۔ وهو هذا۔ رواه الحافظ ابن عساكر في ترجمة ابي عبدالله مولىٰ عمر بن عبد العزيز ان ثقة قال سمعت ابا بردة يحدث عمر بن عبد العزيز عن ابيه ابي موسىٰ الاشعري قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان يوم القيامة يدعى بالانبياء وامهم ثم يدعى بعيسى فيذكره الله نعمته عليه فيقر بها فيقول يا عيسىٰ ابن مريم اذكر نعمتي =

۴- اور اس تمام تذکرہ سے اصل مقصود نصاریٰ کی تردید ہے جو ان کو خدا سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات واحسانات کا ذکر فرمایا جس سے ان کا بندہ اور محتاج خدا ہونا صاف ظاہر ہے اور اسی ضمن میں یہود کی بھی تردید ہوجاتی ہے جو ان کی نبوت ورسالت کے منکر ہیں ان آیات میں حق تعالیٰ نے یہود کو متنبہ کردیا کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح خدا کے رسول اور صاحب معجزات عظیمہ تھے۔

۵- ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء موتی اور ابراء اکمہ وابرص کے معجزہ کا ذکر ہے جس کی تفصیل سورۂ آل عمران میں گزر چکی۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے سرسید علی گڑھی کی تقلید میں ان معجزات کا انکار کیا اور اس پر اضافہ کیا کہ ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے اور عیسائیوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ماننا ہے پس مرزائے قادیان خدا تعالیٰ کی ان آیات کا منکر ہے اور خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ذکر کیے ہیں۔ مرزائے قادیان ان کو شرک کی تعلیم قرار دیتا ہے قادیان کے اس نادان کو خبر نہیں کہ معجزات سے کسی کی خدائی ثابت نہیں ہوتی بلکہ معجزات نبوت ورسالت کی دلیل ہوتے ہیں ان سے نبوت ورسالت ثابت ہوتی ہے قرآن کریم میں حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کے ذکر کرنے سے یہود کا رد مقصود ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کے منکر تھے مرزائے قادیان کہتا ہے کہ وہ احیاء موتی نہ تھا بلکہ قریب الموت مردہ کو مسمریزم کے عمل سے چند منٹ کے لیے حرکت دے دیتے تھے اور اگر یہ عاجز (یعنی مرزا) عمل مسمریزم کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو امید قوی رکھتا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت ابن مریم علیہ السلام سے کم نہ رہتا۔ (ازالۃ الاوہام)

﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾

چہ نسبت خاک را با عالم پاک کجا عیسیٰ کجا دجال ناپاک

۶- ان آیات میں حق جل شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جن انعامات کا ذکر فرمایا ان میں کا ایک انعام یہ ہے ﴿وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ﴾ اے عیسیٰ علیہ السلام تم اس وقت کو یاد کرو جب کہ ہم نے بنی اسرائیل کو یعنی یہود کو تمہارے قریب آنے سے بھی باز رکھا اور ان کی دست درازی سے تمہاری حفاظت کی دشمن تمہیں قتل تو کیا کرسکتے انہیں تو اتنی بھی قدرت نہ ہوئی کہ تمہارے قریب ہی آسکیں اور تمہیں پکڑ سکیں۔

اس آیت میں ان لوگوں کا صریح رد ہے جو یہود کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مقتول اور مصلوب مانتے ہیں جیسا کہ مسیلمہ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے اذناب یہ کہتے ہیں کہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی مگر وہ اس سولی سے مرے نہیں بلکہ بے ہوش ہوگئے تھے اس لیے یہود نے ان کو مردہ سمجھ کر قبر میں دفن کردیا مگر چونکہ وہ مرے نہ تھے اور صرف

=علیك وعلیٰ والدتك الایة۔ ثم یقول اانت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ فینکران یکون قال ذٰلك قال فیؤتی بالنصاری فیسئلون فیقولون نعم ھو امرنا بذٰلك قال فیطول شعر عیسی علیہ السلام فیأخذ کل ملك من الملائکة بشعرة من شعر رأسه وجسدہ فیجاثیھم بین یدی اللہ عزوجل مقدار الف عام حتی ترفع علیھم الحجة ویرفع لھم الصلیب وینطلق بھم الی النّار۔ تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۲۰ اور دیکھو تفسیر درمنثور للسیوطی ۲/۳۴۵ اہل علم کے لیے ہم نے اصل حدیث کو بلفظہٖ نقل کردیا ہے۔

بے ہوش ہوئے تھے اس لیے قبر سے زندہ نکل آئے اور چھپ کر ملک شام سے کشمیر پہنچ گئے اور وہاں جا کر اپنے زخموں کا علاج کرایا اور اچھے ہو گئے اور زندگی پوری کر کے اپنی موت سے مرے اور کشمیر کے شہر سری نگر محلہ خان یار میں دفن ہوئے یہ سب ہذیان ہے اور یہود سے بڑھ کر حضرت مسیح علیہ السلام پر بہتان ہے کیونکہ یہود جو قتل اور صلیب کے مدعی ہیں اس کا بظاہر کچھ نہ کچھ منشا تو بیان کرتے ہیں اور مسیلمہ قادیان کے پاس تو سوائے جھوٹ اور بہتان کے کوئی دلیل نہیں شاید اس زمانہ میں کشمیر بیت المقدس سے زیادہ مقدس اور متبرک ہوگا جس کو عیسیٰ علیہ السلام نے ہجرت کے لیے اختیار کیا اور غالباً فن طب کا مرکز ہوگا اور مایوس العلاج مریضوں کی امیدگاہ ہوگا جہاں عیسیٰ علیہ السلام اپنے زخموں کا علاج کرانے پا پیادہ سفر کر کے پہنچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ مسیحا تھے مگر اپنے زخموں کے علاج کے لیے کشمیر کی طرف ہجرت فرمائی۔

خوب سمجھ لو کہ اس آیت میں اس خیال باطل کی صریح تردید موجود ہے اس آیت کا سیاق اور مدلول یہ ہے کہ جب یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوری حفاظت فرمائی اور ان کو یہود کی دست درازی اور ان کے شر سے بالکلیہ محفوظ رکھا کف کے معنی عربی زبان میں باز گردانیدن یعنی روکنے کے ہیں جیسا کہ سورۂ فتح میں ہے ﴿وَ كَفَّ اَيۡدِيَ النَّاسِ عَنۡكُمۡ﴾ ﴿هُوَ الَّذِيۡ كَفَّ اَيۡدِيَهُمۡ عَنۡكُمۡ﴾ اس قسم کے تمام مواضع ”كَفَّ اَيۡدِيَ“ سے لڑائی سے ہاتھوں کا روکنا مراد ہے اور اسی سورۂ مائدہ میں یہ آیت گزر چکی ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ هَمَّ قَوۡمٌ اَنۡ يَّبۡسُطُوۡۤا اِلَيۡكُمۡ اَيۡدِيَهُمۡ فَكَفَّ اَيۡدِيَهُمۡ عَنۡكُمۡ﴾ یہ آیت یہود بنی نضیر کے بارہ میں نازل ہوئی جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے بنی نضیر کے ہاتھوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے سے روک دیا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی اور بنی نضیر کو اپنے ارادوں میں ناکام فرمایا یہ مطلب ہے ﴿اِذۡ هَمَّ قَوۡمٌ اَنۡ يَّبۡسُطُوۡۤا اِلَيۡكُمۡ اَيۡدِيَهُمۡ فَكَفَّ اَيۡدِيَهُمۡ عَنۡكُمۡ﴾ کا ٹھیک اسی طرح یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل وصلب کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل یعنی یہود کے ہاتھوں کو حضرت مسیح علیہ السلام تک پہنچنے سے روک لیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا اور دشمنوں کے ناپاک ہاتھوں کو مسیح بن مریم علیہ السلام تک پہنچے ہی سے روک دیا۔

پس اگر بقول مرزائے قادیان اس امر کو تسلیم کر لیا جائے کہ یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر چڑھا دیا تو پھر خدا تعالیٰ نے ان کی کیا حفاظت کی یہود کی قدرت اور امکان میں جو تھا وہ سب کچھ کر گزرے اپنے خیال میں ان کو سولی پر چڑھا دیا اور مار بھی ڈالا اور اپنے خیال میں مار کر قبر میں دفن بھی کر دیا انکی قدرت میں جو تھا وہ سب کچھ کر گزرے تو خدا نے ان کی کیا حفاظت کی اور خدا نے بنی اسرائیل کو کس کام سے روکا جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔

پھر یہ کہ خدا تعالیٰ نے جب صریح طور پر یہودیوں اور عیسائیوں کے عقیدۂ قتل وصلب کی ان واضح الفاظ میں تردید کر دی ﴿وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ﴾ (انہوں نے مسیح کو نہ مارا اور نہ سولی پر چڑھایا) تو اب اس خیال میں باطل کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔

نکتہ:..... لفظ ”كَفَّ“ جس کے معنی روکنے اور باز رکھنے کے ہیں اس کا استعمال اس موقع پر ہوتا ہے جہاں آپس میں دونوں کا اجتماع ہی نہ ہوا ہو اور ایک دوسرے سے بالکل الگ رہا ہو ﴿كَفَفۡتُ بَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ عَنۡكَ﴾ کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے بنی

اسرائیل کو مسیح بن مریم علیہ السلام تک پہنچنے ہی سے روک دیا اور ایک دوسرے سے مل ہی نہیں سکے پس قتل اور صلب کی خود بخود نفی ہوگئی۔

۷- آیت ﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ اس آیت میں مرزائے قادیان نے وفات مسیح پر استدلال کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہیں۔

جواب:...... یہ استدلال بالکل غلط ہے ہم سورۂ آل عمران میں آیت ﴿إِنِّي مُتَوَفِّيكَ﴾ کی تفسیر میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ "توفی" کے اصلی اور حقیقی معنی پورا پورا لے لینے کے ہیں اور اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس آیت میں توفی سے موت کے معنی مراد ہیں تب بھی مرزائے قادیان کا مدعا یعنی وفات قبل النزول ثابت نہ ہوگی اور اس لیے کہ دلائل اور شواہد اور آیت کے سیاق و سباق اور حدیث مرفوع سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ یہ واقعہ قیامت کے دن کا ہے اور نزول من السماء کے بعد قیامت سے پہلے ہم بھی وفات مسیح کے قائل ہیں اور مرزا صاحب نے اپنی متعدد تصانیف میں اس کا اقرار کیا ہے یہ سوال جواب قیامت کے دن ہوگا چنانچہ لکھتے ہیں اور یاد رکھو کہ اب عیسیٰ تو ہرگز نازل نہ ہوگا کیونکہ جو اقرار اس نے آیت فلما توفتنی کی رو قیامت کے دن کرتا ہے۔ اھ کشتی نوح، ص: ۶۹۔

نیز مرزا صاحب حقیقۃ الوحی ص ۳۰ میں لکھتے ہیں:

﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾ الخ اس جگہ اگر "توفی" کے معنی مع جسم عنصری آسمان پر اٹھانا تجویز کیا جائے تو یہ معنی بدیہی البطلان ہیں کیونکہ قرآن کریم کی انہی آیات سے ظاہر ہے کہ یہ سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کے دن ہوگا علاوہ ازیں قیامت کے دن ان کا یہ جواب ہوگا۔ الخ اھ دیکھو حقیقۃ الوحی، ص: ۳۰۔

اور ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص: ۴۳، میں اس طرح ہے:

"فان عیسیٰ یجیب بهذا الجواب یوم الحساب اعنی یقول فلما توفیتنی فی یوم یبعث الخلق ویحضرون کما تقرؤن فی القرآن ایها العاقلون اھ ضمیمہ حقیقۃ الوحی، ص: ۴۳۔

"یعنی عیسیٰ علیہ السلام یہ جواب قیامت کے دن دیں گے یعنی (توفیتنی) قیامت کے دن کہیں گے جس دن مخلوق قبروں سے نکل کر میدان حشر میں جمع ہوگی جیسا کہ تم قرآن میں پڑھتے ہوا ے عقل مندو۔"

مرزا صاحب کی ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سوال و جواب قیامت کے دن پیش آئیں گے اور نزول کے بعد اور قیامت سے پہلے تمام اہل اسلام اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نزول من السماء کے بعد ایک عرصہ دراز تک زندہ رہیں گے اور مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے اور روضۂ اقدس میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب مدفون ہوں گے۔

۸- ایک شبہ:...... مرزا صاحب کہتے ہیں کہ توفی کے معنی سوائے مارنے یا موت دینے کے صحیح نہیں ہو سکتے اس لیے کہ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اسی طرح کہوں گا جس طرح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے کہا ﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي" کا لفظ استعمال فرمایا اور ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی "توفی" یقیناً موت سے واقع ہوئی ہے پس معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی "توفی" بھی ضرور موت کے ذریعہ واقع ہوگی۔ دیکھو ازالۃ الاوہام ص ۹۱ مصنفہ مرزا غلام۔

ازالہ:......اس قسم کی تشبیہات سے یہ نکالنا اور سمجھنا کہ حضور پرنور ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی "توفی" بالکل یکساں اور ہم رنگ ہے کم عقلی اور عربی زبان سے ناواقفی کی دلیل ہے بخاری شریف کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

۱- فاقول کما قال العبد الصالح ﴿وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾۔ (بخاری شریف)

(میں قیامت کے دن اسی طرح کہوں گا جس طرح خدا کے نیک بندہ عیسیٰ نے کہا۔ الخ) حضور پرنور ﷺ نے اس حدیث میں اپنے ایک قول کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک قول کے ساتھ تشبیہ دی ہے اپنی توفی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی کے ساتھ تشبیہ نہیں دی تا کہ یہ لازم آئے کہ دونوں کی توفی ایک قسم کی تھی۔

۲- حدیث میں مشرکین مکہ ایک درخت پر ہتھیار لٹکایا کرتے تھے اور اس درخت کا نام ذات انواط تھا صحابہ نے ایک مرتبہ عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے لیے بھی ایک ذات انواط مقرر کر دیجئے جیسا کہ ان کے یہاں ہے اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"هذا کما قال قوم موسیٰ اجعل لنا الها کما لهم الهة۔" یعنی تمہاری یہ درخواست تو ایسی ہے جیسے قوم موسیٰ نے بتوں کو دیکھ کر یہ درخواست کی تھی کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لیے بھی ایک خدا تجویز کر دیجئے جیسے ان بتوں پرستوں کے لیے خدا ہیں کیا اس تشبیہ سے کسی مسلمان کو ادنیٰ درجہ کا یہ بھی وہم وگمان ہوسکتا ہے کہ معاذ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی بنی اسرائیل کی طرح بت پرستی کی درخواست کی تھی حاشا وکلا ومعاذ اللہ یہ تشبیہ محض قول میں تھی کہ جس طرح بنی اسرائیل نے بت پرستوں کو دیکھ کر یہ کہا کہ "اجعل لنا الها کما لهم الهة" اسی طرح تم نے مشرکین کے درخت کو دیکھ کر یہ کہا "اجعل لنا ذات انواط"۔

۳- قرآن کریم میں ہے ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ﴾ ﴿كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ﴾ یعنی جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا اسی طرح تم کو دوبارہ پیدا کریں گے پہلی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ذریعہ پیدا کیا تو کیا قیامت کے دن دوبارہ پیدائش بھی اسی طرح ماں باپ کے ذریعہ ہوگی کہا جاتا ہے کہ زید مثل شیر کے ہے اور جس طرح وہ میرا بھائی ہے اسی طرح میں بھی اس کا بھائی ہوں کیا ان تشبیہات سے کوئی ادنیٰ عقل والا یہ سمجھتا ہے کہ دونوں بھائیوں کی ولادت اور وفات یکساں اور ہم رنگ ہے تشبیہ میں ادنیٰ مماثلت کافی ہوتی ہے پوری مطابقت اور مساوات ضروری نہیں خود مرزا صاحب ازالۃ الاوہام کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

تشبیہات میں پوری تطبیق کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات ایک ادنیٰ مماثلت کی وجہ سے بلکہ ایک جزو میں مشارکت کی باعث ایک چیز کا نام دوسری چیز پر اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ دیکھو ازالۃ الاوہام ص ۷۲ طبع اول۔

اسی طرح حدیث میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا مقصود اس تشبیہ سے یہ ہے کہ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام رفع جسمانی کی بناء پر اپنی قوم سے جدا ہو گئے اور ان کی قوم نے ان کی عدم موجودگی میں جو گمراہی پھیلائی وہ اس سے بالکل بری ہیں اسی طرح حضور پرنور ﷺ بھی اپنی وفات کے بعد لوگوں سے جدا ہو گئے اور آپ ﷺ کو معلوم نہیں کہ لوگوں نے آپ ﷺ کی

عدم موجودگی میں کیا کیا آپ ﷺ اس سے بری اور بے تعلق ہیں۔

الحمدللہ آج بروز چہارشنبہ بوقت ساڑھے چار بجے ۱۶ ذی الحجہ الحرام ۱۳۸۳ھ کو سورۃ مائدہ کی تفسیر سے فراغت حاصل ہوئی۔

الحمدلله الذی بنعمته تتم الصالحات وله الحمد اولا وآخر سبحان ربك رب العزت عمايصفون وسلام على المرسلين والحمدلله رب العالمين و صلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنامولانامحمد وعلى واصحابه وازواجه وذرياته اجمعين وعلينامعهم ياارحم الراحمين۔

(٦ سُورَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ ٥٥) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (اٰياتها ١٦٦ رکوعاتها ٢٠)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِیْنَ

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین اور بنایا اندھیرا اور اجالا پھر بھی

سب تعریف اللہ کو جس نے بنائے آسمان وزمین اور ٹھہرائیں اندھیریاں اور اجالا پھر یہ

كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ①

یہ کافر اپنے رب کے ساتھ اوروں کو برابر کئے دیتے ہیں ف۲

منکر اپنے رب کے ساتھ کسی کو برابر کرتے ہیں۔

سورة الانعام

یہ سورت مکی ہے ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہوئی سوائے چھ آیتوں کے کہ وہ ہجرت کے بعد مدینہ میں

ف۱ یہ سورت مکی ہے صرف چند آیات کو بعض علماء نے مستثنیٰ کیا ہے روایات میں ہے کہ پوری سورت یک وقت بیشمار فرشتوں کے جلو میں نازل ہوئی مگر ابن صلاح نے اپنے فتاویٰ میں ان روایات کی صحت سے انکار کیا ہے جو پوری سورت کے دفعۃً نزول پر دال ہیں۔ واللہ اعلم۔ ابو اسحاق اسفرائی کہتے ہیں کہ توحید کے تمام اصول وقواعد پر یہ سورت مشتمل ہے۔

ف۲ "مجوس" دنیا کے لئے دو خالق مانتے ہیں "یزدان" جو خالق خیر ہے اور "اہرمن" جو خالق شر ہے۔ اور دونوں کو نور وظلمت سے ملقب کرتے ہیں۔ ہندوستان کے مشرک تینتیس کروڑ دیوتاؤں کے قائل ہیں۔ آریہ سماج باوجود ادعائے توحید "مادہ" اور "روح" کو خدا کی طرح غیر مخلوق اور انادی کہتے اور خدا کو اپنی صفت تکوین وتخلیق وغیرہ میں ان دونوں کا محتاج بتلاتے ہیں۔ عیسائیوں کو باپ بیٹے کا توازن وتناسب قائم رکھنے کے لئے آخر تین ایک اور ایک تین کا مشہور عقیدہ اختیار کرنا پڑا ہے۔ یہودیوں نے خدا تعالیٰ کے لئے وہ صفات تجویز کیں کہ معمولی انسان بھی نہ صرف اس کا ہمسر بلکہ اس سے برتر ہوسکتا ہے۔ عرب کے مشرکین نے تو خدائی کی تقسیم میں یہاں تک سخاوت دکھلائی کہ شاید ان کے نزدیک پہاڑ کا ہر پتھر نوع انسانی کا معبود بننے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ غرض آگ' پانی' برج' ستارے' درخت' پتھر' حیوان کوئی چیز لوگوں نے نہ چھوڑی جسے خدائی کا کچھ حصہ نہ دیا اور عبادت واستعانت وغیرہ کے وقت اسے خدا کی برابر نہ بٹھایا ہو۔ حالانکہ وہ ذات پاک جو تمام صفات وکمال کی جامع اور ہر قسم کی خوبیوں کا منبع ہونے کی وجہ سے سب تعریفوں اور ہر طرح کی حمد وثناء کی بلاشرکت غیر مستحق ہے۔ جس نے آسمان وزمین یعنی کل علویات وسفلیات کو پیدا کیا اور رات دن اندھیرا اجالا علم وجہل ہدایت وضلالت موت وحیات غرض متقابل کیفیات اور متضاد احوال ظاہر فرمائے۔ اسے اپنے افعال میں نہ کسی حصہ دار یا مددگار کی ضرورت ہوسکتی ہے نہ بیوی اور اولاد کی نہ اس کی معبودیت اور الوہیت میں کوئی شریک ہوسکتا ہے اور نہ ربوبیت میں نہ اس کے ارادہ پر کوئی غالب آسکتا ہے اور نہ اس پر کسی کا دباؤ اور زور چل سکتا ہے پھر تعجب ہے ان حقائق کو سمجھنے کے بعد بھی کس =

نازل ہوئیں وہ یہ ہیں ﴿وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ تا آخر، سہ آیات اور ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا﴾ تا آخر، سہ آیات۔ روایات میں ہے کہ یہ پوری سورت ایک ہی دفعہ رات کے وقت آنحضرت ﷺ نازل ہوئی اور حضور پرنور ﷺ نے کاتب وحی کو بلا کر اسی وقت پوری سورت لکھوا دی مگر حافظ ابن صلاح رحمہ اللہ نے اپنے فتاوی میں ان روایات کی صحت کا انکار کیا ہے جو پوری سورت کے دفعۃً نازل ہونے پر دلالت کرتی ہیں (دیکھو روح المعانی: ۷/۶٦) لیکن روایات کثیرہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری سورت دفعۃً نازل ہوئی اور اس کو امام رازی رحمہ اللہ اور جمہور مفسرین نے اختیار کیا ہے اور احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو ستر ہزار فرشتوں نے اس کی مشایعت کی۔

حق تعالیٰ نے اس سورت میں توحید اور رسالت اور معاد اور قیامت کے دلائل قاہرہ بیان فرمائے ہیں اور مشرکین اور ملحدین اور مبتدعین کے مذہب کا پورا ابطال کیا ہے (تفسیر کبیر: ۴/۲)

فرقۂ دہریہ (جو لوگ سرے سے ہی خدا تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں) ان کے مقابلہ میں آثار قدرت وعظمت کو ذکر کرکے وجود صانع کو ثابت کیا اور مشرکین عرب جو بت پرستی میں مبتلا تھے اور مر کر دوبارہ زندہ ہونے کے منکر تھے اور ان کے مقابلہ میں اللہ کی صفات قاہرہ کو بیان کیا اور یہ بتلایا کہ تمام عالم اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہ اس کے وجود اور عدم کا مالک ہے جس طرح اس نے عالم کو ابتداءً پیدا فرمایا اور اسی طرح وہ دوبارہ اس کے پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح سے توحید اور حشر ونشر کو ثابت کیا کہ جس خدا تعالیٰ نے تم کو پہلی مرتبہ حیات بخشی وہی خدا دوبارہ بھی تم کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ سورت اصول دین کا ماخذ ہے۔ علماء نے عقائد کے مسائل اکثر اسی سورت سے مرتب کیے ہیں امام ابو اسحٰق اسفرائنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سورت توحید کے اصول اور قواعد پر مشتمل ہے اور چونکہ گزشتہ سورت کا اختتام الوہیت مسیح علیہ السلام کے ابطال اور نصاریٰ کو توبیخ پر ہوا تو اس سورت کا افتتاح اور آغاز اثبات توحید پر ہوا اور درمیان میں اثبات رسالت اور حشر ونشر اور جنت جہنم کے دلائل بیان فرمائے اور حسب عادت کریمہ درمیان میں انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے ذکر کیے مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا پھر اخیر سورت میں شرک اور رسوم جاہلیت کا ابطال فرمایا اور اسکے مقابلہ میں بعض مکارم اخلاق کو بیان فرمایا اور چونکہ اس سورت میں انعام (جانوروں) کے متعلق مشرکین کی جہالتوں اور رسموں کا بیان ہے اس لیے اس سورت کا نام سورۃ الانعام ہے۔

یا یوں کہو کہ سورۂ مائدہ کا زیادہ حصہ اہل کتاب کے محاجہ میں تھا اور اس سورت میں یعنی سورۃ انعام میں اکثر حصہ مشرکین اور ملحدین کے محاجہ میں ہے جو توحید اور رسالت اور قیامت کے منکر تھے اس لیے اس سورت میں زیادہ تر توحید اور عدل اور نبوت ورسالت اور مبدأ معاد اور قیامت کے دلائل بیان کیے گئے اور چونکہ یہ ساری سورت ایک ہی دفعہ نازل ہوئی اور ستر ہزار فرشتوں نے اس کی مشایعت کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم اصول دین کی شان سب سے بلند ہے اور سب سے پہلے بندہ پر اصول دین کا جاننا اور سیکھنا ضروری ہے۔ (تفسیر کبیر: ۴/۲)

= طرح لوگ کسی چیز کو خدائی کا مرتبہ دے دیتے ہیں۔

تحمید برخالقیت واثبات وحدانیت وابطال مجوسیت

قَالَ تَعَالیٰ: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾

ربط:...... یہ سورت چونکہ اصول دین کے بیان پر مشتمل ہے اس لیے حق تعالیٰ نے تحمید اور توحید سے اس سورت کا آغاز فرمایا اور آسمان اور زمین اور نور و ظلمت کے لیے اپنا خالق ہونا بیان کیا تا کہ توحید ثابت ہو اور مشرکین اور مجوس کا رد فرمایا جو یہ کہتے ہیں کہ دنیا کے دو خالق ہیں ایک یزدان جو خیر کا خالق ہے یعنی نور اور روشنی کا پیدا کرنے والا ہے اور دوسرا اہرمن جو شر کا خالق ہے یعنی ظلمت اور تاریکی کا پیدا کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتلا دیا کہ ہر ظلمت اور ہر نور اور ہر اندھیرے اور اجالے کا پیدا کرنے والا اہی ہے مطلب یہ ہے کہ علویات ہوں یا سفلیات نور ہو یا ظلمت لیل ہو یا نہار، موت ہو یا حیات سب کا خالق وہی ہے غرض یہ کہ عالم کی تمام کائنات اور تمام اضداد اور متقابلات سب اس کے قبضہ میں تصرف میں ہیں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں اس کی قدرت کاملہ ضدین (بلندی اور پستی روشنی اور تاریکی) کو محیط ہے کوئی ضد اس کے احاطۂ قدرت سے خارج نہیں آسمان و زمین کی پیدائش سے وجود باری کو ثابت کیا اور منکرین خدا کا رد کیا کہ یہ کون و مکان اور زمین و آسمان کی یہ وسیع عمارت خود بخود بن کر نہیں کھڑی ہوئی بغیر بانی کے بناء کا وجود اور بغیر صانع کے صنعت کا ظہور عقلاً محال ہے اور نور اور ظلمت کی پیدائش سے مجوس کا رد کیا کہ جو نور اور ظلمت کو مدبر عالم سمجھتے ہیں اور ﴿ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ سے مشرکین عرب کا رد کیا جو غیر اللہ کی عبادت اور پرستش کرتے ہیں۔

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنی حکومت زمین و آسمان میں بیان کی اور پھر اپنا عالم الغیب ہونا بیان کیا پھر ان عجائب قدرت کو بیان کر کے کافروں کے اعراض اور انکار اور تکذیب کا نتیجہ بیان کیا تا کہ مشرکین عرب کو اس سے عبرت ہو جو شخص آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرے گا تو ضرور سمجھ جائے گا کہ کوئی ان کا صانع ضرور ہے اتنا بڑا امکان ہے اور اتنی وسیع عمارت بغیر کسی بنانے والے کے خود بخود نہیں بن گئی اور جو شخص اپنی پیدائش میں غور کرے گا تو اس پر خدا تعالیٰ کا حشر و نشر پر قادر ہونا واضح ہو جائے گا کہ جس خدا نے ہم کو پہلی بار مٹی سے پیدا کیا تو کیا پھر وہ دوبارہ ہم کو زندہ نہیں کر سکتا؟ چنانچہ فرماتے ہیں کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو جو اعیان اور جواہر میں سے ہیں اور جس نے ٹھہرائیں اندھیریاں اور اجالا جو اعراض میں سے ہیں یعنی قابل تعریف وہ ہے کہ جو جواہر (آسمان و زمین) اور اعراض (تاریکی اور روشنی) کا پیدا کرنے والا ہے خواہ تم اس کی تعریف کرو یا نہ کرو پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ خدا کی اس عظیم قدرت اور عجیب و غریب صنعت کے مشاہدہ کے بعد بھی یہ منکر اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو برابر قرار دیتے ہیں یعنی اس کی ساتھ اپنے بتوں کو شریک گردانتے ہیں جو محض عاجز اور درماندہ ہیں نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ بِرَبِّهِمْ کی با بمعنی عَنْ ہے اور یعدلون بمعنی یخرفون ہے اور مطلب یہ ہے کہ خدا وہ ہے کہ جس نے بلندی اور پستی اور تاریکی اور روشنی کو پیدا کیا اور وہی مستحق تعریف ہے مگر یہ کافر اس سے انحراف کرتے ہیں یعنی اس سے پھرے ہوئے ہیں اور اس کی عظمت و وحدانیت کے قائل نہیں ہوتے

آیت میں نور سے راہ حق کی طرف اشارہ ہے اور ظلمت سے غلط راہ کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ:...... امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کلمہ الحمد للہ پانچ سورتوں کے شروع میں مذکور ہے اول سورۃ فاتحہ، دوم اس سورت کے شروع میں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ سوم سورۂ کہف کے شروع میں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ﴾ چہارم سورۂ سباء کے شروع میں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ پنجم سورۂ فاطر ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾۔

نکتہ:...... اس میں یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے شروع میں تحمید عام کا ذکر تھا اور اس کے بعد چار سورتوں میں تحمید خاص کا ذکر ہے جو اسی تحمید عام کا ایک فرد یا جزئی ہے اس لیے کہ الحمد للہ رب العالمین میں تمام عالمین کی ربوبیت کا ذکر ہے اور عالم سے مراد جمیع ماسوی اللہ ہے جس میں ہر موجود داخل ہے اور آسمان وزمین کا پیدا کرنا اور بندوں کے تربیت کے لیے آسمان سے کتاب نازل کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب اسی تحمید عام کے تحت میں مندرج ہیں۔ (تفسیر کبیر: ۳/۴)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ

وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو مٹی سے پھر مقرر کر دیا ایک وقت ایک مدت مقرر ہے اللہ کے نزدیک پھر بھی تم

وہی ہے جن نے بنایا تم کو مٹی سے پھر ٹھہرایا ایک وعدہ۔ اور ایک وعدہ صحیح ہو رہا ہے اس کے پاس، پھر تم

تَمْتَرُوْنَ ۲

شک کرتے ہو ف۱

شک لاتے ہو۔

دلیل دیگر بر وجود صانع

قَالَ تَعَالٰی: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ... الی... ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ﴾

ربط:...... یہ اثبات صانع کی دوسری دلیل ہے چنانچہ فرماتے ہیں خدا وہی ہے جس نے تم کو بواسطہ آدم علیہ السلام کے مٹی سے پیدا کیا جس سے پستی میں بڑھ کر کوئی چیز نہیں پھر ہر ایک کی حیات اور زندگی کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا جس میں نہ کمی ہو سکتی ہے اور نہ زیادتی اور سارے عالم کی دوبارہ زندہ ہونے کی جو مدت مقرر فرمائی وہ اسی کے نزدیک ہے یعنی اس کو معلوم ہے اس کے سوا کسی کو اس مدت کا علم نہیں یعنی ہر شخص کی مدت کا علیحدہ علیحدہ وقت مقرر ہے اور ایک وقت سارے عالم کی فنا کا مقرر ہے جس کا علم

ف۱ اوپر "عالم کبیر" کی پیدائش کا ذکر تھا یہاں "عالم صغیر" (انسان) کی خلقت کو بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو شروع میں بے جان مٹی سے آدم علیہ السلام کا پتلا تیار کر کے کس طرح حیات اور کمالات انسانی فائض کئے اور آج بھی مٹی سے غذائیں نکلتی ہیں، غذاؤں سے نطفہ اور نطفہ سے انسان بنتے رہتے ہیں۔ غرض اس طرح تم کو عدم سے وجود میں لائے۔ پھر ہر شخص کی موت کا ایک وقت مقرر کر دیا جبکہ آدمی دوبارہ اس مٹی میں جا ملتا ہے جس سے پیدا کیا گیا تھا۔ اسی پر قیاس کر سکتے ہو کہ "عالم کبیر" کی فنا کا بھی ایک وقت مقرر ہے جسے "قیامت کبریٰ" کہتے ہیں۔ "قیامت صغریٰ" یعنی شخصی موتیں چونکہ ہمیں پیش آتی رہتی ہیں ان کا علم بھی لوگوں کو ہوتا رہتا ہے لیکن "قیامت کبریٰ" کی ٹھیک مدت کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ تعجب ہے کہ "عالم صغیر" یعنی انسانوں میں زندگی اور فنا کا سلسلہ دیکھتے ہوئے بھی "عالم کبیر" کی فنا میں کوئی آدمی تردد کرتا ہے۔

اللہ ہی کو ہے پھر بھی تم اللہ اور قیامت کے بارہ میں شک کرتے ہو یعنی خود تمہارا اپنا ہی وجود، وجود صانع کے لیے بھی دلیل ہے اور ثبوت قیامت کے بھی دلیل ہے مگر تعجب ہے کہ تم ایسے قوی اور محکم دلائل کے ہوتے ہوئے بھی وجود باری اور ثبوت قیامت کے شک کرتے ہو کیا انسان مٹی سے اور نطفہ سے خود بخود بن گیا بلاشبہ یہ کسی قدیر وحکیم کی کاری گری ہے اس سے وجود صانع ثابت ہوا اور جس خدا نے انسان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہوا اس سے حشر ونشر اور قیامت کا اثبات ہوا۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۳

اور وہی ہے اللہ آسمانوں میں اور زمین میں ف۱ جانتا ہے تمہارا چھپا اور کھلا اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ف۲

اور وہی ہے اللہ آسمان و زمین میں۔ جانتا ہے تمہارا چھپا اور کھلا، اور جانتا ہے جو کماتے ہو تم۔

اثبات علم باری تعالیٰ

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ... الی... وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ﴾

ربط:..... گزشتہ آیت میں صانع مختار کے وجود پر دلیل قائم کی اب اس آیت میں اس کے علم محیط پر دلیل قائم کرتے ہیں کہ جس طرح صانع عالم کی قدرت تمام کائنات کو محیط ہے اسی طرح اس کا علم بھی تمام کائنات کو محیط ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور وہی ایک معبود برحق ہے آسمانوں میں اور زمین میں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تمہارا چھپے اور کھلے کو جانتا ہے خواہ تم کوئی فعل کھلے کرو یا چھپا کر کرو اس کو سب معلوم ہے اور خوب جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو تمہارے عمل کے مطابق تم کو جزا اور سزا دے گا۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۴ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ

اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے مگر کرتے ہیں اس سے تغافل ف۳ سو بیشک جھٹلایا انہوں نے حق کو

اور نہیں پہنچتی ان کو نشانی، ان کے رب کی نشانیوں میں، مگر کرتے ہیں اس سے تغافل۔ سو جھٹلا چکے حق بات کو،

لَمَّا جَآءَهُمْ ۭ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۵ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا

جب ان تک پہنچا سو اب آئی جاتی ہے ان کے آگے حقیقت اس بات کی جس پر ہنستے تھے ف۴ کیا دیکھتے نہیں کہ کتنی ہلاک کر دیں ہم نے

جب ان تک پہنچی۔ جب آگے آئے گی ان پر حقیقت اس بات کی جس پر ہنستے تھے۔ کیا دیکھتے نہیں کتنی ہلاک کیں ہم نے

ف۱ یعنی تمام آسمانوں اور زمینوں میں تنہا وہی معبود، مالک، بادشاہ، متصرف اور مدبر ہے اور یہ نام مبارک (اللہ) بھی صرف اسی کی ذات متعالی الصفات کیلئے مخصوص رہا ہے۔ پھر اوروں کیلئے استحقاق معبودیت کہاں سے آیا۔

ف۲ جب تمام زمین و آسمان میں اسی کی حکومت ہے اور وہ بلا واسطہ ہر کھلی چھپی چیز اور انسان کے ظاہر و باطن اور چھوٹے بڑے عمل پر مطلع ہے تو عابد کو اپنی عبادات واستعانت وغیرہ میں کسی غیر اللہ کو شریک ٹھہرانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ مشرکین جو ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ کہا کرتے تھے۔ یہ ان کا اور انکے ہم نواؤں کا جواب ہوا۔ اور پہلے ﴿وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ﴾ سے جو قیامت کی طرف اشارہ کیا تھا۔ یہاں سلسلہ مجازات پر متنبہ فرمادیا کہ زمین و آسمان میں حکومت ہماری ہے اور تمہارے سب کھلے چھپے نیک و بد اعمال بھی ہمارے علم میں موجود ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم یونہی مہمل چھوڑ دیئے جاؤ۔

ف۳ "آیات" میں احتمال ہے کہ تکوینی آیات مراد ہوں یا تنزیلی۔

ف۴ حق سے مراد غالباً قرآن کریم ہے جو نشانہائے قدرت سے تغافل برتنے والوں کی بدانجامی اور دنیاوی واخروی سزا کو بیان کرتا ہے اسے سن کر منکرین =

مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ

ان سے پہلے امتیں جن کو جما دیا تھا ہم نے ملک میں اتنا کہ جتنا تم کو نہیں جمایا اور چھوڑ دیا ہم نے ان پر آسمان کو لگاتار برستا ہوا

پہلے ان سے سنگتیں، ان کو جمایا تھا ہم نے ملک میں، جتنا تم کو نہیں جمایا، اور چھوڑ دیا ہم نے ان پر آسمان برساتا،

عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا

اور بنادیں ہم نے نہریں بہتی ہوئی ان کے نیچے پھر ہلاک کیا ہم نے ان کو ان کے گناہوں پر اور پیدا کیا ہم نے

اور بنادیں نہریں بہتی ان کے نیچے، پھر ہلاک کیا ان کو ان کے گناہوں پر، اور لا کھڑی کی

مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝

ان کے بعد اور امتوں کو ف ۱

ان کے پیچھے اور سنگت۔

وعید وتہدید بر اعراض وتکذیب

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ ... الٰی ... قَرْنًا اٰخَرِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں دلائل توحید کا بیان تھا اب ان آیات میں آیات الٰہیہ سے اعراض اور تکذیب پر وعید اور تہدید کا ذکر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور ان کفار مکہ کے پاس کوئی نشانی ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے نہیں پہنچتی مگر اس سے منہ پھیرنے والے اور تغافل برتنے والے بن جاتے ہیں جو معجزہ بھی دیکھتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور جادو کہہ کر ٹلا دیتے ہیں پس ثابت ہوا کہ یہ لوگ بہت ہی بدخو ہیں پس تحقیق جھٹلایا اور انہوں نے حق کو جب وہ ان کے پاس آگیا اور پہنچ گیا حق سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات ہے یا قرآن کی آیتیں یا معجزات ہیں پس عنقریب ان کے سامنے ان چیزوں کی حقیقت آجائے گی جن کی یہ ہنسی اڑاتے تھے یعنی ان کو اپنے استہزاء کا مزہ معلوم ہو جائے گا کیا اہل مکہ نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کیا اور ان کے استہزاء کا مزہ ان کو چکھایا جن کو ہم نے دنیا میں وہ جسمانی اور مالی قوت اور استقرار اور تمکن عطا کیا تھا جو تم کو نہیں دیا بڑے قدر آور اور تناور تھے ان کی عمریں تم سے دراز تھیں اور ان کی روزی بھی بہ نسبت تمہارے بہت فراخ تھی اور ہم نے ان پر موسلا دھار پانی برسایا یعنی وہ لوگ سرسبز اور شاداب ملکوں کے رہنے والے تھے اور نہایت خوش حال اور مالدار تھے قحط سالی اور امساک باراں کی ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی تھی اور ہم نے

=تکذیب واستہزاء کرتے تھے انھیں جتلا دیا کہ جس بات پر تم ہنستے اور آوازیں کستے ہو وہ حقیقت ثابتہ بن کر عنقریب تمہارے سامنے آجائے گی۔ آگے ان اقوام کا حوالہ دیا ہے جو آیات اللہ کی تکذیب واستہزاء اور بداعمالیوں کی بدولت ہلاک کی گئیں۔

ف ۱ یعنی عاد وثمود وغیرہ جن کو تم سے بڑھ کر طاقت اور ساز وسامان دیا گیا تھا۔ بارشوں اور نہروں کی وجہ سے ان کے باغ اور کھیت شاداب تھے۔ عیش وخوشحالی کا دور دورہ تھا۔ جب انھوں نے بغاوت اور تکذیب پر کمر باندھی اور نشانہائے قدرت کی ہنسی اڑانے لگے۔ تو ہم نے ان کے جرموں کی پاداش میں ایسا پکڑا کہ نام و نشان بھی باقی نہ چھوڑا۔ پھر ان کے بعد دوسری امتیں پیدا کیں اور منکرین ومکذبین کے ساتھ یہی سلسلہ جاری رہا کیا۔ مجرمین تباہ ہوتے رہے اور دنیا کی آبادی میں کچھ خلل نہیں پڑا۔

ان کے درختوں کے نیچے نہریں جاری کیں یعنی وہ لوگ باغوں والے اور چشموں والے تھے پھر باوجود اس قوت وشوکت اور راحت وثروت کے ان کے گناہوں یعنی تکذیب حق اور اعراض عن الحق کی وجہ سے ان کو ہلاک کردیا تاکہ ان کی تباہی اور بربادی لوگوں کے لیے عبرت بنے اور ان کے بعد ہم نے دوسرے لوگوں کو پیدا کیا اسی طرح اگر تم پر بھی عذاب نازل کر کے تم کو ہلاک کردیں تو تعجب کیا ہے مطلب یہ ہے کہ اے اہل مکہ! پہلی امتوں کے حالات نظر کرو کہ کس طرح عیش وآرام میں تھیں جب انہوں نے خدا کے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ان کا انجام کیسا خراب ہوا پس جب ہم نے ان امتوں کو ہلاک کردیا جو ہر بات میں تم سے بڑھ چڑھ کر تھے تو تمہارا اہلاک کرنا کیا مشکل ہے۔

فائدہ:...... امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ کفر کے تین درجے ہیں اول اعراض عن الحق یعنی حق سے منہ پھیرنا اور اس سے تغافل برتنا دوم تکذیب حق یعنی حق کو جھٹلانا سوم استہزاء بالحق یعنی حق کا مذاق اڑانا یہ کفر کا آخری درجہ ہے۔ (تفسیر کبیر: ۴/۱۲)

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ

اور اگر اتاریں ہم تجھ پر لکھا ہوا کاغذ میں پھر چھو لیویں وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے البتہ کہیں گے کافر یہ نہیں ہے

اور اگر اتاریں ہم ان پر لکھا ہوا کاغذ میں، پھر ٹٹول لیں اس کو اپنے ہاتھ سے، البتہ کہیں گے منکر، یہ کچھ نہیں

اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا

مگر صریح جادو ف۱ اور کہتے ہیں کیوں نہیں اترا اس پر کوئی فرشتہ ف۲ اور اگر ہم اتاریں فرشتہ تو طے ہو جاوے قصہ پھر ان کو مہلت بھی

مگر جادو ہے صریح۔ اور کہتے ہیں کیوں نہ اترا اس پر کوئی فرشتہ؟ اور اگر ہم فرشتہ اتاریں تو فیصلہ ہو چکے کام، پھر ان

يُنْظَرُوْنَ ⑧ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ⑨ وَلَقَدِ

نہ ملے ف۳ اور اگر ہم رسول بنا کر بھیجتے کسی فرشتہ کو تو وہ بھی آدمی ہی کی صورت میں ہوتا اور ان کو اسی شبہ میں ڈالتے جس میں اب پڑ رہے ہیں ف۴ اور بلاشبہ

کو فرصت نہ ملے۔ اور اگر ہم رسول کرتے کوئی فرشتہ، تو وہ بھی صورت میں ایک مرد کرتے، اور ان پر شبہ ڈالتے وہی شبہ جو لاتے ہیں۔ اور

ف۱ بعض مشرکین مکہ نے کہا تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان سے ایک لکھی لکھائی کتاب لے آئیں اور اسکے ساتھ چار فرشتے بھی ہوں جو ہمارے سامنے ہو کر گواہی دیں کہ بیشک یہ کتاب خدا کی بھیجی ہوئی ہے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ اس کا جواب دیا کہ جو لوگ بحالت موجودہ قرآن کو جادو اور اسکے لانے والے کو جادوگر بتلاتے ہیں اگر واقعی ہم ان پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب بھی آسمان سے اتار دیں جسے یہ ہاتھوں سے چھو کر معلوم کرلیں کہ کوئی تخیل یا نظر بندی نہ ہے۔ تب بھی یہ ہی کہیں گے کہ یہ تو صریح جادو ہے جس بدبخت کے حصہ میں ہدایت نہیں ہوتی اس کا شبہ کبھی نہیں مٹتا

ف۲ یعنی جو ہمارے روبرو ہو کر ان کے صدق کی گواہی دیتا

ف۳ اگر فرشتہ اپنی اصلی صورت میں آئے تو یہ لوگ ایک منٹ کیلئے بھی اس کا تحمل نہ کرسکیں اس کے رعب وہیبت سے دم نکل جائے۔ یہ صرف انبیاء علیہم السلام ہی کا ظرف ہوتا ہے جو اصلی صورت میں فرشتہ کی رویت کا تحمل کرسکتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر میں دو مرتبہ حضرت جبرائیل کو اپنی اصلی صورت۔ دیکھا ہے۔ اور کسی نبی کی نسبت ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں۔ دوسرے اگر ان لوگوں کی ایسی عظیم الشان خارق عادت فرمائش پوری کردی جائے اور اس پر بھی نہ مانے جیسا کہ ان کے معاندانہ احوال واطوار سے ظاہر ہے تو سنت اللہ کے موافق پھر قطعاً مہلت نہ دی جائے گی اور ایسا عذاب آئے گا جو فرمائش کرنے والوں کو بالکل نیست ونابود کردے گا۔ اس لحاظ سے اس طرح کی فرمائشوں کا پورا نہ کرنا بھی عین رحمت سمجھنا چاہیے۔

ع اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩

ہنسی کرتے رہے ہیں رسولوں سے تجھ سے پہلے پھر گھیر لیا ان سے ہنسی کرنے والوں کو اس چیز نے کہ جس پر ہنسا کرتے تھے ف۱

ہنسی کرتے رہے ہیں رسولوں سے تیرے پہلے، پھر الٹ پڑی ان سے ہنسی والوں پر جس بات پر ہنسا کرتے تھے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑪

تو کہہ دے کہ سیر کرو ملک میں پھر دیکھو کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا ف۲

تو کہہ، پھرو ملک میں، تو دیکھو آخر کیسا ہوا جھٹلانے والوں کا۔

ازالہ شبہات منکرین نبوت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ... الی... كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں اثبات صانع اور توحید کا بیان تھا اب ان آیات میں معاندین اور منکرین نبوت کے چند شبہات کا جواب دیتے ہیں کفار مکہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں اور نبی کی نبوت میں کبھی تو یہ شبہ کرتے کہ آسمان سے لکھی ہوئی کتاب کیوں نہیں اتری اور کبھی یہ کہتے کہ فرشتہ اپنی اصلی شکل میں نمودار ہو کر ہمارے سامنے آکر آپ ﷺ کی صدق کی گواہی کیوں نہیں دیتا اور کبھی یہ کہتے کہ نبی بشری اور انسانی صورت میں کیوں بھیجا گیا فرشتہ کو نبی بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا ان آیات میں اس قسم کے مزخرفات اور مہملات کا رد کیا گیا ہے۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں کافروں کے اعراض اور تکذیب کا بیان تھا کہ یہ کفار خدا تعالیٰ کی آیات قدرت سے اعراض کرتے ہیں اور انکی تکذیب کرتے ہیں اب ان آیات میں ان کے عناد اور تمسخر کو بیان کرتے ہیں کیونکہ حق سے اعراض اور بے توجہی یہ کفر کا ادنیٰ درجہ ہے اور حق کا انکار اور اس کی تکذیب یہ کفر کا دوسرا درجہ ہے اور دیدہ و دانستہ حق سے انحراف اور اس سے نفرت اور اس سے تمسخر یہ کفر کا اعلیٰ درجہ ہے اور ﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ الخ میں اللہ نے اپنے نبی کو تسلی کے لیے یہ بتلایا کہ یہ سب مسخرے پن کی باتیں ہیں تم سے پہلے اور پیغمبروں سے ان کے زمانہ میں کافر ایسی ہی باتیں کرتے تھے جس کا نتیجہ ان کو بھگتنا پڑا اور سب کے سب تباہ اور برباد ہوئے ان کافروں کو چاہیے کہ ان کے آثار قدیمہ سے

= ف۹ چونکہ فرشتہ کو اصلی صورت میں بھیجنے کی نفی تو پہلی آیت میں ہو چکی ہے اب دوسرے احتمال کا جواب دیتے ہیں وہ یہ کہ فرشتہ آدمی کی صورت میں بھیجا جائے، کیونکہ اسی صورت میں مجانست صوری کی بناء پر لوگ اس کے نمونہ اور تعلیم سے منتفع ہو سکتے ہیں لیکن اس تقدیر پر منکرین کے شبہات کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ جو شکوک وشبہات رسول کے بشر ہونے پر کرتے تھے وہ ملک کے بصورت بشر آنے پر بھی بدستور کرتے رہیں گے۔

ف۱ معاندین کی فرمائشوں کا جواب دینے کے بعد حضور کی تسلی کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے استہزاء اور تمسخر سے دلگیر نہ ہوں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں انبیاء سابقین علیہم السلام کو بھی ان ہی حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ پھر جو ان کے مکذبین اور دشمنوں کا حشر ہوا سب کے سامنے ہے۔ ان کو بھی خدا اسی طرح سزا دے سکتا ہے جو اگلے مجرموں کو دی گئی۔

ف۲ یعنی ملک کی سیر و سیاحت اور تباہ شدہ اقوام کے آثار کا ملاحظہ کرنے کے بعد اگر نظر عبرت سے واقعات ماضیہ کو دیکھو گے تو انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرنے والی قوموں کا جو انجام دنیا میں ہوا وہ صاف نظر آجائے گا۔ اسی سے قیاس کرلو کہ جب تکذیب کرنے والوں کا یہ حشر ہوا تو استہزاء کرنے والوں کا کیا حشر ہوگا۔

عبرت پکڑیں کہ ان تکذیب اور تمسخر کرنے والوں کے بڑے بڑے آباد شہروں کو ویران اور کھنڈر بنا دیا گیا چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ لوگ اس درجہ معاند اور ضدی ہیں کہ اے نبی ﷺ اگر ہم آپ ﷺ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کوئی کتاب آسمان سے نازل کریں اور یہ اس کتاب کو آسمان سے اترتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں پھر اس کو اپنے ہاتھوں سے بھی چھولیں اور یہ محسوس کرلیں کہ کوئی تخییل اور نظر بندی نہیں تب بھی یہی کہیں گے کہ یہ صریح جادو ہے یہ ضد اور عناد کی انتہاء ہے کہ آنکھ سے مشاہدہ اور ہاتھ سے چھو لینے کے بعد بھی کسی چیز کو جادو بتلائے ایسے ضدی اور عنادی کو جو محسوسات اور ملموسات میں بھی مکابرہ کرتا ہو اسے کبھی ہدایت نہیں ہوسکتی اور نہ اس کا شبہ کبھی مٹ سکتا ہے۔

حق جل شانہ نے متعدد مواضع میں محسوسات میں ان کے مکابرہ کا ذکر کیا ہے کما قال تعالیٰ: ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ﴾۔

نضر بن حارث اور عبداللہ بن ابی امیہ اور نوفل بن خویلد نے آنحضرت ﷺ سے یہ کہا کہ اے محمد ﷺ اگر تو اللہ کے پاس سے کاغذ میں لکھی ہوئی ایک کتاب ہمارے پاس لائے اور اس کے ساتھ چار فرشتے ہوں جو اس کے من جانب اللہ ہونے کی اور تیری نبوت کی شہادت دیں تو ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے بغیر اس کے ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی مطلب یہ ہے کہ ان کا یہ سوال محض عناد کی بناء پر ہے اگر ہم ان کے کہنے کے مطابق آسمان سے کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب بھی اتار دیں اور یہ لوگ اس کتاب کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے اور یہ کہیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے اور یہ معاندین یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ پر کوئی ایسا فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا جو ہمارے روبرو ہو کر آپ کی صداقت کی شہادت دے مطلب یہ تھا کہ جو فرشتے آپ ﷺ پر اترتے ہیں وہ ہمیں نظر کیوں نہیں آتے اور ہمارے پاس آکر آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے تاکہ ہم ان کو دیکھ کر اور انکی باتیں سن کر یقین کر لیتے جیسا کہ دوسری آیتوں میں ہے ﴿اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا﴾ اور ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا﴾ اور ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ حق تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں اور اگر ہم ان کی فرمائش کے مطابق اسی طرح کوئی فرشتہ اتارتے تو بات فیصل ہو جاتی یعنی فرشتہ کے آنے اور دیکھنے کے بعد بھی اگر تکذیب کرتے تو سب ایک ہی دفعہ میں ہلاک کر دیے جاتے پھر ان کو ایک پل کی بھی مہلت نہ دی جاتی کیونکہ سنت اللہ یہ ہے کہ فرمائشی معجزہ دیے جانے کے بعد مہلت نہیں دی جاتی ان کے دیکھتے ہی عالم آخرت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے کما قال تعالیٰ: ﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر ان کی یہ فرمائش پوری کر دی جاتی تو یہ ضدی اور عنادی پھر بھی ایمان نہ لاتے اور تکذیب کرتے تو یک لخت سب ہلاک کر دیے جاتے اور اللہ تعالیٰ فی الحال ان کو ہلاک کرنا نہیں چاہتے اس لحاظ سے ان کی فرمائشوں کو پورا نہ کرنا بھی عین رحمت سمجھنا چاہیے کہ توبہ کے لیے وقت مل گیا اور اگر ہم کسی فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتے تو البتہ کسی مرد ہی کی صورت میں بھیجتے تاکہ اس کی بات چیت سن سکیں اور اس سے نفع حاصل کر سکیں کیونکہ فرشتہ اگر اپنی اصلی صورت میں آتا تو بسبب کمال

نورانیت اور کمال جلال و جمال یہ لوگ اس کے دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے اس کے رعب اور ہیبت سے ان کا دم نکل جاتا یہ صرف حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا ظرف ہے کہ اصلی صورت میں رویت کا تحمل کر سکتے ہیں عام لوگ تو ایک منٹ کے لیے بھی فرشتے کا اصلی صورت میں رویت کا تحمل نہیں کر سکتے لامحالہ اگر فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتے تو آدمی ہی کی صورت میں بھیجتے تاکہ مجانست صوری کی بناء پر لوگ اس کی تعلیم و تلقین سے منتفع ہو سکیں اور اس صورت میں ہم ان کو اسی اشتباہ میں ڈال دیتے جس اشتباہ میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں یعنی اس فرشتہ کو بشکل بشر دیکھ کر بھی کہتے کہ یہ تو آدمی ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اس بناء پر انکار کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اسی طرح اگر فرشتہ کو بشکل بشر رسول بنا کر بھیجتے تو تب بھی یہی اعتراض کرتے اور وہی اشتباہ بحالہ باقی رہتا۔

تسلیۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

یہاں تک کفار کے عناد اور اعراض اور تکذیب اور استہزاء کا ذکر کیا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی تھی اس لیے اب آئندہ آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کا مضمون بیان فرماتے ہیں اور اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے استہزاء سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں البتہ تحقیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بہت سے پیغمبروں کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کیا گیا پس آ گھیرا ان ہنسی کرنے والوں کو اس عذاب نے جس پر وہ ہنسا کرتے تھے اور اگر اس قہر اور عذاب کا انکار کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ کہہ دیجئے کہ ذرا ملک میں پھرو! پھر دیکھو کہ پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا کہ سب تباہ اور برباد ہوئے یہی حشر ان کافروں کا ہوگا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی اڑاتے ہیں۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ

پوچھ کہ کس کا ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں اور زمین میں کہہ دے اللہ کا ہے اس نے لکھی ہے اپنے ذمہ مہربانی البتہ تم کو اکھٹا کر دے گا

پوچھ! کہ کس کا ہے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں؟ کہہ اللہ کا۔ اس نے لکھی ہے اپنے ذمہ مہربانی۔ البتہ تم کو جمع کرے گا،

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫ وَلَهٗ مَا

قیامت کے دن تک کہ اس میں کچھ شک نہیں جو لوگ نقصان میں ڈال چکے اپنی جانوں کو وہی ایمان نہیں لاتے ف۱ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ

دن قیامت تک، اس میں شک نہیں۔ اور جنہوں نے ہاری اپنی جان، وہی نہیں مانتے۔ اور اسی کا ہے جو

سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ

آرام پکڑتا ہے رات میں اور دن میں اور وہی ہے سب کچھ سننے والا جاننے والا تو کہہ دے کیا اور کسی کو بناؤں اپنا مددگار اللہ کے سوا جو بنانے والا ہے

بستا ہے رات میں اور دن میں۔ اور وہی ہے سب سنتا جانتا۔ تو کہہ، کیا اور کوئی پکڑوں اپنا مددگار اللہ کے سوا؟ جو بنانے والا ہے

ف۱ جب تمام آسمان و زمین میں اسی خدا کی حکومت ہے جیسا کہ مشرکین کو بھی اقرار تھا تو مکذبین و مستہزئین کو فوری سزا سے کہاں پناہ مل سکتی ہے؟ یہ صرف اس کی رحمت عامہ ہے کہ جرائم کو دیکھ کر فوری سزا جاری نہیں کرتا اور قیامت کے دن بھی جو بلاشبہ آنے والا ہے محض ان ہی بدبختوں کو بے ایمانی کی سزا دے گا جو باختیار خود جان بوجھ کر اپنے کو نقصان و ہلاکت کے گڑھے میں ڈال چکے ہیں۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ

آسمانوں اور زمین کا ف۱ اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا ف۲ کہہ دے مجھ کو حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے حکم مانوں ف۳

آسمان وزمین کا اور سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا۔ کہہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے حکم مانوں،

اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ

اور تو ہرگز نہ ہو شرک والا تو کہہ میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی ایک بڑے دن کے عذاب سے ف۴ جس پر سے ٹل گیا وہ عذاب

اور تو نہ ہو شریک پکڑنے والا۔ تو کہہ، میں ڈرتا ہوں، اگر حکم نہ مانوں اپنے رب کا، ایک بڑے دن کے عذاب

عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ

اس دن تو اس پر رحم کردیا اللہ نے یہی ہے بڑی کامیابی ف۵ اور اگر

سے۔ جس پر سے وہ ٹلا اس دن اس پر رحم کیا۔ اور یہی ہے بڑی مراد ملنی۔ اور اگر

يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

پہنچا دے تجھ کو اللہ کچھ سختی تو کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں سوا اس کے اور اگر تجھ کو پہنچا دے بھلائی تو وہ ہر چیز پر

پہنچا دے تجھ کو اللہ کچھ سختی، پھر اس کو کوئی نہ اٹھائے سوا اس کے۔ اور اگر تجھ کو پہنچا دے بھلائی، تو وہ ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾

قادر ہے اور اسی کا زور ہے اپنے بندوں پر اور وہی ہے بڑی حکمت والا سب کی خبر رکھنے والا ف۶

قادر ہے۔ اور اسی کا زور پہنچتا ہے اپنے بندوں پر۔ اور وہی ہے حکمت والا خبردار۔

ف۱ ﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ میں مکان کی تعمیم تھی ﴿وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ میں زمانہ کے اعتبار سے تعمیم ہے یعنی ہر جگہ اور ہر وقت اسی کی حکومت اور قبضہ واقتدار ہے۔ ہر وہ چیز جو رات میں یا دن میں آرام سے زندگی بسر کرتی اور کتنے معلوم ونامعلوم دشمنوں سے مامون ومحفوظ رہتی ہے۔ یہ اسی کی رحمت کاملہ کے آثار میں سے ہے ﴿قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ﴾ وہ ہی ہے جو دن کے شور وغل اور رات کے اندھیرے اور سناٹے میں ہر ایک کی پکار سنتا ہے اور سب کی حوائج وضروریات کو بخوبی جانتا ہے۔ پھر تم ہی بتاؤ کہ ایسے پروردگار کو چھوڑ کر کسی اور سے مدد طلب کرنا کہاں تک موزوں ہوگا۔

ف۲ کھلانا اشارہ ہے سامان بقاء کی طرف یعنی ایجاد وبقاء دونوں میں اسی کے سب محتاج ہیں۔ اس کو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز میں بھی ہماری احتیاج نہیں پھر اس سے علیحدہ ہو کر کسی کو مددگار بنانا انتہائی حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

ف۳ ایسے پروردگار کے احکام کے سامنے جس کی صفات اوپر مذکور ہوئیں پہلے اس اکمل ترین بندہ کو انتہائی انقیاد وتسلیم کا حکم ہے جو تمام دنیا کیلئے نمونہ طاعت و عبودیت بنا کر بھیجا گیا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

ف۴ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھ کر اوروں کو سنایا گیا ہے یعنی بفرض محال اگر خدا کے معصوم وبرگزیدہ ترین بندے سے بھی کسی طرح کا عصیان سرزد ہو تو عذاب الٰہی کا اندیشہ ہوتا ہے پھر کسی دوسرے کو کب لائق ہے کہ باوجود شرک وکفر اور تکذیب انبیاء وغیرہ ہزاروں طرح کے جرائم میں مبتلاء ہونے کے عذاب الٰہی سے بےفکر اور مامون ہو کر بیٹھ رہیں۔

ف۵ جنت اور رضائے الٰہی کے اعلیٰ مدارج کا حاصل کرنا تو بہت اونچا مقام ہے۔ اگر آدمی سے قیامت کے دن کا عذاب ٹل جائے تو یہ ہی بہت بڑی کامیابی سمجھو۔ کما قال عمر رضی اللہ عنہ کفافا لا لی ولا علی۔

ف۶ دنیا یا آخرت میں جو تکلیف یا راحت خدا کسی کو پہنچانا چاہے نہ کوئی مقابلہ کر کے روک سکتا ہے اور نہ اس کے غلبہ واقتدار کے نیچے سے نکل کر بھاگ سکتا ہے۔ =

اثبات توحید

قَالَ تَعَالٰی: ﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ... الی... وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں توحید کا بیان تھا اب پھر اس کی طرف عود فرماتے ہیں اور توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ تمام مکانیات اور تمام زمانیات سب اللہ ہی کی ملک ہیں ﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ سے ظرفِ مکان کی تمام مظروفات کی ملکیت کو بیان کیا اور ﴿وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ سے ظرفِ زمان کی تمام مظروفات کی ملکیت کو بیان کیا مطلب یہ ہوا کہ سب کون ومکان اور زمین وزمان سب اسی کی ملک ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی کریم ﷺ آپ ﷺ ان معاندین سے بطور الزام واتمام حجت یہ پوچھئے کہ کس کی ملک ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اول تو وہ خود ہی یہ جواب دیں گے کہ یہ سب اللہ کی ملک ہے جس سے توحید ثابت ہوجائے گی جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ﴾ اور اگر بالفرض وہ کسی خوف اور ڈر کی بناء پر یا شرم اور حیا کی بناء پر اس کا جواب نہ دیں تو آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ یہ سب اللہ ہی کی ملک ہے اور تمہارے بت کی چیز کے بھی مالک نہیں اور ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے والوں کے لیے محض اپنے فضل وکرم سے اپنی ذات پر رحمت کو لکھ دیا ہے یعنی لازم کرلیا ہے یہ نہیں کہ اس پر کسی کا زور اور دباؤ ہے وہ اپنی رحمت سے عقوبت میں جلدی نہیں کرتا اور توبہ اور انابت کو قبول کرتا ہے لہٰذا اگر تم کفر وکرو اور شرک سے توبہ کرو گے اور اس کی طرف متوجہ ہوؤ گے تو وہ ارحم الراحمین تمہارے اگلے گناہ معاف کردے گا مطلب یہ ہے کہ جب توحید تمہارے اقرار سے ثابت ہوگئی اور حجت تم پر قائم ہوگی تو اس کا مقتضا یہ تھا کہ تم فوراً ہلاک کردیے جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے اس لیے وہ عقوبت میں جلدی نہیں کرتا حق تعالیٰ نے ایک تختی پر یہ لکھ کر ''میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے'' عرش پر آویزاں کردیا ہے غرض یہ کہ ان سرکشوں کو اور باوجود حجت پوری ہوجانے کے خدا تعالیٰ کے ساتھ ہمسر بنانے پر خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت اور حلم کی وجہ سے اگرچہ دنیا میں سزا نہیں دی مگر اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ وہ تم سب کو روز قیامت کی طرف اٹھائے گا جس میں ذرہ برابر کوئی شک نہیں اور اس وقت حساب وکتاب کے بعد تم کو سزا دی جائے گی جن لوگوں نے شرک اختیار کرکے اپنی جانوں کو گھاٹے میں رکھا وہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ ان کی تقدیر میں گھاٹا ہے جس سے وہ باہر نہیں نکل سکتے اور مزید اثبات توحید اور اتمام حجت کے لیے ان سے یہ کہہ دیجئے کہ اسی کی ملک میں ہے جو رات اور دن میں ساکن اور برقرار ہے یعنی کل موجودات جن پر دن اور رات گزرتی ہے وہ سب اسی کی ملک میں ہے زمانہ اور زمانیت اسی کے احاطہ قدرت میں ہے۔

گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ زمین اور آسمان یعنی ہر مکان اور ہر مکین اور تمام مکانیات کا وہی مالک ہے اور اس آیت میں یہ بتلایا کہ مکان کی طرح زمان لیل ونہار اور تمام اوقات اور تمام زمانیات بھی اسی کی مملوک ہیں اور اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں اور وہی ان باتوں کا سننے والا اور ان کے دلوں اور حالات کا جاننے والا ہے اس آیت کا اور گزشتہ آیات

= وہ پوری طرح خبردار ہے کہ کس بندے کے کیا حالات ہیں اور ان حالات کے مناسب کس قسم کی کاروائی قرین حکمت ہوگی۔

﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کا حاصل یہ نکلا کہ مکان اور زمان اور تمام مکانیات اور زمانیات سب اسی کی ملک ہیں پھر اثبات توحید کے بعد ان سے یہ کہیے کہ کیا میں ایسے اللہ کے سوا کسی کو اپنا دوست اور معبود ٹھہراؤں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس کے سوا کسی اور کو اپنا معبود اور کارساز ٹھہراؤں اور وہ اللہ ہی سب کو روزی دیتا ہے اور اس کو روزی نہیں دی جاتی یعنی وجود اور سامان بقاء میں سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں پس ایسی ذات کو چھوڑ کر جو سب کو روزی دیتا ہے اور ادنیٰ سے ادنیٰ چیز میں کسی چیز کا وہ محتاج نہیں کسی اور کو اپنا ولی اور کارساز بنانا حماقت نہیں تو اور کیا ہے کما قال تعالیٰ: ﴿قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ﴾ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ مجھ کو خدا کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ خدائے برحق کا جس کی صفات اوپر مذکور ہوئیں سب سے پہلا فرمانبردار بنوں کہ بلاشرکت غیر اس کے سامنے گردن ڈال دوں اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تو ہرگز ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہونا اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھ کو ایک بڑے دن کے عذاب میں گرفتار ہونے کا ڈر ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو یہ حکم دیا ہے کہ میں اس کا پہلا فرمانبردار بنوں اور مشرکوں کے گروہ میں شامل نہ ہوں اگر بالفرض میں اس کے حکم کی مخالفت کروں اور تمہارے کہنے سے تمہارا دین اختیار کرلوں تو اس صورت میں مجھے روز قیامت کے عذاب کا ڈر ہے قیامت کے دن کو بڑا دن اس لیے کہا گیا کہ اس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہوگی۔

ف:......اس قسم کی آیات میں آپ ﷺ پر رکھ کر دوسروں کو سنانا مقصود ہے یعنی بفرض محال اگر خدا کے کسی معصوم اور برگزیدہ بندہ سے بھی عصیان سرزد ہوجائے تو عذاب الٰہی کا اندیشہ ہے پھر کسی کو کب لائق ہے کہ کفر وشرک اور معصیت میں ملوث ہوکر عذاب الٰہی سے بےفکر اور مامون ہوکر بیٹھ جائے۔

جس شخص سے اس دن عذاب ہٹا دیا جائے پس اس پر اللہ نے بڑی ہی رحمت اور عنایت فرمائی اور یہی (عذاب خداوندی سے نجات) کھلی کامیابی ہے اور اے بندے اگر اللہ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس کو تکلیف کا دور کرنے والا نہیں یعنی مرض اور قحط اور افلاس اور دیگر مصائب کو خدا ہی دور کرسکتا ہے اور کوئی نہیں کرسکتا اور اے بندے اگر خدا تجھ کو کوئی بھلائی پہنچائے تو اس کے لیے کوئی مشکل نہیں کیونکہ وہ ہر شی پر قادر ہے یعنی نفع ونقصان سب اسی کے ہاتھ میں ہے پس اس کے سوا کسی کو اپنا ولی اور کارساز نہ بناؤ عاجزوں کی خوشامد کرنے سے کیا فائدہ اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر سب بندے اس کے زیر حکم ہیں سب پر اسی کا زور چلتا ہے جو چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم کو رد کرسکے ہر شی اس کے سامنے مقہور اور مجبور ہے اس کی عظمت اور جلال اور علو اور قدرت کے سامنے سب کی گردنیں خم ہیں قاہر اس کو کہتے ہیں جس کو اپنے ارادہ پورا کرنے سے کوئی شی عاجز نہ کرسکے۔

ف:......قاھر کے معنی غالب کے ہیں اور فوق کے معنی بلند اور برتر کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی فوقیت حسی اور مکانی نہیں کیونکہ وہ مکان اور جہت سے بالا اور برتر ہے اس آیت میں فوقیت سے مراد فوقیت قہر اور غلبہ مراد ہے جیسا کہ ﴿فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴾ میں فوقیت شان اور فوقیت مرتبہ مراد ہے اور وہی ہے حکمت والا خبردار۔ اس کا کوئی تصرف حکمت سے خالی نہیں اور

وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور اپنے علم کے مطابق ہر ایک کو جزاء اور سزا دے گا اور اس کی شان فوقیت اور قہر اور شان علم و حکمت کا مقتضی یہی ہے کہ اس کے سوا کسی کو اپنا ولی اور کارساز بنایا جائے۔

مطلب یہ کہ الوہیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ قدرت کاملہ اور قہر تام ہو کر اس پر کسی کو زور نہ چل سکتے اور علم عام اور محیط ہو اور ہر نفع اور ضرر کا مالک ہو اور ایسی ذات والا صفات کو چھوڑ کر کسی کو معبود اور کارساز بنانا حماقت نہیں تو کیا ہے۔

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ

تو پوچھ سب سے بڑا گواہ کون ہے کہہ دے اللہ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان ف۱ اور اترا ہے مجھ پر یہ قرآن

تو کہہ، کس چیز کی بڑی گواہی؟ کہہ، اللہ گواہ میرے اور تمہارے بیچ۔ اور اترا ہے مجھ کو یہ قرآن،

لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ

تاکہ تم کو اس سے خبردار کروں اور جس کو یہ پہنچے کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ معبود اور بھی ہیں تو کہہ دے میں تو گواہی نہ دوں گا

کہ تم کو اس سے خبر کروں، اور جس کو یہ پہنچے۔ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ معبود اور بھی ہیں۔ تو کہہ میں نہ گواہی دوں گا۔

قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْۤءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝١٩ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ

کہہ دے وہی ہے معبود ایک اور میں بیزار ہوں تمہارے شرک سے ف۲ جن کو ہم نے دی کتاب وہ پہچانتے ہیں اس کو جیسے پہچانتے ہیں

تو کہہ، وہی ہے معبود ایک، اور میں قبول نہیں رکھتا، جو تم شریک کرتے ہو۔ جن کو ہم نے دی ہے کتاب، اس کو پہچانتے ہیں

ع كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٢٠ وَمَنْ اَظْلَمُ

اپنے بیٹوں کو جو لوگ نقصان میں ڈال چکے اپنی جانوں کو وہی ایمان نہیں لاتے ف۳ اور اس سے زیادہ ظالم

جیسے اپنے بیٹوں کو، جنہوں نے ہاری اپنی جان، وہی نہیں مانتے۔ اور اس سے ظالم

ف۱ جب یہ فرمایا کہ خدا ہی سب نفع و ضرر کا مالک، تمام بندوں پر غالب و قاہر اور رتی رتی سے خبردار ہے تو اس کی شہادت سے زبردست اور بے لوث شہادت کس کی ہو سکتی ہے، پس میں بھی اپنے تمہارے درمیان اسی کو گواہ ٹھہراتا ہوں۔ کیونکہ میں نے دعوی رسالت کر کے جو کچھ اس کے پیغامات تم کو پہنچائے اور جو کچھ تم نے اس کے جواب میں میرے ساتھ اور خود پیغام ربانی کے ساتھ برتاؤ کیا وہ سب اس کی آنکھ کے سامنے ہے۔ وہ خود اپنے علم محیط کے موافق میرا اور تمہارا فیصلہ کر دے گا۔

ف۲ یعنی اگر سمجھو تو میرے صدق پر خدا کی یقینی اور کھلی ہوئی شہادت یہ قرآن موجود ہے جو اپنے کلام الٰہی ہونے پر خود ہی اپنی دلیل ہے۔

ع - آفتاب آمد دلیل آفتاب

میرا کام یہ ہے کہ تم کو اور ہر اس شخص کو جسے یہ کلام پہنچے خدائی پیغام سے خبردار کر دوں جس میں توحید و معاد وغیرہ تمام اصول دین کی ہدایت کی گئی ہے کیا اس قدر اتمام حجت ہو چکنے اور ایسا قطعی اور صریح پیغام توحید سننے کے بعد بھی تم یہی کہتے رہو گے کہ خدا کے سوا اور بھی معبود ہیں۔ تم کو اختیار ہے جو چاہو کہو۔ میں تو کبھی ایسا حرف زبان پر نہیں لا سکتا بلکہ صاف صاف بیان کرتا ہوں کہ لائق عبادت صرف وہی ایک خدا ہے۔ باقی جو کچھ تم شرک کرتے ہو میں اس سے قطعاً بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتا ہوں

(تنبیہ) " ومن بلغ " نے بتلا دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام جن و انس اور مشرق و مغرب کے لئے ہے۔

ف۳ یعنی اس کے علاوہ کہ میری صداقت کا خدا گواہ ہے اور قرآن کریم اسکی ناطق اور ناقابل تردید شہادت دے رہا ہے۔ وہ اہل کتاب (یہود و نصاری) بھی جن =

مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

کون جو بہتان باندھے اللہ پر یا جھٹلادے اس کی آیتوں کو بلا شک بھلائی نصیب نہیں ہوتی ظالموں کو ف۱

کون جو جھوٹ باندھے اللہ پر یا جھٹلائے اس کی آیتیں، مقرر بھلا نہیں پاتے گنہگار۔

اثبات توحید ورسالت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَھَادَۃً... الی... اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں توحید ورسالت کو فرداً فرداً بیان فرمایا اب ان آیات میں توحید ورسالت کو مجتمعاً بیان فرماتے ہیں مشرکین مکہ نے کہا اے محمد ﷺ ہم کسی کو نہیں دیکھتے کہ جو آپ ﷺ کو سچا جانے اور آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت دے اور ہم نے علماء یہود ونصاریٰ سے بھی تیری بابت دریافت کیا انہوں نے بھی آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت نہیں دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ جو آپ ﷺ کی نبوت ورسالت پر شہادت اور گواہی طلب کرتے ہیں آپ ﷺ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ علاوہ ازیں خدا تعالیٰ میری نبوت کا گواہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی گواہ نہیں یہ قرآن کریم میری نبوت کا ناقابل تردید گواہ ہے نیز علماء اہل کتاب میری نبوت ایسا یقینی طور پر جانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں کہ یہ ہمارے بیٹے ہیں مگر حق پوشی کرتے ہیں اس لیے ایمان نہیں لاتے چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ ان مشرکین مکہ سے جو آپ ﷺ کو مفتری بتلاتے ہیں یہ پوچھئے کہ گواہی کے لحاظ سے کون سی چیز سب سے بڑھ کر ہے کہ اس کی گواہی رد نہ کی جائے اس سوال کے بعد ان کے جواب کا انتظار نہ کیجئے اور یہ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اس لیے کہ اللہ سے بڑھ کر کس کی گواہی ہوسکتی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم میری نبوت پر مقبول الشہادۃ گواہ چاہتے ہو تو وہ خدا ہے جس سے بڑھ کر گواہ نہیں اور اللہ کی شہادت اور گواہی یہ ہے کہ اس نے مجھ کو دلائل نبوت اور براہین رسالت دے کر بھیجا ہے اور من جملہ شواہد رسالت یہ ہے کہ میری طرف یہ قرآن بذریعہ وحی کے اتارا گیا جو اللہ کا کلام ہے اور میری نبوت کا گواہ ہے اگر میں اللہ کا رسول نہ ہوتا وہ مجھ پر اپنا کلام نازل نہ کرتا اور قرآن کریم کا کلام الٰہی ہونا اس کے اعجاز سے عیاں ہے نیز یہ قرآن تمام علوم رشد وہدایت جامع ہے مجھ پر اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ اس سے تم کو اور جس کو یہ پہنچے عذاب الٰہی سے ڈراؤں کہ جو توحید اور رسالت کو نہ

= کی طرف کتب سماویہ کا عالم سمجھ کر تم میرے معاملہ میں رجوع کرتے ہو، اپنے دلوں میں پورا یقین رکھتے ہیں کہ بلاشبہ میں ہی وہ "نبی آخر الزماں" ہوں جس کی بشارت انبیائے سابقین دیتے چلے آئے ہیں۔ ان کو جس طرح بہت سے بچوں میں سے اپنی اولاد کے شناخت کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی، ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی صداقت کے معلوم کرنے میں بھی کوئی شبہ اور دھوکہ نہیں ہے۔ البتہ حسد، کبر، تقلید آباء، اور حب جاہ ومال وغیرہ اجازت نہیں دیتے کہ مشرف بایمان ہو کر اپنی جانوں کو نقصان دائمی اور ہلاکت ابدی سے بچائیں۔

ف۱ یعنی نبی نہ ہو اور خدا پر افتراء کر کے دعویٰ نبوت کر بیٹھے یا سچے نبی سے جس کی صداقت کے دلائل واضحہ موجود ہوں خدائی پیام سن کر تکذیب پر کمر بستہ ہو جائے۔ ان دونوں سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں ہوسکتا اور سنت اللہ یہ ہے کہ ظالم کو انجام کار کامیابی اور بھلائی نصیب نہیں ہوتی۔ پس اگر فرض کرو معاذ اللہ میں مفتری ہوں تو ہرگز کامیاب نہ ہوں گا اور تم مکذب ہو جیسا کہ دلائل سے ظاہر ہے تو تمہاری خیریت نہیں۔ لہٰذا حالات میں غور کر کے اور انجام سوچ کر عاقبت کی فکر کرو۔ اور اس دن سے ڈرو جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ ابن کثیر نے آیت کے یہی معنی لیے ہیں اور بعض مفسرین نے افترائے عَلَی اللّٰہِ سے مشرکین کا شرک مراد لیا جیسا کہ آگے ﴿وَضَلَّ عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ﴾ میں اشارہ ہے۔ واللہ اعلم

مانے گا اس پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا کیا اس شہادت کبریٰ کے بعد تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں تو یہ گواہی نہیں دے سکتا ﷺ آپ بانگ دھل کہہ دیجئے کہ جز ایں نیست کہ وہ معبود اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور میں بری اور بے زار ہوں اس چیز سے جس کو تم خدا کے ساتھ شریک کرتے ہو اور نبوت و رسالت کی شہادت اور گواہی کے بارہ میں آپ ﷺ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توریت وانجیل) دی ہے وہ نبی کریم ﷺ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں علماء یہود اور نصاریٰ کو یقین کامل ہے کہ آپ ﷺ بلاشبہ وہی نبی آخر الزمان ﷺ ہیں جن کی انبیاء سابقین بشارت دیتے چلے آئے انہوں نے آپ ﷺ کے چہرہ کو دیکھ کر آپ ﷺ کو اس طرح پہچان لیا ہے جس طرح انسان اپنے بیٹے کی صورت دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے البتہ جو لوگ حاسد اور معاندین ہیں اور جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارہ میں ڈالا وہ ایمان نہیں لائیں گے حسد اور تکبر ان کو نبی برحق پر ایمان لانے کی اجازت نہیں دیتا ایمان نہ لا کر اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں عقل کا مقتضیٰ یہ ہے کہ حق پر ایمان لانا چاہیے ان لوگوں نے حق سے اعراض کر کے اپنی جانوں پر بڑا ہی ظلم کیا اور اپنے آپ کو خسارہ میں ڈالا اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا تحقیق بلاشبہ ظالم لوگ کبھی کامیاب نہیں ہوتے یہود اور نصاریٰ اور مشرکین عرب طرح طرح سے خدائے وحدہ لاشریک پر جھوٹ باندھتے یہود اور نصاریٰ یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں سوائے چند روز کے ہمیں آگ نہیں چھوئے گی اور عزیر علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور مشرکین کہتے تھے کہ بت اللہ کے شریک ہیں اللہ نے ہم کو ان کی عبادت کا حکم دیا ہے اور فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور اللہ نے سردار جنوں کی لڑکیوں سے شادی کی ہے اور اس نے بحیرہ اور سائبہ وغیرہ کو حرام کیا ہے وغیرہ وغیرہ غرض یہ کہ اور اس قسم کے صدہا بہتان اللہ پر باندھتے تھے اور آیات قرآنیہ اور دلائل نبوت اور براہین رسالت کی تکذیب کرتے تھے اور سب کو جھٹلاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سب فرقوں کے بارہ میں فرمایا کہ یہ لوگ بڑے ظالم ہیں کہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور آیات خداوندی کو جھٹلاتے ہیں ان ظالموں کو عذاب الٰہی سے کبھی رستگاری نہ ہوگی۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ

اور جس دن ہم جمع کریں گے ان سب کو پھر کہیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا تھا کہاں ہیں شریک تمہارے جن کا تم

اور جس دن ہم جمع کریں گے ان سب کو کہیں گے شریک والوں کو، کہاں ہیں شریک تمہارے جن کا تم

تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾ انظُرْ

کو دعویٰ تھا ف۱ پھر نہ رہے گا ان کے پاس کوئی فریب مگر یہی کہ کہیں گے قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم نہ تھے شرک کرنے والے ف۲ دیکھو

دعویٰ کرتے تھے ؟ پھر نہ رہے گی ان کی شرارت، مگر یہی کہ کہیں گے قسم اللہ کی اپنے رب کی ہم شریک نہ کرتے تھے ؟ دیکھ

ف۱ جن کی نسبت تم کو دعویٰ تھا کہ وہ خدائی کے حصہ دار اور شدائد میں تمہارے شفیع و مددگار ہیں، آج ایسی سختی اور مصیبت کے وقت کہاں چلے گئے کہ تمہارے کچھ بھی کام نہیں آتے۔

ف۲ یعنی بجز انکار واقعات کے کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑے گی۔ باطل معبودین کی جس عقیدت ومحبت میں مفتون ہو رہے تھے، اس کی حقیقت صرف اتنی رہ جائے گی کہ ساری عمر کے عقیدے اور تعلق سے بھی انکار کر بیٹھیں گے۔

كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۲۴ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ

تو کیسا جھوٹ بولے اپنے اوپر اور کھوئی گئیں ان سے وہ باتیں جو بنایا کرتے تھے ف۱ اور بعضے ان میں کان

تو کیسا جھوٹ بولے اپنے اوپر، اور کھوئی گئیں ان سے جو باتیں بناتے تھے۔ اور بعضے ان میں کان

إِلَيْكَ ۖ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ

لگائے رہتے ہیں تیری طرف اور ہم نے ان کے دلوں پر ڈال رکھے ہیں پردے تاکہ اس کو نہ سمجھیں اور رکھ دیا ان کے کانوں میں بوجھ اور اگر دیکھ لیں تمام نشانیاں

رکھتے ہیں تیری طرف۔ اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف رکھے ہیں کہ اس کو نہ سمجھیں، اور ان کے کانوں پر بوجھ۔ اور اگر دیکھیں ساری نشانیاں

لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا

تو بھی ایمان نہ لاویں ان پر ف۲ یہاں تک کہ جب آتے ہیں تیرے پاس تجھ سے جھگڑنے کو تو کہتے ہیں وہ کافر نہیں ہے یہ مگر

یقین نہ لاویں ان پر۔ جب تک نہ آئیں تیرے پاس جھگڑنے کو، کہتے ہیں وہ منکر یہ کچھ نہیں مگر

أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۲۵ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ ۖ وَإِن يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ

کہانیاں پہلے لوگوں کی اور یہ لوگ روکتے ہیں اس سے اور بھاگتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے آپ کو

نقلیں ہیں اگلوں کی۔ اور وہ اس سے منع کرتے ہیں اور اس سے بھاگتے ہیں، اور ہلاک کرتے ہیں مگر آپ کو

وَمَا يَشْعُرُونَ ۲۶ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ

اور نہیں سمجھتے ف۳ اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ کھڑے کئے جاویں گے وہ دوزخ پر پس کہیں گے اے کاش ہم پھر بھیج دیے جاویں اور ہم نہ جھٹلائیں اپنے

اور نہیں سمجھتے۔ اور کبھی تو دیکھے، جس وقت ان کو ٹھہرایا ہے آگ پر تو کہتے ہیں، اے کاش کہ ہم کو پھیر بھیجیں، اور ہم نہ جھٹلائیں اپنے رب کی

ف۱ یعنی اس صریح جھوٹ سے مشرکین کی انتہائی بدحواسی اور شرکاء کی غایت بے چارگی اور درماندگی کا اظہار ہوگا۔ کاش مشرکین اس رسواکن انجام کو دنیا ہی میں سمجھ لیں۔

ف۲ یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو بغرض اعتراض وعیب جوئی قرآن کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کی طرف کان لگاتے تھے ہدایت سے منتفع ہونا اور حق کو قبول کرنا مقصود نہ تھا۔ نصیحت وہدایت سے ممتد اعراض اور کانشنس کی مسلسل تعطیل کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ قبول حق کے وسائل وقویٰ انجام کار ماؤف ہوکر رہ گئے، حق کے سمجھنے سے ان کے دل محروم کردیئے گئے۔ پیغام ہدایت کا سننا کانوں کو بھاری معلوم ہونے لگا، آنکھیں نظر عبرت سے ایسی خالی ہوگئیں کہ ہر قسم کے نشانات دیکھ کر بھی ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اور لطف یہ ہے کہ اس حالت موت پر قانع ومسرور بھی ہیں بلکہ فخر کے لہجہ میں اسکا اعلان کرتے ہیں۔ سورۂ حٰم السَّجدۃ میں ہے ﴿فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ○ وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ﴾ اس آیت سے معلوم ہوا کہ سماع آیات سے منتفع نہ ہونا اور دلوں پر پردہ پڑ جانا خود ان کے اعراض کا نتیجہ تھا اور یہ اعراض ہی اس کیفیت کے حدوث کا سبب ہوا ہے۔ ﴿وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا﴾ اسباب پر مسببات کا مرتب کرنا چونکہ خالق جل وعلا کے سوا کسی کا کام نہیں ہوسکتا اسی لئے آیت حاضرہ ﴿وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ میں پردے وغیرہ ڈالنے کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کردی گئی۔

ف۳ یعنی ان میں نہ فہم رہا ہے نہ انصاف ایمان لانا اور ہدایت ربانی سے منتفع ہونا تو کجا، ان کی غرض تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے سے صرف مجادلہ (جھگڑنا) اور پھبتیاں اڑانا ہے۔ چنانچہ قرآنی حقائق وبیانات کو معاذاللہ، اساطیر الاولین کہتے ہیں۔ پھر اس تکذیب اور جدل وتمسخر پر اکتفا نہیں، کوشش یہ ہے کہ =

رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا

رب کی آیتوں کو اور ہو جاویں ہم ایمان والوں میں ف۱ کوئی نہیں بلکہ ظاہر ہو گیا جو چھپاتے تھے پہلے ف۲ اور اگر پھر بھیجے جاویں

آیتیں اور رہیں ایمان والوں میں۔ کوئی نہیں، بلکہ کھل گیا جو چھپاتے تھے پہلے۔ اور اگر پھیر بھیجے

لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ

تو پھر بھی وہی کام کریں جس سے منع کئے گئے تھے اور وہ بیشک جھوٹے ہیں ف۳ اور کہتے ہیں ہمارے لئے زندگی نہیں مگر یہی دنیا کی اور ہم کو پھر نہیں

تو پھر کریں وہی جو منع ہوا تھا ان کو اور وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ہم کو زندگی نہیں مگر یہی دنیا کی، اور ہم کو پھر

بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى

زندہ ہونا ف۴ اور کاش کہ تو دیکھے جس وقت وہ کھڑے کئے جاویں گے اپنے رب کے سامنے فرمائے گا کیا یہ سچ نہیں کہیں گے کیوں نہیں

نہیں اٹھنا۔ اور کبھی تو دیکھے، جس وقت ان کو کھڑا کیا ہے ان کے رب کے سامنے، فرمایا، اب یہ سچ نہیں، بولے کیوں نہیں

ع وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ

قسم ہے اپنے رب کی فرمائے گا تو چکھو عذاب بدلے میں اپنے کفر کے ف۵ تباہ ہوئے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ جانا ملنا

قسم ہمارے رب کی، فرمایا تو چکھو عذاب، بدلہ اپنے کفر کا۔ خراب ہوئے جنہوں نے جھوٹ جانا ملنا

= دوسروں کی طرف بھی اپنی بیماری کا تعدیہ کریں، چنانچہ لوگوں کو حق سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں تاکہ انہیں دیکھ کر دوسرے قبول حق سے نفور و بیزار ہو جائیں۔ مگر ان تمام ناپاک کوششوں سے نہ بحمد اللہ دین حق کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے وہ تو غالب ہو کر رہے گا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، کہ ان کی عصمت و رفعت کا تکفل حق تعالیٰ فرما چکا ہے۔ ہاں یہ احمق خود اپنے لئے ہلاکت کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔ اور سمجھتے بھی نہیں کہ ہم اپنے ہاتھ سے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہیں۔

ف۱ یعنی آیات اللہ کی تکذیب و استہزاء وغیرہ ساری فوں فاں اس وقت تک ہے جب تک خدائی سزا کا ہولناک و ہوش ربا منظر سامنے نہیں۔ جس وقت دوزخ کی ذراسی ہوا بھی لگ جائے گی تو ساری شیخی کرکری ہو کر رہ جائے گی اور بہزار تمنا یہ درخواست کریں گے کہ ہم کو دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے تاکہ آئندہ کبھی اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور پکے ایماندار بن کر رہیں۔ "الان قدندمت وماینفع الندم"

ف۲ یعنی اب بھی دنیا میں واپس جانے کی تمنا عزم صحیح اور ایمانی رغبت و شوق سے نہیں بلکہ جب مجازات و مکافات عمل کا وہ منظر سامنے آ گیا جسے باوجود وضوح ادلہ انکار کے پردہ میں چھپایا کرتے تھے، عذاب الٰہی کو آنکھوں سے دیکھ لیا، تمام اعمال شنیعہ کا جو چھپ چھپ کر کئے جاتے تھے راز فاش ہو گیا، ابھی ابھی جو ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ کہہ چکے تھے اس جھوٹ کی بھی قلعی کھل گئی غرضیکہ بدی کے جو اثرات مخفی اور غیر مرئی طور پر اندر ہی اندر ان نالائقوں کے دلوں میں پرورش پا رہے تھے وہ دردناک عذاب کی صورت میں ممثل ہو کر سامنے آ گئے، تو محض جان بچانے کیلئے دوبارہ دنیا میں جانے کی تمنا کرنے لگے

ف۳ یعنی اب بھی جھوٹ کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں واپس ہو کر پکے ایماندار بن جائیں گے اور ہرگز آیات اللہ کی تکذیب نہ کریں گے یہ اشقیاء اگر دنیا میں واپس کر دیئے جائیں تو بدی اور شرارت کی جو قوتیں ان میں رکھی ہیں پھر انہی کو کام میں لائیں گے اور جس مصیبت سے گھبرا کر جانے کی تمنا کر رہے ہیں اسے خواب و خیال کی طرح فراموش کر دیں گے جیسا کہ بسا اوقات دنیاوی مصائب و مہالک میں پھنس کر آدمی انابت و توبہ اختیار کر لیتا ہے پھر جہاں چند روز گزرے کچھ بھی یاد نہیں رکھتا کہ اس وقت کیا عہد و پیمان کئے تھے۔ ﴿كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ﴾۔

ف۴ یعنی خوب مزے اڑا لو۔ دنیاوی عیش کو خواہ مخواہ فکر آخرت سے منغص مت کرو۔ یہی حال آج کل یورپ کے مادہ پرستوں کا ہے۔

ف۵ یعنی جب حقیقت آنکھوں کے سامنے آ جائے گی اور "بعث بعد الموت" وغیرہ کے اقرار سے چارہ نہ رہے گا تب کہا جائے گا کہ انکار حقیقت اور "کفر بالمعاد" کا مزہ چکھو۔

اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتۡهُمُ السَّاعَةُ بَغۡتَةً قَالُوۡا يٰحَسۡرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطۡنَا فِيۡهَا ۙ وَهُمۡ

اللہ کا یہاں تک کہ جب آپہنچے گی ان پر قیامت اچانک تو کہیں گے اے افسوس کیسی کوتاہی ہم نے اس میں کی اور وہ

اللہ کا، جب تک کہ آپہنچی ان پر قیامت بےخبر، کہنے لگے، اے افسوس! کیا ہم نے قصور کیا اس میں، اور وہ

يَحۡمِلُوۡنَ اَوۡزَارَهُمۡ عَلٰى ظُهُوۡرِهِمۡ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوۡنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا لَعِبٌ

اٹھاویں گے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر خبردار ہوجاؤ کہ برا بوجھ ہے جو وہ اٹھاویں گے ف۱ اور نہیں ہے زندگانی دنیا کی مگر کھیل

اٹھاتے ہیں اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر۔ سنتا ہے؟ برا بوجھ ہے جو اٹھاتے ہیں۔ اور کچھ نہیں دنیا کا جینا مگر کھیل

وَّلَهۡوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۳۲﴾

اور جی بہلانا اور آخرت کا گھر بہتر ہے پرہیزگاروں کے لئے کیا تم نہیں سمجھتے ف۲

اور جی بہلانا۔ اور پچھلا گھر جو ہے، سو بہتر ہے ڈر والوں کو؟ کیا تم کو سمجھ نہیں؟

بیان انجام وحال مجادلین ومعاندین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَيَوۡمَ نَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا ... الی ... وَلَلدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیت میں مشرکین کا نہ فلاح پانا مذکور تھا اب ان آیات میں مشرکین مکہ کے جدال اور عناد کا کچھ حال بیان کرتے ہیں یہ بتلاتے ہیں کہ قیامت کے دن ان ظالموں کو اپنی امیدوں کے خلاف ایسی دردانگیز حسرتیں دیکھنی پڑیں گی جو بیان سے باہر ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس دن کو کہ جب ہم سب عابدوں اور معبودوں کو میدان حشر میں جمع کریں گے اور پھر مشرکین سے بطور توبیخ وسرزنش یہ کہیں گے کہ تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جن کے متعلق تم یہ دعوی کرتے تھے کہ وہ خدا کے شریک ہیں جن کو تم اپنا مددگار اور کارساز سمجھتے تھے آج ایسی سختی اور مصیبت کے وقت وہ کہاں چلے گئے اپنے ان شرکاء کو بلاؤ تاکہ تمہاری سفارش کریں پھر ان کا عذر اور بہانہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ یہ کہیں گے کہ قسم ہے اللہ اپنے پروردگار کی کہ ہم دنیا میں مشرک نہ تھے قیامت کے دن مشرکین جب اپنے لیے عذاب اور توحید کے لیے نجات کو دیکھیں گے تو اس وقت شرک سے نفرت اور بےزاری ظاہر کریں گے اور اپنے شرک کو چھپانے کے لیے اللہ کی جھوٹی قسمیں کھائیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے اور ہم نے دنیا میں کوئی شرک نہیں کیا۔

ف۱ انسان کی بڑی شقاوت اور بدبختی یہ ہے کہ "لقاء اللہ" سے انکار کرے اور زندگی کے اس بلندترین مقصد کو جھوٹ سمجھے۔ یہاں تک کہ جب موت یا قیامت سر پر آ کھڑی ہو تب بے فائدہ کف افسوس ملتا رہ جائے کہ ہائے میں نے اپنی دنیاوی زندگی میں یا یوم قیامت کیلئے تیاری کرنے میں کیسی ناقابل تلافی کوتاہی کی اس وقت اس افسوس وحسرت سے کچھ نہ ہوگا۔ جرموں اور شرارتوں کے بار گراں کو جس سے اس کی پشت خمیدہ ہوگی، یہ ناوقت کا تاسف وتحسر ذرا بھی ہلکا نہ کرسکے گا۔

ف۲ کفار تو یہ کہتے تھے کہ دنیاوی زندگی کے سوا کوئی زندگی ہی نہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ فانی اور مکدر زندگانی حیات اخروی کے مقابلہ میں محض ہیچ اور بےحقیقت ہے۔ یہاں کی زندگی کے صرف انہی لمحات کو زندگی کہا جاسکتا ہے جو آخرت کی درستی میں خرچ کئے جائیں۔ بقیہ تمام اوقات جو آخرت کی فکر وتیاری سے خالی ہوں ایک عاقبت اندیش کے نزدیک لہو ولعب سے زائد وقعت نہیں رکھتے۔ پرہیزگار اور سمجھدار لوگ جانتے ہیں کہ انکا اصلی گھر آخرت کا گھر اور ان کی حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے۔

ف:...... فتنہ کا ترجمہ ہم نے عذر اور بہانہ سے کیا ہے ابواسحاق زجاج رحمہ اللہ (امام نحو) یہ فرماتے ہیں کہ فتنہ کے اصل معنی کسی پر شیفتہ اور فریفتہ ہونے کے ہیں پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشرک جو اپنے بتوں پر اس قدر شیفتہ اور فریفتہ ہیں اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ قیامت کے دن وہ اپنے ان محبوبوں سے بری اور بے زار ہو جائیں گے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی محبوب پر عاشق ہو پھر جب اس کو اس عشق میں کوئی مصیبت پیش آئے تو اس سے بے زار ہو جائے اس پر وہ محبوب یا کوئی دوسرا شخص اس سے یہ کہے کہ بس تیرا عشق اس بے زاری اور نفرت سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۶/۴۰۱)

دیکھو تو سہی کہ ان لوگوں نے اپنی جانوں پر کیسا سفید جھوٹ بولا جن کی ساری عمر پرستش کرتے رہے آج یک لخت ان سے بری اور بے زار ہو گئے اور ان کے معبود بنانے کا صاف انکار کر دیا اور دیکھو تو سہی کہ وہ جھوٹے اور من گھڑت معبود ان سے کیسے غائب ہوئے کہ کوئی ان کے کام نہ آیا یہاں تک تو منکرین توحید کی مذمت کا بیان تھا اب آگے منکرینِ قرآن کی شناعت بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور ان مشرکین سے بعض وہ ہیں کہ جو آپ ﷺ کے قرآن پڑھنے کے وقت آپ ﷺ کی طرف کان لگاتے ہیں اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابوسفیان اور ابوجہل اور ولید بن مغیرہ اور نضر بن حارث اور عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ اور حارث بن عامر اور ابی بن خلف اور امیہ بن خلف، آنحضرت ﷺ کے پاس جمع ہوئے آنحضرت ﷺ اس وقت قرآن پڑھ رہے تھے ان لوگوں نے آپ ﷺ کا قرآن سنا پھر سب نے نضر بن حارث سے پوچھا کہ اے ابوقتیلہ کچھ سمجھ میں آتا ہے کہ محمد ﷺ کیا کہتے ہیں نضر نے کہا میں نہیں جانتا کہ کیا کہتے ہیں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنی زبان کو ہلاتے ہیں اور اگلے لوگوں کی کہانیاں بیان کرتے ہیں جیسے میں تمہیں گزشتہ لوگوں (یعنی رستم اور اسفندیار اور اہلِ فارس کے قصے سناتا ہوں) ابوسفیان نے کہا میرے خیال میں اس کی بعض باتیں سچی معلوم ہوتی ہیں ابوجہل نے کہا ہرگز نہیں تو اس کی کسی بات کے سچا ہونے کا اقرار نہ کر ہمیں مرنا قبول ہے مگر اس پر ایمان لانا قبول نہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (روح المعانی وغیرہ)

مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اگرچہ آپ ﷺ کا قرآن سنتے ہیں جس کے دلائل اعجاز اور اسرار بلاغت آفتاب کی طرح روشن ہیں مگر دل چونکہ عناد سے لبریز ہیں اس لیے قرآن کا سننا ان کو سودمند نہیں ہوتا اور ان کے اسی عناد اور سرکشی کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تاکہ وہ اس کو سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے سمجھ کو چھین لیا ہے اور حق کے سننے سے ان کے کانوں کو بہرا کر دیا ہے وہ قرآن کے اعجاز اور اس کی خوبیوں کا ادراک نہیں کر سکتے اور ان لوگوں کے عناد اور سرکشی کا یہ حال ہو گیا ہے کہ یہ لوگ اگر ساری نشانیاں اور تمام معجزات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تب بھی ان پر یقین نہ کریں اور ان کے جادو ہونے کا حیلہ بہانہ نکال کھڑا کریں اور اس عناد کی نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ جب یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس جھگڑنے کے لیے آتے ہیں تو یہ کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو کچھ بھی نہیں صرف پہلے لوگوں کے قصے اور داستانیں ہیں جس طرح ہم رستم اور اسفندیار کے قصے سناتے ہیں اسی طرح قرآن میں قوم عاد اور ثمود کے قصے ہیں یہ کوئی اعجاز نہیں اور نہ دلیل نبوت ہے اور تمام اہل ملل اس قسم کی باتیں اور قصے بیان کرتے چلے آئے ہیں اور یہ کافر لوگ قرآن کے سننے اور اس پر ایمان لانے اوروں کو منع کرتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے

ہیں یعنی خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اور وہ اس عمل سے صرف اپنی ہی جانوں کو ہلاک اور تباہ کر رہے ہیں اللہ اور اس کے رسول کا کوئی نقصان نہیں نور حق اور نور ہدایت ظاہر اور کامل ہو کر رہے گا ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ اور یہ سمجھتے بھی نہیں کہ کفر کر کے اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اور اے نبی کریم ﷺ کاش آپ ﷺ اس وقت کو دیکھیں کہ جب یہ کافر دوزخ پر کھڑے کیے جائیں گے تو اس وقت نہایت حسرت سے یہ کہیں گے کہ کاش ہم دنیا میں لوٹا دیے جاویں اور دنیا میں واپسی کے بعد ہم اپنے پروردگار کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور ایمان لانے والوں میں سے ہو جائیں شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''یعنی دوزخ کے کنارہ پر پہنچ کر حکم ہوگا کہ ٹھہرو تو کافروں کو توقع پڑے گی کہ شاید پھر ہم کو دنیا میں بھیجیں تو اب کی بار کفر نہ کریں ایمان لاویں سو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس واسطے ان کو نہیں ٹھہرایا بلکہ اس تدبیر سے ان کے منہ سے اقرار کروا دیا کہ ہم نے کفر کیا تھا حالانکہ پہلے منکر ہوئے تھے کہ ہم شریک نہ کرتے تھے اور پھر بھیجنا ان کو عبث ہے''۔ (موضح القرآن) آگے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کی یہ تمنا اور یہ وعدہ کہ اگر ہم دوبارہ دنیا میں لوٹا دیے جائیں تو ایمان لانے والوں سے ہو جائیں گے ان کی یہ تمنا اور یہ وعدہ شوق اور رغبت اور صدق دل سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اب ان پر وہ چیز ظاہر ہوگئی جس کو وہ پہلے سے چھپاتے تھے یعنی وہ اعمال شنیعہ جو چھپ کر کرتے تھے ان کا راز فاش ہو گیا اور ابھی ابھی جو ﴿وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ﴾ کہہ چکے تھے اس جھوٹ کی قلعی کھل گئی اور جس عذاب کے منکر تھے وہ آنکھوں کے سامنے آ گیا اس لیے اب چار ناچار محض جان بچانے کے لیے دوبارہ دنیا میں واپس جانے کی تمنا کرنے لگے اور یہ بھی جھوٹ ہے کہ ہم دنیا میں واپس ہو کر پکے ایمان دار بن جائیں گے اور ہرگز آیات الٰہیہ کی تکذیب نہ کریں گے یہ اشقیاء بالفرض اگر دنیا میں لوٹا دیے جائیں تو پھر وہی کام کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا اور بے شک وہ اپنے اس قول میں جھوٹے ہیں کفر اور تکذیب اور بدی اور شرارت ان کے خمیر میں داخل ہے جب مصیبت ان کو آ کر گھیر لیتی ہے تو ایمان کا وعدہ کرنے لگتے ہیں اور چند روز کے بعد وہ سارے عہد و پیمان فراموش کر دیتے ہیں ﴿كَأَنْ لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ﴾ اور یہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ سوائے اس دنیاوی زندگانی کے اور کوئی ہماری زندگی ہی نہیں اور ہم دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے آج کل یورپ کے مادہ پرستوں کا یہی مذہب اور یہی خیال ہے کہ جو کچھ ہے وہ یہی دنیا ہے خوب مزے اڑا لو یہ لوگ حلال و حرام کی تقسیم کے قائل نہیں اور نہ آخرت کے قائل ہیں لامذہب اور دہری لوگوں کا یہی خیال ہے کہ یہ کارخانہ عالم باقتضاء مادہ طبیعت چل رہا ہے یہ لوگ نہ کسی حلال و حرام کے قائل ہیں اور نہ کسی جزاء و سزا کے قائل ہیں اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ساری باتیں یہیں ہیں اور جب قیامت آ جائے گی اور حقیقت آنکھوں کے سامنے آ جائے گی اس وقت عجب حال ہوگا چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر آپ ﷺ اس وقت کا مشاہدہ کریں جس وقت یہ لوگ باز پرس اور جواب دہی کے لیے اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے تو آپ ﷺ عجب منظر دیکھیں گے خدا تعالیٰ ان کو دوبارہ زندہ کر کے ان سے پوچھے گا کہ کیا موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا جس کے تم دنیا میں منکر تھے حق نہیں؟ کہیں گے کیوں نہیں قسم ہے ہمارے رب کی ضرور حق ہے خدا تعالیٰ فرمائیں گے پس چکھو عذاب کا مزہ بدلے میں اس کے جس کا تم کفر کرتے تھے یعنی تم نے خود قیامت کے حق ہونے کا اقرار کر لیا جس کے تم دنیا میں منکر تھے اب تم اس کفر کا مزہ چکھو اس کے بعد ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا تحقیق خراب اور

برباد ہوئے وہ لوگ جنہوں نے حق تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کو جھٹلایا یعنی جنہوں نے اللہ کے سامنے حساب کے لیے پیش ہونے کا انکار کیا یہاں تک کہ جب ان پر قیامت ناگہانی آ کھڑی ہوگی تو اس وقت یہ کہیں گے کہ ہائے افسوس ہماری کوتاہی پر جو ہم نے قیامت کے بارہ میں کی اور بے دھڑک ہو کر گناہ کیے جس کی اب کوئی تلافی نہیں اور یہ لوگ اپنے گناہوں کے بوجھ کو اپنی پیٹھوں پر لادے ہوئے ہوں گے جس سے پشت جھکی ہوئی ہوگی آگاہ ہو جاؤ وہ بہت ہی برا بوجھ ہوگا جو اٹھائے ہوئے ہوں گے اور بلاشبہ ظاہر ہے کہ کفر اور معصیت کے بوجھ سے بڑھ کر کون سا بوجھ اور بڑا ہو سکتا ہے اور اس مصیبت کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ سمجھے ہوئے ہیں کہ اس دنیاوی زندگی کے سوا کوئی زندگی نہیں جیسا کہ گزرا یہ بالکل غلط ہے اور حقیقت اس کے برعکس ہے یہ دنیاوی زندگانی کچھ نہیں مگر چند روزہ کھیل اور دل بہلانا ہے اور کھیل اور تماشہ پر فریفتہ ہونا نابالغوں اور بے عقل اور بے شعور بچوں کا کام ہے اور البتہ دار آخرت وہ دار بقاء اور دوام ہے سو وہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو خدا سے ڈرتے ہیں اور لہو و لعب سے بچتے ہیں کیا تم کو سمجھ نہیں کہ حیات باقیہ کے مقابلہ میں لہو و لعب کو ترجیح دیتے ہو مرد بنو حقیقی منافع کی فکر کرو بچوں اور نابالغوں کی طرح کھیل اور تماشہ پر کیوں مفتون بنے ہوئے ہو۔

خلق اطفالند جز مست خدا
نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ

ہم کو معلوم ہے کہ تجھ کو غم میں ڈالتی ہیں ان کی باتیں سو وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا

ہم جانتے ہیں کہ تجھ کو غم دلاتی ہیں ان کی باتیں، سو وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے، لیکن بے انصاف اللہ کے حکموں سے

اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۳۳ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى

انکار کرتے ہیں اور جھٹلائے گئے ہیں بہت سے رسول تجھ سے پہلے پس صبر کرتے رہے جھٹلانے پر اور ایذا پر یہاں تک کہ

منکر ہوئے جاتے ہیں۔ اور جھٹلایا بہت رسولوں کو تجھ سے پہلے، پھر صبر کرتے رہے جھٹلانے پر، اور ایذا ہے، جب تک

اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۴ وَاِنْ

پہنچی ان کو مدد ہماری اور کوئی نہیں بدل سکتا اللہ کی باتیں اور تجھ کو پہنچ چکے ہیں کچھ حالات رسولوں کے ف۱ اور اگر

پہنچی ان کو مدد ہماری، اور کوئی بدلنے والا نہیں اللہ کی باتیں۔ اور تجھ کو پہنچ چکا ہے کچھ احوال رسولوں کا۔ اور اگر

ف۱ خلائق کے حال پر شفقت و ہمدردی سارے جہان سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ڈالی گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان بدبختوں کی تکذیب و اعراض، مستقبل کی تباہی اور مشرکانہ و ملحدانہ کلمات سے سخت رنج اور صدمہ محسوس فرماتے تھے۔ ان آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور ان اشقیاء کو دھمکی دی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اعراض و تکذیب سے اس قدر دلگیر اور بے چین نہ ہوں، یہ لوگ جو تکذیب کر رہے ہیں فی الحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں جھٹلاتے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو پہلے سے بالاتفاق صادق و امین سمجھتے تھے، بلکہ خدا کی آیات و نشانات کا جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق و تبلیغ کیلئے بھیجی گئی ہیں، جان بوجھ کر از راہ ظلم و عناد انکار کر رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان ظالموں کا معاملہ خدا کے سپرد کر کے مطمئن ہو جائیے۔ وہ خود ان کے ظلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر کا پھل دینے والا ہے۔ انبیاء سابقین کے ساتھ بھی جن کے کچھ حالات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائے جا چکے ہیں ان کی قوموں نے تکذیب و ایذاء رسانی کا برتاؤ کیا جس پر خدا کے معصوم پیغمبر نہایت اولوالعزمی سے صبر کرتے رہے حتیٰ کہ حسب وعدہ خدا کی مدد پہنچی اور بڑے زبردست متکبرین کے مقابلہ میں ان =

كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي

تجھ پر گراں ہے ان کا منہ پھیرنا تو اگر تجھ سے ہو سکے کہ ڈھونڈھ نکالے کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی

تجھ پر بھاری ہے ان کا تغافل کرنا، تو اگر تو سکے ڈھونڈھ نکالنی کوئی سرنگ زمین میں، یا کوئی سیڑھی

السَّمَآءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

آسمان میں پھر لادے ان کے پاس ایک معجزہ اور اگر اللہ چاہتا تو جمع کردیتا سب کو سیدھی راہ پر سو تو مت ہو

آسمان میں، پھر ان کو لا دے ایک نشانی۔ اور اگر اللہ چاہتا، جمع کر لاتا سب کو راہ پر، سو تو مت ہونا

الْجٰهِلِيْنَ ۝۳۵ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ۭ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ

نادانوں میں ف۱ مانتے وہی ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو زندہ کرے گا اللہ پھر اس کی طرف لائے

نادانوں میں۔ مانتے وہ ہیں جو سنتے ہیں۔ اور مردوں کو اٹھائے گا اللہ، پھر اس کی طرف

يُرْجَعُوْنَ ۝۳۶ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً

جاویں گے ف۲ اور کہتے ہیں کیوں نہیں اتری اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے ف۳ کہہ دے کہ اللہ کو قدرت ہے اس بات پر کہ اتارے نشانی

جاویں گے۔ اور کہتے ہیں کیوں نہیں اتری اس پر کچھ نشانی اس کے رب سے؟ تو کہہ اللہ کو قدرت ہے کہ اتارے کچھ نشانی

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۷ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰۤىِٕرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ

لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے ف۴ اور نہیں ہے کوئی چلنے والا زمین میں اور نہ کوئی پرندہ کہ اڑتا ہے اپنے بازوؤں سے مگر

لیکن ان بہتوں کو سمجھ نہیں۔ اور کوئی ہلتا نہیں زمین میں، نہ جانور ہے کہ اڑتا ہے دو پر سے، مگر

یکہ مظفر و منصور کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو نصر و ظفر کے وعدے کیے گئے ہیں ایک ایک کر کے پورے ہوں گے۔ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں مگر خدا کا وعدہ نہیں ٹل سکتا کس کی طاقت جو خدا کی باتوں کو بدل ڈالے یعنی جو اس نے کہا ہے اسے واقع نہ ہونے دے۔ مکذبین کو یاد رکھنا چاہیے کہ ان کی جنگ حقیقۃً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے نہیں بلکہ رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جس نے ان کو اپنا سفیر اعظم اور معتمد بنا کر کھلے نشانات کے ساتھ بھیجا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ان خدائی نشانات کی تکذیب ہے۔

ف۱ کفار کا مطالبہ یہ تھا کہ یہ نبی ہیں تو انکے ساتھ ہمیشہ ایسا نشان رہنا چاہیے جسے ہر کوئی دیکھ کر یقین کرلے اور ایمان لانے پر مجبور ہو جایا کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام دنیا کی ہدایت پر حریص تھے شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل نے چاہا ہوگا کہ ان کا یہ مطالبہ پورا کر دیا جائے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے یہ تربیت فرمائی کہ تکوینیات میں مشیت الٰہی کے تابع رہو۔ تکوینی مصالح اس کو مقتضی نہیں کہ ساری دنیا کو ایمان لانے پر مجبور کر دیا جائے ورنہ خدا تو اس پر بھی قادر تھا کہ بدون توسط پیغمبروں اور نشانوں کے شروع ہی سے سب کو سیدھی راہ پر جمع کر دیتا۔ جب خدا کی حکمت ایسے مجبور کن معجزات اور فرمائشی نشانات دکھلانے کو مقتضی نہیں تو مشیت الٰہی کے خلاف کسی کو یہ طاقت کہاں ہے کہ وہ زمین یا آسمان میں سے سرنگ یا سیڑھی لگا کر ایسا فرمائشی اور مجبور کن معجزہ نکال کر دکھلا دے۔ خدا کے قوانین حکمت و تدبیر کے خلاف کسی چیز کے وقوع کی امید رکھنا نادانوں کا کام ہے۔

ف۲ یعنی سب سے توقع نہ رکھو کہ مانیں گے، جن کے دل کے کان بہرے ہوگئے وہ سنتے ہی نہیں، پھر مانیں کس طرح؟ ہاں یہ کافر جو قلبی و روحانی حیثیت سے مردوں کی طرح ہیں قیامت میں دیکھ کر یقین کریں گے اور ان چیزوں کو مانیں گے جن کا انکار کرتے تھے۔

ف۳ یعنی ان نشانیوں میں سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری جن کی وہ فرمائش کرتے تھے کما فی قولہ تعالیٰ ﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا﴾ ﴿اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا﴾ ﴿اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ-

أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ ۚ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِينَ

ہر ایک امت ہے تمہاری طرح ہم نے نہیں چھوڑی لکھنے میں کوئی چیز پھر سب اپنے رب کے سامنے جمع ہوں گے ف۱ اور جو

ایک ایک امت ہے تمہاری طرح۔ چھوڑی نہیں ہم نے لکھنے میں کوئی چیز، پھر اپنے رب کی طرف اکٹھے ہوں گے۔ اور وہ جو

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ ۗ مَنْ يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ ۖ وَمَنْ يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ

جھٹلاتے ہیں ہماری آیتوں کو وہ بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں ف۲ جس کو چاہے اللہ گمراہ کرے ف۳ اور جس کو چاہے ڈال دے

جھٹلاتے ہیں ہماری آیتیں، بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں۔ جس کو چاہے اللہ گمراہ کرے۔ اور جس کو چاہے ڈال دے

صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۳۹﴾

سیدھی راہ پر

سیدھی راہ پر۔

= تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ﴿أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِنْ زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرَؤُهُ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا﴾ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیشمار علمی وعملی معجزات ونشانات بارش کی طرح اترتے رہتے تھے۔

ف۴ یعنی خدا فرمائشی معجزات دکھلانے سے عاجز نہیں۔ لیکن جن قوانین حکمت ورحمت پر نظام تکوین کی بنیاد ہے تم میں کے اکثر ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں ان قوانین کا اقتضاء یہ ہی ہے کہ تمام فرمائشی معجزات نہ دکھلائے جائیں۔

ف۱ ان آیات میں بعض حکمتوں پر متنبہ کیا گیا ہے جو فرمائشی نشانات نہ دکھلائے جانے میں مرعی ہیں۔ یعنی تمام حیوانات خواہ زمین پر رینگتے ہوں یا ہوا میں اڑتے ہوں، وہ بھی انسانوں کی طرح ایک امت ہیں۔ ان میں سے ہر نوع کو حق تعالیٰ نے ایک خاص وضع اور فطرت پر پیدا کیا جو ان کے معین خواص وافعال کے دائرہ میں کام کرتی ہے۔ کوئی جانور اپنے افعال وحرکات کے محدود حلقہ سے جو قدرت نے باعتبار اسکی فطرت واستعداد کے مشخص کر دیئے ہیں، ایک قدم باہر نہیں نکال سکتا۔ چنانچہ ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی حیوان نے اپنی نوع کے محدود دائرہ عمل میں کسی طرح کی ترقی نہیں کی۔ اسی طرح ہر چیز کی استعداد وفطرت کو خیال کر لیجئے۔ حق تعالیٰ کے علم قدیم اور لوح محفوظ میں تمام انواع واجناس کی تدبیر وتربیت کے اصول وفروغ منضبط ہیں۔ کوئی چیز نہ اس زندگی میں اور نہ مرنے کے بعد اس مکمل انضباط وانتظام سے باہر جا سکتی ہے۔ انسان جنس حیوان میں "با اختیار اور ترقی کن" حیوان ہے اسی کسب واختیار اور ترقی کن عقل وتمیز کی موجودگی نے اسکے "نظام تکوینی اور قانون حیات" کو دوسرے تمام حیوانات سے ایسا اعلیٰ اور ممتاز بنا دیا ہے کہ اب اسے حیوان کہتے بھی شرم آتی ہے۔ وہ برخلاف باقی حیوانات کے دیکھنے، سننے اور پوچھنے سے نئی نئی معلومات حاصل کرتا اور قوۂ فکریہ سے ان کو ترتیب دیکر "حیات جدید" کی طرف ترقی کرتا رہتا ہے وہ نیک وبد میں تمیز کرنے، نافع وضار کے پہچاننے، آغاز وانجام سمجھنے پر قادر، اور کسی عمل کے کرنے یا چھوڑنے میں فی الجملہ آزاد ہے، اسی لئے اس کو خدا کی جانب سے ایسے نشانات دکھلائے جاتے ہیں جن میں غور وفکر کرنے کا موقع مل سکے اور فکر وکسب کی فطری آزادی کو سلب کرنے والے نہ ہوں۔ اور اگر وہ خدا کے دیئے ہوئے قوائے عقلیہ سے ٹھیک طور پر ان میں غور کرے تو اسے حق وباطل اور نیک وبد کی تمیز کرنے میں کچھ دقت نہ ہو۔ پس ایسے فرمائشی نشانات ومعجزات کی درخواست کرنا جو بہمہ وجوہ ایمان لانے پر مجبور کر دیں، انسان کی فطری آزادی اور اسکے نظام ترکیبی کو تباہ کرنے، بلکہ انسان کو عام حیوانات کی صف میں اتار لانے کا مرادف ہے۔ اور اگر فرمائشی نشان بہمہ وجوہ مجبور کن نہ ہوں تو انکا دکھلانا بیکار ہے کیونکہ ان میں بھی وہی غیر ناشی عن الدلیل شکوک وشبہات پیدا کر لئے جائیں گے جو ہزاروں غیر فرمائشی نشانات میں کئے جا چکے۔

ف۲ نہ کہنے والے کی سنتے ہیں نہ خود دوسرے سے پوچھتے ہیں اور نہ اندھیرے میں کچھ دیکھ سکتے ہیں۔ جب سب قویٰ اپنی بے اعتدالیوں سے بیکار کر لئے تو حق کی تصدیق وقبول کا کیا ذریعہ ہو؟

ف۳ گمراہ کرنا اسی کو چاہتا ہے جو خود ذرائع ہدایت کو اپنے اوپر مسدود کر لیتے ہیں ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ﴾ (اعراف، رکوع ۲۲)

تسلی نبی اکرم ﷺ وتلقین صبر

قَالَ تَعَالٰی: ﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ ... الی ... يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

ربط:...... اوپر کی آیتوں میں منکروں کے انکار اور تکذیب کا بیان تھا جس سے آنحضرت ﷺ کو بمقتضائے شفقت ورأفت صدمہ اور رنج ہوتا تھا کما قال تعالی: ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ وقال تعالی: ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ﴾ لہذا حق جل شانہ ان آیات میں آنحضرت ﷺ کی تسلی اور تشفی فرماتے ہیں کہ اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان لوگوں کی تکذیب سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں یہ تکذیب کرنے والے آپ ﷺ کی تکذیب کر رہے ہیں بلکہ فی الحقیقت اللہ کی تکذیب کر رہے ہیں اور خدا تعالیٰ کو جھٹلا رہے ہیں خدا تعالیٰ خود ہی ان کو سمجھ لے گا آپ ﷺ فکر میں نہ پڑیں اور آپ ﷺ کو تو انبیاء سابقین ﷺ کے حالات بذریعہ وحی معلوم ہو چکے ہیں کہ انہوں نے اپنی قوم کی تکذیب پر کیسا صبر کیا بالآخر اللہ نے ان کو غالب کر دیا اور خدا تعالیٰ نے ان سے جو فتح ونصرت کا وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا کما قال اللہ تعالی: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ وقال تعالی: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ اسی طرح آپ ﷺ بھی ان کی تکذیب پر صبر کیجئے اللہ آپ ﷺ کو ان پر غالب کرے گا اور فتح ونصرت کے خدا تعالیٰ نے جو آپ ﷺ سے وعدے کیے ہیں وہ ایک ایک کر کے پورے ہوں گے ابو جہل نے ایک مرتبہ حضور پرنور ﷺ سے یہ کہا کہ میں آپ ﷺ کو جھوٹا نہیں سمجھتا بلکہ ان باتوں کو غلط سمجھتا ہوں جو آپ ﷺ بیان کرتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی: ۶/ ۴۱۵ وتفسیر ابن کثیر)

تحقیق ہم کو یہ بات خوب معلوم ہے کہ تجھ کو وہ باتیں غم میں ڈالتی ہیں جو یہ کہتے ہیں سو یہ لوگ حقیقت میں آپ ﷺ کو نہیں جھٹلاتے لیکن یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ان کی جنگ درحقیقت اللہ کے ساتھ ہے آپ ﷺ ان ظالموں کا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے بے فکر ہو جائیے خدا خود ہی ان کو سمجھ لے گا اور اگر کسی درجہ میں آپ ﷺ کی بھی تکذیب ہے تو آپ ﷺ کی یہ تکذیب کوئی نئی بات نہیں البتہ تحقیق آپ ﷺ سے پہلے بہت سے رسولوں کی تکذیب کی گئی اور طرح طرح سے ان کو ایذائیں پہنچائی گئیں پس انہوں نے اپنی تکذیب اور ایذاؤں پر صبر کیا تھا یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد پہنچی حالانکہ وہ بے سروسامان تھے اور اللہ کی باتوں یعنی اس کے وعدوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور خدا تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ قلیل کو کثیر پر غالب کرے اور اے نبی ﷺ بے شک تیرے پاس پیغمبروں کی بعض خبریں پہنچ چکی ہیں جن میں ان کے صبر اور استقلال کا حال بھی مذکور ہے پس تو ان سے اپنی تسلی کر اور یقین رکھ کہ جس طرح پہلے نبیوں کے پاس ان کے جھٹلائے اور ستائے جانے کے بعد ہماری مدد پہنچی اسی طرح ہماری مدد تیرے پاس پہنچے گی اور تو کامیاب ہوگا اور تیرے جھٹلانے والے ہلاک ہوں گے اور اگر آپ ﷺ پر ان کا اسلام سے اعراض کرنا گراں اور بھاری ہے اور آپ ﷺ کی تمنا اور خواہش یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ لوگ حق کو قبول کر لیں پس اگر آپ ﷺ سے یہ ہو سکتا ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈ نکالیں یا آسمان میں جانے کے لیے کوئی سیڑھی تلاش کریں پھر وہاں سے ان کی فرمائش کے مطابق کوئی معجزہ اور نشانی ان کے پاس لے آویں تو کر

گزرئیے اور ان کی فرمائش کے مطابق زمین و آسمان میں سے کوئی نشانی لا کر ان کو دکھلا سکتے ہو تو دکھلا دیجئے یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے ﴿وَاِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا﴾ اس لیے ان کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیجئے۔ مقصود اس سے آپ ﷺ کو ان کے ایمان سے ناامید کرنا ہے اور آپ ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ آپ ﷺ ان سے اعراض اور تکذیب سے رنجیدہ نہ ہوں خدا تعالیٰ کو ان کی ہدایت منظور نہیں اور ان کے ایمان نہ لانے میں تکوینی طور پر اللہ کی حکمتیں ہیں جن کے ادراک سے عقل قاصر ہے۔

کفار کا مطالبہ یہ تھا کہ اگر یہ نبی ہیں تو ان کے ساتھ ہمیشہ ایسی نشانی رہنی چاہیے جسے دیکھ کر ہر کوئی یقین کر لے اور ایمان لانے پر مجبور ہو جائے سو شاید بمقتضائے شفقت حضور پر نور ﷺ کا دل بھی چاہا ہو تو تادیب و تنبیہ کے لیے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تکوینی اور تقدیری امور میں اللہ کی مرضی کے تابع رہو اور اگر اللہ کو یہ منظور ہوتا کہ سب ایمان لے آئیں تو بن نشانی سب کے دل پھیر دیتا اور سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا اور اگر تکوینی اور تقدیری طور پر اللہ یہ چاہتا کہ سب ایمان لے آئیں تو سب کو شروع ہی سے بغیر نشانیوں کے ہدایت پر جمع کر دیتا مگر اللہ کو سب کی ہدایت منظور نہیں۔

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است دوزخ کرا بسوزد گر بو لہب نباشد

پس تو نادانوں میں سے مت ہو یعنی ان بدبختوں کے ایمان کی فکر میں مت پڑ ایسے دلوں کے ایمان اور ہدایت کی فکر میں پڑنا نادانی ہے مقصود اس سے حضور پر نور ﷺ کی تادیب ہے کہ شفقت اور ایمان و ہدایت کی حرص میں مبالغہ نہ کریں جز ایں نیست حقیقت یہ ہے کہ حق کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں یعنی جو زندہ ہیں اور حق کے طالب ہیں ورنہ جو مردہ دل ہیں وہ کب کسی کی مانتے ہیں اور یہ معاندین فی الحال تو حکماً مردے ہیں اور ایک روز حقیقت میں مردے ہوں گے اور قیامت کے دن اللہ سب مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا پھر وہ سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے اس وقت ان کو ان کے اعراض اور تکذیب کی سزا ملے گی شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی سب سے توقع نہ رکھو کہ مانیں جن کے دل میں اللہ نے کان نہیں دیے وہ سنتے نہیں مگر یہ کافر کہ مثال مردے کے ہیں قیامت میں دیکھ لیں گے اور یقین کر لیں گے۔ اھ اور یہ معاندین یہ کہتے ہیں کہ اس مدعی رسالت پر اس پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی نشانی سے وہ خاص نشانیاں مراد ہیں جن کی وہ فرمائش کرتے تھے جیسے فرشتے کا اترنا وغیرہ وغیرہ ورنہ یوں تو آپ ﷺ سے بہت ساری نشانیاں دیکھتے رہتے تھے جن کو جادو کہہ کر ٹلا دیتے تھے آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ بے شک اللہ اس پر قادر ہے کہ تمہاری فرمائش کے مطابق کوئی نشانی اتار دے مگر اس کی حکمت اور مصلحت اس کو مقتضی نہیں لیکن ان میں کے اکثر آدمی اس کی مصلحت کو جانتے نہیں اور نہ ان کو اس کے انجام کی خبر ہے وہ یہ نہیں جانتے کہ نشانی کا اترنا سبب عذاب اور ہلاکت کا ہے یعنی فرمائشی نشان کا انجام یہ ہے کہ اگر اس کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے تو سب ہلاک کر دیے جائیں گے کما قال تعالیٰ: ﴿وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ﴾ طالب حق کی ہدایت کے لیے وہ نشانات بہت کافی ہیں جو آپ سے ظاہر ہو چکے ہیں۔

ربط:...... گزشتہ آیت ﴿وَالْمَوْتٰى یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ﴾ میں قیامت کے دن مردوں کے بعث اور دوبارہ زندہ ہونے کا بیان فرمایا تھا اب آئندہ آیت میں اس کی تاکید کے لیے دواب اور طیور کے بعث اور حشر کو بیان فرمایا ہے کہ بعث ایک ایسا امر ہے کہ قیامت کے دن جانور جو کہ غیر مکلف ہیں وہ بھی زندہ کیے جائیں گے اور ایک جانور کا دوسرے جانور سے

قصاص لیا جائے گا تو انسان تو احکام الٰہیہ کا مکلف ہے اور مورد جزا و سزا ہے اس کا حشر کیوں نہ ہوگا چنانچہ فرماتے ہیں اور نہیں ہے کوئی جانور جو زمین میں چلتا پھرتا ہو اور نہیں ہے کوئی پرندہ کہ جو اپنے دو بازوؤں سے اڑتا ہو مگر وہ بھی تمہاری طرح [1] امتیں اور جماعتیں اور مختلف گروہ ہیں پیدائش رزق اور موت اور حشر ونشر اور قصاص میں تمہارے مماثل ہیں حشر اجساد میں تمام حیوانات انسان کے مشابہ ہیں ہم نے لوح محفوظ میں کوئی بغیر لکھے نہیں چھوڑی یعنی ہر چیز ہمارے علم میں ہے اور جب یہ بات ہے تو ہر چیز کا حشر اور بعث ہم پر کیا مشکل ہے پھر یہ سب کے سب اپنے پروردگار کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے تا کہ ایک دوسرے کا انصاف ہو جائے یعنی آدمی اور بہائم اور پرند سب کے سب قیامت کے دن انصاف کے لیے اللہ کے آگے حاضر کیے جائیں حیوانات نے جو ایک دوسرے پر زیادتی کی ہے اس کا اس سے بدلہ لیا جائے گا حتی کہ بے سینگ والی بکری کا سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا حیوانات کا حشر باز پرس کی غرض سے نہیں ہوگا بلکہ اس لیے ہوگا کہ جو تکلیفیں ان کو دنیا میں پہنچی ہیں ان کا عوض اور بدلہ ان کو دلایا جائے تا کہ عدل خداوندی ظاہر ہو جائے کہ خدا تعالیٰ کا عدل اور انصاف ایسا ہوتا ہے اور اس کے بعد تمام جانور مٹی کر دیئے جائیں گے اس وقت کافر یہ تمنا کریں گے "یلتنی کنت ترابا" اور جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا یہ لوگ عقل کے بہرے اور گونگے ہیں اور مختلف قسم کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے ہیں پس ان کی ہدایت ناممکن ہے اس لیے آپ ﷺ ان کے اعراض اور تکذیب سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں کیونکہ جو شخص دوسرے کی نہ سن سکے اور نہ دوسرے سے راستہ پوچھ سکے وہ کس طرح تاریکیوں سے باہر نکل سکتا ہے اصل بات یہ ہے کہ اللہ جس کو چاہے گمراہ کر دے اور جس کو چاہے سیدھے راستے پر کر دے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

اوست سلطاں ہر چہ خواہد آں کند

وہ مالک مطلق ہے وہ اپنی مرضی کا مختار ہے اس کو کافروں کے کفر سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا جو وہ زبردستی ان کو راہ پر لائے۔

شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یعنی اللہ کی قدرت کی نشانیاں سب جہان میں ہیں ہر قسم کے جانوروں کا کارخانہ ایک قاعدہ پر باندھا ہے انسان کا بھی ایک قاعدہ رکھا ہے وہ پیغمبروں کی زبان سے ان کو سکھاتا ہے اور اگر دھیان کریں یہی نشانی بس ہے پیغمبروں کے قول پر لیکن بہرا اور گونگا اندھیرے میں پڑا کیا دیکھے اور کیا سمجھے۔ (موضح القرآن)

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ

تو کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر عذاب اللہ کا یا آوے تم پر قیامت کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے بتاؤ اگر

تو کہہ، دیکھو تو اگر آئے تم پر عذاب اللہ کا یا آئے تم پر قیامت، کیا اللہ کے سوا کسی کو پکارو گے ؟ بتاؤ اگر

[1] یہ زجاج سے منقول ہے امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، قال ابو هريرة هي امثال لنا على معنى انه يحشر البهائم غدا ويقتص للعجماء من القرناء ثم يقول الله لها كوني ترابا وهذا اختيار الزجاج فانه قال الا امم امثالكم في الخلق والرزق والموت والبعث والاقتصاص (تفسیر قرطبی: ۶/۴۲۰)

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا

تم سچے ہو بلکہ اسی کو پکارتے ہو پھر دور کر دیتا ہے اس مصیبت کو جس کے لئے اس کو پکارتے ہو اگر چاہتا ہے اور تم بھول جاتے ہو جن کو

تم سچے ہو۔ بلکہ اسی کو پکارتے ہو، پھر کھول دیتا ہے جس پر پکارتے تھے، اگر چاہتا ہے۔ اور بھول جاتے ہو جن کو

تُشْرِكُوْنَ ۝ ع ۱۱

شریک کرتے تھے ف۱

شریک کرتے تھے۔

اثبات توحید

قَالَ تَعَالٰى: ﴿قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ... الى... وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ﴾

ربط:...... ابتداء سورت سے اثبات توحید اور ابطال شرک کا مضمون چلا آ رہا ہے اب ان آیات میں ایک خاص طریقہ پر اثبات توحید فرماتے ہیں مشرکین عرب بتوں کو خدائی کا کارکن سمجھتے تھے مگر جب کوئی مصیبت آن پڑتی تو اللہ ہی کو پکارتے تھے اور اسی سے دعا مانگتے تھے مقصود یہ ہے کہ جب یہ جانتے ہو کہ نفع ونقصان سب ہمارے ہی اختیار میں ہے اور تمہارے ان بتوں کا کوئی اختیار نہیں تو پھر کیوں ان کی عبادت کرتے ہو صرف ہماری پرستش کیوں نہیں کرتے چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان مشرکین سے یہ کہیے کہ بھلا مجھ کو یہ بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آوے یا تم پر قیامت ہی آ جائے جو تمام مصیبتوں کا مجموعہ ہے تو کیا اس وقت بھی غیر اللہ کو پکارو گے اگر تم دعوائے اشراک میں سچے ہو یعنی جب تم بتوں کو پوجتے ہو اور ان کو خدا کا شریک سمجھتے ہو تو اگر تم اس اعتقاد میں سچے ہو تو مصیبت کے وقت بھی انہی کو پکارا کرو تا کہ وہ تمہاری مدد کریں مگر اس وقت تم ایسا نہیں کرتے بلکہ اس وقت تم خاص اللہ ہی کو پکارتے ہو پس وہ اس مصیبت کو دفع کر دیتا ہے جس کے دفع کرنے کے لیے تم دعا مانگتے تھے اگر چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے اور اس وقت تم ان بتوں کو بھول جاتے ہو جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہو یہ حق تعالیٰ کی طرف سے الزام ہے کہ مصیبت اور سختی کے وقت تو تم خالص اللہ ہی کو پکارتے ہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے مگر فراخی اور راحت میں اللہ کو چھوڑ کر بتوں کا کلمہ پڑھنے لگتے ہو اگر تمہارے بت کچھ ہیں تو دونوں حالتوں میں ان کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے وهذا القوله تعالی ﴿وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ﴾۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

اور ہم نے رسول بھیجے تھے بہت سی امتوں پر تجھ سے پہلے پھر ان کو پکڑا ہم نے سختی میں اور تکلیف میں تا کہ وہ

اور ہم نے رسول بھیجے تھے بہت امتوں پر تجھ سے پہلے، پھر ان کو پکڑا سختی میں اور تکلیف میں، شاید وہ

ف۱ جب اندھے بہرے گونگے ہو کر آیات اللہ کو جھٹلایا اور گمراہی کے عمیق غار میں جا پڑے۔ اس پر اگر دنیا میں یا قیامت میں خدا کا سخت عذاب نازل ہو تو سچ سچ بتلاؤ کہ خدا کے سوا اس وقت کسے پکارو گے۔ دنیا کی چھوٹی چھوٹی مصیبتوں میں بھی جب گھر جاتے ہو تو مجبور ہو کر اسی خدائے واحد کو پکارتے ہو اور سب شرکاء کو بھول جاتے ہو ﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ جس پر اگر خدا چاہتا ہے تو اس مصیبت کو دور بھی کر دیتا ہے اسی سے اندازہ کر لو کہ =

يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٤٢﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ

گڑگڑاویں پھر کیوں نہ گڑ گڑائے جب آیا ان پر عذاب ہمارا لیکن سخت ہوگئے دل ان کے اور بھلے کر دکھلائے

گڑگڑاویں۔ پھر کیوں نہ جب پہنچا ان پر عذاب ہمارا گڑگڑاتے ہوتے، اور لیکن سخت ہوگئے دل ان کے اور ان کو بھلے دکھائے

الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ

ان کو شیطان نے جو کام وہ کر رہے تھے پھر جب وہ بھول گئے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی کھول دیے ہم نے ان پر دروازے ہر

شیطان نے جو کام کر رہے تھے۔ پھر جب بھول گئے جو نصیحت کی تھی ان کو کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر

شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓي اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ

چیز کے یہاں تک کہ جب وہ خوش ہوئے ان چیزوں پر جو ان کو دی گئیں پکڑ لیا ہم نے ان کو اچانک پس اس وقت وہ رہ گئے ناامید ف۱ پھر کٹ گئی جڑ

چیز کے، یہاں تک کہ جب خوش ہوئے پائی ہوئی چیز سے پکڑا ہم نے ان کو بےخبر، پھر تب ہی وہ رہ گئے ناامید۔ پھر کٹ گئی جڑ

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٥﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ

ان ظالموں کی اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو پالنے والا ہے سارے جہان کا ف۲ تو کہہ دیکھو تو اگر چھین لے اللہ تمہارے کان

ان ظالموں کی۔ اور سراہتے کام اللہ کا جو رب ہے سارے جہان کا۔ تو کہہ، دیکھو تو ! اگر چھین لے اللہ تمہارے کان

وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ

اور آنکھیں اور مہر کر دے تمہارے دلوں پر ف۳ تو کون ایسا رب ہے اس کے سوا جو تم کو یہ چیزیں لا دیوے ف۴ دیکھ ہم کیونکر طرح طرح سے بیان

اور آنکھیں اور مہر کر دے تمہارے دل پر، کون وہ رب ہے اللہ کے سوا جو تم کو یہ لا دیوے ؟ دیکھ، ہم کیسی پھیرتے ہیں

الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿٤٦﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ

کرتے ہیں باتیں پھر بھی وہ کنارہ کرتے ہیں تو کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر عذاب اللہ کا اچانک ف۵ یا ظاہر ہو کر تو کون

باتیں، پھر وہ کنارہ کرتے ہیں۔ تو کہہ، دیکھو تو ! اگر آئے تم پر عذاب اللہ کا بےخبر یا روبرو، کوئی

=نزول عذاب یا ہول قیامت سے بچانے والا بجز خدا کے اور کون ہو سکتا ہے پھر یہ کس قدر حماقت اور اندھاپن ہے کہ اس خدا کی عظمت و جلال کو فراموش کر کے اس کی نازل کی ہوئی آیات کی تکذیب اور فرمائشی آیات کا مطالبہ کرتے ہو۔

ف۱ گزشتہ آیت میں عذاب آنے کا احتمال ہوا تھا۔ اب واقعات کا حوالہ دیتے ہیں کہ پہلے زمانے میں اس طرح کے عذاب آچکے ہیں۔ نیز متنبہ فرما دیا کہ جب مجرم کو ابتداء ہلکی تنبیہ کی جائے تو اسکو معاً خدا کیطرف رجوع ہونا چاہیے۔ سخت دلی اور اغوائے شیطانی سے اسے ہلکا نہ سمجھے۔ موضح القرآن میں ہے کہ گنہگار کو اللہ تعالیٰ تھوڑا سا پکڑتا ہے، اگر وہ گڑگڑایا توبہ کی تو بچ گیا اور اگر اتنی پکڑ نہ مانی تو پھر بھلا وا دیا اور وسعت عیش کے دروازے کھولے۔ جب نعمتوں کی شکرگزاری اور انعام واحسان سے متأثر ہونے کے بجائے خوب گناہ میں غرق ہوا تو دفعۃً بےخبر پکڑا گیا۔ یہ ارشاد ہے کہ آدمی کو گناہ پر تنبیہ پہنچے تو شتاب توبہ کرے۔ یہ راہ نہ دیکھے کہ اس سے زیادہ پہنچے تو یقین کروں۔

ف۲ ظالموں کا استیصال بھی اسکی ربوبیت عامہ کا اثر اور مجموعہ عالم کے لئے رحمت عظیم ہے اسی لئے یہاں حمد وشکر کا اظہار فرمایا۔

ف۳ کہ نہ تم سن سکو نہ دیکھ سکو نہ دل سے سمجھ سکو۔ .... =

يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ إِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ

ہلاک ہوگا ظالم لوگوں کے سوا ف۱ اور ہم رسول نہیں بھیجتے مگر خوشی اور ڈر سنانے کو پھر جو کوئی

ہلاک ہوگا، مگر وہی لوگ گنہگار ہیں؟ اور ہم جو رسول بھیجتے ہیں، نہیں مگر خوشی اور ڈر سنانے کو، پھر جو کوئی

اٰمَنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ

ایمان لایا اور سنور گیا تو نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ان کو پہنچے گا

یقین لایا اور سنوار پکڑی، تو نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غم کھائیں۔ اور جنہوں نے جھٹلائیں ہماری آیتیں، ان کو لگے گا

الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٤٩﴾ قُلْ لَّآ أَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ أَعْلَمُ

عذاب اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے ف۲ تو کہہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے اور نہ میں جانوں

عذاب اس پر کہ بے حکمی کرتے تھے۔ تو کہہ، میں نہیں کہتا تم سے، کہ مجھ پاس ہیں خزانے اللہ کے، نہ میں جانوں

الْغَيْبَ وَلَآ أَقُوْلُ لَكُمْ إِنِّيْ مَلَكٌ ۚ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحٰى إِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي

غیب کی بات اور نہ میں کہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں ف۳ میں تو اسی پر چلتا ہوں جو میرے پاس اللہ کا حکم آتا ہے تو کہہ دے کب برابر ہوسکتا ہے

غیب کی بات، اور نہ میں کہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں اسی پر چلتا ہوں جو مجھ کو حکم آتا ہے، تو کہہ، کب برابر ہو سکے

=ف۴ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں "یعنی توبہ میں دیر نہ کرے جو کان اور آنکھ اور دل اس وقت ہے شاید پھر نہ ملے اور اس لئے توبہ واستغفار کی توفیق نہ ہوسکے۔

ف۵ "اچانک" یعنی وہ عذاب جس کی کچھ علامات پہلے سے ظاہر نہ ہوں۔ لہٰذا "جھرۃ" سے مراد وہ عذاب ہوگا جس کے آنے سے قبل علامات ظاہر ہونے لگیں۔

ف۱ یعنی توبہ میں دیر نہ کرنا چاہیے شاید اس دیر میں عذاب پہنچ جائے جس کا خمیازہ صرف ظالموں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اگر پہلے ہی ظلم وعدوان سے توبہ کر چکا ہوگا تو اس عذاب سے بچ رہے گا۔

ف۲ یعنی تم جو عذاب الٰہی سے نہ ڈرو اور بے فکر ہو کر بیہودہ فرمائشیں اور دور دراز کار سوالات کر کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دق کرتے اور ان کی تصدیق کے لئے خود ساختہ معیار تراشتے ہو، خوب سمجھ لو کہ پیغمبر دنیا میں اس لئے نہیں بھیجے گئے کہ تمہاری ایسی واہی تباہی فرمائشیں پوری کرتے رہا کریں۔ ان کی بعثت کی غرض صرف "تبشیر وانذار" اور "تبلیغ وارشاد" ہے۔ وہ خدا کی طرف سے اس لئے بھیجے جاتے ہیں کہ فرمانبرداروں کو بشارات سنائیں اور نافرمانوں کو ان کے انجام بد پر متنبہ کر دیں، آگے ہر شخص کی کمائی اس کے ساتھ ہے۔ جس نے انبیاء علیہم السلام کی باتوں پر یقین کیا اور اعتقاداً وعملاً اپنی حالت درست کر لی، حقیقی امن اور چین اس کو نصیب ہوا۔ اور جس نے خدا کی آیات کو جھٹلا کر ہدایت الٰہی سے روگردانی کی وہ نافرمانی اور بغاوت کی وجہ سے سخت تباہی اور عذاب عظیم کے نیچے آ گیا۔ العیاذ باللہ

ف۳ اس آیت میں منصب رسالت پر روشنی ڈالی گئی ہے یعنی کوئی شخص جو مدعی نبوت ہو، اس کا دعویٰ یہ نہیں ہوتا کہ تمام مقدورات الٰہیہ کے خزانے اس کے قبضہ میں ہیں کہ اس سے کسی امر کی فرمائش کی جائے وہ ضرور ہی کر دکھلائے یا تمام معلومات غیبیہ وشہادیہ پر خواہ ان کا تعلق فرائض رسالت سے ہو یا نہ ہو، اس کو مطلع کر دیا گیا ہے کہ جو کچھ تم پوچھو، وہ فوراً بتلا دیا کرے یا نوع بشر کے علاوہ وہ کوئی اور نوع ہے جو لوازم وخواص بشریہ سے اپنی براءت ونزاہت کا ثبوت پیش کرے۔ جب ان باتوں میں سے وہ کسی چیز کا مدعی نہیں تو فرمائشی معجزات اس سے طلب کرنا یا از راہ تعنت وعناد اس قسم کا سوال کرنا کہ "قیامت کب آئے گی" یا یہ کہنا کہ "یہ رسول کیسے ہیں جو کھانا کھاتے اور بازاروں میں خرید وفروخت کیلئے جاتے ہیں" اور انہی امور کو معیار تصدیق وتکذیب ٹھہرانا کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے۔

الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۵۰ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ع

اندھا اور دیکھنے والا سو کیا تم غور نہیں کرتے ف۱ اور خبردار کر دے اس قرآن سے لوگوں کو جن کو ڈر ہے اس کا کہ جو جمع ہوں گے اپنے رب کے سامنے

اندھا اور دیکھتا ؟ کیا تم دھیان نہیں کرتے ؟ اور خبردار کر دے اس قرآن سے جن کو ڈر ہے کہ جمع ہوں گے اپنے رب کے پاس،

لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۵۱

اس طرح پر کہ اللہ کے سوا نہ کوئی ان کا حمایتی ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا ف۲ تاکہ وہ بچتے رہیں ف۳

ان کا کوئی نہیں اس کے سوا حمایتی، نہ سفارش والا، شاید وہ بچتے رہیں۔

بیان تباہی و بربادی مکذبین رسالت و منکرین قیامت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ... الی... لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں مشرکین پر وقوع عذاب کو فرض کر کے ان کے شرک کو باطل فرمایا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ کافروں پر عذاب خداوندی کا نزول کوئی فرضی نہیں بلکہ بار بار پہلی امتوں پر اس کا وقوع ہو چکا ہے اس لیے ان آیات میں مکذبین رسالت و منکرین قیامت کی تنبیہ اور تہدید کے لیے یہ بتلاتے ہیں کہ ہم نے پہلی امتوں کو تنبیہ کے لیے اول مصیبتوں میں مبتلا کیا تاکہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں مگر وہ ایسے سخت دل ہو گئے کہ اس پر بھی نہ سنبھلے اور نہ سمجھے تب ہم نے ان کو بھلاوا دے کر خوب نعمتوں کے دروازے ان پر کھول دیے جس سے وہ عیش و عشرت میں مست ہو گئے اور خدا کی نافرمانیوں میں غرق ہو گئے اور فسق و فجور میں حد سے گزر گئے یہاں تک کہ جرم کا پیمانہ لبریز ہو گیا تب ہم نے دفعۃً ناگہانی عذاب میں ان کو پکڑ لیا اور سب کو نیست و نابود کر دیا اور طریقہ بھی یہی ہے کہ اول مجرم کو تنبیہ کی جاتی ہے تاکہ وہ آقا کی طرف رجوع کرے لیکن اگر باوجود تنبیہ کے تمرد اور سرکشی پر اتر آئے تو اس کی ڈھیل دی جاتی ہے یہاں تک کہ جب وہ نافرمانی میں دلیر اور بے باک ہو جاتا ہے تو یکایک اس کو پکڑ کر تباہ اور برباد کر دیا جاتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص گناہ کرے اور اللہ اسے نعمتیں دے تو اسے خوش نہ ہونا چاہیے بلکہ اسے یہ سمجھنا چاہیے کہ اسے اللہ کی طرف سے ڈھیل دی جا رہی ہے۔

(تفسیر قرطبی: ۳/۴۲۶ و تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۳۲)

ف۱ یعنی اگرچہ پیغمبر نوع بشر سے علیحدہ کوئی دوسری نوع نہیں۔ لیکن اس کے اور باقی انسانوں کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے۔ انسانی قوتیں دو قسم کی ہیں علمی و عملی۔ قوت علمیہ کے اعتبار سے نبی اور غیر نبی میں اعمٰی و بصیر اندھے اور سوانکھے کا تفاوت سمجھنا چاہیے۔ نبی کے دل کی آنکھیں ہر وقت مرضیات الٰہی اور تجلیات ربانی کے دیکھنے کیلئے کھلی رہتی ہیں، جنکے بلا واسطہ مشاہدہ سے دوسرے انسان محروم ہیں اور قوت عملیہ کا حال یہ ہوتا ہے کہ پیغمبر اپنے قول و فعل اور ہر ایک حرکت و سکون میں رضائے الٰہی اور حکم خداوندی کے تابع و منقاد ہوتے ہیں، وحی سماوی اور احکام الٰہیہ کے خلاف نہ کبھی ان کا قدم اٹھ سکتا ہے نہ زبان حرکت کر سکتی ہے۔ ان کی مقدس ہستی اخلاق و اعمال اور کل واقعات زندگی میں تعلیمات ربانی اور مرضیات الٰہی کی روشن تصویر ہوتی ہے جسے دیکھ کر غور و فکر کرنے والوں کو ان کی صداقت اور مامور من اللہ ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں رہ سکتا۔

ف۲ یعنی جو لوگ فرمائشی معجزات دکھلائے جانے پر اپنے ایمان کو موقوف رکھتے اور از راہ تعنت و عناد آیات اللہ کی تکذیب پر تلے ہوئے ہیں، ان سے قطع نظر کیجئے۔ کیونکہ ایسے ہی لوگوں سے امید ہو سکتی ہے کہ نصیحت سے متاثر اور ہدایت قرآنی سے منتفع ہوں۔

ف۳ یعنی یہ ڈر کر گناہ سے بچتے رہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی کریم ﷺ البتہ تحقیق ہم نے آپ ﷺ سے پہلے مختلف امتوں کی طرف رسول بھیجے اوران کی امتوں نے ان کو جھٹلایا بس ہم نے ان کو بطور تنبیہ تنگی معیشت اور بیماری میں پکڑا یعنی سختی اور تکلیف میں ان کو مبتلا کیا تا کہ وہ ہمارے آگے گڑگڑائیں اور روئیں اور عاجزی کریں اور کفر وشرک سے توبہ کریں مگران سنگ دلوں پر تنبیہ کا کوئی اثر نہ ہوا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پس جس وقت ہمارا عذاب ان کے پاس آیا تو اس وقت کیوں نہ گڑگڑائے یعنی ان کو چاہیے تھا کہ ایسی حالت میں وہ گڑگڑاتے تو ان کا معاملہ ہی ختم ہو جاتا اور بلا دور ہو جاتی تضرع اور زاری سے ان کے لیے کوئی چیز مانع نہ تھی مگر وہ نہ گڑگڑائے اور نہ انہوں نے ہمارے پیغمبروں کی تکذیب سے توبہ کی اور شیطان نے ان کے اعمال کفریہ کو ان کی نظر میں آراستہ کر کے دکھلایا کہ تم جو کر رہے ہو وہ بہت خوب ہے پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی اور دیدہ و دانستہ نافرمانی اور سرکشی پر اتر آئے اور تو پھر ہم نے تنبیہ کے طریقہ کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کیا جو ان کی خواہش کے مطابق تھا اور ہماری حکمت کے بھی موافق تھا وہ یہ کہ ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یعنی ان کی سختی اور بدحالی کو دور کر دیا اور ان کے رزق میں وسعت کی اور ہر قسم کی نعمتوں کے دروازے ان پر کھول دیئے تا کہ ناؤ پوری بھر کر ڈوبے یہاں تک کہ جب وہ ان نعمتوں پر جو ان کی دی گئیں بہیں خوش ہو گئے اور اترانے لگے اور حد سے گزر گئے اور یہ سمجھنے لگے کہ ہم ہی ان نعمتوں کے مستحق ہیں اور ہماری دی ہوئی نعمتوں میں اس قدر سرشار ہوئے کہ ہم کو بھول گئے تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا کہ ہمارا عذاب یک لخت ان پر آ گیا اور ان کو اس کے آنے کی خبر نہیں ہوئی اور عیش وعشرت اور صحت وسلامت کی حالت میں یکا یک عذاب آنے میں حکمت یہ تھی کہ ان چیزوں کے چھوڑنے کا افسوس بہت زیادہ ہوگا اگر بحالت افلاس اور تنگدستی ان پر عذاب آتا تو ان کو اس قدر صدمہ اور رنج نہ ہوتا پس وہ اس ناگہانی عذاب کے آتے ہی ہر چیز سے ناامید ہو گئے یعنی اس وقت ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ اب ہم کو کبھی راحت نصیب نہ ہوگی ہمارے برابر کوئی بدنصیب نہیں۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ موضح القرآن میں فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ گنہگار کو تھوڑا سا پکڑتا ہے اگر وہ گڑگڑایا اور توبہ کی تو بچ گیا اور اتنی پکڑ نہ مانی تو پھر بھلاوا دیا اور اس کو اور خوبی کے دروازے کھولے جب خوب گناہ میں غرق ہوا تو بے خبر پکڑا گیا اور یہ ارشاد ہے کہ آدمی کو گناہ پر تنبیہ پہنچے تو شتاب توبہ کرے یہ راہ نہ دیکھے کہ اس سے زیادہ پہنچے تو یقین کروں'' انتہی۔

پس کاٹ دی گئی جڑ اس ظالم گروہ کی یعنی سب کے سب یک لخت اور ایک ساتھ ہلاک ہوئے ان میں سے کوئی بھی نہ بچا اور سب تعریف ہے اللہ کے لیے جو پروردگار ہے سارے جہانوں کا اس بات پر کہ اس نے اپنی رحمت سے ظالموں اور پیغمبروں کے جھٹلانے والوں کو ہلاک کیا اور اللہ کی زمین کو ان مفسدوں سے پاک کیا اور اس آیت میں اشارہ ہے اس طرف کہ پیغمبروں کے جھٹلانے والوں کو ہلاک کرنا مجموعہ عالم پر اللہ کا بڑا انعام ہے جس پر حمد اور شکر لازم ہے اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان کافروں سے یہ کہیئے کہ بتلاؤ اگر اللہ تمہاری شنوائی اور بینائیوں کو چھین لے اور تم کو اندھا اور بہرا کر دے کہ تم نہ کچھ سن سکو اور نہ کچھ دیکھ سکو اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے کہ کچھ نہ سمجھ سکو مطلب یہ ہے کہ تمہارے یہ تینوں اعضاء جو اشرف الاعضاء ہیں وہ بے کار ہو جائیں اور ان کے جاتے رہنے کی وجہ سے تمہارے تمام جسم کا نظام درہم برہم ہو جائے تو بتلاؤ کہ اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تم کو یہ چیزیں لا کر دیدے تو پھر تم اس کے سوا دوسروں کی کیوں پرستش کرتے ہو مطلب یہ ہے کہ مستحق

عبادت وہ ذات ہے جو ان اعضاء اور قوائے ادراکیہ کے دینے اور چھیننے پر قادر ہو اور یہ بت جن کو تم پوجتے ہو کس طرح مستحق ہوئے (اے نبی ﷺ) دیکھیے تو سہی کہ ہم کس طرح پھیر پھیر کر مختلف طریقوں سے اپنی توحید کی نشانیاں بیان کرتے ہیں پھر بھی وہ ان کے ماننے اور قبول کرنے سے اعراض کرتے ہیں اور منہ پھیرتے ہیں (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ بتلاؤ تو سہی کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب ناگہاں اور ایکبارگی آجائے کہ پہلے سے جس کی کوئی علامت اور نام ونشان نہ ہو یا روبرو اور آشکارا طور پر آنکھوں دیکھتے تم پر عذاب آجائے تو سوائے ظالموں کے اور کون ہلاک کیا جائے گا یعنی تم ہی ہلاک ہوؤ گے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ عذاب آنے سے پہلے ہی اپنے ظلم اور شرک سے توبہ کرلو اور ہم نہیں بھیجتے پیغمبروں کو مگر بشارت دینے والے ڈرانے والے اہل ایمان اور اہل اطاعت کو جنت کی بشارت دینے کے لیے اور منکرین اور مکذبین کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کے لیے اور اس لیے نہیں بھیجے گئے کہ وہ معاندین کی فرمائش کے مطابق معجزات دکھلائیں پس جو کوئی ایمان لے آیا اور اس نے اپنی حالت کو درست کرلیا پس ان پر قیامت کے دن کچھ خوف نہیں اور نہ وہ آخرت میں غمگین ہوں گے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو عذاب پہنچے گا اس لیے کہ وہ دین کی حدود سے باہر نکل چکے تھے اے نبی آپ ﷺ ان معاندین سے جو آپ ﷺ سے قسم قسم کے معجزات کی فرمائشیں کرتے ہیں یہ کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں جن سے تمہاری حاجتیں پوری کرسکوں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں کہ جو تم آئندہ کی باتیں پوچھا کرو تو میں فوراً بتلادیا کروں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور جو تم مجھ پر اعتراض کرتے ہو کہ یہ کیسا نبی ہے جو کھاتا اور پیتا ہے اور عورتیں اور اولاد رکھتا ہے میں تو اللہ کا نبی اور رسول ہوں جو جنس بشر سے ہوتے چلے آئے اور جب نبی نوع بشر سے ہوگا تو لوازم بشریت اور خواص انسانیت سے کیسے پاک اور منزہ ہوسکتا ہے میں رسالت کے ساتھ ملکیت کا مدعی نہیں تاکہ تم مجھ پر یہ طعن کرو کہ یہ کیسا نبی ہے جو بیوی اور بچے بھی رکھتا ہے جیسا کہ معاندین کہتے تھے ﴿اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ کیا خدا تعالیٰ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے رسول تو فرشتہ ہونا چاہیے سو آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ نبوت کے لیے ملکیت ضروری نہیں باوجود بشر ہونے کے میں اللہ کا رسول بھی ہوں مجھ پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ الخ میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو بذریعہ وحی مجھ پر نازل کی جائے اور اس کے اتباع کی دوسروں کو دعوت دیتا ہوں آپ ﷺ ان معاندین سے کہہ دیجئے کہ کیا نابینا اور بینا برابر ہوسکتا ہے مطلب یہ کہ اندھا اور سمکھا یعنی عالم اور جاہل اور مشعل ہدایت کا پیرو اور نور حق سے آنکھ بند کرنے والا برابر نہیں ہوسکتے کیا تم دھیان نہیں کرتے کہ حق اور باطل کا فرق تم پر واضح ہوجائے اور آپ ﷺ اس قرآن سے ان لوگوں کو خبردار کردیجئے کہ جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے پروردگار کی طرف اکٹھے کیے جائیں جن کو قیامت کا خوف لگا رہتا ہے ان کو قرآن کے ذریعہ نصیحت کیجئے اور بتلا دیجئے کہ قیامت کے دن ان کے لیے خدا کے سوا نہ کوئی کارساز اور حمایتی ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا شاید وہ پرہیزگاری کریں یعنی قرآن سے مسلمانوں کو ڈراؤ تاکہ وہ اس پر عمل کرکے پرہیزگار بن جائیں اور ابو السعود رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ﴿الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ﴾ سے گنہگار مسلمان مراد نہیں بلکہ کافروں کا گروہ مراد ہے جو حشر ونشر کو جائز اور ممکن سمجھتے تھے اور اس کے بارے میں متردد تھے البتہ وہ کافر جو قطعی طور پر حشر ونشر کے منکر تھے وہ مراد نہیں۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ

اور مت دور کر ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام چاہتے ہیں اس کی رضا ف۱ تجھ پر نہیں ہے

اور نہ ہانک ان کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام، چاہتے ہیں اس کا منہ۔ تجھ پر نہیں

حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ

ان کے حساب میں سے کچھ اور نہ تیرے حساب میں سے ان پر ہے کچھ کہ تو ان کو دور کرنے لگے پس ہوجاوے گا تو

ان کے حساب میں سے کچھ، اور نہ تیرے حساب میں سے ان پر ہے کچھ، کہ تو ان کو ہانک دے، پھر ہوئے

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ

بے انصافوں میں ف۲ اور اسی طرح ہم نے آزمایا ہے بعضے لوگوں کو بعضوں سے تاکہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے فضل کیا ہم سب میں

تو بے انصافوں میں۔ اور اسی طرح ہم نے آزمایا ہے ایک کو ایک سے کہ کہیں، کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے فضل کیا، ہم سب میں سے

بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ

کیا نہیں ہے اللہ خوب جاننے والا شکر کرنے والوں کو ف۳ اور جب آویں تیرے پاس ہماری آیتوں کے ماننے والے تو کہہ دے

کیا اللہ کو معلوم نہیں حق ماننے والے؟۔ اور جب آئیں تیرے پاس ہماری آیتیں ماننے والے، تو کہہ،

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ

تو سلام ہے تم پر لکھ لیا ہے تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو کہ جو کوئی کرے تم سے برائی ناواقفیت سے

سلام ہے تم پر، لکھی ہے تمہارے رب نے اپنے اوپر مہر کرنی، کہ جو کوئی کرے تم میں برائی نادانی سے،

ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ ع ۵ ۱۲

پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور نیک ہوجاوے تو بات یہ ہے کہ وہ ہے بخشنے والا مہربان اور اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتوں کو

پھر اس کے بعد توبہ کی اور سنوار پکڑی، تو یوں ہے کہ وہ ہے بخشنے والا مہربان۔ اور اسی طرح ہم بیان کرتے ہیں آیتیں

وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾

اور تاکہ کھل جاوے طریقہ گناہ گاروں کا ف۴

اور تو کھل جائے راہ گنہگاروں کی۔

ف۱ یعنی رات دن اسکی عبادت میں حسن نیت اور اخلاص کے ساتھ مشغول رہتے ہیں۔

ف۲ یعنی جب ان کا ظاہر حال یہ بتلا رہا ہے کہ شب و روز خدا کی عبادت اور رضاجوئی میں مشغول رہتے ہیں تو اسی کے مناسب ان سے معاملہ کیجئے ان کا باطنی حال کیا ہے یا آخری انجام کیا ہوگا، اسکی تفتیش و محاسبہ پر معاملات موقوف نہیں ہوسکتے۔ یہ حساب نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے ذمہ ہے نہ انکا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ لہذا اگر بالفرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم دولتمندوں کی ہدایت کی طمع میں ان غریب مخلصین کو اپنے پاس سے ہٹانے لگیں تو یہ بات بے انصافی کی ہوگی۔ موضح القرآن میں، =

حکم اعزاز واکرام درویشان اسلام بتقدیم سلام وتبشیر ایشاں برحمت خداوند نام

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ... الی... وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾

ربط:...... اوپر سے سلسلۂ کلام مشرکین کے بارہ میں آرہا ہے یہ آیت قریش کے بعض مغرور اور متکبر سرداروں کے بارہ میں نازل ہوئی ایک مرتبہ سرداران قریش نے آنحضرت ﷺ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ آپ ﷺ کی مجلس میں ہمیشہ فقیر اور غلام ہوتے ہیں جیسے بلال اور صہیب اور عمار اور مقداد اور ابن مسعود ؓ ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم آپ ﷺ کے پاس آکر بیٹھیں اور آپ ﷺ کی باتیں سنیں لیکن آپ ﷺ کے پاس رذیل لوگ بیٹھتے ہیں اور ہم اشراف قریش ہیں ہمارا ان کے ساتھ مل کر بیٹھنا ہمارے لیے عیب اور عار ہے اس لیے ہم جب آپ ﷺ کے پاس آیا کریں تو آپ ﷺ اپنی مجلس سے ان لوگوں کو اٹھا دیا کریں آنحضرت ﷺ کا خیال اس طرف ہوا کہ سرداران قریش کی یہ درخواست منظور کر لی جائے شاید اس بہانہ سے یہ لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں اور حضرت عمر ؓ نے بھی یہی مشورہ دیا کہ یارسول اللہ ﷺ ایسا کر کے دیکھیے تو سہی کہ سرداران قریش اس کے بعد کیا کرتے ہیں یعنی امتحاناً ان کی یہ درخواست منظور کر لی جائے (معاذ اللہ) اس سے درویشان اسلام اور فقراء مسلمین کی تحقیر مقصود نہ تھی بلکہ رؤساء قریش کی تالیف قلب بامید ہدایت مقصود تھی اور چونکہ خود صحابہ کو اس کا علم تھا اس لیے اس سے ان کی دل شکنی بھی نہ ہوئی یہ رائے ابھی خیال ہی کے درجہ میں تھی کہ عمل کی نوبت ہی نہیں آئی تھی کہ اس بارے میں یہ آیتیں نازل ہو گئیں اور اللہ کی طرف سے ممانعت آگئی کہ آپ ﷺ ہرگز ایسا نہ کریں۔ (تفسیر قرطبی: ۶/۴۳۱ و تفسیر کبیر: ۴/۵۰)

اور بذریعہ وحی آپ ﷺ کو بتلا دیا گیا کہ یہ تدبیر نافع نہیں اور حکم آگیا کہ آپ ﷺ ان متکبرین کی تبلیغ کی خاطر اپنی مجلس سے درویشان اسلام کو جدا نہ کیجئے بلکہ یہ درویش جب آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوں تو ان کو سلام کیجئے اور خدا تعالیٰ کی رحمت کی بشارت ان کو سنا دیجئے یہ لوگ اگرچہ غریب اور فقیر ہیں مگر حق کے طالب صادق ہیں ان کی خاطر داری اور تالیف قلوب رؤساء کفار کی تالیف پر ہزارہا درجہ مقدم ہے اس آیت سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ نیکوں اور بزرگوں کا احترام اور ان کی ایذاء رسانی اور تحقیر اور گرانی خاطر سے اجتناب غایت درجہ ضروری اور لازم ہے شیخ فریدالدین عطار فرماتے ہیں:

=ہے" کافروں میں بعض سرداروں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تمہاری بات سننے کو ہمارا دل چاہتا ہے لیکن تمہارے پاس بیٹھتے ہیں رذیل لوگ، ہم ان کے برابر نہیں بیٹھ سکتے اس پر یہ آیت اتری۔ یعنی خدا کے طالب اگرچہ غریب ہیں، ان ہی کی خاطر مقدم ہے"۔

ف۳ یعنی دولتمندوں کو غریبوں سے آزمایا ہے کہ ان کو ذلیل دیکھتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں کہ یہ کیا لائق ہیں اللہ ان کے دل دیکھتا ہے کہ اللہ کا حق مانتے ہیں۔

ف۴ پہلے فرمایا تھا کہ پیغمبر تبشیر وانذار کے لئے آتے ہیں، چنانچہ اس رکوع کے شروع میں وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الخ سے شان انذار کا استعمال تھا۔ اب مومنین کے حق میں شان تبشیر کا اظہار ہے یعنی مومنین کو کامل سلامتی اور رحمت ومغفرت کی بشارت سنا دیجئے تا کہ ان غریبوں کا دل بڑھے اور دولت مند متکبرین کے طعن وتشنیع اور تحقیر آمیز برتاؤ سے شکستہ خاطر نہ رہیں۔ اسی لئے ہم احکام وآیات تفصیل سے بیان کرتے ہیں نیز اس لئے کہ مومنین کے مقابلہ میں مجرمین کا طریقہ بھی واضح ہو جائے۔

(تنبیہ) یہ جو فرمایا کہ "جو کوئی کرے تم میں سے برائی ناواقفیت سے" اس سے شاید یہ غرض ہو کہ مومن جو برائی یا معصیت کرتا ہے خواہ نادانستہ ہو یا جان بوجھ کر، وہ فی الحقیقت اس برائی اور گناہ کے انجام بد سے ایک حد تک ناواقف اور بے خبری ہو کر کرتا ہے اگر گناہ کے تباہ کن نتائج کا پوری طرح اندازہ اور استحضار ہو تو کون شخص ہے جو اس اقدام کی جرأت کرے گا۔

حب درویشاں کلید جنت است دشمن ایشاں سزائے لعنت است

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ آپ ﷺ اپنی مجلس سے ان لوگوں کو علیحدہ اور دور نہ کیجئے جو صبح اور شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور صرف اس کی ذات پاک یعنی صرف اس کی رضامندی اور خوشنودی کے طلب گار ہیں یعنی یہ لوگ اللہ کے اس درجہ عاشق ہیں کہ سوائے رضاء مولی کوئی چیز بھی ان کے پیش نظر نہیں ان کی عبادت کسی دنیاوی اور اخروی نعمت کے لیے نہیں:

خلاف طریقت بود کاولیاء تمنا کنند از خدا جز خدا

یہ لوگ عشق خداوندی کے اس منزل میں پہنچ چکے ہیں کہ سوائے رضائے مولی کوئی چیز بھی ان کو مطلوب نہیں مطلب یہ ہے کہ یہ فقراء مسلمین اپنی عبادت میں مخلص ہیں اور اخلاص کا اقتضاء یہ ہے کہ مخلص کے اکرام اور احترام کو ہر حال میں ملحوظ رکھا جائے اور رؤساء قریش علاوہ ازیں کہ ان کو غریب اور مسکین ہونے کی وجہ سے حقیر سمجھتے تھے ان کے اخلاص اور ایمان پر طعن کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ یہ لوگ آپ ﷺ کے گرد کھانے پینے کی غرض سے جمع ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب کے لیے فرماتے ہیں نہیں ہے ان کے حساب سے آپ ﷺ پر کوئی ذمہ داری اور جواب دہی اور نہ آپ ﷺ کے حساب سے ان پر کوئی ذمہ داری اور جواب دہی ہے یعنی قیامت کے دن ان کے اعمال کی بابت آپ ﷺ سے باز پرس نہ ہوگی جب کہ وہ ظاہر میں متقی اور پرہیز گار ہیں تو آپ ﷺ پر ظاہر کے مطابق معاملہ کرنا ضروری ہے جب وہ ظاہر میں نیک ہیں تو آپ ﷺ بھی ان کو نیک ہی سمجھیے اور اگر ان کے دل میں کچھ کھوٹ ہوگا تو اس کا حساب لینے والا اللہ ہے جیسا کہ نوح علیہ السلام کا قول ہے ﴿اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ﴾ پس جب ان کے باطن کی تحقیق اور تفتیش آپ ﷺ کے ذمہ نہیں۔ سو اگر بالفرض آپ ﷺ ان سرداران قریش کی ہدایت اور ایمان کی طمع میں ان غریب مخلصوں کو اپنی مجلس سے ہٹانے لگیں تو ظالموں میں ہو جائیں گے یعنی نکالنا جب مناسب ہوتا کہ جب تجھ کو یہ خوف ہوتا کہ ان کی مجلس سے مجھ سے باز پرس ہوگی اور جب یہ خوف نہیں تو ایسے مخلصین کا اپنی مجلس سے ہٹانا بے انصافی ہے۔

ف ۱:..... آنحضرت ﷺ نے ان فقراء مومنین کا طرد نہیں فرمایا مگر چونکہ ایک دینی مصلحت کی بناء پر ان کی علیحدگی کا ارادہ فرمایا اس لیے اس کو مجاز أطرد سے تعبیر سے کر دیا گیا گویا کہ ایسے مخلصین کی علیحدگی کا خیال بمنزلہ نکال دینے کے ہے۔

ف ۲:..... آیت میں خطاب اگرچہ بظاہر آنحضرت ﷺ کو ہے مگر مقصود سنانا ان ظالموں کو ہے جو ان درویشان اسلام کو مجلس سے اٹھانا چاہتے تھے اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض سے آزمایا ہے کسی کو فقیر اور کسی کو امیر بنایا اور کسی کو تندرست اور کسی کو بیمار کیا ہمارا مقصود اس سے امتحان اور آزمائش ہے کسی کو دنیا کے معاملہ میں آگے اور آخرت کے معاملہ میں پیچھے کیا اور کسی کو اس کے برعکس تا کہ یہ مالدار اور رئیس لوگ یہ کہیں گے کیا یہی فقیر اور درویش لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہمارے درمیان سے انعام اور احسان کیا ان کو اسلام کی توفیق دی یعنی اسلام اگر خدا کا انعام ہوتا تو ان حقیر اور رذیل لوگوں پر کیوں ہوتا اس کے مستحق تو ہم تھے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اللہ ہم رئیسوں پر تو انعام نہ کرے اور ان فقیروں پر انعام کرے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ ان لوگوں کا گمان یہ تھا کہ ہم معزز لوگ ہیں اور ہماری دنیاوی خوشحالی اس بات کی علامت ہے کہ ہم اللہ کے محبوب اور مقبول بندے ہیں ان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ تو دل کو دیکھتا ہے اور اس بات کو کہ کون

اللہ کے حق کو مانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب تو یہ عطا فرمایا کہ دنیا کی امیری اور فقیری خدا کے نزدیک مقبول اور محبوب ہونے کی دلیل نہیں بلکہ یہ من جانب اللہ فتنہ اور آزمائش ہے ایک ضد کو دوسری ضد سے آزماتے ہیں امیروں کا فقیروں سے آزمانا اس طرح ہے کہ وہ ان کو نظر حقارت سے نہ دیکھیں اور فقیروں کا امیروں سے آزمانا اس طرح ہے کہ وہ ان کی دولت پر حسد نہ کریں آئندہ آیت میں ان متکبر اور مغرور اور معاند لوگوں کے اس بے ہودہ اعتراض کا ایک اور جواب ارشاد فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا انعام ان لوگوں پر ہوتا ہے جس اس کی نعمت کے قدردان اور شکر گزار ہوں نا قدروں اور ناشکروں پر انعام نہیں ہوتا چنانچہ فرماتے ہیں کیا اللہ اپنے شکر گزاروں کو خوب طرح جاننے والا نہیں یعنی خدا خوب جانتا ہے کہ کون دل سے اس کی نعمتوں کا قدردان اور شکر گزار ہے اور کون ناشکرا ہے اور نا قدرا ہے پس ان درویشوں نے اللہ کی نعمت ہدایات کی قدر کی اس لیے ان کو اسلام اور ہدایت کی توفیق سے نوازا اور تم جیسے متکبرین اور معاندین کو کیا دے جن کا شیوہ ناشکری ہے اور چونکہ یہ درویشان اسلام خدا کے مقبول اور محبوب ہیں اس لیے آپ ﷺ کو حکم دیا جاتا ہے کہ آپ ہرگز ہرگز ان کو اپنی مجلس سے اٹھانے کا خیال بھی نہ کریں بلکہ جب یہ مخلص لوگ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوں جو صدق دل سے ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ ﷺ ان سے یہ کہیے کہ سلامتی ہو تم پر گھبراؤ نہیں اللہ کی طرف سے تم پر سلامتی اور امن ہے تمہارے پروردگار نے اپنی ذات پر تمہارے لیے رحمت اور مہربانی کو لکھ لیا ہے یعنی لازم کر لیا ہے اور وہ رحمت اور مہربانی یہ ہے تحقیق تم میں سے جو شخص نادانی سے کوئی برا کام کر بیٹھے اور پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنی حالت کو درست کرے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

دردمندان گنہ را روز وشب — شربتے بہتر ز استغفار نیست
آرزو مندان وصل یار را — چارہ غیر از نالہا وزار نیست

اور اسی طرح ہم دلائل توحید کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں تا کہ مجرمین کی راہ خوب آشکارا اور ظاہر ہو جاوے کہ لوگ اس راہ پر چلنے سے اجتناب کریں مطلب یہ ہے کہ حق اور باطل کی راہ الگ الگ اور جدا اور ممتاز ہو جائے تا کہ چلنے والوں کو کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ

تو کہہ دے مجھ کو روکا گیا ہے اس سے کہ بندگی کروں ان کی جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا تو کہہ میں نہیں چلتا تمہاری خوشی پر بیشک اب تو

تو کہہ مجھ کو منع ہوا ہے کہ پوجوں جن کو پکارتے ہو اللہ کے سوا، تو کہہ، میں نہیں چلتا تمہاری خوشی پر، سو تو

ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا

میں بہک جاؤں گا اور نہ رہوں گا ہدایت پانے والوں میں ف۱ تو کہہ دے کہ مجھ کو شہادت پہنچی میرے رب کی اور تم نے اس کو جھٹلایا ف۲ میرے

میں بہک چکا، اور نہ ہوا راہ پانے والا۔ تو کہہ، مجھ کو شہادت پہنچی میرے رب کی، اور تم نے اس کو جھٹلایا، میرے

ف۱ گزشتہ آیت میں دو چیزیں بیان ہوئیں جو مومنین سے کہنے کے لائق ہیں۔ اس رکوع میں ان امور کا تذکرہ ہے جو مجرمین و مکذبین کے حق میں قابل =

عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ

پاس نہیں جس چیز کی تم جلدی کر رہے ہو ف۱ حکم کسی کا نہیں سوا اللہ کے بیان کرتا ہے حق بات اور وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے تو کہہ

پاس نہیں جس کی شتابی کرتے ہو، حکم کسی کا نہیں سوا اللہ کے، کھولتا ہے حق بات، اور وہ ہے بہتر چکانے والا۔ تو کہہ،

لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَيْنِیْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

اگر ہوتی میرے پاس وہ چیز جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو طے ہو چکا ہوتا جھگڑا درمیان میرے اور درمیان تمہارے ف۲ اور اللہ خوب جانتا ہے

اگر میرے پاس ہو جس کی شتابی کرتے ہو، تو فیصلہ ہو چکے کام، میرے تمہارے بیچ۔ اور اللہ کو خوب معلوم ہیں

بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ

ظالموں کو اور اسی کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی کہ ان کو کوئی نہیں جانتا اس کے سوا اور وہ جانتا ہے جو کچھ جنگل اور دریا میں ہے

بے انصاف۔ اور اسی کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی، ان کو کوئی نہیں جانتا اس کے سوا۔ اور وہ جانتا ہے جو جنگل اور دریا میں،

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ

اور نہیں جھڑتا کوئی پتا مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہیں گرتا کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی ہری چیز اور نہ کوئی سوکھی چیز

اور نہیں جھڑتا کوئی پات، جو وہ نہیں جانتا، اور نہ کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں، اور نہ ہرا نہ سوکھا،

اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

مگر وہ سب کتاب مبین میں ہے ف۳

جو نہیں کھلی کتاب میں۔

= خطاب ہیں۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ میرا ضمیر، میری فطرت، میری عقل، میرا نور شہود اور وحی الٰہی جو مجھ پر اترتی ہے، یہ سب مجھ کو اس سے روکتے ہیں کہ میں توحید کامل کے جادہ سے ذرا بھی قدم ہٹاؤں۔ خواہ تم کتنے ہی حیلے اور تدبیریں کرو میں کبھی تمہاری خوشی اور خواہش کی پیروی نہیں کر سکتا۔ بفرض محال اگر پیغمبر کسی معاملہ میں وحی الٰہی کو چھوڑ کر عوام کی خواہشات کا اتباع کرنے لگیں تو خدا نے جنہیں ہادی بنا کر بھیجا تھا معاذ اللہ وہی خود بہک گئے، پھر ہدایت کا ٹھکانا دنیا میں کہاں رہ سکتا ہے۔

ف۲ یعنی میرے پاس خدا کی صاف وصریح شہادت اور واضح دلائل پہنچ چکیں، جن کے قبول سے سر مو انحراف نہیں کر سکتا۔ تم اس کو جھٹلاتے ہو تو اس کا انجام سوچ لو۔

ف۱ یعنی عذاب الٰہی، کفار کہتے تھے، ﴿اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (اگر یہ حق ہے جس کی ہم تکذیب کر رہے ہیں تو آپ آسمان سے ہم پر پتھروں کی بارش کر دیجئے یا ہم پر اور کوئی سخت عذاب بھیج دیجئے)

ف۴ یعنی جس پر چاہے جب چاہے اور جس قسم کا چاہے عذاب بھیجے یا نہ بھیجے ویسے ہی توبہ کی توفیق مرحمت فرما دے، یہ سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ کسی کا حکم اور زور اس کے سوا نہیں چلتا۔ وہ دلائل و براہین کے ساتھ حق کو بیان کر دیتا ہے۔ پھر جو نہ مانیں ان کے متعلق بہترین فیصلہ کرنیوالا بھی وہی ہے۔ اگر ان کا فیصلہ کرنا یا سزا دینا میرے قبضہ اختیار میں ہوتا اور یہ نزول عذاب میں جلدی چاہنے والے مجھ سے عذاب کا مطالبہ کرتے تو اب تک کبھی کا جھگڑا ختم ہو چکا ہوتا۔ یہ تو خدا ہی کے علم محیط، حلم عظیم، حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کا پرتو ہے کہ بیشمار مصالح و حکم کی رعایت کرتے ہوئے باوجود پوری طرح جاننے اور قدرت رکھنے کے ظالموں پر فوراً عذاب نازل نہیں کرتا۔ آئندہ آیات میں اس کے علم محیط اور قدرت کاملہ کا ذکر ہے تاکہ ثابت ہو کہ تاخیر عذاب جہل یا عجز کی بناء پر نہیں۔

ف۳ یعنی لوح محفوظ میں ہے۔ لوح محفوظ میں جو چیز ہوگی وہ علم الٰہی میں پہلے ہوگی۔ اس اعتبار سے مضمون آیت کا حاصل یہ ہوا کہ عالم غیب و شہادت کی کوئی =

بت پرستی کی مذمت اور ممانعت اور خدا پرستی کی حقانیت اور دعوت

قال تعالیٰ: ﴿قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ... الی ... وَلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ﴾

ربط:...... ان آیتوں میں حق جل شانہ نے بت پرستی کی مذمت اور ممانعت ذکر فرمائی اور بعد ازاں خدا پرستی کی حقانیت اور اس کی دعوت کا ذکر فرمایا جو اوصاف معبود میں ہونے چاہیں وہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی میں نہیں خدا کے سوا نہ کوئی عالم الغیب ہے اور نہ کوئی قادر مطلق ہے اور نہ کوئی نفع اور ضرر کا مالک ہے پس جب یہ اوصاف خدا کے سوا کسی میں نہیں پائے جاتے تو پھر خدا کے سوا کسی اور کی پرستش کیوں کرتے ہو توحید ہی سیدھا راستہ ہے جس کی اسلام تم کو تعلیم دیتا ہے پس تم ایک ہی خدا کی عبادت اور بندگی کرو اور اسی سے ڈرو جس کی طرف تم سب مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے یہ سلسلہ کلام ﴿قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ﴾ سے شروع ہو کر ﴿وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ﴾ تک چلا گیا چنانچہ فرماتے ہیں آپ ﷺ ان لوگوں سے جو آپ ﷺ کو بت پرستی کی دعوت دیتے ہیں یہ کہہ دیجئے کہ مجھ کو ممانعت کی گئی کہ میں ان معبودوں کی پرستش کروں جن کو تم خدا کہہ کر پکارتے ہو حالانکہ تم اس کا اعتراف اور اقرار کرتے ہو کہ وہ اللہ سے کمتر ہیں اور جو کمتر ہے وہ خدا نہیں ہوسکتا اور نہ مستحق عبادت ہوسکتا ہے خدا تو وہ ہے جو سب بالا اور برتر ہو آپ ﷺ یہ بھی کہہ دیجئے کہ میں تمہاری خواہشوں کی پیروی نہیں کرتا یعنی میں نہ بتوں کی پرستش کروں گا اور نہ فقراء مسلمین کو اپنے پاس سے ہٹاؤں گا اگر میں ایسا کروں تو گمراہ ہو جاؤں اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہوں حالانکہ تو من جانب اللہ ہدایت دے کر بھیجا گیا ہوں میں کیسے گمراہی کے راستہ کو اختیار کرسکتا ہوں آپ کہہ دیجئے کہ تحقیق میں تو اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں کہ تمہارے بتوں کا عجز ظاہر ہے اور عاجز کی عبادت سراسر حماقت ہے اور تم نے اس روشن دلیل کو جھٹلایا جس میں شک اور تردد کی بھی گنجائش نہیں اور جو روشن دلائل میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں تو تم اس کے جواب سے تو عاجز ہو مذاق اڑانے کے لیے یہ کہتے ہو کہ اگر یہ حق ہے تو اس کی تکذیب پر فوراً عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا تو آپ ﷺ کہہ دیجئے میرے پاس وہ عذاب نہیں جس کی تم جلدی کرتے ہو یعنی عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں جب اللہ کو منظور ہوگا تم پر نازل کردے گا جیسا کہ پہلی امتوں پر نازل ہو چکا ہے حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ کے اللہ تعالیٰ حق کو دلائل اور براہین سے بیان کرتا ہے اور وہی سب

= خشک وتر اور چھوٹی بڑی چیز حق تعالیٰ کے علم ازلی محیط سے خارج نہیں ہوسکتی۔ بناء علیہ ان ظالموں کے ظاہری و باطنی احوال اور ان کی سزا دہی کے مناسب وقت و محل کا پورا پورا علم اسی کو ہے۔ (تنبیہ) "مفاتیح" کو جن علماء نے مفتح بفتح المیم کی جمع قرار دیا ہے انھوں نے "مفاتیح الغیب" کا ترجمہ "غیب کے خزانوں" سے کیا اور جن کے نزدیک مفتح بکسر المیم کی جمع ہے وہ "مفاتیح الغیب" کا ترجمہ مترجم رحمہ اللہ کے موافق کرتے ہیں، یعنی "غیب کی کنجیاں" مطلب یہ ہے کہ غیب کے خزانے اور ان کی کنجیاں صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی ان میں سے جس خزانہ کو جس وقت اور جس قدر چاہے کسی پر کھول سکتا ہے کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے حواس وعقل وغیرہ آلات ادراک کے ذریعہ سے علوم غیبیہ تک رسائی پاسکے یا جتنے غیوب اس پر منکشف کردیئے گئے ہیں ان میں از خود اضافہ کرلے کیونکہ علوم غیبیہ کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں نہیں دی گئیں۔ خواہ لاکھوں کروڑوں جزئیات واقعات غیبیہ پر کسی بندے کو مطلع کردیا گیا ہو۔ تاہم غیب کے اصول وکلیات کا علم جن کو "مفاتیح غیب" کہنا چاہئے حق تعالیٰ نے اپنے ہی لئے مخصوص رکھا ہے۔

فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے میرا اور تمہارا فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے جب چاہے گا فیصلہ کرے گا فیصلہ کی تاریخ مجھے معلوم نہیں آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ تحقیق اگر وہ عذاب جس کو تم جلدی مانگ رہے ہو میرے پاس ہوتا یعنی میرے اختیار میں ہوتا تو میں اب تک اس کو نازل کر چکا ہوتا اور میرے اور تمہارے درمیان میں جھگڑا ہی طے ہو چکا ہوتا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے کوئی اس کے علم اور قدرت سے باہر نہیں نکل سکتا سب اس کی نظر میں ہیں وہ علیم بھی ہے اور حلیم بھی ہے اور حکیم بھی ہے عذاب میں جلدی نہیں کرتا اور اس کی تاخیر حکمت سے خالی نہیں اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ کوئی ظالم اور کوئی مجرم اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں وہ سب کو خوب جانتا ہے اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے علم محیط اور قدرت کاملہ کا ذکر ہے تاکہ ثابت ہو جائے کہ عذاب میں تاخیر جہل یا عجز کی بناء پر نہیں بلکہ حلم عظیم اور حکمت بالغہ کی بناء پر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اللہ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں یا غیب کے خزانے جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور نہ کوئی جان سکتا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جو لفظ مفاتح آیا ہے اس میں علماء تفسیر کے دو قول ہیں۔ ۱۔ بعض علماء کے نزدیک مفاتح، مِفتح بکسر المیم کی جمع ہے جس کے معنی کنجی کے ہیں ان علماء نے مفاتح الغیب کا ترجمہ غیب کی کنجیوں سے کیا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جن کنجیوں سے غیب کا قفل کھلتا ہے وہ سب اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں یعنی وہی خدائے برحق عالم الغیب ہے اس کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں۔

۲۔ اور بعض علماء کے نزدیک مفاتح۔ مفتح بفتح المیم کی جمع ہے جس کے معنی خزانہ کے ہیں ان علماء نے مفاتح الغیب کا ترجمہ غیب کے خزانوں سے کیا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ غیب کے تمام خزانے صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اس کو اختیار ہے کہ اپنے خزانہ میں سے جس کو چاہے جتنا چاہے دے دے یا جتنا چاہیے اتنا بتلا دے کما قال تعالیٰ: ﴿وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ﴾۔

پہلے قول کی بناء پر خدا تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا اور اس کے احاطہ علمی کا بیان کرنا مقصود ہوگا اور دوسرے قول کی بناء پر خدا تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال تصرف اور کمال ملکیت کا بیان کرنا مقصود ہوگا کہ تمام ممکنات اس کے قبضہ قدرت اور دست تصرف میں ہیں جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے خلاصہ کلام یہ کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ علم غیب اور احاطہ علمی اور کمال قدرت اور کمال تصرف سب حق تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں۔

آئندہ آیت میں پھر اس کے احاطہ علمی کو بیان کرتے ہیں اور وہ جانتا ہے جو کچھ جنگل اور دریا میں ہے مطلب یہ کہ خشکی اور تری کی ہر چیز کی اس کو خبر ہے اور نہیں گرتا درخت سے کوئی پتا مگر وہ جانتا ہے اس کو یعنی خدا کو پتوں کی گنتی بھی معلوم ہے اور نہیں ہے کوئی دانہ زمین کی اندھیروں میں اور نہیں ہے کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر روشن کتاب یعنی لوح محفوظ میں ثبت ہے مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز اللہ کے علم سے باہر نہیں خواہ وہ کلی ہو یا جزئی فلاسفہ یونان کا ایک نادان گروہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم کلیات کا تو ہے مگر جزئیات کا علم نہیں اس آیت سے ان کا رد ہو گیا۔

منزل ۲

وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰی

اور وہی ہے کہ قبضہ میں لے لیتا ہے تم کو رات میں ف۱ اور جانتا ہے جو کچھ کہ تم کر چکے ہو دن میں ف۲ پھر تم کو اٹھا دیتا ہے اس میں تاکہ پورا ہو

اور وہی ہے تم کو بھر لیتا ہے رات کو، اور جانتا ہے جو کما چکے ہو دن کو، پھر تم کو اٹھاتا ہے اس میں، کہ پورا ہو

اَجَلٌ مُّسَمًّی ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٠﴾ ع ١٢

وہ وعدہ جو مقرر ہو چکا ہے ف۳ پھر اسی کی طرف تم کو لوٹائے جاؤ گے پھر خبر دے گا تم کو اس کی جو کچھ تم کرتے ہو ف۴

وعدہ جو تھا ٹھہرا دیا۔ پھر اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے، پھر جتا دیگا تم کو، جو کرتے ہو۔

دلائل کمال قدرت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ ... الی ... ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا بیان تھا اب اس آیت میں حق تعالیٰ کے کمال قدرت اور کمال تصرف کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹتے رہتے ہیں کبھی حیات سے موت کی طرف اور کبھی خواب سے بیداری کی طرف یہ تصرفات حق تعالیٰ کے کمال قدرت اور کمال تصرف پر دلالت کرتے ہیں اور خواب کے بعد بیداری یہ بعث بعد الموت کا نمونہ ہے جس سے قیامت کا امکان ثابت ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ اللہ وہ ہے کہ جو رات کو سلا کر تم کو پورا لے لیتا ہے تمہارے ہوش و حواس کو معطل کر دیتا ہے کہ مردے اور سوتے میں کوئی فرق نہیں رہتا اور خوب جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کمایا اور کسب کیا اور پھر وہ تم کو دن میں نیند سے اٹھاتا ہے تاکہ اس سونے اور جاگنے کے دوران عمر کی مدت مقررہ پوری کر دی جائے یعنی تمہارے دنیاوی عمر پوری ہو جائے پھر مرنے کے بعد تمہارا اسی کی طرف لوٹنا ہے پھر وہ تم کو جتائے گا جو کچھ تم دنیا میں کرتے تھے اور اس کے مناسب سزا دے گا خوب سمجھ لو کہ تمہارا سلانا اور جگانا یہ صحت بعث اور امکان قیامت کی واضح دلیل ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان ف۵ یہاں تک کہ جب آ پہنچے تم میں سے کسی کو موت تو

اور اسی کا حکم غالب ہے اپنے بندوں پر، اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان۔ یہاں تک کہ جب پہنچے تم میں کسی کو موت،

ف۱ یعنی شب میں سوتے وقت ظاہری احساس و شعور باقی نہیں رہتا اور آدمی اپنے گرد و پیش بلکہ اپنے جسم کے احوال تک سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے گویا اس وقت یہ قوتیں اس سے لے لی گئیں

ف۲ یعنی دن میں جو کچھ چلنا پھرنا نقل و حرکت اور کسب و اکتساب واقع ہوتا ہے وہ سب کامل تفصیل کے ساتھ خدا کے علم میں موجود ہے۔

ف۳ یعنی اگر وہ چاہتا تو تم سوتے کے سوتے رہ جاتے لیکن موت کا وعدہ پورا ہونے تک ہر نیند کے بعد تم کو بیدار کرتا رہتا ہے۔

ف۴ دن میں کاروبار کر کے رات کو سونا، پھر سو کر اٹھنا یہ روزمرہ کا سلسلہ ایک چھوٹا سا نمونہ ہے، دنیا کی زندگی پھر موت پھر دوبارہ زندہ کئے جانے کا۔ اسی لئے نیند اور بیداری کے تذکرہ کے ساتھ "مسئلہ معاد" پر متنبہ کر دیا گیا۔

ف۵ یعنی وہ فرشتے جو تمہاری اور تمہارے اعمال کی نگہداشت کرتے ہیں۔

تَوَفَّتۡهُ رُسُلُنَا وَهُمۡ لَا يُفَرِّطُونَ ۝٦١ ثُمَّ رُدُّوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ مَوۡلَىٰهُمُ ٱلۡحَقِّۚ أَلَا لَهُ ٱلۡحُكۡمُ

قبضہ میں لے لیتے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ف۱ اور وہ کوتاہی نہیں کرتے ف۲ پھر پہنچائے جاویں گے اللہ کی طرف جو مالک ان کا ہے سچا سن رکھو حکم اسی کا

اس کو بھر لیویں ہمارے بھیجے لوگ، اور وہ قصور نہیں کرتے۔ پھر پہنچائے جائیں گے اللہ کی طرف، جو مالک ان کا ہے۔ تحقیق سن رکھو حکم اسی کا ہے،

وَهُوَ أَسۡرَعُ ٱلۡحَٰسِبِينَ ۝٦٢ قُلۡ مَن يُنَجِّيكُم مِّن ظُلُمَٰتِ ٱلۡبَرِّ وَٱلۡبَحۡرِ تَدۡعُونَهُۥ تَضَرُّعٗا

ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ف۳ تو کہہ کون تم کو بچا لاتا ہے جنگل کے اندھیروں سے اور دریا کے اندھیروں سے اس وقت میں کہ پکارتے ہو تم اس کو گڑگڑا

اور وہ شتاب لیتا ہے حساب۔ تو کہہ، کون تم کو بچا لاتا ہے جنگل کے اندھیروں سے اور دریا کے، جس کو پکارتے ہو گڑگڑاتے

وَخُفۡيَةٗ لَّئِنۡ أَنجَىٰنَا مِنۡ هَٰذِهِۦ لَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلشَّٰكِرِينَ ۝٦٣ قُلِ ٱللَّهُ يُنَجِّيكُم مِّنۡهَا

کر اور چپکے سے کہ اگر ہم کو بچا لیوے اس بلا سے تو البتہ ہم ضرور احسان مانیں گے تو کہہ دے اللہ تم کو بچاتا ہے اس سے

اور چپکے، اور اگر ہم کو بچا لے اس بلا سے تو البتہ ہم احسان مانیں۔ تو کہہ، اللہ تم کو بچاتا ہے ان سے،

وَمِن كُلِّ كَرۡبٖ ثُمَّ أَنتُمۡ تُشۡرِكُونَ ۝٦٤ قُلۡ هُوَ ٱلۡقَادِرُ عَلَىٰٓ أَن يَبۡعَثَ عَلَيۡكُمۡ عَذَابٗا

اور ہر سختی سے پھر بھی تم شرک کرتے ہو ف۴ تو کہہ اسی کو قدرت ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب ف۵

اور ہر گھبراہٹ سے، پھر تم شریک ٹھہراتے ہو۔ تو کہہ، اسی کو قدرت ہے کہ بھیجے تم پر عذاب اوپر سے

مِّن فَوۡقِكُمۡ أَوۡ مِن تَحۡتِ أَرۡجُلِكُمۡ أَوۡ يَلۡبِسَكُمۡ شِيَعٗا وَيُذِيقَ بَعۡضَكُم بَأۡسَ

اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا بھڑا دے تم کو مختلف فرقے کر کے اور چکھا دے ایک کو لڑائی

یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے، یا ٹھہرائے تم کو کئی فرقے کر کر اور چکھائے ایک کو لڑائی

بَعۡضٍۗ ٱنظُرۡ كَيۡفَ نُصَرِّفُ ٱلۡأٓيَٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَفۡقَهُونَ ۝٦٥ وَكَذَّبَ بِهِۦ قَوۡمُكَ

ایک کی ف۶ دیکھ کس کس طرح سے ہم بیان کرتے ہیں آیتوں کو تاکہ وہ سمجھ جاویں ف۷ اور اس کو جھوٹ بتلایا تیری قوم نے

ایک کی۔ دیکھ! کس پھیر سے ہم کہتے ہیں باتیں شاید وہ سمجھیں۔ اور اس کو جھوٹ بتایا تیری قوم نے

ف۱ یعنی جو فرشتے روح قبض کرنے کیلئے بھیجے جاتے ہیں۔

ف۲ یعنی جس وقت اور جس طرح جان نکالنے کا حکم ہوتا ہے اس میں وہ کسی طرح کی رعایت یا کوتاہی نہیں کرتے۔

ف۳ یعنی ایک لحظہ میں آدمی کی عمر بھر کی بھلائی برائی واضح کر دے۔

ف۴ یعنی حق تعالیٰ باوجود علم محیط اور قدرت کاملہ کے جس کا بیان اوپر ہوا، تمہاری بداعمالیوں اور شرارتوں کی سزا فوراً نہیں دیتا۔ بلکہ جب مصائب و شدائد کی اندھیریوں میں پھنس کر تم اس کو عاجزی سے پکارتے ہو اور پختہ وعدے کرتے ہو کہ اس مصیبت سے نکلنے کے بعد کبھی شرارت نہ کریں گے اور ہمیشہ احسان کو یاد رکھیں گے، تو بسا اوقات تمہاری دستگیری کر کے ان مہالک اور ہر قسم کی سختیوں سے نجات دے دیتا ہے لیکن تم پھر بھی اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہتے اور مصیبت سے آزاد ہوتے ہی بغاوت شروع کر دیتے ہو۔

ف۵ یعنی خدا کے امہال و درگزر کو دیکھ کر مامون اور بے فکر نہ ہونا چاہئے۔ جس طرح وہ شدائد و مصائب سے نجات دے سکتا ہے۔ اسے یہ بھی قدرت ہے کہ کسی قسم=

وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ؕ۶۶ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۶۷

حالانکہ وہ حق ہے تو کہہ دے کہ میں نہیں تم پر داروغہ ہر ایک خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور قریب ہے کہ اس کو جان لو گے ف۱

اور یہ تحقیق ہے۔ تو کہہ، میں نہیں تم پر داروغہ۔ ہر چیز کا ایک وقت ٹھہر رہا ہے اور آگے جان لو گے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ

اور جب تو دیکھے ان لوگوں کو کہ جھگڑتے ہیں ہماری آیتوں میں تو ان سے کنارہ کر یہاں تک کہ مشغول ہو جاویں کسی اور

اور جب تو دیکھے وہ لوگ کہ بکتے ہیں ہماری آیتوں میں، تو ان سے کنارہ کر، جب تک کہ بکنے لگیں اور کسی بات

غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶۸

بات میں اور اگر بھلا دے تجھ کو شیطان تو مت بیٹھ یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ ف۲

میں۔ اور کبھی بھلا دے تجھ کو شیطان، تو نہ بیٹھ بعد نصیحت کے، بے انصاف قوم کیساتھ۔

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۶۹ وَذَرِ

اور پرہیزگاروں پر نہیں ہے جھگڑنے والوں کے حساب میں سے کوئی چیز لیکن ان کے ذمہ نصیحت کرنی ہے تاکہ وہ ڈریں ف۳ اور چھوڑ دے

اور پرہیزگاروں پر نہیں کچھ ان کا حساب، لیکن نصیحت کرنی ہے، شاید وہ ڈریں۔ اور چھوڑ دے

= کا عذاب تم پر مسلط کر دے۔

ف۶ اس میں عذاب کی تین قسمیں بیان فرمائیں: ۱- جو اوپر سے آئے، جیسے پتھر برسنا یا طوفانی ہوا اور بارش۔ ۲- جو پاؤں کے نیچے سے آئے، جیسے زلزلہ یا سیلاب وغیرہ یہ دونوں خارجی اور بیرونی عذاب ہیں۔ جو اگلی قوموں پر مسلط کئے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اس امت کو اس قسم کے عام عذاب سے محفوظ کر دیا گیا ہے یعنی اس قسم کا عام عذاب جو گزشتہ اقوام کی طرح اس امت کا استیصال کر دے نازل نہ ہوگا۔ جزئی اور خصوصی واقعات اگر پیش آئیں تو اس کی نفی نہیں۔ ہاں تیسری قسم عذاب کی جسے اندرونی اور داخلی عذاب کہنا چاہیے اس امت کے حق میں باقی رہی ہے اور وہ پارٹی بندی، باہمی جنگ و جدل اور آپس کی خونریزی کا عذاب ہے۔ موضح القرآن میں ہے کہ قرآن شریف میں اکثر کافروں کو عذاب کا وعدہ دیا۔ یہاں کھول دیا کہ عذاب وہ بھی ہے جو اگلی امتوں پر آیا آسمان سے یا زمین سے اور یہ بھی ہے کہ آدمیوں کو آپس میں لڑا دے اور انکو قتل یا قید یا ذلیل کرے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھ لیا کہ اس امت پر یہی عذاب ہوگا، اکثر "عذاب الیم" اور "عذاب مهین" اور "عذاب شدید" اور "عذاب عظیم" ان ہی باتوں کو فرمایا ہے آخرت کا عذاب بھی ہے ان پر جو کافر ہی مرے۔

ف۷ یعنی قرآن کو یا عذاب کے آنے کو۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ سب جھوٹی دھمکیاں ہیں، عذاب وغیرہ کچھ نہیں آتا۔

ف۱ یعنی میرا یہ منصب نہیں کہ تمہاری تکذیب پر وہ عذاب نازل کر دوں یا اس کے وقت اور نوعیت وغیرہ کی تفصیل بتلاؤں میرا کام صرف باخبر اور متنبہ کر دینا ہے۔ آگے ہر چیز کے وقوع کا علم الٰہی میں ایک وقت مقرر ہے۔ جب وقت آ جائے گا تم خود جان لو گے کہ میں جس چیز سے ڈراتا تھا وہ کہاں تک سچ ہے۔

ف۲ یعنی جو لوگ آیات اللہ پر طعن و استہزاء اور ناحق کی نکتہ چینی میں مشغول ہو کر اپنے کو مستحق عذاب بنا رہے ہیں تم ان سے خلط ملط نہ رکھو کہیں تم بھی ان کے زمرے میں داخل ہو کر مورد عذاب نہ بن جاؤ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ایک مومن کی غیرت کا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ ایسی مجلس سے بیزار ہو کر کنارہ کرے اور کبھی بھول کر شریک ہو گیا تو یاد آنے کے بعد فوراً وہاں سے اٹھ جائے اس میں اپنی عاقبت کی درستی، دین کی سلامتی اور طعن و استہزاء کرنے والوں کے لئے عملی نصیحت اور تنبیہ ہے۔

ف۳ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں یعنی اگر پرہیزگار لوگ جھگڑنے اور طعن کرنے والوں کی مجلس سے اٹھ کر چلے آئے تو طاعنین کے گمراہی میں پڑے رہنے کا کوئی مواخذہ اور ضرر ان متقین پر عائد نہیں ہو سکتا۔ ہاں ان کے ذمے بقدر استطاعت اور حسب موقع نصیحت کرتے رہنا ہے۔ شاید وہ بدبخت نصیحت سن کر اپنے انجام =

الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ

ان کو جنہوں نے بنا رکھا ہے اپنے دین کو کھیل اور تماشا ف۱ اور دھوکا دیا ان کو دنیا کی زندگانی نے ف۲ اور نصیحت کر ان کو قرآن سے تاکہ گرفتار نہ ہو جاوے

جنہوں نے ٹھہرایا اپنا دین کھیل اور تماشا اور بہکے دنیا کی زندگی پر، اور اس سے نصیحت دے ان کو، کہ گرفتار نہ ہو جائے

نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ

کوئی اپنے کئے میں کہ نہ ہو اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ سفارش کرنے والا اور اگر بدلے میں دے سارے بدلے

کوئی اپنے کئے میں، کہ نہیں اس کو اللہ کے سوا حمایتی نہ سفارش والا، اور اگر بدلہ دے سارے بدلے،

لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ

تو قبول نہ ہوں اس سے ف۳ وہی لوگ ہیں جو گرفتار ہوئے اپنے کئے میں ان کو پینا ہے گرم پانی اور عذاب ہے

قبول نہ ہوں اس سے، وہی ہیں جو گرفتار ہوئے اپنے کئے میں۔ ان کو پینا ہے گرم پانی، اور مار ہے

اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع ۸ ۱۴

دردناک بدلے میں کفر کے ف۴

دکھ والی، بدلہ کفر کرنے کا۔

نوع دیگر از دلائل کمال قدرت وکمال حکمت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً... الی... بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ﴾

گزشتہ آیات کی طرح ان آیات میں دوسرے طرح سے اپنی کمال قدرت اور کمال حکمت کے دلائل اور حساب و کتاب اور حشر ونشر کا حق ہونا بیان فرماتے ہیں اور وہی اللہ قاہر اور غالب ہے اپنے بندوں پر یعنی خدا سب پر غالب اور زبردست ہے اور تمام بندے اس کی قدرت اور مشیت کے نیچے مقہور اور مجبور ہیں اور وہ رفعت شان بلندی رتبہ میں سب سے بالا اور برتر ہے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں فوقیت سے باعتبار مکان اور جہت کے فوقیت مراد نہیں کیونکہ اللہ

= سے ڈر جائیں یا یہ مطلب ہے کہ پرہیزگار اور محتاط لوگوں کو اگر کسی واقعی معتد بہ دینی یا دنیاوی ضرورت سے ایسی مجلس میں جانے کا اتفاق ہو جائے تو ان کے حق میں طاعنین کے گناہ اور باز پرس کا کوئی اثر نہیں پہنچتا۔ ہاں ان کے ذمہ بشرت قدرت نصیحت کر دینا ہے۔ ممکن ہے کسی وقت ان پر بھی نصیحت کا اثر پڑ جائے۔

ف۱ یعنی اپنے اس دین کو جس کا قبول کرنا اس کے ذمہ فرض تھا اور وہ مذہب اسلام ہے۔

ف۲ دنیا کی لذتوں میں مست ہو کر عاقبت کو بھلا بیٹھے۔

ف۳ یعنی ایسے لوگوں کو جو تکذیب واستہزاء کی کرتوت میں پکڑے گئے ہوں نہ کوئی حمایتی ملے گا جو مدد کر کے زبردستی عذاب الٰہی سے چھڑا لے اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا جو سعی اور سفارش سے کام نکال دے اور نہ کسی قسم کا فدیہ اور معاوضہ قبول کیا جائے گا اگر بالفرض ایک مجرم دنیا بھر کے معاوضے دے کر چھوٹنا چاہے تو نہ چھوٹ سکے گا۔

ف۴ گزشتہ آیت میں خاص اس مجلس سے کنارہ کشی کا حکم تھا جہاں آیات اللہ کے متعلق طعن واستہزاء اور ناحق کے جھگڑے کئے جا رہے ہوں اس آیت میں ایسے لوگوں کی عام مجالست وصحبت ترک کر دینے کا ارشاد ہے مگر ساتھ ہی حکم ہے کہ ان کو نصیحت کر دیا کرو تاکہ وہ اپنے کئے کے انجام سے آگاہ ہو جائیں۔

مکان اور جہت سے پاک اور منزہ ہے بلکہ قہر اور غلبہ اور قدرت کے اعتبار سے فوقیت مراد ہے۔ (تفسیر کبیر: ۵۹/۴)

اور اس کے قہر اور غلبہ اور فوقیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ تم پر نگہبان فرشتے بھیجتا ہے کہ جو تمام زندگی تمہارے اعمال کو لکھتے ہیں اور تمہاری جان کی حفاظت اور نگہبانی کرتے ہیں پس اسی طرح تمام عمر تم اس قاہر غالب کی نگرانی میں رہتے ہو یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں اور وہ فرشتے قبض روح میں کوتاہی نہیں کرتے یعنی جس کام پر وہ متعین ہیں اس کو بخوبی انجام دیتے ہیں جس وقت اور جس طرح قبض روح کا حکم ہوتا ہے اسی طرح اس کو بجالاتے ہیں قبض روح میں فرشتے رشوت نہیں لیتے پھر مرنے کے بعد یہ سب بندے اپنے مولائے برحق کی طرف لوٹا دیے جائیں گے تحقیق سن رکھو حکم اسی کا ہے اس کے سوا کسی اور کا حکم اور فیصلہ نہیں چلتا اور وہ سب حساب لینے والوں سے جلد حساب لینے والا ہے طرفۃ العین میں تمام مخلوقات کا حساب لے لے گا اور ایک لحظہ میں ساری عمر کی بھلائی اور برائی واضح کر دے گا باوجود بے شمار مخلوقات کے ایک کا حساب دوسرے کے حساب سے مانع نہ ہوگا جس طرح وہ تمام عالم کو بلا غلطی کے بیک وقت رزق دینے پر قادر ہے اسی طرح وہ قیامت کے دن تمام عالم کا بیک وقت حساب کرنے پر بھی قادر ہوگا اور یہ اس کے کمال قدرت اور کمال قہر کی دلیل ہے۔

ف:...... جاننا چاہیے کہ فرشتے تین قسم کے ہیں ایک قسم تو وہ ہے کہ جو انسان کی مضرتوں سے حفاظت کے لیے مقرر کیے گئے کما قال تعالیٰ: ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ دوسری قسم وہ ہے کہ وہ فرشتے انسان کے اعمال کی حفاظت اور کتابت کے لیے مقرر کیے گئے ہیں کما قال تعالیٰ: ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ﴾ تیسری قسم وہ فرشتے ہیں کہ جو انسان کی جان نکالنے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں اور اس قسم کے فرشتوں کے سردار حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں اس لیے آیات میں توفی اور موت کی اسناد کبھی ملک الموت کی طرف ہوتی ہے اور کبھی دیگر ملائکہ کی طرف ہوتی ہے جو ملک الموت کے اعوان اور مددگار ہیں اور کبھی باری تعالیٰ کی طرف اسناد ہوتی ہے کہ اصل حکم اللہ ہی کا ہے بغیر اس کے حکم کے کسی کو موت نہیں آتی آپ ان لوگوں سے جو خدا تعالیٰ کی حفاظت اور نگرانی اور قہر کے منکر ہیں یہ کہیے کہ بتلاؤ کہ وہ کون ذات ہے جو تم کو جنگل اور سمندر کی تاریکیوں یعنی پریشانیوں اور حیرانیوں سے اس حالت میں نجات دیتا ہے کہ تم اس کو گڑگڑاتے اور آہستہ پکارتے ہو یعنی ایسے وقت میں تم صرف اللہ ہی کو پکارتے ہو اور بتوں کو بھول جاتے ہیں تو پھر بے فائدہ ان کو کیوں پوجتے ہو اور اس وقت تم خدا سے یہ وعدہ کرتے ہو کہ اے اللہ اگر تو نے ہم کو ان مصیبتوں کے تاریکیوں سے نکال دیا تو ہم ضرور بالضرور تیرے شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ان تاریکیوں سے اور ہر غم سے نجات دیتا ہے پھر بھی تم شرک کرنے لگتے ہو یعنی نجات پانے کے بعد اپنے وعدے پر قائم نہیں رہتے اور مصیبت سے رہائی کے بعد بدستور اسی کفر و شرک کی طرف لوٹ جاتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ تم خدا کے اس مہلت دینے سے بے فکر نہ ہو جاؤ جس طرح وہ شدتوں اور مصیبتوں سے نجات دے سکتا ہے اس طرح وہ تم کو پہلے کی طرح دوبارہ بھی مبتلا کر سکتا ہے کیونکہ وہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ اوپر کی جانب سے یعنی آسمان کی جانب سے تم پر کوئی عذاب بھیج دے جیسے پتھر برسانا ہوا اور بارش کا طوفان آ جانا

یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے تم پر کوئی عذاب بھیج دے جیسے زلزلہ اور خسف اور غرق مانند فرعون اور قارون کے یا تم کو کسی داخلی اور اندرونی عذاب میں مبتلا کردے وہ یہ کہ تم کو گروہ گروہ بنا کر آپس میں بھڑا دے اور ایک دوسرے کی لڑائی مزہ چکھا دے یعنی باہمی خود غرضیوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ تم کو باہمی جنگ وجدال اور پارٹی بندی کے عذاب میں مبتلا کردے اس امت کو پہلی قسم کے عذابوں سے محفوظ کردیا گیا یعنی اس امت پر اس قسم کا کوئی عذاب نازل نہ ہوگا جیسا کہ پہلی امتوں پر نازل ہوا البتہ یہ امت تیسری قسم کے عذاب میں مبتلا ہوگی جیسے اندرونی اور داخلی عذاب کہنا چاہیے وہ باہمی پارٹی بندی اور آپس کی جنگ وجدال کا عذاب ہے جب خود غرضی آتی ہے تو پھوٹ پڑ جاتی ہے اور آپس کا ائتلاف مبدل باختلاف ہوجاتا ہے جو داخلی عذاب ہے اے نبی ﷺ آپ ﷺ دیکھیے تو سہی کہ ہم کس طرح بار بار اپنی نشانیوں اور دلیلوں کو بیان کرتے ہیں شاید یہ لوگ سمجھ جائیں اور حق کی طرف رجوع کریں لیکن یہ ایسے ناداں ہیں کہ کس طرح ان کو سمجھ میں نہیں آتا بلکہ آپ ﷺ کی قوم نے تو اس قرآن کو جھٹلایا حالانکہ وہ بالکل برحق ہے اس کے حق اور کلام الٰہی ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں یا یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ کی قوم نے آنے والے عذاب کو جھٹلایا اور یہ کہا کہ یہ سب جھوٹی دھمکیاں ہیں عذاب وغیرہ کچھ نہیں آئے گا حالانکہ اس عذاب کا آنا جس کی خبر دی گئی ہے وہ حق اور صدق ہے وہ عذاب اپنے وقت پر ضرور آئے گا آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ حق تو واضح ہوچکا ہے میں تم پر نگہبان اور داروغہ نہیں ہوں یعنی حق کا منوانا اور نہ ماننے والوں پر عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں میں تو صرف اللہ کا پیغام پہنچانے والا ہوں حق کا دل میں اتارنا یا نہ ماننے پر سزا دینا یہ اللہ کے اختیار میں ہے ہر خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم اس خبر کی صداقت کو جان لوگے جب وہ خبر تمہارے سامنے آئے گی اس وقت تمہیں اس خبر کی سچائی معلوم ہوجائے گی اور خود جان لوگے جس عذاب سے تم کو قرآن میں ڈرایا گیا تھا وہ کہ ان تک حق اور صدق تھا۔

اور اے نبی ﷺ جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں میں بکواس کرتے ہیں یعنی ان کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں اور ان میں عیب نکالتے ہی تو آپ ﷺ ایسے لوگوں سے کنارہ کش ہوجائیے یہاں تک کہ وہ اس طعن واستہزاء کو چھوڑ کر دوسری بات میں لگ جائیں مشرکین عرب اپنی مجالس میں بیٹھ کر قرآن کا استہزاء کیا کرتے تھے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے وقت میں ان سے کنارہ کرو اور ان کے پاس نہ بیٹھا کرو تاکہ تم ان کے زمرہ میں داخل ہو کر ان کی طرح مستحق عذاب نہ بن جاؤ کما قال تعالیٰ: ﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ اس آیت میں خطاب نبی اکرم ﷺ کو ہے مگر مراد سب مسلمان ہیں کیونکہ سب مسلمان نبی ﷺ کے تابع ہیں اور اگر شیطان تجھ کو بھلا دے یعنی اس مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت تجھے یاد نہ رہے اور بھولے سے ان کی مجلس میں بیٹھ جائے تو یاد آنے کے بعد ان ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھ یعنی اگر بھولے سے بیٹھ گیا تو یاد آنے کے بعد فوراً اٹھ کھڑا ہو اور جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں اور آیات اللہ پر طعن اور استہزاء اور نکتہ چینی کو برا جانتے ہیں اور ایسی مجالس میں شریک سے حتی الوسع بچتے ہیں تو ایسے لوگوں پر ان مشرکین کے طعن اور استہزاء کے حساب میں سے کوئی مواخذہ اور دارو گیر نہیں یعنی مسلمانوں سے ان کے اعمال قبیحہ کا کوئی مواخذہ نہیں وہ جانیں اور ان کا کام لیکن مسلمانوں کے ذمہ بشرط قدرت اور بقدر ضرورت نصیحت کرنا اور ان کو سمجھانا فرض ہے شاید وہ تمہاری نصیحت کرنے سے ان باتوں سے باز

آ جائیں اور عجب نہیں کہ تمہارا ان کی مجلس سے اٹھ کھڑا ہونا اور ان کے اس فعل قبیح پر اپنی ناگواری کا اظہار کسی وقت ان کی ہدایت کا سبب بن جائے اور وہ اس ناشائستہ حرکت پر نادم ہو کر تائب ہو جائیں۔

ان آیات میں حق جل شانہ نے مسلمانوں کو کافروں کی خاص اس مجلس سے کنارہ کشی کا حکم دیا جہاں آیات اللہ پر طعن اور استہزاء کیا جاتا ہو اب آئندہ آیت میں ایسے لوگوں کی عالم مجالست اور مصاحبت میں مجلس استہزاء اور تکذیب کی تخصیص نہیں بلکہ غیرت ایمانی کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنالیا اور دنیا کی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال دیا اور دنیا کے نشہ میں مست ہو کر یہ سمجھ بیٹھے کہ جو کچھ ہے وہ یہی دنیا ہے ایسے لوگوں کو چھوڑ دو اور ان سے قطع تعلق کر دو جسے اپنے انجام اور مرنے کے بعد کی فکر نہ ہو وہ بے عقلی ہے اور اس قرآن کے ذریعہ ان کو آخرت کا بھولا ہوا سبق یاد دلایئے تاکہ کوئی نفس اپنی بداعمالی کی وجہ سے گرفتار مصیبت نہ ہو جائے یعنی نصیحت سے فائدہ یہ ہے کہ شاید یہ لوگ اپنے برے اعمال کو ترک کر دیں اور دوزخ میں جانے سے بچ جائیں اس لیے کہ قیامت کے دن اس نفس کے لیے سوائے اللہ کے کوئی مددگار نہیں اور نہ کوئی سفارشی ہے اور اگر کوئی نفس اس دن اپنی خلاصی کے لیے ہر قسم کا بدلہ بھی دیوے تو وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا غرض یہ کہ کسی صورت میں پیچھا نہیں چھوٹے گا کیونکہ یہی لوگ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے گرفتار عذاب ہوئے ہیں اپنے برے اعمال کی بناء پر ان کے پینے کو سخت کھولتا ہوا پانی ہے اور دردناک عذاب ہے اس لیے کہ وہ کفر کرتے تھے اور آخرت کے اور اس کے عذاب کے منکر تھے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا

تو کہہ دے کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا ان کو جو نہ نفع پہنچا سکیں ہم کو اور نہ نقصان اور کیا پھر جاویں ہم الٹے پاؤں اس کے بعد کہ اللہ سیدھی راہ دکھا چکا

تو کہہ کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا، جو نہ بھلا کرے ہمارا نہ برا، اور پھر جائیں الٹے پاؤں، جب اللہ ہم کو راہ

اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى

ہم کو مثل اس شخص کے کہ راستہ بھلا دیا ہو اس کو جنوں نے جنگل میں جب کہ وہ حیران ہے اس کے رفیق بلاتے ہیں اس کو راستہ کی طرف کہ

دے چکا، جیسے ایک شخص کو بھلا دیا جنوں نے، جنگل میں بھٹکتا، اس کے رفیق پکارتے ہیں راہ کی طرف، کہ

ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا

چلا آ ہمارے پاس ف۱ تو کہہ دے کہ اللہ نے جو راہ بتلائی وہی سیدھی راہ ہے ف۲ اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ تابع رہیں پروردگار عالم کے اور یہ کہ قائم رکھو

آ ہمارے پاس۔ تو کہہ اللہ نے راہ بتائی، سو وہی راہ ہے۔ اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ تابع رہیں جہان کے صاحب کے۔ اور یہ کہ کھڑی رکھو

ف۱ یعنی مسلمانوں کی شان یہ ہے کہ گمراہوں کو نصیحت کر کے سیدھی راہ پر لائے اور جو خدا سے بھاگ کر غیر اللہ کی چوکھٹ پر سر رکھے ہوئے ہیں ان کو خدائے واحد کے سامنے سربسجود کرنے کی فکر کرے۔ اس سے یہ توقع رکھنا فضول ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی ایسی ہستی کے آگے سر جھکائے گا جس کے قبضے میں نہ نفع ہے نہ نقصان۔ یا اہل باطل کی صحبت میں رہ کر توحید و ایمان کی صاف سڑک چھوڑ دے گا اور شرک کی بھول بھلیوں کی طرف الٹے پاؤں پھرے گا۔ اگر معاذ اللہ ایسا ہو تو اس کی مثال اس مسافر کی سی ہوگی جو اپنے راہ جاننے والے رفقاء کے ساتھ جنگل میں سفر کر رہا تھا کہ ناگاہ غول بیابانی (خبیث جنات) نے اسے بہکا کر راستے سے الگ کر دیا وہ چاروں طرف بھٹکتا پھرتا ہے اور اس کے رفقاء از راہ خیر خواہی اسے آوازیں دے رہے ہیں کہ ادھر آ ذرا راستہ اس طرف ہے مگر وہ حیران و مخبوط و =

الصَّلٰوۃَ وَاتَّقُوْہُ ؕ وَھُوَ الَّذِیْٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ۝۷۲ وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

نماز کو اور ڈرتے رہو اللہ سے اور وہی ہے جس کے سامنے تم سب اکٹھے ہو گے اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو

نماز اور اس سے ڈرتے رہو۔ اور وہی ہے جس پاس اکٹھے ہو گے۔ وہی ہے جس نے ٹھیک بنائے آسمان و زمین۔

بِالْحَقِّ ؕ وَیَوْمَ یَقُوْلُ کُنْ فَیَکُوْنُ ۬ؕ قَوْلُہُ الْحَقُّ ؕ وَلَہُ الْمُلْکُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ؕ

ٹھیک طور پر اور جس دن کہے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گا ف۱ اس کی بات سچی ہے اور اسی کی سلطنت ہے جس دن پھونکا جائے گا صور ف۲

اور جس دن کہے گا ہو تو ہو جائے گا۔ اس کی بات سچ ہے۔ اسی کو سلطنت ہے جس دن پھونکا جائے صور۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ؕ وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝۷۳

جاننے والا چھپی اور کھلی باتوں کا اور وہی ہے حکمت والا جاننے والا ف۳

چھپا اور کھلا جاننے والا، اور وہی تدبیر والا خبردار۔

ابطال شرک اثبات توحید وحشر

قَالَ تَعَالٰی: ﴿قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا ... الی ... وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ﴾

ربط: ...... اوپر سے توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال چلا آ رہا ہے اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ جو دین اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں ان کو اتنی عقل نہیں کہ قابل مضحکہ یہ امر ہے کہ ایسی ذات کو معبود بنا لیا جائے کہ جو کسی قسم کے نفع اور نقصان کی مالک نہ ہو ہنسی کے قابل تو یہ بات ہے کہ یہ بت پرست ہیں جو جہالتوں اور ضلالتوں میں حیران اور سرگرداں ہیں چنانچہ فرماتے ہیں آپ ﷺ ان مشرکوں سے یہ کہہ دیجئے کہ کیا ہم اللہ کے سوا کسی ایسی چیز کو اپنی حاجت روائی کے لیے پکاریں جو نہ ہم کو کچھ نفع ہی پہنچا سکے اور نہ ہم کو کچھ نقصان ہی پہنچا سکے یعنی کیا ہم تمہارے کہنے سے بتوں کو پوجنے لگیں جو محض عاجز ہیں اور کسی کو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان اور کیا بعد اس کے کہ اللہ نے ہم کو راہ راست پر لگا دیا ہے ہم اپنی ایڑیوں پر کفر کی طرف الٹے پاؤں لوٹ جائیں جب کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو کفر سے نکال کر سیدھے راستے کی طرف چلا دیا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ

= الغرض ہو کر نہ کچھ سمجھتا ہے اور نہ ادھر آتا ہے اسی طرح سمجھ لو کہ مسافر آخرت کے لئے سیدھی راہ اسلام و توحید کی ہے اور جن کی رفاقت اور معیت میں یہ سفر طے ہوتا ہے وہ پیغمبر اور اس کے متبعین ہیں۔ جب یہ بدبخت شیاطین و مضلین کے پنجے میں پھنس کر صحرائے ضلالت میں بھٹکتا پھرتا ہے اس کے ہادی اور رفقاء از راہ ہمدردی جادہ حق کی طرف بلا رہے ہیں مگر یہ نہ کچھ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے۔ تو اے گروہ اشرار کیا تمہاری یہ غرض ہے کہ ہم اپنی ایسی مثالیں بنالیں۔ یہ آیت ان مشرکین کے جواب میں اتری ہے جنہوں نے مسلمانوں سے ترک اسلام کی درخواست کی تھی۔

ف۲ ہم سے یہ امید مت رکھو کہ اسے چھوڑ کر ہم شیطان کی بتلائی ہوئی راہوں پر چلیں گے۔

ف۱ یعنی حشر ہو جا۔

ف۲ یعنی اس روز ظاہری اور مجازی طور پر بھی خدا کے سوا کسی کی سلطنت نہ رہے گی۔ ﴿لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ ؕ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ﴾۔

ف۳ جو خدا یہ صفات رکھتا ہے جن کا ذکر ان دو تین آیات میں ہوا، وہ ہی اسی لائق ہے کہ ہم اس کے تابع فرمان ہوں، اس کے سامنے انتہائی عبودیت اختیار کریں اور ہر آن اس سے ڈرتے رہیں۔ اسی کا ہم کو حکم ہوا ہے جس سے ہم کسی حال منہ نہیں موڑ سکتے۔

ہم اس صحیح راستہ کو چھوڑ کر پھر اسی گمراہی کے راستہ کی طرف الٹے پیر لوٹ جائیں جس پر پہلے چل رہے تھے لہٰذا تمہاری یہ توقع کہ ہم کفر اختیار کرلیں بالکل فضول ہے ہم سے ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا اور اگر معاذ اللہ ایسا ہوجائے کہ ہم توحید کی صاف اور سیدھی شاہراہ کو چھوڑ کر شرک کی راہ اختیار کرلیں تو ہماری مثال اس شخص کی سی ہوگی جس کو جنات نے جنگل میں لے جا کر سراسیمہ اور حیران اور پریشان کرکے ڈال دیا ہو اور بھٹکتا پھرتا ہو جیسے یہ خبر نہیں کہ جانا کہاں ہے اس کے کچھ رفیق راہ راست پر ہیں جو اس کو سیدھی راہ پر بلاتے ہیں کہ ہمارے پاس آ۔ یہ خدا تعالیٰ نے ان کافروں کی مثال بیان کی ہے جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہیں اور مسلمان ان کو راہ راست کی طرف بلاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مشرک کی مثال اس مسافر کی طرح ہے جس کو جنات اور چڑیلوں نے جنگل میں راہ راست سے بہکا کر اس کے رفیقوں سے جدا کردیا اور وہ چاروں طرف بھٹکتا پھرے اور اسکے رفقاء ازراہ خیرخواہی اسے آواز دیں کہ ادھر آجا سیدھا راستہ اس طرف ہے مگر وہ حیران اور مخبوط الحواس ہے عالم حیرانی میں ہے کچھ نہیں سمجھتا کہ کدھر جائے اور کس کا کہا مانے ایسی حالت میں اگر اس نے چڑیلوں کا کہنا مانا تو سیدھا راستہ اس کو کبھی نہ ملے گا اور مرجائے گا اور اگر اس نے اپنے رفیقوں کا کہنا مانا تو اس مہلک بیاباں سے نجات پا جائے گا اور راہ راست پر آجائے گا اسی طرح سمجھ لو کہ مسافر آخرت کی سیدھی راہ توحید اور اسلام کی راہ ہے اور یہ سفر نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین کی رفاقت اور معیت میں طے ہوسکتا ہے جو ان کی آواز پر کان دھرے گا وہ منزل مقصود کو پہنچے گا جو شیاطین الانس والجن کی آواز پر چلے گا تو وہ صحرائے ضلالت اور بیابان حیرت میں بھٹکتا پھرے گا حتی کہ ہلاک ہوجائے گا آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت وہی ہے حقیقی ہدایت ہے یعنی ہدایت صرف دین اسلام ہے اور شرک اور بت پرستی گمراہی کی راہ ہے اور ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تمام جہانوں کے پروردگار کے مطیع اور فرماں بردار رہیں اور اسی کی عبادت کریں اور ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ نماز قائم رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور وہ وہی ذات ہے کہ جس کی طرف تم سب جمع کیے جاؤ گے اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو تدبیر محکم کے ساتھ پیدا کیا اور جس دن وہ قیامت اور حشر کو کہے گا کہ ہوجا سو فوراً وہ حشر اور قیامت ہوجائے گی اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ہر کام ہے جب خدا کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو "کن" کہہ دیتا ہے اتنے کہنے ہی سے وہ کام فوراً ہوجاتا ہے اسی طرح جب وہ قیامت کو کہے گا کہ ہوجا وہ ہوجائے گی اسی کی بات حق ہے اور اسی کی سلطنت اور بادشاہی ہوگی جس دن صور پھونکا جائے گا یعنی اس دن سوائے اس کے کوئی ظاہری اور مجازی بادشاہ بھی نہ ہوگا جتنے بادشاہ دنیا میں ہوئے ہیں ان کا عجز ظاہر ہوجائے گا اور سب کو معلوم ہوجائے گا کہ درحقیقت بادشاہت خدا ہی کے لیے ہے اور اس کے سوا سلطنت کے جس قدر بھی دعوے تھے وہ سب جھوٹے تھے کما قال تعالیٰ: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا﴾۔

صور کے متعلق جمہور کا قول یہ ہے کہ وہ ایک سینگ ہے جس میں قیامت کے دن اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے پھونک مارتے ہی تمام خلقت فنا ہوجائے گی پھر دوسری مرتبہ صور پھونکیں گے تو سب زندہ ہوجائیں گے اور یہی بات احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر از: ۲/۱۴۶-۱۴۹۔ دیکھیں۔ جس میں نفخ صور اور

حساب وکتاب کا مفصل بیان ہے۔ نیز دیکھو تفسیر قرطبی: ۷/۲۰۔

وہی جاننے والا ہے پنہاں اور آشکارا یعنی چھپے اور کھلے کا اور وہی ہے حکمت والا خبردار ہر ایک کو اس کے عمل مطابق جزا دے گا پس جس ذات کی یہ شان ہو کہ وہ خالق سماوات وارض ہو اور عالم الغیب والشہادۃ اور حکیم وخبیر ہو اس کی عبادت اور بندگی کو چھوڑ کر شرک کی راہ کیسے اختیار کی جاسکتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ

اور یاد کر جب کہا ابراہیم نے ف۱ اپنے باپ آزر کو ف۲ تو کیا مانتا ہے بتوں کو خدا میں دیکھتا ہوں کہ تو اور تیری قوم صریح

اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر کو، تو کیا پکڑتا ہے مورتوں کو خدا ؟ میں دیکھتا ہوں، تو اور تیری قوم صریح بہکے

مُّبِيْنٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ

گمراہ ہیں ف۳ اور اسی طرح ہم دکھانے لگے ابراہیم کو عجائبات آسمانوں اور زمین کے اور تاکہ اس کو

ہوئے اور اسی طرح ہم دکھانے لگے ابراہیم کو سلطنت آسمان و زمین کی، اور تا اس کو

الْمُوْقِنِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ

یقین آجاوے ف۴ پھر جب اندھیرا کرلیا اس پر رات نے دیکھا اس نے ایک ستارہ بولا یہ ہے رب میرا پھر جب وہ غائب ہوگیا تو بولا

یقین آوے۔ پھر جب اندھیری آئی اس پر رات، دیکھا ایک تارا۔ بولا یہ ہے رب میرا، پھر جب وہ غائب ہوا، بولا مجھ کو

ف۱ گزشتہ آیات میں جو توحید کا اثبات، شرک کی نفی اور مسلمانوں کے ارتداد سے مایوس کیا گیا تھا۔ یہاں موحد اعظم حضرت ابراہیم کے واقعہ سے اسی کی تاکید مقصود ہے اور ضمناً مسلمانوں کو یہ بھی سمجھانا ہے کہ مکذبین ومعاندین کو کس طرح نصیحت وفرمائش کی جائے۔ کس طرح ان سے علیحدگی اور بیزاری کا اظہار ہونا چاہیے اور کس طرح ایک مومن قانت کو خدا پر اور صرف خدا پر بھروسہ رکھنا' اسی سے ڈرنا اور اسی کا تابع فرمان ہونا چاہیے۔

ف۲ علمائے انساب نے حضرت ابراہیم کے باپ کا نام "تارخ" رکھا ہے ممکن ہے "تارخ" نام اور "آزر" لقب ہو ابن کثیر نے مجاہد وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ "آزر" بت کا نام تھا۔ شاید اس بت کی خدمت میں زیادہ رہنے سے خود ان کا لقب آزر پڑ گیا ہو۔ واللہ اعلم

ف۳ اس سے زیادہ صریح وصاف گمراہی کیا ہوگی کہ اکرم المخلوقات "انسان" اپنے ہاتھ سے تراشے پتھروں کو خدائی کا درجہ دے کر ان کے سامنے سربسجود ہو جائے اور انہی سے مرادیں مانگنے لگے۔

ف۴ یعنی جس طرح بت پرستی کی شناعت وقبح ہم نے ابراہیم پر ظاہر کر کے اس کی قوم کو قائل کیا اسی طرح علویات وسفلیات کے نہایت محکم اور عجیب وغریب نظام ترکیبی کی گہرائیوں پر بھی اس کو مطلع کر دیا تا کہ اسے دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے وجود ووحدانیت وغیرہ پر اور تمام مخلوقات سماوی وارضی کے محکومانہ عجز وبے چارگی پر استدلال اور اپنی قوم کے عقیدے کواکب پرستی وہیاکل سازی کو علیٰ وجہ البصیرت رد کر سکے اور خود بھی حق الیقین کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہو بلاشبہ عالم کا یہ اکمل واحکم اور بہترین نظم ونسق ہی ایسی چیز ہے جسے دیکھ کر بالبداہت اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس عظیم الشان مشین کا بنانے اور چلانے والا اس کے پرزوں کو نہایت مضبوط ترتیب وسلیقہ سے جوڑنے والا اور ہزاروں لاکھوں برس سے ایک ہی انداز پر اس کی حفاظت کرنے والا بڑا زبردست حکیم وقدیر صانع ہے جس کے حکیمانہ تصرف اور نفوذ واقتدار سے مشین کا کوئی چھوٹا بڑا پرزہ باہر نہیں جاسکتا۔ یہ کام یونہی بخت واتفاق یا بے شعور طبیعت یا اندھے بہرے مادہ سے نہیں ہوسکتا۔ یورپ کا مشہور ومعروف حکیم نیوٹن کہتا ہے کہ کواکب کی حرکات حالیہ ممکن نہیں کہ محض عام قوت جاذبہ کے فعل کا نتیجہ ہوں یہ قوت جاذبہ تو کواکب کو شمس کی طرف دھکیلتی ہے۔ اس لئے کواکب کو سورج کے گرد حرکت دینے والا ضروری ہے کہ خدائی ہاتھ ہو۔ جو باوجود قوت جاذبہ کی عام کشش کے ان کو اپنے مدارت پر قائم رکھ سکے۔ کوئی سبب طبعی ایسا نہیں بتلایا جاسکتا جس نے تمام کواکب کو کھلی فضا میں جکڑ بند کر دیا ہے کہ وہ سب سورج کے گرد چکر لگاتے وقت ہمیشہ معین مدارت پر اور ایک =

أُحِبُّ الْأٰفِلِينَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ

میں پسند نہیں کرتا غائب ہو جانے والوں کو ف۱ پھر جب دیکھا چاند چمکتا ہوا بولا یہ ہے رب میرا پھر جب غائب ہو گیا بولا اگر نہ ہدایت کرے گا مجھ کو

خوش نہیں آتے چھپ جانے والے۔ پھر جب دیکھا چاند چمکتا، بولا یہ ہے رب میرا۔ پھر جب وہ غائب ہوا، بولا اگر نہ راہ دے مجھ کو

رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ

رب میرا تو بیشک میں رہوں گا گمراہ لوگوں میں ف۲ پھر جب دیکھا سورج جھلکتا ہوا بولا یہ ہے رب میرا

رب میرا، تو بے شک میں رہوں بھٹکتے لوگوں میں۔ پھر جب دیکھا سورج جھلکتا، بولا یہ ہے میرا رب، یہ رب

اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ

سب سے بڑا ہے ف۳ پھر جب غائب ہو گیا بولا اے میری قوم میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو ف۴ میں نے متوجہ کر لیا اپنے منہ کو اسی کی طرف جس نے

سب سے بڑا۔ پھر جب وہ غائب ہوا، بولا، اے قوم! میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو۔ میں نے اپنا منہ کیا اسی کی طرف جس نے

فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ

بنائے آسمان اور زمین سب سے یکسو ہو کر اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والا ف۵ اور اس سے جھگڑا کیا اس کی قوم نے بولا

بنائے آسمان و زمین، ایک طرف کا ہو کر، اور میں نہیں شریک کرنے والا۔ اور اس سے جھگڑی اس کی قوم۔ بولا

= خاص جہت ہی میں حرکت کریں جس میں کبھی تخلف نہ ہو۔ پھر کواکب کی حرکات اور درجات سرعت میں ان کی اور سورج کی درمیانی مسافت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو دقیق تناسب اور عمیق توازن قائم رکھا گیا ہے کوئی سبب طبعی نہیں جس سے ہم ان منظم و محفوظ نوامیس کو وابستہ کر سکیں۔ ناچار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا نظام کسی ایسے زبردست حکیم و علیم کے ماتحت ہے جو ان تمام اجرام سماویہ کے مواد اور ان کی کمیات سے پورا پورا واقف ہے وہ جانتا ہے کہ کس مادہ کی کس قدر مقدار سے کتنی قوت جاذبہ صادر ہوگی۔ اسی نے اپنے زبردست اندازے سے کواکب اور شمس کے درمیان مختلف مسافتیں اور حرکت کے مختلف مدارج مقرر کئے ہیں کہ ایک کا دوسرے سے تصادم و تزاحم نہ ہو اور عالم ٹکرا کر تباہ نہ ہو جائے۔ ہر چھوٹا بڑا سیارہ نہایت مضبوط نظام کے ماتحت معین وقت پر طلوع و غروب ہوتا ہے جب کوئی سیارہ غروب ہو کر دنیا کو اپنے اس فیض و تاثیر سے محروم کر دے جو طلوع کے وقت حاصل تھا تو نہ اس ستارہ کی اور نہ کسی مخلوق کی قدرت میں ہے کہ ایک منٹ کے لئے اسے واپس لے آئے یا غروب سے روک دے یہ رب العالمین ہی کی شان ہے کہ کسی وقت بھی کسی قسم کے افاضہ سے عاجز نہیں ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ﴾ ﴿لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ یہ علویات کا حال ہے تو سفلیات کا اسی سے اندازہ کر لو یہی تکوینی عجائب اور ملکوت السمٰوات والارض ہیں جن کے دیکھنے سے ابراہیم علیہ السلام کی زبان پر ﴿لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ﴾ اور ﴿اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ بے ساختہ جاری ہو گیا جو اگلی آیات میں مذکور ہے کما تدل علی الفاء فی قول تعالیٰ ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ﴾۔

ف۱ کہ انہیں اپنا رب بنالوں۔ کیا ایک مجبور قیدی اور بیکاری کو شہنشاہی کے تخت پر بٹھلانا کوئی پسند کر سکتا ہے باقی ابراہیم علیہ السلام کا ھٰذا ربی کہنا یا تو استفہام انکاری کے لہجے میں ہے یعنی کیا یہ ہے رب میرا اور یا بطریق تہکم و تبکیت ہے۔ یعنی یہ ہے رب میرا تمہارے عقیدہ اور گمان کے موافق جیسے موسیٰ نے فرمایا ﴿وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا﴾ ای فی زعمک اس کے سوا مفسرین کے اور اقوال بھی ہیں۔ مگر ہمارے خیال میں یہی راجح ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ چاند چونکہ بہت حسین اور چمکدار سیارہ ہے اگر خدا دستگیری نہ فرمائے تو بیشک انسان اس کی چمک دمک پر مفتون ہو کر رہ جائے۔

ف۳ یعنی نظام فلکی میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ فیض رساں سیارہ ہے شائد عالم مادی کی کوئی چیز اس کے بلا واسطہ یا بالواسطہ فیض تاثر سے مستغنی ہو۔ =

أَتُحَاجُّوٓنِّي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۚ وَلَآ أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهٖٓ إِلَّآ أَنْ يَّشَآءَ رَبِّي شَيْـًٔا ۗ

کیا تم مجھ سے جھگڑا کرتے ہو اللہ کے ایک ہونے میں اور وہ مجھ کو سمجھا چکا ف۱ اور میں ڈرتا نہیں ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو اس کے مگر میرا

تم مجھ سے جھگڑتے ہو اللہ پر؟ اور وہ مجھ کو سوجھا چکا۔ اور میں ڈرتا نہیں ان سے جن کو شریک ٹھہراتے ہو اس کا، مگر کہ میرا رب کچھ چاہے۔

وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۗ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٨٠﴾ وَكَيْفَ أَخَافُ مَآ أَشْرَكْتُمْ وَلَا

رب ہی کوئی تکلیف پہنچانی چاہے احاطہ کر لیا ہے میرے رب کے علم نے سب چیزوں کا کیا تم نہیں سوچتے ف۲ اور میں کیونکر ڈروں تمہارے شریکوں سے اور تم نہیں

سمائی ہے میرے رب کے علم میں سب چیز کو۔ کیا تم دھیان نہیں کرتے؟ اور میں کیوں کر ڈروں تمہارے شریکوں سے؟ اور تم نہیں

تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۚ فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ

ڈرتے اس بات سے کہ شریک کرتے ہو اللہ کا ان کو جس کی نہیں اتاری اس نے تم پر کوئی دلیل ف۳ اب دونوں فرقوں میں کون مستحق ہے

ڈرتے کہ شریک ٹھہراتے ہو اللہ کے ساتھ، جس پر نہیں اتاری اس نے تم کو کچھ سند۔ اب دونوں فرقوں میں کس کو چاہئے

بِالْأَمْنِ ۚ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨١﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوٓا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولٰٓئِكَ

دلجمعی کا بولو اگر تم سمجھ رکھتے ہو جو لوگ یقین لے آئے اور نہیں ملا دیا انہوں نے اپنے یقین میں کوئی نقصان انہی کے واسطے ہے

خاطر جمع، کہو اگر سمجھ رکھتے ہو۔ جو لوگ یقین لائے اور ملائی نہیں اپنے یقین میں کچھ تقصیر انہی کو ہے

لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُونَ ﴿٨٢﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ آتَيْنٰهَآ إِبْرٰهِيمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۚ نَرْفَعُ ع ۱۲ ۱۵

دلجمعی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر ف۴ اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے دی تھی ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں درجے بلند

خاطر جمع، اور وہی ہیں راہ پائے۔ اور یہ ہماری دلیل ہے، کہ ہم نے ہدی ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابل۔

= ف۴ یہ تو سب خدا کے مزدور ہیں جو وقت معین پر آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں ایک منٹ کی تقدیم و تاخیر پر قادر نہیں پھر ان کو خدائی کے حقوق میں شریک کرنا کس قدر گستاخی اور قابل نفرت فعل ہے۔

ف۵ یعنی ساری مخلوق سے یکسو ہو کر صرف خالق جل وعلیٰ کا دروازہ پکڑ لیا ہے جس کے قبضہ اقتدار میں سب علویات و سفلیات ہیں۔

ف۱ یعنی جس کو خدا سمجھا چکا اور ملکوت السمٰوٰت والارض کی علیٰ وجہ البصیرت سیر کرا چکا کیا اس سے یہ امید رکھتے ہو کہ وہ تمہارے جھگڑنے اور بیہودہ جدل و بحث کرنے سے بہک جائے گا۔ کبھی نہیں۔

ف۲ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کہتی تھی کہ تم جو ہمارے معبودوں کی توہین کرتے ہو۔ ڈرتے رہو کہیں اسکے وبال میں تم معاذ اللہ مجنون اور پاگل نہ بن جاؤ یا کسی اور مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ۔ اس کا جواب دیا کہ میں ان سے کیا ڈروں گا جن کے ہاتھ میں نفع و نقصان اور تکلیف و راحت کچھ بھی نہیں۔ ہاں میرا پروردگار کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو اس سے دنیا میں کون مستثنیٰ ہے وہ ہی اپنے علم محیط سے جانتا ہے کہ کس شخص کو کن حالات میں رکھنا مناسب ہوگا۔

ف۳ یعنی میں تمہارے معبودوں سے کیوں ڈروں حالانکہ نہ ان کے قبضہ میں نفع و ضرر ہے اور نہ توحید کو اختیار کرنا کوئی جرم ہے۔ جس سے اندیشہ ہو ہاں تم خدا کے باغی اور مجرم بھی ہو اور خدا مالک نفع و ضرر بھی ہے لہٰذا تم کو اپنے جرائم کی سزا سے ڈرنا چاہیے

ف۴ احادیث صحیحہ میں منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ظلم کی تفسیر شرک سے فرمائی جیسا کہ سورہ لقمان میں ہے ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ گویا ظلم کی تنوین تعظیم کے لئے ہوئی تو حاصل مضمون یہ ہوگا کہ مامون و مہتدی صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو یقین لائے اس طرح کہ اس میں شرک کی ملاوٹ بالکل نہ ہو۔ اگر خدا پر یقین رکھنے کے باوجود شرک کو نہ چھوڑا تو وہ نہ ایمان شرعی ہے نہ اس کے ذریعہ سے امن و ہدایت نصیب ہو سکتی ہے۔ وَهٰذَا كَمَا قَالَ۔

دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا

کرتے ہیں ہم جس کے چاہیں تیرا رب حکمت والا ہے جاننے والا ف۱ اور بخشا ہم نے ابراہیم کو اسحاق کو اور یعقوب سب کو

درجے بلند کرتے ہیں ہم جس کو چاہیں۔ تیرا رب تدبیر والا ہے خبردار۔ اور اس کو بخشا ہم نے اسحٰق اور یعقوب۔ سب کو

هَدَیْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ وَاَیُّوْبَ وَیُوْسُفَ

ہم نے ہدایت دی ف۲ اور نوح کو ہدایت کی ہم نے ان سب سے پہلے ف۳ اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان کو اور ایوب اور یوسف کو

ہدایت دی۔ اور نوح کو ہدایت دی ان سب سے پہلے، اور اس کی اولاد میں داؤد اور سلیمان کو، اور ایوب اور یوسف کو،

وَمُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِیَّا وَیَحْیٰی وَعِیْسٰی وَاِلْیَاسَ ؕ

اور موسیٰ اور ہارون کو ف۴ اور ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں نیک کام والوں کو اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو

اور موسیٰ اور ہارون کو۔ اور ہم یوں بدلہ دیتے ہیں، نیک کام والوں کو۔ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو۔

كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَیُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی

سب ہیں نیک بختوں میں اور اسماعیل کو اور الیسع کو اور یونس کو اور لوط کو اور سب کو ہم نے بزرگی دی سارے جہان والوں پر ف۵ اور ہدایت کی ہم نے

سب ہیں نیک بختوں میں۔ اور اسماعیل اور الیسع کو، اور یونس کو اور لوط کو، اور سب کو ہم نے بزرگی دی

-﴿وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ چونکہ ایمان شرک کا جمع ہونا بظاہر مستبعد تھا اس لئے مترجم محقق قدس سرہ نے بغرض تسہیل و تفہیم ایمان کا ترجمہ یقین سے اور ظلم کا نقصان سے کیا جو لغت عرب کے عین مطابق ہے۔ کما قولہ تعالیٰ ﴿وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَیْئًا﴾ اور اس نقصان سے مراد شرک ہی لیا جائے گا جیسا کہ احادیث میں تصریح ہو چکی اور خود نظم کلام میں لفظ لبس اس کا قرینہ ہے اس کی مفصل تحقیق خود مترجم (رح) مقدمہ میں فرما چکے ہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔

ف۱ یعنی ابراہیم علیہ السلام کو ایسی دلائل قاہرہ دیکر ان کی قوم پر غالب فرمانا اور دنیا و آخرت میں سربلند کرنا اسی علیم و حکیم کا کام ہو سکتا ہے جو ہر شخص کی استعداد و قابلیت کو جانتا ہے اور اپنی حکمت سے ہر چیز کو اس کے مناسب موقع و مقام پر رکھتا ہے۔

ف۲ یعنی نہ صرف یہ کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ذاتی علم و فضل سے سرفراز کیا بلکہ بڑھاپے میں اسحاق علیہ السلام جیسا بیٹا اور یعقوب علیہ السلام جیسا پوتا عطا فرمایا۔ یعقوب علیہ السلام وہی اسرائیل ہیں جن کی طرف دنیا کی ایک عظیم الشان قوم بنی اسرائیل منسوب ہے جن میں سے ہزاروں نبی اٹھائے گئے بلکہ جیسا کہ قرآن میں دوسری جگہ مذکور ہے، ابراہیم علیہ السلام کے بعد حق تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے ان ہی کی نسل میں نبوت اور پیغمبری رکھ دی۔

ف۳ پہلے ابراہیم علیہ السلام کے بعض فروع کا ذکر تھا اب بعض اصول کو ذکر فرمایا۔ کیونکہ نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں اور جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت کتاب کا انحصار صرف ان کی ذریت میں کر دیا گیا تھا۔ اسی طرح نوح علیہ السلام کے بعد نوع انسانی کا انحصار نوح کی نسل میں ہو گیا گویا طوفان کے بعد وہ دنیا کے لئے آدم ثانی ہوئے ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِیْنَ﴾۔

ف۴ ظاہری ملک و سلطنت کے اعتبار سے انبیاء میں داؤد اور سلیمان ہم رنگ ہیں مصائب و شدائد پر صبر کرنے کے لحاظ سے ایوب علیہ السلام و یوسف علیہ السلام میں خاص مشابہت ہے۔ باقی موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے قریبی تعلقات کی نسبت تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ خود حضرت موسیٰ نے ہارون کو بطور اپنے وزیر کے حق تعالیٰ سے طلب کیا تھا۔ مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے ان میں سے ہر دو ناموں کے بعد لفظ "کو" لا کر شاید اسی قسم کے لطائف پر متنبہ فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

ف۵ یعنی اپنے اپنے زمانہ کے جہان والوں پر۔

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَیْنٰهُمْ وَهَدَیْنٰهُمْ اِلٰی

بعضوں کو ان کے باپ دادوں میں سے اور ان کی اولاد میں سے اور بھائیوں میں سے اور ان کو ہم نے پسند کیا اور

سارے جہان والوں پر۔ اور بعضوں کو ان کے باپ دادوں میں اور اولاد میں اور بھائیوں میں۔ اور ان کو ہم نے پسند کیا، اور

صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَی اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَلَوْ اَشْرَكُوْا

سیدھی راہ چلایا یہ اللہ کی ہدایت ہے اس پر چلاتا ہے جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے ف۱ اور اگر یہ لوگ شرک کرتے

راہ سیدھی چلایا۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے، اس پر راہ دے جس کو چاہے اپنے بندوں میں، اور اگر وہ شریک

لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ

تو البتہ ضائع ہوجاتا جو کچھ انہوں نے کیا تھا ف۲ یہی لوگ تھے جن کو دی ہم نے کتاب اور شریعت اور نبوت

کرتے، البتہ ضائع ہوتا جو کچھ کیا تھا۔ وہ لوگ تھے، جن کو دی ہم نے کتاب اور شریعت اور نبوت۔

فَاِنْ یَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّیْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِیْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ

پھر اگر ان باتوں کو نہ مانیں مکہ والے تو ہم نے ان باتوں کے لئے مقرر کردیے ہیں ایسے لوگ جو ان سے منکر نہیں ف۳ یہ وہ لوگ تھے جن کو

پھر اگر ان باتوں کو نہ مانیں یہ لوگ تو ہم نے ان پر مقرر کئے ہیں وہ شخص کہ وہ نہیں ان سے منکر۔ وہ لوگ تھے جن کو

هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۚ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰی

ہدایت کی اللہ نے سو تو چل ان کے طریقہ پر ف۴ تو کہہ دے کہ میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ مزدوری یہ تو محض نصیحت ہے

ہدایت دی اللہ نے، سو تو چل ان کی راہ، تو کہہ، میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ مزدوری۔ یہ محض نصیحت ہے

ف۱ یعنی خالص توحید اور معرفت و اطاعت خداوندی کا راستہ یہی وہ ہے۔ جس پر حق تعالیٰ اپنے فضل و توفیق سے مقبول بندوں کو چلاتا ہے پھر اس کے صلہ میں حسب استعداد درجات بلند کرتا ہے۔

ف۲ یہ ہم کو سنایا گیا کہ شرک انسان کے تمام اعمال کو حبط کر دیتا ہے اور کسی کی تو حقیقت کیا ہے اگر بفرض محال انبیاء و مقربین سے معاذ اللہ ایسی حرکت سرزد ہو تو سارا کیا دھرا اکارت ہو جائے۔

ف۳ اگر مکہ کے کافر یا دوسرے منکرین ان باتوں (کتاب، شریعت اور نبوت) سے انکار کریں تو خدا کا دین ان پر موقوف نہیں۔ ہم نے دوسری قوم یعنی مہاجرین اور انصار اور ان کے اتباع کو ان چیزوں کی تسلیم و قبول اور حفاظت و ترویج کے لئے مسلط فرما دیا ہے۔ جو ہماری کسی بات سے بھی منہ موڑنے والے نہیں۔

ف۴ تمام انبیاء عقائد، اصول دین اور مقاصد کلیہ میں متحد ہیں۔ سب کا دستور اساسی ایک ہے ہر نبی کو اس پر چلنے کا حکم ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طریق مستقیم پر چلتے رہنے کے مامور ہیں۔ گویا اس آیت میں متنبہ کر دیا کہ اصولی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ انبیائے سابقین کے راستے سے جدا نہیں۔ رہا فروع کا اختلاف وہ ہر زمانہ کی مناسبت و استعداد کے اعتبار سے پہلے بھی واقع ہوتا رہا ہے اور اب بھی واقع ہو تو مضائقہ نہیں۔

فائدہ: علمائے اصول نے اس آیت کے عموم سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاملہ میں شرائع سابقہ کا ذکر فرمائیں تو اس امت کے حق میں بھی سند ہے بشرطیکہ شارع نے اس پر کلی یا جزوی طور پر انکار نہ فرمایا ہو۔

ع ۸ ۱۲

لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾

جہان کے لوگوں کو ۔ ف ا

جہان کے لوگوں کو۔

ابراہیم علیہ السلام کا بت پرستوں اور ستارہ پرستوں سے مناظرہ

قال تعالیٰ: ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً... الی... إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ﴾

ربط:...... ابتداء سورت سے اثبات توحید اور ابطال شرک کا سلسلہ چلا آرہا ہے اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں جو مشرکین اور اہل کتاب سب کے نزدیک مسلم بزرگ تھے اس لیے ان کا مناظرہ ذکر کیا تاکہ سب پر حجت ہو جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرستی کے ساتھ کواکب پرست یعنی ستارہ پرست بھی تھی ان کا عقیدہ یہ تھا کہ موت اور حیات، سعادت اور نحوست فتح و ظفر اور شکست اور ہزیمت یہ تمام تغیرات عالم تاثیر کواکب کا نتیجہ ہیں اس لیے ان کی خوشنودی کے لیے ان کی پرستش ضروری ہے غرض یہ کہ کوئی بتوں اور مورتوں کو پوجتا تھا اور کوئی ستاروں کو اپنا رب ٹھہرائے ہوئے تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے اس عقیدہ فاسدہ کی تردید کی اور جس طرح ان کے سفلی معبودوں کی تردید کی اسی طرح ان کے علوی معبودوں کا بھی رد فرمایا سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی پرستش کو باطل کیا اور یہ بتلایا کہ بتوں کی عبادت سراسر گمراہی اور جہالت ہے جن بتوں اور مورتیوں کو تم نے خود تراشا ہے وہ کیسے معبود ہو سکتے ہیں کما قال تعالی: ﴿أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾ اور باپ کو بھی توحید کی دعوت دی کما قال تعالی: ﴿يٰٓأَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا﴾۔

اس کے بعد ستاروں کی خدائی کو باطل کیا اور یہ بتلایا کہ جس طرح تمہاری خود تراشیدہ مورتیں قابل پرستش نہیں اسی طرح یہ ستارے بھی قابل پرستش نہیں ان میں الوہیت کا گمان کرنا غلط ہے جس طرح بت الوہیت کے لائق نہیں اسی طرح یہ ستارے بھی الوہیت کے لائق نہیں کیونکہ یہ ستارے افول اور غروب اور تغیر اور انقلاب کی وجہ سے خدائی کے لائق نہیں اس لیے کہ ان کا یہ تغیر اور انقلاب اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب فانی اور حادث ہیں اور سب کے سب کسی خاص نظام کے تحت جکڑے ہوئے ہیں اور کسی کے حکم کے سامنے مسخر ہیں ذرہ برابر بھی اس سے عدولی حکمی نہیں کرتے اس نے ان کی چال اور رفتار اور سمت اور جہت اور مسافت سب معین کر دی ہے کہ ذرہ برابر بھی اس سے باہر نہیں جاسکتے جو ان کی کمزوری اور لاچارگی پر دلالت کرتا ہے اور ان میں یہ تغیرات اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ کسی عزیز مقتدر کے ارادہ اور مشیت کے محکوم ہیں اور اسکے سامنے مجبور ہیں جو انہیں چکر کھلا رہا ہے لہٰذا کواکب اور سیارات کو مدبر عالم اور مربی کائنات سمجھنا غلط ہے چونکہ ابراہیم علیہ السلام تمام ملتوں میں مسلم تھے اور اس لیے حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مواضع میں اثبات توحید اور ابطال شرک کے بارہ میں ابراہیم علیہ السلام

ف ا یعنی اگر تم نہیں مانتے تو میرا کوئی نقصان نہیں ہوتا کیونکہ میں تم سے کسی طرح کے اجر کا طالب نہیں ۔ میرا اجر تو خدا کے یہاں ثابت ہے۔ ہاں تم نصیحت سے انحراف کر کے خود اپنا نقصان کرو گے سارے جہان میں سے ایک نہیں تو دوسرا نصیحت کو قبول کرے گا۔ جو انکار کرے گا اسے اپنی محرومی اور بدبختی کا ماتم کرنا چاہیے۔

کے مناظرے اور مکالمے ان کی قوم کے ساتھ ذکر فرمائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک مکالمہ اپنے باپ کے ساتھ سورۃ مریم میں ذکر فرمایا۔ دوسرا مناظرہ اس مقام پر ذکر فرمایا جس کی اس وقت تفسیر کی جارہی ہے۔

تیسرا مناظرہ اپنے زمانہ کے بادشاہ نمرود کے ساتھ فرمایا جس کا ذکر تیسرے پارہ کے شروع میں ہے جو ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰھٖمَ﴾ کی تفسیر میں گزر چکا۔

اور چوتھا مناظرہ کہ بتوں کو توڑ کر پھاؤلہ بڑے بت کے کاندھے پر رکھ دیا جس کا ذکر سورۃ انبیاء میں ہے ﴿فَجَعَلَھُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّھُمْ لَعَلَّھُمْ﴾ کہ جو چیز خود تمہاری تراشیدہ ہو اور بازار میں فروخت ہوسکتی ہو اور اس کی گردن میں رسی باندھی جاسکتی ہو اور بسولہ سے اس کو توڑا جاسکتا ہو وہ خدا کیسے ہوسکتی ہے؟ مطلب [1] یہ ہے کہ جو شخص بت پرستی یا ستارہ پرستی میں مبتلا ہو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جس کو شیاطین اور جنات نے بہکا کر راستہ سے الگ کر دیا ہو اور وہ چاروں طرف بھٹکتا پھرتا ہو اور اس کے رفقاء اس کو سیدھے راستہ (یعنی توحید) کی طرف بلاتے ہوں مگر وہ ایسا حیران و پریشان اور مخبوط الحواس ہو گیا کہ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کدھر جائے چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب اس ابراہیم علیہ السلام نے کہ جس کو تمام مشرکین عرب اہل کتاب اپنا مقتداء اور پیشوا مانتے ہیں اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تو ان بتوں کو اپنا معبود ٹھہراتا ہے جن کو تم نے بسولہ سے تراش لیا ہے بلا شبہ میں تجھ کو اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں کہ تم نے اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی مورت کو خدا بنالیا ہے کیا بندہ بھی خدا کو بنایا کرتا ہے اور جس طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بت پرستی کی گمراہی اور جہالت اور حماقت دکھلائی اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت اور عجائب قدرت دکھلانے لگے یعنی ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینیں ان کی نظروں کے سامنے کر دی گئیں اور چاند اور سورج اور ستارے اور درختوں اور پہاڑوں اور سمندروں کے عجائبات ان پر منکشف کر دیے گئے حتیٰ کہ نظر فرش سے لے کر عرش تک پہنچ گئی اور اوپر سے لے کر نیچے تک تمام اشیاء کے حقائق اور بواطن ان کو دکھلا دیے گئے تاکہ تمام مخلوقات سماوی و ارضی کی عاجزی اور لاچارگی اور ان کی ذلت اور خاکساری اور ان کے امکان اور حدوث کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں اور اس سے وجود باری پر استدلال کریں اور ان کے شرک کا بطلان ظاہر کریں اور تاکہ وہ تردد کا غلبہ خیال اور غلط ادراک کا کوئی احتمال ہی نہ رہے کیونکہ مشاہدہ کے بعد شک اور تردد کی گنجائش نہیں رہتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچشم سر (دل) دکھلا دیا گیا کہ آسمان اور زمین اور شمس اور قمر اور کواکب اور نجوم سب خداوند ذوالجلال کے حکم کے سامنے مسخر اور رام ہیں جس طرح چاہتا ہے وہ ان اجرام اور اجسام کو نچا رہا ہے اور اپنی قدرت کا تماشا دنیا کو دکھلا رہا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز خدا نہیں ہوسکتی مطلب یہ ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت السمٰوٰت والارض کا مشاہدہ کرادیا اور آسمان اور زمین کے تمام حقائق اور بواطن ان کو آنکھوں سے دکھلا دیے کہ ان میں سے کوئی چیز خدا نہیں ہوسکتی جس کو دیکھ کر ان کو عین الیقین آگیا کہ یہ تمام کارخانہ عالم خود بخود نہیں چل رہا بلکہ کسی واحد قہار کے ارادہ سے اور حکم سے چل رہا ہے یہ عجیب و غریب نظام بخت اتفاق سے یا بے شعور طبیعت یا اندھے اور بہرے مادہ سے نہیں چل رہا ہے غرض یہ کہ اس ملکوت السمٰوٰت والارض کے مشاہدہ اور معاینہ سے بت پرستی کی طرح

[1] ماقبل کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔

کواکب پرستی کی جہالت اور ضلالت اور حماقت نظروں کے سامنے آگئی اور اوپر سے لے کر نیچے تک حدوث عالم کا آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا تا کہ قوم کو وجود باری اور وحدانیت کو دلیل اور برہان سے سمجھا سکیں پس جب اس رات نے اندھیرا کرلیا یعنی رات کی تاریکی چھاگئی تو اس نے ایک ستارہ زہرہ یا مشتری کو دیکھا کہ چمک رہا ہے اسے دیکھ کر اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا اے قوم کیا① تمہارے زعم کے مطابق یہ ستارہ میرا اور تمہارا رب ہے یعنی یہ ستارہ میرا اور تمہارا امر بی اور مدبر ہے اور میرے احوال میں متصرف ہے اچھا ذرا ٹھہرو تھوڑی دیر میں اس کی ربوبیت کی حقیقت تم پر کھل جائے گی پس جب وہ ستارہ چھپ گیا تو الزاماً کہا کہ میں چھپنے والوں کو اور ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہونے والوں کو اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متغیر ہونے والوں کو اور حجاب اور پردہ میں مستور ہوجانے والوں کو دوست بھی نہیں رکھتا چہ جائیکہ ان کو خدا مانوں۔ اس لیے کہ افول اور غروب ایک قسم کی دنائت اور پستی ہے اور ایک قسم کی سقوط اور انحطاط ہے اور ایک قسم کا عیب ہے ایسی چیز تو قابل محبت بھی نہیں چہ جائیکہ لائق محبت ہو اور مستحق عبادت ہو کیونکہ تغیر اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف انتقال پروردگار کے لیے محال ہے یہ شان تو حادث کی ہے اور آفلین بصیغہ جمع لانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ افول اور غروب اس کوکب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہزارہا اور لکھوکھا غروب ہونے والے کوکب میں سے ایک کوکب یہ بھی ہے اس کوکب کو دوسرے کواکب پر خاص فضیلت اور برتری نہیں جو اس کو معبود بنالیا جائے۔ (تفسیر البحر المحیط: ۴/ ۱۶۷)

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ستارہ پرستوں کا عقیدہ یہ ہے کہ طلوع کے وقت کواکب کی تاثیر قوی ہوتی ہے اور افول سے ستارہ کی تاثیر زائل ہوجاتی ہے حتی کہ غروب سے ان کی روشنی بھی ختم ہوجاتی ہے اور ان کی تاثیر بھی ختم ہوجاتی ہے پس ﴿لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ ستارہ خدا ہوتا تو طلوع اور اشراق سے افول اور غروب کی طرف اور قوت سے ضعف کی طرف منتقل نہ ہوتا اور نہ اس کی تاثیر زائل ہوتی اور نہ ضعیف اور کمزور پڑتی اس لیے کہ ضعف اور اضمحلال اور قوت اور تاثیر کا فناء اور زوال الوہیت اور ربوبیت کے منافی ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر: ۴/ ۸۰۔

پس کواکب کے یہ تغیرات اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ سب کسی قادر قاہر کے مقدور اور مقہور ہیں اور کسی حاکم اعلیٰ کے محکوم اور مجبور ہیں لہٰذا خدا نہیں ہوسکتے کیونکہ خدا محکوم اور مقدور و مقہور اور مجبور نہیں ہوسکتا اور ایک مجبور قیدی اور لاچار بے کاری کو رب بنانا حماقت ہے۔

یا یوں کہو کہ جس طرح ضعف بصارت اس امر کی دلیل ہے کہ نور چشم اس کا ذاتی نہیں بلکہ کسی بصیر قدیم کا عطیہ ہے اسی طرح کواکب اور سیارات کے نور کا ضعف اور اضمحلال اس امر کی دلیل ہے کہ آفتاب اور ماہتاب میں جو نور ہے وہ ان کا ذاتی نہیں بلکہ وہ نور السمٰوٰت والارض کا عطیہ ہے اور اس کے جمال بے مثال کا عکس اور پرتو ہے ورنہ اگر یہ نور آفتاب اور ماہتاب کا ذاتی ہوتا تو ان کو کسوف اور خسوف لاحق نہ ہوتا اور چاند اور سورج کو گرہن نہ لگتا جو ذات والا صفات شمس اور قمر کے نور کی اور ان کی حرکت کی مالک ہے وہی خدائے برحق اور رب العالمین ہے کہ جس نے اپنی حکمت بالغہ سے شمس اور قمر کو علیحدہ علیحدہ نور کی ایک خاص مقدار اور خاص کیفیت عطا کی اور ان کی حرکت کے لیے ایک خاص مقدار اور خاص مسافت معین کردی،

---

① اشارہ اس طرف ہے کہ "هٰذا ربی" یہ کلام بطریق استفہام ہے بمعنی أهٰذا ربی اور اس استفہام سے مقصود اپنی قوم کی تنبیہ ہے۔

جس سے وہ باہر نہیں نکل سکتے پس کواکب کا یہ افول وغروب ان کی فقیری اور دست گیری اور کمزوری اور لاچارگی پر دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ کمزوری اور لاچاری الوہیت اور ربوبیت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔

یا یوں کہو کہ جو چیز چھپ گئی وہ محجوب اور مستور ہوگئی اور جو مستور ہوا وہ محصور ہوا اور جو محصور ہوا وہ مغلوب ہوا اور مقہور ہوا اور جو مقہور ہوا وہ لاچار ہوا اور مجبور ہوا اور لاچار اور مجبور خدا نہیں ہوسکتا کیونکہ خدا وہ ہے جو ہر چیز کے لیے ساتر اور حاضر ہو اور سب پر غالب اور جبار اور قاہر ہو ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ﴾ ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ﴾۔

پس جب یہ ستارہ غروب ہوگیا تو ابراہیم علیہ السلام نے اسی شب میں یا کسی دوسری شب میں اس سے اعلیٰ اور برتر نور کے طلوع کا انتظار کیا پس جب چاند کو طلوع ہوتے دیکھا تو پہلے کی طرح کہا کیا تمہارے زعم کے مطابق یہ میرا اور ساری قوم کا رب ہے اچھا تھوڑی دیر اس کا بھی انتظار کرو اس کی حقیقت اور کیفیت بھی تم واضح ہوجائے گی پس جب وہ غائب ہوگیا تو بولا کہ اگرچہ چاند عظمت اور نورانیت کے اعتبار سے ستارہ سے بلند ہے مگر اس کی عظمت بھی قاصر ہے اور الوہیت اور ربوبیت کے لیے عظمت مطلقہ اور کاملہ چاہیے عظمت قاصرہ وناقصہ ربوبیت کے لیے کافی نہیں اگر میرا پروردگار میری رہنمائی نہ کرے تو میں گمراہ ہوجاؤں کہ کسی چیز میں قاصر اور ناقص اور ناتمام عظمت دیکھ کر اس کو خدا مان لوں یعنی یہ خدا کا فضل ہے کہ میں اپنی قوم سے مخالف ہوں اور خالص توحید پر ہوں اگر اس کی ہدایت اور توفیق نہ ہوتی تو میں بھی ان گمراہوں کی طرح کواکب کی الوہیت کا قائل ہوتا مطلب یہ کہ ہدایت کا حصول بھی پروردگار کی طرف سے ہے اور اس کا بقاء اور ہدایت پر ثابت وقائم رہنا یہ بھی پروردگار کی توفیق اور اعانت سے ہے پھر اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے ایک اور نور کے ظہور کا کہ جو اس عالم کون وفساد میں سب سے زیادہ عظیم نور ہے یعنی طلوع آفتاب کا انتظار کیا تاکہ اس کی ربوبیت کا بطلان ظاہر فرمائیں پس جب سورج کو طلوع ہوتے دیکھا تو قوم سے کہا کیا تمہارے زعم اور خیال کے مطابق میرا اور تمہارا رب یہ ہے اور ہمارے احوال کا مدبر اور ان میں متصرف ہے یہ تو بظاہر چاند اور ستاروں سے بہت بڑا ہے ممکن ہے کہ یہ کوکب اپنی عظمت کی وجہ سے خدا ہوسکے پس جب وہ بھی غروب ہوگیا تو معلوم ہوا کہ یہ بھی علی الاطلاق اکبر نہیں اور اس کوکب کا بھی کبریائی مطلقہ اور قاہرہ اور دائمہ نہیں لہٰذا اس کو بھی خداوند ذوالجلال اور کبیر متعال کا شریک نہیں قرار دیا جاسکتا اس لیے کہ خدا تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت اور جلال کو کبھی فنا اور زوال نہیں اور نہ اس میں کسی قسم کے اختلال یا اضمحلال کا ذرہ برابر کوئی احتمال ہے پس ثابت ہوگیا کہ ستارے اور شمس وقمر کسی طرح خدا نہیں ہوسکتے لہٰذا جب یہ بات واضح ہوگئی تو اے میری قوم کے لوگو! کان کھول کر سن لو کہ میں بلاشبہ بری اور بیزار ہوں ان تمام چیزوں سے جن کو تم خدا کے ساتھ شریک کرتے ہو یہ تو سب خدا کے مزدور ہیں اور اسکے حکم کے سامنے مقہور اور مجبور ہیں جو وقت ان کی حاضری اور روانگی وطلوع اور غروب کا اس نے متعین کردیا ہے اس میں ایک منٹ کی تاخیر نہیں کرسکتے پھر ان کو خدا کیسے بنایا جاسکتا ہے اور اس برات اور بیزاری کے اعلان کے بعد فرمایا تحقیق میں ظاہراً اور باطناً اس ذات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا یعنی جو تمام علویات اور سفلیات کا خالق اور مالک ہے اور اس نے قصر دنیا کی زینت کے لیے شمس وقمر اور نجوم کو پیدا کیا یہ تمام ستارے اس دار دنیا کے لیے بمنزلہ لالٹینوں اور قندیلوں کو اپنا رب سمجھے وہ بڑا ہی نادان ہے میں سب سے قطع تعلق کرکے صرف ایک اللہ کی طرف مائل ہوں اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔

ف:...... بعض علماء فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو تین قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑا ایک گروہ وہ تھا کہ جو زہرہ کو پوجتا تھا اور ایک گروہ وہ تھا جو چاند کو پوجتا تھا اور ایک گروہ وہ تھا جو آفتاب کی پرستش کرتا تھا اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتدریج تینوں فرقوں کی گمراہی کو واضح کیا اور یہ ثابت کیا کہ غروب ہونے والی چیز حادث اور فانی ہے اور اس کا معبود ہونا محال ہے خدا کے لیے بقاء اور دوام ضروری ہے اور فنا اور زوال اور تغیر اور تبدل الوہیت کے منافی ہے اور جب چاند اور سورج معبود نہیں ہو سکتے تو پتھر کے خود تراشیدہ بت بدرجہ اولی معبود نہیں ہو سکتے۔

عارف رومی قدس سرہ السامی ملکہ سبا یعنی بلقیس کے قصہ میں فرماتے ہیں جس کی قوم شمس و قمر اور ستاروں کی پرستش کرتی تھی ان کی تردید میں فرماتے ہیں:

(۱) آفتاب از امر حق طباخ ماست ابلہی باشد کہ گویم او خدا ست

دلیل اول:...... سورج خدا کے حکم سے ہمارا باورچی ہے جو ہماری کھیتوں کو پکاتا ہے اور حکم خداوندی کا تابع ہے وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے باورچی کو خدا کہنا صاف بیوقوفی ہے۔

(۲) آفتاب گر بگیرد چوں کنی آں سیاہی زو تو چوں بیروں کنی

دلیل دوم:...... تیرا یہ معبود سورج اگر اس گہن لگ جائے تو بتلا کہ تو اس سے اس گہن کی سیاہی کو کس طرح دور کرے گا اس سیاہی کو دور کرنا تیری قدرت میں نہیں ذرا غور تو کر کیا خدا کو بھی سیاہی لگ جاتی ہے۔

نے بدگارہ خدا آری صداع کیں سیاہی راببر دادہ شعاع

کیا ایسی حالت میں تو بارگاہ خداوندی میں اپنی مصیبت اور مشکل کو نہیں پیش کرے گا اور یہ درخواست نہیں کرے گا کہ اے خدا اس کی سیاہی کو دور کر اور اس کی شعاع کو واپس فرما پس ایسی بے بس مخلوق کیسے خدا ہو سکتی ہے خدا وہ ہے جو نور اور ظلمت کا مالک ہو اور جب چاہے آفتاب اور ماہتاب کی روشنی کو چھین لے اور جب چاہے اسے واپس کر دے۔

(۳) گر کشندت نیم شب خورشید کو تا بنالی یا امان یابی ازو

دلیل سوم:...... اگر آدھی رات تجھ پر قاتلانہ حملہ کیا جائے جب کہ سورج غائب ہوتا ہے تو پھر کون ہے کہ جس کے حضور میں تو نالہ و فریاد کرے یا اس سے امان پائے۔

حادثات اغلب بشب واقع شود واں زماں معبود تو غائب بود

قتل اور چوری کے حادثات اکثر رات کے وقت میں ہوتے ہیں اور اس وقت تیرا معبود غائب ہوتا ہے اس کو کچھ خبر نہیں کہ تجھ پر کیا گزر رہی ہے لہٰذا ایسا معبود اختیار کر جو ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔

سوائے حق گر راستانہ خم شوی وار ہی از اختراں محرم شوی

تو اگر صدق دل سے حق تعالیٰ کی طرف جھک جائے تو ستاروں کی عبادت سے چھوٹ جائے اور اسرار الٰہیہ کا محرم بن جائے۔ مثنوی ص: ۵۰ دفتر چہارم۔

پھر عارف رومی اس دفتر چہارم ص ۱۳۱ پر دنیا کی بے ثباتی اور بے وفائی کے سمجھانے کے لیے بعض اشیاء عالم کے

انقلابات اور تغیرات اور کون وفساد یعنی بننے اور بگڑنے کو بطور نظائر بیان فرماتے ہیں۔

(۴) روز دیدی طلعت خورشید خوب مرگ اورا یاد کن وقت غروب

دلیل چہارم:...... دن میں تو نے آفتاب کے طلوع کا بہت عمدہ جلوہ دیکھا ہے غروب کے وقت اس کی موت کا بھی تو کرشمہ دیکھ کہ آفتاب کے حسن وجمال پر کسی طرح موت آتی ہے آفتاب کی اس حالت سے تجھ کو عبرت پکڑنی چاہیے اور سمجھ لینا چاہیے کہ آفتاب کا یہ نور اس کا ذاتی نہیں بلکہ نور السماوات والارض کا عطیہ اور ادنیٰ سا پرتو ہے۔

(۵) بدر را دیدی بریں خوش چار طاق حسرتش راہم ببیں وقت محاق

دلیل پنجم:...... تو نے آسمان کے خوبصورت خیمہ پر چودھویں رات کا چاند تو دیکھ لیا اب اس کے بعد اس کے محاق یعنی اس کے گھٹنے اور بتدریج بے نور ہونے کے وقت اس کی حسرت کو بھی دیکھ کہ کس طرح بتدریج اس کے حسن وجمال کو زوال آیا۔

(۶) کود کے از حسن شد مولائے خلق بعدِ فردا شد خرف رسوائے خلق

دلیل ششم:...... ایک نوعمر لڑکا اپنے حسن وجمال کی وجہ سے مخلوق کا سردار بن جاتا ہے بعد چندے پیر فرتوت یعنی بڈھا پھوس ہو کر دنیا کی نظر میں رسوا اور قابل نفرت ہو جاتا ہے۔

(۷) گرتن سیمیں براں کردت شکار بعد پیری بیں تنے چونبہ زار

دلیل ہفتم:...... اگر کسی سیمین بدن کے حسن وجمال نے تیرا شکار کر لیا ہے تو بڑھاپے میں اس کا بدن دیکھ کر سفید داڑھی اور سفید مونچھوں اور سفید بالوں سے روئی کے کھیت کے مشابہ ہو گیا۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک انسان کے حسن وجمال کا اختلال اور اس کا زوال اس امر کی دلیل ہے کہ وہ معبود بنانے کے قابل نہیں اسی طرح آفتاب اور ماہتاب کے حسن وجمال کا اختلال اور اس کا زوال اس امر کی دلیل ہے کہ شمس وقمر معبود نہیں ہو سکتے (دیکھو مثنوی مولانا روم: ۴/۱۲۱ دفتر چہارم) دور تک اس قسم کی تمثیلات اور تشبیہات کا سلسلہ چلا گیا ہے۔

حکایت:...... مولانا عبدالحق حقانی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر کے خلاصہ میں لکھتے ہیں کہ ایک معتبر تفسیر میں لکھا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام شہر میں تشریف لائے اور نمرود کی ملاقات کے لیے آپ علیہ السلام کے گھر والے اس ناپاک ظالم کے دربار میں لے گئے نمرود ایک بہت بڑا کریہہ المنظر شخص تھا آپ علیہ السلام نے اس کے دربار میں جا کر دیکھا کہ تخت پر ایک نہایت بدصورت شخص بیٹھا تھا اور بہت سی حسین اور خوبصورت لونڈیاں اس کے تخت کے آگے صفت بستہ کھڑی ہیں اس وقت ابراہیم علیہ السلام اپنی ماں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ یہ کون شخص ہے جس کی ملاقات کے لیے مجھے لائی ہو۔ ماں بولی یہ سب کا خدا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا اچھا یہ تخت کے ارد گرد جو صف باندھے کھڑے ہیں کون لوگ ہیں کہا اس کی مخلوق ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ سن کر مسکرانے لگے اور کہنے لگے کہ اے ماں تعجب کی بات ہے کہ تمہارے اس خدا نے اپنی صورت تو ایسی بھونڈی اور کریہہ بنائی اور اپنی مخلوق کو اپنے سے اچھا اور خوبصورت پیدا کیا چاہیے تو یہ تھا کہ وہ خود مخلوق سے بہتر ہے اور خوبصورت ہوتا۔ انتھی کلامہ۔

تتمۂ قصۂ مذکورہ

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصۂ مذکورہ کا تتمہ بیان فرماتے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑنا شروع کیا اور چاہا کہ بے ہودہ حجتوں سے ان پر غالب آجائیں اور یہ کہا کہ ایک معبود کا ہونا غلط ہے اور بت پرستی اور ستارہ پرستی یہ قدیم رسم ہے ﴿وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ﴾ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے بارہ میں جھگڑتے ہو اور تحقیق اللہ نے مجھ کو اپنی توحید اور معرفت کا راستہ دکھلا دیا ہے کہ خدا کے سوا ہر چیز فانی اور ناقص ہے اور خدائی کے لیے کمال مطلق اور بقا اور دوام ضروری ہے اور میں ان چیزوں سے نہیں ڈرتا جن کو تم خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو ابراہیم علیہ السلام نے جب بت پرستی کا رد کیا تو لوگوں نے ان کو ڈرایا اور یہ کہا کہ تم بتوں کو برا نہ کہو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو کسی بلا اور مصیبت میں پھنسا دیں اور وہ کہیں تم کو سودائی نہ بنا دیں تو ابراہیم علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا کہ میں تمہارے بتوں سے کیوں ڈروں وہ تو پتھر ہیں ہیں نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔ ڈرنا تو اس ذات سے چاہیے کہ جو نفع اور ضرر کی مالک ہو مگر یہ کہ میرا پروردگار کوئی تکلیف پہنچانا چاہیے تو وہ پہنچ کر رہے گی۔ تو وہ تکلیف خدا کی طرف سے ہوگی نہ کہ ان بتوں کی طرف سے ہوگی بعض اوقات انبیاء کرام علیہم السلام کو کوئی تکلیف پہنچتی تو مشرک اس کو اپنے بتوں کی طرف منسوب کرتے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کہہ کر ان کے شبہ کو دور کر دیا کہ میرا پروردگار اگر کوئی تکلیف پہنچانا چاہے گا تو پہنچ جائے گا تو وہ تکلیف خدا کے ارادہ اور مشیت سے پہنچے گی نہ کہ بتوں کی وجہ سے میرا پروردگار علم کے لحاظ سے ہر شئ کا احاطہ کیے ہوئے ہے کوئی شئ اس کے علم سے باہر نہیں پس تم کیا نصیحت نہیں پکڑتے کہ عاجز اور قادر کے درمیان فرق سمجھو ڈرنے کے قابل وہ ذات ہے کہ جس علم اور اس کی قدرت تمام کائنات کو محیط اور ہو اور تمہارے معبودوں میں یہ دونوں صفتیں مفقود ہیں کیونکہ تمہارے یہ بت پتھر ہیں نہ ان کو کسی چیز کی خبر ہے اور نہ کسی کو نفع اور نقصان پہنچا سکتے ہیں اور میں کس طرح ڈروں ان چیزوں سے جن کو تم کو اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہو وہ تو پتھر ہیں نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ کسی کو نفع اور نقصان پہنچا سکتے ہیں اور تم اپنے اس جرم عظیم سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک گردانا جن کی شرکت پر اللہ نے کوئی سند نہیں اتاری محض بے دلیل اور ہوائے نفس اور اغوائے شیطان سے ان کو پوجتے ہو مطلب یہ کہ ڈرنا تم کو چاہیے مگر الٹا تم ہمیں ڈراتے ہو پس اب تم ہی بتلاؤ کہ ان دونوں فریقوں یعنی موحدین اور مشرکین میں سے قیامت کے دن کونسا فریق امن کا زیادہ حق دار اور سزاوار ہے یعنی ہم موحد ہیں اور ایک واحد قہار اور قادر مقتدر پر ایمان رکھتے ہیں اور تم مشرک ہو اور ایک عاجز کو پوجتے ہو تو اب ہم اور تم میں نجات کا مستحق کون ہے اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ خیر تم تو کیا بتلاتے ہو ہم تم کو بتلاتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم یعنی شرک کے ساتھ نہیں ملایا ایسے ہی لوگوں کے لیے قیامت کے دن امن ہے اور وہی دنیا میں راہ راست پر ہیں یہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ امن کا مستحق وہ ہے کہ جو ایمان لایا اور اس نے اپنے ایمان کو شرک سے پاک رکھا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مقولہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کا ہو۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ظلم سے مراد اس جگہ شرک ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ نہیں ملایا قیامت کے دن ان کے لیے امن اور نجات ہے یعنی مومن موحد کا انجام

نجات ہے اور مشرک کبھی نہیں بخشا جائے گا اور یہ حجت اور دلیل جو ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم پر پیش کی یہ ہماری تلقین کردہ حجت اور دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اس کی گمراہ قوم کے مقابلہ میں عطا کی تاکہ اپنی قوم پر حجت قائم کرے یعنی ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے مقابلہ میں جو دلائل اور براہین بیان کیے وہ ہماری تعلیم و تلقین تھی۔ کسی معلم بشری اور استاذ انسانی کی تعلیم کا اثر نہ تھا ہم جس کو چاہتے ہیں درجات اور مراتب کے اعتبار سے اتنا بلند کر دیتے ہیں کہ کسی کی مجال نہیں کہ اس درجہ اور مرتبہ تک پہنچ سکے بے شک تیرا پروردگار حکمت والا ہے جس کو چاہتا ہے علم اور حکمت سے اور دلیل اور حجت سے نوازتا ہے۔

اب اس کے بعد حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں جو پیغمبروں کا ذکر کیا کہ جو سب توحید کی دعوت اور شرک کا رد کرتے رہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جد امجد حضرت نوح علیہ السلام کا بھی ذکر کیا تاکہ اصول اور فروع دونوں اعتبار سے ابراہیم علیہ السلام کی بزرگی اور خدا پرستی ثابت ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ یہ سب حضرات موحد اور توحید کے داعی اور شرک کے رد کرنے والے تھے چنانچہ فرماتے ہیں اور صرف یہی نہیں کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنے پاس سے علم و حکمت عطا کیا بلکہ ہم نے ان کو اسحاق علیہ السلام جیسا بیٹا اور یعقوب علیہ السلام جیسا پوتا بخشا کہ جس کی اولاد میں ہزاروں نبی ہوئے اور سلسلہ توحید کا جاری رہا مطلب یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کو توحید اور اخلاص اور اہل شرک سے مباحثہ اور مناظرہ کے صلہ میں علاوہ رفع درجات کے ہم نے ان کو نیک اور صالح اولاد عطا کی علم و حکمت کا فضل ذاتی تھا اور اولاد کا صالح اور متقی ہونا یہ فضل اضافی تھا ان سب کو ہم نے ہدایت دی یعنی ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام سب راہ حق پر تھے ان میں سے کوئی بھی مشرک اور یہودی اور نصرانی نہ تھا اور ابراہیم علیہ السلام سے دس قرن پہلے ہم نے نوح علیہ السلام کو ہدایت دی جو ابراہیم علیہ السلام کے جد امجد تھے اور موحد اور مخلص تھے اور باپ کا شرف بیٹے میں سرایت کرتا ہے گزشتہ آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعض فروع کا ذکر تھا اب اس آیت میں بعض اصول کا ذکر فرمایا اس لیے کہ نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جد امجد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ہدایت دی اسی طرح ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہم نے نوح علیہ السلام کو ہدایت دی اور ان کی ذریت صالحہ جو کشتی میں ان کے ہمراہ تھی ان کو نجات دی اور باقی سب غرق کر دیے گئے اور اس امن اور نجات کے بعد اللہ نے صرف ذریت نوح کو باقی رکھا اب سارے آدمی انہیں کی اولاد سے ہیں اس لیے نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہتے ہیں یہ تو حضرت نوح علیہ السلام کی خصوصیت ہوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے بعد جو نبی مبعوث ہوا وہ انہی کی اولاد میں سے ہوا کما قال تعالیٰ: ﴿وَجَعَلْنَا فِىْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِىْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا﴾۔

اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہم نے ہدایت دی داؤد اور سلیمان کو اور ایوب اور یوسف کو اور موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق نیک کام کیے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نیک کاموں کی جزاء دی اور اسی طرح ہم نیکوں کو جزاء دیا کرتے ہیں ظاہری سلطنت کے اعتبار سے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام دونوں ہم رنگ ہیں کہ نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی اور شدائد اور مصائب پر صبر کرنے کے لحاظ سے حضرت ایوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام

میں خاص مشابہت ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں بھائی ہیں ان میں کسی مناسبت کی ضرورت نہیں اس لیے کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بطور وزیر تھے اسی لیے حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے ترجمہ میں ان میں سے ہر دو ناموں کے بعد لفظ (کو) بڑھایا ہے تاکہ اسی مناسبت کی طرف اشارہ ہو جائے اور نیز ہم نے ہدایت دی زکریا اور عیسیٰ، یحییٰ اور الیاس علیہم السلام کو ہر ایک ان میں نیک بختوں میں تھا انبیاء کرام علیہم السلام میں زہد اور قناعت اور درویشی اور دنیاوی لذات اور سامان عیش و راحت سے دوری اور بے گانگی کے اعتبار سے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس علیہم السلام کو خاص شان امتیازی حاصل ہے اس لیے ان چاروں کو علیحدہ ذکر کیا اور ہر ایک کو صلاح کے ساتھ موصوف کیا اور نیز ہم نے ہدایت دی اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط علیہم السلام کو اور ان سب کو ہم نے فضیلت دی تمام جہان والوں پر حضرت اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط علیہم السلام ان انبیاء کرام میں سے ہیں جن کے مخلوق میں زیادہ تبع اور پیرو نہیں ہوئے اور نہ ان کو ظاہری سلطنت اور دنیاوی ریاست و وجاہت تھی اور نہ حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کی طرح زہد اور قناعت میں شان امتیازی تھی اس لیے ان چاروں کو یکجا ذکر فرمایا۔

اور نیز ان حضرات مذکورین کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد اور کچھ بھائیوں کو طریق حق کی ہدایت دی اور ہم نے ان کو برگزیدہ بنایا اور راہ راست کی طرف ان کو ہدایت کی اور یہ ہدایت جو ان حضرات کو عطا ہوئی یہ اللہ کی خاص ہدایت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے یہ ہدایت دیتا ہے اور اگر بفرض محال یہ لوگ شرک کرتے تو ان کے وہ عمل ضائع ہو جائے جو وہ کرتے تھے کیونکہ خدا کے یہاں مشرک کے اعمال قبول نہیں یہاں تک کہ توحید اور ہدایت کا مسئلہ بیان فرمایا۔

اب آگے مسئلہ نبوت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں یہ جماعت وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی جس کے ذریعہ طریقہ حق کی ہدایت حاصل ہوتی ہے پس اگر یہ مکہ کے کافر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق ہدایت کا انکار کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غم نہ کیجئے کیونکہ پس تحقیق ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق ہدایت کے قبول کرنے کے لیے ایسے گروہ کو مقرر کیا جو ان باتوں کے منکر نہیں اس گروہ سے مراد مہاجرین اور انصار کا گروہ ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق ہدایت کو دل و جان سے قبول کیا یہ انبیاء مذکورین وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خاص ہدایت دی پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی روش اور طریقہ کی پیروی کیجئے مطلب یہ ہے کہ توحید اور ابطال شرک میں ان کے طریقہ پر چلو یا صبر اور تحمل میں ان کی چال پر چلو یا اخلاق حمیدہ اور افعال پسندیدہ میں ان کا طریقہ اختیار کرو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاف کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ قرآن پر کسی قسم کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا نہیں ہے یہ قرآن مگر نصیحت تمام جہان کے لوگوں کے لیے اور بس جو اس نصیحت کو قبول نہ کرے وہ اپنی بدبختی اور محرومی کا ماتم کرے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان مقبولان خدا جن کا ان آیات میں ذکر کیا گیا ان کی راہ ہدایت تھی اور یہ سب خدا تعالیٰ کے ہدایت یافتہ تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ان کے جد امجد حضرت نوح علیہ السلام موحد اور مخلص تھے اور پھر ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی نسل میں سے یہ لوگ جن کی بزرگی بلاد عرب و عجم میں مشہور تھی وہ بھی سب موحد تھے مشرک نہ تھے پس جس کو راہ ہدایت مطلوب ہو وہ ان حضرات کی اقتداء کرے اور ان کی طرح توحید کا قائل ہو اور شرک سے اجتناب اور نفرت کرے اور اخلاق اور اعمال میں ان کی پیروی کرے اور توحید اور اطاعت خداوندی یہی صراط مستقیم ہے جس پر تمام انبیاء کرام علیہم السلام چلتے آئے۔

اے نبی کریم علیہ السلام آپ ﷺ بھی انہی انبیاء کرام علیہم السلام کے طریقہ پر چلیے اوران ظالموں کی تکذیب کی ذرہ برابر پروانہ کیجئے اور صاف کہہ دیجئے کہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا یہ صرف ایک نصیحت سراپا حکمت ہے جس کا دل چاہے قبول کرے اور جس کا نہ چاہے نہ قبول کرے واللہ غنی عن العالمین۔

لطائف ومعارف

۱۔بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چمک دار ستارہ زہرہ یا مشتری اور پھر چاند اور سورج کو دیکھ کر هذا ربی کہنا یہ ان کی ذاتی نظر وفکر تھی اور یہ ماجرا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بچپن کے زمانہ کا واقعہ ہے جب کہ ان کو یہ علم نہ تھا کہ میرا رب کون ہے مگر یہ صحیح نہیں تمام علماء ربانیین اور راسخین فی العلم کا مسلک یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول هذا ربی بطور ذاتی نظر وفکر کے نہ تھا بلکہ اپنی قوم سے مناظرہ اور محاجہ کے لیے تھا کہ اپنی قوم پر ہیاکل اور اصنام کی عبادت کا بطلان واضح کریں اور اول اصنام ارضیہ کی عبادت کا گمراہی ہونا بیان کیا کہ بتوں کو عبادت سراسر گمراہی اور جہالت ہے اور بعد ازاں کواکب سماویہ کی الوہیت کا بطلان واضح فرمایا اور بتلایا کہ کوئی چیز ان میں سے خدائی کی صلاحیت نہیں رکھتی غرض یہ کہ باپ اور قوم کے سامنے بت پرستی اور کواب پرستی دونوں ہی ضلالت کا آشکار کیا۔

معاذ اللہ، معاذ اللہ یہ بات نہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کسی شک اور شبہ اور تردد میں پڑے ہوئے تھے کہ چاند اور سورج کی چمک اور دمک کو دیکھ کر ان کو دھوکا لگا ہو اور یہ شبہ ہوا ہو کہ شاید یہ میرا رب ہو اور جب آفتاب غروب ہوتے دیکھا تب یہ شبہ دور ہو گیا حاشا ثم حاشا، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ کی ذات وصفات میں کبھی دھوکہ نہیں لگتا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ابتداء ولادت ہی سے اعلیٰ درجہ کے ولی اور عارف ہوتے ہیں حضرات انبیاء علیہم السلام نبوت اور بعثت سے پیشتر اگرچہ نبی اور رسول نہیں ہوتے مگر اعلیٰ درجہ کے اولیاء اور عرفاء ضرور ہوتے ہیں جن کی ولایت اور معرفت کے سامنے ہزاراں جنید اور شبلی کی ولایت اور معرفت بھی ہیچ ہوتی ہے حضرات انبیاء علیہم السلام صفات خداوندی سے جاہل نہیں ہوتے اور نہ ان کو کسی وقت صفات خداوندی میں کسی قسم کا دھوکہ اور مغالطہ ہوتا ہے اور نہ کسی قسم کا شک اور شبہ پیش آتا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تو خاص شان ہے وہ تو شجرۃ الانبیاء اور قدوۃ الحنفاء کے نام سے مشہور ہیں اور خداوند ذوالجلال کے خاص منظور نظر ہیں۔

قال اللہ عزوجل ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ﴾ اور تحقیق ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ابتداء ہی سے ان کی شان کے مطابق خاص رشد اور خاص ہدایت عطا کی تھی اور ہم ان کی استعداد اور فطرت کو پہلے ہی سے خوب جانتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ابتداء فطرت ہی سے رشید اور مہتدی تھے اور آغاز طفولیت ہی سے شمس وقمر کو خدا تعالیٰ کی ادنی مخلوق سمجھتے تھے قوم چونکہ کواکب پرستی میں مبتلا تھی اس لیے ان کے عقیدہ فاسدہ کو رد کرنے کے لیے فرمایا کہ اگر بطور فرض محال تھوڑی دیر کے لیے تمہارے زعم فاسد کے مطابق یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ ستارہ میرا رب ہے تو اچھا تھوڑی دیر اس کے غروب اور افول کا انتظار کرو تم کو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ یہ کواکب لائق الوہیت نہیں اس لیے کہ وہ سب حکم خداوندی کے مسخر ہیں

ان کی چال اور سمت حرکت اور اس کی جہت اور مسافت سب متعین ہے اس کے خلاف حرکت نہیں کر سکتے کبھی طلوع ہے اور کبھی غروب ہے ایک حال پر قرار نہیں ان کی روشنی اور ان کی حرکت اور جہت اور سمت اپنے اختیار میں نہیں اللہ نے جس کوکب کو جتنی روشنی عطا کر دی اتنی ہی مقدار ان میں روشنی ہے اپنی ذات میں وہ کسی تصرف کے مالک نہیں پس وہ لائق الوہیت اور عبادت کیسے ہو سکتے ہیں اور بعد ازاں حضرت ابراہیم نے ان کے معبودان باطلہ سے اپنی بے زاری اور علیحدگی بیان فرمائی غرض یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ تمام کلام از اول تا آخر بطور مباحثہ اور بطریق مناظرہ تھا معاذ اللہ ان کی ذاتی نظر وفکر نہ تھی جیسا کہ بعد کی آیتیں ﴿وَحَاجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ﴾ اور آیہ ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ﴾ صراحۃً اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام کلام کواکب پرستوں کے ساتھ مناظرہ اور محاجہ تھا حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی ذاتی نظر وفکر نہ تھی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ مناظرہ تھا ذاتی نظر نہ تھی۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۵۱)

۲- آزر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے اور تارخ ان کا لقب ہے یا اس کے برعکس تارخ نام ہے اور آزر لقب ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ آزر ان کے چچا تھے اور تارخ ان کے باپ تھے شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے فرماتے ہیں کہ کسی نبی کا باپ مشرک نہیں گزرا اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس بارہ میں متعدد رسائل تالیف فرمائے ہیں جو طبع ہو چکے ہیں ان کو دیکھ لیا جائے۔

نکتہ:...... عجب نہیں کہ نبی کے باپ یا چچا یا بیٹے کے گمراہ ہونے میں اشارہ اس طرف ہو کہ کسی کو ہدایت دینا نبی کے اختیار میں نہیں ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ نبی کا کام فقط حق کی دعوت اور تبلیغ ہے اور کسی کو ہدایت دینا یا گمراہ کرنا یہ سب اللہ کے اختیار میں ہے نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کو ہدایت پر نہ لا سکے اور لوط علیہ السلام اپنی بیوی کو ہدایت پر لا نہ سکے اور آنحضرت ﷺ اپنے چچا ابو طالب کو مسلمان نہ بنا سکے ﴿وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

۳- معتزلہ کہتے ہیں کہ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ میں ظلم سے مراد معصیت ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس نے اپنے ایمان کو معصیت کے ساتھ مخلوط نہیں کیا یعنی اپنے ایمان کو گناہوں سے محفوظ رکھا تو اس کے لیے امن ہے ورنہ نہیں۔

اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ آیت میں ظلم کے مطلق معصیت مراد نہیں بلکہ شرک مراد ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس آیت میں ظلم کی تفسیر کی شرک سے فرمائی کما قال تعالیٰ: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ گویا کہ "ظلم" کی تنوین تعظیم کے لیے ہے مطلب آیت کا یہ ہے کہ جو شخص بغیر شرک کے مرے گا اس کا انجام یہ ہوگا کہ اس کو عذاب نار سے امن ملے گا یعنی مومن موحد کا انجام نجات ہے اور مشرک کبھی نہیں بخشا جائے گا۔

مطلب دیگر:...... کہ امن کامل اور ہدایت کاملہ ان لوگوں کو حاصل ہے کہ جن کا ایمان کبائر کی نجاستوں سے پاک اور منزہ ہے اور جن لوگوں کا ایمان کبائر اور معاصی سے آلودہ ہے ان کا امن خطرہ میں ہے۔

۴- ان آیات میں اللہ نے اٹھارہ پیغمبروں کا ذکر فرمایا حضرت ابراہیم اور حضرت نوح اور حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب کا (علیہم السلام) پھر ان چاروں کے بعد چودہ پیغمبروں کا ذکر فرمایا۔ حضرت داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور

ہارون اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

مطلب یہ ہے کہ توحید اور خدا پرستی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر موقوف نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ان کے جد امجد حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی ذریت ناجیہ سب موحد اور خدا پرست تھے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے پیغمبر آئے جن کی بزرگی تمام بلاد عرب میں معروف و مشہور ہے وہ سب موحد تھے اور شرک سے بری اور بیزار تھے۔

۵-ان اٹھارہ پیغمبروں کے علاوہ جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے وہ سات ہیں:

حضرت آدم اور ادریس اور شعیب اور صالح اور ہود اور ذوالکفل اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ان سمیت سب پچیس ہوئے۔

۶-حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر دس قرآن تک تمام لوگ توحید پر متفق رہے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں شرک کا آغاز ہوا اور بت پرستی شروع ہوئی اور نوح علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی اور بت پرستی اور شرک کا رد کیا اس لیے ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے نوح علیہ السلام کا ہدایت کا ذکر فرمایا۔

۷-تمام انبیاء کرام ایمان باللہ اور توحید اور اصول دین میں متفق ہیں جن میں نسخ جاری نہیں ہوتا اور شریعتوں کے اعتبار سے مختلف ہیں کما قال تعالیٰ: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ لہٰذا اس آیت مذکورہ ﴿أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ میں توحید اور اصول دین میں اقتدار اور اتباع مراد ہے شریعت ہر نبی کی علیحدہ ہے شریعت میں اقتداء اور اتباع مراد نہیں کیونکہ شریعتوں میں نسخ ہوتا رہا ہے اور نسخ کے بعد منسوخ کا اتباع ہدیٰ نہیں بلکہ ہوائے نفس ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ

اور نہیں پہچانا انہوں نے اللہ کو پورا پہچاننا جب کہنے لگے کہ نہیں اتاری اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز ف۱ پوچھ تو کس نے اتاری

اور انہوں نے نہ جانچا اللہ کو پورا جانچنا، جب کہنے لگے، اللہ نے اتارا نہیں کسی انسان پر کچھ۔ پوچھ تو کس نے اتاری

الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا

وہ کتاب جو موسیٰ لے کر آیا تھا روشن تھی اور ہدایت تھی لوگوں کے واسطے جس کو تم نے ورق ورق کر کے لوگوں کو دکھلایا

وہ کتاب جو موسیٰ لایا، روشنی اور ہدایت لوگوں کی، جس کو تم نے ورق ورق کر دکھایا،

وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ

اور بہت سی باتوں کو تم نے چھپا رکھا اور تم کو سکھلا دیں جن کو نہ جانتے تھے تم اور نہ تمہارے باپ دادے ف۲ تو کہہ دے کہ اللہ نے اتاری پھر چھوڑ دے

اور بہت چھپا رکھا۔ اور تم کو اس میں سکھایا جو نہ جانتے تھے تم، نہ تمہارے باپ دادے۔ کہہ اللہ نے اتاری، پھر چھوڑ دے ان کو،

ف۱ پچھلے رکوع میں منصب نبوت اور بہت سے انبیاء کا نام بنام تذکرہ تھا اور یہ کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم بھی توحید و معرفت کی اسی صراط مستقیم پر چلتے رہنے کے مامور ہیں جس پر انبیائے سابقین علیہم السلام کو چلایا گیا تھا۔ پیغمبروں کا ہدایت خلق اللہ کے لئے بھیجنا حق تعالیٰ کی قدیم عادت رہی ہے آیات حاضرہ میں ان جاہلوں اور معاندوں کا رد کیا گیا ہے جو بدفہمی، جہل و غباوت یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت کے جوش اور غصہ میں بے قابو ہو کر حق تعالیٰ کی اس صفت کا ہی انکار کرنے =

خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ

ان کو اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں ف۱ اور یہ قرآن کتاب ہے جو کہ ہم نے اتاری برکت والی تصدیق کرنے والی ان کی جو اس سے پہلی ہیں ف۲

اپنی بک بک میں کھیلا کریں۔ اور ایک یہ کتاب ہے کہ ہم نے اتاری برکت کی، سچ بتاتی اپنے اگلے کو، اور تا

وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى

اور تاکہ تو ڈراوے مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس والوں کو ف۳ اور جن کو یقین ہے آخرت کا وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ ہیں

تو ڈراوے اصل بستی کو اور آس پاس والوں کو۔ اور جن کو یقین ہے آخرت کا، وہ اس کو مانتے ہیں، اور وہ ہیں

صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

اپنی نماز سے خبردار ف۴

اپنی نماز سے خبردار۔

منکرین نبوت کی تردید اور تہدید

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ ... الی ... وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیا جو منکرین توحید کی تردید پر مشتمل تھا اب آئندہ آیات میں منکرین نبوت کے بعض ہفوات کی تردید فرماتے ہیں مالک بن صفیف یہودی عام اور دیگر بعض علماء یہود نے جوش عداوت

= لگے کہ وہ کسی انسان کو اپنی وحی و مکالمہ خاص سے مشرف فرمائے۔ گویا انزال کتب و ارسال رسل کے سلسلہ ہی کی سرے سے نفی کر دی گئی۔

ف۲ یعنی اگر واقعی خدا نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری تو "تورات مقدس" جیسی عظیم الشان کتاب جو احکام و مرضیات الٰہیہ پر بندوں کو مطلع کرتی اور رشد ہدایت کی عجیب و غریب روشنی اپنے اندر رکھتی اور ان چیزوں کا علم تم کو عطا کرتی تھی جنہیں تم اور تمہارے باپ دادا بلکہ کل بنی آدم بھی بدون اعلام الٰہی محض اپنی عقل و حواس سے دریافت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ کہاں سے آگئی اور کس نے موسیٰ پر اتاری۔ مانا کہ آج تم اسے ورق ورق اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے لوگوں کو اپنی خواہش کے موافق دکھلاتے اور اس کے بہت سے اخبار و احکام کو چھپائے بیٹھے ہو۔ اور اس طرح اس کی اصل روشنی تم نے باقی نہیں چھوڑی۔ تاہم جو حصہ آج باقی رہ گیا ہے وہی پتہ دے رہا ہے کہ جس محل کے کھنڈرات یہ ہیں وہ اپنی زمانہ عروج میں کیسا عظیم الشان ہوگا۔

ف۱ یعنی ایسا نور و ہدایت بجز خدا کے اور کس خزانہ سے آسکتا ہے؟ اگر ایسی صاف اور بدیہی چیز کو بھی لوگ نہیں مانتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ و تنبیہ کر کے سبکدوش ہو جائیے اور ان کو چھوڑ دیجئے کہ یہ اپنی خرافات اور لہو و لعب میں مشغول رہیں اور جب وقت آئے گا خدا خود انکو بتلا دے گا

ف۲ یعنی اگر خدا نے کوئی چیز نہیں اتاری تو یہ مبارک کتاب کہاں سے آئی جس کا نام قرآن ہے اور جو تمام پچھلی کتابوں کے مضامین کی تصدیق کرنے والی ہے۔ اگر یہ آسمانی کتاب نہیں تو بتلاؤ کس کی تصنیف ہے جس کا مثل لانے پر جن و انس قادر نہ ہوں کیا اسے ایک امی کی تصنیف کہہ سکتے ہیں۔

ف۳ "ام القریٰ" بستیوں کی اصل اور جڑ کو کہتے ہیں مکہ معظمہ تمام عرب کا دینی اور دنیاوی مرجع تھا اور جغرافیائی حیثیت میں بھی قدیم دنیا کے وسط میں مرکز کی طرف واقع ہے اور جدید دنیا (امریکہ) اس کے نیچے ہے اور روایات حدیثیہ کے موافق پانی سے زمین بنائی گئی تو اول یہی جگہ کھلی تھی۔ ان وجوہ سے مکہ کو "ام القریٰ" فرمایا اور آس پاس سے مراد یا عرب ہے کیونکہ دنیا میں قرآن کے اول مخاطب وہی تھے۔ ان کے ذریعہ سے باقی دنیا کو خطاب ہوا اور یا سارا جہان مراد ہو جیسے فرمایا ﴿لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾

ف۴ جسے آخرت کی زندگی پر یقین اور بعد الموت کا خیال ہوگا اسی کو ہدایت اور طریق نجات کی تلاش ہوگی وہی پیغام الٰہی کو قبول اور نماز وغیرہ عبادات کی حفاظت کرے گا۔

میں آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ خدا تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی کتاب ہی نازل نہیں کی اور ایک روایت میں ہے کہ یہود نے یہ کہا کہ واللہ آسمان سے اللہ نے کوئی کتاب ہی نازل نہیں کی گویا کہ ان معاندین نے جوش عداوت میں انزال کتب وارسال رسل کے سلسلہ ہی کی سرے سے نفی کر دی اور ظاہر ہے کہ انزال کتب کا انکار در پردہ اللہ کی صفت علم اور صفت کلام کا انکار ہے اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کیں اور یہود پر الزام قائم کیا کہ بتلاؤ موسیٰ علیہ السلام پر کس نے کتاب نازل کی آخر وہ بھی تو بشر تھے اور ان بدبختوں کی مذمت اور تہدید میں یہ فرمایا کہ بدنصیبوں نے ہماری نعمت کی قدر نہ کی ہم نے ان کی ہدایت کے لیے قرآن جیسی مبارک کتاب نازل کی مگر انہوں نے اس سے اعراض کیا جن کے دل میں خوف خدا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ کلام خداوندی ہے اور جن کو آخرت کا خوف نہیں وہ شرارت سے اس کا انکار کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور ان معاندین نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسی اس کی قدر چاہیے تھی جب کہ انہوں نے ضد اور عناد میں بے دھڑک یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کبھی کوئی کتاب نازل ہی نہیں کی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت کا ذریعہ وہ صحیفہ ہدایت ہے جو اللہ نے اپنے کسی برگزیدہ بشر پر نازل کیا عجیب بات ہے کہ مشرکین عرب تو سرے ہی سے نبوت اور رسالت کے منکر تھے اور بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے مگر (حجریت کو) (یعنی پتھر ہونے کو) الوہیت کے منافی نہیں سمجھتے تھے اس لیے کہ وہ پتھروں کو اپنا معبود بنائے ہوتے تھے۔ قال تعالیٰ: ﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾۔

اور یہود اگرچہ نبوت ورسالت کے قائل تھے مگر بعض یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے ضد اور جوش عناد میں یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی کتاب نازل نہیں کی اور نزول کتاب کو خدا کی ناقدری اس لیے فرمایا جو شخص انبیاء کرام علیہم السلام پر نزول کتاب کا قائل نہیں وہ خدا تعالیٰ کا قدر شناس نہیں اور اس کو خدا تعالیٰ کی صحیح معرفت نصیب نہیں خدا کی صحیح معرفت خدا کی نازل کردہ کتاب ہی سے ہو سکتی ہے نیز کلام، صفتِ کمال ہے جو متکلم نہیں وہ ناقص ہے پس جو شخص نزول وحی اور نزول کتاب کا منکر ہے وہ خدا تعالیٰ کو متکلم نہیں مانتا گویا وہ خدا کو ناقص قرار دے رہا ہے اور خدا کے نبیوں پر نزول کتاب کا انکار یہ خدا تعالیٰ کے غیر متکلم ماننے کی نشانی ہے اس سے بڑھ کر خدا کی گستاخی اور ناقدری کیا ہو سکتی ہے اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ اچھا بتلاؤ وہ کتاب کس نے اتاری جس کو موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس لے کر آئے یعنی توریت جس کو تم بھی مانتے ہو درانحالیکہ وہ لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی جس کو تم نے اپنی اغراض نفسانیہ کی بناء پر دو قسم کے ورقوں پر تقسیم کیا ہوا ہے بعض اوراق کو جو تمہاری غرض کے مطابق ہوتے ہیں ان کو ظاہر کر دیتے ہو اور بہت سے اوراق کو چھپا کر رکھتے ہو علماء یہود نے توریت کے علیحدہ علیحدہ اوراق کر رکھے تھے جن میں کوئی امر ان کی خواہش کے خلاف نہ ہوتا ان کو سب پر ظاہر کر دیتے اور جن میں آنحضرت ﷺ کی بشارت یا صفت مذکور تھی ان کو چھپاتے تھے اور آیت رجم کو چھپاتے اور اسی خدا کی نازل کردہ کتاب یعنی توریت کی بدولت تم کو وہ باتیں تعلیم کی گئیں جن کو تم نہیں جانتے تھے اور نہ تمہارے آباء واجداد کو ان کا علم تھا دین اور شریعت کی تمام باتیں تم کو خدا کی نازل کردہ کتاب یعنی توریت ہی کے ذریعہ تم کو معلوم ہوئیں اس سے پہلے تم سب جاہل تھے بتلاؤ یہ کتاب سراپا نور ہدایت کس نے اتاری؟ خیر یہ

ضدی لوگ تو کیا جواب دیں گے آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ یہ کتاب اللہ ہی نے اتاری ہے یعنی اس سوال کا ایک ہی جواب ہے جو ایسا ظاہر ہے کہ جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا اس لیے آپ ﷺ ان کے جواب کا انتظار نہ کیجئے اور خود ہی کہہ دیجئے کہ اللہ نے اتاری ہے پھر بھی اگر وہ نہ مانیں تو ان کو چھوڑ دیجئے کہ وہ اپنی بک بک اور کج بحثی میں کھیلا کریں آپ کا کام تو تبلیغ تھا وہ ہو چکا اور جس طرح توریت ہماری نازل کردہ کتاب تھی اسی طرح یہ قرآن ایک عجیب کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا ہے بڑی خیر و برکت والی ہے جس پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا موجب فلاح دارین ہے کسی کی یہ مجال نہیں کہ اس جیسی بابرکت لا سکے قرآن مجید ہی کی برکت سے عرب کی کایا پلٹ ہوگئی علاوہ ازیں یہ کتاب ان آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں یعنی یہ قرآن کتب سماویہ کی منزل من اللہ ہونے کی تصدیق کرتا ہے کیونکہ توحید کی تعلیم سب میں موجود ہے اور تمام کتب سماویہ اس پر متفق ہیں کہ خدا تعالیٰ شریک اور تمام عیبوں سے منزہ ہے اور ہم نے اس مبارک کتاب کو اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ ﷺ اس کے ذریعے سے اہل مکہ کو اور تمام روئے زمین کے لوگوں کو جو مکہ کے گردا گرد دنیا میں آباد ہیں سب کو ڈرائیں کہ جو اللہ کی کتاب کو نہیں مانتا وہ مستحق عذاب ہوگا۔ ام القریٰ مکہ کا نام ہے جس کے معنی تمام بستوں کی ماں اور جڑ کے ہیں اس لیے کہ مکہ وسط ارض میں ہے اور سارا جہان اس کے گرد آباد ہے اور تمام روئے زمین کی بستیاں اسی کے گردا گرد جوانب میں ہیں یا یہ معنی ہیں کہ اس مبارک کتاب کے ذریعہ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو خاص طور پر ڈرایئے جیسا کہ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ میں قریبی رشتہ داروں کو خاص طور پر ڈرانے کا حکم آیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ﴿مَنْ حَوْلَهَا﴾ سے مکہ کے آس پاس کی بستیاں مراد ہیں یا سارا جہان مراد ہے کیونکہ مکہ کی زمین تمام زمین کی ناف ہے اسی جگہ سے شرقاً و غرباً تمام زمین پھیلائی گئی اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں یعنی جن کو عذاب کا اندیشہ ہے اور جزا و سزا کا ڈر ہے وہ اس مبارک کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور وہی اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں تاکہ یہ نماز ان کو آخرت میں کام آئے یعنی جن کو آخرت کا یقین ہے وہ تو نبی اکرم محمد ﷺ پر اور قرآن پر جو آپ پر نازل ہوا ہے ایمان لے آتے ہیں اور جو لوگ آخرت سے نڈر ہیں وہ کیوں ایمان لانے لگے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ

اور اس سے زیادہ ظالم کون جو باندھے اللہ پر بہتان یا کہے مجھ پر وحی اتری اور اس پر وحی نہیں اتری کچھ بھی اور جو

اور اس سے ظالم کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا کہے مجھ کو وحی آئی اور اس کو وحی کچھ نہیں آئی، اور جو

قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

کہے کہ میں بھی اتارتا ہوں مثل اس کے جو اللہ نے اتارا ف۱ اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ ظالم ہوں موت کی سختیوں میں ف۲ اور فرشتے

کہے میں اتارتا ہوں برابر اس کے جو اللہ نے اتارا۔ اور کبھی تو دیکھے، جس وقت ہیں ظالم بیہوشی میں، اور فرشتے

ف۱ خدا پر بہتان باندھنے سے شاید یہ مراد ہے کہ خدا کی طرف ان باتوں کی نسبت کرے جو اس کی شان رفیع کے لائق نہیں مثلاً کسی کو اس کا شریک ٹھہرائے یا بیوی بچے تجویز کرے یا یوں کہے ﴿مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ﴾ یعنی اس نے بندوں کی ہدایت کا کوئی سامان نہیں کیا۔ ایسا کہنے والا سخت ظالم ہے اسی طرح جو شخص نبوت و پیغمبری کا جھوٹا دعویٰ کرے یا یہ ڈینگ مارے کہ خدا کے جیسا کلام تو میں لا سکتا ہوں جیسے بعض مشرکین کہتے تھے ﴿لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ﴾۔

بَاسِطُوٓا اَیۡدِیۡهِمۡ ۚ اَخۡرِجُوۡٓا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ اَلۡیَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ عَذَابَ الۡهُوۡنِ بِمَا کُنۡتُمۡ

اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں ف۱ آج تم کو بدلے میں ملے گا ذلت کا عذاب ف۲ اس سبب سے کہ تم کہتے تھے

ہاتھ کھول رہے ہیں کہ نکالو اپنی جان۔ آج تم کو جزا ملے گی ذلت کی مار، اس پر کہ کہتے

تَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ غَیۡرَ الۡحَقِّ وَکُنۡتُمۡ عَنۡ اٰیٰتِهٖ تَسۡتَکۡبِرُوۡنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا فُرَادٰی

اللہ پر جھوٹی باتیں اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے ف۳ اور البتہ تم ہمارے پاس آگئے ایک ایک ہو کر

اللہ پر جھوٹ باتیں، اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے۔ اور تم ہمارے پاس آئے ایک ایک،

کَمَا خَلَقۡنٰکُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَکۡتُمۡ مَّا خَوَّلۡنٰکُمۡ وَرَآءَ ظُهُوۡرِکُمۡ ۚ وَمَا نَرٰی مَعَکُمۡ

جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تم کو پہلی بار اور چھوڑ آئے تم جو کچھ اسباب ہم نے تم کو دیا تھا اپنی پیٹھ کے پیچھے ف۴ اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ

جیسے ہم نے بنائے تھے پہلی بار، اور چھوڑ دیا جو ہم نے اسباب دیا تھا پیٹھ کے پیچھے۔ اور ہم دیکھتے نہیں تمہارے ساتھ

شُفَعَآءَکُمُ الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ اَنَّهُمۡ فِیۡکُمۡ شُرَکٰٓؤُا ؕ لَقَدۡ تَّقَطَّعَ بَیۡنَکُمۡ وَضَلَّ عَنۡکُمۡ

سفارش والوں کو جن کو تم بتلایا کرتے تھے کہ ان کا تم میں ساجھا ہے البتہ منقطع ہوگیا تمہارا علاقہ اور جاتے رہے

سفارش والے، جن کو تم بتاتے تھے کہ ان کا تم میں ساجھا ہے۔ ٹوٹ گئے تم آپس میں، اور جاتے رہے

مَّا کُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۹۴﴾

جو دعوے کہ تم کیا کرتے تھے ف۵

جو دعویٰ تم کرتے تھے۔

مدعیان نبوت کی تہدید

قال تعالیٰ: ﴿وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا ... الی ... وَضَلَّ عَنۡکُمۡ مَّا کُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ﴾

= یہ سب باتیں انتہائی ظلم اور دیدہ دلیری کی ہیں جس کی سزا کا تھوڑا سا حال آگے مذکور ہے۔

ف۲ یعنی موت کی باطنی اور روحانی سختیوں میں۔

ف۱ یعنی روح قبض کرنے اور سزا دینے کو ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور مزید تشدید اور اظہار غیظ کے لئے کہتے جاتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں (جنہیں بہت دنوں سے بانواع حیل بچاتے پھرتے تھے)

ف۲ یعنی سخت تکلیف کے ساتھ ذلت و رسوائی بھی ہوگی۔

ف۳ یعنی از راہ تکبر آیات اللہ کو جھٹلاتے تھے۔

ف۴ یعنی ننگے سر ننگے پیر پاؤں میں جوتی تہی دست چلے آ رہے ہو اور جس ساز و سامان پر فخر و ناز تھا اسے ہمراہ نہیں لائے کہیں پیچھے چھوڑ آئے ہو۔

ف۵ یعنی جن کو تم سمجھتے تھے کہ آڑے وقت میں ہمارا ہاتھ بٹائیں گے اور مصیبت میں ساتھ ہوں گے، وہ کہاں چلے گئے آج ہم ان کو تمہاری سفارش اور حمایت پر نہیں دیکھتے، حمایت و نصرت کے وہ علاقے آج ٹوٹ گئے اور جو لمبے چوڑے دعوے تم کیا کرتے تھے سب رفوچکر ہوگئے۔

ربط:...... گزشتہ آیات میں منکرین نبوت کی تردید تھی اب ان آیات میں مدعیان نبوت کی تہدید ہے منکرین نبوت مختلف قسم کے تھے بعض نبوت اور نزول کے تو منکر تھے ﴿وَاِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ﴾ مگر اپنے لیے بھی وحی اور نبوت کے مدعی نہ تھے اور بعض وہ تھے جو خود اپنے لیے نبوت اور وحی کے مدعی تھے جیسے مسیلمہ کذاب وغیرہ۔ مسیلمہ کذاب کچھ تک بندی کرتا اور دعویٰ یہ کرتا کہ مجھ پر وحی آتی ہے اور اسی طرح صنعاء یمن میں اسود عنسی کو یہ خبط لاحق ہوا اور اس نے بھی وحی اور نبوت کا دعویٰ کیا اور بعض مشرکین (جیسے نضر بن حارث) قرآن کریم کی آیتوں کو سن کر کہہ دیا کرتے تھے ﴿لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ﴾ یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم بھی قرآن جیسا کلام کہہ سکتے ہیں اور قرآن جیسی کتاب تصنیف کر سکتے ہیں یہ لوگ قرآن کریم کو کتاب سماوی اور منزل من اللہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کو آنحضرت ﷺ کی تصنیف سمجھتے تھے اور یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم بھی اس جیسی کتاب تصنیف کر سکتے ہیں اور نضر بن حارث یہ بھی کہتا کہ اگر بالفرض مجھ پر کوئی عذاب نازل ہونے لگے تو لات وعزیٰ میری شفاعت کر دیں گے اور ان تمام معاندین کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یعنی خدا کی طرف ایسی باتیں منسوب کرے جو اسکی شان رفیع کے لائق نہیں مثلاً خدا کا شریک ٹھہرائے یا اس کے لیے بیٹا یا بیوی تجویز کرے یا یوں کہے کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی کتاب نازل نہیں کی ﴿مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ﴾ یا یہ کہے ﴿اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ یا یہ کہے کہ اللہ تو فقیر ہے اور ہم غنی ہیں یا یہ کہے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں وغیر ذالک من الخرافات یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس پر کوئی وحی نہیں آتی یہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے پیغمبری کا دعویٰ کیا یا جیسا کہ اس زمانہ میں مرزا غلام قادیانی نے صدہا جھوٹ اللہ پر باندھے اور وحی اور الہام کا دعویٰ کیا اور اسی طرح اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم جس نے یہ کہا کہ میں بھی ویسا ہی کلام اتار دوں گا جیسا کہ اللہ نے محمد رسول اللہ ﷺ پر اتارا ہے یہ نضر بن حارث اور مشرکین کے اس قول کی طرف اشارہ تھا جو قرآن سنت کی نسبت کہا کرتے تھے ﴿لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ﴾ یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس جیسا قرآن بنا سکتے ہیں اور اس زمانہ میں غلام قادیانی نے بھی اپنے کلام کے معجزہ ہونے کا دعویٰ کیا اور قصیدہ اعجازیہ کے نام سے ایک قصیدہ شائع کیا جو صرفی اور نحوی اور عروضی غلطیوں سے بھرا ہوا ہے اور جو شخص قرآن کریم کی طرح اپنے کلام کے معجز ہونے کا مدعی ہے تو وہ در پردہ مدعی الوہیت ہے کہ کلام خداوندی کی طرح میرا کلام بھی معجز ہے۔

غرض یہ کہ اس قسم کے تمام لوگ بڑے ہی ظالم ہیں اور ظلم میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں جس نے نبوت اور نزول وحی اور نزول کتاب کا انکار کیا وہ بلاشبہ ظالم ہے اور اس سے بڑھ کر ظالم وہ شخص ہے جو نبوت اور وحی کا اپنے۔ لیے مدعی ہو اور اس سے بڑھ کر ظالم وہ ہے جو اپنے کلام کو کلام خداوندی کی طرح معجز سمجھتا ہو اور اس طرح سے در پردہ الوہیت اور خداوند قدوس کی ہمسری کا مدعی ہو یہ سب اعلیٰ درجہ کے ظالم ہیں اور ان کا انجام سخت خطرناک ہے اور کاش اے مخاطب تو اس وقت کو دیکھے کہ جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں گرفتار ہوں گے اور موت کے فرشتے ان کی جان نکالنے کے لیے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے اور ان سے بطور تمسخر اور تحقیر یہ کہتے ہوں گے کہ اپنی جانوں کو اپنے جسموں سے باہر نکالو آج تم کو ذلت کے عذاب کی جزا دی جائے گی اور ذلت و خواری کا یہ عذاب تمہارے تکبر کی جزاء ہے۔

مطلب یہ ہے کہ فرشتے کافروں کو مار مار کر جان نکالتے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ آج تم کو ذلت اور خواری کا عذاب دیا جائے گا اس لیے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولتے تھے اور اللہ کی آیتوں کے قبول کرنے سے تکبر کرتے تھے یہ کیفیت اور شدت تو موت کے وقت ہوگی اور جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ بطور سرزنش یہ فرمائیں گے البتہ تحقیق تم ہمارے پاس تن تنہا اور ایک ایک کر کے آئے ہو جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار دنیا میں پیدا کیا تھا کہ نہ بدن پر کوئی کپڑا تھا اور نہ کوئی جوتا اور جو مال و متاع ہم نے تم کو دیا تھا جس کے غرہ اور گھمنڈ میں ہمارے احکام کے قبول کرنے سے تکبر کرتے تھے آج وہ سب تم اپنی پیٹھ کے پیچھے ہی چھوڑ آئے یعنی دنیا میں تم کو جو مال و زر اور اولاد اور حشم اور خدم ہم نے دیئے تھے جن پر تم کو گھمنڈ تھا وہ سب پیچھے ہی چھوڑ آئے کہ اب ان سے کوئی چیز تم کو نظر بھی نہیں آتی اور آج ہم تمہارے ساتھ ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تمہارا یہ زعم اور اعتقاد تھا کہ تمہارے اندر یعنی تمہارے معاملہ میں خدا کے شریک ہیں بتوں کے متعلق تمہارا خیال تھا کہ یہ اللہ کے یہاں ہماری سفارش کریں گے قیامت کے دن اس خیال کی غلطی ظاہر ہو جائے گی اور تمہارے درمیان قطع تعلق ہو جائے گا یعنی تم ایک دوسرے سے منقطع ہو جاؤ گے وہ تم سے علیحدہ ہو جائیں گے اور تم ان سے بری اور بیزار ہو جاؤ گے اور تم سے وہ سب کچھ گم ہو جائے گا جو تم گمان کرتے تھے یعنی تمہاری ساری امیدوں پر پانی پھر جائے گا اور تم حیران اور پریشان کھڑے رہ جاؤ گے اور کوئی تمہارا یار و مددگار نہ ہوگا۔

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ

اللہ ہے کہ پھوڑ نکالتا ہے دانہ اور گٹھلی نکالتا ہے مردہ سے زندہ اور نکالنے والا ہے زندہ سے مردہ

اللہ ہے کہ پھوڑ نکالتا ہے دانہ اور گٹھلی۔ نکالتا ہے مردہ سے زندہ، اور نکالنے والا ہے زندہ سے مردہ۔

ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

یہ ہے اللہ پھر تم کدھر بہکے جاتے ہو ف۱ پھوڑ نکالنے والا صبح کی روشنی کا ف۲ اور اس نے رات بنائی آرام کو اور سورج اور چاند

یہ ہے اللہ، پھر کہاں پھرے جاتے ہو؟ پھوڑ نکالنے والا صبح کی روشنی۔ اور رات بنائی آرام، اور سورج اور چاند

حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا

حساب کے لئے یہ اندازہ رکھا ہوا ہے زورآور خبردار کا ف۳ اور اسی نے بنا دیئے تمہارے واسطے تارے کہ ان کے وسیلہ سے راستے معلوم کرو

حساب۔ یہ اندازہ رکھا ہے زورآور خبردار نے۔ اور اسی نے بنا دیئے تم کو تارے کہ ان سے راہ پاؤ،

ف۱ یعنی زمین میں دبائے جانے کے بعد گٹھلی اور دانہ کو پھاڑ کر سبز پودہ اگانا یا جاندار کو بے جان اور بے جان کو جاندار سے نکالنا مثلاً آدمی کو نطفہ سے نطفہ سے آدمی کو پیدا کرنا) اسی خدا کا کام ہے۔ پھر اسے چھوڑ کر تم کدھر بہکے جا رہے ہو؟ کیا اور کوئی ہستی تمہیں ایسی مل سکتی ہے جو ان کاموں کو انجام دے سکے

ف۲ یعنی رات کی تاریکی میں سے جو پہلی پھٹ کر صبح صادق نمودار ہوتی ہے اس کا نکالنے والا بھی وہی ہے۔

ف۳ رات دن اور چاند سورج کا جو حکیمانہ نظام اور ان کی رفتار کا جو حساب مقرر فرما دیا اس میں ذرا بھی تخلف یا کم و بیش نہیں ہوتا۔

بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ

اندھیروں میں جنگل اور دریا کے ف۱ البتہ ہم نے کھول کر بیان کر دیئے پتے ان لوگوں کیلئے جو جانتے ہیں اور وہی ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا

اندھیروں میں جنگل اور دریا کے۔ ہم نے کھول سنائے پتے ان لوگوں کو جو جانتے ہیں۔ اور اسی نے تم کو نکالا

مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾

ایک شخص سے ف۲ پھر ایک تو تمہارا ٹھکانا ہے اور ایک امانت رکھے جانے کی جگہ ف۳ البتہ ہم نے کھول کر سنا دیئے پتے اس قوم کو جو سوچتے ہیں

ایک جان سے، پھر کہیں تم کو ٹھہراؤ ہے اور کہیں سپرد رہنا، ہم نے کھول سنائے پتے اس قوم کو جو بوجھتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ

اور اسی نے اتارا آسمان سے پانی پھر نکالی ہم نے اس سے اگنے والی ہر چیز ف۴ پھر نکالی اس میں سے سبز کھیتی

اور اسی نے اتارا آسمان سے پانی۔ پھر نکالی ہم نے اس سے اگنے والی ہر چیز، پھر اس میں سے نکالا سبزہ،

خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ

جس سے ہم نکالتے ہیں دانے ایک پر ایک چڑھا ہوا اور کھجور کے گابھے میں سے پھل کے گچھے جھکے ہوئے ف۵ اور باغ

جس سے نکالتے ہیں دانے جڑے ہوئے۔ اور کھجور کے گابھے میں سے گچھے لٹکتے ہیں، اور باغ

اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ

انگور کے اور زیتون کے اور انار کے آپس میں ملتے جلتے اور جدا جدا بھی ف۶ دیکھو ہر ایک درخت کے پھل کو جب وہ پھل لاتا ہے

انگور کے، اور زیتون اور انار، آپس میں ملتے اور جدا۔ دیکھو! اس کا پھل جب پھل لاتا ہے لانے والوں کو۔

وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

اور اس کے پکنے کو ف۶ ان چیزوں میں نشانیاں ہیں واسطے ایمان والوں کے ف۷

اور اس کا پکنا۔ ان چیزوں میں سب پتے ہیں یقین لانے والوں کو۔

ف۱ یعنی بلاواسطہ ان سے راستہ معلوم کرو یا بالواسطہ مثلاً قطب نما کے ذریعہ سے۔

ف۲ یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے

ف۳ "مستقر" ٹھہرنے کی جگہ جسے ٹھکانہ کہا اور "مستودع" سپرد کئے جانے اور امانت رکھے جانے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ یہ تو لغوی معنی ہوئے آگے دونوں کے مصداق کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے موضح القرآن میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہم کو پسند ہے۔ "یعنی اول سپرد ہوتا ہے ماں کے پیٹ میں کہ آہستہ آہستہ دنیا کے اثر پیدا کرے پھر آ کر ٹھہرتا ہے دنیا میں۔ پھر سپرد ہو گا قبر میں کہ آہستہ آہستہ اثر آخرت کے پیدا کرے پھر جا ٹھہرے گا جنت میں یا دوزخ میں"۔

ف۴ یعنی آسمان کی طرف سے بادل برسایا جو سبب ہے نباتات کے اگانے کا۔

ف۵ یعنی بسبب بوجھل ہونے کے نیچے کو جھکے۔

ف۶ یعنی صورت شکل، مقدار، رنگ بو اور مزے کے اعتبار سے بعضے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور بعضے نہیں۔

ذکر مظاہر

قدرت وعجائب صنعت برائے اثبات الوہیت ووحدانیت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی... الی... لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں اثبات نبوت کا بیان تھا اب اس کے بعد پھر اسی مضمون توحید کی طرف رجوع فرماتے ہیں جو شروع سورت سے چلا آ رہا ہے ان آیات میں حق تعالیٰ شانہ نے اشیاء متضادہ ومختلفہ پر اپنی قدرت کاملہ کے آثار اور اپنی مخلوقات کے عجائب حالات کو بیان کیا تا کہ وجود صانع اور اس کی کمال قدرت اور کمال علم وحکمت کی دلیل بنیں اور مشرکین پر یہ امر واضح ہو جائے کہ ان کے تمام معبودان باطلہ اور شرکاء مہملہ ان عجائب قدرت میں سے ایک ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کے بھی پیدا کرنے سے عاجز ہیں پس وہ مستحق عبادت کیسے ہو سکتے ہیں اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے عالم علوی اور عالم سفلی سے پانچ دلیلیں بیان کیں تا کہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہو اور یہ پانچ دلیلیں اہل بصیرت کے لیے بمنزلہ آئینہ کے ہیں جن میں سے خداوند ذوالجلال کے جمال باکمال کا جلوہ نظر آتا ہے۔

دلیل اول:...... ﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ۭ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی

= ف ۴ یعنی ابتداءً جب پھل آتا ہے تو کچا، بدمزہ اور ناقابل انتفاع ہوتا ہے۔ پھر پکنے کے بعد کیسا لذیذ، خوش ذائقہ اور کارآمد بن جاتا ہے یہ سب خدا کی قدرت کا ظہور ہے۔

ف ۵ اس رکوع میں حق تعالیٰ کے جن افعال وصفات اور مظاہر قدرت کا بیان ہوا، ان سے خدا کے وجود، وحدانیت اور کامل الصفات ہونے پر استدلال تو واضح ہے لیکن غور کیا جائے تو وحی ونبوت کا مسئلہ بھی بڑی حد تک حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب حق تعالیٰ نے اپنے فضل ورحمت سے ہماری دنیاوی زندگی اور مادی حوائج کے انتظام وانصرام کے لئے اس قدر اسباب ارضی وسماوی مہیا فرمائے ہیں، تو یہ کہنا کس قدر لغو اور غلط ہوگا کہ ہماری حیات اخروی اور روحانی ضروریات کے انجام پانے کا اس نے کوئی سامان نہیں کیا یقیناً جس رب کریم نے ہماری جسمانی غذاؤں کی نشوونما کیلئے آسمان سے پانی اتارا ہے ہمارے روحانی تغذیہ کے لئے بھی اسی نے سحابہائے نبوت سے وحی الہام کی بارش نازل فرمائی۔ جب وہ بر وبحر کی اندھیریوں میں ستاروں کے ذریعہ سے ظاہری راہنمائی کرتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ باطنی راہنمائی کے لئے اس نے ایک ستارہ بھی آسمان روحانیت پر روشن نہ کیا ہو۔ رات کی تاریکی کے بعد اس نے صبح صادق کا اجالا کیا اور مخلوق کو موقع دیا کہ وہ اپنے دنیاوی کاروبار میں چاند اور سورج کی روشنی سے ایک معین حساب کے ماتحت منتفع ومستفید ہوتی رہے پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ کفر وشرک، ظلم وعدوان اور فسق وفجور کی شب دیجور میں اسکی طرف سے کوئی چاند نہ چمکا، نہ صبح صادق کا نور پھیلا، نہ رات ختم ہو کر کوئی آفتاب طلوع ہوا۔ خدا کی ساری مخلوق ابدالآباد کے لئے جہل وضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں پڑی چھوڑ دی گئی۔ کیا گیہوں کے دانے اور کھجور کی گٹھلی کو پھاڑ کر خدائے کریم سرسبز درخت اگاتا ہے پر انسان کے قلب میں معرفت ربانی کا استعداد کا جو بیج فطرۃً بکھیر اگیا ہو وہ یوں ہی بیکار ضائع کر دیا گیا کہ نہ ابھرا، نہ پھیلا، نہ پکا، نہ تیار ہوا جب جسمانی حیثیت سے دنیا میں حی ومیت کا سلسلہ قائم ہے۔ خدا زندہ سے مردہ کو مردہ سے زندہ کو نکالتا رہتا ہے تو روحانی نظام میں خدا کی اس عادت کا کیوں انکار کیا جائے بیشک وہ روحانی طور پر بھی وہ، بہت دفعہ ایک زندہ قوم سے مردہ اور مردہ قوم سے زندہ افراد پیدا کرتا ہے۔ اور جس طرح اس نے ہماری دنیاوی زندگی کے مستقر ومستودع کا حکیمانہ بندوبست کیا ہے حیات اخروی کے مستقر ومستودع کے سامان اس سے کہیں بڑھ کر مہیا فرمائے۔ فللہ الحمد والمنہ وبہ الثقۃ والعصمۃ یہیں سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ جس طرح ہم خدا تعالیٰ کو اسکے کاموں سے پہچانتے ہیں یعنی جو کام وہ اپنی قدرت کاملہ سے کرتا ہے کسی مخلوق کی طاقت نہیں کہ ویسا کام کر سکے۔ ٹھیک اسی طرح اسکے کلام کو بھی ہم اسی معیار پر جانچ سکتے ہیں کہ خدا کا کلام وہی ہو سکتا ہے کہ اس جیسا کلام ساری مخلوق مل کر بھی نہ بنا سکے پھر "سانزل مثل ماآنزل اللہ" کا ادعاء کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے گویا اس رکوع میں حق تعالیٰ کی صفات وافعال بیان کر کے ان تمام مسائل کی حقیقت پر متنبہ کر دیا گیا جن کی تعلیم گزشتہ رکوع میں کی گئی تھی۔

تُؤْفَكُوْنَ﴾

بے شک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانہ کا اور گٹھلیوں کا یعنی جب دانہ اور گٹھلی کو زمین بویا جاتا ہے تو اس سے قسم قسم کے پھل اور پھول نمودار ہوتے ہیں جو باعتبار صورت اور شکل اور حرارت اور برودت اور کیفیت اور خاصیت اور تلخی اور حلاوت کے مختلف ہوتے ہیں حالانکہ مادہ اور طبیعت سب کی ایک ہے اور چاند اور سورج کی روشنی اور ہوا سب کی ایک ہے اور یہ ایسی عجیب وغریب صنعت ہے جو عقل انسانی سے کہیں بالا اور برتر ہے معلوم ہوا کہ یہ کسی بڑے صانع حکیم اور قادر علیم کی کارسازی ہے جو اس کی کمال قدرت اور کمال حکمت پر دلالت کرتی وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے یعنی ایک ضد کو دوسری ضد سے نکالتا ہے جیسے ایک نطفہ بے جان سے انسان اور حیوان کو نکالتا ہے اور انسان اور حیوان سے نطفہ بے جان نکالتا ہے اور انڈے سے مرغی کا بچہ اور مرغی سے انڈا نکالتا ہے اور مومن زندہ ہے اور کافر مردہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کافر سے مومن کو اور مومن سے کافر کو نکالتا ہے یعنی پیدا کرتا ہے۔ یہ ہے اللہ جو ایک ضد کو دوسری ضد سے نکالتا ہے اور عدم کو پھاڑ کر اس میں سے موجود کو نکالتا ہے یہ مادہ اور نیچر اور طبیعت کا کام نہیں کہ صنعت کے ایسے عجیب وغریب کرشمے دکھا سکے پس تم کہاں حق سے پھرے جاتے ہو یعنی خدا تو یہ خالق ہے جس کی صنعت سے عقل حیران ہے ایسے خدا کی عبادت کرو مادہ اور طبیعت اور ایتھر کا کیوں نام لیتے ہو۔

دلیل دوم:...... ﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾

وہ صبح کا پھاڑنے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ رات کی ظلمت اور تاریکی کو پھاڑ کر صبح کا ستون نکالتا ہے یعنی رات ختم ہو جاتی ہے اور صبح صادق نمودار ہو جاتی ہے اور رات کے اندھیرے میں سے صبح صادق کا اجالا نکالنا یہ بھی اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے اور اس نے رات کو راحت اور سکون کا ذریعہ بنایا کہ دن کا تکان رات کے سونے سے جاتا رہتا ہے اور اس نے چاند اور سورج کو حساب کا ذریعہ بنایا جس سے لوگوں نے مہینے اور سال مقرر کیے یہ اندازہ ہے زورآور علم والے کا جس میں کوئی غلطی نہیں ہوتی۔ گھڑی غلط ہو جاتی ہے مگر خدا کی گھڑی یعنی چاند اور سورج اپنے طلوع اور غروب میں غلطی نہیں کرتی۔

دلیل سوم:...... ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾

اور وہ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے نفع اور فائدہ کے لیے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعہ جنگل اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کر سکو۔ اندھیری رات میں ستاروں کے ذریعہ راستہ کی سمت معلوم ہوتی ہے تحقیق ہم نے اپنی قدرت کی نشانیاں ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دی ہیں جو علم اور عقل رکھتے ہیں یعنی علم اور عقل والوں کو ہم نے استدلال کا طریقہ بتلا دیا کہ وہ ان چیزوں سے خدا کی وحدانیت اور قدرت پر استدلال کر سکتے ہیں۔ ستاروں کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے پیدا کیا تاکہ وہ آسمان کی زینت ہوں اور شیاطین کے رجم کا سامان ہوں اور رات کی تاریکیوں میں ان سے راستہ اور سمت معلوم ہو سکے باقی ستاروں کی تاثیرات کا قائل ہونا بالکل غلط ہے تاثیر کے معنی کسی چیز میں اپنی قدرت سے اثر کرنے کے ہیں تو ستارے بالذات تو کسی چیز میں مؤثر نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ ستارے مخلوق ہیں اور مخلوق بالذات کسی چیز میں مؤثر نہیں ہو سکتی

اور اگر یہ کہا جائے کہ ان میں اللہ نے یہ تاثیر رکھی ہے تو اس کے لیے کوئی دلیل نہیں اور اسباب ظاہری کی طرح ان میں تجربہ اور مشاہدہ مفقود ہے اور اگر بالفرض اللہ نے ان میں کوئی تاثیر رکھی ہے تو وہ اللہ ہی کو معلوم ہے ہمیں اس تاثیر کا کوئی علم نہیں اللہ تعالیٰ نے جتنا بتلا دیا وہ حق ہے اس کے سوا سب وہم وگمان ہے۔

دلیل چہارم:...... ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ﴾ اور وہ وہ ہے کہ جس نے تم کو ایک جان (آدم) سے پیدا کیا اور سلسلہ توالد اور تناسل کا جاری کیا پھر تمہارے لیے ایک مستقر یعنی جائے قرار ہے یعنی ٹھہرنے کی جگہ ہے اس سے مراد دنیا ہے اور ایک مستودع یعنی سونپے جانے کی جگہ ہے اس سے مراد قبر ہے جہاں انسان عارضی طور پر ودیعت رکھا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ پیدا کرنے کے بعد ایک مدت تک تم کو دنیا میں رکھتا ہے قال تعالیٰ: ﴿وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ﴾ پھر اس کے بعد تم کو مارتا ہے اور مرنے کے بعد تم کو قیامت تک قبروں میں رکھتا ہے اور اس کے بعد تم کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرے گا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مستودع سے چند روزہ دنیا مراد ہے اور مستقر سے قبر مراد ہے جس میں ایک طویل عرصہ تک ٹھہرنا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مستقر سے پشت پدر مراد ہے اور مستودع بمعنی جائے امانت سے رحم مادر مراد ہے تحقیق ہم نے اپنی قدرت کی نشانیاں ان لوگوں کے لیے بیان کر دیں جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں سمجھ جائیں کہ ایک اصل (یعنی نفس واحدہ) سے بے شمار مختلف الانواع اور مختلف الاشکال اشخاص کا پیدا کرنا کمال قدرت اور کمال حکمت کی دلیل ہے جس پر سوائے خداوند قدوس کے کوئی قادر نہیں اور فلاسفہ اور سائنس دانوں کا یہ دعویٰ کہ یہ تمام تغیرات اور انقلابات محض مادہ بسیطہ اور اس کے اجزاء لاتجزیٰ کی حرکت قدیمہ سے ظہور میں آئے ہیں دعویٰ بلا دلیل ہے جیسا کہ اس ناچیز نے اپنے رسالہ (اثبات صانع عالم وابطال دہریت ومادیت) میں تفصیل کے ساتھ اس دعوے کا مہمل ہونا واضح کر دیا ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔

دلیل پنجم:...... ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ... الی... اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾

اور جس طرح خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک نفس واحدہ (آدم) سے مختلف قسم کے انسان پیدا کیے اسی طرح اس خدا نے آسمان یعنی بادل سے ایک قسم کا پانی اتارا پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ سے باوجود اس پانی کے ایک ہونے کے ہر قسم کی اگنے والی چیزیں اگائیں جن کے اقسام اور انواع کی شمار بھی انسان کی قدرت اور اختیار سے باہر ہے پھر ہم نے اس میں سے سبزہ نکالا جس سے ہم اناج کے دانے نکالتے ہیں جو تو برتو ہوتے ہیں یعنی اس سے ایسے دانے نکالتے ہیں جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہوتے ہیں یہ تو غلوں کی کیفیت کا بیان ہوا جن کا اجمالی طور پر ﴿فَالِقُ الْحَبِّ﴾ میں ذکر آچکا ہے اب آئندہ آیات میں درختوں اور پھلوں کا ذکر کرتے ہیں جو گٹھلیوں سے پیدا ہوتے ہیں جن کا اجمالی ذکر ﴿وَالنَّوٰى﴾ میں آچکا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی اس کے گابھے سے بعض خوشے ایسے ہوتے ہیں جو لٹکے اور جھکے ہوئے ہوتے ہیں جس تک آدمی کا ہاتھ بآسانی پہنچ سکتا ہے اور بعض بلندی پر ہوتے ہیں اس سے بھی خدا کی قدرت کا کمال ظاہر ہوتا ہے اور اسی ایک پانی سے ہم نے انگوروں کے باغ نکالے اور زیتون اور انار کے درخت نکالے

اس حال میں کہ ان کے بعضے پھل صورت اور شکل اور رنگ اور مزہ میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں یعنی یکساں اور ملتے جلتے ہوتے ہیں اور بعض مختلف اور جدا ہوتے ہیں بعضے پھل تاثیر اور خاصیت میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں اور بعض مختلف ہوتے ہیں اس سے بھی خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کا پتہ چلتا ہے کہ مادہ ایک ہے اور خواص اور آثار مختلف ہیں ذرا ان درختوں کے پھلوں کی طرف نظر تو کرو جب درخت پھل لاوے کہ اس کا رنگ اور مزہ کیسا اور بو کیسی اور اس کے پکنے کو دیکھو کہ کس طرح بتدریج پکتا جاتا ہے اور اس کا رنگ اور مزہ بدلتا جاتا ہے اس سے بھی خدا تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا اندازہ لگاؤ بے شک ان امور مذکورہ بالا میں خدا تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال صنعت کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں ذرا سے غور سے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تمام تغیرات کسی قادر مختار کی قدرت کے کرشمے ہیں بے جان اور بے شعور طبیعت اور مادہ سے اسی عجیب وغریب صنعتوں کا ظہور عقلاً محال ہے۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے کھیتی کے بعد چار قسم کے درخت ذکر فرمائے۔ کھجور، انگور، زیتون، انار اور کھیتی کو اس لیے مقدم کیا کہ وہ انسان کی غذا ہے اور یہ پھل ہیں اور یہ چاروں میوے تمام میووں سے افضل ہیں اور فوائد اور منافع میں سب سے بڑھ کر ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے صرف ان چار کے ذکر پر اقتصار فرمایا۔

برگ درختان سبز درنظر ہوشیار ہر ورقے دفتر یست معرفت کردگار

ظاہر میں توحید کے پانچ دلائل ذکر کیے مگر درحقیقت ہر دلیل بے شمار دلیلوں پر مشتمل ہے۔

ہر گیاہے کہ ز زمین روید وحدہ لا شریک لہ گوید

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ

اور ٹھہراتے ہیں اللہ کے شریک جنوں کو حالانکہ اس نے ان کو پیدا کیا ہے ف ۱ اور تراشتے ہیں اس کے واسطے بیٹے اور بیٹیاں جہالت سے ف ۲ وہ پاک ہے

اور ٹھہراتے ہیں شریک اللہ کے جنّ، اور اس نے ان کو بنایا، اور تراشتے ہیں اس کے واسطے بیٹے اور بیٹیاں بن سمجھے، وہ اس لائق نہیں

ع ۱۲ ۶ ۱۸ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اور بہت دور ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں ف ۳

اور بہت دور ہے ان باتوں سے جو بتاتے ہیں۔

ف ۱ یا تو "جن" سے مراد یہاں "شیاطین" ہیں چونکہ کفر وشرک کا ارتکاب شیطان کے اغواء سے ہوتا ہے اس لئے اس کے اغواء واضلال سے غیر اللہ کی عبادت کرنا گویا اسی کی عبادت ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستی کا رد کرتے ہوئے فرمایا یا ابت "لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ" دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ﴾ ملائکہ قیامت میں فرمائیں گے ﴿سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ﴾ اور یا "جن" سے مراد قوم جن لی جائے جن کے بعض سرداروں سے اہل جاہلیت استعانت وتعوذ کیا کرتے تھے ﴿وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا﴾ بہر حال وہ خود ہماری طرح خدا کی عاجز مخلوق ہے۔ پھر مخلوق ہو کر خالق کا شریک کیسے ہو سکتا ہے۔

ف ۲ نصاریٰ حضرت مسیح کو بعض یہود حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا اور مشرکین ملائکہ اللہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔

ف ۳ یعنی پاک ہے شرکت سے اسکی شان بہت بلند ہے ترکیب وتحلیل سے پھر باپ بیٹے کا تصور وہاں کیسے ہو سکتا ہے۔

ابطال شرک و تشنیع اہل شرک

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ ... الی ... سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گزشتہ آیات میں حق جل شانہ نے توحید اور الوہیت اور کمال قدرت کی پانچ دلیلیں ذکر فرمائیں اب آئندہ آیات میں ان لوگوں کی تردید اور تہدید فرماتے ہیں جنہوں نے خدا کے لیے شریک اور سہیم ٹھہرائے اور خدا کے شریک ٹھہرانے والے تین گروہ ہیں ایک گروہ بت پرستوں کا ہے جن کا شروع سورت سے لے کر برابر رد ہوتا چلا آیا اور دوسرا گروہ کواکب پرستوں کا ہے جن کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں رد ہو چکا ہے اور مشرکین کا تیسرا گروہ مجوس کا ہے جو عالم کے لیے دو خدا کے قائل ہیں۔ ایک خیر کا خالق اور ایک شر کا خالق۔ اب اس پہلی آیت یعنی ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ﴾ میں مشرکین کے تیسرے گروہ یعنی مجوس کا رد ہے۔

جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ آیت مجوس کے رد میں نازل ہوئی امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت دراصل مجوس کے بارے میں ہے اور مقصود ان بیوقوفوں پر تشنیع کرنا ہے جو اس عالم کے لیے دو خدا مانتے ہیں۔ (تفسیر کبیر: ۴/۱۱۱-۱۱۲)

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین عرب کے رد میں ہے اور چونکہ کفر اور شرک کا ارتکاب اغواء شیطانی سے ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے اغواء اور اضلال سے غیر اللہ کی عبادت کرنا گویا کہ شیاطین ہی کی عبادت کرنا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستی کا رد کرتے ہوئے فرمایا ﴿يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ﴾ اور دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ وقال تعالیٰ ﴿اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا﴾ لعنہ اللہ۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس آیت کی تفسیر میں راجح قول یہی ہے کہ یہ آیت مجوس کے بارے میں نازل ہوئی اور اس کو شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے موضح القرآن میں اختیار فرمایا۔

اب آیت کی تفسیر سنئے اور ان مشرکوں میں سے بعضوں نے جنوں کو اللہ کا شریک اور سہیم ٹھہرالیا ہے حالانکہ خود ان لوگوں کے اقرار کے موافق بھی اللہ ہی نے ان جنوں اور ان شریک ٹھہرانے والوں کو پیدا کیا ہے سب اس کی مخلوق ہیں جیسا کہ خود ان کو بھی اقرار ہے کہ جنات اور شیاطین سب اللہ ہی کی مخلوق ہیں پس کس قدر ظلم ہے کہ مخلوق کو خالق کا شریک ٹھہراتے ہیں آیت میں جن سے مراد شیاطین ہیں اور یہ آیت مجوس کے متعلق ہے جن کا اعتقاد یہ تھا کہ نور کا خالق خدا ہے اور ظلمت کا خالق شیطان ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجوسیوں نے کہا تھا کہ شیطان خدا کا شریک ہے نیکی کو خدا پیدا کرتا ہے اور اس کو یزدان کہتے تھے اور بدی کو شیطان پیدا کرتا ہے اور اس کو اھرمن کہتے تھے (موضح القرآن) اور یزدان کی فوج کو ملائکہ یعنی فرشتے اور اھرمن (یعنی ابلیس) کی فوج کو جن اور شیاطین کہتے تھے۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں مجوس کا مذہب نقل کیا اب آئندہ آیت میں ان لوگوں کا مذہب نقل کرتے ہیں جو خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں ثابت کرتے ہیں اور پھر اس کا رد فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور بعض مشرکین نے بغیر علم کے محض جہالت سے خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تراشی ہیں نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے اور بعض یہود کہتے ہیں کہ عزیر علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے اور مشرکین عرب یہ کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں حق تعالیٰ نے اس آیت میں ان تینوں کی تردید کی اور بتلا دیا کہ یہ ان لوگوں کا خدا پر بہتان ہے جس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں اولاد اپنے باپ کا جزء ہوتی ہے اور اس کے مشابہ ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ تجزیہ اور مشابہت سے پاک اور منزہ ہے اور وہ ان تمام باتوں سے بلند اور برتر ہے کہ جو یہ لوگ خدا کی نسبت بیان کرتے ہیں وہ خداوند قدوس تو بے چون و چگون ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ اور وہ چیزیں جن کو ان لوگوں نے خدا کا شریک اور سہیم ٹھہرایا ہے وہ چونی اور چندی میں گرفتار ہیں وہ معبود کیسے ہو سکتی ہیں عبادت کی مستحق تو وہ ذات بابرکات ہے جس کے صفات اور کمالات کا اوپر ذکر ہوا۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ

نئی طرح پر بنانے والا آسمانوں اور زمین کا ف۲ کیونکر ہو سکتا ہے اس کے بیٹا حالانکہ اس کے کوئی عورت نہیں اور اس نے بنائی ہر

نئی طرح بنانے والا آسمان و زمین کا۔ اس کو کہاں سے ہو بیٹا؟ اور اس کو کوئی عورت نہیں۔ اور اس نے بنائی ہر

شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۱۰۱ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ

چیز اور وہ ہر چیز سے واقف ہے ف۲ یہی اللہ تمہارا رب ہے نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے پیدا کرنے والا ہر چیز کا

چیز۔ اور وہ ہر چیز سے واقف ہے۔ یہ اللہ ہے رب تمہارا، اس کے سوا کسی کو بندگی نہیں۔ بنانے والا ہر چیز کا،

فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۱۰۲ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ

سو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے ف۳ نہیں پا سکتیں اس کو آنکھیں اور وہ پا سکتا ہے آنکھوں کو

سو تم اس کی بندگی کرو۔ اور اس پر ہر چیز کا حوالہ ہے۔ اس کو نہیں پا سکتیں آنکھیں اور وہ پا سکتا ہے آنکھوں کو،

ف۱ جس نے تنہا تمام آسمان وزمین بدوں کسی نمونہ اور توسط آلات وغیرہ کے ایسے انوکھے طرز پر پیدا کر دیئے۔ آج اس کو شرکاء کی امداد اور بیٹے پوتے کا سہارا ڈھونڈھنے کی کیا ضرورت ہے۔

ف۲ تعجب ہے کہ جب کسی مخلوق کو تم حقیقۃً خدا کی اولاد قرار دیتے ہو تو ان بچوں کی ماں کسے تجویز کرو گے اور اس ماں کا تعلق خدا کے ساتھ کس قسم کا مانو گے۔ عیسائی حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں لیکن یہ جسارت وہ بھی نہیں کر سکے اور کہ مریم صدیقہ کو (العیاذ باللہ) خدا کی بیوی قرار دیکر زناشوی کے قائل ہو جائیں۔ جب ایسا نہیں تو مریم کے بطن سے پیدا ہونے والا خدا کا بیٹا کیونکر بن گیا۔ دنیا کے دوسرے بچوں کو بھی خدا تعالیٰ ماؤں کے پیٹ سے پیدا کرتا ہے اور وہ معاذ اللہ خدا کی نسلی اولاد نہیں کہلاتے۔ یہ فرق کہ کوئی بچہ محض نفخۂ جبریلیہ سے بدوں توسط اسباب عادیہ کے پیدا کر دیا جائے اور دوسروں کو عام اسباب کے سلسلہ میں پیدا فرمائیں، ابوت و بنوت کے مسئلہ پر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اسباب و مسببات ہوں یا خوارق عادات سب کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے اور وہ ہی جانتا ہے کہ کس چیز کو کس وقت پیدا کرنا مصلحت وحکمت ہے۔

ف۳ اس کی عبادت اس لئے کرنی چاہیے کہ مذکورہ بالا صفات کی وجہ سے وہ ذاتی طور پر استحقاق معبود بننے کا رکھتا ہے اور اس لئے بھی کہ تمام مخلوق کی کارسازی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿۱۰۳﴾

اور وہ نہایت لطیف اور خبردار ہے ف۱

اور وہ بھید جانتا ہے خبردار۔

ابطال عقیدہ ابنیت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ اَنّٰى يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ... الی... وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں جب توحید کی پانچ دلیلیں بیان کیں اور مشرکین کے عقائد شرکیہ کی تردید کی تو اب آئندہ آیات میں خاص طور پر نصاریٰ کے عقیدہ ابنیت کا ابطال فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اولاد سے پاک اور منزہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں وہ بغیر مادہ اور بغیر نمونہ کے آسمانوں اور زمین کا موجد ہے یعنی محض نیست سے ہست کرنے والا ہے یعنی یہ آسمان وزمین جو تمام عالم کو احاطہ کیے ہوئے ہیں سب اسی کا پیدا کیا ہوا اور بنایا ہوا ہے جس میں ''اھرمن'' بھی داخل ہے اور حضرت عزیر اور عیسیٰ علیہما السلام اور ان کی والدہ مریم صدیقہ علیہا السلام اور آسمان وزمین کے تمام فرشتے بھی اس میں داخل ہیں اس کے لیے اولاد کیسے ہوسکتی ہے حالانکہ اس کے کوئی بیوی نہیں اور اولاد کے لیے بیوی کا ہونا ضروری ہے اور نصاریٰ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بناتے ہیں لیکن یہ جرأت اور جسارت وہ بھی نہیں کرسکے کہ معاذ اللہ حضرت مریم علیہا السلام کو خدا تعالیٰ کی بیوی قرار دے سکیں اور خدا تعالیٰ کے لیے بیٹے اور بیوی کا ہونا اس لیے محال ہے کہ بیٹا باپ کے اور بیوی شوہر کے ہم جنس ہوتی ہے اور خدا کا ہم جنس کوئی نہیں اور اللہ ہی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے پس اگر کسی ایک مخلوق کا خدا کا بیٹا ہونا جائز اور ممکن ہو تو پھر ایک کی خصوصیت کیا ہر مخلوق کا بیٹا بننا ممکن ہوگا اور جس طرح وہ ہر شیء کا پیدا کرنے والا ہے اسی طرح وہ ہر شئ کا جاننے والا ہے کسی شئ کی حقیقت اور اس کی صفت اور حالت اس سے ذرہ برابر پوشیدہ نہیں جس طرح اس کی تخلیق اور ایجاد تمام کائنات کو محیط ہے اسی طرح اس کا علم بھی سب کو ہر طرح سے محیط ہے کیونکہ بغیر علم کے پیدا کرنا ناممکن ہے۔ ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ پس معبود وہی ہوسکتا ہے کہ جس کی قدرت اور جس کا علم تمام ممکنات کو محیط ہو یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار یعنی جس کی صفات اوپر مذکور ہوئیں وہی اللہ ہے اور وہ ہی قابل عبادت ہے اور جو ایسا نہیں وہ نہ اللہ ہے اور نہ قابل عبادت ہے پس مشرک جو بتوں کو پوجتے ہیں اور نصاریٰ جو خدا کے لیے بیٹا ٹھہراتے ہیں وہ دونوں غلطی پر ہیں جس کے بیٹا ہو وہ خدا ہی کیا ہوا ہم ہی جیسا آدمی ہوا اور بت جو کسی چیز کے خالق نہیں اور نہ ان کو کسی چیز کی کوئی خبر ان کے پوجنے سے کیا حاصل۔ پس خوب سمجھ لو کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی ہر شئے کا پیدا کرنے والا ہے پس اسی کی بندگی کرو اور وہی ہر چیز کا

ف۱ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ آنکھ میں یہ قوت نہیں کہ اس کو دیکھ لے ہاں وہ خود از راہ لطف کرم اپنے کو دکھانا چاہے تو آنکھوں میں ویسی قوت بھی فرما دے گا۔ مثلاً آخرت میں مومنین کو حسب مراتب رویت ہوگی جیسا کہ نصوص کتاب وسنت سے ثابت ہے یا بعض روایات کے موافق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ الاسراء میں رویت ہوئی علی اختلاف الاقوال۔ باقی مواضع میں چونکہ کوئی نص موجود نہیں لہٰذا عام قاعدہ کی بناء پر نفی رویت ہی کا اعتقاد رکھا جائے گا۔ مفسرین سلف میں سے بعض نے ادراک کو احاطہ کے معانی میں لیا ہے یعنی نگاہیں کبھی اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں۔ آخرت میں بھی رویت ہوگی احاطہ نہ ہوگا۔ ہاں اسکی شان یہ ہے کہ وہ تمام ابصار ومبصرات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس وقت "لطیف" کا تعلق "لاتدرکہ" سے اور "خبیر کا" "وھو یدرک" سے ہوگا۔

کارساز اور محافظ اور نگہبان ہے مطلب یہ ہے کہ خدا وہ ہے جو کہ بے نظیر اور بے مثال ہو کوئی اس کا ہم جنس نہ ہو اور ہر چیز کا خالق اور محافظ اور نگہبان اور کارساز ہو اور اس کی تخلیق اور تکوین اور اس کا علم تمام ممکنات کو محیط ہو اور جس میں یہ صفت نہ ہو وہ لائق عبادت نہیں اور معبود برحق کی علوشان کا یہ حال ہے کہ نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں اور وہ سب نگاہوں کو پاتا ہے یعنی سب نگاہیں اس کے ادراک اور احاطہ سے عاجز اور درماندہ ہیں آنکھوں میں یہ طاقت اور قوت نہیں کہ وہ اس کو دیکھ سکیں اور وہ سب آنکھوں اور نگاہوں اور بینائیوں کا محیط ہے اور وہ نہایت لطیف اور باریک بین خبردار ہے وہ ان چیزوں کا بھی ادراک کرتا ہے جن کے ادراک سے تمام نگاہیں قاصر ہیں باریک بین سے مراد یہ ہے کہ وہ اشیاء کے اندرونی حالات سے بخوبی واقف ہے کوئی شئ خواہ کیسی ہی دقیق کیوں نہ ہو وہ اس سے مخفی نہیں اس بیان سے یہ ظاہر ہو گیا کہ لطیف کا تعلق ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ سے ہے خبیر کا تعلق ﴿هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ﴾ سے ہے بلاتشبیہ اور بلاتمثیل کے ایسا سمجھو کہ جیسے روح ہے کہ نگاہیں اس کے ادراک سے قاصر ہیں اور روح نگاہوں کا اور تمام چیزوں کا ادراک کرسکتی ہے اسی وجہ سے افعال انسانی کو روح کی طرف نسبت کیا جاتا ہے کسی اور شئ کی طرف نسبت نہیں کی جاتی اس سے کافروں کے اس شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ خدا ہم سے غائب کیوں ہے اور وہ ہمیں نظر کیوں نہیں آتا۔

جواب اس طرح ہو گیا کہ وہ معبود برحق لطیف وخبیر ہے کمال لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتا جیسے روح کمال لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی اسی طرح وہ لطیف وخبیر بھی نظر نہیں آتا اور اس عالم اجسام میں ہوا بھی ایک جسم لطیف ہے اپنی لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ معبود برحق وہ ہے کہ جو علیم وقدیر اور لطیف وخبیر ہو اور یہ صفت سوائے اللہ کے کسی کے لیے ثابت نہیں پھر کیسے کوئی اس کا شریک اور سہیم ہوسکتا ہے۔

اس آیت یعنی ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ سے معتزلہ اور خوارج اور شیعہ اور مرجئہ وغیرہ بدعتی فرقوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بہشت میں حق تعالیٰ شانہ کا دیدار نہ ہوگا معتزلہ نے اس آیت سے یہ سمجھا کہ دنیا اور آخرت دونوں میں اللہ کا دیدار ناممکن ہے۔

اہل سنت والجماعت کا اعتقاد اس بارے میں یہ ہے کہ بہشت میں خدا تعالیٰ کا دیدار افضل ترین نعمت ہے اور اگر سچ پوچھا جائے تو اصل بہشت اس کے دیدار کی لذت ہی کا نام ہے وہ بہشت ہی کیا ہوئی جس میں محبوب حقیقی کا دیدار نصیب نہ ہو علاوہ ازیں جنت میں رؤیت باری، آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے جن کا انکار در پردہ شریعت کا انکار ہے۔

آیات قرآنیہ

(۱) ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (۲) ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ (۳) ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ (۴) ﴿وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا

کَبِیْرًا﴾ (ای الحق سبحانہ) (۵) ﴿کَلَّآ اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے کفار کو عار دلائی ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنے پروردگار سے محجوب ہوں گے یعنی ان کے اور خدا کے درمیان حجاب یعنی پردہ ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان اس کو بے حجاب دیکھیں گے کیونکہ وہ بھی اگر کافروں کی طرح حجاب میں رہے تو ان میں اور کافروں میں کیا فرق رہا اور محجوب ہونے میں کافروں کی کیا تخصیص ہوئی۔

ان آیات کے علاوہ اور بھی آیتیں ہیں جو رؤیت باری تعالیٰ کے امکان اور وقوع پر دلالت کرتی ہیں ان آیات کی تفسیر کے موقع پر اس مقصد کو وضاحت کے ساتھ بیان کریں گے۔

احادیث نبویہ

رہی سنت نبوی ﷺ سو، احادیث متواترہ جو صحابہ ﷺ کی ایک کثیر جماعت سے مروی ہیں ان سے بطریق تواتر یہ ثابت ہے کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو دار آخرت میں بلا اشتباہ اور بلا مزاحمت کے اس طرح دیکھیں گے جیسے چودھویں رات کے چاند کو بلا مزاحمت دیکھتے ہیں۔

کتب احادیث میں رؤیت باری تعالیٰ کا ایک مستقل باب ہے اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے حادی الارواح میں اور جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے البدور السافرہ میں دیدار خداوندی کی احادیث کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے حضرات اہل علم اس کی مراجعت کریں۔

اب رہی آیت زیر تفسیر، سو، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اہل سنت کے مسلک کے منافی نہیں اس آیت میں حق تعالیٰ نے رؤیت کی نفی نہیں کی بلکہ ادراک ابصار کی نفی ہے اور ادراک اور رؤیت میں بڑا فرق ہے ادراک کے معنی لغت میں کسی چیز کو اپنے احاطہ میں لے لینے کے ہیں خدا تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرماتے ہیں ﴿قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓی اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ﴾ یعنی جب فرعون کے لشکر نے بنی اسرائیل کا تعاقب اور پیچھا کیا تو موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام اب تو ہم پکڑ لیے گئے اور گھیر لیے گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کَلَّا وہ ہرگز نہیں پکڑ سکتے معلوم ہوا کہ ادراک کے معنی رؤیت کے نہیں بلکہ احاطۂ تام کر لینے اور قبضہ میں لے لینے کے ہیں کیونکہ فرعونیوں نے بنی اسرائیل کو دیکھ تو لیا تھا مگر ادراک یعنی پکڑنے سے قاصر اور عاجز رہے معلوم ہوا کہ ادراک اور شئ ہے اور رویت اور شئ ہے اور ادراک کی نفی سے رؤیت کی نفی لازم نہیں آتی پس آیت ﴿لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ﴾ الخ کے معنی یہ ہوں گے کہ نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتی البتہ وہ لطیف و خبیر تمام ابصار اور مبصرات کا احاطہ کیے ہوئے ہے لہٰذا آخرت میں حق تعالیٰ کی رؤیت ہوگی مگر احاطہ نہ ہوگا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِہٖ عِلْمًا﴾ بندے اللہ تعالیٰ کا باعتبار علم کے احاطہ نہیں کر سکتے مگر اللہ تعالیٰ کو جانتے اور پہچانتے سب ہیں احاطہ کی نفی سے مطلق علم کی نفی لازم نہیں آتی اور حدیث میں ہے "لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك۔" کوئی بندہ اللہ کی ثناء اور توصیف کا احصاء اور احاطہ نہیں کر سکتا مگر اس سے مطلق ثناء کی نفی لازم نہیں آتی امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

ابن عباس ﷠ سے بھی یہی منقول ہے کہ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ نگاہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتی ہیں مگر اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور اللہ تعالیٰ تمام ابصار کو احاطہ کیے ہوئے ہے اور زجاج ﷫ امام نحو یہ کہتے ہیں کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی اللہ کی کنہ اور حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا سو آنکھیں اس کو دیکھیں گی مگر احاطہ نہیں کر سکیں گی جس طرح دل اللہ کو جانتے اور پہچانتے ہیں مگر محیط نہیں اسی طرح آنکھیں اللہ کو دیکھ سکتی ہیں مگر احاطہ نہیں کر سکتیں خلاصہ کلام یہ کہ آیت میں ادراک بمعنی احاطہ اور تحدید کی نفی ہے مطلق رؤیت کی نفی نہیں۔

مطلق رؤیت باری آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے آنکھیں شمس وقمر کو دیکھتی ہیں مگر اس کی حقیقت اور کنہ کا ادراک نہیں کرتیں تو اسی طرح خداوند قدوس کے دیدار پر انوار کو سمجھو کہ نگاہیں نور السمٰوات والارض کو دیکھیں گی مگر اس کی کنہ اور حقیقت کے ادراک سے عاجز اور درماندہ ہوں گی۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۶۱ و تفسیر قرطبی: ۷/۵۴ و تفسیر کبیر: ۴/۱۲۰)

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں پس اس سے آخرت کے نہ دیکھنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ دنیا کی آنکھیں ضعیف ہیں اور آخرت کی آنکھیں قوی ہیں اس میں کیا استبعاد ہے کہ جو بات دنیا میں ناممکن ہو وہ آخرت میں ممکن ہو جائے۔

اور شاہ عبدالقادر ﷫ فرماتے ہیں کہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ آنکھ میں یہ قوت نہیں کہ اس کو دیکھ سکے ہاں اگر وہ خود از راہ لطف وکرم اپنے کو دکھانا چاہے گا تو آنکھوں میں ویسی قوت پیدا کر دے گا کہ جس سے اہل ایمان حسب مراتب خدا تعالیٰ کو دیکھ سکیں گے۔ انتہی۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا

تمہارے پاس آ چکیں نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے پھر جس نے دیکھ لیا سو اپنے واسطے اور جو اندھا رہا سو اپنے نقصان کو اور میں نہیں

تم کو پہنچ چکیں سوجھ کی باتیں تمہارے رب سے۔ پھر جو سوجھا سو اپنے واسطے اور جو اندھا رہا سو اپنے برے کو۔ اور

عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝۱۰۴ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ

تم پر نگہبان ف۱ اور یوں طرح طرح سے سمجھاتے ہیں ہم آیتیں اور تاکہ وہ کہیں کہ تو نے کسی سے پڑھا ہے اور تاکہ واضح کر دیں ہم اس کو واسطے

میں نہیں تم پر نگہبان۔ اور یوں پھیر پھیر سمجھاتے ہیں ہم آیتیں، اور تا کہیں کہ تو پڑھا ہے اور تا واضح کریں ہم اس کو واسطے

يَّعْلَمُوْنَ ۝۱۰۵ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ

سمجھ والوں کے ف۲ تو چل اس پر جو حکم تجھ کو آوے تیرے رب کا کوئی معبود نہیں سوا اس کے اور منہ پھیر لے

سمجھ والوں کو۔ تو چل اس پر جو حکم آئے تجھ کو تیرے رب سے۔ کسی کی بندگی نہیں سوا اس کے۔ اور جانے دے

ف۱ یعنی اگرچہ خدا ہمیں دکھائی نہیں دیتا مگر اس کے بصیرت افروز نشانات و دلائل ہمارے سامنے ہیں۔ جو آنکھ کھول کر دیکھے گا خدا کو پالے گا۔ اور جو اندھا بن گیا اس نے اپنا نقصان کیا میرے ذمے یہ نہیں کہ کسی کو دیکھنے پر مجبور کر دوں۔ ..... =

الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٦﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا ۗ وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ وَمَا أَنتَ

مشرکوں سے ف۱ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ شرک نہ کرتے ف۲ اور ہم نے نہیں کیا تجھ کو ان پر نگہبان اور نہیں ہے

شریک والوں کو۔ اور اگر اللہ چاہتا تو شریک نہ کرتے۔ اور تجھ کو ہم نے نہیں کیا ان کا نگہبان۔ اور تجھ پر نہیں

عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ ﴿١٠٧﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ

تو ان پر داروغہ ف۳ اور تم لوگ برا نہ کہو ان کو جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا پس وہ برا کہنے لگیں گے اللہ کو بے ادبی سے بدون

ان کا الہ۔ اور تم لوگ برا نہ کہو جن کو وہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا، کہ وہ برا کہہ بیٹھیں اللہ کو بےادبی سے بن

عِلْمٍ ۗ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا

سمجھے ف۴ اسی طرح ہم نے مزین کردیا ہر ایک فرقہ کی نظر میں ان کے اعمال کو پھر ان کو اپنے رب کے پاس پہنچنا ہے تب

سمجھ۔ اس طرح ہم نے بھلے دکھائے ہیں ہر فرقہ کو اس کے کام۔ پھر ان کو اپنے رب پاس پہنچنا ہے، تب

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٠٨﴾

وہ جتلا دے گا ان کو جو کچھ وہ کرتے تھے ف۵

وہ جتائے گا جو کچھ کرتے تھے۔

= ف۲ یعنی اپنی آیتوں کو مختلف پہلوؤں اور عجیب وغریب انداز سے اس لئے سمجھاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں کو پہنچا دیں۔ اور ان میں استعداد و احوال کے اختلاف سے دو فریق ہو جائیں۔ ضدی اور بدفہم تو یہ کہیں کہ ایسے علوم ومعارف اور موثر مضامین ایک امی سے کیسے بن پڑتے تو ضرور مختلف اوقات میں کسی سے سیکھتے رہے ہوں گے۔ پھر پڑھ پڑھا کر ہمارے سامنے پیش کر دیئے۔ لیکن سمجھ دار اور انصاف پسند لوگوں پر حق واضح ہو جائے گا۔ اور شیطانی شکوک و شبہات زائل ہو جائیں گے۔

ف۱ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدائے واحد پر بھروسہ کر کے اسکے حکم پر چلتے رہیں اور مشرکین کے جہل وعناد کی طرف خیال نہ فرمائیں کہ ایسے روشن دلائل و بیانات سننے کے بعد بھی راہ راست پر نہ آئے۔

ف۲ یعنی حق تعالیٰ کی تکوینی حکمت اس کو مقتضی نہیں ہوئی کہ وہ ساری دنیا کو زبردستی مومن بنا دے بیشک وہ چاہتا تو روئے زمین پر ایک مشرک کو باقی نہ چھوڑتا۔ لیکن شروع سے اس نے انسانی فطرت کا نظام ہی ایسا رکھا ہے کہ آدمی کوشش کرے تو یقیناً ہدایت قبول کر سکے تاہم قبول کرنے میں بالکل مجبور ومضطر نہ ہو پہلے اس مسئلہ کی تقریر گزر چکی۔

ف۳ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض تبلیغ احکام الٰہی کا اتباع ہے ان کے اعمال کے ذمہ دار اور جوابدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں۔

ف۴ یعنی تم تبلیغ ونصیحت کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکے اب جو کفر وشرک یہ لوگ کریں اس کے ذمہ دار خود ہیں تم پر اس کی کچھ ذمہ داری نہیں۔

ہاں یہ ضروری ہے کہ تم اپنی جانب سے بلا ضرورت ان کے مزید کفر وتعنت کا سبب نہ بنو۔ مثلاً فرض کیجیے ان کے مذہب کی تردید یا بحث ومناظرہ کے سلسلہ میں تم غصہ ہو کر ان کے معبودوں اور مقتداؤں کو سب وشتم کرنے لگو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جواب میں تمہارے معبود برحق اور محترم بزرگوں کی بے ادبی کریں گے۔ اور جہالت سے انھیں گالیاں دیں گے اس صورت میں اپنے واجب التعظیم معبود اور قابل احترام بزرگوں کی اہانت کا سبب تم بنے لہٰذا اس سے ہمیشہ احتراز کرنا چاہیے۔ کسی مذہب کے اصول وفروع کی معقول طریقے سے غلطیاں ظاہر کرنا یا اسکی کمزوری اور رکاکت پر تحقیقی والزامی طریقوں سے متنبہ کرنا جداگانہ چیز ہے لیکن کسی قوم کے پیشواؤں اور معبودوں کی نسبت بغرض تحقیر وتوہین دلخراش الفاظ نکالنا قرآن نے کسی وقت بھی جائز نہیں رکھا۔

ف۵ یعنی دنیا چونکہ دار امتحان ہے۔ اس کا نظام ہم نے ایسا رکھا ہے اور ایسے اسباب جمع کر دیئے ہیں کہ یہاں ہر قوم اپنے اعمال اور طور وطریق پر نازاں رہتی =

اتمام حجت بر منکرین نبوت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ... الی ... فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾

ربط: ...... حق جل شانہ نے جب اپنے وجود اور کمال قدرت اور وحدانیت کی دلیلیں بیان کر دیں تو اب منکرین نبوت کے چند شبہات نقل کر کے ان کا جواب دیتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ حجت پوری ہو چکی اور دلائل اور بصائر تمہارے سامنے آ چکے ہیں جو ان سے بصیرت حاصل کرے گا وہ فائدہ اٹھائے گا اور جو اندھے پن کی حالت میں پڑا رہے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا مشرکین عرب، قرآن کریم میں ایک شبہ تو یہ پیش کرتے تھے کہ حضور پر نور ﷺ اپنی ذات سے امی ہیں آپ ﷺ نے علماء اہل کتاب سے یہ مضامین پڑھ کر اور ان سے انبیاء سابقین علیہم السلام کے قصص کو سن کر یاد کر لیا ہے آپ ﷺ ان سے پڑھ کر اور سن کر یہ مضامین ہمارے سامنے بیان کر دیتے ہیں ورنہ آپ کو انبیاء سابقین علیہم السلام کے حالات کا کیا علم اور ﴿وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ﴾ میں اسی شبہ کا ذکر ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۴/ ۱۴۴)

دوسرا شبہ ان کا یہ تھا کہ یہ نبی ہماری خواہشوں کے موافق معجزات کیوں نہیں دکھاتا اور قسم کھا کر کہتے تھے کہ بخدا اگر ہم کو ہمارے یہ فرمائشی معجزات دکھا دیئے جائیں مثلاً کوہ صفا کو ہمارے لیے سونا بنا دیا جائے وغیرہ وغیرہ تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے اور ﴿وَأَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا﴾ میں اسی شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۴/ ۱۴۸)

کہ ان کی یہ قسمیں جھوٹی ہیں یہ جھوٹے لوگ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں گے اس سے پہلے جو معجزے ان کی فرمائش کے مطابق ان کو دکھائے گئے مثل شق القمر وغیرہ ان پر یہ کب ایمان لائے اسی طرح اب بھی ایمان نہ لائیں گے چنانچہ فرماتے ہیں (اے لوگو) تحقیق تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے دل کو بینا کرنے والی چیزیں آ چکی ہیں یعنی توحید اور رسالت اور قیامت کی ایسی روشن دلیلیں آ چکیں ہیں جن کو دیکھ کر دل کی آنکھیں کھل جائیں اور ہدایت اور گمراہی کا فرق آنکھوں کے سامنے آ جائے بصر اس نور کو کہتے ہیں جس سے سر کی آنکھ روشن ہو جائے اور بصیرت اس نور کو کہتے ہیں جس سے دل کی آنکھ روشن ہو جائے اور بصائر جمع بصیرت کی ہے جس کے معنی دل کی بینائی کے ہیں پس جس نے دل کی آنکھ سے حق اور ہدایت کو دیکھ لیا سو اس نے اپنے نفع کے لیے دیکھا اور جو شخص اندھا بن گیا اور حق کی طرف سے اس نے آنکھیں بند کر لیں سو اس نے اپنا ہی نقصان کیا اور میں تم پر نگہبان نہیں کہ جبراً و قہراً تمہیں حق دکھلا ہی دوں نظر اٹھا کر دیکھنا یہ تمہارے اختیار میں ہے میرا کام صرف تبلیغ اور دعوت ہے اور اسی طرح ہم اپنے دلائل اور براہین کو پھیر پھیر کر مختلف طریقوں سے بار بار بیان کرتے ہیں تا کہ مخالفین پر حجت پوری ہو جائے اور تا کہ یہ معاندین ضد اور عناد میں آ کر یہ کہیں کہ اے محمد ﷺ آپ ﷺ نے ان آیات بینات اور ان مضامین کو علماء یہود سے پڑھ لیا ہے اور آپ ﷺ ان سے پڑھ کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی وحی اور ان کا یہ کہنا محض عناد کی بناء پر تھا جس کا بطلان بالکل ظاہر ہے اس لیے کہ اگر ان کے نزدیک

= ہے، انسانی دماغ کی ساخت ایسی نہیں بنائی کہ وہ صرف سچائی کے قبول اور پسند کرنے پر مجبور ہو غلطی کی طرف جانے کی گنجائش ہی نہ رکھے ہاں خدا یہاں جا کر جب تمام حقائق سامنے ہوں گے، پتہ چل جائے گا کہ جو کام دنیا میں کرتے تھے وہ کیسے تھے۔

یہ قرآن اللہ کا کلام اور اس کی وحی نہیں بلکہ علماء یہود کا پڑھایا ہوا سبق ہے تو آپ لوگوں کو کس نے پڑھنے سے منع کر دیا ہے آپ بھی انہیں علماء یہود کے پاس جا کر اس قسم کی آیتیں بنوا لائیے اور قرآن کے مقابلہ میں ان کو پیش کر دیجئے خاص کر جب کہ علماء یہود آپ کے تو خاص دوست ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کے دشمن ہیں آپ کو پڑھانے سے کب انکار کر سکتے ہیں اور ہم دلائل اور براہین کو پھیر پھیر کر اس لیے بیان کرتے ہیں تا کہ ہم اس دین کو اہل عقل کے لیے واضح کر دیں یعنی تا کہ اہل دانش جن کا دل عناد سے خالی ہے وہ ان آیات کو دیکھ کر سمجھ جائیں کہ حق کس طرف ہے۔ الغرض ان آیات کی تصریف میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ معاندین کا عناد خوب ظاہر ہو جائے اور ان پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جو لوگ عقل و دانش رکھتے ہیں اور نا واقف ہیں اور معاند نہیں وہ سمجھ جائیں اور حق ان پر واضح ہو جائے اور اگر کچھ سمجھے ہوئے ہیں تو بار بار بیان کرنے سے ان کو بصیرت حاصل ہو جائے کیونکہ ایک مضمون جب بار بار مختلف عنوانات سے بیان کیا جاتا ہے تو وہ خوب دل نشین ہو جاتا ہے پس اے نبی ﷺ آپ اس چیز کی پیروی کیجئے کہ جو تیرے پروردگار کی طرف سے تیری جانب وحی کی گئی ہے اور لوگوں کے اس کہنے کی پروہ نہ کیجئے کہ تو نے یہ قرآن یہود سے پڑھ لیا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں الوہیت میں کوئی اس کا شریک نہیں اور اگر مشرکین اپنے شرک پر اصرار کریں تو آپ ﷺ غمگین نہ ہوں بلکہ ان مشرکوں سے منہ پھیر لیجئے ان کی خرافات کی طرف التفات نہ کیجئے اور نہ ان کی ہدایت کی فکر میں پڑیئے کیونکہ اگر اللہ چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے مگر خدا کو منظور نہیں اللہ تعالیٰ کی تکوینی حکمت اس کو مقتضی نہیں کہ لوگوں کو زبردستی مومن بنا دیا جائے اللہ تعالیٰ نے عقل دی اور قدرت اور اختیار دیا اور حق اور باطل کا فرق واضح کر دیا اب جس کا جی چاہے عرق گلاب پئے اور جس کا جی چاہے پیشاب پئے اور ہم نے آپ ﷺ کو ان پر نگہبان نہیں مقرر کیا اور نہ آپ ان پر داروغہ مقرر کیے گئے ہیں آپ کا کام صرف سمجھا دینا ہے اور نہ ماننا ان کا کام ہے آپ ﷺ کا فرض تبلیغ ہے وہ آپ ﷺ ادا کر چکے، رہے ان کے اعمال سو وہ خود اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں اور اب مسلمانوں کو یہ ہدایت کر دیجئے کہ تبلیغ اور دعوت اور موعظت کو ملحوظ رکھیں کہ اے مسلمانو تم ان معبودان باطلہ کو برا مت کہو جن کو یہ مشرکین اللہ کے سوا پکارتے ہیں ایسا نہ ہو کہ کہیں وہ برا کہہ بیٹھیں اللہ کو بے ادبی سے بغیر سمجھے مطلب یہ ہے کہ تم مشرکین کے معبودوں کو برا مت کہو مبادا کہ وہ لوگ ضد میں آ کر اپنی جہالت سے خدا اور اس کے رسول کو برا کہنے لگیں اور تم اس کے سبب بنو۔

ف:...... جاننا چاہئے کہ سب و شتم اور دشنام دہی یعنی گالیاں دینا اور چیز ہے اور معبودان باطلہ کے معایب اور ان کے نقائص اور ان کے عجز اور درماندگی کو اس لیے بیان کرنا کہ یہ بے حقیقت اور حقیر چیزیں ہیں قابل الوہیت اور لائق عبادت نہیں یہ اور چیز ہے مناظرہ اور مباحثہ میں تحقیق حقیقت کے لیے کسی شئی کے اوصاف اور نقائص بیان کرنا اور چیز ہے اور گالیاں دینا اور چیز ہے قرآن کریم نے مشرکوں کے معبودوں کو برا کہنے سے منع کیا جس سے مسلمانوں کو حسن اخلاق کی تعلیم دینا ہے اور قرآن کریم میں جا بجا معبودان باطلہ کی جو تنقیص اور تحقیر مذکور ہے اس سے مقصود ان کی الوہیت اور معبودیت کا باطل کرنا ہے (بلاغ) حضرات اہل علم اس مقام پر روح المعانی: ۷؍۲۱۹ پر امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ کا کلام معرفت التیام ملاحظہ کریں فانہ نفیس جداً۔

جس طرح ہم نے ان مشرکین کے دلوں میں شرک کا خیال جما دیا ہے اسی طرح ہم نے ہر قوم کے عمل خیر و شر کو اس کی نظر میں مزین اور مستحسن کر دیا ہے ہر قوم کو اپنا ہی طریقہ پسند ہے اور اس پر نازاں ہے حق تعالیٰ نے انسانی دماغ کی ساخت ایسی نہیں بنائی کہ جو حق کے قبول کرنے پر مجبور ہو جائے یہ دنیا دار ابتلاء اور دار امتحان ہے اس میں برے اعمال پر سزا نہیں ملے گی پھر ایک دن ان سب کا اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے سو وہ ان کو بتلا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے اور ان کے نیک و بد اعمال کی ان کو جزا و سزا دیگا۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ

اور وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تاکید سے کہ اگر آوے ان کے پاس کوئی نشانی تو ضرور اس پر ایمان لاویں گے ف ۱ تو کہہ دے کہ نشانیاں تو

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تاکید سے، کہ اگر ان کو ایک نشانی پہنچے، البتہ اس کو مانیں۔ تو کہہ، نشانیاں تو اللہ کے

اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ

اللہ کے پاس ہیں اور تم کو اے مسلمانو کیا خبر ہے کہ جب وہ نشانیاں آویں گی تو یہ لوگ ایمان لے آویں گے ف ۲ اور ہم الٹ دیں گے ان کے دل اور ان کی آنکھیں

پاس ہیں، اور تم مسلمان کیا خبر رکھتے ہو کہ جب وہ آئیں گی تو یہ مانیں گے۔ اور ہم الٹ دیں گے ان کے دل اور آنکھیں

كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۳/۱۰

جیسے کہ ایمان نہیں لائے نشانیوں پر پہلی بار اور ہم چھوڑے رکھیں گے ان کو ان کی سرکشی میں بہکتے ہوئے ف ۳

جیسے منکر ہوئے ہیں اس سے پہلی بار، اور چھوڑ رکھیں گے ان کو اپنے جوش میں بہکتے۔

کفار کے دوسرے شبہ کا جواب

قال تعالیٰ: ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ... الی ... وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾

اور ان معاندین نے اپنی سخت ترین قسمیں (یعنی نہایت پکی قسمیں) اللہ کی کھائی ہیں کہ اگر ان کے پاس ان کی مطلوبہ نشانی یعنی فرمائشی معجزہ آ جائے تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے یعنی اس نشان کے ظاہر ہونے کے بعد آپ ﷺ کی نبوت کو مان لیں گے کافروں نے اللہ کی بڑی پکی قسم کھا کر کہا تھا کہ اے محمد ﷺ اگر تو کوہ صفا کو سونے کا کر دے تو ہم تجھ پر ضرور ایمان لے آئیں گے اس پر بعض مسلمانوں کو بھی خیال ہوا کہ اگر ایسا ہو جائے تو اچھا ہے کفار ایمان لے آئیں گے آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ جز این نیست نشانیاں اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہیں یعنی میرے اختیار میں نہیں

ف ۱ یعنی بعض فرمائشی نشانیاں مثلاً کوہ صفا خالص سونے کا بن جائے۔

ف ۲ بعض مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ اچھا ہو اگر ان کی یہ حجت بھی پوری کر دی جائے اس پر فرما دیا کہ تمہیں کیا خبر ہے کہ یہ سرکش ضدی لوگ فرمائشی نشان دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے پھر سنت اللہ کے موافق اس کے مستحق ہوں گے کہ فوراً تباہ کر دیئے جائیں۔ جیسا کہ اسی سورت کے شروع میں ہم مفصل لکھ چکے ہیں۔

ف ۳ یعنی جب کفر و سرکشی میں تمادی ہوگی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم ان کے دل اور آنکھیں الٹ دیں گے۔ پھر حق کے سمجھنے اور دیکھنے کی توفیق نہ ملے گی۔ موضح القرآن میں ہے کہ "اللہ جن کو ہدایت دیتا ہے اول ہی حق سن کر انصاف سے قبول کرتے ہیں اور جس نے پہلے ہی ضد کی اگر نشانیاں بھی دیکھ لے تو کچھ حیلہ بنا لے"۔

خدا کے اختیار میں ہے وہ اپنی حکمت سے جس نشانی کو چاہتا ہے ظاہر کرتا ہے اور ان کی یہ قسمیں جھوٹی ہیں اور یہ لوگ ضدی اور عنادی ہیں اور اے مسلمانو! تم کو کیا معلوم ہمیں معلوم ہے کہ جب وہ ان کی فرمائشی نشانیاں آ جائیں گی تو یہ نہیں ایمان لائیں گے یعنی ہم کو معلوم ہے کہ وہ نشانی دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائیں گے پس ان کی درخواست کا پورا کرنا بے فائدہ ہے اور چونکہ یہ لوگ کفر اور سرکشی اور ضد اور عناد میں حد سے گزر چکے ہیں اس لیے اے مسلمانو تم کو کیا معلوم کہ ہم اس وقت ان کے دلوں کو قبول حق سے اور ان کی آنکھوں کو حق کے دیکھنے سے الٹ دیں گے اور ان نشانیوں کو دیکھ کر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ اس سے پہلی مرتبہ بھی وہ اس پر ایمان نہیں لاتے شق قمر کا معجزہ ان کی فرمائش کے مطابق دکھلایا گیا مگر اس پر ایمان نہیں لائے اور اس کو جادو کہہ کر رد کر دیا اسی طرح دوبارہ نشانی دیکھنے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے ان کو بار بار نشانی دکھانے سے کیا فائدہ جب دل الٹ دیا جاتا ہے تو سیدھی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی اور جب آنکھ الٹ جاتی ہے تو کچھ کا کچھ نظر آنے لگتا ہے اور ہم ان کو ان کی گمراہی اور سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیں گے کہ ان کا دل اور آنکھ حق اور ہدایت کی طرف متوجہ ہی نہ ہو اور کبھی ایمان کی توفیق ہی نہ ہو مطلب یہ ہے کہ ان سرکشوں کو دنیا میں بلا عقاب اور بلا عذاب کے چھوڑ دیں گے کہ وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں اور حیران رہیں اور ایمان نہ لائیں شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی جن کو اللہ ہدایت دیتا ہے اول ہی حق کو سن کر انصاف سے قبول کر لیتے ہیں اور جس نے پہلے ہی ضد کی اگر نشانی بھی دیکھے تو کچھ حیلے بنائے فرعون ان نشانیوں پر بھی ایمان نہ لایا۔ (موضح القرآن)

الحمد لله الذی هدانا لهذا وما كنا لنهتدی لولا ان هدانا الله ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب آمين يارب العلمين۔

الحمد للہ آج بروز دوشنبہ بوقت ایک بجے دن کے بتاریخ ۵ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ پارۂ ہفتم کی تفسیر سے فراغت ہوئی فلله الحمد اولا وآخرا۔

❁❁❁

سرٹیفکیٹ

قاری محمد اسلام میواتی

رجسٹریشن نمبر D42

Qari Muhammad Aslam Mewati

تاریخ 15-06-17

حوالہ نمبر 44

سرٹیفکیٹ تصحیح

اَلحَمدُ لِلّٰہ بندہ قاری محمد اسلام نے "مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ" اردو بازار لاہور سے شائع کی جانے والی تفسیر "معارف القرآن" مع "تفسیر عثمانی" جلد ثانی کے عربی متن کے ترجمہ کو حرف بحرف بغور پڑھا ہے۔ اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ اب اس میں کوئی لفظی و اعرابی غلطی نہیں ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

قاری محمد اسلام
رجسٹریشن نمبر 042
رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف حکومت پنجاب پاکستان
0306-6628331

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ
201 کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف حکومت پنجاب : 0306-6628331-0335-4274331

قطرات الیم

فی

تفسیر پارہ عم

محدث دوراں، ولی کامل، حکیم العصر

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ

امیر مرکزی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑپکا

ترتیب جدید

انیس احمد مظاہری

استاذ الحدیث مدرسہ احسان القرآن والعلوم النبویہ لاہور

ناشر

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ

29L.G حادیہ حلیمہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار

042-37242117,0321-4102117

Emial:maktabah.hr@gmail.com

کتب درس نظامی کی شروحات

۱ قطرات الیم فی حل پارہ عم

۲ نبراس الساری شرح البخاری

۳ التقریر الرفیع شرح مشکوۃ المصابیح ۳ جلد

۴ خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی

۵ البنیان شرح التبیان فی علوم القرآن

۶ الکمالات الوحیدیہ شرح المقامات الحریریہ

۷ تعلیم النحو شرح تسہیل النحو

۸ توضیحات شرح سبع معلقات

مکتبۃ المظاہر

0332-4377501

Maktabah almazahor

مکتبۃ حبیبیہ رشیدیہ

29LG ہادیہ حلیمیہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

042-37242117 0332-4377621

maktabah.hr@gmall.com

Maktabah Hablblyah Rashodoyah MHR